بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی۔ ۳۸

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)

۳۸۔ اردو بازار لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی - ۳۸

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ)

۳۸ - اردو بازار لاہور

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور ہم نے آپ پر اس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے

تبیان القرآن

جلد دوم

آلِ عمران ۔ النساء

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ کراچی ۔ ۳۸

ناشر

فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار لاہور ۲

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله رب العالمين الذى استغنى فى حمده عن الحامدين وانزل القرآن تبيانا لكل شئ عند العارفين والصلوٰة والسلام على سيدنا محمد الذى استغنى بصلوٰة الله عن صلوٰة المصلين واختص بارضاء رب العالمين الذى بلغ الينا ما انزل عليه من القرآن وبين لنا ما نزل عليه بتبيان وكان خلقه القران وتحدى بالفرقان وعجز عن معارضته الانس والجان وهو خليل الله حبيب الرحمٰن لواءه فوق كل لواء يوم الدين قائد الانبياء والمرسلين امام الاولين والآخرين شفيع الصالحين والمذنبين واختص بتنصيص المغفرة له فى كتاب مبين وعلى اله الطيبين الطاهرين وعلى اصحابه الكاملين الراشدين وازواجه الطاهرات امهات المؤمنين وعلى سائر اولياء امته وعلماء ملته اجمعين۔ اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله۔ اعوذ بالله من شرور نفسى ومن سيئات اعمالى من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له اللّٰهم ارنى الحق حقا وارزقنى اتباعه اللّٰهم ارنى الباطل باطلا وارزقنى اجتنابه اللّٰهم اجعلنى فى تبيان القران على صراط مستقيم وثبتنى فيه على منهج قويم واعصمنى عن الخطأ والزلل فى تحريره واحفظنى من شر الحاسدين وزيغ المعاندين فى تقريره اللّٰهم الق فى قلبى اسرار القرآن واشرح صدرى لمعانى الفرقان ومتعنى بفيوض القرآن ونورنى بانوار الفرقان واسعدنى لتبيان القرآن، رب زدنى علما رب ادخلنى مدخل صدق واخرجنى مخرج صدق واجعل لى من لدنك سلطانا نصيرا۔ اللّٰهم اجعله خالصا لوجهك ومقبولا عندك وعند رسولك واجعله شائعا ومستفيضا ومفيضا ومرغوبا فى اطراف العالمين الى يوم الدين واجعله لى ذريعة للمغفرة ووسيلة للنجاة وصدقة جارية الى يوم القيامة وارزقنى زيارة النبى صلى الله عليه وسلم فى الدنيا وشفاعته فى الاخرة واحينى على الاسلام بالسلامة وامتنى على الايمان بالكرامة اللّٰهم انت ربى لا اله الا انت خلقتنى وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعت اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك على وابوء لك بذنبى فاغفر لى فانه لا يغفر الذنوب الا انت آمين يا رب العالمين۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے مخصوص ہیں جو ہر تعریف کرنے والے کی تعریف سے مستغنی ہے جس نے قرآن مجید نازل کیا جو عارفین کے حق میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور صلوٰۃ وسلام کا سیدنا محمد ﷺ پر نزول ہو جو خود اللہ تعالیٰ کے صلوٰۃ نازل کرنے کی وجہ سے ہر صلوٰۃ بھیجنے والے کی صلوٰۃ سے مستغنی ہیں۔ جن کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین ان کو راضی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر جو قرآن نازل کیا اس کو انہوں نے ہم تک پہنچایا اور جو کچھ ان پر نازل ہوا اس کا روشن بیان انہوں نے ہمیں سمجھایا۔ ان کے اوصاف سراپا قرآن ہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کی مثال لانے کا چیلنج کیا اور تمام جن اور انسان اس کی مثال لانے سے عاجز رہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے خلیل اور محبوب ہیں قیامت کے دن ان کا جھنڈا ہر جھنڈے سے بلند ہوگا۔ وہ نبیوں اور رسولوں کے قائد ہیں اولین اور آخرین کے امام ہیں۔ تمام نیکوکاروں اور گنہ گاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ یہ ان کی خصوصیت ہے کہ قرآن مجید میں صرف ان کی مغفرت کے اعلان کی تصریح کی گئی ہے اور ان کی پاکیزہ آل' ان کے کامل اور ہادی اصحاب اور ان کی ازواج مطہرات امہات المومنین اور ان کی امت کے تمام علماء اور اولیاء پر بھی صلوٰۃ وسلام کا نزول ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح کر اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور مجھ پر باطل کو واضح کر اور مجھے اس سے اجتناب عطا فرما۔ اے اللہ! مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف میں صراط مستقیم پر برقرار رکھ اور مجھے اس میں معتدل مسلک پر ثابت قدم رکھ۔ مجھے اس کی تحریر میں غلطیوں اور لغزشوں سے بچا اور مجھے اس کی تقریر میں حاسدین کے شر اور معاندین کی تحریف سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! میرے دل میں قرآن کے اسرار کا القاء کر اور میرے سینہ کو قرآن کے معانی کے لئے کھول دے' مجھے قرآن مجید کے فیوض سے بہرہ مند فرما۔ قرآن مجید کے انوار سے میرے قلب کی تاریکیوں کو منور فرما۔ مجھے "تبیان القرآن" کی تصنیف کی سعادت عطا فرما۔ اے میرے رب! میرے علم کو زیادہ کر' اے میرے رب! تو مجھے (جہاں بھی داخل فرمائے) پسندیدہ طریقے سے داخل فرما اور مجھے (جہاں سے بھی باہر لائے) پسندیدہ طریقہ سے باہر لا' اور مجھے اپنی طرف سے وہ غلبہ عطا فرما جو (میرے لئے) مددگار ہو۔ اے اللہ! اس تصنیف کو صرف اپنی رضا کے لئے مقدر کر دے' اور اس کو اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی بارگاہ میں مقبول کر دے اس کو قیامت تک تمام دنیا میں مشہور' مقبول' محبوب اور اثر آفریں بنا دے' اس کو میری مغفرت کا ذریعہ' میری نجات کا وسیلہ اور قیامت تک کے لئے صدقہ جاریہ کر دے۔ مجھے دنیا میں نبی ﷺ کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند کر' مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندہ رکھ اور عزت کی موت عطا فرما' اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں تجھ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں میں ان کا اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ مجھے معاف فرما کیونکہ تیرے سوا اور کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے۔ آمین یارب العالمین!

سُورَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ

(۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ آل عمران

یہ سورت ترتیب مصحف کے اعتبار سے تیسری سورت ہے اور نزول کے اعتبار سے سورہ انفال کے بعد ہے یہ سورت مدنی ہے اور اس میں بالاتفاق دو سو آیتیں ہیں اور بیس رکوع ہیں۔

سورہ آل عمران کے اسماء

اس سورت کا نام آل عمران ہے کیونکہ اس سورت میں آل عمران کو فضیلت دینے کا ذکر ہے آل عمران میں حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام ہیں حضرت مریم اور ان کی والدہ حضرت عمران کی زوجہ بھی ان میں شامل ہیں۔ آل عمران کے متعلق سب سے زیادہ آیات اس سورت میں نازل ہوئی ہیں جن کی تعداد اسی سے زیادہ ہے اس سورت کی جس آیت میں آل عمران کا لفظ ہے وہ یہ آیت ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (آل عمران : ۳۳)

بیشک اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو (ان کے زمانہ میں) تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔

نبی ﷺ نے سورہ آل عمران کا نام سورہ زہراء بھی رکھا ہے۔ امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ قرآن پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا۔ زہراوین کو پڑھا کرو یعنی سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران کو کیونکہ وہ قیامت کے روز بادلوں کی طرح آئیں گی، یا پرندوں کی جماعتوں کی طرح آئیں گی اور اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے حجت پیش کریں گی۔ سورہ بقرہ کو پڑھو کیونکہ اس کا حاصل کرنا برکت ہے اور اس کا چھوڑنا حسرت ہے، جادو کرنے والے اس کو پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

(صحیح مسلم ج ا ص ۲۷۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

زہراء کا معنی ہے صاف اور روشن، چمک دار اور روشن کرنے والی چیز۔ سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران میں جو نور اور ہدایت ہے اس کی وجہ سے آپ نے ان دونوں کو زہراء فرمایا ہے نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہود و نصاریٰ کو جو شبہات تھے اور ان کے متعلق غلط عقائد تھے اس سورت سے ان کا ازالہ ہوجاتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اللہ کا برگزیدہ بندہ اور معزز نبی ہونا واضح ہو جاتا ہے، تو چونکہ یہ سورت آل عمران کے مقام اور ان کی عظمت کو منکشف کرتی ہے اس لئے آپ نے اس کو زہراء فرمایا۔

اس سورت کا نام سورۃ الکنز بھی ہے۔ کنز کا معنی ہے خزانہ۔

امام دارمی روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سورہ آل عمران فقیر کا کیا خوب کنز (خزانہ) ہے۔ وہ اس کو رات

کے آخری حصہ میں پڑھتا ہے (سنن دارمی ج ۲ ص ۳۲۵ ' مطبوعہ نشر السنہ ملتان) اس سورت کو کنز اس لیے فرمایا کہ اس میں عیسائیت کے اسرار کا خزانہ ہے اور نبی ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے جو مباحثہ فرمایا تھا اس سے متعلق اسی سے زیادہ آیات ہیں۔

اس کا نام سورہ طیبہ بھی ہے ' حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں :

امام سعید بن منصور نے ابوعطاف سے روایت کیا ہے کہ تورات میں آل عمران کا نام طیبہ ہے۔

(در منثور ' ج ۲ ص ۲ ' مطبوعہ ایران)

نیز اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں طیبین کے تمام اوصاف کو جمع کرکے ذکر فرمایا ہے :

اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ (آل عمران : ۱۷)

صبر کرنے والے ' سچ بولنے والے ' اللہ کی اطاعت کرنے والے ' (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے والے ' اور رات کے آخری حصہ میں استغفار کرنے والے۔

سورہ آل عمران کی سورہ بقرہ کے ساتھ وجہ اتصال ' ارتباط اور مناسبت

سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران دونوں کی ابتداء حروف مقطعات سے کی گئی ہے اور دونوں میں ایک نوع کے حرف لائے گئے ہیں۔ یعنی الم (الف لام میم) اور دونوں سورتوں کے شروع میں قرآن مجید کی صفت بیان کی گئی ہے سورہ بقرہ میں قرآن مجید کی ہدایت پر ایمان لانے والوں یا ایمان نہ لانے والوں کے احوال بیان کئے گئے ہیں اور سورہ آل عمران میں ان کج فکر مخالفین کا ذکر کیا ہے جو فتنہ پھیلانے کی غرض سے آیات متشابہات کے خود ساختہ معنی بیان کرتے ہیں اور ان علماء راسخین کا ذکر فرمایا ہے جو آیات محکمہ اور آیات متشابہہ دونوں پر ایمان لاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہیں اور برحق ہیں۔

سورہ بقرہ میں تخلیق آدم کا قصہ بیان کیا گیا ہے اور سورہ آل عمران میں تخلیق عیسیٰ (علیہما السلام) کا قصہ بیان کیا گیا ہے اور ان دونوں کے ذکر میں یہ مناسبت ہے کہ دونوں کی تخلیق عام اور معروف طریقہ کے خلاف ہوئی ہے۔ حضرت آدم کو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا کیا گیا اور حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا۔

ان دونوں سورتوں میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے ساتھ مباحثہ کا ذکر ہے ان کے شبہات زائل کئے گئے ہیں اور ان کے خلاف اسلام کے حجت ہونے پر دلائل پیش کئے گئے ہیں لیکن سورہ بقرہ میں یہود کے رد میں زیادہ تفصیل بیان کی گئی ہے اور سورہ آل عمران میں نصاریٰ کے رد میں زیادہ تفصیل بیان کی گئی ہے کیونکہ وضع اور ترتیب میں سورہ بقرہ سورہ آل عمران پر مقدم ہے اور تخلیق اور ایجاد میں یہود نصاریٰ پر مقدم ہیں۔

دونوں سورتوں کے آخر میں دعاؤں کا ذکر ہے جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی تعلیم ہے سورہ بقرہ کے آخر میں ایسی دعاؤں کا ذکر ہے جن کا تعلق دین اور احکام شرعیہ کے ساتھ ہے مشکل احکام کا بوجھ نہ ڈالنے ' خطاء اور نسیان پر مواخذہ نہ کرنے ' آسانی اور سہولت مہیا کرنے ' دین پر ثابت قدم رہنے ' آخرت میں مغفرت اور اجر و ثواب عطا کرنے اور اعداء اسلام کے خلاف مدد کرنے کی دعائیں ہیں اور سورہ آل عمران کے آخر میں گناہوں کی مغفرت نیک لوگوں کے ساتھ خاتمہ اور رسولوں کی وساطت سے کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرنے کی دعا ہے۔

سورہ بقرہ کی ابتداء میں فرمایا تھا : متقی لوگ ہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (البقرہ : ۵۔۴) اور سورہ آل عمران کے آخر میں فرمایا ہے : اور اللہ سے ڈرتے رہو (تقویٰ پر قائم رہو) تاکہ تم فلاح پاؤ (آل عمران : ۲۰۰) اس طرح سورہ بقرہ کی ابتداء اور سورہ آل عمران کی انتہاء میں یکسانیت ہے۔

سورہ آل عمران کے مضامین کا خلاصہ

سورہ بقرہ میں جس طرح اصول اور فروع' عقائد اور احکام کو بیان کیا گیا تھا اسی طرح سورہ آل عمران میں بھی عقائد اور احکام شرعیہ کو بیان کیا گیا ہے۔ عقائد میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت کو بیان کیا گیا ہے اور عیسائی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے قائل تھے اور تثلیث کے معتقد تھے ان کے شبہات کو زائل کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی صداقت کو بیان فرمایا ہے اور قرآن مجید کے کلام اللہ ہونے میں اہل کتاب کے جو شکوک اور شبہات تھے ان کا ازالہ کیا گیا ہے اور حضرت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کو ثابت کیا گیا ہے۔ تقریباً نصف سورت عیسائیت کے رد پر مشتمل ہے اور تہائی سورت میں یہود کے قبائح اور جرائم بیان کئے گئے ہیں۔ ان کے مناقشات کا ذکر کیا گیا ہے۔ احکام شرعیہ میں فرضیت حج اور جہاد کو بیان فرمایا ہے۔ سود کی تحریم کو بیان کیا ہے اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کی سزا کا ذکر فرمایا ہے اور منافقین پر زجر و توبیخ کی ہے۔ عقائد اور احکام شرعیہ کی مناسبت سے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق میں غور و فکر کرنے اور آسمانوں اور زمینوں میں جو اسرار اور عجائبات ہیں ان میں تفکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ جہاد پر صبر و استقامت کے ساتھ ثابت قدم رہنے اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرنے کی تلقین کی ہے چنانچہ فرمایا ہے : اے ایمان والو صبر کرو اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو اور اپنی سرحدوں کی حفاظت کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (آل عمران : ۲۰۰)

سورہ آل عمران کی ابتدائی دس آیتیں قرآن مجید اور اس کے ماننے والوں کے احکام سے متعلق ہیں آیت : ۱۱ سے لے کر آیت : ۳۲ تک کا تعلق جنگ بدر کے ساتھ ہے اور اس کا زمانہ نزول ۲ھ ہے آیت : ۳۳ سے آیت : ۷۱ تک اڑتیس آیات ۹ھ میں نازل ہوئیں جب نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد نبی ﷺ کے پاس آیا ان آیتوں میں عقیدہ تثلیث کو باطل کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا یا خدا کے بیٹے نہیں ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقام نبوت اور آپ کی وجاہت و کرامت کو بھی بیان فرمایا ہے اس سے ان لوگوں کو سبق حاصل کرنا چاہئے جو اللہ کی توحید کو اس طرح بیان کرتے ہیں جس سے انبیاء علیہم السلام کی وجاہت اور اولیاء عظام کی کرامت میں کمی آتی ہے اور وہ نبیوں اور ولیوں کی شان کم کرنے کو ہی اللہ کی تعظیم اور کبریائی گردانتے ہیں۔ آیت : ۷۲ سے آیت ۱۲۹ تک کا زمانہ نزول بھی ۲ھ ہے' ۷۲ سے ۸۰ تک آٹھ آیتوں میں یہود کا رد کیا گیا ہے آیت : ۸۴ تک حضرت سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا بیان فرمایا ہے اور تمام نبیوں اور رسولوں سے آپ پر ایمان لانے اور آپ کی نصرت کرنے کے میثاق لینے کا ذکر فرمایا ہے۔ آیت ۹۲ تک یہ بیان فرمایا ہے اسلام کے سوا اور کوئی دین قابل قبول نہیں ہے اور اسلام قبول نہ کرنے والوں کے لئے وعید شدید اور اخروی عذاب کو بیان فرمایا ہے۔ آیت ۹۳ سے آیت ۹۹ تک پھر یہود کا رد فرمایا ہے' آیت ۱۰۰ سے آیت ۱۲۰ تک مسلمانوں سے خطاب ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اسلام کی ڈوری سے منسلک کردیا اور وہ دوزخ کے آخری کنارے پر پہنچ چکے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے نجات دی۔ ان کو تبلیغ کرنے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ وہ آپس میں متحد رہیں اور ان

کو خیر امت قرار دیا' اور ان کو بار بار یہ تاکید کی ہے کہ وہ کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور اپنے راز کی باتوں سے انہیں مطلع نہ کریں اور ان ہی آیتوں کے ضمن میں موقع اور محل کی مناسبت سے جگہ جگہ یہود کا رد بھی فرمایا ہے آیت ۱۲۱ سے ۱۲۷ تک جنگ بدر سے متعلق ہیں آیت ۱۲۸ میں نبی ﷺ کو کفار کے خلاف دعاء ضرر کرنے سے منع فرمادیا ہے۔ آیت ۱۲۹ بھی اسی کا تتمہ ہے آیت ۱۳۰ سے آیت ۱۳۸ تک پھر مسلمانوں سے خطاب ہے ان پر سودی کاروبار کو حرام فرمایا ہے اور صدقہ وخیرات کرنے کا حکم دیا ہے اور گناہ کے بعد فوراً" توبہ کرنے کی تلقین کی ہے۔ آیت ۱۳۹ سے لے کر آیت ۲۰۰ تک کا تعلق جنگ احد کے ساتھ ہے ان آیات میں مسلمانوں کو اس لغزش پر تنبیہہ کی ہے جس کی وجہ سے ان کو جنگ احد میں ہزیمت اٹھانی پڑی اور اس ہزیمت کے نتیجہ میں مسلمان جو افسردہ اور بددل ہوگئے تھے ان کی ہمت بندھائی ہے اور ان کو حوصلہ فراہم کیا ہے۔

جنگ بدر کے متعلق زیادہ تفصیل سورہ الانفال میں ہے خلاصہ یہ ہے کہ رجب کے مہینہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں ایک کافر عمرو بن الحضرمی قتل ہوگیا تھا نبی ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ بہت ناراض ہوئے اور صحابہ نے بھی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے نہایت برہمی کا اظہار کیا اور کہا کہ تم نے وہ کام کیا جس کا تم کو حکم نہیں دیا گیا تھا اور تم ماہ حرام میں لڑے حالانکہ اس مہینہ میں تم کو لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ حضرمی کے قتل نے تمام اہل مکہ کو جوش انتقام سے لبریز کردیا تھا اسی اثناء میں ابوسفیان قافلہ تجارت کے ساتھ شام گیا اور ابھی وہ شام ہی میں تھا کہ یہ خبر وہاں مشہور ہوگئی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں ابوسفیان نے وہیں سے مکہ خبر بھیج دی قریش نے لڑائی کی تیاریاں شروع کردیں اور مدینہ میں یہ خبر پہنچ گئی کہ قریش ایک لشکر جرار کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے آرہے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مدافعت کا قصد کیا اور معرکہ بدر پیش آگیا۔

جنگ کے خاتمہ پر معلوم ہوا کہ صحابہ کرام میں سے صرف چودہ نفوس قدسیہ شہید ہوئے ہیں جن میں سے چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے لیکن دوسری طرف قریش کی کمر ٹوٹ گئی اور صنادید قریش میں سے جو لوگ بہادری اور مردانگی میں نام آور تھے سب ایک ایک کرکے مارے گئے ان میں شیبہ' عتبہ' ابوجہل' ابوالبختری' زمعہ بن الاسود' عاص بن ہشام' امیہ بن خلف وغیرہم تھے۔ ستر کافر قتل کئے گئے اور ستر گرفتار ہوئے اسیران جنگ کے ساتھ نبی ﷺ نے بہت رحم دلانہ سلوک کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ان تمام کافر قیدیوں کو قتل کردیا جائے' اس کے برعکس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے' نبی ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو پسند کیا اور ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ ان تمام امور پر تفصیلی بحث انشاء اللہ سورہ الانفال کی تفسیر میں آئے گی۔

معرکہ بدر میں مسلمانوں کی فتح سے تمام مخالفین اسلام چونک پڑے۔ وہ اسلام کی دعوت اور تحریک کو اتنا قوی اور موثر خیال نہیں کرتے تھے اس لئے وہ سب اسلام کی اس تحریک کو اپنے لئے خطرہ خیال کرنے لگے۔ ہجرت کے بعد نبی ﷺ نے اطراف مدینہ کے یہودیوں سے جو معاہدے کئے تھے ان لوگوں نے ان کا مطلقاً لحاظ نہیں کیا اور جنگ بدر کے موقع پر ان اہل کتاب کی تمام ہمدردیاں کفار اور مشرکین کے ساتھ تھیں۔ جب ان لوگوں کی عہد شکنیاں حد سے تجاوز کرگئیں تو نبی ﷺ نے بنو قینقاع پر حملہ کیا اور ان کو مدینہ سے باہر نکال دیا۔ یہ یہودیوں کا سب سے زیادہ شریر قبیلہ تھا لیکن اس اقدام سے دوسرے یہودی قبائل کی آتش عناد اور بھڑک اٹھی اور انہوں نے مدینہ کے منافقوں اور حجاز کے

مشرک قبیلوں کے ساتھ مل کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا شروع کردیں ادھر بدر کی شکست کے بعد قریش مکہ کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی یہودیوں نے اس پر مزید تیل چھڑکا' اس کے نتیجہ میں معرکہ بدر کے ایک سال بعد مکہ سے تین ہزار مشرکوں کا زبردست لشکر مدینہ پر حملہ آور ہوا اور احد پہاڑ کے دامن میں وہ جنگ برپا ہوئی جو غزوہ احد کے نام سے مشہور ہے۔ مدینہ کی مدافعت کے لئے نبی ﷺ کے ساتھ ایک ہزار نفوس نکلے تھے مگر راستہ سے تین سو منافق اچانک پلٹ گئے اور آپ کے ساتھ جو سات سو نفوس رہ گئے تھے ان میں بھی منافقین کی ایک چھوٹی سی تعداد شامل تھی جس نے دوران جنگ مسلمانوں کے درمیان فتنہ پیدا کرنے کی سعی بسیار کی' جنگ احد میں مسلمانوں کو جو ہزیمت اٹھانی پڑی اس میں منافقوں کی فتنہ انگیزیوں کے علاوہ مسلمانوں کی اپنی کمزوریوں کا بھی بہت بڑا ہاتھ تھا۔ قرآن مجید کی اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام کمزوریوں کی نشاندہی کی ہے اور اصلاح کا طریقہ کار بتلایا ہے۔ نبی ﷺ نے احد پہاڑ کے ایک درہ پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں پچاس کے قریب تیراندازوں کا ایک دستہ متعین فرمادیا تھا اور یہ حکم دیا تھا کہ فتح ہو یا شکست وہ لوگ اس جگہ سے نہ ہٹیں' مسلمانوں کے زبردست حملوں کی وجہ سے کفار کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بدحواسی میں پیچھے ہٹے اور مطلع جنگ صاف ہوگیا لیکن ساتھ ہی مسلمانوں نے لوٹ مار شروع کردی یہ سماں دیکھ کر جو تیرانداز پشت پر مقرر کئے گئے تھے وہ بھی اس درہ کی حفاظت چھوڑ کر مال غنیمت کی طرف لپکے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ان کو بہت روکا لیکن وہ نہ رکے خالد بن ولید اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور حملہ آوروں میں تھے جب انہوں نے تیراندازوں کی جگہ خالی دیکھی تو عقب سے حملہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ چند جانبازوں کے ساتھ جم کر لڑے لیکن سب کے سب شہید ہوگئے' مسلمان لوٹ مار میں مصروف تھے اچانک مڑ کر دیکھا تو ان پر تلواریں برس رہی تھیں بدحواسی کا یہ عالم تھا کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے اسی دوران یہ افواہ پھیل گئی کہ نبی ﷺ شہید ہوگئے اس خبر سے بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے' قریش نے جوش انتقام میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا اور ان کے اعضاء کاٹ ڈالے۔ ہند نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ چاک کرکے کلیجہ نکالا اور کچا چبا گئی اس جنگ میں ستر مسلمان شہید ہوئے اور نبی ﷺ کا چہرہ مبارک زخمی ہوگیا' اس سورت میں جنگ احد کا مفصل حال بیان کیا گیا ہے'' تاہم لائق غور چیز یہ ہے کہ پچاس کے قریب مسلمانوں نے نبی ﷺ کی حکم عدولی کی تو اللہ نے مسلمانوں کو یہ سزا دی کہ ان کی جیتی ہوئی جنگ کو ہار میں بدل دیا' اور یہ حکم عدولی صرف ایک بات میں تھی تو سوچئے کہ جب لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمان دن رات سینکڑوں باتوں میں نبی ﷺ کی علی الاعلان حکم عدولی کریں گے تو وہ کس طرح کفار پر غالب آسکتے ہیں۔ آج دنیا کے تمام مسلمان ملکوں میں مسلم اقوام ذلت اور پسپائی کی زندگی گزار رہی ہیں مسلمانوں کے بیشتر علاقے کافروں کے قبضہ میں ہیں بنو اسرائیل جن کو اللہ تعالیٰ نے مغضوب اور لعنتی قرار دیا ہے جن پر ذلت اور مسکنت کی مہر لگادی ہے آج اس لعنتی مغضوب اور ذلیل قوم کے ہاتھوں مسلمان مسلسل خوار ہورہے ہیں' اسرائیل نے مسلمانوں کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کرلیا ہے اور مسلمان عددی برتری اور دولت کے تفوق کے باوجود اپنے مقبوضہ علاقوں کو اس سے نہیں چھڑا سکے۔ آج امریکہ تمام دنیا کی واحد سپرپاور ہے اور تمام مسلم ممالک اس کے اشارہ ابرو کے مطابق اپنے کار سلطنت چلانے پر مجبور ہیں کافر غالب ہے اور مسلمان مغلوب ہیں' احد کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے نبی ﷺ کے احکام سے روگردانی کی ان سے غلبہ جاتا رہا اور وہ محرومی' ہزیمت اور شکست سے دوچار ہوگئے اور کفار ان پر غالب آگئے آج اگر ہم کفر کے غلبہ سے جان چھڑانا چاہتے ہیں اور اپنے

مقبوضہ علاقے کافروں سے آزاد کرانا چاہتے ہیں اور کافروں کی اجارہ داری اور بالا دستی ختم کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اجتماعی طور پر روٹھے ہوئے خدا کو منانا ہوگا اور ہم نے اپنی انفرادی اور اجتماعی اور نجی اور قومی زندگی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی جو خلاف ورزیاں اپنا معمول اور دستور بنائی ہوئی ہیں ان کو یکسر ترک کرنا ہوگا اور اپنی معیشت‘ معاشرت‘ ثقافت‘ سیاست اور حکومت غرض زندگی کے ہر شعبہ میں اسلامی احکام اور اقدار کو جاری کرنا ہوگا اور ایمان محکم کے تقاضوں سے اپنی نجی اور قومی زندگی کو آراستہ کرنا ہوگا پھر کفر کی محکومی اور غلامی کی زنجیریں خود بخود کٹ جائیں گی مسلمانوں کو ایک بار پھر عروج ہوگا اور تمام دنیا کی امامت اور قیادت مسلمانوں کے ہی ہاتھوں میں ہوگی۔ پھر صرف مسلمان ہی دنیا کی واحد سپر پاور ہوں گے۔ غزوہ احد میں نبی ﷺ کی حکم عدولی کے بعد شکست خوردہ اور حوصلہ ہارے ہوئے مسلمانوں سے اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا تھا۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران : ۱۳۹)

سستی نہ کرو اور غمزدہ نہ ہو تم ہی سب سے سربلند اور سب پر غالب رہو گے بشرطیکہ تم کامل مومن ہو۔

سُورَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَا اٰيَةٍ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۃ آل عمران مدنی ہے، اس میں دو سو آیتیں اور بیس رکوع ہیں

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اٰيَاتُهَا ۲۰۰	رُكُوْعَاتُهَا ۲۰
سورۂ آل عمران مدنی ہے	اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے	آیتیں ۲۰۰	رکوع ۲۰

الٓمّٓ ۚ ﴿۱﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ؕ ﴿۲﴾ نَزَّلَ عَلَيْكَ

الف لام میم ○ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور تمام نظامِ عالم کو قائم کرنے والا ہے ○

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَ

اس نے حق کے ساتھ آپ پر کتاب نازل کی جو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور اس نے تورات

الْاِنْجِيْلَ ۙ ﴿۳﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ

اور انجیل کو نازل کیا ○ اس (کتاب) سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے اور فرقان (حق اور باطل میں امتیاز کرنے والا) نازل کیا،

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ

بیشک جن لوگوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ

عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ؕ ﴿۴﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ

غالب انتقام والا ہے ○ بیشک اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے زمین میں

وَلَا فِي السَّمَآءِ ؕ ﴿۵﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ

اور نہ آسمان میں ○ وہی ہے جو ماؤں کے پیٹ میں جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا

يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶﴾

ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ○

سورہ بقرہ کی آخری اور سورہ آل عمران کی ابتدائی آیتوں میں مناسبت

سورہ بقرہ کی آخری آیت یہ تھی: ”تو ہمارا مولیٰ (مالک اور مددگار) ہے سو کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما“۔ اس

دعا کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران پیش کر دی جس میں نبی ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے ایسی آیات نازل فرمائیں۔ جن کی وجہ سے نبی ﷺ نے نجران کے عیسائیوں پر غلبہ حاصل فرمایا۔ اس طرح اس دعا کی استجابت ظاہر ہوئی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ۹ھ میں نجران سے ساٹھ عیسائیوں کا ایک وفد آیا۔ ان کا سردار عاقب عبد المسیح تھا اور ان کا عالم ابو حارثہ بن علقمہ تھا انہوں نے کئی روز مدینہ میں قیام کیا اور رسول اللہ ﷺ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مناظرہ کرتے رہے۔ وہ کبھی کہتے کہ حضرت عیسیٰ اللہ ہیں کبھی کہتے وہ اللہ کے بیٹے ہیں اور کبھی کہتے کہ وہ تین میں کے تیسرے ہیں' اور رسول اللہ ﷺ ان کو یہ بتاتے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ صفات ہیں اور یہ صفات حضرت عیسیٰ میں نہیں ہیں۔ وہ یہ تسلیم کرتے اور عناداً" انکار کرتے۔ آخر انہوں نے کہا کیا آپ حضرت عیسیٰ کو کلمۃ اللہ اور اس کی (پسندیدہ) روح نہیں مانتے؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع میں اسی سے زیادہ آیات ان کے رد میں نازل فرمائیں اور عیسائیوں کی بد عقیدگیوں کا رد فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے لئے جو وہ بیٹے اور بیوی کا اعتقاد رکھتے ہیں اس کا قوی دلائل سے رد فرمایا اور حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کا تفصیل سے ذکر فرمایا اور جب ان تمام دلائل کے باوجود عیسائی اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے تو پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی لیکن وہ آپ سے مباہلہ کرنے کی جرات نہ کر سکے۔

دوسری مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ سورہ بقرہ کی آخری آیتوں میں فرمایا تھا: "رسول پر ان کے رب کی طرف سے جو کلام نازل کیا گیا وہ اس پر ایمان لائے اور مومنین بھی ایمان لائے" اس لئے آل عمران کی ابتدائی آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات' رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب کی صفات اور آپ کے علاوہ دیگر رسولوں پر نازل ہونے والی کتابوں کی صفات بیان کی گئیں۔

سورہ آل عمران کی ابتدائی آیتوں کا شان نزول اور نصاریٰ نجران کے ساتھ آپ کے مناظرہ کا بیان

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ سورہ آل عمران کی ابتدائی آیات نجران کے عیسائیوں کے رد میں نازل ہوئی ہیں امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ربیع بیان کرتے ہیں کہ نصاریٰ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور حضرت عیسیٰ بن مریم کے متعلق بحث کرنے لگے اور کہنے لگے بتایئے حضرت عیسیٰ کا باپ کون ہے؟ اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور بہتان باندھا حالانکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی بیوی ہے اور نہ کوئی بیٹا ہے۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ ہر بیٹا اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے' انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب زندہ ہے اور اس کو موت نہیں آئے گی اور عیسیٰ علیہ السلام پر فنا آئے گی' انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب ہر چیز کو قائم کرنے والا ہے اس کی حفاظت کرنے والا ہے اور اس کو رزق دینے والا ہے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کیا عیسیٰ علیہ السلام ان میں کسی چیز پر قدرت رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے نہ زمین میں نہ آسمان میں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کیا اللہ تعالیٰ کے علم دیئے بغیر عیسیٰ علیہ السلام کو کسی چیز کا علم ہے؟ انہوں نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا ہمارے رب نے ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہا حضرت عیسیٰ کی صورت بنائی کیا تم کو اس کا علم ہے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کیا تم کو علم ہے کہ ہمارا رب نہ کھانا کھاتا ہے نہ پانی پیتا ہے نہ اس کو

حدث (وضو ٹوٹنا) لاحق ہوتا ہے انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا کیا تم کو معلوم نہیں کہ حضرت عیسیٰ اپنی ماں کے پیٹ میں اس طرح رہے جس طرح عورتوں کو حمل ہوتا ہے۔ پھر ان کو وضع حمل ہوا جس طرح عورتوں کو وضع حمل ہوتا ہے جب حضرت عیسیٰ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تو ان کو غذا دی گئی جس طرح بچہ کو غذا دی جاتی ہے۔ پھر وہ کھانا کھاتے تھے پانی پیتے تھے اور ان کو حدث (وضو ٹوٹنا) لاحق ہوتا تھا' انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا پھر جس شخص کی یہ صفات ہوں وہ خدا یا خدا کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے۔ (آپ پہلے فرما چکے تھے کہ ہر بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور آپ نے جو بعد میں تقریر کی اس سے واضح ہو گیا کہ ممکن واجب کے' حادث قدیم کے اور محتاج مستغنی کے مشابہ نہیں ہو سکتا) آپ کی اس تقریر سے وہ جان گئے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے نہیں ہو سکتے لیکن انہوں نے عناداً" انکار کیا تب اللہ عزوجل نے یہ آیات نازل فرمائیں الف لام میم ○ اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور تمام نظام عالم کو قائم کرنے والا ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۰۹-۱۰۸ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : الف' لام' میم۔ (آل عمران : ۱)

الف' لام' میم حروف مقطعات ہیں بعض علماء نے کہا سورت کی ابتداء میں ان حروف کو تنبیہ کے لئے لایا گیا ہے جیسے "الا" اور "یا" کو مخاطب کی تنبیہ کے لئے لایا جاتا ہے۔ بعض دوسرے علماء نے ان حروف کی اور تاویلات کی ہیں۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ یہ حروف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان ایک راز ہیں' اس لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کو ان کا علم ہے یا جن عرفاء کاملین کو نبی ﷺ کی بارگاہ سے ان حروف کا علم عطا ہوا۔ اس کی پوری تحقیق اور مفصل بحث ہم سورہ بقرہ میں بیان کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور تمام نظام عالم کو قائم کرنے والا ہے (آل عمران : ۲)

سورہ بقرہ میں آیت الکرسی کی تفسیر میں اس آیت کی تفسیر بیان کی جا چکی ہے' خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کا معنی ہے مستحق عبادت "حی" کا معنی ہے صاحب حیات' اور حیات کا معنی ہے ایسی صفت جو احساس' حرکت بالارادہ اور علم کے ساتھ اتصاف کو مستلزم ہو اور "قیوم" کا معنی ہے ہر چیز کو قائم کرنے والا' اس کے وجود اور بقاء کی حفاظت کرنے والا اور اس کے حقوق کی رعایت کرنے والا۔

موجودہ انجیل کی شہادت سے حضرت مسیح کا خدا یا خدا کا بیٹا نہ ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتا دیا ہے کہ اللہ وہ ہے جو ہمیشہ سے زندہ ہے ہمیشہ زندہ رہے گا وہ تمام نظام عالم کو قائم کرنے والا ہے لہٰذا سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ موجودہ انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ کو بھوک لگتی تھی ان کو سولی دی گئی اور وہ درد سے چلائے۔ اور ظاہر ہے جس کا یہ حال ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

متی کی انجیل میں ہے :

اور صبح کو پھر شہر جا رہا تھا اسے بھوک لگی۔ متی باب : ۲۱ آیت : ۱۸

اور راہ چلنے والے سر ہلا ہلا کے اس کو لعن طعن کرتے اور کہتے تھے۔ اے مقدس کے ڈھانے والے اور تین دن میں بنانے والے اپنے تئیں بچا۔ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو صلیب پر سے اتر آ۔ متی باب : ۲۷ آیت : ۴۰-۳۹

اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز کے ساتھ چلا کر کہا کہ ایلی۔ ایلی لما شبقتنی؟ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ متی باب : ۲۷ آیت : ۴۶

یسوع نے پھر بڑی آواز کے ساتھ چلا کر جان دے دی۔ متی باب : ۲۷ آیت : ۵۰

ان اقتباسات کو پڑھ کر کوئی صاحب عقل یہ باور نہیں کر سکتا کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا یا خدا کے بیٹے تھے البتہ ضد اور ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں ہے۔

قرآن مجید کا کتاب حق ہونا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اس نے حق کے ساتھ آپ پر کتاب نازل کی جو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور اس نے تورات اور انجیل کو نازل کیا ○ اس کتاب سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے اور فرقان (حق اور باطل میں امتیاز کرنے والا) نازل کیا' بے شک جن لوگوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ غالب منتقم ہے۔ (آل عمران ۴-۳)

جمہور مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن کریم ہے۔ اور تنزیل کا معنی ہے کسی چیز کو بتدریج نازل کرنا۔ اور قرآن مجید آپ پر ضرورت' اور مصلحت کے اعتبار سے ۲۳ سال میں نازل ہوا ہے حق کا معنی ہے صدق' قرآن کریم کی دی ہوئی ماضی کی خبریں اور مستقبل کی پیش گوئیاں سب صادق ہیں اور قرآن مجید کے وعد اور وعید بھی صادق ہیں۔ اس لئے قرآن مجید حق ہے' حق کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جب کوئی چیز اس وقت اس مقدار اور اس کیفیت میں آئی ہو کہ جس وقت' مقدار اور جس کیفیت میں اس کو ہونا چاہئے' اس لحاظ سے قرآن کریم کے احکام بھی حق ہیں کیونکہ وہ احکام صحیح وقت میں نازل ہوئے' صحیح مقدار (مثلاً" کتنے فرائض ہوں) اور صحیح کیفیت (مثلاً" کون سی چیز فرض کی جائے اور کون سی حرام) کے ساتھ نازل ہوئے' اس لئے قرآن مجید کی خبریں اور وعدے اور وعیدات بھی حق ہیں کیونکہ وہ صادق ہیں اور قرآن مجید کے احکام بھی حق ہیں کیونکہ وہ صحیح وقت' صحیح مقدار اور صحیح کیفیت کے ساتھ نازل ہوئے ہیں اس آیت میں تورات اور انجیل کا ذکر ہے پہلے ہم تورات کی تحقیق کریں گے اس کے بعد انجیل کا بیان کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

تورات کا معنی' مصداق اور لفظی تحقیق

بعض علماء نے کہا ہے کہ تورات کا لفظ توریہ سے ماخوذ ہے' توریہ کنایہ کو کہتے ہیں چونکہ تورات میں زیادہ تر مثالیں ہیں اس لئے اس کو توریہ کہا گیا اور بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے اور عبرانی زبان میں تورات کا معنی شریعت ہے۔ یہ دوسری رائے زیادہ صحیح ہے۔

تورات موجودہ بائبل (کتاب مقدس) کا ایک حصہ ہے' کتاب مقدس کے دو اہم حصے ہیں۔ (۱) پرانا عہد نامہ (۲) نیا عہد نامہ۔ پرانا عہد نامہ نئے عہد نامے سے نسبتاً" زیادہ ضخیم ہے' کل بائبل تمام عیسائیوں کی مذہبی کتاب ہے لیکن یہودیوں کی مذہبی کتاب صرف پرانا عہد نامہ ہے۔

پرانے عہد نامہ کے مشمولات

پرانا عہد نامہ یہودیوں کے مختلف مقدس صحیفوں کا مجموعہ ہے علماء یہود نے عہد نامہ قدیم کو تین حصوں میں تقسیم کیا

ہے۔ (۱) تورات (۲) صحائف انبیاء (۳) صحائف مقدسہ۔ تورات کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اس میں بنی نوع بشر کی پیدائش سے لے کر بنی اسرائیل کی تاریخ تک اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات تک بحث کی گئی ہے' بنی اسرائیل کے لئے جو معاشرتی قوانین اور عبادات کے طریقے وضع کئے گئے تھے وہ سب اس میں مندرج ہیں۔ اصل تورات حسب ذیل پانچ صحیفوں پر مشتمل ہے۔

اصل تورات کے مشمولات

(۱) تکوین : اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے کے لوگوں کے احوال بیان کئے گئے ہیں تاکہ آل یعقوب کی اہمیت نمایاں ہو اردو کی کتاب میں اس صحیفہ کا نام پیدائش ہے۔

(۲) خروج : اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے لے کر ان کے اعلان نبوت اور کوہ طور پر جانے اور ان کو احکام دیئے جانے تک کے احوال مذکور ہیں۔

(۳) لاویین : اس میں خصوصیت کے ساتھ بنی اسرائیل کی عبادتوں کے طریقہ کا ذکر ہے اردو کی کتاب میں اس صحیفہ کا نام احبار ہے۔

(۴) اعداد : اس میں خروج کے بعد کے بنی اسرائیل کے احوال مذکور ہیں کہ کس طرح بنی اسرائیل نے اردن اور ماوراء اردن کا علاقہ فتح کیا نیز اس میں تدریجی احکام اور قوانین کا بھی ذکر ہے اردو کی کتاب میں اس صحیفہ کا نام گنتی ہے۔

(۵) تثنیہ : اس میں تاریخی پس منظر پر نظر ڈالی گئی ہے اور قوانین کا ایک مجموعہ پیش کیا ہے' یہ صحیفہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے ذکر پر ختم ہوتا ہے۔ یہ پانچ صحائف اصل تورات ہیں اس کے علاوہ عہد نامہ قدیم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد میں آنے والے انبیاء پر نازل ہونے والے صحیفوں کو بھی شامل کیا گیا ہے مثلاً "یوشع' قضاۃ صموئیل اور ملوک وغیرہ' زبور بھی ان صحائف میں شامل ہے بعض صحائف بعض صحائف کا جزو ہیں یہ کل ۳۴ صحیفے ہیں عہد نامہ قدیم (اردو) میں تورات کے پانچ صحائف کے بعد یہ ۳۴ صحائف شامل ہیں شروع میں ان ۳۹ صحائف کی فہرست ہے یہ تمام صحائف عبرانی زبان میں تھے البتہ دانیال اور عزرا آرامی زبان میں تھے۔

موجودہ تورات کے متعلق یہودی اور عیسائی علماء اور مفکرین کا نظریہ

پہلی صدی عیسوی تک تمام یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ متفقہ عقیدہ تھا کہ تورات باقی تمام صحائف سمیت یعنی مکمل عہد نامہ قدیم لفظاً" لفظاً" وحی منزل من اللہ ہے اور جو کچھ بھی بین الدفتین (اس جلد میں) ہے۔ وہ اللہ کا کلام ہے۔ اوریجن متوفی ۲۵۴ء پہلا عیسائی عالم تھا جس نے یہ اعتراف کیا کہ عہد نامہ قدیم کی بعض عبارتیں معنوی طور سے صحیح نہیں ہیں اور بعض عبارات اخلاقی اعتبار سے پست اور مذموم ہیں ایک اور عیسائی عالم پوفری متوفی ۳۰۴ء نے یہ خیال ظاہر کیا کہ صحیفہ دانیال بابل کی جلاوطنی کے زمانہ میں نہیں لکھا گیا بلکہ چار صدی بعد ضبط تحریر میں آیا' اسی طرح ایک ہسپانوی یہودی عالم ابن عذراء متوفی ۱۱۶۷ء نے تحقیق کی کہ صحائف خمسہ (تورات) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کی تالیف ہیں' ایک فاضل جرمن عالم رائماروس متوفی ۱۷۶۷ء نے ایک ضخیم تصنیف شائع کی جس میں اس نے بائبل کے منزل من اللہ ہونے سے انکار کیا' اسی طرح اور بہت سے محققین نے یہ ثابت کیا ہے کہ تورات حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد تالیف کی گئی ہے اور موجودہ تورات مع بقیہ صحائف وحی الٰہی نہیں ہیں۔

حوادث روزگار کے ہاتھوں تورات کا تلف ہو جانا

تاریخ سے ثابت ہے کہ حوادث زمانہ کے ہاتھوں تورات کئی بار تلف ہوئی ۷۰۵ قبل مسیح سے ۱۳۵ء تک فلسطین مسلسل مختلف حملہ آوروں اور فاتحین کی جولانگاہ بنا رہا۔ ۷۰۰ ق م میں سنے کرب حملہ آور ہوا اور یروشلم کا محاصرہ کیا۔ ۵۸۶ ق م میں بخت نصر حملہ آور ہوا اور یروشلم کو تباہ کردیا۔ اس تباہی میں تورات خاکستر ہوگئی اور یہودیوں کو مملکت بابل میں جلاوطن کردیا گیا۔ ۵۳۸ ق م سے لے کر ۳۳۲ ق م تک فلسطین ایران کے زیر اقتدار رہا۔ ۳۳۲ ق م سے لے کر ۳۲۳ ق م تک فلسطین سکندر اعظم کے زیر اقتدار رہا اور ۶۳ ق م سے لے کر ۳۹۵ء تک فلسطین سلطنت روما کے زیر اقتدار رہا۔ اس تفصیل سے ظاہر ہوگیا کہ یہودیوں کے اصل صحائف مقدسہ حوادث زمانہ کی نذر ہوگئے۔

تورات کی نشأۃ ثانیہ

اس بات کا کوئی محقق تاریخی ثبوت نہیں ہے کہ موجودہ صحائف تورات کب مرتب ہوئے عام خیال یہ ہے کہ عزرا نبی (حضرت عزیر) نے ان کو دوبارہ مرتب کیا ایک مروجہ روایت کے مطابق حضرت عزرا نے ۹۴ صحائف ۴۰ روز میں پانچ کاتبوں کو لکھوائے جن میں سے ۳۴ صحائف اب عہد نامہ قدیم میں شامل ہیں اور باقی ۶۰ صحائف غیر مستند قرار دیئے گئے (انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا)۔ عہد قدیم کا قدیم ترین نسخہ ۹۱۶ء کا تحریر شدہ ہے دوسری صدی عیسوی سے پہلے جو مخطوطات تھے وہ ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے عبرانی متن میں ایسے آثار بھی پائے جاتے ہیں جن سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اوائل زمانہ میں عبارت میں ردوبدل کرنا جائز سمجھا جاتا تھا۔ اتنا تو خود علماء یہود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تورات میں ۱۸ مقامات ایسے ہیں جہاں اوائل زمانہ میں کاتبوں نے عمداً" تبدیلیاں کیں' یہ تمام صحائف ایک مولف کے مرتب کئے ہوئے نہیں ہیں بلکہ ان میں رفتہ رفتہ اضافے ہوتے رہے اور وہ کئی مرحلوں سے گزرنے کے بعد موجودہ شکل میں پہنچے ہیں۔

یہود اصل تورات کو گم کرچکے تھے اور موجودہ تورات بعد میں مرتب کی گئی ہے اس کی شہادت پرانے عہد نامے میں بھی موجود ہے' کیونکہ پرانے عہد نامے میں لکھا ہے کہ جب یوسیاہ بادشاہ کے اٹھارویں برس میں ہیکل سلیمانی کی دوبارہ مرمت ہوئی تو تورات اچانک مل گئی۔

اور سردار کاہن خلقیاہ نے سافن منشی سے کہا کہ مجھے خداوند کے گھر میں توریت کی کتاب ملی ہے اور خلقیاہ نے وہ کتاب سافن کو دی اور اس نے اس کو پڑھا○ اور سافن منشی بادشاہ کے پاس آیا اور بادشاہ کو خبر دی کہ تیرے خادموں نے وہ نقدی جو ہیکل میں ملی لے کر ان کارگزاروں کے ہاتھ میں سپرد کی جو خداوند کے گھر کی نگرانی رکھتے ہیں○ اور سافن منشی نے بادشاہ کو یہ بھی بتایا کہ خلقیاہ کاہن نے ایک کتاب میرے حوالہ کی ہے اور سافن نے اسے بادشاہ کے حضور پڑھا○ جب بادشاہ نے توریت کی کتاب کی باتیں سنیں تو اپنے کپڑے پھاڑے○ اور بادشاہ نے خلقیاہ کاہن اور سافن کے لئے اخی قام اور میکایاہ کے بیٹے عکبور اور سافن منشی اور عسایاہ کو جو بادشاہ کا ملازم تھا یہ حکم دیا کہ○ یہ کتاب جو ملی ہے اس کی باتوں کے بارے میں، تم جاکر میری اور سب لوگوں اور سارے یہوداہ کی طرف سے خداوند سے دریافت کرو کیونکہ خداوند کا بڑا غضب اس سبب سے ہم پر بھڑکا ہے کہ ہمارے باپ دادا نے اس کتاب کی باتوں کو نہ سنا کہ جو کچھ اس میں ہمارے بارے میں لکھا ہے اس کے مطابق عمل کرتے۔

(۲- سلاطین- باب : ۲۲ آیت : ۱۸- ۳) (عہد نامہ قدیم : ص ۳۸۸- مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

موجودہ تورات کے موضوع اور محرف ہونے کے ثبوت میں داخلی شہادتیں

موجودہ تورات میں حضرات انبیاء علیہم السلام کے متعلق بہت ہی نازیبا اور توہین آمیز عبارات لکھی ہیں جس کتاب کے متعلق الہامی بلکہ کلام اللہ اور رشد وہدایت کا ذریعہ ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہو وہ کتاب یقیناً" ایسی نہیں ہوسکتی!

حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے :

اور نوح کاشتکاری کرنے لگا اور اس نے ایک انگور کا باغ لگایا اور اس نے اس کی مے پی اور اسے نشہ آیا اور وہ اپنے ڈیرے میں برہنہ ہوگیا۔ (پیدائش : باب : ۹ آیت : ۲۱-۲۰) (عہد نامہ قدیم ص ۱۱ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی)

حضرت لوط علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے :

اور لوط صغر سے نکل کر پہاڑ پر جابسا اور اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ساتھ تھیں کیونکہ اسے صغر میں بستے ڈر لگا اور وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے ○ تب پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بوڑھا ہے اور زمین پر کوئی مرد نہیں جو دنیا کے دستور کے مطابق ہمارے پاس آئے ○ آؤ ہم اپنے باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم آغوش ہوں تاکہ اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں ○ سو انہوں نے اسی رات اپنے باپ کو مے پلائی اور پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی ○ اور دوسرے روز یوں ہوا کہ پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا کہ دیکھ کل رات کو میں اپنے باپ سے ہم آغوش ہوئی آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں اور تو بھی جاکر اس سے ہم آغوش ہو تاکہ ہم اپنے باپ سے نسل باقی رکھیں ○ سو اس رات بھی انہوں نے اپنے باپ کو مے پلائی اور چھوٹی گئی اور اس سے ہم آغوش ہوئی پر اس نے نہ جانا کہ وہ کب لیٹی اور کب اٹھ گئی ○ سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں ○

(پیدائش باب : ۱۹ آیت : ۳۶-۳۰) (عہد نامہ قدیم ص ۱۹ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی)

حضرت ہارون علیہ السلام کے متعلق ہے :

اور جب لوگوں نے دیکھا کہ موسیٰ نے پہاڑ سے اترنے میں دیر لگائی تو وہ ہارون کے پاس جمع ہو کر اس سے کہنے لگے کہ اٹھ ہمارے لئے دیوتا بنادے، جو ہمارے آگے آگے چلے کیونکہ ہم نہیں جانتے کہ اس مرد موسیٰ کو جو ہم کو ملک مصر سے نکال کر لایا کیا ہوگیا ○ ہارون نے ان سے کہا تمہاری بیویوں اور لڑکوں اور لڑکیوں کے کانوں میں جو سونے کی بالیاں ہیں ان کو اتار کر میرے پاس لے آؤ چنانچہ سب لوگ ان کے کانوں سے سونے کی بالیاں اتار اتار کر ان کو ہارون کے پاس لے آئے ○ اور اس نے ان کو ان کے ہاتھوں سے لے کر ایک ڈھالا ہوا بچھڑا بنایا جس کی صورت چھینی سے ٹھیک کی تب وہ کہنے لگے اے اسرائیل یہی تیرا وہ دیوتا ہے جو تجھ کو ملک مصر سے نکال کر لایا ○ یہ دیکھ کر ہارون نے اس کے آگے ایک قربان گاہ بنائی اور اس نے اعلان کردیا کہ کل خداوند کے لئے عید ہوگی ○ اور دوسرے دن صبح سویرے اٹھ کر انہوں نے قربانیاں چڑھائیں اور سلامتی کی قربانیاں گزرانیں ○ پھر ان لوگوں نے بیٹھ کر کھایا پیا اور اٹھ کر کھیل کود میں لگ گئے ○

(خروج : باب : ۳۲ آیت : ۶-۱) (عہد نامہ قدیم ص ۸۴ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی ۱۱:۰ر)

حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ہے :

اور شام کے وقت داؤد اپنے پلنگ پر سے اٹھ کر بادشاہی محل کی چھت پر ٹہلنے لگا اور چھت پر سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی ○ تب داؤد نے لوگ بھیج کر اس عورت کا حال دریافت

کیا اور کسی نے کہا کیا وہ العام کی بیٹی بنت سبع نہیں جو حتیّ اوریاہ کی بیوی ہے؟ ○ اور داؤد نے لوگ بھیج کر اسے بلا لیا وہ اس کے پاس آئی اور اس نے اس سے صحبت کی (کیونکہ وہ اپنی ناپاکی سے پاک ہو چکی تھی) پھر وہ اپنے گھر کو چلی گئی ○ اور وہ عورت حاملہ ہو گئی سو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں ○ اور داؤد نے یوآب کو کہلا بھیجا کہ حتی اوریاہ کو میرے پاس بھیج دے سو یوآب نے حتی اوریاہ کو داؤد کے پاس بھیج دیا ○

(۲ سموئیل باب : ۱۱ آیت : ۷-۲) (عہد نامہ قدیم ص ۳۰۳ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

چند آیات کے بعد مذکور ہے :

صبح کو داؤد نے یوآب کے لئے ایک خط لکھا اور اسے اوریاہ کے ہاتھ بھیجا ○ اور اس نے خط میں یہ لکھا کہ اوریاہ کو گھمسان میں سب سے آگے رکھنا اور تم اس کے پاس سے ہٹ جانا تاکہ وہ مارا جائے اور جاں بحق ہو ○ اور یوں ہوا کہ جب یوآب نے اس شہر کا ملاحظہ کر لیا تو اس نے اوریاہ کو ایسی جگہ رکھا جہاں وہ جانتا تھا کہ بہادر مرد ہیں ○ اور اس شہر کے لوگ نکلے اور یوآب سے لڑے اور وہاں داؤد کے خادموں میں سے تھوڑے سے لوگ کام آئے اور حتی اوریاہ بھی مر گیا ○

(۲- سموئیل 'باب ۱۱' آیت : ۱۸-۱۵) (عہد نامہ قدیم ص ۴- ۳۰۳ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

اس کے بعد مذکور ہے :

جب اوریاہ کی بیوی نے سنا کہ اس کا شوہر اوریاہ مر گیا تو وہ اپنے شوہر کے لئے ماتم کرنے لگی ○ اور جب سوگ کے دن گزر گئے تو داؤد نے اسے بلوا کر اس کو اپنے محل میں رکھ لیا اور وہ اس کی بیوی ہو گئی اور اس سے اس کا ایک لڑکا ہوا پر اس کام سے جسے داؤد نے کیا تھا خداوند ناراض ہوا ○

(۲- سموئیل 'باب ۱۱ آیت : ۲۷-۲۶) (عہد نامہ قدیم ص ۳۰۴ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ہے :

اور سلیمان بادشاہ فرعون کی بیٹی کے علاوہ بہت سی اجنبی عورتوں سے یعنی موآبی' عمونی' ادومی' صیدانی اور حتی عورتوں سے محبت کرنے لگا ○ یہ ان قوموں کی تھیں جن کی بابت خداوند نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ تم ان کے بیچ نہ جانا اور نہ وہ تمہارے بیچ آئیں کیونکہ وہ ضرور تمہارے دلوں کو اپنے دیوتاؤں کی طرف مائل کر لیں گی ○ سلیمان ان ہی کے عشق کا دم بھرنے لگا ○ اور اس کے پاس سات سو شہزادیاں اس کی بیویاں اور تین سو حرمیں تھیں اور اس کی بیویوں نے اس کے دل کو پھیر دیا ○ کیونکہ جب سلیمان بڈھا ہو گیا تو اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کر لیا اور اس کا دل خداوند اپنے خدا کے ساتھ کامل نہ رہا جیسا اس کے باپ داؤد کا دل تھا ○ کیونکہ سلیمان صیدانیوں کی دیوی عستارات اور عمونیوں کے نفرتی ملکوم کی پیروی کرنے لگا ○ اور سلیمان نے خدا کے آگے بدی کی اور اس نے خداوند کی پوری پیروی نہ کی جیسی اس کے باپ داؤد نے کی تھی۔

(۱- سلاطین 'باب : ۱۱ آیت ۷-۱) (عہد نامہ قدیم ص ۳۴۰ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

اس کے بعد مذکور ہے :

اور خداوند سلیمان سے ناراض ہوا کیونکہ اس کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے پھر گیا تھا۔ جس نے اسے دوبارہ دکھائی دے کر ○ اس کو اس بات کا حکم کیا تھا کہ وہ غیر معبودوں کی پیروی نہ کرے پر اس نے وہ بات نہ مانی جس کا حکم خداوند

نے دیا تھا○ اس سبب سے خداوند نے سلیمان کو کہا چونکہ تجھ سے یہ فعل ہوا اور تو نے میرے عہد اور میرے آئین کو جن کا میں نے تجھے حکم دیا نہیں مانا اس لئے میں سلطنت کو ضرور تجھ سے چھین کر تیرے خادم کو دوں گا○

(۱۔ سلاطین۔ باب : ۱۱ آیت : ۷۔۱) (عہد نامہ قدیم ص ۳۴۴ مطبوعہ پاکستان بائیبل سوسائٹی لاہور)

تورات سے جو اقتباسات ہم نے پیش کئے ہیں ان میں اس بات کی قوی شہادت ہے کہ موجودہ تورات مکمل وحی الٰہی نہیں ہے بلکہ اس میں بڑی حد تک تحریف کردی گئی ہے یہ کہنا تو صحیح نہیں کہ تورات تمام تر انسانی تالیف ہے کیونکہ اس میں اللہ کا کلام بھی موجود ہے اور ان ہی آیات کی قرآن مجید نے تصدیق کی ہے جیسا کہ ہم آگے چل کر تفصیل سے بیان کریں گے ان شاء اللہ العزیز۔ سردست ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تورات کے متعلق قرآن مجید کے کیا ارشادات ہیں :

اصل تورات کے منزل من اللہ ہونے کے متعلق قرآن مجید کے ارشادات

قرآن مجید سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ تورات چند صحائف کا مجموعہ ہے :

اَمۡ لَمۡ یُنَبَّاۡ بِمَا فِیۡ صُحُفِ مُوۡسٰی۔ (النجم : ۳۶)

کیا اسے اس چیز کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے۔

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ تورات میں اصول اور معتقدات بھی بیان کئے گئے تھے اور تمام فروعی مسائل اور احکام شرعیہ کے لئے بھی ہدایت دی گئی تھی اور وہ بنو اسرائیل کے لئے مکمل دستور حیات تھا۔

وَاٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ وَجَعَلۡنٰہُ ہُدًی لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ (بنو اسرائیل : ۲)

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسے بنو اسرائیل کے لئے ہدایت بنایا۔

وَکَتَبۡنَا لَہٗ فِی الۡاَلۡوَاحِ مِنۡ کُلِّ شَیۡءٍ مَّوۡعِظَۃً وَّتَفۡصِیۡلًا لِّکُلِّ شَیۡءٍ (الاعراف : ۱۴۵)

اور ہم نے ان کے لئے تورات کی تختیوں میں ہر شے سے نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی۔

قرآن مجید نے تورات کو ضیاء، نصیحت، فرقان، ہدایت اور نور فرمایا :

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسٰی وَہٰرُوۡنَ الۡفُرۡقَانَ وَضِیَآءً وَّذِکۡرًا لِّلۡمُتَّقِیۡنَ (الانبیاء : ۴۸)

اور بے شک ہم نے موسیٰ اور ہارون کو حق اور باطل میں امتیاز کرنے والی کتاب دی جو متقین کے لئے روشنی اور نصیحت ہے۔

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَہۡلَکۡنَا الۡقُرُوۡنَ الۡاُوۡلٰی بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَہُدًی وَّرَحۡمَۃً لَّعَلَّہُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ (القصص : ۴۳)

اور بیشک ہم نے پہلے زمانہ کی قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی درآں حالیکہ اس میں لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے دلیلیں ہیں اور ہدایت اور رحمت ہے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔

قرآن مجید سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعد کے انبیاء بھی تورات کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىۃَ فِیۡہَا ہُدًی وَّنُوۡرٌ ۚ یَحۡکُمُ بِہَا النَّبِیُّوۡنَ الَّذِیۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِیۡنَ ہَادُوۡا وَالرَّبّٰنِیُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ

بے شک ہم نے تورات کو نازل کیا جس میں ہدایت اور نور ہے اس کے مطابق انبیاء فیصلہ کرتے رہے جو ہمارے تابع فرمان تھے، (ان لوگوں کا فیصلہ کرتے رہے) جو یہودی تھے اور اسی

كِتٰبِ اللّٰهِ (المائده : ۴۴) کے مطابق اللہ والے اور علماء فیصلہ کرتے رہے کیونکہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ بنائے گئے تھے۔

یہ بھی قرآن مجید کا امتیاز ہے ورنہ کسی اور مذہبی کتاب نے کسی دوسری مذہبی کتاب کی اس قدر تعریف اور ستائش نہیں کی۔

موجودہ تورات کے محرف ہونے کے متعلق قرآن مجید کے ارشادات

قرآن مجید نے بیان کیا ہے کہ یہودی خود کتاب کو تصنیف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے :

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ۔ (البقرہ : ۷۹)

سو ان لوگوں کے لئے عذاب ہے جو اپنے ہاتھوں سے ایک کتاب تصنیف کریں پھر کہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے تاکہ اس کے بدلہ تھوڑی قیمت حاصل کرلیں، سو ان کے لئے اس سبب سے عذاب ہے کہ انہوں نے کتاب تصنیف کی اور ان کے لئے اس کے معاوضہ میں کمائی حاصل کرنے کے سبب سے عذاب ہے۔

بعض اوقات یہود آیات کو بدل دیتے تھے اور بعض اوقات آیات کو چھپا دیتے تھے۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرہ : ۴۲)

اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ۔

بعض اوقات یہود تورات کا مطلب سمجھنے کے باوجود اس کی عبارت تبدیل کرتے تھے۔

وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ (البقرہ : ۷۵)

بے شک ان (یہود) میں سے ایک گروہ تھا جو اللہ کا کلام سنتے تھے پھر اس کو سمجھنے کے باوجود اس میں دانستہ تحریف کر دیتے تھے۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ (المائدہ : ۱۳)

وہ کلام میں اس کی جگہوں سے تحریف کر دیتے ہیں اور جس حصہ کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی وہ اس کو بھول گئے، اور آپ ہمیشہ ان کی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ (المائدہ : ۴۱)

اللہ کے کلام میں اس کے مواقع سے تحریف کر دیتے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ (حم السجدۃ : ۴۵)

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی سو اس میں اختلاف کیا گیا۔

موجودہ تورات کی تصدیق کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ (البقرہ : ۴۱)

اور اس (قرآن) پر ایمان لاؤ جس کو میں نے نازل کیا ہے در آں حالیکہ وہ اس کتاب کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے۔

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (البقرہ : ۹۷)

اس (جبریل) نے اللہ کے حکم سے (قرآن کو) آپ کے دل پر نازل کیا درآں حالیکہ وہ اس سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (المائدہ : ۴۸)

اور ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے درآں حالیکہ یہ اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو اس کے سامنے ہے اور اس کی محافظ اور نگہبان ہے۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (النمل : ۷۶)

بیشک یہ قرآن بنو اسرائیل کے سامنے اکثر وہ باتیں بیان کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

موجودہ تورات کی بعض وہ آیات جن کا قرآن مصدق ہے

ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ اصل تورات تلف ہوچکی تھی حضرت عزیر نے لوگوں سے سن کر تورات کی آیات کو جمع کیا تھا' بعد میں ان صحائف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے نبیوں کے حالات زندگی اور ان کی سیرت کے واقعات کو بھی لکھا گیا' جن پانچ صحائف کے مجموعہ کو تورات کہا جاتا ہے یعنی پیدائش' خروج' احبار' گنتی اور استثناء۔ ان میں سے پیدائش میں تو انبیاء سابقین کے حالات درج ہیں اور دوسرے چار صحیفوں میں حضرت موسیٰ اور ان کے بعد کے انبیاء علیہم السلام کے حالات درج ہیں اور ان ہی صحائف میں تورات کی آیات بھی ہیں ان میں سے بعض آیات بالکل اصل حالت میں موجود ہیں' قرآن مجید نے جو فرمایا ہے کہ وہ تورات کا مصدق ہے اس کا تعلق ان ہی آیات سے ہے ہم نے تورات کا مطالعہ کرکے بعض ان آیات کو تلاش کیا ہے جو قرآن کے معیار پر پوری اترتی ہیں' اور ہم اب ان آیات کو بیان کررہے ہیں تاکہ واضح ہوجائے کہ قرآن مجید کی تصدیق کا تعلق کن کن آیات سے ہے نیز یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ قرآن مجید نے تورات کو محرف اور موضوع بھی فرمایا ہے اور اس کی تصدیق بھی کی ہے' اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ کل موجودہ تورات کو قرآن مجید محرف اور موضوع نہیں فرماتا اور نہ کل کی تصدیق کرتا ہے' ہم نے تورات کی بعض محرف عبارات کی مثالیں پیش کی تھیں اور اب بعض اصل آیات کی مثالیں پیش کررہے ہیں لیکن یہ واضح رہے کہ محرف آیات اور اصل آیات کی یہ بعض مثالیں ہیں کل نہیں ہیں۔

سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ (استثناء باب : ۵' آیت : ۴) (عہد نامہ قدیم : ص ۱۷۲)

اس کی تصدیق اس آیت میں ہے :

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (البقرہ : ۱۶۳)

اور تمہارا معبود ایک معبود ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں' وہ نہایت مہربان بہت رحم فرمانے والا ہے۔

دیکھ آسمان اور آسمانوں کا آسمان اور زمین اور جو کچھ زمین میں ہے یہ سب خداوند تیرے خدا ہی کا ہے۔

(استثناء باب ۱۰ آیت ۱۵) (عہد نامہ قدیم ۱۷۶)

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (البقرہ : ۲۸۴)

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے۔

تم اپنے لئے بت نہ بنانا اور نہ کوئی تراشی ہوئی مورت یا لاٹ اپنے لئے کھڑی کرنا اور نہ اپنے ملک میں کوئی شبیہ دار پتھر رکھنا کہ اسے سجدہ کرو اس لئے کہ میں خداوند تمہارا خدا ہوں۔ (احبار، باب : ۲۶، آیت : ۱) (عہد نامہ قدیم : ۱۲۰)

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ (الذاريات : ۵۱)

اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا۔ (الفرقان : ۳)

اور مشرکوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور معبود بنا لئے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور وہ خود پیدا کئے گئے ہیں اور وہ اپنے لئے کسی نقصان کے مالک ہیں اور نہ کسی نفع کے اور نہ وہ موت کے مالک ہیں اور نہ حیات کے اور نہ مرنے کے بعد اٹھنے کے۔

حضرت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے موجودہ تورات میں بھی یہ بشارتیں موجود ہیں :

خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اس کی سننا ○ یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو تاکہ میں مر نہ جاؤں ○ اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں ○ میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا ○

(استثناء، باب : ۱۸، آیت : ۱۸۔۱۵) (عہد نامہ قدیم : ۱۸۴)

وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ اس کے دہنے ہاتھ پر ان کے لئے آتشی شریعت تھی۔ وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے۔ (استثناء باب : ۳۳ آیت : ۲) (عہد نامہ قدیم : ۲۰۱)

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (الاعراف : ۱۵۷)

جو اس رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جن کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ (التوبہ : ۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس تم میں سے ایک عظیم رسول آگیا اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا سخت گراں ہے وہ تمہاری بھلائی چاہنے میں بہت حریص ہے اور مومنوں پر نہایت مشفق اور بہت مہربان ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰىؕ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم : ۴۔۳)

وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتا وہی کہتا ہے جس کی اس پر وحی کی جاتی ہے۔

خداوند تیرے خدا نے تجھ کو روئے زمین کی اور سب قوموں سے چن لیا ہے تاکہ اس کی خاص امت ٹھہرے۔

(استثناء، باب : ۷، آیت : ۶) (عہد نامہ قدیم : ۱۷۳)

يٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ۔ (البقرہ : ۴۷)

اے بنو اسرائیل میرے اس انعام کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیا ہے اور یہ کہ میں نے تم کو (اس زمانہ کی) تمام قوموں پر فضیلت دی۔

خداوند تم کو اپنے زوردار ہاتھ سے نکال لایا اور غلامی کے گھر یعنی مصر کے بادشاہ فرعون کے ہاتھ سے تم کو مخلصی بخشی۔

(استثناء' باب : ۷' آیت : ۸) (عہد نامہ قدیم : ۱۷۳)

وَاِذۡ نَجَّیۡنٰکُمۡ مِّنۡ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ (البقرہ : ۴۹)

اور یاد کرو جب ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی۔

اور اس نے مصر کے لشکر اور ان کے گھوڑوں اور رتھوں کا کیا حال کیا اور کیسے اس نے بحر قلزم کے پانی میں ان کو غرق کیا جب وہ تمہارا پیچھا کر رہے تھے اور خداوند نے ان کو کیسا ہلاک کیا کہ آج کے دن تک وہ نابود ہیں۔

(استثناء' باب : ۱۱' آیت : ۴) (عہد نامہ قدیم : ۱۷۷)

وَاِذۡ فَرَقۡنَا بِکُمُ الۡبَحۡرَ فَاَنۡجَیۡنٰکُمۡ وَاَغۡرَقۡنَاۤ اٰلَ فِرۡعَوۡنَ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ (البقرہ : ۵۰)

اور جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو چیر دیا سو تم کو نجات دی اور ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا در آں حالیکہ تم دیکھ رہے تھے۔

اور میں نے تمہارے گناہ کو یعنی اس بچھڑے کو جو تم نے بنایا تھا لے کر آگ میں جلایا پھر اسے کوٹ کوٹ کر ایسا پیسا کہ وہ گرد کی مانند باریک ہو گیا اور اس کی اس راکھ کو اس ندی میں جو پہاڑ سے نکل کر نیچے بہتی تھی ڈال دیا۔

(استثناء' باب : ۹' آیت : ۲۱) (عہد نامہ قدیم : ۱۷۵)

وَانۡظُرۡ اِلٰۤی اِلٰهِکَ الَّذِیۡ ظَلۡتَ عَلَیۡهِ عَاکِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنۡسِفَنَّهٗ فِی الۡیَمِّ نَسۡفًا (طہ : ۹۷)

(موسیٰ نے سامری سے کہا) اپنے اس معبود کو دیکھ جس کی پوجا میں تو جم کر بیٹھا رہا' ہم اس کو ضرور جلا ڈالیں گے پھر اس (کی راکھ) کو دریا میں بہا دیں گے۔

اور اس نے ان سے کہا خداوند اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ تم اپنی اپنی ران سے تلوار لٹکا کر پھاٹک پھاٹک گھوم کر سارے لشکر گاہ میں اپنے اپنے بھائیوں اور اپنے اپنے ساتھیوں اور اپنے اپنے پڑوسیوں کو قتل کرتے پھرو۔ اور بنی لاوی نے موسیٰ کے کہنے کے موافق عمل کیا چنانچہ اس دن لوگوں میں سے قریباً" تین ہزار مرد کھیت آئے۔

(خروج' باب : ۳۲' آیت : ۲۸-۲۷) (عہد نامہ قدیم : ۸۵)

وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِهٖ یٰقَوۡمِ اِنَّکُمۡ ظَلَمۡتُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ بِاتِّخَاذِکُمُ الۡعِجۡلَ فَتُوۡبُوۡۤا اِلٰی بَارِئِکُمۡ فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ عِنۡدَ بَارِئِکُمۡ فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ (البقرہ : ۵۴)

اور جب موسیٰ نے اپنی امت سے کہا اے میری امت بے شک تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا سو اپنے خالق کی طرف توبہ کرو' تو اپنی جانوں کو قتل کرو' تمہارے خالق کے نزدیک یہ تمہارے حق میں بہتر ہے' سو اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی۔

اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کرنا جیسے خداوند تیرے خدا نے حکم دیا ہے۔

(استثناء' باب : ۲۷' آیت : ۱۶) (عہد نامہ قدیم : ۱۷۱)

لعنت اس پر جو اپنے باپ یا ماں کو حقیر جانے اور سب لوگ کہیں آمین۔ (استثناء باب : ۲۷، آیت : ۱۵) (عہد نامہ قدیم : ۱۹۲)

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا (بنو اسرائیل : ۲۴-۲۳)

اور آپ کے رب نے حکم فرمایا کہ اس (اللہ) کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اگر تمہارے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو انہیں اف (تک) نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان کے ساتھ ادب سے بات کرنا ۝ اور نرم دلی کے ساتھ ان کے سامنے عاجزی سے جھکے رہنا اور کہنا کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم فرما کیونکہ ان دونوں نے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔

تو اپنی ماں کے بدن کو جو تیرے باپ کا بدن ہے بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں ہے تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا ۝ تو اپنے باپ کی بیوی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے باپ کا بدن ہے ۝ تو اپنے بہن کے بدن کو چاہے وہ تیرے باپ کی بیٹی ہو چاہے تیری ماں کی اور خواہ وہ گھر میں پیدا ہوئی ہو خواہ اور کہیں بے پردہ نہ کرنا ۝ تو اپنی پوتی یا نواسی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ ان کا بدن تو تیرا ہی بدن ہے ۝ تیرے باپ کی بیوی کی بیٹی جو تیرے باپ سے پیدا ہوتی ہے، تیری بہن ہے، تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا ۝ تو اپنی پھوپھی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے باپ کی قریبی رشتہ دار ہے ۝ تو اپنی خالہ کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیری ماں کی قریبی رشتہ دار ہے ۝ تو اپنے باپ کے بھائی کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا یعنی اس کی بیوی کے پاس نہ جانا وہ تیری چچی ہے ۝ تو اپنی بہو کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے بیٹے کی بیوی ہے سو تو اس کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا ۝ تو اپنی بھاوج کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا کیونکہ وہ تیرے بھائی کا بدن ہے ۝ تو کسی عورت اور اس کی بیٹی دونوں کے بدن کو بے پردہ نہ کرنا اور نہ تو اس عورت کی پوتی یا نواسی سے بیاہ کر کے ان میں سے کسی کے بدن کو بے پردہ کرنا کیونکہ وہ دونوں اس عورت کی قریبی رشتہ دار ہیں یہ بڑی خباثت ہے ۝ تو اپنی سالی سے بیاہ کر کے اسے اپنی بیوی کی سوکن نہ بنانا کہ دوسری کے جیتے جی اس کے بدن کو بھی بے پردہ کرے۔

(احبار باب : ۱۸، آیت : ۱۸-۷) (عہد نامہ قدیم : ۱۱۲-۱۱۱)

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَاۗؤُكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَاۗىِٕكُمْ وَرَبَاۗىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ وَحَلَاۗىِٕلُ اَبْنَاۗىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ

جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا ہے ان سے نکاح نہ کرو مگر جو گزر چکا ہے بے شک ایسا کام بے حیائی موجب غضب اور بہت ہی برا راستہ ہے۔ تم پر حرام کی گئیں ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور ان کی وہ بیٹیاں جو تمہارے زیر پرورش ہیں جو تمہاری ان بیویوں سے ہیں جن سے تم صحبت کر چکے ہو سو اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی ہے

اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ (النساء : ۲۳-۲۲)

تو (ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور (تم پر حرام کی گئی ہیں) تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو (نکاح میں) جمع کرو مگر جو گزر چکا ہے' بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اور تو عورت کے پاس جب تک وہ حیض کے سبب سے ناپاک ہے اس کے بدن کو بے پردہ کرنے کے لئے نہ جانا۔

(احبار' باب : ۱۸' آیت : ۱۹) (عہد نامہ قدیم : ۱۱۲)

فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ (البقرہ : ۲۲۲)

عورتوں سے حالت حیض میں الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو۔

جو جانور آپ ہی مرجائے تم اسے مت کھانا۔ (استثناء' باب : ۱۴' آیت : ۲۱) (عہد نامہ قدیم : ۱۸۰)

فقط اتنی احتیاط ضرور رکھنا کہ تو خون کو نہ کھانا کیونکہ خون ہی تو جان ہے سو تو گوشت کے ساتھ جان کو ہرگز نہ کھانا۔

(استثناء' باب : ۱۲' آیت : ۲۳) (عہد نامہ قدیم : ۱۷۹)

اور سؤر کو کیونکہ اس کے پاؤں الگ اور چرے ہوئے ہیں پر وہ جگالی نہیں کرتا وہ بھی تمہارے لئے ناپاک ہے۔ تم ان کا گوشت نہ کھانا۔ (احبار' باب : ۱۱' آیت : ۸-۷) (عہد نامہ قدیم : ۱۰۳)

اور مردار یا درندہ کے پھاڑے ہوئے جانور کو کھانے سے وہ اپنے آپ کو نجس نہ کرلے۔

(احبار' باب : ۲۲' آیت : ۸) (عہد نامہ قدیم : ۱۱۵)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ (المائدہ : ۳)

تم پر حرام کیا گیا ہے مردار اور (رگوں سے بہایا ہوا) خون' اور خنزیر کا گوشت اور جس پر وقت ذبح غیر اللہ کا نام پکارا گیا' اور گلا گھٹ جانے والا اور چوٹ سے مارا ہوا' اور گر کر مرا ہوا اور سینگ مارنے سے مرا ہوا اور جس کو درندے نے کھایا ہو مگر جس کو تم نے اللہ کے نام پر ذبح کرلیا ہو۔

اور تجھ کو ذرا ترس نہ آئے جان کا بدلہ جان' آنکھ کا بدلہ آنکھ' دانت کا بدلہ دانت' ہاتھ کا بدلہ ہاتھ اور پاؤں کا بدلہ پاؤں ہو۔ (استثناء' باب : ۱۹' آیت : ۲۱) (عہد نامہ قدیم : ۱۸۵)

اور اگر کوئی شخص اپنے ہمسایہ کو عیب دار بنائے تو جیسا اس نے کیا ویسا ہی اس سے کیا جائے ○ یعنی عضو توڑنے کے بدلے عضو توڑنا ہو اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلہ دانت۔ جیسا عیب اس نے دوسرے آدمی میں پیدا کردیا ہے ویسا ہی اس میں بھی کردیا جائے۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ (المائدہ : ۴۵)

اور ہم نے ان پر تورات میں فرض کیا تھا کہ جان کا بدلہ جان اور آنکھ کا بدلہ آنکھ اور ناک کا بدلہ ناک اور کان کا بدلہ کان اور دانت کا بدلہ دانت اور زخموں میں بدلہ ہے۔

تو کسی گھناؤنی چیز کو مت کھانا ○ جن چوپایوں کو تم کھا سکتے ہو وہ یہ ہیں یعنی گائے بیل اور بھیڑ بکری ○ اور ہرن اور

چکارا اور چھوٹا ہرن اور بز کوہی اور سابر اور نیل گائے اور جنگلی بھیڑ۔ (استثناء' باب : ۱۴' آیت : ۵-۳) (عہد نامہ قدیم ص ۱۸۰)

پاک پرندوں میں سے تم جسے چاہو کھا سکتے ہو ○ لیکن ان میں سے تم کسی کو نہ کھانا یعنی عقاب اور استخوان خوار اور بحری عقاب ○ اور چیل اور باز اور گدھ اور ان کی اقسام ○ ہر قسم کا کوا۔

(استثناء' باب : ۱۴' آیت : ۱۴-۱۱) (عہد نامہ قدیم ص ۱۸۰)

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ (الاعراف : ۱۵۷)

وہ امی نبی ان کے لئے پاک چیزیں حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزیں حرام کرتے ہیں

تو اپنے بھائی کو سود پر قرض مت دینا خواہ وہ روپے کا سود ہو یا اناج کا یا کسی ایسی چیز کا سود' جو بیاج پر دی جایا کرتی ہے۔

(استثناء' باب : ۲۳' آیت : ۱۹) (عہد نامہ قدیم : ۱۸۸)

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَيۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (البقرہ : ۲۷۵)

اور اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔

جب تو خداوند اپنے خدا کی خاطر منت مانے تو اس کو پورا کرنے میں دیر نہ کرنا اس لئے کہ خداوند تیرا خدا ضرور اس کو تجھ سے طلب کرے گا تب تو گنہ گار ٹھہرے گا ○ لیکن اگر تو منت نہ مانے تو تیرا کوئی گناہ نہیں۔

(استثناء' باب : ۲۳' آیت : ۲۲) (عہد نامہ قدیم ص : ۱۸۸)

وَلۡيُوۡفُوۡا نُذُوۡرَهُمۡ (الحج : ۲۹)

اور (اللہ کے لئے مانی ہوئی) اپنی نذریں پوری کریں۔

تو اپنے قبیلہ کی سب بستیوں میں جن کو خداوند تیرا خدا تجھ کو دے قاضی اور حاکم مقرر کرنا جو صداقت سے لوگوں کی عدالت کریں ○ تو انصاف کا خون نہ کرنا تو نہ تو کسی کی رورعایت کرنا اور نہ رشوت لینا کیونکہ رشوت دانشمند کی آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے اور صادق کی باتوں کو پلٹ دیتی ہے۔ (استثناء' باب : ۱۶' آیت : ۱۹-۱۸) (عہد نامہ قدیم ص ۱۸۲)

وَاِذَا حَكَمۡتُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡكُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ (النساء : ۵۸)

اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔

وَلَا تَاۡكُلُوۡۤا اَمۡوَالَـكُمۡ بَيۡنَكُمۡ بِالۡبَاطِلِ وَتُدۡلُوۡا بِهَآ اِلَى الۡحُـكَّامِ لِتَاۡكُلُوۡا فَرِيۡقًا مِّنۡ اَمۡوَالِ النَّاسِ بِالۡاِثۡمِ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ (البقرہ : ۱۸۸)

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ (بہ طور رشوت) وہ مال حاکموں تک پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم گناہ کے ساتھ (ناجائز طور پر) جان بوجھ کر کھاؤ

اگر تم میری شریعت پر چلو اور میرے حکموں کو مانو اور ان پر عمل کرو ○ تو میں تمہارے لئے بروقت مینہ برساؤں گا اور زمین سے اناج پیدا ہو گا اور میدان کے درخت پھلیں گے ○ یہاں تک کہ انگور جمع کرنے کے وقت تک تم داوتے رہو گے اور جوتنے بونے کے وقت تک انگور جمع کرو گے اور پیٹ بھر اپنی روٹی کھایا کرو گے اور چین سے اپنے ملک میں بسے رہو گے ○ اور میں ملک میں امن بخشوں گا اور تم سوؤ گے اور تم کو کوئی نہیں ڈرائے گا۔

(احبار' باب : ۲۶' آیت : ۶-۳) (عہد نامہ قدیم : ۱۲۰)

وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اَقَامُوا التَّوۡرٰٮةَ وَالۡاِنۡجِيۡلَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِمۡ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ لَاَ كَلُوۡا مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَمِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِهِمۡ (المائدہ : ۶۶)

اور اگر وہ تورات اور انجیل کو قائم رکھتے اور ان (احکام) کو قائم رکھتے جو ان کے لئے ان کے رب کی طرف سے نازل کئے گئے تو وہ ضرور اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے کھاتے۔

جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا○ اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لئے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے باجگزار بن کر تیری خدمت کریں○ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تو اس کا محاصرہ کرنا○ اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا○ لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس کے شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو کھانا○ ان سب شہروں کا یہی حال کرنا جو تجھ سے بہت دور ہیں اور ان قوموں کے شہر نہیں ہیں○ پر ان قوموں کے شہروں میں جن کو خداوند تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے کسی ذی نفس کو جیتا نہ بچا رکھنا○ بلکہ تو ان کو یعنی حتی اور اموری اور کنعانی اور فرزی اور حوی اور یبوسی قوموں کو جیسا خداوند تیرے خدا نے تجھ کو حکم دیا ہے بالکل نیست کر دینا○ تاکہ وہ تم کو اپنے سے مکروہ کام کرنے نہ سکھائیں جو انہوں نے اپنے دیوتاؤں کے لئے کئے ہیں اور یوں تم خداوند اپنے خدا کے خلاف گناہ کرنے لگو۔

(استثناء' باب : ۲۰' آیت : ۱۸-۱۰) (عہد نامہ قدیم : ۱۸۶-۱۸۵)

واضح رہے کہ عیسائیوں کے نزدیک بھی کفار کے خلاف جہاد کا یہ حکم باقی ہے منسوخ نہیں ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا :

یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں○ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔ (متی' باب : ۵' آیت : ۱۸-۱۷) (نیا عہد نامہ : ۸)

جو غیر مسلم مستشرقین اسلام کے نظریہ جہاد پر اعتراض کرتے ہیں انہیں تورات اور انجیل کے ان اقتباسات کو غور سے پڑھنا چاہئے اب جہاد کے متعلق اسلام کا نظریہ ملاحظہ کریں :

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ (التوبہ : ۵)

سو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور انہیں پکڑو اور ان کا محاصرہ کر لو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّا ۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ ذٰلِكَ (محمد : ۴)

جب تمہارا کافروں سے مقابلہ ہو تو ان کی گردنیں مارو حتیٰ کہ جب تم ان کا اچھی طرح خون بہا چکو تو (قیدیوں کو) مضبوط باندھ لو پھر خواہ ان پر احسان کر کے انہیں (بلا معاوضہ) چھوڑ دو یا ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دو حتیٰ کہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے (حکم) یہی ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى

اور اہل کتاب میں سے جو لوگ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے اور جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے اس کو حرام قرار نہیں دیتے اور دین حق کو قبول نہیں کرتے ان

یُعۡطُوا الۡجِزۡیَۃَ عَنۡ یَّدٍ وَّ ہُمۡ صٰغِرُوۡنَ (التوبہ : ۲۹) سے قتال کرو حتیٰ کہ وہ مطیع ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔

اسلام کے نظریہ جہاد کی زیادہ وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے 'امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو کسی بڑے یا چھوٹے لشکر کا امیر بناتے تو اس کو بالخصوص اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتے' اور اس کے ساتھی مسلمانوں کو نیکی کی وصیت کرتے' پھر آپ فرماتے اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں جہاد کرو جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے اس کے ساتھ جنگ کرو' خیانت نہ کرو' عہد شکنی نہ کرو' کسی شخص کے اعضاء کاٹ کر اس کی شکل نہ بگاڑو' اور کسی بچہ کو قتل نہ کرو' جب تمہارا اپنے مشرکین دشمنوں کے ساتھ مقابلہ ہو تو ان کو تین چیزوں کی دعوت دینا وہ ان میں سے جس کو بھی مان لیں اس کو قبول کرلینا' اور جنگ سے رک جانا' پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کا اسلام قبول کرلو اور ان سے جنگ نہ کرو' اور ان سے یہ کہو کہ وہ اپنا شہر چھوڑ کر مہاجرین کے شہر میں آجائیں اور ان کو یہ بتاؤ کہ اگر انہوں نے ایسا کرلیا تو ان کو وہ سہولتیں ملیں گی جو مہاجرین کو ملتی ہیں اور ان پر وہ ذمہ داریاں ہوں گی جو مہاجرین پر ہیں' اور اگر وہ مہاجرین کے شہر میں آنے سے انکار کریں تو ان کو یہ خبر دے دو کہ پھر ان پر دیہاتی مسلمانوں کا حکم ہوگا ان پر مسلمانوں کے احکام جاری ہوں گے لیکن ان کو مال غنیمت اور مال فے سے جہاد کے بغیر کوئی حصہ نہیں ملے گا' اگر وہ لوگ اس دعوت کو قبول نہ کریں تو پھر ان سے جزیہ کا سوال کرو' اگر وہ اس کو تسلیم کرلیں تو تم بھی اس کو قبول کرلو اور ان سے جنگ نہ کرو اور اگر وہ اس کا انکار کریں تو پھر اللہ کی مدد کے ساتھ ان سے جنگ شروع کردو' اور جب تم کسی قلعہ کا محاصرہ کرو اور قلعہ والے اللہ اور اس کے رسول کو (کسی عہد پر) ضامن بنانا چاہیں تو تم اللہ اور اس کے رسول کو ضامن نہ بنانا بلکہ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو ضامن بنانا۔ الحدیث۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی۔ ۱۳۷۵ھ)

اسلام کے نظریہ جہاد کی وضاحت سے یہ معلوم ہوگیا کہ تورات میں جس طرح کفار سے جزیہ لینے ورنہ ان کو قتل کرنے کا حکم ہے اسلام میں بھی یہی حکم ہے اور قرآن مجید اسی کا مصدق ہے باقی تفصیلات میں کچھ فرق ہے اسلام نے جہاد کو زیادہ بہتر اور معتدل انداز میں پیش کیا ہے اس ضمنی وضاحت کے بعد ہم پھر اصل موضوع کی طرف آرہے ہیں :

اگر تیری بستیوں میں کہیں آپس کے خون یا آپس کے دعویٰ یا آپس کی مارپیٹ کی بابت کوئی جھگڑے کی بات اٹھے اور اس کا فیصلہ کرنا تیرے لئے نہایت ہی مشکل ہو تو تو اٹھ کر اس جگہ جسے خداوند تیرا خدا اپنے گا جانا ○ اور لاوی کاہنوں اور ان دنوں کے قاضیوں کے پاس پہنچ کر ان سے دریافت کرنا اور وہ تجھ کو فیصلہ کی بات بتائیں گے۔

(استثناء' باب ۱۷' آیت : ۹-۸) (عہد نامہ قدیم ص ۱۸۳)

فَسۡـَٔلُوۡۤا اَہۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۔ اگر تم نہیں جانتے تو علم والوں سے پوچھو۔

(النحل : ۴۳)

اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہوگئی ہو اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پاکر اس سے صحبت کرے ○ تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور ان کو تم سنگسار کردینا کہ وہ مرجائیں۔ لڑکی کو اس لئے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لئے کہ اس نے اپنے ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا۔ (استثناء' باب : ۲۲' آیت : ۲۴-۲۳) (عہد نامہ قدیم : ۱۸۷)

اس آیت کی تصدیق میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی :

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ (المائدہ : ۴۳)

وہ کیسے آپ کو منصف بناتے ہیں حالانکہ ان کے پاس تورات ہے اور اس میں اللہ کا حکم موجود ہے۔

سو یہ موجودہ تورات کی وہ آیات ہیں جن کا قرآن مجید مصدق ہے قرآن مجید کل موجودہ تورات کا مصدق نہیں ہے اور نہ کل موجودہ تورات کو محرف قرار دیتا ہے اور ہم نے موجودہ تورات سے دونوں قسم کی مثالیں پیش کردی ہیں۔

انجیل کا لفظی معنیٰ ' مصداق اور لفظی تحقیق

انجیل عبرانی زبان کا لفظ ہے عربی کے کسی لفظ سے مشتق نہیں ہے اور اس کا کوئی وزن نہیں ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ لفظ نجل سے مشتق ہے نجل زمین سے پھوٹنے والے پانی کو کہتے ہیں اور چشمہ کے فراخ کرنے کو بھی کہتے ہیں انجیل بھی احکام الٰہی کا سرچشمہ ہے اور اس میں تورات کے مشکل احکام کو آسان کیا گیا ہے اس لئے اس میں نجل کی مناسبت پائی جاتی ہے ' زمخشری نے کہا ہے کہ تورات اور انجیل دونوں عجمی زبان کے لفظ ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواری نسلاً" اور مذہباً" عیسائی تھے اور ان کی مذہبی زبان عبرانی تھی یا مغربی آرامی ' یونانی زبان میں انجیل کے معنی بشارت ہیں انجیل کو بشارت اسی لئے کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سیدنا محمد ﷺ کی بشارت دی۔ قرآن مجید میں ہے :

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (الصف : ۶)

اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا : اے بنی اسرائیل بے شک میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں در آں حالیکہ میں اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اس عظیم رسول کی بشارت دینے والا ہوں جس کا نام احمد ہے۔

انجیل کی تاریخی حیثیت اور اس کے مشمولات

ہر چند کہ اصل انجیل اب من و عن باقی نہیں ہے اور موجودہ اناجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تالیف کی گئی ہیں ' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری تین سالوں میں جو خطبات اور کلمات طیبات ارشاد فرمائے تھے ' آپ کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کے کافی عرصہ کے بعد آپ کے مختلف حواریوں اور شاگردوں نے آپ کی سیرت کو مرتب کیا اور اس سیرت میں اس وحی ربانی کو بھی درج کردیا جو حقیقت میں انجیل ہے ' پھر اس میں مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ تغیرات ہوتے رہے اور کمی بیشی اور تحریف ہوتی رہی ' عبرانی زبان سے اس کو سو سے زیادہ زبانوں میں منتقل کیا گیا ' اس وقت دنیا میں چار انجیلیں موجود ہیں۔ متی کی انجیل ' مرقس کی انجیل ' لوقا کی انجیل اور یوحنا کی انجیل یہ انجیلیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت اور آپ کی تعلیمات پر مشتمل ہیں اور رسولوں کے اعمال ہیں یعنی حواریوں کے اور پولس ' پطرس ' یوحنا اور یعقوب کے مکاتب ہیں یعنی خطوط ' اور یوحنا کا مکاشفہ ہے ' اور جو مجموعہ ان تمام چیزوں پر مشتمل ہے اس کو نیا عہد نامہ کہتے ہیں ' اس کو کتاب مقدس اور بائبل بھی کہتے ہیں ' بائبل لاطینی زبان کا لفظ ہے اس کا معنی مجموعہ کتب ہے ' اور یہ لفظ الہامی نوشتوں کے مجموعہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ کیتھولک بائبل کے نوشتوں کی تعداد پروٹسٹنٹ بائبل کی تعداد سے زیادہ ہے ہم نے جو تفصیل درج کی ہے وہ پروٹسٹنٹ بائبل کے مطابق ہے۔

انجیل کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۖ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ (المائدہ : ۴۶)

ہم نے ان کے پیچھے ان کے قدموں کے نشان پر عیسیٰ بن مریم کو بھیجا در آں حالیکہ وہ تورات کی تصدیق کرنے والے تھے جو ان کے سامنے تھی اور ہم نے ان کو انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت اور نور ہے اور تورات کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس کے سامنے ہے اور (اصل انجیل) ہدایت اور نصیحت ہے متقین کے لئے۔

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (المائدہ : ۴۷)

اور انجیل والے اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے اور جو اللہ کے نازل کئے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (المائدہ : ۶۶)

اور اگر وہ تورات اور انجیل اور جو (احکام) ان کے لئے ان کے رب کی طرف نازل ہوئے کو قائم رکھتے تو وہ ضرور اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے کھاتے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ (المائدہ : ۶۸)

آپ کہئے اے اہل کتاب! تمہارا دیندار ہونا اس وقت تک غیر معتبر ہے جب تک کہ تم تورات اور انجیل کو قائم نہ کرو اور ان احکام کو قائم نہ کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کئے گئے ہیں۔

موجودہ انجیل کی بعض وہ آیات جن کا قرآن مصدق ہے

اس نے جواب میں کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔
(متی' باب : ۱۵' آیت : ۲۴) (نیا عہد نامہ ص ۱۹ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (آل عمران : ۴۹) (مسیح عیسیٰ بن مریم) بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا۔

اور ایک بڑی بھیڑ لنگڑوں' اندھوں' گونگوں' ٹنڈوں اور بہت سے بیماروں کو اپنے ساتھ لے کر اس کے پاس آئی اور ان کو اس کے پاس پاؤں میں ڈال دیا اور اس نے انہیں اچھا کر دیا۔
(متی' باب : ۱۵' آیت : ۳۰) (نیا عہد نامہ : ۱۹)

اور ایک کوڑھی نے اس کے پاس آ کر منت کی اور اس کے سامنے گھٹنے ٹیک کر اس سے کہا اگر تو چاہے تو مجھے پاک صاف کر سکتا ہے ○ اس نے اس پر ترس کھا کر ہاتھ بڑھایا اور اسے چھو کر اس سے کہا میں چاہتا ہوں تو پاک صاف ہو جا ○ اور فی الفور اس کا کوڑھ جاتا رہا اور وہ پاک صاف ہو گیا۔ (مرقس' باب : ۱' آیت : ۴۰) (نیا عہد نامہ : ۳۵)

وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ عبادت خانہ کے سردار کے ہاں سے لوگوں نے آ کر کہا تیری بیٹی مر گئی ○ (الی قولہ) وہ اس پر ہنسنے لگے لیکن وہ سب کو نکال کر جہاں لڑکی پڑی تھی اندر گیا ○ اور لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر اس سے کہا تلیتا قومی۔ جس کا ترجمہ

ہے اے لڑکی میں تجھ سے کہتا ہوں اٹھ ○ وہ لڑکی فی الفور اٹھ کر چلنے پھرنے لگی کیونکہ وہ بارہ برس کی تھی اس پر لوگ بہت ہی حیران ہوئے۔ (مرقس' باب : ۵' آیت : ۴۲-۳۵) (نیا عہد نامہ : ۳۹)

وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (آل عمران : ۴۹)

میں مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو شفایاب کرتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔

یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا جب تک کہ سب کچھ پورا نہ ہو۔ (متی' باب : ۵' آیت : ۱۸-۱۷) (نیا عہد نامہ : ۸)

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ (آل عمران : ۵۰)

میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے ہے۔

اس نے ایک اور تمثیل ان کو سنائی کہ آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا ○ تو وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں۔ (متی' باب : ۱۳' آیت : ۳۲-۳۱) (نیا عہد نامہ ص ۱۷)

وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ (الفتح : ۲۹)

انجیل میں ان کی مثال ایک کھیتی کی طرح ہے جس نے اپنی باریک سی کونپل نکالی تو اسے طاقت دی پھر وہ موٹی ہو گئی اور اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی جو کاشتکار کو بہت اچھی لگتی ہے تاکہ کافروں کا دل جلائے۔

مانگو تو تم کو دیا جائے گا' ڈھونڈو تو پاؤ گے' دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائے گا۔ (متی' باب : ۷' آیت : ۷) (نیا عہد نامہ : ۱۰)

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (المومن : ۶۰)

اور آپ کے رب نے فرمایا تم مجھ سے دعا کرو میں ضرور قبول کروں گا۔

اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں۔ (متی' باب : ۶' آیت : ۱۹) (نیا عہد نامہ : ۹)

الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ○ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ○ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ (الھمزۃ : ۴-۲)

جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال (دنیا میں) اسے ہمیشہ (زندہ) رکھے گا۔ ہرگز نہیں! وہ چورا چورا کرنے والی میں ضرور پھینک دیا جائے گا۔

بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو جہاں نہ کیڑا خراب کرتا ہے نہ زنگ اور نہ وہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں۔ (متی' باب : ۶' آیت : ۲۰) (نیا عہد نامہ ص ۹)

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ

مال اور بیٹے دنیاوی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے حضور ثواب کے لئے بہتر ہیں اور امید

خَيْرٌ اَمَلًا (الکھف : ۴۶) کے لئے بہت اچھی۔

میں نے یہ باتیں تمہارے ساتھ رہ کر تم سے کہیں ○ لیکن مدد گار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا۔ اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا ○ میں تمہیں اطمینان دیئے جاتا ہوں اپنا اطمینان تمہیں دیتا ہوں جس طرح دنیا دیتی ہے میں تمہیں اس طرح نہیں دیتا۔ تمہارا دل نہ گھبرائے اور نہ ڈرے ○ تم سن چکے ہو کہ میں نے تم سے کہا کہ جاتا ہوں اور تمہارے پاس پھر آتا ہوں۔ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے تو اس بات سے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں خوش ہوتے کیونکہ باپ مجھ سے بڑا ہے ○ اور اب میں نے تم سے اس کے ہونے سے پہلے کہہ دیا ہے تاکہ جب ہو جائے تو تم یقین کرو ○ اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔ (یوحنا' باب : ۱۴' آیت : ۳۰-۲۵) (نیا عہد نامہ : ۹۹)

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۚ جو اس رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جن کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ (الاعراف : ۱۵۷)

احکام اسلام بہ مقابلہ تعلیمات انجیل

تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ زنا نہ کرنا ○ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جس کسی نے بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا ○ بس اگر تیری دہنی آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ ڈالا جائے ○ اور اگر تیرا دہنا ہاتھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اس کو کاٹ کر اپنے پاس سے پھینک دے کیونکہ تیرے لئے یہی بہتر ہے کہ تیرے اعضاء میں سے ایک جاتا رہے اور تیرا سارا بدن جہنم میں نہ جائے۔

(متی' باب : ۵' آیت : ۳۰-۲۷) (نیا عہد نامہ : ۸)

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ انسان اپنے جسم کے کسی عضو کو کاٹنے کا مجاز نہیں ہے اگر اس کے کسی عضو سے گناہ ہو جائے تو وہ صدق دل سے توبہ کرلے اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے معاف فرمادے گا۔

یہ بھی کہا گیا تھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑے اسے طلاق نامہ لکھ دے ○ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرام کاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑے وہ اس سے زنا کراتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے۔ (متی' باب : ۵' آیت : ۳۲-۳۱) (نیا عہد نامہ : ۸)

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اگر بیوی کو بدچلنی کے علاوہ کسی اور سبب سے طلاق دی تو پھر بھی جائز ہے اور عدت کے بعد کوئی شخص اس سے نکاح کرلے تو یہ جائز ہے جائز نکاح کرنے کے بعد اس کے شوہر کا فعل زنا نہیں ہے۔

تم سن چکے ہو کہا گیا تھا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت ○ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے ○ اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لینے دے ○ اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص زیادتی کرے تو اس سے اتنا ہی بدلہ لینا جائز ہے لیکن اسے معاف کر دینا زیادہ

بہتر ہے اور برائی کے جواب میں نیکی کرنا اور بھی زیادہ بہتر ہے، لیکن کسی زیادتی اور برائی کرنے والے کو مزید زیادتی اور برائی کرنے کا موقع دینا صحیح نہیں ہے بلکہ یہ اس شخص کے ساتھ بدخواہی کرنے کے مترادف ہے۔

وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثْلُھَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ (الشوریٰ : ۴۰)
برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے پھر جو معاف کردے اور نیکی کرے تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ (الشوریٰ : ۴۳)
اور جو صبر کرے اور معاف کردے تو یقیناً یہ ضرور ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے؟ اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے؟ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں؟○ ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں تو بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے؟○ تم میں ایسا کون ہے جو فکر کر کے اپنی عمر ایک گھڑی بھی بڑھا سکے؟○ اور پوشاک کے لئے کیوں فکر کرتے ہو؟ جنگلی سوسن کے درختوں کو غور سے دیکھو وہ کس طرح بڑھتے ہیں وہ نہ محنت کرتے ہیں نہ کاتتے ہیں۔ (متی، باب : ۶، آیت : ۲۸-۲۵) (نیا عہد نامہ : ۹)

اسلام میں کھانے پینے اور پہننے کی فکر کرنا اور اس کے لئے حلال ذرائع سے کسب معاش کرنا پسندیدہ فعل ہے بہ شرطیکہ اس کے ساتھ ساتھ عبادت کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کے دیگر احکام کی اطاعت کرتا رہے۔

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ (الجمعہ : ۱۰)
سو جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور (کاروبار میں) اللہ کا فضل تلاش کرو۔

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ایوب بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب نے ٹیلہ کی چوٹی سے قریش کے ایک آدمی کو آتے دیکھا۔ صحابہ نے کہا یہ شخص کتنا طاقتور ہے کاش کہ اس کی طاقت اللہ کے راستے میں خرچ ہوتی! اس پر نبی ﷺ نے فرمایا کیا صرف وہی شخص اللہ کے راستے میں ہے جو قتل کردیا جائے؟ پھر فرمایا جو شخص اپنے اہل کو سوال سے روکنے کے لئے حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستے میں ہے اور جو شخص اپنے آپ کو سوال سے روکنے کے لئے حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستے میں ہے البتہ جو شخص مال کی کثرت کی طلب میں نکلے گا وہ شیطان کے راستے میں ہے۔

(المصنف ج ۵ ص ۲۷۲-۲۷۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

جب شام ہوئی تو وہ ان بارہ کے ساتھ آیا○ اور جب وہ بیٹھے کھا رہے تھے تو یسوع نے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک جو میرے ساتھ کھاتا ہے مجھے پکڑوائے گا○ وہ دلگیر ہونے لگے اور ایک ایک کر کے اس سے کہنے لگے کیا میں ہوں؟○ اس نے ان سے کہا وہ بارہ میں سے ایک ہے جو میرے ساتھ طباق میں ہاتھ ڈالتا ہے○ کیونکہ ابن آدم تو جیسا اس کے حق میں لکھا ہے جاتا ہی ہے لیکن اس آدمی پر افسوس جس کے وسیلہ سے ابن آدم پکڑوایا جاتا ہے! اگر وہ آدمی پیدا نہ ہوتا تو اس کے لئے اچھا ہوتا○ (مرقس، باب : ۱۴، آیت ۲۱-۱۷) (نیا عہد نامہ ۴۸)

وہ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ یہوداہ جو ان بارہ میں سے تھا اور اس کے ساتھ ایک بھیڑ تلواریں اور لاٹھیاں لئے ہوئے سردار کاہنوں اور فقیہوں اور بزرگوں کی طرف سے آپہنچی○ اور اس کے پکڑوانے والے نے انہیں یہ نشان دیا تھا کہ جس کا میں

بوسہ لوں وہی ہے اسے پکڑ کر حفاظت سے لے جانا ○ وہ آکر فی الفور اس کے پاس گیا اور کہا اے ربی! اور اس کے بوسے لئے ○ انہوں نے اس پر ہاتھ ڈال کر اسے پکڑ لیا ان میں سے جو پاس کھڑے تھے ایک نے تلوار کھینچ کر سردار کاہن کے نوکر پر چلائی اور اس کا کان اڑا دیا ○ یسوع نے ان سے کہا کیا تم تلواریں اور لاٹھیاں لے کر مجھے ڈاکو کی طرح پکڑنے نکلے ہو؟ ○ میں ہر روز تمہارے پاس ہیکل میں تعلیم دیتا تھا اور تم نے مجھے نہیں پکڑا لیکن یہ اس لئے ہوا ہے کہ نوشتے پورے ہوں ○ اس پر سب شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے ○ مگر ایک جوان اپنے ننگے بدن پر مہین چادر اوڑھے ہوئے اس کے پیچھے ہو لیا اسے لوگوں نے پکڑا ○ مگر وہ چادر چھوڑ کر ننگا بھاگ گیا۔ (مرقس' باب : ۱۴' آیت : ۵۲-۴۳) (نیا عہد نامہ : ۴۹)

انجیل کے اس بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ کے حواریوں میں سے ایک نے حضرت عیسیٰ کو پکڑوایا اور جب مخالفین پکڑنے آئے تو تمام حواری حضرت عیسیٰ کو چھوڑ کر بھاگ گئے اس کے برعکس جب کفار قریش نے سیدنا حضرت محمد ﷺ کے گھر کا ننگی تلواروں کے ساتھ محاصرہ کیا تو حضرت علی آپ کی جگہ آپ کے بستر پر لیٹ گئے غار ثور میں حضرت ابوبکر نے سانپ کے بل پر اپنی ایڑی رکھ دی سانپ نے متواتر ڈنک مارے مگر حضرت ابوبکر نے اپنی ایڑی نہ ہٹائی مبادا آپ کو کوئی گزند پہنچے' صحیح مسلم میں ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر کہا خدا کی قسم! آپ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں' صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت مقداد نے کہا ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح یہ نہیں کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں ہم تو آپ کے داہنے سے بائیں سے سامنے اور پیچھے سے لڑیں گے' امام بیہقی نے روایت کیا ہے جب اہل مکہ حضرت زید بن دثنہ کو قتل کرنے کے لئے حرم سے باہر لے جانے لگے تو ابوسفیان نے کہا اے ابو زید! میں تم کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں یہ بتاؤ کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ اس وقت ہمارے پاس تمہاری جگہ محمد (ﷺ) ہوتے اور تمہارے بجائے ان کی گردن ماری جاتی؟ حضرت زید نے کہا خدا کی قسم! مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں ہے کہ میں اپنے اہل میں عافیت سے ہوں اور رسول اللہ ﷺ کے پیر میں کانٹا چبھ جائے۔

اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز کے ساتھ چلا کر کہا ایلی۔ ایلی لما شبقتنی؟ یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ (متی' باب: ۲۷' آیت: ۴۶) (نیا عہد نامہ: ۳۳)

انجیل کی اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا نے چھوڑ دیا اور سیدنا محمد ﷺ کے متعلق قرآن مجید میں ہے۔

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ آپ سے بیزار ہوا۔

(الضحیٰ : ۳)

انبیاء علیہم السلام کے متعلق کتاب مقدس میں لکھا ہے :

کہ نبی اور کاہن دونوں ناپاک ہیں۔ ہاں میں نے اپنے گھر کے اندر ان کی شرارت دیکھی خداوند فرماتا ہے ○ اس لئے ان کی راہ ان کے حق میں ایسی ہوگی جیسے تاریکی میں پھسلنی جگہ وہ اس میں رگیدے جائیں گے اور وہاں گریں گے کیونکہ خداوند فرماتا ہے میں ان پر بلا لاؤں گا یعنی ان کی سزا کا سال ○ اور میں نے سامریہ کے نبیوں میں حماقت دیکھی ہے انہوں نے بعل کے نام سے نبوت کی میری قوم اسرائیل کو گمراہ کیا ○ میں نے یروشلم کے نبیوں میں ایک ہولناک بات دیکھی وہ زنا کار جھوٹ کے پیرو اور بدکاروں کے حامی ہیں یہاں تک کہ کوئی اپنی شرارت سے باز نہیں آتا۔

(یرمیاہ' باب : ۲۳' آیت : ۱۴-۱۱)(عہد نامہ قدیم : ۷۳۶)

قرآن مجید حضرت اسحٰق' حضرت یعقوب' حضرت نوح' حضرت داؤد' حضرت سلیمان' حضرت ایوب' حضرت یوسف' حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت زکریا' حضرت یحییٰ' حضرت عیسیٰ اور حضرت الیاس کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے :

كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (الانعام : ۸۵) یہ سب ہدایت یافتہ اور صالح ہیں

اور حضرت اسمٰعیل' حضرت الیسع' حضرت یونس اور حضرت لوط کا ذکر کرنے کے بعد فرماتا ہے۔

وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (الانعام : ۸۶) اور ہم نے ان سب کو ان کے زمانہ میں تمام جہان والوں پر فضیلت دی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں ہے زمین میں اور نہ آسمانوں میں وہی ہے جو ماؤں کے پیٹ میں جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے وہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔(آل عمران : ۶-۵)

علم محیط اور قدرت کاملہ پر الوہیت کی بناء کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خدا نہ ہونا

اللہ تعالیٰ تمام کلیات اور جزئیات اور ہر بڑی اور چھوٹی چیز کا جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آسمان اور زمین کا ذکر فرمایا ہے حالانکہ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جن چیزوں کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں ان میں سب سے بڑی چیز آسمان اور زمین ہے سو یہ آیت اللہ تعالیٰ کے کمال علم پر دلالت کرتی ہے اور یہ جو فرمایا ہے وہ ماؤں کے پیٹ میں جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے تو یہ آیت اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر دلالت کرتی ہے اور کمال علم اور کامل قدرت پر ہی الوہیت کا مدار ہے کیونکہ مخلوق کو پیدا کرنا اس کو قائم رکھنا ان کی ضروریات اور ان کی بہتری کی چیزوں کو فراہم کرنا اور ان کے اعمال کا محاسبہ کرنا اور اس کے مطابق ان کو جزاء اور سزا دینا یہ تمام امور وہی انجام دے سکتا ہے جس کا علم ہر شے پر محیط ہو اور اس کو ہر چیز پر قدرت ہو۔

اس آیت میں عیسائیوں کا رد کیا گیا ہے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کہتے تھے اور ان کا شبہ یہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام غیب کی خبریں دیتے تھے یہ ان کا کمال علم ہے' اور وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے یہ کمال قدرت ہے' اور علم اور قدرت کے کمال پر ہی مدار الوہیت ہے' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس شبہ کو زائل فرمایا ہے کہ الٰہ (خدا) وہ ہے جس کو ہر چیز کا علم ہو دو چار غیب کی باتیں جان لینے سے کوئی شخص خدا نہیں ہوتا' جب کہ وہ دو چار باتیں بھی خدا کی بتائی ہوئی ہوں۔ اور یہ بالکل بدیہی بات ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام چیزوں کو جاننے والے نہیں تھے۔ اسی طرح دو چار چیزیں بنا دینے سے کوئی خدا نہیں ہوتا جب کہ ان کا بنانا بھی خدا کی دی ہوئی قدرت سے ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کے پیٹ میں تخلیق کے مختلف مراحل طے کرتے رہے اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں ان کی صورت بنائی اور جس طرح چاہا ان کی صورت بنائی اس عمل میں ان کا کوئی اختیار نہیں تھا پھر وہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں! اللہ تعالیٰ نے علم اور قدرت کے بیان کے بعد فرمایا اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں پہلے دلیل بیان کی پھر دعویٰ کا ذکر فرمایا پھر فرمایا وہ عزیز اور حکیم ہے حکمت کا معنی ہے ہر چیز کو اس کی مناسب جگہ پر رکھنا یہ اس کے علم محیط کا تقاضا ہے اور عزیز کا معنی ہے غالب اور یہ اس کی قدرت کا تقاضا ہے۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ

وہی (اللہ) ہے، جس نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے (اس کتاب کی) بعض آیات واضح ہیں جو اس کتاب

اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ

کی اصل بنیاد ہیں، اور اس کی بعض آیات متشابہہ ہیں سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے

فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ﳘ

وہ فتنہ جوئی کے لیے اور متشابہ کا محمل نکالنے کے لیے آیت متشابہ کے درپے رہتے ہیں،

وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ﳘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ

حالانکہ متشابہ کے محمل کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور ماہر علماء یہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر

اٰمَنَّا بِهٖۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَاۚ وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑦

ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے، اور صرف عقل والے ہی نصیحت قبول کرتے ہیں ○

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ

اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا، اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا

رَحْمَةًۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ⑧ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ

فرما بیشک تو بہت عطا فرمانے والا ہے ○ اے ہمارے رب! بیشک تو لوگوں کو اس دن جمع فرمانے

لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ⑨ ع

والا ہے جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے، بے شک اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا ○

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم — وقف لازم — وقف منزل — ع ۱ — ۹

آیات محکمات اور متشابہات کے ذکر کی مناسبت

عیسائیوں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے :

اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗۚ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْیَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ (النساء : ۱۷۱)

اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے، جس کو اللہ نے مریم کی طرف القا کیا اور اللہ کی طرف سے روح ہے۔

عیسائیوں نے یہ کہا کہ قرآن نے حضرت عیسیٰ کو اللہ کا کلمہ اور اللہ کی روح کہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ ابن اللہ ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں یہ آیات نازل فرمائیں کہ قرآن مجید میں محکم آیات بھی ہیں اور متشابہ آیات بھی ہیں اور یہ آیت متشابہات میں سے ہے اور متشابہات کی اصل مراد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

محکم کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ نے لکھا ہے کہ حکم کے معنی ہیں منع کرنا' حکمت کو حکمت اس لئے کہتے ہیں کہ عقل اس کے خلاف کرنے کو منع کرتی ہے' اس لئے محکم کا معنی ہے جس میں اشتباہ اور خفاء ممنوع ہو اور محکم وہ آیات ہیں جن میں تاویل اور نسخ ممنوع ہو۔ (تاج العروس ج ۸ ص ۲۵۳ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

محکم وہ آیت ہے جس میں لفظ کی جہت سے کوئی شبہ پیدا ہو نہ معنی کی جہت سے۔

(المفردات ص ۱۲۸ مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۴۲ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں :

جس لفظ کی مراد تبدیل' تغیر' تخصیص اور تاویل سے محفوظ ہو وہ محکم ہے اس کی مثال وہ آیات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات پر دلالت کرتی ہیں جیسے "اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے" اس آیت کے منسوخ ہونے کا احتمال نہیں ہے۔

(کتاب التعریفات ص ۸۹ مطبوعہ المطبعہ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے محکمات وہ آیات ہیں جو ناسخ ہیں' اور ان میں حلال' حرام' حدود اور فرائض کا بیان ہے اور یہ کہ کس پر ایمان لایا جائے اور کس پر عمل کیا جائے اور متشابہات وہ آیات ہیں جو منسوخ ہیں وہ مقدم اور موخر ہیں ان پر ایمان لایا جائے اور ان پر عمل نہ کیا جائے۔

محمد بن جعفر بن زبیر نے کہا محکم وہ آیات ہیں جن کا صرف ایک معنی اور ایک محمل ہے اور اس میں کسی اور تاویل کی گنجائش نہیں ہے اور متشابہ وہ آیات ہیں جن میں کئی تاویلات کی گنجائش ہے۔

ابن زید نے کہا محکم وہ آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ امتوں اور ان کے رسولوں کے واقعات اور قصص بیان فرمائے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے لئے ان کی تفصیل کی' اور متشابہ وہ آیات ہیں جن میں ان واقعات کو بار بار ذکر فرمایا ہے اور ان کے الفاظ اور معانی میں اختلاف ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا محکم وہ آیات ہیں جن کے معنی اور ان کی تاویل اور تفسیر علماء کو معلوم ہے اور متشابہ وہ آیات ہیں جن کا معنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے اور مخلوق میں سے کسی کو بھی ان کا علم نہیں ہے' آیات متشابہات میں حروف مقطعہ ہیں جو اوائل سور میں مذکور ہیں جیسے الم' الر' المص وغیرہ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا وقت' اور سورج کب مغرب سے طلوع ہو گا' اور قیامت کب واقع ہو گی۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۱۶' ۱۱۵ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

متشابہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

جس لفظ کا معنی اس لفظ سے معلوم نہ ہو سکے وہ متشابہ ہے' اس کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے کہ اس کو محکم کی طرف لوٹانے سے اس کا معنی معلوم ہو جائے دوسری قسم وہ ہے جس کی حقیقت کی معرفت کا کوئی ذریعہ نہ ہو اور جو شخص اس کے معنی کے درپے ہو وہ بدعتی اور فتنہ پرور ہے' بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اگر لفظ سے اس کی مراد ظاہر ہو تو اگر وہ منسوخ ہونے کا احتمال نہ رکھے تو وہ محکم ہے اور اگر وہ منسوخ ہونے کا احتمال رکھتا ہو لیکن اس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو تو مفسر ہے اور اگر اس میں تاویل کی گنجائش ہو لیکن عبارت اس کی وجہ سے لائی گئی ہو تو نص ہے ورنہ وہ ظاہر ہے' اور اگر کسی عارض کی بناء پر لفظ سے اس کی مراد مخفی ہو تو وہ خفی ہے اور اگر اس لفظ کی وجہ سے اس کی مراد مخفی ہو تو وہ مشکل ہے اور اگر عقل یا نقل سے اس کا ادراک ہو سکے تو وہ مجمل ہے اور اگر کسی وجہ سے اس کا ادراک نہ ہو سکے تو وہ متشابہ ہے۔

(تاج العروس ج ۹ ص ۳۹۳ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

متشابہ کی تین قسمیں ہیں: (اول) جس کی معرفت کا کوئی ذریعہ نہ ہو جیسے وقت وقوع قیامت اور دابۃ الارض کے نکلنے کا وقت' وغیرہ (ثانی) جس کی معرفت کا انسان کے لئے کوئی ذریعہ ہو جیسے مشکل اور غیرمانوس الفاظ اور مجمل احکام (ثالث) جو ان دونوں کے درمیان ہو علماء راسخین کے لئے اس کی معرفت حاصل کرنا ممکن ہے اور عام لوگوں کے لئے ممکن نہیں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق دعا کی تھی: اے اللہ اس کو دین کی فقہ عطا فرما اور اس کو تاویل کا علم عطا فرما' اس دعا سے اسی قسم کی متشابہ آیات کا علم مراد ہے آپ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے بھی اسی قسم کی دعا کی ہے۔ (المفردات ص ۲۵۵' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں:

جس کا معنی نفس لفظ کی وجہ سے مخفی ہو اور اسکی معرفت کی بالکل امید نہ ہو جیسے اوائل سور میں حروف مقطعات ہیں۔ (کتاب التعریفات ص ۸۶' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

اصولیین کے نزدیک محکم اور متشابہ کی تعریفیں

علامہ عبدالعزیز بن احمد بخاری متوفی ۷۳۰ھ لکھتے ہیں:

لفظ سے جس معنی کا ارادہ کیا گیا ہے اگر اس میں نسخ اور تبدیل ممتنع ہو تو وہ محکم ہے' اس سے معلوم ہوا کہ لفظ محکم اپنے معنی کا فائدہ پہنچانے میں انتہائی واضح ہوتا ہے اور چونکہ وہ معنی منسوخ نہیں ہو سکتا اس لئے اس کو محکم کہتے ہیں ہمارے عام اصولیین کی یہی رائے ہے' اس کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں۔ (۱) جس میں صرف ایک محمل کی گنجائش ہو۔ (۲) عقل کے نزدیک وہ واضح ہو۔ (۳) وہ ناسخ ہو۔ (۴) اس کے معنی کا علم اور اس کی مراد معلوم ہو۔ (۵) تمام اہل اسلام کے نزدیک اس کا معنی ظاہر ہو اور کسی کا اس معنی میں اختلاف نہ ہو۔ (۶) جو فرائض اور حدود کے بیان پر مشتمل ہو۔ (۷) جو حلال اور حرام کے بیان پر مشتمل ہو۔ محکم کی یہ متعدد تعریفیں ہیں لیکن صحیح تعریف پہلی ہے۔

(کشف الاسرار ج ۱ ص ۱۳۶' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۱۱ھ)

علامہ عبدالعزیز بن احمد بخاری متوفی ۷۳۰ھ متشابہ کی تعریف میں لکھتے ہیں :
جب کسی لفظ سے اس کی مراد مشتبہ ہو اور اس کی معرفت کا کوئی ذریعہ نہ ہو حتیٰ کہ اس کی مراد کی طلب ساقط ہو جائے اور اس کی مراد کے حق ہونے کا اعتقاد واجب ہو تو اس کو متشابہ کہتے ہیں۔

(کشف الاسرار ج ۱ ص ۱۴۹—۱۴۸' مطبوعہ دار الکتاب العربی ۱۴۱۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ فتنہ جوئی کے لئے اور متشابہ کا محمل نکالنے کے لئے آیت متشابہ کے درپے رہتے ہیں حالانکہ متشابہ کے محمل کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور ماہر علماء یہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ (آل عمران : ۷)

زائغین (جن کے دلوں میں کجی ہے) کا مصداق

"جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے" اس سے مراد نجران کے عیسائی ہیں کیونکہ انہوں نے قرآن مجید کی آیات سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے پر استدلال کیا' یہ ربیع کا قول ہے' اور حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد یہود ہیں کیونکہ یہودی عالم حی بن اخطب اور اس کے اصحاب کے سامنے رسول اللہ ﷺ نے مختلف سورتوں کے اوائل سے حروف مقطعات پڑھے تو وہ ابجد کے حساب سے ان کے عدد نکال کر اس دین کی مدت کا حساب کرنے لگے' اور جب آپ نے کئی حروف پڑھے تو وہ کہنے لگے ہم پر حساب مشتبہ ہوگیا کہ ہم قلیل عدد کا اعتبار کریں یا کثیر کا تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ اس کتاب میں آیات محکمات بھی ہیں اور متشابہات بھی ہیں۔ قتادہ نے کہا کہ ان لوگوں سے مراد منکرین بعث ہیں' اور ابن جریج نے کہا اس سے مراد منافقین ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تمام مبتدعین ہیں' قرآن مجید کا ظاہر لفظ عموم کا تقاضا کرتا ہے اور اس کے عموم میں ہر وہ فرقہ داخل ہے جس کے دل میں کجی ہے۔

لا یعلم تاویلہ الا اللہ میں وقف کی تحقیق

"حالانکہ متشابہ کے محمل کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا" اس میں اختلاف ہے کہ آیت کے اس حصہ پر وقف کیا جائے گا یا والراسخون فی العلم کو اس کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے گا اور اس پر وقف کیا جائے گا' دوسری صورت میں یہ معنی ہوگا حالانکہ متشابہ کے محمل کو اللہ اور ماہر علماء کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت ابی بن کعب' حضرت ابن عباس' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم' حسن' عروہ' عمر بن عبدالعزیز' ابی نہیک اسدی' مالک بن انس' کسائی' فراء' جلبائی' اخفش اور ابوعبید کے نزدیک الا اللہ پر وقف ہے اور اس کا معنی ہے اللہ کے سوا اور کوئی متشابہ کے علم کو نہیں جانتا' علامہ خطابی اور فخرالدین رازی کا بھی یہی موقف ہے۔ مجاہد' ربیع بن انس' محمد بن جعفر بن زبیر اور اکثر متکلمین کے نزدیک والراسخون فی العلم پر وقف ہے اور معنی ہے "حالانکہ متشابہ کے محمل کو اللہ اور ماہر علماء کے سوا کوئی نہیں جانتا" پہلی تفسیر راجح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے متشابہات کے علم کے درپے ہونے والوں کی مذمت کی ہے' نیز وقت وقوع قیامت' حضرت عیسیٰ کے نزول اور دجال کے خروج اور دابۃ الارض کے ظہور کا وقت بھی متشابہات میں ہے اور اس کو ماہر علماء نہیں جانتے نیز اللہ تعالیٰ نے ماہر علماء کی مدح اس بات میں کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ "ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کی طرف سے ہے" حضرت ابن عباس نے فرمایا قرآن مجید کی تفسیر کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) وہ تفسیر جس میں جہل نہیں ہے۔ (۲) وہ تفسیر جس کو عرب اپنی زبان دانی کی وجہ سے جان لیتے ہیں۔ (۳) وہ تفسیر جس کو صرف علماء ماہرین ہی جانتے ہیں۔ (۴) وہ

تفسیر جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

قرآن مجید میں ہے :

اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی (طٰهٰ : ۵) رحمٰن عرش پر جلوہ فرما ہے۔

یہ آیت بھی متشابہات میں سے ہے امام مالک سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا استوی کا مطلب (قائم قرار گزیں) معلوم ہے اور اسکی کیفیت مجہول ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے' اور اس کی کیفیت کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے' امام مالک کے اس جواب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ اس آیت میں وقف الا اللہ پر ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۲۸۔ ۲۶' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

آیات متشابہات کو نازل کرنے کا فائدہ

علماء متقدمین کا یہی مذہب تھا کہ آیات متشابہات کے معنی کا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو علم نہیں ہے' ان پر یہ اعتراض ہوا کہ پھر آیات متشابہات کے نازل کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس میں علماء کا امتحان ہے' جس طرح جاہل کے لئے تحصیل علم مشکل ہے اسی طرح علماء کے لئے کسی لفظ کے معنی میں تدبر اور تفکر نہ کرنا مشکل ہے' سو آیات متشابہات کو نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے علماء کو اس کا مکلف کیا ہے کہ وہ ان آیات میں تدبر اور تفکر کرنے سے باز رہیں' نیز علماء امت کو ان آیات متشابہات کے معنی معلوم نہیں ہیں لیکن نبی ﷺ کو ان آیات کا معنی قطعی طور پر معلوم ہے۔

ملا احمد جیون جون پوری متوفی ۱۱۳۰ھ لکھتے ہیں :

آیات متشابہات کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ اس کی مراد حق ہے اگرچہ قیامت سے پہلے ہمیں اس کا علم نہیں ہوگا' اور قیامت کے بعد ان کا معنی ہر شخص پر منکشف ہو جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ' اور یہ امت کے حق میں ہے لیکن نبی ﷺ کو ان کا معنی قطعی طور پر معلوم ہے ورنہ آپ سے خطاب کرنا بے سود ہوگا اور یہ مہمل الفاظ کے ساتھ خطاب کرنے کے مترادف ہوگا یا ایسے ہوگا جیسے حبشی کے ساتھ کوئی شخص عربی میں گفتگو کرے

(التفسیرات الاحمدیہ ص ۹۳' مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

آیات متشابہات میں غور و فکر کرنے والے علماء متاخرین کا نظریہ

علماء متقدمین آیات متشابہات میں غور و فکر نہیں کرتے تھے اور نہ کسی کو ان کا معنی بیان کرتے تھے' لیکن متاخرین علماء احناف نے جب یہ دیکھا کہ بدمذہب لوگ ان آیات کے ظاہری معنی بتا کر لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں مثلاً "وجہ اللہ" سے اللہ کا چہرہ بیان کرتے ہیں' ید اللہ سے اللہ کا ہاتھ "یوم یکشف عن ساق" سے اللہ کے لئے پنڈلی ثابت کرتے ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کے عقائد کو محفوظ کرنے کے لئے ان آیات کی تاویلات کیں' اور یہ تصریح کر دی کہ یہ تاویلات ظنی ہیں اور ان آیات متشابہات کے صحیح محمل اور حقیقی مراد کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

امام ابوبکر محمد بن حسین آجری متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو آیات متشابہات میں بحث کر رہے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن سے بچنے کا اللہ نے حکم دیا ہے' نیز حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا عنقریب لوگ قرآن کے متشابہ میں بحث کریں گے تو تم سنت کا علم رکھنے والے لوگوں کو لازم

پکڑ لینا۔ (الشریعہ ص ۶۷-۶۸ 'مطبوعہ مکتبہ دار السلام ریاض '۱۴۱۳ھ)

ملا احمد جونپوری متوفی ۱۱۳۰ھ لکھتے ہیں :

متاخرین علماء نے جب یہ دیکھا کہ ملحدین آیات صفات کے ظاہری معانی سے اللہ تعالیٰ کے لئے جہت' مکان اور اعضاء ثابت کر رہے ہیں اور حضرت آدم کو اللہ کی روح کا عین ثابت کر رہے ہیں' اور انہوں نے دیکھا کہ عوام کا شریعت پر اعتقاد ضعف کا شکار ہو رہا ہے تو انہوں نے ان آیات کی ایسی تاویل کرنے کے جواز کا فتویٰ دیا جس سے ان آیات کے ذریعہ فاسد عقائد نہ بیان کئے جائیں' اور وہ معانی اہل سنت وجماعت کے عقائد کے موافق ہوں' متاخرین کے بیان کردہ معانی کی مثالیں حسب ذیل ہیں :

ونفخت فیہ من روحی (الحجر : ۲۹) اس کا ظاہری معنی ہے : اور میں اس میں اپنی روح سے پھونک دوں' متاخرین نے اس میں یہ تاویل کی : اور میں اس میں اپنی پیدا کی ہوئی روح سے پھونک دوں۔

اللہ نور السموات والارض (النور : ۳۵) اس کا ظاہری معنی ہے : اللہ آسمانوں اور زمینوں کی روشنی ہے' اس کی تاویل ہے : اللہ آسمانوں اور زمینوں کو روشن کرنے والا ہے۔

ید اللہ فوق ایدیہم (الفتح : ۱۰) : ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ اس کی تاویل ہے : ان کی قدرتوں پر اللہ کی قدرت ہے۔

فثم وجہ اللہ (البقرہ : ۱۱۵) سو وہیں اللہ کا چہرہ ہے' اس کی تاویل ہے : سو وہیں اللہ کی ذات ہے۔

وجاء ربک (القمر : ۲۲) : اور آپ کا رب آیا' اس کی تاویل ہے : اور آپ کے رب کا حکم آیا۔

الرحمٰن علی العرش استوی (طہ : ۵) : رحمٰن عرش پر قائم ہے۔ اس کی تاویل ہے : عرش پر اللہ کی حکومت اور اس کا تسلط ہے۔

یحسرتٰی علی ما فرطت فی جنب اللہ (الزمر : ۵۶) : ہائے افسوس ان کوتاہیوں پر جو میں نے اللہ کے پہلو میں کیں۔ یعنی اللہ کے جوار رحمت میں' اللہ کے حضور کے قرب میں' یا اللہ کے متعلق۔

متاخرین نے آیات صفات کے علاوہ حروف مقطعات میں بھی تاویلات کی ہیں الم (الف لام میم) کے متعلق کہا الف سے اللہ کی طرف لام سے جبریل کی طرف اور میم سے سیدنا محمد ﷺ کی طرف اشارہ ہے' یعنی اللہ نے جبریل کو سیدنا محمد ﷺ کی طرف قرآن دے کر بھیجا۔ یا اس کا معنی ہے میں اللہ جاننے والا ہوں۔ "المص" کا مطلب ہے میں اللہ حق اور باطل میں فیصلہ کرنے والا ہوں۔ "الر" کا معنی ہے میں اللہ دیکھتا ہوں "کھیعص" میں کاف کریم سے' ھا ھادی سے یا حکیم سے' عین علیم سے اور صاد صادق سے کنایہ ہے "طٰہٰ" کا معنی ہے اہل بیت کی طہارت کی قسم' طسم میں طا ذی الطول سے سین قدوس سے میم رحمٰن سے کنایہ ہے' اس طرح "حم عسق" میں حاء اور میم رحمٰن سے عین علیم سے سین قدوس سے اور قاف قاہر سے کنایہ ہے باقی حروف مقطعات بھی اسی قیاس پر ہیں۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے کہ ان آیات کی تاویل کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو ان آیات کی تاویل کے درپے ہیں ان کے دلوں میں کجی ہے' تو پھر ان متاخرین کو ان آیات کا معنی کیسے معلوم ہو گیا؟ اور کیا وہ اس وعید کے مصداق نہیں بنے' اس کا جواب یہ ہے کہ ان آیات کے حقیقی معنی اور ان کے قطعی محمل کو اللہ کے سوا کوئی

نہیں جانتا' اور اللہ تعالیٰ نے اسی علم کی اپنے غیر سے نفی کی ہے اور علماء متاخرین نے جو تاویل کی ہے وہ ظنی ہے اور وہ ان کے محامل میں سے ایک محمل ہے' اور کجی ان لوگوں کے دلوں میں ہے جو ان آیات کے ایسے معانی بیان کرتے ہیں جو قرآن مجید اور احادیث کی تصریحات کے خلاف ہیں اور اہل سنت و جماعت کے عقائد کے منافی ہیں۔

(التفسیرات الاحمدیہ ص ۱۹۷۔ ۱۹۵ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

علماء راسخین کی تعریف

علماء راسخین سے مراد ایسے علماء ہیں جنہوں نے دین کا پختہ علم حاصل کیا اور قرآن اور حدیث میں مہارت حاصل کی اور تمام اصول اور فروع پر حاوی ہوں' ان سے عقائد اسلام اور احکام شرعیہ کے متعلق جو بھی سوال کیا جائے وہ اس کا جواب دینے پر قادر ہوں۔

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

علماء راسخین سے مراد ایسے علماء ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کو دلائل یقینیہ قطعیہ سے جانتے ہوں' اور ان کو دلائل یقینیہ سے معلوم ہو کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور جب وہ کسی آیت کو دیکھیں کہ اس کا ظاہری معنی قطعی طور پر مراد نہیں ہے تو وہ قطعیت سے جان لیں کہ یہ آیت متشابہ ہے اور اس کی مراد کا صرف اللہ تعالیٰ کو ہی علم ہے یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی عقل سے قرآن مجید میں غور کرتے ہیں اور جس آیت کا معنی ظاہری دلائل شرعیہ کے مطابق ہوتا ہے اس کو محکم قرار دیتے ہیں اور جس کا ظاہر دلائل شرعیہ کے خلاف ہوتا ہے اس کو متشابہ قرار دیتے ہیں' اس آیت سے متکلمین کی قدر و منزلت کا علم ہوتا ہے جو دلائل عقلیہ سے بحث کرتے ہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ کی ذات' صفات اور افعال کی معرفت حاصل کرتے ہیں اور دلائل عقلیہ' لغت' قواعد عربیہ اور احادیث اور آثار سے قرآن مجید کی تفسیر کرتے ہیں' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تفسیر کرنے کے لئے لغت' قواعد عربیہ اور احادیث اور آثار میں تبحر درکار ہے اور جو شخص ان علوم میں تبحر حاصل کئے بغیر قرآن مجید کی تفسیر کرے گا وہ اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہوگا' اور اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا ہے۔ جس شخص نے اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کی وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۰۱' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

میں کہتا ہوں کہ علماء راسخین کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ علم کے تقاضوں پر عامل ہوں اور جس شخص کو اصول اور فروع کے مسائل حفظ ہوں اور وہ عمل سے خالی ہو یا بد عمل ہو وہ علماء راسخین میں سے نہیں ہے قرآن مجید میں ہے :

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا (الجمعہ : ۵) ان لوگوں کی مثال جن پر تورات کا بوجھ رکھا گیا پھر انہوں نے اسے نہ اٹھایا (اس پر عمل نہیں کیا) اس گدھے کی طرح ہے جس کی پیٹھ پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہے۔

اور امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو درداء اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ علم میں راسخ کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو اپنی قسم پوری کرے اور اس کی زبان سچی ہو اور اس کا دل (حق پر) مستقیم ہو اور اس کا پیٹ اور اس کی شرم گاہ حرام سے محفوظ ہو۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۲۳' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اس حدیث کو امام طبرانی اور امام ابن عساکر کے حوالوں سے بیان کیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۲ ص ۷، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما بے شک تو بہت عطا فرمانے والا ہے۔ (آل عمران: ۸)

راسخین فی العلم یہ دعا کرتے ہیں' یا رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے یہ دعا کرنے کا حکم دیا۔ یا اس دعا کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلے ان لوگوں کا ذکر فرمایا تھا جن کے دلوں میں کجی ہے اور وہ فتنہ جوئی کے لئے آیات متشابہات کے درپے ہوتے ہیں تو مسلمانوں کو یہ دعا تلقین کی کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں کجی پیدا نہ کردے۔

دلوں کو ٹیڑھا کرنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت میں مذاہب

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف خیر کا پیدا کرنے والا ہے شر کا خالق نہیں ہے' اور اہل سنت یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خیر اور شر دونوں کا خالق ہے' کسی شخص کے دل میں کجی اور گمراہی کو پیدا کرنا شر ہے اور معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ اس آیت میں اہل سنت کی دلیل ہے باقی رہا یہ اعتراض کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی انسان کے دل کو ٹیڑھا کردیا تو اب اس کے گمراہ ہونے اور بدعقیدہ اور بدعمل ہونے میں اس کا کیا قصور ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جب انسان برائی کا کسب اور قصد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں برائی پیدا کردیتا ہے' انسان کاسب ہے اور اللہ خالق ہے' جب انسان کج روی کا کسب اور قصد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ٹیڑھا کردیتا ہے' اس کی وضاحت اس آیت سے ہوتی ہے:

فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ (الصف: ۵)

پھر جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے ان کے دل ٹیڑھے کردیئے اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس دعا کا ایک محمل یہ ہے: ہمیں شیطان اور اپنے نفسوں کے شر سے محفوظ رکھ تاکہ ہمارے دل ٹیڑھے نہ ہوں ایک اور محمل یہ ہے: ہم کو ایسی آفات اور بلاؤں میں مبتلا نہ فرما جس کے نتیجہ میں ہمارے دل ٹیڑھے ہوجائیں یا ہم پر لطف و کرم کرنے کے بعد ان الطاف اور عنایات کو ہم سے سلب نہ کر جس کے نتیجہ میں ہم فتنہ میں پڑجائیں اور ہمارے دل ٹیڑھے ہوجائیں۔

بہ کثرت احادیث میں ہے کہ نبی ﷺ یہ دعا فرماتے تھے: اے اللہ! ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھ' اور اس آیت کی تلاوت فرماتے تھے: اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔

دل کو دین پر ثابت قدم رکھنے کی دعا کے متعلق احادیث

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام ابن ابی شیبہ' امام احمد' امام ترمذی' امام ابن جریر' امام طبرانی' اور امام ابن مردویہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا بہت زیادہ کرتے تھے: اے اللہ! دلوں کو بدلنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ' میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا دل بدل جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے جس قدر بنو آدم اور بشر ہیں سب کے دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں' اگر اللہ چاہتا ہے تو انہیں مستقیم رکھتا ہے اور اللہ چاہتا ہے تو انہیں ٹیڑھا کردیتا ہے' تو ہم اپنے اللہ سے جو ہمارا رب ہے یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہدایت دینے کے بعد

ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرے اور ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ خاص اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرمائے بے شک وہ بہت عطا کرنے والا ہے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ مجھے ایک دعا سکھادیں جو میں اپنے لئے کیا کروں! آپ نے فرمایا تم یہ دعا کیا کرو : اے اللہ! محمد نبی کے رب! میرے گناہ کو بخش دے میرے دل کے غیظ کو دور کردے' اور جب تک تو مجھے زندہ رکھے مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے اپنی پناہ میں رکھ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۱۰' مسند احمد ج ۶ ص ۳۰۲' جامع ترمذی ص ۵۰۷' جامع البیان ج ۳ ص ۱۲۵' المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۳۳۸' ۳۶۶)

امام ابن ابی شیبہ' امام احمد اور امام ابن مردویہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا بہت زیادہ کرتے تھے اے دلوں کو بدلنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ یہ دعا بہت زیادہ کرتے ہیں! آپ نے فرمایا ہر دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے' جب وہ چاہتا ہے تو اس دل کو مستقیم رکھتا ہے اور وہ جب چاہتا ہے اس کو ٹیڑھا کردیتا ہے' کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۱۰' مسند احمد ج ص ۲۵۱)

امام ابن شیبہ' امام احمد اور امام بخاری نے الادب المفرد میں' امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ اور امام ابن جریر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا بہت زیادہ کرتے تھے : اے دلوں کے بدلنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ۔ ہم نے عرض کیا : یارسول اللہ! ہم آپ پر اور جو کچھ آپ لے کر آئے اس پر ایمان لاچکے ہیں' کیا اب آپ کو ہمارے متعلق کوئی خطرہ ہے؟ آپ نے فرمایا : ہاں! تمام دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں اور وہ ان دلوں کو بدلتا رہتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۰۹' الادب المفرد ص ۱۷۶' جامع ترمذی ص ۳۱۲' جامع البیان ج ۳ ص ۱۲۶ صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵)

امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو عبیدہ بن الجراح سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابن آدم کے دل چڑیا کی طرح دن میں سات مرتبہ الٹ پلٹ ہوتے ہیں۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں :

امام احمد اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : یہ دل جنگل میں پڑے ہوئے ایک پر کی طرح ہے جس کو ہوا الٹتی پلٹتی رہتی ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۰) (الدر المنثور ج ۲ ص ۹—۸' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ہمارے رب! بے شک تو لوگوں کو اس دن جمع فرمانے والا ہے جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے۔ بے شک اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ (آل عمران : ۹)

خُلف وعد کا محال ہونا اور خُلف وعید کا جائز ہونا

علماء راسخین نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ ہدایت دینے کے بعد ان کے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرے اور ہدایت یافتہ ہونے اور دلوں میں کجی نہ ہونے کا ثمرہ قیامت کے دن ظاہر ہوگا اس لئے انہوں نے کہا کہ وہ قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہیں' اور جزاء اور سزا کے جاری ہونے کے لئے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان رکھتے ہیں' اور قیامت کے دن پر اعتقاد رکھنے کی وجہ سے ہی انہوں نے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا۔

"بے شک اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا" اللہ تعالیٰ نے صالحین کو نیک کاموں پر انعام دینے کی جو خبر دی ہے اس کو وعد کہتے ہیں اور فساق مومنین کو برے اعمال پر سزا دینے کی جو خبر دی ہے اس کو وعید کہتے ہیں' اس پر اتفاق ہے کہ خُلف وعد محال ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے نیکو کاروں سے جو ثواب عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے وہ اس کے خلاف نہیں کرے گا' کیونکہ کریم جب کسی انعام کا وعدہ کرلے تو اس کے خلاف نہیں کرتا' اور اگر وہ اس وعدہ کے خلاف کرے تو یہ اس کا عیب شمار کیا جاتا ہے اور اللہ عیب سے پاک ہے' اور اگر کریم کسی مجرم کو سزا کی خبر دے اور پھر اس کو سزا نہ دے اور اپنی وعید کے خلاف کرے تو اس پر اس کی مدح کی جاتی ہے اور اسے اس کے محاسن میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے لئے خُلف وعید جائز ہے مثلاً" اللہ تعالیٰ نے سود خوروں' قاتلوں اور جھوٹوں پر عذاب کی وعید سنائی ہے لیکن اس کے باوجود یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وعید کے خلاف کرے اور کسی مسلمان کو ان گناہوں پر عذاب نہ دے۔ اب یہ سوال ہوگا کہ اگر خُلف وعید کو مان لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے کلام کا کذب ہونا لازم آئے گا اور اللہ تعالیٰ کے کلام کا کاذب ہونا محال ہے اس کا جواب یہ ہے کہ خُلف وعید سے کذب لازم نہیں آتا کیونکہ جن آیات میں عذاب کی وعید بیان کی گئی ہے وہ عدم عفو کے ساتھ مقید ہیں یعنی اللہ تعالیٰ قاتل اور سود خور کو دوزخ کا عذاب دے گا بہ شرطیکہ اس کو معاف نہ کرے اس لئے اگر اللہ تعالیٰ نے فساق مومنین کو معاف کردیا اور عذاب نہیں دیا تو اس کا کلام جھوٹا نہیں ہوگا۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِیَ عَنۡہُمۡ اَمۡوَالُہُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُہُمۡ

بیشک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں اللہ (کے عذاب) سے نہ ان کے مال ہرگز بچا سکیں گے نہ ان کی اولاد

مِّنَ اللّٰہِ شَیۡئًا ؕ وَاُولٰٓئِکَ ہُمۡ وَقُوۡدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ کَدَاۡبِ اٰلِ فِرۡعَوۡنَ

اور وہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں ○ ان کا طریقہ (بھی) قوم فرعون اور

وَالَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاَخَذَہُمُ اللّٰہُ بِذُنُوۡبِہِمۡ ؕ

ان سے پہلی اقوام کے طریقوں کی طرح ہے جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب سے پکڑ لیا

وَاللّٰہُ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَتُغۡلَبُوۡنَ وَ

اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ○ آپ کافروں سے کہہ دیجیے کہ تم عنقریب مغلوب ہو گے اور

تُحۡشَرُوۡنَ اِلٰی جَہَنَّمَ ؕ وَبِئۡسَ الۡمِہَادُ ﴿۱۲﴾

جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں اللہ (کے عذاب) سے نہ ان کے مال ہرگز بچا سکیں گے نہ ان کی اولاد اور وہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں۔ (آل عمران: ۱۰)

مال اور اولاد کے ذکر میں حسن ترتیب کا بیان

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے احوال بیان فرمائے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہدایت پر ثابت قدم رہنے کی دعا کرتے ہیں اور قیامت کے وقوع اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر یقین رکھتے ہیں' اب اس آیت سے کفار کے احوال کا ذکر شروع فرمایا کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اور قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ وہ مومنوں کے بعد کافروں کا ذکر فرماتا ہے۔

اس آیت کی تفصیل یہ ہے کہ جن یہودیوں اور مدینہ کے منافقوں نے نبی ﷺ کی نبوت کے برحق ہونے کی معرفت کے باوجود آپ کا انکار کیا اور اپنے دلوں کی کجی کی وجہ سے قرآن مجید کی آیات متشابہات کی خود ساختہ تاویلات کیں ان لوگوں کو قیامت کے دن اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچاسکے گا اور ان کے پاس دنیا میں جو مال اور اولاد کی کثرت ہے وہ قیامت کے دن کسی کام نہیں آئے گی۔

علامہ ابوالحیان اندلسی نے لکھا ہے کہ روایت ہے کہ ایک نصرانی ابوحارثہ بن علقمہ نے اپنے بھائی سے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں (ﷺ) لیکن اگر میں نے لوگوں پر ان کی نبوت کے برحق ہونے کو ظاہر کردیا تو روم کے بادشاہ مجھ سے وہ سب مال واپس لے لیں گے جو انہوں نے مجھے دیئے ہیں' اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت نجران کے عیسائیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت بنو قریظہ اور بنو نضیر کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اپنے مال اور اولاد پر فخر کیا کرتے تھے اور تحقیق یہ ہے کہ یہ آیت تمام کافروں کو شامل ہے اس آیت میں مال کے ذکر کو اولاد پر مقدم فرمایا ہے کیونکہ انسان مصائب سے خود کو بچانے' فتنہ پھیلانے اور کسی کا قرب حاصل کرنے کے لئے اولاد کی نسبت مال سے زیادہ کام لیتا ہے اور مال پر زیادہ اعتماد کرتا ہے۔ اسی طرح اور آیتوں میں بھی مال کے ذکر کو اولاد پر مقدم فرمایا ہے:

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِىْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا (سبا: ۳۷)	اور (اے لوگو!) نہ تمہارے مال اور نہ تمہاری اولاد ایسی چیزیں ہیں جو تم کو ہمارا مقرب کردیں ہاں! جو شخص ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کئے۔
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (الانفال: ۲۸)	اور یقین رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں۔
اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ (الحدید: ۲۰)	یقین رکھو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا (عارضی) زینت اور تمہارا ایک دوسرے پر فخر اور مال اور اولاد میں زیادتی طلب کرنا ہے۔
يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ (الشعراء: ۸۸)	جس دن نہ مال نفع دے گا نہ بیٹے۔

البتہ انسان طبعی طور پر مال کی بہ نسبت اولاد سے زیادہ محبت کرتا ہے اس لئے جہاں انسان کی محبت کا ذکر فرمایا وہاں مال پر اولاد کے ذکر کو مقدم فرمایا:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ	لوگوں کے لئے عورتوں سے خواہشات کی اور بیٹوں کی اور

وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ط
سونے اور چاندی کے خزانوں کی اور نشان زدہ گھوڑوں کی اور مویشیوں اور کھیتی باڑی کی محبت خوش نما بنادی گئی ہے۔

(آل عمران : ۱۴)

سو جس جگہ مصائب سے خود کو بچانے' قرب حاصل کرنے اور فتنہ جوئی کا ذکر تھا وہاں مال کے ذکر کو اولاد کے ذکر پر مقدم فرمایا اور جس جگہ محبت کا بیان تھا وہاں اولاد کے ذکر کو مال کے ذکر پر مقدم فرمایا اور یہ انتہائی نکتہ خیز ترتیب اور اعجاز آفریں بلاغت ہے جو سوا اس قادر قیوم کے اور کسی کی قدرت میں نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ان کا طریقہ بھی قوم فرعون اور ان سے پہلی اقوام کے طریقوں کی طرح ہے جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔(آل عمران : ۱۱)

قوم فرعون کے ذکر کی خصوصیت

اس سے پہلے ذکر فرمایا تھا کہ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ان کا مال اور ان کی اولاد ان کو اللہ کے عذاب سے ہرگز نہیں بچا سکتے اب یہ فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کی تکذیب کی ہے ان کا طریقہ پہلے زمانہ کے کافروں کی مثل ہے سو جس طرح اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کے باعث اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور ان کو عذاب دیا تھا سو اسی طرح ان پر بھی گرفت کی جائے گی اور ان کو بھی عذاب ہوگا۔ پچھلی امتوں میں سے اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ قوم فرعون کا ذکر اس لئے فرمایا ہے کہ یہاں بنو اسرائیل کے ساتھ کلام ہے اور ان کو معلوم ہے کہ جب قوم فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو غرق کردیا بنی اسرائیل کو ان پر مسلط کردیا اور قوم فرعون کے ملک کا بنو اسرائیل کو وارث کردیا اور انجام کار فرعون کا ٹھکانہ دوزخ ہے' سو یہی حال سیدنا محمد ﷺ کے مخالفوں اور کافروں کا ہوگا دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست سے دوچار کرے گا اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم عنقریب مغلوب ہوگے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے۔

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے جنگ بدر میں قریش کو شکست فاش دی تو مدینہ پہنچنے کے بعد آپ بنو قینقاع کے بازار میں گئے اور آپ نے یہود کو جمع کرکے فرمایا : اے جماعت یہود! اسلام قبول کرلو ورنہ تمہارا بھی قریش کی طرح حشر ہوگا' یہود نے جواب دیا : اے محمد! (ﷺ) آپ خود فریبی میں مبتلا نہ ہوں آپ کا ہم ایسوں سے سابقہ نہیں پڑا تھا جب ہم سے معرکہ ہوگا تو پتہ چل جائے گا' اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی : آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم عنقریب مغلوب ہوگے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ط فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ

بیشک تمہارے لیے ان دو جماعتوں میں ایک نشانی تھی جو (میدانِ بدر میں) باہم صف آرا ہوئے ایک جماعت اللہ کی راہ میں

اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ

جنگ کر رہی تھی اور دوسری جماعت کافر تھی، وہ (کافر) ان (مسلمانوں) کو کھلی آنکھوں سے اپنے سے دگنا دیکھ رہے تھے اور اللہ

يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

اپنی مدد کے ذریعہ جس کی چاہتا ہے تائید کرتا ہے، بیشک اس واقعہ میں آنکھوں والوں کے لیے ضرور عبرت ہے ○

فتح کا مدار عددی برتری اور اسلحہ کی زیادتی پر نہیں اللہ کی تائید اور نصرت پر ہے

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا : تم عنقریب مغلوب کئے جاؤ گے' کیونکہ یہود نے سیدنا محمد ﷺ کے سامنے بہت لاف گزاف کی تھی اور کہا تھا کہ آپ کا ہم ایسوں سے سابقہ نہیں پڑا تھا' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس پہلی آیت پر دلیل قائم کی ہے کہ واقعہ بدر اس پر دلیل ہے کہ کفار تعداد میں بہت زیادہ تھے ان کے پاس اسلحہ بھی بہت تھا اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور اسلحہ بھی بہت کم تھا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے کفار کو شکست فاش دی اور مسلمانوں کو مظفر اور منصور کیا' اور یہ اس پر دلیل ہے کہ غلبہ اور فتح کا دارومدار صرف اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت پر ہے' یہود یہ سمجھتے تھے کہ ان کے پاس اسلحہ کی فراوانی ہے اور ان کو عددی برتری حاصل ہے اس لئے وہ غالب ہوں گے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مذعوم کو باطل کردیا۔

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ ان دو جماعتوں سے مراد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب اور مشرکین مکہ کی جماعتیں ہیں اور اس آیت میں جس جنگ کا ذکر ہے وہ معرکہ بدر ہے' روایت ہے کہ جنگ بدر میں مشرکوں کی تعداد نو سو پچاس تھی ان میں ابو سفیان اور ابو جہل ایک سو گھڑ سواروں کی قیادت کررہے تھے ان کے پاس سات سو اونٹ تھے تمام گھڑ سوار لوہے میں غرق تھے ان کے علاوہ پیادوں میں بھی زرہ پوش تھے' اس کے برعکس مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور ہر چار آدمیوں کے پاس ایک اونٹ تھا کل چھ زرہیں تھیں اور دو گھوڑے سوار تھے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۶۰) دونوں جماعتوں کی ان صفات کو سامنے رکھ کر جب ہم بدر میں مسلمانوں کی فتح کو دیکھتے ہیں تو یہ کہے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ اس فتح میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی بہت بڑی نشانی رکھی تھی۔ ۱۷ رمضان ۲ھ کو حق اور باطل کا یہ اولین معرکہ برپا ہوا تھا۔

معرکہ بدر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کا بیان

معرکہ بدر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی پر حسب ذیل وجوہ ہیں :

(۱) مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور ان کے پاس اسلحہ بھی بہت کم تھا اس کے مقابلہ میں کفار کی تعداد تین گنا زیادہ تھی اور اسلحہ بھی بہت زیادہ تھا اس معرکہ میں ساٹھ سے کچھ اوپر مہاجر اور دو سو چالیس سے کچھ اوپر انصار تھے (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۴) ان کا جنگ سے پہلا سابقہ تھا خصوصاً" انصار زیادہ تر زراعت پیشہ تھے اور ان کا کوئی جنگی تجربہ نہیں تھا' اس کے برخلاف مشرکین مکہ میں سب جنگ کے ماہر اور تجربہ کار تھے اور ماہر اور جنگ کا تجربہ رکھنے والی زیادہ تعداد اور زیادہ اسلحہ پر مشتمل جماعت پر ایک کم تعداد کم اسلحہ اور ناتجربہ کار جماعت کا غالب آجانا اللہ کی بہت بڑی نشانی اور معجزہ ہے۔

(۲) جس روز جنگ ہونی تھی اس سے پہلی شب کو قریش کے لشکر میں شراب کے جام لنڈھائے جارہے تھے' ساتھ

آنے والی لونڈیاں ناچ گا رہی تھیں۔ (دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۳۳۲) دوسری جانب مسلمانوں کے لشکر میں نمازیں پڑھی جا رہی تھیں صبح روزہ رکھنے کی تیاریاں تھیں اللہ کے حضور فتح اور نصرت کے لئے دعائیں اور التجائیں تھیں، سب سے زیادہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں کر رہے تھے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن دعا کی : اے اللہ! اپنے عہد اور وعدہ کو پورا فرما، اے اللہ! اگر تو چاہے تو تیری عبادت نہیں کی جائے گی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا : آپ کے لئے یہ دعا کافی ہے آپ باہر آئے در آں حالیکہ آپ یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے :

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ عنقریب کافروں کا یہ جتھا شکست کھائے گا اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ (القمر : ۴۵)

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۶۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی طرف دیکھا تو وہ ایک ہزار تھے اور آپ کے اصحاب تین سو انیس نفر تھے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہاتھ پھیلا کر مسلسل اللہ سے دعا کرتے رہے حتیٰ کہ آپ کے شانوں سے رداء مبارک ڈھلک گئی، آپ دعا فرما رہے تھے اے اللہ تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا کر، اے اللہ! تو نے مجھ سے جس کا وعدہ فرمایا ہے وہ مجھ کو عطا کر، اے اللہ! اگر تو نے مسلمانوں کی اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی، حضرت ابوبکر آئے انہوں نے آپ کے شانوں سے ڈھلکی ہوئی چادر کو پکڑ کر آپ کے کندھوں پر ڈالا پھر آپ سے لپٹ گئے اور کہا اے نبی اللہ! آپ نے اپنے رب سے کافی دعا کر لی ہے وہ عنقریب آپ سے کئے ہوئے اپنے وعدہ کو پورا فرمائے گا سو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی :

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۳، مطبوعہ کراچی ۱۳۷۵ھ)

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ○ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ (الانفال : ۱۰-۹)

جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کر لی کہ میں تمہاری ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے مدد کرنے والا ہوں، اور اللہ نے اس (نزول ملائکہ) کو صرف خوش خبری بنایا ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن ہوں اور مدد صرف اللہ کی طرف سے ہے۔

(جامع ترمذی ص ۴۳۹ مطبوعہ کراچی، مسند احمد ج ۱ ص ۳۲۔ ۳۰، مطبوعہ بیروت)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دعائیں کرنا اظہار عبودیت کے لئے تھا ورنہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پہلے کافروں کی شکست سے مطلع کر دیا تھا اور آپ نے صحابہ کرام کو بتا دیا کہ معرکہ بدر میں فلاں کافر اس جگہ گرے گا اور فلاں کافر اس جگہ گرے گا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فلاں کافر کے گرنے کی جگہ ہے آپ زمین پر اس جگہ اور اس جگہ ہاتھ رکھتے، حضرت انس کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ رکھنے کی جگہ سے کوئی کافر متجاوز نہیں ہوا

(یعنی جس جگہ آپ نے جس کافر کا نام لے کر ہاتھ رکھا تھا وہ کافر اسی جگہ گر کر مرا)۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۲، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ، مسند احمد ج ۱ ص ۲۶، ج ۳ ص ۲۵۸، ۲۰۹، مطبوعہ بیروت ۱۳۹۸ھ، سنن نسائی ج ۱ ص ۲۹۳، مطبوعہ کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ معرکہ بدر میں یہ نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماننے والوں اور اس سے دعا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی اور اللہ تعالیٰ کا کفر کرنے والوں اور فسق و فجور میں مشغول رہنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے باوجود کثرت اور قوت کے شکست کی ذلت میں مبتلا کیا اور اس میں دوسری نشانی یہ ہے کہ اس میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا ثبوت ہے کیونکہ آپ نے پہلے ہی پیش گوئی فرمادی تھی کہ کون کافر کس جگہ گر کر مرے گا اور اس میں اس علم غیب کا بیان ہے، جو اللہ نے آپ کو عطا فرمایا تھا۔

(۳) معرکہ بدر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی تیسری نشانی یہ تھی کہ مشرکین مکہ کو مسلمان اپنے سے دگنی تعداد میں دکھائی دے رہے تھے یعنی ان کو مسلمانوں کی تعداد دو ہزار دکھائی دے رہی تھی جس کی وجہ سے ان پر مسلمانوں کی ہیبت طاری ہوگئی اور وہ خوف زدہ ہوگئے۔

(۴) چوتھی نشانی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اطمینان اور ان کو بشارت دینے کے لئے جنگ بدر میں فرشتوں کو نازل کیا، لیکن یہ واضح رہے کہ فرشتوں کا نزول صرف مسلمانوں کو طمانیت اور ان کو بشارت دینے کے لئے تھا کافروں سے لڑنے کے لئے نہیں تھا ورنہ ایک ہزار فرشتوں کو نازل کرنے کی کیا وجہ تھی صرف ایک فرشتہ ہی کافروں کو تہس نہس کرنے کے لئے کافی تھا۔ اور اگر فرشتے کافروں سے لڑے ہوں تو پھر کفر اور اسلام کے اس پہلے معرکہ اور بدر کی تاریخ ساز جنگ میں صحابہ کا کیا حصہ رہ جاتا ہے اور ان کا یہ کون سا کارنامہ رہ جاتا ہے! نیز قرآن مجید نے فرشتوں کو نازل کرنے کی وجہ صرف مسلمانوں کے لئے طمانیت اور بشارت بیان کی ہے اس کے سوا کچھ نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے نزول کی وجہ کو طمانیت اور بشارت میں منحصر کرکے بیان کیا ہے اس کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم جلد خامس میں بیان کی ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَ

لوگوں کے لیے عورتوں سے خواہشات کی اور بیٹوں کی اور سونے اور چاندی کے

الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ

خزانوں کی اور نشان زدہ گھوڑوں کی اور مویشیوں اور کھیتی باڑی

الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ

کی محبت خوش نما بنا دی گئی ہے۔ یہ (سب) دنیا کی زندگی کا۔

الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ

سامان ہے، اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانا ہے ○ آپ کہیے کہ کیا میں تم کو ان (سب)

بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ

سے بہتر چیز کی خبر (نہ) دوں؟ اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ان کے رب کے پاس ایسے باغات ہیں جن

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ

کے نیچے دریا بہتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ کی رضا

مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ

ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے ○ جو یہ کہتے ہیں اے ہمارے رب بیشک ہم

اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ ۚ اَلصّٰبِرِيْنَ وَ

ایمان لائے سو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا ○ جو صبر کرنے والے،

الصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ

سچ بولنے والے، (اللہ کی) اطاعت کرنے والے (راہِ خدا میں) خرچ کرنے والے، رات کے پچھلے پہر اُٹھ کر مغفرت

بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ

طلب کرنے والے ہیں ○ اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور فرشتوں نے اور علماء نے

اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ ؕ

(شہادت دی)، درآں حالیکہ وہ (اللہ) عدل کے ساتھ نظام قائم کرنے والا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ بہت غلبہ والا حکمت والا ہے ○

النصف

مشکل الفاظ کے معانی

"حب" کے معنی ہیں : کسی چیز کی طرف دل کا مائل ہونا۔ شہوت : جس چیز کی طرف نفس کی تحریک اور ترغیب ہو۔ قناطیر : قنطار کی جمع ہے' قنطار ایک مخصوص وزن ہے اس کی تعبیر ۵۰ کلوگرام کے ساتھ کی گئی ہے۔ مقنطرہ : قنطرہ کا اسم مفعول ہے قنطرہ کا معنی پل ہے' مال کے بہت بڑے ڈھیر کو بھی قنطرہ کہتے ہیں۔ ذھب : سونا' فضہ : چاندی' خیل : جمع ہے اس کا واحد فرس ہے جو من غیر لفظہ ہے اس کا معنی ہے گھوڑے۔ نعم : اونٹ' اس کی جمع انعام

ہے اور جمع کا اطلاق اونٹ، گائے اور بکری سب پر آتا ہے۔ نعامہ شتر مرغ کو کہتے ہیں۔ رضوان : رضا، جنت کے خازن کا نام بھی رضوان ہے، اسحار : سحر کی جمع ہے اس کا اطلاق طلوع فجر سے پہلے وقت پر ہوتا ہے۔

سابقہ آیات کے ساتھ ارتباط اور مناسبت۔

اس سے پہلے ہم نے علامہ ابوالحیان اندلسی کے حوالہ سے لکھا تھا کہ ایک نصرانی ابوحارثہ بن علقمہ نے اپنے بھائی سے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ یہ اللہ کے برحق رسول ہیں لیکن اگر میں ان پر ایمان لے آیا تو روم کے بادشاہ مجھ سے اپنا تمام دیا ہوا مال و دولت واپس لے لیں گے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ مال اور دنیا کی اور چیزوں کی محبت فانی ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس دائمی اجر و ثواب ہے تو تم فانی چیزوں کی خاطر دائمی چیزوں کو ترک نہ کرو، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت کے اخیر میں فرمایا تھا کہ معرکہ بدر میں آنکھوں والوں کے لئے ضرور عبرت ہے، اس آیت میں عبرت کی تفصیل کی ہے کہ دنیا کی عارضی لذتوں میں منہمک ہو کر آخرت کی دائمی نعمتوں سے غافل نہ ہو۔

متاع دنیا کی تزئین اور آرائش اللہ کی جانب سے بہ طور ابتلاء اور آزمائش ہے

عورتوں، بیٹوں اور مال و دولت کو انسان کی نظر میں بہت خوش نما اور حسین بنا دیا گیا ہے اور اس کے دل میں ان کی محبت پیدا کردی گئی ہے اور یہ محبت اس کے دل میں اس طرح مرکوز ہے کہ یہ اس کی طبعی محبت اور اس کا فطری تقاضا بن گئی ہے، اب اس چیز میں بحث کی گئی ہے کہ انسان کے لئے ان چیزوں کو مزین کرنے والا کون ہے، بعض علماء نے کہا ہے کہ اس کو مزین کرنے والا شیطان ہے اور ان کا استدلال اس آیت سے ہے :

وَاِذْ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ (الانفال : ۴۸) اور جب شیطان نے ان کے لئے ان کے کاموں کو مزین کردیا۔

شیطان لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور باطل چیزوں کی شہوات کو انسان کی نگاہ میں حسین اور خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے جیسا کہ خود شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا :

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ (الحجر : ۴۰-۳۹) شیطان نے کہا : اے میرے رب! کیونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا (تو) میں ضرور ان کے لئے زمین میں (برے کاموں کو) مزین کردوں گا اور میں ان سب کو ضرور گمراہ کروں گا سوا تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے اصحاب اخلاص ہیں۔

اور جمہور اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ خیر اور شر ہر چیز کا اللہ تعالیٰ خالق ہے شیطان کا مزین کرنا بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے ہے اور انسان کے دل میں ان چیزوں کی شہوت کو مزین کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے اور یہ تزئین ابتلاء اور امتحان کے لئے ہے تاکہ اللہ تعالیٰ یہ ظاہر فرمائے کہ کون لوگ ان چیزوں کی محبت میں ڈوب کر یاد الٰہی سے غافل ہو جاتے ہیں اور وہ کون لوگ ہیں جنہیں ان چیزوں کی محبت اللہ کی یاد اور اس کے احکام کی اطاعت سے نہیں روکتی، اور جن کے دلوں میں ان سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی محبت ہے جو اپنی میٹھی نیند اور اپنی ازواج کے قرب کی لذت کو چھوڑ کر رات کے پچھلے پہر اٹھتے ہیں اور سجدوں اور قیام میں صبح کر دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ بے شک جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اسے زمین کے لئے

أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا۔ (الکہف : ۷)

زینت بنایا تاکہ ہم انہیں آزمائش میں ڈالیں (اور یہ ظاہر کریں) کہ ان میں سے کون سب سے اچھے کام کرنے والا ہے۔

كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (الانعام : ۱۰۸)

اسی طرح ہم نے ہر جماعت کے لئے اس کا عمل مزین کردیا ہے۔ پھر انہوں نے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے تو وہ انہیں ان کاموں کی خبر دے گا جن کو وہ کرتے تھے۔

دین اور دنیا میں توازن اور اعتدال قائم رکھنا اسلام ہے

زیر بحث آیت میں یہ فرمایا ہے کہ انسان کے لئے ان چیزوں کی شہوات کی محبت کو مزین کردیا گیا ہے اور یہ سب دنیا کی زندگی کا سامان ہے' اور ان سے بہتر چیز آخرت کی نعمتیں ہیں اور سب سے بڑھ کر اللہ کی رضا اور خوشنودی ہے' اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان چیزوں سے محبت نہیں کرنی چاہئے یا ان سے نفرت کرنی چاہئے یا ان کو چھوڑ دینا چاہئے بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں میں زیادہ اشتغال اور انہماک نہیں ہونا چاہئے حتیٰ کہ انسان دنیا کی زینت اور خوشنمائی میں ڈوب کر اللہ تعالیٰ کو اور آخرت کو فراموش کر بیٹھے۔ بلکہ انسان معتدل طریقہ پر گامزن ہو اسلام دین فطرت ہے اس میں دین اور دنیا دونوں کے احکام موجود ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ أَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۚ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا وَّأَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (الاعراف : ۳۳-۳۱)

اے بنو آدم! ہر نماز کے وقت اپنا لباس زیب تن کرلیا کرو' اور کھاؤ اور پیو اور فضول خرچ نہ کرو بے شک اللہ فضول خرچ کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ۝ آپ کہئے کہ اللہ کی اس زینت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اور اللہ کے رزق میں سے پاک اور لذیذ چیزیں (کس نے حرام کی ہیں) آپ کہئے یہ چیزیں ایمان والوں کے لئے اس دنیا کی زندگی میں (بھی) ہیں اور آخرت میں تو صرف انہی کے لئے ہیں ہم علم والوں کے لئے اسی طرح آیات کی تفصیل کرتے ہیں ۝ آپ کہئے کہ میرے رب نے تو صرف بے حیائی کے کاموں کو حرام کیا ہے خواہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی ہو یا چھپی ہوئی اور گناہ کو اور ناحق سرکشی کو اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ شرک کرو جس کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں نازل کی اور یہ کہ تم اللہ کے متعلق ایسی بات کہو جسے تم نہیں جانتے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمادی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زینت کو اور پاک اور لذیذ چیزوں کو اپنے بندوں پر حرام نہیں فرمایا بلکہ ان چیزوں میں اسراف اور حد سے بڑھنے کو حرام فرمایا ہے اور اسی طرح بے حیائی کے کاموں فسق و فجور اور شرک کو حرام فرمایا ہے۔

احادیث میں بھی اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ جائز طریقے سے اعتدال کے ساتھ دنیا کی زیب و زینت کو حاصل کرنا

موجب اجر و ثواب ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ ایک شخص نے کہا کہ ایک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس حسین ہو اور اس کی جوتی حسین ہو؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حسین ہے اور حسن کو پسند فرماتا ہے، تکبر حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۵ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی نعمت کے اثر دیکھنے کو پسند فرماتا ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۰۰ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کا اپنی بیوی کے ساتھ عمل تزویج کرنا بھی صدقہ ہے، صحابہ نے پوچھا : یارسول اللہ! ہم میں سے کوئی شخص محض اپنی شہوت پوری کرنے کے لئے یہ عمل کرے تو بھی اس کو اجر ہوگا؟ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ اگر وہ حرام طریقہ سے اپنی شہوت پوری کرتا تو آیا اس کو گناہ ہوتا؟ سو اسی طرح اگر وہ حلال طریقہ سے اپنی شہوت پوری کرے گا تو اس کو اجر ملے گا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۲۵۔ ۳۲۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ان احادیث سے یہ واضح ہوگیا کہ جائز طریقہ سے اعتدال کے ساتھ متاع دنیا سے بہرہ اندوز ہونا ممنوع نہیں ہے بلکہ موجب اجر و ثواب ہے، ہاں ممنوع یہ ہے کہ انسان صرف دین کے حقوق ادا کرے اور دنیا کے حقوق فراموش کردے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کو آپس میں بھائی بنادیا حضرت سلمان، حضرت ابودرداء سے ملنے گئے تو انہوں نے حضرت ام درداء (حضرت ابودرداء کی زوجہ) کو میلے کچیلے کپڑے پہنے دیکھا تو ان سے کہا یہ تم نے کیا حال بنا رکھا ہے؟ انہوں نے کہا تمہارے بھائی ابودرداء کو دنیا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے پھر حضرت ابودرداء آئے اور حضرت سلمان کے سامنے کھانا رکھا اور حضرت سلمان سے کہا آپ کھائیں میں روزہ دار ہوں' حضرت سلمان نے کہا جب تک تم نہیں کھاؤ گے میں بھی نہیں کھاؤں گا' پھر حضرت ابودرداء نے کھانا کھایا جب رات ہوئی حضرت ابودرداء کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے' حضرت سلمان نے کہا سو جاؤ سو وہ سو گئے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد نماز کے لئے اٹھے انہوں نے پھر کہا سو جاؤ۔ جب رات کا آخری حصہ ہوگیا تو حضرت سلمان نے کہا اب نماز کے لئے اٹھو اور دونوں نے (تہجد کی) نماز پڑھی' حضرت سلمان نے ان سے کہا تمہارے رب کا تم پر حق ہے اور تمہارے نفس کا تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے۔ سو ہر حق دار کو اس کا حق ادا کرو' حضرت ابودرداء نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر یہ ماجرا بیان کیا آپ نے فرمایا سلمان نے سچ کہا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۵ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا! اے عبداللہ! کیا مجھے

یہ خبر نہیں دی گئی کہ تم (ہر روز) دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات کو قیام کرتے ہو؟ میں نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا یہ نہ کرو روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو' قیام بھی کرو اور نیند بھی لو' کیونکہ تمہارے جسم کا تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھوں کا تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے اور تمہارے لئے یہ کافی ہے کہ تم مہینہ میں تین دن روزے رکھ لیا کرو ہر نیکی کا دس گنا اجر ہوتا ہے تو تمہیں پھر دہر (زمانہ) کے روزوں کا اجر مل جائے گا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۶۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے گھروں میں تین شخص (حضرت علی' حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم : مصنف عبدالرزاق ج ٦ ص ١٦٧) آئے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق سوال کیا جب انہیں خبر دی گئی تو انہوں نے اس عبادت کو کم سمجھا اور کہا۔ کہاں ہم اور کہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب (بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں) کی تو مغفرت کردی گئی ہے' ان میں سے ایک نے کہا میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا' دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی افطار نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے اور فرمایا تم لوگوں نے اس اس طرح کہا تھا سنو! بہ خدا میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی ہوں لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں' نماز بھی پڑھتا ہوں اور رات کو سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں سو جو شخص میری سنت سے اعراض کرے گا وہ میرے طریقہ پر نہیں ہوگا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۸-۷۵۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

ان احادیث سے واضح ہوگیا کہ عورتوں' بچوں' مال و دولت اور اسباب زینت سے جائز طریقہ سے اعتدال کے ساتھ متمتع اور مستفید ہونا اسلام میں مطلوب ہے اور اس میں افراط اور تفریط ممنوع ہے' نہ یہ کرے کہ دن رات عبادت اور ریاضت میں مشغول ہو کر راہبوں کی طرح تارک الدنیا ہو جائے' نہ دنیاداروں کی طرح ان چیزوں کی محبت میں ڈوب کر دین اور شریعت کے تقاضوں کو فراموش کردے' اسلام نے دین اور دنیا دونوں کے متعلق ہدایات دی ہیں' اللہ تعالیٰ نے اپنا شکر ادا کرنے کا حکم دیا اس کے ساتھ ماں باپ کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا' اسلام دہریت اور رہبانیت دونوں کے خلاف ہے اور عبادات' معاملات اور سیاسیات کا جامع ہے۔

قرآن مجید نے اس آیت میں چھ چیزوں کے متعلق فرمایا ہے کہ انسان کے لئے ان کی شہوات کی محبت مزین کی گئی ہے عورتیں' بیٹے' سونے چاندی کے ڈھیر' نشان زدہ گھوڑے' مویشی اور کھیتیاں۔ فرمایا کہ یہ دنیا کی زندگی کا متاع ہے اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے۔ ہم اجمالی طور پر ان چھ چیزوں کے متعلق قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے احکام بیان کریں گے' سب سے پہلے عورتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کو بیان کرتے ہیں :

اعتدال کے ساتھ عورتوں کی طرف رغبت کا استحباب

اپنی منکوحہ عورتوں سے اعتدال کے ساتھ انس اور محبت کرنے کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً

اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم ان سے سکون پاؤ

(الروم : ۲۱) اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھ دی۔

اور رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کی متعلق فرمایا :

امام ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : دنیا کی تین چیزوں کی محبت میرے دل میں رکھی گئی ہے۔ عورتیں، خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

(سنن نسائی ج ۲ ص ۹۳، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دنیا متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک عورت ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۷۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

عورتوں پر زیادہ اعتماد اور ان کے ساتھ زیادہ اشتغال سے منع کرنے کے لئے فرمایا :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے بعد عورتوں سے زیادہ نقصان دہ فتنہ نہیں چھوڑا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۶۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر یا عید الاضحیٰ میں عید گاہ گئے۔ آپ عورتوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا : اے عورتوں کی جماعت صدقہ کیا کرو کیونکہ مجھے یہ دکھایا گیا ہے کہ تم زیادہ تر دوزخی ہو۔ عورتوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کس وجہ سے؟ آپ نے فرمایا تم لعنت بہت کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے تم سے زیادہ ایسی ناقصات عقل اور ناقصات دین نہیں دیکھیں جو بہت زیادہ ہوشیار مرد کی عقل کو بھی سلب کرلیں انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! ہمارے دین اور ہماری عقل میں کیا نقصان ہے؟ آپ نے فرمایا کیا عورت کی شہادت مرد کی شہادت کا نصف نہیں ہے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! آپ نے فرمایا یہ ان کی عقل کے نقصان کی وجہ سے ہے۔ (پھر فرمایا) کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب عورت کو حیض آجائے تو وہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا یہ ان کے دین کا نقصان ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

اعتدال کے ساتھ بیٹوں کی طرف رغبت کا استحباب

اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کے وجود کو انسان کے حق میں نعمت قرار دیا ہے کیونکہ بیٹے کے وجود سے انسان کی نسل آگے چلتی ہے اور دنیا میں باپ کا ذکر اور چرچا بیٹوں سے ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً (النحل : ۷۲)

اور اللہ نے تم سے تمہاری بیویاں بنائیں اور تمہاری بیویوں سے بیٹے، پوتے اور نواسے پیدا کئے۔

اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ (الشعراء : ۱۳۳)

اس نے چوپایوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائی۔

وَيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا (نوح : ۱۲)

اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہارے لئے باغ اگائے گا اور تمہارے لئے دریا بنادے گا۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو تین چیزوں کے سوا اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے صدقہ جاریہ' یا وہ علم جس سے فائدہ حاصل کیا جائے یا نیک بیٹا جو اپنے ماں باپ کے لئے دعا کرتا ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۴۲' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ)

اولاد کے ساتھ محبت میں افراط اور شدت اشتغال سے روکنے کے لئے فرمایا :

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (المنافقون : ۹)

اے ایمان والو! تمہارے مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں۔

اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (التغابن : ۱۵)

تمہارے مال اور تمہاری اولاد محض آزمائش ہیں۔

اعتدال کے ساتھ مال کی طرف رغبت کا استحباب

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ (النحل : ۷۱)

اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض دوسروں پر رزق میں فضیلت عطا فرمائی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال میں زیادتی کو اللہ کا فضل قرار دیا ہے' نیز فرمایا :

وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ (النساء : ۳۲)

اور اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فقراء مہاجرین نے آکر عرض کیا : یا رسول اللہ! مالدار لوگ تو بلند درجات اور دائمی نعمتوں کو لے گئے آپ نے فرمایا وہ کیسے؟ انہوں نے کہا وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں ہماری طرح روزے رکھتے ہیں' وہ صدقہ کرتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں کرسکتے۔ وہ غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم غلام آزاد نہیں کرسکتے۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں ایسی چیز کی تعلیم نہ دوں جس کی وجہ سے تم سبقت کرنے والوں کا اجر پالو اور اس کی وجہ سے تم اپنے بعد والوں پر سبقت کرو اور کوئی شخص تم سے افضل نہ ہو مگر وہ جو تمہاری مثل اس کام کو کرے۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تم ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس بار سبحان اللہ' اللہ اکبر اور الحمدللہ کہو۔ ابو صالح نے کہا پھر فقراء مہاجرین دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا ہمارے مالدار بھائیوں کو ہماری تسبیحات پڑھنے کا علم ہوا تو انہوں نے بھی ہماری طرح تسبیحات پڑھنا شروع کردیں (یعنی وہ پھر مالی عبادت کرنے کی وجہ سے ہم سے بڑھ گئے) آپ نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عطا فرمائے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۱۹۔ ۲۱۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال و دولت کو اللہ کا فضل قرار دیا ہے اور یہ اس وقت ہے جب مال و دولت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اطاعت میں خرچ کیا جائے اور اگر مال و دولت کو محض مال و دولت کی خاطر جمع کیا جائے تو اس کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مذمت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ○ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ○ (التکاثر : ۲-۱)

تمہیں زیادہ مال جمع کرنے کی حرص نے غافل کردیا۔ حتیٰ کہ تم (مرکر) قبروں میں پہنچ گئے۔

الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ○ یَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ○ كَلَّا لَیُنْۢبَذَنَّ فِی الْحُطَمَةِ ○ جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اس کو دنیا میں ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ ہرگز نہیں وہ چورا چورا کر دینے والی میں ضرور پھینک دیا جائے گا۔ (الھمزۃ : ۴-۲)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی مال میں شدید اشتغال اور استغراق کی مذمت فرمائی ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

سہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے مکہ میں خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا : اے لوگو! نبی ﷺ فرماتے تھے کہ اگر ابن آدم کو سونے سے بھری ہوئی ایک وادی مل جائے تو وہ چاہے گا کہ اسے دوسری وادی بھی مل جائے اور اگر اس کو دوسری وادی بھی دے دی جائے تو وہ چاہے گا اسے تیسری وادی بھی مل جائے ابن آدم کے پیٹ کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی اور جو اللہ سے توبہ کرے اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۵۳-۹۵۲ ، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی '۱۳۸۱ھ)

اعتدال کے ساتھ گھوڑوں اور مویشیوں کی طرف رغبت کا استحباب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ○ وَلَكُمْ فِیْهَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ وَحِیْنَ تَسْرَحُوْنَ ○ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○ وَّالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِیْنَةً ؕ وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (النحل : ۸-۵)

اور اس نے چوپایوں کو پیدا کیا جن میں تمہارے لئے گرم لباس ہے اور (مزید) فوائد ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو○ اور ان میں تمہارے لئے زینت ہے جب تم شام کو ان کو چرا کر واپس لاتے ہو اور جب انہیں چرنے چھوڑ جاتے ہو○ اور وہ مویشی تمہارا وزنی سامان اٹھا کر ان شہروں میں لے جاتے ہیں جہاں تم جسمانی مشقت اٹھائے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے بے شک تمہارا رب نہایت مہربان بہت رحم فرمانے والا ہے○ اور اس نے تمہاری سواری اور زینت کے لئے گھوڑے خچر اور گدھے پیدا کئے اور وہ ان چیزوں کو پیدا کرتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ (الانفال : ۶۰)

اور (اے مسلمانو) ان کے خلاف جتنی تم میں استطاعت ہے ہتھیاروں کی فراہمی اور گھوڑے باندھنے کی تیاری کرلو ان سے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن پر دھاک بٹھاؤ اور ان کے سوا دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گھوڑے تین قسم کے ہیں ایک گھوڑا کسی شخص کے لیے باعث اجر ہے ایک گھوڑا باعث ستر ہے اور ایک گھوڑا باعث عذاب ہے۔ جس گھوڑے کو اس نے اللہ کی راہ میں باندھا وہ اس کے لئے باعث اجر ہے اس کو وہ کسی چراگاہ یا باغ میں چرنے کے لئے چھوڑ دے تو جتنی دور وہ چرنے کے لئے

جائے گا اس کے لئے اتنی نیکیاں لکھی جائیں گی اور وہ پانی پینے کے لئے یا لید کرنے کے لئے جتنے قدم چلے گا اس کے لئے اتنی نیکیاں لکھی جائیں گی' اور جو گھوڑا انسان کے لئے باعث ستر ہے (یعنی گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ) یہ وہ گھوڑا ہے جس کو اس نے لوگوں سے مستغنی ہونے اور سوال سے بچنے کے لئے باندھا ہو پھر اس گھوڑے پر سواری کرنے اور اس پر بوجھ لادنے میں وہ اللہ کے حق کو فراموش نہ کرتا ہو (یعنی اس کی زکوٰۃ ادا کرتا ہو) اور جو گھوڑا انسان کے لئے باعث ضرر اور عذاب ہے۔ یہ وہ گھوڑا ہے جس کو اس نے تکبر' ریاکاری اور مسلمانوں سے دشمنی کی وجہ سے باندھا ہو۔ الحدیث

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ گھوڑوں اور مویشیوں میں اللہ تعالیٰ نے زینت رکھی ہے اور انسان کے دل میں ان کی محبت ودیعت فرمائی ہے اگر انسان اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے اور بندوں کے ساتھ صلہ رحم کرنے کے لئے ان کو اعتدال کے ساتھ جمع کرے تو یہ مستحب ہے اور باعث اجر و ثواب اور سبب مغفرت ہے اور اگر ان کو نمود و نمائش اور فخر اور تکبر کے لئے جمع کرے تو ان کا جمع کرنا باعث ضرر اور گناہ ہے۔

اعتدال کے ساتھ کھیتی باڑی کی طرف رغبت کا استحباب

کھیتی باڑی کی فضیلت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ○ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ○ (الواقعۃ: ۶۴-۶۳)

ذرا بتاؤ تو سہی! جو کچھ تم کاشت کرتے ہو آیا اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں؟

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کوئی پودا اگاتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے اور اس سے کوئی پرندہ کھاتا ہے یا انسان یا جانور تو وہ اس کے لئے صدقہ ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے معاملہ طے کیا کہ کھیتوں سے جو فصل کی پیداوار حاصل ہوگی اور باغات سے جو پھل حاصل ہوں گے تو (ان کے کام کرنے کے عوض) نصف وہ لیں گے اور (زمین کی ملکیت کی وجہ سے) نصف نبی صلی اللہ علیہ وسلم لیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے اپنی ازواج مطہرات کو اسی وسق (۴۸۰ من) کھجوریں اور بیس وسق (۱۲۰ من) جو عطا فرماتے تھے۔ حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو اختیار دیا خواہ خود زمین میں کاشت کریں یا غلہ کی مقدار مذکور لیں' بعض نے (حساب سے) غلہ لیا اور بعض نے خود کاشت کا انتظام کیا۔ حضرت عائشہ نے کاشت کاری کو اختیار کیا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زراعت اور کھیتی باڑی میں زیادہ انہماک اور شدت اشتغال سے منع کرنے کے لئے فرمایا۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ ہل کی پھالی اور کچھ آلات زراعت دیکھے تو کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس قوم کے گھر میں بھی یہ آلات داخل کئے جائیں گے اللہ تعالیٰ اس قوم کو ذلت میں مبتلا کر دے گا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۱۴-۳۱۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ جن چھ چیزوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کی شہوات کی محبت انسان کے لئے مزین

کردی گئی ہے اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ انسان ان چھ چیزوں کو بالکلیہ ترک کردے بلکہ اس کا یہ مطلب ہے کہ انسان ان کی محبت میں ڈوب کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کی اطاعت کو فراموش نہ کرے اور توازن اور اعتدال کے ساتھ ان چیزوں کی محبت میں مشغول رہنا نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ کہئے کہ کیا میں تم کو ان (سب) سے بہتر چیزوں کی خبر (نہ) دوں؟ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے ان کے رب کے پاس ایسے باغات ہیں جن کے نیچے دریا بہتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ کی رضا ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے ○ جو یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! بیشک ہم ایمان لائے سو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔○ (آل عمران۔ ۱۶۔ ۱۵)

اخروی نعمتوں کا دنیاوی نعمتوں سے افضل ہونا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس اچھے ٹھکانے کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ اس میں باغات ہیں جن میں مسلمان ہمیشہ رہیں گے اور حیض اور نفاس اور برائیوں سے پاک اور صاف بیویاں ہیں یہ انسان کے جسم کی لذتیں ہیں اور روح کی لذت کے لئے اللہ کی رضا ہے اور یہ سب سے بڑی نعمت ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ عزوجل اہل جنت سے فرمائے گا : اے اہل جنت! وہ کہیں گے لبیک اے ہمارے رب! ہم تیری اطاعت کے لئے حاضر ہیں اور تمام خیر تیرے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم راضی ہو گئے؟ وہ کہیں گے اے رب! ہم کیوں راضی نہیں ہوں گے! تو نے ہمیں وہ نعمتیں دی ہیں جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہیں دیں' اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں تم کو اس سے زیادہ افضل چیز نہ دوں؟ وہ کہیں گے اے رب! اس سے زیادہ افضل چیز اور کیا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تم پر اپنی رضا حلال کردیتا ہوں اس کے بعد میں کبھی تم پر ناراض نہیں ہوں گا! (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اللہ تعالیٰ نے آخرت کی نعمتوں کو دنیا کی نعمتوں سے افضل فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی نعمتیں فانی ہیں اور آخرت کی نعمتیں باقی ہیں انسان کو جس وقت دنیا کی نعمتیں حاصل ہوں اس وقت بھی اس کو یہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ نہ جانے کب یہ نعمتیں اس کے ہاتھ سے جاتی رہیں' نیز دنیا میں انسان کو اگر کسی ایک وجہ سے راحت میسر ہوتی ہے تو کسی اور طرف سے مصیبت اور پریشانی کا سامنا ہوتا ہے اور دنیا میں کوئی شخص بھی رنج اور فکر سے خالی نہیں ہے' اس کے برعکس آخرت کی نعمتوں میں کسی اعتبار سے فکر اور رنج کی آمیزش نہیں ہے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے آخرت میں باغات ہیں پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ کی رضا ہے' اللہ سے ڈرنے والوں سے مراد متقی لوگ ہیں اور متقی وہ مومن ہے جو گناہ کبیرہ کے ارتکاب اور صغائر پر اصرار سے مجتنب ہو اور کامل متقی وہ ہے جو خلاف سنت اور خلاف اولیٰ سے بھی محترز ہو۔

کوئی شخص بھی توبہ اور استغفار سے مستغنی نہیں ہے

دوسری آیت میں ہے وہ متقی یہ کہتے ہیں کہ : اے ہمارے رب بے شک ہم ایمان لائے سو ہمارے گناہوں کو

بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا! امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ صرف ایمان کی وجہ سے بندہ اللہ کی رحمت اور مغفرت کا مستحق ہوتا ہے 'کیونکہ جو شخص تمام عبادات کا حامل ہو اور کامل متقی ہو اس کی مغفرت کا نہ ہونا عبث اور قبیح ہے لہٰذا اس کی دعا صرف درجات کی بلندی کے لئے ہوتی ہے اور جو صرف ایمان سے متصف ہو اور اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں وہ گناہوں کی معافی کے لئے دعا کرے گا 'کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف ان کے ایمان کے بعد ان کے استغفار کا ذکر کیا ہے 'امام رازی نے اپنے موقف پر اس آیت کو بھی پیش کیا ہے :

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ (آل عمران : ۱۹۳)

اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک منادی سے یہ ندا سنی کہ (اے لوگو) اپنے رب پر ایمان لے آؤ تو ہم ایمان لائے سواے ہمارے رب! تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری خطاؤں کو مٹادے اور نیک لوگوں کے ساتھ ہمارا خاتمہ کر۔

امام رازی کا استدلال یہ ہے کہ اس آیت میں بھی یہ ذکر ہے کہ ان لوگوں نے صرف اپنے ایمان لانے کا ذکر کر کے گناہوں سے استغفار کیا ہے یہ نہیں ہے کہ انہوں نے جمیع طاعات کرنے کے بعد استغفار کیا ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۱۳ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۳۹۸ھ)

ہمارے نزدیک یہ بات تو صحیح ہے کہ اگر انسان صرف ایمان لایا ہو اور اس کو عبادت کا موقع نہ ملا ہو یا موقع ملنے کے باوجود اس نے عبادت نہ کی ہو یا گناہ کئے ہوں تب اس کا استغفار کرنا صحیح ہے اور اللہ تعالیٰ نے ازراہ کرم اس کی مغفرت کا وعدہ فرمالیا ہے 'لیکن یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ جو کامل متقی ہو اس کی دعا صرف درجات کی بلندی کے لئے ہوگی گناہوں کی مغفرت کے لئے نہیں ہوگی 'کیونکہ انسان زندگی کا ہر سانس اطاعت الٰہی میں گزارنے کے باوجود اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کے شکر سے عہد برآ نہیں ہو سکتا اور یہ عدل وانصاف سے ہرگز بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے شکر میں کوتاہی کرنے پر گرفت کرے اور اس کو عذاب دے 'اس لئے بڑے سے بڑا عبادت گزار بھی استغفار کرنے اور تقصیر طاعت پر معافی مانگنے سے مستغنی نہیں ہے۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل ہرگز نجات نہیں دے گا ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کو بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے 'البتہ تم ہمیشہ نیک کام کرتے رہو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۶ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی '۱۳۸۱ھ)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر اللہ تمام آسمان والوں اور تمام زمین والوں کو عذاب دے تو وہ ان کو ضرور عذاب دے گا در آں حالیکہ وہ ظلم کرنے والا نہیں ہوگا اور اگر وہ ان پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۹ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

نیز اس آیت کے بعد جو قرآن مجید کی آیت ہے اس میں صاف اور صریح طور پر نیک لوگوں کے استغفار کرنے کا ذکر ہے :

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ (آل عمران : ۱۷)

جو صبر کرنے والے 'سچ بولنے والے 'اللہ کی اطاعت کرنے والے اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے والے اور رات کے

آخری حصہ میں استغفار کرنے والے۔

سیدنا محمد ﷺ سے بڑھ کر کون اطاعت شعار اور عبادت گزار ہے اور آپ دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتے تھے' امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں ایک دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

نبی ﷺ معصوم ہیں نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کوئی صغیرہ' کبیرہ گناہ سہوا" یا عمدا"' صورۃ" یا حقیقتاً" آپ سے کبھی صادر نہیں ہوا' پھر آپ کا استغفار کرنا اور توبہ کرنا اس لئے تھا کہ فی نفسہ توبہ اور استغفار عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا — آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے استغفار کریں بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (النصر : ۳)

اور آپ کا توبہ اور استغفار کرنا اس لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ توبہ اور استغفار کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيۡنَ (البقرہ : ۲۲۲) — بے شک اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

یا آپ نے بہ ظاہر خلاف اولیٰ کاموں یا ترک اولیٰ کی وجہ سے استغفار کیا' یا بعض اوقات آپ امت کی تبلیغ' کھانے پینے اور سونے جاگنے کے معمولات' ازواج مطہرات کے حقوق' جہاد اور اس نوع کے دیگر کاموں میں مشغول ہوتے اور آپ کا جو خاص مقام تھا کہ اللہ کے حضور میں اس طرح متوجہ ہوتے کہ اور کسی کی طرف متوجہ نہ ہوتے' ان امور میں اشتغال کی وجہ سے اس مقام میں فرق آجاتا آپ اس پر توبہ اور استغفار کرتے' ہرچند کہ ان امور میں مشغول ہونا بھی عظیم عبادات میں سے ہے' یا آپ کا حال دائما" ترقی پذیر تھا اور آپ اگلے حال کو دیکھ کر پچھلے حال پر استغفار کرتے یا آپ اس لئے استغفار کرتے کہ اللہ تعالیٰ کی کماحقہ عبادت نہیں ہو سکی اگرچہ آپ سب سے بڑے عبادت گزار تھے یا آپ اس لئے استغفار کرتے کہ اللہ کی تمام نعمتوں پر کماحقہ شکر ادا نہیں ہو سکا یا اس لئے کہ اللہ کی جیسی حمد و ثناء ہونی چاہئے تھی نہیں ہو سکی یا تواضعا" استغفار کرتے یا تعلیم امت کے لئے استغفار کرتے۔ بہرحال یہ واضح ہو گیا کہ کوئی شخص بھی اللہ سے توبہ اور استغفار کرنے سے مستغنی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو صبر کرنے والے' سچ بولنے والے' (اللہ کی) اطاعت کرنے والے' (راہ خدا میں) خرچ کرنے والے' رات کے پچھلے پہر اٹھ کر استغفار کرنے والے ہیں۔

رات کے پچھلے پہر استغفار کرنے کی خصوصیت اور استغفار کی فضیلت

صبر کا معنی ہے ہر وہ ناگوار اور ناپسندیدہ چیز جس کو برداشت کرنا' مشکل اور دشوار ہو اس کو برداشت کرنا' اس آیت میں صبر کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں مشقت کو برداشت کرتے ہیں' حرام کاموں کے ارتکاب سے اپنے آپ کو روکتے ہیں جن کی نیتوں میں صدق اور اخلاص ہے۔ جن کے دل ایمان پر ثابت قدم ہیں جو ہر وقت سچ بولتے ہیں' خلوت اور جلوت میں اللہ کے فرمانبردار ہیں اور رات کے آخری پہر اٹھ کر اللہ تعالیٰ سے توبہ اور

استغفار کرتے ہیں۔

"قانتین" سے مراد وہ لوگ ہیں جو ہر وقت اللہ سے ڈرتے ہیں اس کی عبادت پر کمربستہ رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر پناہ مانگتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں' اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو فرض' واجب اور مستحب ہر قسم کے صدقات ظاہر اور خفیہ ہر طریقہ سے ادا کرتے ہیں۔ اس آیت میں "قانتین" یعنی اطاعت گزاروں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ راتوں کو اٹھ کر استغفار کرتے ہیں' اس میں یہ نکتہ ہے کہ بندے سے وہ استغفار مطلوب ہے جو ترک معصیت اور اعمال صالحہ کے ساتھ مقرون ہو اور اگر انسان اپنی معصیت پر برقرار رہے اور خالی زبان سے استغفار کرتا رہے تو اس کا یہ استغفار کافی نہیں ہے' کیونکہ وہ شخص جو گناہوں پر اصرار کرتا ہے اور زبان سے استغفار کرتا رہے تو وہ گویا اپنے رب سے استہزا کر رہا ہے۔

استغفار کے لئے رات کے آخری حصہ کی تخصیص کی گئی ہے کیونکہ اس وقت سکون اور سناٹا ہوتا ہے اور بندہ خدا کے سامنے جو آہ وزاری اور نالہ وفریاد کرتا ہے اسے دیکھنے والا کوئی تیسرا نہیں ہوتا' نیز یہ قبولیت کا وقت ہوتا ہے اور اس وقت اللہ تعالیٰ کی بندوں پر خصوصی توجہ ہوتی ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ سحر کے وقت رات کی ظلمت جارہی ہوتی ہے اور صبح کا نور آرہا ہوتا ہے اور ظلمت کے مقابلہ میں نور اس طرح ہے جس طرح موت کے مقابلہ میں حیات ہوتی ہے اور یہ عالم کبیر کی حیات ہے اور انسان عالم صغیر ہے جب وہ سحری کے وقت اٹھتا ہے تو نیند کے بعد اس کی بیداری بھی موت کے بعد بہ منزلہ حیات ہے اور یہ وہ وقت ہے جب انسان کے دل میں اللہ کا نور ظاہر ہوتا ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اس وقت انسان کو بہت میٹھی نیند آتی ہے اور اس کا انتہائی میٹھی نیند کو چھوڑ کر اللہ کی یاد کے لئے کھڑا ہو جانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اللہ سے انتہائی محبت کرنے والا اور اس کا بہت اطاعت گزار ہے اس لئے اس وقت استغفار کرنے والوں پر اللہ بہت مہربان ہوتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کو جب تیسرا حصہ باقی رہتا ہے آسمان دنیا کی طرف نازل (متوجہ) ہوتا ہے اور فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں! کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو عطا کروں' اور کون ہے جو مجھ سے استغفار کرے تو میں اس کی مغفرت کردوں! (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

جعفر بن محمد بیان کرتے ہیں کہ جس نے تہجد کی نماز پڑھی اور رات کے آخری حصہ میں استغفار کیا اس کا نام سحر کے وقت استغفار کرنے والوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۳۹' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

استغفار بلکہ ہر دعا کی قبولیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان حضور قلب اور خشوع اور خضوع سے دعا کرے یہ نہ ہو کہ دل اور دماغ کہیں اور ہوں اور اللہ سے دعا کر رہا ہو۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے اس حال میں دعا کرو کہ تم کو قبولیت کا یقین ہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ لہو میں مشغول اور غافل قلب کی دعا قبول نہیں کرتا۔

(جامع ترمذی ص ۵۰۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

یوں تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنے کے لئے قرآن اور حدیث میں بہت سی دعائیں ہیں لیکن جس دعا کو نبی ﷺ نے سید الاستغفار فرمایا ہے وہ یہ ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : سید الاستغفار یہ ہے کہ بندہ دعا کرے : اے اللہ تو میرا رب ہے! تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں اپنی استطاعت کے مطابق تیرے عہد اور وعدہ پر قائم ہوں' میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں' تیری مجھ پر جو نعمتیں ہیں میں ان کا اعتراف کرتا ہوں اور تیرے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں سو میری مغفرت فرما کیونکہ تیرے سوا کوئی اور گناہوں کی مغفرت کرنے والا نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا جس شخص نے صبح کے وقت یقین کے ساتھ یہ دعا کی اور اس دن شام سے پہلے وہ فوت ہو گیا تو وہ اہل جنت سے ہو گا اور جس نے رات کو یقین کے ساتھ یہ دعا کی اور وہ اسی رات کو صبح ہونے سے پہلے فوت ہو گیا تو وہ اہل جنت سے ہو گا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حافظ ابن عساکر روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے استغفار کو لازم کر لیا اللہ تعالیٰ اس کی ہر پریشانی کو حل کر دے گا' ہر تنگی میں اس کے لئے فراخی کر دے گا اور جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو گا اس کو وہاں سے رزق عطا فرمائے گا۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۱۵۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور فرشتوں نے اور علماء نے (گواہی دی) درآں حالیکہ وہ (اللہ) عدل کے ساتھ نظام قائم کرنے والا ہے' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ بہت غلبہ والا بڑی حکمت والا ہے۔ (آل عمران : ۱۸)

مشکل الفاظ کے معانی

شہادت کا معنی ہے کسی یقینی بات کی خبر دینا یا کسی امر واقعی کا اظہار اور بیان کرنا۔ یہ اظہار یا تو مشاہدہ حسیہ پر مبنی ہوتا ہے یا مشاہدہ معنویہ پر مبنی ہوتا ہے۔ مشاہدہ معنویہ سے مراد دلائل اور براہین ہیں۔ اولوا العلم۔ اصحاب علم۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دلائل اور براہین سے لوگوں کو مطمئن کر سکیں۔ اس کا مصداق انبیاء علیہم السلام' فقہاء مجتہدین اور علماء ہیں۔ قائما بالقسط۔ اس سے مراد ہے اپنی تدبیر سے نظام عالم کو کیفیت متوسطہ پر قائم رکھنے والا اور دین اور شریعت میں متوسط عقائد اور احکام کا مکلف کرنے والا۔

آیت مذکور کے شان نزول میں متعدد اقوال

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں :

شام کے دو عالم مدینہ منورہ آئے تو ایک نے دوسرے سے کہا یہ شہر اس نبی کے شہر سے بہت مشابہ ہے جو آخر زمانہ میں ظاہر ہونے والا ہے' پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی کتاب میں لکھی ہوئی نعت سے پہچان لیا ان دونوں نے آپ کو دیکھ کر کہا کیا آپ محمد ہیں؟ (ﷺ) آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ انہوں نے کہا آپ احمد ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ انہوں نے کہا ہم آپ سے ایک شہادت کے متعلق سوال کرتے ہیں اگر آپ نے اس کا صحیح جواب دے دیا تو ہم ایمان لے آئیں گے

آپ نے فرمایا تم مجھ سے سوال کرو۔ انہوں نے کہا یہ بتلایئے کہ اللہ کی کتاب میں سب سے بڑی شہادت کون سی ہے؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی : اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور فرشتوں نے اور علماء نے (الآیہ) تو وہ دونوں مسلمان ہوگئے' ابن جبیر نے کہا بیت اللہ میں تین سو ساٹھ بت تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو تمام بت سجدے میں گر پڑے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت نجران کے عیسائیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جب انہوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا ثابت کرنے کے لئے مناظرہ کیا' اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت یہود اور نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی ہے جب انہوں نے اپنے دین کو اسلام کی بجائے یہودیت اور عیسائیت کے ساتھ تعبیر کرنا شروع کردیا۔

(البحر المحیط ج ۳ ص ۵۹' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علماء دین کی فضیلت

اللہ تعالیٰ کے شہادت دینے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اور خود انسان کے نفس میں اپنی الوہیت اور وحدانیت پر دلائل قائم کردیئے ہیں اور فرشتوں اور رسولوں کو اپنی الوہیت اور وحدانیت کی خبر دی ہے اور رسولوں نے علماء اور عوام کو خبر دی ہے۔ اس طرح اللہ نے فرشتوں نے اور علماء نے اللہ کے واحد اور مستحق عبادت ہونے کی خبر دی ہے۔

اس آیت میں علماء دین کی بہت بڑی فضیلت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اور فرشتوں کی شہادت کے بعد علماء دین کی شہادت کا ذکر فرمایا ہے اس کے علاوہ قرآن مجید کی اور آیات میں بھی علماء کی فضیلت مذکور ہے ان میں سے بعض آیات یہ ہیں:

وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ : ۱۱۴) — اور دعا کیجئے کہ اے میرے رب میرے علم کو زیادہ فرما۔

اگر علم کے علاوہ کسی اور چیز میں فضیلت ہوتی تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس چیز میں زیادتی کے حصول کی تلقین فرماتا۔

قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ؕ (الزمر : ۹) — آپ کہئے کہ کیا جو لوگ جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے وہ برابر ہیں۔

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ (الفاطر : ۲۸) — اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا یَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (العنکبوت : ۴۳) — اور یہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے لئے بیان فرماتے ہیں ان کو صرف علم والے سمجھتے ہیں۔

بہت زیادہ احادیث ہیں جن میں علماء دین کی فضیلت کا بیان ہے۔ ان میں سے بعض یہ ہیں :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اس کو دین کی فقہ (سمجھ) عطا فرماتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستہ پر جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کردیتا ہے' اور اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جو قوم کتاب اللہ کی تلاوت کرے اور ایک دوسرے کے ساتھ درس کا تکرار کرے ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے' انہیں رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور ان کو فرشتے

گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے پاس فرشتوں میں کرتا ہے اور جس شخص کو اس کا عمل پیچھے کردے تو اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھاتا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک فقیہ ہزار عابدوں سے زیادہ شیطان پر بھاری ہے۔ (جامع ترمذی ص ۳۸۴' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا بہ خدا اگر اللہ تمہارے سبب سے کسی ایک آدمی کو ہدایت دے دے تو وہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۱۵۹' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے قرآن مجید پڑھا اور اس کو حفظ کرلیا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا اور اس کو اس کے گھر کے ان دس افراد کے لیے شفاعت کرنے والا بنائے گا جو سب جہنم کے مستحق ہو چکے ہوں گے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۱۹' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا ایک عابد تھا دوسرا عالم تھا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عالم کی عابد پر ایسی فضیلت ہے جس طرح میری تم میں سے کسی ادنیٰ شخص پر فضیلت ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے اور تمام آسمانوں اور زمینوں والے حتیٰ کہ چیونٹی بھی اپنے سوراخ میں لوگوں کو نیکی کی تعلیم دینے والے کے لئے دعا کرتی ہے۔

(جامع ترمذی ص ۳۷۷' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ : جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستہ پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے راستہ پر چلاتا ہے اور بے شک طالب علم کی رضا جوئی کے لئے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں حتیٰ کے پانی کی مچھلیاں بھی عالم کی مغفرت کی دعا کرتی ہیں اور عالم کی عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسے چاند کی ستاروں پر اور بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء کسی کو دینار اور درہم کا وارث نہیں بناتے وہ صرف علم کا وارث بناتے ہیں سو جس شخص نے علم کو حاصل کرلیا اس نے عظیم حصہ کو حاصل کرلیا۔ (جامع ترمذی ص ۳۸۴' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

ابو جعفر نے کہا عالم کی موت ابلیس کے نزدیک ستر عابدوں کی موت سے زیادہ محبوب ہے۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۲۶۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۰ھ)

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۫ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ

بے شک اللہ کے نزدیک دین، اسلام ہی ہے اور اہل کتاب نے علم حاصل ہونے کے باوجود

اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ

جو باہم اختلاف کیا وہ ایک دوسرے سے عناد کے باعث تھا،

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنْ

اور جو اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرے تو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ○ اور (اے محبوب)

حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ

اگر پھر بھی یہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہیے کہ میں نے اور جس نے بھی میری پیروی کی ہے اس نے اللہ کے لیے اسلام قبول کرلیا ہے، اور

لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ

آپ اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہیے کیا تم نے اسلام قبول کرلیا ؛ پھر اگر انھوں نے اسلام قبول کرلیا ہے

اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾ ع

تو وہ ہدایت پا گئے ہیں اور اگر انھوں نے روگردانی کی تو آپ کے ذمہ تو صرف دین کو پہنچانا ہے اور اللہ ہی بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے ○

ع ۱۰ — ۲

اسلام کالغوی اور اصطلاحی معنی

اس سے پہلی آیت میں یہ ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور علماء نے یہ شہادت دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور سیدنا محمد ﷺ کے عہد سے لے کر آج تک اسلام کے سوا اور کوئی دین توحید کا داعی نہیں ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔

اصطلاح شرع کے اعتبار سے اسلام کا معنی ہے نبی ﷺ اللہ کے پاس سے جو خبریں اور احکام لے کر آئے ان کی تصدیق کرنا اور ان کو ماننا اور یہی ایمان کا اصطلاحی معنی ہے اور اس اعتبار سے ایمان اور اسلام واحد ہیں البتہ لغت کے اعتبار سے ان میں فرق ہے' ایمان کالغوی معنی ہے کسی چیز کو مامون اور بے خوف کرنا۔ انسان اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لا کر اپنے آپ کو دوزخ کے دائمی عذاب سے محفوظ کرلیتا ہے' اور اسلام کالغوی معنی ہے اطاعت کرنا سلامتی میں داخل ہونا اور اخلاص' جب انسان اسلام قبول کرلیتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے دنیا میں اس کی جان اور مال سلامتی میں رہتے ہیں اور آخرت میں بھی وہ عذاب سے سلامت رہتا ہے' اور جو شخص جتنا پکا مسلمان ہوتا ہے اس کے دین میں اتنا زیادہ اخلاص ہوتا ہے۔ سورہ فاتحہ کی تفسیر میں ہم نے وضاحت کے ساتھ دین کا معنی بیان کیا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ

تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں جو عقائد اور اصول مشترک رہے ہیں ان کا نام دین ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اہل کتاب نے علم حاصل ہونے کے باوجود جو باہم اختلاف کیا وہ ایک دوسرے سے عناد کے باعث تھا اور جو اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرے تو بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔○ (آل عمران : ۱۹)

اہل کتاب کے اختلاف کا بیان

اس آیت میں جن اہل کتاب کے اختلاف کا ذکر ہے اس کے مصداق کی تعیین میں حسب ذیل اقوال ہیں :

(۱) اس سے مراد یہود ہیں اور ان کے اختلاف کا بیان یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات قریب ہوئی تو انہوں نے تورات کو ستر علماء کے سپرد کیا اور ان کو تورات پر امین بنایا اور حضرت یوشع علیہ السلام کو خلیفہ مقرر کیا۔ پھر کئی قرن گزرنے کے بعد ان ستر علماء کی اولاد در اولاد نے تورات کا علم رکھنے کے باوجود باہمی حسد اور عناد کے باعث ایک دوسرے سے اختلاف کیا۔

(۲) اس سے مراد نصاریٰ ہیں اور باوجود انجیل کی تعلیمات کے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اختلاف کیا اور انہیں عبد اللہ کی بجائے ابن اللہ کہا۔

(۳) اس سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں اور ان کا آپس میں اختلاف یہ تھا کہ یہود نے کہا کہ عزیر ابن اللہ ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح ابن اللہ ہیں' اور ان دونوں نے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کیا اور انہوں نے کہا کہ قریش مکہ کی بہ نسبت نبوت کے ہم زیادہ حق دار ہیں کیونکہ وہ ان پڑھ لوگ ہیں اور ہم اہل کتاب ہیں باوجود اس کے کہ ان کے پاس سیدنا محمد ﷺ کی تصدیق کے متعلق علم آچکا تھا' ان کی کتابوں میں آپ کے متعلق اوصاف' علامات اور پیش گوئیاں تھیں۔ قرآن مجید میں ایسی آیات نازل ہو رہی تھیں جن کی تائید اور تصدیق ان کی کتابوں میں تھی اور نبی ﷺ سے ایسے معجزات کا ظہور ہو رہا تھا جن سے آپ کے دعویٰ نبوت کا صدق ظاہر ہو رہا تھا۔

اللہ تعالیٰ کو ان کے کفر کا اور ان کی تمام بد اعمالیوں کا علم ہے اس نے اپنی حکمت سے ان کو ڈھیل دی ہوئی ہے وہ بہت جلد ان کا حساب لے گا اور ان کو ان کے جرائم کی سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (اے محبوب!) اگر پھر بھی یہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہئے کہ میں نے اور جس نے بھی میری پیروی کی ہے اس نے اللہ کے لیے اسلام قبول کر لیا ہے۔

یہ آیت سیدنا محمد ﷺ کے دین کے تمام مخالفین کو شامل ہے عام ازیں کہ وہ یہود و نصاریٰ ہوں۔ مجوس ہوں یا بت پرست ہوں اس سے پہلے یہ فرمایا تھا کہ اہل کتاب نے علم آنے کے باوجود سیدنا محمد ﷺ کی نبوت میں اختلاف کیا اور اپنے کفر پر اصرار کیا' اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کے جواب میں یہ کہیں کہ میں نے تو اللہ کے حضور میں اپنا سر نیاز خم کر دیا ہے' کیونکہ اس سے پہلے نبی ﷺ اپنی نبوت کے صدق پر معجزات کو ظاہر کر چکے تھے' درخت آپ کے بلانے پر چلے آئے۔ ہرنی نے آپ سے کلام کیا۔ گوہ نے کلمہ شہادت پڑھا۔ پتھر آپ پر سلام عرض کرتے تھے چاند اور سورج آپ کے زیر تصرف تھے نیز اس سے پہلے جن آیات کا ذکر کیا گیا ہے ان میں بھی آپ کے دین کے صدق کا بیان تھا۔ جب الحی القیوم فرمایا تو عیسائیوں کا یہ دعویٰ باطل ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ خدا ہیں یا خدا کے بیٹے ہیں کیونکہ خدا وہ ہے جو ہمیشہ زندہ ہو' حضرت عیسیٰ پہلے نہ تھے پھر پیدا ہوئے اور مسیحی عقیدہ کے مطابق ان کو سولی دی گئی اور وہ فوت ہو گئے اور بہرحال

قیامت سے پہلے ایک دن انہوں نے فوت ہونا ہے' اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے بدر کے اس معجزہ کا ذکر فرمایا کہ مسلمانوں کی جماعت قلیل تھی لیکن کافروں کو دوچند نظر آتی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر اپنی شہادت کا ذکر کیا۔ غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کی بد عقیدگیوں اور ان کے تمام شبہات کا رد فرمایا اور سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور دین اسلام کے حق ہونے پر دلائل قائم کئے اگر اس سب کے باوجود یہ لوگ اپنے کفر پر اصرار کرتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں نے اور میرے پیروکاروں نے تو بہرحال اپنا سرنیاز اللہ کے سامنے خم کردیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور آپ اہل کتاب اور ان پڑھ لوگوں سے کہئے کیا تم نے اسلام قبول کرلیا؟ پھر اگر انہوں نے اسلام قبول کرلیا تو وہ ہدایت پاگئے ہیں اور اگر انہوں نے روگردانی کی تو آپ کے ذمہ تو صرف دین کو پہنچا دینا ہے اور اللہ ہی بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اس آیت میں ان پڑھ لوگوں کو بھی مخاطب کرنے کا حکم دیا ہے اس لئے ہم نے لکھا تھا کہ اس آیت میں تمام کفار سے خطاب ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : کیا تم نے اسلام قبول کرلیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا کہ آپ ان سے کہئے کہ تم اسلام قبول کرلو۔ امر کے بجائے استفہام سے خطاب فرمایا اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کا مخاطب بہت ضدی اور ہٹ دھرم ہے اور وہ انصاف پسند نہیں ہے' کیونکہ منصف مزاج شخص کے سامنے جب کوئی چیز دلیل سے ثابت ہوجائے تو پھر وہ حیل وحجت نہیں کرتا اور اس کو فوراً قبول کرلیتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ

بیشک جو لوگ اللہ کی، آیتوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور انبیاء کو ناحق شہید کرتے ہیں

وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم

اور عدل و انصاف کا حکم دینے والے لوگوں قتل کرتے ہیں آپ ان کو دردناک

بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا

عذاب کی خوشخبری دے دیجئے ○ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع

وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٢٢﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا

ہو گئے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے ○ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب

نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ

کا علم دیا گیا، انھیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ (کتاب) ان کے باہمی اختلافات میں فیصلہ کرے

يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ

پھران میں سے ایک فریق روگردانی کرتا ہے اور وہ ہیں ہی روگردانی کرنے والے ○ اس (سرکشی کی جرأت) کا سبب ہے کہ انہوں

تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا

نے کہا کہ گنتی کے چند دنوں کے سوا دوزخ کی آگ ہمیں ہرگز نہیں چھوئے گی، اور انہیں ان کے دین کے متعلق اس بہتان نے

يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ وَوُفِّيَتْ

دھوکے میں رکھا جو وہ اللہ پر باندھتے تھے ○ اور کیا حال ہوگا جب ہم ان کو اس دن جمع کریں گے جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے

كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ

اور ہر شخص کو اس کے کیے ہوئے کاموں کی پوری پوری جزا دی جائے گی اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا ○ آپ یوں عرض کیجیے اے اللہ! ملک کے

الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ

مالک تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے اور

تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ

تو جسے چاہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت میں مبتلا کرتا ہے، سب بھلائی تیرے ہی دست قدرت میں ہے بیشک تو ہر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ؗ

چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○ تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے

وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ؗ وَتَرْزُقُ

اور تو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور تو جس کو چاہے

مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

بے حساب رزق دیتا ہے ○

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اور اگر انہوں نے روگردانی کی تو آپ کے ذمہ تو صرف دین کو پہنچانا ہے اس آیت میں یہ بتلایا ہے کہ وہ اعراض کرنے والے کون لوگ ہیں، آل عمران کی اس آیت : ۲۱ میں اللہ تعالیٰ نے ان

لوگوں کی تین صفات بیان کی ہیں : (۱) یہ لوگ اللہ کی آیتوں کا کفر کرتے ہیں (۲) نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں (۳) عدل وانصاف کا حکم دینے والے علماء وناصحین کو قتل کرتے ہیں۔ امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! قیامت کے دن کن لوگوں کو سب سے زیادہ عذاب ہوگا؟ آپ نے فرمایا جس شخص نے نبی کو قتل کیا یا نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے کو قتل کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی : بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے ہیں اور عدل وانصاف کا حکم دینے والوں کو قتل کرتے ہیں (الآیہ) پھر آپ نے فرمایا اے ابوعبیدہ! بنو اسرائیل نے صبح کے اول وقت میں تینتالیس نبیوں کو قتل کردیا' تو بنو اسرائیل کے ایک سو بارہ عبادت گزار علماء کھڑے ہوئے انہوں نے ان کو نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا تو بنو اسرائیل نے اس دن کے آخری حصہ میں ان سب کو قتل کردیا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۴۵۔ ۱۴۴ مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار اللہ تعالیٰ کی تمام آیتوں کا انکار ہے

اس آیت پر ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اس آیت میں یہود کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا کفر کرتے ہیں حالانکہ یہود اللہ تعالیٰ کو' فرشتوں کو' آسمانی کتابوں کو' انبیاء سابقین کو' قیامت' حشرونشر' حساب وکتاب اور عذاب وثواب کو ماننے والے تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا اور تورات اور قرآن مجید میں آپ کی نبوت کے متعلق جو آیات ہیں ان کا انکار کیا اور کتاب اللہ کی ایک آیت کا انکار اس کی تمام آیتوں کے انکار کو مستلزم ہے کیونکہ جس خدا نے باقی آیات نازل کی ہیں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق آیتیں بھی اسی نے نازل کی ہیں اس لئے آپ کی نبوت کا انکار کرنا تمام آیات الٰہیہ کا انکار کرنا ہے اس وجہ سے فرمایا یہ لوگ اللہ کی آیتوں کا کفر کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سری شہادت

اس آیت پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں یہود کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ نبیوں کو قتل کرتے ہیں اور عدل وانصاف کا حکم دینے والے علماء ناصحین کو قتل کرتے ہیں' حالانکہ یہ قتل تو ان مخاطبین یہود کے آباؤ اجداد نے کیا تھا تو اس فعل پر ان کی مذمت کیوں کی جارہی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو یہودی تھے وہ اپنے آباؤ اجداد کی سیرت کو لائق تحسین اور قابل تقلید گردانتے تھے اور اس پر فخر کرتے تھے' اس لئے ان افعال پر ان یہودیوں کی بھی مذمت کی گئی دوسرا جواب یہ ہے کہ اپنے آباؤ اجداد کی روش پر چلتے ہوئے ان لوگوں نے بھی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازشیں کیں اور مشرکین کے ساتھ ساز باز کرکے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے اور خیبر میں ایک یہودی عورت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر آلود گوشت کا لقمہ کھلایا اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس زہر کے اثر کو فی الفور روک لیا لیکن تین سال بعد اسی زہر کے اثر سے آپ کی وفات ہوئی اور آپ نے بھی سری شہادت پائی۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس مرض سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس میں آپ نے فرمایا : اے عائشہ! میں ہمیشہ اس طعام کے درد کو محسوس کرتا رہا ہوں جو میں نے خیبر میں کھایا تھا اور اب اس زہر کے اثر سے میرے قلب کی رگ کے منقطع ہونے کا وقت آگیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۷' مطبوعہ کراچی)

ظالم حکام کے سامنے حق بیان کرنا افضل جہاد ہے

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی وجہ سے بنو اسرائیل نے ایک سو بارہ علماء کو قتل کردیا' اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ عزیمت اور شریعت میں اصل یہ ہے کہ مسلمان جان کی پرواہ کئے بغیر حق کا اظہار کرے اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے راستہ میں کسی چیز کو خاطر میں نہ لائے۔ امام ابو عبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

طارق بن شہاب بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا اس وقت آپ نے رکاب میں پیر رکھا ہوا تھا : کون سا جہاد سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا۔

(سنن نسائی ج ۲ ص ۱۸۶ مطبوعہ کراچی)

اس حدیث کو امام ابوداؤد (ج ۲ ص ۴۱) امام ترمذی (ص ۳۱۶) ابن ماجہ (ص ۲۸۹) امام حمیدی (ج ۲ ص ۳۳۲-۳۳۱) امام بیہقی (شعب الایمان ج ۶ ص ۹۳) اور امام احمد (ج ۳ ص ۶۱) نے بھی روایت کیا ہے' اور یہ حدیث صحیح ہے۔

حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ کے نزدیک کون سے شہداء سب سے زیادہ مکرم ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ شخص جس نے کسی ظالم حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر اس کو نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا اور حاکم نے اس شخص کو شہید کردیا۔ (مسند بزار)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تم میں سے کوئی شخص لوگوں کے دباؤ کی وجہ سے حق ظاہر ہونے کے بعد اس کو بیان کرنے سے اور کسی بڑی بات کا ذکر کرنے سے باز نہ رہے کیونکہ لوگوں کا دباؤ موت کو قریب کرتا ہے نہ رزق کو دور کرتا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۷۲) (مسند احمد ج ۳ ص ۹۲-۸۷-۷-۴-۴۴- مسند ابو یعلیٰ ج ۲ ص ۷۲)

نیز حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب ہیں اور وہ شخص ہے جو کسی ظالم حاکم کے سامنے کھڑا ہوا اور اس کو (نیکی کا) حکم دیا اور (برائی سے) منع کیا تو اس حاکم نے اس کو شہید کردیا۔ (المعجم الاوسط)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم ضرور نیکی کا حکم دو اور ضرور برائی سے منع کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے برے لوگوں کو تم پر مسلط کردے گا پھر تمہارے نیک لوگ (بھی) دعا کریں گے تو ان کی دعا قبول نہیں ہوگی۔ (مجمع ج ۷ ص ۲۶۶)

مصیبت سے بچنے کے لئے کلمہ حق نہ کہنے کا جواز

اصل' عزیمت اور افضل تو یہی ہے کہ مسلمان کو اپنی جان کا خطرہ ہو پھر بھی وہ اظہار حق سے باز نہ رہے لیکن شریعت میں یہ رخصت بھی دی گئی ہے کہ جب حق بات کہنے سے اس کی اپنی یا کسی اور کی جان کا خطرہ ہو تو وہ اپنے آپ کو

خطرہ میں نہ ڈالے۔

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کے لئے خود کو ذلت میں ڈالنا جائز نہیں ہے آپ سے پوچھا گیا کہ ذلت میں ڈالنے سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا وہ اپنے آپ کو کسی ایسی مصیبت میں ڈالے جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو۔ اس حدیث کو امام ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۷۴۔۲۷۲، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۱۰ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حجاج سے خطبہ میں ایسی چیزیں سنیں جن کا میں انکار کرتا تھا میں نے اس کا رد کرنے کا ارادہ کیا پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث یاد آئی کہ مومن کو چاہئے کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل نہ کرے، میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! وہ اپنے نفس کو کیسے ذلیل کرے گا؟ آپ نے فرمایا وہ اپنے آپ کو ایسی مصیبت میں ڈالے جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو۔ اس حدیث کو امام بزار نے اور امام طبرانی نے المعجم الاوسط اور المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے۔ المعجم الکبیر کی سند جید ہے اور اس کے راوی صحیح ہیں۔

امام طبرانی نے اس حدیث کو المعجم الاوسط میں حضرت علی سے بھی روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۷۵، ۲۷۴، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۱۰ھ)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا آیا میں اپنے امام کو نیکی کو حکم دوں؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا اگر تم کو یہ خوف ہو کہ وہ تم کو قتل کردے گا تو پھر نہ دو۔

(شعب الایمان ج ۶ ص ۹۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دیجئے○ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہوگئے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔○ (آل عمران : ۲۲۔۲۱)

یہود کے جرائم پر سزاؤں کا ترتب

ان یہودیوں کے تین جرائم بیان کئے گئے تھے، اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرنا، نبیوں کو ناحق قتل کرنا اور علماء ناصحین کو قتل کرنا، اب اس کے مقابلہ میں ان کے لئے تین سزاؤں کا ذکر فرمایا ہے۔ ان کے اعمال کا دنیا میں ضائع ہونا۔ آخرت میں ضائع ہونا اور ان کے لئے کسی مددگار کا نہ ہونا۔ دنیا میں ان کے اعمال کے ضائع ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ ان کے کئے ہوئے اچھے کاموں کی دنیا میں تحسین نہیں ہوگی، جہاد میں ان کو قتل کردیا جائے گا اور میدان جہاد میں ان کا جو مال ہاتھ آئے گا وہ بطور مال غنیمت ضبط کرلیا جائے گا اور جو لوگ میدان جنگ میں گرفتار ہوں گے ان کو غلام بنانا جائز ہوگا، اور آخرت میں اعمال ضائع ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ آخرت میں ان کی نیکیوں پر ان کو اجر و ثواب کے بدلہ عذاب ہوگا، اور تیسری سزا یہ ہے کہ یہ ہر قسم کی شفاعت سے محروم ہوں گے، انہیں جو عذاب کی خبر دی گئی ہے اس کو خوش خبری سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ جن کاموں پر انہیں عذاب ہوگا یہ ان کاموں کو اچھا سمجھ کر کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر یہ اچھے کام ہیں تو پھر ان کے لئے یہ خوشخبری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا علم دیا گیا' انہیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ (کتاب) ان کے باہمی اختلاف میں فیصلہ کرے' پھر ان میں سے ایک فریق روگردانی کرتا ہے اور وہ ہیں ہی روگردانی کرنے والے۔

اس سے پہلی آیات میں یہ فرمایا تھا : اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ کہئے کہ میں نے اور جس نے بھی میری پیروی کی ہے اس نے اللہ کے لئے اسلام قبول کر لیا ہے' اور یہ بتایا تھا کہ انہوں نے عناداً" اعراض کیا اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ان کے عناد کی انتہاء یہ ہے کہ انہیں ان کی آسمانی کتابوں کی طرف عمل کی دعوت دی جائے تو وہ اس سے بھی اعراض کرتے ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کے شان نزول میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں کے مدرسہ میں گئے اور انہیں اللہ کی طرف دعوت دی تو ان یہودیوں میں سے نعیم بن عمرو اور حارث بن زید نے آپ سے پوچھا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کس دین پر ہیں؟ آپ نے فرمایا حضرت ابراہیم کے دین اور ان کی ملت پر۔ انہوں نے کہا ابراہیم تو یہودی تھے آپ نے فرمایا تورات لاؤ اس مسئلہ میں وہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصل ہے۔ انہوں نے اس سے انکار کیا تب یہ آیت نازل ہوئی : کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا علم دیا گیا انہیں کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ (کتاب) ان کے باہمی اختلاف میں فیصلہ کرے تو پھر ان میں سے ایک فریق روگردانی کرتا ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۴۵' مطبوعہ دار المعرفت بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اس (سرکشی کی جرأت) کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ گنتی کے چند دنوں کے سوا دوزخ کی آگ ہمیں ہرگز نہیں چھوئے گی اور انہیں ان کے دین کے متعلق اس بہتان نے دھوکے میں رکھا جو وہ اللہ پر باندھتے تھے۔

(آل عمران : ۲۴)

یہود جو اللہ پر افتراء باندھتے تھے اس کے متعلق کئی اقوال ہیں ایک یہ ہے کہ وہ کہتے تھے ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں' دوسرا قول یہ ہے کہ ہمیں صرف گنتی کے چند دن آگ جلائے گی وہ کہتے تھے کہ انہوں نے چالیس دن بچھڑے کی عبادت کی تھی سو ان کو چالیس دن کا عذاب ہو گا نیز وہ کہتے تھے کہ وہ انبیاء کی اولاد ہیں اس لئے ان سے گناہوں پر مواخذہ نہیں ہو گا اور وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ ہم حق پر ہیں اور آپ باطل پر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور کیا حال ہو گا جب ہم ان کو اس دن جمع کریں گے جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں ہے اور ہر شخص کو اس کے کئے ہوئے کاموں کی پوری پوری جزا دی جائے گی اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

(آل عمران : ۲۵)

اس آیت میں یہود کے افعال پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے یعنی قرآن مجید کے مخاطبین کو اس پر تعجب کرنا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن یہود کو جمع فرمائے گا جس دن نسب منقطع ہو جائیں گے اور کسی شخص کے کام نہ اس کا مال آئے گا نہ اس کی اولاد کام آئے گی اور ہر شخص کو اس کے اعمال کی پوری پوری جزا دی جائے گی اور کسی شخص کو اس کے جرم سے زیادہ سزا نہیں دی جائے گی' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ (الانبیاء : ۴۷)

قیامت کے دن ہم انصاف کی میزانیں رکھیں گے سو کسی شخص پر بالکل ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر (کسی کا عمل) رائی کے دانہ کے برابر ہو تو ہم اسے (بھی) لے آئیں گے اور ہم کافی ہیں حساب لینے والے۔

بلاتوبہ مرتکب کبیرہ مرنے والے مومن کی مغفرت میں مذاہب

معتزلہ اور خوارج نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو مومن گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور وہ توبہ کئے بغیر مرجائے وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا' ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس مومن کو اس کے ایمان کی جزا بھی تو دینی ہے اب یا تو وہ ایمان کی جزا پانے کے بعد جنت سے نکال کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا یا گناہ کبیرہ کی سزا بھگتنے کے بعد اس کو جنت میں داخل کیا جائے' دوسری صورت میں ہمارا مدعا ثابت ہے اور پہلی صورت اجماعاً" باطل ہے' نیز قرآن مجید میں ہے کسی شخص کو جنت میں داخل کرنے کے بعد اس کو جنت سے نکالا نہیں جائے گا۔

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ (الحجر : ۴۸)

انہیں جنت میں نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔

اس لئے یہ نہیں ہوسکتا کہ مرتکب کبیرہ مومن کو جنت سے نکال کر دوزخ میں ڈال دیا جائے اس لئے یا تو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم یا نبی ﷺ کی شفاعت سے اس مومن کو بخش دے گا جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور بغیر توبہ کے مرگیا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء : ۴۸)

بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس سے کم (گناہ) ہو اسے جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا۔

اور یا پھر اللہ تعالیٰ اس کو گناہوں کی سزا کے لئے دوزخ میں ڈالے گا اور پھر اس شخص کو اس کے ایمان کی جزا دینے کے لئے جنت میں داخل کردے گا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ اس کے گناہ کی وجہ سے اس کا ایمان ضائع کردیا جائے تو ہم کہیں گے کہ یہ بداہتہ "باطل ہے۔ یحییٰ بن معاذ رحمتہ اللہ علیہ کہتے تھے کہ ایک لحظہ کا ایمان ستر سال کے کفر کو ساقط کردیتا ہے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ستر سال کا ایمان ایک لحظہ کے گناہ سے ساقط ہوجائے' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (الزلزال : ۷)

سو جس نے ذرہ برابر (بھی) نیکی کی وہ اس کی جزا پائے گا۔

اگر کسی مومن کو اس کے ایمان کی جزا نہ دی جائے تو اس آیت کے خلاف ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ یوں عرض کیجئے اے اللہ! ملک کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے۔ (آل عمران : ۲۶)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ عنقریب کفار مغلوب ہوں گے اور بہ ظاہر ایسا ہونا معلوم نہیں ہوتا تھا کیونکہ کفار کی تعداد بہت زیادہ تھی اور دنیا کے اکثر و بیشتر ملکوں میں کافروں کی حکومت تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے فرمایا کہ آپ یہ دعا کریں : اے اللہ! ملک کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین

لیتا ہے یعنی ملک اور بادشاہی اللہ کے اختیار میں ہے اس پر بندوں کا اقتدار نہیں ہے۔

روم اور فارس کی فتح کی پیش گوئی

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں :

روایت ہے کہ جب نبی ﷺ نے مکہ فتح کیا اور آپ نے اپنی امت سے روم اور فارس کی سلطنتوں کا وعدہ کیا تو یہودیوں اور منافقوں نے کہا کہاں روم اور فارس کے ملک اور کہاں محمد ﷺ یہ بہت بعید بات ہے' اور ایک روایت یہ ہے کہ جب غزوہ احزاب میں نبی ﷺ نے خندق کے نشان لگائے اور ہر دس آدمیوں کی جماعت کو چالیس ہاتھ خندق کھودنے کا حکم دیا تو خندق کھودتے ہوئے ایک ایسی چٹان آگئی جو کسی کدال اور پھاوڑے سے نہ ٹوٹتی تھی تب صحابہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کے پاس بھیجا اور انہوں نے آکر آپ کو بتایا۔ نبی ﷺ نے حضرت سلمان کے ہاتھ سے کدال لے کر چٹان پر ایک ضرب لگائی تو آپ کی ضرب سے چنگاریاں اڑیں اور اندھیری رات میں بجلی کی طرح روشنی پیدا ہوئی آپ نے نعرہ تکبیر بلند کیا مسلمانوں نے بھی بلند آواز سے اللہ اکبر کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس روشنی میں مجھے حیرہ کے محلات نظر آئے' پھر آپ نے دوسری ضرب لگائی تو فرمایا کہ اس کی روشنی میں مجھے روم کے محلات نظر آئے' پھر تیسری ضرب لگائی تو فرمایا اس روشنی میں مجھے صنعاء کے محلات نظر آئے اور مجھے حضرت جرائیل علیہ السلام نے آکر خبر دی کہ میری امت ان تمام ملکوں پر قابض اور غالب ہوگی سو تمہیں خوش خبری ہو۔ یہ سن کر منافقوں نے کہا تم کو اپنے نبی پر تعجب نہیں ہوتا وہ تم سے جھوٹے وعدے کرتا ہے اور وہ تمہیں خبر دیتا ہے کہ وہ یثرب سے حیرہ اور مدائن کسریٰ کے محلات کو دیکھ رہا ہے اور وہ ملک تمہارے لئے فتح ہوں گے حالانکہ تم مارے خوف کے خندقیں کھود رہے ہو' اور تم میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ ان خندقوں سے باہر نکل کر اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرسکو' تب یہ آیت نازل ہوئی : آپ دعا کیجئے اے اللہ ملک کے مالک! تو جس کو چاہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہے ملک چھین لیتا ہے۔ حسن بصری نے کہا : اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ حکم دیا کہ آپ یہ دعا کریں کہ اللہ آپ کو فارس اور روم کے ملکوں پر غلبہ عطا فرمائے' اور اللہ تعالیٰ کا یہ حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی یہ دعا قبول فرمائے گا اور انبیاء علیہم السلام کے مقامات اسی طرح ہیں انہیں جب کسی دعا کا حکم دیا جاتا ہے تو وہ دعا قبول کی جاتی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۲۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اس حدیث میں آپ کے کئی معجزات کا بیان ہے جو چٹان کسی سے نہ ٹوٹتی تھی وہ آپ کی ایک ضرب سے ٹوٹ کر بکھر گئی آپ نے اپنی ضرب سے پیدا ہونے والی چمک میں دور دراز ملکوں کے محلات دیکھے آپ نے اپنی امت کو روم اور فارس پر فتح کی جو بشارت دی تھی وہ پوری ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا مستجاب فرمائی۔

سیدنا محمد ﷺ کے نبی ہونے پر مخالفین کے اعتراض کا جواب

"مالک الملک" میں ملک سے مراد سلطنت اور غلبہ ہے ایک قول ہے اس سے مراد مال اور غلام ہیں اور مجاہد نے کہا اس سے مراد نبوت ہے' ملک سے نبوت مراد ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ علماء ربانیین کی مخلوق کے باطن پر حکومت ہوتی ہے اور بادشاہوں کی مخلوق کے ظاہر پر حکومت ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کا حکم مخلوق کے ظاہر اور باطن دونوں پر نافذ ہوتا ہے اور علماء ہوں یا حکام دونوں نبی علیہ السلام کے حکم کے تابع ہوتے ہیں' اس سے معلوم ہوا کہ نبوت کا ملک بادشاہوں کے

ملک سے زیادہ عظیم اور وقیع ہے۔ ادھر مشرکین نبی ﷺ کی نبوت کا اس لئے انکار کرتے تھے کہ وہ بشریت کو نبوت کے منافی سمجھتے تھے وہ تعجب سے کہتے تھے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا اگر اللہ تعالیٰ فرشتہ کو رسول بناتا تب بھی اس کو کسی پیکر انسانی میں بھیجتا اور وہ پھر اسی شبہ میں مبتلا ہوتے اور بعض مشرک یہ کہتے تھے کہ اگر کسی بشر نے ہی رسول ہونا تھا تو اللہ تعالیٰ کسی بہت بڑے دولتمند یا کسی بہت بڑے سردار کو رسول بناتا ایک خاک نشیں یتیم کو اللہ نے رسول کیسے بنادیا؟ یہود کہتے تھے کہ نبوت تو ہمارے آباء اور اسلاف میں تھی قریش ان پڑھ لوگ ہیں ان میں نبی کیسے مبعوث ہوگیا؟ اللہ تعالیٰ نے ان تمام منکروں کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ سبحانہ مالک الملک ہے 'نبوت کا مالک ہے وہ جس کو چاہے نبوت عطا فرمائے' اس تقریر پر یہ اعتراض ہے کہ پھر ملک چھیننے کا معنی ہوگا کہ وہ جس سے چاہے نبوت چھین لیتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کسی نبی سے نبوت سلب نہیں فرماتا! اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کی نسل میں نبوت رکھے اور اس میں نسل در نسل نبی آتے رہیں پھر اللہ تعالیٰ کسی اور شخص کی نسل میں نبوت رکھ دے تو یہ بات صادق آئے گی کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی نسل سے نبوت کو سلب کرلیا اور دوسرے شخص کو نبوت عطا کردی اور یہاں ایسا ہی ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے بنو اسرائیل کی نسل میں نبوت رکھی اور پھر یہ نبوت بنو اسماعیل کی نسل میں سے سیدنا محمد ﷺ کو عطا کردی۔

اللہ تعالیٰ خیر اور شر دونوں کا خالق ہے' لیکن یہاں فرمایا ہے کہ سب خیر تیرے ہی دست قدرت میں ہے اور شر کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ ادب کا تقاضا ہے اللہ کی طرف شر کی نسبت نہ کی جائے بلکہ شر کی نسبت اس کے کاسب کی طرف کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور تو جس کو چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کے عظیم مظاہر میں سے یہ ہے کہ وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کردیتا ہے سردیوں میں بتدریج رات لمبی ہوتی رہتی ہے اور دن چھوٹا ہوتا رہتا ہے اور گرمیوں میں دن بتدریج لمبا ہوتا رہتا ہے اور رات چھوٹی ہوتی رہتی ہے کبھی دن اور رات میں بہت فرق ہوتا ہے اور کبھی دونوں معتدل ہوتے ہیں اور قطبین میں یہ فرق بہت زیادہ ہوجاتا ہے وہاں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے اور بلغاریہ میں سورج غروب ہونے کے ایک گھنٹہ بعد صبح طلوع ہوجاتی ہے اور وہاں کے رہنے والے عشاء کی نماز کا وقت نہیں پاتے۔

اللہ تعالیٰ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے یا تو اس سے مادی طور پر نکالنا مراد ہے جیسے اللہ تعالیٰ بیج سے درخت کو نکالتا ہے' نطفہ سے انسان کو اور انڈے سے پرندے کو یا اس سے معنوی طور پر نکالنا مراد ہے جیسے اللہ تعالیٰ جاہل سے عالم کو پیدا کرتا ہے اور کافر سے مومن کو پیدا کرتا ہے' اور مردہ کو زندہ سے نکالنا اس کے برعکس ہے جیسے بیج کو درخت سے نطفہ کو انسان اور جاہل کو عالم سے اور کافر کو مومن سے پیدا کرتا ہے' اور جس کو چاہتا ہے مال اور رزق سے بے حساب عطا فرماتا ہے۔ یعنی اے اللہ! تو اس پر قادر ہے کہ عجم سے ملک چھین کر عرب کو عطا فرمادے اور بنو اسرائیل سے نبوت لے کر بنو اسماعیل کو عطا فرمادے۔

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کا وہ اسم اعظم جس کے ساتھ دعا کی جائے تو وہ دعا قبول ہو آل عمران کی اس آیت میں ہے: اللہم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء۔ الآیۃ

(المعجم الکبیرج ۱۲ ص ۱۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث کی سند میں جسر بن فرقد ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ رقم الحدیث: ۱۷۲۶۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ)

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ

ایمان والے، مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں،

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا

اور جس نے ایسا کیا وہ اللہ کی حمایت میں بالکل نہیں ہے ماسوا اس (صورت) کے کہ تم ان

مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

سے بچاؤ کرنا چاہو، اور اللہ تمہیں اپنی ذات (کے غضب) سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ○

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَيَعْلَمُ

آپ کہیے کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے تم اس کو چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ کو اس کا علم ہے اور جو کچھ آسمانوں

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ

میں اور جو کچھ زمینوں میں ہے اسے اس کا (بھی) علم ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر

قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚۖ

ہے ○ وہ دن جس میں ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکی کو (بھی) حاضر پائے گا اور اپنی

وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْۗءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۭ

کی ہوئی برائی کو (بھی) اور وہ یہ خواہش کرے گا کہ اس شخص کے اور اس دن کے درمیان بہت زیادہ

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ ع

فاصلہ ہوتا، اور اللہ تمہیں اپنی ذات (کے غضب) سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر نہایت مہربان ہے ○

معانقہ ۳ عند المتاخرین ۱۲ ع ۱۱

کفار سے دوستی کی ممانعت کا آیات سابقہ سے ارتباط اور شان نزول

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور حمد و ثناء اور اس سے دعا کس طرح کرنی چاہیے' سو وہ اللہ کے ساتھ معاملہ کا بیان تھا اور اس آیت میں بندوں کے ساتھ معاملہ کا بیان ہے کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ دوستی اور محبت رکھیں اور کفار کے ساتھ دوستی اور محبت نہ رکھیں' نیز اس سے پہلی آیت میں کفار کا بیان تھا اور اس آیت میں کفار کے ساتھ محبت اور ان سے رغبت رکھنے سے منع فرمایا ہے' مسلمانوں کو چاہیے کہ اللہ کے دشمنوں سے محبت نہ رکھیں اللہ سے اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء سے محبت رکھیں کیونکہ وہی مالک الملک ہے وہ جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے وہ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہے ذلت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

اس آیت کے شان نزول میں امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یہودیوں میں سے کعب بن اشرف' ابن ابی الحقیق اور قیس بن زید کی بعض انصار صحابہ سے باطنی دوستی تھی تاکہ وہ ان مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کریں' حضرت رفاعہ بن منذر' حضرت عبداللہ بن جبیر اور حضرت سعد بن خیثمہ نے ان انصار سے کہا کہ وہ ان یہودیوں کے ساتھ باطنی دوستی رکھنے سے اجتناب کریں لیکن یہ مسلمان نہیں مانے اور ان یہودیوں کے ساتھ باطنی دوستی رکھنے پر مصر رہے تب یہ آیت نازل ہوئی کہ ایمان والے مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جس نے ایسا کیا وہ اللہ کی حمایت میں (یا اللہ کی عبادت میں یا اللہ والوں کی جماعت اور اللہ کے مقربین میں) بالکل نہیں ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۵۲' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ امام بخاری نے بھی اس آیت کو اس حدیث کا عنوان بنایا ہے' وہ حدیث یہ ہے : امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے' حضرت زبیر کو اور حضرت مقداد بن اسود کو بھیجا اور فرمایا روضہ خاخ (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام) میں جاؤ وہاں ایک عورت سفر کر رہی ہوگی اس کے پاس ایک خط ہوگا وہ اس سے لے لو۔ ہم اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے روانہ ہوئے حتیٰ کہ ہم روضہ میں پہنچ گئے تو وہاں وہ مسافرہ تھی ہم نے اس سے کہا وہ خط نکالو اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے کہا وہ خط نکالو ورنہ تمہارے کپڑے اتار دیئے جائیں گے' تب اس نے اپنے بالوں کے جوڑے سے وہ خط نکالا۔ ہم وہ خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اس خط میں لکھا ہوا تھا کہ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مشرکین مکہ کی طرف ہے۔ اس خط میں حضرت حاطب نے مکہ کے مشرکوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اقدامات کی خبر دی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حاطب! یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہ! میرے متعلق فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کریں میں قریش کے قرابت داروں میں سے نہیں ہوں' میں ان سے مل جل کر رہنے والا ہوں' آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں ان کی مکہ والوں کے ساتھ رشتہ داریاں ہیں جس کی وجہ سے وہ مکہ میں اپنے رشتہ داروں اور اپنے اموال کی حفاظت کرلیں گے تو میں نے یہ چاہا کہ جب مکہ والوں کے ساتھ میری کوئی رشتہ داری نہیں ہے تو میں ان پر کوئی احسان کردوں اور اس احسان کی وجہ سے وہ میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں میں نے یہ فعل کسی کفر یا ارتداد یا اسلام کے بعد کفر کو پسند کرنے کی وجہ سے نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے تم سے سچ کہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپ نے فرمایا

یہ شخص بدر میں حاضر ہو چکا ہے تمہیں کیا پتا ہے کہ بے شک اللہ اہل بدر کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا تم جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۲۲، ج ۲ ص ۵۶۷ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی '۱۳۸۱ھ)

کفار سے موالات (دوستی) کی ممانعت کا معنی اور محمل

اس آیت میں کفار کے ساتھ موالات سے منع فرمایا ہے۔ موالات کا معنی ہے محبت اور قلبی لگاؤ۔ یہ محبت رشتہ داری کی وجہ سے ہوتی ہے یا پرانی دوستی کی وجہ سے ہوتی ہے یا نئی شناسائی کی وجہ سے ہوتی ہے جو غیراختیاری ہوتی ہے اور جو چیز غیراختیاری ہو وہ شرعاً معاف ہے اور درجہ اعتبار سے ساقط ہے اس لئے یہاں نفس محبت سے ممانعت مراد نہیں ہے بلکہ انسان محبت کی بناء پر جو معاملہ اپنے محبوب کے ساتھ کرتا ہے اور محبت کے جن تقاضوں پر عمل کرتا ہے ان معاملات اور تقاضوں پر عمل کرنے سے ممانعت مراد ہے۔ مثلاً محبوب کی تعظیم اور تکریم کرنا' محبوب کے حکم کو باقی احکام پر ترجیح دینا اور اس کی تعریف وتوصیف کرنا' اس کا بہ کثرت ذکر کرنا اور اس کی رضاجوئی کی کوشش کرنا۔ سو کفار کی تعظیم و تکریم کرنا ان کی تعریف وتوصیف کرنا' ان کا بہ کثرت ذکر کرنا' اور ان کے احکام کو باقی احکام پر ترجیح دینا' ان کی رضاجوئی کی کوشش کرنا اپنے دین اور عبادت کے معاملات میں ان سے مدد حاصل کرنا اور ان کو ہم راز بنانا' ان کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلق استوار کرنا یہ تمام امور ان کے ساتھ جائز نہیں ہیں۔ البتہ کفار کو اپنا نوکر اور غلام بنانا اور ان سے اس طرح مدد لینا جس طرح مالک نوکروں سے مدد لیتا ہے اور تفوق اور برتری کے ساتھ ان سے تعلق رکھنا جائز ہے اسی وجہ سے اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اور ان کے مردوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح بغیر کسی معاشی مجبوری اور اضطرار کے ان کی نوکری اور ملازمت کرنا جائز نہیں ہے۔ امام مسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف جارہے تھے جب آپ حرۃ الوبرہ (مدینہ سے چار میل دور ایک مقام) پر پہنچے تو ایک شخص ملا جس کی جرات اور طاقت کا بہت چرچا تھا' رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اس نے کہا میں آپ کا ساتھ دینے آیا ہوں تاکہ مال غنیمت میں سے مجھے بھی حصہ ملے رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہو؟ اس نے کہا نہیں! آپ نے فرمایا: واپس چلے جاؤ میں کسی مشرک کی مدد ہرگز طلب نہیں کروں گا وہ دوبارہ پھر آیا اور مدد کی پیش کش کی آپ نے پھر یہی فرمایا میں کسی مشرک سے مدد ہرگز طلب نہیں کروں گا بالآخر وہ مسلمان ہو گیا اور آپ نے اس کو ساتھ لے لیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ عزت' وقار اور غلبہ کے ساتھ مشرکین کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے اور ذلت اور خواری کے ساتھ مشرکوں کے ساتھ کسی بھی قسم کا کوئی معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی '۱۳۷۵ھ)

اس تفصیل کے ساتھ کافروں اور مشرکوں کے ساتھ موالات جائز نہیں ہے البتہ ان کے ساتھ مواسات (انسانی ہمدردی کا معاملہ کرنا) مدارات (گفتگو اور برتاؤ میں نرمی کرنا) اور مجرد معاملہ (معاشرتی برتاؤ) کرنا جائز ہے اور مداہنت (دنیا داری کے لئے حق کو چھپانا) جائز نہیں ہے۔ ہم ان تمام امور پر قرآن مجید اور مستند احادیث سے استدلال کریں گے' پہلے موالات کی ممانعت پر قرآن مجید کی مزید چند آیات پیش کرتے ہیں۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

کفار اور بد عقیدہ لوگوں سے موالات کی ممانعت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ (الممتحنہ : ۱)

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ' تم ان کو دوستی کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ انہوں نے اس حق کا انکار کیا ہے جو تمہارے پاس آیا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ (الممتحنہ : ۱۳)

اے ایمان والو! ایسے لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ نے غضب فرمایا' بے شک وہ آخرت سے مایوس ہو چکے' جیسے کفار قبر والوں سے مایوس ہو چکے ہیں۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ (المجادلة : ۲۲)

(اے محبوب!) جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں آپ انہیں اس حال پر نہ پائیں گے کہ وہ ان لوگوں سے محبت کریں جو اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے ہوں خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے قریبی رشتہ دار!

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ۔ (آل عمران : ۲۸)

ایمان والے مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں' اور جو ایسا کرے اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں' البتہ اگر تم ان سے جان بچانا چاہو (تو دوستی کے اظہار میں حرج نہیں) اور اللہ تمہیں اپنے (غضب) سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (هود : ۱۱۳)

اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کی طرف مائل نہ ہو ورنہ تمہیں دوزخ کی آگ پہنچے گی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا (آل عمران : ۱۱۸)

اے ایمان والو! غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ وہ تمہاری تباہی میں کمی نہیں کریں گے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (الانعام : ۶۸)

اور (اے مخاطب) جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیتوں میں کج بحثی کرتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لے حتیٰ کہ وہ کسی اور بات میں بحث کرنے لگیں اور اگر تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظلم کرنے والی قوم کے ساتھ نہ بیٹھ۔

اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ (النساء : ۱۴۰)

جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جارہا ہے اور ان کا استہزاء کیا جارہا ہے تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو حتیٰ کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں (ورنہ) بلاشبہ اس وقت تم (بھی) انہی کی مثل ہو جاؤ گے۔

آخر الذکر دو آیتوں سے معلوم ہوا کہ کفار اور بدعقیدہ لوگوں کے پاس اس وقت بیٹھنا منع ہے جب وہ اسلام کے خلاف باتیں کر رہے ہوں ان کی مجلس میں مطلقاً بیٹھنا منع نہیں ہے۔ البتہ کفار اور بدعقیدہ لوگوں سے محبت اور دوستی رکھنا

مطلقاً حرام اور ممنوع ہے، جیسا کہ باقی ذکر کردہ آیات سے واضح ہو گیا۔

بد عقیدہ لوگوں سے معاملات کی ممانعت کے متعلق احادیث اور آثار

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے آخر میں کچھ ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جو تمہارے سامنے ایسی حدیثیں بیان کریں گے جن کو تم نے سنا ہو گا نہ تمہارے باپ دادا نے، تم ان سے دور رہنا وہ تم سے دور رہیں۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر زمانہ میں دجال اور کذاب ہوں گے جو تمہارے پاس ایسی احادیث لائیں گے جن کو تم نے سنا ہو گا نہ تمہارے باپ دادا نے، تم ان سے دور رہنا وہ تم سے دور رہیں کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں اور تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ (مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۰، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو آیات متشابہات کی تاویل کرتے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے دلوں میں کجی ہے ان سے اجتناب کرو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : قدریہ اس امت کے مجوس ہیں وہ اگر بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ہر امت کے مجوس ہیں اور اس امت کے مجوس وہ لوگ ہیں جو منکر تقدیر ہیں وہ اگر مر جائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ اور اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کرو۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : منکرین تقدیر کے ساتھ بیٹھو اور نہ ان سے بحث کرو۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹۳-۲۷۵ ملتقطاً" مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ)

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ امام طبرانی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں :

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا جن لوگوں نے دین میں تفریق کی وہ ایک گروہ تھا اس سے مراد بدعتی اور گمراہ لوگ ہیں، ان کی توبہ نہیں ہے میں ان سے بری ہوں اور وہ مجھ سے بری ہیں۔ (معجم صغیر) (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۸۸، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ)

علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۴ھ لکھتے ہیں :

امام عقیلی نے کتاب الضعفاء میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے مجھے منتخب فرما لیا اور میرے لئے اصحاب اور سسرال کو منتخب فرمایا، عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جو میرے اصحاب اور سسرال والوں کو برا کہیں گے اور ان کے عیب نکالیں گے تم ان کے ساتھ مت بیٹھنا ان کے ساتھ پینا نہ کھانا اور نہ ان کے ساتھ نکاح کرنا۔ (کتاب الضعفاء ج ۱ ص ۱۲۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

امام عبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں :

ایوب بیان کرتے ہیں کہ ابو قلابہ نے کہا گمراہ فرقوں کے پاس نہ بیٹھو، نہ ان سے بحث کرو، کیونکہ مجھے یہ خدشہ ہے

کہ وہ اپنی گمراہی میں تم کو مبتلا کردیں گے یا تمہارے عقائد کو تم پر مشتبہ کردیں گے۔

(سنن دارمی ج ۱ ص ۹۰، مطبوعہ نشر السنہ ملتان، شعب الایمان ج ۷ ص ۶۰، مطبوعہ بیروت)

نیز امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

ابو جعفر کہتے ہیں کہ گمراہ فرقوں کے ساتھ نہ بیٹھو کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں کج بحثی کرتے ہیں۔

(شعب الایمان ج ۷ ص ۶۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۰ھ)

وضین بن عطاء بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت یوشع بن نون کی طرف وحی کی کہ میں تمہاری قوم میں سے ایک لاکھ چالیس ہزار نیکو کاروں کو اور ساٹھ ہزار بدکاروں کو ہلاک کرنے والا ہوں، حضرت یوشع نے عرض کیا: اے میرے رب! تو بدکاروں کو تو ہلاک فرمائے گا نیکو کاروں کو کیوں ہلاک فرمائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ بدکاروں کے پاس جاتے تھے ان کے ساتھ کھاتے اور پیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے ان پر غضب ناک نہیں ہوتے تھے۔

(شعب الایمان ج ۷ ص ۵۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۰ھ)

کفار اور بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ مواسات (انسانی ہمدردی) کے متعلق آیات اور احادیث

کفار اور بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ محبت اور دوستی کے تعلقات قائم کرنا اور ان کی تعظیم اور تکریم کرنا تو مطلقاً حرام اور ممنوع ہے البتہ غیر حربی کافروں اور بدعقیدہ لوگوں کے ساتھ انسانی ہمدردی کے جذبہ سے نیکی اور صلہ رحمی کرنا جائز ہے۔

قرآن مجید میں ہے:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (الممتحنة : ۸)

اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور عدل کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی، اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں میری والدہ میرے پاس آئیں وہ اس وقت مشرکہ تھیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: میری والدہ اسلام سے اعراض کرتی ہیں کیا میں ان سے صلہ رحمی کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں اپنی ماں سے صلہ رحمی کرو۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۵۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قتیلہ بنت عبد العزیٰ اپنی بیٹی اسماء بنت ابی بکر کے پاس گوہ، ترس (ایک قسم کی سبزی) اور گھی کا ہدیہ لے کر آئی حضرت اسماء نے اس کا ہدیہ لینے سے انکار کیا اور اس کو اپنے گھر آنے سے بھی منع کر دیا۔ حضرت عائشہ نے نبی ﷺ سے اس کے متعلق پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کے ساتھ عدل اور نیکی کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے دین میں تم سے جنگ نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہدیہ قبول کرنے اور اس کو گھر میں آنے کی اجازت دینے کا حکم دیا۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ)

امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی جرجانی متوفی ۳۶۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ روم کے بادشاہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ ہدیئے بھیجے جن میں ایک سونٹھ کا گھڑا تھا آپ نے اس کو اپنے اصحاب میں تقسیم کردیا، آپ نے ہر انسان کو ایک ٹکڑا دیا اور مجھے بھی ایک ٹکڑا دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دومتہ الجندل کے ایک عیسائی سردار نے آپ کو گوند کا ایک گھڑا ہدیہ کیا آپ نے اپنے اصحاب کو اس کا ایک ایک ٹکڑا عطا کیا۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۵ ص ۱۷۸۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشک، عنبر اور کافور سے مرکب خوشبو کی ایک شیشی ہدیہ کی اور مسلمان ہوگیا۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۶ ص ۲۱۱۳، مطبوعہ بیروت)

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ، امام بزار کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ قریش کو سخت قحط سالی پہنچی حتیٰ کہ انہوں نے سوکھی ہوئی ٹہنیاں بھی کھالیں اور اس وقت قریش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عباس بن عبد المطلب سے زیادہ کوئی خوش حال نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس سے کہا اے چچا! آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بھائی ابو طالب کثیر العیال ہیں اور قریش کو جس قحط سالی کا سامنا ہے وہ بھی آپ کے علم میں ہے۔ آیئے ان کے پاس چلیں اور ان سے ان کے بعض بچوں کو لے لیں پس وہ گئے اور کہا اے ابو طالب! آپ کو اپنی قوم کا حال معلوم ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ آپ کی بھی یہی کیفیت ہے ہم آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں کہ آپ اپنے بعض بچوں کو ہمیں دے دیں، ابو طالب نے کہا میرے لئے عقیل چھوڑ دو اور جو تمہیں پسند ہو وہ کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لیا اور عباس نے جعفر کو لے لیا وہ دونوں جب تک مستغنی نہ ہوئے ان کے پاس رہے، سلیمان بن داؤد نے کہا حضرت جعفر عباس کے ساتھ رہے حتیٰ کہ انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۵۳ دار الکتاب العربی بیروت)

کفار اور بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ مجرد معاملہ (معاشرتی برتاؤ) کے متعلق احادیث

ذمی کافروں اور بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ معاشرتی برتاؤ کرنا، خرید و فروخت، قرض کا لین دین، بیمار پرسی اور تعزیت وغیرہ کرنا جائز ہے البتہ مرتدین سے کسی قسم کا کوئی معاملہ کرنا جائز نہیں ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ ایک طویل القامت لمبے اور بکھرے ہوئے بالوں والا مشرک آیا جو بکری لے جارہا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا یہ بکری فروخت کرو گے یا بطور تحفہ دو گے؟ اس نے کہا بلکہ میں فروخت کروں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بکری خرید لی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے مدت معینہ کے ادھار پر طعام خریدا اور لوہے کی ایک زرہ گروی رکھ دی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو کی روٹی اور چربی لے کر گئے در آں حالیکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ایک یہودی کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی ہوئی تھی اور آپ نے اپنے اہل کے لئے اس سے جو لئے تھے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹۵ - ۲۷۷ ملتقطا" مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

امام بخاری نے عیادۃ المشرک کا عنوان قائم کیا ہے اور اس کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی کا لڑکا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا وہ بیمار ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لئے گئے۔ آپ نے اس سے فرمایا اسلام قبول کر لو۔ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ سعید بن مسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابو طالب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لئے گئے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۴۵ - ۸۴۴ 'مطبوعہ کراچی' ۱۳۸۱ھ)

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ سہل بن حنیف اور قیس بن سعد قادسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے ان کے پاس سے ایک جنازہ گزرا وہ دونوں کھڑے ہو گئے انہیں بتایا گیا کہ یہ ذمی کا جنازہ تھا' انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا آپ سے کہا گیا کہ یہ ایک یہودی کا جنازہ ہے آپ نے فرمایا کیا یہ روح نہیں ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۵ 'مطبوعہ کراچی' ۱۳۸۱ھ)

کفار اور بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ مدارات (نرم گفتگو اور ملائمت) کے متعلق احادیث

کافروں' ظالموں اور بد عقیدہ لوگوں کے شر سے بچنے کے لئے ان کے ساتھ نرم رویہ اور ملائمت کے ساتھ پیش آنا' ان سے میٹھی باتیں کرنا اور ان سے ہنستے مسکراتے اور خوشی سے ملنا مدارات ہے تاکہ انسان ان کی اذیت رسانی' بدزبانی اور ان کے ہاتھوں بے عزتی سے محفوظ رہے' اور یہ کفار سے دوستی' محبت اور موالات کے حکم میں نہیں ہے جو کہ ممنوع ہے یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ مسنون ہے۔

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کے ساتھ مدارات کرنا صدقہ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقل کی اصل مدارات ہے اور جو لوگ دنیا میں نیک ہیں وہی آخرت میں بھی نیک ہوں گے۔

ابن المسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ پر ایمان لانے کے بعد بڑی عقل مندی یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ مدارات کی جائے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص میں تین خصلتوں میں سے کوئی خصلت بھی نہ ہو اس کے عمل میں کسی قابل ذکر چیز کا گمان نہ کرو۔ (۱) خوف خدا جو اس کو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے روکے۔ (۲) حلم جس کی وجہ سے وہ جاہل سے باز رہے۔ (۳) وہ خلق جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے ساتھ حسن معاشرت کے ساتھ رہے۔

وہیب مکی بیان کرتے ہیں کہ جس شخص میں تین صفات نہ ہوں اس کے عمل کا اعتبار نہ کرو۔ (۱) خوف خدا جس کی وجہ سے وہ حرام کاموں سے باز رہے۔ (۲) حلم جس کی وجہ سے وہ جاہل کو لوٹا دے۔ (۳) وہ خلق جس کی وجہ سے لوگوں کی مدارات کرے۔ (شعب الایمان ج ۶ ص ۳۴۴ - ۳۳۹ ملتقطاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ پر ایمان لانے کے بعد عقل کا کمال یہ ہے کہ

لوگوں کے ساتھ محبت سے رہا جائے' اور کوئی شخص مشورہ سے مستغنی نہیں ہے اور جو لوگ دنیا میں نیک ہیں وہی آخرت میں بھی نیک ہوں گے اور جو لوگ دنیا میں برے ہیں وہ آخرت میں بھی برے ہوں گے۔

(شعب الایمان ج ۶ ص ۵۰۱-۵۰۰ مطبوعہ بیروت)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ بیان کرتے ہیں:

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایمان لانے کے بعد عقل کا کمال یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ مدارات کی جائے' مشورہ کے بعد کوئی شخص ہلاک نہیں ہوگا' جو لوگ دنیا میں نیک ہیں وہی آخرت میں نیک ہوں گے۔ (المصنف ج ۸ ص ۳۶۱ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۶ھ)

اس حدیث کو حافظ ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے۔

(تہذیب تاریخ دمشق ج ۲ ص ۳۰۱-۳۰۰ 'مختصر تاریخ دمشق ج ۳ ص ۱۶۴ 'مطبوعہ بیروت)

امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اجازت طلب کی اس وقت میں بھی آپ کے ساتھ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اپنی قوم کا برا آدمی ہے۔ پھر آپ نے اس کو اجازت دے دی اور اس سے بہت نرم گفتگو کی جب وہ چلا گیا تو میں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ نے اس کے متعلق جو فرمایا تھا پھر آپ نے اس کے ساتھ ملائمت کے ساتھ بات کی؟ آپ نے فرمایا: اے عائشہ! لوگوں میں سب سے برا شخص وہ ہے جس کی بدکلامی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا چھوڑ دیں۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم بعض لوگوں سے ہنس کر ملتے ہیں اور ہمارے دل ان پر لعنت کرتے ہیں۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۰۵ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی۔ ۱۳۸۱ھ)

مدارات کے جواز میں اور بہت احادیث ہیں تاہم اتنی مدارات نہیں کرنی چاہئے جس سے دینی حمیت جاتی رہے اور مدارات کرنے والے کے متعلق مداہنت کا گمان کیا جائے۔

مداہنت کی تحقیق

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ (القلم: ۹) انہوں نے یہی چاہا کہ (دین کے معاملہ میں) آپ ان سے بے جا نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم ہو جائیں۔

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

دل میں جو بات چھپائی ہے اس کے خلاف بیان کرنا مداہنت ہے۔ ابوالہیثم نے کہا کہ مداہنت کا معنی ہے قول میں نرمی اور کلام میں کسی کی موافقت کرنا' ہمارے شیخ نے کہا اصل میں مداہنت کا معنی ہے کسی چیز کو تیل لگا کر حسی طور پر نرم کرنا' بعد میں اس کا استعمال معنوی نرمی میں ہوا اس کا مجازاً" استعمال بہ طور تحقیر کیا جاتا ہے کیونکہ جو شخص اپنے دین یا اپنی رائے میں متصلب نہیں ہوتا وہ اس میں مداہنت کرتا ہے اور اب مداہنت کا لفظ اسی معنی میں حقیقت عرفیہ ہے اور مدارات کا معنی کلام میں مطلقاً" نرمی کرنا ہے۔ (تاج العروس ج ۹ ص ۲۰۵ 'مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں :

کسی کی ناحق طرف داری کرنا مداہنت ہے جو شخص نیکی کا حکم دے نہ برائی کو مٹائے حقوق کو ضائع کرے اور دکھاوا کرے وہ مداہن ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۲۹۳ 'مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں :

مداہنت یہ ہے کہ کوئی شخص برائی دیکھے اور اس کو نہ مٹائے اور باوجود قادر ہونے کے شرم کے سبب دینی بے غیرتی اور بے حمیتی سے رشوت لے کر یا کسی کی جانب داری کے سبب اس سے منع نہ کرے۔

(اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۱۷۴ 'مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی حدود میں مداہنت کرنے اور اللہ کی حدود کو توڑنے والوں کی مثال یہ ہے کہ بحری جہاز میں قرعہ اندازی کے ذریعہ کچھ لوگ بالائی منزل میں بیٹھے ہوں اور کچھ نچلی منزل میں' نچلی منزل والے پانی کے لئے بالائی منزل میں جاتے ہوں جس سے ان کو تکلیف ہوتی ہو تب نچلی منزل والوں نے ایک کلہاڑی لے کر جہاز کے نچلے حصے کو توڑنا شروع کیا (تاکہ سمندر سے پانی لے لیں) پھر بالائی منزل والوں نے توڑنے والوں سے کہا یہ تم کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ تم کو ہمارے پانی لینے سے تکلیف ہوتی ہے اور ہمیں پانی کی ضرورت ہے' اب اگر انہوں نے توڑنے والوں کے ہاتھوں کو پکڑ لیا تو وہ ان کو بھی بچالیں گے اور خود کو بھی' اور اگر انہوں نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تو وہ ان کو بھی ہلاک کردیں گے اور خود کو بھی۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶۹ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

مداہنت اور مدارات کا اصطلاحی فرق

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں :

مداہنت' ممنوع ہے اور مدارات مطلوب ہے اور ان میں فرق یہ ہے کہ مداہنت کا شرعی معنی یہ ہے کہ کوئی شخص برائی کو دیکھے اور وہ اس کو روکنے پر قادر بھی ہو لیکن برائی کرنے والے یا کسی اور کی جانب داری کی وجہ سے یا خوف کے سبب یا طمع کی وجہ سے یا دینی بے حمیتی کی وجہ سے اس برائی کو نہ روکے' اور مدارات یہ ہے کہ اپنی جان یا مال یا عزت کے تحفظ کی خاطر اور متوقع شر اور ضرر سے بچنے کے لئے خاموش رہے' خلاصہ یہ ہے کہ کسی باطل کام میں بے دینوں کی حمایت کرنا مداہنت ہے اور دین داروں کے حق کی حفاظت کی خاطر نرمی کرنا مدارات ہے۔

(مرقات ج ۹ ص ۳۳۱ 'مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان۔ ۱۳۹۰ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں :

مدارات اور مداہنت میں فرق یہ ہے کہ دین کی حفاظت اور ظالموں سے بچنے کے لئے جو نرمی کی جائے وہ مدارات ہے اور ذاتی منفعت' طلب دنیا اور لوگوں سے فوائد حاصل کرنے کے لئے دین کے معاملہ میں جو نرمی کی جائے وہ مداہنت ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۱۷۴ 'مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جس نے ایسا کیا وہ اللہ کی حمایت میں بالکل نہیں ہے ماسوا اس (صورت) کے کہ تم ان سے

بچاؤ کرنا چاہو۔ (آل عمران : ۲۸)

تقیہ کی تعریف‘ اس کی اقسام اور اس کے شرعی احکام

اس آیت میں تقیہ کی مشروعیت پر دلیل ہے۔ تقیہ کی تعریف یہ ہے : جان‘ عزت اور مال کو دشمنوں کے شر سے بچانا‘ اور دشمن دو قسم کے ہیں ایک وہ جن کی دشمنی دین کے اختلاف کی وجہ سے ہو جیسے کافر اور مسلمان‘ دوسرے وہ ہیں جن کی دشمنی اغراض دنیوی کی وجہ سے ہو مثلاً" مال‘ متاع‘ ملک اور امارت کی وجہ سے عداوت ہو‘ اس وجہ سے تقیہ کی بھی دو قسمیں ہوگئیں۔

تقیہ کی پہلی قسم جو دین کے اختلاف کی وجہ سے عداوت پر مبنی ہو اس کا حکم شرعی یہ ہے کہ ہر وہ مومن جو کسی ایسی جگہ پر ہو جہاں مخالفین کے غلبہ کی وجہ سے اس کے لئے دین کا اظہار کرنا ممکن نہ ہو اس پر اس جگہ سے ایسی جگہ ہجرت کرنا واجب ہے جہاں وہ دین کا اظہار کرسکے‘ اور اس کے لئے یہ بالکل جائز نہیں ہے کہ وہ دینی دشمنوں کی سرزمین میں رہے اور اپنے ضعف کا عذر ظاہر کرکے اپنے دین کو چھپائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی زمین بہت وسیع ہے‘ اگر ہجرت نہ کرنے میں ان کا کوئی عذر شرعی ہو مثلاً" وہ لوگ بچے‘ عورتیں اور نابینا ہوں یا قید میں ہوں یا ان سے مخالفین نے یہ کہا ہو کہ اگر تم نے ہجرت کی تو ہم تم کو قتل کردیں گے یا تمہاری اولاد یا تمہارے ماں باپ کو قتل کردیں گے خواہ ان کی گردنیں اڑادیں یا ان کو قید میں رکھ کر بھوکا ماردیں اور اس بات کا ظن غالب ہو کہ وہ اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنائیں گے‘ اس صورت میں ان کے لئے کافروں کی سرزمین میں رہنا جائز ہے اور بہ قدر ضرورت تقیہ کرکے ان کی موافقت کرنا جائز ہے اور ان پر واجب ہے کہ وہ اس علاقہ سے نکلنے کا حیلہ تلاش کریں اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے وہاں سے نکل بھاگیں اور اگر مخالفین کسی منفعت کو سلب کرنے کی دھمکی دیں یا ایسی مشقت میں ڈالنے کی دھمکی دیں جس کا برداشت کرنا ممکن ہو مثلاً" قید میں ڈال دیں اور قید میں کھانا دیں یا ان کو ماریں لیکن ایسی ضرب نہ ہو جس سے انسان مرجائے تو پھر تقیہ کرنا اور ان کے دین کی موافقت کرنا جائز نہیں ہے‘ اور جس صورت میں تقیہ جائز ہے اس صورت میں بھی ان کی موافقت کی رخصت ہے اور عزیمت یہ ہے کہ وہ اس صورت میں بھی تقیہ نہ کرے اور اپنے دین کا اظہار کرے اور اگر اس کو دین کے اظہار کے جرم میں مار ڈالا جائے تو وہ شہید ہے۔

جب کوئی مسلمان کفار کے علاقہ میں ہو اور اس کو دین کے اظہار کے سبب اپنی جان‘ مال اور عزت کا خطرہ ہو تو اس پر اس علاقہ سے ہجرت کرنا واجب ہے اور تقیہ کرنا اور کفار کی موافقت کرنا جائز نہیں ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ :

قرآن مجید میں ہے :

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِى الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ

بے شک جن لوگوں کی جانیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے‘ فرشتے (ان سے) کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں بے بس تھے! فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرجاتے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ مگر وہ لوگ جو (واقعی) بے بس اور مجبور ہیں وہ

سَبِيْلًا ۝ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا (النسآء : ۹۹-۹۷)

مرد' عورتیں اور بچے جو نکلنے کا کوئی حیلہ نہ پائیں اور نہ راستے سے واقف ہوں تو قریب ہے کہ اللہ ان سے درگزر فرمائے اور اللہ بہت معاف فرمانے والا بے حد بخشش والا ہے۔

جبر اور اکراہ کی صورت میں جان بچانے کے لئے تقیہ پر عمل کرنا رخصت اور تقیہ کو ترک کرنا عزیمت ہے اس پر دلیل یہ حدیث ہے :

حسن بصری روایت کرتے ہیں کہ مسیلمہ کذاب نے رسول اللہ ﷺ کے دو اصحاب کو گرفتار کرلیا ان میں سے ایک سے پوچھا : کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں' اس نے کہا ہاں پھر پوچھا کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا ہاں' تو اس کو رہا کردیا' پھر دوسرے کو بلا کر پوچھا کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہاں ہاں' پھر پوچھا کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟ اس نے کہا میں بہرا ہوں اور تین بار سوال کے جواب میں یہی کہا مسیلمہ نے اس کا سر تن سے جدا کردیا' جب رسول اللہ ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو فرمایا جو شخص قتل ہوا اور اپنے صدق اور یقین پر گامزن رہا اس نے فضیلت کو حاصل کیا اس کو مبارک ہو' دوسرے نے رخصت پر عمل کیا اس پر اسے کوئی ملامت نہیں ہے۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۱۰ للجصاص)

تقیہ کی دوسری قسم یعنی جب مال و متاع اور امارت کی وجہ سے لوگوں سے عداوت ہو تو اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس صورت میں آیا ہجرت واجب ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے کہا اس صورت میں بھی ہجرت واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرہ : ۱۹۵) اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مال کو ضائع کرنے کی بھی شریعت میں ممانعت ہے۔

اور بعض علماء نے یہ کہا کہ کسی دنیاوی مصلحت کی وجہ سے ہجرت واجب نہیں ہوتی' اور بعض علماء نے یہ کہا کہ جب اپنی جان یا اپنے رشتہ داروں کی جان کا یا اپنی اور ان کی عزت کا خطرہ ہو تو حق یہ ہے کہ ہجرت واجب ہوتی ہے لیکن یہ عبادت اور قرب الٰہی نہیں ہے جس کی وجہ سے ثواب حاصل ہو' کیونکہ اس ہجرت کا وجوب محض دنیاوی مصلحت کی وجہ سے ہے دین کی حفاظت کی وجہ سے نہیں ہے اور ہر واجب پر ثواب نہیں ملتا' کیونکہ تحقیق یہ ہے کہ ہر واجب عبادت نہیں ہوتا بلکہ بہت سے واجبات پر ثواب نہیں ملتا جیسے سخت بھوک کے وقت کچھ کھانا واجب ہے اور اس پر ثواب نہیں ہے' اسی طرح بیماری میں جن چیزوں کے کھانے سے ضرر کا یقین ہو یا اس پر ظن غالب ہو ان سے احتراز کرنا واجب ہے اور اس صحت کی حالت میں مضر صحت اور زہریلی اشیاء کو کھانے سے احتراز کرنا واجب ہے۔ یہ ہجرت بھی اسی قسم کی ہے۔ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کی مثل نہیں ہے' ہرچند کہ یہ اعلیٰ درجہ کی ہجرت نہیں ہے لیکن یہ ہجرت بھی اجر و ثواب سے خالی نہیں ہے۔ اسی طرح مفید اشیاء کو کھانا اور مضر اشیاء سے اجتناب کرنا بھی اجر و ثواب سے خالی نہیں اور بعض علماء کا یہ کہنا کہ ہر واجب پر ثواب نہیں ملتا صحیح نہیں ہے۔

تقیہ کے متعلق شیعہ کا نظریہ

شیعہ علماء کی تقیہ میں بہت مختلف اور مضطرب عبارات ہیں بعض علماء نے یہ کہا کہ ضرورت کے وقت تمام اقوال

میں تقیہ کرنا جائز ہے اور بعض اوقات کسی مصلحت کی وجہ سے تقیہ واجب ہوتا ہے اور ایسے کسی فعل میں تقیہ کرنا جائز نہیں جس سے مومن کا قتل ہو یا اس کے قتل کیے جانے کا ظن غالب ہو۔ مفید نے کہا کبھی تقیہ کرنا واجب ہوتا ہے اور کسی وقت میں تقیہ کرنا افضل ہوتا ہے اور کسی وقت میں تقیہ نہ کرنا افضل ہوتا ہے۔ ابو جعفر طوسی نے کہا ظاہر الروایات میں یہ ہے کہ جب جان کا خطرہ ہو تو تقیہ کرنا واجب ہے اور بعض علماء نے یہ کہا مال کے خطرہ کے وقت بھی تقیہ کرنا واجب ہے' اور عزت کی حفاظت کے لئے تقیہ کرنا مستحسن ہے۔ حتیٰ کہ سنت یہ ہے کہ جب شیعہ اہل سنت کے ساتھ جمع ہوں تو نماز' روزہ اور باقی دینی امور اہل سنت کے مطابق کریں' انہوں نے بعض ائمہ اہل بیت سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے کسی سنی کی اقتداء میں تقیتہ" نماز پڑھی اس نے گویا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اقتداء میں نماز پڑھی' اور بعد میں اس نماز کے اعادہ میں ان کے مختلف اقوال ہیں' کسی ایک سنی سے مذہب شیعہ کو بچانے کے لئے تقیہ کی افضلیت میں ان کا اختلاف ہے بعض نے کہا ہے جائز ہے بعض نے کہا معمولی سے خوف یا معمولی سے لالچ کی بناء پر تقیتہ" کفر کو ظاہر کرنا واجب ہے' علماء شیعہ کے نزدیک تقیہ دین کی عظیم اصل ہے حتیٰ کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی طرف بھی تقیہ منسوب کیا ہے' ان کی تقیہ سے اہم غرض خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت کو باطل کرنا ہے۔ اللہ ان سے پناہ میں رکھے۔

تقیہ کے بطلان پر نقلی اور عقلی دلائل

کتب شیعہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد امجاد کا تقیہ نہ کرنا ثابت ہے اور اس سے تقیہ کی وہ فضیلت بھی باطل ہوتی ہے جس کا انہوں نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے۔ نہج البلاغت جو ان کے نزدیک کتاب اللہ کے بعد روئے زمین پر صحیح ترین کتاب ہے اس میں لکھا ہے : حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ایمان کی علامت یہ ہے کہ جہاں تم کو صدق سے نقصان اور کذب سے نفع ہو وہاں تم کذب پر صدق کو ترجیح دو۔ (نہج البلاغت ص ۲۹۶' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

کہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد اور کہاں ان کا "ان اکرمکم عند اللہ اتقکم" کی یہ تفسیر کرنا "اللہ کے نزدیک مکرم وہ ہے جو زیادہ تقیہ کرے" اور اسی نہج البلاغت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : خدا کی قسم اگر میرا دشمنوں سے مقابلہ ہو در آں حالیکہ میں اکیلا ہوں اور ان کی تعداد سے زمین بھری ہو تو مجھے کوئی پرواہ نہیں ہوگی' نہ گھبراہٹ ہوگی کیونکہ جس گمراہی میں وہ مبتلاء ہیں اور اس کے مقابلہ میں میں جس ہدایت پر ہوں اس پر مجھے بصیرت ہے اور مجھے اپنے رب پر یقین ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور حسن ثواب کی امید ہے۔ حضرت علی کے اس ارشاد میں یہ دلالت ہے کہ حضرت امیر اکیلے ہوں اور دشمن بہت ہوں تب بھی وہ نہیں ڈرتے تو یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے کہ تقیہ نہ کرنا بے دینی ہو' نیز عیاشی نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے وضو کیا اور موزوں پر مسح کر کے مسجد میں داخل ہوا حضرت علی آئے اور اس کی گدی پر ضرب لگا کر فرمایا افسوس! تو بے وضو نماز پڑھ رہا ہے! اس نے کہا مجھے عمر نے کہا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت عمر کے پاس لے گئے اور بہ آواز بلند فرمایا : دیکھو یہ تمہارے متعلق کیا کہہ رہا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں اس کو میں نے موزوں پر مسح کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس روایت میں یہ ذکر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہ آواز بلند گفتگو کی اور تقیہ نہیں کیا۔

تقیہ کے بطلان پر واضح دلیل یہ ہے کہ تقیہ خوف کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور خوف دو قسم کا ہے ایک جان کی ہلاکت کا اور دوسرا تکلیف' اذیت' مشقت بدنی اور سب و شتم کا۔ اول الذکر یعنی جان کا خوف حضرات ائمہ میں دو وجہوں سے

منتفی ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک ائمہ کی طبعی موت ان کے اختیار سے واقع ہوتی ہے جیسا کہ کلینی نے کافی میں اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے اور اس مسئلہ کے لئے ایک باب منعقد کیا ہے' اور اس پر تمام امامیہ کا اجماع بیان کیا ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک تمام ائمہ کو ماکان ومایکون کا علم ہوتا ہے پس ان کو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مدت حیات کتنی ہے اور موت کی کیا کیفیت ہے اور کس وقت میں موت واقع ہوگی وہ تمام تفاصیل اور کیفیات پر مطلع ہوتے ہیں' لہٰذا موت کے وقت سے پہلے ان کو موت سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہئے اور نہ تقیہ کرنا چاہئے۔ ثانی الذکر خوف کی وجہ بدن کی تکلیف اور اذیت اور سب و شتم اور بے عزتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان امور کو برداشت کرنا اور ان پر صبر کرنا ہمیشہ سے صالحین کا طریقہ رہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں ہمیشہ مشقتوں کو برداشت کرتے رہے ہیں اور بسا اوقات انہوں نے جابر سلطانوں سے مقابلہ کیا اور اپنے جد کریم ﷺ کے دین کی نصرت کے لئے حضرات اہل بیت کا اذیتوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنا اور تکلیفوں پر صبر کرنا دوسرے صلحاء امت کی بہ نسبت انہیں زیادہ لائق ہے پھر ان تکلیفوں اور مصیبتوں سے بچنے کے لئے تقیہ کرنے اور باطل کی موافقت کرنے کی کیا حاجت ہے!

نیز اگر تقیہ واجب ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ابتداء" تقیہ کر لیتے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کرنے میں چھ ماہ تک توقف نہ کرتے۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ تقیتہ" یزید کی بیعت کر لیتے اور اپنے رفقاء سمیت کربلا میں شہید نہ ہوتے' کیا حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو یہ علم نہیں تھا کہ جان کی حفاظت کے لئے تقیہ کرنا واجب ہے اور کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ امام الائمہ تارک واجب تھے۔

علماء شیعہ نے انبیاء علیہم السلام کی طرف جو تقیہ کی نسبت کی ہے اس کے بطلان کے لئے قرآن مجید کی یہ آیات کافی ہیں :

اَلَّذِیۡنَ یُبَلِّغُوۡنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَیَخۡشَوۡنَہٗ وَلَا یَخۡشَوۡنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ ؕ وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیۡبًا۔ (الاحزاب : ۳۹)	جو لوگ اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا۔
یٰۤاَیُّہَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ وَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَہٗ ؕ وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ۔ (المائدہ : ۶۷)	اے رسول! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اس کو پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے (ایسا) نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر اور ضرر) سے بچائے گا۔

اس کے علاوہ اور بھی قرآن مجید میں آیات ہیں جو تقیہ کے بطلان پر دلالت کرتی ہیں۔

تقیہ کے متعلق ائمہ اہل سنت کے مذاہب

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں :

اضطرار کی حالت میں تقیہ کرنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے' اور یہ واجب نہیں ہے بلکہ تقیہ کو ترک کرنا افضل ہے ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا گیا اور اس نے کفر نہیں کیا حتیٰ کہ وہ شہید ہو گیا وہ اس شخص سے افضل ہے جس نے تقیہ کیا' مشرکین نے حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر لیا حتیٰ کہ ان کو شہید کر دیا

مسلمانوں کے نزدیک وہ حضرت عمار بن یاسر سے زیادہ افضل تھے جنہوں نے تقیۃ" کفر کو ظاہر کیا۔
(احکام القرآن ج ۲ ص ۱۰' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

علامہ ابو الحیان اندلسی لکھتے ہیں :

امام ابو حنیفہ کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ تقیہ اللہ کی طرف سے رخصت ہے اور اس کو ترک کرنا افضل ہے' کسی شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے اور وہ کفر نہ کرے حتیٰ کہ اس کو قتل کردیا جائے تو وہ اس شخص سے افضل ہے جو جان بچانے کے لئے تقیۃ" کفر کو ظاہر کرے' اسی طرح ہر وہ کام جس میں دین کا اعزاز ہو اس کو بہ روئے کار لانا خواہ قتل ہونا پڑے رخصت کی بہ نسبت افضل ہے' امام احمد بن حنبل سے پوچھا گیا اگر آپ کو تلوار پر پیش کیا جائے تو آپ تقیۃ" جواب دیں گے؟ فرمایا نہیں۔ امام احمد نے فرمایا جب عالم تقیہ سے جواب دے اور جاہل جہالت کا اظہار کر رہا ہو تو حق کیسے ظاہر ہو گا' اور جو چیز ہم تک تواتر اور تسلسل سے پہنچی ہے وہ یہ ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین عظام نے اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کو خرچ کردیا اور انہوں نے اللہ کی راہ میں کبھی کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ کی اور نہ کسی جابر کے ظلم کی۔

امام رازی نے کہا کہ ضرورت کی بناء پر تقیہ کی رخصت کا تعلق صرف اظہار حق اور دین کے ساتھ ہے اور جس چیز میں ضرورت کا تعلق دوسروں کے ساتھ ہو اس میں تقیہ کرنے کی اجازت نہیں ہے مثلاً" جان بچانے کے لئے کسی کو قتل کرنا' زنا کرنا' کسی کا مال چھیننا' جھوٹی گواہی دینا۔ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا اور مسلمانوں کے رازوں سے کفار کو مطلع کرنا اس قسم کے امور کو تقیۃ" انجام دینا بالکل جائز نہیں ہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کفار غالب ہوں تو ان کے ساتھ تقیہ کی رخصت ہے' مگر امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ اگر مسلمانوں میں ایسی صورت حال پیدا ہو جائے تو جان اور مال کی حفاظت کے لئے ان کے درمیان بھی تقیہ کرنا جائز ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۹۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

جب مسلمان کافروں کے درمیان گھر جائے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اپنی جان بچانے کے لئے نرمی سے جواب دے درآں حالیکہ اس کا دل تصدیق سے مطمئن ہو اور جب تک قتل کا' اعضاء کاٹنے کا یا سخت ایذا پہنچانے کا خطرہ نہ ہو تقیہ کرنا جائز نہیں ہے' اور جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے تو صحیح مذہب یہ ہے کہ وہ ثابت قدمی سے دین پر جما رہے اور کفریہ کلمہ نہ کہے اگرچہ اس کی رخصت ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۵۷ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

علامہ عبد الرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں :

تقیہ کرنے کی رخصت ہے یہ عزیمت نہیں ہے۔ امام احمد سے پوچھا گیا کہ آپ کے سر پر تلوار رکھ دی جائے تو کیا آپ تقیہ سے جواب دیں گے فرمایا نہیں! آپ نے فرمایا جب عالم تقیہ سے جواب دے اور جاہل جہالت پھیلا رہا ہو تو حق کیسے ظاہر ہو گا۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۷۳' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

جب کوئی شخص کافروں میں رہتا ہو اور اس کو اپنی جان اور مال کا خطرہ ہو تو وہ ان سے نرمی کے ساتھ بات کرے اور دشمنی ظاہر نہ کرے بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ ان سے اس طرح باتیں کرے جس سے ان کی محبت اور دوستی ظاہر ہو لیکن دل

سے محبت نہ رکھے بلکہ دشمن جانے' نیز جس صورت میں جان بچانے کے لئے تقیہ کرنا جائز ہے وہاں بھی حق کا اور ایمان کا اظہار کرنا افضل ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۲۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے تم اس کو چھپاؤ یا ظاہر کرو اللہ کو اس کا علم ہے اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اسے اس کا (بھی) علم ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔○ (آل عمران : ۲۹)

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ ظاہری اور باطنی موافقت اور دوستی رکھنے سے منع فرمایا تھا اور جان' مال اور عزت کے خطرہ کے وقت ان سے "تقیہ" ظاہری موافقت کی اجازت دی تھی' اب اللہ تعالیٰ نے اس پر وعید فرمائی ہے کہ تقیہ کے وقت اگر ان سے باطنی موافقت کی تو اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے علم کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے قدرت کا بھی ذکر فرمایا ہے کہ وہ دلوں کے حال کو جاننے والا بھی ہے اور معصیت پر مواخذہ کرنے پر قادر بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ دن جس میں ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکی کو (بھی) حاضر پائے گا اور اپنی کی ہوئی برائی کو (بھی) حاضر پائے گا اور وہ یہ خواہش کرے گا کہ اس شخص کے اور اس دن کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہوتا' اور اللہ تمہیں اپنی ذات (کے غضب) سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر نہایت مہربان ہے۔ (آل عمران : ۳۰)

وعد اور وعید اور ترغیب اور ترہیب

اس آیت کے پہلے حصہ میں ترہیب ہے اور دوسرے حصہ میں ترغیب ہے۔ اس میں فرمایا ہے کہ ہر شخص قیامت کے دن اپنی کی ہوئی نیکی اور برائی کو حاضر پائے گا۔ اس پر یہ سوال ہے کہ انسان کے کئے ہوئے اعمال تو اس سے صادر ہونے کے بعد باقی نہیں رہتے پھر قیامت کے دن یہ اعمال کیسے موجود ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن صحائف اعمال موجود ہوں گے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (الجاثیہ:۲۹) — بے شک ہم لکھتے رہے جو کچھ تم کرتے تھے۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۭ أَحْصٰهُ اللّٰهُ وَنَسُوهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ○ (المجادلہ : ۶) — جس دن اللہ سب کو جمع کرے گا پھر ان کے کئے ہوئے کاموں کی ان کو خبر دے گا' اللہ نے ان سب کو محفوظ کر لیا ہے' اور وہ انہیں بھول چکے ہیں' اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

مومن جن گناہوں سے توبہ کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو صحیفہ اعمال سے مٹا دیتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے کرم سے یہ متوقع ہے کہ جن گناہوں پر بندے نے توبہ کر لی ہے وہ اس عموم سے مستثنیٰ ہوں گے۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر انسان اپنے کئے ہوئے عمل کی جزا پائے گا' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ○ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ○ (الزلزال : ۸-۷) — سو جس نے ذرہ برابر نیکی کی وہ اس (کی جزا) کو دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی وہ اس (کی سزا) کو دیکھے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تمہیں اپنی ذات کے غضب سے ڈراتا ہے اس میں وعید کا بیان ہے اس کے ساتھ ہی فرمایا اللہ عباد (اپنے بندوں) پر نہایت مہربان ہے' وعید کے بعد وعد کا ذکر فرمایا کیونکہ ایمان خوف اور امید کے مابین ہے اور وعد میں رؤف مبالغہ کا صیغہ ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اس کی وعید پر اور اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علم اور وسعت قدرت کا ذکر کر کے یہ ظاہر فرمایا کہ وہ ہر ظاہر اور ہر باطن چیز کے مواخذہ پر قادر

ہے سو اس کے غضب سے ڈرنا چاہئے اس کے ساتھ اپنے رؤف ہونے کا ذکر کیا کیونکہ وہ بندہ کے گناہوں پر فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ وہ بندوں کو اللہ سے توبہ کرنے اور اس گناہ کی تلافی اور تدارک کی مہلت دیتا ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عباد کا لفظ استعمال فرمایا ہے کہ وہ عباد پر رؤف ہے اور قرآن مجید میں عباد کا لفظ زیادہ تر نیکو کاروں پر آیا ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا — رحمٰن کے بندے (وہ ہیں) جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں۔

(الفرقان: ۶۳)

اللہ تعالیٰ نے شیطان کا قول نقل فرمایا:

وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ○ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ (الحجر: ۴۰-۳۹) — اور میں ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا ماسوا تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے چن لئے گئے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار اور فساق کی وعید کا ذکر کیا پھر مومنین اور صالحین کے لئے وعد کو ذکر کیا اور یہ ظاہر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس طرح کفار اور فساق کو سزا دینے والا ہے اسی طرح مطیعین اور محسنین کو جزا دینے والا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾

آپ کہیے اگر تم اللہ سے محبت کے دعویدار ہو تو میری پیروی کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے ○ آپ کہیے اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی پھر اگر وہ روگردانی کریں تو بیشک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا ○

اتباع رسول کے حکم کا شان نزول اور آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار سے محبت اور دوستی رکھنے سے منع فرمادیا تھا اور صرف اہل اللہ کے ساتھ محبت کرنے کی اجازت دی تھی' اور جب کہ بعض کفار بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا دعویٰ کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی علامت سیدنا محمد ﷺ کی اتباع اور آپ کی پیروی کرنا ہے جو آپ کا پیروکار ہے وہ اللہ کا محب ہے اور جو آپ کی پیروی سے محروم ہے وہ اللہ کی محبت سے محروم ہے۔

مخلوق کے کمال کی معراج یہ ہے کہ وہ اللہ سے محبت کرے اور اللہ کی ان پر عنایت یہ ہے کہ وہ ان سے محبت کرے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے حصول کے لئے تمام مخلوق پر یہ واجب کردیا ہے کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کی اتباع اور آپ کی اطاعت کریں' امام احمد حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر موسیٰ تمہارے سامنے زندہ ہوتے تو میری اتباع کرنے کے سوا ان کے لئے کوئی امر جائز نہ ہوتا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۸' مطبوعہ بیروت) تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی سیدنا محمد ﷺ کی اتباع واجب ہے تو جو لوگ حضرت موسیٰ کی طرف

منسوب اور ان کے امتی ہیں ان پر تو سیدنا محمد ﷺ کی اتباع بطریق اولیٰ واجب ہوگی۔ اسی طرح جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہوگا تو وہ بھی آپ کی شریعت کی اتباع کریں گے' امام بخاری نے روایت کیا ہے : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس وقت تمہارا کیا مرتبہ ہوگا جب تم میں ابن مریم کا نزول ہوگا اور امام تم میں سے ہوگا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۰' مطبوعہ کراچی' ۱۳۸۱ھ) سو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی اتباع کریں گے تو ان کی ملت کے پیروکاروں پر بہ طریق اولیٰ واجب ہے کہ وہ ہمارے رسول سیدنا محمد ﷺ کی پیروی کریں۔

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے پہلی آیتوں میں بطور تہدید اور وعید لوگوں کو نبی ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی اور اب ایک اور طریقہ سے ان کو آپ پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے' وہ یہ ہے کہ یہود یہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ کہئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کے دعوے دار ہو تو میری اتباع کرو۔ دوسری روایت یہ ہے کہ نبی ﷺ مسجد حرام میں گئے وہاں قریش بتوں کو سجدہ کر رہے تھے' آپ نے فرمایا اے جماعت قریش! بہ خدا تم ملت ابراہیم کی مخالفت کر رہے ہو۔ قریش نے جواب دیا ہم اللہ کی محبت میں ان کی عبادت کر رہے ہیں تاکہ یہ بت ہمیں اللہ کے قریب کردیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ کہئے کہ اگر تم اللہ کی محبت کے دعوے دار ہو تو میری اتباع کرو۔ ایک اور روایت یہ ہے کہ عیسائیوں نے کہا ہم اللہ کی محبت میں مسیح کی تعظیم کرتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی' خلاصہ یہ ہے کہ جو فریق بھی اللہ کی محبت کا مدعی ہو اور اس کی رضا اور اس کی اطاعت کا طالب ہو تو آپ اس سے کہئے کہ اگر تم اللہ کی محبت کے دعویٰ میں صادق ہو تو اللہ کے حکم کو مانو اور اس پر عمل کرو' اور اللہ کا حکم یہ ہے کہ میری اتباع کرو۔

محبت کا معنی اور اللہ اور رسول کی محبت کی تحقیق

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

انسان جس چیز کو اپنے گمان کے مطابق اچھا گمان کرے اس چیز کے ارادہ کرنے کو محبت کہتے ہیں' اس کی تین صورتیں ہیں۔ انسان لذت کی وجہ سے محبت کرتا ہے جیسے انسان عمدہ کھانوں اور حسین عورتوں سے محبت کرتا ہے' اور کبھی انسان نفع کی وجہ سے محبت کرتا ہے جیسے انسان اطباء اور حکماء سے محبت کرتا ہے اور کبھی انسان فضل اور کمال کی وجہ سے محبت کرتا ہے جیسے انسان علماء اور اولیاء اللہ سے محبت کرتا ہے' بہادروں اور سخیوں سے محبت کرتا ہے' ملک اور قوم کے لئے نمایاں کام کرنے والے سے محبت کرتا ہے۔ کبھی ایک چیز کو دوسری چیز پر ترجیح دینے کو بھی محبت کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے :

اَلَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَةِ۔ جو لوگ دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔

(ابراھیم : ۳)

اللہ تعالیٰ جو بندہ سے محبت کرتا ہے اس کا معنی ہے وہ ان پر انعام واکرام کرتا ہے اور اس کو اپنی رحمت اور مغفرت سے نوازتا ہے۔

وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (آل عمران : ۱۳۴) اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے (یعنی ان کو ثواب عطا فرماتا ہے۔)

اور جو بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے اس کا معنی ہے بندہ اللہ کے قرب اور اس کی رضا کا طالب ہے۔
(المفردات ص ۱۰۵' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران '۱۳۴۲ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :
ابن عرفہ نے کہا اہل عرب کے نزدیک کسی شے کے ارادہ اور اس کے قصد کو محبت کہتے ہیں' ازہری نے کہا اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا معنی یہ ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے اور ان کے احکام پر عمل کیا جائے' اور اللہ تعالیٰ کی بندہ سے محبت کا معنی یہ ہے کہ وہ اس کو اپنی مغفرت سے نوازے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "بیشک وہ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔" اس کا معنی یہ ہے کہ وہ کافروں کو نہیں بخشے گا۔ سہل بن عبداللہ نے کہا اللہ سے محبت کی علامت قرآن سے محبت کرنا ہے اور قرآن سے محبت کی علامت نبی ﷺ سے محبت کرنا ہے اور نبی ﷺ سے محبت کی علامت سنت سے محبت کرنا ہے اور ان سب سے محبت کی علامت آخرت سے محبت کرنا ہے' اور آخرت سے محبت کی علامت یہ ہے کہ قدر ضرورت کے علاوہ دنیا سے بغض رکھے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۶۱-۶۰' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

اللہ کی محبت کا حصول جن نفوس قدسیہ کی محبت پر موقوف ہے

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد' اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تین خصلتیں جس شخص میں ہوں گی وہ ایمان کی مٹھاس پالے گا۔ یہ کہ اسے اللہ اور اس کا رسول ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں' اور وہ جس شخص سے محبت کرے تو صرف اللہ کے لئے محبت کرے اور اس کے نزدیک کفر میں لوٹنا آگ میں ڈالے جانے کی طرح مکروہ ہو۔
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ایمان کی علامت انصار سے محبت کرنا اور نفاق کی علامت انصار سے بغض رکھنا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)
امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :
حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے اصحاب کے متعلق اللہ سے ڈرو میرے بعد ان کو طعن اور تشنیع کا نشانہ نہ بناؤ جس نے ان سے محبت رکھی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا' اس نے میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا' جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو وہ عنقریب اس کو اپنی گرفت میں لے لے گا۔ (جامع ترمذی ص ۵۴۹' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)
امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے حسن اور حسین (رضی اللہ عنہما) سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔
(سنن ابن ماجہ ص ۱۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے جو شخص میرے ولی سے عداوت رکھتا ہے میں اس سے اعلان جنگ کر دیتا ہوں۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل ندا کرتا ہے کہ اللہ فلاں بندہ سے محبت رکھتا ہے تم اس سے محبت رکھو تو جبرائیل اس بندہ سے محبت کرتا ہے' پھر جبرائیل آسمان والوں میں ندا کرتا ہے کہ اللہ فلاں بندہ سے محبت کرتا ہے تم اس سے محبت رکھو تو آسمان والے اس سے محبت رکھتے ہیں پھر اس بندہ کے لئے زمین میں مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۹۲ مطبوعہ کراچی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کی محبت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا' آپ کے اصحاب اور اہل بیت سے محبت رکھنا اور آپ کی امت کے اولیاء اللہ سے محبت رکھنا ضروری ہے اور جو شخص ان نفوس قدسیہ کی محبت سے محروم ہو وہ کبھی اللہ کی محبت حاصل نہیں کر سکتا۔

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والوں کو اللہ اپنا محبوب بنا لیتا ہے سو ہم قرآن اور سنت کی روشنی میں وہ افعال بیان کرنا چاہتے ہیں جن کو کرنے سے اللہ بندے کو اپنا محبوب بناتا ہے اور وہ افعال جن کو کرنے سے بندہ اللہ کی محبت سے محروم رہتا ہے۔

جن افعال اور عبادات سے اللہ محبت کرتا ہے

وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (البقرہ: ۱۹۵)
اور نیکی کرو بے شک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (البقرہ: ۲۲۲)
بے شک اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاکیزگی حاصل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (آل عمران: ۷۶)
پس بے شک اللہ' اللہ سے ڈرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ (آل عمران: ۱۴۶)
اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (آل عمران: ۱۵۹)
بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (المائدہ: ۴۲)
بے شک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ (الصف: ۴)
بے شک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ فرماتا ہے جو شخص میرے ولی سے عداوت رکھتا ہے میں اس سے اعلان جنگ کر دیتا ہوں' جن چیزوں سے بندہ میرا تقرب حاصل کرتا ہے ان میں ان سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہے جن کو میں نے اس پر فرض کیا ہے' اور بندہ نوافل کے ساتھ ہمیشہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں پھر میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے سوال

کرے تو میں اس کو ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اس کو ضرور پناہ دیتا ہوں' اور میں کسی کام کے کرنے میں اتنی تاخیر نہیں کرتا جتنی بندہ مومن کی روح قبض کرنے میں تاخیر کرتا ہوں وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اسے رنجیدہ کرنے کو ناپسند کرتا ہوں۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۳' مطبوعہ کراچی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہود کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی انہوں نے کہا۔ السام علیکم (تم پر موت ہو) حضرت عائشہ فرماتی ہیں میں نے اس کو سمجھ لیا میں نے کہا تم پر موت اور لعنت ہو' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ٹھہرو! اے عائشہ! اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی کرنے سے محبت کرتا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۹۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتلائیے جب میں وہ عمل کرلوں تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے اور لوگ بھی محبت کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا سے بے رغبتی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور لوگوں کے ہاتھوں میں جو چیزیں ہیں ان سے بے رغبتی کرو تو لوگ تم سے محبت کریں گے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندہ مومن سے محبت کرتا ہے جو تنگ دست ہو' سوال سے بچتا ہو اور عیال دار ہو۔

(سنن ابن ماجہ ص ۳۰۳-۳۰۲' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

جن افعال سے اللہ تعالیٰ محبت نہیں کرتا

وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (البقرہ : ۱۹۰)
اور حد سے نہ بڑھو' بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ (البقرہ : ۲۷۶)
اور اللہ کسی ناشکرے' گنہ گار سے محبت نہیں کرتا

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ (آل عمران : ۵۷)
اور اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا (النساء: ۱۰۷)
بے شک اللہ کسی خائن اور بڑے گنہ گار سے محبت نہیں کرتا۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (النساء : ۱۴۸)
اللہ اس شخص سے محبت نہیں کرتا جو بری بات کو آشکارا کرے ماسوا اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (المائدہ : ۶۴)
اور اللہ فساد کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ (الاعراف : ۳۱)
اور فضول خرچ نہ کرو بے شک اللہ فضول خرچ کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ (النحل : ۲۳)
بے شک وہ تکبر کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ (القصص : ۷۶)
بے شک اللہ اترانے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (لقمان : ۱۸)
بے شک اللہ کسی اکڑنے والے متکبر سے محبت نہیں کرتا۔

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ مال ضائع کرنے سے' زیادہ سوال کرنے سے اور بحث کرنے سے محبت نہیں کرتا۔ اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۰۲' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۰۲ھ)

حضرت علی ابن طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جاہل بوڑھے' ظالم امیر اور متکبر فقیر سے محبت نہیں کرتا اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس میں حارث نام کا راوی ضعیف ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۷۵ مطبوعہ بیروت)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

بنو ضمرہ کے ایک شخص نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ ماں باپ کی نافرمانی سے محبت نہیں کرتا۔ (المصنف ج ۸ ص ۴۹' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۶ھ)

امام سلیمان بن احمد طبرانی روایت کرتے ہیں:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل بد خلق اور بد زبان سے محبت نہیں کرتا۔ (المعجم الکبیر ج ۱ ص ۱۶۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی' پھر اگر وہ روگردانی کریں تو بے شک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

یہ آیت اس حکم کی تاکید ہے "میری اتباع کرو" علامہ ابوالحیان اندلسی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی: "آپ کہئے کہ اگر تم اللہ کی محبت کے دعوے دار ہو تو میری اتباع کرو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا"۔ تو عبداللہ بن ابی نے اپنے اصحاب سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کی مثال قرار دیتے ہیں اور یہ حکم دیتے ہیں کہ ان سے ایسی محبت کی جائے جیسی عیسیٰ بن مریم سے محبت کی گئی تھی' تو یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ کہئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی پھر اگر وہ روگردانی کریں تو بے شک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

(البحر المحیط ج ۳ ص ۱۰۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى

بیشک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو (ان کے زمانہ میں) تمام جہانوں پر برگزی

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾

دی ○ ان میں سے بعض' بعض کی اولاد ہیں اور اللہ بہت سننے والا' خوب جاننے والا ہے ○

خاص انسانوں کا خاص فرشتوں سے اور عام انسانوں کا عام فرشتوں سے افضل ہونا

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت رسولوں کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ

نے رسولوں کی فضیلت اور ان کے درجات کی بلندی کو بیان فرمایا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی دو قسمیں ہیں مکلفین اور غیر مکلفین اور بلاشبہ مکلفین غیر مکلفین سے افضل ہیں' اور مکلفین کی چار قسمیں ہیں ملائکہ' شیطان' جن اور انسان' شیطان اور اس کی ذریات تو کافر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ○ (الانعام : ۱۲۱)

اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کی پیروی کی تو بے شک تم مشرک ہو جاؤ گے۔

اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا (الکھف : ۵۰)

کیا تم میرے سوا شیطان اور اس کی ذریت کو دوست بناتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں ظالموں کے لئے کیسا برا بدل ہے۔

اور جنات میں سے بعض مومن ہیں اور بعض کافر ہیں' قرآن مجید میں ہے :

وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۭ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰۗىِٕكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا○ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا (الجن : ۱۵-۱۴)

اور ہم میں سے بعض اللہ کے فرمانبردار اور بعض (نافرمان) ظالم ہیں' سو جنہوں نے فرمانبرداری کی انہوں نے بھلائی کا راستہ تلاش کر لیا○ اور رہے ظالم تو وہ جہنم کا ایندھن ہوئے۔

بشر' شیاطین اور جنات سے بالاتفاق افضل ہیں اور ملائکہ اور بشر کے درمیان افضلیت میں اختلاف ہے۔ معتزلہ ملائکہ کو افضل قرار دیتے ہیں حتیٰ کہ وہ ملائکہ کو رسل بشر سے بھی افضل کہتے ہیں' اور اہل سنت کے نزدیک رسل ملائکہ تو عوام بشر سے افضل ہیں لیکن رسل بشر رسل ملائکہ سے افضل ہیں اور عوام بشر عوام ملائکہ سے افضل ہیں (عوام بشر سے مومنین صالحین مراد ہیں کفار اور فساق سے بالاجماع ملائکہ افضل ہیں) رسل بشر کا عوام ملائکہ سے افضل ہونا تو بالبداہت ہے اور رسل بشر کی رسل ملائکہ سے افضلیت پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کو بہ طور تعظیم اور تکریم سجدہ کریں اور حکمت کا یہی تقاضا ہے کہ ادنیٰ کو اعلیٰ کی تعظیم کا حکم دیا جائے دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ الآیہ (البقرہ : ۳۱)

اور اللہ نے آدم کو سب (چیزوں کے) نام سکھائے۔

اس آیت کو بیان کرنے سے یہی مقصود ہے کہ حضرت آدم کو فرشتوں پر فضیلت دی اور ان کے علم کی زیادتی کو بیان فرمایا اور ان کی تعظیم اور تکریم کے استحقاق کی وجہ بیان فرمائی۔ اور عوام بشر کی عوام ملائکہ سے افضلیت پر دلیل یہ ہے کہ انسان فضائل اور علمی اور عملی کمالات حاصل کرتا ہے جب کہ اس کی طبیعت میں اس کے خلاف شہوانی اور غضبانی موانع اور عوائق موجود ہیں اور اس کو اپنی بھوک مٹانے' تن ڈھانپنے اور سر چھپانے کے لئے کسب معاش کی احتیاج ہوتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ موانع اور صوارف کے باوجود عبادت اور ریاضت کرنا اور علمی اور عملی کمال حاصل کرنا زیادہ دشوار ہے اور اس میں زیادہ اخلاص ہے اور یہ فرشتوں کی عبادات سے زیادہ افضل ہے کیونکہ ان کی عبادت میں کوئی مانع اور شاغل نہیں ہے اور چوتھی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : بے شک اللہ نے آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو (ان کے اپنے اپنے زمانہ میں) تمام جہانوں پر برزگی دی (آل عمران : ۳۴) اور تمام جہانوں میں فرشتے بھی داخل ہیں اس سے معلوم ہوا کہ عوام ملائکہ سے عوام بشر افضل ہیں اور ملائکہ کے اس عموم

سے رسل ملائکہ بالاجماع مستثنیٰ ہیں' اسی طرح آل ابراہیم اور آل عمران کے عموم سے کفار اور فساق عقلاً" مستثنیٰ ہیں اور اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم' حضرت نوح اور حضرت ابراہیم تو تمام فرشتوں سے افضل ہیں خواہ رسل ملائکہ ہوں یا عوام ملائکہ اور حضرت ابراہیم اور حضرت عمران کی اولاد میں سے مومنین اور صالحین عوام ملائکہ سے افضل ہیں۔

حضرت آدم' حضرت نوح وغیرہم کے خصوصی ذکر کی توجیہ اور ان کی فضیلتوں کا بیان

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان فضیلت یافتہ اور بزرگ شخصیتوں کا ذکر فرمایا ہے جن کی اتباع کرنا واجب ہے اور جن کی اتباع کرنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے' سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ وہ تمام انسانوں کی اصل ہیں۔ اس کے بعد حضرت نوح کا ذکر فرمایا کیونکہ وہ آدم اصغر ہیں اور دنیا میں رہنے والے تمام انسان ان ہی کی اصل سے ہیں۔ اس کے بعد آل ابراہیم کا ذکر فرمایا اور رسول اللہ ﷺ بھی آل ابراہیم میں مندرج ہیں' جن کی اتباع اور اطاعت کا خصوصیت کے ساتھ اس سے پہلی آیت میں حکم دیا گیا ہے' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس میں مندرج ہیں' اور اس کے بعد آل عمران کا ذکر فرمایا اور اس میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مندرج ہیں' آل ابراہیم کا خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر کیا کہ یہودی اپنے آپ کو حضرت ابراہیم کے ساتھ مخصوص کرتے تھے اور آل عمران کا خصوصیت کے ساتھ ذکر عیسائیوں کی وجہ سے کیا' اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمالیا ان کو بزرگی دی اور فضیلت عطا فرمائی۔

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کئی وجوہ سے فضیلت عطا فرمائی انہیں بنی نوع انسان کا مبدء بنایا۔ وہ پہلے نبی ہیں۔ ان کو تمام اشیاء کے ناموں کا علم عطا فرمایا اور فرشتوں کے سامنے ان کی علمی برتری ظاہر فرمائی' انہیں مسجود ملائک بنایا' ان کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ابلیس راندہ درگاہ ہوا' ان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا' ان کو جنت میں رکھا' اس کے علاوہ حضرت آدم کی اور بہت فضیلتیں ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی فضیلتوں میں سے یہ ہے کہ زمین پر وہ پہلے تشریعی نبی ہیں۔ بیٹوں' بہنوں' پھوپھیوں' خالاؤں اور دیگر تمام ذوی الارحام کے ساتھ نکاح کی تحریم کا حکم سب سے پہلے ان پر نازل ہوا۔ حضرت آدم کے بعد روئے زمین کے تمام انسانوں کے وہی والد ہیں۔ آل ابراہیم کی یہ فضیلت ہے کہ ان کو نبوت اور کتاب عطا کی۔ اس آیت میں جو آل عمران کا لفظ آیا ہے اس میں عمران سے مراد کون ہیں؟ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عمران بن ماثان ہیں جو حضرت سلیمان بن داؤد کی اولاد میں سے ہیں اور وہی حضرت مریم بتول' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے باپ ہیں۔ یہ حسن اور وہب کا قول ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ عمران ہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے والد ہیں اور وہ عمران بن نصیر ہیں۔ یہ مقاتل کا قول ہے لیکن پہلا قول راجح ہے کیونکہ اس آیت کے بعد والی آیتوں میں جس عمران کا ذکر ہے وہ قطعی طور پر حضرت مریم کے والد ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی جسمانی اور روحانی خصوصیات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام عالمین پر انبیاء علیہم السلام کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ امام رازی نے علامہ حلیمی کی کتاب المنہاج سے یہ نقل کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جسمانی قوتیں عام انسان کی جسمانی قوتوں سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ انہوں نے پہلے حواس خمسہ کا ذکر کیا ہے اس کا بیان حسب ذیل ہے :

(۱) قوت باصرہ : ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی قوت باصرہ منتہاء کمال کو پہنچی ہوئی تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین کو میرے لئے سمیٹ دیا اور میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔ (صحیح مسلم) نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی صفوں کو قائم کرو اور مل کر کھڑے ہو کیونکہ میں تم کو پس پشت سے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح سامنے سے دیکھتا ہوں۔ (صحیح بخاری)۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ (الانعام : ۷۵)

اور اسی طرح ہم نے ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کی ساری بادشاہی (کل مخلوقات) دکھائی اور اس لئے کہ وہ دیکھ کر یقین کرنے والوں سے (بھی) ہو جائیں۔

اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بصر اتنی قوی کر دی کہ انہوں نے تحت الثریٰ سے لے کر عرش علیٰ تک تمام مخلوق کو دیکھ لیا۔

(۲) قوت سامعہ : ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی سماعت تمام انسانوں سے زیادہ قوی تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمان چرچراتا ہے اور اسے چرچرانے کا حق ہے۔ آسمان میں ہر قدم پر ایک فرشتہ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہے۔ (ترمذی) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے آسمان کے چرچرانے کی آواز سنی' نیز نبی ﷺ نے پتھروں اور درختوں کا کلام سنا اونٹ' گوہ' اور ہرنی کا کلام سنا' جنات اور فرشتوں کا کلام سنا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ عزوجل کا کلام سنا۔ اسی طرح قرآن مجید میں مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے چیونٹی کا کلام سنا :

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسٰكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُودُهٗ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ○ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا۔ (النمل : ۱۹-۱۸)

حتیٰ کہ جب (سلیمان اور ان کے لشکری) چیونٹیوں کے میدان پر آئے تو ایک چیونٹی بولی اے چیونٹیو! تم اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ (کہیں) سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں کچل نہ ڈالے! در آں حالیکہ انہیں خبر نہ ہو' تو (سلیمان) اس کی بات پر مسکرا کر ہنس پڑے۔

(۳) قوت شامہ : جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کی سونگھنے کی قوت تھی کیونکہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا :

اِذْهَبُوا بِقَمِيصِي هٰذَا فَاَلْقُوهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِي يَاْتِ بَصِيرًا ۚ وَاْتُونِي بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِينَ ○ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ اَبُوهُمْ اِنِّي لَاَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُونِ ○ (یوسف : ۹۴-۹۳)

میرے اس کرتے کو لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی' اور جب قافلہ (مصر سے) چلا تو ان کے باپ نے (گھر والوں سے) کہا بے شک میں ضرور یوسف کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اگر تم مجھے بڑھاپے کی وجہ سے ناقص العقل نہ کہو۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ادھر قافلہ مصر سے روانہ ہوا اور ادھر حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف کے کرتے سے ان کی خوشبو آ گئی۔

(۴) قوت ذائقہ : ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کو خیبر میں ایک یہودی عورت نے زہر آلود لقمہ کھلایا تو اس لقمہ نے

آپ سے کہا مجھ میں زہر ملا ہوا ہے۔ اور اسی باب سے یہ واقعات ہیں کہ جب آپ نے اپنا لعاب دہن حضرت ابو بکر کی زہر خوردہ ایڑی میں، حضرت علی کی دکھتی ہوئی آنکھوں میں، حضرت رافع بن خدیج کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ میں اور حضرت سلمہ بن اکوع کی ٹوٹی ہوئی پنڈلی میں ڈالا تو ان کو شفاء ہو گئی۔ حضرت جابر کی ہنڈیا میں لعاب دہن ڈالا تو کم کھانا بہت زیادہ آدمیوں کو کافی ہو گیا اور اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں۔

(۵) قوت لامسہ : جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو وہ گلزار ہو گئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام برص کے مریضوں اور مادر زاد اندھوں پر ہاتھ پھیرتے تو وہ شفایاب ہو جاتے، اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے کھجور کے ستون سے ٹیک لگائی تو اس میں حیات آگئی جب آپ اسے چھوڑ کر منبر پر بیٹھے تو وہ آپ کے فراق میں اونٹنی کی طرح چیخنے لگا۔ جب آپ نے احد پہاڑ پر قدم رکھا تو اس میں حیات آگئی، وہ ہلنے لگا آپ نے فرمایا اے احد! پر سکون ہو جا تو وہ ساکن ہو گیا۔

یہ تو حواس خمسہ ظاہرہ کا بیان ہے اور آپ کے حواس باطنہ کی غیر معمولی قوت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ان حواس باطنہ میں سے ایک قوت حافظہ ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰۤى (الاعلیٰ : ٦) اب ہم آپ کو قرآن پڑھائیں گے تو آپ نہ بھولیں گے۔

اور ان حواس میں سے ایک قوت ذکاوت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے علم کے ایک ہزار باب سکھائے ہیں اور میں نے ہر باب سے ایک ہزار باب مستنبط کر لئے ہیں جب ایک ولی کی قوت ذکاوت کا یہ عالم ہے تو نبی ﷺ کی قوت ذکاوت کا کیا عالم ہو گا۔

قوت محرکہ : نبی ﷺ کا معراج پر جانا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھا لیا جانا، حضرت ادریس اور حضرت الیاس کا آسمانوں پر اٹھایا جانا جیسا کہ احادیث میں آیا ہے، اور قرآن مجید میں ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے مصاحب نے پلک جھپکنے سے پہلے تخت ان کے سامنے حاضر کر دیا :

قَالَ الَّذِیۡ عِنۡدَهٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡكِتٰبِ اَنَا اٰتِیۡكَ بِهٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡكَ طَرۡفُكَ (النمل : ۴۰) جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا میں اس (تخت) کو آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے آپ کے پاس لے آتا ہوں

اور جب نبی کے صحابی اور ان کے ولی کی قوت محرکہ کا یہ حال ہے تو خود نبی ﷺ کی قوت محرکہ کا کیا عالم ہو گا۔

جب انبیاء علیہم السلام کی جسمانی قوتیں اس قدر کامل ہوتی ہیں تو ان کی روحانی اور عقلی قوتیں بھی منتہاء کمال پر ہوتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا نفس قدسیہ تمام انسانوں کی نفوس سے اپنی ماہیت میں مختلف ہوتا ہے اور ان کے نفس کے کمال کے لوازم سے یہ ہے کہ وہ ذکاوت، ذہانت اور قوت عقلیہ میں عام انسانوں سے بہت بلند و برتر ہوں اور جسمانیات اور شہوات سے تنزہ میں بھی عام لوگوں سے بہت فائق ہوں، اور جب ان کی روح انتہائی صاف اور مشرف ہو اور بدن بھی بہت منزہ اور پاکیزہ ہو تو ان کی قوت محرکہ اور قوت عاقلہ انتہائی کامل ہوں گی، کیوں کہ روح فاعل ہے اور بدن قابل ہے اور روح کے انوار بدن تک پہنچتے ہیں اور جب فاعل اور قابل دونوں کامل ہوں تو ان کے آثار بھی بہت قوی اور بہت مشرف ہوں گے، اب اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم علوی کے ساکنین پر حضرت آدم کو فضیلت دی پھر قوت روحانیہ کے کمال کو ان کی اولاد میں سے حضرت شیث میں رکھا اور ان کی اولاد میں سے حضرت نوح میں پھر ان کی اولاد میں سے حضرت ابراہیم میں اس کمال کو رکھا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دو شاخیں ظاہر ہوئیں حضرت اسماعیل اور

حضرت اسحاق' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قدسیہ کے ظہور کے لئے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مبدء بنایا' اور حضرت اسحاق کو دو شاخوں کا مبدء بنایا حضرت یعقوب اور عیسو' حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل میں نبوت رکھی اور عیسو کی نسل میں بادشاہت رکھی اور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ظہور تک یہ سلسلہ چلتا رہا اور جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو نبوت کا نور اور بادشاہت کا نور دونوں حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منتقل کردیئے گئے اور قیامت تک کے لئے دین کی امامت اور ریاست کی فرمانروائی آپ کی امت کو سونپ دی گئی' چنانچہ آپ کے بعد آنے والے خلفاء ریاست کے سربراہ بھی تھے اور دین کے امام بھی تھے۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۳۴ (مع زیادۃ) مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان میں سے بعض' بعض کی اولاد ہیں اور اللہ بہت سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے بعض' بعض کی حقیقی اولاد ہیں تو حضرت آدم علیہ السلام کے سوا باقی سب حضرت آدم کی اولاد ہیں یا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب ایک دوسرے کی معنوی اولاد ہیں اور توحید' اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور اخلاص میں ایک دوسرے کے متبع ہیں' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے' اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنے بندوں کی باتوں کو سننے والا ہے اور ان کے کاموں اور ان کے دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے اور اپنی مخلوق میں سے جس کے اقوال اور افعال کی استقامت کا اس کو علم ہوتا ہے اس کو منتخب فرمالیتا ہے اور اسی کو فضیلت عطا فرماتا ہے' جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام: ۱۲۴) اللہ اپنی رسالت رکھنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭوَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ (الانبیاء: ۹۰) بے شک یہ (انبیاء) نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے' اور (ہماری رحمت کی) توقع اور (ہمارے جلال کے) خوف سے ہم سے دعا کرتے تھے اور ہمارے لئے عاجزی کرنے والے تھے۔

اور اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہود یہ کہتے تھے کہ ہم آل ابراہیم اور آل عمران سے ہیں اس لئے ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور عیسائی یہ کہتے تھے کہ عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں' حالانکہ ان کو یہ علم تھا کہ یہ اقوال باطل ہیں لیکن ان کے علماء اغراض باطلہ کی بنا پر یہ کہتے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ ان کے باطل اقوال کو سننے والا ہے اور ان کی اغراض فاسدہ کو جاننے والا ہے' تو اس آیت کا اول حصہ انبیاء علیہم السلام کی فضیلت میں ہے اور اس کا آخری حصہ ان کے منکرین کی مذمت اور تہدید میں ہے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّىْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِىْ بَطْنِىْ

جب عمران کی بیوی نے عرض کیا اے میرے رب! جو میرے پیٹ میں ہے اس کی میں نے تیرے لیے

مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾

نذر مانی ہے (خاص تیرے لیے، دیگر ذمہ داریوں سے) آزاد کیا ہوا سو تو میری طرف سے (اس نذر کو) قبول فرما، بیشک تو بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے○

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَى ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

پھر جب اس کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو اس نے عرض کیا اے میرے رب! میرے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے اور اللہ خوب جانتا ہے

بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَى ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ

کہ اس کے ہاں کیا پیدا ہوا ہے اور (میرا مطلوب) لڑکا (اللہ کی دی ہوئی) لڑکی کی مثل نہیں ہو سکتا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا

وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۳۶﴾

اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود (کے شر) سے تیری پناہ میں دیتی ہوں ○

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا

تو اس کے رب نے اس کو اچھی طرح قبول فرما لیا اور اس کو عمدہ پرورش کے ساتھ پروان چڑھایا اور زکریا کو

زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا

اس کا کفیل بنایا، جب بھی زکریا اس کے پاس اس کی عبادت کے حجرے میں داخل ہوتے تو اس کے پاس تازہ رزق

رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّى لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ

(موجود) پاتے، انھوں نے کہا اے مریم! تمہارے پاس یہ (رزق) کہاں سے آیا؟ مریم نے کہا یہ (رزق) اللہ کے پاس سے آیا ہے

إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

بیشک اللہ جسے چاہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے ○

عمران کی بیوی کی نذر ماننے کی تفصیل

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری لکھتے ہیں:

عمران کی بیوی حضرت مریم کی ماں ہیں اور حضرت عیسیٰ بن مریم صلوات اللہ علیہ کی نانی ہیں، ان کا نام حنہ بنت فاقوذ بنت قتیل ہے اور ان کے خاوند کا نام عمران بن یاشھم ہے یہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی اولاد سے ہیں۔ محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ حضرت زکریا اور حضرت عمران نے دو بہنوں سے شادی کی، حضرت زکریا کی بیوی سے حضرت یحییٰ پیدا ہوئے اور حضرت عمران کی بیوی سے حضرت مریم پیدا ہوئیں۔ جب حضرت عمران فوت ہوئے تو ان کی بیوی حنہ حضرت مریم سے حاملہ تھیں۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ وہ عمر رسیدہ ہو چکی تھیں اور ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی ان کے گھر کے پاس ایک درخت تھا ایک دن انہوں نے دیکھا کہ ایک پرندہ اپنی چونچ سے اپنے بچے کو دانہ کھلا رہا تھا اس وقت ان

کے دل میں بچہ کی تمنا پیدا ہوئی۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کو بچہ عطا فرمائے تو انہیں حضرت مریم کا حمل ہو گیا اور حضرت عمران فوت ہو گئے' جب انہیں یہ محسوس ہوا کہ ان کے پیٹ میں بچہ ہے تو انہوں نے اس کی اللہ کے لئے نذر مان لی یعنی وہ اس کو عبادت گاہ کے لئے وقف کر دیں گی اور وہ بچہ دنیا کی کسی چیز سے نفع نہیں اٹھائے گا' اور جب ان کے ہاں حضرت مریم پیدا ہوئیں تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے عذر پیش کرتے ہوئے کہا اے اللہ! میرے ہاں لڑکی پیدا ہوئی ہے' کیونکہ انہوں نے بیت المقدس کی خدمت کے لئے نذر مانی تھی اور لڑکی اپنی کمزور طبیعت کی وجہ سے خدمت کے بہت سے کام سرانجام نہیں دے سکتی' اور بعض احوال میں (مثلاً" حیض اور نفاس میں) مسجد میں داخل نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم نے جس لڑکے کے حصول کی دعا کی تھی وہ اس مرتبہ کا نہیں ہے' جس پائے کی میری دی ہوئی لڑکی ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۵۹-۱۵۷ ملخصا" مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

حضرت عیسیٰ کا مس شیطان سے محفوظ رہنا ہمارے نبی کی فضیلت کے منافی نہیں ہے

عمران کی بیوی نے کہا میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے ان کی زبان میں مریم کا معنی عبادت کرنے والی' اللہ کا قرب حاصل کرنے والی اور اللہ کے سامنے عاجزی اور خشوع اور خضوع کرنے والی ہے' اور انہوں نے کہا اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود کے شر سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنو آدم میں سے جو شخص بھی پیدا ہوتا ہے اس کی پیدائش کے وقت شیطان اسے چھوتا ہے تو وہ شیطان کے چھونے سے چیخ مار کر روتا ہے ماسوا مریم اور اس کے بیٹے کے' پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۸۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علامہ شرف الدین طیبی متوفی ۷۴۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کو ولادت کے وقت مس شیطان سے مستثنیٰ کرنے سے ہمارے نبی پر ان کی فضیلت لازم نہیں آتی کیونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے ایسے فضائل اور معجزات ہیں جو حضرت عیسیٰ کو حاصل تھے نہ کسی اور نبی کو' اور افضل میں مفضول کی خصال کا ہونا لازم نہیں ہے۔ (شرح الطیبی ج ۱ ص ۲۰۶)

ملا علی قاری نے طیبی کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے اس کی نظیر طبرانی کی یہ حدیث ہے' ہر ابن آدم نے خطا کی ہے یا خطا کا ہم (ارادہ) کیا ہے سوا حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کے۔ (مرقات ج ۱ ص ۱۳۹)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ علامہ طیبی کی تحریر نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

مشہور یہ ہے کہ فضیلت کلی فضیلت جزئی کے منافی نہیں ہے لیکن بندہ ضعیف یہ کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنو آدم کے اس عموم سے مستثنیٰ ہیں اور اس حدیث میں آپ نے دوسرے فرزندان آدم کی خبر دی ہے اور طہارت میں آپ کا مقام اس سے بہت بلند ہے کہ آپ کی ولادت کے وقت شیطان آپ پر کسی قسم کا تصرف کر سکے' بعض شارحین نے کہا ہے کہ جب متکلم اس قسم کا کلام کرتا ہے تو اس کی ذات عموما" کلام سے خارج ہوتی ہے اور ذوق اور حال اس کا قرینہ ہوتا ہے۔

شیخ محمد ادریس کاندھلوی نے شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی اس تقریر کو لمعات کے حوالے سے لکھا ہے۔

(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۸۲ مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ' التعلیق الصبیح ج ۱ ص ۶۴ مطبوعہ لاہور)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

قاضی نے یہ اشارہ کیا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اس فضیلت کے حصول میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے شریک ہیں علامہ قرطبی نے کہا یہ قتادہ کا قول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۱۷۷، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ہمارے علماء نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ حضرت مریم کی والدہ کی دعا مستجاب ہوگئی اور شیطان تمام اولاد آدم کی کوکھ میں انگلی چبھوتا ہے حتیٰ کہ انبیاء اور اولیاء کے بھی انگلی چبھوتا ہے سوا حضرت مریم اور ان کے بیٹے کے۔ قتادہ نے کہا شیطان ہر نوزائیدہ بچے کے پہلو میں انگلی چبھوتا ہے سوا حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے ان کے درمیان حجاب کردیا گیا تو اس کی انگلی حجاب پر لگی اور حجاب کے پار نافذ نہیں ہوئی، اور بچہ کے انگلی چبھونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ شیطان اس بچہ کو گمراہ کرنے یا بہکانے پر قادر ہوگیا ہے کیونکہ کتنے انبیاء علیہم السلام کو بہکانے اور ورغلانے کے لئے شیطان نے حملے کئے لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (الحجر: ۴۲) بے شک میرے خاص بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں

علاوہ ازیں ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان پیدا کیا جاتا ہے تو مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ اگرچہ شیطان کے انگلی چبھونے سے محفوظ رہے لیکن شیطان کے ہروقت ساتھ اور لازم رہنے سے محفوظ نہیں رہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۶۸، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ شیطان کے انگلی نہ چبھونے سے زیادہ فضیلت اس میں ہے کہ باقی انبیاء علیہم السلام اس کے انگلی چبھونے کے باوجود اس کے شر سے محفوظ رہے۔

میں کہتا ہوں کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی یہ فضیلت اور خصوصیت ہے کہ آپ کے ساتھ جو شیطان اور ہمزاد پیدا کیا گیا تھا آپ کی نگاہ کیمیا اثر سے اس کی بھی کایا پلٹ گئی وہ شیطان مسلمان ہوگیا اور بجائے ورغلانے اور بہکانے کے آپ کو نیکی اور بھلائی کے مشورے دینے لگا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان لگا دیا جاتا ہے (سفیان کی روایت میں ہے اور ایک فرشتہ لگا دیا جاتا ہے) صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کے ساتھ بھی؟ آپ نے فرمایا: ہاں میرے ساتھ بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی وہ مسلمان ہوگیا اور وہ مجھے بھلائی کے سوا کوئی اور مشورہ نہیں دیتا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

رسول اللہ ﷺ کی فیض آفریں نگاہ سے شیطان کا مسلمان ہوجانا بہت عظیم فضیلت ہے اور یہ فضیلت بشمول حضرت عیسیٰ کے کسی نبی کو بھی حاصل نہیں ہے۔

بچہ کا نام رکھنا، اس کو گھٹی دینا، اور بچہ کی ولادت کے دیگر مسائل

ان آیات میں ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل ہے اور یہود کے اس دعویٰ کا رد ہے کہ انبیاء صرف بنو اسرائیل سے مبعوث ہوں گے، اور مشرکین کا رد ہے جن کا زعم تھا کہ بشر نبی نہیں ہوسکتا کیونکہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ

نے نبی ﷺ کو گذشتہ نبیوں اور امتوں کے ان احوال سے مطلع فرمایا جن کی تصدیق ان کی کتابوں میں موجود تھی اور یہ آپ کی نبوت کے صدق پر واضح دلیل ہے۔

نبی کی ولادت اور اعلان نبوت سے پہلے جو امور خلاف عادت ظاہر ہوں ان کو ارہاص کہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ مریم ایسی خاتون سے پیدا ہوئیں جو بوڑھی اور بانجھ تھیں یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارہاص ہے' اسی طرح حضرت مریم کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے قبول کر لیا گیا یہ بھی ان کے معمول کے خلاف تھا تاکہ ان کی پاکیزہ سیرت ان کے بیٹے کے روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہونے کا عنوان بن جائے۔

عمران کی بیوی حنہ نے اپنی بیٹی کے ولادت کے دن ان کا نام مریم رکھا اس سے معلوم ہوا کہ ولادت کے دن نام رکھنا جائز ہے ہرچند کہ یہ شریعت سابقہ ہے لیکن ہماری شریعت میں بھی اس کی تائید ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا میں اس کو لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس کا نام ابراہیم رکھا اور اس کو کھجور کی گھٹی کھلائی اور اس کے لئے برکت کی دعا کی۔ یہ حضرت ابو موسیٰ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۲۱ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا بیمار تھا وہ سفر پر چلے گئے۔ اس اثناء میں وہ بیٹا فوت ہو گیا جب واپس آئے تو حضرت ام سلیم سے پوچھا میرا بیٹا کیسا ہے؟ حضرت ام سلیم نے کہا پہلے سے زیادہ پرسکون ہے۔ ان کو شام کا کھانا کھلایا اور رات کو حضرت ابو طلحہ نے ان سے عمل زوجیت کیا۔ صبح کو حضرت ام سلیم نے کہا اب بیٹے کو دفن کر دو۔ حضرت ابو طلحہ نے رسول اللہ ﷺ سے ماجرا بیان کیا آپ نے پوچھا تم نے رات اس عمل میں گزاری؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ نے دعا کی اے اللہ ان دونوں کو برکت عطا فرما تو ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ مجھ سے حضرت ابو طلحہ نے کہا تم اس بچہ کو نبی ﷺ کے پاس لے جاؤ میں اس بچہ کو نبی ﷺ کے پاس لے گیا اور میرے ساتھ کچھ کھجوریں بھی بھیجیں۔ نبی ﷺ نے بچہ کو لے کر پوچھا کیا اس کے ساتھ کچھ چیز بھی ہے لوگوں نے کہا ہاں کچھ کھجوریں ہیں۔ نبی ﷺ نے کھجور لی اور اس کو چبا کر اس بچہ کے منہ میں رکھا اور اس کو گھٹی دی اور اس کا نام عبد اللہ رکھا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۲۲ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کے مسائل میں سے یہ ہے کہ جب کوئی شخص تھکا ماندہ سفر سے آئے تو فوراً" اس کو غمناک خبر نہیں سنانی چاہئے۔ بچہ کی موت پر ماں باپ کو پرسکون رہنا چاہئے۔ بچہ پیدا ہو تو کسی بزرگ سے اس کے منہ میں گھٹی ڈلوانی چاہئے اس سے برکت کی دعا کرانی چاہئے اور بچہ کا اچھا نام رکھنا چاہئے۔ خصوصاً" انبیاء علیہم السلام اور بزرگوں کے نام پر اس کا نام رکھنا چاہئے۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو وہب جشمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انبیاء علیہم السلام کے نام رکھو۔ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبد اللہ اور عبد الرحمان ہے اور سب سے سچا نام حارث اور ہمام ہے اور سب سے برا نام حرب اور مرہ ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن تم کو تمہارے ناموں اور تمہارے

باپوں کے نام سے پکارا جائے گا اس لئے اپنے اچھے نام رکھو۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۲۰ ' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور '۱۴۰۵ھ)

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کو قیامت کے دن ان کے آباء سے منسوب کر کے پکارا جائے گا مثلاً" فلاں بن فلاں اور یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ لوگوں کو ان کی ماؤں کی طرف منسوب کر کے پکارا جائے گا یہ صحیح نہیں ہے ' اس کی تحقیق ان شاء اللہ سورہ احزاب میں آئے گی۔ ولادت کے دن بچہ کے نام رکھنے کے علاوہ اور بھی شرعی احکام ہیں ان احکام میں سے ہم عقیقہ کا بیان کر رہے ہیں ' پہلے ہم اس کے ثبوت میں احادیث بیان کریں گے اور اس کے بعد مذاہب فقہاء بیان کریں گے۔

عقیقہ کے متعلق احادیث ' آثار اور اقوال تابعین

امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے۔ اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے گندگی کو دور کرو۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۲۲ ' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ام کرز رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری (ذبح کرو) اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ نر ہو یا مادہ۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

اس حدیث کو امام دارمی (سنن داری ج ۲ ص ۸) اور امام احمد (مسند احمد ج ۶ ص ۴۵۶ - ۴۲۲ - ۳۸۱) نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لڑکا اپنے عقیقہ کے بدلے میں گروی ہے۔ ولادت کے ساتویں دن اس کی طرف سے ذبح کیا جائے ' اس کا نام رکھا جائے اور اس کے بال مونڈے جائیں۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۲۲۳ ' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے ایک ایک مینڈھا ذبح کیا۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۶ ' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ' ۱۴۰۵ھ)

امام ابو عبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے دو دو مینڈھے ذبح کئے۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۱۸۸ ' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں جن احادیث کا ذکر ہے وہ سب سنن ابوداؤد اور سنن نسائی میں بھی مذکور ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ سنن ابو داؤد میں حضرت حسن اور حضرت حسین کی طرف سے ایک ایک مینڈھے کو ذبح کرنے کا تذکرہ ہے اور سنن نسائی میں دو دو مینڈھے ذبح کرنے کا ذکر ہے تو اس کی کیا توجیہہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ولادت کے دن ایک ایک مینڈھا ذبح کیا اور ساتویں دن ایک ایک مینڈھا اور ذبح کیا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک مینڈھا آپ نے اپنی طرف سے ذبح کیا اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کو دوسرا مینڈھا ذبح کرنے کا حکم دیا تو

جس نے ایک ایک مینڈھے کے ذبح کی روایت کی اس نے آپ کی طرف ذبح کی حقیقی نسبت کی اور جس نے دو دو کو ذبح کرنے کی روایت کی اس نے آپ کی طرف مجازاً" نسبت کی۔

امام عبدالرزاق نے حضرت عائشہ اور عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین کی طرف سے دو دو مینڈھے ذبح کیے۔ (المصنف ج ۴ ص ۳۳۰)

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو درداء' حضرت جابر اور عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کیا۔ (المصنف ج ۸ ص ۴۷-۴۶)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے دو مینڈھے ذبح کیے۔

محمد بن علی بن حسین روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کی اور امام مالک نے یحییٰ بن سعید سے روایت کیا ہے کہ آپ نے حضرت علی کے دو بیٹوں حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کیا۔ (سنن کبریٰ ج ۹ ص ۲۹۹ مطبوعہ ملتان)

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد خود اپنا عقیقہ کیا۔

(المصنف ج ۴ ص ۳۲۹' مطبوعہ بیروت)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث کو امام بزار نے اور امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے اور اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۵۹)

اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۹ ص ۳۰۰' مطبوعہ ملتان)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں :

عطا بیان کرتے ہیں کہ ام اسباع نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کیا میں اپنی اولاد کی طرف سے عقیقہ کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک۔ (المصنف ج ۸ ص ۵۰ مطبوعہ کراچی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کا عقیقہ کرنے کا حکم دیا نیز حضرت عائشہ نے فرمایا لڑکے کی طرف سے دو بکریاں سنت ہیں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری سنت ہے۔ (المصنف ج ۸ ص ۵۱' مطبوعہ کراچی)

امام عبدالرزاق روایت کرتے ہیں :

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر سے جو بھی عقیقہ کے متعلق سوال کرتا وہ اس کو عقیقہ کرنے کا حکم دیتے۔

(المصنف ج ۸ ص ۳۳۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت اسماء بنت یزید بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا لڑکے کی طرف سے دو بکریوں کا عقیقہ ہے اور لڑکی کی طرف

سے ایک بکری کا۔ (المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۱۸۳)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک اپنے بیٹوں کی طرف سے اونٹ ذبح کر کے عقیقہ کرتے تھے۔
(المعجم الکبیر ج ۱ ص ۲۴۴' مطبوعہ بیروت)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں۔
(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۵۹' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

جعفر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ نے جو عقیقہ کیا تھا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ اس کی ایک ٹانگ دائی کے پاس بھیجی جائے اور اس کی کسی ہڈی کو نہ توڑا جائے۔

ابن ابی ذئب بیان کرتے ہیں کہ میں نے زہری سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا اس کی ہڈیوں کو توڑا جائے نہ سر کو اور نہ بچہ کو اس کے خون میں لتھیڑا جائے۔

ہشام بیان کرتے ہیں کہ حسن اور ابن سیرین عقیقہ میں ان تمام باتوں کو مکروہ کہتے تھے جو قربانی میں مکروہ ہیں اور ان کے نزدیک عقیقہ بہ منزلہ قربانی ہے اس کے گوشت کو کھایا جائے اور کھلایا جائے۔

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ساتویں دن عقیقہ کیا جائے بچہ کا سر مونڈا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔

ابو جعفر بیان کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ نے ساتویں دن اپنے بیٹے کا عقیقہ کیا۔ اس کا نام رکھا۔ اس کا سر مونڈا۔ اس کا ختنہ کیا اور اس کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کی۔ (المصنف ج ۸ ص ۵۵۔ ۵۲ ملتقطا' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۶ھ)

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

عطا کہتے تھے کہ ساتویں دن بچہ کا عقیقہ کیا جائے اگر اس دن نہ کر سکیں تو اگلے ساتویں دن موخر کر دیں اور میں نے دیکھا ہے کہ لوگ ساتویں دن ہی عقیقہ کا قصد کرتے ہیں اور عقیقہ کرنے والے خود بھی گوشت کھائیں اور لوگوں کو ہدیہ بھی دیں۔ ابن عیینہ نے کہا میں نے پوچھا کیا یہ سنت ہے؟ کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے ابن عیینہ نے کہا کیا اس کے گوشت کو صدقہ کر دیں؟ کہا نہیں اگر چاہیں تو صدقہ کریں اور چاہیں تو خود کھا لیں۔
(المصنف ج ۴ ص ۳۳۲' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عقیقہ ساتویں دن کیا جائے اور چودھویں دن اور اکیسویں دن۔
(سنن کبریٰ ج ۹ ص ۳۰۳' مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

جو دن بھی سات سے تقسیم ہو جائے اس میں عقیقہ کرنا سنت ہے اگر بچہ مثلاً "منگل" کو پیدا ہوا ہے تو جس پیر کو بھی عقیقہ کیا جائے وہ سات دن سے تقسیم ہو گا۔

عقیقہ کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

علامہ عبد اللہ بن احمد ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

عقیقہ کرنا سنت ہے۔ عام اہل علم کا یہی مذہب ہے۔ حضرت ابن عباس' حضرت ابن عمر' حضرت عائشہ' فقہاء تابعین اور تمام ائمہ کا یہی نظریہ ہے ماسوا فقہاء احناف کے انہوں نے کہا یہ سنت نہیں۔ بلکہ امر جاہلیت سے ہے۔ نبی ﷺ سے روایت ہے کہ آپ سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ عقوق کو ناپسند کرتا ہے گویا آپ نے لفظ عقوق کو ناپسند فرمایا۔ (اس کا معنی قطع کرنا اور ماں باپ کی نافرمانی ہے) اور فرمایا جس کے ہاں بچہ پیدا ہو اور وہ جانور ذبح کرنا چاہے تو جانور ذبح کرے۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۳۷-۳۶' سنن نسائی ج ۲ ص ۱۸۷' ابوداؤد اور نسائی میں اس کے بعد مذکور ہے لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری)۔ امام مالک نے اس حدیث کو اپنی موطا میں روایت کیا ہے۔ حسن بصری اور داؤد (ظاہری) نے کہا عقیقہ کرنا واجب ہے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ لوگ پانچ نمازوں کی طرح عقیقہ کا اہتمام کرتے ہیں کیونکہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہے کہ ہر لڑکا اپنے عقیقہ کے ساتھ گروی رکھا ہوا ہے۔ ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر مونڈا جائے۔ حضرت ابوہریرہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ امام احمد نے کہا اس حدیث کی سند جید ہے۔ عقیقہ کے استحباب پر یہ احادیث دلیل ہیں اور حضرت ام کرز سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کا عقیقہ کیا جائے اور عقیقہ کے استحباب پر اجماع ہے۔ ابوالزناد نے کہا عقیقہ کو ترک کرنا مکروہ ہے۔ امام احمد نے کہا عقیقہ کرنا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ آپ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کیا ہے اور آپ کے اصحاب نے عقیقہ کیا ہے اور نبی ﷺ نے فرمایا لڑکا عقیقہ کے ساتھ گروی رکھا ہوا ہے۔ امام ابوحنیفہ نے یہ کہا کہ عقیقہ جاہلیت کے افعال میں سے ہے اور ان کے ساتھ حسن ظن یہ ہے کہ ان کو یہ احادیث نہیں پہنچیں۔

(المغنی ج ۹ ص ۳۶۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

عقیقہ کے متعلق فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ ابو اسحٰق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی شافعی متوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں:

عقیقہ سنت ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ مولود کی طرف سے ایک جانور ذبح کیا جائے کیونکہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی طرف سے عقیقہ کیا اور یہ واجب نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا میں عقوق کو پسند نہیں کرتا' اور جس شخص کے ہاں بچہ پیدا ہو اور وہ جانور ذبح کرنا چاہتا ہو تو کرے۔ آپ نے عقیقہ کو محبت پر معلق کیا ہے یہ اس کی دلیل ہے کہ عقیقہ واجب نہیں ہے نیز عقیقہ بغیر کسی جنایت (جرم) اور نذر کے خون بہانا ہے لہٰذا یہ قربانی کی طرح واجب نہیں ہے (شوافع کے نزدیک قربانی بھی واجب نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ) اور سنت یہ ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے کیونکہ حضرت ام کرز رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا لڑکے کے لئے دو بکریاں اور لڑکی کے لئے ایک بکری' نیز عقیقہ خوشی کی وجہ سے مشروع کیا گیا ہے اور لڑکے کی ولادت پر لڑکی کی بہ نسبت زیادہ خوشی ہوتی ہے اس لئے اس کی ولادت پر دو بکریاں ذبح کی جائیں گی۔ (المہذب ج ۱ ص ۲۴۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

عقیقہ کے متعلق فقہاء مالکیہ کا نظریہ

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اہل سے جو شخص بھی عقیقہ کے متعلق سوال کرتا وہ اس کو عقیقہ کرنے کا حکم دیتے اور آپ اپنی اولاد کی طرف سے ایک ایک بکری کا عقیقہ کرتے تھے۔ لڑکے اور لڑکی دونوں کی طرف سے۔

محمد بن حارث تیمی بیان کرتے ہیں کہ عقیقہ کرنا مستحب ہے خواہ چڑیا سے کیا جائے۔ (یہ مبالغہ فرمایا)

امام مالک فرماتے ہیں ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے دو بیٹوں حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا عقیقہ کیا گیا۔

ہشام بن عروہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد عروہ بن زبیر اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کا ایک ایک بکری کے ساتھ عقیقہ کرتے تھے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک عقیقہ کا حکم یہ ہے کہ جو شخص عقیقہ کرے وہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی طرف سے ایک ایک بکری ذبح کرے اور عقیقہ کرنا واجب نہیں ہے لیکن عقیقہ مستحب ہے، اور ہمارے نزدیک یہ وہ کام ہے جس کو ہمیشہ لوگ کرتے رہے ہیں جو شخص اپنے بیٹے کی طرف سے عقیقہ کرے وہ بہ منزلہ قربانی ہے اس میں کانے، لاغر، سینگ ٹوٹے ہوئے اور بیمار جانور کو ذبح کرنا جائز نہیں ہے اس کی کھال اور گوشت کو فروخت نہیں کیا جائے گا اس کی ہڈیوں کو توڑا جائے گا۔ گھر والے اس کے گوشت کو کھائیں گے اور اس میں سے صدقہ کریں گے اور بچہ کو اس کے خون میں نہ لتھیڑا جائے گا۔ (موطا امام مالک ص ۴۹۵۔ ۴۹۴، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

امام مالک نے عقیقہ میں لڑکے اور لڑکی دونوں کی طرف سے ایک ایک بکری ذبح کرنے کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے یہ ان احادیث کے خلاف ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کرنے کا حکم فرمایا ہے اور حضرت ابن عمر اور عروہ بن زبیر نے جو بیٹوں کی طرف سے ایک ایک بکری ذبح کی ہے وہ کسی عذر پر محمول ہے اسی طرح ہڈیاں توڑنا بھی احادیث کے خلاف ہے اور خون میں لتھیڑنا بھی احادیث کے خلاف ہے۔

عقیقہ کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں:

امام محمد از امام ابو یوسف از امام ابو حنیفہ روایت کرتے ہیں کہ لڑکے کا عقیقہ کیا جائے نہ لڑکی کا۔

(الجامع الصغیر ص ۵۳۴، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۱۱ھ)

نیز امام محمد لکھتے ہیں:

ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ عقیقہ زمانہ جاہلیت میں تھا اور ابتداء اسلام میں بھی عقیقہ کیا گیا پھر قربانی نے ہر اس ذبیحہ کو منسوخ کر دیا جو اس سے پہلے تھا اور رمضان کے روزوں نے ہر اس روزہ کو منسوخ کر دیا جو اس سے پہلے تھا اور غسل جنابت نے ہر اس غسل کو منسوخ کر دیا جو اس سے پہلے تھا اور زکوٰۃ نے ہر اس صدقہ کو منسوخ کر دیا جو اس سے پہلے تھا، ہم کو اسی طرح حدیث پہنچی ہے۔ (موطا امام محمد ص ۸۹۔ ۸۸، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں :

عقیقہ وہ ذبیحہ ہے جو بچہ کی پیدائش کے ساتویں دن کیا جاتا ہے ہم نے عقیقہ اور عتیرہ کا منسوخ ہونا اس روایت سے پہچانا : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا رمضان کے روزے نے ہر پہلے روزے کو منسوخ کردیا' اور قربانی نے اس سے پہلے کے ہر ذبیحہ کو منسوخ کردیا' اور غسل جنابت نے اس سے پہلے کے ہر غسل کو منسوخ کردیا' اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس حدیث کو سنا تھا کیونکہ اجتہاد سے کسی چیز کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ (الی قولہ) امام محمد نے جامع صغیر میں ذکر کیا ہے۔ لڑکے کا عقیقہ کیا جائے نہ لڑکی کا۔ اس عبارت میں عقیقہ کے مکروہ ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ عقیقہ کرنے میں فضیلت تھی اور جب فضیلت منسوخ ہوگئی تو اس کا صرف مکروہ ہونا باقی رہ گیا۔

(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۶۹' مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی' ۱۴۰۰ھ)

اور فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے :

ولادت کے ساتویں دن لڑکے یا لڑکی کی طرف سے بکری ذبح کرنا اور لوگوں کی دعوت کرنا اور بچہ کے بال مونڈنا عقیقہ ہے یہ نہ سنت ہے اور نہ واجب ہے۔ اسی طرح کردری کی وجیز میں ہے۔ امام محمد نے عقیقہ کے متعلق ذکر کیا ہے جو چاہے کرے اور جو چاہے نہ کرے۔ اس کا اشارہ اباحت کی طرف ہے اس لئے اس کا سنت ہونا ممنوع ہے اور امام محمد نے جامع صغیر میں ذکر کیا ہے لڑکے اور لڑکی کی طرف سے عقیقہ نہ کیا جائے اور یہ کراہت کی طرف اشارہ ہے اسی طرح بدائع کی کتاب الاضحیہ میں ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۶۲' مطبوعہ مطبع کبری امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

عقیقہ کے متعلق احکام شرعیہ اور مسائل

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

عقیقہ نفل ہے اگر چاہے تو کرے اور اگر چاہے تو نہ کرے' اور عقیقہ کی تعریف یہ ہے کہ بچہ پیدا ہونے کے سات دن گزرنے کے بعد ایک بکری ذبح کی جائے اور امام شافعی (بلکہ ائمہ ثلاثہ) کے نزدیک عقیقہ سنت ہے' پھر جب کوئی شخص عقیقہ کرنے کا ارادہ کرے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے' کیونکہ عقیقہ ولادت کی خوشی کے لئے مشروع کیا گیا ہے اور لڑکے کی ولادت پر زیادہ خوشی ہوتی ہے' اور اگر لڑکے اور لڑکی دونوں کی طرف سے ایک ایک بکری ذبح کی تب بھی جائز ہے کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین کی طرف سے ایک ایک بکری کو ذبح کیا تھا (سنن ابو داؤد میں اسی طرح ہے اور سنن نسائی' مصنف ابن ابی شیبہ' مصنف عبد الرزاق اور سنن بیہقی میں ہے آپ نے ان کی طرف سے دو دو بکریاں ذبح کیں اور یہی صحیح ہے) عقیقہ میں بھیڑ اور دنبہ چھ ماہ سے کم کا نہ ہو اور بکری ایک سال سے کم نہ ہو' عقیقہ کا جانور قربانی کے جانور کی طرح عیوب اور نقائص سے بری ہو کیونکہ عقیقہ بھی قربانی کی طرح شرعاً" جانور کا خون بہانا ہے' اگر عقیقہ کو ساتویں دن پر موخر یا مقدم کر دیا جائے تو پھر بھی جائز ہے۔ البتہ ساتواں دن افضل ہے' اور مستحب یہ ہے کہ اس کا گوشت ہڈیوں سے الگ کرلیں اور نیک شگون کے لئے ہڈیوں کو نہ توڑیں تاکہ اس بچہ کی ہڈیاں سلامت رہیں۔ عقیقہ کے گوشت کو خود کھائیں' کھلائیں اور صدقہ کریں۔ فصل الکراہیۃ والاستحسان میں مذکور ہے کہ ولادت کے ساتویں دن عقیقہ کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عقیقہ حق ہے۔ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری۔ نبی ﷺ نے بعثت کے بعد خود اپنا عقیقہ کیا ہے۔ عقیقہ کی دعا یہ ہے : ذبح کے وقت کہے۔ اے اللہ یہ میرے

فلاں بیٹے کا عقیقہ ہے اس جانور کا خون میرے بیٹے کے خون کے عوض ہے اور اس کا گوشت اس کے گوشت کے عوض ہے' اس کی ہڈیاں اس کی ہڈیوں کے عوض ہیں' اس کی کھال اس کی کھال کے عوض ہے' اس کے بال اس کے بال کے عوض ہیں۔ اے اللہ! اس جانور کو میرے بیٹے کی جہنم سے آزادی کا فدیہ بنادے۔

عقیقہ کی ہڈیوں کو توڑا نہ جائے اور اس کی ران دائی کو دی جائے اور گوشت پکالیا جائے اور بچہ کے سر کو اس کے خون میں لتھیڑنا مکروہ ہے۔ (العقود الدریہ ج ۲ ص ۲۳۳۔ ۲۳۲' مطبوعہ دار الاشاعۃ العربیہ کوئٹہ)

عقیقہ کو منسوخ قرار دینے کے دلائل پر بحث و نظر

امام محمد شیبانی نے فرمایا ہے کہ عقیقہ رسم جاہلیت میں سے ہے اور یہ ابتداء اسلام میں بھی مشروع رہا ہے بعد میں قربانی نے اس کو منسوخ کردیا' اس لئے عقیقہ نہ کیا جائے' علامہ کاسانی نے اس پر متفرع کیا ہے کہ عقیقہ کرنا مکروہ ہے اور وجیز میں اس کی اباحت کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ کار ثواب نہیں ہے۔

ہمارے نزدیک عقیقہ کو قربانی سے منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ ہجرت کے پہلے سال قربانی مشروع ہوگئی تھی۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام کیا اور قربانی کرتے رہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ (جامع ترمذی ص ۲۲۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اگر قربانی سے عقیقہ منسوخ ہوگیا تھا تو قربانی مشروع ہونے کے بعد عقیقہ نہیں ہونا چاہئے تھا حالانکہ ہجرت کے پہلے سال سے قربانی مشروع ہوگئی تھی اور تین ہجری کو حسن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت) اور چار ہجری کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ (اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۸ مطبوعہ بیروت) اور رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کا عقیقہ کیا۔ اگر قربانی کے بعد عقیقہ منسوخ ہوگیا ہوتا تو آپ ان کا عقیقہ نہ کرتے اور آپ کے وصال کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر نے اپنے بچوں کا عقیقہ کیا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنے بچوں کا عقیقہ کیا۔ عروہ بن الزبیر نے اپنے بچوں کا عقیقہ کیا۔ حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ عقیقہ کے قائل تھے۔ بہ کثرت احادیث صحیحہ میں آپ نے عقیقہ کا حکم دیا اور متعدد صحابہ کرام اور فقہاء تابعین عقیقہ کو سنت قرار دیتے تھے۔ امام مالک' امام شافعی اور امام احمد بھی بالاتفاق عقیقہ کے سنت ہونے کے قائل ہیں اور جس چیز کا سنت ہونا اتنی کثیر احادیث سے ثابت ہو وہ مکروہ یا مباح کیسے ہوسکتی ہے۔

امام احمد رضا کا احادیث کو اقوال فقہاء پر مقدم رکھنا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۴۰ھ بلند پایہ محقق تھے وہ اندھی تقلید سے بہت بلند تھے' اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو اقوال فقہاء پر مقدم رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام فقہاء احناف نے عقیقہ کرنے کو مکروہ یا مباح لکھا لیکن امام احمد رضا نے رسول اللہ ﷺ کی احادیث کے پیش نظر عقیقہ کو سنت لکھا فرماتے ہیں :

عقیقہ ولادت کے ساتویں روز سنت ہے اور یہی افضل ہے ورنہ چودھویں' اکیسویں دن' اور خصی جانور عقیقہ اور قربانی میں افضل ہے اور عقیقہ کا گوشت آباء واجداد بھی کھا سکتے ہیں۔ مثل قربانی اس میں بھی تین حصہ کرنا مستحب ہے اور اس کی ہڈی توڑنے کی ممانعت میں علماء متفاولا "نہ توڑنا بہتر جانتے ہیں۔ پسر کے عقیقہ میں دو جانور درکار ہیں اور یہی کافی ہے اگرچہ خصی نہ ہو۔

نیز فرماتے ہیں :

باپ اگر حاضر اور ذبح پر قادر ہو تو اسی کا ذبح کرنا بہتر ہے کہ یہ شکر نعمت ہے جس پر نعمت ہوئی وہی اپنے ہاتھ سے شکر ادا کرے وہ نہ ہو یا ذبح نہ کر سکے تو دوسرے کو قائم کرے یا کیا جائے اور جو ذبح کرے وہی دعا پڑھے۔ عقیقہ پسر میں کہ باپ ذبح کرے دعا یوں پڑھے :

اللھم ھذہ عقیقۃ ابنی فلان (فلاں کی جگہ بیٹے کا نام لے) دمھا بدمہ و لحمھا بلحمہ و عظمھا بعظمہ و جلدھا بجلدہ و شعرھا بشعرہ اللھم اجعلھا فداء لابنی من النار بسم اللہ اللہ اکبر۔

فلاں کی جگہ پسر کا جو نام رکھنا ہو لے۔ دختر ہو تو دونوں جگہ ابنی کی جگہ بنتی اور پانچوں جگہ ہ کی جگہ ہا کہے اور دوسرا شخص ذبح کرے تو دونوں جگہ ابنی فلاں یا بنتی فلاں کی جگہ فلاں بن فلاں یا فلانہ بنت فلاں کہے، بچہ کو اس کے باپ کی طرف نسبت کرے۔ ہڈیاں توڑنے میں حرج نہیں اور نہ توڑنا بہتر اور دفن کر دینا افضل۔ عقیقہ ساتویں دن افضل ہے نہ ہو سکے تو چودھویں ورنہ اکیسویں۔ ورنہ زندگی بھر میں جب کبھی ہو۔ وقت دن کا ہو رات کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔ کم سے کم ایک تو ہے ہی اور پسر کے لئے دو افضل ہیں، استطاعت نہ ہو تو ایک بھی کافی ہے۔ گوشت بنانے کی اجرت داموں میں مجرا کر سکتا ہے۔ سری پائے خود کھائے خواہ اقرباء یا مساکین جسے چاہے خواہ سب حجام یا سب سقا کو دے دے۔ شرع مطہر نے ان کا کوئی خاص حق مقرر نہ فرمایا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۸ ص ۵۴۲-۵۴۱، مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

نذر کے بعض احکام اور ماں کی اولاد پر ولایت

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں :

عمران کی بیوی حنّہ نے اپنے پیٹ کے بچہ کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کرنے کی جو نذر مانی تھی اس طرح کی نذر ماننا ہماری شریعت میں بھی صحیح ہے، مثلاً انسان یہ نذر مانے کہ وہ اپنے چھوٹے بیٹے کی پرورش اور تربیت اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت میں کرائے گا اور اس کے سوا اس کو اور کسی کام میں مشغول نہیں رکھے گا، اور اس کو قرآن مجید، احادیث، فقہ اور دیگر علوم دینیہ کی تعلیم دے گا، یہ نذر صحیح ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی عبادت ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نذر سے کوئی چیز واجب ہو جاتی ہے اور جس عبادت کی نذر مانی جائے اس کا پورا کرنا واجب ہے اور یہ کہ نذر پورا کرنے کا تعلق مستقبل کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ کہ کسی مجہول چیز کی نذر ماننا جائز ہے کیونکہ حنہ نے اپنے پیٹ کے بچہ کی نذر مانی تھی اور ان کو معلوم نہیں تھا کہ لڑکا ہو گا یا لڑکی۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ماں کو بھی اپنی اولاد پر ایک قسم کی ولایت حاصل ہوتی ہے اور وہ اس کی تادیب، تعلیم اور تربیت کا حق رکھتی ہے اگر وہ اس کی مالک نہ ہوتی تو اپنی اولاد میں اس کی نذر نہ مانتی، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ماں کو بھی بچہ کا نام رکھنے کا حق ہے اور اس کا رکھا ہوا نام صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو اس کے رب نے اس کو اچھی طرح قبول کرلیا یعنی حنہ نے مریم کو بیت المقدس کی عبادت کے لئے وقف کرنے کی جو اخلاص کے ساتھ نذر مانی تھی اس کو قبول کرلیا۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۱۱، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو اس کے رب نے اس کو اچھی طرح قبول فرما لیا اور اس کو عمدہ پرورش کے ساتھ پروان چڑھایا۔ (آل عمران : ۳۷)

امام ابن جریر طبری نے اپنی سند کے ساتھ ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو عبادت گاہ کی خدمت کے لئے وقف کئے جانے کو قبول فرمالیا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۶۲ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت '۱۴۰۹ھ)

حضرت مریم کی عمدہ پرورش کے متعلق امام رازی نے نقل کیا ہے کہ ایک دن میں حضرت مریم کی نشوونما اتنی ہوتی تھی جتنی عام بچوں کی ایک سال میں ہوتی ہے اور دین داری میں بھی ان کی تربیت بہت اچھی تھی وہ بہت زیادہ نیک کام کرتی تھیں۔ پاکباز رہتی تھیں اور عبادت کرتی تھیں۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور زکریا کو اس کا کفیل بنایا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی سوانح

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

زکریا بن حنا اور زکریا بن دان بھی کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے زکریا بن ادن بن مسلم بن صدوف۔ ان کا نسب حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام تک پہنچتا ہے۔ یہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والد ہیں۔ یہ بنی اسرائیل سے ہیں۔ بثینہ نام کی دمشق کی ایک بستی میں اپنے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ڈھونڈنے گئے تھے اور ایک قول یہ ہے کہ جس وقت ان کے بیٹے یحییٰ کو قتل کیا گیا تو یہ دمشق میں تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت زکریا نجار (بڑھئی) تھے۔

مورخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے والد زکریا بن دان ان انبیاء علیہم السلام کے بیٹوں میں سے تھے جو بیت المقدس میں وحی لکھتے تھے' اور عمران بن ماثان حضرت مریم کے والد تھے اور بنو اسرائیل کے بادشاہوں کے بیٹوں میں سے تھے اور حضرت سلیمان کی اولاد تھے۔ (الکامل لابن اثیر ج ۱ ص ۲۹۸' البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۵۶ ایضاً)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا بنو اسرائیل کے انبیاء کے بیٹوں سے یا ان کی نسل اور ان کی جنس سے کسی نہ کسی کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے دیگر کاموں اور ذمہ داریوں سے الگ کرکے وقف کردیا جاتا تھا اور حضرت زکریا نے حضرت مریم بنت عمران کی بہن سے شادی کی تھی اور وہ حضرت یحییٰ کی ماں تھیں' اور حضرت مریم بنت عمران آل داؤد سے تھیں' جو یہودا ابن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کے نواسے تھے۔

مکحول نے کہا حضرت زکریا اور عمران نے دو بہنوں سے شادی کی تھی حضرت یحییٰ کی ماں حضرت زکریا کے نکاح میں تھیں اور حضرت مریم کی ماں عمران کے نکاح میں تھیں۔ وہ جب اولاد سے مایوس ہوگئیں تو ان کے ہاں مریم پیدا ہوئیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے حضرت زکریا نے رات کو اپنے رب سے چپکے چپکے دعا کی اور کہا اے میرے رب میری ہڈی کمزور ہوگئی ہے اور میرا سر سفید ہوگیا ہے' اے میرے رب تو نے اس سے پہلے میری دعا کو کبھی مسترد نہیں کیا اس لئے میری اس دعا کو بھی مسترد نہ کرنا' اور مجھے اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے خوف ہے (کہ کہیں وہ میرے بعد دین میں فتنہ نہ پیدا کریں) اور میری بیوی بانجھ ہے' تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما دے جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے اور اے میرے رب اس کو (اپنا) پسندیدہ بنا۔ (مریم: ۶-۳)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں: حضرت زکریا اور ان کی بیوی دونوں بوڑھے ہوچکے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی سو جس وقت وہ محراب میں نماز پڑھ رہے تھے جس جگہ قربانی کو ذبح کیا جاتا ہے تو ایک سفید پوش شخص آئے یہ

حضرت جبرئیل تھے انہوں نے کہا اے زکریا! اللہ آپ کو ایک لڑکے کی بشارت دیتا ہے جس کا نام یحییٰ ہے ہم نے اس سے پہلے کوئی اس کا ہم نام نہیں بنایا۔ (مریم : ۷)

پھر وہ (یحییٰ) اللہ کی طرف سے ایک کلمہ (حضرت عیسیٰ) کی تصدیق کرنے والے ہوں گے (آل عمران : ۳۹) یعنی حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے ہوں گے' پھر فرمایا کہ یحییٰ سید اور حصور ہوں گے یعنی حلیم ہوں گے اور عورتوں سے اجتناب کرنے والے ہوں گے۔

یزید بن ابی منصور بیان کرتے ہیں کہ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام بیت المقدس میں داخل ہوئے تو دیکھا وہاں عبادت گزاروں نے موٹے کپڑے اور اونی ٹوپیاں پہنی ہوئی ہیں' اور مجتہدین نے اپنے آپ کو بیت المقدس کے کونوں میں زنجیروں سے باندھ رکھا ہے جب انہوں نے یہ منظر دیکھا تو اپنے ماں باپ کی طرف لوٹے راستہ میں بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا انہوں نے کہا اے یحییٰ آؤ ہمارے ساتھ کھیلو حضرت یحییٰ نے کہا میں کھیلنے کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ وہ اپنے ماں باپ کے پاس گئے اور کہا کہ ان کے بھی اونی کپڑے بنا دیں انہوں نے بنا دیئے اور وہ بیت المقدس کی طرف چلے گئے وہ دن کو اس کی خدمت کرتے اور رات کو عبادت کرتے' حتیٰ کہ پندرہ برس گزر گئے پھر ان پر خوف کا غلبہ ہوا اور وہ جنگلوں اور غاروں کی طرف نکل گئے۔ حضرت یحییٰ کے ماں باپ ان کی طلب میں نکلے تو ان کو بحیرہ اردن کے پاس غاروں میں دیکھا وہ ایک کھاڑی کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پیر پانی میں ڈوبے ہوئے تھے' قریب تھا کہ وہ پیاس سے ہلاک ہو جاتے اور وہ یہ کہہ رہے تھے کہ اللہ! تیری عزت کی قسم میں اس وقت تک پانی نہیں پیوں گا جب تک کہ مجھے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ تیرے نزدیک میرا مقام کیا ہے۔ ان کے ماں باپ کے پاس جو کی روٹی اور پانی تھا انہوں نے ان سے کھانے اور پینے کے لئے کہا انہوں نے قسم کا کفارہ دیا اور ماں باپ کا کہا مان لیا اور ماں باپ ان کو بیت المقدس واپس لے آئے۔ حضرت یحییٰ جب نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ شجر و حجر بھی ان کے ساتھ رونے لگتے' ان کے رونے کی وجہ سے حضرت زکریا بھی روتے حتیٰ کہ بے ہوش ہو جاتے۔ حضرت یحییٰ اسی طرح روتے رہے حتیٰ کہ آنسوؤں نے ان کے رخساروں کو جلا دیا اور ان کی داڑھیں نظر آنے لگیں جن پر ان کی والدہ نے روئی کا نمدہ رکھا۔ وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت زکریا بھاگے اور ایک کھوکھلے درخت میں داخل ہو گئے اس درخت پر آرا رکھ کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے۔ جب ان کی پشت پر آرا چلنے لگا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی اے زکریا! تم رونا بند کرو ورنہ میں تمام روئے زمین کو اس کے رہنے والوں سمیت پلٹ دوں گا۔ پھر حضرت زکریا خاموش ہو گئے اور ان کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ شب معراج آسمان پر رسول اللہ ﷺ کی حضرت زکریا سے ملاقات ہوئی' آپ نے ان کو سلام کر کے فرمایا اے ابو یحییٰ مجھے اپنے قتل کئے جانے کی کیفیت کی خبر دیجئے اور آپ کو بنو اسرائیل نے کیوں قتل کیا تھا۔ انہوں نے کہا اے محمد! میں آپ کو بتاتا ہوں' یحییٰ اپنے زمانے کے سب سے نیک آدمی تھے اور سب سے زیادہ حسین و جمیل تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے سیدا و حصورا! اور ان کو عورتوں کی ضرورت نہیں تھی بنو اسرائیل کے ایک بادشاہ کی عورت ان پر فریفتہ ہو گئی' وہ بدکار تھی' اس نے ان کو بلوایا۔ اللہ نے ان کو محفوظ رکھا۔ یحییٰ نے اس کے پاس جانے سے انکار کر دیا۔ اس نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ان کی ہر سال عید ہوتی تھی اور بادشاہ کی عادت یہ تھی کہ وہ وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا تھا اور نہ جھوٹ بولتا تھا' بادشاہ عید کے دن باہر نکلا اس کی عورت

نے اس کو رخصت کیا' بادشاہ کو اس پر تعجب ہوا کیوں کہ اس سے پہلے وہ اس کو رخصت نہیں کرتی تھی بادشاہ نے کہا سوال کرو! تم نے جب بھی کسی چیز کا سوال کیا ہے میں نے تم کو وہ چیز عطا کی ہے اس نے کہا میں یحییٰ بن زکریا کا خون چاہتی ہوں۔ بادشاہ نے کہا کچھ اور مانگ لو۔ اس نے کہا مجھے یہی چاہئے۔ بادشاہ نے کہا وہ تمہیں مل جائے گا۔ اس عورت نے یحییٰ کے پاس ایک سپاہی بھیجا وہ اس وقت محراب میں نماز پڑھ رہے تھے اور میں ان کی ایک جانب نماز پڑھ رہا تھا۔ ان کو ذبح کردیا گیا اور ان کا سر اور خون ایک طشت میں رکھ کر اس عورت کو پیش کیا گیا۔ نبی ﷺ نے پوچھا آپ کے صبر کی کیا کیفیت تھی فرمایا میں نے اپنی نماز نہیں توڑی۔ جب حضرت یحییٰ کا سر اس عورت کے سامنے پیش کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس بادشاہ' اس کے گھر والوں اور تمام درباریوں کو زمین میں دھنسا دیا۔ جب صبح ہوئی تو بنو اسرائیل نے کہا زکریا کا خدا زکریا کی وجہ سے غضب میں آگیا۔ آؤ ہم اپنے بادشاہ کی وجہ سے غضب میں آئیں اور زکریا کو قتل کردیں' وہ مجھے قتل کرنے کے لئے ڈھونڈنے نکلے میں ان سے بھاگا۔ ابلیس ان کی قیادت کررہا تھا اور میری طرف رہنمائی کررہا تھا۔ جب مجھے یہ خطرہ ہوا کہ میں ان کو باز نہیں رکھ سکوں گا تو میں نے اپنے آپ کو ایک درخت پر پیش کیا درخت نے آواز دی میری طرف آؤ۔ میری طرف آؤ۔ وہ درخت شق ہوگیا' اور میں اس میں داخل ہوگیا' میں جب درخت میں داخل ہوا تو میری چادر کا ایک پلو باہر رہ گیا تھا اور درخت جڑ گیا تھا۔ ابلیس نے اس چادر کے پلو کو پکڑ لیا اور کہا کیا تم دیکھتے نہیں وہ اس درخت میں داخل ہوگیا ہے اور یہ اس کی چادر کا پلو ہے! وہ اپنے جادو کے زور سے اس درخت میں داخل ہوگیا ہے انہوں نے کہا ہم اس درخت کو جلا دیتے ہیں' اس نے کہا اس کو آری سے کاٹ کر دو ٹکڑے کردو تو مجھے آری کے ساتھ کاٹ کر دو ٹکڑے کردیا گیا۔ نبی ﷺ نے پوچھا اے زکریا! کیا آپ نے کوئی درد اور تکلیف محسوس کی۔ حضرت زکریا نے کہا نہیں وہ تکلیف اس درخت نے محسوس کی اللہ تعالیٰ نے میری روح اس درخت میں منتقل کردی تھی۔

وہب بن منبہ سے ایک روایت یہ ہے کہ جس نبی کے لئے درخت شق ہوا تھا اور وہ اس میں داخل ہوئے تھے وہ حضرت عیسیٰ سے پہلے اشعیاء نام کے نبی تھے اور حضرت زکریا نے طبعی موت پائی تھی۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۹ ص ۵۱ - ۴۵ ملخصا" مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)

حضرت زکریا کا حضرت مریم کی کفالت کرنا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت مریم پیدا ہوئیں تو ان کی ماں نے ان کو ایک کپڑے میں لپیٹا اور ان کو کاہن بن عمران کے بیٹے کے پاس لے گئیں جو اس زمانہ میں بیت المقدس کے دربان تھے اور ان سے کہا اس نذر میں مانی ہوئی لڑکی کو سنبھالو یہ میری بیٹی ہے میں نے اس کو اپنی ذمہ داری اور اپنی ولایت سے آزاد کردیا۔ عبادت گاہ میں حائض داخل نہیں ہوسکتی تھی اور میں اس کو اپنے گھر نہیں لے جاؤں گی۔ انہوں نے کہا یہ ہمارے امام کی بیٹی ہے اور عمران ان کو نمازیں پڑھاتے تھے اور ان کی قربانیوں کے منتظم تھے۔ حضرت زکریا نے کہا یہ لڑکی مجھے دے دو کیونکہ اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے۔ باقی لوگوں نے کہا ہم اس فیصلہ پر خوش نہیں ہیں یہ ہمارے امام کی بیٹی ہے' پھر انہوں نے حضرت مریم کی پرورش کے لئے قلموں کے ساتھ قرعہ اندازی کی۔ یہ وہ قلم تھے جن کے ساتھ وہ تورات لکھتے تھے۔ حضرت زکریا کے نام کا قرعہ نکل آیا اور انہوں نے حضرت مریم کی کفالت کی۔ سدی کی روایت میں ہے کہ وہ لوگ دریا اردن میں گئے اور جن قلموں سے

تورات لکھتے تھے وہ دریا میں ڈال دیئے کہ جس کا قلم پانی میں سیدھا کھڑا رہے گا وہ حضرت مریم کی پرورش کرے گا۔ باقی تمام لوگوں کے قلم پانی میں بہہ گئے اور حضرت زکریا کا قلم پانی میں اس طرح کھڑا رہا جس طرح زمین میں نیزہ گاڑ دیتے ہیں۔ تب انہوں نے حضرت مریم کو لے لیا اور ان کی کفالت کی۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۶۴۔ ۱۶۳، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب بھی زکریا اس کے پاس اس کی عبادت کے حجرے میں داخل ہوتے تو اس کے پاس تازہ رزق (موجود) پاتے، انہوں نے کہا: اے مریم! یہ رزق کہاں سے آیا؟ مریم نے کہا یہ (رزق) اللہ کے پاس سے آیا ہے بے شک اللہ جسے چاہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ (آل عمران: ۳۷)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ حضرت زکریا حضرت مریم کے پاس سردیوں میں گرمیوں کے، اور گرمیوں میں سردیوں کے پھل دیکھتے تھے مجاہد نے بیان کیا ہے وہ ان کے پاس بے موسمی انگور دیکھتے تھے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۶۵، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

محمد بن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت مریم کی ماں کے فوت ہونے کے بعد حضرت زکریا نے حضرت مریم کو ان کی خالہ حضرت یحییٰ کی ماں کی تحویل میں دے دیا۔ حتیٰ کہ جب وہ بلوغت کو پہنچ گئیں تو ان کی ماں کی نذر کے مطابق ان کو عبادت گاہ میں پہنچا دیا۔ وہ وہاں پلتی بڑھتی رہیں۔ پھر بنو اسرائیل تنگی اور قحط سالی کا شکار ہو گئے اور حضرت زکریا کو ان کی پرورش کرنے میں ضعف لاحق ہوا، انہوں نے بنو اسرائیل سے کہا تم کو معلوم ہے کہ اب میں اس کی پرورش سے عاجز ہو رہا ہوں۔ انہوں نے کہا آپ جن مصائب کا شکار ہیں وہ ہمیں بھی درپیش ہیں وہ ایک دوسرے پر یہ ذمہ داری ڈالنے لگے اور ان کے لئے پرورش کے سوا کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ انہوں نے پھر قرعہ اندازی کی اور اس دفعہ جریج نام کے ایک شخص کا قرعہ نکلا حضرت مریم نے جب جریج کے چہرہ پر پریشانی کے آثار دیکھے تو فرمایا۔ اے جریج اللہ سے حسن ظن رکھو وہ ہم دونوں کو رزق عطا فرمائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت مریم کی برکت سے جریج کو غیر معمولی رزق عطا فرمانے لگا۔ حضرت زکریا نے جب رزق کی یہ فراوانی دیکھی تو پوچھا اے مریم! یہ رزق کہاں سے آیا، حضرت مریم نے کہا اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے، اور محراب کا معنی ہے مجلس میں سب سے مشرف مقام۔ جائے صدارت اور محفل میں مقدم جگہ۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۶۶، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ

اس جگہ زکریا نے اپنے رب سے دعا کی کہا اے میرے رب! مجھے اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد

ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿٣٨﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ

عطا فرما، بیشک تو ہی دعا سننے والا ہے ○ تو جس وقت وہ عبادت کے حجرے میں

قَآئِمٌ یُّصَلِّیْ فِی الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ بِیَحْیٰی مُصَدِّقًۢا

کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے فرشتوں نے انھیں پکار کر کہا کہ (اے زکریا) بیشک اللہ آپ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے، جو

بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۳۹﴾

(عیسیٰ) کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے، سردار اور عورتوں سے بہت بچنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے اور ہمارے نیک بندوں میں سے ہوں گے

قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِیَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِیْ

انھوں نے کہا اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری بیوی بانجھ

عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ

ہے۔ فرمایا اسی طرح (ہوتا ہے) اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ○ (زکریا نے) کہا اے میرے رب! میرے

لِّیْۤ اٰیَةً ؕ قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ

لیے کوئی علامت مقرر کر دیجیے، فرمایا تمھاری علامت یہ ہے کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا لوگوں سے کوئی بات نہ کر سکو گے

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِیْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع

اور اپنے رب کا بہ کثرت ذکر کرو اور اس کی پاکیزگی شام کو اور صبح کے وقت بیان کرو ○

حضرت زکریا علیہ السلام کے اولاد کی دعا کرنے کا سبب

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سدی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت زکریا نے حضرت مریم کا حال دیکھا کہ ان کے پاس گرمیوں میں سردیوں کے اور سردیوں میں گرمیوں کے پھل آتے ہیں تو ان کا ذہن اس طرف متوجہ ہوا کہ میرا رب جو بے موسم کے پھل دینے پر قادر ہے وہ ضرور اس بات پر قادر ہے کہ مجھے بے موسم کی یعنی بڑھاپے میں اولاد عطا فرمائے۔ تب وہ اللہ تعالیٰ سے اولاد کی دعا کرنے پر راغب ہوئے، انہوں نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی پھر چپکے چپکے اپنے رب سے دعا کی: اے رب میری ہڈی کمزور ہو چکی ہے اور میرا سر سفید ہو گیا ہے اور میں کبھی تجھ سے دعا کر کے نامراد نہیں ہوا اور مجھے اپنے بعد اپنے وارثوں سے (دین میں فتنہ ڈالنے کا) خوف ہے اور میری بیوی بانجھ ہے تو مجھے اپنی طرف سے ایک وارث عطا فرما جو میرا وارث بنے اور آل یعقوب کا وارث بنے اور اے میرے رب اس کو اپنا پسندیدہ بنا۔

بعض علماء اس آیت میں یہ نکتہ آفرینی کرتے ہیں کہ حضرت زکریا نے حضرت مریم کے پاس جا کر دعا کی تو ان کی دعا قبول ہوئی اور ان کے ہاں اولاد ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا کی قبولیت کے لئے ولی کی بارگاہ میں جانا پڑتا ہے اور جب نبی

کے لئے بھی ولی کے پاس جائے بغیر چارہ نہیں تو عام آدمیوں کا کیا ذکر ہے' اور اس آیت سے وہ نبی پر ولی کی فضیلت ثابت کرتے ہیں اور یہ فکر محض گمراہی ہے' حضرت زکریا کا دعا کرنا محض اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے حضرت مریم کے پاس بے موسم کے پھل دیکھے اور تب ان کا ذہن اس بات کی طرف متوجہ ہوا کہ میرا رب جب بے موسم کے پھل دے سکتا ہے تو بے موسم کی اولاد بھی دے سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو جس وقت وہ عبادت کے حجرے میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے فرشتوں نے انہیں پکار کر کہا اے زکریا! بے شک اللہ آپ کو یحییٰ کی خوش خبری دیتا ہے جو (عیسیٰ) کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے' سردار' اور عورتوں سے بہت بچنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے اور نیک بندوں میں سے ہوں گے۔ (آل عمران : ۳۹)

ظاہر یہ ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت نے آ کر حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ کی ولادت کی نوید سنائی اور جمہور نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ ندا کرنے والے حضرت جبرائیل تھے اور چونکہ حضرت جبرائیل جماعت ملائکہ کے رئیس ہیں اس لئے ان کو ملائکہ سے تعبیر فرمایا۔ یا اس وجہ سے کہ حضرت جبرائیل تمام ملائکہ کی صفات جمیلہ کے جامع ہیں۔

نمازی کو ندا کرنے کی بحث

بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص نماز پڑھ رہا ہو اس کو ندا کرنا اور اس سے کلام کرنا جائز ہے' لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہاں پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں نے یا حضرت جبریل علیہ السلام نے ندا کی اور ان سے کلام کیا اور اس پر عام آدمیوں کے کلام کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں یہ شریعت سابقہ ہے ہماری شریعت میں نماز میں کلام کرنا ممنوع ہے۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہوئے باتیں کیا کرتے تھے' ایک نمازی اپنے ساتھ کھڑے ہوئے شخص سے باتیں کرتا رہتا تھا۔ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہو گئی : وقوموا للہ قانتین (البقرہ : ۲۳۸) اور اللہ کے سامنے خاموشی اور ادب سے کھڑے رہو۔ پھر ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور باتیں کرنے سے منع کر دیا گیا۔ (جامع ترمذی ص ۸۵' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں صلوٰۃ بمعنی دعا بھی ہو سکتی ہے یعنی حضرت زکریا اس وقت دعا کر رہے تھے۔ واضح رہے کہ فرض نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کے بلانے پر جانا جائز نہیں ہے' کیونکہ آپ کے بلانے پر جانے اور آپ سے باتیں کرنے سے نماز میں کوئی فرق نہیں پڑتا' اور نفل نماز میں ماں کے بلانے پر چلا جائے اور اس نفل نماز کو دوبارہ پڑھ لے اور باپ کے بلانے پر نفل نماز میں بھی جانا جائز نہیں ہے اس کی تفصیل اور تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم جلد سابع میں کی ہے۔

محراب میں نماز پڑھنے کی بحث

اس آیت میں مذکور ہے حضرت زکریا محراب میں نماز پڑھ رہے تھے علامہ ابوالحیان اندلسی نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ اس سے منع کرتے ہیں۔

(البحر المحیط ج ۳ ص ۱۲۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابوالحیان اندلسی کا استدلال کئی وجہ سے صحیح نہیں ہے اول اس لئے کہ امام ابوحنیفہ مطلقاً" محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کو مکروہ نہیں کہتے بلکہ جماعت سے نماز پڑھاتے وقت امام کے محراب میں کھڑے ہونے کو مکروہ کہتے ہیں

کیونکہ عبادت میں امام کی مخصوص جگہ نصاریٰ کی عبادت کے مشابہ ہے' اور وہ یہاں ثابت نہیں ہے کہ حضرت زکریا اس وقت لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے جبکہ یہاں صلوٰۃ بمعنی دعا کا بھی احتمال ہے' تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں محراب کا معنی ہے عبادت کا حجرہ' اور امام ابو حنیفہ نے اس معروف محراب میں کھڑے ہونے کو مکروہ کہا ہے جو مسجد کے وسط میں ایک مخصوص شکل سے بنائی جاتی ہے اور چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ شریعت سابقہ ہے ہم پر حجت نہیں ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ بکثرت احادیث میں نبی ﷺ نے عبادات میں یہود و نصاریٰ کی تشبیہ سے منع فرمایا ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی سوانح

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں :

حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی اور فرشتوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت دی' اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اے زکریا! ہم تمہیں ایک لڑکے کی خوشخبری سناتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے۔ ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا ○ زکریا نے کہا : اے میرے رب میرا لڑکا کہاں سے ہوگا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی وجہ سے سوکھ جانے کی حالت کو پہنچ گیا ہوں ○ فرمایا یوں ہی ہوگا' آپ کے رب نے فرمایا وہ میرے لئے آسان ہے اور اس سے پہلے میں تم کو پیدا کر چکا ہوں جب تم کچھ بھی نہ تھے ○ زکریا نے کہا اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دے فرمایا تمہاری نشانی یہ ہے کہ تم تین رات (دن) لوگوں سے بات نہ کر سکو گے حالانکہ تم تندرست ہوگے ○ تو وہ اپنے (ماننے والوں) لوگوں کے سامنے عبادت کے حجرہ سے باہر نکلے سو ان کی طرف اشارہ کیا کہ صبح اور شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو ○

(مریم : ۱۱-۷)

پھر حضرت یحییٰ کے پیدا ہونے کے بعد ان کی طرف یہ وحی کی :

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۙ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ۙ وَّبَرًّا ۢ بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ○ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ○ (مریم : ۱۵-۱۲)

اے یحییٰ! پوری قوت سے کتاب پکڑ لو اور ہم نے انہیں بچپن میں ہی نبوت دی ○ اور اپنے پاس سے نرم دلی اور پاکیزگی عطا فرمائی اور وہ نہایت متقی تھے ○ اور اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سرکش اور نافرمانی کرنے والے نہ تھے ○ اور ان پر سلام ہو ان کی پیدائش کے دن ان کی وفات کے دن اور جس دن وہ زندہ اٹھائے جائیں گے ○

ان تین اوقات میں سلام کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ ابن آدم پر یہ تین اوقات بہت سخت ہوتے ہیں ان اوقات میں وہ ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہوتا ہے حضرت عیسیٰ نے فرمایا تھا :

وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا (مریم : ۳۳)

اور مجھ پر سلام ہو میری ولادت کے دن اور میری وفات کے دن اور جس دن میں اٹھایا جاؤں گا

قتادہ نے حسن سے روایت کیا ہے کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی ملاقات ہوئی حضرت عیسیٰ نے حضرت یحییٰ سے فرمایا: آپ مجھ سے بہتر ہیں آپ میرے لئے استغفار کریں' حضرت یحییٰ نے کہا آپ مجھ سے بہتر ہیں آپ میرے لئے استغفار کریں۔ حضرت عیسیٰ نے کہا آپ مجھ سے بہتر ہیں کیونکہ میں نے اپنے اوپر خود سلام بھیجا ہے اور آپ پر

اللہ نے سلام بھیجا ہے' تو حضرت یحییٰ نے جان لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ہی فضیلت دی ہے۔ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر ابن آدم نے خطا کی ہے یا خطا کا ارادہ کیا ہے ماسوا یحییٰ بن زکریا کے' اور کسی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ کہے کہ میں یونس بن متی سے زیادہ افضل ہوں۔ اس حدیث کو امام ابن خزیمہ اور امام دار قطنی نے بھی روایت کیا ہے۔ ابن وہب نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ صحابہ کے پاس آئے تو وہ انبیاء علیہم السلام کی فضیلت کا ذکر کر رہے تھے' کسی نے کہا موسیٰ کلیم اللہ ہیں۔ کسی نے کہا عیسیٰ روح اللہ ہیں' کسی نے کہا ابراہیم خلیل اللہ ہیں۔ آپ نے فرمایا شہید کہاں ہے؟ شہید کہاں ہے؟ جو اون کے کپڑے پہنتے تھے اور درخت کے پتے کھاتے تھے اور گناہوں سے ڈرتے تھے' اور حافظ ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن یحییٰ بن زکریا کے سوا ہر شخص اللہ تعالیٰ سے کسی نہ کسی (نوع کے) گناہ کے ساتھ ملاقات کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو سید اور حصور فرمایا ہے پھر انہوں نے زمین سے کوئی چیز اٹھا کر کہا ان کے پاس بس اتنی چیز تھی پھر ان کو ذبح کر دیا گیا۔

امام احمد اپنی سند کے ساتھ حضرت حارث اشعری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا کو پانچ چیزوں پر عمل کرنے اور بنو اسرائیل کو ان کی تبلیغ کرنے کا حکم دیا۔ قریب تھا کہ حضرت یحییٰ اس میں تاخیر کرتے کہ ایک دن حضرت عیسیٰ نے ان سے کہا آپ کو پانچ چیزوں پر عمل کرنے اور بنو اسرائیل کو ان کی تبلیغ کرنے کا حکم دیا تھا یا آپ انہیں تبلیغ کریں یا پھر میں تبلیغ کرتا ہوں۔ حضرت یحییٰ نے کہا اے بھائی! مجھے ڈر ہے کہ اگر تم نے مجھ سے پہلے ان کلمات کی تبلیغ کر دی تو مجھے عذاب ہو گا یا مجھ کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ پھر حضرت یحییٰ نے بیت المقدس میں بنو اسرائیل کو جمع کیا اور کہا مجھے اللہ تعالیٰ نے پانچ باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو بھی ان پانچ چیزوں کی تعلیم دوں۔ ان میں سے پہلی بات یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے خالص مال سے سونے یا چاندی کے بدلہ ایک غلام خریدے اور وہ غلام اپنے مالک کے سوا کسی اور کی خدمت کرے اور مالک کی آمدنی کسی اور شخص تک پہنچائے۔ تم میں سے کون شخص پسند کرے گا کہ اس کا غلام ایسا ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا اور تم کو رزق دیا تو تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی اور کو بالکل شریک نہ کرو۔ جب تک بندہ اللہ کی طرف متوجہ رہتا ہے اللہ بھی اس کی طرف متوجہ رہتا ہے اس لئے جب تم نماز پڑھو تو ادھر ادھر توجہ نہ کرو' اور اللہ نے تمہیں روزے رکھنے کا حکم دیا اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی کے پاس لوگوں کی ایک جماعت میں مشک کی تھیلی ہو جس سے سب لوگوں کو مشک کی خوشبو آ رہی ہو' اور بے شک روزہ دار کے منہ کی خوشبو اللہ کو مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے' اور اللہ نے تمہیں صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کو اس کے دشمنوں نے قید کر لیا اور اس کی گردن کے ساتھ اس کے ہاتھ باندھ دیئے پھر وہ اس کی گردن اڑانے کے لئے آئے تو اس نے کہا تمہاری کیا رائے ہے میں تمہیں اپنی جان کا فدیہ دے دوں! پھر وہ اپنا تھوڑا اور زیادہ مال انہیں دے کر اپنی جان چھڑا لیتا ہے' اور میں تم کو اللہ کا بہ کثرت ذکر کرنے کا حکم دیتا ہوں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کو پکڑنے کے لئے اس کے پیچھے اس کا دشمن دوڑ رہا ہو تو وہ ایک مضبوط قلعے میں آ کر قلعہ بند ہو جائے اور جب کوئی شخص اللہ عزوجل کا ذکر کرتا ہے تو وہ ایک مضبوط قلعہ میں شیطان سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ حضرت حارث اشعری نے کہا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور

میں بھی تم کو پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جن کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے جماعت کے ساتھ رہنا' حکم سننا اور اطاعت کرنا' اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ کیونکہ جو شخص ایک بالشت بھی جماعت سے نکلا اس نے اپنے گلے سے اسلام کا پٹہ اتار دیا الا یہ کہ وہ واپس آ جائے' اور جس نے زمانہ جاہلیت کی چیخ وپکار کی اس نے جہنم سے مٹی ڈال لی۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! خواہ اس نے روزے رکھے ہوں اور نماز پڑھی ہو۔ آپ نے فرمایا خواہ اس نے روزے رکھے ہوں اور نماز پڑھی ہو اور مسلمان ہونے کا زعم کیا ہو۔ مسلمانوں کو مسلمان کہہ کر بلاؤ کیونکہ اللہ عزوجل نے اللہ کے بندوں کو مسلمان اور مومن کہا ہے۔ اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ' امام ترمذی' امام ابو داؤد طیالسی' امام ابن ماجہ' امام حاکم اور امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔

مورخین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت یحییٰ لوگوں سے الگ رہتے تھے۔ وہ جنگلوں سے مانوس تھے۔ درختوں کے پتے کھاتے۔ دریاؤں کا پانی پیتے۔ کبھی کبھی ٹڈیوں کو کھا لیتے اور کہتے تھے اے یحییٰ! تم سے زیادہ انعام یافتہ کون ہو گا۔ امام ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ ان کے ماں باپ انہیں ڈھونڈنے نکلے تو وہ دریا اردن کے پاس ملے ان کی عبادت اور ان میں اللہ کا خوف دیکھ کر وہ بہت روئے۔ مجاہد نے ذکر کیا ہے کہ یحییٰ بن زکریا ہری ہری گھاس کھاتے تھے اور خوف خدا سے بہت روتے تھے۔ وہیب بن ورد بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت زکریا سے ان کے بیٹے یحییٰ گم ہو گئے وہ تین دن ان کو ڈھونڈتے پھرے بالآخر وہ کھودی ہوئی قبر میں ملے وہاں بیٹھے ہوئے خوف خدا سے رو رہے تھے' انہوں نے کہا اے بیٹے! میں تم کو تین دن سے ڈھونڈ رہا ہوں اور تم یہاں قبر میں بیٹھے ہوئے رو رہے ہو! حضرت یحییٰ نے کہا اے میرے ابو! کیا آپ ہی نے مجھے یہ خبر نہیں دی تھی کہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک جنگل ہے جس کو صرف رونے والوں کے آنسوؤں سے ہی طے کیا جا سکتا ہے۔ امام ابن عساکر نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ حضرت یحییٰ نے کہا اہل جنت جنت کی نعمتوں کی لذت کی وجہ سے نہیں سوتے' سو اسی طرح صدیقین کو چاہیے کہ ان کے دلوں میں جو اللہ کی محبت ہے اس کی وجہ سے نہ سوئیں پھر فرمایا ان دونوں نعمتوں میں کتنا فرق ہے۔ وہ بہت زیادہ روتے تھے حتیٰ کہ مسلسل آنسو بہنے کی وجہ سے ان کے رخساروں میں نشان پڑ گئے تھے۔

حضرت یحییٰ کے قتل کے کئی اسباب ذکر کیے گئے ہیں کہ اس زمانہ میں دمشق کا ایک حکمران اپنی کسی محرم سے نکاح کرنا چاہتا تھا حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اس بادشاہ کو اس کام سے منع کیا' اس وجہ سے اس عورت کے دل میں حضرت یحییٰ کے خلاف بغض پیدا ہو گیا جب اس عورت اور بادشاہ کے درمیان شناسائی پیدا ہو گئی تو اس عورت نے بادشاہ سے حضرت یحییٰ کے قتل کا مطالبہ کیا۔ بادشاہ نے حضرت یحییٰ کو قتل کر کے ان کا سر اس عورت کے سامنے پیش کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ عورت بھی اسی ساعت مر گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ اس بادشاہ کی عورت حضرت یحییٰ پر فریفتہ ہو گئی اس نے حضرت یحییٰ سے اپنی مقصد بر آری چاہی' حضرت یحییٰ نے انکار کیا جب وہ حضرت یحییٰ سے مایوس ہو گئی تو اس نے بادشاہ کو حضرت یحییٰ کے قتل پر تیار کیا اور بادشاہ نے کسی کو بھیج کر حضرت یحییٰ کو قتل کرایا اور ان کا سر مبارک کاٹ کر ایک طشت میں اس عورت کو پیش کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۵۴۔ ۴۷' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۳ھ)

حضرت یحییٰ کے قتل کا جو پہلا سبب لکھا ہے موجودہ انجیل میں بھی اس کی تصدیق ہے:

کیونکہ ہیرودیس نے آپ آدمی بھیج کر یوحنا کو پکڑوایا اور اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیرودیاس کے سبب سے اسے قید خانہ میں باندھ رکھا تھا کیونکہ ہیرودیس نے اس سے نکاح کر لیا تھا○ اور یوحنا نے اس سے کہا تھا کہ اپنے بھائی کی بیوی رکھنا

تجھے روا نہیں ○ پس ہیرودیاس اس سے دشمنی رکھتی اور چاہتی تھی کہ اسے قتل کرائے مگر نہ ہو سکا ○ کیونکہ ہیرودیس یوحنا کو راستباز اور مقدس آدمی جان کر اس سے ڈرتا اور اسے بچائے رکھتا تھا اور اس کی باتیں سن کر بہت حیران ہو جاتا تھا مگر سنتا خوشی سے تھا ○ اور موقع کے دن جب ہیرودیس نے اپنے امیروں اور فوجی سرداروں اور گلیل کے رئیسوں کی ضیافت کی ○ اور اسی ہیرودیاس کی بیٹی اندر آئی اور ناچ کر ہیرودیس اور اس کے مہمانوں کو خوش کیا تو بادشاہ نے اس لڑکی سے کہا جو چاہے مجھ سے مانگ میں تجھے دوں گا ○ اور اس سے قسم کھائی کہ جو تو مجھ سے مانگے گی اپنی آدھی سلطنت تک تجھے دوں گا ○ اور اس نے باہر جا کر اپنی ماں سے کہا کہ میں کیا مانگوں؟ اس نے کہا یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر ○ وہ فی الفور بادشاہ کے پاس جلدی سے اندر آئی اور اس سے عرض کی کہ میں چاہتی ہوں کہ تو یوحنا بپتسمہ دینے والے کا سر ایک تھال میں ابھی مجھے منگوا دے ○ بادشاہ بہت غمگین ہوا مگر اپنی قسموں اور مہمانوں کے سبب اس سے انکار نہ کرنا چاہا ○ پس بادشاہ نے فی الفور ایک سپاہی کو حکم دے کر بھیجا کہ اس کا سر لائے۔ اس نے قید خانہ میں جا کر اس کا سر کاٹا ○ اور ایک تھال میں لا کر لڑکی کو دیا اور لڑکی نے اپنی ماں کو دیا ○ پھر اس کے شاگرد سن کر آئے اور اس کی لاش اٹھا کر قبر میں رکھی ○

(مرقس: باب: ۶، آیت ۲۹-۱۸، نیا عہد نامہ ص ۴۰-۳۹، مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ آپ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے جو (عیسیٰ) کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔ سردار اور عورتوں سے بہت بچنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے اور ہمارے نیک بندوں میں سے ہوں گے۔

(آل عمران: ۳۹)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنا

یحییٰ کے معنی ہیں زندہ ہوتا ہے یا زندہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام یحییٰ رکھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کے ساتھ زندہ رکھا۔ یا وہ کلمہ حق کہنے کی پاداش میں قتل کئے جانے کے بعد ہمیشہ کے لئے زندہ ہوگئے۔ امام ابو جعفر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت زکریا کی بیوی نے حضرت مریم سے کہا میں محسوس کرتی ہوں کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ تمہارے پیٹ کے بچہ کے لئے حرکت کرتا ہے، پھر حضرت زکریا کی بیوی کے ہاں حضرت یحییٰ پیدا ہوئے اور حضرت مریم کے ہاں حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے اور حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ کے مصدق تھے اس لئے اس آیت میں فرمایا ہے جو کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ خالہ زاد بھائی تھے اور حضرت یحییٰ کی والدہ حضرت مریم سے کہتی تھیں کہ میں محسوس کرتی ہوں جو میرے پیٹ میں ہے وہ اس کو سجدہ کرتا ہے جو تمہارے پیٹ میں ہے۔ حضرت یحییٰ نے اپنی ماں کے پیٹ میں حضرت عیسیٰ کو سجدہ کر کے ان کی تصدیق کی وہ سب سے پہلے حضرت عیسیٰ کی تصدیق کرنے والے تھے، حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ سے عمر میں بڑے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کو سید فرمایا ہے اس کا معنی ہے وہ علم اور عبادت میں سردار تھے۔ قتادہ نے کہا وہ علم، حلم اور تقویٰ میں سردار تھے۔ مجاہد نے کہا سید کا معنی ہے جو اللہ کے نزدیک کریم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کو حصور بھی فرمایا ہے، حصور کا معنی ہے جو عورتوں سے خواہش پوری نہ کرتا ہو۔ حضرت ابن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن یحییٰ بن زکریا کے سوا ہر آدمی کا کوئی نہ کوئی گناہ ہو گا۔ الحدیث۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۱۷۴' ۱۷۶' مطبوعہ بیروت)

حضرت یحییٰ کا عورتوں کی خواہش پوری نہ کرنا اپنی پاکبازی کی وجہ سے تھا کسی عجز کی وجہ سے نہ تھا' انبیاء کرام ہر قسم کے عیب سے منزہ ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (زکریا نے) کہا اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کس طرح ہو گا حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے فرمایا اسی طرح (ہوتا ہے) اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ○

حضرت یحییٰ کی ولادت کو حضرت زکریا کے مستبعد سمجھنے کی توجیہہ

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ حضرت زکریا نے اپنے ہاں بیٹے کو کیوں اس قدر مستبعد سمجھا حالانکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک نہیں تھا بلکہ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ آیا اللہ تعالیٰ ان کے بڑھاپے کو زائل کر کے ان کو جوانی عطا فرمائے گا اور ان کی بیوی کے بانجھ پن کو دور فرمائے گا پھر بیٹا ہو گا یا ان کی اسی حالت کے باوجود اللہ تعالیٰ ان کو بیٹا عطا فرمائے گا' دوسرا جواب یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی نعمت سے مایوس ہو پھر اچانک اس کو اس نعمت کے ملنے کی خوشخبری مل جائے تو وہ خوشی سے از خود رفتہ ہو جاتا ہے اور وہ کہتا ہے یہ کس طرح ہو گا؟ تیسرا جواب یہ ہے کہ انسان کو جب غیر متوقع طور پر کسی نعمت کے ملنے کی خوشخبری ملتی ہے تو وہ اس کے متعلق بار بار سوال کرتا ہے تاکہ جواب میں پھر اس نعمت کے دیئے جانے کی خوش خبری دی جائے اور اس خبر کی تاکید اور تقریر ہو اور اسے سن کر اسے مزید اطمینان اور شرح صدر حاصل ہو' چوتھا جواب یہ ہے کہ ان کے دعا کرنے کے ساٹھ سال بعد یہ بشارت دی گئی حتیٰ کہ بشارت کے وقت وہ اپنی دعا کو بھول چکے تھے' پھر جب انہوں نے سخت بڑھاپے کی حالت میں یہ خوش خبری سنی تو فطری طور پر انہوں نے یہ سوال کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (زکریا نے) کہا اے میرے رب! میرے لئے کوئی علامت مقرر کر دیجئے فرمایا تمہاری علامت یہ ہے کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا لوگوں سے کوئی بات نہ کر سکو گے اور اپنے رب کا ذکر اور اسکی پاکیزگی شام کو اور صبح کے وقت بیان کرو۔

تین دن کے لئے حضرت زکریا کی زبان بند کرنے کے فوائد اور حکمتیں

حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹے کی ولادت کی خوش خبری اور اپنی دعا کی قبولیت سے غیر معمولی خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اس قدر انعام اور اکرام فرمایا اس لئے انہوں نے یہ چاہا کہ اس کی کوئی علامت مقرر کر دی جائے جو استقرار حمل پر دلالت کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ علامت مقرر کر دی کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا لوگوں سے بات نہیں کر سکو گے۔ اس آیت میں تین دنوں کا ذکر ہے اور سورہ مریم میں تین راتوں کا ذکر ہے اور ان دونوں آیتوں سے یہ معلوم ہوا کہ یہ علامت تین دن اور تین راتیں حاصل رہی تھی۔ اس علامت کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان کو تین دن اور تین راتوں تک لوگوں سے بات کرنے سے روک دیا تھا اس کا ایک فائدہ یہ تھا کہ ان کی زبان کا بند ہو جانا استقرار نطفہ کی علامت بن گیا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ دنیاوی امور میں باتیں کرنے سے اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان کو بند کر دیا اور تسبیح' تہلیل اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے پر ان کی زبان کو قدرت دے دی۔ اس طرح یہ ایک چیز استقرار حمل کی علامت بھی بن گئی اور اس نعمت پر

شکر ادا کرنے کا ذریعہ بھی بن گئی' تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس سے حضرت زکریا علیہ السلام کا معجزہ ظاہر ہوا کہ وہ لوگوں سے بات تو نہیں کر سکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی تسبیح' تہلیل اور ذکر کر سکتے تھے اور چونکہ ان کو پہلے بتا دیا گیا تھا کہ استقرار حمل کے وقت تمہاری زبان بند ہو جائے گی حالانکہ ان کا بدن صحیح و سلامت تھا اور پھر بعد میں ایسا ہی ہوا تو یہ ایک اور وجہ سے معجزہ ہے۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے استقرار حمل کی علامت یہ بیان فرمائی کہ جب استقرار حمل ہو گا تو تمہیں یہ حکم دیا جائے گا کہ تم لوگوں سے تین دن تین راتیں بات نہ کرو اور تسبیح' تہلیل' اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کا شکر ادا کرتے رہو اور لوگوں سے بات کرنے کی اگر ضرورت پیش آئے تو اشاروں سے بات کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس حکم کا آنا استقرار حمل کی علامت ہو گا۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم لوگوں سے صرف رمزی بات کر سکو گے' رمز کا معنی ہے حرکت کرنا اور یہاں رمز سے مراد ہے اشارہ کرنا' خواہ اشارہ ہاتھ سے ہو' سر سے ہو' بھوں سے ہو' آنکھ سے ہو یا ہونٹ سے ہو' نیز اس آیت میں فرمایا ہے اپنے رب کا بہ کثرت ذکر کرو اور شام کے وقت اور صبح کو اس کی تسبیح کرو' اس پر یہ سوال ہے کہ ذکر کے بعد تسبیح کا ذکر کیوں فرمایا جبکہ تسبیح کرنا بھی ذکر ہی ہے۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ ذکر سے مراد ہے زبان کے ساتھ ذکر کرنا اور صبح اور شام کی تسبیح سے مراد ہے قلب کے ساتھ ذکر کرنا' کیونکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں مستغرق ہوتے ہیں پہلے وہ بہ کثرت زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں پھر جب اللہ کے ذکر کے نور سے ان کا قلب منور ہو جاتا ہے تو پھر ان کا قلب ذاکر ہو جاتا ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ شام کے وقت اور صبح کو اس کی تسبیح سے مراد ہے شام اور صبح کو نماز پڑھنا کیونکہ نماز تسبیح پر مشتمل ہے اور تسبیح نماز کا جز ہے تو یہاں کل پر جز کا اطلاق ہے' قرآن مجید میں ایک اور جگہ بھی نماز پر تسبیح کا اطلاق ہے:

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ۔ (الروم : ۱۷)

اللہ کے لئے نماز پڑھو جب تم شام کا وقت پاؤ اور جب تم صبح کا وقت پاؤ

نیز شام اور صبح کے وقت نماز پڑھنا اس آیت کے موافق ہے :

اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ (ھود : ۱۱۴)

دن کے دونوں کناروں میں نماز قائم رکھو۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ

اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم بیشک اللہ نے تمہیں منتخب کر لیا اور تمہیں پاک کر دیا اور تمہیں تمام جہان

وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ

کی عورتوں پر برگزیدگی دی ○ اے مریم اپنے رب کی فرمانبرداری کرو

وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ

اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ○ یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن کی ہم

نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ

آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں۔ اور آپ (اس وقت) ان کے پاس نہ تھے جب وہ (قرعہ اندازی) کے لیے اپنے قلموں کو ڈال رہے

يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۖ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿۴۴﴾

تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے گا اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے ○

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر فرمایا تھا جنہوں نے حضرت مریم کی کفالت اور پرورش کی تھی اور اب اس آیت میں خود حضرت مریم کا ذکر فرمایا ہے جن کی انہوں نے پرورش کی تھی۔ اس آیت میں فرمایا ہے جب فرشتوں نے کہا اے مریم! یہاں فرشتوں سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں اور ان کو فرشتوں کی جماعت سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کہ ان میں تمام فرشتوں کے کمالات موجود ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ سورہ مریم میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی بجائے حضرت جبرائیل کا ذکر فرمایا ہے:

فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (مریم : ۱۷)

تو ہم نے ان کی طرف اپنے فرشتے (جبرائیل) کو بھیجا تو وہ مریم کے سامنے مکمل بشر کی صورت میں آیا۔

زیر بحث آیت میں حضرت مریم کے فضائل

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کو حضرت مریم کی طرف بھیجا اور ان کی طرف وحی نازل کی۔ اس سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حضرت مریم نبیہ تھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کو صرف مردوں کے لئے مخصوص رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِي إِلَيْهِم مِّنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ (یوسف : ۱۰۹)

اور ہم نے آپ سے پہلے (بھی) مردوں کے سوا اور کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے جو بستیوں کے رہنے والے تھے۔

اس لئے حضرت مریم کی طرف حضرت جبرائیل کا آنا حضرت مریم کی کرامت اور ولایت کی دلیل ہے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارہاص اور حضرت زکریا علیہ السلام کا معجزہ بھی ہو سکتا ہے۔

اس آیت میں حضرت مریم کی تین فضیلتیں ذکر فرمائی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا اصطفاء کیا (ان کو چن لیا۔ منتخب کرلیا) ان کی تطہیر کی اور ان کا تمام جہانوں کی عورتوں پر اصطفاء کیا (تمام جہانوں کی عورتوں میں سے چن لیا اور ان پر فضیلت دی) سو اس آیت میں دو مرتبہ ان کو چن لینے کا ذکر ہے اور دونوں کا معنی الگ الگ ہے۔

پہلے اصطفاء کا معنی یہ ہے کہ عورت ہونے کے باوجود حضرت مریم کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے قبول کر لیا گیا' ان کے علاوہ اور کسی عورت کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے قبول نہیں کیا گیا' حضرت مریم کی پرورش کے دوران ان کے لئے جنت سے بے موسم کے پھل آتے تھے اور حضرت مریم نے بالمشافہ حضرت جبریل کا کلام سنا۔

حضرت مریم کی تطہیر کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو کفر اور معصیت کی آلودگی سے پاک رکھا۔ اسی

طرح ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی ازواج کے متعلق فرمایا :

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا (الاحزاب : ۳۳) اے رسول کے گھر والو! اللہ یہی ارادہ فرماتا ہے کہ تم کو ہر قسم کی ناپاکی سے دور رکھے اور تمہیں پاک رکھے اور خوب پاکیزہ رکھے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو مردوں کے چھونے سے پاک رکھا' نیز حضرت مریم کو حیض سے پاک رکھا۔ یہ فضیلت حضرت سیدتنا فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کو بھی حاصل تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی حیض سے پاک رکھا۔ علامہ ابن حجر ہیتمی نے لکھا ہے کہ امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری بیٹی آدمیوں میں حور ہے اس کو حیض اور نفاس نہیں آتا اس کا نام فاطمہ اس لئے ہے کہ اللہ نے اس کو نار سے الگ کر دیا۔

(الصواعق المحرقہ ص ۱۶۰' مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ مصر ۱۳۸۵ھ)

نیز اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو بری عادتوں اور برے کاموں سے پاک رکھا اور یہودیوں نے حضرت مریم پر بدکاری کی جو تہمت لگائی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کی تہمت اور بہتان سے حضرت مریم کو پاک اور بری کر دیا۔

دوسرے اصطفاء کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو تمام جہانوں کی عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ بغیر باپ کے اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی کلام کیا اپنی نبوت کا اعلان فرمایا اور اپنی ماں کی برات اور پاک دامنی بیان فرمائی۔

حضرت مریم کی فضیلت میں احادیث

امام ابو عبد الرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مردوں میں بہت کامل ہیں عورتوں میں صرف عمران کی بیٹی مریم اور فرعون کی بیوی آسیہ کامل ہوئی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا عورتوں میں سب سے نیک مریم بنت عمران ہیں اور عورتوں میں سب سے نیک خدیجہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد ہیں اور فاطمہ بنت محمد ﷺ ہیں اور مریم بنت عمران ہیں اور فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم ہیں۔

(سنن کبریٰ ج ۵ ص ۹۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۱ھ)

حافظ سیوطی لکھتے ہیں :

امام احمد' امام ترمذی تصحیح سند کے ساتھ' امام ابن حبان اور امام حاکم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام جہانوں کی عورتوں سے تمہیں یہ کافی ہیں : مریم بنت عمران' خدیجہ بنت خویلد' فاطمہ بنت محمد ﷺ اور فرعون کی بیوی آسیہ۔

امام ابن جریر نے حضرت عمار بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کی عورتوں پر خدیجہ کو اس طرح فضیلت دی گئی ہے جس طرح مریم کو تمام جہان کی عورتوں پر فضیلت دی گئی ہے۔

امام ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کی

عورتوں کی سردار مریم بنت عمران ہیں' پھر فاطمہ ہیں' پھر خدیجہ ہیں' پھر فرعون کی بیوی آسیہ ہیں۔

امام ابن عساکر نے ایک اور سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جہان کی سردار چار عورتیں ہیں۔ مریم بنت عمران' آسیہ بنت مزاحم' خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد ﷺ اور ان میں سب سے افضل فاطمہ ہیں۔

امام ابن ابی شیبہ نے عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مریم بنت عمران' فرعون کی بیوی آسیہ اور خدیجہ بنت خویلد کے بعد تمام جہانوں کی سردار فاطمہ ہیں۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲ص ۳۳٣'مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے مریم اپنے رب کی فرمانبرداری کرو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ (آل عمران : ۴۳)

زیر بحث آیت میں سجدہ کے ذکر کو رکوع کے ذکر پر مقدم کرنے کی توجیہات

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم پر اپنے مخصوص انعامات کا ذکر فرمایا تھا۔ اس آیت میں ان انعامات پر شکر ادا کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس آیت پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ نماز میں پہلے رکوع ہے اور پھر سجدہ ہے اس لئے بہ ظاہر پہلے رکوع اور پھر سجدہ کا ذکر کرنا چاہئے تھا جبکہ اس آیت میں اس کے برعکس پہلے سجدہ اور پھر رکوع کا ذکر ہے اس کی کیا توجیہ ہے' علماء اسلام نے اس کی متعدد توجیہات بیان کی ہیں بعض ازاں یہ ہیں :

(۱) نماز سے مقصود اللہ کے سامنے عاجزی پیش کرنا اور ذلت کا اظہار کرنا ہے اور سجدہ میں انتہائی عاجزی اور ذلت کا اظہار ہے کیونکہ سجدہ میں انسان اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ دیتا ہے اور اپنے جسم کے مکرم اور مشرف عضو کو اس جگہ رکھ دیتا ہے جو لوگوں کے پیروں تلے آتی ہے اور چونکہ نماز کا اہم مقصود سجدہ سے ادا ہوتا ہے اس لئے اس آیت میں پہلے سجدہ کا اور پھر رکوع کا ذکر فرمایا ہے۔

(۲) بندے کو اللہ تعالیٰ کا زیادہ قرب سجدہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

واسجدواقترب (العلق : ۱۹) سجدہ کرو اور (اللہ سے مزید) قریب ہو جاؤ

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بندہ کو اللہ کا سب سے زیادہ قرب اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ سجدہ کر رہا ہو۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۱'مطبوعہ کراچی)

معدان بن ابی طلحہ بیان کرتے ہیں کہ میری ملاقات رسول اللہ ﷺ کے غلام حضرت ثوبان سے ہوئی' میں نے کہا مجھے ایسا عمل بتلایئے جس پر عمل کرنے کی وجہ سے اللہ مجھے جنت میں داخل کردے یا میں نے کہا جو عمل اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہو وہ مجھے بتلایئے۔ آپ خاموش ہوگئے میں نے پھر سوال کیا آپ پھر خاموش ہوگئے میں نے تیسری بار سوال کیا تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا تھا آپ نے فرمایا تم اللہ کے لئے بکثرت سجدے کرو' کیونکہ جب تم اللہ کے لئے ایک سجدہ کرتے ہو تو اللہ اس سے تمہارے ایک درجہ کو بلند کرتا ہے اور تمہارے ایک گناہ کو مٹا دیتا ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس آیت اور ان احادیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ وہ عمل ہے جو بندہ کو خدا کے قریب کرتا ہے اور یہ اللہ کے نزدیک محبوب عمل ہے اس لئے اس آیت میں سجدہ کو رکوع پر مقدم کیا گیا ہے۔

(۳) احادیث میں نماز کو سجدہ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عروہ بن الزبیر سے فرمایا کہ اے میرے بھانجے! نبی ﷺ نے کبھی میرے پاس عصر کے بعد دو سجدوں (دو رکعت نماز) کو ترک نہیں کیا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۳ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ ظہر سے پہلے دو سجدے (دو رکعت نماز) کئے اور ظہر کے بعد دو سجدے اور مغرب کے بعد دو سجدے اور عشاء کے بعد دو سجدے اور جمعہ کے بعد دو سجدے۔ رہی مغرب اور عشاء تو وہ آپ نے گھر میں پڑھی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۷۔۱۵۶ مطبوعہ کراچی) یعنی مغرب اور عشاء کے نفل۔

اور کسی چیز کو اس کے اعلیٰ اور اشرف جز کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے اور نماز کو سجدہ سے تعبیر کرنا اس بات کی علامت ہے کہ سجدہ نماز کے اجزا اور ارکان میں سے اعلیٰ اور اشرف رکن ہے اس لئے یہاں سجدہ کو رکوع پر مقدم کیا گیا ہے۔

(۴) علاوہ ازیں واو مطلقاً" جمع کے لئے آتی ہے اس کا تقاضا ترتیب نہیں ہے اس لئے آیت میں سجدہ کا پہلے مذکور ہونا اس کو مستلزم نہیں ہے کہ نماز میں بھی پہلے سجدہ ہو اور پھر رکوع ہو اور یہاں مقدم ذکر کرنے کی وہ وجوہ ہیں جو ہم نے ذکر کی ہیں اور جن آیات میں پہلے رکوع کا اور پھر سجدہ کا ذکر ہے وہ اصل کے مطابق ہے اور توجیہہ اس کی کی جاتی ہے جو خلاف ظاہر ہو۔

(۵) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت زکریا کی شریعت میں سجدہ رکوع سے پہلے ہو۔

(۶) اور یہ بھی احتمال ہے کہ سجدہ کرو سے مراد یہ ہو کہ تنہا نماز پڑھو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو اس سے مراد یہ ہو کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھو' اور انہیں یہ حکم دیا گیا ہو کہ بیت المقدس کے مجاورین کے ساتھ مل کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں اور ان میں مختلط نہ ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سجدہ کے حکم سے مراد نماز پڑھنا ہو اور رکوع کے حکم سے مراد خضوع و خشوع ہو۔

بچہ کی پرورش کرنے کے حقداروں کا بیان

حضرت مریم کی پرورش ان کی خالہ نے کی اس سے معلوم ہوا کہ دور کے رشتہ داروں میں پرورش کرنے کی زیادہ حقدار بچہ کی خالہ ہے' امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا خالہ بہ منزلہ ماں ہے۔

(جامع ترمذی ص ۲۸۳ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

نیز امام بخاری نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب نبی ﷺ صلح حدیبیہ کے بعد مکہ سے روانہ ہونے لگے تو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی عمارہ بھی اے چچا اے چچا کہتی ہوئی آپ کے ساتھ چل پڑی' حضرت علی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا اپنی چچازاد بہن کو لے لو۔ انہوں نے اس کو اٹھا لیا پھر اس کی پرورش کے

متعلق حضرت علی، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر میں نزاع ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس کا زیادہ حق دار ہوں یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ حضرت جعفر نے کہا یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے حضرت زید نے کہا یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کے حق میں فیصلہ کردیا اور فرمایا خالہ (پرورش کرنے میں) بہ منزلہ ماں ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۷۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی لکھتے ہیں:

جب خاوند اور بیوی میں تفریق ہو جائے تو ماں پرورش کی زیادہ حقدار ہے کیونکہ امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت نے کہا یا رسول اللہ میرے اس بیٹے کے لئے میرا پیٹ ظرف تھا اور میری گود خیمہ تھی اور میرا پستان ڈول تھا اور اب اس کا باپ اس کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تم کہیں شادی نہ کرو اس کی پرورش کی تم زیادہ حقدار ہو نیز ماں زیادہ شفیق ہوتی ہے اور پرورش کرنے پر زیادہ قادر ہوتی ہے اس لئے پرورش کرنے کے لئے وہ زیادہ مناسب ہے اور پرورش کا خرچ باپ پر ہو گا اور ماں کو پرورش کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اگر بچہ کی ماں نہ ہو تو دادی سے نانی اولیٰ ہے اور اگر نانی نہ ہو تو بہنوں سے دادی اولیٰ ہے، اور اگر دادی نہ ہو تو پھوپھی اور خالہ سے بہنیں اولیٰ ہیں، اور ایک قول یہ ہے کہ خالہ اولیٰ ہے کیونکہ امام ابوداؤد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ خالہ والدہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ ورفع ابویہ علی العرش (یوسف: ۱۰۰) حضرت یوسف نے اپنے ماں باپ کو عرش پر بٹھایا۔ اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ وہ ان کی خالہ اور ان کے والد تھے۔ پھر خالہ، پھوپھی سے اولیٰ ہے کیونکہ اس کی ماں کے ساتھ قرابت ہے اور اگر بچہ کی ماں کی طرف سے کوئی رشتہ دار نہ ہو اور مرد پرورش کرنے میں نزاع کریں تو ان میں سے جو باپ کا زیادہ قریب رشتہ دار ہو گا وہ پرورش کرے گا، ماں اور نانی بچہ کی پرورش کی اس وقت تک زیادہ حقدار ہیں جب تک کہ اگر وہ لڑکا ہو تو خود سے کھانے پینے اور کپڑے پہننے لگ جائے اور خود سے استنجاء کرنے لگے اور اگر لڑکی ہو تو اس کے بالغ ہونے تک ماں اور نانی کو پرورش کرنے کا حق ہے، کیونکہ عورتوں کی تربیت وہی کر سکتی ہیں اور اس کے بعد لڑکی کی حفاظت کی ضرورت ہو گی اور اس کی طاقت باپ زیادہ رکھتا ہے، اگر مطلقہ عورت بچہ کو لے کر کسی اور شہر جانا چاہے تو یہ اس کے لئے جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں باپ کو ضرر ہے ہاں اگر اپنے وطن لے جانا چاہے جس شہر میں اس کی شادی ہوئی تھی تو پھر جائز ہے۔ (ہدایہ اولین ص ۴۳۶۔ ۴۳۴ مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم بہت عبادت کرنے والی اور اللہ سے بہت ڈرنے والی اور اس کی فرمانبردار بندی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت مریم کے علاوہ اور کسی عورت کا نام نہیں لیا۔ اس میں ان گمراہ فرقوں کا لطیف رد ہے جو حضرت مریم کو اللہ کی بیوی کہتے تھے، کیونکہ معروف یہ ہے کہ لوگ باقی عورتوں کا نام لیتے ہیں اور اپنی بیوی کا نام نہیں لیتے۔ اس کا کنایتاً ذکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمام عورتوں کا کنایتاً نام لیا سوا حضرت مریم کے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی فرماتے ہیں اور آپ (اس وقت) ان کے پاس نہ تھے جب وہ (قرعہ اندازی) کے لئے اپنے قلموں کو ڈال رہے تھے اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑ رہے تھے ○ (آل عمران: ۴۴)

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل

ان آیات میں حضرت زکریا' حضرت یحیٰ علیہما السلام اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے گذشتہ واقعات کی خبردی گئی ہے اور یہ غیب کی وہ خبریں ہیں جن پر آپ ازخود مطلع تھے نہ آپ کی قوم کا کوئی اور فرد مطلع تھا' نہ آپ نے مکتب میں جاکر کسی سے ان کے متعلق کچھ سنا تھا نہ کسی کتاب میں پڑھا تھا۔ اور نہ ہی آپ ان کے زمانہ میں موجود تھے کہ آپ نے ان واقعات کا مشاہدہ کرلیا ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی چیز کے علم کا ذریعہ اس چیز کا مشاہدہ کرنا ہے یا اس چیز کے متعلق پڑھنا ہے یا اس کے متعلق کسی سے کچھ سننا ہے اور یہ تینوں ذرائع منتفی تھے تو ثابت ہوگیا کہ آپ نے ان گذشتہ واقعات کی جو صحیح صحیح خبریں بیان کی ہیں ان کے علم کا ذریعہ صرف اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی وحی تھی' اور اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کے ذریعہ وحی نازل کرکے آپ کو ان واقعات سے باخبر کیا اور آپ پر وحی نازل کرنے کا ثبوت آپ کی نبوت کا ثبوت ہے۔ سو مشرکین اور اہل کتاب دونوں کے نزدیک آپ کی نبوت ثابت ہوگی کیونکہ آپ کے بیان کردہ واقعات ان کی کتابوں میں لکھے ہوئے واقعات کے مطابق تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعات اور حالات سے بھی آپ کو وحی سے مطلع فرمایا اور یہ تمام واقعات اہل کتاب کی کتابوں میں مذکور تھے اور سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ امی تھے آپ نے کسی انسان سے پڑھے یا سنے بغیر یہ تمام واقعات بیان فرمائے یہ بھی آپ پر وحی نازل ہونے اور آپ کی نبوت کا ثبوت ہے' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان واقعات کو بیان کرکے فرمایا:

تِلْکَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْکَ ۚ مَا کُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ (ھود: ۴۹)

یہ غیب کی بعض خبریں ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں نہ آپ (ازخود) انہیں جانتے تھے اور نہ اس سے پہلے آپ کی قوم کے لوگ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات سے آپ کو مطلع فرمایا اور اس کے بعد فرمایا:

وَمَا کُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ اِذْ قَضَیْنَآ اِلٰی مُوْسَی الْاَمْرَ وَمَا کُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ (القصص: ۴۴)

اور آپ طور کی جانب غربی میں موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو رسالت کا حکم بھیجا اور اس وقت آپ حاضرین میں سے نہ تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کا بیان

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام نبیوں کے احوال سے آپ کو مطلع فرمایا اور یہ اطلاع صرف وحی کے ذریعہ حاصل ہوئی اور وحی کا ثبوت آپ کی نبوت کا ثبوت ہے نیز ان آیات میں یہ بھی تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپ کو علم غیب عطا فرمایا ہے۔ ہم نے "یؤمنون بالغیب" کی تفسیر میں علم غیب پر تفصیل سے بحث کی ہے خلاصہ یہ ہے کہ یہ عقیدہ رکھنا اور یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے غیوب میں سے بعض کا علم عطا فرمایا ہے لیکن آپ کو عالم الغیب کہنا صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح مطلقاً" یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ آپ کو غیب کا علم ہے' امام احمد رضا قادری نے میر سید شریف سے نقل کیا ہے کہ جب علم غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے متبادر ذاتی ہوتا ہے۔ (الملفوظ ج ۳ ص ۷۴' مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور) ہاں یہ کہنا درست ہے کہ آپ کو غیب کا علم دیا گیا ہے یا آپ غیب پر مطلع کئے گئے ہیں' قرآن مجید کی جن آیات میں آپ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے ان کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے بتلائے بغیر یا اس کی وحی کے بغیر آپ ازخود غیب کو نہیں جانتے اور اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کی تعلیم سے ہر چیز آپ پر

منکشف ہوگئی اور آپ نے اس کو جان لیا' امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے میرے کندھوں کے درمیان اپنا دست قدرت رکھا میں نے اس کی انگلیوں کی پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس کی پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہوگئی اور میں نے اس کو جان لیا' امام ترمذی کہتے ہیں میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۶۶' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب' کراچی)

مذکور الصدر حدیث کو طابع نور محمد نے جامع ترمذی کے حاشیہ پر لکھ دیا ہے اور فاروقی کتب خانہ ملتان کے مطبوعہ نسخہ میں یہ حدیث اصل کے مطابق کتاب کے متن میں موجود ہے۔ (جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۵۶۔ ۱۵۵' مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان)

اسی طرح محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی کے مطبوعہ نسخہ میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔

(جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۷۸' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی)

اور تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی کے متن میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔

(تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی ج ۴ ص ۱۷۵' ۱۷۳ مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ

اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ تمہیں اپنی طرف سے ایک (خاص) کلمہ کی خوشخبری دیتا ہے

اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہے وہ دنیا اور آخرت میں معزز ہے

وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ

اور اللہ کے مقربین میں سے ہے ○ وہ لوگوں سے گہوارے میں بھی کلام کرے گا اور پختہ عمر میں بھی اور

الصّٰلِحِينَ ﴿۴۶﴾ قَالَتْ رَبِّ أَنّٰى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِي

نیکوں میں سے ہوگا ○ مریم نے کہا اے میرے رب میرے بچہ کیسے ہوگا؟ مجھے تو کسی آدمی نے مس تک

بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ إِذَا قَضٰى أَمْرًا

نہیں کیا، فرمایا اسی طرح (ہوتا ہے) اللہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے وہ جب کسی چیز کا فیصلہ فرما لیتا ہے

فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۴۷﴾

تو اسے فرماتا ہے "ہوجا" اور وہ فوراً ہو جاتی ہے ○

خلاصہ آیات اور وجہ ارتباط

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا' حضرت یحییٰ اور حضرت مریم کے احوال بیان فرمائے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قرابت دار تھے۔ اس تمہید کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احوال اور واقعات بیان فرمائے ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرما رہا ہے : اے رسول مکرم! اس وقت کو یاد کیجئے جب جبرائیل نے مریم سے کہا اللہ آپ کو عیسیٰ کی بشارت دیتا ہے جو اللہ کے صرف کلمہ "کن" سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس آیت میں اگرچہ ملائکہ کا لفظ ہے مگر اس سے مراد حضرت جبرائیل ہیں اور ان کو ملائکہ سے اس لئے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ وہ ملائکہ کی تمام صفات کمالیہ کے جامع ہیں' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا وہ اللہ کے نزدیک معزز اور مقربین میں سے ہیں اور وہ لوگوں سے پالنے میں بھی باتیں کریں گے اور پختہ عمر میں بھی باتیں کریں گے اور وہ اللہ کے نیک بندوں میں سے ہیں۔ حضرت مریم نے متعجب ہو کر کہا ان کے ہاں بچہ کیسے پیدا ہوگا ان کا تو خاوند ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا اس کے نزدیک بغیر باپ کے بچہ کو پیدا کرنا کوئی مستبعد اور تعجب خیز بات نہیں ہے اس نے ابتداءً آسمان اور زمین کو پیدا کیا' حوا کو بغیر عورت کے پیدا کیا اور حضرت آدم کو عورت اور مرد دونوں کے بغیر پیدا کیا۔ نیز اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کی پیدائش کا ذکر فرمایا تھا جن کو بوڑھے مرد اور بانجھ عورت سے پیدا کیا تھا یہ بھی عام معمول اور عادت کے خلاف پیدائش تھی اور اس وقت بھی یہی فرمایا تھا اسی طرح ہوتا ہے اللہ جو چاہے پیدا فرماتا ہے' اب اس سے بھی زیادہ معمول اور عادت کے خلاف پیدائش کی اور حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا فرمایا اور اس آیت میں بھی فرمایا اسی طرح ہوتا ہے اللہ جو چاہے پیدا فرماتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا کلمہ قرار دینے کی توجیہہ

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے اللہ تمہیں اپنی طرف سے ایک (خاص) کلمہ کی خوشخبری دیتا ہے۔ (آل عمران : ۴۵) ایک اور آیت میں فرمایا :

اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ ۚ مسیح عیسیٰ بن مریم محض اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے۔ (النساء : ۱۷۱)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : عیسیٰ اللہ کی (پسندیدہ) روح اور اس کا کلمہ ہیں۔

(جامع ترمذی ص ۵۲۰' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلمہ "کن" سے پیدا کئے گئے ہیں یوں تو اس کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے کلمہ "کن" سے پیدا کی گئی ہے لیکن ان چیزوں کے کچھ مادی اور ظاہری اسباب بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے لئے مٹی کا پتلا بنایا گیا۔ عام انسانوں کی پیدائش کے لئے مرد و زن کے اختلاط اور نطفہ کو ظاہری سبب بنایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر کسی ظاہری اور مادی سبب کے محض اللہ تعالیٰ کے کلمہ "کن" سے پیدا کیا گیا اس لئے آپ کو کلمۃ اللہ فرمایا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح عادل سلطان کو ظل اللہ اور نور اللہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سایہ رحمت اور اس کے نور کے ظہور کا سبب ہوتا ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ظہور کا سبب ہیں اور کلمہ "کن" کے تصرفات کے مظہر اور دلیل ہیں اس لئے ان کو کلمۃ اللہ فرمایا اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس حضرت عیسیٰ

علیہ السلام کے ظہور اور حدوث کا مبدء ہے اس لئے "کلمۃ" اور "کلمۃ منہ" فرمایا اور اپنی طرف اضافت فرمائی ہے اور یہاں "من" کا لفظ تبعیض اور جز عیت کے لئے نہیں ہے جیسا کہ بعض عیسائیوں کا گمان ہے، بعض عیسائی یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں بکلمۃ منہ (آل عمران ۴۵) مذکور ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کا جز ہیں اور یہ ان کے ابن اللہ ہونے کو مستلزم ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہاں "من" تبعیض کے لئے نہیں بلکہ ابتداء کے لئے ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی ابتداء بغیر باپ کے واسطے کے محض اللہ تعالیٰ کے کلمہ "کن" سے ہوئی ہے جس طرح قرآن مجید کی اس آیت میں ہے :

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (الجاثیہ : ۱۳). اور اس نے تمہارے نفع کے لئے مسخر کر دیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے تمام اس کی طرف سے ہیں۔

ظاہر ہے یہاں بھی لفظ "من" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزیں اللہ کا جز ہیں اور اس کے بیٹے ہیں بلکہ یہاں بھی لفظ "من" ابتداء کے لئے ہے یعنی سب چیزوں کے صدور کی ابتداء اللہ کی طرف سے ہوئی ہے اور اس نے ہر چیز کو کلمہ "کن" سے پیدا کیا لیکن ان سب چیزوں کو کلمۃ اللہ اس لئے نہیں فرمایا کہ ان چیزوں کو بعض ظاہری اور مادی واسطوں سے پیدا فرمایا ہے۔

مسیح کا معنی

مسیح اور عیسیٰ کے متعلق دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ عبرانی زبان کے لفظ ہیں، ابو عبیدہ اور لیث نے کہا مسیح عبرانی زبان میں مشیح تھا اور عربی زبان میں یہ مسیح ہو گیا۔ اور عیسیٰ اصل میں یشوع تھا جیسے کہا ہے کہ موسیٰ اصل میں موشی یا میشا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ عربی زبان کے الفاظ ہیں اور مشتق ہیں اکثر علماء کا اسی پر اتفاق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بیماروں کے اوپر ہاتھ پھیرتے (مسح کرتے) تو وہ تندرست ہو جاتے، احمد بن یحییٰ نے کہا آپ کو مسیح اس لئے کہا گیا کہ آپ بہت جلد قطع مسافت کر لیتے تھے۔ بعض علماء نے کہا کہ آپ یتیموں کے سر پر شفقت سے بہ کثرت ہاتھ پھیرتے تھے اس لئے آپ کو مسیح فرمایا۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ مسیح کا معنی رگڑنا اور مٹانا بھی ہے، چونکہ آپ کے مفروضہ گناہ رگڑ دیئے گئے تھے اس لئے آپ کو مسیح فرمایا، پانچویں وجہ یہ ہے کہ جس مبارک تیل کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کے جسموں پر مالش کی جاتی تھی اسی تیل کے ساتھ آپ کے جسم کی مالش کی گئی، علماء نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تیل کو انبیاء علیہم السلام کی علامت بنا دیا ہے۔ چھٹی وجہ یہ ہے کہ جس وقت وہ پیدا ہوئے ان کے جسم پر تیل کی مالش کی ہوئی تھی، ساتویں وجہ یہ ہے کہ جس وقت وہ پیدا ہوئے حضرت جبریل نے ان پر اپنے پروں کے ساتھ مسح کیا تاکہ وہ مس شیطان سے محفوظ رہیں یہ سات وجوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح کا لقب دینے کی ہیں، اور دجال لعین کو جو مسیح کہا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ممسوح العین ہو گا یعنی اس کی ایک آنکھ رگڑی ہوئی یا مٹی ہوئی ہو گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وجاہت کا بیان

حضرت عیسیٰ کو عیسیٰ بن مریم فرمایا اور ماں کی طرف ان کی نسبت کی ہے کیونکہ وہ بغیر باپ کے پیدا کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ دنیا اور آخرت میں وجیہہ ہوں گے وجیہہ اس شخص کو کہتے ہیں جس شخص کے لئے عزت، شرف اور

قدر و منزلت ہو' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف بنو اسرائیل نے ایک جسمانی عیب کی تہمت لگائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت کی اور ان کی وجاہت بیان فرمائی :

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ اٰذَوا مُوسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوا ۚ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيهًا۔

اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی تو اللہ نے موسیٰ کو ان کی تہمت سے بری فرما دیا اور وہ اللہ کے نزدیک معزز ہیں۔ (الاحزاب : ۶۹)

وجہ کا معنی ہے چہرہ۔ وجیہہ اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی نیکیوں اور مقبولیت کی وجہ سے سرخرو ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کئی وجوہ سے اللہ کے نزدیک دنیا اور آخرت میں سرخ رو ہیں' ایک یہ کہ وہ اللہ کے برگزیدہ نبی ہیں۔ دوسری وجہ ہے کہ وہ مستجاب الدعوات ہیں انکی دعا سے مردے زندہ ہو جاتے تھے اور مادر زاد اندھے بینا ہو جاتے تھے۔ اور برص والے تندرست ہو جاتے تھے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ یہود کی لگائی ہوئی تہمتوں سے دنیا میں بری ہوئے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ثواب جزیل کا وعدہ فرمایا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ مقربین میں سے ہیں اس میں یہ تنبیہہ ہے کہ جب انہیں پھانسی دی جائے گی تو اللہ تعالیٰ ان کو آسمانوں پر اٹھا لے گا' یہود اور نصاریٰ دونوں اس پر متفق تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پھانسی دی گئی اور صلیب پر چڑھا کر سولی دی گئی' اور جس شخص کو سولی دی جائے اس کو عیسائی لعنتی کہتے تھے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ کے متعلق بھی کتاب مقدس میں لکھا ہے :

مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔ (گلیتوں باب : ۳' آیت : ۱۳' نیا عہد نامہ ص ۱۸۰' مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور)

عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لعنتی کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک وہ دنیا اور آخرت میں معزز' قدر و منزلت والے اور مقربین میں سے ہیں۔ یہود اور عیسائی دونوں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ تہمت لگاتے تھے کہ ان کو سولی دی گئی' اسلام نے سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برات بیان کی اور یہ اعلان کیا کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ کسی اور شخص کو سولی دی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی نہیں دی گئی انہیں زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تھا۔

حضرت عیسیٰ کا پختہ عمر میں کلام کرنے کا معجزہ ہونا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ لوگوں سے پنگوڑے میں اور حالت کہل میں باتیں کریں گے اور نیکوں میں سے ہوں گے۔ (آل عمران : ۴۶)

"کہل" کا معنی ہے جب شباب پختہ اور تام ہو جائے اور یہ چالیس سے ساٹھ سال کی عمر کا زمانہ ہوتا ہے۔ اس آیت پر یہ سوال ہے کہ پنگوڑے میں باتیں کرنا تو قابل ذکر امر ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ پختہ عمر میں بات کرنا کون سی خصوصیت ہے جس کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ذکر کیا ہے' اس سوال کے متعدد جوابات ہیں : ایک یہ کہ اس آیت سے مقصود نجران کے عیسائی وفد کا رد کرنا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے مدعی تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ بچپن سے کہولت تک کا زمانہ گزاریں گے اور اس زمانہ میں ان پر جسمانی تغیرات آتے رہیں گے' اور خدا وہ ہوتا ہے جس پر کوئی تغیر اور تبدل نہ آسکے کیونکہ تغیر حدوث کو مستلزم ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تینتیس سال کی عمر میں آسمانوں پر اٹھا لیا گیا' پھر کئی ہزار سال بعد جب وہ آسمان سے اتریں گے تو وہ کہولت اور پختہ عمر کے

ہوں گے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے کہ کئی ہزار برس گزرنے کے بعد بھی چالیس سال کے ہوں گے' سو ان کا پنگوڑے میں باتیں کرنا بھی معجزہ ہے اور پختہ عمر میں باتیں کرنا بھی معجزہ ہے کیونکہ لیل ونہار کی گردش اور ہزاروں سال کا گذرنا ان کی جسمانی ساخت پر اثر انداز نہیں ہوا اور جس طرح پختہ عمر میں وہ اٹھائے گئے تھے آسمانوں سے اترنے کے بعد بھی وہ اسی طرح پختہ عمر کے ہوں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا میلاد

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور کتاب میں مریم کا ذکر کیجئے یعنی یہود' نصاریٰ اور مشرکین عرب میں حضرت عیسیٰ کے میلاد کو بیان کیجئے' جب مریم بیت المقدس سے نکل کر اس کی مشرقی جانب چلی گئیں' وہ ایسی جگہ چلی گئیں جہاں ان کے اور ان کی قوم کے درمیان ایک پہاڑ تھا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے پھر ہم نے ان کے پاس اپنی روح یعنی حضرت جبرائیل کو بھیجا وہ ان کے سامنے مکمل انسانی صورت میں آئے ان کا رنگ سفید تھا اور بال گھونگھریالے تھے' مریم نے جب ان کو اپنے سامنے دیکھا تو کہا۔ میں تم سے رحمٰن کی پناہ میں آتی ہوں اگر تم اس سے ڈرنے والے ہو تو' کیونکہ حضرت جبریل کی صورت اس شخص کے مشابہ تھی جس نے ان کے ساتھ ہی بیت المقدس میں پرورش پائی تھی وہ قوم بنی اسرائیل سے تھا اور اس کا نام یوسف تھا اور وہ بھی بیت المقدس کے خدام میں سے تھا' مریم کو خدشہ ہوا کہیں وہ شیطان کے ورغلانے سے تو نہیں آیا جبریل نے کہا میں تو محض تمہارے رب کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں تاکہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔ مریم نے کہا میرے ہاں لڑکا کیسے پیدا ہوگا مجھے تو کسی خاوند نے نہیں چھوا اور میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں۔ جبریل نے کہا اسی طرح ہوگا آپ کے رب پر یہ آسان ہے یعنی بغیر مرد کے پیدا کرنا کیونکہ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم اس کو لوگوں کے لئے (اپنی قدرت پر) نشانی بنائیں گے اور وہ ہماری طرف سے اس شخص کے لئے رحمت ہوگا جو اس کی تصدیق کرے گا' اور وہ لوگوں کو کتاب کی تعلیم دے گا یعنی اپنے ہاتھ سے کتاب لکھے گا اور حکمت کی یعنی سنت کی تعلیم دے گا' اور تورات اور انجیل کی تعلیم دے گا اور وہ بنو اسرائیل کی طرف رسول ہوگا اور میں اس کے ہاتھ سے اپنی نشانیاں اور عجیب وغریب امور کو ظاہر کروں گا' پھر مریم حضرت عیسیٰ سے حاملہ ہوگئیں' حضرت ابن عباس نے کہا جبریل علیہ السلام قریب آئے اور انہوں نے حضرت مریم کے گریبان میں پھونک ماری اور وہ پھونک حضرت مریم کے پیٹ میں چلی گئی اور اس سے مریم کو اسی طرح حمل ہوگیا جس طرح عورتوں کو حمل ہوتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی طرح پیدا ہوئے جس طرح عورتوں سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ (آل عمران: ۴۹-۴۸' مریم: ۲۲' مریم: ۱۷)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی روح ان روحوں میں سے تھی جن سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں میثاق لیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے بشر کی صورت میں حضرت مریم کے پاس جبریل علیہ السلام کو بھیجا پھر وہ اس روح سے حاملہ ہوگئیں۔

مجاہد روایت کرتے ہیں کہ حضرت مریم بیان کرتی ہیں کہ جب میں کسی سے بات کرتی تو حضرت عیسیٰ پیٹ میں تسبیح کرتے رہتے تھے اور جب میرے پاس کوئی نہیں ہوتا تھا تو وہ مجھ سے بات کرتے اور میں ان سے بات کرتی۔

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو بچپن میں بار

بار گویائی عطا فرمائی انہوں نے تین مرتبہ کلام کیا پھر وہ اس طرح بہ تدریج بالغ ہوگئے جس طرح بچے بالغ ہوتے ہیں جب وہ بچپن میں کلام کرتے تھے تو وہ اللہ کی اس طرح حمد کرتے کہ اس سے پہلے کانوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی حمد نہیں سنی تھی۔ وہ کہتے اے اللہ! تو قریب ہونے کے باوجود بہت بلند ہے تو اپنی مخلوق میں سے ہر چیز سے بلند ہے۔ تو اپنی ساری مخلوق کو دیکھتا ہے اور مخلوق تجھے دیکھنے کے لئے حیران ہے' تو نے ہی اندھیروں کو اپنے نور سے روشن کیا تو نے عرش کے ارکان کو منور کیا' کوئی شخص اپنی صفت سے تیری صفت تک نہیں پہنچ سکتا۔ اے اللہ تو برکت والا ہے' تو تمام مخلوق کا خالق ہے اور اپنی حکمت سے ہر چیز کی تقدیر بنانے والا ہے تو مخلوق کو ابتداء میں پیدا کرنے والا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی گویائی کو روک لیا حتیٰ کہ وہ بالغ ہوگئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کعبہ کا طواف کر رہا ہوں۔ اس وقت میں نے سیدھے بالوں والے گندمی رنگت کے ایک شخص کو دیکھا جس کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے' میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ ابن مریم ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے شب معراج کا واقعہ بیان کیا اور حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا حضرت ابراہیم سب سے زیادہ تمہارے پیغمبر کے مشابہ ہیں یا فرمایا ان کی اولاد میں سب سے زیادہ میں ان سے مشابہ ہوں' رہے موسیٰ تو وہ گندمی رنگ کے لمبے قد کے آدمی ہیں گویا کہ وہ قبیلہ شنوءہ سے ہیں اور رہے حضرت عیسیٰ تو وہ سرخ رنگ کے ہیں اور ان کا درمیانی قد ہے ان کے بال سیدھے ہیں اور ان کے چہرے پر تل زیادہ ہیں۔

جب ان کی عمر سات سال ہوئی تو ان کی ماں نے ان کو مکتب میں داخل کر دیا جب معلم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کوئی چیز بتاتا تو آپ اس کے بتانے سے پہلے اس کو جان لیتے تھے۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲۰ ص ۹۳۔۸۵' ملتقطا" مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اپنے بچپن میں بہت عجیب و غریب امور کا مشاہدہ کرتے تھے اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوتا تھا یہ بات یہود تک بھی پہنچ گئی اور بنو اسرائیل نے ان کو ضرر پہنچانے کا ارادہ کیا اور انکی والدہ کو ان کے متعلق خوف دامن گیر ہوا' تب اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ حضرت عیسیٰ کو لے کر مصر چلی جائیں' جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ۔ (المؤمنون: ۵۰)

اور ہم نے ان کو ایک اونچی ہموار زمین کی طرف پناہ دی جو بسنے کے لائق تھی اور اس میں چشمے جاری تھے۔

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیرہ سال کے ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مصر سے ایلیا (بیت المقدس کا شہر) جانے کا حکم دیا۔ ان کے ماموں زاد بھائی ان کو دراز گوش پر سوار کرا کر ایلیاء لائے اور انہوں نے وہیں پر اقامت کی' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر انجیل نازل کی اور ان کو تورات کا علم سکھایا اور انہیں مردے زندہ کرنے' بیماروں کو تندرست کرنے کے معجزات دیئے' اور لوگ جن چیزوں کو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ان کے غیوب کا علم دیا۔ لوگ ان کے آنے پر چہ میگوئیاں کرنے لگے' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں سے عجیب و غریب کاموں کے صدور

کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے حضرت عیسیٰ نے ان کو اللہ کی دعوت دی اور ان کا پیغام لوگوں میں پھیل گیا۔

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے یہ شہادت دی کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور لاریب محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور بے شک عیسیٰ' اللہ کے بندے ہیں اور اس کا وہ کلمہ ہیں جس کو اس نے مریم کی طرف القاء کیا اور اس کی طرف سے روح ہیں اور بے شک جنت حق ہے اور نار حق ہے تو وہ شخص خواہ کوئی عمل کرے اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲۰ ص ۹۵۔ ۹۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)

مائدہ کا نزول اور اس میں شک کرنے والوں پر عذاب آنا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے حواریوں سے کہا تم تیس دن کے روزے رکھو پھر تم اللہ سے جو دعا بھی کرو گے اللہ اس کو قبول فرمائے گا' انہوں نے تیس دن کے روزے رکھ لئے تو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمارے لئے آسمان سے دسترخوان نازل فرمائے۔ حضرت سلمان کی روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ نے بہت خشوع اور خضوع سے دعا کی اے اللہ! ہمارے رب! ہمارے اوپر آسمان سے دسترخوان نازل فرما جو ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لئے عید ہو جائے اور تیری نشانی ہو جائے اور تو ہمیں رزق عطا فرما تو سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ (المائدہ : ۱۱۴) سو دو اوپر تلے بادلوں کے درمیان ایک دسترخوان نازل ہوا لوگ اس کی طرف دیکھ رہے تھے' حضرت ابن عباس نے کہا فرشتے اس دسترخوان کو اٹھائے ہوئے تھے اس میں سات مچھلیاں اور سات روٹیاں تھیں تمام لوگوں نے اس سے سیر ہو کر کھالیا۔ حضرت سلمان نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی اے عیسیٰ یہ مائدہ ہے اس کے بعد تم میں سے جس نے کفر کیا تو میں اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ تمام جہانوں میں کسی کو ایسا عذاب نہیں دوں گا۔ (المائدہ : ۱۱۵) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس کی تبلیغ کر دی۔ حواریوں کو یہ خوف ہوا کہ کہیں اس مائدہ کا نزول اللہ کی ناراضگی کی وجہ سے تو نہیں ہے' پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھوکوں' لنجوں' اندھوں' کوڑھیوں اور دیوانوں کو بلایا اور فرمایا اپنے رب کے رزق' اپنے نبی کی دعا اور اپنے رب کی نشانی سے کھاؤ اس کی برکت تمہارے لئے ہوگی اور اس کی نحوست دوسروں کے لئے ہوگی' انہوں نے وہ کھانا کھایا اور وہ تیرہ سو مرد اور عورتیں اس کھانے سے سیر ہو گئے' حضرت عیسیٰ نے دسترخوان کی طرف دیکھا تو وہ پہلے کی طرح بھرا ہوا تھا۔ پھر وہ دسترخوان اوپر اٹھالیا گیا وہ اس کے سائے کو دیکھتے رہے حتیٰ کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا' جس فقیر نے بھی اس دسترخوان سے کھایا وہ تادم حیات کھانے سے مستغنی رہا اور جس بیمار نے بھی اس دسترخوان سے کھایا وہ تادم حیات صحت مند رہا' اس کے بعد حواری اور باقی سب لوگ نادم ہوئے' پھر دوبارہ جب مائدہ نازل ہوا تو امیر اور غریب مرد اور عورت بچے اور بوڑھے بیمار اور تندرست سب لوگ ہر جگہ سے اس مائدہ پر ٹوٹ پڑے حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی باریاں مقرر کر دیں' پھر ایک دن مائدہ نازل ہوتا اور ایک دن غائب رہتا۔ چالیس روز تک یہی معمول رہا' پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میرا یہ رزق صرف یتیموں' لنجوں اور فقراء کو دینا اور اغنیاء کو نہ دینا۔ اس بات سے اغنیا ناراض ہو گئے انہوں نے برائیوں کو پھیلایا اور اس میں شک کیا حتیٰ کہ ان میں سے ایک شخص نے کہا اے کلمۃ اللہ و روح اللہ! کیا واقعی یہ مائدہ ہمارے رب کی طرف سے نازل ہوتا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تمہارے لئے تباہی ہو تم ہلاک ہو گئے اور

تم پر عذاب نازل ہوگا الا یہ کہ اللہ تمہیں معاف کر دے اور تم پر رحم فرمائے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی:

اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ‌ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ (المائدہ: ۱۱۸)

اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔

پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو عذاب نازل ہونے کی خبر دی اور اللہ تعالیٰ نے ان میں سے تینتیس آدمیوں کو مسخ کر کے خنزیر بنا دیا اور وہ صبح کو گھاس میں لید اور گندگی تلاش کر کے کھا رہے تھے۔ رات کو وہ اپنے بستروں پر اپنی بیویوں کے ساتھ بے خوفی سے سوئے تھے اور صبح اٹھے تو وہ مسخ ہو کر خنزیر بن چکے تھے۔ حضرت عیسیٰ اور ان کے گھر والے ان کو دیکھ کر روتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کا نام لے لے کر پکارتے تھے اور فرماتے تھے اے فلاں! کیا میں نے تم کو اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرایا تھا؟ وہ اثبات میں سر ہلاتے تھے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲۰ ص ۱۱۱-۱۰۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۴۰۴ھ)

اس کی تصدیق ان آیات میں ہے:

لُعِنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡۢ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ‌ ؕ ذٰ لِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ (المائدہ: ۷۸)

بنو اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے۔

مَنۡ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيۡهِ وَجَعَلَ مِنۡهُمُ الۡقِرَدَةَ وَالۡخَنَازِيۡرَ (المائدہ: ۶۰)

جن پر اللہ نے لعنت کی اور غضب فرمایا اور ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو خنزیر بنا دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت اور ان کے مواعظ

جعفر بن برقان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ دعا کرتے تھے' اے اللہ! میں نے اس حال میں صبح کی ہے کہ میں اپنی ناپسندیدہ چیز کو دور نہیں کر سکتا' اور جس کی مجھے امید ہے اس کے نفع کا مالک نہیں ہوں' صبح کو معاملہ میرے غیر کے ہاتھ میں ہے کوئی فقیر مجھ سے زیادہ محتاج نہیں ہے۔ اے اللہ میرے دشمنوں کو میری وجہ سے خوش نہ کر' اور میرے دوستوں کو میری وجہ سے رنجیدہ نہ کر اور میری مصیبت میرے دین میں نہ ڈال اور مجھ پر ایسے شخص کو مسلط نہ کر جو مجھ پر رحم نہ کرے۔

یونس بن عبید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کہتے تھے اس وقت تک کوئی شخص ایمان کی حقیقت کو نہیں پا سکتا جب تک کہ وہ اس سے بے پرواہ نہ ہو جائے کہ کون شخص دنیا کھا رہا ہے۔

فضل بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اے رسولو! پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ (المومنون: ۵۱) یہ عیسیٰ بن مریم ہیں جو اپنی ماں کی سوت کاتنے کی کمائی سے کھاتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام درختوں کے پتے کھاتے اون کا لباس پہنتے جہاں شام ہو جاتی وہیں رات گزار لیتے' ان کی اولاد تھی جس کے مرنے کا ڈر ہو نہ ان کا گھر تھا جس کے اجڑنے کی فکر ہو۔ صبح کا کھانا رات کے لئے بچا کر نہیں رکھتے تھے اور رات کا کھانا صبح کے لئے نہیں رکھتے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ ہر دن اپنے ساتھ رزق لاتا ہے۔

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانی پر چلتے تھے۔ ان سے حواریوں نے کہا: اے روح اللہ!

آپ پانی پر چلتے ہیں؟ آپ نے فرمایا : ہاں یہ محض اللہ پر یقین رکھنے کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے کہا ہم بھی اللہ پر یقین رکھنے والوں میں سے ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے ان سے پوچھا اگر تم کو راستہ میں موتی اور پتھر دونوں ملیں تو تم کس کو اٹھاؤ گے؟ انہوں نے کہا موتی کو۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا نہیں خدا کی قسم جب تک تمہاری نظر میں موتی' یاقوت اور پتھر برابر نہ ہو جائیں۔ حسن نے کہا اگر اللہ ہمیں صرف اس وجہ سے عذاب دے کہ ہم دنیا سے محبت رکھتے ہیں تو اس کا عذاب دینا برحق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اس چیز سے محبت رکھتے ہو جس سے میں بغض رکھتا ہوں! اور قرآن مجید میں ہے :

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ تم متاع دنیا کا ارادہ کرتے ہو اور اللہ آخرت کا ارادہ کرتا ہے۔

(الانفال : ۶۷)

کعب احبار بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ جو کی روٹی کھاتے تھے اور پیدل چلتے تھے۔ سواریوں پر سواری نہیں کرتے تھے' نہ گھروں میں رہتے تھے نہ چراغ روشن کرتے تھے' سوتی کپڑے نہیں پہنتے تھے۔ نہ عورتوں کو چھوتے تھے' نہ خوشبو لگاتے تھے' کوئی چیز ملائے بغیر پانی پیتے تھے نہ اس کو ٹھنڈا کرتے تھے' انہوں نے کبھی سر میں تیل نہیں لگایا نہ کبھی سر اور داڑھی کو کسی چیز سے دھویا۔ زمین پر کوئی چیز بچھائے بغیر لیٹتے بیٹھتے تھے۔ وہ صبح اور شام کے کھانے کے لئے کوئی اہتمام نہیں کرتے تھے۔ دنیا کی کسی چیز کی خواہش نہیں کرتے تھے' کمزوروں اپاہجوں اور مسکینوں کے ساتھ بیٹھتے تھے جب ان کے قریب کھانا لایا جاتا تو اس کو زمین پر رکھ دیتے۔ انہوں نے کھانے میں سالن کبھی نہیں کھایا' وہ صرف اتنا کھاتے تھے جس سے رمق حیات برقرار رہے اور فرماتے تھے یہ چیزیں اس کے لئے ہیں جو مرے گا اور اس کو حساب بہت زیادہ دینا ہے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم سے کہا گیا کہ آپ شادی کرلیں فرمایا شادی سے میں کیا کروں گا' کہا آپ کی اولاد ہوگی' آپ نے فرمایا اگر اولاد زندہ رہی تو وہ آزمائش ہے اور اگر مرگئی تو غم اور اندوہ ہے۔

سفیان بن عیینہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے کہا اے حواریو! جس طرح بادشاہوں نے تمہارے لئے حکمت کو چھوڑ دیا ہے تم ان کے لئے دنیا کو چھوڑ دو۔

مالک بن دینار کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے کہا اے حواریو! اللہ کا ڈر اور جنت کی محبت مشقت پر صبر کو پیدا کرتے ہیں اور دنیا کی رونق سے دور کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے کہا اے حواریو! جو کی روٹی کھاؤ اور سادہ پانی پیو اور امن اور عافیت کے ساتھ دنیا سے گزر جاؤ' میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دنیا کی مٹھاس آخرت کی تلخی ہے' اور دنیا کی تلخی آخرت کی مٹھاس ہے' اور اللہ کے بندے ناز و نعمت سے نہیں رہتے' میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں بدترین شخص وہ عالم ہے جو اپنی خواہش کو اپنے علم پر ترجیح دیتا ہے۔

عتبہ بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے کہا اے ابن آدم تو ضعیف ہے' تو جہاں بھی ہو اللہ سے ڈر' اور اپنی حلال کی کمائی سے کھا اور مسجد کو گھر بنا' اور دنیا میں مہمان کی طرح رہ' اور اپنے نفس کو رونے کا عادی بنا اور دل کو غور و فکر کا اور جسم کو صبر کا' اور کل کے رزق کی فکر نہ کر کیونکہ یہ تیرا گناہ لکھا جائے گا۔

سفیان ثوری بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اصحاب سے فرماتے تھے : میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دنیا کی محبت ہر گناہ کی اصل ہے' اور دیکھنے سے دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے اور مال میں بڑی بیماری ہے۔ ان کے اصحاب

نے پوچھا مال میں کیا بیماری ہے۔ فرمایا فخر اور تکبر' انہوں نے کہا اگر وہ تکبر نہ کرے تو فرمایا مال کی اصلاح اسے اللہ کی یاد سے غافل رکھے گی۔

نیز سفیان ثوری بیان کرتے ہیں حضرت عیسیٰ بن مریم نے کہا دنیا کی محبت اور آخرت کی محبت مومن کے قلب میں جمع نہیں ہو سکتیں جیسے پانی اور آگ ایک برتن میں جمع نہیں ہو سکتے۔

ابن شوذب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسے لوگوں کے پاس سے گزرے جو اپنے گناہوں پر رو رہے تھے' آپ نے فرمایا تم گناہوں کو ترک کردو تمہیں بخش دیا جائے گا۔

ابو عبید اللہ صوفی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے فرمایا دنیا کے طالب کی مثال سمندر کا پانی پینے والے کی طرح ہے۔ جتنا زیادہ پانی پئے گا اتنی زیادہ پیاس بڑھے گی حتیٰ کہ وہ پانی اس کو ہلاک کردے گا۔

یزید بن میسرہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں تم سے سچ کہتا ہوں تم جتنی تواضع کرو گے تم کو اتنا بلند کیا جائے گا' اور جتنا تم رحم کرو گے اتنا تم پر رحم کیا جائے گا' اور جس قدر تم لوگوں کی ضرورتیں پوری کرو گے اسی قدر اللہ تمہاری ضرورتیں پوری کرے گا۔

ابن شابور بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا : وہ شخص قابل رشک ہے جس نے غائب انعام کی وجہ سے حاضر خواہش کو ترک کردیا۔

سالم بن ابی الجعد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے فرمایا وہ آنکھ قابل رشک ہے جو سوگئی در آں حالیکہ اس کے دل نے گناہ کا منصوبہ نہیں بنایا اور کوئی گناہ کیے بغیر بیدار ہوئی۔

شعبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے فرمایا نیکی یہ نہیں ہے کہ تم اس کے ساتھ نیکی کرو جس نے تمہارے ساتھ نیکی کی ہے یہ تو اس کی نیکی کا بدلہ ہے' نیکی یہ ہے کہ تم اس کے ساتھ نیکی کرو جس نے تمہارے ساتھ برائی کی ہے۔

مالک بن دینار بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم اور ان کے حواریوں کا ایک مرے ہوئے کتے کے پاس سے گزر ہوا۔ حواریوں نے کہا اس کی بدبو کتنی سخت ہے۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا اس کے دانت کتنے سفید ہیں وہ ان کو غیبت کرنے سے روکتے تھے۔

عبدالعزیز بن حصین بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے فرمایا جو شخص بد اخلاق ہوتا ہے وہ اپنے نفس کو عذاب دیتا ہے' جو شخص زیادہ جھوٹ بولتا ہے اس کا جمال جاتا رہتا ہے۔ جو شخص لوگوں سے جھگڑا کرتا ہے اس کی عزت جاتی رہتی ہے اور جو شخص بہت فکر کرتا ہے وہ بیمار ہو جاتا ہے۔ فضیل بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے تھے جو شخص نماز پڑھتا ہے اور روزے رکھتا ہے اور گناہوں کو ترک نہیں کرتا اس کو ملکوت میں کذاب لکھا جاتا ہے۔ حواریوں نے حضرت عیسیٰ بن مریم سے پوچھا خالص عمل کی تعریف کیا ہے؟ فرمایا جس عمل کے متعلق تمہاری یہ خواہش نہ ہو کہ لوگ اس کی تعریف کریں۔ پوچھا نصوح للہ کی کیا تعریف ہے؟ فرمایا لوگوں کے حقوق سے پہلے اللہ کا حق ادا کرو' اور جب تمہارے سامنے دو کام ہوں ایک دنیا کے لئے اور ایک اللہ کے لئے تو جو کام اللہ کے لئے ہو اس کو پہلے کرو' نیز حضرت عیسیٰ نے فرمایا اس وقت تک کوئی شخص ایمان کی حقیقت کو نہیں پاسکتا حتیٰ کہ یہ خواہش نہ کرے کہ اللہ کی عبادت

پر اس کی تعریف کی جائے۔
ہلال بن یساف بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص (نفلی) روزہ رکھے تو اپنی داڑھی میں تیل لگائے اور ہونٹوں پر ہاتھ پھیرے اور لوگوں کے سامنے اس طرح آئے گویا وہ روزہ سے نہیں ہے اور جب دائیں ہاتھ سے کچھ دے تو بائیں ہاتھ سے مخفی رکھے اور جب تم میں سے کوئی شخص (نفلی) نماز پڑھے تو کمرہ بند کرلے۔
ابن حلبس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے کہا جو نیک کام کرے وہ ثواب کی امید رکھے اور جو برے کام کرے وہ سزا کو بعید نہ جانے' اور جو شخص بغیر استحقاق کے عزت حاصل کرے گا' اللہ تعالیٰ اس کو اس عمل کے مطابق ذلت میں مبتلا کردے گا' اور جو شخص ظلم سے کسی کا مال لے گا اللہ تعالیٰ اس کو بغیر ظلم کے فقر میں مبتلا کردے گا۔
عمران بن سلیمان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے کہا اگر تم میرے بھائی اور اصحاب ہو تو اپنے آپ کو لوگوں کے بغض اور دشمنی کا سامنا کرنے کے لئے تیار رکھو' کیونکہ جب تک تم اپنی خواہشوں کو ترک نہیں کرو گے اپنے مطلوب کو حاصل نہیں کرسکو گے' اور جب تک تم اپنی ناپسندیدہ چیزوں پر صبر نہیں کرو گے اپنے مقصود کو حاصل نہیں کر سکو گے' وہ شخص لائق رشک ہے جس کی آنکھ اس کے دل میں ہے اور اس کا دل اس کی آنکھ میں نہیں ہے۔
مالک بن مغول بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے کہا : اے حواریو! اللہ کے نافرمانوں سے بغض رکھ کر اللہ کے محبوب بن جاؤ' اور ان سے دور ہوکر اللہ کا قرب حاصل کرو انہوں نے پوچھا اے روح اللہ! ہم کس کی مجلس میں بیٹھیں؟ فرمایا ان لوگوں کی مجلسوں میں بیٹھو جن کو دیکھ کر تمہیں خدا یاد آئے' اور جس کی باتیں سن کر تم نیک عمل زیادہ کرو اور جس کے کام تمہیں آخرت کی طرف راغب کریں۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے بنو اسرائیل کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا اے حواریوں کی جماعت! تم نااہل لوگوں کے سامنے حکمت کی باتیں نہ بیان کرو تم اس حکمت پر ظلم کرو گے' اور اہل کے سامنے حکمت کو نہ چھپاؤ ورنہ تم ان پر ظلم کرو گے' تین قسم کے امور ہیں ایک وہ جن کا ہدایت ہونا ظاہر ہے ان پر عمل کرو دوسرے وہ ہیں جن کا گمراہی ہونا ظاہر ہے ان سے اجتناب کرو تیسرے وہ جو مشتبہ ہیں ان کا علم اللہ کے حوالے کردو۔
عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے کہا خنزیر پر موتی مت پھینکو خنزیر موتیوں سے کچھ نہیں کرے گا اور جو حکمت کا ارادہ نہ کرے اس کو حکمت کی بات نہ سناؤ کیونکہ حکمت موتیوں سے بہتر ہے' اور جو حکمت کا ارادہ نہ کرے وہ خنزیر سے بدتر ہے۔
عمران کوفی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ بن مریم سے پوچھا گیا سب سے بڑا فتنہ کس شخص کا ہے؟ فرمایا عالم کی لغزش کا کیونکہ جب عالم لغزش کرتا ہے تو اس کی لغزش سے ایک عالم لغزش کرتا ہے۔
سفیان بن عیینہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا : اے علماء سوء تم پر افسوس ہے! تم چھلنی کی طرح نہ بنو اس سے صاف آٹا چھن کر نکل جاتا ہے اور بھوسی باقی رہ جاتی ہے اور یہی تمہارا حال ہے تمہارے منہ سے حکمت کی باتیں نکل جاتی ہیں اور تمہارے سینوں میں کھوٹ باقی رہ جاتا ہے' تم پر افسوس ہے جو آدمی دریا میں غوطہ زنی کرتا ہے اس کے کپڑے ضرور بھیگتے ہیں خواہ وہ ان کو بچانے کی کوشش کیوں نہ کرے اسی طرح جو شخص دنیا سے محبت کرتا ہے

وہ گناہوں سے نہیں بچتا۔ اے علماء سوء! (بد عمل علماء) تم نے دنیا اپنے سروں پر رکھی ہے اور آخرت اپنے قدموں کے نیچے۔ اے علماء سوء! تم جنت کے دروازوں پر بیٹھے ہو تم جنت میں داخل کیوں نہیں ہوتے؟ اللہ کے نزدیک سب سے برا شخص وہ عالم ہے جو اپنے علم کے بدلے دنیا طلب کرتا ہے۔ تم دنیا کے لئے عمل کرتے ہو اور تمہیں دنیا میں بغیر عمل کے رزق دیا جاتا ہے' اور تم آخرت کے لئے عمل نہیں کرتے اور آخرت میں بغیر عمل کے رزق نہیں ملے گا اے علماء سوء! تم پر افسوس ہے تم اجر لیتے ہو اور عمل ضائع کرتے ہو' قریب ہے کہ مالک اپنا عمل طلب کرے گا اور عنقریب تم اس بھری دنیا سے قبر کے اندھیروں کی طرف چلے جاؤ گے۔ اللہ نے جس طرح تمہیں نماز اور روزے کا حکم دیا ہے اسی طرح گناہوں سے روکا ہے وہ شخص اہل علم میں کس طرح شمار ہو گا جو اپنے رزق سے ناراض ہو اور اپنی منزل کو حقیر جانے' اور وہ شخص کیسے اہل علم سے شمار ہو گا جو اللہ کی تقدیر سے راضی نہ ہو' اور وہ شخص کیسے اہل علم سے شمار ہو گا جو دنیا کو آخرت پر ترجیح دے اور وہ شخص کیسے اہل علم میں شمار ہو گا جو آخرت کی طرف جاتے ہوئے بھی دنیا کی طرف متوجہ ہو اور جس کے نزدیک اس کو ضرر دینے والی چیزیں نفع آور چیزوں سے زیادہ مرغوب ہوں' اور وہ شخص اہل علم میں کیسے شمار ہو گا جس کا کلام آمدنی حاصل کرنے کے لئے ہو نہ کہ عمل کرنے کے لئے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۳۲۔ ۱۱۳' ملخصا" مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل کا نزول

امام ابن عساکر لکھتے ہیں :

حضرت یعلیٰ بن شداد رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ چھ رمضان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی' اور بارہ رمضان کو حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور نازل ہوئی' اور تورات کے نازل ہونے کے چار سو بیاسی سال بعد زبور نازل ہوئی تھی' اور زبور نازل ہونے کے ایک ہزار پچاس سال بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اٹھارہ رمضان کو انجیل نازل ہوئی اور چوبیس رمضان کو ہمارے نبی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل ہوا۔

(مختصر تاریخ دمشق ج ۲۰ ص ۹۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر اٹھایا جانا

امام ابو القاسم علی بن الحسن ابن العساکر متوفی ۵۷۱ھ لکھتے ہیں :

گزشتہ انبیاء میں کسی نبی کے زمانہ میں اتنے عجیب و غریب واقعات نہیں ہوئے جتنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمانوں پر اٹھالیا' اور آپ کے آسمان پر اٹھائے جانے کا سبب یہ تھا کہ بنو اسرائیل کا ایک بڑا ظالم بادشاہ تھا اس کا نام داؤد بن بوذا تھا' اس نے حضرت عیسیٰ کو قتل کرنے کے لئے کسی کو روانہ کیا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر تیرہ سال تھی اللہ تعالیٰ نے ان پر انجیل نازل کی اور جس وقت ان کو آسمان پر اٹھایا گیا تو ان کی عمر چونتیس سال تھی اور ان کی نبوت کا زمانہ بیس سال تھا' اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی :

إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا (آل عمران : ۵۵)

بے شک میں آپ کی عمر پوری کرنے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور کافروں (کے بہتان) سے آپ کو پاک کرنے والا ہوں۔

یعنی آپ کو یہود سے نجات دینے والا ہوں وہ آپ کو قتل کرنے کے لئے نہیں پہنچ سکیں گے' حضرت ابن عباس نے

اس کی تفسیر میں کہا' میں آپ کو آسمان پر اٹھالوں گا پھر آخر زمانہ میں آپ پر وفات طاری کروں گا۔
(ظاہر قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ پیدا ہوتے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور نبوت دے دی گئی تھی۔)
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب یہود نے حضرت عیسیٰ بن مریم کو قتل کرنے پر اتفاق کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ میرے بندے تک پہنچو' حضرت جبریل علیہ السلام نیچے اترے ان کے پر کے اوپر ایک سطر میں لکھا ہوا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' حضرت جبریل نے کہا : اے عیسیٰ آپ دعا کیجئے : اے اللہ میں تیرے اسم واحد احد کے وسیلہ سے سوال کرتا ہوں' اے اللہ! میں تیرے اسم صمد کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تیرے اسم عظیم کے واسطے سے دعا کرتا ہوں کہ میں صبح اور شام جس مصیبت میں گرفتار ہوں تو اس کو مجھ سے دور کردے۔ حضرت عیسیٰ نے یہ دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کی طرف یہ وحی کی کہ میرے بندے کو اوپر اٹھالو' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا : اے بنو ہاشم! اے بنو عبد المطلب! اے بنو عبد مناف! ان کلمات سے دعا کرو قسم اس ذات کی جس نے مجھے برحق نبی بنایا ہے جس قوم نے بھی ان کلمات کے ساتھ دعا کی تو عرش' سات آسمان اور سات زمینیں ہلنے لگیں گی۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ نے حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھانے کا ارادہ کیا تو وہ اپنے اصحاب کے پاس گئے اور وہ ایک گھر میں بارہ آدمی تھے' حضرت عیسیٰ نے فرمایا تم میں سے ایک شخص مجھ پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ میرا کفر کرے گا۔ پھر فرمایا تم میں سے کون شخص ہے جس پر میری شبہ ڈال دی جائے اور اس کو میرے بدلہ میں قتل کردیا جائے اور وہ میرے درجہ میں پہنچ جائے۔ ایک سب سے کم عمر کا نوجوان اٹھا اور اس نے کہا میں۔ آپ نے دوبارہ پوچھا اس نے دوبارہ پیش کش کی پھر تیسری بار پوچھا اس نے پھر پیش کش کی تو اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ ڈال دی گئی اور حضرت عیسیٰ کو روشن دان سے آسمان کی طرف اٹھالیا گیا۔ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ڈھونڈنے کے لئے آئے تو انہوں نے اس شخص کو پکڑلیا جس پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈال دی گئی تھی اور اس کو قتل کیا اور اس کو سولی دے دی' اور ان میں سے ایک شخص نے حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ ان کا کفر کیا' پھر ان کے تین فرقے ہوگئے ایک فرقے نے کہا ہم میں اللہ موجود تھا جب تک اس نے چاہا ہم میں رہا پھر وہ آسمان کی طرف چڑھ گیا۔ اس فرقہ کا نام یعقوبیہ ہے۔ دوسرے فرقہ نے کہا ہم میں اللہ کا بیٹا موجود تھا جب تک اس نے چاہا ہم میں رہا پھر وہ آسمانوں کی طرف چڑھ گیا۔ اس فرقہ کا نام نسطوریہ ہے' اور ایک فرقہ نے کہا حضرت عیسیٰ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے انہوں نے جب تک چاہا ہم میں رہے پھر اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا یہ لوگ مسلمان ہیں پھر دونوں کافر فرقے مسلمانوں پر غالب آگئے۔ پھر اسلام کا نور مدھم رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ پھر بنو اسرائیل کی ایک جماعت ایمان لے آئی اور ایک جماعت بدستور کفر پر برقرار رہی (الصف : ۱۴)
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی وصیت سے فارغ ہوئے اور شمعون کو اپنا خلیفہ بنایا اور یہود نے بوذا کو قتل کردیا اور کہا وہ عیسیٰ ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : انہوں نے اس کو نہ قتل کیا نہ سولی دی لیکن ان کے لئے (کسی کو عیسیٰ کا) ہم شکل بنادیا گیا اور بے شک جن لوگوں نے ان کے متعلق اختلاف کیا وہ ان کی طرف سے ضرور شک میں ہیں انہیں یقین بالکل نہیں وہ صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً" قتل

نہیں کیا○ بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف (آسمان پر) اٹھالیا اور اللہ بڑا غالب' بڑی حکمت والا ہے۔○ (النساء : ۱۵۸۔ ۱۵۷) رہے یہود اور نصاریٰ تو وہ کہتے تھے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کو قتل کردیا ہے اور حواریوں کو یقین تھا کہ حضرت عیسیٰ قتل نہیں کئے گئے اور انہوں نے یہود اور نصاریٰ کے قول کا انکار کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نجات دی اور اللہ نے آسمان سے ایک بادل نازل کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس بادل پر چڑھ گئے ان کی ماں ان سے چمٹ گئیں اور رونے لگیں۔ بادل نے کہا اس کو چھوڑ دو اللہ اس کو آسمان کی طرف اٹھائے گا۔ پھر قرب قیامت میں ان کو زمین والوں پر شرف عطا کرے گا اور ان کو زمین پر اتارے گا پھر جب تک اللہ چاہے گا وہ زمین پر رہیں گے اور ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ زمین کو عدل اور امن سے بھردے گا' پھر حضرت مریم نے ان کو چھوڑ دیا ان کی طرف دیکھتی رہیں اور انگلی سے ان کی طرف اشارہ کرتی رہیں پھر حضرت عیسیٰ نے ان پر ایک چادر ڈال دی اور کہا آپ کے اور میرے درمیان قیامت کے دن یہ چادر علامت ہوگی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲۰ ص ۱۳۹۔ ۱۳۶' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زمین پر نزول اور ان کی تدفین

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں ابن مریم نازل ہوں گے حکم' عادل' امام' انصاف کرنے والے' صلیب کو توڑ ڈالیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ کو موقوف کردیں گے اور مال کو تقسیم کریں گے حتیٰ کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو! عیسیٰ بن مریم کے اور میرے درمیان کوئی نبی ہے اور نہ کوئی رسول۔ سنو وہ میرے بعد میری امت میں خلیفہ ہوں گے' سنو وہ دجال کو قتل کریں گے' صلیب کو توڑ ڈالیں گے جزیہ کو موقوف کریں گے اور جنگ ختم ہوجائے گی۔ سنو تم میں سے جو ان کو پالے وہ ان کو میرا سلام کہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ عزوجل عیسیٰ بن مریم کو ضرور زمین پر اتارے گا وہ فیصلہ کریں گے' عدل کریں گے' امام اور منصف ہوں گے وہ حرمین کے راستہ میں حج اور عمرہ کے لئے سفر کریں گے اور وہ میری قبر پر ضرور کھڑے ہوں گے اور وہ مجھ کو ضرور سلام کریں گے اور میں ان کو ضرور جواب دوں گا اور ایک روایت میں ہے اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہو کر کہیں "یا محمد" تو میں ان کو ضرور جواب دوں گا۔ قرآن مجید میں ہے :

وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ ۚ اور (نزول مسیح کے وقت) اہل کتاب میں سے ہر شخص عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر ضرور بہ ضرور ایمان لے آئے گا۔ (النساء : ۱۵۹)

حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ آیت حضرت عیسیٰ کے خروج کے متعلق ہے۔ مجاہد اور حسن بصری نے کہا اس وقت ہر شخص اپنی موت سے پہلے حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ امت کیسے ہلاک ہوگی جس کے اول میں میں ہوں۔ اور اس کے آخر میں عیسیٰ بن مریم ہیں اور میرے اہل بیت سے مہدی اس کے وسط میں ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا گمان ہے کہ میں آپ کے بعد زندہ رہوں گی کیا آپ مجھے یہ اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ کے پہلو میں دفن کردی جاؤں؟ آپ نے فرمایا تمہارے لئے وہاں کہاں جگہ ہے؟ اس جگہ صرف میری قبر ہوگی اور ابوبکر اور عمر کی قبر ہوگی اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی قبر ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے یہ کتابوں میں پڑھا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کیے جائیں گے۔ ابو مودود نے کہا حضرت عائشہ کے حجرہ میں ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔ نیز انہوں نے بیان کیا کہ میں نے تورات میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں یہ پڑھا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ان کے ساتھ دفن کیے جائیں گے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲۰ ص ۱۵۳۔ ۱۴۴ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۴ھ)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے درمیان مدت کا شمار

شعبی بیان کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش تک پانچ ہزار پانچ سو سال کا زمانہ ہے' اور طوفان نوح سے حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش تک تین ہزار دو سو چوالیس سال ہیں' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ان کی پیدائش تک دو ہزار سات سو تیرہ سال ہیں' اور داؤد علیہ السلام سے لے کر ان کی پیدائش تک ایک ہزار نو سو پچاس سال ہیں' اور حضرت مسیح علیہ السلام کے آسمانوں پر اٹھائے جانے سے لے کر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت تک نو سو تینتیس سال ہیں۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲۰ ص ۸۶)

اور سلمان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان چھ سو سال کا عرصہ ہے اور یہی صحیح ہے۔
(مختصر تاریخ دمشق ج ۲۰ ص ۱۴۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : مریم نے کہا اے میرے رب میرے بچہ کیسے ہوگا؟ مجھے تو کسی آدمی نے مس تک نہیں کیا' فرمایا اسی طرح (ہوتا ہے) اللہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے' وہ جب کسی چیز کا فیصلہ فرمالیتا ہے تو اسے فرماتا ہے ''ہوجا'' اور وہ فوراً'' ہوجاتی ہے۔○ (آل عمران : ۴۷)

حضرت مریم کے حمل کی کیفیت

جب حضرت جبرئل آدمی کی صورت میں حضرت مریم کے پاس آئے اور ان کو ایک لڑکے کے پیدا ہونے کی خوش خبری دی تو حضرت مریم نے اس بچہ کی ولادت کے طریقہ کو جاننا چاہا کہ ان کا کسی سے نکاح ہوا ہے نہ وہ فاحشہ اور بدکار ہیں یعنی بہ ظاہر کوئی حلال سبب میسر ہے نہ حرام تو پھر بچہ کیسے پیدا ہوگا؟ حضرت جبرئل علیہ السلام نے فرمایا اسی طرح ہوتا ہے اللہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے' اور فرمایا یہ آپ کے رب کے لئے آسان ہے' ابن جریج نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ حضرت جبرئل نے حضرت مریم کی آستین اور گریبان میں پھونک ماری اور وہ اسی وقت حاملہ ہوگئیں' اور بعض علماء نے یہ کہا کہ حضرت عیسیٰ کا نفخ جبرئل سے پیدا ہونا جائز نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ بچہ فرشتہ اور انسان کے اجزاء سے مرکب ہو۔ لیکن اس کا سبب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کیا اور ان کی ذریت سے میثاق لیا تو اولاد کے بعض پانی کو ان کے آباء کی پشتوں میں رکھا اور بعض پانی کو ان کے امہات کے ارحام میں رکھا اور جب یہ دونوں پانی جمع ہوجاتے ہیں تو بچہ پیدا ہوجاتا ہے' اور حضرت عیسیٰ کے دونوں پانی حضرت مریم میں رکھ دیئے۔ بعض پانی ان کے رحم میں رکھا اور بعض پانی ان کی پشت میں رکھا۔ حضرت جبرئل نے جب پھونک ماری تو حضرت مریم کی طبیعت میں ہیجان ہوا اور جو پانی ان کی پشت میں تھا وہ ان کی پشت سے منتقل ہوکر ان کے رحم میں آگیا اور جب یہ دونوں پانی مختلط ہوگئے تو حضرت مریم حاملہ ہوگئیں۔

نیز کہا جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ فرمالیتا ہے تو فرماتا ہے ''ہوجا'' اور وہ چیز ہوجاتی ہے' اس پر مفصل بحث تو البقرہ

: ۷۷ا میں ہم کر چکے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی کام کو کرنا کسی عمل اور آلہ پر موقوف نہیں ہے وہ جب چاہتا ہے کسی چیز کو آلہ اور مادہ کے بغیر فی الفور پیدا کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام نفسی اس طرف متوجہ ہوتا ہے کہ فلاں چیز کو فلاں کیفیت سے ہونا ہے سو وہ چیز ہو جاتی ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا

اور اللہ اسے لکھنے کا اور شریعت کا اور تورات اور انجیل کا علم عطا فرمائے گا ○ اور وہ بنو اسرائیل

اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ

کی طرف رسول ہو گا (یہ کہتا ہوا) کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں، میں

اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ

تمہارے لیے مٹی سے پرندہ کی طرح ایک صورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے

طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى

اڑنے والی ہو جاتی ہے اور میں اللہ کے اذن سے مادر زاد اندھے اور برص زدہ کو شفا دیتا ہوں اور میں

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ

اللہ کے اذن سے مردہ کو زندہ کرتا ہوں، اور میں تمہیں اس چیز کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو، اگر تم

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا

مومن ہو تو بیشک ان سب چیزوں میں تمہارے لیے قوی نشانی ہے ○ اور میرے سامنے جو تورات

بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ

ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں تاکہ تمہارے لیے کچھ ایسی چیزیں حلال کر دوں جو تم پر حرام

عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾

کر دی گئی تھیں اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ○

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾

بیشک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے سو تم اسی کی عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے ○

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علوم

اس آیت میں کتاب کی مختار تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد لکھنا ہے' امام ابن جریر نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ کتاب سے مراد ہاتھ سے لکھنا ہے اور قتادہ سے روایت کیا ہے کہ حکمت سے مراد سنت ہے' علامہ ابوالحیان اندلسی نے لکھا ہے کہ کتاب سے مراد گزشتہ آسمانی کتابیں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گزشتہ تمام آسمانی کتابوں کا علم عطا فرمایا اور خصوصاً" تورات اور انجیل کا علم عطا فرمایا۔

امام رازی متوفی ۶۰۶ ھ نے لکھا ہے میرے نزدیک کتاب سے مراد لکھنے کی تعلیم دینا ہے اور حکمت سے مراد علوم اور تہذیب الاخلاق کی تعلیم ہے' کیونکہ انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ حقیقت کو جانے نیک اعمال کا علم حاصل کرے اور ان دونوں کے مجموعہ کے علم کو حکمت کہتے ہیں اور جب حضرت عیسیٰ کو کتابت اور علوم عقلیہ اور شرعیہ کا علم عطا کردیا تو ان کو تورات کا علم عطا فرمایا اور تورات کے علم کو موخر اس لئے کیا کہ تورات اللہ کی کتاب ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے اسرار عظیمہ ہیں' اور انسان جب تک علوم کثیرہ حاصل نہ کرے اس کے لئے اللہ کی کتاب میں غور و خوض کرنا ممکن نہیں ہے' پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انبیاء سابقین علیہم السلام پر نازل کی ہوئی کتابوں کے اسرار کو جان لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر انجیل نازل فرمائی۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۵۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور وہ بنو اسرائیل کی طرف رسول ہوگا یہ کہتا ہوا کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں۔ (آل عمران : ۴۹)

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت عیسیٰ تمام بنو اسرائیل کی طرف رسول تھے اور اس میں بعض یہودیوں کے اس قول کا رد ہے کہ حضرت عیسیٰ ایک مخصوص قوم کے رسول تھے۔ اس آیت میں ایک نشانی سے مراد جنس نشانی ہے جو ان تمام نشانیوں کو شامل ہے جن کا ذکر اس آیت کے اگلے حصہ میں کیا ہے :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : میں تمہارے لئے مٹی سے پرندہ کی ایک صورت بناتا ہوں۔ پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے اڑنے والی ہوجاتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچپن میں مکتب کے لڑکوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی اٹھائی اور فرمایا میں تمہارے لئے اس مٹی سے ایک پرندہ بنا دیتا ہوں۔ لڑکوں نے کہا کیا آپ ایسا کرسکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! میں اپنے رب کے حکم سے ایسا کرسکتا ہوں' پھر آپ نے مٹی اٹھا کر ایک پرندہ کی ایک صورت بنائی اور اس میں پھونک ماردی۔ پھر فرمایا "تو اللہ کے اذن سے اڑنے والا ہوجا" وہ ان کے ہاتھوں سے نکل کر اڑنے لگا۔ لڑکوں نے جاکر اپنے معلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا' انہوں نے لوگوں میں یہ خبر پھیلادی۔ لوگ اس سے خوف زدہ ہوگئے اور بنو اسرائیل نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ جب ان کی ماں حضرت مریم کو ان کی جان کا خوف دامن گیر ہوا تو وہ ان کو لے کر اس شہر سے چلی گئیں اور یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت عیسیٰ نے پرندہ بنانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے پوچھا کون سے پرندہ کو بنانا مشکل ہے تو بتایا گیا چمگادڑ کو۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۹۰' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پرندہ کی صرف صورت بناتے تھے اور اس کا پتلا بناتے تھے اور اس میں جان اللہ ڈالتا تھا کیونکہ خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ فَاعۡبُدُوۡہُ (الانعام: ۱۰۲)

یہ ہے اللہ تمہارا رب' اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں وہ ہر چیز کا خالق ہے سو تم اس کی عبادت کرو۔

ہَلۡ مِنۡ خَالِقٍ غَیۡرُ اللّٰہِ یَرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ (الفاطر: ۳)

کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے؟

یہ بھی روایت ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا اور معجزات کو ظاہر کیا تو منکرین نے ہٹ دھرمی کی اور ان سے چمگادڑ پیدا کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی لے کر چمگادڑ کی صورت بنائی اور اس میں پھونک ماری تو وہ فضا میں اڑنے لگی۔ وہب بن منبہ نے کہا جب تک لوگ اس کی طرف دیکھتے رہتے تھے وہ اڑتی رہتی تھی اور جب وہ ان کی نظر سے غائب ہو جاتی تو مر کر زمین پر گر جاتی تھی۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۵۲-۴۵۱ 'مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور میں اللہ کے اذن سے مادر زاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو شفاء دیتا ہوں۔

علامہ ابو الحیان اندلسی لکھتے ہیں:

اکثر اہل لغت کا قول یہ ہے کہ اکمہ وہ شخص ہے جو مادر زاد اندھا ہو' اور اس امت میں قتادہ بن دعامہ السدوسی کے سوا کوئی مادر زاد اندھا نہیں ہوا' یہ صاحب تفسیر تھے' حضرت ابن عباس' حسن بصری اور سدی کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مطلقاً" نابینا شخص ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ حضرت عیسیٰ دعا کر کے بیماروں کو شفا دیتے تھے یا ان پر ہاتھ پھیر کر۔ روایت ہے کہ بعض اوقات ایک دن میں ان کے پاس پچاس ہزار بیمار جمع ہو گئے' جو ان کے پاس آنے کی طاقت رکھتے تھے وہ آگئے اور جو نہیں آسکے ان کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود چلے گئے' حضرت عیسیٰ کے زمانے میں طب کا غلبہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس جنس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزہ دے کر بھیجا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مادر زاد اندھوں اور برص کے مریضوں کا علاج کیا جن کی بیماریوں کو لاعلاج سمجھا جاتا تھا' جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سحر کا چرچا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضا دے کر بھیجا جس کا معارضہ کرنے سے اس زمانہ کے تمام جادوگر عاجز رہے' اور نبی ﷺ کے زمانہ میں بلاغت کا شہرہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن مجید دے کر بھیجا۔ جس کی نظیر لانے سے تمام عرب عاجز رہے اور آج تک پوری دنیا علوم کی ترقی اور اسلام کی مخالفت کے باوجود عاجز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور میں اللہ کے اذن سے مردہ کو زندہ کرتا ہوں۔ (آل عمران: ۴۹)

ائمہ تفسیر سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار مردوں کو زندہ کیا۔ ایک شخص حضرت عیسیٰ کا دوست تھا جس کا نام عازر تھا آپ نے اس کے مرنے کے تین دن بعد اس کو زندہ کر دیا وہ کافی عرصہ زندہ رہا حتیٰ کہ اس کی اولاد ہوئی۔ دوسرا شخص ایک بڑھیا کا بیٹا تھا وہ اپنے جنازہ سے اٹھ کھڑا ہوا وہ بھی کافی عرصہ زندہ رہا اور اس کی اولاد ہوئی۔ تیسری بنت عاشر تھی وہ زندہ ہونے کے بعد اپنی اولاد سے نفع یاب ہوئی' اور لوگوں نے آپ سے سوال کیا کہ آپ سام بن نوح کو زندہ کریں تاکہ وہ لوگوں کو کشتی کے حال کی خبر دے۔ وہ قبر سے نکلے اور پوچھا کیا قیامت قائم ہو گئی' ان کے آدھے سر

بڑھاپے کے آثار تھے ان کی عمر پانچ سو سال تھی انہوں نے کہا مجھے قیامت کے خوف نے بوڑھا کردیا۔ روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ میت یا قبر یا میت کی کھوپڑی پر اپنی لاٹھی مار کر اس کو زندہ کرتے' وہ جس انسان کو زندہ کرتے وہ باتیں کرتا اور کافی عرصہ زندہ رہتا' اور ایک قول یہ ہے کہ وہ جلد مرجاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور میں تمہیں اس چیز کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔ (آل عمران : ۴۹)

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچپن ہی سے غیب کی خبریں دیتے تھے۔ سدی نے روایت کی ہے کہ آپ بچوں کے ساتھ کھیلتے اور ان کو ان کے ماں باپ کے کئے ہوئے کاموں کی خبر دیتے' اور بچہ کو بتاتے کہ تمہاری ماں نے فلاں چیز تم سے چھپا کر رکھی ہے۔ پھر بچہ گھر جاکر روتا حتیٰ کہ وہ اس چیز کو حاصل کرلیتا۔ پھر ان کے گھر والوں نے کہا اس جادوگر کے ساتھ مت کھیلا کرو اور سب بچوں کو ایک گھر میں جمع کردیا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو ڈھونڈنے کے لئے آئے تو گھر والوں نے کہا وہ گھر میں نہیں ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے پوچھا پھر اس گھر میں کون ہے؟ انہوں نے کہا خنزیر ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا تو پھر خنزیر ہی ہیں۔ سو وہ سب خنزیر بن گئے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ غیب کی خبریں دینے کا واقعہ اس وقت ظاہر ہوا جب مائدہ نازل ہوا' کیونکہ لوگوں کو منع کیا گیا تھا کہ وہ اس مائدہ سے کوئی چیز بچا کر نہ رکھیں اور اس کو ذخیرہ نہ کریں' اور وہ لوگ آپ کی حکم عدولی کرکے ذخیرہ کرتے تھے تو آپ خبر دیتے تھے کہ فلاں شخص نے مائدہ سے کھانا بچا کر ذخیرہ کیا ہے۔ بعض لوگ مختلف آلات کے ذریعے غیب کی خبریں بتا دیتے ہیں یہ معجزہ نہیں ہے۔ معجزہ یہ ہے کہ بغیر کسی آلہ اور ذریعہ کے محض وحی سے غیب کی خبر دی جائے۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۵۲' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اگر تم مومن ہو تو بے شک ان سب چیزوں میں تمہارے لئے قوی نشانی ہے۔ (آل عمران: ۴۹)

یعنی یہ مذکور الصدر پانچ چیزیں زبردست اور قوی ترین معجزات ہیں جو میرے دعویٰ نبوت کے صدق پر دلالت کرتے ہیں اور جو شخص بھی دلیل سے کسی بات کو مانتا ہو اس پر حجت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور میرے سامنے جو تورات ہے میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں تاکہ تمہارے لئے بعض ایسی چیزیں حلال کروں جو تم پر حرام کردی گئی تھیں' اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ (آل عمران : ۵۰)

ہر نبی پر واجب ہے کہ وہ اپنے سے پہلے انبیاء کی تصدیق کرے کیونکہ تمام نبیوں کی تصدیق کا ذریعہ معجزہ ہے اور جب ہر نبی نے اپنی نبوت کے ثبوت میں معجزہ پیش کیا ہے تو پھر ہر نبی کی تصدیق کرنا واجب ہے' اور ہوسکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے یہ غرض ہو کہ وہ تورات کو مقرر اور ثابت رکھیں۔ منکرین کے شبہات کا ازالہ کریں اور غالی یہودیوں نے دین میں جو تحریف کردی ہے اس تحریف کو زائل کریں۔

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام' حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر تھے۔ وہ ہفتہ کے

دن کی تعظیم کرتے تھے اور نماز میں بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے۔ انہوں نے بنو اسرائیل سے کہا کہ میں تم کو تورات کی کسی بات کی مخالفت کی دعوت نہیں دیتا' البتہ بعض چیزیں جو تورات میں حرام کردی گئیں میں ان کو حلال کرتا ہوں اور بعض مشکل احکام کو منسوخ کرتا ہوں۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۱۹۶۔ ۱۹۵' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو الحیان عبد اللہ بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں :

ابن جریج نے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے اونٹ کا گوشت اور چربی کو حلال کردیا اور کئی قسم کی مچھلیاں حلال کردیں اور جس پرندے پر نشانات نہ ہوں ان کو حلال کردیا۔

(البحر المحیط ج ۳ ص ۱۶۸۔ ۱۶۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اس جگہ یہ سوال ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تورات کے مصدق تھے تو انہوں نے تورات کی بعض حرام کردہ چیزوں کو حلال کیسے فرمایا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تورات کے آسمانی کتاب ہونے کے مصدق تھے اور اس کے کہ تورات کے زمانہ میں تورات کے احکام برحق تھے' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنے زمانہ میں تورات کی حرام کردہ بعض چیزیں حلال کرنا اور تورات کے بعض احکام کو منسوخ کرنا اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ جزوی احکام میں ہر رسول کی شریعت دوسرے رسول سے مختلف ہوتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا : اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پہلے دلائل اور معجزات سے اپنی نبوت کو ثابت فرمایا۔ پھر انہیں اللہ سے ڈرنے اور اپنی اطاعت کرنے کا حکم دیا یعنی میں تم کو جن کاموں کے کرنے کا حکم دوں ان پر عمل کرنے میں اور جن کاموں سے روکوں ان سے اجتناب کرنے میں اللہ کے خوف سے میری اطاعت کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے سو تم اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔

(آل عمران : ۵۱)

صراط مستقیم سے مراد ہے اعتقاد حق اور اعمال صالحہ' اور یہ جو فرمایا ہے کہ اللہ میرا اور تمہارا رب ہے سو تم اسی کی عبادت کرو یہی وہ پیغام ہے جس کی دعوت تمام انبیاء علیہم السلام نے دی ہے اور اسی کو دین سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سو تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اور ان کے زمانہ کے مخصوص حالات کے اعتبار سے عبادات اور معاملات کے طریقے الگ الگ ہیں اور اس کو شریعت سے تعبیر کرتے ہیں۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِىْٓ اِلَى

پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر محسوس کیا تو کہا اللہ کی طرف میرے کون مددگار

اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ

ہیں، حواریوں نے کہا ہم اللہ کے (راستہ میں) مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ

بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ

ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں ○ اے ہمارے رب! جو کچھ تو نے نازل کیا ہم اس پر ایمان لے آئے، اور ہم نے رسول

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ

کی پیروی کی، تو ہمیں حق کی گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ دے ○ اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے (ان کے خلاف) خفیہ تدبیر فرمائی

خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ ع

اور اللہ سب سے عمدہ خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے ○

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یہود کی مخالفت کا سبب

اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر فرمایا' اور سورہ مریم میں اس کو زیادہ تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر فرمایا اور لوگوں کے سامنے اپنی رسالت کے پیش کرنے اور اپنی اطاعت کی دعوت دینے کا ذکر فرمایا' اور ہمیشہ سے یہ طریقہ رہا ہے کہ جب نبی لوگوں کے سامنے اللہ کے دین کو پیش کرتے ہیں تو زیادہ تر لوگ نبی کی مخالفت کرتے ہیں اور کچھ لوگ اللہ کے دین کو قبول کر لیتے ہیں اور نبی کی حمایت اور نصرت کرتے ہیں' سو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ جان لیا کہ مخالفین آپ کے انکار پر اصرار کر رہے ہیں اور انہوں نے آپ کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا ہے تو آپ نے اپنے حواریوں سے فرمایا اللہ کے دین میں تم میں سے کون میری مدد کرے گا؟ حواریوں نے کہا ہم اللہ کے دین کی مدد کریں گے ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

مخالفت کی وجوہ میں بہت سے واقعات بیان کئے گئے ہیں ایک واقعہ یہ ہے کہ یہود کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جس مسیح کی تورات میں بشارت دی گئی ہے وہ یہی ہیں اور وہ ان کے دین کے بعض احکام کو منسوخ کر دیں گے۔ تو وہ ابتداء امر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخالف ہو گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے درپے ہو گئے' جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعوت کا اعلان کیا تو ان کا غضب اور زیادہ ہو گیا اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایذاء دینی شروع کر دی اور آپ کو قتل کرنے کی سازشیں شروع کر دیں۔

حواریین کا معنی اور مصداق

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کو حواری کہتے ہیں۔ کلبی اور ابو روق نے بیان کیا ہے کہ یہ بارہ شخص تھے۔ امام ابو جعفر طبری روایت کرتے ہیں:

سعید بن جبیر نے بیان کیا ہے کہ حور کے معنی سفید ہیں ان کو حواری اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے کپڑے سفید تھے۔ ابو ارطاۃ نے بیان کیا ہے کہ یہ کپڑے دھو کر سفید اور صاف کرتے تھے اس لئے ان کو حواری کہتے ہیں۔ قتادہ نے نبی ﷺ کے ایک صحابی سے روایت کیا ہے کہ حواری اس کو کہتے ہیں جو نبی کا خلیفہ بننے کی صلاحیت رکھے۔ ضحاک نے کہا

حواری انبیاء علیہم السلام کے اصفیاء اور مخلصین کو کہتے ہیں۔ حواری کے ان معانی میں تحقیق کے زیادہ قریب وہ قول ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کے سفید کپڑوں کی وجہ سے ان کو حواری کہا جاتا ہے' کیونکہ عرب بہت سفید چیز کو حور کہتے ہیں' اور چونکہ حضرت عیسیٰ کے اصحاب کو حواری کہا جاتا تھا تو پھر کسی شخص کے مخلص مصاحب کو حواری کہا جانے لگا۔ اسی لئے ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے فرمایا ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرے حواری زبیر بن عوام ہیں۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۰۱۔ ۲۰۰' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے خلاف خفیہ تدبیر فرمائی۔ (آل عمران : ۵۴)

اللہ کی خفیہ تدبیر کے مطابق ایک شخص پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈالنا

مکر اس فعل کو کہتے ہیں کہ جس کے سبب سے کسی شخص کو مخفی طریقہ سے ضرر پہنچایا جائے یا ضرر رسانی کو ملمع کاری سے نفع رسانی بنایا جائے' اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف مکر کی نسبت ہو تو اس سے مراد خفیہ تدبیر ہے۔ فراء نے بیان کیا ہے کہ کافروں کا مکر یہ تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش کی اور اللہ کا مکر یہ تھا کہ اللہ نے ان کو ڈھیل دی۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جب بھی وہ کوئی گناہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ایک نئی نعمت دیتا۔ زجاج نے کہا اللہ کے مکر سے مراد انہیں ان کے مکر کی سزا دینا ہے' جس طرح قرآن مجید میں ہے اللہ یستھزئ بھم یعنی اللہ ان کو ان کے استہزاء کی سزا دیتا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

سدی بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے انیس (۱۹) حواریوں کو ایک گھر میں بند کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم میں سے کون شخص میری صورت کو قبول کرے گا؟ سو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کو جنت مل جائے گی ان میں سے ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت کو قبول کر لیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان کی طرف چڑھ گئے' اور یہ اس کا معنی ہے کہ کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے خلاف خفیہ تدبیر فرمائی۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۰۲' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کی شبہ کسی اور پر ڈال دی گئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھا لیا اور یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ جب یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے پر متفق ہو گئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان سے بچنے کے لئے بھاگ کر ایک گھر میں آئے۔ حضرت جبریل نے اس گھر کے روشن دان سے ان کو آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ ان کے بادشاہ نے ایک خبیث شخص یہوذا سے کہا جاؤ گھر میں داخل ہو اور ان کو قتل کر دو۔ وہ روشن دان سے گھر میں داخل ہوا تو وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ پایا اور اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ ڈال دی۔ جب وہ گھر سے باہر نکلا تو لوگوں نے اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت پر پایا انہوں نے اس کو پکڑ کر قتل کیا اور سولی پر چڑھا دیا۔ پھر انہوں نے کہا کہ اس کا چہرہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے اور اس کا بدن ہمارے ساتھی کے مشابہ ہے اگر یہ ہمارا ساتھی ہے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہاں گئے اور اگر یہ عیسیٰ ہے تو ہمارا ساتھی کہاں گیا۔ پھر ان کے درمیان لڑائی ہوئی اور بعض نے بعض کو قتل کر دیا' اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے کہ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے

خلاف خفیہ تدبیر فرمائی۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۹۹ ' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ' ۱۳۸۷ھ)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں :

بنو اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگائی اور اس زمانہ کے کافر بادشاہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف بھڑکایا اور کہا یہ شخص لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور ان کو بادشاہ کی اطاعت کرنے سے منع کرتا ہے اور رعایا کو خراب کرتا ہے اور باپ اور بیٹے کے درمیان جدائی ڈالتا ہے ' اور کئی بہتان تراشے اور کہا یہ شخص ولد الزنا ہے ' حتیٰ کہ انہوں نے بادشاہ کو غضب ناک کردیا۔ بادشاہ نے ان کی طلب میں اپنے اہلکاروں کو روانہ کیا تاکہ وہ اس کو گرفتار کرکے سولی پر چڑھادیں۔ جب انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے گھر میں پکڑ لیا اور یہ گمان کیا وہ کامیاب ہوگئے ہیں تو اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے درمیان سے نجات دے دی اور اس گھر کے روشن دان سے ان کو آسمان کی طرف اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ نے ان آدمیوں میں سے ایک پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈال دی جو اس وقت ان کے گھر میں تھا۔ جب وہ لوگ گھر میں داخل ہوئے تو رات کے اندھیرے میں انہوں نے اس شخص کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر گرفتار کرلیا۔ اس کی اہانت کی۔ اس کے سر پر کانٹے ڈالے اور اس کو سولی پر چڑھادیا اور یہ اللہ تعالیٰ کی ان کے خلاف خفیہ تدبیر تھی ' اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو ان کے درمیان سے نجات دی ' اور ان کے سامنے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھالیا اور ان کو ان کی گمراہی میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۳ ' مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت ' ۱۳۸۵ھ)

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَ

(اے رسول مکرم ! یاد کیجیے) جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ بیشک میں آپ کی عمر پوری کرنے والا ہوں اور آپ کو اپنی طرف اٹھانے والا

مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ

ہوں اور آپ کو کافروں (کے بہتان) سے پاک کرنے والا ہوں ' اور آپ کے پیروکاروں کو (دلائل کے ذریعہ) قیامت تک کافروں پر

فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ

فوقیت دینے والا ہوں ' پھر تم سب کو میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے

فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝٥٥ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

پھر میں تمہارے درمیان اس چیز کا فیصلہ کروں گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے ○ سو جن لوگوں نے کفر کیا ان کو

كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫

میں دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی

وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا

مددگار نہیں ہوگا ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک

الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیۡهِمۡ اُجُوۡرَهُمۡ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۵۷﴾

عمل کیے ان کو اللہ پورا پورا اجر دے گا اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ○

ذٰلِكَ نَتۡلُوۡهُ عَلَیۡكَ مِنَ الۡاٰیٰتِ وَالذِّكۡرِ الۡحَكِیۡمِ ﴿۵۸﴾

یہ وہ آیات اور حکمت والی نصیحت ہے جس کو ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں ○

حضرت عیسیٰ کے ساتھ وفات کا تعلق بہ معنی موت نہ ہونے کی تحقیق

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا ہے: اے عیسیٰ! میں تم کو وفات دوں گا اور تم کو اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ میں تم پر موت طاری کروں گا اور اپنی طرف اٹھاؤں گا لیکن یہ معنی حدیث کے خلاف ہے۔ امام ابن جریر طبری نے حسن سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے فرمایا عیسیٰ پر موت نہیں آئی وہ قیامت سے پہلے تمہاری طرف لوٹ کر آئیں گے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۰۲) اس لئے یہاں "توفی" کے معنی میں غور کرنا ضروری ہے، وفات کے معنی ہیں پورا کرنا، موت کو بھی وفات اس لئے کہتے ہیں کہ موت کے ذریعہ عمر پوری ہو جاتی ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

وافی اس چیز کو کہتے ہیں جو تمام اور کمال کو پہنچ جائے قرآن مجید میں ہے:

وَاَوۡفُوا الۡكَیۡلَ اِذَا كِلۡتُمۡ (بنو اسرائیل: ۳۵) اور جب تم ناپو تو پورا ناپو

وَوُفِّیَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ (الزمر: ۷۰) اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

موت پر وفات کا اطلاق کیا جاتا ہے کیونکہ موت کے ذریعہ زندگی کی مدت پوری ہو جاتی ہے، اور نیند بھی موت کی بہن ہے کیونکہ نیند میں بھی اعصاب ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور حواس اور مشاعر معطل ہو جاتے ہیں اس لئے نیند پر بھی وفات کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ (المفردات ص ۵۲۹-۵۲۸، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران، ۱۳۴۲ھ)

اَللّٰهُ یَتَوَفَّی الۡاَنۡفُسَ حِیۡنَ مَوۡتِهَا وَالَّتِیۡ لَمۡ تَمُتۡ فِیۡ مَنَامِهَا (الزمر: ۴۲) اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے اور جنہیں موت نہیں آئی انہیں ان کی نیند میں۔

امام رازی نے ذکر کیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اے عیسیٰ میں آپ کی عمر پوری کرنے والا ہوں اور آپ کو زمین پر نہیں چھوڑوں گا تاکہ وہ آپ کو قتل کر دیں بلکہ اپنی طرف اٹھا لوں گا۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۵۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر نے بھی اپنی سند کے ساتھ اس آیت کے متعدد محامل بیان کیے ہیں:

ربیع بیان کرتے ہیں کہ اللہ آپ پر نیند کی وفات طاری کرے گا اور آپ کو نیند میں آسمان پر اٹھا لے گا۔

کعب احبار نے بیان کیا کہ اللہ نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ میں آپ کو جسم مع روح کے قبض کر لوں گا اور آپ

کو اپنی طرف اٹھالوں گا' اور میں عنقریب آپ کو کانے دجال کے خلاف بھیجوں گا آپ اس کو قتل کریں گے پھر اس کے بعد آپ چوبیس سال تک زندہ رہیں گے۔ پھر میں آپ پر موت طاری کروں گا۔ کعب احبار نے کہا یہ معنی رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کی تصدیق کرتا ہے آپ نے فرمایا وہ امت کیسے ہلاک ہوگی جس کے اول میں میں ہوں اور جس کے آخر میں عیسیٰ ہیں۔ اور بعض علماء نے کہا واو مطلق جمع کے لئے آتی ہے ترتیب کا تقاضہ نہیں کرتی اس لئے اس آیت کا معنی یہ ہے : اے عیسیٰ! میں تمہیں اپنی طرف اٹھاؤں گا اور میں تمہیں کافروں (کی تہمت) سے پاک کروں گا اور اس کے بعد دنیا میں نازل کر کے تم پر وفات طاری کروں گا۔

امام ابو جعفر طبری کہتے ہیں کہ ان اقوال میں میرے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ میں آپ کو روح مع جسم کے قبض کرلوں گا پھر آپ کو اپنی طرف اٹھاؤں گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے متواتر احادیث میں ہے کہ عیسیٰ بن مریم زمین پر نازل ہو کر دجال کو قتل کریں گے پھر ایک مدت تک زمین پر رہیں گے پھر وفات پائیں گے پھر مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھ کر ان کو دفن کریں گے۔ پھر امام ابو جعفر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام انبیاء علاتی (باپ کی طرف سے) بھائی ہیں۔ ان کی مائیں مختلف ہیں اور ان کا دین واحد ہے اور میں عیسیٰ بن مریم کے سب سے زیادہ قریب ہوں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے اور وہ میری امت پر میرے خلیفہ ہوں گے' وہ زمین پر نازل ہوں گے جب تم ان کو دیکھو گے تو ان کو پہچان لو گے۔ وہ متوسط الخلق ہیں ان کا رنگ سرخی مائل سفید ہوگا۔ ان کے بال سیدھے ہوں گے گویا ان سے پانی ٹپک رہا ہے اگرچہ وہ بھیگے ہوئے نہیں ہوں گے۔ وہ صلیب توڑ ڈالیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے۔ فیاضی سے مال تقسیم کریں گے اسلام کے لئے لوگوں سے جہاد کریں گے حتیٰ کہ ان کے زمانہ میں تمام باطل دین مٹ جائیں گے اور اللہ ان کے زمانہ میں مسیح الدجال کو ہلاک کردے گا اور تمام روئے زمین پر امن ہوگا اونٹ سانپوں کے ساتھ چر رہے ہوں گے' بیل چیتوں کے ساتھ چر رہے ہوں گے اور بکریاں بھیڑیوں کے ساتھ۔ اور بچے سانپوں کے ساتھ کھیل رہے ہوں گے اور کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ وہ چالیس سال تک زمین میں رہیں گے پھر وفات پائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھ کر ان کو دفن کردیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عیسیٰ بن مریم ضرور زمین پر نازل ہوں گے وہ برحق فیصلہ کریں گے اور نیک امام ہوں گے' صلیب کو توڑ ڈالیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ موقوف کریں گے وہ بڑی فیاضی سے مال تقسیم کریں گے حتیٰ کہ کوئی شخص اس مال کا لینے والا نہیں ہوگا اور وہ مقام روحاء پر حج یا عمرہ کرنے کے لئے جائیں گے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۰۴۔ ۲۰۲' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

بعض روایات میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر چند گھنٹوں کے لئے موت آئی تھی اور پھر ان کو زندہ کردیا گیا لیکن یہ روایات صحیح نہیں ہیں۔ احادیث صحیحہ میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا اور وہ زمین پر نازل ہونے کے بعد طبعی وفات پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو جن لوگوں نے کفر کیا ان کو دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ (آل عمران : ۵۶)

دنیا کا عذاب یہ ہے کہ کافر مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل کیے جائیں گے' گرفتار ہوں گے اور ان کو جزیہ دینا ہوگا' نیز

ان کے حق میں مصائب اور آلام بھی دنیاوی عذاب ہیں' اس وعید کے بعد مسلمانوں کو بشارت دی : اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کو اللہ پورا پورا اجر دے گا اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا (آل عمران : ۵۷) پھر یہ وہ آیات اور حکمت والی نصیحت ہے جس کو ہم آپ پر تلاوت کرتے ہیں (آل عمران : ۵۸) اس آیت میں حضرت زکریا حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے ان حالات کی طرف اشارہ ہے جن کا گذشتہ آیات میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ

بیشک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے اس کو مٹی سے بنایا پھر

ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ

اس سے فرمایا ہو جا سو وہ ہو گیا ○ یہ تمہارے رب کی طرف سے حق (کا بیان) ہے۔ سو (اے مخاطب)

الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ

تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا ○ پھر (اے رسول مکرم!) جو لوگ علم حاصل ہو جانے کے بعد بھی آپ سے عیسیٰ کے متعلق کٹ حجتی

الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَ

کریں تو آپ کہیں آؤ ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور

نِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ

تمہاری عورتوں کو اور اپنے آپ کو اور تمہیں، پھر ہم مباہلہ (عاجزی کے ساتھ دعا) کریں اور جھوٹوں پر اللہ

اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ﴿٦١﴾ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا

کی لعنت بھیجیں ○ بیشک یہی بیان حق ہے اور اللہ

مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِن

کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور بیشک اللہ ہی غلبہ والا اور حکمت والا ہے ○ پھر (بھی)

تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾ ع

اگر وہ اعراض کریں تو اللہ فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے ○

حضرت عیسیٰ کے ابن اللہ ہونے کی دلیل کا رد

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حسن بیان کرتے ہیں کہ نجران کے دو راہب (سید اور عاقب : الدر المنثور ج ۲ ص ۳۷) رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے آپ نے ان پر اسلام پیش کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا ہم اس سے پہلے اسلام قبول کرچکے ہیں۔ آپ نے فرمایا تم جھوٹ بولتے ہو۔ اسلام قبول کرنے سے تمہیں تین چیزیں مانع ہیں۔ تم صلیب کی عبادت کرتے ہو۔ تم خنزیر کھاتے ہو اور تم یہ کہتے ہو کہ اللہ کا بیٹا ہے۔ ان دونوں نے کہا پھر عیسیٰ کا باپ کون ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی : بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے۔ (الوسیط ج ۱ ص ۴۴۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس آیت میں قیاس سے استدلال کرنے کا جواز ہے۔ عیسائی' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا اس لئے کہتے تھے کہ وہ عام عادت اور معمول کے خلاف باپ کے بغیر پیدا ہوئے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا حضرت آدم کی پیدائش اس سے بھی غیر معمولی طریقہ سے ہوئی ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ تو صرف باپ کے بغیر پیدا ہوئے' اور حضرت آدم باپ اور ماں دونوں کے بغیر پیدا ہوئے' اور دونوں میں وجہ مشترک یہ ہے کہ دونوں اللہ کے کلمہ "کن" سے پیدا ہوئے اور جب حضرت آدم علیہ السلام بھی کلمہ "کن" سے پیدا ہونے کے باوجود ابن اللہ نہیں ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے ابن اللہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ بعض علماء کا روم کے عیسائیوں سے مباحثہ ہوا ان سے پوچھا تم عیسیٰ کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کیونکہ ان کا باپ نہیں تھا۔ علماء نے کہا تو پھر حضرت آدم عبادت کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ ان کے باپ اور ماں دونوں نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا حضرت عیسیٰ مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ علماء نے کہا حضرت عیسیٰ نے چار مردے زندہ کئے ہیں اور حضرت حزقیل نے آٹھ ہزار مردے زندہ کئے تھے۔ انہوں نے کہا وہ مادر زاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو شفا دیتے تھے۔ علماء نے کہا پھر جرجیس عبادت کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ وہ آگ میں جل جانے کے باوجود صحیح و سالم نکل آئے اور ہمارے نبی ﷺ نے حضرت قتادہ کی نکلی ہوئی آنکھ دوبارہ لگا دی اور آپ کی دعا سے ایک نابینا' بینا ہو گیا۔

(البحر المحیط ج ۳ ص ۱۸۶۔ ۱۸۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اس کو مٹی سے بنایا پھر اس سے فرمایا ہو جا سو وہ ہو گیا۔

انسان کو مٹی سے پیدا کرنے کی حکمتیں۔

حضرت آدم کو مٹی سے بنانے کی ایک حکمت یہ ہے کہ ان کی اصل فطرت میں تواضع اور انکسار ہو کیونکہ عناصر اربعہ میں سے مٹی سب سے نیچے ہوتی ہے' دوسری حکمت یہ ہے کہ مٹی دوسری چیزوں کو چھپا لیتی ہے اس سے انسان کی اصل فطرت میں ستر (لوگوں کے عیوب پر پردہ رکھنے) کی صفت آئے گی۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ حضرت آدم کو زمین کا خلیفہ بنانا تھا اس لئے ان کو مٹی کا بنایا گیا تاکہ ان کی مٹی کے ساتھ قوی مناسبت ہو۔ چوتھی حکمت یہ ہے کہ انسان کو مٹی سے بنایا تاکہ وہ اس مٹی سے شہوت حرص اور غضب کی آگ کو بجھا سکے۔ پانچویں حکمت یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے کیونکہ عناصر اربعہ میں سب سے روشن آگ ہے اللہ تعالیٰ نے آگ سے شیاطین کو پیدا کیا اور انہیں گمراہی کے اندھیروں میں مبتلا کر دیا اور سب سے لطیف ہوا ہے۔ (ایک قول کے مطابق) فرشتوں کو ہوا سے پیدا کیا اور ان کو انتہائی شدت اور قوت عطا فرمائی اور پانی جو بہت رقیق ہے اس سے آسمانوں کو پیدا کیا اور ان کو فضاء میں معلق کر دیا اور مٹی جو عناصر اربعہ میں

سب سے کثیف' تاریک اور نچلے درجہ میں تھی اس سے انسان کو پیدا کیا اور اس کو اپنی معرفت' ہدایت' نورانیت اور محبت عطا فرمائی اور اس کو سب پر فائق اور سربلند کر دیا اور تمام مخلوقات میں انسان کو سرخرو اور بلند کیا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ○ (بنو اسرائیل : ۷۰)

اور بے شک ہم نے بنو آدم کو بزرگی عطا فرمائی اور ہم نے ان کو خشکی اور سمندر میں سوار کیا اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا' اور ہم نے ان کو اپنی مخلوق میں بہت سی چیزوں پر واضح فضیلت دی۔

حضرت آدم کے پتلے سے "کن فیکون" کے خطاب کی وضاحت

اس آیت پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اس آیت میں مذکور ہے : اس کو مٹی سے بنایا پھر اس سے فرمایا "کن" (ہوجا) "فیکون" (سو وہ ہو گیا)۔ اس سے معلوم ہوا کہ پہلے حضرت آدم کی تخلیق کی گئی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے "کن" فرمایا۔ حالانکہ تخلیق "کن" سے ہی ہوتی ہے۔ اس سوال کا ایک جواب یہ ہے کہ "خلقہ من تراب" کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی مٹی سے تخلیق کا ارادہ کیا۔ پھر فرمایا "کن" تو وہ ہو گئے دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مٹی سے ایک پتلا بنایا پھر "کن" فرما کر اس میں جان ڈال دی۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا۔ "خلقہ من تراب" آدم کو مٹی سے بنایا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر اور وضاحت کی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو مٹی سے کیسے بنایا تو فرمایا ہم نے اس سے "کن" کہا تو وہ ہو گئے خلاصہ یہ ہے کہ لفظ "ثم" تاخیر واقع کے لئے نہیں ہے بلکہ تاخیر بیان کے لئے ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ "فیکون" مضارع کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے ہوتا ہے یا ہوگا۔ بہ ظاہر فکان فرمانا چاہئے تھا جس کا معنی ہے ہو گیا اس کا جواب یہ ہے کہ تقدیر عبارت اس طرح ہے : اے محمد! (صلی اللہ علیک وسلم) آپ کا رب جس چیز کے لئے "کن" فرماتا ہے وہ لامحالہ ہو جاتی ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اس آیت میں مذکور ہے پھر اس سے (آدم سے) فرمایا "کن" تو وہ ہو گئے۔ "کن" فرمانے سے پہلے تو حضرت آدم وجود میں آئے ہی نہ تھے پھر اللہ تعالیٰ نے کسے فرمایا کہ اس سے کہا "کن" اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں جو حضرت آدم کا وجود علمی تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم اب علم تفصیلی اور وجود خارجی میں بھی آجاؤ۔

حضرت عیسیٰ اور حضرت آدم کے درمیان وجوہ مماثلت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی طرح ہے۔ یہ مماثلت کئی وجوہ سے ہے۔ (۱) یہ دونوں بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ (۲) دونوں کلمہ "کن" سے پیدا ہوئے۔ (۳) دونوں نبی ہیں۔ (۴) دونوں اللہ کے بندے ہیں۔ (۵) دونوں کی مخالفت کی گئی حضرت آدم کی ابلیس نے مخالفت کی اور حضرت عیسیٰ کی یہود نے مخالفت کی۔ (۶) اس مخالفت کی وجہ سے حضرت آدم آسمانوں سے زمین کی طرف آئے اور حضرت عیسیٰ زمین سے آسمانوں کی طرف گئے۔ (۷) حضرت آدم پھر کامیاب ہو کر جنت میں جائیں گے اور حضرت عیسیٰ پھر کامیاب ہو کر زمین پر آئیں گے۔ (۸) اللہ تعالیٰ نے دونوں کے علم کا اظہار فرمایا حضرت آدم کے علم کے متعلق فرمایا وعلم ادم الاسماء کلھا (البقرہ : ۳۱) اور حضرت عیسیٰ کے علم کے متعلق فرمایا ویعلمہ الکتاب والحکمۃ (آل عمران : ۴۸) (۹) دونوں میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا ونفخت فیہ من روحی (الحجر : ۲۹' ص : ۷۲) اور حضرت عیسیٰ کے متعلق

فرمایا : نفخنا فیہ من روحنا (الانبیاء : ۹۱' التحریم : ۱۲) (۱۰) دونوں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں دونوں کھاتے پیتے تھے اور دونوں کے لئے موت مقدر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ تمہارے رب کی طرف سے حق (کا بیان) ہے سو تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔ (آل عمران : ۶۰)

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ قرآن مجید میں شک کرتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا تم شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا' اس کے دو جواب ہیں ایک یہ ہے کہ اس آیت میں بہ ظاہر آپ کو خطاب ہے لیکن دراصل یہ آپ کی امت کے افراد سے خطاب ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ قرآن مجید میں شک نہ کریں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ قرآن مجید پر یقین رکھنے اور شک نہ کرنے کی صفت پر دائم اور مستمر رہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پھر (اے رسول مکرم!) جو لوگ علم حاصل ہو جانے کے بعد بھی آپ سے عیسیٰ کے متعلق کٹ حجتی کریں تو آپ کہیں آؤ ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنے آپ کو اور تمہیں پھر ہم مباہلہ (عاجزی کے ساتھ دعا) کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔ (آل عمران : ۶۱)

نصاریٰ نجران کو دعوت مباہلہ کی تفصیل

نجران کے وفد کے سامنے پہلے نبی ﷺ نے اس پر دلائل پیش کئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے ہیں اور اس مسئلہ میں عیسائیوں کے تمام شبہات کو مکمل طور پر زائل کیا' اور جب نبی ﷺ نے یہ دیکھا کہ وہ ہٹ دھرمی سے کسی دلیل کو نہیں مان رہے تو انہیں عاجز کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان سے مباہلہ کرنے کا حکم دیا۔ امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشا پوری متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے نجران کے وفد کو مباہلہ کرنے کے لئے بلایا۔ رسول اللہ ﷺ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو گود میں اٹھائے ہوئے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے نکلے اور حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما آپ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے اور آپ فرمارہے تھے جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ نصاریٰ کے سردار اسقف نے کہا اے نصاریٰ کی جماعت' میں ایسے چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ اللہ سے یہ دعا کریں کہ وہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے تو اللہ ان کی دعا قبول کرکے پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا دے گا سو تم ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی عیسائی باقی نہیں بچے گا' پھر انہوں نے جزیہ دینا قبول کرلیا اور اپنے علاقہ میں واپس چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : قسم اس ذات کی جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے اللہ کا عذاب اہل نجران کے نزدیک آچکا تھا' اور اگر یہ مباہلہ کرتے تو انہیں بندر اور خنزیر بنادیا جاتا اور ان کی وادی میں آگ بھڑکتی رہتی اور اہل نجران کو ملیامیٹ کردیا جاتا حتیٰ کہ درختوں پر پرندے بھی ہلاک ہو جاتے اور سال ختم ہونے سے پہلے تمام عیسائی فنا کے گھاٹ اتر جاتے۔ (الوسیط ج ۱ ص ۴۴۴' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

(المستدرک ج ۲ ص ۵۹۴' دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۲ ص ۲۹۸' طبری ج ۶ ص ۴۸۲۔ ۴۷۸' الدر المنثور ج ۲ ص ۳۹۔ ۳۸' کنز العمال ج ۲ ص ۳۸۰)

امام حاکم نے لکھا ہے کہ یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے' اور امام ابوعیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی' حضرت فاطمہ' حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا اور فرمایا : اے اللہ! یہ میرے اہل ہیں۔ یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔

(جامع ترمذی ص ۴۲۶' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

قرآن مجید کی اس آیت میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے بیٹوں کا اطلاق کیا ہے اور اس کی تائید اس حدیث میں ہے۔ امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک رات کسی کام سے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی ﷺ باہر تشریف لائے در آں حالیکہ آپ نے کسی کو چادر میں لیا ہوا تھا جس کا مجھے پتہ نہیں چلا جب میں اپنے کام سے فارغ ہوا تو میں نے پوچھا آپ نے چادر میں کس کو لیا ہوا ہے؟ آپ نے چادر کھولی تو آپ کے زانو پر حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں' سو تو بھی ان سے محبت کر اور تو اس سے بھی محبت کر جو ان دونوں سے محبت کرے

(جامع ترمذی ص ۵۳۹۔ مطبوعہ کراچی)

واضح رہے کہ آپ کی دیگر صاحبزادیوں سے اولاد کا سلسلہ قائم اور جاری نہیں رہا۔ آپ کی آل کے سلسلہ کا فروغ صرف نسب فاطمی سے مقدر تھا۔ نیز آپ کی اولاد کی خصوصیت میں یہ دلیل ہے۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ہر سبب اور نسب منقطع ہو جائے گا ماسوا میرے سبب اور نسب کے۔

(المستدرک ج ۳ ص ۱۴۲' سنن کبریٰ ج ۷ ص ۱۱۴' البدایہ والنہایہ ج ۷ ص ۸۱' تاریخ بغداد ج ۱۰ ص ۲۷۱' المطالب العالیہ ج ۴ ص ۱۷۷)

(المعجم الکبیر ج ۳ ص ۳۶' ج ۱۱ ص ۲۴۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۷۲' مطبوعہ بیروت)

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل

مناظرہ اور مجادلہ میں مباہلہ کرنا حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کن امر ہے کیونکہ اس میں جھوٹے فریق پر لعنت ثابت ہو جاتی ہے اور اس میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر دو دلیلیں ہیں اول یہ کہ اگر آپ کو اپنی نبوت پر یقین واثق نہ ہوتا تو آپ ان کو مباہلہ کی دعوت نہ دیتے اور ثانی یہ کہ فریق مخالف کے سردار عاقب نے مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا اور جزیہ دینے پر راضی ہو گیا اور وہ اس شرط پر واپس چلے گئے کہ ہر سال ایک ہزار حلے صفر میں اور ایک ہزار حلے رجب میں بھیجیں گے۔ امام ابو جعفر محمد ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ عامر سے روایت کرتے ہیں :

نبی ﷺ نے ان سے فرمایا اگر تم مباہلہ سے انکار کرتے ہو تو اسلام قبول کر لو جو حقوق مسلمانوں کے ہیں وہ تمہارے ہوں گے اور جو چیزیں ان پر فرض ہیں وہ تم پر فرض ہوں گی اور اگر تم کو یہ منظور نہیں ہے تو پھر ذلت کے ساتھ جزیہ ادا کرو اور اگر یہ بھی منظور نہیں ہے تو پھر ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم عرب کے ساتھ جنگ کی طاقت

نہیں رکھتے لیکن ہم جزیہ ادا کریں گے سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر دو ہزار حلے مقرر کئے ایک ہزار صفر کے مہینہ میں اور ایک ہزار رجب کے مہینہ میں۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۱۱ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت '۱۴۰۹ھ)

مباہلہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کا شرعی حکم

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: مباہلہ کا معنی ہے عاجزی کے ساتھ دعا کرنا۔

(المفردات ص ۶۳ 'مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران '۱۳۴۲ھ)

امام ابن جریر نے لکھا ہے 'مباہلہ کا معنی ہے فریق مخالف کے لئے ہلاکت اور لعنت کی دعا کرنا۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۰۹ 'مطبوعہ دار المعرفہ بیروت '۱۴۰۹ھ)

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

لغت میں ابتہال کے دو معنی ہیں۔ عاجزی کے ساتھ اللہ سے دعا کرنا 'اور لعنت کرنا' اور یہ دونوں قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں 'کلبی سے روایت ہے بہت کوشش کے ساتھ دعا کرنا اور عطاء نے اس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ ہم جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔ (الوسیط ج ۱ ص ۴۴۵ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

مباہلہ کرنا اس شخص کے لئے جائز ہے جس کو اپنے حق پر ہونے کا یقین واثق ہو اور فریق مخالف کے کفر پر ہونے کا یقین ہو کیونکہ مباہلہ میں یہ دعا کی جاتی ہے:

اے اللہ! ہم میں سے جو فریق جھوٹا ہو اس پر لعنت فرما 'اور لعنت صرف کافر پر جائز ہے۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا اب بھی مباہلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ علامہ آلوسی نے لکھا ہے کہ امام عبد بن حمید نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کسی شخص سے اختلاف ہوا تو آپ نے اس کو مباہلہ کی دعوت دی اور یہ آیت پڑھی اور مسجد حرام میں حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر ہاتھ بلند کرکے دعا کی 'اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ اب بھی مباہلہ کرنا جائز ہے۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۱۹۰ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ہمارے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز کا گوجرانوالہ کے مولوی عبد العزیز سے علم غیب پر مناظرہ ہوا آپ نے مشکوۃ سے یہ حدیث پیش کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے دونوں شانوں کے درمیان اپنا دست قدرت رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینہ میں محسوس کی سو میں نے جان لیا جو کچھ تمام آسمانوں اور زمینوں میں ہے' مولوی عبد العزیز نے کہا مشکوۃ بے سند کتاب ہے میں اس کو نہیں مانتا حضرت نے جامع ترمذی سے یہ حدیث نکال کر دکھائی اس نے طیش میں آکر ترمذی شریف کو پھینک دیا' حضرت نے فرمایا تم نے حدیث کی بے ادبی کی ہے اب میں تم سے مناظرہ نہیں کرتا مجھ سے مباہلہ کرلو۔ پھر دونوں نے یہ الفاظ کہے کہ ہم میں سے جو فریق باطل ہو وہ دوسرے فریق کے سامنے ایک سال کے اندر خدا کے قہر و غضب میں مبتلا ہو کر مرجائے' مولوی عبد العزیز جب گوجرانوالہ پہنچے اور صبح کی نماز کے بعد قرآن مجید کا درس دینے بیٹھے اور بولنا چاہا تو الفاظ منہ سے نہ نکلے زبان باہر نکل آئی کافی دنوں تک علاج کی کوشش کی گئی لیکن ڈاکٹروں نے کہہ دیا کہ کوئی مرض ہو تو علاج کیا جائے یہ تو اللہ کا عذاب ہے بالآخر سال پورا ہونے سے پہلے ہی وہ عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو گئے۔

الوہیت مسیح کے ابطال پر ایک عیسائی عالم سے امام رازی کا مناظرہ

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

جن دنوں میں خوارزم میں تھا مجھے معلوم ہوا کہ ایک عیسائی بہت تحقیق اور تدقیق کا مدعی ہے۔ ہم نے علمی گفتگو شروع کر دی اس نے مجھ سے پوچھا کہ (سیدنا حضرت) محمد ﷺ کی نبوت پر کیا دلیل ہے؟ میں نے کہا جس طرح ہم تک حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے معجزات کی خبر تواتر سے پہنچی ہے اسی طرح ہم تک تواتر سے سیدنا محمد ﷺ کے معجزات کی خبر پہنچی ہے، سو جس طرح ہم اس خبر متواتر کی وجہ سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو نبی مانتے ہیں اسی طرح ہم اس خبر متواتر کی وجہ سے سیدنا محمد ﷺ کو نبی مانتے ہیں۔ اس عیسائی عالم نے کہا لیکن میں حضرت عیسیٰ کو نبی نہیں خدا مانتا ہوں میں نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق الوہیت کا دعویٰ متعدد وجوہ سے باطل ہے۔

(۱) خدا اس کو کہتے ہیں جو لذاتہ واجب الوجود ہو اور اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہ جسم ہو نہ کسی چیز میں ہو نہ عرض ہو، اور وہ تغیر اور حدوث کی علامات سے منزہ ہو اور حضرت عیسیٰ جسم اور متحیز تھے وہ پہلے معدوم تھے پھر پیدا ہوئے ان پر بچپن، جوانی اور ادھیڑ عمری کے جسمانی تغیرات آئے، وہ کھاتے پیتے تھے، بول و براز کرتے تھے، سوتے جاگتے تھے اور تمہارے قول کے مطابق ان کو یہودیوں نے قتل کر دیا اور صلیب پر چڑھا دیا اور بداہت عقل اس پر شاہد ہے کہ جس شخص کے یہ احوال ہوں وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

(۲) تمہارے قول کے مطابق حضرت عیسیٰ یہودیوں سے چھپتے پھرے اور جب ان کو سولی پر چڑھایا گیا تو وہ بہت چیخے اور چلائے۔ اگر وہ خدا تھے تو ان کو چھپنے کی کیا ضرورت تھی اور چیخنے چلانے کی کیا ضرورت تھی؟

(۳) اگر حضرت عیسیٰ خدا تھے تو جب یہود نے ان کو قتل کر دیا تھا تو بغیر خدا کے یہ کائنات کیسے زندہ رہی۔؟

(۴) یہ تواتر سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی بہت عبادت کرتے تھے جو شخص خود خدا ہو وہ عبادت کیوں کرے گا؟

پھر میں نے اس عیسائی عالم سے پوچھا تمہارے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے پر کیا دلیل ہے؟ اس نے کہا حضرت عیسیٰ سے بہت عجیب و غریب امور کا ظہور ہوا۔ انہوں نے مردوں کو زندہ کیا، مادر زاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو شفا دی، میں نے اس سے کہا لاٹھی کو سانپ بنا دینا عقل کے نزدیک مردہ کو زندہ کرنے سے زیادہ عجیب و غریب ہے کیونکہ مردہ آدمی کے بدن اور زندہ آدمی کے بدن میں مشاکلت ہوتی ہے جب کہ لاٹھی اور سانپ میں کوئی مشابہت نہیں ہے اور جب لاٹھی کو سانپ بنا دینے کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خدا ہونا لازم نہیں آیا تو چار مردے زندہ کرنے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خدا ہونا کیسے لازم آئے گا؟

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۶۴۔ ۴۶۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک یہی بیان حق ہے اور اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور بے شک اللہ ہی غلبہ والا حکمت والا ہے○ پھر بھی اگر وہ اعراض کریں تو اللہ فساد کرنے والوں کو خوب جاننے والا ہے○ (آل عمران ۶۳۔ ۶۲)

اس میں ان دلائل کی طرف اشارہ ہے جو بیان کئے جا چکے سو وہ دلائل اور مباہلہ اور جو ذکر ان کے بیان پر مشتمل ہے وہ سب حق ہے اور رشد و ہدایت ہے، پھر ان دلائل سے یہی مطلوب ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق

نہیں ہے۔ اس کے بعد فرمایا اللہ ہی غلبہ والا اور حکمت والا ہے۔ اس میں بھی عیسائیوں کا رد ہے کیونکہ چند مردوں کو زندہ کرنے اور چند بیماروں کو شفا دینے کی وجہ سے وہ حضرت عیسیٰ کو خدا کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ صرف اتنی قدرت سے کسی کا خدا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ تم کو خود اعتراف ہے کہ حضرت عیسیٰ یہودیوں سے چھپتے پھرتے تھے اور یہودیوں نے ان کو قتل کر دیا تھا اور خدا کسی سے مغلوب نہیں ہوتا خدا وہ ہے جس کا تمام کائنات پر غلبہ ہے' اور اسی کی قاہر قدرت سے تمام نظام عالم جاری وساری ہے۔ اسی طرح نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو اس لئے خدا کہتے تھے کہ انہوں نے چند غیب کی خبریں دیں اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا صرف اتنے علم سے کسی کا خدا ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ خدا وہ ہے جو تمام معلومات اور تمام عواقب امور کا عالم ہو اور کائنات کے ماضی اور مستقبل کی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہ ہو' اور اگر وہ اس سے اعراض کریں کہ خدا کے لئے تمام مقدورات پر قادر اور غالب ہونا اور تمام معلومات غیر متناہیہ کا عالم ہونا ضروری ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس طرح غالب اور عالم نہ ہونے کے باوجود ان کو خدا مانیں تو پھر آپ ان سے بحث نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں کیونکہ اللہ ان کے فساد اور ان کے اغراض فاسدہ کو خوب جانتا ہے اور وہی ان کی خبر لے گا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

آپ کہیے اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر (مسلّم) ہے

اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا

(وہ یہ کہ) ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم اس کے ساتھ کسی کو بالکل شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو

بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا

چھوڑ کر کسی دوسرے کو رب نہ بنائے پھر اگر وہ اعراض کریں تو تم کہہ دو کہ (لوگو) گواہ رہو

بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاۗجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ

ہم مسلمان ہیں ○ اے اہل کتاب تم ابراہیم کے متعلق کیوں بحث میں پڑتے ہو

وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٥﴾

حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں، کیا تم نہیں سمجھتے ○

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاۗجُّوْنَ

سنو! تم وہی لوگ ہو جنھوں نے اس چیز میں بحث کی جس کا تمھیں کچھ (نہ کچھ) علم تھا سو اب تم اس چیز

فِيمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾

ہیں کیوں بحث کر رہے ہو جس کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں ہے اور اللہ کو علم ہے اور تمہیں علم نہیں ہے ○

آیات سابقہ سے مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیات میں یہ بیان فرمایا تھا کہ نبی ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کے سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے بطلان اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے احقاق اور اثبات پر دلائل پیش کیے اور جب عیسائیوں نے ان دلائل کو تسلیم نہیں کیا تو پھر آپ نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی وہ مباہلہ کرنے سے خوف زدہ ہوئے اور انہوں نے ذلت اور پسپائی کے ساتھ جزیہ دینا قبول کر لیا' اور نبی ﷺ اس پر حریص تھے کہ وہ ایمان لے آئیں اور اسلام قبول کر لیں' تب اللہ تعالیٰ نے مناظرہ اور مباہلہ کے بجائے ایک اور طریقہ سے ان کے سامنے دعوت اسلام کو پیش کرنے کا حکم دیا اور یہ ایسا طریقہ ہے جو ہر عقل سلیم رکھنے والے شخص کے نزدیک قابل قبول ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ ان سے یہ کہیں کہ اے اہل کتاب! آؤ ہم اور تم ایسی چیز کو مان لیں جو ہم دونوں کے درمیان متفق علیہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں' اور ہم اس کے ساتھ کسی کو بالکل شریک نہ ٹھیرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو رب نہ بنائے' سیاق و سباق کے مطابق یہاں اہل کتاب سے مراد نجران کے عیسائی ہیں' تاہم یہاں دو اور قول ہیں ایک یہ ہے کہ اہل کتاب سے مراد یہود ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہود اور عیسائی دونوں ہیں۔ امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے مدینہ کے یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی جب انہوں نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا تو آپ نے فرمایا : آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔

سدی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کو دعوت دی اور فرمایا آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۱۳' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام ابن جریر طبری نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ اس آیت میں اہل کتاب سے مراد یہود اور عیسائی دونوں ہیں کیونکہ قرآن مجید میں کسی ایک کو معین نہیں کیا گیا' اسی طرح امام واحدی متوفی ۴۵۸ھ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے اور لکھا ہے کہ ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کو رب نہ بنائے' اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو رب بنایا اور بنو اسرائیل نے حضرت عزیر کو رب بنایا۔

(الوسیط ج ۱ ص ۴۴۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

عقیدہ تثلیث اور اس کا ابطال

اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کو اس آیت میں تین چیزوں کی دعوت دی ہے کہ (۱) اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور عیسائی حضرت عیسیٰ کی عبادت کرتے تھے۔ (۲) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور عیسائی اللہ کے ساتھ غیر کو شریک ٹھیراتے تھے' وہ کہتے تھے کہ یہاں تین اقانیم ہیں (تین اصلیں یا تین چیزیں) باپ' بیٹا اور روح القدس' اور یہ تینوں ذوات

قدیمہ ہیں اور اقنوم کلمہ ناسوت مسیح میں داخل ہو گیا اور اقنوم روح القدس ناسوت مریم میں داخل ہو گیا' اس طرح انہوں نے ان دونوں اقانیم کو ذوات قدیمہ مان کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھیرا لیا۔ (۳) اللہ کو چھوڑ کر کسی کو رب نہ مانیں سو انہوں نے اپنے علماء اور راہبوں کو رب مان لیا یعنی ان کے ساتھ رب کا معاملہ کیا' کیونکہ وہ چیزوں کو حلال اور حرام قرار دینے میں ان کی اطاعت کرتے تھے' نیز وہ اپنے راہبوں کو سجدہ کرتے تھے' اور وہ یہ کہتے تھے کہ جو راہب زیادہ مجاہدہ کرتا ہے اس میں لاہوت کا اثر حلول کر جاتا ہے اور وہ مردوں کو زندہ کرنے اور مادر زاد اندھوں کو بینا کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

عیسائیوں کے یہ تینوں عقائد باطل ہیں' حضرت عیسیٰ کا خدا ہونا اس لیے باطل ہے کہ حضرت عیسیٰ کے ظہور سے پہلے ان کی خدائی کا نام و نشان تک نہ تھا اور صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ ہی معبود تھا۔ اس لیے واجب ہے کہ حضرت عیسیٰ کے ظہور کے بعد بھی وہی معبود اور وہی خدا ہو' اسی طرح ان کا دو اقانیم کو الوہیت میں شریک کرنا بھی باطل ہے کیونکہ ایک چیز کا دوسری چیز میں حلول کرنا تغیر کو مستلزم ہے اور تغیر حدوث کو مستلزم ہے اور جو حادث ہو وہ قدیم نہیں ہو سکتا' اس لیے ان کا کلمہ اور روح القدس کی اقانیم کو قدیم کہنا باطل ہے' اور جب ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور ہر نعمت کا عطا کرنے والا' اللہ تعالیٰ ہے تو احکام شرعیہ کے حلال اور حرام کرنے کا بھی اسی کو اختیار ہے اور اس میں اسی کی اطاعت ہو گی اور عیسائیوں کا اشیاء کی حلت اور حرمت میں اپنے علماء اور پیروں کی اطاعت کرنا اور ان کے ساتھ رب کا معاملہ کرنا باطل ہے۔

اہل کتاب کو دعوت اسلام کا طریقہ

نبی ﷺ نے امراء اہل کتاب کو جو اسلام کی دعوت دی یہ آیت اس دعوت کی اصل عظیم ہے' نبی ﷺ نے ہرقل کو جو اسلام کی دعوت دی تو آپ نے اپنے مکتوب میں اس آیت کو لکھا' امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ابوسفیان نے خبر دی کہ ہرقل نے رسول اللہ ﷺ کے مکتوب کو منگوایا جو حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بصریٰ کے امیر کی طرف بھیجا گیا تھا' بصری کے امیر نے وہ مکتوب ہرقل کو دیا اس میں لکھا ہوا تھا' بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' یہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی جانب سے روم کے امیر ہرقل کے نام ہے' اس پر سلام ہو جو ہدایت کا متبع ہے' اللہ کی حمد و ثناء کے بعد واضح ہو کہ میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں' تم اسلام قبول کر لو سلامت رہو گے اور اگر تم نے روگردانی کی تو تمہارے پیروکاروں (کے اسلام قبول نہ کرنے) کا گناہ بھی تم پر ہو گا' اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر (مسلم) ہے (وہ یہ ہے کہ) ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم اس کے ساتھ کسی کو بالکل شریک نہ ٹھیرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کو رب نہ بنائے' پھر اگر وہ اعراض کریں تو تم کہہ دو کہ (لوگو) گواہ رہو ہم مسلمان ہیں○

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۔ ۴ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے اہل کتاب! تم ابراہیم کے متعلق کیوں بحث میں پڑتے ہو' حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں کیا تم نہیں سمجھتے (آل عمران : ۶۵)

یہود و نصاریٰ کی حضرت ابراہیم کی طرف نسبت کا باطل ہونا اور مسلمانوں کی نسبت کا برحق ہونا

یہود یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ابراہیم ہمارے دین پر ہیں اور نصاریٰ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ابراہیم ہمارے دین پر ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ تم دونوں یہ دعویٰ کس طرح کر رہے ہو حالانکہ تورات اور انجیل حضرت ابراہیم علیہ السلام

کے کافی زمانہ کے بعد نازل ہوئی ہیں' ایک قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان سات سو سال کا عرصہ ہے اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان ایک ہزار سال کا عرصہ ہے' نیز حضرت ابراہیم یہود کے دین پر کس طرح ہو سکتے ہیں جب کہ حضرت ابراہیم موحد تھے اور یہود عزیر کی عبادت کرتے ہیں اور عیسائیوں کے دین پر کس طرح ہو سکتے ہیں جب کہ وہ موحد تھے اور عیسائی حضرت عیسیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔

رہا یہ سوال کہ مسلمان بھی تو اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کا پیروکار کہتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمان حضرت ابراہیم کو اپنے دین کا تابع نہیں کہتے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم ملت ابراہیم کے تابع ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ توحید' رسالت اور معاد اور دیگر اصول ہمارے اور ان کے درمیان مشترک ہیں جب کہ یہود اور نصاریٰ توحید کے قائل نہیں اور معاد پر بھی ان کا صحیح ایمان نہیں ہے۔ یہود صرف چند دن عذاب کے قائل ہیں اور نصاریٰ کفارہ مسیح کی وجہ سے مطلقاً" عذاب کے قائل نہیں' نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اپنے کو مسلم فرمایا ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام دعا کرتے ہیں :

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (البقرہ : ۱۲۸)
اے ہمارے رب ہم دونوں کو اپنے لیے مسلمان رکھ اور ہماری اولاد میں سے ایک امت کو مسلمان رکھ

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ ۙ مِن قَبْلُ وَفِي هَٰذَا (الحج : ۷۸)
تمہارے باپ ابراہیم کا دین' اس (اللہ) نے تمہارا نام پہلی کتابوں میں اور اس (قرآن) میں مسلمان رکھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سنو! تم وہی لوگ ہو جنہوں نے اس چیز میں بحث کی جس کا تمہیں (کچھ نہ کچھ) علم تھا سو اب تم اس چیز میں کیوں بحث کر رہے ہو جس کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں ہے اور اللہ کو علم ہے اور تمہیں علم نہیں ہے۔
(آل عمران : ۶۶)

یہود اور نصاریٰ کو اس کا علم تھا کہ تورات اور انجیل کی شریعت قرآن مجید کی شریعت سے مختلف ہے' ان کے اس زعم کی تو ایک وجہ ہے لیکن ان کو اس کا تو بالکل علم نہیں تھا کہ قرآن کی شریعت حضرت ابراہیم کی شریعت کے مخالف ہے' لہٰذا ان کے اس قول کی کوئی صحیح توجیہ نہیں ہے کہ قرآن مجید کی شریعت حضرت ابراہیم کی شریعت کے مخالف ہے اور اللہ ہی کو اس کا علم ہے کہ کون سی شریعت کس شریعت کے موافق ہے اور کس شریعت کے مخالف ہے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ تم جو کہتے ہو کہ حضرت ابراہیم کا دین ہمارے موافق ہے تو اس سے تمہاری کیا مراد ہے؟ اصول اور عقائد میں موافقت یا احکام شرعیہ میں موافقت' اگر تمہاری مراد اصول اور عقائد میں موافقت ہے تو تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اور سب کے اصول اور عقائد واحد ہیں اس لحاظ سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کا دین بھی حضرت ابراہیم کے موافق ہے اور اگر اس سے مراد احکام شرعیہ میں موافقت ہے تو لازم آئے گا سیدنا محمد ﷺ صاحب شریعت نہ ہوں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے تابع ہوں' اس کا جواب یہ ہے کہ ہم دونوں صورتیں اختیار کر سکتے ہیں یعنی ہماری مراد یہ ہے کہ اسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصول اور عقائد میں موافق ہے جب کہ موجودہ یہودیت اور نصرانیت ان کے موافق نہیں ہے' کیونکہ یہودی عزیر کو اللہ کو بیٹا کہتے ہیں اور عیسائی مسیح کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور حضرت ابراہیم کے اصول اور عقائد میں اللہ وحدہ لاشریک ہے اور یہ توحید صرف اسلام کے موافق ہے' اسی طرح نبوت

اور آخرت کے متعلق بھی حضرت ابراہیم کے اصول اور عقائد اسلام کے موافق ہیں یہودیت اور نصرانیت کے اصول اور عقائد کے موافق نہیں ہیں اس لیے اصول اور عقائد کے لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین اسلام کے موافق ہے' اور حضرت ابراہیم کا خصوصیت سے ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی ان کی موافقت کے دعوی دار تھے' اور فروع اور احکام شرعیہ کے لحاظ سے بھی کہا جاسکتا ہے کیونکہ سیدنا محمد ﷺ کی شریعت کے بعض احکام شریعت ابراہیم کے موافق ہیں مثلاً مناسک حج' قربانی' وضو کی سنتیں' ختنہ اور غیر ضروری بالوں کا کاٹنا' ناخنوں کو تراشنا وغیرہ یہ ملت ابراہیم کے احکام ہیں جن کو اسلام نے مقرر اور ثابت رکھا اس لیے فروع کے اعتبار سے بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابراہیم کی شریعت سیدنا محمد ﷺ کی شریعت کے موافق ہے۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا

ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی لیکن وہ ہر باطل نظریہ سے الگ رہنے والے خالص مسلمان

مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ

تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے ○ بیشک تمام لوگوں میں ابراہیم

بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَ

سے نزدیک تر وہی لوگ تھے جنھوں نے ان کی اتباع کی اور یہ نبی اور جو (ان پر) ایمان لائے ۔ اور

اللّٰهُ وَلِىُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ

اللہ ایمان والوں کا مددگار ہے ○ اہلِ کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ کاش وہ تمھیں

لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾

گمراہ کر سکیں حالانکہ وہ صرف اپنے آپ کو ہی گمراہ کر رہے ہیں اور انھیں اس کا شعور نہیں ہے ○

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

اے اہلِ کتاب ! تم اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو ○

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ

اے اہلِ کتاب ! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو اور کیوں حق کو

الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع

چھپاتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو۔O

یہ آیت' آیات سابقہ کا تتمہ ہے' یہود و نصاریٰ رسول اللہ ﷺ سے اس بات میں بحث کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم یہودی تھے یا نصرانی تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کے دعووں کی تکذیب کی اور فرمایا سیدنا محمد ﷺ اور ان کی امت ہی حضرت ابراہیم کے دین اور ان کی شریعت پر ہیں اور ان کے علاوہ کوئی دین اور کوئی ملت ان کے طریقہ پر نہیں ہے۔ خواہ وہ یہودی ہوں یا نصرانی یا مشرکین ہوں جو بت پرستی کرتے ہیں' حضرت ابراہیم تمام ادیان باطلہ سے اعراض کرنے والے اور خالص مسلم تھے اور یہی سیدنا محمد ﷺ کی دعوت' آپ کا دین اور آپ کی شریعت ہے' امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: عامر بیان کرتے ہیں کہ یہود نے کہا ابراہیم ہمارے دین پر ہیں اور نصاریٰ نے کہا وہ ہمارے دین پر ہیں تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی لیکن وہ ہر باطل نظریہ سے الگ رہنے والے خالص مسلمان تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۱۷' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک تمام لوگوں میں ابراہیم سے نزدیک تر وہی لوگ تھے جنہوں نے اس کی اتباع کی اور یہ نبی اور جو (ان پر) ایمان لائے اور اللہ ایمان والوں کا مددگار ہےO (آل عمران: ۶۸)

اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کرنے کے دعویٰ کا حق ان ہی لوگوں کو ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین' ان کی شریعت اور ان کے طریقہ کی پیروی کرتے ہیں اور وہ یہ نبی ہیں یعنی سیدنا محمد ﷺ اور آپ کے متبعین اور آپ پر ایمان لانے والے' اور جو سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ ان کی مدد کرنے والا ہے' امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر نبی کے نبیوں میں سے کچھ مددگار ہوتے ہیں اور ان نبیوں میں سے میرے مددگار میرے باپ اور میرے رب کے خلیل ہیں' پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۱۸' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ' جامع ترمذی ص ۴۲۶' مطبوعہ کراچی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اہل کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ کاش وہ تمہیں گمراہ کر سکیں حالانکہ وہ صرف اپنے آپ ہی کو گمراہ کر رہے ہیں۔ (آل عمران: ۶۹)

عوام اہل کتاب کا رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنا

اس سے پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ یہود و نصاریٰ دلائل سے روگردانی کرتے ہیں اور حق کو قبول نہیں کرتے' اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ وہ صرف اسی پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شبہات ڈال کر ان کو دین سے منحرف کرنے کی ناکام کوشش بھی کرتے ہیں' مثلاً وہ کہتے تھے کہ جب (سیدنا) محمد (ﷺ) حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں تو پھر اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیوں کرتے ہیں؟ اور وہ کہتے تھے کہ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ کی شریعت دائمی ہے اور قیامت تک رہے گی' اور مسلمان جو کہتے تھے کہ اسلام نے سابقہ شریعتوں کو

منسوخ کردیا ہے اس پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ اللہ کسی حکم کو نازل کرنے کے بعد اس کو منسوخ کردے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہلے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس حکم میں کیا خرابیاں ہیں اور اس سے اللہ تعالیٰ کے علم پر اعتراض ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ صرف اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے گمراہ کرنے سے مسلمانوں کو تو کوئی فرق نہیں پڑے گا نہ ان پر اثر ہوگا البتہ اس گمراہ کرنے کا گناہ اور وبال انہیں ہوگا' نیز یہاں فرمایا ہے کہ اہل کتاب کا ایک گروہ یہ چاہتا ہے کیونکہ تمام اہل کتاب ایسے نہیں تھے یہود و نصاریٰ میں سے بعض اہل کتاب ایمان لے آئے تھے اور ان کی اللہ تعالیٰ نے تعریف فرمائی ہے :

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ (اٰل عمران : ۱۱۳)

اہل کتاب میں سے بعض لوگ حق پر قائم ہیں' وہ رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں در آں حالیکہ وہ سجدہ ریز ہوتے ہیں۔

مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ (المائدہ : ۶۶)

بعض اہل کتاب معتدل ہیں' اور زیادہ تر لوگ کیا ہی برے کام کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے انہیں اس کا شعور نہیں ہے' یعنی انہیں اس کا شعور نہیں ہے کہ ان کے گمراہ کرنے کا وبال صرف ان ہی کو لاحق ہوگا' یا وہ دین اسلام کے برحق ہونے کا شعور نہیں رکھتے' حالانکہ اسلام کی صداقت پر اس قدر کثیر دلائل اور براہین ہیں کہ ادنیٰ تامل کرنے سے انسان پر اسلام کی حقانیت واضح ہو جاتی ہے' یا انہیں اس کا شعور نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے مکر و فریب کے جو طریقے استعمال کرتے ہیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس سے مطلع فرما دیتا ہے اور یوں ان کی سعی رائیگاں جاتی ہے

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں :

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت حضرت معاذ' حضرت حذیفہ اور حضرت عمار رضی اللہ عنھم کے متعلق نازل ہوئی ہے' یہودیوں میں سے بنونضیر' بنو قریظہ اور بنو قینقاع نے ان کو اپنے دین کی دعوت دی' ایک قول یہ ہے کہ نجران کے عیسائیوں اور بعض یہودیوں نے ان کو اپنے اپنے دین کی دعوت دی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : یہود نے حضرت معاذ اور حضرت عمار سے کہا تم نے اپنے دین کو چھوڑ کر دین محمد کی اتباع کرلی تو یہ آیت نازل ہوئی' اور ایک قول یہ ہے کہ یہود نے مسلمانوں کے سامنے احد کا واقعہ ذکر کرکے ان کو عار دلایا۔

(البحر المحیط ج ۳ ص ۲۰۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۳ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو؟ حالانکہ تم خود گواہ ہو۔ (آل عمران : ۷۰)

علماء اہل کتاب کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنا

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے عوام اہل کتاب کا ذکر فرمایا تھا جن کو تورات اور انجیل میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل کا علم اور شعور نہیں تھا اور وہ بغیر علم اور شعور کے محض عناد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے تھے' اس آیت میں علماء اہل کتاب کا ذکر فرمایا ہے جن کو تورات اور انجیل میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل اور آپ کی علامات

کے متعلق آیات کا علم تھا اور وہ ان آیات اور علامات پر شاہد اور گواہ تھے لیکن جب عوام اہل کتاب یا عوام مسلمین ان سے ان آیات کے متعلق سوال کرتے تو وہ صاف انکار کر دیتے حالانکہ ان کو ان آیات کا علم تھا' وہ اصل تورات کا کفر نہیں کرتے تھے بلکہ ان آیات کے سیدنا محمد ﷺ پر اطلاق اور انطباق کا کفر کرتے تھے۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ اس بات کے معترف تھے کہ معجزہ نبوت کی دلیل ہے اور نبی ﷺ نے ان کے سامنے بہت سے معجزات کو ظاہر کیا پھر چاہیے تھا کہ جن معجزات کا وہ مشاہدہ کر چکے ہیں ان کی بناء پر سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کو مان لیتے لیکن انہوں نے عناداً" انکار کیا اور آپ کی نبوت کا انکار اللہ تعالیٰ کے معجزات اور اس کی آیات کا انکار کرنا ہے۔

اور اس کی تیسری تقریر یہ ہے کہ چونکہ قرآن مجید کی نظیر کوئی شخص نہیں لا سکتا تھا اس لیے اس کا معجز ہونا ظاہر ہو چکا تھا اور وہ اس کے معجز ہونے کے شاہد اور گواہ تھے اس کے باوجود وہ قرآن مجید کی آیات سے انکار کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے اہل کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو؟ اور کیوں حق کو چھپاتے ہو؟

(آل عمران : ۷۱)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے اہل کتاب! انبیاء علیہم السلام جس حق کو لے کر آئے ہیں تم اس میں اس باطل کی آمیزش کیوں کرتے ہو جس کو تمہارے احبار اور رہبان نے اپنی فاسد تاویلات سے وضع کیا ہے اور اسلام کے خلاف جو شبہات ڈالے ہیں اور آیات میں جو تبدیلی اور تحریف کی ہے تم (سیدنا) محمد ﷺ کی صفات آپ کی علامات اور شان کے بیان کو چھپاتے ہو' حالانکہ یہ سب کچھ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ہے اور اس میں یہ بشارت ہے کہ بنو اسماعیل سے ایک نبی مبعوث ہو گا جو لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے گا' حالانکہ تم کو علم ہے کہ ان آیات کے چھپانے میں اور ان میں تحریف کرنے میں تم خطاء اور باطل پر ہو اور تم جو کچھ کر رہے ہو اس کا سبب صرف حسد اور عناد ہے۔

علماء اہل کتاب کی واردات کے دو طریقے تھے ایک یہ کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلالت کرنے والی آیات کا انکار کرتے تھے حالانکہ وہ اس پر شاہد تھے کہ تورات اور انجیل میں ایسی آیات ہیں' اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیت میں ان کے اس طریقہ کی مذمت کی ہے اور دوسرا طریقہ یہ تھا کہ وہ نبی ﷺ کی نبوت پر دلالت کرنے والی آیات کو چھپاتے تھے اور کبھی ان آیات میں تحریف کر دیتے اور کبھی ان کی باطل تاویل کرتے اور کبھی مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شبہات پیدا کرتے' حالانکہ انہیں علم تھا کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ غلط اور باطل ہے' اس دوسرے طریقہ کی مذمت اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کی ہے۔ امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

ابن زید نے کہا حق وہ آیات ہیں جو اللہ نے حضرت موسیٰ پر تورات میں نازل کیں اور باطل وہ ہے جس کو وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے تھے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۲۰' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ

اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا تم صبح کو اس پر ایمان لاؤ جو مسلمانوں پر

عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ

نازل ہوا ہے اور شام کو اس کا کفر کرو، شاید کہ وہ (مسلمان، دین سے)

يَرْجِعُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ

پھر جائیں ○ اور تم صرف اس شخص کی بات مانو جو تمہارے دین کا پیروکار ہو، آپ کہیے کہ بیشک

الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ

(اصل) ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے (اور انھوں نے کہا تم یہ بھی نہ مانو کہ) جو کچھ تم کو دیا گیا اس کی مثل کسی اور کو بھی دیا جا

يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ

سکتا ہے، یا کوئی تمہارے خلاف تمہارے رب کے پاس کوئی حجت قائم کرسکتا ہے، آپ کہیے کہ بیشک فضل تو اللہ کے قبضہ میں ہے وہ جس کو چاہتا

مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ ښ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ

ہے فضل عطا فرماتا ہے، اور اللہ بہت وسعت والا، بہت علم والا ہے ○ وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر

يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾

لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ کس طرح یہود مسلمانوں کو ورغلانے اور ان کو دین اسلام سے منحرف کرنے کے لیے ان کے دلوں میں شبہات ڈالتے ہیں اس آیت میں بھی ان کی اسی نوع کی سازشیں اور تلبیس کا ذکر فرمایا ہے :

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

عرینہ (مدینہ کی بستی) کے بارہ علماء یہود نے ایک دوسرے سے کہا دن کے اول وقت میں دین محمد میں داخل ہو جاؤ اور یہ کہو کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد حق اور صادق ہیں اور جب دن کا آخری حصہ ہو تو ان کا کفر کردو اور بیان کرو کہ ہم نے اپنے علماء اور احبار کی طرف رجوع کیا اور ان سے سوال کیا تو انھوں نے یہ بیان کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جھوٹے ہیں (العیاذ باللہ) اور تم نے جس دین کو اختیار کیا ہے وہ بالکل غیر معتبر ہے' اور اب ہم نے اپنے سابق دین کی طرف رجوع کر لیا ہے' اور یہ تمہارے دین سے بہتر ہے' شاید اس ترکیب سے مسلمان شک میں پڑجائیں اور کہیں کہ یہ لوگ صبح ہمارے ساتھ تھے' اب کیا ہوا جو یہ اسلام کو چھوڑ گئے' تب اللہ عزوجل نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس سازش سے بروقت خبردار کر دیا۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۲۱' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی اس سازش سے نبی ﷺ کو بروقت خبردار کر دیا اس میں حسب ذیل حکمتیں ہیں :

(۱) یہودیوں نے مخفی طور پر یہ حیلہ کیا تھا اور کسی اجنبی کو اس حیلہ سے مطلع نہیں کیا تھا اور جب رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس سازش کی خبر دی' تو یہ غیب کی خبر ہوئی اور اس سے آپ کا مطلع علی الغیب ہونا ثابت ہوا اور یہ آپ کا معجزہ ہے۔

(۲) جب اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ان کی اس سازش سے مطلع فرما دیا تو اب ان کا اس سازش پر عمل کرنا بے سود ہو گیا اور جس کا ایمان ضعیف تھا اس پر بھی اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

(۳) جب یہودیوں کی اس سازش کا راز فاش ہو گیا تو آئندہ اس قسم کے مکر و فریب اور سازشیں کرنے کے لیے ان کے حوصلے نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (اور انہوں نے کہا' تم یہ بھی نہ مانو کہ) جو تم کو دیا گیا اس کی مثل کسی اور کو بھی دیا جا سکتا ہے' یا کوئی تمہارے خلاف تمہارے رب کے پاس کوئی حجت قائم کر سکتا ہے۔ الآیہ (آل عمران : ۷۳)

اس آیت میں بھی یہود کے کلام کا تتمہ بیان کیا گیا ہے چونکہ یہود کا یہ زعم تھا کہ نبوت صرف بنو اسرائیل کے ساتھ مختص ہے اس لیے انہوں نے آپس میں کہا بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جیسا دین اور جیسی کتاب تمہیں دی گئی ہے وہ کسی اور کو بھی دی جائے' اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص تمہارے خلاف تمہارے رب کے سامنے کوئی حجت پیش کر سکے' اس آیت کی دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اپنے ہم مذہب یہودیوں کے سوا اپنے اسرار اور راز کی باتیں اور کسی پر ظاہر نہ کرو' اور اس آخری نبی کے متعلق جو پیش گوئیاں ہماری کتاب میں ہیں وہ مسلمانوں پر ظاہر نہ کرو ورنہ ان کا اس نبی پر ایمان اور پختہ ہو گا اور قیامت کے دن وہ تمہارے خلاف حجت پیش کریں گے' اور تیسری تفسیر یہ ہے کہ تمہارے پاس جو علم اور حکمت کی باتیں ہیں وہ مسلمانوں پر ظاہر نہ کرو ورنہ وہ تم سے یہ باتیں سیکھ لیں گے' اور تمہارے برابر ہو جائیں گے اور وہ تم سے علم اور حکمت کی باتیں سیکھ کر ان کو تمہارے خلاف قیامت کے دن اللہ کے سامنے بطور حجت پیش کریں گے۔ ان دو جملوں کے درمیان یہ جملہ معترضہ ہے کہ اصل ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ اور رسول سیدنا محمد ﷺ پر جو آیات نازل کی ہیں اللہ تعالیٰ جس کو ان کی طرف ہدایت دینا چاہئے اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے' اور اسلام اور سیدنا محمد ﷺ کے خلاف تمہاری سازشیں' مکر و فریب اور دجل و تلبیس کوئی اثر نہیں کر سکتا' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ کہئے کہ بے شک فضل تو اللہ کے قبضہ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے فضل عطا فرماتا ہے اور اللہ بہت وسعت والا بہت علم والا ہے۔ (آل عمران : ۷۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس زعم فاسد کا رد کیا ہے کہ نبوت صرف بنو اسرائیل میں رہے گی' اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا نبوت ہو یا کوئی اور نعمت ہر چیز اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہے' وہ جس کو چاہے ایمان اور علم و حکمت سے نوازتا ہے' اور جس کو چاہے گمراہی میں پڑے رہنے دیتا ہے' اس کی بصر اور بصیرت کو سلب کر لیتا ہے اور اس کے دل اور کانوں پر مہر لگا دیتا ہے' کل خیر اور فضل مطلق اسی کے ہاتھ میں ہے' اور نبوت بنو اسرائیل میں منحصر نہیں ہے اور نہ کسی کے نسب اور شرف کی نبوت پر اجارہ داری ہے' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ بہت علم والا ہے اس میں یہ ظاہر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ کون اس کا اہل ہے جس کو وہ اپنا فضل عطا فرمائے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام : ۱۲۴) — اللہ اپنی رسالت رکھنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔
(آل عمران: ۷۴)

نبوت کا وہبی ہونا اور باقی فضائل کا کسبی ہونا

جس شخص کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم ہو کہ یہ اس کی رحمت کے لائق ہے اس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے۔ خصوصاً وہ رحمت جس سے مراد نبوت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے اس شخص کو نبوت کے ساتھ مختص کرتا ہے جو نبوت کے قابل ہو وہ اس شخص کو صفاء باطن اور پاکیزہ فطرت کے ساتھ پیدا کرتا ہے تاکہ اس پر بہ تدریج وحی نازل فرمائے' اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ (یوسف: ۲۲) اور جب وہ (یوسف) اپنی پوری قوت کو پہنچے تو ہم نے انہیں حکم اور علم عطا فرمایا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "اللہ اپنی رسالت رکھنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔" (الانعام: ۱۲۴) یہی وجہ ہے کہ نبوت کسب سے حاصل نہیں ہوتی' کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کو نبی بنانا چاہتا ہے اس کی اہلیت رکھنے والا شخص پیدا فرما دیتا ہے بلکہ عام انسانوں کے اعتبار سے نبی کی حقیقت میں ایک زائد خصوصیت ہوتی ہے اور وہ ہے حصول وحی کی استعداد اور صلاحیت' عام انسان صرف حواس اور عقل سے شہادت اور ظاہر کا ادراک کرتے ہیں اور نبی میں ایک ایسی خصوصیت ہے جس سے وہ غیب کا ادراک کرتا ہے' جنات اور فرشتوں کو دیکھتا ہے اور فرشتوں کا کلام سنتا ہے' سو اللہ تعالیٰ جس کو نبی بناتا ہے اس میں ایسی صلاحیت اور استعداد رکھتا ہے جس کی بناء پر اس پر وحی نازل کی جا سکے اور عام انسانوں میں یہ صلاحیت اور استعداد نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ (الحشر: ۲۱) اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل فرماتے تو (اے مخاطب) تو ضرور اسے (اللہ کے لیے) جھکتا ہوا اور اللہ کے خوف سے پھٹتا ہوا دیکھتا۔

نبوت کے علاوہ دیگر فضائل مثلاً علم و حکمت' نیکی اور تقویٰ وغیرہ کو کسب سے حاصل کرنا ممکن ہے' اس کے باوجود ان صفات کی بھی پہلے صلاحیت اور استعداد کا حاصل ہونا ضروری ہے' پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی نظر عنایت ہو تو یہ صفات حاصل ہوتی ہیں' اور جب کہ رحمت نبوت اور دیگر تمام نیک صفات کو شامل ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تفصیل ذکر نہیں کی' بلکہ اجمالاً فرمایا اللہ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے خاص فرما لیتا ہے یعنی اس کے علم کے مطابق جو شخص جس رحمت کا اہل ہو اور اس کو اس رحمت سے نوازنا اس کی حکمت کا تقاضا ہو وہ اس کو اس رحمت سے نواز دیتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ بڑے فضل والا ہے' اس میں یہ تنبیہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کرنے کا ارادہ کرے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کی طرف متوجہ اور راغب ہوتا ہے تاکہ اللہ اس پر اپنے فضل اور رحمت سے تجلی فرمائے اس کو برائیوں اور گناہوں سے پاک اور صاف کرے اور اس کو نیکیوں اور خوبیوں سے مزین فرمائے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ

اور (اے مخاطب) اہل کتاب میں سے بعض ایسے لوگ ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ڈھیروں مال بھی امانت رکھو تو وہ تم

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ

کو ادا کر دیں گے اور بعض ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھو تو وہ تم کو ادا نہیں کریں گے سوا اس کے کہ تم ان کے

عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ

سر پر کھڑے رہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہہ چکے ہیں کہ ان ان پڑھ لوگوں کا مال ہڑپ کرنے

سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

پر ان کی کوئی گرفت نہیں ہو گی اور وہ دانستہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ○

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾

کیوں نہیں! جس نے اپنے عہد کو پورا کیا اور اللہ سے ڈرا تو اللہ متقین کو محبوب رکھتا ہے ○

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا

بیشک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں

اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا

ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ آخرت میں اللہ ان سے کوئی کلام کرے گا اور نہ

يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾

قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○

اہل کتاب کے امانت داروں اور خائنوں کا بیان

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اہل کتاب نے کہا یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ جو کچھ ہمیں دیا گیا ہے اس کی مثل کسی اور کو بھی دی جائے اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ خیانت کرنا تمام مذاہب میں مذموم ہے' اس کے باوجود وہ خیانت کرتے ہیں' اور جو لوگ مخلوق کے ساتھ معاملہ کرنے میں جھوٹے ہیں وہ خالق کے ساتھ معاملہ میں کب سچے ہو سکتے ہیں! نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتلایا ہے کہ اہل کتاب کی دو قسمیں ہیں' بعض' معاملات میں ایماندار ہیں اور بعض

خائن ہیں تاکہ مسلمان ان سے تعلق قائم کرنے میں ہوشیار رہیں کیونکہ اہل کتاب خائن ہیں وہ مسلمانوں کا مال ہڑپ کرنا جائز سمجھتے ہیں۔

امام واحدی ضحاک سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے پاس بارہ سو اوقیہ (ایک اوقیہ چوتھائی چھٹانک کے برابر ہے) سونا رکھا' انہوں نے وہ سونا اس کو ادا کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی' اور ایک شخص نے فنحاس میں عازوراء نام کے ایک یہودی عالم کے پاس ایک دینار امانت رکھا تو اس نے اس میں خیانت کی (الوسیط ج ۱ ص ۴۵۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا سوا اس کے کہ تم ان کے سر پر کھڑے رہو' اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ عملاً" اس کے سر پر کھڑا رہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے مسلسل مطالبہ کرتا رہے خواہ کھڑا ہو یا نہ ہو' سدی وغیرہ نے کہا ہے کہ وہ اس کا پیچھا نہ چھوڑے' ہر وقت اس کے ساتھ رہے اور اس سے مطالبہ کرتا رہے' امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ قرض خواہ کے لیے جائز ہے کہ وہ اس وقت تک مقروض کا پیچھا نہ چھوڑے جب تک کہ وہ اس کا قرض ادا نہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی خیانت کی وجہ بیان فرمائی کہ یہودی یہ کہتے تھے کہ ان' ان پڑھ لوگوں کا مال ہڑپ کرنے پر ان کی کوئی گرفت نہیں ہوگی' یہودی اسلام اور قرآن کے مخالف تھے اس کے باوجود ان میں جو نیک لوگ تھے اور امانت ادا کرتے تھے قرآن مجید نے ان کی نیکی کو ظاہر فرمایا' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قرآن مجید نے یہودیوں کی خیانت کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا ہے حالانکہ اور قوموں میں بھی خائن موجود ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ یہودی مسلمانوں کے ساتھ خیانت کرنے کو جائز سمجھتے تھے بلکہ اس کو کار ثواب قرار دیتے تھے۔

کفار کی نیکیوں کے مقبول یا مردود ہونے کی بحث

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ اچھی بات گو کافر کی ہو وہ بھی کسی درجہ میں اچھی ہی ہے' جس کا فائدہ اس کو دنیا میں نیک نامی ہے اور آخرت میں عذاب کی کمی۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۹۳' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۷ھ) ہمارے نزدیک یہ تفسیر صحیح نہیں ہے۔ آخرت میں کفار کے عذاب میں کمی ہونا صراحتہ" قرآن مجید کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ○ (البقرہ : ۱۶۲)

نہ ان کے عذاب میں کمی کی جائے گی نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔

شیخ محمود الحسن متوفی ۱۳۳۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

یعنی ان پر عذاب یکساں اور متصل رہے گا اور یہ نہ ہو گا کہ عذاب میں کسی قسم کی کمی ہو جائے یا کسی وقت ان کو عذاب سے مہلت مل جائے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ لکھتے ہیں :

داخل ہونے کے بعد کسی وقت ان پر سے جہنم کا عذاب ہلکا بھی نہ ہونے پائے گا اور نہ داخل ہونے سے قبل ان کو کسی میعاد کی مہلت دی جائے گی۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ابن جدعان زمانہ جاہلیت میں

رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتا تھا مسکین کو کھانا کھلاتا تھا کیا اس کو اس کا فائدہ ہو گا آپ نے فرمایا ان نیکیوں سے اس کو نفع نہیں ہو گا اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا۔ اے اللہ! قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دینا۔ (صحیح مسلم ج ا ص ۱۲۵)

علامہ نووی نے قاضی عیاض سے نقل کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ کفار کو ان اعمال سے نفع نہیں ہو گا' ان کو ثواب ہو گا نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہو گی۔

علامہ عینی نے علامہ قرطبی سے نقل کیا ہے کہ ابولہب اور جن کفار کے متعلق تخفیف عذاب کی تصریح ہے وہ ان ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۹۵)

یہودی غیر یہودی کا مال کھانا کیوں جائز سمجھتے تھے؟

(ا) یہودی اپنے دین میں سخت متعصب تھے وہ کہتے تھے جو دین میں ان کا مخالف ہو اس کو قتل کرنا بھی جائز ہے اور جس طرح بن پڑے اس کا مال لوٹنا بھی جائز ہے۔

(۲) یہودی کہتے تھے ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور ساری مخلوق ہماری غلام ہے اس لیے وہ ہر غیر یہودی کا مال اپنے لیے جائز سمجھتے تھے۔

(۳) یہودی مطلقاً" غیر کے مال کو حلال نہیں سمجھتے تھے بلکہ عرب کے جو لوگ نبی ﷺ پر ایمان لے آئے تھے ان کے مال کو کھانا اپنے لیے جائز گردانتے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۷۹ ۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

یہودی جو کہتے تھے کہ مسلمانوں کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے' اس سے ان کا مقصد مسلمانوں کی تحقیر اور اپنا تفوق بیان کرنا تھا' وہ اس پر تکبر کرتے تھے کہ وہ پڑھے لکھے لوگ ہیں اور ان کو مسلمانوں سے پہلے کتاب دی گئی اس لیے وہ خود کو اہل کتاب اور مسلمانوں کو امیین کہتے تھے' اور جو شخص دین میں ان کا مخالف ہو اس کے حقوق کے استحصال کو جائز سمجھتے تھے' اور ان کا یہ اعتقاد تھا کہ جو شخص جاہل ہو یا امی ہو اس کے حقوق کو ضائع کرنا جائز ہے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ تورات میں اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کے ساتھ معاملات میں تفریق تو کی ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ غیر اسرائیلی کے مال کو ناجائز طور پر ہڑپ کر لیا جائے لیکن انہوں نے اپنے سوء فہم اور کم عقلی سے یہ سمجھ لیا کہ غیر اسرائیلی کا مال کھانا جائز ہے' تورات کی عبارت یہ ہے:

تو پردیسی (اجنبی' غیر اسرائیلی) کو سود پر قرض دے تو دے پر اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا تاکہ خداوند تیرا خدا اس ملک میں جس پر تو قبضہ کرنے جا رہا ہے تیرے سب کاموں میں جن کو تو ہاتھ لگائے تجھ کو برکت دے۔

(استثناء باب: ۲۳' آیت: ۲۰' پرانا عہد نامہ ص ۱۸۸)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ غیر اسرائیلی سے اسرائیلی کا سود لینا جائز ہے' یہ نہیں کہا کہ غیر اسرائیلی کا اصل مال ہڑپ کر لینا جائز ہے' اور یہ بھی اس تقدیر پر ہے کہ ہم یہ تسلیم کر لیں کہ موجودہ تورات میں جو یہ آیت لکھی ہوئی ہے اصل تورات میں بھی یہ حکم اسی طرح تھا' جب کہ قرآن مجید میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت محرف ہے' کیونکہ جب غیر اسرائیلی سے سود لینا جائز ہو گا تو غیر اسرائیلی سے اس کی اصل رقم سے زائد رقم وصول کرنا جائز ہو گا۔ اور یہی غیر اسرائیلی کا ناحق مال کھانا ہے جس کو یہودی جائز سمجھتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا رد فرمایا: وہ اللہ پر دانستہ جھوٹ باندھتے ہیں۔

(آل عمران: ۷۵)

امام ابن جریر اس آیت کی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہود نے کہا عربوں کا مال لوٹنے پر ہم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔
سدی بیان کرتے ہیں کہ یہود سے کہا گیا کہ تم اپنے پاس رکھوائی ہوئی امانتیں واپس کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا کہ عربوں کا مال کھانے پر ہماری گرفت نہیں ہوگی' کیونکہ اللہ نے ان کا مال ہمارے لیے حلال کر دیا ہے۔
ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ قبل از اسلام کچھ لوگوں نے یہودیوں کے ہاتھ کچھ مال فروخت کیا' پھر وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور انہوں نے یہودیوں سے اپنے مال کی قیمت کا تقاضا کیا' یہودیوں نے کہا ہمارے پاس تمہاری کوئی امانت نہیں ہے' نہ ہم نے تمہارا کوئی مال ادا کرنا ہے' کیونکہ تم نے اپنا سابق دین ترک کر دیا ہے اور انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہماری کتاب میں اسی طرح لکھا ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ یہ لوگ اللہ پر دانستہ جھوٹ باندھتے ہیں۔

غیر معروف طریقہ سے مخالفین کا مال کھانے کا عدم جواز

سعید بن جبیر روایت کرتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کے دشمن جھوٹ بولتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت کی ہر چیز میرے ان دو قدموں کے نیچے ہے' ماسوا امانت کے کیونکہ وہ ادا کی جائے گی۔
(جامع البیان ج ۳ ص ۲۲۷-۲۲۶' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اس حدیث کو حافظ ابن کثیر نے بھی روایت کیا ہے (تفسیر القرآن ج ۲ ص ۵۹) اور حافظ سیوطی نے اس حدیث کا امام عبد بن حمید' امام ابن منذر' امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۴۴' مطبوعہ ایران)
امام رازی نے بھی اس حدیث سے استدلال کیا ہے (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۷۶' ۴' مطبوعہ بیروت)
امام ابن جریر کے علاوہ باقی ائمہ نے اس اضافہ کے ساتھ اس حدیث کو روایت کیا ہے: نیک ہو یا بد ہر شخص کی امانت ادا کی جائے گی۔

نیز امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
صعصہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ہم اہل کتاب سے جہاد کرتے ہیں تو ان کے باغوں سے پھلوں کو کھا لیتے ہیں انہوں نے کہا تم اسی طرح تاویل کرتے ہو جس طرح اہل کتاب نے کہا تھا کہ امیین کا مال کھانے میں ہم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔
صعصہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ ہم اہل ذمہ کے اموال میں مرغیاں اور بکریاں دیکھتے ہیں؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا پھر تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا ہم یہ کہتے ہیں کہ ان کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ ایسا ہے جس طرح یہودی یہ کہتے تھے کہ امیین کا مال کھانے میں ہم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا' تحقیق یہ ہے کہ جب اہل کتاب جزیہ ادا کر دیں تو ان کی اجازت کے بغیر ان کا مال کھانا جائز نہیں ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۲۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۹ھ)

بعض یورپی ممالک میں بعض علماء اسلام یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ یورپ' امریکہ اور افریقہ کے کافر ممالک میں سود کا لین دین جائز ہے اور غیر معروف طریقہ سے کافروں کا مال کھانا جائز ہے مثلاً ایک شخص شہر میں خود کو بے روزگار ظاہر کر کے حکومت سے بیروزگاری کا وظیفہ لے اور دوسرے شہر میں کوئی ملازمت کرے اور حکومت کو فریب دے کر وظیفہ لیتا رہے تو

یہ جائز ہے' یا خاوند اور بیوی جھوٹ بول کر طلاق ظاہر کریں اور دونوں الگ الگ رہائش حکومت سے حاصل کرلیں اور ایک رہائش کو خفیہ طور پر کرایہ پر اٹھادیں' یا ایک شخص کسی ادارہ سے تنخواہ زیادہ وصول کرے اور کاغذات میں تنخواہ کم دکھائے تاکہ حکومت سے کم آمدنی کی مراعات حاصل کرے تو یہ تمام امور شرعاً" جائز ہیں کیونکہ کافر کا مال کھانا جائز ہے۔

یہ طریقہ بالکل یہودیوں کا طریقہ ہے جو یہ کہتے تھے کہ مسلمانوں کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے' اسلام ایک عالم گیر دین ہے' اسلام نے ایمان داری اور راستبازی کی تعلیم دی ہے' ایسی دیانت اور امانت کی تعلیم دی جس سے متاثر ہو کر دوسرے مذاہب کے پیروکار بھی حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں' نہ یہ کہ اسلام میں دوسرے مذہب کے لوگوں سے دھوکے اور فریب سے رقم بٹورنے کا جواز بیان کیا جائے جس سے دوسری اقوام متنفر ہوں۔ اسلام کی ہدایت تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے' میدان جنگ اور جہاد میں جو قوم مسلمانوں سے بالفعل برسرپیکار ہو ان کی جان اور ان کے اموال محترم نہیں ہیں۔ ان کو دوران جہاد قتل کر دیا جائے گا اور جو زندہ بچیں گے ان کو گرفتار کر لیا جائے گا اور میدان جنگ میں کافروں کا جو مال ملے گا وہ مال غنیمت ہے' امام اس مال کا پانچواں حصہ بیت المال کے لیے روانہ کرے گا اور باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جائیں گے۔

یا کافر اپنی املاک چھوڑ کر چلے جائیں اور مسلمان ان املاک پر بغیر جنگ کے قبضہ کر لیں جیسے فدک تھا اس کو مال فے کہتے ہیں' اس کے علاوہ کافروں کا مال لینے کی کوئی جائز صورت نہیں ہے' جو کافر جزیہ دے رہے ہوں ان کے جان و مال کی حفاظت کرنا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے' اور جن کافر ملکوں سے ان کے معاہدے ہوں ان کے مال بھی کسی غیر معروف طریقہ سے لینا جائز نہیں ہے۔ یہ صرف یہودیوں کا نظریہ تھا کہ جو لوگ دین میں ان کے مخالف ہوں ان کا مال غیر معروف اور غیر قانونی طریقہ سے لینا جائز ہے۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں :

حقوق اور امانات کی ادائیگی میں اللہ کے دین میں مومن اور غیر مومن کی مطلقاً" تفریق نہیں ہے' کیونکہ حق مقدس ہے اور کسی شخص کے دین کی وجہ سے اس کا حق بالکل متاثر نہیں ہوتا' اور رہے یہود تو وہ عہد پورا کرنے کو حق واجب نہیں کہتے تھے' اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس قول کے بعد فرمایا :

وَيَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ۔ اور وہ دانستہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

(آل عمران : ۷۵)

اس آیت میں ان کافروں کا رد ہے جو از خود چیزوں کو حرام اور حلال قرار دیتے تھے اور ان کو شریعت اور دین بتاتے تھے۔

اللہ کے ساتھ عہد پورا کرنا یہ ہے کہ اس کے احکام پر وجوباً" عمل کیا جائے اور جن چیزوں سے اس نے روکا ہے ان سے لازماً" اجتناب کیا جائے۔ اور لوگوں سے معاملات' عقود اور امانات کی ادائیگی کا جو عہد کیا ہے اس کو پورا کیا جائے۔ اس عہد کو پورا کرنا بھی ایمان سے ہے بلکہ یہ ایمان کی اعلیٰ خصال میں سے ہے اور اسی ایمان کی وجہ سے بندہ اپنے رب کے قریب تر ہوتا ہے اور اس کی محبت اور رضا کا مستحق قرار پاتا ہے' اور جو شخص عہد شکنی کرے وہ بالکل اللہ سے ڈرنے والا نہیں ہے بلکہ وہ گروہ منافقین میں سے ہے اور باطل اور غیر معروف طریقہ سے مال کھانے کی وجہ سے انسان اللہ کے غضب

اور اس کی ناراضگی کا مستحق ہوتا ہے' امام احمد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی مسلمان کا مال ناحق کھایا وہ جب اللہ سے ملاقات کرے گا تو اللہ اس سے ناراض ہوگا' اور امام بخاری' امام مسلم' امام ترمذی اور امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرتا ہے' اور امام طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جو شخص امانت دار نہ ہو وہ مومن نہیں اور جو شخص عہد پورا نہ کرے اس کا کوئی دین نہیں اور عہد توڑنے والے اور امانت میں خیانت کرنے والے کی سزا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زنا' چوری' شراب نوشی' جوئے اور ماں باپ کی نافرمانی اور دیگر تمام کبیرہ گناہوں سے زیادہ ہے' کیونکہ عہد شکنی کا فساد اور اس کا ضرر بہت بڑا اور بہت عام اور بہت شامل ہے۔

(تفسیر منیر ج ۳ ص ۲۷۰-۲۶۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

غیر معروف اور غیر قانونی طریقوں سے کافر اقوام کا مال کھانے کے دلائل پر بحث و نظر

جب مسلمان کسی کافر قوم سے برسرجنگ ہوں اس وقت کافروں کا ملک دار الحرب ہوتا ہے اور اس وقت دار الحرب کے کافروں کی جان اور اموال مباح ہیں لیکن جن ممالک سے مسلمان برسرجنگ نہیں ہیں۔ ان سے سفارتی تعلقات قائم کئے ہوئے ہیں اور ان کے ہاں پاسپورٹ اور ویزے سے آنا جانا جاری اور معمول ہے اور ان ممالک میں مسلمانوں کو جان ومال اور عزت و آبرو کا تحفظ حاصل ہے بلکہ وہاں انہیں اسلامی احکام پر عمل کرنے کی بھی آزادی ہے جیسے امریکہ' برطانیہ' کینیڈا اور جرمنی وغیرہ ایسے ملک دار الحرب نہیں بلکہ دار الکفر ہیں اور ایسے ممالک کے کافروں کے اموال مسلمانوں پر مباح نہیں ہیں۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ کافروں کا مال ان پر مباح ہے خواہ جس طرح حاصل ہو بشرطیکہ اس سے مسلمانوں کا وقار مجروح نہ ہو۔ ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ۚ

اے ایمان والو! آپس میں اپنے اموال ناحق نہ کھاؤ الا یہ کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے تجارت ہو۔

(النساء : ۲۹)

اس آیت سے یہ لوگ اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ قرآن مجید نے مسلمانوں کو آپس میں ناجائز طریقے سے مال کھانے سے منع کیا ہے اور اگر مسلمان کافروں کا مال ناجائز طریقے سے کھالیں تو اس سے منع نہیں کیا گیا' سو مسلمانوں کے لئے کفار کے اموال عقد فاسد سے یا ناجائز طریقے سے کھانا جائز ہے۔ اولاً" تو یہ استدلال اس لئے صحیح نہیں کہ یہ مفہوم مخالف سے استدلال ہے اور وہ جائز نہیں ہے' ثانیاً" یہ استدلال اس لئے صحیح نہیں ہے کہ قرآن مجید کا عام اسلوب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکارم اخلاق سے مسلمانوں کے ساتھ خطاب کرتا ہے لیکن اس سے قرآن مجید کا منشاء یہ نہیں ہے کہ نیکی صرف مسلمانوں کے ساتھ کی جائے اور کفار کے ساتھ سلوک میں مسلمان نیکیوں کو چھوڑ کر بدترین برائیوں پر اتر آئیں حتیٰ کہ کفار کے نزدیک مسلمان ایک خائن اور بدکردار قوم کے نام سے معروف ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ

اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور نہ کرو جب کہ وہ پاکدامن رہنا چاہتی ہوں تاکہ تم (اس بدکاری کے کاروبار کے ذریعہ) دنیا کا

عارضی فائدہ طلب کرو۔ (النور: ۳۳)

اس آیت میں مسلمانوں کو اس سے منع کیا ہے کہ وہ اپنی باندیوں کو بدکاری پر مجبور کریں تو کیا اس آیت کی رو سے مسلمانوں کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کسی دارالکفر میں کافر عورتوں کا کوئی قحبہ خانہ کھول کر اس سے کاروبار کرنا شروع کر دیں؟

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (الانفال: ۲۷) اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو در آں حالیکہ تم جانتے ہو۔

کیا اس آیت کی رو سے مسلمانوں کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کافروں کی امانتوں میں خیانت کرلیا کریں؟

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اور اپنی قسموں کو آپس میں دھوکا دینے کے لئے بہانہ نہ بناؤ۔

(النحل: ۹۴)

کیا اس آیت کا یہ معنی ہے کہ کافروں سے دروغ حلفی میں کوئی مضائقہ نہیں؟

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ بے شک جو لوگ مسلمانوں میں بے حیائی پھیلانا پسند کرتے ہیں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

(النور: ۱۹)

کیا اس آیت سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ کافروں میں بے حیائی اور بدکاری کو پھیلانا جائز اور صواب ہے اور اخروی ثواب کا موجب ہے؟

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا منشا یہ ہے کہ اخلاق اور کردار کے اعتبار سے دنیا میں مسلمان ایک آئیڈیل قوم کے لحاظ سے پہچانے جائیں غیر اقوام مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار کو دیکھ کر متاثر ہوں۔ مسلمانوں کی امانت اور دیانت کی ایک عالم میں دھوم ہو۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ کفار قریش ہزار اختلاف کے باوجود نبی ﷺ کی راستبازی، پارسائی، امانت اور دیانت کے معترف اور مداح تھے۔ اسلام کی تبلیغ واشاعت میں تلوار اور جہاد سے زیادہ نبی ﷺ کی باکمال سیرت کا حصہ ہے۔ مسلمانوں کی کافر سے لڑائی تیرو تفنگ کی نہیں اصول اور اخلاق کی لڑائی ہے۔ اس کا نصب العین زر اور زمین کا حصول نہیں بلکہ دنیا میں اپنے اصول اور اقدار پھیلانا ہے۔ اب اگر اس نے اپنے مکارم اخلاق ہی کو کھو دیا اور خود ہی ان اصولوں اور تعلیمات کو قربان کر دیا جس کو پھیلانے کے لئے وہ کھڑا ہوا ہے تو پھر اس میں اور دوسری اقوام میں کیا فرق رہے گا اور کس چیز کی وجہ سے اس کو دوسروں پر فتح حاصل ہوگی اور کس قوت سے وہ دلوں اور روحوں کو مسخر کر سکے گا؟

جو لوگ دارالکفر میں حربی کافروں سے سود لینے کو جائز کہتے ہیں اور حربی کافروں کے اموال کو عقد فاسد کے ساتھ لینے کو جائز قرار دیتے ہیں وہ اس پر کیوں غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس عمل کی مذمت کی ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کا حق کھانے کے لئے یہ مسئلہ گھڑ لیا تھا کہ عرب کے امی جو ہمارے مذہب پر نہیں ہیں ان کا مال جس طرح لے لیا جائے روا ہے، غیر مذاہب والوں کی امانت میں خیانت کی جائے تو کچھ گناہ نہیں خصوصاً وہ عرب جو اپنا آبائی دین چھوڑ کر مسلمان بن گئے خدا نے ان کا مال ہمارے لئے حلال کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ اور ان (یہودیوں) میں سے بعض ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک اشرفی امانت رکھو تو جب تک تم ان کے سر پر نہ کھڑے رہو

عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ ۚ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۔ وہ تم کو واپس نہیں دیں گے یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے کہہ دیا کہ امیین (مسلمانوں) کا مال لینے سے ہماری پکڑ نہیں ہوگی اور یہ لوگ جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ (آل عمران: ۷۵)

غور کیجئے جو لوگ دار الکفر میں حربی کافروں سے سود لینے اور عقد فاسد پر ان کے معاملے کو جائز کہتے ہیں ان کے عمل میں اور یہودیوں کے اس مذموم عمل میں کیا فرق رہ گیا؟

حضرت ابوبکر کے قمار کی وضاحت

جو لوگ کافروں سے سود لینے کو جائز کہتے ہیں ان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر نے مکہ میں ابی بن خلف سے اہل روم کی فتح پر شرط لگائی تھی اس وقت مکہ دار الحرب تھا حضرت ابوبکر نے ابی بن خلف سے شرط جیت کر وہ رقم وصول کرلی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رقم لینے سے منع نہیں کیا اس سے معلوم ہوا کہ حربی کافروں سے قمار اور دیگر عقود فاسدہ کے ذریعہ رقم بٹورنا جائز ہے۔

یہ استدلال بالکل بے جان ہے کیونکہ حضرت ابوبکر کے شرط لگانے کا ذکر جن روایات میں ہے وہ باہم متعارض ہیں۔ قاضی بیضاوی' بغوی' علامہ آلوسی اور دیگر مفسرین نے بغیر کسی سند کے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے جس میں حضرت ابوبکر کے شرط جیتنے کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر نے ابی بن خلف سے یہ شرط لگائی تھی کہ اگر تین سال کے اندر رومی ایرانیوں سے ہار گئے تو وہ دس اونٹ دیں گے اور اگر تین سال کے اندر رومی ایرانیوں سے جیت گئے تو ابی کو دس اونٹ دینے ہوں گے پھر جب حضور سے اس شرط کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا یہ تم نے کیا کیا ہے۔ بضع کا لفظ تو تین سے لے کر نو تک بولا جاتا ہے تم شرط اور مدت دونوں کو بڑھا دو پھر حضرت ابوبکر نے نو سال میں سو اونٹوں کی شرط لگائی جب ساتواں سال شروع ہوا اور ابن ابی حاتم اور ابن عساکر کی روایت میں ہے کہ جنگ بدر کے دن رومی ایرانیوں پر غالب آگئے حضرت ابوبکر نے ابی کے ورثاء سے اونٹ لے لئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ اونٹ لے کر آئے تو آپ نے فرمایا یہ سحت (مال حرام) ہے اس کو صدقہ کردو حالانکہ اس وقت تک حرمت قمار کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ (روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ آلوسی نے ترمذی کے حوالے سے بھی حضرت ابوبکر کے جیت جانے کا واقعہ لکھا ہے لیکن یہ علامہ آلوسی کا تسامح ہے' جامع ترمذی میں حضرت ابوبکر کے شرط ہارنے کا ذکر ہے حافظ ابن کثیر نے بھی ترمذی کے حوالے سے ہارنے ہی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ تابعین کی ایک جماعت نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور مفسرین کی ذکر کردہ مذکور الصدر روایت کو عطاء خراسانی کے حوالے سے بیان کیا ہے اور اس کو بہت غریب (اجنبی) قرار دیا ہے۔

(تفسیر القرآن العظیم ج ۵ ص ۳۴۲-۳۴۱ مطبوعہ دار الاندلس بیروت)

جامع ترمذی کی روایت کا متن یہ ہے:

نیار بن اسلمی بیان کرتے ہیں جب یہ آیت نازل ہوئی الم غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین ○ الم اہل روم قریب کی زمین میں (فارس سے) مغلوب ہو گئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے چند سالوں بعد غالب ہو جائیں گے۔ جن دنوں یہ آیت نازل ہوئی ان دنوں میں ایرانیوں کو رومیوں پر برتری تھی اور مسلمانوں کی خواہش تھی کہ رومی ایرانیوں پر فتح پا جائیں کیونکہ وہ اور رومی اہل کتاب تھے اور اسی بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ

قول ہے: و یومئذ یفرح المؤمنون بنصر اللہ ینصر من یشاء وھو العزیز الرحیم۝ جس دن مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ عزیز رحیم ہے۔ اور قریش یہ چاہتے تھے کہ ایرانی غالب ہوجائیں کیونکہ وہ دونوں نہ اہل کتاب تھے نہ بعثت پر ایمان رکھتے تھے' جب یہ آیت نازل ہوئی حضرت ابوبکر نے مکہ کے اطراف میں یہ اعلان کردیا۔ الم اہل روم قریب کی زمین میں (فارس سے) مغلوب ہوگئے اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد چند سالوں میں غالب ہوجائیں گے۔ قریش کے کچھ لوگوں نے حضرت ابوبکر سے کہا تمہارے پیغمبر یہ کہتے ہیں کہ چند سالوں میں رومی ایرانیوں پر غالب ہوجائیں گے کیا ہم اس پر شرط نہ لگائیں حضرت ابوبکر نے کہا کیوں نہیں اور یہ قمار کی حرمت نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ تھا پھر حضرت ابوبکر اور مشرکین نے شرط لگائی مشرکین نے کہا "بضع سنین" تین سالوں سے لے کر نو سالوں تک ہے۔ تم ہمارے درمیان اس کی درمیانی مدت طے کرلو پھر انہوں نے یہ مدت چھ سال طے کی پھر چھ سال گذر گئے اور رومی غالب نہ ہوئے اور مشرکین نے حضرت ابوبکر سے شرط وصول کرلی اور پھر جب ساتواں سال شروع ہوا تو رومی ایرانیوں پر غالب ہوگئے تو پھر مسلمانوں نے حضرت ابوبکر پر تنقید کی کہ انہوں نے "بضع سنین" کو چھ سال کیوں قرار دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو "بضع سنین" فرمایا تھا (اور وہ نو سال تک کو کہتے ہیں) امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (جامع ترمذی ص ۴۶۰ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت ابوبکر کے قمار سے جو یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ حربی کافروں کا مال ناجائز طریقے سے بھی لینا جائز ہے اس روایت کی تحقیق کے بعد اس کے حسب ذیل جواب ہیں:

(۱) حضرت ابوبکر کے قمار کا واقعہ جن روایات سے ثابت ہے وہ مضطرب ہیں یعنی بعض روایات میں حضرت ابوبکر کے جیتنے کا ذکر ہے اور بعض میں ہارنے کا ذکر ہے اور مضطرب روایات سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

(۲) قمار کا یہ واقعہ بالاتفاق حرمت قمار سے پہلے کا ہے کیونکہ یہ شرط فتح مکہ سے پہلے لگائی گئی تھی اور قمار کی حرمت سورہ مائدہ میں نازل ہوئی ہے جو مدینہ میں سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی۔

(۳) نبی ﷺ نے اس مال کو نہ خود قبول فرمایا نہ حضرت ابوبکر کو لینے دیا بلکہ فرمایا یہ مال حرام ہے اس کو صدقہ کردو۔ (اس میں یہ دلیل ہے کہ جب انسان کسی مال حرام سے بری ہونا چاہے تو برات کی نیت سے اس کو صدقہ کردے)

دار الحرب' دار الکفر اور دار الاسلام کی تعریفات

شمس الائمہ سرخسی متوفی ۴۸۳ھ دار الحرب کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک دار الحرب کی تین شرطیں ہیں ایک یہ کہ اس پورے علاقے میں کافروں کی حکومت ہو اور درمیان میں مسلمانوں کا کوئی ملک نہ ہو' دوسری یہ کہ اسلام کی وجہ سے کسی مسلمان کی جان' مال اور عزت محفوظ نہ ہو اسی طرح ذمی بھی محفوظ نہ ہو' تیسری شرط یہ ہے کہ اس میں شرک کے احکام ظاہر ہوں۔

(المبسوط ج ۱۰ ص ۱۱۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ سرخسی نے دار الحرب کی تیسری شرط یہ بیان کی ہے کہ اس میں مشرکین شرک کے احکام ظاہر کریں' علامہ شامی اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:

یعنی شرک کے احکام مشہور ہوں اور اس میں اہل اسلام کا کوئی حکم نافذ نہ کیا جائے۔ (ھندیہ) اور ظاہر یہ ہے کہ اگر

اس میں مسلمانوں اور مشرکوں دونوں کے احکام جاری ہوں تو پھر وہ دار الحرب نہیں ہوگا۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۵۳ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت '۱۴۰۷ھ)

یہ تعریف اس ملک پر صادق آئے گی جس ملک سے مسلمان عملاً" بر سر جنگ ہوں اس ملک کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم نہ ہوں اور وہاں کسی مسلمان کی اس کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے جان مال اور عزت محفوظ نہ ہو جیسا کہ کسی زمانہ میں اسپین تھا وہاں ایک ایک مسلمان کو چن چن کر قتل کر دیا گیا وہاں مذہب اسلام پر قائم رہنا قانوناً" جرم تھا ایسے ملک سے مسلمانوں پر ہجرت کرنا فرض ہے۔ فقہاء احناف نے حربی کافروں کی جان اور مال کے مباح ہونے کی جو تصریح کی ہے اس سے اسی دار الحرب کے باشندے مراد ہیں۔

کافروں کے وہ ملک جن سے مسلمانوں کے سفارتی تعلقات ہیں تجارت اور دیگر انواع کے معاہدات ہیں پاسپورٹ اور ویزے کے ساتھ ایک دوسرے کے ممالک میں آتے جاتے ہیں مسلمانوں کی جان' مال اور عزت محفوظ ہے بلکہ مسلمانوں کو وہاں اپنے مذہبی شعائر پر عمل کرنے کی بھی آزادی ہے جیسے امریکہ برطانیہ ہالینڈ جرمنی اور افریقی ممالک یہ ملک دار الحرب نہیں ہیں بلکہ دار الکفر ہیں۔ فقہاء احناف نے اسلامی احکام پر عمل کرنے کی آزادی کے پیش نظر ایسے ممالک کو دار الاسلام کہا ہے لیکن یہ حکماً" دار الاسلام ہیں حقیقتاً" دار الکفر ہیں۔ بعض اوقات فقہاء دار الکفر پر مجازاً" دار الحرب کا بھی اطلاق کر دیتے ہیں لیکن یہ ملک حقیقتاً" دار الاسلام ہیں نہ دار الحرب بلکہ یہ دار الکفر ہیں "کافروں کی حکومت کی وجہ سے کبھی ان پر دار الحرب کا اطلاق کر دیا جاتا ہے اور اسلامی احکام پر عمل کی آزادی کی وجہ سے کبھی ان پر دار الاسلام کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں :

معراج الدرایہ میں مبسوط کے حوالے سے لکھا ہے جو شہر کفار کے ہاتھوں میں ہیں وہ بلاد اسلام ہیں بلاد حرب نہیں ہیں کیونکہ کفار نے ان شہروں میں کفر کے احکام ظاہر نہیں کئے بلکہ قاضی اور حاکم مسلمان ہیں جو ضرورت کی وجہ سے یا بلا ضرورت کفار کی اطاعت کرتے ہیں' اور ہر وہ شہر جس میں کفار کی طرف سے حاکم مقرر ہو اس میں جمعہ اور عیدین پڑھنا اور حد قائم کرنا اور قاضیوں کو مقرر کرنا جائز ہے کیونکہ شرعاً" مسلمان کافروں پر غالب ہیں اور اگر حاکم کفار ہوں پھر بھی مسلمانوں کے لئے جمعہ کو قائم کرنا جائز ہے اور مسلمانوں کی رضامندی سے کسی شخص کو قاضی بنا دیا جائے گا اور مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ کسی مسلمان حاکم کو تلاش کریں۔ (رد المحتار ج ا ص ۵۴۱۔ ۵۴۰ 'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت '۱۴۰۷ھ)

مبسوط کی اس عبارت میں کافروں کے ملک کو جو بلاد اسلام یا دار الاسلام سے تعبیر کیا گیا ہے ظاہر ہے یہ حقیقی اطلاق نہیں ہے کیونکہ دار الاسلام وہ ملک ہے جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو اور وہاں اسلامی شعائر اور احکام اسلامیہ کا غلبہ ہو لیکن کافروں کے جس ملک میں مسلمانوں کو اسلامی احکام پر عمل کی آزادی ہو وہاں جمعہ اور عید کا قیام جائز ہے اور اسی وجہ سے وہ علاقہ حکماً" دار الاسلام ہے حقیقتاً" دار الاسلام ہے نہ حقیقتاً" دار الحرب ہے' قبل از تقسیم ہندوستان کو جو علماء نے دار الاسلام قرار دیا تھا اس کا یہی مطلب تھا ورنہ ظاہر ہے کہ وہاں مسلمانوں کی حکومت تھی نہ احکام اسلامیہ کا غلبہ تھا اس لئے ہندوستان حقیقتاً" دار الکفر ہی تھا اور حقیقتاً" دار الحرب اس لئے نہیں تھا کہ وہاں مسلمانوں کو جان اور مال کا تحفظ حاصل تھا۔

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں :

مسلمان تاجر جب گھوڑے پر سوار ہو کر اور اسلحہ کے ساتھ امان لے کر دار الحرب جائیں در آں حالیکہ وہ اس گھوڑے اور اسلحہ کو کافروں کے ہاتھ بیچنے کا ارادہ نہ رکھتے ہوں تو ان کو اس سے منع نہیں کیا جائے گا کیونکہ تاجر کو اپنے مصالح کے لئے ان چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے پس جس طرح تاجر کے لئے یہ چیزیں دارالاسلام میں ممنوع نہیں ہیں اسی طرح دار الحرب میں بھی ممنوع نہیں ہیں۔ (شرح السیر الکبیر ج ۴ ص ۱۵۱، مطبوعہ المکتب للحرکۃ الثورۃ الاسلامیہ افغانستان ۱۴۰۵ھ)

فقہاء نے اس باب میں یہ بیان کیا ہے کہ مسلمان تاجر کے لئے سواری اور اسلحہ کو دارالحرب میں تجارت کے لئے لے جا کر فروخت کرنا جائز نہیں البتہ کھانے پینے کی اشیاء اور جن چیزوں کا تعلق آلات حرب سے نہ ہو ان کو دارالحرب میں لے جا کر فروخت کرنا اور ان کی تجارت کرنا جائز ہے۔

ہم نے یہ عبارت اس لئے نقل کی ہے کہ فقہاء دارالکفر پر بھی مجازاً "دارالحرب" کا اطلاق کر دیتے ہیں کیونکہ دارالحرب کی تو یہ تعریف ہے جہاں مسلمان اور ذمی کو جان، مال اور عزت کا تحفظ حاصل نہ ہو اس لئے ایسی جگہ مسلمان تاجروں کا تجارت کے لئے جانے کا کوئی معنی نہیں ہے۔ اس لئے یہ دارالحرب نہیں ہے اب تک کی بحث سے جو تعریفات حاصل ہوئی ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

دارالاسلام : وہ علاقہ جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو اور شعائر اسلامی اور احکام اسلامیہ کا غلبہ ہو۔

دارالحرب : وہ علاقہ جہاں کافروں کی حکومت ہو اور کفر کے احکام کا غلبہ ہو اور کسی مسلمان کو اس کے مسلمان ہونے کی حیثیت سے جان، مال اور عزت کا تحفظ حاصل نہ ہو، اسی طرح ذمی کو بھی تحفظ حاصل نہ ہو۔

دارالکفر : وہ علاقہ جہاں کافروں کی حکومت ہو، اس علاقے کے ساتھ مسلمانوں کے سفارتی تعلقات ہوں، مسلمان وہاں تجارت کے لئے جاتے ہوں، مسلمانوں کو وہاں جان، مال اور عزت کا تحفظ حاصل ہو اور احکام اسلامیہ پر عمل کرنے کی آزادی ہو۔

ان تعریفات کے اعتبار سے امریکہ، برطانیہ، کینیڈا، ہالینڈ، مغربی جرمنی اور افریقی ممالک جہاں مسلمان امان اور آزادی کے ساتھ رہتے ہیں یہ سب دارالکفر ہیں یہاں جمعہ اور عیدین پڑھنا جائز ہے اور یہ ممالک دارالحرب نہیں ہیں اس لئے یہاں مسلمانوں کے لئے سود کا لین دین کسی طرح جائز نہیں ہے اسی طرح یہاں کافروں کا مال عقود فاسدہ سے لینا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اگر فقہاء احناف نے درجہ کراہت میں کافروں کے مال لینے کو جائز کہا ہے تو دارالحرب میں کہا ہے اور یہ ممالک دارالحرب نہیں ہیں۔ فقہاء نے ایسے ممالک پر مجازاً "دارالحرب" کا اطلاق کیا ہے اور مجازاً "دارالاسلام" کا اطلاق بھی کیا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ ممالک دارالکفر ہیں، دارالحرب ہیں نہ دارالاسلام۔

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں :

اگر دارالحرب میں اہل اسلام کے احکام جاری کر دیئے جائیں تو وہ دارالاسلام بن جاتا ہے مثلاً" جمعہ اور عید پڑھائی جائے۔ خواہ اس میں کافر اصلی باقی رہیں اور خواہ وہ علاقہ دارالاسلام سے متصل نہ ہو۔

یہ دارالحرب اور دارالاسلام کی تعریفیں ہیں اور دارالکفر کی تعریف علامہ شامی کی اس عبارت سے مستفاد ہوتی ہے:

رہے وہ ممالک جن کے والی کفار ہیں تو مسلمانوں کے لئے ان ملکوں میں جمعہ اور عید کی نماز قائم کرنا جائز ہے اور مسلمانوں کی باہمی رضامندی سے وہاں قاضی مقرر کرنا جائز ہے اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ مسلمان والی کو (بہ شرط

استطاعت) طلب کریں اور ہم اس سے پہلے جمعہ کے باب میں اس کو بزازیہ سے نقل کرچکے ہیں۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۲۵۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

دارالکفر میں غیر قانونی طریقہ سے کافروں کا مال کھانے کا عدم جواز

خلاصہ یہ ہے کہ اسرائیل کے سوا تمام کافر ملکوں کے ساتھ حکومت پاکستان کے سفارتی تعلقات ہیں اور پاسپورٹ اور ویزے کے ساتھ مسلمان ان کافر ملکوں میں جاسکتے ہیں اور وہ مسلمانوں کے ملکوں میں آسکتے ہیں اور جو لوگ ویزہ لے کر کسی ملک میں جائیں ان کو اس ملک میں امان حاصل ہوتی ہے اور ان کی جان اور مال کی حفاظت کرنا اس حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے اور وہ شخص کسی مال کو غیر معروف اور غیر قانونی طریقہ سے حاصل نہیں کرسکتا اور اگر اس نے ایسا کیا تو وہ مال حرام ہوگا اور اس پر اس کا صدقہ کرنا واجب ہے اس کو شرعی اصطلاح میں مستامن کہتے ہیں:

علامہ حصکفی حنفی لکھتے ہیں:

مستامن کا معنی ہے جو امان کا طالب ہو اور یہ وہ شخص ہے جو کسی دوسرے ملک میں امان لے کر داخل ہو خواہ وہ شخص مسلمان ہو یا حربی' مسلمان دارالحرب (یعنی دارالکفر) میں امان لے کر داخل ہوا تو اس پر ان کی جان' مال اور ان کی عورتوں کی عزت کے درپے ہونا حرام ہے' کیونکہ مسلمان اپنی شرائط کے پابند ہیں (علامہ شامی نے لکھا ہے کیونکہ مسلمان جب امان لے کر ان کے ملک میں داخل ہوا تو وہ اس بات کا ضامن ہوگیا کہ وہ ان کی جان مال اور عزت کے درپے نہیں ہوگا اور عہد شکنی کرنا حرام ہے' ہاں اگر کافروں کا حکمران عہد شکنی کرے اور اس مسلمان کا مال لوٹ لے یا اس کو قید کرلے یا کوئی اور کافر ایسا کام کرے اور حکمران کو اس کا علم ہو اور وہ اس کو منع نہ کرے تو پھر مسلمان پر بھی ان شرائط کی پابندی نہیں ہے کیونکہ انہی کافروں نے عہد شکنی کی ہے۔ (بحر' ردالمحتار ج ۳ ص ۲۴۷) اگر کوئی مسلمان وہاں سے (غیر قانونی طور پر) کوئی مال لے کر دارالاسلام میں آیا تو وہ اس کی ملکیت میں حرام چیز ہے اور اس کا صدقہ کرنا واجب ہے' اور اگر وہ ان سے کوئی چیز چھین کر لایا ہے تو اس پر واجب ہے کہ جس شخص کی چیز ہے وہ اس کو واپس کرے۔

(درمختار علی ہامش ردالمحتار ج ۳ ص ۲۵۳۔ ۲۴۷' ملتقطا' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ حاکم نے کافی میں لکھا ہے کہ اگر مسلمانوں نے کافروں کے ملک میں ایک درہم کو دو درہموں کے عوض نقد یا ادھار فروخت کیا یا کوئی چیز ان کے ہاتھ خمر (انگوری شراب) یا خنزیر یا مردار کے عوض فروخت کی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے' کیونکہ مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کافروں کی رضامندی سے ان سے مال حاصل کرلے' یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا قول ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک ان میں سے کوئی چیز جائز نہیں ہے۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۲۴۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

ہمارے نزدیک امام ابو یوسف کا قول ہی صحیح ہے کیونکہ اسلام عالم گیر مذہب ہے اور اس کے احکام قیامت تک تمام انسانوں کے لئے ہیں اسلام نے شراب' خنزیر' مردار اور سود کو مطلقاً" حرام کیا ہے' قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں ان کی حرمت کے لئے کوئی استثناء نہیں ہے دارالاسلام ہو' دارالکفر ہو یا دارالحرب ہو ہر جگہ شراب' خنزیر' مردار اور سود حرام ہیں' اور جو لوگ غیر قانونی طریقہ سے کافروں کے مال لینے کو جائز کہتے ہیں وہ بھی دارالکفر میں مسلمانوں کے لئے خنزیر اور

شراب کی بیع کو جائز کہنے کی جرات نہیں کریں گے۔

پاکستان اور دیگر اسلامی ملکوں نے جن کافر ممالک کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کیے ہوئے ہیں اور پاسپورٹ اور ویزے کے ساتھ ایک دوسرے کے ملکوں میں ان کے باشندوں کی آمدورفت رہتی ہے اور ان کے ساتھ تجارتی اور ثقافتی تعلقات بھی ہیں سو یہ ان کے ساتھ معاہدہ امن و سلامتی اور بقاء باہمی کے وعدہ کے قائم مقام ہے' اس لیے کسی مسلمان کا ایسے کسی کافر ملک میں جا کر دھوکے اور فراڈ کے ذریعہ ان کا پیسہ بٹورنا جائز نہیں ہے۔

علامہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں :

جو مسلمان کافر ملک میں امان حاصل کر کے (ویزہ لے کر) جائے اس پر ان کے ساتھ عہد شکنی کرنا اور دھوکہ دینا مکروہ (تحریمی) ہے کیونکہ غدر (عہد شکنی) حرام ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ہر عہد شکن کی دبر (مقعد) پر ایک جھنڈا گاڑ دیا جائے گا جس سے اس کی عہد شکنی پہچانی جائے گی' اگر اس مسلمان نے کافروں سے عہد شکنی اور دھوکا دہی سے ان کا مال حاصل کر لیا اور اس مال کو دارالاسلام میں لے آیا تو دوسرے مسلمانوں کو اگر علم ہو تو ان کے لیے اس مال کو خریدنا حرام ہے کیونکہ وہ مال کسب خبیث سے حاصل ہوا ہے اور اس مال کو خریدنے سے اس کسب خبیث کی حوصلہ افزائی ہو گی اور یہ مسلمانوں کے لیے مکروہ ہے' اور اس کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ جب انہوں نے اپنے کافر ساتھیوں کو قتل کر دیا اور ان کا مال لے کر مدینہ آئے اور اسلام قبول کر لیا اور انہوں نے یہ چاہا کہ رسول اللہ ﷺ اس مال میں سے خمس (پانچواں حصہ) لے لیں' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا اسلام تو مقبول ہے لیکن تمہارا مال غدر (عہد شکنی اور دھوکا دہی پر مبنی ہے) سو ہمیں اس مال کی ضرورت نہیں ہے۔

(المبسوط ج ۱۰ ص ۹۷۔۹۶' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۳۹۸ھ)

نیز علامہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں :

جب مسلمان مشرکین کی کسی قوم کے ساتھ کوئی معاہدہ کریں تو ان کی اجازت کے بغیر ان کا مال لینا جائز نہیں ہے' کیونکہ ہمارے اور ان کے درمیان معاہدہ قائم ہے' اور اس معاہدہ کی وجہ سے ان کی جان اور مال مسلمانوں کی جان اور مال کی طرح محترم ہے' سو جس طرح مسلمانوں کی اجازت کے بغیر ان کا مال لینا جائز نہیں ہے' اسی طرح جن مشرکوں سے معاہدہ ہو ان کی رضامندی کے بغیر ان کا مال لینا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ بغیر رضامندی کے ان کا مال لینا غدر اور عہد شکنی ہے' اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عہد پورا کیا جائے اور اس میں غدر نہ کیا جائے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ معاہدہ ہونے کے بعد کچھ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کے اصحاب نے ہمارے کھیتوں میں سے سبزیاں اور لہسن لے لیے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا کہ وہ لوگوں میں یہ اعلان کر دیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا ہے کہ جس قوم کے ساتھ معاہدہ ہو اس کا کوئی مال حق کے سوا لینا جائز نہیں ہے۔ (شرح السیر الکبیر ج ۲ ص ۱۳۳' مطبوعہ المکتبۃ الثورۃ الاسلامیہ' افغانستان ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں :

جب مسلمان دارالحرب (دارالکفر) میں تجارت کے لیے داخل ہو تو اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ان کی جانوں اور مالوں کے درپے ہو' کیونکہ وہ ان سے امان طلب کرنے کے بعد اس بات کا ضامن ہو گیا ہے کہ وہ ان کی جان اور مال میں

تعرض نہیں کرے گا' اور ضمانت کے بعد تعرض کرنا غدر (عہد شکنی) ہے اور غدر حرام ہے۔

(ہدایہ اولین ص ۵۸۴' مکتبہ امدادیہ ملتان)

علامہ بدر الدین عینی نے اس کی شرح میں یہ حدیث ذکر کی ہے :

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عہد شکن کے لیے قیامت کے دن ایک جھنڈا نصب کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں کی عہد شکنی ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۱۲)

(البنایہ ج ۶ ص ۶۱۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۱ھ)

احادیث اور فقہاء کے ان کثیر حوالہ جات سے یہ واضح ہو گیا کہ دار الکفر میں غیر قانونی طریقہ سے کافروں کا مال کھانا جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیوں نہیں جس نے اپنے عہد کو پورا کیا' اور اللہ سے ڈرا تو اللہ متقین کو محبوب رکھتا ہے۔

(آل عمران : ۷۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس قول کا رد کیا ہے کہ "ان پڑھ لوگوں کا مال کھانے پر ہماری گرفت نہیں ہو گی" اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کیوں نہیں ان کی اس پر گرفت ہو گی' عہد شکنی کرنے والوں کی مذمت کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ عہد پورا کرنے والوں کی مدح فرماتا ہے' کہ جس شخص نے عہد پورا کیا اور عہد شکنی کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرا تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہے۔

عہد پورا کرنے کی فضیلت یہ ہے کہ اطاعت دو چیزوں میں منحصر ہے' اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور مخلوق پر شفقت' اور عہد پورا کرنا ان دونوں چیزوں پر مشتمل ہے' اللہ تعالیٰ نے عہد پورا کرنے کا حکم دیا ہے' اس لیے عہد پورا کرنے سے اس کے حکم پر عمل ہوتا ہے اور یہ اللہ کی تعظیم ہے اور عہد پورا کرنے سے مخلوق کو فائدہ پہنچتا ہے اس لیے اس میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے ساتھ ساتھ مخلوق پر شفقت بھی ہے' اور جو شخص بندوں سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرے گا وہ اللہ سے بھی کیے ہوئے عہد کو پورا کرے گا' اور بندہ کا اللہ سے عہد یہ ہے کہ وہ اس کے تمام احکام پر عمل کرے اور اس کی عبادت بجالائے اور ان تمام کاموں سے باز رہے' جن سے اللہ تعالیٰ نے اس کو منع کیا ہے اور جب انسان اللہ تعالیٰ اور بندوں سے کیے ہوئے عہود کو پورا کرے گا تو وہ کامل متقی بن جائے گا اور انہی لوگوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں' ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ آخرت میں اللہ ان سے کوئی کلام کرے گا' اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے (آل عمران : ۷۷)

عہد شکنی کرنے اور قسم توڑنے والوں کے متعلق آیت کا نزول

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے حاکم کے فیصلہ سے حلف اٹھایا تاکہ اس قسم کے ذریعہ کسی مسلمان شخص کا مال کھالے وہ جس وقت اللہ سے ملاقات کرے گا وہ اس پر غضبناک ہو گا' اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل کی : ان الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا

الآیہ (آل عمران : ۷۷) پھر حضرت اشعث بن قیس آئے اور پوچھا حضرت ابو عبد الرحمان نے تم سے کیا حدیث بیان کی ہے؟ انہوں نے بتایا اس اس طرح حدیث بیان کی ہے' انہوں نے کہا یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی تھی' میرے عم زاد کی زمین میں میرا کنواں تھا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مقدمہ پیش کیا' آپ نے فرمایا تم اس کے ثبوت میں گواہ لاؤ' ورنہ پھر اس کی قسم پر فیصلہ ہو گا' میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! وہ تو اس پر قسم کھالے گا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے حاکم کے فیصلہ سے جھوٹی قسم کھائی تاکہ اس قسم کے ذریعہ وہ مسلمان کا مال کھالے وہ جب قیامت کے دن اللہ سے ملاقات کرے گا تو اللہ اس پر غضب ناک ہو گا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۸۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

عدی بن عمیرہ بیان کرتے ہیں کہ امرء القیس اور حضرموت کے ایک شخص کے درمیان کوئی تنازعہ تھا' دونوں نے اپنا مقدمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا آپ نے حضرمی سے فرمایا تم گواہ پیش کرو ورنہ اس کی قسم پر فیصلہ ہو گا' حضرمی نے کہا یا رسول اللہ! اگر اس نے قسم کھالی تو پھر یہ میری زمین لے لے گا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے بھائی کا مال کھانے کے لیے جھوٹی قسم کھائی وہ جب اللہ سے ملاقات کرے گا تو اللہ اس پر غضبناک ہو گا' امرء القیس نے کہا : یا رسول اللہ جو شخص حق پر ہونے کے باوجود قسم نہ کھائے اور اپنا حق ترک کر دے اس کی کیا جزاء ہے؟ آپ نے فرمایا جنت! اس نے کہا یا رسول اللہ! میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں قسم کو ترک کرتا ہوں' عدی نے کہا پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۲۸' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نازل کی ہوئی کتاب کے ذریعہ جن لوگوں سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کریں گے اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو احکام لائے ہیں ان کی تصدیق اور ان کا اقرار کریں گے' ان میں سے جو لوگ اس عہد کو پورا نہیں کرتے' اور وہ جھوٹی قسمیں کھا کر لوگوں کا مال کھاتے ہیں' اور اس عہد شکنی اور جھوٹی قسموں کے ذریعہ دنیا کا تھوڑا مال خریدتے ہیں' ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے' اور اللہ تعالیٰ نے جنت اور جنت کی جو نعمتیں تیار کی ہیں' ان سے وہ محروم رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے کوئی ایسی بات نہیں کرے گا جس سے ان کو خوشی ہو اور نہ ان کی طرف رحمت کی نظر فرمائے گا اور نہ ان کو ان کے گناہوں کے میل اور زنگ سے پاک فرمائے گا اور ان کو دردناک عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔

عہد شکنی کرنے اور قسم توڑنے والوں کی سزا کا بیان

ہر چند کہ اس آیت کا شان نزول چند خاص لوگوں کے متعلق ہے لیکن اس آیت کے الفاظ عام ہیں : جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں" اور اعتبار خصوصیت مورد کا نہیں عموم الفاظ کا ہوتا ہے' اس لیے ہر عہد شکنی کرنے والے اور مال دنیا کی خاطر جھوٹی قسم کھانے والے کا یہی حکم ہے' اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کی پانچ سزائیں بیان فرمائیں ہیں۔ (۱) ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ (۲) آخرت میں اللہ ان سے کلام نہیں فرمائے گا۔ (۳) قیامت کے دن ان کی طرف نظر نہیں فرمائے گا۔ (۴) ان کا تزکیہ نہیں فرمائے گا۔ (۵) ان کے لیے دردناک عذاب ہے' ان پانچوں وعیدوں کی تشریح حسب ذیل ہے :

(۱) ان کے لیے آخرت کی خیر اور نعمتوں میں سے کوئی حصہ نہیں' معتزلہ اسی آیت سے استدلال کرتے تھے کہ عہد شکنی

کرنا اور جھوٹی قسم کھانا گناہ کبیرہ ہے اور جو شخص گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے اور بغیر توبہ کے مرجائے وہ آخرت میں اجر و ثواب سے محروم رہے گا بلکہ اس کو دائمی عذاب ہو گا' ہمارے نزدیک یہ آیت اللہ تعالیٰ کی مشیت اور عدم عفو کے ساتھ مقید ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کو دائمی عذاب دے گا یا اگر اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہ کرے تو اس کو دائمی عذاب دے گا' یا یہ آیت محض انشاء تخویف کے لیے ہے' یعنی اللہ تعالیٰ نے ڈرانے کے لیے فرمایا فی الواقع ایسا نہیں کرے گا اور وعید کے خلاف کرنا عین کرم ہے یا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے استحقاق بیان فرمایا ہے یعنی عہد شکنی اور جھوٹی قسم کھانے والے اس سزا کے مستحق ہیں یہ نہیں فرمایا کہ وہ ان کو ضرور یہ سزا دے گا یا یہ عام مخصوص عنہ البعض ہے یعنی یہ آیت کافروں کے ساتھ خاص ہے اور کافروں میں سے جو عہد شکنی کرے گا یا جھوٹی قسم کھائے گا اس کی یہ سزا ہو گی۔

(۲) اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں فرمائے گا' اس پر یہ اعتراض ہے کہ قرآن مجید کی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر شخص سے کلام فرمائے گا اور ان سے پوچھے گا :

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ (الاعراف : ۶)

پس ضرور ہم ان لوگوں سے پوچھیں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے' اور ہم ضرور رسولوں سے بھی پوچھیں گے۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الحجر : ۹۳-۹۲)

سو آپ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے' ان سب کاموں کے متعلق جو وہ کرتے تھے۔

اور ظاہر ہے کہ سوال بغیر کلام کے متصور نہیں ہے' اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں جو فرمایا ہے اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کرے گا یہ اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے سے کنایہ ہے کیونکہ جو شخص کسی سے ناراض ہو وہ اس سے بات نہیں کرتا' دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کاملین اور اولیاء عارفین سے براہ راست اور بالمشافہ بات کرے گا اور کفار اور فساق اور فجار سے بالمشافہ بات نہیں کرے گا بلکہ فرشتوں کے وساطت سے بات کرے گا' اور تیسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے خوشی سے بات نہیں کرے گا' اور نہ ان سے ایسی بات کرے گا جس سے وہ خوش ہوں۔

(۳) قیامت کے دن ان کی طرف نظر نہیں فرمائے گا : اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو دیکھے گا نہیں کیونکہ کائنات کی کوئی چیز اللہ سے اوجھل اور مخفی نہیں ہے بلکہ اسکا یہ معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف محبت اور رحمت سے نہیں دیکھے گا۔

(۴) اللہ تعالیٰ ان کا تزکیہ نہیں فرمائے گا : اس کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے گناہوں کے میل اور زنگ سے پاک اور صاف نہیں کرے گا بلکہ ان کے گناہوں کی ان کو سزا دے گا اور ان کو معاف نہیں کرے گا' دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح اپنے نیک بندوں کی تعریف اور ستائش کرے گا ان کی تعریف نہیں کرے گا' اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی تعریف فرشتوں کے واسطہ سے بھی کرے گا اور بلاواسطہ بھی ان کی تعریف فرمائے گا فرشتوں کے واسطہ سے یہ تعریف ہے :

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (الرعد : ۲۴-۲۳)

اور فرشتے (جنت کے) ہر دروازہ سے (یہ کہتے ہوئے) ان پر داخل ہوں گے' تم پر سلامتی ہو کیونکہ تم نے صبر کیا سو کیا ہی اچھا ہے آخرت کا گھر۔

اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نیک بندوں کی دنیا میں بھی تعریف فرمائی ہے:

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (التوبہ: ۱۱۲)

جو توبہ کرنے والے ہیں' عبادت کرنے والے ہیں' اللہ کی حمد کرنے والے ہیں' روزہ رکھنے والے ہیں' رکوع کرنے والے ہیں' سجدہ کرنے والے ہیں' نیکی کا حکم دینے والے ہیں' برائی سے روکنے والے ہیں اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں اور مومنوں کو بشارت دیجیے۔

اور اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی ان کی تعریف فرمائے گا:

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ (یٰسٓ: ۵۸)

ان پر رب رحیم کا فرمایا ہوا سلام ہوگا۔

(۵) ان کے لیے دردناک عذاب ہے: پہلے چار امور میں اللہ تعالیٰ نے ان سے ثواب کی نفی کی ہے اور اس آخری امر میں اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب کی وعید سنائی ہے۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ

اور بیشک ان میں سے ایک گروہ کتاب (تورات) پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو مروڑ لیتا ہے تاکہ تم یہ گمان کرو کہ

مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ

یہ کتاب کا حصہ ہے حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہے اور وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے

اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

(نازل) ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے (نازل) نہیں ہے اور وہ دانستہ اللہ پر جھوٹ

وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۷۸ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَ

بولتے ہیں ○ کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس کو کتاب، حکم اور نبوت

الْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ

عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے بن

دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ

جاؤ، لیکن (وہ یہی کہے گا کہ) تم اللہ والے بن جاؤ کیونکہ تم کتاب کی تعلیم دیتے

الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا

ہو اور تم پڑھتے پڑھاتے ہو ○ اور نہ وہ تمہیں یہ حکم دے گا کہ تم فرشتوں

الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ

اور نبیوں کو رب بنا لو ، کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد تمہیں کفر کا

اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ ع

حکم دے گا ؟ ○

ربط آیات اور شان نزول

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ یہود عہود اور مواثیق کو توڑتے ہیں یہ بھی ان کی بڑی گمراہی اور معصیت تھی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی زیادہ بڑی گمراہی اور بڑی معصیت کو بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں۔ بعض آیات کو چھپالیتے ہیں اور بعض آیات اپنی طرف سے گھڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہ اللہ کے دشمن یہود ہیں جو اللہ کی کتاب میں تحریف کرتے تھے اور اپنی طرف سے کلام گھڑ کر یہ کہتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ یہ یہود ہیں جو اللہ کی کتاب میں زیادتی کرتے تھے جس کو اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں فرمایا تھا۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۳۱، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

"لَیّ" کا معنی اور تورات میں لفظی یا معنوی تحریف کی تحقیق

امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں :

ابن جریج نے بیان کیا ہے "لی" کا معنی ہے کسی چیز کو مروڑنا اور پلٹ دینا، جب کوئی کسی شخص کا ہاتھ مروڑ دے تو کہتے ہیں لوی یدہ اور جب کوئی پہلوان دوسرے پہلوان کی پشت زمین سے نہ لگا سکے تو کہتے ہیں "مالوی ظہرہ"۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۳۱، مطبوعہ بیروت)

امام حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

"لوی لسانہ" (زبان مروڑنا) کذب اور من گھڑت باتیں کرنے سے کنایہ ہے۔

(المفردات ص ۴۵۷، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران، ۱۳۴۲ھ)

امام رازی لکھتے ہیں :

قفال نے بیان کیا ہے کہ زبان مروڑنے کا معنی یہ ہے کہ وہ کسی لفظ کو پڑھتے وقت اس کی حرکات اور اعراب میں

تبدیلی کردیتے تھے جس سے اس کا معنی بدل جاتا تھا' عربی میں بھی اس کی بہت مثالیں ہیں' اسی طرح عبرانی میں بھی اس کی مثالیں ہیں' خاص طور پر تورات کی جو آیات سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں وہ اس میں اس قسم کی تحریف کرتے تھے۔

امام رازی کی تحقیق یہ ہے کہ یہود تورات میں لفظی تحریف نہیں کرتے تھے' کیونکہ تورات کا متن مشہور تھا' اگر وہ اس میں لفظی تبدیلی کرتے تو سب لوگوں کو ان کی تحریف کا پتا چل جاتا' اور اس سے ان کی سبکی ہوتی اس لیے اس سے مراد یہ ہے کہ تورات کی جو آیات سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتی ہیں وہ ان پر اعتراضات کرتے تھے اور ان کی باطل تاویل اور تشریح کرتے تھے اور ان آیات کے صحیح معنی پر شبہات واقع کرتے تھے۔

امام رازی کی علمی عظمت اور جلالت قدر کے ہم معترف ہیں اس کے باوجود ہمیں ان کی اس تحقیق سے اختلاف ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہود تورات میں لفظی تحریف کرتے تھے' بعض اوقات وہ الفاظ بدل دیتے' بعض اوقات وہ اپنی طرف سے عبارت بنا کر یہ کہتے کہ یہ اللہ نے فرمایا ہے اور بعض اوقات وہ بعض آیات کو چھپا لیتے یا تورات سے حذف کر دیتے' اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ تورات میں انبیاء علیہم السلام کی طرف شراب پینے اور زنا کرنے کی نسبت بیان کی گئی ہے حتیٰ کہ اپنی بیٹیوں کے ساتھ بھی' اور اس میں کوئی عاقل شک نہیں کر سکتا کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے' بلکہ ان کا خود ساختہ کلام ہے' ہم نے آل عمران کی آیت : ۳ کی تشریح میں ان محرف آیات کو باحوالہ بیان کیا ہے۔ نیز تورات میں سیدنا محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب کا صراحتہً بیان ہے جس کو انہوں نے تورات میں حذف کر دیا' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف : ۱۵۷)

جو اس رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ انہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں اور ان کو برائی سے روکتے ہیں' اور پاک چیزیں ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کرتے ہیں اور ان پر (مشکل احکام کے) جو بوجھ اور طوق تھے ان کو اتارتے ہیں۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛ (الفتح : ۲۹)

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے اصحاب کفار پر بہت سخت ہیں' آپس میں بڑے نرم دل ہیں (اے مخاطب!) تو انہیں رکوع کرتے ہوئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے' وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں' سجدوں کے اثر سے ان کی نشانی ان کے چہروں میں ہے' ان کی یہ صفات تورات میں ہیں۔

یہود نے تورات میں سے سیدنا محمد ﷺ کا ذکر اور آپ کی ان صفات کا ذکر حذف کر دیا اور اسی طرح آپ کے اصحاب کا ذکر اور ان کی صفات کا ذکر حذف کر دیا اور اسی طرح اور بہت سے احکام کو چھپا لیا' اس کی تصدیق قرآن مجید کی اس آیت میں ہے :

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ

اے اہل کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا جو تم سے بہت سی ایسی چیزوں کو بیان کرتا ہے جن کو تم چھپاتے تھے اور

وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (المائدہ : ۱۵) بہت سی باتوں سے درگزر فرماتا ہے۔

قرآن مجید کی جن آیتوں میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ یہود تورات میں لفظی تحریف کرتے تھے وہ حسب ذیل ہیں :

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (النسآء : ۴۶)

بعض یہودی اللہ کے کلموں میں اس کی جگہوں سے تحریف کر دیتے ہیں' اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی' (اور آپ سے کہتے ہیں کہ) سنیے درآں حالیکہ آپ نہ سنائے گئے ہوں اور اپنی زبانیں مروڑ کر دین میں طعنہ زنی کرتے ہوئے راعنا کہتے ہیں' اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور آپ ہماری باتیں سنیں اور ہم پر نظر فرمائیں تو یہ ان کے حق میں بہتر اور نہایت درست ہوتا' لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت فرمائی تو ان میں سے کم لوگ ہی ایمان لاتے ہیں۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ (المائدہ : ۱۳)

وہ اللہ کے کلموں کو ان کی جگہوں سے محرف کر دیتے ہیں اور جس (کلام) کے ساتھ انہیں نصیحت کی گئی تھی وہ اس کے ایک بڑے حصے کو بھول گئے' بجز ان میں سے چند آدمیوں کے۔

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا (المائدہ : ۴۱)

وہ اللہ کے کلموں کو ان کی جگہوں سے محرف کر دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر تم کو (ہمارا تحریف کیا ہوا) یہ حکم دیا جائے تو اسے مان لو' اور اگر تم کو یہ حکم نہ دیا جائے تو اس سے احتراز کرو۔

وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۔ (البقرہ : ۷۵)

بے شک ان میں سے ایک فریق اللہ کا کلام سننے اور اس کو سمجھنے کے بعد اس میں دیدہ دانستہ تحریف کر دیتا تھا۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِىْ قِيْلَ لَهُمْ ۔ (البقرہ : ۵۹)

تو ظالموں سے جو قول کہا گیا تھا اس کو انہوں نے دوسرے قول سے تبدیل کر دیا۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (البقرہ : ۷۹)

سو ان لوگوں کے لیے عذاب ہے جو اپنے ہاتھوں سے ایک کتاب تصنیف کریں پھر کہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے۔

قرآن مجید کی ان آیات کے علاوہ ہم نے امام ابن جریر طبری کے حوالے سے جو احادیث ذکر کی ہیں ان میں بھی اس پر دلیل ہے کہ یہود تورات میں لفظی تحریف کرتے تھے۔

علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی متوفی ۸۸۵ھ اس بحث میں لکھتے ہیں :

بعض اوقات وہ اس طرح تحریف کرتے تھے کہ مثلاً لا تقتلوا النفس الا بالحق کو الا بالحد پڑھتے' اصل آیت کا معنی تھا کسی شخص کو ناحق قتل نہ کرو اور ان کی تحریف سے یہ معنی ہو گیا کہ کسی شخص کو حد کے سوا قتل نہ کرو' اسی طرح من زنی فارجموہ کو فحمموہ پڑھتے تھے۔ اصل آیت کا معنی ہے جس نے زنا کیا اس کو رجم کرو

اور ان کی تحریف سے یہ معنی ہوگیا جس نے زنا کیا اس کا منہ کالا کرو۔

(نظم الدرر ج ۴ ص ۴۶۴، مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی قاہرہ، ۱۴۱۳ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ یہود کی تحریف کئی قسم کی تھی بعض اوقات وہ زبان مروڑ کر لفظ کو کچھ کا کچھ پڑھ دیتے تھے، جس سے معنی بدل جاتا تھا، جیسے راعنا کو راعینا پڑھ دیتے تھے، بعض اوقات آیات کو حذف کر دیتے اور احکام چھپا لیتے تھے، اور بعض اوقات آیات کو تبدیل کر دیتے تھے، بعض اوقات خود ایک مضمون تصنیف کر کے کہتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ جیسے انبیاء علیہم السلام کے متعلق انہوں نے توہین آمیز واقعات لکھے ہیں اور بعض اوقات تورات کی آیت میں باطل تاویل کرتے تھے جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ (البقرہ: ۴۲) اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور دیدہ دانستہ حق کو نہ چھپاؤ۔

اس تفصیل اور تحقیق سے یہ ظاہر ہوگیا کہ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ یہود تورات کی آیات میں لفظی تحریف نہیں کرتے تھے، بلکہ تورات کی آیات کے صحیح معنی اور درست محمل پر اشکالات اور خدشات وارد کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا کلام اپنی فصاحت اور بلاغت اور حلاوت اور جلالت کے اعتبار سے انسان کے کلام سے کسی صاحب فہم پر ملتبس اور مشتبہ نہیں ہو سکتا، البتہ عام لوگوں کو مغالطہ ہو سکتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تاکہ تم یہ گمان کرو کہ یہ کتاب کا حصہ ہے، حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے (نازل کردہ) ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے (نازل کردہ) نہیں ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہہ فرمائی کہ یہ تحریف کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ اللہ پر جھوٹ باندھنا ان کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس کو کتاب، حکم اور نبوت عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے بن جاؤ لیکن (وہ یہی کہے گا کہ) تم اللہ والے بن جاؤ کیونکہ تم کتاب کی تعلیم دیتے ہو اور تم پڑھتے پڑھاتے ہو۔ (آل عمران: ۷۹)

اس آیت کے اہم الفاظ کے معانی حسب ذیل ہیں:

بشر کا معنی

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

بشر انسان کو کہتے ہیں، واحد ہو یا جمع ہو اس کی جمع ابشار ہے، بشر کا معنی انسان کی ظاہری کھال ہے، اور کھال کو کھال سے ملانا مباشرت ہے، اور بشارت اور بشری کا معنی خوشخبری دینا ہے۔

(القاموس المحیط ج ۱ ص ۶۹۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

بشر، انسان اور آدمی میں فرق ہے، ظاہری کھال اور چہرے، مہرے کے اعتبار سے بشر کہتے ہیں، حقیقت کے اعتبار سے انسان کہتے ہیں اور نسل اور نسب کے اعتبار سے آدمی کہتے ہیں۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

کھال کے ظاہر کو بشرہ کہتے ہیں اور کھال کے باطن کو ادمہ کہتے ہیں، انسان کو اس کی ظاہری کھال کے اعتبار سے بشر

کہتے ہیں کیونکہ جانوروں کی کھالوں پر بڑے بڑے بال ہوتے ہیں یا اون ہوتا ہے' قرآن مجید میں جب انسان کے جسم اور اس کے ظاہر کا اعتبار کیا جاتا ہے تو پھر اس پر بشر کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا — اور وہی ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا۔

(الفرقان : ۵۴)

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ (ص : ۷۱) — بے شک میں مٹی سے بشر بنانے والا ہوں۔

کفار جب انبیاء علیہم السلام کی قدر و منزلت کو گھٹانا چاہتے تھے تو ان کو بشر کہتے تھے' قرآن مجید میں ہے :

فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ○ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ (المدثر : ۲۵-۲۴) — اس (کافر) نے کہا یہ (قرآن) تو وہی جادو ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے○ یہ صرف ایک بشر کا قول ہے۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا (هود : ۲۷) — سو قوم نوح کے کافر سرداروں نے کہا : (اے نوح!) ہم تمہیں اپنی مثل بشر ہی دیکھتے ہیں۔

قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ — انہوں (کافروں) نے کہا کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا۔

(بنواسرائیل : ۹۴)

قرآن مجید میں ہے آپ کہئے کہ میں محض تمہاری مثل بشر ہوں' اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام انسان بشریت میں انبیاء علیہم السلام کے مساوی ہیں اور علوم و معارف اور اعمال حسنہ کی خصوصیت کی وجہ سے ان کو عام انسانوں پر فضیلت حاصل ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد یوحی الی "میری طرف وحی کی جاتی ہے۔" کا ذکر فرمایا ہے تاکہ اس پر تنبیہ ہو کہ ہرچند کہ انبیاء علیہم السلام بشریت میں عام انسانوں کے مساوی ہیں لیکن وحی کی خصوصیت کی وجہ سے عام انسانوں سے متمیز ہیں۔ (عام انسانوں اور انبیاء علیہم السلام میں بشریت بہ منزلہ جنس ہے اور استعداد نزول وحی اور ادراک غیب' انبیاء علیہم السلام کے لیے بہ منزلہ فصل ممیز ہے' حواس اور عقل سے ادراک کرنا عام انسانوں اور انبیاء علیہم السلام میں مشترک ہے جس سے وہ عالم شہادت میں ادراک کرتے ہیں اور عالم غیب کا ادراک کرنا' جنات اور فرشتوں کو دیکھنا اور ان سے کلام کرنا اور حامل وحی ہونا' یہ انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت ہے' اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت میں اسی کو بیان فرمایا ہے) :

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰٓى اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (الکہف : ۱۱۰' حم السجدۃ : ۶) — آپ کہئے کہ میں بشر ہی ہوں تمہاری طرح (خدا نہیں ہوں) مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ (میرا اور) تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

حضرت جبرائیل جب حضرت مریم کے سامنے بشری صورت میں آئے تو فرمایا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا (مریم : ۱۷) یہاں مراد یہ ہے کہ حضرت جبرائیل بشری صورت میں آئے اور جب مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف کو اچانک بے حجاب دیکھا تو بے ساختہ کہا حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا (یوسف : ۳۱) یہاں مراد یہ ہے کہ مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف کو بہت عظیم اور بلند جانا اور ان کے جوہر ذات اور حقیقت کو بشر سے بہت بلند سمجھا' بشارت اور مباشرت کے الفاظ بھی اسی لفظ سے بنے ہیں جب انسان کوئی خوشخبری سنے تو اس کے چہرے کی کھال پر خوشی کی لہر دوڑنے لگتی ہے' اس لیے اس کو بشارت کہتے ہیں اور مباشرت میں مرد اور عورت اپنے جسموں کی کھال کو ملاتے ہیں اور ایک دوسرے میں پیوست

کرتے ہیں' قرآن مجید اور احادیث میں ان دونوں لفظوں کا بھی استعمال ہے۔
(المفردات ص ۳۸-۳۷ 'مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۴۲ھ)

حکم کا معنی

حکم کا معنی ہے شریعت کی فقہ (سمجھ) اور قرآن کی فہم اور اس کا تقاضا شریعت پر عمل کرنا ہے۔

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

سدی نے کہا اس سے مراد نبوت ہے' ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حقائق قرآن کی فہم ہے' ابن زید نے کہا اس سے مراد اللہ کی آیات اور اس کی حکمتوں کو جاننا ہے' بعض علماء نے کہا اس سے مراد وہ علوم اور معارف ہیں جن سے اولوالعزم رسل مختص ہیں اور باقی انبیاء ان کے تابع ہیں۔ (المفردات ص ۱۲۸ 'مطبوعہ ایران)

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں :

بعض علماء نے کہا حکم سے مراد یہاں سنت ہے' کیونکہ اس آیت میں کتاب کے بعد حکم کا ذکر فرمایا ہے' اور ظاہر یہ ہے کہ حکم سے مراد یہاں قضاء ہے یعنی لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں تدریجاً مراتب کا ذکر فرمایا ہے پہلے کتاب کا ذکر فرمایا جس سے علم حاصل ہوتا ہے' پھر اس سے ترقی کرکے قضا کا ذکر فرمایا کیونکہ جب انسان کو علم میں مہارت تامہ حاصل ہو جائے تو پھر وہ لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا ہے' پھر اس کے بعد سب سے بلند مرتبہ کا ذکر فرمایا جو نبوت ہے اور تمام خیرات کا مجمع ہے۔ (البحر المحیط ج ۲ ص ۲۳۰ 'مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

اس تفسیر کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان پہلے عالم بنتا ہے پھر قاضی بن جاتا ہے پھر نبی بن جاتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جسے نبی بنانا ہوتا ہے اس کو ایسی صفات مخصوصہ کے ساتھ پیدا کرتا ہے جو نبی کے لیے ضروری ہیں' پھر پہلے مرتبہ میں اس کے علم کو ظاہر فرماتا ہے' پھر اس کی قضاء کے مرتبہ کو ظاہر فرماتا ہے پھر اس کو مقام بعثت پر فائز کرتا ہے اور اس کو اعلان نبوت کا حکم دیتا ہے۔

ربانیین کا معنی

ربانیین کا واحد ربانی ہے' یہ رب کی طرف منسوب ہے' اسی طرح مولوی وہ شخص ہے جو مولا کی طرف منسوب ہے' اس کا معنی ہے مولا والا' اسی طرح ربانی کا معنی ہے رب والا' ربانی اس عالم کو کہتے ہیں جو علم کے تقاضوں پر ہمیشہ عمل کرے۔ فرائض' واجبات' سنن اور مستحبات پر عامل ہو اور ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے مجتنب ہو' جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فوت ہوئے تو محمد بن حنیفہ نے کہا اس امت کے ربانی فوت ہو گئے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "ربانیین بن جاؤ۔" (آل عمران : ۷۹) کی تفسیر میں فرمایا : حکماء' علماء اور فقہاء بن جاؤ' ربانی اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کو بڑے علوم (حقائق اور دقائق) سے پہلے چھوٹے علوم (مسائل) کی تعلیم دے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

ربانی' ربان کی طرف منسوب ہے ربان عطشان اور سکران کی طرح صفت مشبہ ہے' بعض نے کہا یہ رب کی طرف

منسوب ہے جو شخص علوم کی تعلیم دے وہ ربانی ہے، بعض نے کہا جو شخص علم سے اپنے نفس کی تربیت اور اصلاح کرے وہ ربانی ہے، بعض نے کہا یہ رب یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور اس میں نون زائد ہے جیسے جسمانی میں نون زائد ہے، سو ربانی مولوی کی طرح ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس امت کا ربانی ہوں، اس کی جمع ربانیون ہے۔

(المفردات ص ۱۸۴، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران، ۱۳۴۲ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

ربانی اس شخص کو کہتے ہیں جو رب کے دین کا عالم ہو اور اپنے علم کے مطابق عمل کرے، کیونکہ جب وہ علم کے مطابق عمل نہیں کرے گا تو وہ عالم نہیں ہو گا، ابو رزین نے کہا ربانی عالم حکیم کو کہتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ربانیین حکماء علماء ہیں، ابن جبیر نے کہا حکما اتقیاء ہیں، ضحاک نے کہا کسی شخص کو بھی قرآن مجید حفظ کرنے میں مشقت کو ترک کرنا نہیں چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لیکن تم ربانی بن جاؤ، ابن زید نے کہا ربانیین حکام اور احبار اور علماء ہیں، مجاہد نے کہا ربانیین کا مرتبہ احبار سے زیادہ ہے، نحاس نے کہا ربانی وہ عالم ہے جو سیاست پر نظر رکھتا ہو، ابو عبیدہ نے کہا ربانی وہ شخص ہے جو حلال اور حرام اور امر اور نہی کا عالم ہو اور اس امت کی خبروں اور ماکان ومایکون کا عارف ہو، جس دن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فوت ہوئے تو محمد بن حنیفہ نے کہا اس امت کے ربانی فوت ہو گئے، حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص خواہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، اس پر اللہ عزوجل کا یہ حق ہے کہ وہ قرآن کا علم حاصل کرے اور دین میں تفقہ حاصل کرے پھر آپ نے اس آیت کو تلاوت فرمایا لیکن ربانیین بن جاؤ۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۱۲۳ـ ۱۲۲، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

ربط آیات اور شان نزول

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی تحریف کو بیان فرمایا تھا اور فرمایا تھا کہ اہل کتاب کی عادت اور ان کا طریقہ کتاب میں تحریف اور تبدیل کرنا ہے اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ ان کی من جملہ تحریفات میں سے یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ اپنے خدا ہونے کے دعویٰ دار تھے اور وہ اپنی امت کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیتے تھے حالانکہ کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس کو کتاب، حکم اور نبوت عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے بن جاؤ۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابو رافع قرظی نے کہا جب نجران کے احبار یہود اور علماء نصاریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے اور آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی اس طرح عبادت کریں جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم کی عبادت کی تھی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم غیر اللہ کی عبادت کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، اور غیر اللہ کی عبادت کا حکم دینے سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لیے بھیجا ہے نہ اس کا مجھے حکم دیا ہے تب اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی :

کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس کو کتاب، حکم اور نبوت عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے بن جاؤ۔

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب کا ایک گروہ اپنی کتاب کی تحریف کرنے کے سلسلہ میں لوگوں کی عبادت کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۳۲ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

انبیاء علیہم السلام کا دعویٰ الوہیت کرنا عقلاً ممتنع ہے

ہم نے اس آیت کا یہ معنی کیا ہے کہ نبی کے لیے الوہیت کا دعویٰ کرنا عقلاً ممکن نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے اس دعویٰ کی تکذیب کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بجائے مجھے معبود بنالو' اور اگر اس آیت کا یہ معنی کیا جائے کہ نبی کے لیے الوہیت کا دعویٰ کرنا جائز نہیں ہے یعنی حرام ہے تو اس سے عیسائیوں کی تکذیب نہیں ہو گی مثلاً ایک شخص کسی کے متعلق یہ دعویٰ کرے کہ فلاں شخص شراب پیتا ہے اور آپ یہ کہیں کہ شراب پینا تو حرام ہے اس سے اس کے دعویٰ کی تکذیب نہیں ہو گی' اس کے دعویٰ کی تکذیب اس وقت ہو گی جب آپ یہ ثابت کر دیں کہ شراب پینا اس کے لیے عقلاً ممکن ہی نہیں ہے' اس آیت کی نظیر درج ذیل آیات ہیں:

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ (مریم: ۳۵) — اللہ کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔

مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا (النمل: ۶۰) — تمہارے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ تم (از خود) باغوں کے درخت اگاتے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (آل عمران: ۱۴۵) — اللہ کے اذن کے بغیر کسی نفس کے لیے مرنا ممکن نہیں ہے۔

اسی نہج پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے: کسی بشر کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس کو کتاب' حکم اور نبوت عطا کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے بن جاؤ۔ اس امتناع عقلی پر حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) رسول یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ کے احکام حاصل کر کے ان کی تبلیغ کرتا ہے' اور اپنے صدق پر معجزہ کو پیش کرتا ہے' اگر وہ خود الوہیت کا دعویٰ کرے تو اس کے صدق پر معجزہ کی دلالت باطل ہو جائے گی اور لازم آئے گا کہ وہ صادق ہو اور صادق نہ ہو اور یہ محال ہے۔ معجزہ کے اظہار کا تقاضا یہ ہے کہ وہ صادق ہو اور الوہیت کے دعویٰ کا تقاضا ہے کہ وہ صادق نہ ہو اور یہ اجتماع نقیضین ہے۔

(۲) اگر رسول الوہیت کا دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھے تو اللہ اس کی شہ رگ کو کاٹ دے گا اور ماضی کے واقعات شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے رسولوں کو غلبہ عطا فرمایا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ ۝ (الحاقہ: ۴۷-۴۴)

اگر وہ (رسول) ہم پر کسی قسم کا افتراء باندھتا ۝ تو ہم ضرور اس کو پوری قوت سے پکڑ لیتے ۝ پھر ہم ضرور اس کی شہ رگ کاٹ دیتے ۝ پھر تم میں سے کوئی بھی اس کو بچانے والا نہ ہوتا۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر رسول الوہیت کا دعویٰ کرتا تو وہ مغلوب ہو جاتا' اور اس دوسری آیت میں فرمایا:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ — اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور بہ ضرور

(المجادلہ : ۲۱) غالب ہو کر رہیں گے۔

سو اگر رسول الوہیت کا دعویٰ کر کے اللہ پر افتراء باندھے تو لازم آئے گا کہ وہ مغلوب ہو اور مغلوب نہ ہو اور یہ اجتماع نقیضین ہونے کی وجہ سے محال عقلی ہے۔

(۳) امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ لکھتے ہیں :

انبیاء علیہم السلام ایسی صفات کے ساتھ موصوف ہوتے ہیں کہ ان صفات کے ساتھ الوہیت کا دعویٰ کرنا ممکن نہیں ہے' اللہ تعالیٰ ان کو کتاب اور وحی عطا فرماتا ہے اور کتاب اور وحی صرف نفوس طاہرہ اور ارواح طیبہ کو ہی دی جاسکتی ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اَللّٰهُ اَعۡلَمُ حَيۡثُ يَجۡعَلُ رِسَالَتَهٗ ۔ اللہ اپنی رسالت رکھنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔

(الانعام : ۱۲۴)

اَللّٰهُ يَصۡطَفِىۡ مِنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (الحج : ۷۵) اللہ چن لیتا ہے رسولوں کو فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے۔

اور نفس طاہرہ سے اس قسم کا دعویٰ ممتنع ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کی دو قوتیں ہیں نظری اور عملی اور جب تک قوت نظریہ علوم اور معارف حقیقیہ کے ساتھ کامل نہ ہو اس وقت تک قوت عملیہ اخلاق ذمیمہ سے طاہر نہیں ہوتی' اور نہ اس میں وحی اور نبوت کے قبول کرنے کی استعداد اور صلاحیت ہوگی اور قوت نظریہ اور قوت عملیہ کا کمال الوہیت کا دعویٰ کرنے سے مانع ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ اس وقت اپنے کسی بندہ کو نبوت اور رسالت سے مشرف فرماتا ہے جب اسے یہ علم ہو کہ وہ بندہ اس قسم کا دعویٰ نہیں کرے گا۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۸۰' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور نہ وہ تمہیں یہ حکم دے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنالو کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد تمہیں کفر کا حکم دے گا؟

کفر ملت واحدہ ہے

بعض مفسرین نے کہا اس کا فاعل سیدنا محمد ﷺ ہیں' یعنی نہ محمد تم کو یہ حکم دیں گے کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لو' بعض نے کہا اس کا فاعل حضرت عیسیٰ ہیں اور بعض نے کہا اس کا فاعل انبیاء ہیں' اس آیت میں فرشتوں اور نبیوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے' کیونکہ صابئین فرشتوں کی عبادت کرتے تھے اور بعض اہل کتاب حضرت عزیر کی اور بعض حضرت عیسیٰ کی عبادت کرتے تھے۔

نیز اس میں فرمایا ہے کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد تمہیں کفر کا حکم دے گا؟ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے کے بعد کافر ہونا زیادہ قبیح ہے' کیونکہ کفر کا حکم دینا ہر حال میں مذموم ہے' اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ اس آیت کے مخاطب مسلمان تھے' اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ کفر ملت واحدہ ہے' کیونکہ جنہوں نے فرشتوں کو رب بنایا وہ صابئین اور بت پرست تھے' اور جنہوں نے نبیوں کو رب بنایا وہ یہود' نصاریٰ اور مجوس تھے اس اختلاف کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان سب کو کافر فرمایا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ

اور (اے رسول) یاد کیجیے جب اللہ نے تمام نبیوں سے پختہ عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت دوں پھر

حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ

تمہارے پاس وہ عظیم رسول آ جائیں جو اس چیز کی تصدیق کرنے والے ہوں جو تمہارے پاس ہے تو تم ان پر ضرور بہ ضرور

بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ

ایمان لانا اور ضرور بہ ضرور ان کی مدد کرنا، فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور میرے اس بھاری عہد کو قبول

اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ

کر لیا؟ انھوں نے کہا ہم نے اقرار کر لیا فرمایا پس گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں

الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

میں سے ہوں ○ پھر اس کے بعد جو عہد سے پھرا سو وہی لوگ

الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ

نافرمان ہیں ○ کیا یہ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرتے ہیں حالانکہ آسمانوں

فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

اور زمینوں کی سب مخلوق نے خوشی اور ناخوشی سے اسی کی اطاعت کی ہے اور اسی کی طرف وہ سب لوٹائے جائیں گے ○

ربط آیات اور خلاصہ تفسیر

اس سورت کے شروع سے اب تک جتنی آیات ذکر کی گئی ہیں ان میں اہل کتاب کی تحریفات اور خیانتوں کا ذکر کیا گیا ہے انہوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی اور ان کی کتابوں میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف ذکر کیے گئے تھے' ان کو چھپایا یا ان کو تبدیل کر دیا' اور اس سے مقصود یہ تھا کہ ان کو اس تحریف اور خیانت سے منع کیا جائے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے پر برانگیختہ کیا جائے' زیر تفسیر آیت میں بھی اس مقصود کی تاکید کی گئی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء علیہم السلام سے عالم ارواح میں یا بعثت کے بعد بذریعہ وحی یہ میثاق اور پختہ عہد لیا تھا کہ ہر نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے گا اور آپ کی رسالت کی تصدیق کرے گا اور آپ کی مہمات میں آپ کی نصرت اور مدد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ عہد لینے کے بعد اس کی تاکید کے

لیے ان سے صراحتہ" اقرار کرایا پھر اس کی مزید تاکید کے لیے فرمایا تم سب اس پر گواہ رہنا اور میں بھی گواہوں میں سے ہوں' پھر اس کے بعد فرمایا "پھر اس کے بعد جو عہد سے پھرا وہی لوگ نافرمان ہیں" اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہ کلام انبیاء علیہم السلام کی امتوں کی طرف متوجہ ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ سے عہد کرنے کے بعد اس عہد سے پھرنا انبیاء علیہم السلام سے متصور نہیں ہے' اور چونکہ ہر نبی نے اپنی اپنی امت سے یہ عہد لیا تھا کہ اگر اس امت کے زمانہ میں وہ نبی امی مبعوث ہو جائیں تو ان پر لازم ہو گا کہ وہ اس نبی امی پر ایمان لے آئیں جس نبی کی امت نے بھی اس عہد سے روگردانی کی وہ فاسق اور نافرمان ہو گی۔ علامہ سید محمود آلوسی نے لکھا ہے کہ یہ بھی جائز ہے کہ یہ کلام انبیاء علیہم السلام کی طرف متوجہ ہو یعنی بہ فرض محال اگر نبیوں میں سے بھی کوئی اس عہد سے پھرا تو وہ بھی فاسق ہو جائے گا اور اس میں ان کی امتوں سے تعریضا" خطاب ہے یعنی صراحتہ" انبیاء علیہم السلام کی طرف اسناد اور کنایۃ" ان کی امتوں کی طرف اسناد ہے' جیسا کہ اس آیت میں ہے : (روح المعانی ج ۳ ص ۲۱۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (الزمر : ۶۵)

اگر آپ نے (بہ فرض محال) شرک کیا تو آپ کے عمل ضرور ضائع ہو جائیں گے اور البتہ آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

لیکن راجح یہی ہے کہ یہ کلام امتوں کی طرف متوجہ ہے' امام ابو جعفر محمد ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں : اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام امتوں میں سے جو شخص بھی اس عہد کو پکا کرنے کے بعد پورا نہیں کرے گا تو وہ فاسق ہو گا۔

تمام نبیوں سے آپ پر ایمان لانے کے میثاق کی تحقیق

اس میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ عہد اہل کتاب سے لیا تھا' یا نبیوں سے ایک دوسرے کی تصدیق کے متعلق لیا تھا یعنی ہر نبی بعد میں آنے والے نبی کی تصدیق کرے یا تمام نبیوں سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا پختہ عہد اور میثاق لیا تھا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے اس میثاق کو انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوموں سے لیا یعنی جب ان کی قوم کے پاس سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم آ جائیں تو وہ آپ کی تصدیق کریں اور آپ کی نبوت کا اقرار کریں۔

قتادہ نے اس کی تفسیر میں کہا اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے یہ عہد لیا کہ بعض نبی بعض دوسرے نبیوں کی تصدیق کریں اور اللہ کی کتاب اور اس کے پیغام کی تبلیغ کریں' پھر انبیاء علیہم السلام نے اللہ کی کتاب اور اس کے پیغام کی تبلیغ کی اور اپنی امتوں سے یہ پختہ عہد لیا کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے اور ان کی تصدیق کریں گے اور ان کی نصرت کریں گے۔

لیکن راجح قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے عالم ارواح میں یا بذریعہ وحی یہ عہد لیا کہ اگر ان کے زمانہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو گئے تو وہ آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے اور آپ کی نصرت کریں گے۔

امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر بعد تک جس نبی کو بھی بھیجا اس سے یہ عہد لیا کہ اگر اس کی حیات میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مبعوث ہو گئے تو وہ ضرور بہ ضرور اس پر ایمان لائے گا اور ضرور بہ ضرور اس کی نصرت کرے گا' اور پھر وہ نبی اللہ کے حکم سے اپنی قوم سے یہ عہد لیتا تھا۔

سدی بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر بعد تک جس نبی کو بھی بھیجا اس سے یہ میثاق لیا کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے گا اور ان کی نصرت کرے گا بہ شرطیکہ وہ اس وقت زندہ ہو ورنہ وہ اپنی امت سے یہ عہد لیتا تھا کہ اگر ان کی زندگی میں وہ مبعوث ہو جائیں تو وہ ان پر ایمان لائیں' ان کی تصدیق کریں اور ان کی نصرت کریں۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۳۹-۲۳۶' ملتقطا" مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اگر یہ شبہ ہو کہ اس آیت میں ان انبیاء علیہم السلام سے میثاق لینے کا ذکر ہے جن پر کتاب نازل کی گئی ہے اور وہ صرف تین سو تیرہ رسول ہیں' اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام نبیوں سے یہ میثاق لیا گیا ہے' اس کا جواب یہ ہے جن نبیوں پر کتاب نازل نہیں کی گئی وہ بھی ان نبیوں کے حکم میں ہیں جن پر کتاب نازل کی گئی ہے کیونکہ ان کو نبوت اور حکمت دی گئی ہے' نیز جن انبیاء علیہم السلام کو کتاب نہیں دی گئی ان کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ سابق نبی کی کتاب پر عمل کریں' نیز اس آیت میں کتاب اور حکمت سے مراد دین ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کا دین واحد ہے اور توحید' نبوت' تقدیر' قیامت' مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے' حشر و نشر' حساب و کتاب اور جزا و سزا پر ایمان رکھنے میں تمام نبی ایک دوسرے کے موافق ہیں۔ البتہ شریعت ہر نبی کی الگ الگ ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام انبیاء علاتی بھائی ہیں ان کی مائیں (شرائع) مختلف ہیں اور ان کا دین واحد ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۹۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام نبیوں نے جس دین کو پیش کیا اور اللہ کی طرف سے جو پیغام سنایا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید نے اس کی تصدیق کی' اس لیے تمام نبیوں اور ان کی امتوں پر یہ واجب تھا کہ اگر آپ ان کی حیات میں مبعوث ہوتے تو وہ آپ کی تصدیق کرتے اور آپ پر ایمان لاتے اور آپ کی نصرت کرتے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا عموم اور شمول

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تقدیرا" امت ہیں اور ہم آپ کی تحقیقا" امت ہیں' اگر آپ ان کی حیات میں مبعوث ہوتے تو آپ پر ایمان لانا اور آپ کی نصرت کرنا ان پر ضروری تھا اور ہم آپ پر بالفعل ایمان لائے ہیں' نیز قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا (سبا: ۲۸)

اور ہم نے آپ کو (قیامت تک کے) تمام لوگوں کے لیے مبعوث کیا ہے در آں حالیکہ آپ بشارت دینے والے ہیں اور ڈرانے والے ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمام نبیوں پر چھ اوصاف کی وجہ سے فضیلت

دی گئی ہے، مجھے جوامع الکلم دیئے گئے، رعب سے میری مدد کی گئی، میرے لیے مال غنیمت حلال کر دیا گیا، اور تمام روئے زمین کو میرے لیے مادہ تیمم اور مسجد بنا دیا گیا، اور مجھے تمام مخلوق کا رسول بنایا گیا اور مجھ پر سلسلہ نبوت کو ختم کر دیا گیا۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک (حضرت) موسیٰ اگر تمہارے سامنے زندہ ہوتے تو میری اتباع کرنے کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ تھا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ)

اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ (مسند ابو یعلیٰ ج ۲ ص ۴۲۷۔ ۴۲۶، مطبوعہ بیروت) اور امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

(شعب الایمان ج ۱ ص ۲۰۰، مطبوعہ بیروت)

حافظ الہیثمی نے اس حدیث کو امام بزار اور امام طبرانی کے حوالوں سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام بزار کی سند میں جابر جعفی ہے وہ ضعیف ہے اور امام طبرانی کی سند میں قاسم بن محمد اسدی ہے اس کا حال مجھے معلوم نہیں، البتہ سند کے باقی راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۴)

حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام احمد، امام دیلمی اور امام ابونصر سجزی کے حوالوں سے درج کیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۵ ص ۱۴۷، مطبوعہ ایران)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں :

بعض احادیث میں ہے اگر موسیٰ اور عیسیٰ دونوں زندہ ہوتے تو میری پیروی کے سوا ان کے لیے اور کوئی چارہ کار نہ تھا، سو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دائماً" قیامت تک کے لیے رسول اور خاتم النبیین ہیں، آپ جس زمانہ میں بھی مبعوث ہوتے تو آپ ہی امام اعظم ہوتے، اور تمام انبیاء علیہم السلام پر آپ کی اطاعت مقدم اور واجب ہے، یہی وجہ ہے جب سب نبی مسجد اقصیٰ میں جمع ہوئے تو آپ ہی نے سب کی امامت فرمائی اور جب اللہ عزوجل میدان حشر میں اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا تو آپ ہی اللہ تعالیٰ کے سامنے شفاعت کریں گے، اور مقام محمود صرف آپ ہی کے سزاوار ہے۔

(تفسیر القرآن ج ۲ ص ۶۵، مطبوعہ بیروت)

حمد کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں ہو گا، حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ تک تمام انبیاء اور مرسلین آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، تمام رسولوں کی آپ قیادت فرمائیں گے، تمام اولین و آخرین میں آپ مکرم ہوں گے، آپ ہی کوثر کے ساقی ہوں گے، سب سے پہلے آپ شفاعت کریں گے آپ کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہو گی اور دخول جنت کا افتتاح آپ سے ہو گا!

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

اس آیت کی تفسیر میں عارفین نے کہا ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نبی مطلق، رسول حقیقی اور مستقل شارع ہیں اور آپ کے ماسوا تمام انبیاء علیہم السلام آپ کے تابع ہیں۔ (روح المعانی ج ۳ ص ۲۱۰، مطبوعہ بیروت)

شیخ محمد قاسم نانوتوی متوفی ۱۲۹۷ھ لکھتے ہیں :

باقی رہا آپ کا وصف ثبوت میں واسطہ فی العروض اور موصوف بالذات ہونا اور انبیاء ماتحت علیہم السلام کا آپ کے فیض کا معروض اور موصوف بالعرض ہونا وہ تحقق معنی خاتمیت پر موقوف ہے۔ (تحذیر الناس ص ۴۶' مطبوعہ کراچی)

واسطہ فی العروض اس واسطہ کو کہتے ہیں جو وصف کے ساتھ حقیقتہ" متصف ہو اور موصوف بالذات ہو اور ذوالواسطہ اس وصف کے ساتھ مجازاً" متصف ہو مثلاً جب کشتی چل رہی ہو تو کشتی حرکت کے ساتھ حقیقتہ" متصف ہے' اور کشتی میں بیٹھا ہوا شخص کشتی کے واسطہ سے مجازاً" حرکت کے ساتھ متصف ہے' حقیقتہ" حرکت کے ساتھ متصف نہیں ہے اگر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وصف نبوت کے لیے واسطہ فی العروض قرار دیا جائے تو لازم آئے گا کہ باقی انبیاء علیہم السلام نبوت کے ساتھ مجازاً" متصف ہوں اور آپ حقیقتہ" متصف ہوں آپ حقیقی نبی ہوں اور باقی انبیاء مجازاً" نبی ہوں اور یہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے :

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرہ : ۲۸۵) ہم رسولوں میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے۔

اس لیے تحقیق یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی انبیاء علیہم السلام سب حقیقی نبی ہیں اور آپ باقی انبیاء علیہم السلام کی نبوت کے لیے واسطہ فی الثبوت ہیں غیر سفیر محض ہیں' یہ اس واسطہ کو کہتے ہیں جس میں واسطہ اور ذوالواسطہ دونوں وصف کے ساتھ حقیقتہ" متصف ہوں' پہلے واسطہ متصف ہو اور پھر ذوالواسطہ متصف ہو جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم حرکت کرے تو قلم کی حرکت ہاتھ کے واسطے سے ہے لیکن دونوں حرکت کے ساتھ حقیقتہ" متصف ہیں پہلے ہاتھ حرکت کرتا ہے اور پھر اس کے واسطہ سے قلم حرکت کرتا ہے سو اسی طرح پہلے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے ساتھ متصف ہوئے پھر آپ کے واسطہ سے باقی انبیاء نبوت کے ساتھ متصف ہوئے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس اتصاف میں واسطہ فی الثبوت غیر سفیر محض ہیں اور آپ اور باقی انبیاء حقیقی نبی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا یہ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرتے ہیں حالانکہ آسمانوں اور زمینوں کی سب مخلوق نے خوشی اور ناخوشی سے اسی کی اطاعت کی ہے اور اسی کی طرف وہ سب لوٹائے جائیں گے۔ (آل عمران : ۸۳)

زمینوں اور آسمانوں اور تمام مخلوق کی اطاعت کا بیان

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں پر یہ واجب اور لازم کر دیا ہے کہ وہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں' لہٰذا ثابت ہوا کہ اللہ کا دین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین ہے' اور جو شخص اس دین کو ناپسند کرے گا وہ اللہ کے دین کو ناپسند کرے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ سے فرمایا : کیا یہ اللہ کے دین کے علاوہ اور کسی دین کو تلاش کرتے ہیں' اس کے بعد فرمایا : حالانکہ آسمانوں اور زمینوں کی سب مخلوق خوشی اور ناخوشی سے اس کے لیے اسلام لائی' اسلام کا اصطلاحی معنی ہے : سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پاس سے جو کچھ لے کر آئے اس کو ماننا' قبول کرنا اور اس کی تصدیق کرنا' اور اسلام کا لغوی معنی ہے : اطاعت سے سر تسلیم خم کرنا اور یہاں لغوی معنی مراد ہے' آسمانوں اور زمینوں پر مخلوق نے خوشی یا ناخوشی سے اس کی اطاعت کی' اس اطاعت کا معنی امام رازی نے یہ بیان فرمایا ہے:

اللہ سبحانہ کے ماسوا ہر چیز ممکن لذاتہ ہے اور ہر ممکن اپنے وجود اور عدم میں اس کا محتاج ہے اور اپنے وجود اور عدم میں اللہ کا محتاج ہونا یہی اس کے اطاعت گزار ہونے کا معنی ہے کہ اس کے ایجاد کرنے سے ممکن موجود ہو جائے اور اس کے فنا کرنے سے ممکن معدوم ہو جائے تو آسمانوں اور زمینوں کی ہر مخلوق اپنے وجود اور عدم میں اللہ کی اطاعت گزار ہے اور

چونکہ اللہ تعالیٰ نے حصر کر دیا ہے کہ سب اسی کے اطاعت گزار ہیں' اس کا معنی ہے کہ اللہ ہی خلاق واحد ہے اس کے سوا اور کوئی نہ کسی چیز کو پیدا کر سکتا ہے اور نہ کسی چیز کو فنا کر سکتا ہے اور قرآن مجید کی حسب ذیل آیتوں کا بھی یہی معنی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۸۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا (الرعد: ۱۵)

اور آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز خوشی اور ناخوشی سے اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (بنی اسرائیل: ۴۴)

اور ہر چیز اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے' لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

امام رازی نے آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوق کی اطاعت کی تفسیر ان کے امکان اور احتیاج سے کی ہے یہ بہت عمدہ تفسیر ہے تاہم یہ کہنا بھی بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں اور ان کے درمیان تمام مخلوق کا جو تکوینی نظام بنایا ہے وہ سب خوشی یا ناخوشی سے اس نظام کے مطابق عمل کر رہے ہیں' کواکب سیارہ کی گردش' مہر و ماہ کا طلوع اور غروب' زمین کی حرکت' بارش کا ہونا' سمندروں اور دریاؤں کی روانی' نباتات کی روئیدگی' طوفانوں کا اٹھنا' زلزلوں کا آنا اور ہر ذی روح کا مقررہ وقت پر پیدا ہونا اور مر جانا' تمام جواہر' موالید اور عناصر اس تکوینی نظام کے تحت اپنا اپنا کام خوشی یا ناخوشی سے انجام دے رہے ہیں۔

انسان کے جسم کی رگوں میں خون گردش کر رہا ہے' انسان غذا کو کھا کر حلق کے نیچے اتار لیتا ہے پھر اس کھائی ہوئی غذا کو خون' گوشت اور ہڈیوں میں منتقل کرنے کے لیے اس کے جسمانی اعضاء اس تکوینی نظام کے تحت کام کر رہے ہیں۔ دل' پھیپھڑے' جگر اور معدہ ایک مقررہ وقت تک یہ کام انجام دیتے رہتے ہیں' غرض انسان کے باہر جو پھیلی ہوئی کائنات اور عالم کبیر ہے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں لگا ہوا ہے۔ اور انسان کے اندر جو عالم صغیر ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت میں لگا ہوا ہے کوئی چیز اس کی اطاعت سے باہر نہیں ہے' ایک درمیان میں یہ خاک کا پتلا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دے کر انسان بنا دیا پھر اس کو یہ موقع دیا کہ وہ عالم کبیر کو اللہ کا اطاعت گزار دیکھ کر اس سے عبرت حاصل کرے یا خود اپنے نفس اور عالم صغیر میں جھانک کر دیکھ لے اور اس سے نصیحت حاصل کرے۔ جب اس کا اپنا نفس اور کائنات کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی بارگاہ میں سجدہ ریزی سے باہر نہیں ہے تو وہ خود اس کے حضور اطاعت سے سر تسلیم خم کیوں نہیں کرتا!

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (حٰمٓ السجدة: ۵۳)

عنقریب ہم عالم کے اطراف میں انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں گے اور ان کے نفسوں میں حتی کہ ان پر منکشف ہو جائے گا کہ یقیناً وہی (قرآن) حق ہے۔

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (الذاریات: ۲۱-۲۰)

اور یقین رکھنے والوں کے لیے زمین میں نشانیاں ہیں اور خود تمہارے نفسوں میں' کیا تم (ان سے) بصیرت حاصل نہیں کرتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوق کے خوشی یا ناخوشی سے اطاعت گزار ہونے کے دو معنی ہیں ایک وہ جو امام رازی نے بیان فرمایا کہ ہر مخلوق کا اپنے وجود اور عدم میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہونا اس کی اطاعت گزاری ہے اور دوسرا

وہ معنی جو ہم نے بیان کیا کہ تمام ممکنات کا اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے تکوینی نظام کے تحت خوشی یا ناخوشی سے کام کرنا اس کی اطاعت گزاری ہے۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ

آپ کہیے ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس پر جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ

اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو موسیٰ اور

مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ

عیسیٰ اور (دیگر) نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا۔ ہم (ایمان لاتے ہیں) ان میں سے

اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ

کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے اطاعت گزار ہیں ○ اور جس نے اسلام کے علاوہ کسی اور

الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ

دین کو طلب کیا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ

میں سے ہو گا ○ اللہ اس قوم کو کیوں کر ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے

وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا

حالانکہ وہ لوگ (پہلے) یہ گواہی دے چکے تھے کہ رسول برحق ہیں اور ان کے پاس دلیلیں آچکی تھیں اور اللہ ظالم لوگوں

يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ

کو ہدایت نہیں دیتا ○ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی

لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ

لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی ○ وہ ہمیشہ اس لعنت میں رہیں گے

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ

نہ ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی ○ سوا ان لوگوں کے

تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور وہ نیک ہو گئے سو اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

زیر تفسیر آیت کی آیات سابقہ کے ساتھ مناسبت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے یہ میثاق اور پختہ عہد لیا تھا کہ جب ان کے پاس وہ رسول آ جائیں جو ان پر نازل کی ہوئی کتابوں اور ان کے دین کی تصدیق کریں تو ان پر لازم ہے کہ وہ اس رسول پر ایمان لائیں اور اس کی نصرت کریں' اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے: "آپ کہئے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا اور اس پر جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور (دیگر) نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا" تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ سیدنا محمد ﷺ ہی وہ رسول ہیں جن پر ایمان لانے کے متعلق نبیوں سے پختہ عہد لیا گیا تھا' اور آپ کے زمانہ میں جس قدر اہل کتاب تھے ان سب پر ضروری تھا کہ وہ آپ پر ایمان لاتے۔

دوسری مناسبت یہ ہے کہ اس آیت سے متصل پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا: کیا یہ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرتے ہیں؟

اور اللہ تعالیٰ نے اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کو اختیار کرنے کی مذمت فرمائی ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اللہ کا دین کون سا ہے؟ اور کس دین کو اختیار کیا جائے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتلایا کہ جو کتاب سیدنا محمد ﷺ پر نازل کی گئی اور آپ سے پہلے انبیاء پر جو کتابیں اور احکام نازل کئے گئے تھے ان سب پر ایمان لانا ہی اللہ کا دین ہے اور یہی اسلام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آپ کہئے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا۔ (آل عمران: ۸۴)

"آپ کہئے" یہ واحد کا صیغہ ہے اور "ہم اللہ پر ایمان لائے" یہ جمع کا صیغہ ہے' بہ ظاہر یوں ہونا چاہئے تھا "آپ کہئے میں اللہ پر ایمان لایا" اس خلاف ظاہر اسلوب کی وجہ یہ ہے کہ اس پر متنبہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کی طرف پیغام لانے والے صرف واحد ہیں اور وہ سیدنا محمد ﷺ ہیں' اس لیے پہلے صیغہ واحد سے خطاب کر کے فرمایا آپ کہئے۔ پھر "ہم اللہ پر ایمان لائے۔" صیغہ جمع کے ساتھ اس لیے فرمایا کہ اس پیغام پر ایمان لانے کے صرف آپ مکلف نہیں ہیں' بلکہ تمام امت اس کی مکلف ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ واحد کا صیغہ تواضع' انکسار اور عاجزی کے اظہار کے لیے لاتے ہیں اور جمع کا صیغہ تعظیم اور اجلال کے لیے لاتے ہیں اور اللہ کے سامنے آپ متواضع اور منکسر ہیں اس لیے واحد کے صیغہ سے فرمایا آپ کہئے اور امت کے سامنے آپ معظم اور مکرم اور صاحب جلال ہیں' اس لیے فرمایا آپ امت سے کہیں ہم اللہ پر ایمان لائے' جیسے امراء اور حکام' عوام کے سامنے خود کو جمع کے صیغے کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (اور ہم اس پر ایمان لائے) جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور (دیگر) نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا۔ (آل عمران : ۸۴)

انبیاء سابقین علیہم السلام پر ایمان لانے کا مفہوم

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

اس میں اختلاف ہے کہ جن انبیاء علیہم السلام کی شریعت منسوخ ہو چکی ہے ان پر کس طرح ایمان لایا جائے، بعض علماء نے یہ کہا کہ جب ان کی شریعت منسوخ ہو گئی تو ان کی نبوت بھی منسوخ ہو گئی، اور ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ انبیاء اور رسل تھے اور اس پر ایمان نہیں لاتے کہ وہ اب انبیاء اور رسل ہیں اور بعض علماء نے یہ کہا کہ ان کی شریعت کا منسوخ ہونا ان کی نبوت کے منسوخ ہونے کو مستلزم نہیں ہے اور ہم اس پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ اب بھی انبیاء اور رسل ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۸۸، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ)

اس مسئلہ میں تحقیق دوسرا قول ہے کہ ہمارا ایمان ہے کہ تمام انبیاء سابقین اب بھی نبی اور رسول ہیں اور ان پر نازل کی ہوئی کتابوں پر بھی ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ آسمانی کتابیں ہیں، ہرچند کہ اب وہ کتابیں بعینہ باقی نہیں ہیں اور اہل کتاب نے ان میں لفظی اور معنوی تحریف کر دی ہے۔ یہ آیت سورہ بقرہ میں بھی ہے وہاں پر ارشاد ہے :

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ۔ (البقرة : ۲۸۵)
رسول اس پر ایمان لائے جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا۔

اور یہاں ارشاد ہے :

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا۔ (آل عمران : ۸۴)
آپ کہئے ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا۔

سورۂ بقرہ میں "الی" کا لفظ ہے اور یہاں "علی" کا لفظ ہے۔ "الی" کا معنی اللہ کی طرف سے اور "علی" کا معنی رسول پر ہے، اس کی توجیہ یہ ہے کہ اللہ کا کلام اور اس کی کتابیں اللہ کی طرف سے رسول پر نازل ہوتی ہیں سورہ بقرہ میں اللہ کی جانب کا اعتبار کیا اور فرمایا جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا اور یہاں رسول کا اعتبار کیا اور فرمایا اور اس پر جو ہم پر نازل کیا گیا، خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں منزِل اور دوسری آیت میں منزل علیہ کا اعتبار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ہم ایمان لانے میں ان میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کرتے۔

اس میں یہود کی طرف تعریض ہے کہ وہ بعض نبیوں پر ایمان لاتے تھے اور بعض پر ایمان نہیں لاتے تھے، اس کے برعکس ہم تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور نفس نبوت میں کسی نبی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جس نے اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو طلب کیا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ (آل عمران : ۸۵)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو یہود نے کہا ہم مسلمان ہیں، تب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر حج کرنے کا حکم نازل کیا، مسلمانوں نے حج کر لیا اور کفار بیٹھے رہے۔

نیز اس آیت نے درج ذیل آیت کے مفہوم کو منسوخ کر دیا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ : ۶۲)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے' اور نصاریٰ اور صابئین جو بھی اللہ اور روز قیامت پر ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے تو ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے نہ ان پر کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں' عیسائیوں اور صابئین کا دین بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ اسلام کے سوا اور کوئی دین اللہ کے نزدیک ہرگز قبول نہیں ہو گا' اور سورہ بقرہ کی ظاہر آیت سے جو مفہوم نکل رہا تھا اس کو اس آیت سے منسوخ فرما دیا۔

(جامع البیان ج ۳ ص ۲۴۱' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اسلام کے لغوی اور شرعی معنی کا بیان

علامہ ابوالحیان اندلسی اور بعض دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ اسلام سے مراد یہاں اسلام کا لغوی معنی ہے یعنی ظاہری اطاعت اور فرمانبرداری' لیکن صحیح یہ ہے کہ یہاں اسلام سے مراد اسلام کا شرعی اور اصطلاحی معنی ہے یعنی وہ عقائد اور احکام جن کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا اور جس دین کی آپ نے تبلیغ کی۔

امام رازی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایمان اور اسلام مترادف ہیں کیونکہ اگر ایمان اسلام کا غیر ہو تو لازم آئے گا کہ پھر ایمان غیر مقبول ہو۔ لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اسلام کے علاوہ کوئی اور دین مقبول نہیں ہے' اس لیے یہ جائز ہے کہ ایمان سے مراد عقائد اور احکام کی تصدیق ہو اور اسلام سے مراد ان عقائد کا اقرار اور ان احکام پر عمل کرنا ہو' تاہم صحیح یہی ہے کہ اسلام اور ایمان دونوں مترادف ہیں اور دونوں سے مراد ان عقائد اور احکام کی تصدیق ہے جن کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا' البتہ درج ذیل آیت میں اسلام کا لغوی معنی یعنی اطاعت کرنا مراد ہے : (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۴۸۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا (الحجرات : ۱۴)

دیہاتیوں نے کہا ہم ایمان لائے' آپ کہیے تم ایمان نہیں لائے لیکن کہو ہم نے اطاعت کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔

اسلام قبول نہ کرنے کے نقصان کا بیان

نقصان کا معنی ہے اصل مال کا ضائع ہو جانا' اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے اس فطرت سلیمہ کو ضائع کر دیا جس پر وہ پیدا کیا گیا تھا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مولود فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے' پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی' نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسے جانور سے مکمل جانور پیدا ہوتا ہے کیا تم اس میں کوئی نقص دیکھتے ہو!

اس حدیث کو امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

(صحیح بخاری ج ا ص ۱۸۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ' مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۶' ۳۱۵' مطبوعہ بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ ہر انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ قبول اسلام کی صلاحیت رکھتا ہے اور آخرت کی فوز و فلاح حاصل کرنے کے لیے اس کے پاس یہی اصل سرمایہ ہے اور جب اس نے اسلام کے سوا کسی اور دین کو قبول کر لیا تو اس نے اپنے اصل سرمایہ کو ضائع کر دیا اور اب اس کے پاس اخروی کامیابی حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا' اب وہ آخرت میں ثواب سے محروم ہو گا اور عذاب میں مبتلا ہو گا' اسے اسلام قبول نہ کرنے کا افسوس ہو گا اور دوسرے ادیان کے احکام پر عمل کرنے کی مشقت اٹھانے کی وجہ سے پشیمانی ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ اس قوم کو کیسے ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئی' حالانکہ وہ لوگ پہلے یہ گواہی دے چکے تھے کہ رسول برحق ہیں اور ان کے پاس دلیلیں آچکی تھیں اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔
(آل عمران: ۸۶)

زیر تفسیر آیت کے شان نزول میں متعدد اقوال

اس آیت کے شان نزول کے متعلق کئی اقوال ہیں' امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انصار میں ایک شخص مسلمان ہوا' پھر مرتد ہو کر مشرکین کے ساتھ لاحق ہو گیا' پھر وہ نادم ہوا اور اس نے اپنی قوم کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھیجا کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اللہ اس قوم کو کیسے ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئی ---- سوا ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور وہ نیک ہو گئے۔ ان کی قوم نے ان کو پیغام بھیجا' پھر وہ مسلمان ہو گئے۔

مجاہد نے بیان کیا کہ حارث بن سوید آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے' پھر حارث دوبارہ کافر ہو کر اپنی قوم کی طرف لوٹ گئے' تب اللہ عزوجل نے ان کے متعلق یہ آیات نازل کیں' ان کی قوم کے ایک شخص نے ان کے سامنے ان آیات کو پڑھا' حارث نے کہا بے شک تم نے سچ کہا' اور بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے زیادہ صادق ہیں اور بے شک اللہ عزوجل تینوں میں سب سے زیادہ صادق ہے' حارث دوبارہ اسلام کی طرف لوٹ آئے اور انہوں نے اسلام میں نیک عمل کیے۔

حسن بصری نے کہا یہ آیتیں یہود و نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی ہیں' جو اپنی کتابوں میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات پڑھتے تھے اور ان کا اقرار کرتے تھے اور ان کے حق ہونے کی شہادت دیتے تھے اور جب آپ ان کے علاوہ دوسری قوم سے مبعوث ہو گئے تو انہوں نے آپ کا انکار کیا اور آپ کا اقرار کرنے کے بعد آپ کا کفر کیا۔

ایک اور سند کے ساتھ حسن بصری سے روایت ہے کہ یہ آیت ان اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہے جو اپنی آسمانی کتابوں میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پڑھتے تھے اور آپ کے وسیلہ سے فتح طلب کرتے تھے اور جب آپ مبعوث ہوئے تو وہ آپ پر ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے۔

امام ابو جعفر نے کہا ان اقوال میں حق کے زیادہ مشابہ اور آیات قرآن کے زیادہ قریب وہ قول ہے جو حسن بصری سے منقول ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۴۳' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے کا مطلب

اللہ تعالیٰ کے ہدایت دینے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خیر و شر کے راستوں کو پیدا کیا اور انسان کی عقل میں یہ صلاحیت رکھی کہ وہ خیر اور شر کو متمیز کر سکے' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی معرفت اور اپنے پسندیدہ اعمال کی طرف رہنمائی کرنے اور ناپسندیدہ اعمال سے روکنے کے لیے رسولوں کو مبعوث فرمایا اور آسمانی کتابوں اور صحائف کو نازل کیا اور ان کی توضیح اور تشریح کے لیے ہر دور میں علماء ربانیین اور مجددین کو پیدا فرمایا۔ درج ذیل آیات میں اس امر پر روشنی پڑتی ہے :

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۙ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۙ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (البلد : ۱۰-۸)

کیا ہم نے اس کی دو آنکھیں نہیں بنائیں ○ اور زبان اور دو ہونٹ ○ اور ہم نے اسے (خیر اور شر کے) دو واضح راستے دکھا دیئے۔

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۙ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ (القیامه : ۱۵-۱۴)

بلکہ انسان خود اپنے اوپر شاہد ہے ○ خواہ وہ اپنے تمام عذر (بھی) پیش کر دے۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنو اسرائیل : ۱۵)

اور ہم عذاب دینے والے نہیں حتیٰ کہ ہم رسول بھیج دیں۔

ان آیات سے واضح ہو گیا کہ اللہ نے خیر اور شر کو متمیز کرنے کے لیے انسان کو عقل اور شعور عطا کیا اور اپنی معرفت اور اپنے احکام سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے رسول بھیجے اور یہ اللہ تعالیٰ کی وہ عام ہدایت ہے جو اس نے ہر انسان کو عطا کی ہے اور کوئی شخص اللہ کے خلاف یہ حجت نہیں پیش کر سکتا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت نہیں دی اس لیے وہ معذور ہے۔

مرتدوں کو ہدایت نہ دینے کے اشکال کے جوابات اور بحث و نظر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے : "اللہ اس قوم کو کیونکر ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئی' حالانکہ پہلے یہ لوگ گواہی دے چکے تھے کہ رسول برحق ہیں اور ان کے پاس دلیلیں آ چکی تھیں' اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

اس آیت پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان ظالمین اور مرتدین کو ہدایت نہیں دی تو پھر ان کا دوبارہ اسلام کی طرف رجوع نہ کرنا اور توبہ نہ کرنا اور اپنے کفر اور ارتداد پر برقرار رہنا کیوں کر لائق مذمت اور باعث عذاب ہو گا! امام رازی نے معتزلہ کی طرف سے اس اشکال کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ اس آیت میں ہدایت سے مراد وہ الطاف اور عنایات ہیں جو اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ مومنین کو عطا فرماتا ہے اور اس کی ہدایت میں مزید ترقی عطا فرماتا ہے جیسا کہ حسب ذیل آیات سے ظاہر ہے :

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (العنکبوت : ۶۹)

اور جن لوگوں نے ہماری راہ میں جہاد کیا ہم ضرور انہیں اپنی راہیں دکھا دیں گے اور بے شک اللہ ضرور نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۭ

اور جن لوگوں نے ہدایت پائی اللہ ان کی ہدایت کو زیادہ کر دیتا

-ہے (مریم: ۷۶)

یَهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَ یَهْدِیْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (المائدہ: ۱۶)

اللہ اس (رسول اور کتاب) کے ذریعہ ان لوگوں کو ہدایت دیتا ہے جو سلامتی کی راہوں کی اتباع کرتے ہیں' اور ان کو اپنے اذن سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور ان کو صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالموں اور مرتدوں کو اسلام کی طرف ہدایت نہیں دیتا' بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں اور مرتدوں پر وہ الطاف اور عنایات نہیں فرماتا جو ہدایت یافتہ مومنوں پر فرماتا ہے' لیکن یہ جواب اس آیت کے سیاق اور سباق کے خلاف ہے کیونکہ اس کے متصل بعد دوسری آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
"ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی ○ وہ ہمیشہ اس لعنت میں رہیں گے نہ ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی ○ سوا ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور وہ نیک ہو گئے' سو اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اس آیت کا صریح مفہوم یہی ہے کہ جن لوگوں پر کھلی ہوئی نشانیاں اور دلائل اور معجزات سے ہدایت بالکل واضح اور غیر مشتبہ ہو گئی اور اس کو انہوں نے تسلیم بھی کر لیا اور پھر کسی دنیاوی اور باطل غرض کی وجہ سے وہ مرتد ہو گئے تو اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ ازخود اسلام کی اور توبہ کی ہدایت نہیں دیتا الا یہ کہ وہ خود اپنے اس ارتداد پر نادم اور تائب ہوں' تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اور معتزلہ کے جواب کا اس اشکال سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اس اشکال کا دوسرا جواب امام رازی اور علامہ ابوالحیان اندلسی وغیرہما نے متکلمین اہل سنت کی طرف سے یہ نقل کیا ہے کہ بندہ جس فعل کو کرنے کا قصد (کسب) کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس فعل کو پیدا فرما دیتا ہے تو جن مرتدوں اور ظالموں نے ارتداد کے بعد دوبارہ اسلام کی طرف لوٹنے اور توبہ کرنے کا قصد ہی نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ ان میں ہدایت کیونکر پیدا فرمائے گا ہاں جو مرتدین بعد میں نادم ہوئے اور انہوں نے اسلام کی طرف رجوع کا قصد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان میں ہدایت کو پیدا فرما دیا۔ معتزلہ نے اس جواب پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر مومنوں میں اللہ تعالیٰ ہدایت پیدا کرتا ہے تو کافروں میں کفر بھی اس کے پیدا کرنے سے ہو گا اور پھر کافر اپنے کفر میں معذور ہو گا' لیکن یہ اعتراض اس لیے صحیح نہیں ہے کہ کافر جب کفر کا ارادہ کرتا ہے تب اللہ تعالیٰ اس میں کفر کو پیدا کرتا ہے اور اس کو سزا اس کے کسب اور اختیار کی وجہ سے دی جائے گی' دراصل معتزلہ اور اہل سنت میں بنیادی اختلاف یہ ہے کہ معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے مومن اپنے ایمان کا خالق ہے اور کافر اپنے کفر کا' اور اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ ہر فعل کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' البتہ انسان جس فعل کو اختیار کرتا ہے اور اس کا کسب اور ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسی فعل کو پیدا فرما دیتا ہے' انسان کاسب ہے اور اللہ تعالیٰ خالق ہے اور انسان کو جزاء اور سزا اس کے کسب اور اختیار کی وجہ سے دی جاتی ہے۔

اس اشکال کا دوسرا جواب جس کی طرف میرا ذہن متوجہ ہوا وہ یہ ہے کہ جو لوگ حق اور ہدایت کے بالکل واضح اور غیر مشتبہ ہونے اور پھر اس کو قبول کرنے کے بعد اس سے مرتد ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ بہ طور سزا ازخود ہدایت نہیں دیتا البتہ اگر وہ اس ارتداد پر نادم اور تائب ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

اور اس اشکال کا تیسرا جواب یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کی حقانیت کو دلائل اور کھلی کھلی نشانیوں سے جان چکے پھر اس کو مان چکے اس کے بعد وہ کسی باطل غرض کی بناء پر مرتد ہو گئے تو اللہ تعالیٰ ان کو جبراً ہدایت نہیں دیتا کہ ان کو بہ زور اسلام میں داخل کر دے' ہاں! جو از خود نادم اور تائب ہو اور اسلام کی طرف پلٹ آئے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

شیخ امین احسن اصلاحی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

ہدایت کے تین مرحلے ہیں آخری مرحلہ اس کا ہدایت آخرت کا ہے۔ اس مرحلہ میں غایت مقصود کی طرف ہدایت ہوتی ہے اور بندہ اپنی مساعی کے ثمرہ سے بہرہ مند اور اپنی جدوجہد زندگی کے حاصل سے بامراد ہوتا ہے۔ ہدایت کا لفظ اس معنی میں بھی قرآن میں جگہ جگہ استعمال ہوا ہے۔ مجھے بار بار خیال ہوتا ہے کہ "یھدی" اس آیت میں اس معنی میں ہے۔

(تدبر قرآن ج ۲ ص ۱۳۷)

اصلاحی صاحب کی اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مرتدوں کو دین اسلام کی طرف ہدایت تو دیتا ہے لیکن ان کو آخرت میں جنت کی ہدایت نہیں دیتا جب کہ قرآن مجید میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ دین اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو جائیں اللہ تعالیٰ ان کو از خود اسلام کی طرف ہدایت نہیں دیتا' الا یہ کہ وہ خود اسلام کی طرف پلٹ آئیں' نیز یہاں پر اصل اشکال یہ تھا کہ جب اللہ مرتدوں اور ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا تو پھر ان کے توبہ نہ کرنے اور اسلام کی طرف نہ لوٹنے میں ان کا کیا قصور ہے؟ اصلاحی صاحب کی تقریر میں اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔

نیز شیخ امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں :

استاذ مرحوم اس ہدایت کا عام مفہوم ہی مراد لیتے ہیں' ان کے نزدیک یہاں بنی اسرائیل کے لیے جس ہدایت کی نفی کی ہے وہ من حیث القوم ہے' من حیث الافراد نہیں ہے' مطلب یہ ہے کہ جو قوم ایسے شدید جرائم کی مرتکب ہوئی ہے اس کے اسلام کی راہ کس طرح کھل سکتی ہے۔ (تدبر قرآن ج ۲ ص ۱۳۷' مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور)

شیخ امین احسن اصلاحی کے استاذ گرامی فراہی صاحب کی تفسیر بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو لوگ اسلام کی حقانیت کو دلائل اور کھلی کھلی نشانیوں سے جاننے اور پھر ماننے کے بعد کافر ہو گئے اور ظاہر ہے کہ بنو اسرائیل من حیث القوم پر یہ بات صادق نہیں آتی کہ پوری قوم بنو اسرائیل پہلے مسلمان ہوئی اور پھر اس کے بعد کافر ہو گئی اور یہ بالکل بدیہی ہے البتہ بنو اسرائیل کے بعض افراد پر یہ بات صادق آتی ہے کہ وہ اسلام کی صداقت کو پہچان کر مسلمان ہو گئے اور پھر اغراض باطلہ کی وجہ سے پھر کفر کی طرف لوٹ گئے' ان میں سے بعض نادم مرگ کفر پر برقرار رہے اور بعض نادم اور تائب ہو کر اسلام کی طرف پلٹ آئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ اس آیت کی تفسیر میں اپنے استاذ شیخ اشرف علی تھانوی سے نقل کرتے ہیں :

اس آیت سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ کسی کو مرتد ہونے کے بعد ہدایت نصیب نہیں ہوتی حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے کیونکہ بہت سے لوگ مرتد ہونے کے بعد ایمان قبول کر کے ہدایت یافتہ بن جاتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہاں جو ہدایت کی نفی کی گئی ہے اس کی مثال ہمارے محاورات میں ایسی ہے جیسے کسی بدمعاش کو کوئی حاکم اپنے ہاتھ سے سزا دے اور وہ کہے کہ مجھ کو حاکم نے اپنے ہاتھ سے خصوصی عنایت فرمائی ہے' اور اس کے جواب میں کہا جاوے کہ ایسے بدمعاش کو ہم خصوصیت کیوں دینے لگے' یعنی یہ امر خصوصیت ہی نہیں اور یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ایسا شخص کسی طرح قابل خصوصیت

نہیں ہو سکتا اگر شائستہ بن جاوے۔ (بیان القرآن) (معارف القرآن ج ۲ ص ۱۰۵' مطبوعہ کراچی)

اس تفسیر کا غیر صحیح ہونا بالکل واضح ہے' اس آیت سے یہ مطلب کہاں نکلتا ہے کہ کسی کو مرتد ہونے کے بعد ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے صراحتہ" استثناء بیان فرمایا ہے: سوا ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کرلی اور وہ نیک ہو گئے' سو اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اکثر مفسرین نے اس آیت پر ہونے والے اشکال کو چھیڑا ہی نہیں اور سرسری تفسیر کر کے گزر گئے' حالانکہ تفسیر کرنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ قرآن مجید پر وارد ہونے والے اشکالات کو دور کیا جائے اور اس میں پیدا ہونے والی الجھنوں سے ذہنوں کو صاف کیا جائے اور بعض مفسرین نے یہاں قیل و قال کی اور موشگافیاں نکالیں لیکن ان کا ذہن اصل اشکال اور اعتراض کی طرف متوجہ نہیں ہو سکا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن

بیشک جن لوگوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا، پھر انھوں نے اور زیادہ کفر کیا ان کی توبہ

تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ

ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور وہی لوگ گمراہ ہیں ○ بیشک جن لوگوں نے

كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم

کفر کیا اور وہ حالتِ کفر میں مر گئے، ان میں سے اگر کوئی شخص تمام (روئے) زمین کو بھر کر سونا

مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ

(بھی) فدیہ میں دے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا ان ہی لوگوں کے لیے

عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٩١﴾

دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے ○

ع ۹ | ۱۱ | ۱۷

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جن لوگوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا' پھر انہوں نے اور زیادہ کفر کیا۔ (آل عمران: ۹۰)

مرتدین کے کفر میں زیادتی کا بیان

جو لوگ مرتد ہو گئے' اور انہوں نے ارتداد کے بعد اور زیادہ کفر کیا اس کفر میں زیادتی کی حسب ذیل وجوہ بیان کی گئی ہیں:

(۱) اہل کتاب سیدنا محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ پر ایمان لے آئے تھے' پھر جب آپ مبعوث ہو گئے تو انہوں نے

آپ کا کفر کیا' پھر وقتاً" فوقتاً" آپ پر طعن کر کے اور مومنین کے دلوں میں آپ کی نبوت کے خلاف شکوک و شبہات ڈال کر' کتاب میں تحریف کر کے' اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے میثاق کو توڑ کر اور کھلے ہوئے معجزات دیکھنے کے باوجود ہٹ دھرمی سے آپ کا مسلسل انکار کر کے زیادہ کفر کرتے رہے۔

(۲) یہود پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے' پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا انکار کر کے کافر ہو گئے' پھر سیدنا محمد ﷺ اور قرآن مجید کا انکار کر کے انہوں نے اور زیادہ کفر کیا۔

(۳) یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلے گئے' پھر ان کا زیادہ کفر یہ تھا کہ وہ مکہ میں آپ کے خلاف گھات لگا کر بیٹھ گئے' تاکہ آپ کو نقصان پہنچائیں۔

(۴) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مرتد ہو گئے اور کفر میں ان کی زیادتی یہ تھی کہ وہ مسلمانوں اور اسلام کے خلاف سازشیں کرنے کے لیے نفاقاً" مسلمان ہو گئے۔ علاوہ ازیں مرتدین کے کفر میں زیادتی کے متعلق مطلقاً یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مرتد کا اپنے ارتداد پر اصرار کرنا اور اسلام کی طرف رجوع نہ کرنا یہ بھی اس کے کفر میں زیادتی ہے۔

مرتدین کی توبہ قبول نہ ہونے کا محمل

اس آیت میں فرمایا ہے : "بے شک جن لوگوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا' پھر انہوں نے اور زیادہ کفر کیا' ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔" اس سے معلوم ہوا کہ مرتدین کی توبہ قبول نہیں ہو گی' حالانکہ اس سے پہلی آیت میں مرتدین کے متعلق فرمایا تھا : "سوا ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور وہ نیک ہو گئے' سو اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔" اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ مرتدین کی توبہ قبول کر لی جائے گی' اور یہ ان دو آیتوں میں تعارض ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ مرتدین کی توبہ قبول کر لی جائے گی اور اس آیت میں جو فرمایا ہے ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اس کی حسب ذیل توجیہات ہیں :

(۱) جو لوگ غرغرہ موت اور نزع روح کے وقت توبہ کریں یا اخروی عذاب کو دیکھ کر توبہ کریں ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی' قرآن مجید میں ہے :

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰىٓ اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا (النسآء : ۱۸)

ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہو گی جو مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے جب کسی کو موت آئے تو وہ کہے کہ میں نے اب توبہ کی اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہو گی جو حالت کفر میں مر جاتے ہیں۔ ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

(۲) جو لوگ حالت کفر پر مر جاتے ہیں ان کی توبہ مرنے کے بعد قبول نہیں ہو گی جیسا کہ مذکور الصدر آیت کے آخر میں فرمایا ہے۔

(۳) جو لوگ ایک کفر سے تائب ہو کر دوسرے کفر کی طرف لوٹتے ہیں مثلاً یہودیت سے نصرانیت کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کی توبہ قبول نہیں ہو گی۔

(۴) کفر پر مرنا توبہ قبول نہ ہونے کا سبب ہے' اس آیت میں مسبب کا ذکر ہے اور اس سے سبب کا ارادہ کیا ہے اور توبہ قبول نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ مرتد ہو گئے اور بار بار کفر کرتے رہے (جیسے بعض معاندین یہود اور منافقین تھے)

وہ کفر پر مریں گے۔

(۵) اس سے مراد یہ ہے کہ جن لوگوں نے حالت کفر اور ارتداد میں اپنے گناہوں سے توبہ کی ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی کیونکہ گناہوں سے توبہ کے لیے ایمان شرط ہے' اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس نے اپنے کفر اور ارتداد سے توبہ کی اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔

(۶) جن لوگوں نے صرف زبان سے توبہ کی' اخلاص اور صدق نیت سے توبہ نہیں کی' ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔

(۷) جن لوگوں نے ایمان کے بعد کفر کیا پھر کفر میں زیادتی کی پھر اس کفر میں زیادتی سے توبہ کی اور اصل کفر سے توبہ نہیں کی ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔

ایک سوال یہ ہے کہ اس آیت میں حصر کے ساتھ فرمایا ہے "وہی لوگ گمراہ ہیں۔" حالانکہ ان کے علاوہ دیگر کفار بھی گمراہ ہیں' پھر یہ حصر کیونکر صحیح ہوگا' اس کا جواب یہ ہے کہ جو لوگ بار بار کفر کریں وہ مکمل گمراہ ہیں' اگرچہ دوسرے بھی گمراہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جن لوگوں نے کفر کیا وہ حالت کفر میں مر گئے ان میں سے اگر کوئی شخص تمام (روئے) زمین کو بھر کر سونا بھی فدیہ میں دے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا' ان ہی لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ (آل عمران : ۹۱)

ایمان کے مقبول ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے کفار کی تین قسمیں

مذکور الصدر آیات میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کی ان کے ایمان مقبول ہونے یا نہ ہونے کے اعتبار سے تین قسمیں بیان فرمائی ہیں :

(۱) جو شخص اسلام قبول کرنے کے بعد کافر ہو جائے اور تادم مرگ کفر پر قائم رہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول نہیں فرماتا' اور اس کو جبراً "یا سزاء" ہدایت نہیں دیتا' اس کے لیے سخت سزا ہے' وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا' اس کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی نہ اس کو مہلت دی جائے گی' البتہ ان میں سے جو شخص نادم اور تائب ہو گیا اور اس نے بداعمالیوں کی تلافی کی اور نیک عمل کر لیے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔ اس کے لیے رحمت اور مغفرت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

(۲) جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اور مسلسل کفر کرتے رہے اور موت کو دیکھ کر توبہ کی یا صرف زبان سے توبہ کی اور دل سے توبہ نہیں کی' اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کو قبول نہیں فرمائے گا۔

(۳) جو کافر کفر پر فوت ہو گیا اللہ تعالیٰ اس کی کسی نیکی کو ہرگز قبول نہیں فرمائے گا خواہ اس نے عبادت کی نیت سے روئے زمین کے برابر سونا خیرات کیا ہو' اور نہ روئے زمین کے برابر سونا آخرت میں اس کے عذاب کا فدیہ ہو سکتا ہے قرآن مجید میں ہے :

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (المائدہ : ۳۶)

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اگر ان کے پاس روئے زمین کی تمام چیزیں ہوں اور اتنی ہی اور چیزیں (بھی) ہوں تاکہ وہ ان کو قیامت کے دن عذاب سے بچنے کے لیے فدیہ دیں' تو وہ ان سے قبول نہیں کی جائیں گی اور ان کے لیے نہایت دردناک عذاب ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے قیامت کے دن ایک کافر کو لایا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا یہ بتا کہ اگر تیرے پاس اتنا سونا ہو کہ تمام زمین کو بھر لے' کیا تو اس کو فدیہ میں دے گا؟ وہ کہے گا: ہاں! اس سے کہا جائے گا تجھ سے تو دنیا میں اس سے کہیں آسان چیز (اللہ تعالیٰ کو واحد ماننے) کا سوال کیا گیا تھا۔
(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۶۸' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا اور اس میں ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ مائدہ کی اس آیت کو تلاوت فرمایا۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۸' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قیامت کے دن کافر تو کسی کھجور کی کھوکھلی گٹھلی جیسی حقیر چیز کا بھی مالک نہیں ہو گا تو اس کے متعلق تمام زمین بھر سونا فدیہ کرنا کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر دنیا میں کافر نے اتنا سونا خیرات کیا ہو پھر بھی وہ قبول نہیں کیا جائے گا اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض قیامت کے دن کافر کے پاس اتنا سونا ہو اور وہ اس کو اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے فدیہ دینا چاہے تو یہ فدیہ قیامت کے دن اس کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔

نیز اس سے پہلے ہم صحیح مسلم کے حوالے سے یہ حدیث بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ زمانہ جاہلیت میں ابن جدعان بہت نیکیاں کرتا تھا' مہمانوں کو کھلاتا تھا' قیدیوں کو آزاد کراتا تھا' بھوکوں کو کھانا کھلاتا تھا' کیا اس کو اس سے نفع ہو گا؟ آپ نے فرمایا نہیں' اس نے ایک دن بھی یہ نہیں کہا: اے میرے رب! قیامت کے دن میری خطاؤں کو بخش دینا۔

اس آیت کے اخیر میں فرمایا ہے کہ کفار کا کوئی مددگار نہیں ہو گا' اور اس میں حصر فرمایا ہے یعنی صرف ان ہی کی شفاعت قبول نہیں کی جائے گی اس آیت میں مومنین کے لیے شفاعت کے قبول ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ اگر مومنوں کے لیے بھی شفاعت قبول نہ ہو تو اولاً تو حصر صحیح نہیں رہے گا۔ ثانیاً" اگر مسلمانوں اور کافروں دونوں کے حق میں شفاعت کا مقبول نہ ہونا مشترک ہو تو یہ چیز صرف کافروں کے لیے کیوں کر حسرت و حرمان اور وعید کا سبب بن سکتی ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا

تم ہرگز نیکی نہیں حاصل کر سکو گے حتیٰ کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو اور تم جس چیز کو بھی خرچ

مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

کرتے ہو، اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے ○

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ کافر اگر قیامت کے دن بالفرض روئے زمین کے برابر سونا بھی صدقہ کرے تو وہ مقبول نہیں ہو گا' تب یہ سوال پیدا ہوا کہ صدقہ کب قبول ہو گا' کس کا قبول ہو گا اور کون سے صدقہ کی قبولیت زیادہ متوقع ہے' تب اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ صدقہ کرنا بر (نیکی) ہے اور ابرار کا صدقہ قبول ہو گا' اور نیکی تب حاصل ہو گی جب ان چیزوں سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے جو انسان کو سب سے زیادہ پسند ہوں۔

بر کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

بر کا معنی ہے صلہ، جب کوئی شخص صلہ رحمی کرے تو کہتے ہیں اس نے بر کی، قرآن مجید کی مذکور ذیل آیت اسی معنی میں ہے:

لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْۤا اِلَیْهِمْؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ۔ (الممتحنہ: ۸)

جن لوگوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا، اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے ساتھ بر کرنے یعنی عدل اور احسان کا سلوک کرنے سے منع نہیں فرماتا، بے شک اللہ عدل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران: ۹۲)

تم اس وقت تک ہرگز بر یعنی نیکی نہ پاسکو گے جب تک تم اپنی پسندیدہ چیزوں میں سے کچھ خرچ نہ کرو۔

ابو منصور نے کہا بر دنیا اور آخرت کی خیر کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے بندے کو جو ہدایت، نعمت اور اچھی چیزیں عطا فرمائی ہیں وہ دنیا کی خیر ہے اور جنت میں دائمی نعمتوں کا حصول آخرت کی خیر ہے (اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور کرم سے ہم کو دنیا اور آخرت کی خیر عطا فرمائے آمین) رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے ہمیشہ سچائی پر رہو کیونکہ سچائی بر کی ہدایت دیتی ہے، شمر نے کہا اس حدیث میں بر کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض علماء نے کہا بر سے مراد صلاح (درستگی) ہے اور بعض نے کہا بر سے مراد خیر ہے، اور میرے علم میں اس سے زیادہ جامع بر کی اور کوئی تفسیر نہیں ہے، کیونکہ یہ تمام اقوال کو جامع ہے۔

لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا بر ہے، ہمارے شیخ نے بیان کیا کہ بعض اہل لغت نے کہا کہ بر کا اصل معنی وسعت ہے بحر کے مقابلہ میں بر کا لفظ اسی سے ماخوذ ہے، پھر یہ لفظ شفقت، احسان اور صلہ میں مشہور ہو گیا، مصنف (صاحب قاموس) نے بصائر میں کہا ہے کہ بر کا معنی ہے فعل خیر میں توسع، کبھی یہ لفظ اللہ عزوجل کی طرف منسوب ہوتا ہے اور البر الرحیم کہا جاتا ہے اور کبھی بندے کی طرف منسوب ہوتا ہے اور بر العبد ربہ کہا جاتا ہے یعنی بندے نے زیادہ عبادت کی، یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو ثواب عطا کرنے اور بندے کی طرف منسوب ہو تو اطاعت کے معنی میں ہے، اطاعت کی ایک قسم اعتقاد ہے اور دوسری اعمال، قرآن مجید کی مذکور ذیل آیت ان دونوں قسموں کو شامل ہے:

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِۙ وَالسَّآىٕلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْاۚ وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِؕ

اصل بر (نیکی) یہ نہیں ہے کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لو، البتہ اصل بر اس شخص کی ہے جو اللہ تعالیٰ، روز آخرت، فرشتوں، (آسمانی) کتابوں اور نبیوں پر ایمان لائے، اور مال سے محبت کے باوجود (اللہ کے لیے) رشتہ داروں، مسکینوں، مسافروں، سوال کرنے والوں اور غلام آزاد کرنے کے لیے مال دے اور نماز قائم کرے، اور زکوۃ ادا کرے، اور عہد کرنے کے بعد عہد پورا کرنے والے اور تکلیف اور سختی میں صبر کرنے والے۔ یہی

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ صَدَقُوۡا ؕ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡمُتَّقُوۡنَ ۔ لوگ (برحق) صادق ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔
(البقرۃ : ۱۷۷)

روایت ہے کہ نبی ﷺ سے بر کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے اس آیت کی تلاوت کی' کیونکہ یہ آیت اعتقاد' اعمال' فرائض' نوافل' بروالدین اور ان کے ساتھ حسن سلوک میں وسعت پر مشتمل ہے۔
(تاج العروس شرح القاموس ج ۳ ص ۳۷-۳۶' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

نیکی کے حصول کے لیے صحابہ کرام کا اپنی محبوب چیزوں کو صدقہ کرنا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں کھجوروں کے لحاظ سے سب سے زیادہ مالدار تھے' اور ان کا سب سے زیادہ پسندیدہ مال بیرحا کا باغ تھا' یہ مسجد (نبوی) کے سامنے تھا' رسول اللہ ﷺ اس باغ میں داخل ہوتے اور اس کا میٹھا پانی پیتے' حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی : "تم ہرگز نیکی نہیں حاصل کرسکو گے حتی کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو" تب حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اٹھ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور عرض کیا : یا رسول اللہ! بے شک اللہ فرماتا ہے : تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کرسکو گے حتی کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو۔" اور بے شک میرا سب سے زیادہ پسندیدہ مال بیرحا ہے' اور یہ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے اور میں اللہ کے نزدیک اس کی نیکی اور آخرت میں اس کے اجر کی توقع رکھتا ہوں' یا رسول اللہ! آپ جہاں مناسب سمجھیں اس کو رکھیں' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا چھوڑو' یہ نفع بخش مال ہے' یہ نفع بخش مال ہے' اور میں نے سن لیا جو تم نے کہا ہے' اور میری رائے یہ ہے کہ تم اس کو اپنے رشتہ داروں کو دے دو' حضرت ابو طلحہ نے کہا یا رسول اللہ میں ایسا ہی کروں گا' پھر حضرت ابو طلحہ نے اس باغ کو اپنے رشتہ داروں اور اپنے چچا کے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے حسب ذیل مسائل معلوم ہوئے :

(ا) زمینوں اور باغات کو اپنی ملکیت میں رکھنا جائز ہے' اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو زمینوں کی شخصی ملکیت کو ناجائز کہتے ہیں' اور اس میں اس روایت کا بھی رد ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے کہ زمینوں کو نہ رکھو ورنہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔

(ب) دوست کے باغ سے پانی پینا اور پھل کھانا جائز ہے اسی طرح اس کے مکان سے کھانا' کھانا بھی جائز ہے بشرطیکہ اس کا دوست اس سے خوش ہوتا ہو' نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علماء کا باغات میں جانا جائز ہے۔

(ج) علماء اور صالحین سے مشورہ لینا جائز ہے' خواہ مشورہ صدقہ و خیرات سے متعلق ہو یا کسی اور نفلی عبادت سے' یا دنیا کا کوئی معاملہ ہو' اور اپنی محبوب چیز کو خرچ کرنے کے متعلق بھی مشورہ کرنا جائز ہے۔

(د) اگر کسی مال کو مطلق وقف کیا جائے اور اس کے خرچ کرنے کی مد کو متعین نہ کیا جائے پھر بھی وقف کرنا صحیح ہے' اور جب تک قبول نہ کیا جائے وکالت صحیح نہیں ہے۔

(ہ) اپنے رشتہ داروں اور خاندان کے دیگر غریبوں پر نفلی صدقہ کرنا دوسرے لوگوں پر صدقہ کرنے سے افضل ہے' اور اس

کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ "تمہارے لیے دو اجر ہیں رشتہ داروں سے حسن سلوک کا اور صدقہ کا۔" نیز صحیح بخاری (کتاب الھبہ) میں ہے کہ جب حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک کنیز کو آزاد کر دیا تو آپ نے فرمایا اگر تم یہ اپنے ماموؤں کو دے دیتیں تو تمہیں زیادہ اجر ہوتا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

ایوب بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ کی خدمت میں اپنے محبوب گھوڑے کو لے کر آئے اور عرض کیا : یا رسول اللہ! یہ اللہ کی راہ میں ہے' رسول اللہ ﷺ نے یہ گھوڑا (ان کے بیٹے) حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو دے دیا' حضرت زید بن حارثہ اس پر رنجیدہ ہوئے' جب نبی ﷺ نے ان کی اس کیفیت کو دیکھا تو آپ نے فرمایا سنو بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے اس صدقہ کو قبول کر لیا ہے۔ (جامع البیان ج ۳ ص ۲۴۷' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں :

امام بزار اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب مجھے یہ آیت یاد آئی لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون تو میں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں غور کیا کہ کون سی نعمت مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے' تو میں نے دیکھا کہ ایک رومی کنیز تھی جو مجھے زیادہ محبوب تھی میں نے کہا یہ اللہ کے لیے آزاد ہے' سو اب اگر میں اس کی طرف لوٹتا تو اس سے نکاح کر لیتا۔

(تفسیر القرآن ج ۲ ص ۷۱' مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت' ۱۳۸۵ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں :

امام ابن جریر اور امام ابن المنذر نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ وہ ان کے لیے قیدیوں میں سے ایک کنیز خرید لیں' حضرت عمر نے اس کنیز کو بلایا اور کہا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : "تم ہرگز نیکی نہیں حاصل کر سکو گے حتی کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو۔" پھر آپ نے اس کنیز کو آزاد کر دیا۔

امام عبد بن حمید ثابت بن حجاج سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت زید نے کہا اے اللہ! تجھے علم ہے کہ مجھے اپنے مال میں سے اس گھوڑے کے سوا اور کوئی چیز محبوب نہیں ہے' حضرت زید نے وہ گھوڑا مسکینوں پر خرچ کر دیا' پھر حضرت زید نے دیکھا کہ وہ لوگ اس گھوڑے کو فروخت کر رہے تھے' انہوں نے نبی ﷺ سے اس گھوڑے کو خریدنے کے متعلق سوال کیا' آپ نے ان کو خریدنے سے منع فرمایا۔

امام احمد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس (پکی ہوئی) گوہ لائی گئی آپ نے اس کو خود کھایا نہ اس سے منع فرمایا' میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! آیا ہم یہ مسکینوں کو کھلا دیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس چیز کو تم خود نہیں کھاتے وہ دوسروں کو بھی نہ کھلاؤ۔ امام ابن المنذر نافع سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر شکر خرید کر اس کو صدقہ کر دیتے' ہم نے مشورہ دیا اگر آپ اس شکر کے بدلہ طعام خرید لیں تو اس سے ان کو بہت فائدہ ہوگا! حضرت ابن عمر نے فرمایا میں جانتا ہوں تم جو کچھ کہہ رہے ہو' لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے۔ "تم ہر گز نیکی حاصل نہیں کر سکو گے حتیٰ کہ اس چیز سے خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو۔"

(الدر المنثور ج ۲ ص ۵۱ مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران)

پسندیدہ اور محبوب مال کا معیار

مال محبوب میں محبت سے مراد یہ ہے کہ جس چیز کی طرف نفس کا میلان ہو اور اس چیز میں اس کا دل اٹکا رہے' اسی وجہ سے اس چیز کو خرچ کرنا نفس پر بہت شاق اور دشوار ہوتا ہے اور اسی بناء پر ان مسلمانوں کی مدح کی گئی ہے جو اپنی محبوب چیزوں کو خدا کی راہ میں خرچ کر دیتے ہیں' قرآن مجید میں ہے :

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ○ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا (الدھر : ۹-۸)

اور وہ طعام سے محبت کے باوجود مسکین' یتیم اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں (اور کہتے ہیں) ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلاتے ہیں' ہم تم سے کوئی صلہ چاہتے ہیں نہ سپاس۔

بعض علماء نے کہا مال محبوب سے مراد یہ ہے کہ انسان کو خود اس مال کی ضرورت ہو' کیونکہ جو لوگ اپنی ضروریات کے باوجود مال کو دوسروں پر خرچ کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح فرمائی ہے :

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۗ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (الحشر : ۹)

اور وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں (خود) شدید حاجت ہو اور جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچائے گئے تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔

اور بعض علماء نے یہ کہا کہ مال محبوب سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز فی نفسہٖ صحیح اور لائق استعمال ہو' ردی' خبیث اور ناقابل استعمال نہ ہو جیسے گلے سڑے پھل' خراب ہو جانے کے بعد بدبودار کھانا' بہت زیادہ بوسیدہ اور پھٹے ہوئے کپڑے' ان کا استدلال اس آیت سے ہے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ (البقرہ : ۲۶۷)

اے ایمان والو! اللہ کی راہ میں اپنی کمائی سے عمدہ چیزوں کو خرچ کرو' اور ان چیزوں میں سے جن کو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کیا ہے اور جو ردی اور ناکارہ چیز ہو اس کو دینے کا ارادہ (بھی) نہ کرو کہ (راہ خدا میں) اس میں سے خرچ کرنے لگو' حالانکہ تم خود بھی اس کو لینے والے نہیں ہو سوا اس کے کہ تم چشم پوشی کرو۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے اس وقت تک کوئی شخص (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے بھی اس چیز کو پسند نہ کرے جس کو وہ اپنے نفس کے لیے پسند کرتا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث کا بھی یہی محمل ہے کہ انسان اپنے لیے ردی اور ناقابل استعمال چیز پسند نہیں کرتا' سو وہ اپنے بھائی کے لیے بھی اس کو پسند نہ کرے۔

بعض دفعہ ایک چیز کسی کے مزاج کے موافق اور دوسرے شخص کی طبیعت کے مخالف ہوتی ہے مثلاً ذیابیطس کے

مریض کے لیے میٹھی چیز اور بلند فشار دم (ہائی بلڈ پریشر) کے مریض کے لیے نمکین چیز اور کلسٹرول اور یرقان کے مریض کے لیے چکنائی اور گوشت منع ہیں۔ گردہ میں پتھری کے مریض کے لیے چاول اور کیلشیم پر مشتمل دوسری اجناس منع ہیں جب کہ دوسرے تندرست شخص کے لیے ان چیزوں کا کھانا منع نہیں ہے' اس لیے اس آیت اور اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ شوگر کا مریض کسی صحت مند شخص کو میٹھی اور نشاستہ والی چیز نہ دے' بلکہ وہ کسی شوگر کے مریض کو کھانے کے لیے ایسی چیز نہ دے جس کو وہ خود اس بیماری میں نقصان دہ سمجھتا ہے۔ البتہ صحت مند لوگوں کو ان چیزوں کا دینا اس آیت اور اس حدیث کے تحت داخل نہیں ہے۔

اسی طرح اہل ثروت بعض چیزوں کے استعمال کو اپنے معیار کے اعتبار سے لائق استعمال نہیں سمجھتے جب کہ ان کے نوکروں اور دوسرے غرباء کے لیے وہ چیزیں بہرحال نعمت ہوتی ہیں مثلاً قابل استعمال پرانے کپڑے' پرانے بستر اور دوسری کار آمد چیزیں' ہاں وہ اہل ثروت اپنے ہم مرتبہ دوسرے اہل ثروت کو ایسی چیزیں نہ دیں' جن کو وہ اپنے معیار سے کم تر خیال کرتے ہیں۔ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہر شخص سے اس کی حیثیت اور اس کے رتبہ کے لحاظ سے سلوک کرو۔ (مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

مثلاً اگر کسی شخص کے ہاں امیر تاجر مہمان ہو تو اس کی مہمان نوازی اس کے رتبہ کے لحاظ سے کی جائے گی' اور اگر کوئی غریب یا مزدور مہمان ہو تو اس کی مہمان نوازی اس کی حیثیت کے لحاظ سے کی جائے گی۔ اسی طرح رشتہ داروں اور دوستوں سے بھی حسب حیثیت سلوک کیا جائے گا۔

علماء کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس آیت میں صدقہ سے مراد آیا صدقہ واجبہ ہے یا صدقہ نفلیہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے صدقہ واجبہ مثلاً زکوۃ مراد ہے اور حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ اس سے مراد عام صدقات ہیں خواہ صدقات واجبہ ہوں یا صدقہ نفلیہ' یعنی مسلمان جس چیز کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرے وہ ایسی چیز ہو جس کو وہ خود بھی اپنے لیے پسند کرتا ہو اور وہ چیز ردی' ناکارہ اور ناقابل استعمال نہ ہو' اور اگر وہ چیز اس کی پسندیدہ اور محبوب ہے تو یہ بڑی فضیلت کی بات ہے' خلاصہ یہ ہے کہ ناقابل استعمال چیز کا تو دینا جائز نہیں ہے اور پسندیدہ نفیس اور محبوب چیز کا دینا فضیلت اور رضائے الٰہی کا موجب ہے۔

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو تمہاری پسندیدہ ہیں' اس آیت میں "من" کا لفظ ہے اگر یہ من تبعیضیہ ہو تو معنی ہو گا تم اس وقت تک ہرگز نیکی حاصل نہیں کر سکو گے جب تک اللہ کی راہ میں اپنی بعض پسندیدہ چیزیں خرچ نہ کرو اور اس صورت میں پسندیدہ چیزوں سے محبوب اور نفیس چیزیں مراد ہوں گی' اور اس آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ نیکی حاصل کرنے کے لیے اللہ کی راہ میں اپنی تمام پسندیدہ چیزوں کو دینا ضروری نہیں ہے' بلکہ اگر کسی شخص نے زندگی میں دو چار بار بھی اپنی پسندیدہ اور محبوب چیزیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دی ہیں تو اس کا ابرار اور نیکوں میں شمار ہو گا اور اگر یہ "من" بیانیہ ہو تو اس کا معنی ہو گا : تم اس وقت تک نیکی حاصل نہیں کر سکو گے جب تک تم ان چیزوں کو خرچ نہ کرو جو تمہارے نزدیک پسندیدہ ہوں اور اب یہ ضروری ہو گا کہ کسی ناپسندیدہ چیز کو خرچ نہ کیا جائے اور اس صورت میں پسندیدہ کا معنی ہو گا جو چیزیں فی نفسہ صحیح اور لائق استعمال ہوں' اور اللہ کی راہ میں کوئی ردی اور ناکارہ چیز نہ دی

جائے۔ حاصل بحث یہ ہے کہ اس آیت میں "من" تبعیضیہ اور "من" بیانیہ دونوں درست ہیں اور "من" تبعیضیہ ہو تو پسندیدہ سے مراد محبوب چیزیں اور "من" بیانیہ ہو تو اس سے مراد قابل استعمال چیزیں ہیں، بعض علماء اس گہرائی تک نہیں پہنچ سکے اور انہوں نے یہاں پر من کو مطلقاً" تبعیضیہ پر محمول کیا' اور بعض نے "من" کو مطلقاً" بیانیہ پر محمول کیا۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس آیت میں بِر سے کیا مراد ہے' بعض علماء نے کہا اس سے مراد اعمال مقبولہ ہیں' بعض علماء نے کہا اس سے مراد ثواب اور جنت ہے اور بعض علماء نے کہا اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل اور اس کا احسان ہے۔ یعنی جب تک اللہ کی راہ میں اپنی پسندیدہ چیزوں کو نہ خرچ کرو' اس وقت تک تمہارے اعمال مقبول نہیں ہو سکتے یا تم کو جنت نہیں ملے گی یا تم اس وقت تک اللہ تعالیٰ کے اکرام اور احسان کو نہیں پا سکتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم جس چیز کو بھی خرچ کرتے ہو اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے۔

اس آیت کا معنی ہے تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ تم کو اس کی جزا دے گا' خواہ وہ چیز کم ہو یا زیادہ' کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والا ہے اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور اس کو علم ہے کہ تم نے کس وجہ سے خرچ کیا ہے اور اس خرچ کا باعث اور محرک کیا چیز ہے۔ آیا تم محض اخلاص سے اس کی رضاجوئی کے لیے خرچ کر رہے ہو یا نام و نمود کے لیے خرچ کر رہے ہو اور اللہ کی راہ میں عمدہ اور نفیس چیز خرچ کر رہے ہو یا ردی اور ناکارہ چیز خرچ کر رہے ہو' سو اللہ تمہارے خرچ کرنے کے اعتبار سے تم کو جزاء دے گا۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ

ہر قسم کا طعام تورات کے نزول سے پہلے بنو اسرائیل کے لیے حلال تھا ماسوا اس کے جس کو یعقوب نے

عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا

اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، آپ کہیے اگر تم سچے ہو تو تورات

بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰی

کو لا کر اس کی تلاوت کرو ○ پھر اس کے بعد جو لوگ اللہ

عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾

پر جھوٹ باندھیں تو وہی لوگ ظالم ہیں ○

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۟ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ

آپ کہیے کہ اللہ نے سچ فرمایا تم ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو جو باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف رجوع کرنے والے

وقف جبریل علیہ السلام

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾

تھے اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے ○

مناسبت اور شان نزول

علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

ابو روق اور ابن السائب نے بیان کیا کہ جب نبی ﷺ نے فرمایا میں ملت ابراہیم پر ہوں تو یہود نے کہا اگر آپ ملت ابراہیم پر ہیں تو آپ اونٹ کا گوشت کیوں کھاتے ہیں؟ اور اونٹنیوں کا دودھ کیوں پیتے ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا یہ میرے باپ ابراہیم پر حلال تھیں' اور ہم بھی اس کو حلال قرار دیتے ہیں' یہود نے کہا ہم جن چیزوں کو حرام کہتے ہیں وہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کی شریعت سے حرام چلی آ رہی ہیں حتیٰ کہ ہماری شریعت میں بھی حرام ہیں' تب اللہ تعالیٰ نے ان کے رد اور ان کی تکذیب میں یہ آیت نازل فرمائی کہ ہر قسم کا طعام تورات کے نزول سے پہلے بنو اسرائیل کے لیے حلال تھا' ماسوا اس کے جس کو یعقوب نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ (البحر المحیط ج ۳ ص ۲۶۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

شہر بن حوشب نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہود کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور انہوں نے کہا اے ابو القاسم! آپ ہمیں چند ایسی باتیں بتائیے جن کو نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ہم آپ سے ان کے متعلق سوال کرتے ہیں' انہوں نے جو سوالات کئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ تورات کے نازل ہونے سے پہلے یعقوب نے کون سے طعام کو اپنے اوپر حرام کیا تھا؟ نبی ﷺ نے فرمایا میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں' جس نے تورات کو موسیٰ پر نازل کیا ہے' کیا تم کو علم ہے یعقوب علیہ السلام بہت سخت بیمار ہو گئے اور ان کی بیماری بہت طول پکڑ گئی' تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بیماری سے شفا دے دی تو وہ اللہ کی رضا کے لیے اپنے محبوب مشروب اور محبوب طعام کو اپنے اوپر حرام کر دیں گے' اور ان کے نزدیک محبوب طعام اونٹ کا گوشت تھا اور محبوب مشروب اونٹنیوں کا دودھ' تو یہودیوں نے کہا' ہاں۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۷۳' مطبوعہ بیروت' جامع البیان ج ۴ ص ۵' مطبوعہ بیروت)

اس سے پہلی آیت میں یہ بیان فرمایا تھا کہ جب تک انسان اللہ کی راہ میں اپنی محبوب چیز کو خرچ نہ کرے وہ نیکی نہیں پا سکتا' اور اس آیت میں یہ بیان کیا ہے کہ حضرت یعقوب نے اللہ کی رضا کے لیے اپنے محبوب طعام اور مشروب کو چھوڑ دیا۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے دین کے اصول اور بنیادی عقائد پر یہود کے شبہات کا جواب دیا تھا اور اس آیت میں دین کی فروع اور فقہی مسائل میں یہود کے اعتراض اور شبہات کا جواب دیا ہے۔

نیز اس سے پہلی آیات میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کو مقرر فرمایا تھا اور اس آیت میں بھی آپ کی نبوت پر دلیل ہے اول تو اس لیے کہ یہود نسخ کے منکر تھے اور اپنی شریعت کو قیامت تک کے لیے نافذ مانتے تھے' اس آیت میں ان پر یہ ثابت کیا گیا کہ پہلے اونٹ کا گوشت حرام نہیں تھا۔ حضرت یعقوب نے اس کو حرام کیا ہے' اس سے نسخ ثابت ہو گیا اور جب نسخ جائز ہو گیا تو یہودی شریعت کا منسوخ ہونا اور سیدنا محمد ﷺ کی شریعت کا نافذ ہونا جائز ہو گیا' ثانیاً اس لیے کہ سیدنا محمد ﷺ

امی تھے، آپ نے کسی مکتب میں پڑھا نہیں تھا نہ کسی عالم کی صحبت میں بیٹھے تھے اس کے باوجود آپ نے بتا دیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت اور اونٹنیوں کا دودھ حرام کیا تھا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اونٹ کے گوشت کو شرعاً" حرام کیا تھا یا عرفاً"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت حرام کر لیا تھا' حالانکہ کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا یہ اللہ کے اختیار میں ہے' بندوں کے اختیار میں نہیں ہے' امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی نے اس کے حسب ذیل جواب دیئے ہیں :

(ا) یہ ہو سکتا ہے کہ انسان کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرلے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ بھی اس کو حرام کر دے مثلاً انسان اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دے کر اپنے اوپر حرام کرلے' پھر اللہ تعالیٰ بھی اس عورت کو اس پر حرام کر دے۔

(ب) انبیاء علیہم السلام بھی اجتہاد کے ذریعہ کسی چیز کا حلال یا حرام ہونا معلوم کرتے ہیں' حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اجتہاد سے یہ معلوم کیا تھا کہ اونٹ کا گوشت حرام ہے' اس کی مثال یہ ہے کہ امام شافعی نبیذ کو حرام قرار دیتے ہیں اور امام ابو حنیفہ اس کو حلال قرار دیتے ہیں یا جو مچھلی دریا میں مر کر سطح آب پر آجائے' امام ابو حنیفہ اس کو حرام کہتے ہیں اور امام شافعی اس کو حلال کہتے ہیں اور یہ حلت اور حرمت اجتہادی ہے' اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے اونٹ کے گوشت کو اپنے اجتہاد سے حرام قرار دیا تھا۔

(ج) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت یعقوب کا اونٹ کے گوشت کو حرام قرار دینا ایسا ہو جیسے ہماری شریعت میں نذر ماننا' اور جس طرح ہماری شریعت میں نذر کو پورا کرنا واجب ہے' اسی طرح ان کی شریعت میں کسی چیز کی تحریم کو پورا کرنا واجب ہو۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام رازی کے یہ جوابات بھی بہت عمدہ ہیں تاہم میری تحقیق یہ ہے کہ اس اعتراض کی اس وقت گنجائش ہوتی جب حضرت یعقوب علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حلال کیے ہوئے کو شرعاً" حرام قرار دے دیتے' جب کہ فی الواقع ایسا نہیں تھا بلکہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو اپنے طبعی مرغوبات سے روک لیا تھا' جیسا کہ حضرت عمر کو شہد ملا ہوا پانی پسند تھا مگر وہ خوف خدا اور حساب کی سختی کے ڈر سے اس کو نہیں پیتے تھے اور جس طرح بہت سے زہاد ریاضت اور مجاہدہ کے لیے اپنے آپ کو طبعی مرغوبات سے روک لیتے ہیں اور ان کو شرعاً" حرام نہیں کہتے۔ اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کو اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ بہت پسند تھا لیکن انہوں نے اللہ کی رضاجوئی کے لیے اپنے نفس کے تقاضوں کی مخالفت کی اور اس کو اپنے اوپر حرام کر لیا' اور یہ شرعی تحریم نہیں تھی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کو شرعاً" حلال یا حرام کرنا' بالاستقلال اللہ کا اختیار ہے اور وہی مستقل شارع ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی نیابت سے انبیاء علیہم السلام بھی اشیاء کو حلال اور حرام کرتے ہیں' اور ان کے کیے ہوئے حلال اور حرام پر عمل کرنا اسی طرح لازم ہے جس طرح اللہ کے حلال اور حرام کئے ہوئے پر عمل کرنا' قرآن مجید میں سیدنا محمد ﷺ کا یہ منصب بیان کیا گیا ہے :

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف : ۱۵۷)

وہ پاک چیزیں ان کے لیے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزیں ان پر حرام کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں جانوروں میں سے خنزیر کو حرام کیا ہے لیکن نبی ﷺ نے کتے کو بھی حرام کر دیا' اور کچلیوں سے پھاڑنے والے تمام درندوں کو اور پنجوں سے پھاڑنے والے تمام پرندوں کو اور حشرات الارض کو حرام کر دیا۔

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ تورات کے نزول سے پہلے بنو اسرائیل کے لیے ہر قسم کا طعام حلال تھا' اس پر یہ سوال ہوتا ہے کہ کیا بنی اسرائیل کے لیے مردار اور خنزیر بھی حلال تھے! حالانکہ کسی ذریعہ سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ ان کے لیے مردار اور خنزیر بھی حلال تھے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں کل طعام سے مراد وہ طعام ہیں جن کے متعلق یہود نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ حضرت نوح اور ابراہیم کی شریعت سے لے کر آج تک حلال چلے آرہے ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ الطعام میں لام استغراق کے لیے نہیں ہے بلکہ عہد کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا' اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا کہ طعام کی یہ نوع (اونٹ کا گوشت اور دودھ) پہلے بنی اسرائیل پر حلال تھی اس کے بعد حرام ہوئی۔ اس لیے بعض احکام شرعیہ کے منسوخ ہونے کا قول صحیح ہے' اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سچ فرمایا کہ اونٹ کے گوشت کو حرام کرنا' حضرت یعقوب کی شریعت کے ساتھ مخصوص تھا اور سیدنا محمد ﷺ کا ملت ابراہیم کے مطابق اونٹ کا گوشت کھانا صحیح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ کہئے اگر تم سچے ہو تو تورات کو لا کر اس کی تلاوت کرو۔ (آل عمران : ۹۳)

اس آیت میں بہت بڑی دلیل ہے کیونکہ یہود سے کہا گیا کہ اگر تم سچے ہو کہ اونٹ کے گوشت کا حرام ہونا حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کی شریعت سے چلا آرہا ہے تو تورات میں یہ نکال کر دکھاؤ' کیونکہ تورات میں ان کے دعویٰ کے مطابق یہ بات نہیں تھی بلکہ تورات میں یہی لکھا تھا کہ یہ چیزیں شروع سے حلال ہیں' اور تحریم بعد میں شروع ہوئی ہے' اور یہ بھی روایت ہے کہ وہ تورات لانے کی جرأت نہیں کر سکے بلکہ یہ حکم سن کر مبہوت ہو گئے' اور نبی ﷺ نے جو ان سے تورات لانے کا مطالبہ کیا تھا' اس میں نبی ﷺ کے صدق کی واضح دلیل ہے کیونکہ نبی ﷺ امی تھے' آپ نے آسمانی کتابوں کو نہیں پڑھا تھا' اور نہ آپ نے پچھلی امتوں کی تاریخ پڑھی تھی اس کے باوجود آپ کا اس یقین سے یہ مطالبہ کرنا کہ تورات میں یہ بات نہیں ہے آپ کی نبوت پر روشن دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پھر اس کے بعد جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھیں تو وہی لوگ ظالم ہیں۔ (آل عمران : ۹۴)

اسلام میں احکام آسان ہیں

اس آیت کا معنی یہ ہے جو لوگ ان باتوں کو اللہ کی کتاب کی طرف منسوب کریں جو اس میں نہیں ہیں' اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی حرام کردہ چیزوں میں اپنی طرف سے اضافہ کریں' اس کا تیسرا معنی یہ ہے کہ لوگوں نے اللہ کے حکم کے بغیر اپنی طرف سے کسی چیز کو حرام کر لیا تو ان کے اس حکم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سخت احکام نازل فرمائے :

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۔ (النساء : ۱۶۰)

تو یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر کئی حلال چیزیں حرام کر دیں' جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ (لوگوں کو) بہت زیادہ اللہ کے راستہ سے روکتے تھے۔

جب کہ ہماری شریعت اس کے خلاف ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج: ۷۸)
اللہ نے دین میں تم پر کسی قسم کی تنگی نہیں رکھی۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرة: ۱۸۵)
اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تم کو مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں فرماتا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین آسان ہے کوئی شخص دین میں سختی نہیں کرے گا مگر دین اس پر غالب آ جائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم آسان احکام بیان کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو اور لوگوں کو مشکل میں ڈالنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰ ج ۱ ص ۳۵ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی ان تعلیمات کے خلاف ہمارے بعض علماء ڈھونڈ ڈھونڈ کر مشکل اور ناقابل عمل احکام بیان کرتے ہیں: مثلاً وہ کہتے ہیں کہ چلتی ٹرین میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے سجدہ میں اگر انگلیاں اٹھ گئیں تو نماز فاسد ہو جائے گی قمیص کے کالر اور گھڑی کے چین کو ناجائز کہتے ہیں ایلوپیتھک دواؤں سے علاج کرانا جائز نہیں ہے انتقال خون جائز نہیں ہے ایک مشت ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اگر کسی کی ڈاڑھی ایک مشت سے ایک سوت کے برابر بھی کم ہو تو وہ اور ڈاڑھی منڈانے والا برابر ہے وہ فاسق معلن ہے جس کی ڈاڑھی ایک مشت سے کم ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے جس عورت کا شوہر مفقود الخبر ہو (لاپتہ ہو) وہ اس شوہر کی ۹۰ نوے برس عمر ہونے تک انتظار کرے اگر کسی عورت کا شوہر اس عورت کو اپنے گھر رکھے نہ خرچ دے نہ اس کو طلاق دے تو جب تک اس عورت کو خود اس کا شوہر طلاق نہ دے وہ دوسرا نکاح نہیں کر سکتی اور عدالت کو اس کا نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے اس قسم کے اور مسائل ہیں جن میں یہ انتہاپسند علماء مشکل احکام بیان کر کے پڑھے لکھے مسلمانوں کو اسلام کے خلاف شکوک اور شبہات میں مبتلا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تم ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو جو باطل کو چھوڑ کر حق کی پیروی کرنے والے تھے۔ (آل عمران: ۹۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سورج اور چاند کی عبادت کرنے سے منع کر دیا تھا اسی طرح انہوں نے بتوں کی پرستش کرنے سے انکار کر دیا تھا جس طرح عرب بت پرستی کرتے تھے یا یہود حضرت عزیر کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اس سے غرض یہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم دین کے اصول اور عقائد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے موافق ہیں اور دین کی فروع اور بعض احکام شرعیہ میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے موافق ہیں اصول میں موافقت اس طرح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید کی دعوت دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر معبود کی عبادت کو ترک کرنے کا حکم دیتے تھے سو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی توحید کی دعوت دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر معبود کی عبادت کو ترک کرنے کا حکم دیتے ہیں اور فروع میں موافقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں بھی اونٹ کا گوشت کھانا اور اونٹنیوں کا دودھ پینا جائز تھا سو آپ نے بھی اس کو جائز قرار دیا ہے اس لیے یہود کو دعوت دی ہے کہ تم ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ہُدًی

بیشک سب سے پہلا گھر جو (اللہ کی عبادت کے واسطے) لوگوں کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور تمام

لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۶﴾ فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰہِیۡمَ ۬ۚ وَ مَنۡ دَخَلَہٗ

جہان والوں کی ہدایت کا سبب ہے ○ اس میں واضح نشانیاں ہیں مقام ابراہیم ہے اور جو شخص اس میں

کَانَ اٰمِنًا ؕ وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ

داخل ہوا وہ بے خوف ہوگیا۔ بیت اللہ کا حج کرنا ان لوگوں پر اللہ کا حق ہے جو اس کے راستہ کی استطاعت

اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا ؕ وَ مَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۷﴾

رکھتے ہوں اور جس نے کفر (انکار) کیا تو بیشک اللہ سارے جہانوں سے بے پروا ہے ○

اس آیت کی آیات سابقہ سے مناسبت کی حسب ذیل وجوہ بیان کی گئی ہیں :

(۱) سابقہ آیات میں بھی یہود کے شبہات کے جوابات دیئے گئے تھے اور اس آیت سے بھی یہود کے ایک شبہ کا جواب دینا مقصود ہے جس کو وہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت میں پیش کرتے تھے' جب نبی ﷺ نے بیت المقدس کی بجائے کعبہ کو قبلہ بنالیا تو یہود کہتے تھے کہ بیت المقدس کعبہ سے افضل ہے اور وہ زیادہ اس کا مستحق ہے کہ نماز میں اس کی طرف منہ کیا جائے کیونکہ بیت المقدس کو کعبہ سے پہلے بنایا گیا ہے' اور اسی جگہ حشر ہوگا' اور تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کا یہی قبلہ ہے لہذا کعبہ کی بجائے بیت المقدس کی طرف نمازوں میں منہ کرنا زیادہ لائق ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا اللہ کی عبادت کے واسطے لوگوں کے لیے جو سب سے پہلے گھر بنایا گیا وہ کعبہ ہے' جو مکہ میں ہے سو کعبہ بیت المقدس سے افضل اور اشرف ہے' لہذا نمازوں میں اس کی طرف منہ کرنا چاہیے۔

(۲) اس سے پہلی آیت میں نسخ کو ثابت کیا گیا تھا کیونکہ اونٹ کا گوشت پہلے حلال تھا اور پھر حرام کر دیا گیا' سو اسی طرح سیدنا محمد ﷺ کی شریعت میں بھی بعض احکام منسوخ کر دیئے گئے اور بیت المقدس کی بجائے کعبہ کو قبلہ بنا دیا۔

(۳) اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ملت ابراہیم پر عمل کرنے کا حکم دیا تھا اور ملت ابراہیم کا عظیم شعار حج ہے' سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حج کرنے کا حکم دیا ہے۔

(۴) یہود و نصاریٰ میں سے ہر فرقہ اس کا مدعی تھا کہ وہ ملت ابراہیم پر ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ دونوں کا دعویٰ جھوٹا ہے کیونکہ ملت ابراہیم میں حج کعبہ ہے اور یہود و نصاریٰ دونوں حج نہیں کرتے لہذا دونوں میں سے کوئی بھی ملت ابراہیم پر نہیں ہے۔

(۵) مجاہد سے منقول ہے کہ یہود کہتے تھے کہ بیت المقدس افضل ہے' کیونکہ وہ انبیاء کی ہجرت کی جگہ ہے اور ارض مقدسہ میں ہے اور مسلمان کہتے تھے کہ بلکہ کعبہ افضل ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ عبادت کا پہلا گھر مکہ میں

کعبہ ہے لہٰذا وہی افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک سب سے پہلا گھر جو (اللہ کی عبادت کے واسطے) لوگوں کے لیے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ (آل عمران : ۹۶)

کعبہ کے اول بیت ہونے کے سلسلہ میں روایات اور راجح روایت کا بیان

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا زمین پر کون سی مسجد سب سے پہلے بنائی گئی تھی؟ آپ نے فرمایا مسجد حرام' میں نے کہا پھر کون سی مسجد بنائی گئی تھی؟ آپ نے فرمایا مسجد اقصیٰ' میں نے پوچھا ان کے درمیان کتنا عرصہ ہے؟ آپ نے فرمایا چالیس سال (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۷۷)

اس حدیث کو امام مسلم (ج ۱ ص ۱۹۹) امام نسائی (سنن نسائی ج ۱ ص ۱۱۲) امام ابن ماجہ' (سنن ابن ماجہ ص ۵۵) امام احمد (مسند احمد ج ۵ ص ۱۶۷' ۱۶۶) اور امام بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۳ ص ۴۲۱' مطبوعہ ملتان)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

اس حدیث پر یہ اشکال ہے کہ کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا اور مسجد اقصیٰ کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا اور ان کے درمیان چالیس سال نہیں بلکہ ایک ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ان دونوں مسجدوں کے ابتداء" بنانے اور ان کی بنیادیں رکھنے کا ذکر ہے' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ابتداء" کعبہ کو بنایا تھا اور نہ حضرت سلیمان نے ابتداء" مسجد اقصیٰ کو بنایا تھا' کیونکہ پہلے حضرت آدم نے کعبہ کو بنایا تھا' پھر ان کی اولاد زمین میں پھیل گئی تو ہو سکتا ہے کہ اس کے چالیس سال بعد ان کی اولاد میں سے کسی نے مسجد اقصیٰ کو بنایا ہو' اور اس کے بعد حضرت ابراہیم نے انہی بنیادوں پر کعبہ کو اٹھایا ہو' جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے' علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی اس پر دلالت نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت سلیمان نے ان مسجدوں کو ابتداء" بنایا بلکہ انہوں نے ان کی بنیادوں پر کعبہ اور مسجد اقصیٰ کی عمارت کی تجدید کی۔ علامہ خطابی نے کہا ہے کہ مسجد اقصیٰ کو بعض اولیاء اللہ نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام سے پہلے بنایا تھا پھر انہوں نے اس کی عمارت میں زیادتی اور توسیع کی' بعض علماء نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے مسجد اقصیٰ کو حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا' ایک قول ہے کہ فرشتوں نے بنایا تھا' ایک قول ہے کہ سام بن نوح علیہ السلام نے بنایا تھا' اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنایا تھا' جن کا یہ قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ کو بنایا تھا ان کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام ابن ہشام نے کتاب التیجان میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب کعبہ کو بنا لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بیت المقدس کی طرف جانے کا حکم دیا اور یہ حکم دیا کہ وہاں پر ایک مسجد بنائیں اور اس میں عبادت کریں' اور حضرت آدم علیہ السلام کا بیت اللہ کو بنانا بہت مشہور ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ طوفان نوح کے زمانہ میں بیت اللہ کو اٹھا لیا گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اس کو مہیا کیا' اور امام ابن ابی حاتم نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی بیت کو بنایا تھا اور جب حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا گیا تو ان کو فرشتوں کی آوازیں اور ان کی تسبیحات سنائی نہیں دیتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا : "اے آدم! میں نے ایک بیت کو زمین پر اتارا ہے اس کے

گرد بھی اسی طرح طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے' آپ اس بیت کی طرف چلے جائیں۔" حضرت آدم کو ہند میں اتارا گیا تھا پھر وہ مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور بیت اللہ پہنچے اور اس کا طواف کیا اور ایک قول یہ ہے کہ جب انہوں نے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لی تو انہیں بیت المقدس کی طرف جانے کا حکم دیا گیا اور انہوں نے وہاں ایک مسجد بنائی اور وہاں نماز پڑھی تاکہ آپ کی بعض اولاد کے لیے وہ قبلہ ہو جائے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۰۹-۴۰۸' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری روایت کرتے ہیں :

ابن عرعرہ بیان کرتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا لوگوں کے لیے زمین پر سب سے پہلے جو گھر بنایا گیا وہ مکہ میں تھا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : نہیں' پھر نوح علیہ السلام کی قوم کہاں رہتی تھی؟ اور ہود علیہ السلام کی قوم کہاں رہتی تھی؟ لیکن جو گھر لوگوں کے لیے برکت اور ہدایت کے لیے سب سے پہلے بنایا گیا وہ مکہ میں تھا۔

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کعبہ کو سب سے پہلے عبادت کے لیے نہیں بنایا گیا' بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی رہائش کے لیے تو پہلے بہت سے مکان بنائے گئے تھے لیکن لوگوں کی عبادت کے لیے جو سب سے پہلے گھر بنایا گیا وہ مکہ میں کعبہ تھا اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس کو امام ابن جریر نے اس کے بعد ذکر کیا ہے:

مطر سے روایت ہے کہ بیت اللہ سے پہلے بھی گھر تھے لیکن یہ پہلا گھر تھا جس کو عبادت کے لیے بنایا گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو بنانے سے دو ہزار سال پہلے بیت اللہ کو بنایا' اس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو بنایا پھر اس کے نیچے سے زمین کو پھیلا دیا۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کو زمین پر اتارا گیا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہارے ساتھ ایک بیت کو نیچے اتار رہا ہوں' اس کے گرد اس طرح طواف کیا جائے گا جس طرح میرے عرش کے گرد طواف کیا جاتا ہے۔ پھر اس کے گرد حضرت آدم نے طواف کیا اور آپ کے بعد مومنین نے طواف کیا۔ پھر جب طوفان نوح کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کو غرق کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے بیت کو اوپر اٹھا لیا اور اس کو زمین والوں کے عذاب سے محفوظ رکھا' پھر بیت اللہ آسمان میں معمور رہا' اس کے بعد جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کے آثار تلاش کر رہے تھے تو انہوں نے اس کو پہلے کی پرانی بنیادوں پر تعمیر کیا۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۷-۶' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام ابن جریر طبری اور حافظ ابن کثیر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو ترجیح دی ہے کہ زمین پر لوگوں کے رہنے کے لیے پہلے اور بھی گھر بنے ہوئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے جو گھر سب سے پہلے زمین پر بنایا گیا وہ مکہ مکرمہ میں کعبہ تھا' امام بخاری نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے جو حدیث روایت کی ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام ہشام سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں بھی یہی ہے کہ آدم علیہ السلام نے کعبہ بنایا اور اس کے چالیس سال بعد انہوں نے ہی بیت المقدس کو بنایا' اور ہمارے نزدیک یہی راجح ہے' باقی جن روایات میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے زمین پر کعبہ بنایا' یا کعبہ کو حضرت آدم کے ساتھ زمین پر اتارا' یہ روایات ہمارے نزدیک مرجوح ہیں ہم نے ان روایات کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ سب سے پہلے کعبہ کو بنانے کے سلسلہ میں تمام کلیدی روایات کا استیعاب ہو جائے۔

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی نے بھی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت آدم نے کعبہ کو بنایا' اور انہوں نے امام ابن ہشام کی کتاب التیجان سے بھی نقل کیا ہے کہ حضرت آدم نے پہلے مکہ میں بیت اللہ کو بنایا پھر اس کے بعد بیت المقدس کو بنایا۔ (عمدۃ القاری ج ۱۵ ص ۲۶۲' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

تعمیر کعبہ کی تاریخ

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب کعبہ کو بنایا گیا تو نبی ﷺ اور عباس پتھر اٹھا کر لا رہے تھے۔ عباس نے نبی ﷺ سے کہا اپنی چادر اپنی گردن کے نیچے رکھ لیں (تاکہ آپ کی گردن میں پتھر نہ چبھیں) آپ زمین پر گر گئے اور آپ کی آنکھیں آسمان کی طرف لگ گئیں' آپ نے فرمایا میری چادر مجھے دو' پھر آپ کی چادر آپ پر باندھ دی۔ یہ حدیث درایۃً" صحیح نہیں ہے کیونکہ جس وقت قریش نے کعبہ کی تعمیر کی اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر پینتیس سال تھی اور اس وقت حضرت عباس حضور کو چادر اتارنے کے لیے نہیں کہہ سکتے تھے!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا : اے عائشہ! اگر تمہاری قوم زمانہ جاہلیت سے نئی نئی نکلی ہوئی نہ ہوتی تو میں بیت اللہ کو منہدم کرنے کا حکم دیتا' اور اس میں اس حصہ (حطیم) کو داخل کر دیتا جو اس سے خارج کر دیا گیا ہے اور اس کو زمین سے ملا دیتا' اور اس میں دو دروازے بناتا ایک شرقی دروازہ' ایک غربی دروازہ' اور اس کو میں اساس ابراہیم کے مطابق کر دیتا' یہی وہ حدیث تھی جس نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کو کعبہ کے منہدم کرنے پر برانگیختہ کیا' یزید بن رومان کہتے ہیں میں اس وقت دیکھ رہا تھا کہ جب حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما نے کعبہ کو منہدم کیا اور اس کو دوبارہ بنایا اور اس میں حطیم کو داخل کر لیا اور میں نے حضرت ابراہیم کی رکھی ہوئی بنیاد کے پتھر دیکھے جو اونٹ کے کوہان کے برابر تھے' جریر کہتے ہیں کہ میں نے اندازہ کیا اس بنیاد سے حطیم تک چھ ہاتھ کا فاصلہ تھا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۶-۲۱۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

کعبہ کی تعمیر اور اس کی تجدید اور اصلاح کئی مرتبہ کی گئی ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے :

(۱) پہلی بار کعبہ کو حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا' علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں :

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے جبرائیل علیہ السلام کو حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام کے پاس بھیجا اور ان سے فرمایا کہ میرے لیے ایک بیت بناؤ' جبرائیل علیہ السلام نے ان کے لیے نشان ڈالے' حضرت آدم زمین کھودتے تھے اور حضرت حوا مٹی نکالتی تھیں' انہوں نے اس قدر گہری بنیاد کھودی کہ زمین کے نیچے سے پانی نکل آیا' پھر یہ ندا کی گئی کہ اے آدم یہ کافی ہے' جب حضرت آدم نے یہ بیت بنا لیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اس کے گرد طواف کریں اور ان سے کہا گیا کہ آپ پہلے انسان ہیں اور یہ پہلا بیت ہے' پھر صدیاں گزرتی گئیں حتی کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کا حج کیا۔

(۲) کتاب التیجان میں لکھا ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم گمراہ ہو گئی اور انہوں نے کعبہ کو منہدم کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب تم ان کی ہلاکت کا انتظار کرو حتی کہ تنور جوش مارنے لگے۔ ازرقی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو بنایا تو بلندی میں اس کا طول نو ہاتھ تھا' زمین میں اس کا طول تیس ہاتھ اور عرض بائیس

ہاتھ تھا' اور اس پر چھت نہیں تھی اور جب قریش نے اس کو بنایا تو بلندی میں اس کا طول اٹھارہ ہاتھ رکھا' اور زمین میں اس کے طول کو چھ ہاتھ اور ایک بالشت کم کر دیا اور حطیم کو چھوڑ دیا' اور جب حضرت ابن الزبیر نے اس کو بنایا تو بلندی میں اس کا طول بیس ہاتھ رکھا اور جب حجاج نے اس کو منہدم کر کے بنایا تو اس میں تغیر نہیں کیا اور یہ اب تک اسی طرح بنا ہوا ہے۔

(۳) جرہم کے ایام میں کعبہ کو ایک یا دو مرتبہ بنایا گیا کیونکہ سیلاب سے کعبہ کی ایک دیوار منہدم ہو گئی تھی' اور ایک قول یہ ہے کہ اس کو بنایا نہیں گیا تھا صرف اس کی مرمت کی گئی تھی' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنایا اور کافی زمانہ گزر گیا تو یہ بوسیدہ ہو کر منہدم ہو گیا پھر اس کو جرہم نے بنایا اور کافی زمانہ کے بعد یہ پھر منہدم ہو گیا تو اس کو قریش نے بنایا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جوان تھے' امام حاکم نے اس حدیث کی اصل کو صحیح قرار دیا ہے۔ (حضرت ابراہیم اور قریش کے درمیان دو ہزار سات سو پچھتر سال کا عرصہ ہے)

(۴) امام محمد بن اسحاق نے السیرۃ میں بیان کیا ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینتیس سال کی تھی تو قریش کعبہ کو بنانے کے لیے جمع ہوئے وہ اس کی چھت بھی ڈالنا چاہتے تھے اور اس کو منہدم کرنے سے خوف کھاتے تھے' پھر قریش کے تمام قبائل جمع ہوئے اور انہوں نے پتھر جمع کیے اور اس کی بنیاد میں ہر قبیلہ نے پتھر ڈالے حتیٰ کہ حجر اسود کو نصب کرنے کی جگہ آگئی اور اس کو نصب کرنے میں اختلاف ہوا ہر قبیلہ والا اس کو نصب کرنا چاہتا تھا' حتیٰ کہ قریش کے سب سے بوڑھے شخص ابو امیہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمران بن مخزوم نے یہ فیصلہ کیا کہ کل جو شخص اس مسجد کے دروازہ میں سب سے پہلے داخل ہو گا وہی تمہارے درمیان اس کا فیصلہ کرے گا' اور اس دن سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے' لوگوں نے کہا یہ امین ہیں ہم ان پر راضی ہیں یہ محمد ہیں۔ جب آپ تک یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا ایک چادر لاؤ' پھر آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر اسود کو اس چادر میں رکھ دیا پھر آپ نے فرمایا ہر قبیلہ والا اس چادر کو پکڑ کر اوپر اٹھائے جب انہوں نے اس چادر کو حجر اسود کو نصب کرنے کی جگہ تک اوپر اٹھالیا تو آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے حجر اسود کو نصب کر دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۱۷-۲۱۶' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

(۵) اس کے بعد ۶۴ھ یا ۶۵ھ ہجری میں حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے کعبہ کو منہدم کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے مطابق بناء ابراہیم پر کعبہ کو بنادیا اور حطیم کو کعبہ میں شامل کر دیا۔

(۶) پھر تہتر (۷۳ھ) میں عبدالملک بن مروان کے حکم سے حجاج بن یوسف نے حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی بناء کو منہدم کر دیا اور دوبارہ قریش کی بناء پر کعبہ کو بنا دیا اور آج تک کعبہ اسی بناء قریش پر قائم ہے۔

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن عبدالبر اور قاضی عیاض وغیرہ نے لکھا ہے کہ رشید یا مہدی یا منصور نے دوبارہ کعبہ کو حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی تعمیر کے مطابق بنانے کا ارادہ کیا اور اس سلسلہ میں امام مالک سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا مجھے ڈر ہے کہیں کعبہ کی تعمیر بادشاہوں کا کھیل نہ بن جائے' تو پھر اس نے بنانے کا ارادہ ترک کر دیا' فاکہی نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن الزبیر کعبہ کو بنانے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان کو اس وقت منع فرمایا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ مجھے ڈر ہے کہ تمہارے بعد کوئی اور امیر آئے گا تو پھر اس میں تغیر کرے گا اس کو اسی طرح رہنے دو۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۴۴۸' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ سیوطی نے تاریخ مکہ میں لکھا ہے کہ کعبہ کو دس بار بنایا گیا' پہلی بار فرشتوں نے بنایا' دوسری بار حضرت آدم علیہ السلام نے' تیسری بار ان کی اولاد نے' چوتھی بار حضرت ابراہیم علیہ السلام نے' پانچویں بار عمالقہ نے' چھٹی بار جرہم نے' ساتویں بار نبی ﷺ کے جد امجد قصی بن کلاب نے' آٹھویں بار نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے قریش نے' نویں بار حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے اور دسویں بار حجاج بن یوسف نے۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ صحیح قول وہی ہے جس کو ہم نے اس سے پہلے تفصیل سے مدلل اور باحوالہ بیان کیا ہے۔

کعبہ کے فضائل

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا : اس شہر کو اللہ نے حرم قرار دیا ہے' اس کے کانٹوں کو (بھی) نہیں کاٹا جائے گا' نہ اس کے جانوروں کو بھگایا جائے گا اور نہ اعلان کرنے والے کے علاوہ کوئی شخص اس کی گری ہوئی چیز اٹھائے گا۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۲۱۶' مطبوعہ کراچی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک اور روایت میں ہے نہ اس کی گھاس کاٹی جائے گی نہ اس کے درخت کاٹے جائیں گے۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۱۸۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

ہرچند کہ اس حدیث میں مکہ مکرمہ کی فضیلت ہے لیکن مکہ مکرمہ کی یہ فضیلت کعبہ کی وجہ سے ہے اور کعبہ ہی کی وجہ سے مکہ کو حرم بنایا گیا ہے۔

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے بیت اللہ کا طواف کیا اور دو رکعت نماز پڑھی اور سوائے نیکی کے اور کوئی بات نہ کی تو اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا اجر ملے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اگر لوگ ایک سال تک اس بیت کی زیارت نہ کریں تو وہ بارش سے محروم ہو جائیں گے۔

سلیمان بن یسار بیان کرتے ہیں کہ کعب سے بیت المقدس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کی فضیلت کے متعلق احادیث بیان کیں' شام کے ایک آدمی نے ان سے کہا : اے ابو عباس! آپ بیت المقدس کا بہت ذکر کرتے ہیں اور بیت اللہ کا اتنا ذکر نہیں کرتے؟ کعب نے ان سے کہا کہ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں کعب کی جان ہے! اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین پر اس بیت سے افضل کوئی بیت پیدا نہیں کیا' اس بیت کی ایک زبان ہے اور دو ہونٹ ہیں' اور وہ ان سے کلام کرتا ہے' اور اس کا ایک دل ہے جس سے وہ تعقل کرتا ہے' یہ سن کر ابو حفص نام کے ایک شخص نے کہا کیا پتھر کلام کرتا ہے' کعب نے کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے! کعبہ نے اپنے رب سے یہ شکایت کی کہ میری زیارت کرنے والے اور میری طرف آنے والے کم ہو گئے' اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی طرف یہ وحی کی کہ میں تمہاری طرف ایک نئی تورات نازل کروں گا' اور ایسے بندے بھیجوں گا جو رات کو جاگ کر سجدے کریں گے' اور تمہارے فراق میں روئیں گے اور تمہاری طرف دوڑتے ہوئے آئیں گے' اور جس نے تمہارے گرد سات طواف کیے اس کو ایک غلام آزاد کرنے کا اجر ملے گا اور جو اس بیت کے گرد سر منڈائے گا قیامت کے دن اس کو ہر بال کے بدلہ میں ایک نور

حاصل ہو گا۔ (المصنف ج ۵ ص ۱۴۔ ۱۳ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ہر روز کعبہ کے گرد ایک سو بیس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ ساٹھ رحمتیں کعبہ کا طواف کرنے والوں کے لیے' چالیس اعتکاف کرنے والوں کے لیے اور بیس رحمتیں کعبہ کو دیکھنے والوں کے لیے۔ (المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۱۰۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میری مسجد میں نماز پڑھنا ایک ہزار نمازوں سے افضل ہے ماسوا مسجد حرام (کعبہ) کے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی شخص کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز ہے اور محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنا' پچیس نمازوں کے برابر ہے' اور جامع مسجد میں نماز پڑھنا پانچ سو نمازوں کے برابر ہے اور میری مسجد میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۰۲ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی' ج ۱ ص ۴۵۳ مطبوعہ بیروت)

حافظ ابو عمرو ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

عام محدثین یہ کہتے ہیں کہ مسجد حرام میں نماز پڑھنا رسول اللہ ﷺ کی مسجد سے سو گنا افضل ہے اور باقی مساجد سے ایک لاکھ گنا افضل ہے اور رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھنا باقی مساجد سے ایک ہزار گنا افضل ہے۔

(الاستذکار ج ۷ ص ۲۲۶ مطبوعہ مؤسستہ الرسالۃ' بیروت' ۱۴۱۳ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا صرف تین مساجد کی طرف سفر کیا جائے گا' مسجد حرام' مسجد رسول اور مسجد اقصیٰ۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۸ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

شہر بن حوشب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے سامنے طور پر جا کر نماز پڑھنے کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی سفر کرنے والے کے لیے کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے سفر کرنا جائز نہیں ہے ماسوا مسجد حرام' مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے' الحدیث (مسند احمد ج ۳ ص ۶۴ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ بدر الدین عینی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اور حافظ بدر الدین عینی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ان تین مسجدوں کے علاوہ مطلقاً" سفر کرنے سے منع نہیں فرمایا بلکہ کسی اور مسجد کی خصوصیت کی وجہ سے اس میں نماز پڑھنے کے قصد سے سفر کرنے سے منع فرمایا ہے' اس لیے روزگار' علم دین کے حصول اور سیدنا محمد ﷺ کی قبر کی زیارت کے لیے سفر کرنا جائز ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں :

لہٰذا ان لوگوں کا قول باطل ہے جنہوں نے نبی ﷺ کی قبر شریف اور دیگر صالحین کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر کرنے سے منع کیا ہے' نیز لکھا ہے کہ ابن تیمیہ سے جو مسائل منقول ہیں یہ ان میں سب سے قبیح مسئلہ ہے۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۶۶' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں :

طلب علم' تجارت' نیک لوگوں اور متبرک مقامات کی زیارت کے لیے سفر کرنا ممنوع نہیں ہے' نیز لکھا ہے کہ قاضی ابن کج نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے لیے نذر مانی تو اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۵۴' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

ملا علی قاری حنفی نے لکھا ہے کہ نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے لیے سفر کو حرام کہنے کی وجہ سے شیخ ابن تیمیہ کی تکفیر کی گئی ہے اور یہ تکفیر صحت اور صواب کے زیادہ قریب ہے کیونکہ جس چیز کی اباحت پر اتفاق ہو اس کو حرام کہنا بھی کفر ہے تو جس چیز کے مستحب ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے اس کو حرام کہنا بہ طریق اولیٰ کفر ہو گا۔

(شرح الشفاء ج ۳ ص ۱۶۱۔ ۱۶۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص نیکی کرتا ہوا بیت اللہ میں داخل ہو وہ اپنے گناہوں سے بخشا ہوا بیت اللہ سے نکلے گا۔ (المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۱۴۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بیت اللہ میں داخل ہوا وہ بخشا ہوا نکلے گا۔

علامہ عز الدین بن جماعہ الکنانی متوفی ۷۶۷ھ لکھتے ہیں :

امام ابو سعید جندی فضائل مکہ میں اور امام واحدی اپنی تفسیر میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے بیت اللہ کے گرد سات طواف کیے اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی' اور زمزم کا پانی پیا اس کے گناہ جتنے بھی ہوں معاف کر دیئے جائیں گے۔

امام ازرقی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص بیت اللہ میں طواف کے ارادہ سے نکلتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کا استقبال کرتی ہے' اور جب وہ بیت اللہ میں داخل ہوتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے' اور اس کے ہر قدم کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ پانچ سو نیکیاں لکھ دیتا ہے اور اس کے پانچ سو گناہ مٹا دیتا ہے' اور اس کے لیے پانچ سو درجات بلند کر دیتا ہے اور جب وہ طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھتا ہے' تو وہ گناہوں سے اسی طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا اور اس کے لیے اولاد اسماعیل سے دس غلاموں کے آزاد کرنے کا اجر لکھ دیا جاتا ہے اور حجر اسود کے قریب ایک فرشتہ اس کا استقبال کر کے کہتا ہے تم اپنے پچھلے عملوں سے فارغ ہو گئے' اب از سر نو عمل شروع کرو' اور اس کو اس کے خاندان کے ستر نفوس کے حق میں شفاعت

امام ابن ماجہ نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بیت اللہ کے سات طواف کئے' اور اس نے ان کلمات کے سوا اور کوئی کلام نہیں کیا : سبحان اللہ' والحمد للہ' ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ اس کے دس گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور جس نے یہ کلمات پڑھتے ہوئے طواف کیا وہ اللہ کی رحمت میں ڈوبا ہوا طواف کرے گا۔

امام فاکہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ستر ہزار فرشتوں نے کعبہ کا احاطہ کیا ہوا ہے وہ طواف کرنے والوں کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں۔

قاضی عیاض نے شفاء میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی اس کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور قیامت کے دن اس کا امن والوں میں حشر کیا جائے گا۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس شخص نے بیت اللہ کے گرد پچاس طواف کیے وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جیسے وہ اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

اس حدیث سے مراد پچاس مرتبہ سات طواف کرنا ہے' کیونکہ صرف ایک طواف کے ساتھ عبادت نہیں کی جاتی' امام عبد الرزاق اور امام فاکہی نے یہ روایت کیا ہے کہ جس نے پچاس مرتبہ سات طواف کیے تو وہ اس دن کی طرح ہو جائے گا جس دن وہ اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا ہو' اور یہ مراد نہیں ہے کہ وہ پچاس مرتبہ سات طواف ایک ہی وقت میں کرے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے صحیفہ اعمال میں پچاس بار سات طواف کرنے کا عمل ہونا چاہئے۔

امام سعید بن منصور نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے بیت اللہ کا حج کیا اور پچاس مرتبہ سات طواف کیے وہ اس طرح پاک ہو کر لوٹے گا جس طرح اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

امام سعید بن منصور نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص بیت اللہ میں آیا اور وہ اسی بیت کا ارادہ کر کے آیا تھا پھر اس نے طواف کیا تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جس طرح اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک آسمان پر اس کے سب سے معزز فرشتے وہ ہیں جو اس کے عرش کے گرد طواف کرتے ہیں اور زمین پر اس کے نزدیک سب سے معزز وہ انسان ہیں جو اس کے بیت کے گرد طواف کرتے ہیں۔ (ہدایۃ السالک الی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۵۵' مطبوعہ دار البشائر الاسلامیہ بیروت)

نیز علامہ عزالدین بن جماعہ الکنانی لکھتے ہیں :

بیت اللہ کی آیات میں سے یہ ہیں کہ دلوں میں اس کی ہیبت واقع ہوتی ہے اس کے پاس دل جھک جاتے ہیں' اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں' پرندے اس کے اوپر نہیں اڑتے اور اس پر بیٹھتے نہیں ہیں' البتہ اگر کوئی پرندہ بیمار ہو تو طلب شفاء کے لیے اس کے اوپر بیٹھ جاتا ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں منیٰ پر تعجب ہوتا ہے۔ یہ بہت تنگ جگہ ہے لیکن جب لوگ یہاں آتے ہیں تو یہ وسیع ہو جاتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منیٰ رحم کی طرح ہے' جب عورت کو حمل ہوتا ہے تو اللہ سبحانہ اس کو وسیع کر دیتا ہے۔ (ہدایۃ السالک الی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۳۹۔ ۳۷' مطبوعہ بیروت)

مکہ مکرمہ کو بکہ اور مکہ کہنے کی مناسبت

اس آیت میں فرمایا ہے "لوگوں کے لیے سب سے پہلا گھر جو بنایا گیا وہ بکہ میں ہے" بکہ اور مکہ ایک شہر کے دو نام ہیں' اور چونکہ باء اور میم دونوں قریب المخرج ہیں اس لیے بکہ اور مکہ دونوں کہنا صحیح ہیں' مکہ مکرمہ کو بکہ کہنے کی حسب ذیل وجوہ بیان کی گئی ہیں :

(۱) بک کا معنی ہے ایک دوسرے کو دھکا دینا' اور مکہ میں بہت رش اور ازدحام ہوتا ہے اس لیے لوگ ایک دوسرے کو دھکا دیتے ہیں۔

(۲) چونکہ مکہ مکرمہ بڑے بڑے جابر حکمرانوں کی گردنیں جھکا دیتا ہے اس لیے اس کو بکہ کہتے ہیں۔

(۳) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ بکاء سے بنا ہو اور چونکہ یہاں آکر لوگ یاد خدا میں اور خوف خدا سے بہت روتے ہیں اس لیے اس کو بکہ کہتے ہیں' اور مکہ کہنے کی یہ وجوہ ہیں :

(۱) تمک الذنوب کا معنی ہے گناہوں کو زائل کرنا' چونکہ اس شہر میں عبادت کرنے اور حج اور عمرہ کرنے سے گناہ زائل ہو جاتے ہیں اس لیے اس کو مکہ کہتے ہیں۔

(۲) تمک العظم کا معنی ہے ہڈی کے اندر جو کچھ ہو اس کو کھینچ لینا' اور یہ شہر دوسرے شہروں کے لوگوں کو اپنے اندر کھینچ لیتا ہے اس لیے اس کو مکہ کہتے ہیں

(۳) اس شہر میں پانی کم ہے گویا اس کا پانی کھینچ لیا گیا اس لیے اس کو مکہ کہتے ہیں۔

بعض علماء نے کہا کہ مکہ پورے شہر کا نام ہے اور بکہ خاص مسجد حرام کا نام ہے کیونکہ بک کا معنی ازدحام ہے اور ازدحام اور ایک دوسرے کو دھکا دینا مسجد حرام میں طواف کے وقت ہوتا ہے' اور بعض علماء نے اس کے برعکس کہا کیونکہ قرآن مجید میں ہے سب سے پہلا گھر جو بنایا گیا وہ بکہ میں ہے اس سے متبادر یہی ہوتا ہے کہ یہاں بکہ شہر کو فرمایا ہے۔

بیت اللہ کے اسماء

بیت اللہ کے اسماء حسب ذیل ہیں :

(۱) بیت اللہ کا مشہور نام کعبہ ہے قرآن مجید میں ہے :

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ (المائدہ : ۹۷) اللہ نے معزز بیت کعبہ کو لوگوں کے قیام کا سبب بنایا۔

کعبہ کا معنی شرف اور بلندی ہے' اور بیت اللہ بھی مشرف اور بلند ہے اس لیے اس کو کعبہ کہتے ہیں۔

(۲) بیت اللہ کو البیت العتیق بھی کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے :

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ (الحج : ۲۹) اور وہ البیت العتیق کا طواف کریں۔

اس بیت کو عتیق اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ سب سے قدیم بیت ہے' اور عتیق کا معنی قدیم ہے بلکہ بعض علماء کے نزدیک آسمان اور زمین سے پہلے اس بیت کو بنایا گیا' عتیق کا دوسرا معنی ہے آزاد' اور بعض روایات کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس بیت کو طوفان نوح میں غرق ہونے سے آزاد رکھا' اور طوفان کے وقت اس کو اوپر اٹھا لیا گیا' عتیق کا معنی قوی بھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس بیت کو اتنا قوی بنایا ہے کہ جو شخص اس کو تباہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کو خود تباہ کر دیا جاتا ہے اور جو

شخص اس بیت کی زیارت کے قصد سے آئے اللہ اس کو جہنم سے آزاد کر دیتا ہے۔

(۳) بیت اللہ کو مسجد الحرام بھی کہتے ہیں' قرآن مجید میں ہے :

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (بنی اسرائیل : ۱)

سبحان ہے وہ جو اپنے (مکرم) بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے لے گیا۔

بیت اللہ کو مسجد حرام اس لیے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مسجد کی حرمت کی وجہ سے اس شہر میں قتال کو حرام کر دیا ہے' اور یہ دائمی حرمت ہے' نیز اس شہر میں شکار کو حرام کر دیا ہے' اس شہر کے درختوں کو اور اس کی گھاس کاٹنے کو حرام کر دیا ہے' اس شہر کے جانوروں کو ستانا اور پریشان کرنا حرام ہے۔ اس میں حدود کو جاری کرنا حرام ہے اور اس شہر کے یہ تمام احکام اس مسجد کی حرمت کی وجہ سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : برکت والا اور تمام جہان والوں کی ہدایت کا سبب ہے (آل عمران : ۹۶)

کعبہ کی برکت اور ہدایت کا معنی

برکت کا ایک معنی ہے کسی چیز کا بڑھنا اور زائد ہونا' اس لحاظ سے کعبہ اس لیے برکت والا ہے کہ کعبہ میں ایک نماز کا اجر دوسری مساجد کی نسبت ایک لاکھ درجہ زیادہ ہے' جیسا کہ پہلے سنن ابن ماجہ اور الاستذکار کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں' اور کعبہ میں حج کرنے کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے' امام محمد بن اسماعیل بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور اس میں جماع کیا نہ جماع کے متعلق کوئی بات کی اور نہ کوئی کبیرہ گناہ کیا وہ اس دن کی طرح (گناہوں سے پاک) لوٹے گا جس دن وہ اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۶' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے اور حج مبرور کی جزاء صرف جنت ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۳۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حج مبرور کی زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور تعریف یہ ہے کہ اس حج کے دوران کوئی گناہ نہ کیا ہو' ایک قول یہ ہے کہ حج کرنے کے بعد انسان پہلے سے زیادہ نیک ہو جائے اور دوبارہ گناہوں کو نہ کرے' دوسرا قول یہ ہے کہ جو حج ریاکاری کے لیے نہ کیا جائے' تیسرا قول یہ ہے کہ جس حج کے بعد انسان گناہ نہ کرے۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے جس نے حج کیا اور جماع یا اس سے متعلق باتیں نہیں کیں اور نہ کوئی کبیرہ گناہ کیا وہ اس طرح ہو جائے گا جس طرح اس دن تھا جس دن اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا' اس سے مراد یہ ہے کہ حج کے احرام سے لے کر حج مکمل ہونے تک۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۱۶۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

برکت کا دوسرا معنی دوام اور بقاء ہے' اور چونکہ روئے زمین پر ہر وقت کسی نہ کسی جگہ نماز کا وقت ہوتا ہے اس لیے ہر وقت کعبہ کی طرف توجہ کر کے عبادت کی جاتی ہے اور خود کعبہ میں بھی ہر وقت نماز پڑھی جاتی ہے اس لیے کعبہ کی طرف منہ کر کے اور خود کعبہ میں دائماً عبادت کی جاتی ہے۔

کعبہ تمام "العلمین" کے لیے ہدایت ہے اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں :

(۱) کعبہ تمام روئے زمین کے نماز پڑھنے والوں کے لیے قبلہ ہے اور وہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اس لیے کعبہ تمام جہان والوں کے لیے سمت قبلہ کی ہدایت ہے۔

(۲) کعبہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی وحدانیت پر دلالت کرتا ہے اور کعبہ میں جو عجائب اور غرائب ہیں وہ سیدنا محمد ﷺ کے صدق اور آپ کی نبوت پر دلالت کرتے ہیں اس اعتبار سے کعبہ تمام جہان والوں کے لیے ہدایت ہے۔

(۳) کعبہ تمام جہان والوں کو جنت کی ہدایت دیتا ہے جو خلوص نیت سے کعبہ کی زیارت کرے' کعبہ کا طواف کرے اور اس میں نمازیں پڑھے کعبہ ان کو جنت کی ہدایت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اس میں واضح نشانیاں ہیں' مقام ابراہیم ہے۔

کعبہ اور مقام ابراہیم کی نشانیاں

ان نشانیوں کی تفصیل حسب ذیل ہے :

(۱) اس بیت کے بیت اللہ ہونے کی واضح نشانی یہ ہے کہ یہ بیت غیر آباد بیابان میں بنایا گیا جس کے اطراف میں پھلوں اور کھیتوں کا نام و نشان بھی نہیں تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے پاس رہنے والوں کے لیے رزق پہنچانے کا بہترین انتظام کر دیا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس شہر والوں کے لیے پھلوں کے حصول کی دعا کی تھی' سو تمام دنیا کے پھل یہاں لائے جاتے ہیں اور یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی استجابت دعا کا ثمر ہے۔

(۲) اس بیت میں اس بات کی واضح نشانیاں موجود ہیں کہ یہی وہ بیت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا تھا' اسی مقام کو حضرت ابراہیم نے ہجرت کے بعد اپنی رہائش کے لیے منتخب فرمایا' اسی کے پاس صفا اور مروہ کی وہ پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان حضرت ہاجرہ بے قراری سے دوڑ رہی تھیں' یہیں پر زمزم نام کا وہ کنواں ہے جو حضرت جبرائیل کے پر مارنے سے جاری ہوا تھا' حضرت ہاجرہ نے اس بہتے ہوئے چشمہ کو روکنے کے لیے زمزم کہا تھا اسی نام سے یہ کنواں آج تک موسوم ہے۔ اسی کے پاس منیٰ ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کے لیے لے گئے تھے' یہیں پر وہ جمرات ہیں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شیطان کو کنکریاں ماری تھیں۔

(۳) اسی بیت کے شہر کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا۔ (ابراھیم: ۳۵) اور جب ابراہیم نے دعا کی اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد پونے تین ہزار سال تک جاہلیت کے سبب تمام ملک عرب بدامنی کا شکار رہا اور اس شورش زدہ ملک میں صرف کعبہ کی سرزمین ہی ایسا حصہ تھی جس میں ہمیشہ امن رہا' بلکہ اسی کعبہ کی بدولت باقی ملک عرب میں بھی چار ماہ کے لیے امن ہو جاتا تھا۔

(۴) یہ کعبہ کی ہی فیض آفرینی ہے کہ حدود حرم میں وہ جانور بھی امن سے رہتے ہیں جن کا دوسری جگہوں پر شکار کر لیا جاتا ہے' بلکہ سرزمین کعبہ میں لگنے والے درخت کٹنے سے محفوظ رہتے ہیں اور حدود حرم میں مجرموں پر حد نہیں لگائی جاتی۔

(۵) جب سے بیت اللہ قائم ہوا اللہ تعالیٰ نے اس کی سرزمین کو مخالفین کے حملوں سے محفوظ رکھا سیدنا محمد ﷺ کی بعثت سے

پہلے ابرہہ نے ہاتھیوں کی فوج لے کر کعبہ پر حملہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ابابیلوں کے ذریعہ ہاتھیوں کی اس فوج کو تباہ و برباد کر دیا۔
(۶) مقام ابراہیم ایک پتھر ہے' جس میں ٹخنوں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان ثبت ہیں اور یہود و نصاریٰ کی عداوت اور بغض کے باوجود اس پتھر کا پونے تین ہزار سال سے محفوظ چلا آنا زبردست نشانی ہے۔
(۷) یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی تھی' ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ سے اپنا سر دھلوایا تھا' دوسرا قول یہ ہے کہ اس پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کا اعلان کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو شخص اس میں داخل ہوا وہ بے خوف ہو گیا۔ (آل عمران : ۹۷)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (العنکبوت : ۶۷)
کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا اور حرم والوں کے آس پاس سے لوگوں کو اچک لیا جاتا ہے۔

اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا (القصص : ۵۷)
کیا ہم نے انہیں حرم میں نہیں بسایا؟ جو امن والا ہے' اس کی طرف ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں۔

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا (البقرہ : ۱۲۵)
اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کا مرجع اور مقام امن بنا دیا۔

حرم میں داخل ہونے والے مجرم کے مامون ہونے میں مذاہب فقہاء

علامہ ابو بکر احمد بن علی جصاص رازی حنفی لکھتے ہیں :

یہ آیت صورۃ" خبر ہے اور معنیٰ" امر ہے' ہمیں حرم میں قتل کرنے سے روکا گیا ہے' اب یہ حکم دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو ہمیں ظلماً" قتل کرنے سے روکا گیا ہے یا عدلاً" قتل کرنے سے روکا گیا ہے یعنی جو شخص قتل کیے جانے کا مستحق ہو اس کو بھی قتل کرنے سے روکا گیا ہے۔ اگر اس آیت میں صرف ظلماً" قتل کرنے سے روکا گیا ہے تو پھر حرم کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کیونکہ ظلماً" قتل کرنا کسی جگہ بھی جائز نہیں ہے' لہٰذا اس سے متعین ہو گیا کہ جو شخص اپنے جرم کی وجہ سے حرم میں قتل کیے جانے کا مستحق ہو حرم میں اس کو بھی قتل نہیں کیا جائے گا۔

جو شخص غیر حرم میں کوئی جرم کرے پھر حرم میں آ کر پناہ لے اس کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے' امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب یہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص غیر حرم میں قتل کرے پھر حرم میں آ کر پناہ لے تو جب تک وہ حرم میں رہے گا اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا' البتہ اس کو کوئی چیز فروخت کی جائے گی نہ اس کو کھانے پینے کی کوئی چیز دی جائے گی حتیٰ کہ وہ مجبور ہو کر حرم سے باہر آ جائے پھر اس سے قصاص لے لیا جائے گا' اور اگر اس نے حرم میں قتل کیا ہے تو پھر اس سے حرم میں ہی قصاص لے لیا جائے گا' اور اگر اس کے جرم کی سزا قتل سے کم ہے تو پھر بھی اس پر حرم میں سزا نافذ کر دی جائے گی' امام مالک اور امام شافعی (اور اسی طرح امام احمد) یہ کہتے ہیں کہ تمام صورتوں میں حرم میں قصاص لے لیا جائے گا۔
(احکام القرآن ج ۲ ص ۲۱' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب کوئی شخص ایسا جرم کرے جس پر حد لگتی ہو

مثلاً قتل کرے یا چوری کرے پھر حرم میں داخل ہو تو اس سے بیع کی جائے نہ اس کو پناہ دی جائے حتی کہ وہ زچ ہو جائے' اور پھر حرم سے باہر آجائے پھر اس پر حد قائم کی جائے کیونکہ حرم شدت کو زیادہ کرتا ہے۔

عطا بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس شخص نے حرم کے علاوہ کہیں جرم کیا' پھر اس نے حرم میں آکر پناہ لی' اس کو کوئی چیز پیش کی جائے گی اور نہ اس سے بیع کی جائے گی اور نہ اس سے کلام کیا جائے گا' اور نہ اس کو پناہ دی جائے گی' حتی کہ وہ حرم سے باہر آجائے اور جب وہ حرم سے باہر آجائے گا تو اس کو پکڑ لیا جائے گا اور پھر اس پر حد قائم کی جائے گی۔

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس شخص نے کوئی جرم کیا پھر بیت اللہ میں آکر پناہ لی' وہ مامون ہے' اور مسلمانوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کو کسی چیز پر سزا دیں حتی کہ وہ حرم سے باہر نکل آئے اور جب وہ باہر آئے تو اس پر حد قائم کردیں۔

عطا بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر میں حضرت عمر کے قاتل کو حرم میں دیکھوں تو اس کو کچھ نہیں کہوں گا۔

عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب کوئی شخص کوئی جرم کرے پھر حرم میں داخل ہو تو اس کو پناہ دی جائے نہ بٹھایا جائے' نہ اس کو کوئی چیز فروخت کی جائے نہ کھلایا جائے نہ پلایا جائے حتی کہ وہ حرم سے باہر آجائے' سعید بن جبیر کی روایت میں ہے جب وہ حرم سے باہر آجائے تو اس پر حد قائم کردی جائے۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۰-۹' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

یہ تمام آثار امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کی واضح دلیل ہیں' اور یہی آیت کریمہ "ومن دخلہ کان امنا" کا صریح مدلول ہے' ائمہ ثلاثہ اس آیت کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ جو شخص حرم میں داخل ہو گیا وہ آخرت میں عذاب سے مامون ہو جائے گا' امام رازی نے اس آیت کی ایک یہ تاویل بھی کی ہے کہ جو شخص نبی ﷺ کے ساتھ عمرۃ القضاء ادا کرنے کے لیے جائے گا وہ مامون ہو گا' لیکن یہ تمام تاویلات ضعیف ہیں' علامہ ابوبکر جصاص نے اس آیت کی یہ تقریر کی ہے کہ اگر اس آیت کو خبر پر محمول کیا جائے تو اس کا معنی ہو گا جو شخص بھی حرم میں داخل ہوا وہ مامون ہو گیا حالانکہ حس اور مشاہدہ اس کا مکذب ہے کیونکہ کئی لوگ حرم مکہ میں داخل ہوتے ہیں اور مار دیئے جاتے ہیں اس لیے یہ خبر امر کے معنی میں ہے یعنی ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص حرم میں داخل ہو اس کو مامون رکھو اور اگر وہ جرم کر کے آیا ہو تو اس پر حد جاری نہ کرو اور اس لحاظ سے اس آیت کا واقع کے خلاف ہونا لازم نہیں آتا' اور اگر امام رازی کی تاویل کے مطابق یہ کہا جائے کہ جو شخص حرم میں داخل ہوا وہ آخرت میں عذاب سے مامون ہو گیا تو اس کے معارض یہ ہے کہ بعض گنہ گار مسلمان' یا بعض منافقین حرم میں داخل ہونے کے باوجود عذاب سے مامون نہیں رہیں گے اور جو بد عقیدہ اور گمراہ لوگ حرم میں رہتے ہیں وہ بھی عذاب سے مامون نہیں رہیں گے اور جو حج کرنے کے بعد العیاذ باللہ مرتد ہو گیا وہ بھی مامون نہیں ہو گا اس لیے اس آیت کی تقریر وہی ہے جو علامہ ابوبکر رازی حنفی نے کی ہے کہ یہ آیت بہ ظاہر خبر ہے اور حقیقت میں امر ہے اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو شخص حرم میں آجائے اس کو مامون رکھو اور ہم نے جو آثار ذکر کیے ہیں ان کا ائمہ ثلاثہ کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

حرم میں قتال کے "تکوینا" ممنوع ہونے پر بحث و نظر

حرم مکہ میں تشریعاً" قتال ممنوع ہے' اور وہاں تکوینا" قتال ممنوع نہیں ہے (حرم میں قتال تشریعاً" ممنوع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ حرم میں قتال نہ کیا جائے اور حرم میں قتال تکوینا" ممنوع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ حرم میں قتال نہیں ہوگا) ذوالقعدہ ۷۲ھ میں حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما پر حجاج بن یوسف نے جو حرم میں حملہ کیا اور جمادی الثانیہ ۷۳ھ میں حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کو مکہ میں شہید کیا وہ ناجائز اور گناہ کبیرہ تھا اور اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ حرم شریف شرعاً" مامون ہے تکوینا" مامون نہیں ہے' بعض علماء نے حرم کو تکوینا" بھی مامون لکھا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں :

دوسرے حرم میں داخل ہونے والے کا مامون و محفوظ ہونا یوں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر ہر قوم و ملت کے دلوں میں بیت اللہ کی تعظیم و تکریم ڈال دی ہے' اور وہ سب عموماً" ہزاروں اختلافات کے باوجود اس عقیدے پر متفق ہیں کہ اس میں داخل ہونے والا اگرچہ مجرم یا ہمارا دشمن ہی ہو تو حرم کا احترام اس کا مقتضی ہے کہ وہاں اس کو کچھ نہ کہیں' حرم کو عام جھگڑوں لڑائیوں سے محفوظ رکھا جائے۔

حجاج بن یوسف نے جو حرم میں قتال کیا اس کے متعلق مفتی صاحب لکھتے ہیں :

اور تکوینی طور بھی اس کو احترام بیت اللہ کے منافی اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ حجاج خود بھی اپنے اس عمل کے حلال ہونے کا معتقد نہ تھا وہ بھی جانتا تھا کہ میں ایک سنگین جرم کر رہا ہوں لیکن سیاست و حکومت کی مصالح نے اس کو اندھا کیا ہوا تھا۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۱۲۱' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۷ھ)

اس توجیہ کے ظاہر البطلان ہونے کے علاوہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ۳۱۷ھ میں قاہر محمد بن المعتضد باللہ کے دور خلافت میں قرامطہ نے حرم مکہ پر حملہ کیا اور بے شمار حجاج کو تہ تیغ کیا کعبہ کی بے حرمتی کی اور حجر اسود کو اکھاڑ کر اپنے ساتھ لے گئے اور بائیس سال کے بعد اس کو واپس کیا اور انہوں نے حرم میں جو خون ریزی کی تھی وہ جرم سمجھ کر نہیں کی تھی' کہ وہ کوئی جرم کر رہے ہیں اس سے یہ بالکل واضح ہو گیا کہ حرم میں قتال کرنا تشریعاً" ممنوع ہے اور تکوینا" ممنوع نہیں ہے۔

قرامطہ کا مکہ فتح کر کے حجر اسود کو اکھاڑ کر لے جانا

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں :

قرامطہ نے ۸ ذوالحج کو مکہ پر حملہ کیا اور حجاج کے اموال لوٹ لیے اور ان کو تہ تیغ کیا' مکہ کے راستوں' گھاٹیوں' مسجد حرام اور خانہ کعبہ کے اندر بے شمار حجاج کو قتل کیا گیا' اور قرامطہ کا امیر ابو طاہر لعنہ اللہ کعبہ کے دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا' اور اس کے گرد حجاج کی لاشیں گر رہی تھیں اور حرمت والے مہینہ میں' مسجد حرام میں ۸ ذوالحج کے معظم دن مسلمانوں پر تلواریں چل رہی تھیں اور ابو طاہر ملعون کہہ رہا تھا کہ میں اللہ ہوں' میں ہی مخلوق کو پیدا کرتا ہوں اور میں ہی مخلوق کو فنا کرتا ہوں' لوگ اس سے بھاگ کر کعبہ کے پردوں سے لپٹتے تھے اور انہیں اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا تھا' بلکہ وہ اسی حال میں قتل کیے جا رہے تھے اور حالت طواف میں قتل کیے جا رہے تھے بعض محدثین بھی اس دن طواف کر رہے تھے ان کو بھی طواف

کے بعد قتل کر دیا گیا۔

جب قرمطی ملعون حجاج کو قتل کرنے سے فارغ ہو گیا تو اس نے حکم دیا کہ مقتولین کو زمزم کے کنویں میں دفن کر دیا جائے' اور بہت سے حجاج کو حرم کی جگہوں میں دفن کر دیا گیا' اور بہت سوں کو مسجد حرام میں دفن کر دیا گیا' ان حجاج کو غسل دیا گیا' نہ کفن دیا گیا' نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی' وہ سب حالت احرام میں شہید ہوئے تھے' اس ملعون نے زمزم کا گنبد گرا دیا' اور کعبہ کے دروازہ کو اکھاڑنے کا حکم دیا اور اس کے پردے اتارنے کا حکم دیا' اس نے وہ پردے پھاڑ کر اپنے اصحاب میں تقسیم کر دیئے' اس نے کعبہ کے میزاب کو بھی اکھاڑنے کا حکم دیا مگر وہ اس پر قادر نہ ہو سکا پھر اس نے ایک بھاری آلہ کے ذریعہ حجراسود کو اکھاڑ کر کعبہ سے الگ کر لیا' اور وہ چلا کر کہہ رہا تھا کہ وہ ابابیل نامی پرندے کہاں ہیں؟ اور وہ نشان زدہ کنکریاں کہاں ہیں؟ پھر وہ حجراسود کو اپنے ساتھ اپنے ملک (الاحساء' خلیج فارس کے مغربی ساحل پر ایک شہر' جو مکہ کی راہ پر ہے) میں لے گئے' بائیس سال تک ان کے پاس حجراسود رہا' اس کے بعد انہوں نے اس کو واپس کیا جیسا کہ ہم ۳۳۹ھ کے حالات میں ذکر کریں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

جب قرمطی حجراسود لے کر اپنے ملک میں پہنچا تو امیر مکہ اپنے اہل بیت اور لشکر کو لے کر اس کے پیچھے گیا اور اس کی خوشامد کی کہ وہ حجراسود اس کو واپس کر دے تاکہ وہ حجراسود کو اس کے مقام پر رکھ دے اور اس کے عوض اس کے پاس جس قدر بھی مال تھا وہ اس کو پیش کر دیا' لیکن قرمطی نہیں مانا' پھر امیر مکہ نے اس سے جنگ کی' قرمطی نے اس کو اور اس کے اکثر اہل بیت کو قتل کر دیا' اور حجراسود اور حجاج کے دیگر اموال قرمطی کے قبضہ میں رہے' اس ملعون نے مسجد حرام میں اس قدر الحاد کیا جو پہلے کبھی ہوا تھا نہ بعد میں ہوا' اور عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو ایسی سزا دے گا جیسی اس سے پہلے کسی کو نہ دی ہو گی' قرامطہ نے یہ کام اس لیے کیا تھا کہ وہ کفار اور زندیق تھے اور اس صدی میں افریقہ میں زمین کے مغرب میں جو فاطمین نمودار ہوئے تھے انہوں نے ان کا بھیس بدل لیا تھا' ان کے امیر کا لقب مہدی تھا' اس کا نام ابو محمد عبید اللہ بن میمون القداح تھا' یہ سلمیہ میں رنگریز تھا' یہ اصل میں یہودی تھا' پھر اس نے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا' پھر یہ افریقی ممالک میں داخل ہو گیا' اس نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ فاطمی سید ہے' بربر کی ایک بڑی جماعت اور دوسرے جاہلوں نے اس کی تصدیق کر دی' اور اس نے حکومت قائم کر لی اور یہ بجلماسہ نامی شہر کا بادشاہ بن گیا' پھر اس نے ایک شہر بسایا اور اس کا نام مہدیہ رکھا' اور قرامطہ اس کے ساتھ پیغام رسانی رکھتے تھے۔ یہ سب ان کی سیاست تھی۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۱ص ۱۶۱۔ ۱۶۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

کعبہ کی بے حرمتی کرنے کی وجہ سے اصحاب الفیل کی طرح قرامطہ پر عذاب کیوں نہیں آیا؟

یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ اصحاب الفیل نصاریٰ تھے اور انہوں نے مکہ مکرمہ میں اس طرح کی خونریزی نہیں کی تھی جیسی قرامطہ نے کی اور یہ بھی معلوم ہے کہ قرامطہ' یہود' نصاریٰ' مجوس بلکہ بت پرستوں سے بھی بدتر ہیں اور انہوں نے مکہ مکرمہ کی اور مسجد حرام کی ایسی بے حرمتی کی ہے جو کسی نے بھی نہیں کی تو پھر ان پر اس طرح جلد عذاب کیوں نہیں آیا جس طرح اصحاب الفیل پر آیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اصحاب الفیل پر فوری گرفت بیت اللہ کے شرف کو ظاہر کرنے کے لیے کی گئی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس عظمت والے شہر میں نبی ﷺ کو مبعوث کرنا تھا اور جس زمین کے خطہ مبارکہ میں آپ کی تشریف آوری ہونی تھی۔ اصحاب الفیل اس خطہ زمین کی اہانت کرنا چاہتے تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو فوراً ہلاک کر دیا اور اس سے پہلے کی شریعتوں میں مکہ مکرمہ اور کعبہ کی فضیلت نہیں بیان کی گئی تھی' اگر اصحاب

الفیل اس شہر میں داخل ہو کر اس کو تباہ کر دیتے تو پھر لوگوں کے لیے اس کی فضیلت کا اعتراف کرنا بہت مشکل ہوتا' اور رہے یہ قرامطہ تو انہوں نے حرم شریف کی بے حرمتی شرعی احکام اور قواعد کے مقرر ہونے کے بعد کی ہے اور جب سب کو بداہتہً معلوم ہو چکا تھا کہ اللہ کے دین میں مکہ اور کعبہ محترم ہیں اور ہر مومن کو یہ یقین ہے کہ انہوں نے حرم میں بہت بڑا الحاد کیا ہے اور یہ بہت بڑے ملحد اور کافر ہیں۔ اس لیے ان کو فوراً سزا نہیں دی گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا کو روز قیامت کے لیے موخر کر دیا' جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب اس کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے تو پھر اس کو مہلت نہیں دیتا' پھر آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ○ (ابراھیم: ۴۲)

ظالموں کے کاموں سے اللہ کو ہرگز غافل گمان نہ کرو وہ انہیں صرف اس دن کے لیے ڈھیل دے رہا ہے جس میں آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ○ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ○ (آل عمران: ۱۹۷)

(اے مخاطب!) کافروں کا (تکبر کے ساتھ) ملکوں میں پھرنا تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے' (یہ حیات فانی کا) قلیل فائدہ ہے' پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا ہی بری جگہ ہے!

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ہم ان کو تھوڑا فائدہ پہنچائیں گے پھر ان کو سخت عذاب کی طرف کھینچ لیں گے۔

(البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۶۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قرامطہ کی تاریخ

صحیح معنی میں عربوں اور نبطیوں کی باغی جماعتوں کا نام قرامطہ تھا' جو ۲۶۴ھ سے عراق زیریں میں زنج کی جنگ غلامی کے بعد منظم ہوئیں جس کی بنیاد اشتراکی نظام پر رکھی گئی' پرجوش تبلیغ کے باعث اس خفیہ جماعت کا دائرہ عوام' کسانوں اور اہل حرفت تک وسیع ہو گیا' خلیفہ بغداد سے آزاد ہو کر انہوں نے الاحساء (خلیج فارس کے مغربی ساحل پر ایک شہر جو مکہ مکرمہ کی راہ پر ہے۔ منہ) میں ایک ریاست کی بنیاد رکھ لی' اور خراسان' شام اور یمن میں ان کے ایسے اڈے قائم ہو گئے جہاں سے ہمیشہ شورشیں ہوتی رہتی تھیں۔

نویں صدی عیسوی کے درمیان انہوں نے ساری اسلامی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا' پھر اسماعیلی خاندان نے اس تحریک پر اپنا قبضہ کر لیا انہوں نے ۲۹۷ھ میں خلافت فاطمیہ کے نام سے ایک حریف سلطنت قائم کی یہ تحریک ناکام رہی آخر کار دولت فاطمیہ کے ساتھ اس تحریک کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

اشتقاقی اعتبار سے اس باغیانہ تحریک کے اولین قائد حمدان قرمط (یہ ایک ملحد شخص تھا) کی طرف یہ نام منسوب ہے' قرامطہ کی تحریک بغاوت کا آغاز حمدان نے واسط کے مضافات سے شروع کیا' ۲۷۷ھ میں اس نے کوفہ کے مشرق میں اپنے رفقاء کے لیے دار الہجرۃ کی بنیاد ڈالی جن کے متعلق رضاکارانہ چندے (مثلاً صدقہ فطر اور خمس وغیرہ) جماعت کے مشترکہ خزانے میں جمع ہوتے تھے' عراق زیریں میں بزور شمشیر قرامطہ کی تحریک ختم کر دی گئی اور ۲۹۴ھ میں اس کی سیاسی اہمیت بھی ختم ہو گئی۔

کچھ عرصہ بعد اس تحریک نے الاحساء میں پھر سر اٹھایا ۲۸۲ھ میں عبد القیس کے ربیعی قبیلہ کی اعانت سے الجنابی نے

الاحساء کے سارے علاقہ پر قبضہ کر لیا اور وہاں ایک آزاد ریاست قائم کر لی جو قرامطہ کی پشت پناہ اور خلافت بغداد کے لیے ایک زبردست خطرہ بن گئی' الجنابی کے بیٹے اور جانشین ابوطاہر سلیمان (۳۰۱ھ تا ۳۳۲ھ) نے عراق زیریں کی تاخت و تاراج کے ساتھ ساتھ حجاج (حج کرنے والوں) کے راستے بند کر دیئے آخر ۸ ذوالحجہ ۳۱۷ھ کو اس نے مکہ فتح کر لیا اور اس کے چھ روز بعد حجر اسود کو اٹھا کر لے گیا تاکہ اسے الاحساء میں نصب کر سکے' اپنے باپ کی طرح ابوطاہر بھی ایک خفیہ انجمن کا داعی اور الاحساء میں اس کا ناظم امور خارجہ تھا۔

اس نے یہاں بزرگان قبیلہ (السادة) کی ایک نمائندہ مجلس قائم کی اور امور داخلہ کا نظم و نسق اس کے سپرد کر دیا۔ یہ تنظیم قرامطہ کی عسکری قوت کے زوال کے بعد ۴۷۲ھ تک باقی تھی' تاآنکہ اسماعیلی دعوت کے احیاء نے ایک نئے خاندان مکرمیہ کی شکل اختیار کی جس کا مرکز المومنیہ تھا۔

قرامطہ کے عقائد

قرمطی عقائد میں عام رجحان یہ ہے کہ حضرت علی کے حق خلافت کے نظریہ کو ایک مقصد کے بجائے ایک ذریعہ سمجھا جائے' ان کے نزدیک امامت کوئی موروثی اجارہ نہیں جو ایک ہی خاندان میں منتقل ہوتا رہے' ۲۸۷ھ میں عبید اللہ نے فاطمی خاندانی لقب اختیار کیا تو ان میں سے کسی ایک نے بھی واضح طور پر یہ نہیں کہا کہ نسلی اعتبار سے ان کا سلسلہ نسب حضرت علی کی اسماعیلی شاخ سے ملتا ہے۔

جب المغرب (تونس) میں خلافت فاطمیہ قائم ہو گئی تو خراسان اور یمن کی طرح الاحساء میں بھی قرامطہ نے عام طور پر ان سے بہت سی توقعات وابستہ کر لیں' ابوسعید ابتداء ہی سے صاحب الناقہ کو خمس ادا کرتا تھا' پھر حیلے بہانے کے بعد ابوطاہر نے یہ رقم القائم کو بھیجنا شروع کر دی' لیکن وہ اس کے جائز استحقاق کے متعلق اس قدر بدگمان تھا کہ ۳۱۹ھ میں اس نے ایک دیوانے ابوالفضل الزکری التمامی کا خیر مقدم کرتے ہوئے اسے امام منتظر کی حیثیت سے تخت نشین کر دیا' ۳۴۰ھ میں فاطمی خلیفہ المنصور کے حکم سے حجر اسود اہل مکہ کو واپس کر دیا گیا۔

قرامطہ کے عقائد میں الوہیت محض ایک تصور واحد ہے جو تمام صفات سے مبرا اور منزہ ہے' حقیقی عبادت کا تعلق اس علم کے حصول پر ہے کہ ذات الٰہیہ سے باہر کائنات کا تخلیقی ارتقاء کن کن مدارج سے گزرا ہے' ہر مرید کو بتدریج اس علم سے آشنا کیا جاتا ہے حتیٰ کہ اس میں یہ استعداد پیدا ہو جائے کہ وہ معکوس عمل معرفت سے ان مدارج ارتقاء کو فراموش کر کے ذات الٰہی میں جذب ہو جائے۔

اگر قرامطہ کے اصول و عقائد کا مقابلہ ان کے پیش رو امامیہ عقائد سے کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ فرقہ امامیہ کے تجسیمی اور تشخصی تصورات اور حضرت علی اور ان کے اخلاف کی پرستش کی بجائے قرامطہ کے ہاں ان عقائد کو محض عقلیت کے رنگ میں اور مجرد تصورات کی شکل میں پیش کیا ہے۔ فلسفہ میں الفارابی اور ابن سینا کے مثالی امامت کے سیاسی نظریہ اور عقول عشریہ کا نظریہ صدور' ان کے زیر اثر تسلیم کئے گئے' ایسے ہی اصول و عقائد میں بھی قرمطی اثرات سرایت کر گئے' مثلاً قرامطہ وحدۃ الوجود کو مانتے تھے' ان کا کہنا یہ تھا کہ حروف ابجد محض عقلی علامات ہیں نام کسی شے کا حجاب ہے اس کا شہود نہیں۔ انبیاء' ائمہ اور ان کے مریدان خاص کی عقول اشعۂ نورانیہ کے شرارے ہیں جو ابتدائی انوار و تجلیات کے وقفوں کے مطابق نور ظلامی یعنی غیر حقیقی اور اندھے مادے میں گھری ہوئی ہوتی ہیں اور یک بیک یوں منور ہو جاتی ہیں جیسے آئینہ

میں عکس۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۶/۲ ص ۳۲-۲۱ ملخصا" مطبوعہ دانش گاہ پنجاب لاہور '۱۳۹۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بیت اللہ کا حج کرنا لوگوں پر اللہ کا حق ہے جو اس کے راستہ کی استطاعت رکھتا ہو۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے فضائل اور مناقب بیان فرمائے اس کے بعد حج بیت اللہ کی فرضیت بیان فرمائی' نیز اس آیت میں لوگوں پر حج کا فرض ہونا بیان فرمایا ہے اور اس کو مسلمانوں کے ساتھ خاص نہیں کیا' اس سے معلوم ہوا کہ کفار بھی حج اور دیگر اسلامی احکام کے مخاطب ہیں۔

حج کی تعریف' شرائط' فرائض' واجبات' سنن اور آداب' ممنوعات اور مکروہات

حج کا لغوی معنی ہے کسی عظیم شے کا قصد کرنا اور اس کا شرعی معنی حسب ذیل ہے :

نو ذوالحجہ کو زوال آفتاب کے بعد سے دس ذوالحجہ کی فجر تک حج کی نیت سے احرام باندھے ہوئے میدان عرفات میں وقوف کرنا اور دس ذوالحجہ سے آخر عمر تک کسی وقت بھی کعبہ کا طواف زیارت کرنا حج ہے' حج کی تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ وقوف عرفات اور کعبہ کے طواف زیارت کا قصد کرنا حج ہے۔

حج کی شرائط یہ ہیں : حج اسلام کرنے والا مسلمان ہو' آزاد ہو' مکلف ہو' صحیح البدن ہو' بصیر ہو' اس کے پاس حج کے لیے جانے' سفر حج تک کے قیام' حج سے واپس آنے اور اس دوران جن کے خرچ کا وہ ذمہ دار ہے ان سب کا خرچ ہو' نیز اس کے پاس سواری ہو یا سواری کا خرچ ہو' اور راستہ مامون ہو' اور اگر عورت حج کرنے والی ہے تو اس کے ساتھ اس کا خاوند ہو یا عاقل بالغ محرم ہو۔

حج کے فرائض : حج میں تین امور فرض ہیں۔ احرام' ۹ ذوالحجہ کو زوال آفتاب سے دسویں کی فجر تک کسی بھی وقت میدان عرفات میں وقوف کرنا اور دس ذوالحجہ سے اخیر عمر تک کسی بھی وقت کعبہ کا طواف کرنا' موخر الذکر دونوں رکن ہیں' ان میں ترتیب بھی فرض ہے یعنی پہلے حج کی نیت سے احرام باندھنا' پھر وقوف عرفات کرنا' اور اس کے بعد طواف زیارت کرنا' حج کی سعی کو طواف زیارت سے پہلے کرنا بھی جائز ہے۔

حج کے واجبات : مزدلفہ میں وقوف کرنا' صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا (دوڑنا)' جمرات کو رمی کرنا' طواف وداع کرنا' (مکہ میں رہنے والا اور حائضہ عورت طواف وداع سے مستثنیٰ ہے) سر منڈانا یا بال کٹوانا' میقات سے احرام باندھنا' غروب آفتاب تک میدان عرفات میں وقوف کرنا' طواف کی ابتداء حجر اسود سے کرنا' اپنی دائیں جانب سے طواف کرنا' اگر عذر نہ ہو تو خود چل کر طواف کرنا' باوضو طواف کرنا (ایک قول یہ ہے کہ وضو سنت ہے)' پاک کپڑوں کے ساتھ طواف کرنا' شرم گاہ کو ڈھانپ کر رکھنا' صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی ابتداء صفا سے کرنا' اگر عذر نہ ہو تو خود چل کر سعی کرنا' قران اور تمتع کرنے والے کے لیے ایک بکری ذبح کرنا' سات چکر پورے ہونے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا' قربانی کے دن رمی جمرات' سر منڈانے اور قربانی کرنے کے افعال کو ترتیب وار کرنا' قربانی کے تین دنوں میں کسی ایک دن میں طواف زیارت کرنا' حطیم کے باہر سے طواف کرنا' طواف کے بعد سعی کرنا' قربانی کے ایام میں اور حرم کے اندر حلق کرانا۔

حج کے سنن اور آداب : خرچ میں وسعت اختیار کرنا' ہمیشہ باوضو رہنا' فضول باتوں سے زبان کی حفاظت کرنا (گالی وغیرہ سے حفاظت کرنا واجب ہے)' اگر ماں باپ کو اس کی ضرورت ہو تو ان سے اجازت لے کر حج کے لیے جانا' قرض خواہ اور کفیل سے بھی اجازت طلب کرنا' اپنی مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ کر نکلنا' لوگوں سے کہا سنا معاف کرانا' ان سے دعا کی درخواست کرنا'

نکلتے وقت کچھ صدقہ و خیرات کرنا' اپنے گناہوں پر سچی توبہ کرے' جن لوگوں کے حقوق چھین لیے تھے وہ واپس کردے' اپنے دشمنوں سے معافی مانگ کر ان کو راضی کرے' جو عبادات فوت ہو گئیں (مثلاً جو نمازیں اور روزے رہ گئے ہیں) ان کی قضا کرے' اور اس کوتاہی پر نادم ہو اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا عزم کرے' اپنی نیت کو ریاکاری اور فخر سے مبرا کرے' حلال اور پاکیزہ سفر خرچ کو حاصل کرے کیونکہ حرام مال سے کیا ہوا حج مقبول نہیں ہوتا' اگرچہ فرض ساقط ہو جاتا ہے' اگر اس کا مال مشتبہ ہو تو کسی سے قرض لے کر حج کرے اور اپنے مال سے وہ قرض ادا کردے' راستہ میں گناہوں سے بچتا رہے اور بہ کثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے' سفر حج میں تجارت کرنے سے اجتناب کرے ہرچند کہ اس سے ثواب کم نہیں ہوتا۔

حج کے ممنوعات : جماع نہ کرے' احرام کی حالت میں سر نہ منڈائے' ناخن نہ کاٹے' خوشبو نہ لگائے' سر اور چہرہ نہ ڈھانپے' سلا ہوا کپڑا نہ پہنے' حرم اور غیر حرم میں شکار کے درپے نہ ہو' حرم کے درخت نہ کاٹے۔

حج کے مکروہات : اگر ماں باپ کو اس کی خدمت کی ضرورت ہے اور وہ اس کے حج پر جانے کو ناپسند کرتے ہوں تو اس کا حج کے لیے جانا مکروہ ہے' اور اگر ان کو اس کی خدمت کی ضرورت نہیں ہے تو پھر کوئی حرج نہیں ہے' اگر ماں باپ نہ ہوں اور دادا' دادی ہوں تو وہ ان کے قائم مقام ہیں' اس کے اہل و عیال جن کا خرچ اس کے ذمہ ہے اگر وہ اس کے حج پر جانے کو ناپسند کرتے ہوں اور اسے ان کے ضائع ہونے کا خدشہ نہ ہو تو پھر اس کے جانے میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس کو یہ خدشہ ہو کہ اس کی غیر موجودگی میں وہ ضائع ہو جائیں گے تو پھر اس کا حج پر جانا مکروہ ہے' اگر کسی شخص کا بیٹا بے ریش ہو تو وہ داڑھی آنے تک اس کو حج کرنے سے منع کرے' اگر حج فرض ہو تو وہ ماں باپ کی اطاعت سے اولیٰ ہے اور اگر حج نفل ہو تو ماں باپ کی اطاعت اولیٰ ہے' جس شخص کے ذمہ کسی کا قرض ہو تو قرض ادا کرنے سے پہلے اس کا حج یا جہاد کے لیے جانا مکروہ ہے' ہاں اگر قرض خواہ اجازت دے دے تو پھر کوئی حرج نہیں۔

(یہ تمام احکام اور مسائل در مختار' رد المحتار اور عالم گیری سے ماخوذ ہیں)

حج کے فضائل

امام زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے حج کیا اور (اس میں) جماع یا اس کے متعلق باتیں نہیں کیں اور کوئی گناہ نہیں کیا وہ گناہوں سے اس طرح (پاک) لوٹے گا جس طرح اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔
(صحیح بخاری' صحیح مسلم' سنن نسائی' سنن ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ایک عمرہ سے لے کر دوسرا عمرہ اس کے درمیان گناہوں کا کفارہ ہے' اور حج مبرور کی جزا صرف جنت ہے۔

(موطا امام مالک' صحیح بخاری' صحیح مسلم' جامع ترمذی' سنن نسائی' سنن ابن ماجہ' حلیۃ الاولیاء)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام ڈالا' تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ اپنا ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں آپ سے بیعت کروں' آپ نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا' آپ نے فرمایا اے عمرو کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا میں ایک شرط لگانا چاہتا ہوں؟ آپ نے فرمایا جو چاہو شرط لگاؤ' میں نے عرض کیا میری مغفرت کردی جائے' آپ نے فرمایا اے عمرو! کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام اس

سے پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے' اور ہجرت اس سے پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور حج اس سے پہلے کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ (صحیح مسلم و صحیح ابن خزیمہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہماری رائے میں جہاد افضل ہے کیا ہم جہاد نہ کریں؟ آپ نے فرمایا لیکن افضل حج مبرور ہے۔ امام نسائی نے اس حدیث کو سند حسن سے روایت کیا ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر کمزور آدمی کا جہاد حج ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا حج مبرور کی جزا صرف جنت ہے' پوچھا گیا بر کیا ہے؟ فرمایا: کھانا کھلانا اور اچھی باتیں کرنا' اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے' امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے' امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے' امام بیہقی اور امام حاکم نے بروایت کیا ہے' اور کہا ہے کہ یہ صحیح الاسناد ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حج اور عمرہ کرو کیونکہ یہ فقر اور گناہوں کو اس طرح مٹاتے ہیں جس طرح بھٹی لوہے' چاندی اور سونے کے زنگ کو مٹاتی ہے اور حج مبرور کی جزا صرف جنت ہے۔

(جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ' سنن بیہقی)

حضرت عبداللہ بن جراد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حج کرو کیونکہ حج گناہوں کو دھو ڈالتا ہے جس طرح پانی میل کو دھو ڈالتا ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں روایت کیا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا حج کرنے والا اپنے خاندان کے چار سو آدمیوں کے لیے شفاعت کرتا ہے اور اپنے گناہوں سے اس طرح نکل آتا ہے جس دن اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا جو شخص مسجد حرام کے قصد سے روانہ ہوا' اور اپنے اونٹ پر سوار ہوا اس کے اونٹ کے ہر قدم کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ ایک نیکی لکھ دے گا اور اس کا ایک گناہ مٹا دے گا' اور اس کا ایک درجہ بلند کر دے گا' حتیٰ کہ جب وہ بیت اللہ پہنچ کر طواف کرے گا اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرے گا پھر سر منڈوائے یا بال کٹوائے گا تو وہ گناہوں سے اس دن کی طرح پاک ہو جائے گا جس دن اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔

(سنن بیہقی)

حضرت زاذان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سخت بیمار ہو گئے' انہوں نے اپنے تمام بیٹوں کو بلا کر فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص مکہ سے پیدل حج کے لیے روانہ ہوا حتیٰ کہ واپس مکہ پہنچ گیا' اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم کے بدلہ سات سو نیکیاں لکھ دے گا' اور ہر نیکی حرم کی نیکیوں کی طرح ہو گی' ان سے پوچھا گیا اور حرم کی نیکیاں کتنی ہیں انہوں نے فرمایا ہر نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔ اس حدیث کو امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور حاکم نے' دونوں نے عیسیٰ بن سوارہ سے روایت کیا ہے' حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے' امام ابن خزیمہ نے کہا اگر حدیث صحیح ہو تب بھی عیسیٰ بن سوارہ کے متعلق دل میں تشویش ہے' امام بخاری نے کہا وہ منکر الحدیث ہے۔ (حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام بزار اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے' امام بزار نے اس حدیث کو دو سندوں سے روایت کیا ہے ایک سند میں کذاب راوی ہے اور دوسری سند میں اسماعیل بن ابراہیم کی سعید بن

جبیر سے روایت ہے اور اس کو میں نہیں پہچانتا اور اس کے بقیہ راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۰۹) میں کہتا ہوں کہ امام ابو یعلیٰ کی سند میں سعید بن جبیر سے روایت کرنے والا مجہول ہے اور یہ سند منقطع ہے۔)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے' حج کرنے والے اور عمرہ کرنے والے' اللہ کے وفد ہیں' اللہ نے ان کو بلایا تو انہوں نے لبیک کہا' یہ اللہ سے سوال کرتے ہیں تو اللہ انہیں عطا فرماتا ہے' اس حدیث کو امام ابن ماجہ اور امام ابن حبان نے اپنی سنن اور صحیح میں روایت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حج کرنے والے کی مغفرت کی جائے گی اور جس کے لیے حج کرنے والا استغفار کرے گا اس کی مغفرت کی جائے گی۔ (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۶۷۔ ۱۶۳' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد خیف میں بیٹھا ہوا تھا' کہ ایک انصاری اور ایک ثقفی آئے' انہوں نے آکر رسول اللہ ﷺ کو سلام عرض کیا اور کہا یا رسول اللہ! ہم آپ سے ایک سوال کرنے آئے ہیں' آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں خود تمہارا سوال بیان کروں' اور اگر تم چاہو تو تم سوال کرو' انہوں نے کہا یا رسول اللہ! آپ بیان فرمائیں ہمارا ایمان اور زیادہ ہو گا! انصاری نے ثقفی سے کہا تم سوال کرو' اس نے کہا بلکہ تم سوال کرو' انصاری نے کہا یا رسول اللہ! ہمیں بتائیے! آپ نے فرمایا تم یہ سوال کرنے آئے ہو کہ جب تم اپنے گھر سے بیت اللہ کے لیے روانہ ہو اور بیت اللہ کا طواف کرو تو اس میں تمہارے لیے کیا اجر ہے؟ اور طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھنے کا کیا اجر ہے؟ اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کا کیا اجر ہے' اور وقوف عرفہ کا کیا اجر ہے؟ اور رمی جمار کا کیا اجر ہے اور نحر (قربانی) کا کیا اجر ہے؟ اور سر منڈانے کا کیا اجر ہے؟ اور اس کے بعد طواف (زیارت) کا کیا اجر ہے؟ انصاری نے کہا یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' ہم آپ سے یہی سوال کرنے آئے تھے' آپ نے فرمایا: جب تم اپنے گھر سے بیت اللہ کے لیے روانہ ہوتے ہو تو تمہاری سواری کے ہر قدم رکھنے اور اٹھانے کے بدلہ میں اللہ تمہاری ایک نیکی لکھتا ہے' ایک گناہ مٹاتا ہے اور ایک درجہ بلند کرتا ہے اور جب تم طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھتے ہو تو تمہیں اولاد اسماعیل سے ایک غلام آزاد کرنے کا اجر ملتا ہے' اور جب تم صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہو تو تمہیں ستر غلام آزاد کرنے کا اجر ملتا ہے' اور جب تم زوال آفتاب کے بعد میدان عرفات میں وقوف کرتے ہو تو اللہ آسمان دنیا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور تمہاری وجہ سے فرشتوں پر فخر کرتا ہے اور فرماتا ہے یہ میرے وہ بندے ہیں جو دور دراز کے علاقوں سے بکھرے ہوئے غبار آلود بالوں کے ساتھ آئے ہیں یہ میری رحمت اور میری مغفرت کی امید رکھتے ہیں سو اگر تمہارے گناہ ریت کے ذروں اور سمندر کے جھاگ کے برابر بھی ہوں تو اللہ ان کو معاف کر دے گا' میرے بندو! عرفات سے مزدلفہ کی طرف جاؤ' تمہاری بھی مغفرت ہو گی اور جن کی تم شفاعت کرو گے اس کی بھی مغفرت ہو گی' اور جب تم رمی جمار (کنکری پھینکتے ہو) کرتے ہو تو ہر کنکری کے بدلہ میں تمہارا ایک کبیرہ گناہ معاف کر دیا جاتا ہے' اور تمہاری قربانی تمہارے رب کے پاس ذخیرہ کی جائے گی اور جب تم سر منڈاتے ہو تو ہر بال کے بدلہ میں ایک گناہ معاف کر دیا جاتا ہے اور ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے' انصاری نے کہا: یا رسول اللہ! اگر اس کے گناہ کم ہوں؟ آپ نے فرمایا تو پھر اس کی نیکیاں ذخیرہ کی جائیں گی اور جب تم اس کے بعد طواف (زیارت) کرو گے تو تم اس حال میں طواف کرو گے کہ تمہارا کوئی گناہ نہیں ہو گا' پھر ایک فرشتہ تمہارے

دو کندھوں کے درمیان ہاتھ رکھ کر کہے گا جاؤ از سرِ نو عمل کرو تمہارے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں۔

(المطالب العالیہ ج اص ۳۱۳-۳۱۲ توزیع عباس احمد الباز مکہ مکرمہ)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس میں اسماعیل بن رافع نام کا ایک ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۷۶)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے حج کی عبادات انجام دیں اور مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ کے شر سے محفوظ رہے' اس کے اگلے اور پچھلے گناہوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ ربذی ایک ضعیف راوی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بیت اسلام کا ستون ہے' جو شخص حج' عمرہ' یا زیارت کے قصد سے اس بیت کے لیے روانہ ہو' تو اللہ اس بات کا ضامن ہے کہ اگر وہ اس دوران فوت ہو گیا تو اس کو جنت میں داخل کر دے اور اگر اس کو لوٹائے تو اجر اور غنیمت کے ساتھ لوٹائے۔

اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں ایک متروک راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج اص ۲۰۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص حج یا عمرہ کے لیے روانہ ہوا اور راستہ میں مر گیا' اس سے حساب نہیں لیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے۔

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں ایک راوی عائذ بن بشیر ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۰۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص حج کے لیے روانہ ہوا اور مر گیا اس کے لیے قیامت تک حج کا اجر لکھا جاتا رہے گا' اور جو شخص عمرہ کے لیے روانہ ہوا اور مر گیا اس کے لیے قیامت تک عمرہ کا اجر لکھا جاتا رہے گا' اور جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے روانہ ہوا اور مر گیا' اس کے لیے قیامت تک غازی کا اجر لکھا جاتا رہے گا۔ اس حدیث کو بھی امام ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے۔ (المطالب العالیہ ج اص ۳۲۶-۳۲۴ توزیع عباس احمد الباز' مکہ مکرمہ)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث کی سند میں جمیل بن ابی میمونہ ہے' امام ابن حبان نے اس کا ثقات میں ذکر کیا ہے اس حدیث کو امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۰۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو اس کے راستہ کی استطاعت رکھتا ہو

حج کی استطاعت کی تفصیل

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں :

استطاعت میں تین قول ہیں : امام شافعی کے نزدیک استطاعت مال سے ہوتی ہے اور یہ سفر خرچ اور سواری ہے' امام مالک کے نزدیک استطاعت بدن کے ساتھ ہوتی ہے یعنی وہ شخص صحت مند اور تندرست ہو' امام ابوحنیفہ کے نزدیک استطاعت مال اور بدن دونوں کے ساتھ مشروط ہے۔ (النکت والعیون ج اص ۴۱۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی نے بھی استطاعت کی تفسیر مال اور بدن دونوں کے ساتھ کی ہے۔

(زاد المسیر ج اص ۴۲۸' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

فتاوی عالم گیری میں استطاعت کی تفصیل میں حسب ذیل امور مذکور ہیں :

(۱) حج کرنے والے کے پاس اتنا مال ہو جو اس کی رہائش' کپڑوں' نوکروں' گھر کے سامان اور دیگر ضروریات سے اس قدر زائد ہو کہ مکہ مکرمہ تک جانے کے دوران حج تک وہاں رہنے اور پھر واپس آنے کے لیے اور سواری کے خرچ کے لیے کافی ہو اور اس کے پاس اس کے علاوہ اتنا مال ہو جس سے وہ اپنے قرضہ جات ادا کر سکے اور اس عرصہ کے لیے اس کے اہل و عیال کا خرچ پورا ہو سکے اور گھر کی مرمت اور دیگر مصارف ادا ہو سکیں۔

(۲) اس کو یہ علم ہو کہ اس پر حج کرنا فرض ہے' جو شخص دار الاسلام میں رہتا ہے اس کے لیے دار الاسلام میں رہنا اس علم کے قائم مقام ہے' اور جو شخص دار الحرب میں ہو اس کو دو مسلمان خبر دیں یا ایک عادل مسلمان خبر دے کہ اس پر حج فرض ہے تو یہ اس کے علم کے لیے کافی ہے

(۳) وہ شخص سالم الاعضاء اور تندرست ہو' حتیٰ کہ لولے' لنگڑے' مفلوج' ہاتھ پیر بریدہ' بیمار اور بہت بوڑھے شخص پر حج فرض نہیں ہے' اگر وہ سفر خرچ اور سواری کے مالک ہوں تب بھی ان پر حج کرنا فرض نہیں ہے اور نہ بیمار شخص پر حج کی وصیت کرنا فرض ہے۔ (فتح القدیر و البحر الرائق) اسی طرح جو شخص قیدی ہو یا جو شخص سلطان سے خائف ہو جس نے اس کو حج کرنے سے منع کیا ہو اس پر بھی حج کرنا فرض نہیں ہے' (النہر الفائق) اور جو شخص نابینا ہو اس پر بھی حج کرنا فرض نہیں ہے اور نہ اپنے مال سے حج کرانا فرض ہے' اگر اس کو قائد میسر ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر پھر بھی حج فرض نہیں ہے اور امام ابو یوسف اور محمد کے نزدیک اس میں دو روایتیں ہیں۔ (قاضی خاں)

(۴) اگر راستہ میں سلامتی غالب ہو تو اس پر حج فرض ہے اور اگر سلامتی غالب نہ ہو تو پھر حج فرض نہیں ہے۔

(۵) اگر اس کے شہر اور مکہ کے درمیان تین دن یا اس سے زیادہ کی مسافت ہو تو عورت کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ اس کا خاوند ہو یا اس کا محرم ہو اور محرم کے لیے ضروری ہے کہ وہ مامون' آزاد اور عاقل اور بالغ ہو' محرم کا خرچ حج کرنے والے کے ذمہ ہے۔

(۶) عورت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس وقت میں عدت وفات یا عدت طلاق نہ گزار رہی ہو۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۱۹۔ ۲۱۷' مطبوعہ مطبعہ امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

آج کل استطاعت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ حج کرنے والے کو حج پاسپورٹ اور حج ویزا مل جائے اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ شوال میں عمرہ کرنے والے پر حج فرض ہو جاتا ہے ان کا قول باطل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جس نے کفر (انکار) کیا تو بے شک اللہ سارے جہانوں سے بے پرواہ ہے۔

قدرت کے باوجود حج نہ کرنے والے پر وعید

حافظ زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جو شخص سفر خرچ اور سواری کا مالک ہو جس کے ذریعہ وہ بیت اللہ تک پہنچ سکے اس کے باوجود وہ حج نہ کرے تو اس پر کوئی افسوس نہیں خواہ وہ یہودی ہو کر مرے خواہ وہ نصرانی ہو کر مرے' اس حدیث کو امام ترمذی اور امام بیہقی نے حارث کی سند سے روایت کیا ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص کو کوئی شدید حاجت مانع نہ ہو' نہ کوئی سخت مرض

مانع ہو' نہ ظالم بادشاہ مانع ہو اور وہ پھر بھی حج نہ کرے وہ خواہ یہودی ہو کر مرے خواہ نصرانی ہو کر مرے۔ اس حدیث کو بھی امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔

ان حدیثوں میں حج نہ کرنے والے پر "تغلیظا" وعید کی گئی ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اسلام کے آٹھ حصے ہیں' ایک حصہ اسلام ہے' ایک حصہ نماز ہے' ایک حصہ زکوۃ ہے' ایک حصہ حج بیت اللہ ہے' ایک حصہ نیکی کا حکم دینا ہے' ایک حصہ برائی سے روکنا ہے' ایک حصہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے' وہ شخص نامراد ہے جس کا کوئی حصہ نہیں ہے' اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے۔ (غالبا" راوی ایک حصہ کا ذکر کرنا بھول گیا۔)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے : جس بندہ کا جسم تندرست ہو اور وہ مالی اعتبار سے خوشحال ہو اور وہ پانچ سال تک میرے پاس نہ آئے وہ ضرور محروم ہے۔

(صحیح ابن حبان و سنن بیہقی) (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۱۲۔ ۲۱۱' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ۔ ۱۴۰۷ھ)

حلال مال سے حج کرنے کی فضیلت اور حرام مال سے حج کرنے کی مذمت

حافظ منذری بیان کرتے ہیں : حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج میں خرچ کرنا اللہ کی راہ میں سات سو گنا زیادہ خرچ کرنے کی مثل ہے۔ اس حدیث کو امام احمد نے' امام طبرانی نے معجم اوسط میں اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے امام احمد کی اسناد حسن ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج میں خرچ کرنا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی مثل ہے ایک درہم سات سو گنا زیادہ ہے' اس حدیث کو بھی امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب حج کرنے والا پاکیزہ کمائی لے کر نکلتا ہے اور اپنا پیر رکاب میں ڈالتا ہے اور اللھم لبیک اللھم لبیک سے ندا کرتا ہے تو آسمان سے ایک منادی کہتا ہے لبیک و سعدیک' تمہارا سفر خرچ حلال ہے' تمہاری سواری حلال ہے' تمہارا حج مبرور (مقبول) ہے' اس میں گناہ نہیں ہے' اور جب وہ حرام مال سے حج کے لیے روانہ ہوتا ہے اور اپنا پاؤں رکاب میں ڈالتا ہے اور لبیک کہتا ہے تو آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے تمہارا لبیک کہنا مقبول نہیں' تمہارا زاد راہ حرام ہے' تمہارا خرچ حرام ہے تمہارا حج گناہ ہے' مقبول نہیں ہے۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے اور امام اصبہانی نے بھی روایت کیا ہے۔

(الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۱۸۱۔ ۱۷۹' مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۰۷ھ)

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَٱللَّهُ شَهِيدٌ

آپ کہیے اے اہل کتاب اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ اللہ تمہارے تمام

عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ﴿٩٨﴾ قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن

اعمال پر گواہ ہے ○ آپ کہیے اے اہلِ کتاب ! تم اللہ کے راستہ سے

سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَ

کیوں روکتے ہو؛ تم ایمان والوں کے راستہ کو (بھی) ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو حالانکہ تم خود (اس دین کے برحق ہونے

مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ

پر) گواہ ہو اور اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے ○ اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے ایک

تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ

گروہ کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹا

اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ

دیں گے ○ اور تم کیوں کر کفر کرو گے حالانکہ تم پر اللہ کی آیات کی تلاوت

اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ

کی جاتی ہے اور تم میں اس کا رسول موجود ہے اور جو شخص اللہ (کے دین) کو مضبوطی سے پکڑے گا تو بیشک

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع

اسے سیدھے راستہ کی ہدایت دی جائے گی ○

کفر پر مذمت میں اہل کتاب کی تخصیص کی وجہ

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کعبہ کے فضائل اور حج کی فرضیت کو بیان فرمایا ہے' اور اہل کتاب کو اس بات کا علم تھا کہ اسلام ہی دین حق ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تم کو علم ہے کہ اسلام ہی دین حق ہے تو پھر تم اللہ کی آیات کا کیوں انکار کرتے ہو؟ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس آیت میں باقی کفار کے بجائے خصوصیت کے ساتھ اہل کتاب کا کیوں ذکر فرمایا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کی حقانیت پر دلائل بیان فرمادیئے تھے' آپ کی علامات بھی بیان کردی تھیں' پھر آپ کی نبوت کے متعلق جو ان کو شبہات تھے ان کو قرآن مجید کی آیات سے زائل کردیا تھا' اور جب ان پر حجت تمام ہوگئی تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو خطاب کرکے فرمایا: اے اہل کتاب اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو؟ ثانیاً" دوسرے کفار اور مشرکین کی بہ نسبت اہل کتاب اللہ تعالیٰ کی آیات کی زیادہ معرفت رکھتے تھے کیونکہ وہ الوہیت اور توحید کے معترف تھے اور نبوت کا اقرار کرتے تھے اور ان کی کتابوں میں سیدنا محمد ﷺ کی بعثت کے متعلق بشارتیں موجود تھیں۔

اس آیت میں اللہ کی آیتوں سے مراد سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کی علامات ہیں اور ان کے کفر اور انکار سے ان

علامتوں کی دلالت کا کفر اور انکار مراد ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تمہارے تمام اعمال پر گواہ ہے' یعنی اللہ تم کو تمہارے ان اعمال کی سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ کہیئے : اے اہل کتاب! تم اللہ کے راستہ سے کیوں روکتے ہو؟ (آل عمران : ۹۹)

اللہ کے راستہ سے روکنے کے کئی محامل ہیں بعض ازاں یہ ہیں :

اہل کتاب کے گمراہ کن حیلے

(۱) وہ ضعیف مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک اور شبہات ڈالتے تھے مثلاً وہ نسخ پر اعتراض کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ بداء ہے یعنی اللہ نے ایک حکم دیا بعد میں وہ اس حکم کی قباحت پر مطلع ہوا تو اس نے اس حکم کو منسوخ کر کے دوسرا حکم نازل کر دیا' اسی طرح وہ کہتے کہ تورات میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت قیامت تک باقی رہے گی۔

(۲) وہ اس بات کا انکار کرتے تھے کہ تورات میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کا ذکر ہے اور جب ان سے آخر زمانے میں آنے والے نبی کی صفات پوچھی جاتیں تو وہ دجال کی صفات بیان کر دیتے۔

(۳) وہ لوگوں کو کعبہ کا حج کرنے سے روکتے تھے اور بیت المقدس کا حج کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : "تم ایمان والوں کے راستہ کو بھی ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو۔" یعنی اپنی تحریفات کے ذریعہ انہیں بھی گمراہ کرنا چاہتے ہو' یا اس کا معنی ہے کہ تم صراط مستقیم کے دعویٰ دار ہو جب کہ تم جس راستہ پر چل رہے ہو وہ ٹیڑھا راستہ ہے حالانکہ تم گواہ ہو کہ تورات میں مذکور ہے کہ اللہ اسلام کے علاوہ اور کسی دین کو قبول نہیں کرے گا' یا تم سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلالت کرنے والے معجزات کے ظہور پر گواہ ہو' یا تم اس پر گواہ ہو کہ اللہ کے راستہ سے روکنا جائز نہیں ہے یا تم اپنے اہل مذہب کے نزدیک لائق اعتبار اور نیک ہو جس کی گواہی کو قبول کرنا واجب ہے اور جو شخص ایسے منصب کا حامل ہو اس کا جھوٹ' باطل اور گمراہی پر اصرار کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا اور اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے اس میں ان کی تہدید کی ہے اور خبردار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے کرتوتوں سے واقف ہے اور عنقریب ان کو سزا دے گا۔ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی گمراہی کو بیان کر کے اس کا رد فرمایا تھا اور اس آیت میں ان کے گمراہ کرنے کو بیان کر کے اس کا رد فرمایا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو شہداء فرمایا ہے' اس سے ثابت ہوا کہ اہل کتاب کی ایک دوسرے کے خلاف گواہی جائز ہے' امام ابو حنیفہ کا یہی مذہب ہے اور مسلمانوں کے خلاف ان کی گواہی بالاجماع جائز نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے ایک گروہ کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔ (آل عمران ۱۰۰)

شاس بن قیس کا مسلمانوں میں عداوت کی آگ بھڑکانے کی ناکام سعی کرنا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اس آیت کے شان نزول کے متعلق اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ شاس بن قیس ایک بوڑھا یہودی تھا اور کٹر کافر تھا' مسلمانوں سے سخت بغض رکھتا تھا' ایک دن اس نے دیکھا کہ اوس اور خزرج کے کچھ لوگ آپس میں بیٹھے ہوئے الفت اور محبت سے باتیں کر رہے ہیں' وہ ان کی الفت اور محبت کو دیکھ کر غصہ سے جل بھن گیا' اس نے ایک یہودی کو وہاں بٹھا لیا اور اس کے سامنے پرانے قصے

چھیڑ دیئے اور جنگ بعاث کے متعلق اشعار پڑھنے لگا' اس دن اوس اور خزرج میں زبردست جنگ ہوئی تھی' اور اوس فتحیاب ہوئے تھے' اس نے اس راکھ میں سے چنگاریاں نکال کر آگ بھڑکا دی اور اوس اور خزرج ایک دوسرے کے خلاف باتیں کرنے لگے اور ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار نکل آئے قریب تھا کہ خون کی ندیاں بہہ جاتیں' دونوں فریق اپنے اپنے حمایتیوں کو بلا چکے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچ گئی آپ چند مہاجرین صحابہ کے ساتھ آئے آپ نے فرمایا: اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو! کیا تم زمانہ جاہلیت کی طرح چیخ و پکار کر رہے ہو! حالانکہ تمہارے پاس اللہ کی ہدایت آچکی ہے اور اللہ تمہیں دولت اسلام سے مشرف کر چکا ہے اور تمہاری گردنوں سے جاہلیت کا جوا اتار پھینکا ہے' اور تم کو کفر سے نجات دے دی ہے اور تم کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا ہے' کیا تم پچھلی جاہلیت اور کفر کی طرف لوٹ رہے ہو؟ تب مسلمانوں کو احساس ہوا کہ یہ شیطان کا وسوسہ تھا' اور ان کے دشمنوں کا مکر تھا' انہوں نے ہتھیار پھینک دیئے اور رونے لگے' اوس اور خزرج نے ایک دوسرے کو گلے لگایا' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اطاعت اور موافقت کرتے ہوئے چلے گئے اور اللہ کے دشمن شاس بن قیس نے جو ان کے دلوں میں عداوت کی آگ بھڑکائی تھی اس کو اللہ تعالیٰ نے بجھا دیا تب اللہ تعالیٰ نے شاس بن قیس کی اس ناکام سعی کے متعلق یہ آیت نازل کی' اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے ایک گروہ کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۱۶' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

صحابہ کرام اور بعد کے مسلمانوں کے لیے دین پر استقامت کے ذرائع

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو مسلمانوں کے گمراہ کرنے سے منع فرمایا تھا اور اس پر عذاب کی وعید سنائی تھی' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اہل کتاب کے بہکانے' ورغلانے اور ان کے گمراہ کرنے سے خبردار رہیں اور ان کے بھڑکانے میں نہ آجائیں ورنہ وہ ان کو کفر کی طرف لوٹا دیں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **اور تم کیونکر کفر کرو گے حالانکہ تم پر اللہ کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے اور تم میں اس کا رسول موجود ہے۔** (آل عمران: ۱۰۱)

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مسلمانوں کا کفر کی طرف لوٹنا دو وجہ سے بہت بعید ہے' ایک تو یہ کہ ان کے سامنے دن رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل کیا جاتا ہے اور اس کی تلاوت کی جاتی ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں میں قرآن کریم کی تبلیغ فرماتے ہیں' اور قرآن مجید کا معجز ہونا ان پر بالکل روشن تھا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار چیلنج کیا کہ اس قرآن کی چھوٹی سی سورت کی مثال بنا کر لے آؤ لیکن انسانوں اور جنوں میں سے کوئی بھی اس چیلنج کا مقابلہ نہیں کر سکا' اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے اور آپ پر دن رات انواع و اقسام کے معجزات ظاہر ہوتے رہتے تھے اور ان معجزات کو دیکھتے ہوئے کوئی صاحب عقل اور صاحب انصاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین سے روگردانی نہیں کر سکتا تھا۔

اس کے بعد فرمایا **جو شخص اللہ (کے دین) کو مضبوطی سے پکڑے گا تو بے شک اسے سیدھے راستے کی ہدایت دی جائے گی۔** (آل عمران: ۱۰۱)

اس آیت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظیم فضیلت ہے کیونکہ ان کے لیے دین پر استقامت اور گمراہی سے حفاظت کی دو زبردست چیزیں موجود تھیں' قرآن مجید کا سننا جو ہر قسم کے شک اور شبہ کے ازالہ کے لیے کافی

اور روانی تھا اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے انوار کا مشاہدہ جو ان کے صفاء باطن' پاکیزگی اور کردار کی بلندی کا ہادی اور مرشد تھا اور جب انہوں نے قرآن اور سنت کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو وہ صراط مستقیم کے سالک بن گئے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ تو رفیق اعلیٰ سے جا ملے اور اللہ کی رحمت سے واصل ہو گئے اب بعد کے لوگوں کے لیے دین پر استقامت اور صراط مستقیم کے حصول کا کیا ذریعہ ہے تو میں کہوں گا کہ ان کے ایمان پر استقامت اور گمراہی سے حفاظت کے لیے قرآن مجید موجود ہے' قرآن کریم جس طرح چودہ سو سال پہلے تمام دنیا کے فصحاء اور بلغاء کے لیے چیلنج تھا آج بھی چیلنج ہے' نہ اس وقت اس کی کسی سورت کی کوئی نظیر لا سکا تھا نہ آج لا سکا ہے اور ان کے صفاء باطن' پاکیزگی اور کردار کی بلندی کے لیے قرآن مجید کی تعلیمات موجود ہیں اور ان کی توضیح اور تشریح رسول اللہ ﷺ کی سنت میں موجود ہے۔ آپ کی تمام سنتوں کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا اور سینوں سے صحیفوں میں منتقل کر دیا اور صحاح ستہ اور دیگر کتب احادیث میں رسول اللہ ﷺ کے اقوال' آپ کے افعال اور آپ کے احوال مذکور ہیں اور جس شخص نے قرآن اور حدیث کو مضبوطی سے پکڑ لیا اس نے اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور جس نے اللہ کے دین کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو اس کو بے شک صراط مستقیم کی ہدایت دے دی گئی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے

وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

مگر مسلمان ہوتے کی حالت میں ○ اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ ڈالو،

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ

اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم (آپس میں) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں

قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ

میں الفت ڈال دی تو تم اس کے کرم سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر

مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ

تھے تو اس نے تم کو اس سے نجات دی، اللہ اسی طرح تمہارے لیے اپنی آیتوں کو بیان فرماتا ہے

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

تا کہ تم ہدایت پاؤ ○

ربط آیات

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اہل کتاب کے گمراہ کرنے سے خبردار فرمایا تھا اور اس کے بعد کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے تمام عبادات اور تمام خیرات کا جامع حکم بیان فرمایا : ان میں سے ایک حکم یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو' دوسرا حکم یہ ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تیسرا حکم یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو' اور ان میں ترتیب یہ ہے کہ انسان اللہ کی اطاعت عذاب کے خوف سے کرتا ہے یا ثواب کے شوق سے کرتا ہے' اور عذاب کا خوف مقدم ہے کیونکہ دفع ضرر حصول نفع پر مقدم ہوتا ہے' اس لیے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس طرح ڈرنے کا حق ہے تاکہ عذاب سے بچنے کے لیے انسان اللہ کی عبادت کرے پھر اس کو موکد کرنے کے لیے فرمایا اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اس کے بعد اللہ کی نعمتوں کو یاد کرنے کا حکم دیا تاکہ لوگ نعمت کے شوق میں عبادت کی طرف راغب ہوں۔ اور جو لوگ تصوف اور حال کے مدعی ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ نہ ہمیں ثواب سے غرض ہے اور نہ عذاب کی فکر ہے ہم مولیٰ کی عبادت مولیٰ کے لیے کرتے ہیں وہ اپنی چادر سے زیادہ پیر پھیلاتے ہیں وہ خود فریب خوردہ ہیں اور لوگوں کو فریب دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جس طرح اللہ سے ڈرنے کا حق ہے۔ (آل عمران : ۱۰۲)

آیا اللہ سے کماحقہ ڈرنے کا حکم محکم ہے یا منسوخ؟

امام ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ سے ڈرنے کا حق یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کی نافرمانی نہ کی جائے' اور اس کو یاد رکھا جائے اور اس کو بھولا نہ جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے اور اس کی ناشکری نہ کی جائے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۲۳۸' مطبوعہ بیروت)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری نے بھی اس حدیث کو متعدد اسانید کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۲۰۔۱۹)

حافظ سیوطی نے اس حدیث کو امام عبدالرزاق' امام طبرانی اور امام حاکم کے حوالوں سے ذکر کیا ہے۔

(الدر المنثور ج ۲ ص ۵۹' مطبوعہ ایران)

اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے یا نہیں' امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت منسوخ نہیں ہے' اور اللہ سے اس طرح ڈرنا جس طرح ڈرنے کا حق ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں کماحقہ جہاد کیا جائے اور اس سلسلہ میں انسان کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرے' اور عدل و انصاف قائم کیا جائے' خواہ وہ فیصلہ اس کے ماں باپ اور اس کی اولاد کے خلاف ہو' اور حق بات کہنے میں کسی کی پرواہ نہ کی جائے اور اللہ کے تمام احکام کی اطاعت کی جائے اور اس کی تمام نافرمانیوں سے اجتناب کیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "حق تقاۃ" کی جو تفسیر کی ہے اس میں کون سی بات ناقابل عمل ہے؟ بلکہ ان تمام باتوں پر عمل کرنا واجب ہے' اسی لیے صحیح یہی ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہے۔

بعض فقہاء تابعین نے کہا یہ آیت منسوخ ہے' امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں :

قتادہ نے کہا پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی' پھر اللہ تعالیٰ نے تخفیف اور آسانی کو نازل کیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے ضعف کی وجہ سے ان پر رحمت نازل فرمائی اور یہ آیت نازل فرمائی:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن: ۱۶) سو جہاں تک تم سے ہو سکے تم اللہ سے ڈرتے رہو۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۲۰' مطبوعہ بیروت)

لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کماحقہ ڈرنے کا معنی یہ ہے کہ تمام گناہوں سے اجتناب کیا جائے' اور اگر اس کو منسوخ مان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ بعض گناہوں کا کرنا مباح ہو' اور ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ تمام احکام پر عمل کرنا اور تمام گناہوں سے بچنا استطاعت کے مطابق ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو استطاعت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا' مثلاً کسی شخص کا پیر کٹا ہوا ہو اور وہ وضو میں پیر نہ دھوئے تو وہ گنہ گار نہیں ہو گا' اسی طرح بلغاریہ میں رہنے والے عشاء کی نماز کا وقت نہیں پاتے تو وہ عشاء کی نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے گنہ گار نہیں ہوں گے' قرب قیامت میں جب کوئی زکوۃ لینے والا نہ ہو گا تو کوئی شخص زکوۃ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے گنہ گار نہیں ہو گا' اور جو شخص کسی دائمی مرض (مثلاً ذیابیطس یا بلند فشار دم) کی وجہ سے رمضان کے روزے نہ رکھے تو وہ گنہ گار نہیں ہو گا' اسی طرح حلال دوائیں نہ ملنے کی وجہ سے جو شخص حرام دواؤں سے علاج کرے وہ بھی گنہ گار نہیں ہو گا' معاشرتی' عمرانی اور دینی ضرورتوں (مثلاً حج اور عمرہ کے سفر) کی وجہ سے جو شخص پاسپورٹ سائز کا فوٹو کھنچوائے تو وہ بھی گنہ گار نہیں ہو گا' اسی طرح ضرورت کی بناء پر ضبط ولادت کرنا یا اسقاط حمل کرانا یا نس بندی کرانا ان میں سے کوئی چیز بھی گناہ نہیں اور نہ تقویٰ کے خلاف ہے کیونکہ انسان اللہ سے ڈرنے اور احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا حسب استطاعت ہی مکلف ہے۔

تقویٰ کے متعلق احادیث

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینے کی طرف تین بار اشارہ کرکے فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۱۷' مطبوعہ کراچی)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے یہ نصیحتیں کون حاصل کرے گا تاکہ ان پر عمل کرے یا ان پر عمل کرنے والوں کو ان کی تعلیم دے؟ حضرت ابو ہریرہ نے کہا میں یا رسول اللہ! آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور پانچ نصیحتیں گنوائیں' آپ نے فرمایا حرام کاموں سے بچو تم سب سے زیادہ عبادت گزار ہو جاؤ گے' اللہ کی تقسیم پر راضی رہو تم سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے' اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرو تم مومن (کامل) ہو جاؤ گے' لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو تم (کامل) مسلمان ہو جاؤ گے' زیادہ ہنسا نہ کرو کیونکہ زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے۔

عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بندہ اس وقت تک متقین میں شمار نہیں ہو گا جب تک کہ وہ کسی مباح کام کو بھی اس خدشہ سے ترک نہ کردے کہ شاید اس میں حرج ہو۔

میمون بن مہران بیان کرتے ہیں کہ کوئی بندہ اس وقت تک متقی نہیں ہو گا جب تک کہ وہ اپنے نفس کا اس طرح محاسبہ نہ کرے جس طرح وہ اپنے شریک کا محاسبہ کرتا ہے' کہ اس کا کھانا کہاں سے آیا؟ اس کا لباس کہاں سے آیا؟

(جامع ترمذی ص ۳۵۴-۳۳۵ 'ملتقطا" مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

لفظ تقویٰ کا لغوی اور شرعی معنی

وقی اور وقایہ کا معنی ہے کسی چیز کو ایذا اور ضرر سے محفوظ رکھنا' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ (الدخان : ۵۶) — اور اللہ تعالیٰ نے ان کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھا۔

تقویٰ کا معنی ہے نفس کو اس چیز سے محفوظ رکھنا جس سے اس کو ضرر کا خوف ہو' اور شریعت میں تقویٰ کا معنی ہے نفس کو گناہ کے کاموں سے محفوظ رکھنا' تقویٰ ممنوعات کے ترک کرنے سے حاصل ہوتا ہے' اور اس کا کمال بعض مباحات کے ترک سے حاصل ہوتا ہے' جیسا کہ حدیث میں ہے حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں جن کا اکثر لوگوں کو علم نہیں ہے سو جس شخص نے مشتبہات کو ترک کر دیا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو محفوظ کر لیا' اور جو شخص مشتبہات میں واقع ہو گیا وہ اس چرواہے کی طرح ہے جو ممنوعہ چراگاہ کے گرد اپنے جانور چراتا ہے' وہ اس خطرہ میں ہے کہ اس کے جانور ممنوعہ چراگاہ میں منہ مار لیں' سنو! زمین پر اللہ کی ممنوعہ چراگاہ وہ کام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳)

قرآن مجید میں ہے :

فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (الاعراف : ۳۵) — جن لوگوں نے تقویٰ کیا اور نیکی اختیار کی ان پر کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

تقویٰ کے کئی مدارج ہیں جن کا قرآن مجید میں بیان ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والا ہو وہ اللہ سے ڈرے' (یعنی متقی بنے) اور جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ قوی ہو وہ اللہ پر توکل کرے' اور جو شخص یہ چاہتا ہو کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ غنی ہو اس کا اعتماد اپنے قبضہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی عطا پر ہو' حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا معصیت پر اصرار کو ترک کرنا اور اپنی عبادات پر اعتماد نہ کرنا تقویٰ ہے۔ حسن بصری نے کہا تقویٰ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کو اختیار نہ کرو اور یہ یقین رکھو کہ تمام کام اللہ کے قبضہ و قدرت میں ہیں' ابراہیم بن ادہم نے کہا تقویٰ یہ ہے کہ جس طرح تم مخلوق کے لیے اپنے ظاہر کو مزین کرتے ہو اسی طرح تم خالق کے لیے اپنے باطن کو مزین کرو' ایک قول یہ ہے کہ تقویٰ یہ ہے کہ تم سیرت مصطفے کے راستہ پر چلو' دنیا کو پس پشت ڈال دو' اپنے نفس میں اخلاق اور وفا کو لازم کر لو' حرام اور جفا سے اجتناب کرو۔ قرآن مجید میں ایک جگہ یہ فرمایا کہ قرآن انسانوں کے لیے ہدایت ہے' دوسرے مقام پر یہ فرمایا قرآن مجید متقین کے لیے ہدایت ہے' اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان وہی ہیں جو صاحب تقویٰ ہیں اور جن میں تقویٰ نہیں ان میں انسانیت نہیں' یہ تقویٰ کی کیا کم فضیلت ہے! شرعاً" متقی وہ شخص ہے جو اپنی ذات اور عذاب الٰہی کے درمیان اپنی عبادات اور طاعات کو حفاظت کا ذریعہ اور آڑ بنا دیتا ہے' تقویٰ کی اصل خوف ہے' وہ خوف جو اللہ تعالیٰ کے جلال ذات' اس کی عظیم قدرت اور اس کے عذاب کی معرفت سے دل میں پیدا ہوتا ہے اور معرفت کا محل دل ہے (یعنی دماغ ہے) اس لیے آپ نے سینہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا : تقویٰ یہاں ہے۔

قرآن مجید اور احادیث میں سائنسی زبان استعمال نہیں کی گئی بلکہ ان میں عرف اور محاورہ کی زبان ہے اور عرف میں

دماغ پر دل کا اطلاق کیا جاتا ہے اس کی پوری تحقیق شرح صحیح مسلم جلد رابع ص ۱۴۴۔ ۱۴۳ میں ہے)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر مسلمان ہونے کی حالت میں** (آل عمران: ۱۰۲)

اس آیت کا معنی اس کو مستلزم ہے کہ تمہاری زندگی میں کسی لمحہ بھی کفر نہ آنے پائے اور تم ہمیشہ اسلام پر ثابت قدم رہو' انسان کو چاہیے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے اسلام پر ثابت قدم رہنے کی دعا کرتا رہے۔

تاحیات اسلام پر قائم رہنے کے حکم کا ایک حدیث سے تعارض اور اس کا جواب

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص طویل زمانہ تک اہل جنت کے عمل کرتا ہے پھر اس کے اعمال کا خاتمہ دوزخیوں کے اعمال پر کیا جاتا ہے اور ایک شخص طویل زمانہ تک دوزخیوں کے عمل کرتا ہے پھر اس کا خاتمہ جنتیوں کے اعمال پر کیا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی ایک شخص کی خلقت کو اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن جمع کیا جاتا ہے پھر وہ جمع ہوا خون بن جاتا ہے' پھر چالیس دن بعد وہ گوشت کا ٹکڑا بن جاتا ہے' پھر چالیس دن کے بعد اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیج کر اس میں روح پھونک دیتا ہے اور اس کو چار کلمات لکھنے کا حکم دیتا ہے' اس کا رزق' اس کی مدت حیات' اس کا عمل اور یہ کہ وہ شقی ہے یا سعید ہے' سو اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' تم میں سے ایک شخص اہل جنت کے عمل کرتا رہتا ہے' حتیٰ کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے' پھر اس پر وہ لکھا ہوا غالب آ جاتا ہے اور وہ دوزخیوں کے عمل کرتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے' اور تم میں سے ایک شخص دوزخیوں کے سے عمل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے پھر اس پر وہ لکھا ہوا غالب آ جاتا ہے اور وہ جنتیوں کے عمل کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۴۔ ۳۳۲' ملتقطاً' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

بہ ظاہر اس حدیث سے یہ اشکال ہوتا ہے کہ اسلام اور اعمال صالحہ انسان کے اختیار میں نہیں ہیں بلکہ اس کے پیدا ہونے سے پہلے جو کچھ اس کے متعلق لکھ دیا گیا ہے کہ وہ سعید (جنتی) یا شقی (دوزخی) ہے اسی کے مطابق اس کا خاتمہ ہو گا' جب کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ "تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر مسلمان ہونے کی حالت میں" اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام پر قائم رہنا اور نیک اعمال پر ثابت قدم رہنا انسان کے اختیار میں ہے اور اس طرح اس آیت اور اس حدیث میں تعارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ انسان اپنے ارادہ اور اختیار سے اپنی عمر کے آخری حصہ میں کیا کرے گا اور وہ آخری عمر میں اہل جنت کے عمل کرے گا' یا اہل دوزخ کے عمل کرے گا' اسی علم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس کی ماں کے پیٹ میں لکھوا دیا' لہٰذا انسان اپنی آخری عمر میں جو عمل کرتا ہے وہ اپنے اختیار اور ارادہ سے کرتا ہے جبر سے نہیں کرتا' جبر اس وقت ہوتا جب وہ نیک عمل کرنا چاہتا اور اس کی مرضی کے خلاف کوئی غیر مرئی طاقت اس سے برے عمل کرا لیتی جیسے کوئی انسان اپنی بیوی کو طلاق نہ دینا چاہتا ہو اور کوئی شخص اس کی کنپٹی پر پستول رکھ کر جبراً" اس سے طلاق کہلوا لیتا' اور ظاہر ہے کہ انسان نہ صرف حیات کے آخری حصہ میں بلکہ پوری زندگی میں پوری آزادی کے ساتھ اپنے اختیار اور

ارادہ سے عمل کرتا ہے خواہ وہ عمل نیک ہو یا بد اور جو کچھ اس نے کرنا ہے وہی لکھا گیا ہے یہ بات نہیں ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس نے کرنا ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ○ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّ كَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ○ (القمر: ۵۳-۵۲)

ہر وہ کام جس کو انہوں نے کیا ہے نوشتوں میں ہے ○ ہر چھوٹا اور بڑا کام لکھا ہوا ہے ○

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو کچھ بندوں نے کیا ہے وہ لکھا ہوا ہے یہ نہیں فرمایا جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ بندوں نے کرنا ہے- خلاصہ یہ ہے کہ علم معلوم کے مطابق ہے معلوم علم کے مطابق نہیں ہے- زیر بحث آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر مسلمان ہونے کی حالت میں' یعنی تم اپنے اختیار اور ارادہ سے تاحیات اسلام پر قائم رہو' اور اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ انہوں نے تاحیات اسلام پر قائم رہنا ہے یا نہیں' اور اسی علم کے مطابق ان کی پیدائش سے پہلے جب وہ ماں کے پیٹ میں تھے اللہ تعالیٰ نے اس کو فرشتوں سے لکھوا دیا سو یہ حدیث قرآن مجید کی اس آیت کے منافی اور معارض اور جبر کی موجب نہیں ہے-

مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ نے بھی اس بحث کو چھیڑا ہے لیکن ان کے جواب سے اصل اشکال دور نہیں ہوتا وہ لکھتے ہیں:

بعض روایات حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ بعض آدمی ایسے بھی ہوں گے کہ ساری عمر اعمال صالحہ کرتے ہوئے گزر گئی آخر میں کوئی ایسا کام کر بیٹھے جس سے سارے اعمال حبط و برباد ہو گئے یہ ایسے ہی لوگوں کو پیش آ سکتا ہے جن کے عمل میں اول اخلاص اور پختگی نہیں تھی واللہ اعلم- (معارف القرآن ج ۲ ص ۱۲۸' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ ڈالو- آل عمران (۱۰۳)

اللہ کی رسی کا بیان

اللہ کی رسی کی متعدد تفسیریں کی گئیں ہیں' امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ لکھتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ کی رسی سے مراد جماعت ہے-

قتادہ نے کہا اللہ کی مضبوط رسی جس کو ہمیں پکڑنے کا حکم دیا ہے وہ یہ قرآن ہے- نیز قتادہ سے روایت ہے کہ اس سے مراد اللہ کا عہد اور اس کا حکم ہے-

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صراط مستقیم پر شیاطین آ کر اپنی طرف بلاتے ہیں سو تم اللہ کی رسی کو پکڑ لو' اللہ کی رسی کتاب اللہ ہے- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کتاب اللہ' اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے-

ابو العالیہ نے کہا اللہ کی رسی پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرو-

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۹۵' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم میں ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم نے اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو تم میرے بعد ہرگز گمراہ نہیں ہو گے' ان میں سے ایک دوسری سے زیادہ عظیم ہے کتاب اللہ'

اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکی ہوئی ہے' اور میری عترت میرے اہل بیت ہیں وہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز الگ نہیں ہوں گے حتی کہ میرے حوض پر آئیں گے۔ پس دیکھو تم میرے بعد ان کے ساتھ کس طرح پیش آتے ہو۔ (جامع ترمذی ص ۵۴۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام عبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس راستہ پر شیاطین آتے ہیں اور ندا کرتے ہیں اے اللہ کے بندے راستہ یہ ہے' تو تم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو' کیونکہ اللہ کی رسی قرآن ہے۔

(سنن دارمی ج ۲ ص ۳۱۰' مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی رسی کی تفسیر قرآن مجید' اللہ کے عہد' دین' اللہ کی اطاعت' اخلاص کے ساتھ توبہ' جماعت مسلمین' اخلاص کے ساتھ توحید اور اسلام کے ساتھ کی گئی ہے اور یہ تمام اقوال متقارب ہیں کیونکہ جو شخص کنویں میں اتر رہا ہوتا ہے وہ مضبوطی کے ساتھ رسی کو پکڑتا ہے تاکہ کنویں میں گر نہ جائے۔ اسی طرح جو مسلمان قرآن مجید' اللہ کے عہد' اس کے دین یا اس کی اطاعت یا جماعت مسلمین یا اسلام کو مضبوطی سے پکڑے تو وہ جہنم کے گڑھے میں گرنے سے محفوظ رہے گا اس لیے ان امور کو اللہ کی رسی کہا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تفرقہ نہ ڈالو۔

اس آیت میں تفرقہ کی ممانعت سے مراد یہ ہے کہ عقائد میں ایک دوسرے کی مخالفت کرکے مختلف گروہ نہ بناؤ یا اس سے مراد یہ ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ عداوت اور مخاصمت نہ رکھو اور دنیاوی امور اور اغراض باطلہ کی وجہ سے ایک دوسرے کی مخالفت نہ کرو' اور فروعی اور اجتہادی مسائل میں مجتہدین اور ائمہ فتویٰ کا اختلاف اس اختلاف کی ممانعت میں داخل نہیں ہے۔

عقائد حقہ میں اختلاف سے ممانعت

عقائد میں اختلاف کی ممانعت اس لیے ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام کے عقائد واحد تھے۔ الوہیت' توحید' فرشتے' آسمانی کتابیں' نبوت اور رسالت' تقدیر' اللہ تعالیٰ کے شکر ادا کرنے کا واجب ہونا اور اس کی ناشکری کا حرام ہونا' وحی سے حاصل شدہ احکام پر عمل کرنے کا وجوب اور استحباب وغیرہ' مرنے کے بعد اٹھنا اور جزاء اور سزا کو ماننا یہ وہ عقائد ہیں جن کو اصول اور دین کہا جاتا ہے' حضرت آدم سے لے کر ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی نبی کے دور میں ان میں اختلاف جائز نہیں رہا کیونکہ حق بات صرف ایک ہی ہوتی ہے اس میں اختلاف نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ (یونس: ۳۲) سو حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ تم کہاں حق سے پھرے جا رہے ہو۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود کے اکہتر یا بہتر فرقے تھے' نصاریٰ کے بھی اسی طرح تھے اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت بنی اسرائیل کے برابر برابر عمل کرے گی حتی کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں کے ساتھ کھلم کھلا بدکاری کی ہو تو میری امت میں بھی لوگ اس طرح کریں گے' اور بنی اسرائیل کے بہتر فرقے تھے اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے اور ایک فرقے کے سوا سب دوزخ میں جائیں گے' صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کونسا گروہ ہو گا؟ فرمایا جس ملت پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔

(جامع ترمذی ص ۳۷۹-۳۷۸' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابن ماجہ نے بھی حضرت ابوہریرہ کی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (سنن ابن ماجہ ص ۲۸۷' مطبوعہ کراچی)

امام عبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہم میں تشریف فرما ہوئے تو آپ نے فرمایا سنو تم سے پہلے اہل کتاب کے بہتر فرقے تھے' اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے' بہتر فرقے جہنم میں ہوں گے اور ایک فرقہ جنت میں ہو گا۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۱۵۸' مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

امام محمد ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل کے اکہتر فرقے تھے اور عنقریب میری امت کے بہتر فرقے ہوں گے اور ایک فرقے کے سوا سب دوزخ میں ہوں گے' عرض کیا گیا یا رسول اللہ وہ کونسا فرقہ ہو گا؟ آپ نے مٹھی بند کی اور فرمایا جماعت' تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور تفرقہ نہ کرو۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۲۲' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

ان احادیث میں جس امت کے اکہتر یا بہتر فرقے بیان کیے گئے ہیں اس سے مراد امت دعوت بھی ہو سکتی ہے اور امت اجابت بھی' لیکن زیادہ تر علماء کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد امت اجابت ہے۔ پھر علامہ قرطبی اور دیگر علماء نے بہتر فرقے بھی گنوائے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ علامہ قرطبی ساتویں صدی ہجری کے ہیں اور اب مزید سات سو سال گزر چکے ہیں اور اس عرصہ میں کئی نئے فرقے وجود میں آچکے ہیں' اور قیامت تک نہ جانے اور کتنے فرقے وجود میں آئیں گے اس لیے تحقیق یہ ہے کہ ان فرقوں کے مصداق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی کو معلوم ہیں' اور وہ فرقہ نجات یافتہ ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے سواد اعظم سے تعبیر فرمایا اور بعض احادیث میں فرمایا جو میری سنت اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہے اس کو کامل نجات ہو گی اور باقی فرقوں میں سے جن کی گمراہی کفر کی حد تک پہنچ گئی جیسے مرزائی یا شیعہ کے بعض فرقے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور جن فرقوں کی گمراہی کفر تک نہیں پہنچی جیسے معتزلہ اور بعض شیعہ وہ اپنی بدعقیدگی اور بدعملی کی سزا پا کر دوزخ کے عذاب سے نجات پا جائیں گے۔

باہمی بغض' حسد اور عصبیت کی وجہ سے اختلاف کی ممانعت

اس آیت میں تفرقہ کی ممانعت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ مسلمان دنیاوی امور' اغراض باطلہ' بغض' حسد اور عصبیت کی وجہ سے ایک دوسرے سے اختلاف نہ رکھیں اور تفرقہ میں نہ بٹ جائیں' مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ جب بھی مسلمان تفرقہ کا شکار ہوئے عنان حکومت ان کے ہاتھ سے جاتی رہی اور یا تو وہ صفحہ ہستی سے مٹا دیئے گئے یا غیر قوموں کے محکوم اور غلام بن گئے' اندلس میں مسلمانوں نے آٹھ سو سال حکومت کی لیکن آپس کے تفرقہ کی وجہ سے

عیسائیوں نے پورے اسپین پر قبضہ کرلیا اور مسلمانوں کے لیے صرف تین راستے رکھے اندلس سے نکل جاؤ' عیسائی ہو جاؤ یا پھر مرنے کے لیے تیار رہو حتی کہ ایک وقت ایسا آیا کہ پورے اسپین میں ایک بھی مسلمان نہ رہا' بغداد میں اسی تفرقہ بازی اور شیعہ سنی اختلاف کی وجہ سے مسلمان کمزور ہو گئے اور ہلاکو کے ہاتھوں مسلمانوں کی ذلت کی ایک اور تاریخ لکھی گئی' ہندوستان میں مسلمانوں نے کئی صدیوں تک حکومت کی لیکن جب مسلمان طوائف الملوکی کا شکار ہو گئے اور شراب اور موسیقی میں ڈوب گئے تو انگریزوں کی غلامی ان کا مقدر بن گئی' مشرقی پاکستان میں جب مسلمان اردو اور بنگلہ کے اختلاف کا شکار ہوئے تو مشرقی پاکستان ختم ہو گیا اور اب کراچی میں مہاجر اور غیر مہاجر کا اختلاف زور پر ہے۔ اللہ جانے یہ قوم اس اختلاف سے نکل آتی ہے یا اپنی تباہ کاریوں کی ایک اور تاریخ رقم کرتی ہے' بہر حال اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس قسم کے اختلاف سے روکا اور منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (الانفال : ۴۶) اور آپس میں جھگڑا نہ کرو' ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کا ایک دوسرے پر رحم کرنا' ایک دوسرے سے دوستی رکھنا اور ایک دوسرے پر نرمی کرنا تم دیکھو گے کہ اس کی مثال ایک جسم کی طرح ہے' جب جسم کے ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم درد اور تکلیف سے بے قرار رہتا ہے اور جاگتا رہتا ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن' مومن کے لیے ایک دیوار کی طرح ہے جس کے بعض اجزاء بعض کو مضبوط کرتے ہیں' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیاں انگلیوں میں ڈالیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں فرمایا یہ کون سا دن ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں' آپ نے فرمایا یہ یوم حرام ہے' آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا شہر ہے؟ صحابہ نے کہا اللہ اور اس کے رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ شہر حرام ہے' کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں' آپ نے فرمایا یہ ماہ حرام ہے' آپ نے فرمایا اللہ نے تم پر تمہارے خون' تمہارے مال اور تمہاری عزتیں اس طرح حرام کر دیں ہیں جس طرح اس دن کی اس مہینہ میں اس شہر میں حرمت ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو' ایک دوسرے سے حسد نہ کرو' ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو' اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ' اور کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ (گناہ کبیرہ) اور اس کو قتل کرنا کفر ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو فسق کی تہمت لگائے نہ کفر کی۔ ورنہ اگر وہ شخص اس کا مستحق نہ ہوا تو وہ (فسق یا کفر) کہنے والے کی طرف لوٹ آئے گا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۹۳ – ۸۸۹ ' ملتقطاً " مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ' ۱۳۸۱ھ)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ بغاوت کرنے والے اور قطع رحم کرنے والے کو اخروی سزا کے باوجود جس قدر جلد دنیا میں سزا دیتا ہے کسی اور کو سزا نہیں دیتا۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۱۶ ' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ' ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسد کرنے سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۱۶ ' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ' ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر پیر اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں ' اور ان دونوں دنوں میں ہر اس بندے کی مغفرت کر دی جاتی ہے جس نے شرک نہ کیا ہو مگر ان دو شخصوں کی مغفرت نہیں کی جاتی جو آپس میں عداوت رکھتے ہوں ' ان کے متعلق کہا جاتا ہے ان کو مہلت دو حتی کہ یہ آپس میں صلح کر لیں۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۱۷ ' مطبوعہ لاہور ' ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو اس عبادت کی خبر نہ دوں جس کا نماز ' روزہ اور صدقہ سے زیادہ اجر ہے؟ صحابہ نے عرض کیا! کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا دو لڑے ہوئے شخصوں میں صلح کرانا۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۱۷ ' مطبوعہ لاہور ' ۱۴۰۵ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کسی مسلمان کے لیے تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے ترک تعلق رکھنا جائز نہیں ہے ' اور جس نے تین دن سے زیادہ ترک تعلق رکھا اور مر گیا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۱۷ ' مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور ' ۱۴۰۵ھ)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر چڑھ کر بہ آواز بلند ندا کی : اے لوگو! جو زبان سے اسلام لائے ہو اور تمہارے دلوں تک ایمان نہیں پہنچا ' مسلمانوں کو ایذاء نہ دو ' ان کو عار نہ دلاؤ ' ان کے عیوب نہ تلاش کرو ' کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیوب تلاش کرے گا ' اللہ اس کے عیوب کو ظاہر کر دے گا ' اور جس کے عیوب کو اللہ ظاہر کر دے گا اس کو رسوا کر دے گا ' خواہ وہ کجاوے کے اندر چھپا ہو ' حضرت ابن عمر نے ایک دن کعبہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو کس قدر عظیم ہے اور تیری حرمت کس قدر عظیم ہے اور اللہ کے نزدیک مومن کی حرمت تجھ سے زیادہ ہے۔ (جامع ترمذی ص ۲۹۷ ' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اندھی حمایت کے جھنڈے تلے لڑا وہ کسی عصبیت کی دعوت دیتا تھا یا عصبیت کی آگ بھڑکاتا تھا وہ جاہلیت کی موت مرا۔ (سنن ابن ماجہ ص ۲۸۷ ' مطبوعہ کراچی)

فسیلہ کہتی ہیں کہ میرے والد بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا کسی شخص کا اپنی قوم سے محبت رکھنا عصبیت ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں! لیکن عصبیت یہ ہے کہ کوئی شخص ظلم کے باوجود اپنی قوم کی مدد کرے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو گی۔ جب تم اختلاف دیکھو تو سواد اعظم کے ساتھ رہو۔ (سنن ابن ماجہ ص ۲۸۳' مطبوعہ کراچی)

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا آج وہ لوگ کہاں ہیں جو میری ذات کی وجہ سے آپس میں محبت کرتے تھے؟ میں انہیں آج اپنے سائے میں رکھوں گا جس دن میرے سوا اور کسی کا سایہ نہیں ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ میری وجہ سے باہم محبت رکھتے ہیں' جو میری وجہ سے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں ان کے لیے میری محبت واجب ہو گئی۔ (موطا امام مالک ص ۷۳۳' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

فرعی اور اجتہادی مسائل میں اختلاف کی گنجائش

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اصول دین اور عقائد میں اختلاف جائز نہیں ہے اور نہ حسد اور بغض کی وجہ سے باہم اختلاف کرنا جائز ہے' البتہ مسائل فرعیہ میں ایک دوسرے سے اختلاف کرنا جائز ہے اور اس کی اصل یہ حدیث ہے :

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احزاب سے لوٹے تو آپ نے فرمایا : بنو قریظہ ہی میں پہنچ کر نماز پڑھنا' راستہ میں نماز کا وقت آ گیا بعض صحابہ نے کہا جب تک ہم بنو قریظہ نہ پہنچ جائیں نماز نہیں پڑھیں گے اور بعض صحابہ نے کہا : نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مراد نہیں تھی' ہم نماز پڑھیں گے' بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے ان میں سے کسی فریق کو ملامت نہیں کی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۲۹)

بعض مسائل میں صحابہ کرام کا اختلاف رہا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جنبی کے لیے تیمم کے جواز کے قائل نہیں تھے اور حضرت عمار بن یاسر اور حضرت ابو موسیٰ اشعری اور دیگر صحابہ کرام اس کے جواز کے قائل تھے' احرام باندھنے سے پہلے غسل کر کے خوشبو لگانے کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ناجائز کہتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو جائز کہتی تھیں' حضرت عمر فرماتے تھے کہ میت پر نوحہ کرنے سے اس میت کو عذاب ہوتا ہے' حضرت عائشہ فرماتی تھیں یہ نوحہ کرنے والوں کا گناہ ہے اس میں میت کو عذاب کیوں ہو گا؟ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما حج تمتع کو ناجائز کہتے تھے اور باقی صحابہ اس کو جائز کہتے تھے' ان تمام مذکورہ اختلافات صحابہ کی مثالیں صحیح بخاری اور دیگر حدیث کی کتابوں میں ہیں۔

نیز حافظ سیوطی نے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ (الجامع الصغیر ج ۱ ص ۴۸' مطبوعہ بیروت)

اس حدیث کو نصر المقدسی نے الحجۃ میں اور امام بیہقی نے الرسالۃ الاشعریۃ میں بغیر سند کے ذکر کیا ہے اور حلیمی قاضی حسین اور امام الحرمین وغیرہ نے بھی اس کو وارد کیا ہے اور شاید کہ حفاظ کی بعض کتب میں اس کی تخریج ہے جو ہم کو نہیں ملی۔

بعض چیزیں ایک امام کے نزدیک حرام ہیں اور دوسرے امام کے نزدیک حلال ہیں اس سے امت کے لیے عمل میں

وسعت پیدا ہو گئی مثلاً امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک خنزیر کے سوا تمام سمندری جانور حلال ہیں (امام شافعی کے بعض اقوال کے مطابق سمندری خنزیر بھی حلال ہے' امام مالک نے بعض اقوال میں سمندری خنزیر کے متعلق توقف کیا ہے' اور امام احمد کے نزدیک جو جانور صرف پانی میں زندہ رہتے ہوں وہ سب حلال ہیں' انہوں نے سمندری خنزیر کا استثناء نہیں کیا۔) اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک مچھلی کے سوا تمام سمندری جانور حرام ہیں' اتفاق سے ساحلی علاقوں اور جزائر (مثلاً انڈونیشیا' ملائشیا اور مراکش وغیرہ) میں رہنے والے امام شافعی اور امام مالک کے پیروکار ہیں اور ان کے مذہب کے مطابق ان کے پیروکاروں کے لیے سمندری جانوروں سے غذا حاصل کرنا آسان ہو گیا' اور امام ابو حنیفہ کے اکثر مقلدین خشکی کے علاقوں (مثلاً برصغیر' ترکی' وسط ایشیاء کی نو آزاد ریاستیں) میں رہنے والے ہیں لہٰذا ان کے لیے سمندری جانوروں کے حرام ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ خلاصہ یہ ہے کہ فرعی مسائل میں اختلاف امت کے لیے رحمت اور وسعت کا باعث ہے اور یہ ممنوع نہیں ہے۔ اسی طرح بعض احادیث میں ہے نبی ﷺ نے نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھے' بعض میں ہے آپ نے ناف کے نیچے ہاتھ باندھے' بعض احادیث میں ہے آپ نے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا اور بعض میں ہے آپ نے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد بھی رفع یدین کیا' اسی طرح آپ نے نماز میں آہستہ آمین بھی کہی ہے اور بلند آواز سے بھی' اور ائمہ اربعہ میں سے ہر امام نے آپ کی کسی نہ کسی حدیث پر عمل کیا ہے اگر یہ اختلاف نہ ہوتا اور یہ سب ایک ہی طریقہ سے نماز پڑھتے تو آپ کے کئے ہوئے باقی اعمال متروک ہو جاتے' اس اختلاف ائمہ کے سبب آپ کا کوئی عمل متروک نہیں ہوا اور آپ کا ہر عمل کسی نہ کسی امام کا مذہب بن کر قیامت تک کے مسلمانوں کی عبادات میں محفوظ ہو گیا تو اس اختلاف کی اس سے بڑھ کر اور کیا رحمت ہو گی!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم (آپس میں) دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی تو تم اس کے کرم سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے۔ (آل عمران : ۱۰۳)

اوس اور خزرج پر اللہ تعالیٰ کے دنیاوی اور اخروی احسانات

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے پہلے حصہ میں مسلمانوں کو دین اسلام کی وحدت کے ساتھ متحد رہنے اور مسلمانوں کو اپنی جماعت کے ساتھ وابستہ رہنے اور تفرقہ نہ کرنے کی تلقین کی تھی اور آیت کے اس درمیانی حصہ میں یہ بتایا کہ وہ پہلے افتراق اور انتشار کا شکار تھے اور مختلف ٹکڑوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو دولت اسلام عطا فرمائی اور وہ سب رشتہ اسلام میں منسلک ہو گئے اور جو ایک دوسرے کی جان کے دشمن تھے وہ الفت اور محبت کے ساتھ آپس میں بھائی بھائی ہو گئے سو اب ان کو چاہیے کہ اس نعمت کی قدر کریں اور اس اتحاد اور اتفاق کو قائم رکھیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

یہ لوگ پہلے شرک اور بت پرستی کرتے تھے اور دنیا میں کفر کی وجہ سے قتل کیے جانے کے مستحق تھے اور آخرت میں دائمی عذاب کے سزاوار تھے۔ اب اسلام کی بدولت وہ دنیا میں قتل اور آخرت میں دائمی عذاب سے محفوظ ہو گئے بلکہ باقی دنیا اور آنے والی نسلوں کے لیے ہادی اور رہنما بن گئے۔ عرب کے دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج تھے۔ زمانہ جاہلیت میں ان کے درمیان ایک سو بیس سال سے شدید عداوت چلی آرہی تھی اور دونوں قبیلے ایک دوسرے کو قتل کرنے کے موقع کی تلاش میں رہتے تھے اور جب یہ لوگ اسلام میں داخل ہوئے تو ان کی دشمنیاں ایک دوسرے کے ساتھ محبت' خیر خواہی اور تعاون میں بدل گئیں اور یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام اور احسان ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِہِمۡ ؕ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَیۡنَ قُلُوۡبِہِمۡ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیۡنَہُمۡ ؕ اِنَّہٗ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ (الانفال : ۶۳)

اور (اللہ نے ہی) مسلمانوں کے دلوں میں الفت پیدا کی' اگر آپ زمین کا سب کچھ بھی خرچ کر دیتے تو ان کے دلوں میں الفت پیدا نہیں کر سکتے تھے لیکن اللہ نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کی' بے شک وہ بہت غلبہ والا ہے' بڑی حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اس لیے نازل فرمائی ہیں کہ مسلمان ان سے ہدایت حاصل کریں اور ان کی ہدایت دائمی اور ترقی پذیر رہے حتیٰ کہ وہ پھر جاہلیت اولیٰ کی طرف نہ لوٹ جائیں اور اپنے اتحاد اور جمعیت کو ٹوٹنے سے بچائے رکھیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ کوئی نعمت دے کر اس وقت تک اس نعمت کو سلب نہیں فرماتا جب تک کہ وہ لوگ اپنے عمل سے خود کو اس نعمت کا نااہل ثابت نہ کر دیں' اس نعمت کی قدر نہ کریں اور اس نعمت کے تقاضوں پر عمل نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تم کو اس سے نجات دی' اللہ اسی طرح تمہارے لیے اپنی آیتوں کو بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ (آل عمران : ۱۰۳)

اس سے پہلے اس آیت کے درمیانی حصہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یاد دلایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو انتشار اور افتراق سے نکال کر اتحاد اور اتفاق کے راستہ پر ڈال دیا اور دشمنوں کو دوستوں سے بدل دیا اور اب اس آیت کے اس آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا اخروی احسان یاد دلایا ہے کہ مسلمان دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس گڑھے سے نکال کر جنت کے راستے پر لا کھڑا کیا۔

وَلۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَیَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ

اور تم میں ایسے لوگوں کی ایک جماعت ہونی چاہیے جو اچھائی کی طرف بلائیں اور نیک کاموں کا حکم دیں

وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَکُوۡنُوۡا

اور بُرے کاموں سے منع کریں، اور وہی لوگ فلاح کو پہنچنے والے ہیں ○ اور تم ان لوگوں

کَالَّذِیۡنَ تَفَرَّقُوۡا وَاخۡتَلَفُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَہُمُ الۡبَیِّنٰتُ ؕ

کی طرح نہ ہو جاؤ جو منتفرق ہو گئے اور انھوں نے واضح دلائل آنے کے باوجود اختلاف کیا اور وہی لوگ

وَاُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۰۵﴾ لا یَّوۡمَ تَبۡیَضُّ وُجُوۡہٌ وَّتَسۡوَدُّ

ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے ○ جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض

وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ ۚ أَكَفَرْتُم بَعْدَ

چہرے سیاہ ہوں گے سو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے ایمان لانے کے

إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿١٠٦﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ

بعد کفر کیا؟ سو اب تم عذاب (کا مزہ) چکھو اس سبب سے کہ تم کفر کرتے تھے ○ اور جن لوگوں کے چہرے

ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٠٧﴾

سفید ہوں گے سو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا

یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کو ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت فرماتے ہیں اور اللہ جہان والوں پر ظلم کا ارادہ

لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠٨﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَ

نہیں کرتا ○ اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے

إِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿١٠٩﴾

اور اللہ ہی کی طرف تمام چیزیں لوٹائی جائیں گی ○

ربط آیات اور مناسبت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار اہل کتاب کی دو وجہ سے مذمت فرمائی تھی ایک یہ کہ وہ خود کافر اور گمراہ ہیں اس لیے فرمایا اے اہل کتاب! تم اللہ کی آیتوں کے ساتھ کیوں کفر کرتے ہو (آل عمران : ۹۸) اور دوسری اس وجہ سے کہ وہ مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں لہذا فرمایا : اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے (آل عمران : ۱۰۲) اور چونکہ گمراہ کرنے کی وجہ سے اہل کتاب کی مذمت کی تھی اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا اور تم میں ایسے لوگوں کی ایک جماعت ہونی چاہیے جو نیک کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق قرآن مجید کی مزید آیات

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ (آل عمران : ۱۱۰)

ان سب امتوں میں جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہیں تم بہترین امت ہو تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔

يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ (لقمان : ۱۷)

اے میرے بیٹے نماز قائم رکھ' اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روک۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ (الحجرات : ۹)

اور اگر ایمان والوں کی دو جماعتیں آپس میں جنگ کریں تو ان میں صلح کرا دو پھر اگر ان میں سے ایک جماعت دوسری پر زیادتی کرے تو اس جماعت سے جنگ کرو جو زیادتی کرے حتی کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ○ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ○ (المائدہ : ۷۹-۷۸)

بنو اسرائیل سے جنہوں نے کفر کیا وہ داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان پر لعنت کیے گئے' اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے نافرمانی کی' اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے' وہ ایک دوسرے کو ان برے کاموں سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کیے تھے۔ یقیناً وہ بہت ہی برے کام کرتے تھے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے متعلق احادیث اور آثار

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں حضرت ابو سعید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے جس شخص نے برائی کو دیکھا وہ اپنے ہاتھ سے برائی کو مٹائے' اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے مٹائے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اس کو برا جانے' اور یہ سب سے کمزور درجہ کا ایمان ہے۔
(صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۱' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حافظ زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی متوفی ۶۵۶ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا سلطان یا ظالم امیر کے سامنے حق بات کہنا سب سے افضل جہاد ہے۔ (سنن ابوداؤد' جامع ترمذی' سنن ابن ماجہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا سید الشہداء حمزہ بن عبد المطلب ہیں' اور وہ شخص جس نے ظالم حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا اور اس ظالم حاکم نے اسے قتل کر دیا اس حدیث کو امام ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ حاکم نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ نے جس نبی کو بھی مجھ سے پہلے کسی امت میں مبعوث فرمایا اس نبی کے اس امت میں حواری ہوتے تھے' اور اس کے اصحاب ہوتے تھے جو اس کی سنت پر عمل کرتے تھے اور اس کے حکم پر عمل کرتے تھے' پھر ان کے بعد ایسے برے لوگ آئے جو ایسی باتیں کرتے تھے جس پر خود عمل نہیں کرتے تھے اور ایسے کام کرتے تھے جن کا انہیں حکم نہیں دیا گیا تھا' سو جو ان کے ساتھ ہاتھ سے جہاد کرے وہ مومن ہے' اور جو ان کے ساتھ زبان سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے' اس کے علاوہ ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ (صحیح مسلم)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو ورنہ عنقریب اللہ تم پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا تم اس سے دعا کرو گے اور تمہاری دعا قبول نہیں ہو گی۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے آپ کو حقیر نہ جانے صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی شخص کیسے اپنے آپ کو حقیر جانے گا؟ آپ نے فرمایا: وہ یہ گمان کرے گا کہ اس کے اوپر کلام کی گنجائش ہے پھر وہ کلام نہیں کرے گا' اللہ عزوجل قیامت کے دن اس سے فرمائے گا تمہیں میرے متعلق کس چیز نے کلام سے روکا تھا؟ وہ کہے گا لوگوں کے خوف نے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں اس کا زیادہ حقدار تھا کہ تم مجھ سے خوف کھاتے' اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بنو اسرائیل گناہوں میں مبتلا ہو گئے تو ان کے علماء نے ان کو منع کیا' وہ باز نہ آئے' وہ علماء ان کی مجالس میں بیٹھتے رہے' اور ان کے ساتھ مل کر کھاتے پیتے رہے' تو اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کے دل ان جیسے کر دیئے' اور حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کی زبانوں سے ان پر لعنت کی' کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی تھی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے' پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے ہوئے تھے پھر آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے حتیٰ کہ وہ اپنے نفس کو اتباع حق پر لازم کر لیں' اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی قوم میں رہ کر گناہ کر رہا ہو اور وہ لوگ اس کو گناہ سے روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو مرنے سے پہلے عذاب میں مبتلا کرے گا' اس حدیث کو امام ابوداؤد' امام ابن ماجہ اور امام ابن حبان نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو:

يَاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ (المائدہ: ۱۰۵)

اے ایمان والو تم اپنی جانوں کی فکر کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کسی کی گمراہی تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جب لوگ کسی شخص کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں اور اس کے ہاتھ کو نہ پکڑیں تو عنقریب اللہ ان سب پر عذاب نازل فرمائے گا۔ اس حدیث کو امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میری امت میں ان لوگوں کو دیکھو جو ظالم کو ظالم کہنے سے ڈریں تو تم ان سے الگ ہو جاؤ۔ اس حدیث کو امام حاکم نے روایت کیا اور کہا یہ صحیح الاسناد ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور نیکی کا حکم نہ دے اور برائی سے نہ روکے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

(مسند احمد' جامع ترمذی' صحیح ابن حبان) (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۳۳۔ ۲۲۳' ملتقطاً" مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۰۷ھ)

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

امام بزار حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے اور امام طبرانی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ضرور نیکی کا حکم دیتے رہنا اور برائی سے منع کرتے رہنا ورنہ تم پر تم ہی میں سے برے لوگ مسلط کر دیئے جائیں گے پھر تمہارے نیک لوگ دعا کریں گے تو ان کی دعا قبول نہیں ہوگی' امام ترمذی کی روایت میں ہے: ورنہ اللہ

تعالیٰ تم پر عذاب نازل فرمائے گا پھر تم اللہ سے دعا کرو گے تو تمہاری دعا قبول نہیں ہو گی۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام ابن ماجہ نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے:

اللہ تعالیٰ بندے سے سوال کرے گا: جب تو نے برائی کو دیکھا تو اس کو روکنے سے تجھ کو کس چیز نے منع کیا تھا؟ اور جب اللہ تعالیٰ بندے کو حجت کی تلقین کر دے گا تو وہ کہے گا: مجھے تجھ سے امید تھی اور میں لوگوں سے ڈرتا تھا۔! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا (اتحاف السادۃ المتقین ج ۷ ص ۱۲۔ ۶، ملخصا" مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر '۱۳۱۱ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا خاموش رہنے سے بہتر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مقام پر کھڑا ہو کر حق بات کہہ سکتا ہے اس کو حق بات کہہ دینی چاہیے کیونکہ یہ (حق کہنا) اس کی موت کو مقدم کر سکتا ہے نہ اس کو اس کے لکھے ہوئے رزق سے محروم کر سکتا ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ افضل جہاد ظالم سلطان کے سامنے حق بات کہنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے نیکی کا حکم دیا نہ برائی سے روکا وہ ہلاک ہو گیا۔

حضرت ابن عباس نے سعید بن جبیر سے فرمایا اگر تم کو یہ خوف ہو کہ نیکی کا حکم دینے سے تمہارا امام تمہیں قتل کر دے گا تو پھر چھوڑ دو۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف یہ وحی فرمائی کہ فلاں شہر کو شہر والوں سمیت الٹ دو، حضرت جبرائیل نے کہا اے میرے رب ان میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے کی مقدار بھی تیری نافرمانی نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس شہر کو الٹ دو وہ بندہ میری وجہ سے ایک ساعت کے لیے بھی ناراض نہیں ہوا۔

مالک بن دینار کہتے ہیں کہ ہم نے دنیا کی محبت کی وجہ سے دنیاداروں سے صلح کر لی ہے ہم میں سے کوئی کسی کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور نہ برائی سے روکتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیں اس حال پر نہیں چھوڑے گا، کاش مجھے علم ہوتا کہ کون سا عذاب نازل ہو گا۔ (شعب الایمان ج ۶ ص ۹۷۔ ۹۲، ملتقطا" مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۰ھ)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تفصیل اور تحقیق

برائی سے روکنا اور نیکی کا حکم دینا فرض کفایہ ہے، جب بعض لوگ اس فرض کو ادا کر لیں تو باقیوں سے اس کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے اور جب تمام لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کر دیں تو سب گنہ گار ہوں گے، اور جس جگہ کوئی اور شخص برائی سے روکنے والا نہ ہو اور وہاں صرف ایک عالم ہو تو اس پر برائی سے روکنا فرض عین ہے۔ مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی کو، اپنی اولاد کو یا اپنے نوکر کو کوئی برا کام کرتے ہوئے دیکھے یا کسی نیکی میں تقصیر کرتا ہوا پائے تو اس کے لیے نہی عن المنکر فرض ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ شخص خود کامل ہو تمام احکام شرعیہ پر عامل اور تمام

محرمات شرعیہ سے مجتنب ہو اور نہ ہی یہ حکام کے ساتھ خاص ہے اور نہ ہی علماء کے ساتھ مخصوص ہے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو احکام ظاہر اور مشہور ہیں مثلاً نماز' روزہ کی فرضیت' جھوٹ' قتل' زنا اور چوری وغیرہ کی حرمت ان کا علم ہر مسلمان کو ہے اور ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ مثلاً نماز نہ پڑھنے اور جھوٹ بولنے پر ٹوکے اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور جو احکام شرعیہ غامض اور دقیق ہیں یا جن کا تعلق اجتہاد سے ہے عام لوگوں کا ان میں دخل نہیں ہے اور نہ وہ اس میں انکار کر سکتے ہیں (مثلاً روزہ میں انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں' ٹیلی فون پر نکاح ہوتا ہے یا نہیں' اعضاء اور قرنیہ کی پیوند کاری' انتقال خون وغیرہ) جو مسئلہ اجتہادی اور مختلف فیہ ہو' مثلاً کسی مجتہد کے نزدیک جائز اور کسی کے نزدیک ناجائز ہو اور عمل کرنے والا کسی مفتی کے فتویٰ کے مطابق عمل کر رہا ہو تو اس کو گناہ نہیں ہوگا خواہ وہ دوسرے مجتہد کے نزدیک ناجائز ہی کیوں نہ ہو' ایسی صورت میں بھی عالم کو چاہیے کہ اس کو ٹوکے تاکہ وہ ایسی صورت پر عمل کرے جس میں کسی مجتہد کا اختلاف نہ ہو (مثلاً بیمار روزہ دار' اگر روزہ میں انجکشن لگواتا ہے تو اس روزہ کی قضا کرلے۔)

برائی سے روکنے کے لیے تادیب اور تعزیر کے مراتب

علامہ ابوبکر جصاص حنفی لکھتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ (المائدہ: ۱۰۵)

اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو' جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

حضرت ابوبکر نے ایک خطبہ میں اس آیت کو تلاوت کر کے فرمایا تم اس آیت کا غلط مطلب لیتے ہو' ہم نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب لوگ کسی ظلم کرنے والے کو دیکھیں اور اس کے ہاتھوں کو نہ پکڑیں تو قریب ہے اللہ تعالیٰ ان سب پر عذاب نازل فرمائے' ابو امیہ شعبانی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ابوثعلبہ خشنی سے اس آیت کے متعلق پوچھا انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا تھا' آپ نے فرمایا تم نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو حتیٰ کہ جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جا رہی ہے اور خواہش کی پیروی کی جا رہی ہے' دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے' اور ہر شخص اپنی رائے پر اترا رہا ہے' اس وقت تم صرف اپنی جان کی فکر کرو اور عوام کو چھوڑ دو' کیونکہ تمہارے بعد صبر کے ایام ہیں' ان ایام میں صبر کرنا انگارے پکڑنے کے مترادف ہے اس وقت میں ایک عمل کرنے والے کو پچاس عمل کرنے والوں کا اجر ملے گا۔

یہ حدیث اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے دو حال ہیں ایک حال وہ ہے جس میں برائی کو بدلنا اور اس کو مٹانا ممکن ہے' اس حال میں جس شخص کے لیے برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹانا ممکن ہو اس پر اس برائی کو مٹانا فرض ہے' اور اس کی کئی صورتیں ہیں' ایک صورت یہ ہے کہ وہ برائی کو تلوار سے مٹائے مثلاً ایک شخص اس کو یا کسی اور شخص کو قتل کرنے کا قصد کرے' یا اس کا مال لوٹنے کا قصد کرے' یا اس کی بیوی سے زنا کرنے کا قصد کرے' اور اس کو یقین ہو کہ زبانی منع کرنے سے وہ باز نہیں آئے گا یا بغیر ہتھیار کے اس سے جنگ کی (مثلاً تھپڑ یا مکہ مارا) تب بھی باز نہ آئے گا تب اس پر لازم ہے کہ اس کو قتل کر دے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: "تم میں سے جو شخص برائی دیکھے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹائے۔" اور جو شخص برائی کر رہا ہے اگر اس کو قتل کیے بغیر اس برائی کو مٹانا ممکن نہ ہو تو اس کو قتل کرنا اس پر فرض ہے' اور اگر اس کو ظن غالب ہو کہ بغیر ہتھیار کے بھی اس برائی کو مٹانا ممکن ہے (مثلاً تھپڑ اور مکے مارنے سے) تو پھر

اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے' اور اگر اس کو یہ گمان ہو کہ اب اگر اس کو بغیر ہتھیار کے مارا یا زبان سے منع کیا تو یہ باز آ جائے گا لیکن بعد میں اتنی سزا سے باز نہیں آئے گا اور اس کو قتل کیے بغیر یہ برائی نہیں مٹ سکے گی تو پھر اس کو قتل کرنا لازم ہے۔ ایک آدمی کے لیے ملکی قانون کو ہاتھ میں لینا جائز نہیں ہے' البتہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی جان یا مال یا عزت پر حملہ آور ہو تو وہ اپنی یا دوسرے مسلمان کی جان' مال اور عزت بچانے کے لیے مزاحمت کرے اور اگر اس مزاحمت کے دوران وہ حملہ آور اس کے ہاتھوں مارا جائے تو اس سے شرعاً" کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

ابن رستم نے امام محمد سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے کسی کا سامان چھین لیا تو تمہارے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے حتی کہ تم اس کا سامان چھڑا لو' اور اس آدمی کو واپس کر دو' اسی طرح امام ابوحنیفہ نے فرمایا جو چور مکانوں میں نقب لگا رہا ہو' تمہارے لیے اس کو قتل کرنا جائز ہے اور جو آدمی تمہارا دانت توڑنا چاہتا ہو (مدافعت میں) تمہارا اس کو قتل کرنا جائز ہے بہ شرطیکہ تم ایسی جگہ پر ہو جہاں لوگ تمہاری مدد کو نہ پہنچیں' اور ہم نے جو یہ ذکر کیا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ (الحجرات: ۹) جو جماعت زیادتی کرے اس سے اس وقت تک جنگ کرو حتی کہ وہ اللہ کے امر کی طرف لوٹ آئے۔

اسی طرح حدیث میں ہے: "تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے مٹائے۔" اس لیے جب کوئی شخص کسی برائی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے مٹائے خواہ برائی کرنے والے کو قتل کرنا پڑے' اور اگر وہ زبان سے منع کرنے سے باز آ جائے تو اس کو زبان سے منع کرے' یہ حکم ہر اس برائی کے لیے ہے جو علی الاعلان کی جا رہی ہو اور اس پر اصرار کیا جا رہا ہو' مثلاً کوئی شخص بھتہ اور جبری ٹیکس وصول کرے' اور جب ہاتھ سے برائی کو مٹانا اور زبان سے منع کرنا دونوں میں اس کی جان کو خطرہ ہو تو اس کے لیے سکوت جائز ہے اور اس وقت اس پر لازم ہے کہ اس برائی سے اور ان برائی کرنے والوں سے الگ ہو جائے۔

قرآن مجید میں ہے:

عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ تم اپنی جانوں کی فکر کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تم کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: جب تک تمہاری بات کو قبول کیا جائے تم نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو' اور جب تمہاری بات کو قبول نہ کیا جائے تو پھر تم اپنی جان کی فکر کرو' اسی طرح حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیکی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو حتی کہ جب تم یہ دیکھو کہ بخل کی اطاعت کی جا رہی ہے' خواہش کی پیروی کی جا رہی ہے دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر شخص اپنی رائے پر اترا رہا ہے تو پھر تم اپنی جان کی فکر کرو اور لوگوں کی فکر کرنا چھوڑ دو' اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو قبول نہ کریں اور اپنی خواہشات اور آراء کی پیروی کریں تو پھر تمہارے لیے ان کو چھوڑنے کی گنجائش ہے اور تم اپنی فکر کرو اور لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور جب لوگوں کا یہ حال ہو تو پھر آپ نے برائی پر ٹوکنے کو ترک کرنا مباح کر دیا۔

بغیر علم کے وعظ اور تبلیغ کرنا حرام ہے

وعظ، تقریر اور تبلیغ دین کے ذریعہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا علماء دین کا منصب ہے اور علم دین کی حسب ذیل شرائط ہیں :

(۱) عربی لغت، صرف اور نحو کا عالم ہو تاکہ عربی عبارت بغیر اعراب کے صحیح پڑھ سکے اور قرآن مجید اور احادیث کا صحیح ترجمہ کر سکے۔

(۲) قرآن مجید، احادیث، آثار صحابہ، نبی ﷺ اور خلفاء راشدین کی سیرت اور فقہ کا عالم ہو اور اس پر کامل عبور رکھتا ہو۔

(۳) مسلک حق اہل سنت و جماعت کے عقائد اور ان کے دلائل کا عالم ہو اور باطل فرقوں کے رد کی کامل مہارت رکھتا ہو۔

(۴) پیش آمدہ مسائل کا حل قرآن، سنت، علم کلام اور فقہ کی کتابوں میں دیکھ کر بغیر کسی کی مدد کے نکال سکتا ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ (العنکبوت : ۴۳)

یہ مثالیں ہیں، جن کو ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں، ان کو صرف علماء ہی سمجھتے ہیں۔

قرآن مجید کی آیتوں کا ترجمہ کرنا، ان سے مسائل کا استنباط کرنا اور ان کی باریکیوں اور اسرار کو سمجھنا بغیر علوم کے ممکن نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان ہی لوگوں کو عالم فرمایا ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے بغیر علم کے قرآن مجید میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ (جامع ترمذی ص ۴۱۹، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا :

عرض : کیا واعظ کا عالم ہونا ضروری ہے؟

ارشاد : غیر عالم کو وعظ کہنا حرام ہے۔

عرض : عالم کی کیا تعریف ہے؟

ارشاد : عالم کی تعریف یہ ہے کہ عقائد سے پورے طور پر آگاہ ہو اور مستقل ہو اور اپنی ضروریات کو کتاب سے نکال سکے بغیر کسی کی مدد کے۔ (الملفوظ ج ۱ ص ۸ مطبوعہ لاہور)

کتاب سے مراد تفسیر، حدیث اور فقہ کی عربی کتابیں ہیں کیونکہ اعلیٰ حضرت نے اردو کی کتابیں پڑھ کر وعظ کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ عنقریب فتاوی رضویہ سے بیان کیا جائے گا۔

نیز اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

صوفی بے علم مسخرہ شیطان است وہ جانتا ہی نہیں، شیطان اپنی باگ ڈور پر لگا لیتا ہے، حدیث میں ارشاد ہوا بغیر فقہ کے عابد بننے والا ایسا ہے جیسے چکی میں گدھا کہ محنت شاقہ کرے اور حاصل کچھ نہیں۔

(الملفوظ ج ۳ ص ۲۹، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

نیز اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ بے علم واعظ کے متعلق لکھتے ہیں :

مسئلہ ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانہ میں بہت لوگ اس قسم کے ہیں کہ تفسیر و حدیث بے خواندہ و بے اجازت اساتذہ، بر سر بازار و مسجد وغیرہ بطور وعظ و نصائح کے بیان کرتے ہیں حالانکہ معنی و مطلب میں کچھ مس نہیں فقط اردو کتابیں دیکھ کر کہتے ہیں یہ کہنا اور بیان کرنا ان لوگوں کا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

حرام ہے اور ایسا وعظ سننا بھی حرام رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من قال فی القران بغیر علم فلیتبوا مقعدہ من النار۔ والعیاذ باللہ العزیز الغفار، والحدیث رواہ الترمذی و صححہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۱۸۸، مطبوعہ مکتبہ رضویہ لاہور)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ سے سوال کیا گیا کہ اگر بے علم اپنے آپ کو مولوی کہلوائے (آج کل تو بے علم' ناخواندہ' اور بے سند یافتہ اپنے آپ کو علامہ کہلواتے ہیں!) اور منبر پر بیٹھ کر وعظ کرے اس کا کیا حکم ہے تو اس کے جواب میں لکھتے ہیں :

یونہی اپنے آپ کو بے ضرورت شرعی مولوی صاحب لکھنا بھی گناہ و مخالف حکم قرآن عظیم ہے قال اللہ تعالیٰ ھو اعلم بکم اذ انشاکم من الارض واذ انتم اجنۃ فی بطون امھتکم فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقی ○ اللہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اوس نے تمہیں زمین سے اوٹھان دی اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں چھپے تھے تو اپنی جانوں کو آپ اچھا نہ کہو خدا خوب جانتا ہے جو پرہیزگار ہے۔ اور فرماتا ہے الم تر الی الذین یزکون انفسھم بل اللہ یزکی من یشاء کیا تم نے نہ دیکھا ان لوگوں کو جو آپ اپنی جان کو ستھرا بتاتے ہیں بلکہ خدا ستھرا کرتا ہے جسے چاہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من قال انا عالم فھو جاھل جو اپنے آپ کو عالم کہے وہ جاہل ہے رواہ الطبرانی فی الاوسط عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بسند حسن' ہاں اگر کوئی شخص حقیقت میں عالم دین ہو اور لوگ اس کے فضل سے ناواقف اور یہ اس سچی نیت سے کہ وہ آگاہ ہو کر فیض لیں ہدایت پائیں اپنا عالم ہونا ظاہر کرے تو مضائقہ نہیں جیسے سیدنا یوسف علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا تھا انی حفیظ علیم○ پھر یہ بھی سچے عالموں کے لیے ہے۔ زید جاہل کا اپنے آپ کو مولوی صاحب کہنا دونا گناہ ہے کہ اس کے ساتھ جھوٹ اور جھوٹی تعریف کا پسند کرنا بھی شامل ہوا قال اللہ عز و جل لا تحسبن الذین یفرحون بما اتوا ویحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا فلا تحسبنھم بمفازۃ من العذاب ولھم عذاب الیم○ ہرگز نہ جانیو تو انہیں جو اتراتے ہیں اپنے کام پر اور دوست رکھتے ہیں اسے کہ تعریف کیے جائیں اس بات سے جو انہوں نے نہ کی تو ہرگز نہ جانیو انہیں عذاب سے پناہ کی جگہ میں اور ان کے لیے دکھ کی مار ہے معالم شریف میں عکرمہ تابعی شاگرد عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں منقول یفرحون باضلالھم الناس وبنسبۃ الناس ایاھم الی العلم ولیسوا باھل العلم خوش ہوتے ہیں، لوگوں کو بہکانے پر اور اس پر کہ لوگ انہیں مولوی کہیں حالانکہ مولوی نہیں۔ جاہل کی وعظ گوئی بھی گناہ ہے۔ وعظ میں قرآن مجید کی تفسیر ہو گی یا نبی ﷺ کی حدیث یا شریعت کا مسئلہ اور جاہل کو

ان میں کسی چیز کا بیان جائز نہیں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من قال فی القران بغیر عم فلیتبوا مقعدہ من النار جو بے علم قرآن کی تفسیر بیان کرے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے رواہ الترمذی و صححہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما احادیث میں اسے صحیح و غلط و ثابت و موضوع کی تمیز نہ ہوگی اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں من یقل علی مالم اقل فلیتبوا مقعدہ من النار جو مجھ پر وہ بات کہے جو میں نے نہ فرمائی وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے رواہ البخاری فی صحیحہ عن سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ اور فرماتے ہیں ﷺ افتوا بغیر علم فضلوا واضلوا بے علم مسئلہ بیان کیا سو آپ بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا رواہ الائمۃ احمد والشیخان والترمذی وابن ماجہ عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما دوسری حدیث میں آیا حضور اقدس ﷺ نے فرمایا من افتی بغیر علم لعنتہ ملئکۃ السماء والارض جو بے علم فتویٰ دے اسے آسمان و زمین کے فرشتے لعنت کریں رواہ ابن عساکر عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجھہ یونہی جاہل کا پیر بننا لوگوں کو مرید کرنا چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانا چھوٹا منہ بڑی بات ہے پیر ہادی ہوتا ہے اور جاہل کی نسبت ابھی حدیثوں سے گزرا کہ ہدایت نہیں کر سکتا نہ قرآن سے نہ حدیث سے نہ فقہ سے ع کہ بے علم نتواں خدارا شناخت

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۰ ص ۹۶-۹۵ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

نیز بے علم کے فتویٰ دینے اور علماء کی توہین کرنے والے کے متعلق لکھتے ہیں :

الجواب : سند حاصل کرنا تو کچھ ضرور نہیں ہاں باقاعدہ تعلیم پانا ضرور ہے۔ مدرسہ میں ہو یا کسی عالم کے مکان پر اور جس نے بے قاعدہ تعلیم پائی وہ جاہل محض سے بدتر نیم ملا خطرہ ایمان ہوگا ایسے شخص کو فتویٰ نویسی پر جرات حرام ہے حدیث میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں من افتی بغیر علم لعنتہ ملئکۃ السماء والارض جو بے علم فتویٰ دے اس پر آسمان و زمین کے فرشتوں کی لعنت ہے اور اگر فتویٰ سے اگرچہ صحیح ہو وجہ اللہ مقصود نہیں بلکہ اپنا کوئی دنیاوی نفع منظور ہو تو یہ دوسرا سبب لعنت ہے کہ آیات اللہ کے عوض ثمن قلیل حاصل کرنے پر فرمایا گیا اولئک لا خلاق لھم فی الاخرۃ ولا یکلمھم اللہ ولا ینظر الیھم یوم القیمۃ ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم ○ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور اللہ ان سے کلام نہ فرمائے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر رحمت کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے' اور علمائے دین کی توہین کرنے والا منافق ہے۔ حدیث میں ہے نبی ﷺ فرماتے ہیں ثلثۃ لا یستخف بحقھم الا منافق بین النفاق ذوالعلم وذوالشیبۃ فی الاسلام وامام مقسط تین شخصوں کا حق ہلکا نہ جانے گا مگر جو منافق کھلا منافق ہو عالم اور وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا اور سلطان اسلام عادل' تحصیل زر کے لیے علماء و مسلمین پر بیجا حملہ کرنے والا ظالم ہے اور ظلم قیامت کے دن ظلمات' قاضی مذکور جیسے امام کے پیچھے بلاوجہ شرعی نماز ترک کرنا تفریق جماعت یا ترک جماعت ہے اور دونوں حرام و ناجائز۔ واللہ تعالٰی اعلم

(فتاویٰ رضویہ ۲/۱۰ ص ۳۰۸ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

بے علم کے وعظ کے متعلق اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

الجواب : (ا) اگر عالم ہے تو اس کا یہ منصب ہے اور جاہل کو وعظ کہنے کی اجازت نہیں وہ جتنا سنوارے گا اس سے زیادہ بگاڑے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ بیعت کی شرائط کے متعلق فرماتے ہیں :

بیعت اس شخص سے کرنا چاہئے جس میں یہ چار باتیں ہوں ورنہ بیعت جائز نہ ہو گی۔ اول سنی صحیح العقیدہ ہو‘ کم از کم اتنا علم ضروری ہے کہ بلا کسی امداد کے اپنی ضروریات کے مسائل کتاب سے خود نکال سکے۔ ثالثاً" اس کا سلسلہ حضور اقدس ﷺ تک متصل ہو کہیں منقطع نہ ہو‘ رابعاً" فاسق معلن نہ ہو۔ (الملفوظ ص ۵۲۳‘ مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

امربالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے خود نیک ہونا ضروری نہیں ہے

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ فرماتے ہیں :

قرآن مجید اور نبی ﷺ کی احادیث سے ہم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ امربالمعروف اور نہی المنکر فرض کفایہ ہے اور جب بعض لوگ اس فرض کو ادا کرلیں تو پھر باقیوں سے ساقط ہو جاتا ہے‘ اور اس فرض کی ادائیگی میں نیک اور بد کا کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی شخص کسی ایک فرض کو ترک کر دے تو اس کی وجہ سے باقی فرائض اس سے ساقط نہیں ہوتے‘ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص نماز نہ پڑھے تو اس سے روزہ اور دیگر عبادات کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی۔ اس طرح جو شخص تمام نیکیاں نہ کرے اور کسی برائی سے نہ رکے تو اس سے امربالمعروف اور نہی عن المنکر کی فرضیت ساقط نہیں ہوتی‘ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی خدمت میں صحابہ کی ایک جماعت حاضر ہوئی‘ انہوں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! یہ بتایئے کہ اگر ہم تمام نیکیوں پر عمل کرلیں حتی کہ کوئی نیکی باقی نہ بچے مگر ہم نے اس پر عمل کرلیا ہو اور تمام برائیوں سے بچیں حتی کہ کوئی برائی نہ بچے مگر ہم اس سے رک چکے ہوں تو کیا اس وقت ہمارے لیے امربالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک کرنے کی اجازت ہے؟ آپ نے فرمایا نیکیوں کا حکم دو‘ خواہ تم نے نیکیوں پر عمل نہ کیا ہو اور برائی سے روکو خواہ تم برائی سے نہ رکتے ہو۔ نبی ﷺ نے امربالمعروف اور نہی عن المنکر کی ادائیگی کو باقی تمام فرائض کی ادائیگی کے مساوی قرار دیا ہے‘ جس طرح بعض واجبات میں تقصیر کے باوجود دیگر فرائض کا ادا کرنا ساقط نہیں ہوتا‘ اسی طرح بعض واجبات میں تقصیر کے باوجود امربالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ساقط نہیں ہوتا۔

ہتھیاروں سے امربالمعروف اور نہی عن المنکر کو فتنہ کہنے کا بطلان

علماء امت میں سے صرف ایک جاہل قوم نے یہ کہا کہ باغی جماعت سے قتال نہ کیا جائے اور ہتھیاروں کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کیا جائے انہوں نے کہا جب امربالمعروف اور نہی عن المنکر میں ہتھیار اٹھانے کی ضرورت پڑے تو یہ فتنہ ہے‘ حالانکہ قرآن مجید میں ہے :

فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ ۚ جو جماعت بغاوت کرے اس سے جنگ کرو حتی کہ وہ اللہ کے امر کی طرف لوٹ آئے۔

ان لوگوں نے یہ کہا کہ سلطان کے ظلم اور جور پر انکار نہ کیا جائے‘ البتہ سلطان کا غیر اگر برائی کرے‘ اس کو قول سے منع کیا جائے اور بغیر ہتھیار کے ہاتھ سے منع کیا جائے۔ یہ لوگ بدترین امت ہیں۔ امام ابوداؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : سب سے افضل جہاد یہ ہے کہ ظالم سلطان یا ظالم امیر کے سامنے کلمہ حق کہا جائے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا سید الشہداء حمزہ بن عبدالمطلب ہیں اور وہ شخص جس نے ظالم حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر اس کو نیکی کا حکم دیا اور برائی سے روکا

اور اس کی پاداش میں اس کو قتل کر دیا گیا۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۳۴۔۳۰ ' ملخصاً " مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

کسی شخص سے محبت کی وجہ سے امر بالمعروف کو ترک نہ کیا جائے

کسی شخص سے دوستی اور محبت کی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ترک نہیں کرنا چاہیے' نہ کسی شخص کے نزدیک قدر و منزلت بڑھانے اور اس سے کوئی فائدہ طلب کرنے کے لیے مداہنت (بے جا نرمی اور دنیاوی مفاد کے لیے نہی عن المنکر کو ترک کرنا) کرنی چاہیے۔ کیونکہ کسی شخص سے دوستی اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے ساتھ خیر خواہی کی جائے اور اس کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کو آخرت کی فلاح کی ہدایت دی جائے اور اس کو آخرت کے عذاب سے بچایا جائے اور کسی انسان کا سچا دوست وہی ہے جو اس کے لیے آخرت کی بھلائی کی سعی کرے' اور اگر وہ فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں تقصیر کر رہا ہو تو اسے ان فرائض کی ادائیگی کا حکم دے اور اگر وہ کسی برائی کا ارتکاب کر رہا ہو تو اس کو برائی سے روکے۔

امر بالمعروف میں ملائمت کو اختیار کیا جائے

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں نرمی اور ملائمت کو اختیار کرنا چاہیے تاکہ وہ موثر ہو' امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی کو تنہائی میں نصیحت کی اس نے خیر خواہی کی' اور جس نے کسی شخص کو لوگوں کے سامنے نصیحت کی اور ملامت کی اس نے اس کو شرمندہ اور رسوا کیا۔

اگر کسی برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹانے سے ملکی قوانین کو اپنے ہاتھوں میں لینا لازم نہیں آتا تو اس برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹایا جائے ورنہ زبان سے اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے' اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو پھر اس برائی کو دل سے ناپسند کرے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حکام اور ارباب اقتدار پر لازم ہے کہ وہ برائی کو اپنے ہاتھوں سے مٹائیں۔ مثلاً قاتل کو قصاص میں قتل کریں اور چور کا ہاتھ کاٹیں' زانی کو کوڑے لگائیں یا رجم کریں اسی طرح دیگر حدود الہیہ جاری کریں۔ اور علماء پر لازم ہے کہ وہ زبان سے برائی کی مذمت کریں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں اور عوام کو چاہیے کہ وہ ہر برائی کو دل سے برا جانیں' لیکن صحیح یہ ہے کہ جس شخص کے سامنے ظلم اور زیادتی ہو' اس کو حسب مقدور مٹانے کی کوشش کرے جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو متفرق ہو گئے اور انہوں نے واضح دلائل آنے کے باوجود اختلاف کیا اور وہی لوگ ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے ○ جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے' سو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ سو اب تم عذاب (کا مزہ) چکھو اس سبب سے کہ تم کفر کرتے تھے ○ اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کو ہم آپ پر حق کے ساتھ تلاوت فرماتے ہیں اور اللہ جہان والوں پر ظلم کا ارادہ نہیں کرتا ○ (آل عمران : ۱۰۸۔۱۰۵)

بنی اسرائیل کے اختلاف کی مذمت کا سبب

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم ان اہل کتاب کی طرح نہ ہو جانا جو پہلے ایک متحد جماعت تھے اور بعد میں بہت سے فرقوں میں بٹ گئے' حالانکہ ان کے پاس واضح دلائل آچکے تھے جو ان کو صراط مستقیم کی ہدایت دیتے اگر وہ ان کی

اتباع کر لیتے' اور اس تفرقہ کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا چھوڑ دیا تھا' اس وجہ سے وہ دنیا اور آخرت میں عذاب عظیم کے مستحق ہو گئے' دنیا میں عذاب یہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کے خوف میں مبتلا تھے اور مختلف جنگوں میں ان کو ذلت اور رسوائی کا سامنا ہوتا تھا' اور آخرت کا عذاب یہ ہے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے' اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے :

لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ○ کَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ○

بنو اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی' کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی تھی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے' وہ ایک دوسرے کو اس برائی سے نہیں روکتے تھے جو انہوں نے کی تھی' یقیناً وہ بہت برا کام کرتے تھے۔ (المائدہ : ۷۹-۷۸)

کفار پر یہ وعید اس لیے کی گئی ہے کہ وہ دین کے اصول اور عقائد میں اختلاف کرتے تھے' اور اپنی نفسانی خواہشوں کے مطابق عقائد کو ڈھال لیتے تھے' لیکن فروعی اور اجتہادی مسائل میں اختلاف پر یہ وعید نہیں ہے جیسے ائمہ اربعہ کے فروعی مسائل میں مختلف مذاہب ہیں' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات کے متعدد معانی ہوتے ہیں' جیسے قرء کے معنی حیض اور طہر ہے' اور نبی ﷺ سے عبادت کے مختلف طریقے مروی ہوتے ہیں جیسے آپ نے تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز میں رفع یدین کیا اور اس کو ترک بھی کیا' اسی طرح قرات خلف الامام اور آمین بالجہر وغیرہ' اور احادیث کے ثبوت میں بھی اختلاف ہوتا ہے' راویوں کے ضعف اور قوت کے لحاظ سے بھی اختلاف ہوتا ہے اس لیے ایک حدیث ایک امام کے نزدیک مقبول ہوتی ہے اور دوسرے امام کے نزدیک مقبول نہیں ہوتی' مثلاً ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فقہاء احناف کے نزدیک اپنے والد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت ہے اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک یہ سماع ثابت نہیں ہے لہذا ابوعبیدہ کی اپنے والد سے روایت احناف کے نزدیک متصل اور مقبول ہوگی اور شافعیہ کے نزدیک مقبول نہیں ہوگی' سو اس طرح آیات کے معانی' نبی ﷺ کے افعال اور ثبوت روایات میں اختلاف کی وجہ سے مجتہدین کا فروعی مسائل میں اختلاف ہے اور یہ اختلاف جائز اور رحمت کا سبب ہے' اور اس میں ان کے لیے وسعت اور آسانی ہے اور بنو اسرائیل کا اختلاف اس نوعیت کا نہیں تھا وہ دین کے اصول اور عقائد میں اپنی نفسانیت کی وجہ سے ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے' سو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ سو اب تم عذاب کا مزہ چکھو اس سبب سے کہ تم کفر کرتے تھے○ اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے سو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (آل عمران : ۱۰۷-۱۰۶)

اس آیت سے پہلی آیت میں کفار اہل کتاب کو عذاب کی وعید سنائی تھی اس آیت میں اس عذاب کی کچھ تفصیل بیان فرمائی ہے' کہ قیامت کے دن مسلمانوں کے چہرے سفید' روشن اور مسرور ہوں گے' جیسا کہ اس آیت میں ہے :

وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ○ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ○

کتنے ہی چہرے اس دن ترو تازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے

ہوئے۔ (القیامہ: ۲۳-۲۲)

کفار پر عذاب کے بیان میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر اپنے انعام و اکرام کا بیان فرمایا کیونکہ کسی شخص کے دشمنوں پر انعام بھی اس شخص کے حق میں عذاب کا موجب ہوتا ہے' پھر ان پر صراحتہً عذاب کا بیان فرمایا۔

قیامت کے دن مومنوں اور کافروں کی وہ علامات جن سے وہ پہچان لیے جائیں گے

وَوُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَۃٌ ۙ تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِھَا فَاقِرَۃٌ ؕ (القیامہ: ۲۵-۲۴)

اور کتنے ہی چہرے مرجھائے ہوئے ہوں گے وہ یہ سمجھتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ معاملہ کیا جائے گا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَۃٌ ۙ ضَاحِکَۃٌ مُّسْتَبْشِرَۃٌ ۚ وَوُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ عَلَیْھَا غَبَرَۃٌ ۙ تَرْھَقُھَا قَتَرَۃٌ ؕ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکَفَرَۃُ الْفَجَرَۃُ (عبس: ۴۲-۳۸)

اس دن کئی چہرے چمکتے ہوئے مسکراتے ہوئے ہشاش بشاش ہوں گے اور کئی چہرے اس دن خاک آلود ہوں گے' ان پر سیاہی چھائی ہو گی' وہی لوگ کافر بدکار ہیں۔

نیز فرمایا:

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ ؕ وَلَا یَرْھَقُ وُجُوْھَھُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّۃٌ ؕ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ کَسَبُوا السَّیِّاٰتِ جَزَآءُ سَیِّئَۃٍۭ بِمِثْلِھَا وَتَرْھَقُھُمْ ذِلَّۃٌ ؕ مَا لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ کَاَنَّمَآ اُغْشِیَتْ وُجُوْھُھُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّیْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۝ (یونس: ۲۷-۲۶)

جن لوگوں نے نیک کام کیے ان کے لیے اچھی جزا ہے اور اس سے بھی زیادہ' اور ان کے چہروں پر سیاہی چھائے گی نہ ذلت' وہی جنتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جنہوں نے برے کام کیے تو برائی کی سزا اسی کی مثل ہوگی۔ ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی' انہیں اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا' گویا ان کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانپ دیں گے وہی دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے میدان حشر میں کفار کی علامتیں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰھُمْ فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَالْاَقْدَامِ ۚ (الرحمٰن: ۴۱)

اس دن مجرم اپنی علامتوں سے پہچانے جائیں گے انہیں پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑا جائے گا۔

فَاَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَۃِ ؕ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَۃِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَۃِ ؕ (الواقعہ: ۹-۸)

تو دائیں طرف والے کیا ہی اچھے ہیں دائیں طرف والے' اور بائیں طرف والے کیسے برے ہیں بائیں طرف والے ۝

حوض پر وارد ہونے والے مرتدین کے متعلق علم رسالت اور بحث و نظر

ان آیات سے معلوم ہوا کہ میدان حشر میں کفار کے چہرے سیاہ اور مرجھائے ہوئے ہوں گے ان کو ذلت اور رسوائی نے گھیرا ہوا ہو گا' اور ان کا اعمال نامہ ان کے بائیں ہاتھ میں ہو گا' اور اس کے برخلاف مومنوں کے چہرے سفید' روشن' تر و تازہ اور ہشاش بشاش ہوں گے اور ان کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں ہو گا اور ان علامات کی وجہ سے کفار پہچانے جائیں گے جیسا کہ سورہ رحمٰن میں ہے اور ان علامات سے میدان محشر میں موجود ہر شخص کو علم ہو جائے گا کہ کون مومن

ہے اور کون کافر ہے، لیکن حیرت ہے کہ شیخ تھانوی نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن بھی نبی ﷺ کو بعض مرتدین کے متعلق یہ علم نہ تھا کہ وہ مرتد ہو چکے ہیں، شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ لکھتے ہیں :

حدیث شریف میں ہے کہ بعض امتیوں کی نسبت قیامت میں حضور اقدس ﷺ سے کہا جائے گا انک لا تدری ما احدثوا بعدک (آپ از خود نہیں جانتے کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا تبدیلیاں کیں) اس سے معلوم ہوا کہ قیامت کے بعض ازمنہ تک بھی کہ آخر عمر سے بہت متاخر ہے آپ پر بعض کونیات ظاہر نہیں ہوئے نہ بالذات نہ بالعطاء کیونکہ بالعطاء کے بعد آپ ان کو نہ بلاتے صریح اس اطلاع کے بعد "سحقا" سحقا فرمادیا۔

(حفظ الایمان ص ۷، مکتبہ تھانوی کراچی)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت حوض پر آئے گی اور میں اس وقت دوسرے لوگوں کو حوض سے روک رہا ہوں گا، جیسے کوئی شخص اپنے حوض سے پرائے اونٹوں کو دور کرتا ہے، صحابہ نے پوچھا یا نبی اللہ! آپ ہم کو پہچان لیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں کیونکہ تمہاری ایک ایسی نشانی ہوگی جو کسی امت میں نہیں ہوگی، تم جس وقت میرے پاس حوض پر آؤ گے تو تمہارا چہرہ اور ہاتھ پیر آثار وضوء کی وجہ سے سفید اور چمکدار ہوں گے، اور تم میں سے ایک گروہ کو میرے پاس آنے سے روک دیا جائے گا پس وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکیں گے، میں کہوں گا اے میرے رب! یہ میرے صحابہ ہیں پھر مجھے ایک فرشتہ جواب دے گا کیا آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں نئی نئی باتیں نکالی تھیں۔ (ایک روایت میں ہے کہ آپ سے کہا جائے گا کہ انہوں نے آپ کے وصال کے بعد اپنا دین بدل لیا تھا) پھر میں کہوں گا دور ہو جاؤ، دور ہو جاؤ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۷۵ھ)

بعض لوگ نبی ﷺ کے علم کلی کا انکار کرتے ہیں وہ اس حدیث سے آپ کے علم کی نفی پر استدلال کرتے ہین وہ کہتے ہیں کہ اگر آپ کو علم کلی ہوتا تو آپ حوض پر آنے والے ان مرتدین کو اصیحابی نہ فرماتے، اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ کا انہیں اصیحابی فرمانا عدم علم کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس لیے تھا کہ پہلے ان کو یہ امید ہو کہ ان کو پانی ملے گا اور پھر جب ان کو حوض سے دور کیا جائے گا اور ان کی امید ٹوٹے گی تو ان کو زیادہ عذاب ہو گا، دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصیحابی سے پہلے ہمزہ استفہام کا محذوف ہو، یعنی کیا یہ میرے اصحابی ہیں؟ جن کے چہرے سیاہ، اعمال نامے بائیں ہاتھ میں، آنکھیں نیلی، چہرے تاریک اور مرجھائے ہوئے ہیں۔ یہ میرے صحابہ ہیں؟ میرے اصحاب کے تو چہرے اور ہاتھ پیر سفید اور روشن ہیں ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں ہیں اور ان کے چہرے کھلے ہوئے اور شاداب ہیں۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں مومنوں اور کافروں کی جو علامتیں بیان کی گئی ہیں کہ مومنوں کے چہرے سفید ہوں گے اور اعمال نامے دائیں ہاتھ میں ہوں گے اور کافروں کے چہرے سیاہ اور اعمال نامے بائیں ہاتھ میں ہوں گے، ان علامتوں سے میدان محشر میں موجود ہر شخص کو علم ہو گا کہ مومن کون ہے اور کافر کون ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ علم نہ ہو کہ کون آپ کا صحابی ہے اور کون نہیں ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ ﷺ پر دنیا میں امت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں سو آپ کو علم تھا کہ کون ایمان پر قائم رہا اور کون مرتد ہو گیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ تو دنیا میں بیان فرمارہے ہیں کہ میرے حوض پر ایسے ایسے لوگ آئیں گے سو آخرت کا علم تو دور کی بات ہے آپ نے دنیا میں ہی اپنے علم کی وسعت کا

اظہار فرمادیا ہے۔
شیخ شبیر احمد عثمانی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں :
امام بزار نے سند جید کے ساتھ اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔
میری حیات بھی تمہارے لیے خیر ہے اور میری وفات بھی تمہارے لیے خیر ہے' تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے ہیں' سو جو اچھے اعمال ہوں میں ان پر اللہ کی حمد کرتا ہوں اور جو برے اعمال ہوں میں ان پر تمہارے لیے استغفار کرتا ہوں۔
اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کو علم ہو کہ حوض پر آنے والے یہ لوگ مرتد ہو چکے تھے اور صحیح مسلم کی روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ علم نہیں تھا کہ وہ مرتد ہو چکے ہیں' شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ بعض دیگر علماء کے جوابات نقل کرنے کے بعد اپنی تحقیق لکھتے ہیں :
میں کہتا ہوں کہ مسند بزار کی حدیث کے سیاق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ پر امت اجابت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور ارتداد سے وہ شخص امت اجابت سے خارج ہو جاتا ہے' پس ہو سکتا ہے کہ اس کے اعمال آپ پر پیش نہ کیے جاتے ہوں' نیز اس حدیث میں ہے جو اعمال آپ پر پیش کیے جاتے ہیں وہ اچھے اعمال ہوتے ہیں جن پر آپ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں یا وہ برے اعمال ہوتے ہیں جن پر آپ استغفار کرتے ہیں اور ارتداد لائق حمد ہے نہ لائق استغفار۔
(فتح الملہم ج ا ص ۴۱۳۔ ۴۱۲' مطبوعہ مکتبہ الحجاز کراچی)
شیخ عثمانی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کو ان لوگوں کے مرتد ہونے کا علم نہیں ہوا اس لیے آپ نے ان کو میدان محشر میں نہیں پہچانا' اور ان کو اپنا صحابی گمان فرمایا' ہمارے نزدیک شیخ عثمانی کا کلام صحیح نہیں ہے اولاً اس لیے کہ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جو اعمال لائق استغفار ہوں میں ان پر استغفار کرتا ہوں اور جو لائق استغفار نہ ہوں آپ ان پر استغفار نہیں کرتے اور ارتداد لائق استغفار نہیں ہے لیکن اس کا لائق استغفار نہ ہونا اس عمل کے پیش کیے جانے کے منافی نہیں ہے۔
باقی رہا شیخ عثمانی کا یہ کہنا کہ آپ پر آپ کی امت اجابت کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور ارتداد کی وجہ سے وہ آپ کی امت سے خارج ہو گیا' اس کا جواب یہ ہے کہ ارتداد کے بعد وہ آپ کی امت سے خارج ہوا ہے' اس لیے ارتداد کے بعد اس کے اعمال پیش نہیں کیے جائیں گے لیکن ارتداد سے پہلے تو وہ آپ کی امت میں تھا اور جب اس نے ارتداد کا برا عمل کیا تو وہ آپ پر پیش کیا گیا کہ آپ کے فلاں امتی نے یہ برا عمل کیا ہے اس کی وجہ سے وہ آپ کی امت سے خارج ہو گیا۔ نیز کسی چیز کا علم اس کی ضد کے علم کو مستلزم ہوتا ہے' مثلاً دن کا علم رات کے علم کو مستلزم ہے کہ جو وقت دن کی طرح نہیں ہو گا وہ رات ہو گا' اسی طرح اسلام کا علم کفر کے علم کو مستلزم ہے کہ جو عقیدہ اسلام کی طرح نہیں ہو گا وہ کفر ہو گا' تو جب نبی ﷺ کو آپ کی تمام امت دکھا دی گئی تو آپ نے جان لیا کہ جو لوگ آپ کو نہیں دکھائے گئے وہ آپ کی امت نہیں ہیں تو جب شیخ عثمانی کے بہ قول یہ مرتدین آپ پر پیش نہیں کیے گئے اور ان کے اعمال آپ کو نہیں دکھائے گئے تو آپ نے جان لیا کہ یہ آپ کے امتی نہیں ہیں اور آپ کو ان کا علم ہو گیا' رہا یہ کہ پھر آپ نے ان کو اصیحابی کیوں فرمایا تو اس کا یہی جواب ہے کہ آپ کا یہ فرمانا یا تو بطور استفہام تھا یا ان میں مزید حسرت' افسوس اور عذاب واقع کرنے کے لیے تھا۔ اس حدیث کی بناء پر بعض لوگ رسول اللہ ﷺ کے علم کلی پر جو اعتراض کرتے ہیں اس کے مزید جوابات اور سیر

حاصل بحث ہم نے شرح صحیح مسلم جلد اول میں ذکر کر دی ہے اس لیے اس بحث کو وہاں ضرور دیکھ لیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : **اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور اللہ ہی کی طرف تمام چیزیں لوٹائی جائیں گی۔ (آل عمران : ۱۰۹)**

عذاب کا عدل اور ثواب کا فضل ہونا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اور اللہ جہان والوں پر ظلم کرنے کا ارادہ نہیں کرتا' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس پر دلیل قائم فرمائی ہے کیونکہ ظلم کا معنی ہے غیر کی ملک میں تصرف کرنا' اور کائنات کی ہر چیز اللہ کی ملک ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ جو معاملہ چاہے کرے' وہ اس کا ظلم نہیں ہے' بلکہ اگر وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق کو اٹھا کر جہنم میں ڈال دے تو یہ اس کا ظلم نہیں ہو گا کیونکہ وہ مالک ہے اور مالک اپنی ملکیت میں ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہے' لیکن وہ ایسا نہیں کرے گا کیونکہ اس نے اپنے فضل و کرم سے نیک لوگوں کو اجر و ثواب دینے کا وعدہ فرمالیا ہے اسی لیے اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے کہ نیک لوگوں کو ثواب دینا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور برے لوگوں کو عذاب دینا اس کا عدل ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ آپ کو بھی نہیں؟ آپ نے فرمایا مجھ کو بھی نہیں! ماسوا اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے' لیکن تم درست کام کرتے رہو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۷۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

یعنی اعمال بحسب الذات نجات اور ثواب کا تقاضا نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اعمال صالحہ کو ثواب کی علامت بنا دیا ہے' نیز تمام انسان اور ان کے اعمال اللہ کے پیدا کرنے سے ہیں اور اس کی مخلوق ہیں۔ وہ جو چاہے ان کے ساتھ معاملہ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے' اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہے :

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔ اپنے اعمال کے سبب سے تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔

(النحل : ۳۲)

اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کے سبب سے نجات ہو گی اور یہ اس حدیث کے خلاف ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی مجمل ہے اور حدیث نے اس کی تفسیر کر دی ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی رحمت اور اس کے فضل سے جو تم نے نیک عمل کیے اس کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جاؤ نہ یہ کہ تم محض ان اعمال کی وجہ سے دخول جنت کے مستحق ہو' دوسرا جواب یہ ہے کہ جنت میں دخول نیک اعمال کی وجہ سے ہے لیکن نیک اعمال کی ہدایت دینا اور ان کا قبول فرمانا یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے' تیسرا جواب یہ ہے کہ جنت کے دخول کے دو سبب ہیں ایک صورۃ" اور دوسرا حقیقۃ" "صورۃ" سبب نیک اعمال ہیں اور حقیقۃ" سبب اللہ کا فضل ہے' اس آیت میں سبب صوری بیان فرمایا ہے اور حدیث میں سبب حقیقی بیان فرمایا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ

تم ان سب میں بہترین امت ہو جو امتیں لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہیں تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے

تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ

روکتے ہو اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے

لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

تو ان کے حق میں بہتر تھا، ان میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر کافر ہیں ○

لَنْ یَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَ اِنْ یُّقَاتِلُوْكُمْ یُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ قف

وہ تمہیں زبانی اذیت دینے کے سوا اور کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تمہارے سامنے سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے

ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ اَیْنَ مَا ثُقِفُوْۤا

پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی ○ وہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں ان پر ذلت لازم کر دی گئی ہے

اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ

بجز اس کے کہ وہ (کبھی) اللہ کی رسی اور (کبھی) لوگوں کی رسی (سے سہارا لیں) وہ اللہ کے غضب کے مستحق

مِّنَ اللّٰهِ وَ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا

ہوئے اور ان پر محتاجی لازم کر دی گئی یہ اس وجہ سے کہ وہ اللہ کی آیتوں

یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ؕ

کا کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے،

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ق

اور اس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے تجاوز کرتے تھے ○

ربط آیات، مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا تمام کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ

جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہی پر رہنے دے' پھر اس امت کی مدح کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم کو جبلۃ "وفطرۃ" سب سے بہتر بنایا کیونکہ تم تمام لوگوں کو نیکی کی ہدایت دیتے ہو اور ان کو برائی سے روکتے ہو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنین سے فرمایا تھا کہ تم اہل کتاب کی طرح سرکش اور نافرمان نہ ہو جانا' پھر ان کو نیکی اور اطاعت شعاری پر برانگیختہ کرنے کے لیے آخرت میں مومنوں کی سرخ روئی اور ان کے درجات کو بیان فرمایا اور کافروں کی روسیاہی اور ان کے عذاب کو بیان فرمایا' اور اب ایک اور طریقہ سے مومنوں کو نیکی اور اطاعت شعاری کی ترغیب دی ہے اس لیے فرمایا تم بہترین امت ہو یعنی تم لوح محفوظ میں سب سے بہتر اور سب سے افضل امت ہو اس لیے مناسب یہ ہے کہ تم اپنی اس فضیلت کو ضائع نہ کرو اور اپنی اس سیرت محمودہ کو زائل نہ کرو۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت میں امت سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ سے ہجرت کی۔

سدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا اس آیت سے خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب مراد ہیں اور جو مسلمان ان کے طریقہ پر گامزن ہوں۔

بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سنو تم نے ستر امتوں کو پورا کر دیا تم ان کے آخر میں ہو اور تم اللہ کے نزدیک سب سے مکرم ہو۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی ﷺ کعبہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے آپ نے فرمایا ہم قیامت کے دن ستر امتوں کو پورا کر دیں گے ہم ستر امتوں میں سب سے آخر میں ہیں اور سب سے بہتر ہیں۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۳۰' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

تمام امتوں سے افضل امت ہونے کا مدار

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو یہ خبر دی ہے کہ وہ اس وقت تمام امتوں سے افضل ہے' اور جب تک یہ امت نیکی کا حکم دیتی رہے گی اور برائی سے روکتی رہے گی اور اللہ پر صحیح' صادق اور کامل ایمان رکھے گی اس وقت تک یہ امت تمام امتوں سے افضل ہی رہے گی' اس آیت میں نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کو ایمان پر مقدم کیا ہے' اس لیے کہ ان ہی دو وصفوں کی وجہ سے مسلمانوں کو دوسروں پر فضیلت ہے' کیونکہ ایمان کا تو دوسری امتیں بھی دعویٰ کرتی ہیں لیکن دوسری امتوں نے ایمان کی حقیقت کو بگاڑ دیا تھا اور ان میں شر اور فساد غالب آ چکا تھا' اس لیے ان کا ایمان صحیح نہیں تھا' اور وہ نیکی کا حکم دیتے تھے نہ برائی سے روکتے تھے۔

صحیح' صادق اور کامل ایمان کا معیار

اللہ تعالیٰ نے جس صحیح' صادق اور کامل ایمان لانے کا حکم دیا ہے اس کا معیار اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمایا ہے :

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ	ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے' پھر انہوں نے شک نہ کیا اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہی سچے ہیں۔

(الحجرات : ۱۵)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ (الانفال : ۲)

ایمان والے تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل خوف زدہ ہو جائیں اور جب ان پر اس کی آیتیں پڑھی جائیں تو وہ ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیں' اور وہ صرف اپنے رب پر بھروسہ کریں۔

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا تب صحیح ہو گا جب ہر اس چیز پر ایمان لایا جائے جس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ مثلاً آسمانی کتابوں پر' فرشتوں پر' تمام نبیوں پر' تقدیر پر' مرنے کے بعد اٹھنے پر' حساب و کتاب پر اور جزاء اور سزا پر' اور جو شخص ان میں سے بعض پر ایمان لایا اور بعض پر ایمان نہیں لایا تو اس کا ایمان صحیح نہیں ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا (النساء : ۱۵۱-۱۵۰)

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان جدائی کا ارادہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض پر ایمان نہیں لاتے اور وہ کفر اور ایمان کا درمیانی راستہ بنانے کا ارادہ کرتے ہیں' درحقیقت وہی لوگ کافر ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے آخر میں فرمایا اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے حق میں بہتر تھا' ان میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر کافر ہیں۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ اللہ کی تمام کتابوں اور تمام رسولوں پر ایمان نہیں لائے تھے اور قرآن مجید کے کتاب اللہ ہونے اور سیدنا محمد ﷺ کے رسول ہونے کا انکار کرتے تھے۔ کیونکہ ان کو یہ خوف تھا کہ اگر انہوں نے سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کو مان لیا تو ان کی ریاست جاتی رہے گی' اور یہودی عوام جو ان کی اتباع کرتے ہیں وہ ان کے ہاتھ سے نکل جائیں گے اور دنیاوی مال اور نذرانے ملنے بند ہو جائیں گے حالانکہ اگر وہ اسلام قبول کر لیتے تو دنیا میں بھی ان کی عزت و کرامت زیادہ ہوتی اور وہ آخرت میں بھی اجر عظیم کے مستحق ہوتے۔

یہ ایمان صحیح کا معیار ہے اور ایمان صادق کا معیار یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان کو بے دریغ خرچ کریں' تاکہ ان کا دعویٰ ایمان صادق ہو' اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ (العنکبوت : ۲)

کیا لوگوں کا یہ گمان ہے کہ وہ اس کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی!

اور ایمان کامل کا یہ معیار ہے کہ تمام فرائض اور واجبات کو دوام اور التزام کے ساتھ ادا کیا جائے اور کسی فرض اور واجب کو ترک نہ کیا جائے اور حتی الامکان تمام سنن اور مستحبات کو ادا کیا جائے' اور کسی حرام اور مکروہ تحریمی کا کبھی بھی ارتکاب نہ کیا جائے اور ہر قسم کے مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ کاموں سے حتی الامکان اجتناب کیا جائے' اور اگر تقاضائے بشریت سے کبھی کوئی فرض یا واجب رہ جائے تو فوراً اس کی قضا کر لی جائے اور اگر غلبہ نفسانیت سے کبھی کسی حرام یا مکروہ تحریمی کا ارتکاب ہو جائے تو اس پر فوراً توبہ کر لی جائے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیان کرتے ہیں :

عمر بن عبد العزیز نے عدی بن عدی کی طرف لکھا کہ ایمان کے فرائض اور شرائع ہیں اور حدود اور سنن ہیں جس نے ان کو مکمل کر لیا اس کا ایمان کامل ہو گیا اور جس نے ان کو مکمل نہیں کیا اس کا ایمان کامل نہیں ہوا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا (کامل) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں اور (کامل) مہاجر وہ ہے جو اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں کو ترک کر دے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو گا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۶ 'مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی زانی زنا کرتے وقت (کامل) مومن نہیں ہوتا' اور کوئی چور چوری کرتے وقت (کامل) مومن نہیں ہوتا' اور کوئی شرابی شراب پیتے وقت (کامل) مومن نہیں ہوتا اور کوئی لٹیرا لوٹ مار کرتے وقت (کامل) مومن نہیں ہوتا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا انسان اور اس کے کفر اور شرک کے درمیان نماز کو ترک کرنا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۱—۵۵ ملتقطا' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر خطبہ میں یہ فرماتے تھے جو شخص امانت دار نہ ہو وہ (کامل) مومن نہیں اور جو شخص عہد پورا نہ کرے اس کا دین (کامل) نہیں۔ اس حدیث کو امام احمد' امام ابو یعلیٰ' امام بزار اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بہت طعنے دیتا ہو بہت لعنت کرتا ہو' بدزبانی اور بے حیائی کی باتیں کرتا ہو وہ (کامل) مومن نہیں ہے۔ اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۹۷—۹۶ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ شخص (کامل) مومن نہیں ہے جو رات کو پیٹ بھر کر کھانا کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔ (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۲۶ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۴ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ پر صحیح ایمان یہ ہے کہ ان تمام امور پر ایمان لائے جن پر ایمان لانا ضروری ہے' اور صادق ایمان یہ ہے کہ اس کے دل میں اس کے خلاف شک نہ آئے' وہ اللہ سے ڈرتا رہے اور اللہ کی راہ میں جان اور مال کو بے دریغ خرچ کرے۔ اور کامل ایمان یہ ہے کہ تمام فرائض اور واجبات پر دائما" عمل کرے اور سنن اور مستحبات پر بھی عامل ہو اور ہر حرام اور مکروہ تحریمی سے دائما" مجتنب ہو اور مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ سے بچتا رہے' اور اس درجہ کے ساتھ جو مسلمان

بھی نیکی کا حکم دیتے رہیں گے اور برائی سے روکتے رہیں گے وہ تمام امتوں میں بہترین امت ہونے کے مصداق ہیں۔
اس آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر فاسق ہیں' مومنوں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ایسے لوگ مراد ہیں جو پہلے یہودی تھے اور بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ فاسق کا معنی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس سے مراد مرتکب کبیرہ ہیں' اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہود میں ایسے لوگ تھے جو کافر ہونے کے علاوہ دینی اور دنیاوی معاملات میں بد عمل اور بد اخلاق بھی تھے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ تمہیں زبانی اذیت دینے کے سوا اور کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے' اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تمہارے سامنے سے پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ پھر ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ (آل عمران : ۱۱۱)

مدینہ کے یہودیوں کی ذلت اور خواری کا بیان

''اذی'' کا معنی دکھ اور تکلیف ہیں' اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں کا ذکر ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء'' ان کے مختلف قبائل سے جو معاہدے کیے تھے وہ ان کی عہد شکنیوں اور شرارتوں کی وجہ سے ختم کر دیئے گئے اور بعد میں یہ اپنی ریشہ دوانیوں اور جرائم کی سزا میں قتل کر دیئے گئے یا جلاوطن کر دیئے گئے' اور دوسرے قبائل سے جو انہوں نے معاہدے کر رکھے تھے وہ قبائل بھی آہستہ آہستہ اسلام کے زیر اثر آ گئے' سو وہ معاہدے بھی عملاً'' بے اثر ہو کر رہ گئے اور جس درخت کی تمام جڑیں کٹ چکی ہوں وہ محض تنے کے سہارے کب تک کھڑا رہ سکتا ہے' اس آیت میں مدینہ کے یہودیوں کی اسی حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اب ان کی جڑ کٹ چکی ہے اور ان کے اندر اتنی قوت نہیں رہی کہ وہ تمہیں کوئی بڑا نقصان پہنچا سکیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتے ہیں کہ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے تم کو اپنی زبانوں سے کچھ دکھ اور تکلیف پہنچائیں۔ مسلمانوں کو طعن و تشنیع کریں ان کے خلاف افتراء پردازی اور تہمت تراشی کریں یا کلمات کفریہ کہیں مثلاً یہ کہ عزیر ابن اللہ ہیں' یا تورات کی عبارات میں تحریف کریں' یا کمزور مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک اور شبہات ڈالیں' اس سے زیادہ مسلمانوں کو کوئی جانی یا مالی نقصان پہنچانے کی سکت اب ان میں نہیں رہی' اور بالفرض یہ اگر کسی مقابلہ میں مسلمانوں سے لڑنے کے لیے نکلے تو پیٹھ دکھائیں گے اور ایسے ذلیل و خوار ہوں گے کہ کسی طرف سے بھی ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں ان پر ذلت لازم کر دی گئی ہے بجز اس کے کہ وہ (کبھی) اللہ کی رسی اور (کبھی) لوگوں کی رسی (سے سہارا لیں) وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے اور ان پر محتاجی لازم کر دی گئی۔
(آل عمران : ۱۱۲)

مسلمانوں یا غیر مسلموں کے سہارے کے بغیر یہودی ریاست قائم نہیں کر سکتے

یہودیوں پر اس طرح ذلت لازم کر دی گئی ہے کہ وہ کرہ ارض پر ہر خطہ میں ذلیل و خوار ہیں' اور اپنے زور بازو سے انہیں کہیں پر بھی غلبہ حاصل نہیں ہے۔ ماسوا اس کے کہ کہیں مسلمانوں نے ان کو امان دے دی اور کہیں غیر مسلموں نے ان کی گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دیا' اس زمانہ میں انگلینڈ' امریکہ اور روس نے باہمی اشتراک سے فلسطین میں اسرائیل کے نام سے ایک یہودی ریاست قائم کر دی ہے اور آج کل امریکہ ان کا پشت پناہ ہے' یہ صرف اپنی انفرادی قوت سے کہیں حکومت قائم نہیں کر سکے' ان کا ایٹمی قوت بننا بھی امریکی مدد کی وجہ سے ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ یہ ذلت' غضب الٰہی اور مسکینی مسلط کیے جانے کے مستحق اس لیے ہوئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے رہے تھے' اور اللہ کی آیتوں کا انکار اور انبیاء علیہم السلام کا قتل یہ اس لیے کرتے تھے کہ یہ ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتے رہے ہیں' اس آیت سے مسلمانوں کو یہ اطمینان دلایا گیا ہے کہ جن لوگوں پر ہر جگہ خدا کی مار اور لعنت پڑ رہی ہے وہ تمہارا کیا بگاڑ سکیں گے اور جو لوگ غیروں کے سہارے کے بغیر اپنی حکومت قائم نہیں کر سکتے وہ تمہاری حکومت کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

مسلمانوں کے لیے یہ اطمینان اور تسلی اور یہودیوں پر غلبہ کی بشارت صرف اس وقت تک ہے جب تک وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے اطاعت گزار رہیں اور جب مسلمان اجتماعی طور پر دینی اقدار سے منحرف ہو جائیں' اسلامی اقدار پر عمل کرنا ان کے لیے باعث ننگ اور عار ہو (سو آج کے ماڈرن معاشرہ میں کسی مسلمان نوجوان کا ڈاڑھی رکھ لینا' ٹخنوں سے اوپر شلوار پہننا اور سر پر عمامہ باندھنا اسی طرح اس طبقہ میں باعث ملامت ہے اور عورتوں کا برقعہ پہننا' نامحرموں سے پردہ کرنا اور گھر کی چار دیواری میں رہنا اس ترقی یافتہ مہذب معاشرہ میں گنوار پن کی علامت سمجھا جاتا ہے) اور غیر اسلامی تہذیب و ثقافت کو اپنانا ان کے لیے فخر کا باعث ہو' نماز' روزہ' زکوٰۃ' حج اور دیگر اسلامی احکام ان کو بوجھ معلوم ہونے لگیں تو پھر ان مسلمانوں کا ان لعنتی اور مغضوب یہودیوں کے ہاتھوں مسلسل شکست کھانا کوئی حیرت اور تعجب کی بات نہیں ہے۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ

وہ سب برابر نہیں ہیں، اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ قیام کرتا ہے رات کے اوقات میں اللہ کی

اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ

آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور وہ سجدہ کرتے ہیں ○ وہ اللہ پر اور یوم آخرت پر

الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

ایمان رکھتے ہیں اور وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں

وَيُسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا

اور نیک کاموں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی نیکوں میں سے ہیں ○ اور وہ جو

يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

بھی نیک کام کرتے ہیں ان کی ناقدری ہرگز نہیں کی جائے گی اور اللہ متقین کو خوب جاننے والا ہے ○

ربط آیات اور مناسبت

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اہل کتاب میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر فاسق ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کفار اہل کتاب کی مذمت فرمائی تھی اب اس کے مقابلہ میں اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کی مدح فرما رہا ہے 'امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا' جب عبداللہ بن سلام' ثعلبہ بن سعید' اسید بن سعید' اسد بن عبید اور دیگر یہودی اسلام لے آئے' انہوں نے نبی ﷺ کی تصدیق کی اور اسلام میں رغبت کی اور قبول اسلام کے بعد اسلام کی راہ میں مال خرچ کیا تو علماء یہود اور ان میں سے دیگر کفار نے کہا جو لوگ (سیدنا) محمد (ﷺ) پر ایمان لائے ہیں اور ان کی پیروی کر رہے ہیں وہ ہم میں بہت برے لوگ تھے' اگر وہ نیک لوگ ہوتے تو اپنے آباء و اجداد کے دین کو ترک نہ کرتے' اس کے علاوہ ان کی مذمت میں اور باتیں کیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح سرائی میں یہ آیات نازل فرمائیں اور ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ نیکوں میں سے ہیں۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۳۵' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کی صفات کی تفصیل اور تحقیق

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے اوصاف بیان کیے ہیں' آیات سابقہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اہل کتاب میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر فاسق ہیں۔ پھر فاسقوں کے احوال بیان فرمائے اور ان کا انجام بیان فرمایا' اور ان آیات میں اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کے احوال اور ان کی صفات بیان فرمائیں۔ اگرچہ اسلام میں داخل ہونے والے اہل کتاب بہت کم تعداد میں تھے۔

مومنین اہل کتاب کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ قائم ہیں' اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ وہ رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز میں قیام کرتے ہیں اور نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا — اور جو لوگ اپنے رب کے لیے سجدہ اور قیام کرتے ہوئے رات گزار دیتے ہیں۔ (الفرقان : ۶۴)

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ گروہ دین حق پر قائم ہے اور ثابت قدم ہے اور مخالفین کی ریشہ دوانیاں اور اسلام کے خلاف ان کے شکوک و شبہات ڈالنے کی کوششیں ان کے پائے ثبات کو متزلزل نہیں کرتیں۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ رات کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سجدہ میں بھی خضوع اور خشوع سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں' لیکن سجدہ میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا منع ہے۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا مجھے رکوع اور سجود میں قرآن مجید پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۱۲۷' مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور' ۱۴۰۵ھ)

یہ ممانعت قرآن مجید کی تعظیم کی وجہ سے ہے کیونکہ رکوع اور سجود انتہائی ذلت کی حالت ہے اس لیے اس حال میں قرآن مجید پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔

"اور وہ سجدہ کرتے ہیں" یہ ان کی الگ اور مستقل صفت ہے اور پہلی صفت کی قید نہیں ہے اور آیت کا معنی یہ ہے

کہ وہ نماز میں کبھی قیام کرتے ہیں اور کبھی سجدہ کرتے ہیں اور سجدہ کا اطلاق نماز پر بھی کیا جاتا ہے اس لیے اس آیت کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ رات کے وقت نماز میں اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں۔

تیسری صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تاکہ یہ وہم نہ کیا جائے کہ اس آیت میں یہودیوں کی تعریف ہے کیونکہ یہودی بھی تہجد کی نماز پڑھتے تھے اور رات کو اٹھ کر تورات کی تلاوت کرتے تھے' سو اس وہم کو دور کرنے کے لیے فرمایا کہ وہ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہاں رسول پر ایمان لانے کا ذکر نہیں ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان تب صحیح ہو گا جب اس کی تمام آیتوں پر ایمان لایا جائے اور تمام آیتوں میں یہ آیت بھی ہے :

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرہ : ۲۸۵)

سب ایمان لائے اللہ پر' اس کے سب فرشتوں پر اس کی سب کتابوں پر اور اس کے سب رسولوں پر (یہ کہتے ہوئے کہ) ہم ایمان لانے میں اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔

اور بالخصوص سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع کے متعلق فرمایا :

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ۔ (الاعراف : ۱۵۷)

جو لوگ اتباع کرتے ہیں اس رسول' نبی' امی کی جس کو وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

اور یہود تمام رسولوں پر ایمان نہیں لائے تھے۔ ان کا حضرت عیسیٰ کی رسالت پر ایمان نہ تھا اور بالخصوص وہ سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کے منکر تھے اس لیے ان کا اللہ کی تمام آیتوں پر ایمان نہ ہوا' اور جب اللہ کی آیتوں پر ایمان نہ ہوا تو اللہ پر ایمان نہ ہوا' لہٰذا اس میں ایمان والوں کی جو صفات ذکر کی گئی ہیں' اس سے یہودی مراد نہیں ہو سکتے۔

چوتھی صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں' انسان کا پہلا کمال یہ ہے کہ اس کے عقائد صحیح ہوں اور اس کے اعمال صالح ہوں' اور دوسرا کمال یہ ہے کہ وہ خود کامل ہونے کے بعد دوسرے ناقصوں کو کامل بنائے' جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم : ۶)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

سو انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود کامل ہونے کے بعد دوسرے ناقصوں کو کامل بنائے اور یہ فریضہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے سے ادا ہو گا' بعض علماء نے کہا ہے کہ نیکی کا حکم دینے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی توحید اور سیدنا محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کا حکم دیں' اور برائی سے روکنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ شریک بنانے اور آپ کی رسالت کے انکار سے روکیں' لیکن تحقیق یہ ہے کہ امر بالمعروف سے مراد یہ ہے کہ تمام عقائد صحیحہ کے ماننے کا حکم دیا جائے اور تمام فرائض' واجبات' سنن اور مستحبات پر حسب مراتب عمل کرنے کا حکم دیا جائے اور تمام محرمات' مکروہات تحریمہ' تنزیہہ اور خلاف اولیٰ کاموں سے حسب مراتب منع کیا جائے۔

پانچویں صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ نیکی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں' یعنی ہر نیک کام کو اس کے وقت پر کر لیتے ہیں اور فرائض اور واجبات کو فوت ہونے سے پہلے ادا کر لیتے ہیں' اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ نیک کاموں کو خوشی اور سعادت سمجھ کر کرتے ہیں' بوجھ اور بیگار سمجھ کر نہیں کرتے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ عجلت سے کام کرنا تو ممنوع ہے' امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اطمینان سے کام کرنا اللہ کی طرف سے ہے' اور جلدی کرنا شیطان کی طرف سے ہے۔ (جامع ترمذی ص ۲۹۵' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

اس کا جواب یہ ہے کہ سرعت اور عجلت میں فرق ہے' سرعت کا معنی ہے جس کام کو پہلے کرنا چاہیے اس کو پہلے کیا جائے اور عجلت کا معنی ہے جس کام کو موخر کرنا چاہیے اس کو مقدم کر دیا جائے' نیز یہاں سرعت سے مراد یہ ہے کہ دین کے کاموں کو انتہائی خوش دلی اور رغبت سے کیا جائے۔

چھٹی صفت یہ بیان فرمائی : کہ وہ لوگ صالحین میں سے ہیں' یہ بہت عظیم صفت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کا صالحیت کے وصف کے ساتھ ذکر کیا ہے' اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (الانعام : ۸۵)
اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس (یہ) سب صالحین میں سے ہیں۔

اور ساتویں صفت یہ بیان فرمائی : اور وہ جو بھی نیک کام کرتے ہیں اس کی ناقدری ہرگز نہیں کی جائے گی۔ یعنی ان لوگوں کو ان کے نیک اعمال کی جزا سے ہرگز محروم نہیں کیا جائے گا' کفر کا معنی ہے چھپا لینا اور کسی شخص کی نیکی کی جزا نہ دینا اس کو چھپانے کے مترادف ہے' اس لیے یہاں انہیں جزا نہ دینے کو کفر سے تعبیر فرمایا۔ مزید برآں یہ کہ اللہ تعالیٰ نیکی کی جزاء دینے کو شکر فرماتا ہے۔ فان اللہ شاکر علیم (البقرہ : ۱۵۸) اس اعتبار سے اس آیت میں جزا نہ دینے کو کفر سے تعبیر فرمایا۔ اور اس کی دلیل یہ فرمائی کہ اللہ متقین کو خوب جاننے والا ہے اور چونکہ وہ متقین کو خوب جاننے والا ہے اس لیے ان کے نیک کاموں پر ان کو اچھی جزا سے محروم نہیں فرمائے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ
بیشک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور ان کی اولاد ان کو اللہ (کے عذاب) سے ہرگز نہیں بچا سکیں گے

مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾
وہ جہنمی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ
وہ جس چیز کو دنیا کی اس زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی طرح

فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ

ہے جس میں (جلا دینے والی) سخت سردی ہو، جو ان لوگوں کی کھیتیوں پر پہنچے جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے پھر

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

وہ ہوا اس کھیت کو جلا ڈالے اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں ○

آخرت میں کفار کے اعمال کا ضائع ہونا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کی صفات بیان فرمائی تھیں۔ اور اب ان آیتوں میں ان کے مقابلہ میں کفار کے احوال بیان فرما رہا ہے۔ سو ان آیتوں میں کفار پر وعید بیان کی ہے اور ان کی آرزوؤں کا انقطاع بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے خیال میں دنیا میں جو کچھ بھی نیکی کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں وہ سب رایگاں جائے گا اور ان سے اللہ کے عذاب کو ہرگز دور نہیں کر سکے گا۔

یہود' منافقین اور مشرکین نبی ﷺ کی عداوت میں آپ کو نقصان پہنچانے کے لیے مال خرچ کرتے تھے اور اپنے اس خرچ پر خوش ہوتے تھے اور فخر کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کے مال اور ان کی اولاد ان کو اللہ کے عذاب سے ہرگز نہیں بچا سکیں گے' مال اور اولاد کا بالخصوص ذکر اس لیے فرمایا کہ انسان اپنی جان بچانے کے لیے کبھی مال کا فدیہ دیتا ہے اور کبھی اولاد کے ذریعہ اپنے آپ کو دکھ اور آزار سے بچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اور آیتوں میں بھی یہ فرمایا ہے کہ قیامت کے دن مال اور اولاد کسی شخص کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکیں گے' فرمایا ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ (الشعراء: ۹۱) جس دن نہ مال نفع دے گا نہ بیٹے۔

فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ (آل عمران: ۹۱) سو ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا (بھی) ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا خواہ وہ اسے فدیہ میں دے۔

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى (سبا: ۳۷) تمہارے مال اور اولاد ایسے نہیں ہیں جو تم کو ہم سے قریب کر دیں۔

کفار اپنے اموال کو دنیا کی اغراض باطلہ اور دنیاوی لذتوں کے لیے خرچ کرتے ہیں' اور اگر وہ مال کو غریبوں کی مدد کے لیے اور نیکی کے راستوں میں خرچ کرتے ہیں تو لوگوں کو دکھانے' سنانے' اس پر تعریف چاہنے' شہرت اور فخر کے لیے خرچ کرتے ہیں' اللہ کے لیے خرچ نہیں کرتے اور اگر اللہ کے لیے خرچ کرتے تو اس کی پہلی شرط اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانا ہے' لیکن وہ زیادہ تر اپنے اموال کو اللہ کے راستہ سے لوگوں کو روکنے کے لیے اور سیدنا محمد ﷺ کی اتباع سے منع کرنے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور آپ کی عداوت اور آپ کی مخالفت میں اپنے اموال کو خرچ کرتے ہیں۔

اور یہ کفار جو اللہ کی مرضی کے خلاف اپنے اموال کو خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال اس طرح ہے جس طرح ظالموں کے کھیت پر سخت سرد جلا دینے والی ہوا پہنچے اور اس کھیت کو جلا ڈالے' اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیتیں ہیں:

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ اور انہوں نے (اپنے زعم میں) جو بھی نیک عمل کیے' ہم ان

هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (الفرقان : ۲۳) کی طرف قصد فرمائیں گے پھر ہم انہیں (فضا میں) بکھرے ہوئے (غبار کے) باریک ذرے بنادیں گے۔

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ کَسَرَابٍ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْئًا (النور : ۳۹)

کافروں کے اعمال زمین میں چمکتے ہوئے ریت کی طرح ہیں جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے' حتیٰ کہ جب وہ اس کے پاس آیا تو اسے کچھ بھی نہ پایا۔

جس طرح اللہ تعالیٰ ظالموں کے ظلم کے سبب ان کے کھیتوں کو جلا ڈالتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ آخرت میں کافروں کے اعمال کو برباد اور رائیگاں کردے گا۔ اور ان کے اعمال کو قبول نہ فرمانا اللہ تعالیٰ کا ظلم نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے برے اعمال کی سزا دی ہے' انہوں نے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا اور ایمان کے ساتھ ایسے اعمال کرکے نہ لائے جنہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمالیتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ قاعدہ بیان فرمادیا ہے کہ وہ ایمان کے بغیر کسی شخص کا کوئی نیک عمل قبول نہیں فرماتا :

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (النحل : ۹۷)

جس مرد یا عورت نے نیک عمل کیا بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے اور ہم ان کے بہترین کاموں کا ان کو ضرور اجر عطا فرمائیں گے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ظاہر اور واضح فرمادیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے کسی نیک عمل کو قبول نہیں فرماتا' اور ان کے تمام اعمال آخرت میں ضائع ہو جائیں گے۔ نیک اعمال کے مقبول ہونے کی شرط ایمان ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان پر سلامت رکھے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا

اے ایمان والو! غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ وہ تمہاری بربادی میں کوئی کسر نہیں

یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ

چھوڑیں گے انہیں وہی چیز پسند ہے جس سے تمہیں تکلیف پہنچے، ان کی باتوں سے دشمنی تو ظاہر ہو چکی ہے

اَفْوَاهِهِمْ ۚ ۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَکْبَرُ ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ

اور جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے وہ اس سے بھی زیادہ بڑا ہے اگر تم عقل سے کام لیتے ہو

الْاٰیٰتِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا

تو ہم نے تمہارے لیے نشانیوں کو بیان کردیا ہے ○ سنو تم ان سے محبت کرتے ہو حالانکہ وہ تم سے محبت

يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا

نہیں کرتے اور تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو، اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں

اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ

کہ ہم ایمان لے آئے اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف غصہ سے انگلیاں کاٹتے ہیں۔ آپ کہیے

مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنْ

کہ تم اپنے غصہ میں مر جاؤ بیشک اللہ دل کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے ○ اگر تمہیں

تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْھُمْ ۡ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا

کوئی اچھائی حاصل ہو تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر تم کو کوئی برائی پہنچتی ہے تو یہ اس سے خوش

بِهَا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُھُمْ شَـيْـــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ

ہوتے ہیں، اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو ان کا مکر و فریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا بیشک

بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

اللہ ان کے تمام کاموں کو محیط ہے ○

ع ۱۲ | ۱۱ | ۳

کفار کو رازدار بنانے کی ممانعت اور اس کی حکمتیں

"بطانہ" اس کپڑے کو کہتے ہیں جو انسان نے کپڑوں کے نیچے پہنا ہوتا ہے جو اس کے باطن سے ملا ہوتا ہے جیسے بنیان، اور چونکہ انسان کا گہرا دوست بھی اس کے تمام باطنی اوصاف اور خصائل پر مطلع ہوتا ہے اس لیے اس کو بھی بطانہ کہتے ہیں۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی فتنہ انگیزیوں، رسول اللہ ﷺ سے ان کی عداوت اور مسلمانوں سے ان کی مخالفت کو تفصیل سے بیان فرمایا تھا، لیکن اس کے باوجود مسلمان ان سے اپنی رضاعت کے رشتوں یا ان کو اپنا حلیف بنانے کی وجہ سے ان کے ساتھ دوستی رکھتے تھے، اور ان کو اپنے راز کی باتیں بتا دیتے تھے، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ کفار کو اپنا رازدار نہ بنائیں ورنہ وہ ان کے رازوں پر مطلع ہو کر مسلمانوں کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے، اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس آیت میں جن کو رازدار بنانے سے منع فرمایا ہے اس کا مصداق کون ہیں، بعض مفسرین نے کہا اس کے مصداق یہود ہیں، بعض نے کہا اس کا مصداق منافقین ہیں اور بعض نے کہا اس کا مصداق تمام کفار ہیں۔

جن مفسرین نے کہا اس سے مراد یہود ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ مسلمان اپنے معالات میں یہودیوں سے مشورہ کرتے تھے' اور ان کے رضاعی رشتوں اور حلیف ہونے کی وجہ سے یہ گمان کرتے تھے کہ ہرچند کہ یہودی دین میں ان کے مخالف ہیں لیکن دنیاوی معاملات اور معاشرتی امور میں ان کے ساتھ خیر خواہی کریں گے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا بعض مسلمان یہودیوں سے میل جول رکھتے تھے کیونکہ وہ ان کے پڑوسی تھے' یا زمانہ جاہلیت میں وہ ان کے حلیف بن چکے تھے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور یہودیوں کو رازدار بنانے سے منع فرمایا اور ان کے فتنوں سے ڈرایا۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۴۰' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اور بعض مفسرین نے کہا اس آیت میں منافقین کے ساتھ رازداری کے تعلقات رکھنے سے منع فرمایا کیونکہ مسلمان منافقوں کی ظاہری باتوں سے دھوکا کھا جاتے تھے' مسلمان ان کو ان کے دعویٰ ایمان میں صادق گمان کرتے تھے اور وہ مسلمانوں سے ان کے راز کی باتیں سن کر ان کے دشمنوں تک پہنچا دیتے تھے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت مدینہ کے منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے اللہ تعالیٰ نے ان سے دوستی رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ قتادہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں منافقین کے ساتھ اخوت اور محبت رکھنے سے منع فرمایا ہے' ربیع نے کہا اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے ساتھ ملنے جلنے سے منع فرمایا ہے۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۴۰' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

بعض مفسرین نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مطلقاً" مشرکین کے ساتھ محبت رکھنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ (الممتحنہ : ۱)

اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم انہیں دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ انہوں نے اس حق کے ساتھ کفر کیا ہے' جو تمہارے پاس آچکا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرکین کی آگ سے روشنی حاصل نہ کرو اور نہ اپنی انگشتریوں میں کسی عربی کا نام نقش کراؤ۔ حسن بصری نے اس کی تفسیر میں کہا یعنی مشرکین سے اپنے امور میں مشورہ نہ لو اور اپنی انگشتریوں میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نقش نہ کراؤ۔ (جامع البیان ج ۱ ص ۴۰' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

ان آیات میں مسلمانوں کو کفار کے ساتھ دوستی اور محبت کے تعلق رکھنے سے منع فرمایا ہے کہ وہ کفار کو تحفہ اور ہدیہ وغیرہ دیں اور ایک دوسرے کی دعوتیں کریں اور اپنے دینی اور دنیاوی معاملات میں ان سے مشورہ کریں' کیونکہ کفار مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور ان کے معاملات بگاڑنے میں حتی المقدور کوشش کرتے ہیں' اور ان کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ مسلمانوں کو مصائب اور آلام پہنچیں اور ان کی دنیا اور آخرت تباہ ہو جائے' وہ جب مسلمانوں سے باتیں کرتے ہیں اس وقت

بھی ان کی باتوں سے دشمنی ظاہر ہوتی ہے اور ان کے چہرے کبیدہ خاطر ہوتے ہیں' وہ مسلمانوں کی کتاب اور ان کے نبی کے مکذب ہیں اور ان کے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو کینہ اور بغض بھرا ہوا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سنو تم ان سے محبت کرتے ہو حالانکہ وہ تم سے محبت نہیں کرتے' اور تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ (آل عمران : ۱۱۹)

مسلمانوں کے کافروں سے محبت کرنے اور ان کے محبت نہ کرنے کے محامل

مسلمان ان سے کونسی محبت کرتے تھے اور وہ ان سے کونسی محبت نہیں کرتے تھے اس کے حسب ذیل محامل بیان کیے گئے ہیں :

(۱) مسلمان یہ چاہتے تھے کہ وہ اسلام لے آئیں' کیونکہ دنیا اور آخرت کی سب سے بڑی دولت اسلام ہے' اور یہ ان کی محبت تھی' اور یہودی یہ چاہتے تھے کہ مسلمان اسلام پر قائم نہ رہیں تاکہ وہ دین اور دنیا میں ہلاک ہو جائیں اور یہ ان کا محبت نہ کرنا تھا۔

(۲) مسلمان اپنی رشتہ داریوں کی وجہ سے ان سے محبت کرتے تھے اور وہ مسلمانوں کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ان سے محبت نہیں کرتے تھے۔

(۳) چونکہ منافقین نے بہ ظاہر اسلام قبول کرلیا تھا' اس لیے مسلمان ان سے محبت کرتے تھے اور چونکہ ان کے دلوں میں کفر تھا اس لیے وہ مسلمانوں سے محبت نہیں کرتے تھے۔

(۴) مسلمان یہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ کسی تکلیف اور مصیبت میں گرفتار ہوں اس کے برخلاف وہ مسلمانوں کی بربادی اور تباہی چاہتے تھے۔

(۵) مسلمان ان کو اپنے راز بتا دیتے تھے جب کہ وہ مسلمانوں کو اپنے راز نہیں بتاتے تھے اس کے برعکس مسلمانوں کے راز افشاء کردیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف غصہ سے انگلیاں کاٹتے ہیں' آپ کہئے کہ تم اپنے غصہ میں مرجاؤ' بے شک اللہ دل کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔ (آل عمران : ۱۱۹)

مسلمانوں کے خلاف کافروں کے غیظ و غضب کا بیان

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب وہ تنہائی میں ہوتے ہیں تو مسلمانوں کے خلاف شدید غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہیں' اور جب انسان بہت زیادہ غصہ میں ہوتا ہے تو دانتوں سے انگلیاں کاٹنے لگتا ہے۔ یہاں انگلیاں کاٹنے سے مراد ان کے انتہائی غیظ و غضب کا بیان ہے' خواہ وہ انگلیاں کاٹیں یا نہ کاٹیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہئے کہ "تم اپنے غصہ میں مر جاؤ۔" یہ ان کے خلاف بہ ظاہر دعاء ضرر ہے کہ تمہارا غیظ اس قدر زیادہ ہو جائے کہ تم اس کی زیادتی سے ہلاک ہو جاؤ' اور حقیقت میں یہ اسلام اور مسلمانوں کی عزت و کرامت میں زیادتی اور ان کی سربلندی اور سرفرازی کی دعا ہے کیونکہ ان کے غیظ و غضب کی وجہ اسلام اور مسلمانوں کی ترقی ہے اور جوں جوں یہ ترقی زیادہ ہوگی ان کا غیظ و غضب زیادہ ہو گا' حتیٰ کہ مسلمانوں کی بہت زیادہ سربلندی اور سرفرازی سے وہ جل بھن کر مرجائیں گے' لہٰذا اب یہ اعتراض نہ ہو گا کہ اسلام کے

خلاف غیظ و غضب تو کفر ہے اور یہ دعا کرنا کہ تم اپنے غیظ میں مر جاؤ ان کو کفر پر برقرار رکھنے کی دعا ہے اور یہ آپ کی شان کے لائق نہیں کیونکہ ہم نے بتادیا کہ حقیقت میں یہ اسلام کی سربلندی اور سرفرازی کی دعا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے‘ یعنی تم اگرچہ بہ ظاہر اسلام کا دعویٰ کرتے ہو لیکن تم نے اپنے دلوں میں کفر کو چھپایا ہوا ہے اور تم اپنے دلوں میں اسلام کے خلاف جس قدر غیظ و غضب رکھتے ہو اللہ تعالیٰ اس سب کو جانتا ہے اور تمہارے دلوں کی تمام باتوں پر مطلع ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اگر تمہیں کوئی اچھائی حاصل ہو تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر تم کو کوئی برائی پہنچے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں‘ اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو ان کا مکرو فریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ بے شک اللہ ان کے تمام کاموں کو محیط ہے۔ (آل عمران : ۱۲۰)

نیک اور متقی مسلمانوں کا کفار کی سازشوں سے محفوظ رہنے کا محمل

”حسنہ“ کا معنی ہے اچھائی‘ اور یہاں اس سے دنیاوی منفعت مراد ہے مثلاً صحت‘ خوشحالی‘ دشمنوں پر غلبہ‘ اور دوستوں کے درمیان الفت اور محبت کا حصول اور سیۂ کا معنی ہے برائی‘ اور یہاں اس سے مراد ہے مرض‘ فقر‘ جہاد میں شکست‘ دوستوں میں رنجش اور جدائی‘ قتل‘ غارت گری اور لوٹ مار وغیرہ‘ اور اس آیت کا معنی ہے اگر تم اللہ کی عبادت کرنے میں تکلیف اور مشقت اور قدرتی آفتوں اور مصائب پر صبر کرو اور اللہ کی نافرمانی سے ڈرو اور اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو تو کفار اپنے مکرو فریب سے تمہارے خلاف جو سازشیں کرتے ہیں اس سے تم کو کوئی ضرر لاحق نہیں ہو گا۔ ”کید“ کا معنی ہے ایک انسان دوسرے انسان کو نقصان پہنچانے کے لیے جو خفیہ تدبیر کرتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہاں کید کا معنی عداوت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عبادت کرنے کے لیے پیدا کیا ہے سو جس شخص نے اپنے اس مقصد تخلیق کو پورا کیا اور عالم ارواح میں اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کیا تو اللہ تعالیٰ بہت کریم ہے وہ اس کو اپنی حفاظت میں رکھے گا اور اس کے خلاف اس کے دشمنوں کا کوئی حربہ کارگر نہیں ہو گا‘ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (الطلاق : ۳)	اور جو اللہ سے ڈرے۔ اللہ اس کی (مشکلات سے) نجات کی راہ پیدا کردے گا‘ اور اس کو وہاں سے روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان (بھی) نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسہ کرے گا تو وہ اسے کافی ہے۔

اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بہت سے نیک اور متقی لوگ اپنے دشمنوں کی تدبیروں اور اس کی سازشوں کا شکار ہو جاتے ہیں جیسے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ کو شہید کر دیا گیا‘ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو شہید کر دیا گیا‘ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا حالانکہ یہ نفوس قدسیہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی پر عمل کرتے تھے اور عبادت کی مشقتوں پر صبر کرتے تھے اور اس کی معصیت کرنے سے ڈرتے تھے‘ اور اللہ پر توکل کرتے تھے‘ اس کا جواب یہ ہے کہ عام مسلمانوں کے لیے یہی قاعدہ ہے جو اوپر مذکور ہوا لیکن خاص مسلمانوں کو اور کاملین کو اللہ تعالیٰ آزمائش اور امتحان میں ڈالتا ہے اور اللہ سے اور اللہ کے دین سے ان کی محبت کو ظاہر کرتا ہے کہ یہ کاملین اللہ کے دین کے لیے اپنی جان دے دیتے

ہیں لیکن دین کے معاملہ میں کسی نرمی اور مداہنت کو اختیار نہیں کرتے' اس آزمائش کا ذکر ان آیتوں میں ہے :

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ (العنکبوت : ۲)

کیا لوگوں نے یہ گمان کر لیا ہے کہ وہ ان کے اس کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہیں جائے گا۔

وَ لَنَبۡلُوَنَّکُمۡ بِشَیۡءٍ مِّنَ الۡخَوۡفِ وَ الۡجُوۡعِ وَ نَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَنۡفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ

اور ہم تمہیں کچھ ڈر' بھوک اور مال' جان اور پھلوں میں کمی سے ضرور آزمائیں گے۔

(البقرہ : ۱۵۵)

اس کے بعد فرمایا اللہ ان کے تمام کاموں کو محیط ہے' یعنی ان کے تمام کام اللہ کے علم میں ہیں' لوح محفوظ اور کراماً کاتبین کے پاس لکھے ہوئے محفوظ ہیں اور اللہ تعالیٰ ان اعمال کی جزا دے گا۔

غیر مسلموں سے دینی اور دنیاوی کام لینے کی تحقیق

ان آیتوں میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ مسلمان کفار سے دوستی اور امن کا تعلق نہ رکھیں کیونکہ وہ مسلمانوں سے کینہ اور بغض رکھتے ہیں اور اپنے کسی معاملہ میں کفار سے مشورہ بھی نہ کریں اور نہ ان سے تعاون چاہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف گئے جب آپ حرۃ الوبرۃ (مدینہ سے چار میل کے فاصلہ پر ایک جگہ) پہنچے تو آپ کو ایک شخص ملا جس کی بہادری اور دلیری کا بہت چرچا تھا' رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے جب اس کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے' جب وہ آپ کے پاس پہنچا تو اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ کے ہمراہ لڑوں اور جو مال ملے اس سے حصہ پاؤں' رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا کیا تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہے؟ اس نے کہا نہیں' آپ نے فرمایا پھر واپس جاؤ' میں کسی مشرک سے ہرگز مدد نہیں لوں گا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۸' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی' ۱۳۷۵ھ)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

دوسری حدیث میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے صفوان بن امیہ کے اسلام لانے سے پہلے ان سے مدد لی' بعض علماء نے پہلی حدیث پر علی الاطلاق عمل کیا اور مشرک سے مدد لینے کو مطلقاً" ناجائز کہا' اور امام شافعی اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا کہ اگر کافر کی مسلمانوں کے متعلق اچھی رائے ہو اور اس سے مدد لینے کی ضرورت ہو' تو اس سے مدد لی جائے گی ورنہ اس سے مدد لینا مکروہ ہے' محدثین نے ان دونوں حدیثوں کو دو مختلف حالوں پر محمول کیا ہے' اور جب مسلمانوں کی اجازت سے کافر جہاد میں حاضر ہو تو اس کو عطیہ اور انعام وغیرہ دیا جائے گا' اور مال غنیمت میں اس کا حصہ نہیں ہو گا' امام مالک' امام شافعی' امام ابوحنیفہ اور جمہور فقہاء کا یہی مسلک ہے اور زہری اور اوزاعی نے یہ کہا ہے کہ مال غنیمت سے ان کا حصہ ہو گا۔

(شرح مسلم ج ۲ ص ۱۱۸' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی' ۱۳۷۵ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

قاضی عیاض نے کہا ہے کہ امام مالک اور تمام علماء نے اس حدیث پر عمل کیا ہے اور امام مالک نے یہ کہا ہے کہ

غیر مسلموں کو صفائی اور خدمت کے لیے رکھنا جائز ہے' ابن حبیب نے کہا اسی طرح مجانیق سے پتھر پھینکوانے کے لیے انہیں رکھنا بھی جائز ہے' اور ہمارے دوسرے اصحاب نے اس کو مکروہ کہا ہے' ابن حبیب نے یہ بھی کہا ہے کہ مشرک کو لڑائی میں شامل کرنا جائز ہے' اور ان کو لشکر کے اندر نہ رکھا جائے بلکہ لشکر کے باہر رکھا جائے' بعض علماء نے کہا یہ اجازت کسی خاص وقت کے لیے ہے بر سبیل عموم نہیں ہے' پھر اس میں اختلاف ہے کہ مال غنیمت سے ان کا حصہ نکالا جائے گا یا نہیں' تمام ائمہ نے اس سے منع کیا ہے اور امام اوزاعی اور امام زہری نے کہا ہے کہ مسلمانوں کی طرح ان کا بھی حصہ نکالا جائے گا اور سحنون مالکی نے یہ کہا ہے کہ اگر مسلمانوں کے لشکر کو ان سے قوت حاصل ہوئی ہے تو ان کا حصہ نکالا جائے گا ورنہ نہیں' امام شافعی نے ایک بار یہ کہا کہ ان کو فئی سے بالکل نہیں دیا جائے گا اور ان کو خمس سے دیا جائے گا اور قتادہ نے یہ کہا ان سے جس چیز پر صلح ہو جائے ان کو وہ دینا جائز ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۶ ص ۴۸۸' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد رشید رضا متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں :

قرآن مجید میں یہود کو ہم راز بنانے اور ان سے مشورہ لینے سے منع کیا ہے یہ ممانعت ان یہودیوں کے ساتھ مختص ہے جو مسلمانوں کے ساتھ عداوت رکھتے تھے' اوائل اسلام میں یہودی ایسے ہی تھے اس لیے ان سے اپنے دین کے کسی کام میں مدد لینا جائز نہیں تھا لیکن بعد میں یہودیوں میں تغیر آگیا اور وہ بعض فتوحات میں مسلمانوں کے مددگار بن گئے۔ جیسے فتح اندلس میں یہودیوں نے مسلمانوں کی مدد کی' اور مصر میں قبطیوں نے رومیوں کے خلاف مدد کی' اس لیے یہودیوں بلکہ مطلقاً غیر مسلموں سے مسلمانوں کا مدد لینا جائز ہے بہ شرطیکہ وہ اسلام اور مسلمانوں سے عداوت نہ رکھتے ہوں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :

لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَیْهِمْؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝ اِنَّمَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْۚ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (الممتحنہ : ۹-۸)

اللہ تمہیں ان کے ساتھ احسان اور عدل کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین میں جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا' بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے ۝ اللہ تمہیں انہی لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع فرماتا ہے جنہوں نے تم سے دین میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں مدد کی اور جو ان سے دوستی کرے گا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

اس نکتہ کی طرف حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوجہ ہوئے اور انہوں نے اپنے لکھنے پڑھنے کے دفتری کاموں کا معاملہ رومیوں کے سپرد کیا اور بعد کے دو خلفاء اور ملوک بنی امیہ نے بھی ان کی پیروی کی اور مسلمان بادشاہوں میں سے عباسیوں نے بھی اس پر عمل کیا' اور یہود' نصاریٰ اور صابئین میں سے اپنے عمال مقرر کیے اور دولت عثمانیہ کے بھی اکثر سفراء اور وکلاء عیسائی تھے' اس تمام وسعت اور عالی ظرفی کے باوجود یورپ کے مستشرقین یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں بہت تعصب اور تنگ نظری ہے۔ (المنار ج ۴ ص ۸۳۔ ۸۲' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

ان تمام دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر غیر مسلموں پر یہ اعتماد ہو کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچائیں گے تو ان سے دینی اور دنیاوی مہمات میں مدد لینا اور ان کو مختلف مناصب تفویض کرنا جائز ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ وہ اسلام اور

مسلمانوں کے دشمن ہیں تو پھر ان سے کسی معاملہ میں مشورہ کرنا یا خدمت لینا یا ان کو کوئی منصب سپرد کرنا جائز نہیں ہے۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ

اور اس وقت کو یاد کیجیے جب آپ صبح کو اپنے گھر سے نکلے درآں حالیکہ آپ مومنوں کو جنگ کے لیے مورچوں پر

لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ

بٹھا رہے تھے اور اللہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے ○ جب تم میں سے دو گروہ بزدلی پر تیار ہو گئے حالانکہ

تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اللہ ان کا مددگار تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے ○

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

اور بیشک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی تھی درآں حالیکہ تم کمزور تھے سو تم اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم

تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ

شکر ادا کرو ○ (اے رسول مکرم) یاد کیجیے جب آپ مومنوں سے فرما رہے تھے کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا

رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ؕ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ

رب تین ہزار نازل کیے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے ○ ہاں کیوں نہیں! اگر

تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ

تم ثابت قدم رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو جس آن دشمن تم پر چڑھائی کریں گے اسی آن اللہ (تین ہزار کے بجائے)

رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ

پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا ○ اور اللہ نے اس

اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا

(امداد) کو محض تمہیں خوشخبری دینے کے لیے کیا ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن رہیں اور (درحقیقت) مدد تو صرف

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ

اللہ کی طرف سے ہوتی ہے جو بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O (اور اس مدد کا باعث یہ ہے) تاکہ اللہ کافروں کے ایک گروہ کو

كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

(جڑ سے) کاٹ دے یا انہیں (شکست خوردہ کر کے) رسوا کرے تو وہ نامراد ہو کر لوٹ جائیں O

ان آیات میں غزوہ بدر اور غزوہ احد کا ذکر آ گیا ہے اس لیے ہم پہلے غزوہ بدر اور غزوہ احد کا مختصر تذکرہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان آیات کا پس منظر اور پیش منظر معلوم ہو جائے اور ان کی تفسیر پر قارئین کو بصیرت حاصل ہو۔

غزوہ بدر کا مختصر تذکرہ

امام ابن ہشام بیان کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ سنا کہ ابوسفیان شام سے مال تجارت کا ایک قافلہ لے کر آ رہا ہے' تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو بلایا اور فرمایا یہ ابوسفیان ہے جو اپنے قافلہ سمیت واپس آ رہا ہے' نکلو! شاید اللہ تعالیٰ ان کے اموال ہمیں عطا فرما دے۔ اس قافلہ میں ابوسفیان کے ساتھ چالیس آدمی تھے اور مکہ کے سرداروں میں سے عمرو بن العاص تھے' ہجرت کے انیس ماہ بعد بارہ رمضان المبارک کو ہفتہ کے دن رسول اللہ ﷺ تین سو تیرہ صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکلے' مجاہدین صحابہ کے پاس دو گھوڑے' ساٹھ زرہیں اور اسی اونٹ تھے' باقی صحابہ پیادہ تھے' رسول اللہ ﷺ نے تین آدمیوں کے لیے ایک اونٹ مقرر کر دیا جس پر وہ باری باری سواری کرتے' آپ نے اپنے آپ کو بھی اس اصول سے مستثنیٰ نہیں رکھا' آپ کے ساتھ جو دو صحابہ تھے انہوں نے عرض کیا! یا رسول اللہ! ہماری باری میں بھی آپ سوار رہیں' ہم پیدل چلیں گے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : سنو! تم دونوں نہ مجھ سے زیادہ قوی ہو نہ میں تم سے زیادہ اجر سے مستغنی ہوں!

جب ابوسفیان حجاز کے قریب پہنچا تو وہ آنے جانے والوں سے نبی ﷺ کے متعلق خبریں معلوم کرتا تھا' اسے بعض سواروں نے بتایا کہ سیدنا محمد ﷺ تم پر اور تمہارے قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ ہو چکے ہیں' اس نے فوراً ضمضم بن عمرو الغفاری کو مکہ روانہ کیا اور یہ پیغام دیا کہ وہ قریش کو جا کر کہے کہ وہ اپنے اموال کی حفاظت کا انتظام کریں کیونکہ (سیدنا محمد (ﷺ) ہم پر حملہ کے لیے روانہ ہو چکے ہیں' دوسری طرف مکہ میں عاتکہ بنت عبدالمطلب نے خواب دیکھا کہ قریش پر کوئی آفت اور مصیبت آنے والی ہے' اس نے یہ خواب اپنے بھائی عباس بن عبدالمطلب کو بیان کیا' ابھی اس خواب کا چرچا ہو رہا تھا اور اس کے متعلق چہ مگوئیاں ہو رہی تھیں کہ مکہ والوں نے ضمضم بن عمرو الغفاری کی چیخ و پکار سنی اس نے اپنے اونٹ کی ناک اور کان کاٹ دیئے تھے' کجاوہ کو الٹا کر دیا تھا اور اپنی قمیص پھاڑ ڈالی تھی اور وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ اپنے اس قافلہ کو بچاؤ جس پر تمام مکہ والوں کے اموال لدے ہوئے ہیں' (سیدنا) محمد (ﷺ) نے اس پر حملہ کر دیا ہے اور مجھے امید نہیں ہے کہ تم اس کی مدد کے لیے بروقت پہنچ جاؤ گے!

قریش نے اپنا تمام مال و متاع داؤ پر لگا کر جنگ کی تیاری کی جب انہوں نے عزم سفر کیا تو قریش مکہ کی فوج کی تعداد نو

سو پچاس تھی‘ ان کے پاس ایک سو گھوڑے تھے جن پر ایک سو زرہ پوش سوار تھے‘ پیدل سپاہیوں کے لیے بھی زرہیں مہیا تھیں‘ ان کے ساتھ رقص کرنے والی کنیزیں بھی تھیں جو دف بجا رہی تھیں اور جوشیلے گیت گا کر ان کی آتش غضب کو اور بھڑکا رہی تھیں‘ سو قریش کا یہ لشکر جرار مٹھی بھر مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے بڑے غرور اور تکبر کے ساتھ روانہ ہوا۔

ضمضم غفاری کو بھیجنے کے بعد ابوسفیان نے مزید احتیاط کی خاطر عام راستہ چھوڑ کر وہ راستہ اختیار کیا جو ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ مکہ کو جاتا تھا اور اس نے بڑی سرعت کے ساتھ مسلسل سفر کرنا شروع کیا اور جب اسے یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ مسلمانوں کے حملہ سے محفوظ ہو گیا ہے تو اس نے قیس بن امرء القیس کو یہ پیغام دے کر قریش کے لشکر کے پاس بھیجا کہ اب یہ قافلہ مسلمانوں کے حملہ سے محفوظ ہے اس لیے اب اس کی حفاظت کے لیے لشکر کی ضرورت نہیں ہے اور تم لوگ واپس مکہ چلے جاؤ‘ اس نے یہ پیغام لشکر کے سپہ سالار ابوجہل تک پہنچا دیا‘ لیکن ابوجہل نے واپس جانے سے صاف انکار کر دیا اور کہا بہ خدا ہم ضرور جائیں گے اور بدر پہنچ کر دم لیں گے اور مسلمانوں کو سبق سکھائیں گے‘ تاکہ آئندہ وہ ہمیشہ ہم سے دبے رہیں ہرچند کہ بعض متحمل مزاج لوگوں نے ابوجہل کی مخالفت کی اور کچھ لوگ واپس چلے گئے لیکن اکثریت ابوجہل کے ساتھ رہی۔

رسول اللہ ﷺ جب ذفران کے مقام پر پہنچے تو آپ کو یہ اطلاع ملی کہ قریش کا لشکر بڑی تیاری کے ساتھ اپنے قافلہ کے دفاع کے لیے آ رہا ہے‘ اب صورت حال اچانک بدل چکی تھی پہلے مسلمان ایک قافلہ پر حملہ کے لیے روانہ ہوئے تھے جس کے ساتھ صرف چالیس آدمی تھے‘ اب معلوم ہوا کہ قافلہ تو بچ کر نکل گیا ہے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے قریش کا ایک لشکر جرار چلا آ رہا ہے‘ رسول اللہ ﷺ نے اس نئی صورت حال سے اپنے اصحاب کو آگاہ فرمایا اور ان سے اس سلسلہ میں مشورہ طلب کیا‘ تمام صحابہ نے نہایت گرمجوشی سے آپ کے ساتھ جہاد کرنے کے عزم کو ظاہر کیا‘ حضرت مقداد بن عمرو نے کہا یا رسول اللہ! آپ کو اللہ نے جہاں جانے کا حکم دیا ہے وہیں چلیے ہم قوم موسیٰ کی طرح نہیں جو یہ کہہ دیں کہ جائیے آپ اور آپ کا خدا ان سے جنگ کیجئے ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں‘ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں برک الغماد تک بھی لے جائیں تو ہم آپ کے ساتھ جائیں گے اور آپ کے ساتھ دشمن کے خلاف جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آپ وہاں پہنچ جائیں۔

حضرت سعد بن معاذ نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں سمندر پر لے جائیں اور آپ اس میں داخل ہو جائیں تو ہم بھی آپ کے ساتھ سمندر میں چھلانگ لگا دیں گے‘ رسول اللہ ﷺ ان کے یہ ایمان افروز کلمات سن کر خوش ہوئے اور آپ نے فرمایا روانہ ہو جاؤ‘ اور تمہیں یہ خوشخبری مبارک ہو کہ اللہ نے مجھے دو گروہوں میں سے ایک گروہ پر غلبہ عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے‘ بخدا میں قوم کے مقتولوں کی قتل گاہیں دیکھ رہا ہوں۔

بدر میں پہنچ کر سارے صحابہ تھکے ہارے سو گئے صرف رسول اللہ ﷺ رات بھر ایک درخت کے نیچے نمازیں پڑھتے رہے‘ اس رات خوب بارش ہوئی‘ مسلمان ریتلے علاقہ میں خیمہ زن تھے‘ اس بارش سے وہ ریت جم کر پختہ ہو گئی اور مسلمانوں کے لیے چلنے پھرنے میں آسانی ہو گئی‘ اور جہاں کفار قریش خیمہ زن تھے وہاں بارش سے ہر طرف کیچڑ ہی کیچڑ ہو گئی‘ صبح کو نبی ﷺ نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! یہ قریش کا لشکر ہے جو بڑے غرور و تکبر سے چلا آ رہا ہے‘ اے اللہ! اپنی وہ مدد

بھیج جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اے اللہ! کل ان کو ہلاک کر دے!

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ اپنے قبہ میں تشریف فرما تھے اور یہ دعا کر رہے تھے: اے اللہ میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کی قسم دیتا ہوں' اے اللہ اگر تو نے (بالفرض) اپنے وعدہ کو پورا نہ فرمایا تو پھر کبھی بھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ دعا بہت کافی ہے' جب رسول اللہ ﷺ باہر نکلے تو یہ آیت پڑھ رہے تھے:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ عنقریب یہ جماعت پسپا ہو گی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ (القمر: ۴۵)

رسول اللہ ﷺ نے رات ہی کو صف بندی کر دی تھی اور تمام مجاہدین صحابہ اپنے اپنے مورچوں میں ڈٹ گئے تھے' جب مسلمانوں اور کافروں کی فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل تھیں اس وقت نبی ﷺ نے بہت موثر خطبہ دیا جس میں اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کی' اللہ کی اطاعت پر برانگیختہ کیا اور اس کے عذاب سے ڈرایا۔

جنگ کا آغاز اس طرح ہوا کہ کافروں کے لشکر سے اسود بن عبد الاسد المخزومی مسلمانوں کے حوض سے پانی پینے کا بلند بانگ دعوی کر کے مسلمانوں کے لشکر کی طرف آیا مگر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کو تہ تیغ کر دیا' جنگ بدر میں مارا جانے والا یہ پہلا کافر تھا' یہ منظر دیکھ کر عتبہ بن ربیعہ' اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کو لے کر جوش غضب میں مسلمانوں کی طرف آیا اور یہ نعرہ لگایا کہ میرا مقابلہ کون کرے گا! تین انصاری نوجوان ان کے مقابلہ میں نکلے مگر اس نے کہا ہمارے مقابلہ کے لیے ہماری قوم قریش کے جوانوں کو بھیجو' تب رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبیدہ' حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو بھیجا' حضرت علی اور حضرت حمزہ نے اپنے اپنے مدمقابل کو موت کے گھاٹ اتار دیا لیکن عتبہ کے ایک وار سے حضرت عبیدہ کی ٹانگ کٹ گئی' حضرت حمزہ اور حضرت علی ان کی امداد کو پہنچے تو ان کے حملہ سے عتبہ کی لاش خاک اور خون میں تڑپ رہی تھی۔ حضرت عبیدہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا انہوں نے آخری لمحات میں اپنا رخسار رسول اللہ کے قدموں میں رکھ دیا اور آپ نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم شہید ہو۔ اس کے بعد عام حملہ شروع ہو گیا اور دونوں لشکر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے' یہ جنگ اسی طرح جاری رہی اسی دوران ابوجہل دو انصاری نوجوانوں حضرت معاذ اور حضرت معوذ کے ہاتھوں مارا گیا اور حضرت بلال کے ہاتھوں امیہ بن خلف مارا گیا' نبی ﷺ نے ایک مٹھی میں کنکریاں لے کر کفار کی طرف پھینکیں اور فرمایا: اے اللہ ان کے چہروں کو بگاڑ دے' ان کے دلوں کو مرعوب کر دے اور ان کے قدم اکھاڑ دے' ان کنکریوں کا لگنا تھا کہ جنگ کا نقشہ بدل گیا اور مشرکین میدان جنگ سے بھاگنے لگے' مجاہدین اسلام نے جب یہ بھگدڑ دیکھی تو انہوں نے مشرکوں کو اپنا قیدی بنانا شروع کیا اور ان کو رسیوں سے باندھنے لگے۔ معرکہ بدر سترہ رمضان المبارک بروز جمعہ واقع ہوا' صبح کے وقت لڑائی شروع ہوئی اور زوال آفتاب تک جاری رہی جب سورج ڈھلنے لگا اس وقت کفار کے قدم اکھڑ گئے۔ جنگ بدر میں چودہ مسلمان شہید ہوئے' اور ستر کافر مارے گئے اور ستر کافر گرفتار کیے گئے۔

جنگ بدر میں جو فرشتوں کا نزول ہوا اس کے متعلق ہم انشاء اللہ متعلقہ آیات میں بحث کریں گے۔

(الروض الانف مع السیرۃ النبویہ لابن ہشام ج ۲ ص ۸۱-۶۱' ملخصاً' تاریخ الامم والملوک للطبری ج ۲ ص ۱۷۲-۱۳۱' ملخصاً' الکامل فی التاریخ لابن اثیر ج ۲ ص ۹۴-۸۰' ملخصاً' البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۲۹۱-۲۵۶ ملخصاً)

غزوہ احد کا مختصر تذکرہ

غزوہ احد تین ہجری کو وقوع پذیر ہوا' قریش مکہ جو ایک سال پہلے بدر میں شکست کھا کر گئے تھے' ایک سال تک بڑے جوش و خروش سے جنگ کی تیاری کرتے رہے' ان کے سینوں میں آتش انتقام بھڑک رہی تھی' پانچ شوال تین ہجری کو رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ کفار قریش کا لشکر مدینہ منورہ کے قریب آ پہنچا ہے۔ صبح کو آپ نے مہاجرین' انصار اور عبداللہ بن ابی ابن سلول سے مشورہ کیا' مہاجرین' اکابرین انصار اور عبداللہ بن ابی کی یہی رائے تھی کہ شہر میں پناہ گزین ہو کر مقابلہ کیا جائے' لیکن انصار کے نوجوانوں کی رائے یہ تھی کہ شہر سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے' رسول اللہ ﷺ زرہ پہن کر باہر تشریف لے آئے' ان لوگوں کو بعد میں افسوس ہوا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے خلاف اصرار کیا' ان نوجوانوں نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ ہتھیار پہن کر اتار دے۔

قریش مکہ نے بدھ کے دن مدینہ کے قریب کوہ احد پر پڑاؤ ڈالا' رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد ایک ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے باہر نکلے' عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کی جمعیت لے کر آیا تھا لیکن یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) نے میرا مشورہ قبول نہیں کیا' اب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف سات سو صحابہ رہ گئے جن میں ایک سو کے پاس زرہیں تھیں' ان میں بھی کئی کم عمر صحابہ کو واپس کر دیا گیا ان میں حضرت زید بن ثابت' حضرت براء بن عازب' حضرت ابوسعید خدری اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم شامل تھے' رسول اللہ ﷺ نے احد کے پہاڑ کی پشت پر صف بندی کی' احد پہاڑ کی پشت کی طرف سے یہ خطرہ تھا کہ دشمن اس طرف سے حملہ نہ کر دے' اس لیے آپ نے وہاں حضرت عبداللہ بن جبیر کی زیر کمان پچاس تیراندازوں کا ایک دستہ مقرر کیا اور یہ حکم فرمایا کہ فتح ہو یا شکست وہ اپنی جگہوں سے نہ ہٹیں۔

جنگ کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ قریش کا علم بردار طلحہ صف سے نکل کر پکارا مجھ سے کون مقابلہ کرے گا؟ حضرت علی اس کے مقابلہ کے لیے نکلے' اور اس زور سے اس پر تلوار سے حملہ کیا کہ دوسرے لمحہ میں اس کی لاش خاک و خون میں تڑپ رہی تھی' طلحہ کے بعد عثمان نکلا اور وہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہو گئی' حضرت حمزہ' حضرت علی' اور حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہم فوجوں کے اندر گھس گئے اور کفار کی صفیں الٹ دیں' جبیر بن مطعم کا ایک حبشی غلام تھا جس کا نام وحشی تھا' جبیر نے اس سے وعدہ کیا کہ اگر اس نے حمزہ کو قتل کر دیا تو اسے آزاد کر دیا جائے گا۔ وہ حضرت سیدنا حمزہ کی تاک میں لگا ہوا تھا ایک بار حضرت حمزہ اس کے نشانہ کی زد پر آئے اس نے تاک کر نیزہ مارا جو آپ کی ناف کے آر پار ہو گیا۔ حضرت حمزہ لڑکھڑا کر گرے اور روح مبارک پرواز کر گئی۔

کفار اس جنگ میں بہت بے جگری سے جان پر کھیل کر لڑے۔ ایک کے ہاتھ سے علم گرتا تو دوسرا لے لیتا' اس کے ہاتھ سے علم گرتا تو کوئی اور لے لیتا' تاہم جنگ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا' حضرت علی اور حضرت ابودجانہ کے شدید حملوں سے کفار کے پاؤں اکھڑ گئے تھے' بالآخر کفار بدحواسی سے پیچھے ہٹے' اس کے ساتھ ہی مسلمانوں نے مال غنیمت لوٹنا شروع کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر جن مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ نے احد پہاڑ کی پشت پر مامور کیا تھا' وہ بھی مال غنیمت لوٹنے کے لیے دوڑ پڑے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر نے ان کو بہت روکا مگر وہ باز نہ آئے۔ تیراندازوں کی خالی جگہ دیکھ کر خالد بن ولید نے عقب سے حملہ کیا' حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ چند سرفروش مجاہدین کے ساتھ جم کر لڑے لیکن سب شہید ہو

گئے' اب مشرکین کا راستہ صاف تھا' مسلمان مال لوٹنے میں مشغول تھے' اچانک پلٹ کر دیکھا تو ان کے سروں پر تلواریں پڑ رہی تھیں' بدحواسی میں دونوں فوجیں اس طرح مخلوط ہو گئیں کہ خود بعض مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے' حضرت مصعب بن عمیر' ابن قمیہ کے ہاتھوں شہید ہوئے' وہ صورۃ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے اس لیے یہ افواہ پھیل گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے' اس افواہ سے بدحواسی اور مایوسی اور بڑھ گئی اور افراتفری پھیل گئی' مسلمان گھبرا گئے بوکھلاہٹ میں دوست اور دشمن کی تمیز نہ رہی' اس ہنگامہ میں حضرت حذیفہ کے والد یمان مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابہ برابر لڑ رہے تھے' لیکن ان کی آنکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر رہی تھیں' سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ کو دیکھا آپ کے چہرہ مبارک پر مغفر تھا' لیکن آنکھیں نظر آ رہی تھیں' حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ زور سے پکارے اے مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ہیں' یہ سن کر ہر طرف سے جان نثار صحابہ آپ کے گرد اکٹھے ہو گئے' کفار نے بھی اسی طرف دباؤ ڈالا' پانچ صحابہ نے ایک ایک کر کے جان دے دی لیکن کسی کافر کو آپ کی طرف بڑھنے نہیں دیا' عبداللہ بن قمیہ مسلمانوں کی صفوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گیا اور چہرہ مبارک پر تلوار ماری' جس کی چوٹ سے مغفر کی دو کڑیاں چہرہ مبارک میں چبھ گئیں' چاروں طرف سے تلواروں سے حملے ہو رہے تھے اور تیر پھینکے جا رہے تھے' یہ دیکھ کر جانثاروں نے آپ کو دائرہ میں لے لیا' حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ آپ کی ڈھال بن گئے اور جو تیر آتے تھے وہ ان کی پیٹھ پر لگتے تھے' دوسری طرف حضرت طلحہ آپ کی ڈھال بنے ہوئے تھے اور تلواروں کے وار کو اپنے ہاتھوں سے روک رہے تھے اسی کیفیت میں ان کا ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا' حضرت ابو طلحہ بھی آپ کی سپر بنے ہوئے تھے' صحیح بخاری میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے کہ دشمن ادھر نہیں آ سکیں گے لیکن ابوسفیان نے دیکھ لیا' فوج لے کر پہاڑی پر چڑھا' لیکن حضرت عمر اور چند دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے پتھر برسانے کی وجہ سے وہ آگے نہیں بڑھ سکے۔

قریش کی عورتوں نے جوش انتقام میں مسلمانوں کی لاشوں کو بھی نہیں چھوڑا' ان کو مثلہ کیا یعنی ان کے چہرے سے ناک اور کان کاٹ لیے' ھند نے ان کٹے ہوئے اعضاء کا ہار بنایا اور اپنے گلے میں ڈالا حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور کچا چبا گئی لیکن گلے سے نہ اتر سکا اس لیے اگلنا پڑا۔ غزوہ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے اور بائیس کافر مارے گئے۔ (تاریخ الامم والملوک للطبری ج ۲ ص ۲۱۰۔ ۱۸۷' الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۱۱۱۔ ۱۰۳' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۹۔ ۹' التفسیر المنیر ج ۴ ص ۶۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اس وقت کو یاد کیجئے جب آپ صبح کو اپنے گھر سے نکلے در آں حالیکہ آپ مومنوں کو جنگ کے لیے مورچوں پر بٹھا رہے تھے اور اللہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ (آل عمران : ۱۲۱)

سابقہ آیات کے ساتھ ارتباط

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اور اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو ان کا مکرو فریب تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا' اور ان آیتوں میں جنگ بدر اور احد کا تذکرہ کیا گیا ہے' جنگ احد میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی اور وہ جنگ کی تیاری بھی کر کے گئے تھے لیکن چونکہ بعض مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی تو وہ شکست کھا گئے' اور جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد بھی کم تھی اور وہ چالیس آدمیوں کے ایک تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے

کے لیے نکلے تھے کسی بڑے لشکر سے معرکہ آرائی کرنے کے لیے گھروں سے نہیں نکلے تھے لیکن چونکہ سب نے رسول اللہ ﷺ کے احکام پر پورا پورا عمل کیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح اور نصرت سے نوازا' اس سے معلوم ہوا کہ فتح کا مدار عددی کثرت اور اسلحہ کی زیادتی پر نہیں ہے بلکہ اس کا مدار صبر اور تقویٰ پر ہے۔

غزوہ احد کے لیے نبی ﷺ کا صحابہ سے مشورہ اور جنگ کی تیاری

پانچ شوال تین ہجری کو بدھ کے دن قریش مکہ' مدینہ کے قریب پہنچے تھے' نبی ﷺ نے ان سے جنگ کرنے کے لیے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔

امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک مضبوط زرہ میں ہوں اور میں نے دیکھا کہ ایک بیل ذبح کیا جارہا ہے میں نے زرہ سے مدینہ کو تعبیر کیا اور بیل کی تعبیر بھاگنا ہے' اور اللہ کے کام میں بہت خیر ہے اور اگر ہم مدینہ ہی میں رہیں تو وہ اگر ہم سے قتال کریں گے' تو ہم ان سے قتال کریں گے (نوجوان) صحابہ نے کہا بہ خدا وہ لوگ زمانہ جاہلیت میں بھی کبھی مدینہ میں داخل ہونے کی جرات نہیں کرسکے تو کیا اب زمانہ اسلام میں ہم ان کو مدینہ میں داخل ہونے دیں گے! آپ نے فرمایا پھر جس طرح تم چاہو' پھر انصار نے ایک دوسرے سے کہا ہم نے نبی ﷺ کی رائے کو نہیں مانا انہوں نے آپ کی خدمت میں جاکر عرض کیا یا رسول اللہ! آپ جس طرح حکم فرمائیں' آپ نے فرمایا اب یہ کہہ رہے ہو! نبی جب ہتھیار پہن لے تو اس کے لیے جنگ کیے بغیر ہتھیار اتارنا جائز نہیں ہے۔

(سنن دارمی ج ۱ ص ۵۵' مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے تلوار ہلائی تو اس کا اگلا حصہ ٹوٹ گیا اس کی تعبیر وہ ہے جو جنگ احد کے دن مسلمانوں کو ہزیمت کا سامنا ہوا' میں نے تلوار کو دوبارہ ہلایا تو وہ پہلے سے بھی اچھی صورت میں بن گئی' اس کی تعبیر وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کی اور مسلمان متحد ہوئے اور میں نے خواب میں ایک بیل دیکھا اور اللہ کے کام میں بہت بہتری ہے اس کی تعبیر وہ ہے جو مسلمانوں کو جنگ احد کے دن پریشانی لاحق ہوئی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت موسیٰ بن عقبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن صبح کو فرمایا میں نے خواب میں بیل کو دیکھا اس کو ذبح کیا جارہا ہے اور میں نے اپنی تلوار کو دیکھا اس کا شروع کا حصہ ٹوٹ گیا' آپ نے بیل کی یہ تعبیر فرمائی کہ ہم میں سے ایک جماعت بھاگے گی' اور تلوار کا بالائی حصہ ٹوٹنے کی تعبیر یہ تھی کہ آپ کے چہرے پر زخم آیا اور آپ کے سامنے کا دانت شہید ہوگیا' نبی ﷺ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں رہ کر کفار قریش سے جنگ کی جائے عبداللہ بن ابی سے پہلی بار مشورہ لیا گیا تھا اس کی رائے بھی یہی تھی' لیکن انصار کے پرجوش نوجوان مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنا چاہتے تھے۔ نبی ﷺ ہتھیار زیب تن فرما کر آگئے' بعد میں ان نوجوانوں نے اپنی رائے سے رجوع کرلیا لیکن نبی ﷺ نے فرمایا نبی جب ہتھیار پہن لے تو جنگ کے بغیر نہیں اتارتا' رسول اللہ ﷺ احد کی طرف روانہ ہوئے آپ کے ساتھ ایک ہزار مسلمان تھے

لیکن عبد اللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر نکل گیا کیونکہ اس کی رائے پر عمل نہیں کیا گیا تھا' حتیٰ کہ آپ کے ساتھ سات سو نفوس رہ گئے اور مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی۔

(دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۲۰۸۔۲۰۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۱ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن نماز جمعہ کے بعد احد کی طرف روانہ ہوئے' اور ہفتہ کے دن احد کی گھاٹیوں میں پہنچے' آپ پیدل چل رہے تھے اور جنگ کے لیے اپنے اصحاب کی صفیں باندھ رہے تھے اگر کوئی شخص صف سے باہر نکلا ہوا ہوتا تو آپ اس کو صف کے اندر کردیتے آپ وادی کے نشیب میں اترے تھے اور آپ کی پشت اور لشکر احد کی طرف تھا۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۴۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن ہمارا مشرکوں سے مقابلہ ہوا نبی ﷺ نے تیراندازوں کا ایک لشکر (احد پہاڑ پر) بٹھادیا اور حضرت عبد اللہ بن جبیر بن مطعم کو ان کا امیر بنادیا اور فرمایا تم اس جگہ سے نہ جانا' اگر تم یہ دیکھو کہ ہم غالب آگئے ہیں پھر بھی تم یہاں سے نہ جانا' اور اگر تم دیکھو کہ مشرکین ہم پر غالب آگئے ہیں تو تم ہماری مدد کے لیے نہ آنا۔ الحدیث۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جب تم میں سے دو گروہ بزدلی پر تیار ہو گئے حالانکہ اللہ ان کا مددگار تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔ (آل عمران : ۱۲۲)

غزوہ احد کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت موسیٰ بن عقبی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبد اللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس چلا گیا تو مسلمانوں کی دو جماعتوں کے دل بیٹھ گئے اور یہ دو جماعتیں بنو حارثہ اور بنو سلمہ تھیں' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو بچالیا' اور وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۲۰۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۱ھ)

نیز امام ابوبکر احمد بن حسین متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

مشرکین نے مسلمانوں پر تین بار حملے کیے اور ہر بار پسپا ہوئے' جن پچاس تیراندازوں کو رسول اللہ ﷺ نے احد پہاڑ پر کھڑا کیا تھا انہوں نے جب دیکھا کہ کفار مغلوب اور پسپا ہو گئے ہیں تو انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے ہمارے بھائیوں کو فتح عطا کردی ہے' بہ خدا اب ہم یہاں بالکل نہیں بیٹھیں گے اور جس جگہ نبی ﷺ نے انہیں بیٹھنے کا حکم دیا تھا وہ وہاں سے ہٹ گئے' اور یہی حکم عدولی ان کی شکست کا سبب بن گئی۔ جب مشرکین کے لشکر نے دیکھا کہ مسلمان متفرق ہو گئے اور بکھر گئے تو انہوں نے احد پہاڑ کی پشت سے ان پر حملہ کردیا' مسلمان مال غنیمت لوٹنے میں مشغول تھے کہ وہ اچانک تیروں اور تلواروں کی زد میں آگئے' اور کسی پکارنے والے نے بلند آواز سے پکار کر کہا رسول اللہ قتل کردیئے گئے' یہ خبر سن کر مسلمانوں کی رہی سہی کمر ٹوٹ گئی' بہت سے مسلمان شہید کردیئے گئے۔ جب بہت سے صحابہ کے پاؤں اکھڑ گئے تھے اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ثابت قدم رکھا۔ آپ مسلمانوں کو آوازیں دے کر بلاتے رہے آپ اس وقت احد کی گھاٹیوں میں

مہراس نام کی ایک گھاٹی کے قریب تھے۔ کئی صحابہ آپ کے پاس وہاں پہنچ گئے تھے' ادھر دوسری طرف جب مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ نہیں ملے تو وہ ہمت ہار بیٹھے' بعض نے کہا جب رسول اللہ ﷺ ہی نہیں رہے تو اب لڑنے سے کیا فائدہ! بعض نے کہا اگر رسول اللہ ﷺ شہید ہو گئے ہیں تو کیا تم اپنے دین کی حمایت میں نہیں لڑو گے! تم اپنے دین کی حمایت میں لڑتے رہو حتی کہ اللہ تعالیٰ سے شہید ہونے کی حالت میں ملاقات کرو' یہ حضرت انس بن نضر نے کہا تھا' اور بنو قشیر میں سے کسی نے کہا اگر ہمارے دین میں کچھ بھلائی ہوتی تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے!

نبی ﷺ اپنے اصحاب کو ڈھونڈ رہے تھے اور ان کو بلا رہے تھے' صحابہ کی ایک جماعت ثابت قدمی سے آپ کے ساتھ تھی' ان میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور حضرت زبیر بن عوام بھی تھے' ان صحابہ نے تادم مرگ آپ کا ساتھ دینے پر بیعت کی تھی' انہوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے لیے ڈھال بنایا ہوا تھا۔ ان میں سے چھ یا سات صحابہ آپ پر سپر بنے ہوئے شہید ہو گئے وہ آپ کے ساتھ مہراس نامی گھاٹی میں چل رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا پتہ چلنے کے بعد سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک نے آپ کو دیکھا' آپ کا چہرہ مغفر (خود) میں چھپا ہوا تھا صرف آپ کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ انہوں نے آنکھوں سے آپ کو پہچان لیا اور بلند آواز سے چلائے اللہ اکبر! یہ ہیں رسول اللہ ﷺ' اس وقت آپ کا چہرہ زخمی تھا اور ایک دانت (سامنے کے چار دانتوں میں سے دائیں جانب کے نچلے دانت کا ایک جز) شہید ہو چکا تھا۔

(دلائل النبوت ج ۳ ص ۲۱۱ - ۲۱۰' ملخصاً" مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۱ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے پچاس تیراندازوں کو احد پر مامور کیا تھا اور فرمایا تھا کہ فتح ہو یا شکست تم یہاں سے نہ ہٹنا' جب مسلمانوں کا مشرکوں سے مقابلہ ہوا تو مشرک بھاگ گئے حتی کہ میں نے دیکھا عورتیں پنڈلیوں سے کپڑا اٹھائے ہوئے پہاڑ پر بھاگ رہی تھیں ان کی پازیب دکھائی دے رہی تھیں تو یہ لوگ بھی غنیمت' غنیمت پکارتے ہوئے دوڑے' حضرت عبد اللہ بن جبیر نے کہا کہ نبی ﷺ نے تم کو یہ نصیحت کی تھی کہ فتح ہو یا شکست یہاں سے نہ جانا وہ نہیں مانے اور جب وہ نہیں مانے تو شکست ان کا مقدر بن گئی' ستر مسلمان شہید کر دیئے گئے' ابوسفیان نے سر اٹھا کر کہا کیا قوم میں (سیدنا) محمد (ﷺ) ہیں؟ آپ نے فرمایا اس کو جواب مت دو' پھر کہا کیا قوم میں ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) ہیں؟ آپ نے فرمایا مت جواب دینا' پھر کہا کیا قوم میں ابن الخطاب ہیں؟ پھر کہنے لگا یہ لوگ قتل کر دیئے گئے۔ اگر یہ زندہ ہوتے تو جواب دیتے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ ضبط نہ کر سکے اور کہا : اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے ان کو باقی رکھا ہے جو تیری رسوائی کے لیے کافی ہیں' ابوسفیان نے کہا ھبل بلند ہو' نبی ﷺ نے فرمایا اس کو جواب دو' عرض کیا : ہم کیا کہیں فرمایا کہو اللہ اعلیٰ و اجل (اللہ سب سے بلند اور سب سے بزرگ ہے)' ابوسفیان نے کہا ہمارے لیے عزیٰ ہے اور تمہارے لیے کوئی عزیٰ نہیں' نبی ﷺ نے فرمایا اس کا جواب دو' عرض کیا' کیا کہیں؟ فرمایا : کہو اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں' ابوسفیان نے کہا آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے اور جنگ کنوئیں کے ڈول کی طرح ہے اور تم کچھ لاشوں کے اعضاء کٹے ہوئے پاؤ گے میں نے اس کا حکم دیا تھا نہ مجھے اس پر افسوس ہوا۔

ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف روزہ دار تھے (افطار کے وقت) ان کے پاس کھانا لایا گیا' انہوں نے کہا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ (احد میں) شہید ہو گئے اور وہ مجھ سے بہت افضل تھے' ان کو ایک چادر میں کفن دیا گیا

اگر ان کا سر ڈھانپا جاتا تو پیر کھل جاتے اور اگر پیر ڈھانپے جاتے تو سر کھل جاتا' اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے وہ مجھ سے افضل تھے۔ پھر ہمارے لیے دنیا کشادہ کر دی گئی اور ہمیں دنیا کی وہ چیزیں دی گئیں جو دی گئیں اور ہمیں یہ ڈر ہے کہ کہیں ہمیں نیکیوں کا صلہ دنیا میں ہی نہ مل گیا ہو' پھر حضرت عبدالرحمان روتے رہے حتی کہ کھانا چھوڑ دیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یہ فرمائیے اگر میں شہید ہو جاؤں تو کہاں ہوں گا؟ آپ نے فرمایا جنت میں' اس کے ہاتھ میں جو کھجوریں تھیں وہ اس نے پھینک دیں اور جا کر جہاد کرتا رہا حتی کہ شہید ہو گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے چچا جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے' انہوں نے کہا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دوبارہ جہاد کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو دکھا دے گا کہ میں کس طرح جہاد کرتا ہوں' وہ جہاد کر رہے تھے کہ مسلمان مشرکوں کے اچانک حملہ کی وجہ سے بھاگے' انہوں نے کہا اے اللہ! میں ان لوگوں کی کاروائی سے تیری بارگاہ میں عذر پیش کرتا ہوں اور مشرکوں کے حملہ سے بیزار ہوں' پھر وہ تلوار لے کر آگے بڑھے' تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی انہوں نے کہا اے سعد! تم کہاں جا رہے ہو مجھے تو احد کے پاس جنت کی خوشبو آ رہی ہے وہ لڑتے ہوئے شہید ہو گئے' ان کی لاش پر اتنے زخم تھے کہ پہچانی نہیں جاتی تھی حتی کہ ان کی بہن نے انگلیوں کے پوروں سے ان کو پہچانا' ان کی لاش پر تلواروں اور تیروں کے اسی سے زیادہ زخم تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن جب مسلمان (گھبرا کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے' اس وقت حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈھال لیے ہوئے کھڑے تھے' حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بہت ماہر تیرانداز تھے۔ اس دن انہوں نے دو یا تین کمانیں توڑ ڈالیں تھیں' جو مسلمان بھی وہاں سے اپنے ترکش میں تیر لیے ہوئے گزرتا آپ فرماتے یہ تیر ابو طلحہ کو دے دو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم (گھاٹی سے) جھانک کر قوم کی طرف دیکھ رہے تھے حضرت ابو طلحہ کہتے آپ پر میرے ماں اور باپ فدا ہوں آپ مت جھانکیے' کہیں آپ کو کوئی تیر نہ لگ جائے' میرا سینہ آپ کے سینہ کے سامنے سپر ہے اور میں نے دیکھا حضرت عائشہ اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہما اپنی پیٹھوں پر مشکیں لاد لاد کر زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں' اس دن دو یا تین بار حضرت ابو طلحہ کے ہاتھوں سے تلوار گری تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جنگ احد کے دن جب مشرکین شکست کھانے لگے تو ابلیس لعنہ اللہ چلایا' اے اللہ کے بندو! پچھلے گروہ پر حملہ کرو تو لشکر کا اگلا حصہ اور پچھلا حصہ ایک دوسرے میں گتھم گتھا ہو گئے' حضرت حذیفہ نے دیکھا کہ مسلمان ان کے والد یمان کو قتل کر رہے ہیں' انہوں نے چلا کر کہا اے اللہ کے بندو! یہ میرے باپ ہیں' یہ میرے باپ ہیں' لیکن بہ خدا وہ میرے باپ کو قتل کرنے سے باز نہیں آئے' حتی کہ انہوں نے میرے والد کو قتل کر دیا' حضرت حذیفہ نے کہا اللہ تمہاری مغفرت فرمائے' (عروہ نے کہا بہ خدا حضرت حذیفہ نے تمام زندگی نیکی کے ساتھ گزاری۔) (حضرت یمان اس وجہ سے قتل کر دیئے گئے کہ مسلمان اس قدر گھبرائے ہوئے تھے کہ انہیں اپنے اور پرائے کی تمیز نہیں ہو رہی تھی۔)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ زخمی ہو گیا' آپ نے فرمایا وہ قوم کیسے کامیاب ہو گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون آلود کر دیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی لیس لک من الامر شئی "آپ کی چیز

کے مالک نہیں ہیں۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس قوم پر بہت شدید غضبناک ہوتا ہے جو اس کے نبی کے ساتھ (یہ) کارروائی کرے آپ نے اپنے سامنے کے چار دانتوں میں سے دائیں جانب کے نچلے دانت کی طرف اشارہ کیا' اور فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر شدید غضب ناک ہوتا ہے جو اللہ کے راستہ میں اس کے رسول کو قتل کر دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر شدید غضب ناک ہوتا ہے جس شخص کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے راستہ میں قتل کر دیں' اور اللہ تعالیٰ اس قوم پر شدید غضب ناک ہوتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خون آلود کر دے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سیدتنا فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زخم دھو رہی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ڈھال سے پانی ڈال رہے تھے' جب حضرت فاطمہ نے دیکھا کہ پانی ڈالنے سے خون کا بہنا کم ہونے کے بجائے اور زیادہ ہو رہا ہے تو حضرت فاطمہ نے ایک چٹائی کا ٹکڑا لے کر اس کو جلایا اور اس کی راکھ کو زخم کے اوپر رکھا' تو خون رک گیا' اس دن آپ کے سامنے کے چار دانتوں میں سے ایک دائیں جانب کا نچلا دانت ٹوٹ گیا تھا اور آپ کا سر زخمی ہو گیا تھا' اور خود آپ کے سر پر ٹوٹ گیا تھا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۴۔ ۵۷۹ ملتقطا" مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

عتبہ بن ابی وقاص نے تیر مارا تھا جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نچلا دانت شہید ہو گیا اور نچلا ہونٹ زخمی ہو گیا' یہ دانت جڑ سے نہیں ٹوٹا تھا بلکہ اس کا ایک ٹکڑا ٹوٹ گیا تھا' اور عبداللہ بن شہاب نے آپ کے خود پر تلوار سے وار کیا تھا جس سے خود ٹوٹ گیا اور آپ کا چہرہ زخمی ہو گیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت مبارک شہید ہونا اور چہرہ اقدس زخمی ہونا اس لیے تھا تاکہ اللہ کی راہ میں خون بہانے اور زخم کھانے کے عمل میں آپ کا اسوہ اور نمونہ ہو' اور اس عمل میں آپ کی اقتداء کا اجر و ثواب ملے' اور آپ کے حیرت انگیز معجزات دیکھ کر کوئی شخص آپ پر الوہیت کا دھوکا نہ کھائے اور آپ کے زخمی ہونے سے آپ کے متعلق الوہیت کے عقیدہ کی نفی ہو اور آپ نے جو زخم دھلوایا اور اس کا علاج کرایا اس سے علاج کرانے کا سنت ہونا ثابت ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی تھی' در آں حالیکہ تم کمزور تھے' سو تم اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم شکر ادا کرو۔ (آل عمران : ۱۲۳)

ربط آیات اور مناسبت

اس سے پہلی دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے جنگ احد کا واقعہ بیان کیا تھا اور اب ان آیتوں میں جنگ بدر کا تذکرہ فرما رہا ہے' کیونکہ جنگ بدر میں مسلمان نہایت ۔بے سرو سامانی کی حالت میں تھے اور کفار بہت تیاری اور اسلحہ کی فراوانی کے ساتھ آئے تھے' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مشرکوں پر غالب کر دیا' اور یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر توکل نہیں کرنا چاہئے' اور نہ اس کے سوا اور کسی سے مدد طلب کرنی چاہئے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اس آیت کو موکد کیا جائے کہ اگر تم اللہ کے احکام (کی اطاعت) پر صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو کافروں کا مکر و فریب تمہیں بالکل ضرر نہیں پہنچا سکتا' نیز اس بات کو موکد کرنا ہے کہ مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔

بدر کا لغوی معنی اور جغرافیائی محل وقوع

مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک وادی کا نام بدر ہے' شعبی نے کہا یہاں ایک کنواں تھا جس کا نام بدر تھا کیونکہ اس کے مالک کا نام بدر تھا' پھر مالک کے نام سے وہ کنواں مشہور ہو گیا۔

علامہ ابو عبداللہ یاقوت بن عبداللہ حموی متوفی ۶۲۶ھ لکھتے ہیں :

بدر ایک گاؤں کا نام ہے جہاں ہر سال میلہ لگتا تھا' بدر مدینہ منورہ سے تقریباً اسی میل کی مسافت پر واقع ہے' بدر کا لغوی معنی ہے بھرنا' چودھویں رات کے چاند کو بدر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھرا ہوا اور مکمل ہوتا ہے' مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک وادی میں مشہور کنواں ہے جس کو بدر کہتے ہیں۔ (معجم البلدان ج ۱ ص ۳۵۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۹۹ھ)

بدر میں مسلمانوں کے ضعف کا بیان

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی درآں حالیکہ تم ذلیل تھے۔

اور ایک اور جگہ فرمایا ہے :

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ   اللہ ہی کے لیے عزت (غلبہ) ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنین کے لیے۔ (المنافقون : ۸)

اس آیت میں مسلمانوں کے لیے ذلت کا لفظ استعمال فرمایا اور سورہ منافقون میں عزت کا لفظ استعمال فرمایا اور یہ بہ ظاہر تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ذلت سے مراد مادی ضعف ہے اور سورہ منافقون میں اس سے مراد ہے اللہ کی نظر میں معزز ہونا' یا دلائل اور معقولیت کے لحاظ سے مسلمانوں کے دین کا باقی ادیان پر غالب آنا' یا اللہ اور اس کی اطاعت کی شرط پر دنیا میں بھی مادی غلبہ پانا اور سرفرازی حاصل کرنا۔ جنگ بدر میں مسلمان مادی طور پر ضعیف تھے کیونکہ ان کی تعداد تین سو تیرہ نفوس قدسیہ تھی اور کفار نو سو پچاس تھے۔ ان کے پاس صرف دو گھوڑے اور اسی اونٹ تھے' اور کفار کے پاس سو گھوڑے' بہ کثرت اونٹ اور وافر مقدار میں اسلحہ تھا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کفار کی نظروں میں مسلمان ضعیف تھے یا مسلمانوں نے مکہ میں کفار کی جو قوت اور شوکت دیکھی تھی اس کے مقابلہ میں وہ خود کو ضعیف اور کمزور خیال کرتے تھے۔

مسلمانوں کی مغلوبیت کے اسباب

آج بھی مسلمان مادی طور پر ضعیف اور مغلوب ہیں اور ان کے مقابلہ میں کفار مادی طور پر قوی اور غالب ہیں' لیکن مسلمانوں کو اس لحاظ سے غلبہ حاصل ہے کہ ان کی کتاب اپنے اصل متن کے ساتھ من وعن محفوظ ہے' جب کہ تورات اور انجیل جس زبان میں نازل ہوئیں تھیں اس زبان میں وہ کتاب آج کہیں بھی موجود نہیں ہے' قرآن مجید میں کسی ایک لفظ کی تبدیلی یا کمی اور بیشی نہیں ہوئی' جب کہ تورات اور انجیل محرف ہو چکی ہیں' متن قرآن کے ہزاروں بلکہ لاکھوں حافظ موجود ہیں جب کہ تورات اور انجیل کا کوئی ایک حافظ دنیا میں کبھی بھی نہیں پایا گیا' قرآن کا چیلنج ہے کہ اس کی کسی ایک سورت کی مثل کوئی بنا کر نہیں لا سکتا' اور آج تک کوئی اس چیلنج کو نہیں توڑ سکا' مسلمانوں کے نبی کی پیدائش سے لے کر وفات تک مکمل سیرت مستند مآخذ کے ساتھ مکمل محفوظ ہے' جب کہ اور کسی نبی کی مکمل سیرت پوری سند کے ساتھ موجود نہیں ہے' مسلمانوں کے نبی کے تمام ارشادات (احادیث مبارکہ) اسانید کے ساتھ موجود ہیں اور کتاب کی تعلیم اور دین کی

ہدایت کے متعلق آپ نے جو کچھ بھی فرمایا وہ محفوظ کر لیا گیا اور سینوں سے صحیفوں میں منتقل ہو کر دنیا میں آج تک موجود ہے اور وہی دین پر انتھارٹی ہے' جب کہ اور کسی نبی کے ارشادات اس طرح محفوظ نہیں کیے گئے' نہ ان کو دین میں حجت تسلیم کیا گیا' قرآن اور حدیث کی پیش گوئیاں اپنے صدق کو ہر زمانہ میں متواتی رہی ہیں مثلاً روم کا ایرانیوں پر غالب آنا' صدیاں گزر جانے کے بعد بھی فرعون کے جسد کا قرآن مجید کی پیش گوئی کے مطابق آج تک سلامت رہنا' قرآن مجید کی کسی سورت کی مثال نہ لا سکنا' اس میں کمی بیشی اور تغیر نہ ہونا' قرآن مجید نے معیشت کا جو نظام پیش کیا ہے اس کے مقابلہ میں تمام معاشی نظاموں کا ناقص ہونا' یہ چند مثالیں ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمان اپنی بے عملی اور بد عملی کی وجہ سے خواہ مادی طور پر ضعیف اور مغلوب ہوں لیکن ان کا دین تمام ادیان پر غالب ہے :

هُوَالَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًا۔ (الفتح : ۲۸)

(اللہ) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے اور اللہ کافی گواہ ہے۔

باقی مسلمانوں کے ضعف اور مغلوبیت کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے اجتماعی طور پر انحراف کیا الا ماشاء اللہ' رسول اللہ کی سنت پر عمل کرنا وہ باعث عار سمجھنے لگے' اور مغربی تہذیب اپنانے کو باعث فخر سمجھنے لگے' وہ موسیقی اور راگ و رنگ میں ڈوب گئے' اور مسلمان آپس میں افتراق اور انتشار کا شکار ہو گئے' سائنسی علوم اور عسکری تربیت حاصل کرنے کے بجائے تعیشات اور تن آسانیوں میں مبتلا ہو گئے' مضاربت کے اصول پر تجارت کرنے کے بجائے سودی کاروبار اور جوئے اور سٹے کو اپنایا نتیجے کے طور پر وہ معاشرتی بدحالی کا شکار ہوئے اور اپنے وطن کے دفاع اور اس کی حفاظت کے قابل نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَلَا تَنَازَعُوۡا فَتَفۡشَلُوۡا وَتَذۡهَبَ رِیۡحُکُمۡ (الانفال : ۴۶)

اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

وَلَا تَهِنُوۡا وَلَا تَحۡزَنُوۡا وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ (آل عمران : ۱۳۹)

اور سستی نہ کرو اور غم نہ کرو' اور تم ہی غالب رہو گے بہ شرطیکہ تم ایمان کامل پر قائم رہو۔

علامہ اقبال کہتے ہیں :

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر
تیرے صوفے ہیں افرنگی تیرے قالیں ہیں ایرانی لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (اے رسول مکرم!) یاد کیجئے جب آپ مومنوں سے فرما رہے تھے کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تین ہزار نازل کیے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے؟ ہاں کیوں نہیں! اگر تم ثابت قدم رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو جس آن دشمن تم پر چڑھائی کریں گے اسی آن اللہ (تین ہزار کے بجائے) پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا ○ اور اللہ نے اس (فرشتوں کے نازل کرنے) کو محض تمہیں خوشخبری دینے کے لیے کیا ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن رہیں اور (درحقیقت) مدد تو صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے جو بہت غالب اور بڑی حکمت

والا ہے○ (اور اس مدد کا باعث یہ ہے کہ) تاکہ اللہ کافروں کے ایک گروہ کو (جڑ سے) کاٹ دے یا انہیں (شکست خوردہ کرکے) رسوا کرے تاکہ وہ نامراد ہو کر لوٹ جائیں۔

سورہ انفال میں اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتے نازل کرنے کا ذکر فرمایا ہے:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ۔

جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری (فریاد) سن لی کہ میں ایک ہزار پے در پے آنے والے فرشتوں سے تمہاری مدد کرنے والا ہوں۔ (الانفال: ۹)

پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار فرشتے نازل کرنے کی بشارت دی' پھر اس کو بڑھا کر تین ہزار تک پہنچا دیا' پھر تین شرطوں سے مشروط فرما کر اس تعداد کو پانچ ہزار تک پہنچایا' وہ شرطیں یہ ہیں تم صبر کرو' اللہ سے ڈرتے رہو' اور دشمن تم پر اچانک یک بارگی ہلہ بول دے' چونکہ دشمن نے اچانک یک بارگی حملہ نہیں کیا تھا اس لیے پانچ ہزار فرشتوں کا نزول نہیں ہوا۔

اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ فرشتوں کا نزول جنگ بدر میں ہوا تھا' یا جنگ احد میں یا جنگ احزاب میں جس وقت مسلمانوں نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا تھا' جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ فرشتوں کا نزول جنگ بدر میں ہوا تھا۔

جنگ بدر میں قتال ملائکہ کے متعلق احادیث اور آثار

قرآن مجید کی مذکور الصدر آیات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جنگ بدر میں فرشتوں کا نزول مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے ہوا تھا اور ان کو فتح اور نصرت کی بشارت دینے کے لیے' قرآن مجید میں یہ مذکور نہیں ہے کہ جنگ بدر میں فرشتوں نے قتال بھی کیا تھا' البتہ بعض احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فرشتوں نے جنگ بدر میں قتال بھی کیا تھا' ہم پہلے وہ احادیث پیش کریں گے' پھر اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کریں گے فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگ بدر کے دن فرمایا یہ جبرئیل ہیں جنہوں نے گھوڑے کے سر کو پکڑا ہوا ہے اور ان پر جنگی ہتھیار ہیں۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۰' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن ایک مسلمان ایک مشرک کے پیچھے دوڑ رہا تھا' جو اس سے آگے تھا' اتنے میں اس نے اپنے اوپر سے ایک کوڑے کی آواز سنی اور ایک گھوڑے سوار کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا "اے حیزوم آگے بڑھ" (حیزوم اس فرشتے کے گھوڑے کا نام تھا) پھر اچانک اس نے دیکھا کہ وہ مشرک اس کے سامنے چت گر پڑا اس مسلمان نے اس مشرک کی طرف دیکھا تو اس کی ناک پر چوٹ تھی اور اس کا چہرہ اس طرح پھٹ گیا تھا جیسے کوڑا لگا ہو اور اس کا پورا جسم نیلا پڑ گیا تھا' اس انصاری نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا یہ تیسرے آسمان سے مدد آئی تھی۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۹۳' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی' ۱۳۷۵ھ)

امام محمد بن عمر بن واقد اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

معاذ بن رفاعہ بن رافع اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ فرشتوں کی علامت یہ تھی کہ انہوں نے اپنے عماموں کے شملوں کو اپنے کندھوں کے درمیان لٹکایا ہوا تھا ان کے عماموں کا رنگ سبز' زرد اور سرخ تھا' اور ان کے گھوڑوں کی پیشانیوں

پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔
ابو رہم غفاری اپنے ابن عم سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور میرا عم زاد بدر کے کنوئیں پر کھڑے ہوئے تھے' جب ہم نے دیکھا کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) کے ساتھ لوگوں کی تعداد کم ہے اور قریش کی تعداد زیادہ ہے تو ہم نے کہا جب دونوں لشکروں کا مقابلہ ہو گا تو ہم (سیدنا) محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب کے لشکر پر حملہ کریں گے' پھر ہم (سیدنا) محمد (ﷺ) اور ان کے اصحاب کی بائیں جانب چلے گئے' اور ہم کہہ رہے تھے کہ یہ تو قریش کے لشکر کا چوتھائی ہیں' جس وقت ہم مسلمانوں کے لشکر کے بائیں جانب جا رہے تھے تو ایک بادل نے آ کر ہم کو ڈھانپ لیا' ہم نے اس بادل کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو ہمیں مردوں اور ہتھیاروں کی آوازیں سنائی دیں' اور ہم نے سنا ایک شخص اپنے گھوڑے سے کہہ رہا تھا "حیزوم آگے بڑھو" اور ہم نے سنا وہ کہہ رہے تھے ٹھیرو' پیچھے سے آؤ' پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے دائیں جانب اترے' پھر ان کی طرح ایک اور جماعت آئی' اور وہ نبی ﷺ کے ساتھ تھی' پھر جب ہم نے نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب کی طرف دیکھا تو وہ قریش سے دگنے نظر آئے' میرا عم زاد فوت ہو گیا' اور میں نے اسلام قبول کر لیا۔
سائب بن ابی حبیش اسدی' حضرت عمر بن الخطاب کے زمانہ میں بیان کر رہے تھے کہ بہ خدا مجھے کسی انسان نے گرفتار نہیں کیا تھا' ان سے پوچھا پھر کس نے گرفتار کیا تھا؟ انہوں نے کہا جب قریش نے شکست کھائی تو میں نے بھی ان کے ساتھ شکست کھائی' مجھے سفید رنگ کے ایک طویل القامت شخص نے گرفتار کیا جو آسمان اور زمین کے درمیان ایک چتکبرے گھوڑے پر سوار ہو کر آ رہا تھا' اس نے مجھے رسیوں سے باندھ دیا' حضرت عبد الرحمان بن عوف آئے تو انہوں نے مجھے بندھا ہوا پایا' حضرت عبد الرحمٰن لشکر میں اعلان کر رہے تھے کہ اس شخص کو کس نے گرفتار کیا ہے؟ تو کسی شخص نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس نے مجھے گرفتار کیا ہے' حتی کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے پاس لے جایا گیا' رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا اے ابن ابی حبیش! تم کو کس نے گرفتار کیا ہے؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا' اور میں نے جو کچھ دیکھا تھا اس کو بتلانا ناپسند کیا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو فرشتوں میں سے سے ایک کریم فرشتے نے گرفتار کیا ہے' اے ابن عوف اپنے قیدی کو لے جاؤ! تو حضرت عبد الرحمان مجھے لے گئے' سائب نے کہا میں نے ایک عرصہ تک اس بات کو مخفی رکھا اور اپنے اسلام قبول کرنے کو موخر کرتا رہا بالآخر میں مسلمان ہو گیا۔
حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں (یہ اس وقت اسلام نہیں لائے تھے) میں نے اس دن دیکھا آسمان ایک سیاہ چادر سے ڈھکا ہوا ہے اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ آسمان سے کوئی چیز آ رہی ہے جس سے (سیدنا) محمد (ﷺ) کی تائید کی گئی ہے' اور اسی وجہ سے شکست ہوئی اور یہ فرشتے تھے۔
امام واقدی بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ ہو رہی تھی تو رسول اللہ ﷺ ہاتھ اٹھائے ہوئے اللہ تعالیٰ سے فتح کی دعائیں کر رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے : "اے اللہ! اپنا وعدہ پورا فرما۔" اور کہہ رہے تھے : "اے اللہ! اگر آج یہ جماعت مغلوب ہو گئی تو پھر شرک غالب ہو جائے گا اور تیرا دین قائم نہیں ہو سکے گا' اور حضرت ابوبکر آپ سے کہہ رہے تھے کہ بہ خدا! اللہ آپ کی مدد فرمائے گا اور آپ کو سرخرو کرے گا' پھر اللہ عزوجل نے دشمن کی جانب ایک ہزار لگاتار فرشتے نازل کیے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اے ابوبکر خوشخبری ہو! یہ جبرائیل ہیں جو زرد عمامہ باندھے ہوئے ہیں' ان کے دانتوں پر غبار ہے وہ آسمان اور زمین کے درمیان اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے آ رہے ہیں' جب وہ زمین پر اترے تو ایک ساعت کے لیے مجھ سے غائب ہو

گئے، پھر ظاہر ہوئے اور کہہ رہے تھے کہ جب آپ نے مدد طلب کی تو اللہ کی مدد آ گئی۔
امام واقدی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مٹھی میں کنکریاں لیں اور یہ کہہ کر کفار کی طرف پھینکیں کہ ان کے چہرے بگڑ جائیں' اے اللہ! ان کے دلوں پر رعب طاری کر! اور ان کے قدم اکھاڑ دے' پھر اللہ کے دشمن شکست کھا گئے اور مسلمان قتل کر رہے تھے اور کفار کو قید کر رہے تھے اور مشرکوں کے چہرے اور ان کی آنکھیں خاک میں اٹی ہوئی تھیں اور ان کو پتا نہیں چل رہا تھا کہ یہ خاک کہاں سے آئی اور مومنین اور فرشتے ان کو قتل کر رہے تھے۔
(کتاب المغازی ج ۱ ص ۸۱-۷۵' مطبوعہ عالم الکتب بیروت' الطبعۃ الثالثۃ)

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
حضرت مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ جنگ بدر کے دن حاضر تھے' انہوں نے اپنی بینائی چلے جانے کے بعد کہا اگر میں تمہارے ساتھ اس وقت بدر میں ہوتا اور میں بینا بھی ہوتا تو میں تمہیں وہ گھاٹی دکھاتا جہاں سے فرشتے نکلے تھے۔
(دلائل النبوۃ ج ۳ ص ۸۱' جامع البیان ج ۴ ص ۵۰' سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۷۴)

امام ابن جوزی لکھتے ہیں:
حضرت ابوداؤد مازنی نے کہا میں جنگ بدر کے دن مشرکین میں سے ایک شخص کا پیچھا کر رہا تھا تاکہ میں اس کو قتل کروں سو میرے تلوار مارنے سے پہلے ہی اس کا سر کٹ کر گر گیا تو میں نے جان لیا کہ میرے علاوہ کسی اور نے اس کو قتل کیا ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۴۵۳-۴۵۲' سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۳۳' جامع البیان ج ۴ ص ۵۰)

امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں:
عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ جنگ بدر کے بعد ابوسفیان مکہ کے لوگوں میں جنگ کے احوال بیان کر رہا تھا۔ اس نے کہا ہم نے زمین اور آسمان کے درمیان سفید رنگ کے سوار دیکھے جو چتکبرے گھوڑوں پر سوار تھے وہ ہم کو قتل کر رہے تھے اور ہم کو قید کر رہے تھے' ابورافع نے کہا وہ فرشتے تھے۔
مقسم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا جس شخص نے عباس کو گرفتار کیا وہ حضرت ابوالیسر تھے' حضرت ابوالیسر دبلے پتلے آدمی تھے اور عباس بہت جسیم تھے' رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوالیسر سے پوچھا تم نے عباس پر کیسے قابو پایا؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ ایک شخص نے میری مدد کی تھی میں نے اس کو اس سے پہلے دیکھا تھا نہ اس کے بعد دیکھا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک معزز فرشتے نے تمہاری مدد کی تھی۔
مقسم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یوم بدر کے سوا ملائکہ نے کسی دن بھی قتال نہیں کیا' باقی ایام میں وہ عددی قوت اور مدد کے لیے آتے تھے قتال نہیں کرتے تھے۔
حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم جب تک اللہ نے چاہا قریظہ اور نضیر کا محاصرہ کرتے رہے' اور ہم کو فتح حاصل نہیں ہوئی' پھر ہم واپس آ گئے' سو جس وقت رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں اپنا سر دھو رہے تھے' اچانک آپ کے پاس جبریل آئے اور کہا اے محمد! (ﷺ) آپ نے اپنا اسلحہ اتار دیا' اور فرشتوں نے ابھی اپنے ہتھیار نہیں اتارے' پھر رسول اللہ ﷺ نے ایک کپڑا منگایا اور اس کو سر پر لپیٹا اور سر نہیں دھویا' پھر آپ نے ہمیں بلایا ہم سب آپ کے ساتھ روانہ ہوئے حتی کہ ہم قریظہ اور نضیر کے پاس پہنچے' اس دن اللہ تعالیٰ نے ہماری تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد فرمائی' اور

اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی اور ہم اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس آئے۔ (جامع البیان جز ۴ ص ۵۲-۵۰)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب نبی ﷺ غزوہ خندق سے واپس آئے تو آپ نے ہتھیار اتار دیئے اور غسل فرمایا، آپ کے پاس جبرائیل آئے اور کہا آپ نے ہتھیار اتار دیئے، بہ خدا ہم نے ابھی ہتھیار نہیں اتارے، آپ ان کی طرف نکلئے، آپ نے پوچھا کس طرف؟ جبرائیل نے کہا ادھر اور بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا سو نبی ﷺ ان کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں جبرائیل کے چلنے سے بنو غنم کی گلیوں میں غبار بلند ہو رہا تھا، جب رسول اللہ ﷺ بنو قریظہ کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۱-۵۹۰ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

فرشتوں کے قتال کے متعلق جس قدر اہم روایات ہم کو دستیاب ہوئیں ہم نے ان سب کو یہاں ذکر کر دیا ہے۔ رہا فرشتوں کی مدد کا معاملہ تو کئی غزوات میں فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لیے نازل ہوئے، لیکن فرشتوں کا نزول ان کے جنگ کرنے کو مستلزم نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی عددی قوت بڑھانے کے لیے، ان کی دلجمعی کے لیے، ان کو مطمئن کرنے کے لیے، جنگ میں ان کو ثابت قدم رکھنے کے لیے، دشمنوں پر رعب طاری کرنے کے لیے اور ان کو فتح اور نصرت کی بشارت دینے کے لیے فرشتوں کا نزول ہوا تھا، انہوں نے کفار کے خلاف جنگ میں عملاً حصہ نہیں لیا کیونکہ انسانوں کا فرشتوں سے مقابلہ کرانا اللہ تعالیٰ کے قانون اور اس کی حکمت کے خلاف ہے، مقابلہ ایک جنس کے افراد میں ہوا کرتا ہے، جن روایات میں یہ ذکر ہے کہ فرشتوں نے کفار سے قتال کیا تھا ان میں سے بعض سنداً ضعیف ہیں اور بعض میں تاویل اور توجیہ ہے، اس سلسلہ میں ہم پہلے اس مسئلہ میں مفسرین کی آراء کا ذکر کریں گے پھر اپنا موقف پیش کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

جنگ بدر میں قتال ملائکہ کے متعلق مفسرین اسلام کی آراء

امام ابو جعفر محمد ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

ان آیات کی تفسیر میں صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سیدنا محمد ﷺ کی طرف سے یہ خبر دی کہ آپ نے مسلمانوں سے یہ فرمایا کہ کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تمہاری تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کرے، سو اللہ تعالیٰ نے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ ان کی مدد کا وعدہ فرمایا، پھر ان سے پانچ ہزار فرشتوں کی مدد کا وعدہ فرمایا بہ شرطیکہ وہ دشمن کے مقابلہ میں صبر کریں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں، اور ان آیتوں میں اس پر دلیل نہیں ہے کہ ان کی تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی اور نہ اس پر دلیل ہے کہ ان کی پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی، اور نہ اس پر دلیل ہے کہ ان کی مدد نہیں کی گئی تھی، اس لیے فرشتوں کا مدد کرنا اور نہ کرنا دونوں امر جائز ہیں، اور ہمارے پاس کوئی صحیح حدیث نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ تین ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی یا پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی، اور بغیر کسی صحیح حدیث کے ان میں سے کسی چیز کا قول کرنا جائز نہیں ہے، البتہ قرآن مجید میں یہ دلیل ضرور ہے کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد کی گئی تھی اور وہ یہ آیت ہے:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ — جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری

مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ۔ فریاد سن لی کہ میں تمہاری ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں سے مدد کرنے والا ہوں۔ (الانفال: ۹)

البتہ جنگ احد میں مسلمانوں کی فرشتوں سے مدد نہیں کی گئی ورنہ وہ شکست نہ کھاتے۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۵۳' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اہل تفسیر اور اہل سیرت کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے دن فرشتوں کو نازل کیا اور انہوں نے کفار سے قتال کیا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا فرشتوں نے جنگ بدر کے سوا اور کسی دن قتال نہیں کیا اور باقی غزوات میں فرشتے عددی قوت کے اظہار اور مدد کے لیے نازل کیے گئے تھے لیکن انہوں نے عملی طور پر قتال میں کوئی حصہ نہیں لیا' اور یہی جمہور کا قول ہے لیکن ابوبکر اصم نے اس کا بڑی شدت کے ساتھ انکار کیا ہے اور ان کے حسب ذیل دلائل ہیں:

(۱) تمام روئے زمین کو تباہ کرنے کے لیے ایک فرشتہ کافی ہے' حضرت جبرائیل نے اپنے ایک پر سے مدائن کی سرزمین کو تحت الثریٰ سے لے کر آسمان تک اٹھایا پھر اس زمین کو پلٹ کر پھینک دیا اور قوم لوط تباہ ہو گئی تو پھر جنگ بدر کے دن ان کو کافروں سے لڑنے کی کیا حاجت تھی؟ پھر ان کے ہوتے ہوئے باقی فرشتوں کی کیا ضرورت تھی۔

(۲) قتل کیے جانے والے تمام بڑے بڑے کافر مشہور تھے اور یہ معلوم تھا کہ فلاں کافر کو فلاں صحابی نے قتل کیا ہے تو پھر فرشتوں نے کس کو قتل کیا تھا۔

(۳) اگر فرشتے کفار کو انسانی شکل میں نظر آ رہے تھے تو پھر مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تیرہ سو یا تین ہزار یا اس سے زائد ہو جائے گی حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ مسلمانوں کی تعداد کافروں سے کم تھی' اور اگر وہ غیر انسانی شکل میں تھے تو کفار پر سخت رعب طاری ہونا چاہئے تھا' حالانکہ یہ منقول نہیں ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں اس قسم کے شبہات وہی شخص پیش کر سکتا ہے جو قرآن مجید اور نبوت پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ لیکن جو قرآن مجید اور احادیث پر ایمان رکھتا ہو اس سے اس قسم کے شبہات بہت بعید ہیں' سو ابوبکر اصم کے لائق نہیں ہے کہ وہ فرشتوں کے قتال کرنے کا انکار کرے جب کہ قرآن مجید میں فرشتوں کی مدد کرنے کا ذکر ہے اور فرشتوں کے قتال کرنے کے متعلق جو احادیث ہیں وہ تواتر کے قریب ہیں' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب قریش جنگ احد سے واپس ہوئے تو وہ آپس میں یہ باتیں کر رہے تھے کہ اس مرتبہ ہم نے وہ چتکبرے گھوڑے اور سفید پوش انسان نہیں دیکھے جن کو ہم نے جنگ بدر میں دیکھا تھا' ابوبکر اصم کے شبہات کا جب ہم اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے مقابلہ میں جائزہ لیتے ہیں تو وہ زائل ہو جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ اپنے کسی کام پر کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۴۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے جنگ بدر کے دن دیکھا کہ ہم کسی مشرک پر تلوار مارتے اور ہماری تلوار پہنچنے سے پہلے اس کا سر دھڑ سے الگ ہو جاتا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (الانفال : ۱۲)

جب آپ کے رب نے فرشتوں کو وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو' عنقریب میں کافروں کے دلوں پر رعب طاری کروں گا' تم کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑ کے اوپر ضرب لگاؤ۔

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن فرشتوں کے ہاتھوں قتل کیے ہوئے کافر الگ پہچانے جاتے تھے۔ ان کی گردنوں کے اوپر تلوار کے وار تھے اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب تھی' اور ہر ضرب کی جگہ ایسی تھی جیسے آگ سے جلی ہوئی ہو' امام بیہقی نے ان تمام کافروں کا ذکر کیا ہے۔ اور بعض علماء نے کہا کہ فرشتے قتل کرتے تھے اور کافروں میں ان کی ضرب کی علامت صاف ظاہر تھی' کیونکہ جس جگہ وہ ضرب لگاتے تھے وہ جگہ آگ سے جل جاتی تھی۔ حتیٰ کہ ابو جہل نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا تم نے مجھے قتل کیا ہے؟ مجھے اس شخص نے قتل کیا کہ باوجود میری پوری کوشش کے میرا نیزہ اس کے گھوڑے تک نہیں پہنچ سکا' اور اس قدر زیادہ فرشتے نازل کرنے کا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کے دل پر سکون رہیں' اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے ان فرشتوں کو مجاہد بنا دیا' سو ہر وہ لشکر جو صبر و ضبط سے کام لے اور محض ثواب کی نیت سے لڑے فرشتے آ کر اس کے ساتھ قتال کرتے ہیں' حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا کہ جنگ بدر کے سوا اور کسی جنگ میں فرشتوں نے قتال نہیں کیا اور باقی غزوات میں وہ صرف عددی قوت کے اظہار اور مدد کے لیے آتے تھے' اور بعض علماء نے کہا کہ بہ کثرت فرشتوں کو نازل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ دعا کریں' تسبیح پڑھیں اور لڑنے والوں کی عددی قوت میں اضافہ کریں' اس قول کی بناء پر فرشتوں نے جنگ بدر میں بھی قتال نہیں کیا وہ صرف دعا کرنے کے لیے اور مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے حاضر ہوئے تھے۔ لیکن پہلی رائے کے قائلین زیادہ ہیں۔

قتادہ نے کہا پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ جنگ بدر میں مدد کی گئی تھی' حسن نے کہا یہ پانچ ہزار فرشتے قیامت تک مسلمانوں کے مددگار ہیں' شعبی نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو یہ خبر پہنچی تھی کہ کرز بن جابر محاربی مشرکین کی مدد کرنا چاہتا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر یہ خبر شاق گزری تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی : کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تین ہزار نازل کیے ہوئے فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے○ ہاں کیوں نہیں! اگر تم ثابت قدم رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو جس آن دشمن تم پر چڑھائی کریں گے اسی آن اللہ (تین ہزار کی بجائے) پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا○ (آل عمران : ۱۲۵۔ ۱۲۴) کرز کو جب مشرکوں کی شکست کی خبر پہنچی تو وہ ان کی مدد کے لیے نہیں آیا اور لوٹ گیا' اور اللہ تعالیٰ نے بھی مدد کے لیے پانچ ہزار فرشتے نہیں بھیجے' اور ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ ان کی مدد کی گئی تھی' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے جنگ بدر کے دن یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں اور اس کی نافرمانی کرنے سے ڈریں اور بچیں' تو اللہ تعالیٰ ان کی تمام جنگوں میں مدد فرمائے گا اور مسلمان جنگ خندق کے سوا اور کسی جنگ میں ثابت قدم نہیں رہے اور صرف اسی جنگ میں نافرمانی کرنے سے ڈرے تو جب انہوں نے قریظہ کا محاصرہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی (انزال ملائکہ) سے مدد فرمائی' ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت جنگ احد کے متعلق ہے کہ اگر وہ اس میں ثابت قدم رہتے' اور نافرمانی نہ کرتے تو پانچ ہزار فرشتوں سے ان کی مدد کی جاتی۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث ثابت ہے کہ میں نے جنگ بدر کے دن دو

سفید پوش آدمیوں کو رسول اللہ ﷺ کے دائیں اور بائیں بہت شدت سے قتال کرتے ہوئے دیکھا' اور اس سے پہلے اور اس کے بعد ان آدمیوں کو نہیں دیکھا تھا' اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ وعدہ نبی ﷺ کے ساتھ مخصوص ہو اور عام صحابہ کی فرشتوں کے قتال سے مدد نہ کی گئی ہو۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۱۹۵۔ ۱۹۴' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

مفتی محمد عبدہ لکھتے ہیں :

فرشتوں کی مدد معنوی تھی جس سے مسلمان ثابت قدم رہے اور ان کے ارادے پختہ ہوئے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اور اللہ نے ان (فرشتوں کے نازل کرنے) کو محض تمہیں خوش خبری دینے کے لیے کیا ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن رہیں اور (درحقیقت) مدد تو صرف اللہ کی طرف سے ہوتی ہے جو بہت غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔ (آل عمران : ۱۲۶) یعنی تاکہ کفار کے لشکر کی کثرت کو دیکھ کر تمہارے دلوں میں گھبراہٹ پیدا نہ ہو سو تمہاری تسکین کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتے نازل کیے' اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو تم سے فرشتوں کی مدد کا وعدہ کیا ہے وہ محض تمہیں خوشخبری دینے اور تمہاری تسکین کے لیے ہے' کیونکہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرشتے نازل کرنے کا وعدہ نہیں کیا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے جو مسلمانوں سے وعدہ فرمایا ہے اس کو نقل فرمایا ہے اور فرشتوں کی مدد کا محمل یہ ہے کہ اس سے دشمن کے دل میں رعب واقع ہو گا اور خوف پیدا ہو گا' اور مسلمان جنگ میں ثابت قدم رہیں گے اور فرشتے ان کو جنگ کے متعلق عمدہ تدبیریں القاء کریں گے چنانچہ نبی ﷺ وادی کے قریب ترین راستے میں اتر گئے تھے' اور آپ نے اس راستہ کو دشمن سے مخفی رکھا اور آپ نے بہت مناسب جگہ لشکر کو ٹھیرایا' اور لشکر کی پشت پہاڑ کی طرف رکھی اور تیراندازوں کو ان کے پیچھے کھڑا کیا' اگر ان تدبیروں میں سے کوئی تدبیر بھی بروئے کار نہ لائی جاتی تو مشکل پیش آتی۔

بعض سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ فرشتوں نے جنگ احد میں لڑائی میں حصہ لیا' امام ابن جحر نے اس کی نفی کی ہے اور حضرت ابن عباس نے یہ روایت نقل کی ہے کہ فرشتوں نے صرف جنگ بدر میں قتال کیا ہے اور کسی جنگ میں قتال نہیں کیا' ابوبکر اصم نے اس کا بہت شدت سے انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ایک فرشتہ ہی تمام روئے زمین کو ہلاک کرنے کے لیے کافی ہے اتنے فرشتے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی' نیز ہر کافر کے متعلق معلوم ہے کہ اس کو فلاں صحابی نے قتل کیا ہے پھر فرشتوں نے کس کو قتل کیا تھا' نیز اگر فرشتے انسانی شکلوں میں دکھائی دے رہے تھے تو مسلمانوں کی تعداد کافروں سے بہت زیادہ ہو گئی حالانکہ قرآن مجید میں ہے :

وَيُقَلِّلُكُمْ فِيٓ اَعْيُنِهِمْ (الانفال : ۴۴) اور اللہ تم کو ان کی نگاہوں میں کم دکھا رہا تھا۔

اور اگر فرشتے انسانی شکلوں میں نظر نہیں آ رہے تھے تو لازم آئے گا کہ بغیر کسی فاعل کے سر کٹ کٹ کر گر رہے ہوں' پیٹ چاک ہو رہے ہوں اور اعضاء کٹ کٹ کر گر رہے ہوں اور یہ بہت عظیم معجزہ تھا اور اس کو تواتر سے نقل ہونا چاہیے تھا۔

امام رازی نے جو ابوبکر اصم کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابوبکر اصم کا یہ قول قرآن مجید کے خلاف ہے تو قرآن مجید میں کہیں یہ نص صریح نہیں ہے کہ فرشتوں نے بالفعل قتال کیا ہے' البتہ سورہ انفال میں غزوہ بدر کے سیاق میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مسلمانوں کی مدد کرے گا' اور اس مدد کا یہ معنی ہے کہ فرشتے مسلمانوں کو جنگ میں ثابت قدم رکھیں گے اور ان کی نیت درست رکھیں گے کیونکہ فرشتے انسانوں میں الہام وغیرہ کے ساتھ تاثیر

کرتے ہیں اور اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے کہ اور اللہ نے اس (نزول ملائکہ) کو محض تمہیں خوشخبری دینے کے لیے کیا ہے اور تاکہ اس سے تمہارے دل مطمئن رہیں۔ (آل عمران: ۱۲۶' الانفال: ۱۰)
باقی رہا یہ کہ اس میں کیا حکمت تھی کہ جنگ بدر کے دن فرشتوں کی مدد آئی اور جنگ احد کے دن نہیں آئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے احوال ان دنوں میں مختلف تھے' جنگ بدر کے دن مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی اور کسی پر نظر نہیں تھی اور انہوں نے اس جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اطاعت کی' اور جنگ احد میں سب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اطاعت نہیں کی بلکہ بعض مسلمان آپ کی مقرر کی ہوئی جگہ سے ہٹ گئے تھے۔ (المدارک ج ۴ ص ۱۱۵۔ ۱۱۲' ملخصاً" مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں:
فرشتوں کے قتال کرنے میں اختلاف ہے اور بعض احادیث فرشتوں کے قتال کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔
(انوار التنزیل ص ۲۳۵' مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع' مصر)

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ لکھتے ہیں:
اس میں اختلاف ہے کہ فرشتوں نے کفار کے خلاف قتال کیا تھا یا قتال نہیں کیا بلکہ فرشتوں کا نازل ہونا صرف مسلمانوں کی تقویت کے لیے تھا اور ان کے دشمنوں کو کمزور کرنے کے لیے تھا' اس کی تفصیل کشاف میں ہے۔
(عنایۃ القاضی ج ۴ ص ۲۵۶' مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۲۸۳ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی لکھتے ہیں:
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ عزوجل نے اس امداد کو محض بشارت اور مسلمانوں کے دلوں کے اطمینان کے لیے نازل کیا ہے' اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ فرشتوں نے قتال نہیں کیا' اور یہ بعض علماء کا مذہب ہے' اور بعض احادیث میں اس کی دلیل ہے حضرت ابواسید نے نابینا ہونے کے بعد کہا اگر میں اس وقت بدر میں ہوتا اور بینا ہوتا تو تم کو وہ گھاٹی دکھاتا جس سے فرشتے نکل رہے تھے۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۱۷۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)
قرآن مجید میں صراحۃً یہ مذکور نہیں ہے کہ فرشتوں نے جنگ بدر میں قتال کیا' البتہ سورہ انفال کی اس آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے:

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَةِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ کُلَّ بَنَانٍ (الانفال: ۱۲)

جب آپ کے رب نے فرشتوں کو وحی کی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں' تو تم ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو' عنقریب میں کافروں کے دلوں میں رعب طاری کروں گا تم کافروں کی گردنوں کے اوپر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑ کے اوپر ضرب لگاؤ۔

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:
اس آیت سے بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے کہ فرشتوں نے بالفعل لڑائی میں حصہ لیا' لیکن جن حضرات نے اسے مستبعد جانا ہے ان کا خیال ہے کہ فاضربوا میں خطاب مومنین سے ہے اور انہیں مارنے کا حکم دیا جا رہا ہے لیکن اس آیت کے الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے۔ (ضیاء القرآن ج ۲ ص ۱۳۴' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور)

علامہ ابو محمد ابن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ لکھتے ہیں :

اس آیت میں یا تو فرشتوں سے خطاب ہے کہ تم کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور یا یہ مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم کافروں کو قتل کرو۔ (المحرر الوجیز' ج ۸ ص ۷۷' مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

اس آیت میں ان علماء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ فرشتوں نے قتال کیا تھا' اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے قتال نہیں کیا تھا وہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرشتوں کے قول کی حکایت کی ہے وہ مسلمانوں کو جنگ میں ثابت قدم رکھتے تھے' ان کا حوصلہ بڑھاتے تھے اور فرشتے مومنوں سے یہ کہتے تھے کہ تم کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور کافروں کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔ (روح المعانی ج ۹ ص ۱۸۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابوالحیان اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں :

جو معنی واضح ہے وہ یہی ہے کہ اس آیت میں فرشتوں کے ثابت قدم رکھنے کی تفسیر ہے اور فرشتے مسلمانوں سے یہ کہتے تھے کہ کافروں کی گردنوں پر وار کرو اور ان کے ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔ (البحر المحیط ۵ ص ۲۸۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

روایات میں ہے کہ بدر میں ملائکہ کو لوگ آنکھوں سے دیکھتے تھے اور ان کے مارے ہوئے کفار کو آدمیوں کے قتل کیے ہوئے کفار سے الگ شناخت کرتے تھے۔ (تفسیر بر حاشیہ قرآن' مطبوعہ سعودی عربیہ)

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

ابوداؤد مازنی جو بدر میں حاضر ہوئے تھے فرماتے ہیں کہ میں ایک مشرک کی گردن مارنے کے لیے اس کے درپے ہوا اس کا سر میری تلوار کے پہنچنے سے پہلے ہی کٹ کر گر گیا تو میں نے جان لیا کہ اس کو کسی اور نے قتل کیا۔

(تفسیر بر حاشیہ قرآن مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور)

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

جو اصولی باتیں ہم کو قرآن کے ذریعہ سے معلوم ہیں ان کی بناء پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ فرشتوں سے قتال میں یہ کام نہیں لیا ہو گا کہ وہ خود حرب و ضرب کا کام کریں' بلکہ شاید اس کی صورت یہ ہو گی کہ کفار پر جو ضرب مسلمان لگائیں وہ فرشتوں کی مدد سے ٹھیک بیٹھے اور کاری لگے۔ واللہ اعلم بالصواب

(تفہیم القرآن ج ۲ ص ۱۳۴' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن' لاہور)

مفتی محمد شفیع کا کلام اس مسئلہ میں واضح نہیں ہے' انہوں نے دو ٹوک طریقے سے نہ تو فرشتوں کے قتال کا قول کیا ہے اور نہ صراحتہ" اس کی نفی کی ہے۔ سورہ آل عمران کی تفسیر میں قتال ملائکہ کی بعض روایات نقل کر کے لکھتے ہیں :

یہ سب مشاہدات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں کہ ملائکۃ اللہ نے مسلمانوں کو اپنی نصرت کا یقین دلانے کے لیے کچھ کچھ کام ایسے بھی کیے ہیں کہ گویا وہ بھی قتال میں شریک ہیں اور در اصل ان کا کام مسلمانوں کی تسلی اور تقویت قلب تھا' فرشتوں کے ذریعہ میدان جنگ فتح کرانا مقصود نہیں تھا' اس کی واضح دلیل یہ بھی ہے کہ اس دنیا میں جنگ و جہاد کے فرائض انسانوں پر عائد کیے گئے ہیں اور اسی وجہ سے ان کو فضائل و درجات حاصل ہوتے ہیں' اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہوتی کہ

فرشتوں کے لشکر سے ملک فتح کرائے جائیں تو دنیا میں کفر و کافر کا نام ہی نہ رہتا' حکومت و سلطنت کی تو کیا گنجائش تھی مگر اس کارخانہ قدرت میں اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت ہی نہیں۔ (معارف القرآن ج ۴ ص ۱۷۴' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۷ھ)

اور سورہ انفال کی زیر بحث آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

اس میں فرشتوں کو دو کام سپرد کیے گئے ایک یہ کہ مسلمانوں کی ہمت بڑھائیں۔ یہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتے میدان میں آ کر ان کی جماعت کو بڑھائیں اور ان کے ساتھ مل کر قتال میں حصہ لیں' اور اس طرح بھی کہ اپنے تصرف سے مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط کر دیں اور ان میں قوت پیدا کر دیں۔ دوسرا کام یہ بھی ان کے سپرد ہوا کہ فرشتے خود بھی قتال میں حصہ لیں اور کفار پر حملہ آور ہوں۔ اس آیت سے ظاہر یہی ہے کہ فرشتوں نے دونوں کام انجام دیئے' مسلمانوں کے دلوں میں تصرف کر کے ہمت و قوت بھی بڑھائی اور قتال میں بھی حصہ لیا' اور اس کی تائید چند روایات حدیث سے بھی ہوتی ہے جو تفسیر در منثور اور مظہری میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں اور قتال ملائکہ کی عینی شہادتیں صحابہ کرام سے نقل کی ہیں۔ (معارف القرآن ج ۴ ص ۱۹۷' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۳۹۷ھ)

شیعہ مفسر شیخ فتح اللہ کاشانی لکھتے ہیں :

روایت ہے کہ جنگ بدر کے دن جبرائیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ اور میکائیل پانچ سو فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے' جبرائیل دائیں جانب تھے اور میکائیل بائیں جانب تھے' انہوں نے سفید لباس پہنا ہوا تھا اور عمامہ کا شملہ کندھوں کے درمیان ڈالا ہوا تھا' انہوں نے مشرکوں کے ساتھ جنگ کی اور ان کو مغلوب کیا' اور ماضی اور مستقبل میں سے جنگ بدر کے سوا اور کسی دن میں فرشتوں کو جہاد کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کے بلند مرتبہ کی وجہ سے ان کو صرف جنگ بدر کے دن جہاد کا حکم دیا گیا تھا' حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مشرک کے ساتھ جنگ کرتا تو اس مشرک کے سر کے اوپر سے تازیانہ کی آواز آتی اور جب مسلمان شخص نظر اوپر اٹھاتا تو وہ مشرک زمین پر پڑا ہوتا اور اس کے سر کے اوپر تازیانہ کا نشان ظاہر ہوتا' اور وہ شخص کسی اور کو نہ دیکھتا' اور جب اس نے رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کی خبر سنائی تو آپ نے فرمایا یہ فرشتے تھے جن کو حق تعالیٰ نے تمہاری مدد کے لیے بھیجا تھا' اور حضرت امیر المومنین صلوات اللہ علیہ نے فرمایا ہمارے شہید اور قریش کے مقتولین میں فرق یہ تھا کہ ہمارے شہداء پر زخموں کے نشانات تھے اور قریش کے مقتولین پر زخموں کے نشانات نہیں تھے۔

(منہج الصادقین ج ۲ ص ۱۶۸' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران)

آیۃ اللہ مکارم شیرازی لکھتے ہیں :

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے' بعض اس کے معتقد ہیں کہ فرشتے اپنے مخصوص اسلحہ کے ساتھ نازل ہوئے تھے' اور انہوں نے دشمنوں پر حملہ کیا اور ان کی ایک جماعت کو خاک پر گرا دیا' اور اس سلسلہ میں انہوں نے کچھ روایات کو بھی نقل کیا ہے' اور مفسرین کا دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ فرشتے صرف مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے' ان کے دلوں کو تقویت دینے اور ان کو فتح کی خوشخبری دینے کے لیے نازل ہوئے تھے اور یہی قول حقیقت سے قریب تر ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) آل عمران : ۱۲۶ اور الانفال : ۱۰ میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ فرشتوں کا نزول صرف مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنے اور ان کو فتح کی بشارت دینے کے لیے ہوا تھا۔

امام ابو منصور محمد بن محمد محمود ماتریدی السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۳۳ ھ لکھتے ہیں:
ملائکہ کے قتال میں اختلاف کیا گیا ہے' بعض مفسرین نے کہا ہے کہ فرشتوں نے کفار سے قتال کیا تھا اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ فرشتوں نے قتال نہیں کیا بلکہ وہ مسلمانوں کے دلوں کو مطمئن رکھنے کے لیے آئے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّیُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ. (الانفال: ۴۴)
اور (یاد کرو) جب تم سے مقابلہ کے وقت تمہیں کفار کی تعداد کم دکھائی اور تمہاری تعداد بھی انہیں کم دکھائی۔

یعنی مسلمانوں کو کفار کی تعداد کم دکھائی تاکہ اُن کی اصل تعداد جو بہت زیادہ تھی' کو دیکھ کر مسلمان گھبرا نہ جائیں اور اگر یہ کہا جائے کہ فرشتوں نے قتال کیا تھا تو فرشتے تو کفار کی زیادہ تعداد سے گھبرانے والے نہیں ہیں' کیونکہ ان میں سے ایک فرشتہ بھی تمام مشرکین کے لیے کافی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت جبریل نے کیسے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں کو اٹھا کر پلٹ دیا تھا' سو یہ ہمارے قول پر دلالت کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فرشتوں نے قتال کیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے غزوۂ بدر میں قتال کیا تھا' غزوۂ احد میں نہیں کیا تھا' سو ہم کو نہیں معلوم کہ اصل واقعہ کیا تھا۔ (تاویلات اہل السنۃ ج ۱ ص ۳۰۵ 'موسسۃ الرسالۃ' ناشرون' ۱۴۲۵ ھ)

امام ابوالحجاج مجاہد بن جبر القرشی المخزومی المتوفی ۱۰۴ ھ لکھتے ہیں:
مشرکین کے ساتھ فرشتوں نے غزوۂ اُحد میں قتال نہیں کیا' انہوں نے مشرکین کے ساتھ صرف یوم بدر میں قتال کیا تھا۔
(تفسیر مجاہد ص ۴۲ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۶ ھ)

امام ابوالحسن مقاتل بن سلیمان بن بشیر الازدی البلخی المتوفی ۱۵۰ ھ لکھتے ہیں:
جبریل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے اور صحابہ کرام کے دائیں جانب پانچ سو فرشتوں کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ ان صحابہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے جب کہ حضرت میکائیل علیہ السلام پانچ سو فرشتوں کے ساتھ صحابہ کے بائیں جانب کھڑے ہو گئے' ان صحابہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ ان فرشتوں نے سفید لباس اور سفید عمامے زیب تن کیے ہوئے تھے اور انہوں نے عمامہ کے شملے کندھوں کے درمیان پیچھے چھوڑے ہوئے تھے۔ فرشتوں نے جنگ بدر میں قتال کیا تھا اور جنگ احزاب و جنگ خیبر میں قتال نہیں کیا تھا۔ (تفسیر مقاتل بن سلیمان ج ۲ ص ۷' دار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۴۲۴ ھ)

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی المتوفی ۵۱۶ ھ لکھتے ہیں:
روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب غزوۂ بدر میں رب عزوجل سے بہت زیادہ دُعا کی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو وعدہ فرمایا ہے وہ ضرور پورا فرمائے گا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عریش میں بیٹھے معمولی سی نیند آ گئی' پھر آپ بیدار ہوئے' پھر آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! اللہ کی مدد آ گئی' یہ جبریل ہیں جو اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے قیادت کر رہے ہیں اور ان کے سامنے کے دانتوں پر گرد و غبار ہے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۸۰۔۸۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے دن فرمایا: یہ جبریل ہیں جو اپنے گھوڑے کے سر کو پکڑے ہوئے ہیں اور ان کے اوپر جنگ کے ہتھیار ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں فرشتوں کی علامت سفید عمامے تھے اور جنگ حنین میں سبز عمامے تھے اور فرشتوں نے جنگ بدر کے سوا کسی دن بھی قتال نہیں کیا اور باقی ایام میں فرشتے عددی برتری اور مدد کے لیے آئے تھے۔

اور ابو اُسید مالک بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ وہ جنگ بدر میں موجود تھے اور انہوں نے اپنی بینائی زائل ہونے کے بعد کہا کہ اگر میں

تمہارے ساتھ آج وادی بدر میں ہوتا اور میری بصارت بھی ہوتی تو میں تم کو وہ گھاٹی دکھاتا جہاں سے فرشتے نکلے تھے۔

(دلائل النبوت للبیہقی ج ۳ ص ۵۳) (معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۷۳' دار احیاء التراث العربی' بیروت' ۱۴۲۰ھ)

قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی حنفی مظہری نقشبندی متوفی ۱۱۴۳ھ لکھتے ہیں:

بعض فرشتے بعض مَردوں کی صورت میں ظاہر ہوئے تھے۔ ابوسفیان بن حارث کہتے ہیں کہ ہم نے جنگ بدر میں کچھ سفید انسان دیکھے جو چتکبرے گھوڑوں پر سوار آسمان اور زمین کے درمیان تھے۔

امام بیہقی اور امام ابن عساکر نے سہل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے جنگ بدر میں کچھ سفید رنگ کے انسانوں کو چتکبرے گھوڑوں پر آسمان اور زمین کے درمیان دیکھا' وہ نشان زدہ تھے' وہ کافروں کو گرفتار بھی کر رہے تھے اور قتل بھی کر رہے تھے۔

امام ابن عساکر نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے جنگ بدر میں دو آدمیوں کو دیکھا' ایک آپ کے دائیں جانب تھا اور ایک آپ کے بائیں جانب تھا۔ وہ دونوں بہت شدت سے قتال کر رہے تھے' پھر میں نے ایک تیسرے شخص کو دیکھا جو آپ کے پیچھے تھا' پھر ایک چوتھے شخص کو دیکھا جو آپ کے آگے تھا۔

ابراہیم غفاری اپنے عم زاد سے روایت کرتے ہیں کہ میں اور میرا عم زاد بدر کے پانی پر کھڑے ہوئے تھے' جب ہم نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوگوں کی قلت کو دیکھا اور قریش کی کثرت کو دیکھا تو ہم نے کہا: یہ لوگ تو قریش کے چوتھائی ہیں' اسی اثناء میں ہم نے دیکھا کہ ایک بادل آیا جس نے ہم کو ڈھانپ لیا' پھر ہم نے آدمیوں کی اور ہتھیاروں کی آوازیں سُنیں اور ہم نے سُنا' ایک آدمی کہہ رہا تھا: اے حیزوم! آگے بڑھو۔ پھر وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب اُتر آئے' پھر اسی طرح کی دوسری جماعت آپ کے بائیں جانب اُتر آئی۔ (الحدیث)

(تفسیر مظہری ج ۴ ص ۲۵' مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ' کوئٹہ' ۱۴۲۵ھ)

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ

آپ اس میں سے کسی چیز کے مالک نہیں، اللہ (چاہے تو) ان (کافروں) کی توبہ قبول فرمائے یا وہ ان کو عذاب دے

فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط

کیوں کہ بیشک وہ ظلم کرنے والے ہیں ○ اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع

۱۳ ۹ ۴

وہ جسے چاہے بخش دیتا ہے اور وہ جسے چاہے عذاب دیتا ہے اور اللہ نہایت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے

لیس لک من الامر شئی کے شان نزول میں متعدد اقوال

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں

اس آیت کے شان نزول میں کئی اقوال ہیں' زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ یہ آیت واقعہ احد میں نازل ہوئی ہے اور اس کی بھی کئی تقریریں درج ذیل ہیں:

(۱) عتبہ بن ابی وقاص کی ضرب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک زخمی ہو گیا اور سامنے کے چار دانتوں میں سے دائیں جانب کا

نچلا دانت شہید ہو گیا' آپ اپنے چہرے سے خون صاف کر رہے تھے اور ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام آپ کے چہرے سے خون دھو رہے تھے' اس وقت آپ نے فرمایا وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون آلود کر دیا' اس وقت آپ نے ان کے لیے دعائے ضرر کرنا چاہی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (اس حدیث کا بیان صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۲ میں ہے۔)

(۲) سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے کچھ لوگوں کے لیے دعاء ضرر کی اور فرمایا: اے اللہ ابوسفیان پر لعنت فرما' اے اللہ حارث بن ہشام پر لعنت فرما' اے اللہ صفوان بن امیہ پر لعنت فرما' تب یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی' اور ان لوگوں نے مسلمان ہو کر نیک عمل کیے۔

(۳) نبی ﷺ نے سیدنا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو دیکھا ان کو مثلہ کر دیا گیا تھا اور ان کی لاش کے اعضاء کاٹ دیئے گئے تھے تو آپ نے فرمایا میں تیس کافروں کو مثلہ کروں گا' تب یہ آیت نازل ہوئی۔ قفال نے کہا جنگ احد میں یہ تمام واقعات پیش آئے۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ یہ تینوں واقعات اس آیت کے نزول کا سبب ہوں۔ (امام رازی اور بعض دیگر مفسرین کو یہاں وہم ہوا ہے' رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ میں تیس کافروں کو مثلہ کروں گا' آپ نے فرمایا تھا میں بھی ان کو مثلہ کروں گا' کتاب المغازی للواقدی ج ۱ ص ۳۲۰' کیونکہ قرآن مجید میں ہے: وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به النحل: ۱۲۶' اگر تم انہیں سزا دو تو ایسی ہی سزا دو جیسی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی۔ امام رازی نے بغیر کسی حوالہ کے اس روایت کو تفسیر کبیر میں درج کیا ہے' جب میں نے اس روایت کو پڑھا تو میرے قلب و ضمیر نے یہ قبول نہیں کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ کی لاش کو مثلہ کئے ہوئے دیکھ کر یہ فرمایا ہو کہ میں اس کے بدلہ میں ان کے تیس کافر مثلہ کروں گا' میں اس روایت کی اصل تلاش کرتا رہا بہرحال مجھے کتاب المغازی للواقدی میں یہ روایت مل گئی جس میں ہے کہ میں ان کو مثلہ کروں گا' اور آپ کا یہ ارشاد قرآن مجید کے مطابق ہے کہ "برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے۔" (الشوریٰ: ۴۰) اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے یہ توفیق بخشی)۔ اس آیت کے متعلق دوسرا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جن بعض لوگوں نے جنگ احد میں نبی ﷺ کی حکم عدولی کی تھی' اور اس وجہ سے شکست ہوئی تھی' نبی ﷺ نے ان کے خلاف دعاء ضرر کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ان تمام اسباب کا تعلق واقعہ احد سے ہے' لیکن مقاتل نے ایک اور سبب بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کی ایک جماعت کو بیر معونہ کی طرف بھیجا تاکہ وہ ان کو قرآن کی تعلیم دیں' عامر بن طفیل ان کو اپنے لشکر کے ساتھ لے گیا اور ان کو گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ سے سخت اذیت پہنچی اور آپ نے چالیس روز تک ان کافروں کے خلاف دعائے ضرر کی اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی لیکن یہ قول بعید ہے کیونکہ اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت کا تعلق قصہ احد کے ساتھ ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۷۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

آپ کو کفار پر لعنت کرنے سے منع کرنا آپ کی عصمت کے خلاف نہیں ہے

اس آیت کے جو شان نزول بیان کیے گئے ہیں ان پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ ایسے کام کرتے رہے تھے جن سے آپ کو منع کیا گیا' سو اگر یہ کام حسن تھے تو آپ کو ان سے منع کیوں کیا گیا اور اگر یہ کام قبیح تھے تو یہ آپ کے معصوم ہونے کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی ﷺ نے جو کفار پر لعنت کی یا دعاء ضرر کی یہ ترک اولیٰ اور ترک افضل کے باب سے ہے' اس کی نظیر قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ (النحل : ۱۲۶) اور اگر تم ان کو سزا دو تو اتنی ہی سزا دو جتنی تم کو اذیت پہنچائی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو بے شک صبر کرنے والوں کے لیے صبر بہت اچھا ہے۔

اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر تم کسی کی اذیت پہنچانے سے اس کا بدلہ لو' تو بدلہ لینا جائز ہے لیکن اگر تم بدلہ لینے کے بجائے صبر کرو تو وہ افضل اور اولیٰ ہے' اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار پر لعنت کرنا اور ان کے خلاف دعاء ضرر کرنا جائز تھا لیکن اس کو ترک کرنا زیادہ افضل اور اولیٰ ہے' سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو افضل اور اولیٰ کے ترک کرنے سے منع فرمایا ہے اور ترک افضل اور ترک اولیٰ عصمت کے خلاف نہیں ہے۔ عصمت کے خلاف گناہ کبیرہ یا گناہ صغیرہ ہے اور آپ نے کبھی بھی کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ نبوت سے پہلے نہ نبوت کے بعد' نہ سہوا" نہ عمدا" نہ صورۃ" نہ حقیقتہ"۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض کفار پر لعنت کرنے اور دعاء ضرر کرنے کا بیان ان حدیثوں میں ہے :

بعض کافروں کے خلاف دعاء ضرر کرنے اور لعنت کرنے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز کی دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد کے بعد یہ دعا کرتے : اے اللہ! فلاں اور فلاں اور فلاں کو لعنت کر' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی لیس لک من الامر شیئی' نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صفوان بن امیہ' سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام کے خلاف دعائے ضرر کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی لیس لک من الامر شئی (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک قنوت (نازلہ) پڑھتے رہے۔ آپ رعل اور ذکوان کے خلاف دعاء ضرر کرتے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں قرات سے فارغ ہو کر سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد کہنے کے بعد کھڑے ہو کر دعا کرتے : اے اللہ ولید بن ولید اور سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ اور ضعفاء مومنین کو نجات دے' اے اللہ مضر کو شدت کے ساتھ پامال کردے' اور ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی طرح قحط نازل فرما' اے اللہ! لحیان' رعل اور ذکوان پر اور عصیہ پر جس نے اللہ اور اس کے رسول کی معصیت کی ہے' لعنت فرما' پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی : لیس لک من الامر شئی او یتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظالمون تو آپ نے اس دعاء ضرر کو ترک فرمادیا۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۳۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)'

بعض کافروں پر لعنت کرنا اور دعاء ضرر کرنا آپ کی رحمت کے خلاف نہیں

رہا یہ اعتراض کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمتہ للعالمین ہیں تو بعض کفار کے لیے آپ کا دعاء ضرر کرنا اور لعنت کرنا کس طرح مناسب ہو گا؟ اس کا جواب بہ طور نقض اجمالی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمان اور رحیم ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کا کفار کو عذاب دینا جب اس کے رحمان و رحیم ہونے کے منافی نہیں ہے تو آپ کا ان کے لیے دعاء ضرر کرنا آپ کے رحمتہ للعلمین

ہونے کے منافی کیونکر ہو گا۔ اور بہ طور نقض تفصیلی اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کا معنی یہ ہے کہ آپ کی ہدایت اور اسلام لانے کی دعوت تمام جہانوں کے لیے ہے۔ آپ کسی خاص علاقہ' قوم یا خاص زمانہ کے لیے رسول نہیں ہیں بلکہ آپ کی بعثت قیامت تک تمام جنوں اور انسانوں کے لیے ہے اور آپ کے لائے ہوئے دین پر عمل کر کے تمام مخلوق دنیا میں عدل اور امن کے ساتھ رہے گی اور آخرت میں اس پر جنت کی تمام نعمتوں کا دروازہ کھل جائے گا' اور جس طرح دعوت اسلام کو رد کرنے والے کافروں سے قتال کرنا' مرتدین کو قتل کرنا' زانیوں کو رجم کرنا اور ان کو کوڑے لگانا' چوروں کے ہاتھ کاٹنا اور ڈاکوؤں کو قتل کرنا اور ان کو پھانسی دینا اور دیگر مجرموں کو سزائیں دینا آپ کی رحمت کے خلاف نہیں ہے۔ اسی طرح بعض کافروں کے لیے دعاء ضرر کرنا بھی آپ کی رحمت کے منافی نہیں ہے۔

جن کافروں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور چہرہ کو زخمی کیا آپ نے ان کے متعلق صرف اتنا فرمایا: وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون آلود کر دیا اور جو کافر تبلیغ کا نام لے کر ستر صحابہ کو لے گئے اور ان کو قتل کر دیا۔ ان کے خلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک دعاء ضرر کرتے رہے' ظاہر ہے کہ اگر یہ فعل ناجائز یا نامناسب ہوتا تو اللہ تعالیٰ روز اول ہی آپ کو اس سے منع فرما دیتا' آپ کا ہر فعل نیک اور حسن ہے اور ہر فعل میں امت کے لیے نمونہ اور ہدایت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: ۲۱) بے شک اللہ کے رسول میں تمہارے لیے نہایت حسین نمونہ ہے۔

سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کافروں کے لیے دعا ضرر کرنا اور ان پر لعنت کرنا' یہ بھی ایمان والوں کے لیے نہایت حسین عمل ہے اور اس میں مسلمانوں کے لیے یہ ہدایت ہے کہ جو کافر بدعہدی کریں ان کے لیے دعاء ضرر کرنا جائز ہے' اور جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو تو وہ صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھیں اس میں مسلمانوں کے لیے سلامتی اور کافروں کے لیے ہلاکت کی دعا کریں' بعض علماء اور مفسرین کو اس مقام پر لغزش ہوئی اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاء ضرر کرنے کو بددعا لکھا ہے' یاد رکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل بد نہیں ہے' آپ کا ہر فعل نیک اور حسین ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ کے رسول میں تمہارے لیے نہایت حسین نمونہ ہے' لہٰذا آپ کے کسی فعل کو بد کہنا اور آپ کی دعاء ضرر کو بددعا کہنا اس آیت کے خلاف اور حلاوت ایمان کے منافی ہے' ان علماء نے زیادہ غور نہیں کیا اور اردو محاورے کی روانی میں آپ کی دعاء ضرر کو بددعا لکھ گئے' ہم ذیل میں ان علماء کی عبارات نقل کر رہے ہیں:

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ لکھتے ہیں:

اور بخاری سے ایک قصہ اور بھی نقل کیا ہے کہ آپ نے بعض کفار کے لیے بددعا فرمائی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۲۵' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ' لاہور)

شیخ محمود الحسن متوفی ۱۳۳۹ھ لکھتے ہیں:

چنانچہ جن لوگوں کے حق میں آپ بددعا کرتے تھے' چند روز کے بعد سب کو خدا تعالیٰ نے آپ کے قدموں میں لا ڈالا۔ (حاشیۃ القرآن ص ۸۵)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

بخاری سے ایک قصہ اور بھی نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے بعض کفار کے لیے بددعا بھی فرمائی تھی۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۱۷۵، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی، ۱۳۹۷ھ)

سید ابو الاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ لکھتے ہیں :

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب زخمی ہوئے تو آپ کے منہ سے کفار کے حق میں بددعا نکل گئی۔

(تفہیم القرآن ج ۱ ص ۲۸۷، مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور)

مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں :

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیر معونہ والے کفار کے لیے بددعا کی (نور العرفان ص ۱۰۴، مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ گجرات)

پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں :

یعنی حضور نے ان لوگوں کے حق میں بددعا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(ضیاء القرآن ج ۱ ص ۲۷۳، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور)

امام احمد رضا قادری نے قنوت نازلہ کی بحث میں بہت محتاط ترجمہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں :

اور نماز صبح میں قنوت نہ پڑھتے مگر جب کسی قوم کے لیے ان کے فائدے کی دعا فرماتے یا کسی قوم پر ان کے نقصان کی دعا فرماتے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۵۱۳، مطبوعہ سنی دار الاشاعت لائل پور)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعاء ضرر سے روکنے کی توجیہ اور بحث و نظر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ اس میں سے کسی چیز کے مالک نہیں اللہ (چاہے تو) ان (کافروں) کی توبہ قبول فرمائے، یا وہ ان کو عذاب دے کیونکہ بے شک وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ (آل عمران : ۱۲۸)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک ظالم کافروں کے متعلق ہلاکت اور نقصان کی دعا کرتے رہے اور مسلمانوں کے لیے حصول رحمت کی دعا فرماتے رہے تاکہ آپ کی زندگی میں یہ نمونہ ہو کہ ظالم کافروں کے لیے تباہی اور بربادی کی دعا کرنا جائز ہے اور آپ کی سنت ہے، اسی لیے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو یا کفار مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں تو صبح کی نماز کی دوسری رکعت میں رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد قنوت نازلہ پڑھی جائے، امام آہستہ آہستہ مسلمانوں کی کامیابی اور کفار کی تباہی کے لیے دعا کرے اور اسی طرح مقتدی بھی دعا کریں، اور یہ بھی جائز ہے کہ امام بلند آواز سے یہ دعا کرے اور مقتدی پست آواز سے آمین کہیں، اور جب مسلمانوں سے مصیبت ٹل جائے تو پھر اس دعا کو ترک کر دیں اور عام معمول کے مطابق نمازیں پڑھیں، جس طرح ضرورت پوری ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دعا سے روک دیا تھا۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ جنگ احد میں عین معرکہ کارزار کے وقت عبد اللہ بن ابی ابن سلول اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر لشکر سے نکل گیا، اور بعض مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کی جس کے نتیجہ میں مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا، کئی مسلمان گھبرا کر بھاگ پڑے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور زخمی ہوا اور دانت مبارک شہید ہوا، ان حالات کی وجہ سے قدرتی طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج و غم ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ اگر کافروں اور منافقوں نے ظلم کیا ہے تو آپ اس پر غم نہ کریں آپ کا کام صرف زبان اور عمل سے ہدایت دینا ہے۔ رہا ان کا کفر سے توبہ کرنا اور ان کے دلوں میں اسلام کا پیدا کرنا یا ان کو ان کے کفر پر قائم رکھ کر عذاب دینا اس کے آپ مالک و مختار نہیں ہیں، اللہ چاہے تو ان کی توبہ

قبول فرمائے یا وہ ان کو عذاب دے کیونکہ بے شک وہ ظلم کرنے والے ہیں ○ اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے ' وہ جسے چاہے بخش دیتا ہے اور وہ جسے چاہے عذاب دیتا ہے اور اللہ نہایت بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔

ہمارے نزدیک اس آیت کی یہ تفسیر صحیح نہیں ہے کہ نبی ﷺ ظالموں اور کافروں کی ہلاکت کی دعا کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا سے منع فرمادیا کہ یہ دعا آپ کی رحمت کے شایان شان نہیں ہے ' ان کافروں اور ظالموں میں سے بعض نے اسلام قبول کرلیا اور بعض کی اولاد نے اسلام قبول کرلیا ' کیونکہ اگر یہ دعا کرنا آپ کی شان کے لائق نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ روز اول ہی اس دعا سے آپ کو روک دیتا ' ایک ماہ تک کیوں آپ کو یہ دعا کرنے دی ' ہمارے نزدیک نبی ﷺ کا ہر فعل حسن ہے اور واجب الاتباع ہے ' آپ کا کوئی فعل غیر مستحسن اور ناپسندیدہ نہیں ہے۔ اب ہم بعض مفسرین کی تفسیر کو نقل کر رہے ہیں۔ ہرچند کہ یہ مفسرین بہت مشہور اور اپنے حلقوں میں مقبول ہیں لیکن ان کی یہ تفسیر پسندیدہ اور مختار نہیں ہے۔

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

اس دعا سے روکنے کی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان میں سے بعض کافر توبہ کرکے اسلام لے آئیں گے اور بعض اگرچہ تائب نہیں ہوں گے لیکن ان کی اولاد نیک اور متقی ہوگی ' اور جو لوگ اس قسم کے ہوں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے لائق یہ ہے کہ وہ ان کو دنیا میں مہلت دے اور ان سے آفات کو دور کرے حتی کہ وہ توبہ کرلیں یا ان سے وہ اولاد پیدا ہوجائے ' اور اگر رسول اللہ ﷺ ان کی ہلاکت کی دعا کرتے رہتے تو اگر آپ کی دعا قبول ہوتی تو یہ مقصود حاصل نہ ہوتا اور اگر آپ کی دعا قبول نہ ہوتی تو اس سے آپ کی شان اور آپ کا مرتبہ کم ہوتا ' اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا سے منع فرمادیا ' نیز اس میں یہ بھی مقصود ہے کہ بندہ کے عجز کو ظاہر کیا جائے اور یہ کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ملک اور اس کی ملکوت کے اسرار میں غور و خوض نہیں کرنا چاہیے ' میرے نزدیک یہ بہت اچھی تفسیر ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۸ ' مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۳۸۹ھ لکھتے ہیں)

شیخ محمود الحسن متوفی ۱۳۳۹ھ لکھتے ہیں :

لیس لک من الامر شیئی میں آنحضرت ﷺ کو متنبہ فرمایا کہ بندہ کو اختیار نہیں نہ اس کا علم محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے سو کرے ' اگرچہ کافر تمہارے دشمن ہیں اور ظلم پر ہیں لیکن چاہے وہ ان کو ہدایت دے چاہے عذاب کرے تم اپنی طرف سے بددعا نہ کرو۔ (حاشیۃ القرآن ص ۸۵ مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ ' لاہور)

مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں :

اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ اے محبوب تمہیں ان کفار پر بددعا کرنے کا اختیار یا حق نہیں ' ورنہ گذشتہ انبیاء کرام کفار پر بددعا کرکے انہیں ہلاک نہ کراتے ' بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ بددعا آپ کی شان کے لائق نہیں کیونکہ آپ رحمت للعالمین ہیں۔ (نور العرفان ص ۱۰۴ ' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ گجرات)

پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں :

یعنی حضور نے ان لوگوں کے حق میں بددعا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی تو یہ آیت نازل ہوئی اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو معلوم ہوگیا کہ ان میں سے کئی لوگ مسلمان ہوں گے چنانچہ ایک کثیر تعداد اسلام لائی ' انہیں

میں حضرت خالد بھی تھے۔ (ضیاء القرآن ج ۱ ص ۲۷۴۔ ۲۷۳)

یہ تفسیر کس طرح صحیح ہو سکتی ہے جب کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ نے بعض کافروں پر لعنت کی اور ان کے لیے دعاء ضرر فرمائی ہے۔

بہرحال ہمارے نزدیک مختار تفسیر یہ ہے کہ آپ کا کافروں اور منافقوں کے لیے دعاء ضرر کرنا اس لیے تھا کہ ظالموں اور کافروں کے لیے دعاء ضرر کرنا مشروع اور سنت ہو جائے اور قنوت نازلہ کا جواز ثابت ہو اور جب یہ حکمت پوری ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دعا سے روک دیا' اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت آپ کو تسلی دینے کے لیے نازل ہوئی کہ اگرچہ کافروں اور منافقوں نے ظلم کیا ہے لیکن آپ اس پر غم نہ کریں کیونکہ ان میں ہدایت اور توبہ کی تحریک پیدا کرنا آپ کے اختیار میں نہیں ہے اللہ چاہے تو ان میں ہدایت پیدا کر کے ان کی توبہ قبول فرمائے اور چاہے تو ان کو ان کے کفر پر برقرار رکھ کر ان کو عذاب دے۔

قنوت نازلہ کا معنی

قنوت کا معنی دعا ہے اور نازلہ سے مراد ہے نازل ہونے والی آفت اور مصیبت' اگر مسلمانوں پر خدانخواستہ کوئی مصیبت نازل ہو مثلاً دشمن کا خوف ہو' قحط ہو' خشک سالی ہو' وباء ہو' طاعون ہو یا کوئی اور ضرر ظاہر ہو تو آخری رکعت میں رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد امام آہستہ دعا کرے اور مقتدی بھی آہستہ دعا کریں یا امام جہری نماز میں جہراً دعا کرے اور مقتدی آہستہ آہستہ آمین کہیں اور مسلمان اس وقت تک نماز میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں جب تک اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے اس مصیبت کو دور نہ کر دے۔

قنوت نازلہ میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

امام مالک کا مختار یہ ہے کہ رکوع سے پہلے قنوت نازلہ پڑھے اور یہی اسحاق کا قول ہے اور امام مالک سے ایک روایت یہ ہے کہ رکوع کے بعد قنوت نازلہ پڑھے' خلفاء اربعہ سے بھی اسی طرح مروی ہے' صحابہ کی ایک جماعت سے یہ روایت ہے کہ اس میں پڑھنے والے کو اختیار ہے' اور امام دار قطنی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھتے رہے حتیٰ کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۲۰۱ مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

قنوت نازلہ میں فقہاء شافعیہ کا نظریہ

علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں :

مزنی بیان کرتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا جب صبح کی نماز میں دوسری رکعت کے رکوع کے بعد کھڑا ہو تو سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد کھڑا ہو کر یہ دعا پڑھے :

اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّمَا قَضَیْتَ اِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا

اے اللہ! جن لوگوں کو تو نے ہدایت دی ہے مجھے ان میں ہدایت پر برقرار رکھ اور جن کو تو نے عافیت دی ہے مجھے ان میں عافیت سے رکھ اور جن چیزوں کا تو والی ہو چکا ان میں میرا والی ہو'

يُقْضٰى عَلَيْكَ وَاِنَّهٗ لَا يُذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَ تَعَالَيْتَ۔ اور جو چیزیں مجھے عطا فرمائی ہیں ان میں برکت دے اور میرے لیے جو شر مقدر کیا ہے اس سے مجھ کو محفوظ رکھ' تو قسمت بناتا ہے اور تجھ پر مقسوم نہیں کیا جاتا اور جس کا تو کارساز ہو وہ رسوا نہیں ہوتا' اے ہمارے رب تو برکت والا اور بلند ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کی دوسری رکعت میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد یہ دعا کرتے : اے اللہ ولید بن ولید' سلمہ بہ ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ اور مکہ کے کمزور مسلمانوں کو نجات دے' اے اللہ مضر پر اپنی گرفت کو مضبوط کر' اور ان پر یوسف علیہ السلام کے قحط کے سالوں کی طرح قحط کے سال مقرر کردے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ دعا تو آپ نے صرف ایک ماہ کی تھی جب بیر معونہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر اصحاب کو شہید کردیا گیا تھا' تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچوں نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھی حتی کہ آپ پر یہ آیت نازل ہوئی لیس لک من الامر شئی (آل عمران : ۱۲۸) تو پھر آپ نے یہ دعا ترک کردی' اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے لوگوں کا نام لے کر دعا کرنا ترک کردیا تھا' اور صبح کے علاوہ باقی چار نمازوں میں دعا کرنے کو ترک کر دیا تھا' اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں ہمیشہ قنوت پڑھتے رہے یہاں تک کہ اللہ سبحانہ نے آپ کو فوت کردیا' رہا حضرت ابن عمر کا یہ کہنا کہ قنوت بدعت ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عمر خود اپنے والد کے ساتھ قنوت کرتے تھے لیکن وہ بھول گئے' اور باقی نمازوں کو صبح کی نماز پر قیاس کرنا درست نہیں ہے کیونکہ صبح کی نماز کئی احکام میں باقی نمازوں سے مختلف ہے۔ اس کی اذان وقت سے پہلے دی جاتی ہے اور اس میں تثویب کی جاتی ہے' (الحاوی الکبیر ج ۲ ص ۱۹۹۔ ۱۹۷' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۴ھ)

قنوت نازلہ میں فقہاء حنبلیہ کا نظریہ

وتر کے سوا اور کسی نماز میں قنوت پڑھنا سنت نہیں ہے' صبح کی نماز میں نہ اور کسی نماز میں' ہماری دلیل یہ ہے کہ امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک عرب کے بعض قبیلوں کے لیے دعاء ضرر کرتے رہے پھر آپ نے اس کو ترک کردیا' اور امام ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ ابو مالک سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' اور حضرت علی کی اقتداء میں کوفہ میں پانچ سال نمازیں پڑھیں ہیں کیا یہ لوگ قنوت کرتے تھے؟ انہوں نے کہا اے بیٹے یہ بدعت ہے' امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر اہل علم کا اس پر عمل ہے' ابراہیم نخعی نے کہا سب سے پہلے جس نے صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھی وہ حضرت علی تھے' کیونکہ وہ جنگ میں مشغول رہے اور اپنے دشمنوں کے خلاف صبح کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے' امام سعید نے اپنی سنن میں شعبی سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی نے صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھی تو لوگوں نے اس پر تعجب کیا' حضرت علی نے فرمایا : ہم اپنے دشمنوں کے خلاف مدد طلب کر رہے ہیں' اور امام سعید نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز میں اسی وقت قنوت پڑھتے تھے جب آپ کسی قوم کے لیے رحمت کی یا کسی قوم کے لیے ہلاکت کی دعا فرماتے تھے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تاحیات صبح کی نماز میں قنوت کرتے رہے اس سے مراد طول قیام ہے۔ کیونکہ طول قیام کو بھی قنوت کہتے ہیں' اور حضرت عمر سے جو قنوت مروی ہے اس سے مراد مصائب کے وقت قنوت پڑھنا ہے' کیونکہ اکثر روایات میں ہے کہ حضرت عمر قنوت نہیں

پڑھتے تھے۔ اور امام احمد بن حنبل نے یہ تصریح کی ہے کہ جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو تو امام کے لیے صبح کی نماز میں قنوت پڑھنا جائز ہے۔ (المغنی ج ۱ ص ۴۵۰-۴۴۹ ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۴۰۵ھ)

قنوت نازلہ میں فقہاء احناف کا نظریہ

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

امام محمد نے فرمایا وتر کے سوا کسی نماز میں ہمارے نزدیک قنوت نہیں پڑھی جائے گی۔

(المبسوط ج ۱ ص ۱۶۵' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

علامہ ابوالحسن علی ابن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

قنوت (نازلہ) اجتہادی مسئلہ ہے' امام ابوحنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ یہ منسوخ ہو چکا ہے۔

(ھدایہ اولین ص ۱۴۵' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

متاخرین احناف نے مصائب کے وقت قنوت نازلہ پڑھنے کو جائز کہا ہے' علامہ کمال الدین ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں: قنوت نازلہ پڑھنا دائمی شریعت ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جو قنوت نازلہ کو ترک کر دیا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے لیس لک من الامر شئی (آل عمران: ۱۲۸) نازل فرما کر آپ کو روک دیا تھا اور بعد میں مسلمانوں پر کوئی آفت نہیں آئی۔ بعد میں جن صحابہ کرام نے قنوت نازلہ نہیں پڑھی اس کی بھی یہی وجہ تھی اور بعض صحابہ نے حالت جنگ میں قنوت نازلہ پڑھی ہے اس وجہ سے حالت جنگ میں قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے۔

(فتح القدیر ج ۱ ص ۳۷۹' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

علامہ حسن بن عمار شرنبلالی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ فرماتے ہیں:

مصیبت کے وقت قنوت (نازلہ) پڑھنا دائمی شریعت ہے اور یہی ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے۔

(مراقی الفلاح ص ۲۸۷ مطبوعہ مطبع مصطفی البابی و اولادہ مصر '۱۳۵۶ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

البحر الرائق اور دیگر کتب فقہ میں ہے کہ جب مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو تو امام جہری نمازوں میں قنوت پڑھے' الاشباہ اور شرح المنیۃ میں لکھا ہے کہ مصیبت کے وقت قنوت پڑھنا دائمی شریعت ہے' رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ نے قنوت پڑھی ہے اور یہی ہمارا اور جمہور کا مذہب ہے' امام ابو جعفر طحاوی نے کہا کہ مصیبت کے وقت صرف صبح کی نماز میں قنوت پڑھے اور تمام نمازوں میں قنوت پڑھنا صرف امام شافعی کا قول ہے' صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر اور عشاء کی نمازوں میں قنوت پڑھی اور صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے مغرب کی نماز میں قنوت پڑھی' یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ اس عمل پر اتنی مواظبت نہیں ہے جتنی فجر کی نماز میں قنوت پڑھنے پر تکرار اور مواظبت ہے' اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ ہمارے نزدیک قنوت صرف فجر کی نماز کے ساتھ مخصوص ہے' فقہاء نے یہ قید لگائی ہے کہ فجر کی نماز میں امام قنوت پڑھے اس کا تقاضا یہ ہے کہ مقتدی قنوت نہ پڑھے' رہا یہ کہ قنوت رکوع سے پہلے پڑھے یا بعد۔ اس مسئلہ میں میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ مقتدی اپنے امام کی اتباع کرے (اگر وہ سراً" قنوت پڑھے) ہاں اگر امام جہراً" قنوت پڑھے تو مقتدی آمین کہے' اور رکوع کے بعد قنوت پڑھے کیونکہ اسی طرح حدیث میں ہے' میں نے علامہ شرنبلالی کی مراقی الفلاح

میں دیکھا ہے کہ رکوع کے بعد قنوت پڑھے' اور علامہ حموی نے یہ کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ رکوع سے پہلے پڑھے اور زیادہ ظاہر وہ ہے جو ہم نے کہا ہے (یعنی رکوع کے بعد قنوت پڑھے) (ردالمحتار ج ۱ ص ۴۵۱' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قنوت نازلہ میں غیر مقلدین کا نظریہ

غیر مقلدین کے مشہور عالم حافظ عبداللہ روپڑی متوفی ۱۳۸۴ھ لکھتے ہیں :

پانچوں نمازوں میں ہمیشہ دعا قنوت پڑھنا بدعت ہے' البتہ فجر کی نماز میں بدعت نہیں کہہ سکتے کیونکہ حدیث میں جب ضعف تھوڑا ہو تو فضائل اعمال میں معتبر ہے ہاں ضروری سمجھنا ٹھیک نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ضعف ہے۔

(فتاویٰ اہل حدیث ج ۱ ص ۶۳۳' مطبوعہ دار احیاء السنۃ النبویہ سرگودھا)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں صبح کی نماز میں قنوت پڑھنے کا ذکر ہے جیسا کہ ہم باحوالہ بیان کر چکے ہیں' اللہ جانے محدث روپڑی نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیثوں کو ضعیف کیسے کہہ دیا' ان حدیثوں کے منسوخ یا غیر منسوخ ہونے کی بحث کی گئی ہے ان کو ضعیف کسی نے نہیں کہا۔

نیز حافظ عبداللہ روپڑی لکھتے ہیں :

مقتدیوں کا دعاء قنوت میں آمین کہنا ابوداؤد میں موجود ہے۔ مگر یہ عام دعاء قنوت کے متعلق ہے وتروں کی خصوصیت نہیں آئی۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۱ ص ۶۳۵)

اصحاب بیر معونہ کی شہادت کا بیان

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ روایت کرتے ہیں :

ابو براء عامر بن مالک بن جعفر کلابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور نبی ﷺ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے اس کا ہدیہ قبول نہیں کیا اور اس پر اسلام پیش کیا وہ مسلمان نہیں ہوا اور اسلام سے بیزار بھی نہیں ہوا اور کہنے لگا یا محمد! کاش آپ صحابہ کو اہل نجد کے پاس بھیج دیں مجھے امید ہے کہ وہ دعوت اسلام کو قبول کر لیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہ نجدی' صحابہ کو ہلاک کر دیں گے' عامر نے کہا میں ضامن ہوں انہیں کوئی شخص تکلیف نہیں پہنچائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے ساتھ ستر قاری بھیج دیئے۔ یہ لوگ رات بھر نفل پڑھتے تھے۔ صبح کو لکڑیاں اور پانی تلاش کر کے لاتے اور سرکار کے حجرہ میں پہنچا دیتے۔ آپ نے ان ستر قاریوں پر منذر بن عمرو کو امیر بنایا اور ان سب کو روانہ کر دیا۔ جب یہ لوگ بیر معونہ پہنچے تو انہوں نے حرام بن ملحان کے ہاتھ رسول اللہ ﷺ کا مکتوب دے کر دشمن خدا عامر بن طفیل کے پاس بھیجا' جب وہ اس کے پاس گئے تو اس نے خط دیکھے بغیر ان پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا' پھر عصیہ' ذکوان اور رعل کے قبائل مل کر ان ستر قاریوں پر حملہ آور ہوئے اور یہ تمام قراء ان سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ سوا کعب بن زید کے ان میں کچھ رمق حیات باقی تھی۔ اس لیے نجدیوں نے انہیں چھوڑ دیا وہ بعد میں زندہ رہے اور غزوۂ خندق میں شہید ہو گئے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۲ ص ۵۱' مطبوعہ بیروت' ۱۳۸۸ھ)

علامہ بدرالدین عینی نے بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۱۹-۱۸ مطبوعہ بیروت)

یہ واقعہ غزوہ احد کے چار ماہ بعد صفر ۴ ہجری میں پیش آیا۔ (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۱۸)

علم رسالت پر اعتراض کا جواب

بعض اہل تنقیص کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو علم غیب حاصل ہوتا تو آپ عامر کے مطالبہ پر ستر صحابہ کو نجد نہ بھیجتے اور اگر باوجود علم کے آپ نے ان کو بھیجا تو آپ پر العیاذ باللہ الزام آئے گا کہ آپ نے جان بوجھ کر انہیں موت کی طرف دھکیل دیا۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اہل نجد کی اسلام دشمنی کا علم تھا تبھی آپ نے فرمایا تھا انی اخشی علیھم اھل نجد (مجھے اندیشہ ہے کہ نجدی صحابہ کو ہلاک کر دیں گے) اور باوجود اس کے کہ آپ کو ان کی شہادت کا علم تھا۔ آپ نے اہل نجد کے مطالبہ تبلیغ پر انہیں نجد بھیج دیا تاکہ کل قیامت کے دن وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم نے تو قبول اسلام کے لیے تیرے نبی سے مبلغ مانگے تھے اس نے نہیں بھیجے' نیز آپ نے یہ تعلیم دی کہ جان کے خوف سے تبلیغ سے نہیں رکنا چاہیے' اگر جان کے خوف سے تبلیغ چھوڑنا جائز ہوتا تو جہاد اصلا" مشروع نہیں ہوتا کیونکہ اس بات کا ہر شخص کو یقین ہوتا ہے کہ جہاد میں کچھ نہ کچھ مسلمان یقیناً شہید ہو جائیں گے اور جان کے خوف سے جہاد نہ کرنا نہ مردانگی ہے نہ مسلمانی! نیز جو موت شہادت کی صورت میں حاصل ہو وہ ایسی عظیم نعمت ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے' میری تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ کا علم تدریجی ہے اگر اس وقت علم نہیں تھا تو بعد میں اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَّ

اے ایمان والو! دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے

اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ

رہو تاکہ تم فلاح پاؤ ○ اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے

لِلْكٰفِرِيْنَ ۚ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۚ﴿۱۳۲﴾

تیار کی گئی ہے ○ اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○

آیات سابقہ سے مناسبت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا تھا کہ مومن کسی غیر مومن کو اپنا دوست اور ہم راز بنائے' اور اس کے بعد احد کا قصہ بیان فرمایا' اور کفار اپنے کاروبار کے اکثر معاملات سود کے ذریعہ کرتے تھے' اور یہ سودی کاروبار وہ مسلمانوں اور کافروں دونوں کے ساتھ کرتے تھے اور اس کاروباری معاملہ کی وجہ سے بھی مسلمان کافروں سے ملتے جلتے تھے' تب مسلمانوں کو سودی لین دین سے بالکل روک دیا گیا تاکہ مسلمانوں کے کافروں کے ساتھ تعلقات کی کوئی وجہ نہ رہے' ابتداء میں مسلمان تنگ دست تھے' اور کفار اور یہودی بہت خوش حال تھے' دوسری وجہ یہ ہے کہ حرام مال کھانے کی وجہ سے نیک اعمال اور دعائیں قبول نہیں ہوتیں' جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے جس شخص کا کھانا پینا حرام ہو اس کی دعا قبول نہیں

ہوئی اور امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے جو شخص مال حرام سے حج کرتا ہے تو جب وہ لبیک کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تمہارا لبیک کہنا مقبول نہیں ہے اور تمہارا حج مردود ہے۔

نیز جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست مال دنیا کی مالی محبت کی وجہ سے ہوئی تھی کیونکہ مال دنیا کی محبت کی وجہ سے وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کو نظرانداز کر کے مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے تھے' سو اس آیت میں ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم مال دنیا کی محبت کی وجہ سے دگنا چوگنا سود کھانا نہ شروع کر دینا' اور مسلمانوں کو اللہ سے ڈرنے کی تلقین فرمائی ہے اور دوزخ کے عذاب سے ڈرایا ہے۔

ایک اور وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مشرکین مکہ نے سودی کاروبار سے اپنا سرمایہ بڑھا کر مدینہ منورہ پر حملہ کیا تھا اور جنگ احد لڑی تھی ہو سکتا تھا کہ اس سے مسلمانوں کو بھی سودی کاروبار کے ذریعہ اپنے سرمایہ کو بڑھانے کا خیال آئے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو پہلے ہی منع فرما دیا کہ دگنا چوگنا سود مت کھاؤ۔

سود مفرد اور سود مرکب کا بیان

زمانہ جاہلیت میں ایک شخص دوسرے شخص کو مثلاً ایک سال کی مدت کے لیے دس روپے کی زیادتی پر سو روپے قرض دیتا' اور جب ایک سال کے بعد مقروض رقم ادا نہ کر سکتا تو اب قرض خواہ ایک سو دس روپے پر دس روپے فی صد کے حساب سے سالانہ سود مقرر کر دیتا اس طرح ہر سال کرتا' یا کہتا کہ تمہیں ایک سال کی مزید مہلت دیتا ہوں لیکن تمہیں سو روپے کی بجائے دو سو روپے دینے ہوں گے' اسی طرح عدم ادائیگی کی صورت میں ہر سال سو روپے کا اضافہ کرتا چلا جاتا' یہ سود در سود ہے اس کو سود مرکب بھی کہتے ہیں' اس کے مقابلہ میں سود مفرد یہ ہے کہ اصل رقم سو روپے ہو اور قرض خواہ اس رقم پر مقروض سے دس فیصد سالانہ کے حساب سے سود وصول کرے۔

اس آیت میں سود مرکب کو حرام کیا گیا ہے' لیکن اس آیت میں اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے کہ صرف سود مرکب حرام ہے' اور سود مفرد جائز ہے کیونکہ سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً" سود کو حرام کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔　　　اور اللہ نے بیع کو حلال کر دیا اور سود کو حرام کر دیا۔

(البقرہ: ۲۷۴)

ربا الفضل کا بیان

سورہ بقرہ میں ہم سود کے متعلق مفصل بحث کر چکے ہیں اس لیے اس بحث کو وہاں دیکھ لیا جائے۔ یہ بحث ربا النسیئہ سے متعلق ہے اور ربا الفضل یہ ہے کہ دو ہم جنس چیزوں کی جب بیع کی جائے تو وہ دونوں نقد ہوں اور برابر برابر ہوں اور ان میں زیادتی سود ہے' امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سونا' سونے کے عوض' چاندی' چاندی کے عوض' گندم' گندم کے عوض' جو' جو کے عوض' کھجور' کھجور کے عوض اور نمک' نمک کے عوض فروخت کرو' برابر' برابر اور نقد بہ نقد' اور جب یہ اقسام مختلف ہوں تو جس طرح چاہو فروخت کرو بہ شرطیکہ نقد ہوں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۵۸۷ جامع ترمذی' رقم الحدیث: ۱۲۴۴ سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۳۳۴۹ سنن نسائی رقم الحدیث ۴۵۷۵'

سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث ۲۲۵۴، سنن دارمی، رقم الحدیث : ۲۵۴۱، مسند ابو یعلی رقم الحدیث : ۵۶۹۰، مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث ۱۴۱۹۳، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث : ۵۰۱۸، سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۴، مسند احمد ج ۵ ص ۳۲۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۱۰۴-۱۰۳، سنن کبری للبیہقی ج ۵ ص ۲۸۲-۲۷۷)

صحیح بخاری رقم الحدیث ۲۰۲۷، سنن ابن ماجہ (۲۲۵۳) اور طبرانی (المعجم الکبیر : ۱۰۱۷) میں حضرت عمر سے روایت ہے اور اس میں چاندی کے علاوہ باقی پانچ چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

ربا الفضل میں علت حرمت کی تحقیق

احادیث میں سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک ان چھ چیزوں کی بیع ان کی مثل میں زیادتی اور ادھار کے ساتھ منع کی گئی ہے اور جب دو نوع مختلف ہوں تو پھر زیادتی کے ساتھ بیع منع نہیں ہے، ائمہ مجتہدین نے ان چھ چیزوں میں علت مشترکہ نکال کر باقی چیزوں کی مثل میں بھی زیادتی کے ساتھ بیع کو منع کیا ہے، امام شافعی نے کہا ان چھ چیزوں میں ثمنیت اور طعم مشترک ہے، سو جو چیز ثمن ہو یا کھانے پینے کی چیز ہو اس کی مثل میں زیادتی کے ساتھ بیع منع ہے اور باقی چیزوں میں جائز ہے، اس پر یہ اعتراض ہے کہ جو چیزیں کھانے پینے کی اور ثمن نہ ہوں ان کی مثل میں زیادتی کے ساتھ بیع جائز ہو گی مثلاً ایک کپڑے کا تھان اس جیسے دو تھانوں کے ساتھ بیچنا جائز ہو گا، امام مالک کے نزدیک ثمنیت اور خوراک کے لیے ذخیرہ ہونے کی صلاحیت علت ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تانبا، پیتل، لوہا، لکڑی اور دیگر عام استعمال کی اشیاء میں اپنی مثل میں زیادتی کے ساتھ بیع کرنا ان کے نزدیک سود نہیں ہے، امام احمد بن حنبل کے دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو وزن یا ماپ کے ذریعہ فروخت کی جائے اس کی اس جنس کے بدلہ میں زیادتی کے ساتھ بیع جائز نہیں ہے۔ ان کا یہ قول فقہاء احناف کی طرح ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ حرمت کی علت طعم اور ثمنیت ہے۔ یہ قول فقہاء شافعیہ کی طرح ہے، ان دونوں قولوں پر وہی اعتراض ہے جو امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے مذہب پر ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک حرمت کی علت وزن اور کیل (ماپنا) ہے، سو دو ایک جنس کی چیزیں جو وزنی ہوں یا کیلی ہوں ان میں زیادتی کے ساتھ بیع ناجائز ہے اس پر اعتراض ہے کہ جو چیزیں عدداً" فروخت ہوتی ہیں مثلاً انڈے، اخروٹ، صابن، گلاس، پلیٹیں وغیرہ ان سب میں زیادتی کے ساتھ بیع جائز ہو گی مثلاً ایک صابن کی ٹکیہ کی بیع دس صابن کی ٹکیوں کے ساتھ جائز ہو گی اور یہ سود نہ ہو گا، نیز جو عام استعمال کی چیزیں ہیں صابن، پلیٹیں، پین، پنسل، میز، کرسی وغیرہ جو عدداً" فروخت کیے جاتے ہیں ان کی مثل میں اگر زیادتی کے ساتھ بیع کی جائے تو وہ کسی امام کے نزدیک سود نہ ہو گی۔

جن احادیث میں ان چھ چیزوں کا ذکر ہے، ان میں ایک جنس کی دو چیزوں کی بیع میں جو مقدار مشترک ہے وہ وزن اور کیل ہے، کیونکہ سونے اور چاندی کو وزن سے فروخت کیا جاتا ہے اور گندم، جو، کھجور اور نمک کو کیل (پیمانے سے ماپ کر) سے فروخت کیا جاتا ہے۔ اس لیے امام ابو حنیفہ اور امام احمد نے ایک جنس کی دو چیزوں کی بیع میں وزن اور کیل کو علت قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ان دو چیزوں کا وزن اور کیل برابر ہو اور زیادتی سود ہے، لیکن یہ کہنا بھی بعید نہ ہو گا کہ کسی مسئلہ کا حکم معلوم کرنے کے لیے اس سے متعلق تمام آیات اور احادیث کو سامنے رکھ کر غور کرنا ضروری ہے اور بعض احادیث میں نبی ﷺ نے ایک درہم کی دو درہموں سے ایک دینار کی دو دیناروں سے بیع کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب ایک جنس کی دو چیزوں میں بیع کی جائے تو وزن اور کیل کے علاوہ عدد میں بھی مساوات ضروری ہے، اور اگر ان میں

کمی اور زیادتی کے ساتھ بیع کی جائے تو پھر سود ہو گا اور اگر ربا الفضل کی علت میں وزن' کیل اور عدد تینوں کو ملحوظ رکھا جائے تو پھر حرمت سود کی علت جامع ہو جائے گی اور ہر صورت میں دو ہم جنس چیزوں میں کمی اور زیادتی کے ساتھ بیع ناجائز اور سود ہو گی- وہ حدیث یہ ہے :

امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ایک دینار کو دو دیناروں اور ایک درہم کو دو درہم کے بدلہ میں فروخت نہ کرو-

(سنن کبریٰ ج ۵ ص ۲۷۸ موطا امام مالک رقم الحدیث ۱۳۲۷)

ہرچند کہ مقدار کی مساوات میں عدد کا اعتبار کرنا' کسی امام سے ثابت نہیں ہے لیکن اگر ربا الفضل کی علت و حرمت میں اس کا اعتبار کر لیا جائے تو پھر یہ اعتراض نہیں ہو گا کہ کتنی ہی ہم جنس چیزوں میں کمی اور زیادتی کے ساتھ بیع کی جائے تو وہ پھر بھی سود نہیں ہو گا' میں نے اس پر بہت غور کیا ہے اور میرے نزدیک ربا الفضل میں حرمت کی علت یہی معقول اور جامع ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق ہے کہ دو ہم جنس چیزوں کی بیع وزن کیل اور عدد میں مساوی ہو اور زیادتی سود ہو گی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے- (آل عمران : ۱۳۱)

سود میں منہمک رہنے والا کفر کے خطرہ میں ہے

سود سے منع کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے' اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ سود خوری کی وجہ سے مسلمان کافر تو نہیں ہوتا تو پھر اس کو اس آگ سے کیوں ڈرایا گیا ہے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ سود خوری میں گرفتار ہونے کے بعد یہ خطرہ رہتا ہے کہ انسان اس کی تحریم کا انکار کر کے کافر ہو جائے گا' ہمارے ملک میں وفاقی شرعی عدالت نے ۱۴ نومبر ۱۹۹۱ء کو سود کی قانوناً" ممانعت کر دی لیکن ہماری حکومت نے اس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں رٹ دائر کر دی اور اس حکم پر عمل درآمد کرنے سے روک دیا' اس کے نتیجہ میں سودی کاروبار حکومت کی سرپرستی میں اسی طرح جاری و ساری رہا- سو اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ سود میں شدت اشتغال کی وجہ سے تم سود کی تحریم کا انکار نہ کر دینا ورنہ تم کافر ہو کر اس آگ میں داخل ہو جاؤ گے جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے-

دوزخ کا کفار کے لیے تیار کیا جانا آیا فساق مومنین کے دخول سے مانع ہے یا نہیں؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کی آگ صرف کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور کوئی مومن اس آگ میں داخل نہیں ہو گا' حالانکہ دوسری آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاتل' ڈاکو' چور' زانی' اور دیگر جرائم اور معاصی میں مبتلا لوگ بھی اس آگ میں داخل ہوں گے' اس سوال کے متعدد جواب ہیں : اول یہ کہ ہو سکتا ہے کہ جہنم کے کئی طبقات ہوں' ایک طبقہ وہ ہو جو کافروں کے لیے تیار کیا گیا ہے اور دوسرا طبقہ وہ ہو جو فاسقوں کے لیے تیار کیا گیا ہے- ثانی یہ کہ اس آیت میں حصر کا کوئی کلمہ نہیں ہے کہ دوزخ کی آگ صرف کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے' ثالث یہ کہ قرآن مجید کی کسی ایک آیت کو سامنے رکھ کر کوئی نظریہ قائم کرنا صحیح نہیں ہے' بلکہ اس موضوع سے متعلق تمام آیات کو سامنے رکھ کر نظریہ قائم کرنا صحیح ہے' کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت کا حکم منسوخ ہو اور ناسخ قرآن مجید میں دوسری جگہ مذکور ہو' یا وہ آیت عام مخصوص عنہ البعض ہو اور اس کا مخصص دوسری جگہ مذکور ہو یا ایک جگہ یہ حکم مطلق ہو

اور دوسری جگہ اس کی کوئی قید' صفت یا شرط بیان کی گئی ہو' سو اسی طرح یہاں پر بیان کیا گیا ہے کہ دوزخ کی آگ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور دوسری جگہ بعض دوسرے جرائم اور گناہوں پر بھی دوزخ کی وعید سنائی گئی ہے مثلاً فرمایا :

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۙ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗۙ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗۚ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِۖ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُؕ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُۙ (الھمزۃ : ۶-۱)

ہر طعنہ دینے والے اور چغلخوری کرنے والے کے لیے ہلاکت ہے○ جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا○ وہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ زندہ رکھے گا○ ہرگز نہیں وہ چورا چورا کرنے والی میں ضرور پھینک دیا جائے گا○ آپ کیا جانتے ہیں کہ چورا چورا کر دینے والی کیا چیز ہے؟○ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے○

لہٰذا اس قسم کی آیات کو بھی ملحوظ رکھا جائے گا تاکہ یہ واضح ہو کہ دوزخ کی آگ کافروں کے لیے بھی تیار کی گئی ہے اور دیگر نافرمانوں اور فاسقوں کے لیے بھی' رابع یہ کہ اگر دوزخ کی آگ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہو پھر بھی اس میں دیگر گنہ گار مسلمانوں کے دخول سے کیا چیز مانع ہے۔ کفار اس آگ میں بہ طور اہانت ہمیشہ کے لیے داخل کیے جائیں گے اور جو فاسق مسلمان اس میں داخل کیے جائیں گے وہ عارضی طور پر تطہیر کے لیے داخل کیے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور منصب رسالت

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنا بعینہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے' اللہ تعالیٰ کے احکام کا ماخذ قرآن مجید ہے اور رسول اللہ ﷺ کے احکام کا ماخذ احادیث ہیں اور احادیث میں رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی آیات کی تعلیم اور تبیین کی ہے' اور قرآن مجید کے احکام پر عمل کر کے دکھایا ہے' اور قرآن مجید میں جن احکام کا اجمالی ذکر تھا ان کی تفصیل کی ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ کے احکام پر عمل کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کے احکام پر ہی عمل کرنا ہے۔

قرآن مجید نے نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے لیکن نماز کے اوقات کی تعیین اور اس کی شرائط کو نہیں بیان فرمایا اور نہ نماز کی رکعات بیان کی ہیں اور نہ یہ بتایا ہے کہ ان رکعات میں کیا پڑھا جائے' اذان اور اقامت کے کلمات کا بیان نہیں کیا' کن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور کیا چیزیں نماز کے منافی ہیں ان کو قرآن مجید نے بیان نہیں کیا یہ تمام چیزیں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔

قرآن مجید نے زکوۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے لیکن یہ نہیں بیان فرمایا کہ مال کی کن اقسام سے زکوۃ ادا کی جائے گی اور کن سے ادا نہیں کی جائے گی اور مال کی مختلف اقسام میں سے کن اقسام کا کیا کیا نصاب ہے' کتنی مدت کے بعد زکوۃ کا ادا کرنا ضروری ہے' اور کس کا مال ادائیگی زکوۃ سے مستثنیٰ ہے' روزہ کا حکم فرمایا ہے لیکن کن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور کن سے نہیں ٹوٹتا' کس چیز میں قضا ہے اور کس چیز میں کفارہ ہے یہ بیان نہیں فرمایا' حج کے ارکان اور شرائط' اور اس کے مفسدات کا بیان نہیں فرمایا حتیٰ کہ قرآن مجید میں یہ بھی ذکر نہیں ہے کہ حج کس دن ادا کیا جائے گا' قربانی کا ذکر فرمایا ہے لیکن قربانی کے جانوروں کی اقسام اور ان کی عمروں کو بیان نہیں فرمایا' حج زندگی میں ایک بار فرض ہے یا ہر سال فرض ہے' حج اور عمرہ میں ارکان اور شرائط کے لحاظ سے کیا فرق ہے' چور کے ہاتھ کاٹنے کا کیا نصاب ہے' اس کا ہاتھ کہاں سے کاٹا جائے گا

کن حالات میں یہ حکم نافذ العمل ہے اور کن حالات میں یہ حکم نافذ العمل نہیں ہے' حد قذف اور حد زنا میں جو کوڑے لگائے جائیں گے ان کی کیا کیفیت ہونی چاہیے' شراب کی حرمت کا ذکر ہے لیکن کس چیز سے بنے ہوئے مشروب کو خمر کہا جاتا ہے اور خمر کی حد کیا ہے' خمر کے علاوہ دیگر نشہ آور مشروبات کی سزا کیا ہے' غیر مسلموں کے ساتھ جہاد کا ذکر ہے' اور جزیہ لینے کا بھی ذکر ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ جزیہ کی رقم کتنی ہو گی اور کتنی مدت میں واجب الادا ہو گی' جب کفار کے خلاف جہاد کیا جائے تو کافروں میں سے کس کس کو قتل کرنے سے احتراز کیا جائے گا' یہ اور ایسی بہت سی تفصیلات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نہیں بیان فرمایا بلکہ ان کا بیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دیا اور فرمایا اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس منصب کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْہِمْ (النحل : ۴۴)
اور ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کو وضاحت کے ساتھ بتادیں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض پاک چیزوں کو حلال کیا اور بعض ناپاک چیزوں کو حرام کیا' قرآن مجید میں ان کا ذکر نہیں ہے' مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکار کرنے والے درندوں اور پرندوں کو حرام کیا' دراز گوش اور حشرات الارض کو حرام کیا ہے' جو مچھلی طبعی موت سے مر کر سطح آب پر آجائے اس کو حرام کیا ہے' بغیر ذبح کے مچھلی اور ٹڈی کو حلال فرمایا' کلیجی اور تلی کے خون کو حلال فرمایا ہے اور اس میں سے کسی کا بھی ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے' البتہ قرآن مجید نے منصب رسالت کا بیان کرتے ہوئے فرمایا :

وَیُحِلُّ لَہُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْہِمُ الْخَبٰٓئِثَ (الاعراف : ۱۵۷)
وہ ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید نے بعض چیزوں کا عمومی حکم بیان فرمایا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بعض چیزوں کے استثنیٰ کا بیان فرمایا مثلاً قرآن مجید میں حکم ہے کہ ہر نماز کو اس کے وقت میں پڑھا جائے :

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۔ (النساء : ۱۰۳)
بے شک مومنوں پر نماز وقت مقرر پر کیا ہوا فریضہ ہے۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر نماز اپنے وقت میں پڑھی جائے' لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھا' اور مزدلفہ میں مغرب کی نماز کو عشاء کے وقت میں پڑھا' اس سے معلوم ہوا کہ عرفات اور مزدلفہ میں یہ دو نمازیں اس عام حکم اور قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ اس کی اور بھی نظائر ہیں' حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کی ایک گواہی کو دو گواہوں کے قائم مقام قرار دینا' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حیات فاطمہ میں دوسرا نکاح کرنے سے منع فرمانا' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا' ازواج مطہرات اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم کو وارث نہ بنانا' ان خصوصی احکام کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو قرآن مجید کے عام حکم سے مستثنیٰ فرمادیا اور زمانہ امن کے سفر میں نماز کو قصر کر کے پڑھنے کا حکم بھی اسی قبیل سے ہے حالانکہ قرآن مجید نے زمانہ جنگ کے سفر میں نماز کو قصر کرنے کا حکم دیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے کسی حکم کی تفصیل اور اس کی ادائیگی کی شکل و صورت بیان فرمائیں یا کسی چیز کے شرعاً حلال یا حرام ہونے کو بیان فرمائیں یا قرآن مجید کے کسی عام حکم سے کسی فرد یا کسی چیز کا استثنیٰ بیان فرمائیں ان

تمام امور میں نبی ﷺ کی اطاعت لازم ہے اور یہی آپ کا منصب رسالت ہے' آپ صرف احکام پہنچانے والے نہیں ہیں بلکہ احکام دینے والے بھی ہیں اور احکام پہنچانے والے بھی ہیں۔

وَسَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ

اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کا عرض تمام آسمان اور

وَالْاَرْضُۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَۙ (۱۳۳) الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ

زمینیں ہیں جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے ○ جو لوگ خوشحالی اور تنگ دستی میں خرچ

وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِؕ وَاللّٰهُ

کرتے ہیں اور جو غصہ پینے والے ہیں اور لوگوں (کی خطاؤں) کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ

یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَۚ (۱۳۴) وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا

نیکی کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے ○ اور جن لوگوں نے جب کوئی بے حیائی کا کام کیا یا اپنی جانوں پر ظلم

اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ۫ وَمَنْ یَّغْفِرُ

کیا تو انھوں نے اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور اللہ کے سوا کون

الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ۫ۖ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ (۱۳۵)

گناہوں کو بخشتا ہے، اور انھوں نے دانستہ ان کاموں پر اصرار نہیں کیا ○

اُولٰٓىٕكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ

ان لوگوں کی جزا ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسی جنتیں (باغات) ہیں جن کے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَؕ (۱۳۶)

نیچے دریا بہ رہے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور نیک کام کرنے والوں کی کیا خوب جزا ہے ○

ربط آیات

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے سود کھانے سے منع فرمایا تھا' اور اس میں یہ اشارہ تھا کہ دنیا کے مال اور اس کی زینت کی طرف رغبت نہ کی جائے' کیونکہ جب انسان دنیا کی رنگینیوں میں رغبت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی

عبادت سے غفلت اور سستی پیدا ہوتی ہے' نیز اس سے پہلے فرمایا تھا کہ اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو تمہارے پاس فوراً اللہ تعالیٰ کی مدد آئے گی' اسی سیاق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کی اور اس کی جنت کی طرف جلدی کرو' اور دنیا کی رنگینیوں اور اس کے مال و متاع میں رغبت نہ کرو' اور اگر اللہ کی راہ میں تم قتل کیے جاؤ یا تمہاری اولاد قتل کی جائے یا تم زخمی ہو تو تم اس پر صبر کرو اور اگر تم کسی کے ساتھ احسان کرو اور نیک سلوک کرو اور وہ تمہارے ساتھ برا سلوک کرے تو تم اپنا غصہ ضبط کر لو اور اس کو معاف کر دو بلکہ اس کے ساتھ احسان کرو' جس طرح کفار نے جنگ احد میں نبی ﷺ کے محبوب چچا کو شہید کیا اور فتح مکہ کے موقع پر جب وہ نبی ﷺ کے سامنے پیش کیے گئے جب وہ مغلوب تھے اور نبی ﷺ ان سے بدلہ لینے پر ہر طرح قادر تھے' تو آپ نے غصہ ضبط کیا' ان کو معاف کر دیا اور ان سب کو آزاد کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جلدی کرو۔ (آل عمران : ۱۳۳)

مغفرت اور جنت کے حصول کا ذریعہ

اس آیت کا معنی ہے : اس چیز کی طرف جلدی کرو جس سے تمہیں اپنے رب کی مغفرت حاصل ہو اور رب کی مغفرت اس کے احکام پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے اس سے باز رہنے سے حاصل ہوتی ہے' امام رازی نے لکھا ہے مفسرین نے اس کی کئی تفسیریں کی ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد ہے اسلام کی طرف جلدی کرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کی جنت کے حصول کا ذریعہ ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد فرائض کی ادائیگی ہے' حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس سے مراد اخلاص ہے' ابو العالیہ نے کہا اس سے مراد ہجرت ہے' ضحاک نے کہا جہاد ہے' سعید بن جبیر نے کہا تکبیرہ اولیٰ ہے' عکرمہ نے کہا تمام عبادات ہیں' اصم نے کہا توبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کا عرض تمام آسمان اور زمینیں ہیں جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے۔ (آل عمران : ۱۳۳)

اس کا معنی یہ ہے کہ اگر سات آسمانوں اور سات زمینوں کے تمام طبقات کو پھیلا دیا جائے تو وہ جنت کا عرض ہو گا اور جس کے عرض کی اس قدر وسعت ہے اس کے طول کا کیا عالم ہو گا! اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بطائنھا من استبرق (الرحمٰن : ۵۴) "جنت کے تکیوں کے استر موٹے ریشم کے ہوں گے۔" اور استر بیرونی غلاف سے کم خوب صورت ہوتا ہے تو جن تکیوں کا استر استبرق کا ہے ان تکیوں کے بیرونی غلاف کی خوبصورتی کا کیا عالم ہو گا' سو اسی طرح یہ آیت کہ سات آسمانوں اور سات زمینوں کو پھیلا دیا جائے تو جنت کا عرض ہے' اور جس کا عرض اتنا وسیع ہے اس کے طول کا کیا عالم ہو گا۔" (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۵۱۔۵۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت یعلی بن مرہ بیان کرتے ہیں کہ میری حمص میں ہرقل کے قاصد سے ملاقات ہوئی وہ اس وقت بہت بوڑھا ہو چکا تھا اس نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ہرقل کا مکتوب لے کر گیا تھا' میں نے کہا آپ اس جنت کی طرف دعوت دیتے ہیں جس کا عرض سات آسمان اور زمینیں ہیں تو پھر دوزخ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا سبحان اللہ جب رات آتی ہے تو دن کہاں ہوتا ہے؟ (جامع البیان ج ۴ ص ۶۰' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب فلک، گردش کرتا ہے تو دنیا کی ایک جانب دن ہوتا ہے اور دوسری جانب رات ہوتی ہے' اسی طرح جنت سات آسمانوں کے اوپر ایک جانب بلندی میں ہے اور دوزخ سات زمینوں کے نیچے پستی کی جانب ہے' حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنت سات آسمانوں کے اوپر عرش کے نیچے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو لوگ خوش حالی اور تنگ دستی میں خرچ کرتے ہیں۔ (آل عمران : ۱۳۴)

خوشحالی اور تنگ دستی کے علاوہ سراء اور ضراء کے اور بھی کئی معانی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک معنی آسانی اور مشکل ہے' دوسرا معنی صحت اور مرض ہے' تیسرا معنی زندگی اور موت کے بعد وصیت ہے' چوتھا معنی شادی اور غمی ہے' پانچواں معنی ہے اپنی اولاد اور قرابت داروں پر خرچ کرنا اس سے خوشی ہوتی ہے اور دشمنوں پر خرچ کرنا جو کوئی خوشی کا باعث نہیں ہے' چھٹا معنی ہے مہمانوں پر خرچ کرنا اور مصیبت زدہ لوگوں پر خرچ کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو غصہ پینے والے ہیں اور لوگوں (کی خطاؤں) کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔ (آل عمران : ۱۳۴)

غصہ ضبط کرنے کا طریقہ اور اس کی فضیلت

غصہ ضبط کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ کسی غصہ دلانے والی بات پر خاموش ہو جائے اور غیظ و غضب کے اظہار اور سزا دینے اور انتقام لینے کی قدرت کے باوجود صبر و سکون کے ساتھ رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ ضبط کرنے اور جوش غضب ٹھنڈا کرنے کے طریقوں کی ہدایت دی ہے۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دو آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لڑ رہے تھے۔ ان میں سے ایک شخص بہت شدید غصہ میں تھا اور یوں لگتا تھا کہ غصہ سے اس کی ناک پھٹ جائے گی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ایک ایسے کلمہ کا علم ہے اگر یہ وہ کلمہ پڑھ لے گا تو اس کا غضب جاتا رہے گا' حضرت معاذ نے پوچھا یا رسول اللہ! وہ کلمہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ یہ کہے اللھم انی اعوذبک من الشیطن الرجیم حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص غصہ ہو اور وہ کھڑا ہوا ہو تو بیٹھ جائے' پھر اگر اس کا غصہ دور ہو جائے تو فبہا ورنہ پھر وہ لیٹ جائے۔

عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غضب شیطان (کے اثر) سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے تو جب تم میں سے کوئی شخص غضب ناک ہو تو وہ وضو کرلے۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰۴-۳۰۳ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

غصہ ضبط کرنے کی فضیلت میں بھی احادیث ہیں' امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے غصہ ضبط کرلیا حالانکہ وہ اس کے اظہار پر قادر تھا' اللہ تعالیٰ اس کو امن اور ایمان سے بھر دے گا۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۶۱ 'مطبوعہ دار المعرفت بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے غصہ کو ضبط کرلیا باوجودیکہ وہ اس کے

اظہار پر قادر تھا اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے سامنے اس کو اختیار دے گا وہ جس حور کو چاہے لے لے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے نزدیک پہلوانی کا کیا معیار ہے؟ صحابہ نے کہا جو لوگوں کو پچھاڑے اور اس کو کوئی نہ پچھاڑ سکے' آپ نے فرمایا نہیں' بلکہ پہلوان وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰۳' مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ)

حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے غصہ کو دور کیا اللہ تعالیٰ اس سے عذاب کو دور کر دے گا' اور جس نے اپنی زبان کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ اس کے عیوب پر پردہ رکھے گا۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں عبدالسلام بن ہاشم ایک ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۶۸' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

اور غصہ نہ کرنے کی فضیلت میں بھی احادیث ہیں' حافظ الہیثمی بیان کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ مجھے اللہ عزوجل کے غضب سے کیا چیز دور کر سکتی ہے؟ فرمایا تم غصہ نہ کرو' اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اس کی سند میں ایک راوی ابن لہیعہ ضعیف ہے اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے ایسا عمل بتلایئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم غصہ نہ کرو تو تمہارے لیے جنت ہے' اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم کبیر اور معجم اوسط میں روایت کیا ہے' اور معجم کبیر کی ایک سند کے راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۷۰-۶۹' مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

معاف کرنے کی فضیلت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ (الشوریٰ: ۳۷)	اور جب وہ غضب ناک ہوں تو معاف کر دیتے ہیں۔
وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ ۭ (الشوریٰ: ۴۰)	اور برائی کا بدلہ اس کی مثل برائی ہے' پھر جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کر لی تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے۔
وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ۔ (الشوریٰ: ۴۳)	اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو یقیناً یہ ضرور ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے حیائی کی باتیں طبعاً" کرتے تھے نہ "تکلفاً" اور نہ بازار میں بلند آواز سے باتیں کرتے تھے' اور برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے تھے لیکن معاف کر دیتے تھے اور درگذر فرماتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو زیادتی بھی کی گئی میں نے کبھی آپ کو اس زیادتی کا بدلہ

لیتے ہوئے نہیں دیکھا بہ شرطیکہ اللہ کی حدود نہ پامال کی جائیں اور جب اللہ کی حد پامال کی جاتی تو آپ اس پر سب سے زیادہ غضب فرماتے' اور آپ کو جب بھی دو چیزوں کا اختیار دیا گیا تو آپ ان میں سے آسان کو اختیار فرماتے بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ (جامع ترمذی ص ۵۹۶' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ کو دو چیزوں کا اختیار دیا گیا تو آپ ان میں سے آسان کو اختیار فرماتے بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو' اگر وہ گناہ ہوتی تو آپ سب سے زیادہ اس سے دور رہتے' رسول اللہ ﷺ نے کبھی اپنی ذات کا انتقام نہیں لیا' ہاں اگر اللہ کی حدود پامال کی جاتیں تو آپ ان کا انتقام لیتے تھے۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰۴' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملا' میں نے ابتداً" آپ کا ہاتھ پکڑ لیا' اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے فضیلت والے اعمال بتایئے' آپ نے فرمایا : اے عقبہ' جو تم سے تعلق توڑے اس سے تعلق جوڑو' جو تم کو محروم کرے' اس کو عطا کرو' اور جو تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرو۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حافظ ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے' اس میں یہ الفاظ ہیں جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کردو۔ (تہذیب تاریخ دمشق ج ۳ ص ۱۶۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

میمون بن مہران روایت کرتے ہیں کہ ایک دن ان کی باندی ایک پیالہ لے کر آئی جس میں گرم گرم سالن تھا' ان کے پاس اس وقت مہمان بیٹھے ہوئے تھے' وہ باندی لڑکھڑائی اور ان پر وہ شوربا گر گیا' میمون نے اس باندی کو مارنے کا ارادہ کیا' تو باندی نے کہا اے میرے آقا' اللہ تعالیٰ کے اس قول پر عمل کیجئے' والکاظمین الغیظ' میمون نے کہا میں نے اس پر عمل کر لیا (غصہ ضبط کر لیا) اس نے کہا اس کے بعد کی آیت پر عمل کیجئے والعافین عن الناس میمون نے کہا میں نے تمہیں معاف کر دیا' باندی نے اس پر اس حصہ کی تلاوت کی : "واللہ یحب المحسنین میمون نے کہا میں تمہارے ساتھ نیک سلوک کرتا ہوں اور تم کو آزاد کر دیتا ہوں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۲۰۷' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

نیز علامہ قرطبی نے امام مبارک کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قیامت کا دن ہو گا تو اللہ عزوجل کے سامنے ایک منادی ندا کرے گا جس نے اللہ کے پاس کوئی بھی نیکی بھیجی ہو وہ آگے بڑھے تو صرف وہ شخص آگے بڑھے گا جس نے کسی کی خطا معاف کی ہو گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جن لوگوں نے جب کوئی بے حیائی کا کام کیا' یا اپنی جانوں پر ظلم کیا تو انہوں نے اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشے گا۔ (آل عمران : ۱۳۵)

گناہوں پر نادم ہونے والے اور توبہ کرنے والوں کے لیے مغفرت کی نوید

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

عطاء نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ابومقبل نبہان کھجور فروش کے متعلق نازل ہوئی ہے' ان کے پاس ایک حسین عورت آئی انہوں نے اس کو کھجور فروخت کی' وہ اس سے لپٹ گئے اور اس کا بوسہ لے لیا' پھر اس فعل پر نادم ہوئے تو نبی ﷺ کے پاس آئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اس کے شان نزول میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک ثقفی صحابی کسی غزوہ میں گئے اور اپنے ایک انصاری دوست کو گھر کی حفاظت کے لیے چھوڑ گئے۔ انہوں نے اس ثقفی کی امانت میں خیانت کی وہ اس کے گھر میں داخل ہوئے' اس کی عورت نے مدافعت کی تو انہوں نے اس کے ہاتھ کا بوسہ لے لیا' پھر نادم ہوئے اور روتے چیختے ہوئے جنگل میں چلے گئے' جب وہ ثقفی واپس آیا تو اس کی بیوی نے اس کو خبر دی' وہ اس کو ڈھونڈنے نکلا' اور اس کو تلاش کر کے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس لے گیا کہ وہ شاید اس کی نجات کی کوئی صورت نکالیں' پھر وہ نبی ﷺ کے پاس گیا اور اپنے اس فعل کی خبر دی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اس آیت سے عموم مراد لینا زیادہ اولیٰ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۲۱۰-۲۰۹' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جب میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث خود سنتا ہوں تو اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مجھے اس حدیث سے نفع پہنچاتا ہے' اور جب آپ کے اصحاب میں سے کوئی شخص مجھے کوئی حدیث بیان کرتا ہے تو میں اس سے اس حدیث پر حلف طلب کرتا ہوں' اور جب وہ حلف اٹھا لیتا ہے تو میں اس کی تصدیق کر دیتا ہوں اور مجھ سے حضرت ابوبکر نے یہ حدیث بیان کی اور حضرت ابوبکر نے سچ کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی کوئی گناہ کرے' پھر وہ اچھی طرح وضو کرے' پھر کھڑا ہو کر دو رکعت نماز پڑھے' پھر اللہ سے استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے' پھر حضرت ابوبکر نے یہ آیت پڑھی والذین اذا فعلوا فاحشۃ الخ

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۱۳' مطبوعہ لاہور)

اس حدیث کو امام ترمذی' امام ابن ماجہ' امام احمد' امام نسائی' امام ابن جریر اور امام واحدی نے بھی روایت کیا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بنو اسرائیل اللہ کے نزدیک ہم سے بہت زیادہ مکرم تھے' کہ صبح کو ان کے اس گناہ کا کفارہ ان کے دروازہ کی چوکھٹ پر لکھا ہوا ہوتا تھا۔ "تم اپنا کان کاٹ لو' تم اپنی ناک کاٹ لو" رسول اللہ ﷺ خاموش رہے تب یہ آیات نازل ہوئیں: اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کا عرض تمام آسمان اور زمینیں ہیں' جو متقین کے لیے تیار کی گئی ہے (الی قولہ) اور جن لوگوں نے جب کوئی بے حیائی کا کام کیا یا اپنی جانوں پر ظلم کیا تو انہوں نے اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشے گا؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو اس سے بہتر چیز کی خبر نہ دوں؟ پھر آپ نے ان آیات کو پڑھا۔

ثابت بنانی روایت کرتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابلیس رویا۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۶۳-۶۲' مطبوعہ دار المعرفت بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل سے نقل کرتے ہوئے فرمایا : ایک بندے نے گناہ کیا اور کہا اے اللہ! میرے گناہ کو بخش دے' اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا میرے بندے نے گناہ کیا ہے اور اس کو یقین ہے کہ اس کا رب گناہ معاف بھی کرتا ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے۔ پھر دوبارہ وہ بندہ گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے اے میرے رب میرا گناہ معاف کردے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے : میرے بندہ نے گناہ کیا ہے اور اس کو یقین ہے کہ اس کا رب گناہ معاف بھی کرتا ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے' اور وہ بندہ پھر گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اے میرے رب میرے گناہ کو معاف کردے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے گناہ کیا ہے اور اس کو یقین ہے کہ اس کا رب گناہ معاف بھی کرتا ہے اور گناہ پر مواخذہ بھی کرتا ہے' تم جو چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت کردی' راوی نے کہا مجھے یاد نہیں آپ نے تیسری یا چوتھی بار فرمایا تھا جو چاہو کرو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث کو امام بخاری نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں تم جو چاہو کرو۔ اس میں صرف یہ لفظ ہیں' میں نے اس کی مغفرت کردی (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۱۸-۱۱۱۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

علامہ نووی نے لکھا ہے ان احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص سو بار یا ہزار بار یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ گناہ کا ارتکاب کرے اور ہر بار توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہو جائے گی اور اس کے گناہ ساقط ہو جائیں گے' اور اگر تمام گناہوں کے بعد توبہ کرے تب بھی اس کی توبہ صحیح ہے۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۵۷' مطبوعہ کراچی)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

علامہ قرطبی نے مفہم میں لکھا ہے یہ حدیث استغفار کے عظیم فائدے اور اللہ کے عظیم فضل' اس کی رحمت کی وسعت' اس کے حلم اور اس کے کرم پر دلالت کرتی ہے لیکن بندہ کا زبان سے استغفار کرنا اس کے دل کے ساتھ مقرون ہونا چاہئے تاکہ اصرار کی گرہ کھل جائے اور اس کے ساتھ بندہ کو اس گناہ پر نادم بھی ہونا چاہئے' اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔ "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو فتنہ میں مبتلا ہونے کے بعد توبہ کرے۔" اس کا معنی یہ ہے کہ جس سے بار بار گناہ ہو وہ بار بار توبہ کرے اور جب بھی اس سے کوئی گناہ ہو جائے وہ توبہ کرلے' اور ایسا نہ ہو کہ وہ زبان سے توبہ کرے اور اس کا دل اس گناہ پر مصر ہو' کیونکہ ایسا استغفار بجائے خود استغفار کا محتاج ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام ابن ابی الدنیا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعا" روایت کیا ہے۔ "گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مثل ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو' اور جو شخص گناہ سے توبہ کر رہا ہو حالانکہ وہ اس گناہ پر قائم ہو وہ گویا اپنے رب سے مذاق کر رہا ہے" راجح یہ ہے کہ حدیث کا دوسرا حصہ موقوف ہے (یعنی حضرت ابن عباس کا قول ہے) اور حدیث کے پہلے حصہ کو امام ابن ماجہ اور امام طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے' علامہ قرطبی نے کہا ہے کہ اس حدیث کا فائدہ یہ ہے کہ بار بار گناہ کرنا ہرچند کہ برا کام ہے' لیکن جب اس کے ساتھ توبہ مقرون ہو تو یہ نیک کام ہے کیونکہ وہ کریم سے گڑگڑا کر معافی مانگ رہا ہے' چونکہ وہ اپنے گناہ کا اعتراف کر رہا ہے اور یہ جانتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بخشنے والا نہیں ہے' اور صحیح مسلم کی روایت میں جو ہے تم جو چاہو کرو اس کا معنی یہ ہے کہ جب تک تم گناہ کرنے کے بعد توبہ کرتے رہو گے میں تم کو معاف کرتا رہوں گا۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۷۲-۴۷۱' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)

علامہ سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ لکھتے ہیں :

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے "جو چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا ہے" یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حکم بہ طور اعزاز اور اکرام ہو جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ (الحجر : ۴۶) (متقین سے کہا جائے گا) تم جنتوں میں سلامتی اور بے خوفی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس توبہ کرنے والے شخص کو یہ خبر دی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے پچھلے گناہوں کو بخش دیا ہے اور وہ مستقبل میں گناہوں سے محفوظ رہے گا' اور پہلی صورت میں جب یہ حکم بہ طور اعزاز اور اکرام ہو اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اس کے لیے ہر کام مباح کر دیا ہے وہ جو چاہے کرے' اور اب اس کا معنی یہ ہو گا کہ جب تک تم گناہ کرنے کے بعد توبہ کرتے رہو گے میں تم کو بخشتا رہوں گا' علامہ تورپشتی نے کہا ہے کہ یہ کلام (جو چاہو کرو) کبھی بہ طور اظہار غضب ہوتا ہے جیسے قرآن مجید میں ہے :

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ۔ (فصلت : ۴۰) (کفار سے فرمایا) جو چاہو کئے جاؤ بے شک وہ تمہارے سب کام خوب دیکھنے والا ہے۔

اور کبھی اظہار لطف کے لیے کہا جاتا ہے جیسے نبی ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ کے متعلق فرمایا تحقیق اللہ اہل بدر کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا اے اہل بدر جو چاہو کرو بے شک میں نے تم کو بخش دیا ہے (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۲۲) اور دونوں صورتوں میں اس کلام کا یہ معنی نہیں ہے کہ تم کو ہر قسم کے کام کی رخصت دے دی ہے خواہ جائز ہو یا ناجائز۔

(مکمل اکمال الاکمال ج ۹ ص ۱۷۲-۱۷۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کرتے تھے : اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں سے کر دے' جو جب نیک کام کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب برے کام کرتے ہیں تو استغفار کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : چار شخص جنت کے پاکیزہ باغوں میں ہوں گے' جو شخص لا الہ الا اللہ پر مضبوط اعتقاد رکھے اور اس میں شک نہ کرے' اور جو شخص جب نیک کام کرے تو خوش ہو اور اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور وہ شخص جو جب برا کام کرے تو غمگین ہو اور اللہ سے استغفار کرے اور وہ شخص جب اسے کوئی مصیبت پہنچے تو کہے : انا للہ وانا الیہ راجعون (شعب الایمان ج ۵ ص ۳۷۲-۳۷۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ ابو القاسم علی بن الحسن ابن العساکر المتوفی ۵۷۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جب کوئی بندہ گناہ کر کے غمگین ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے خواہ وہ استغفار نہ کرے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۵ ص ۱۹۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۴ھ)

توبہ کا معنی ہے گناہ پر نادم ہونا' دوبارہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرنا اور اس گناہ کی تلافی کرنا' اور اس کا سب سے بڑا جز گناہ پر نادم ہونا ہے تو جو شخص گناہ کرنے کے بعد غمگین ہوا وہ گویا تائب ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور انہوں نے دانستہ ان کاموں پر اصرار نہیں کیا۔ (آل عمران : ۱۳۵)

گناہوں پر اصرار کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

اصرار کا معنی ہے گناہ کو پختہ اور مضبوط کرنا اور گناہ کو ترک نہ کرنا اور اس کے ترک سے باز رہنا' اصل میں یہ لفظ صر سے بنا ہے جس کا معنی ہے باندھنا' صرہ اس تھیلی کو کہتے ہیں جس میں دراہم رکھ کر گرہ لگا دی جاتی ہے۔

(المفردات ص ۲۷۹' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران ۱۳۶۲ھ)

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا تم لوگ گناہوں پر اصرار کرنے سے باز رہو' کیونکہ ماضی میں گناہوں پر اصرار کرنے والے ہلاک ہو گئے ان کو خدا کا خوف حرام کے ارتکاب سے نہیں روکتا تھا' اور وہ گناہ کرنے کے بعد توبہ نہیں کرتے تھے' حتیٰ کہ انہیں اسی گناہ پر موت آجاتی۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۶۴۔ ۶۳' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ لکھتے ہیں :

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے استغفار کر لیا اس نے اصرار نہیں کیا' خواہ وہ دن میں ستر مرتبہ اس گناہ کو دہرائے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۱۲' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ)

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ گناہ پر برقرار رہنا اور اس پر توبہ نہ کرنا اس گناہ پر اصرار ہے' اور اگر بار بار گناہ کرے اور ہر گناہ کے بعد توبہ کر لے تو یہ گناہ کا تکرار ہے اصرار نہیں ہے' علماء نے کہا ہے کہ گناہ صغیرہ پر اصرار اس گناہ کو کبیرہ بنا دیتا ہے' مجھ سے ایک مرتبہ ایک فاضل دوست نے پوچھا گناہ پر اصرار کرنا بھی تو اسی درجہ کی معصیت ہے۔ یہ گناہ کبیرہ کیسے ہو جاتا ہے' میں نے کہا گناہ صغیرہ پر توبہ نہ کرنا' اس گناہ کو معمولی سمجھنا ہے' اور کسی گناہ کو معمولی سمجھنا ہی کبیرہ گناہ ہے' دوسری وجہ یہ ہے کہ توبہ کرنا فرض ہے اور فرض کا ترک گناہ کبیرہ ہے اس لیے گناہ صغیرہ پر اصرار کرنا اور توبہ نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

کسی کام کے کرنے پر دل سے عزم کرنا اور اس کو جڑ سے اکھاڑنے کو ترک کرنا' یہ اصرار ہے' سہل بن عبداللہ تستری نے کہا جاہل' مردہ ہے' اور بھولنے والا سویا ہوا ہے' اور گنہ گار نشہ میں مدہوش ہے' اور اصرار کرنے والا ہلاک ہونے والا ہے' اور اصرار یہ ہے کہ وہ شخص یہ کہے کہ میں کل توبہ کروں گا' اور یہ اس کے نفس کا دعویٰ ہے۔ وہ کل کا کب مالک ہے تو وہ کل کیسے توبہ کرے گا' دوسرے علماء نے کہا اصرار یہ ہے کہ وہ توبہ نہ کرنے کی نیت کرے اور جب اس نے توبہ کر لی تو وہ اصرار سے نکل گیا اور سہل کا قول عمدہ ہے۔

ہمارے علماء نے کہا ہے کہ توبہ کرنے کا باعث اور اصرار کی گرہ کھولنے کا محرک' اللہ کی کتاب میں دائماً غور و فکر کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے نیک اور اطاعت شعار لوگوں کے لیے جن انعامات کا ذکر کیا ہے اور برے اور نافرمان لوگوں کے لیے جس عذاب کا ذکر کیا ہے اس میں تدبر کرنا ہے اور جب انسان ہمیشہ اس طرح غور و فکر کرتا ہے تو اس کے دل میں عذاب کا خوف اور ثواب کا شوق بہت قوی ہو جاتا ہے' اور پھر اگر اس سے کوئی گناہ ہو جائے تو وہ فوراً توبہ کر لیتا ہے۔

توبہ کی تعریف' ارکان اور شرائط

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ جس کو سعادت دیتا ہے وہ گناہ کی برائی اور اس کے ضرر پر متنبہ ہو جاتا ہے اور یہی تنبیہہ توبہ کا باعث ہے کیونکہ گناہ ایسا زہر ہے جس کے ضرر سے دنیا اور آخرت کی سعادت ضائع ہو جاتی ہے اور وہ دنیا میں اللہ کی معرفت سے محجوب اور آخرت میں اس کے قرب سے محروم ہو جاتا ہے' گنہ گار اللہ کے حق ضائع کرنے پر تائب ہو گا یا مخلوق کے حق کو ضائع کرنے پر توبہ کرے گا' اللہ کے حق کو ضائع کرنے کی توبہ یہ ہے کہ وہ آئندہ کے لیے اس گناہ کو ترک کر دے اور اس کی جو قضا اور کفارہ مشروع ہے اس کو ادا کرے' اور مخلوق کا حق ضائع کرنے پر توبہ یہ ہے کہ وہ مستحق کو اس کا حق ادا کرے ورنہ وہ اس گناہ کے ضرر سے نجات نہیں پائے گا' اگر وہ پوری کوشش کرنے کے بعد بھی اس حق کو ادا نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ کے معاف کرنے کی امید رکھے' عبداللہ بن المبارک نے یہ کہا کہ توبہ کی شرائط یہ ہیں کیے ہوئے کام پر ندامت ہو' آئندہ نہ کرنے کا عزم ہو' حق واپس کرے' اور جو فرائض رہ گئے ہیں ان کو ادا کرے اور حرام مال کھانے سے جو بدن بن گیا ہے اسے غم اور فکر سے گھلا دے حتیٰ کہ دوبارہ اس کے جسم پر پاکیزہ گوشت پیدا ہو جائے اور اپنے نفس کو اطاعت کی مشقت کا اس طرح مزہ چکھائے جس طرح اس نے معصیت کی لذت کا مزہ چکھا تھا' جن علماء نے توبہ کی تفسیر ندامت سے کی ہے انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس کو امام احمد اور امام ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً" روایت کیا ہے کہ ندامت توبہ ہے اور درحقیقت ندامت توبہ کا رکن اعظم ہے' بعض علماء نے توبہ کی شرائط میں مزید اضافہ کیا ہے کہ وہ اس جگہ سے چلا جائے جہاں گناہ کیا تھا' اور آخر عمر تک اس جگہ دوبارہ نہ جائے' اور دوبارہ وہ گناہ نہ کرے ورنہ اس کی توبہ باطل ہو جائے گی' پہلی اور دوسری شرط مستحب ہے اور آخری شرط باطل ہے کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ بندہ بار بار گناہ کرے اور ہر گناہ کے بعد توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دیتا ہے۔

(فتح الباری ج ۱۱ ص ۱۰۲۔ ۱۰۳' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

کیا گناہوں کو معین کر کے توبہ کرنا ضروری ہے؟

اس آیت میں فرمایا ہے اور انہوں نے ان کاموں پر اصرار نہیں کیا درآں حالیکہ وہ جانتے ہیں' اس آیت کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں' ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنے گناہوں کو یاد کرتے ہیں اور ان پر توبہ کرتے ہیں' دوسرا قول یہ ہے کہ وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ میں اصرار پر سزا دیتا ہوں' تیسرا قول یہ ہے کہ گنہ گاروں کو یہ علم ہے کہ میں توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کر لیتا ہوں' چوتھا قول یہ ہے کہ ان کو علم ہے کہ گناہ پر اصرار کرنا ان کے لیے باعث ضرر ہے اور اصرار کو ترک کرنا نفع کا سبب ہے۔ پانچواں قول یہ ہے کہ ان کو علم ہے کہ ان کا رب ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا۔

انسان کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے گنہ کو یاد کرے اور بعینہٖ اس گناہ کی معافی مانگے البتہ یہ ضروری ہے کہ جب اسے کوئی گناہ یاد آئے تو فوراً اس گناہ سے توبہ کر لے' اور یہ ضروری نہیں ہے کہ شراب کے ہر ہر گھونٹ پر معافی مانگے' اور بدکاری کی ہر ہر حرکت پر معافی مانگے اور کسی حرام کام کے لیے جتنے قدم چلے ہیں تو ہر ہر قدم پر معافی مانگے اور جتنا وقت کسی حرام کام میں صرف ہوا ہے تو ہر ہر منٹ اور ہر ہر سیکنڈ کی معافی مانگے' بلکہ اس کے لیے یہ کافی ہے کہ جب کوئی گناہ کرے تو فوراً" اس گناہ کی معافی مانگ لے اور اگر اس وقت غافل ہو گیا تو جب اسے وہ گناہ یاد آیا اس وقت اس کی معافی مانگ لے اور مرنے سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرے' انسان کے لیے معین خطاء پر توبہ کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ فی الجملہ خطاؤں پر معافی مانگنا کافی ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی تعلیم اور تلقین کے لیے اسی قسم کی دعا کی

ہے' امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو موسیٰ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ یہ دعا کرتے تھے : اے اللہ! میری خطا اور جہالت کو معاف فرما' اور تمام کاموں میں میرے حد سے تجاوز کرنے کو معاف فرما اور میری جن خطاؤں کا تجھے مجھ سے زیادہ علم ہے ان کو معاف فرما' اے اللہ! میں نے جو گناہ غلطی سے کیے ان کو معاف فرما اور جو گناہ عمداً" اور جہلاً" اور مذاقاً" کیے ان کو معاف فرما اور ہر وہ گناہ جو میرے نزدیک ہے' اے اللہ! میرے ان گناہوں کو معاف فرما جو میں نے پہلے کیے اور جو بعد میں کئے اور جو چھپ کر کئے اور جو ظاہراً" کیے' تو مقدم کرنے والا ہے اور تو موخر کرنے والا ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۴۷-۹۴۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع' کراچی' ۱۳۸۱ھ)

گناہ پر توبہ کرنے کی بحث کو ہم اس حدیث پر ختم کر رہے ہیں :

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر ابن آدم خطاکار ہے اور خطاکاروں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔ (جامع ترمذی ج ۴ ص ۶۵۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث کو امام ابن ماجہ' امام دارمی اور امام احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ان لوگوں کی جزا ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسی جنتیں (باغات) ہیں جن کے نیچے دریا بہہ رہے ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اور نیک کام کرنے والوں کی کیا خوب جزا ہے۔

(آل عمران : ۱۳۶)

یعنی جن لوگوں کے متعلق ذکر کیا گیا ہے کہ اگر وہ کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً خدا کو یاد کرتے ہیں اور اس گناہ پر فوراً توبہ اور استغفار کرتے ہیں اور عمداً" اس گناہ پر اصرار نہیں کرتے' ان کی جزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو معافی حاصل ہوتی ہے' اور انہوں نے جو نیک کام کیے ہیں اللہ تعالیٰ ان نیکیوں پر اپنے فضل سے ان کو ایسی جنتیں عطا فرمائے گا جن کے نیچے سے دریا بہہ رہے ہوں گے' وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے اور نیکی کرنے والوں کے لیے یہ کیا خوب جزاء ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا

بیشک تم سے پہلے (قانونِ قدرت کے) طریقے گزر چکے ہیں سو تم زمین میں چل پھر کر دیکھ لو (کہ پیغمبروں کو) جھٹلانے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١٣٧﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى

والوں کا کیسا (برا) انجام ہوا ○ یہ لوگوں کے لیے واضح بیان ہے اور متقین کے

وَّمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٨﴾ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ

لیے ہدایت اور نصیحت ہے ○ اور نہ کمزوری دکھاؤ اور نہ غم کھاؤ اگر تم کامل مومن

الاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنۡ يَّمۡسَسۡكُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ

ہو تو تم ہی غالب رہو گے ○ اگر تم زخمی ہوئے ہو تو تمہارے مخالف لوگ

مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ ؕ وَتِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ

بھی اسی طرح زخمی ہوئے ہیں اور ہم لوگوں کے درمیان ایام (کی تنگی اور کشادگی) کو گردش

النَّاسِ ۚ وَلِيَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَيَتَّخِذَ مِنۡكُمۡ شُهَدَآءَ ؕ

دیتے رہتے ہیں تاکہ اللہ ایمان والوں کو چھانٹ کر الگ کرے اور تم میں سے بعض لوگوں کو مرتبۂ شہادت دے

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۴۰﴾ لا وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

اور اللہ ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ○ اور اس لیے کہ اللہ مسلمانوں کو گناہوں سے پاک کر دے اور

وَيَمۡحَقَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا

کافروں کو مٹا دے ○ کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی

يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَيَعۡلَمَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدۡ

اللہ نے تم میں سے مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو (دوسروں سے) ممتاز نہیں کیا ○ تم تو موت

كُنۡتُمۡ تَمَنَّوۡنَ الۡمَوۡتَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَلۡقَوۡهُ فَقَدۡ رَاَيۡتُمُوۡهُ وَ

کے آنے سے پہلے موت کی تمنا کیا کرتے تھے سو اب تم نے موت کو دیکھ لیا ہے اور وہ

اَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۱۴۳﴾ ع

تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے ○

ع ۱۴ / ۵

ربط آیات

اس سے پہلے مسلمانوں کی وہ لغزشیں بیان فرمائیں تھیں جن کی وجہ سے مسلمانوں کو جنگ احد میں شکست ہوئی تھی، اور آئندہ کے لیے اس قسم کے کاموں سے منع فرمایا تھا' اور ایسے کاموں کی ترغیب دی تھی جن کے کرنے سے مسلمان اپنی شجاعت کے جوہر دکھائیں اور جہاد میں کافروں کے خلاف فتح حاصل کریں' اب اس سلسلہ میں مزید ہدایت دینے کے لیے فرمایا ہے: جو لوگ اسلام کی صداقت کے متعلق شکوک اور شبہات کا شکار ہیں وہ زمین میں چل پھر کر دیکھ لیں کہ جن لوگوں

نے گذشتہ زمانوں میں اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی وہ کس طرح عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے اور اب بھی مختلف علاقوں میں ان پر کیے ہوئے عذاب کے آثار موجود ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اللہ کی اطاعت کرنے والوں اور معصیت سے توبہ کرنے والوں سے مغفرت اور جنت کا وعدہ فرمایا تھا' اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ پچھلی امتوں میں سے اطاعت گزاروں اور نافرمانوں کے احوال اور آثار کا مشاہدہ کرو تا کہ اللہ کی اطاعت کرنے اور اس کی معصیت سے بچنے کی مزید ترغیب اور تحریک ہو۔

قرآن مجید میں سنت کا مفہوم

اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم سے پچھلی امتوں میں اللہ کی اطاعت کرنے سے انحراف کرنے والوں اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کے متعلق اللہ کا طریقہ گزر چکا ہے کہ وہ کافروں اور مکذبوں پر کس طرح عذاب نازل کرتا رہا ہے اس لیے تم اللہ کی نافرمانی اور اس کے رسول کی تکذیب سے باز رہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی یہ عذاب آجائے۔ اس آیت کے الفاظ یہ ہیں تم سے پہلے سنتیں گزر چکی ہیں سو تم زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا برا انجام ہوا' "سنن" سنت کی جمع ہے سنت کا معنی ہے طریقہ اور عادت' اور اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قوموں کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے' اگر ایک قوم اللہ کو مان لیتی ہے اور اس کے رسول کی تصدیق کرتی ہے اور اس کے احکام کی اطاعت کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو دنیا میں سرخرو اور کامیاب کرتا ہے اور اس کے برعکس جو قوم اللہ کو نہیں مانتی اور اس کے رسول کی تکذیب کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم پر عذاب بھیج کر اس کو تباہ اور برباد کر دیتا ہے' اس سنت کے مظاہر عاد' ثمود' اہل مدین اور قوم لوط وغیرہ کے آثار کی شکل میں موجود تھے' اللہ تعالیٰ نے ان ہی مظاہر کو یہاں "سنن" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے' اس مفہوم میں یہ لفظ قرآن مجید میں بار بار استعمال ہوا ہے:

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ (الاحزاب: ۳۸) — جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کے متعلق اللہ کا طریقہ۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (فاطر: ۴۳) — سو وہ صرف پہلے لوگوں کے طریقہ کا انتظار کر رہے ہیں' تو آپ اللہ کے طریقہ میں ہرگز تبدیلی نہیں پائیں گے۔

سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ (المؤمن: ۸۵) — یہ وہ طریقہ ہے جو اس کے بندوں میں گزر چکا' اور وہاں کافروں نے سخت نقصان اٹھایا۔

قرآن مجید میں سنت اللہ کا لفظ جس مفہوم میں استعمال ہوا ہے اس کو بیان کرنے کے بعد ہم چاہتے ہیں کہ سنت کا لغوی اور اصطلاحی معنی بھی بیان کر دیں۔

سنت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

سنت کا معنی ہے طریقہ' سنت النبی کا معنی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طریقہ جس کا آپ قصد کرتے تھے اور سنت اللہ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی حکمت کا طریقہ جیسے فرمایا سنة الله التی قد خلت فی عباده' اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا طریقہ جیسے

فرمایا ولن تجد لسنة اللہ تبدیلا ' اس میں یہ تنبیہ ہے کہ احکام شرعیہ ہرچند کہ صورۃ" مختلف ہوتے ہیں لیکن ان کی غرض مقصود مختلف نہیں ہے اور وہ تبدیل نہیں ہوتی اور وہ نفس کو پاکیزہ کرنا اور اس کو اللہ کے قرب اور اس کے ثواب کے قابل بنانا ہے۔ (المفردات ص ۲۴۵' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۶۲ھ)

علامہ ابن اثیر جزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

لغت میں سنت کا معنی طریقہ اور سیرت ہے اور شریعت میں اس سے مراد ہے جس چیز کا نبی ﷺ نے حکم دیا ہو یا اس سے منع کیا' یا جس قول اور فعل کو مستحب قرار دیا ہو' اور قرآن مجید میں ان امور کا ذکر نہ آیا ہو' اسی لیے دلائل شرع میں قرآن اور سنت کا ذکر کیا جاتا ہے' حدیث میں ہے میں بھول جاتا ہوں تاکہ میں اس کو سنت کر دوں' یعنی مجھ پر اس لیے نسیان طاری کیا جاتا ہے کہ میں لوگوں کو طریق مستقیم کی طرف لاؤں اور ان کو یہ بیان کروں کہ جب ان کو نسیان عارض ہو تو وہ کس طرح عمل کریں۔ (نہایہ ج ۲ ص ۴۱۰-۴۰۹' مطبوعہ مؤسسۃ مطبوعاتی ایران' ۱۳۶۴ھ۔)

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں :

لغت میں سنت کا معنی ہے طریقہ خواہ پسندیدہ طریقہ ہو یا غیر پسندیدہ' اور شریعت میں اس کا معنی ہے وہ طریقہ جو دین میں مقرر کیا گیا ہے' جو فرض ہے نہ واجب' لہذا سنت وہ ہے جس پر نبی ﷺ نے دائما" عمل کیا ہو اور کبھی کبھی ترک بھی کیا ہو' اور اگر یہ دوام بہ طور عبادت ہو تو سنن ھدی کی قسم ہے اور اگر یہ دوام بہ طور عادت ہو تو یہ سنن زوائد کی قسم سے ہے' سنت ھدی وہ سنت ہے جس کو قائم کرنا دین کی تکمیل کے لیے ہو اور اس کا ترک کرنا کراہت یا اساءت ہو' اور سنت زائدہ وہ سنت ہے جس پر عمل کرنا نیکی ہو اور اس کے ترک سے کراہت یا اساءت کا تعلق نہ ہو' جیسے کھڑے ہونے' بیٹھنے' لباس پہننے اور کھانے میں نبی ﷺ کی سنتیں ہیں۔

نیز علامہ میر سید شریف لکھتے ہیں :

لغت میں سنت کا معنی ہے عادت اور شریعت میں نبی ﷺ کے اقوال' افعال اور تقریرات کو سنت کہتے ہیں اور جن کاموں پر نبی ﷺ نے بلا وجوب دوام کیا ہو ان کو بھی سنت کہتے ہیں' اس کی دو قسمیں ہیں' سنن ھدی اور سنن زوائد' سنت ھدی جیسے اذان اور اقامت ان کو سنت موکدہ بھی کہتے ہیں' ان کا حکم واجب کی طرح ہے اور واجب کی طرح اس پر عمل کا مطالبہ کیا جائے گا' مگر واجب کا تارک سزا کا مستحق ہے اور اس کا تارک سزا کا مستحق نہیں ہے' اور سنن زوائد جیسے اکیلے آدمی کا اذان دینا اور مسواک کرنا اور وہ افعال جو نماز اور غیر نماز میں معروف ہیں اور اس کا تارک سزا کا مستحق نہیں ہے۔

(التعریفات ص ۵۴-۵۳' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر' ۱۳۰۶ھ)

علامہ میر سید شریف نے سنت زائدہ کی جو پہلے تعریف لکھی ہے وہ صحیح ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ لوگوں کے لیے واضح بیان ہے اور متقین کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔

(آل عمران : ۱۳۸)

اس آیت میں بیان' ہدایت اور نصیحت کا ذکر ہے' جس کلام سے کسی پیدا ہونے والے شبہ کا ازالہ کیا جائے اس کو بیان کہتے ہیں' اور جو کلام امور شرعیہ میں رہنمائی پر مشتمل ہو اس کو ہدایت کہتے ہیں' اور جو کلام کسی برے کام سے ممانعت کی تلقین پر مشتمل ہو اس کو نصیحت کہتے ہیں' اس آیت میں فرمایا ہے یہ کلام متقین کے لیے ہدایت اور نصیحت

ہے' اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس کلام سے ہدایت اور نصیحت متقین ہی حاصل کرتے ہیں اگرچہ یہ کلام تمام دنیا کے لیے پیش کیا گیا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہدایت کی پیش کش دنیا کے تمام لوگوں کے لیے ہے لیکن اس سے فائدہ متقین نے ہی اٹھایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور نہ کمزوری دکھاؤ اور نہ غم کھاؤ اگر تم کامل مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔ (آل عمران : ۱۳۹)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ پچھلی امتوں کے احوال پر غور کرو' سو جب تم گزری ہوئی امتوں کے احوال پر غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہو گا کہ بعض اوقات باطل قوتوں کو وقتی طور پر غلبہ حاصل ہو جاتا ہے لیکن انجام کار وہ مغلوب ہو جاتے ہیں اور حق پرست غالب آ جاتے ہیں۔ اس لیے اگر جنگ احد میں وقتی طور پر کفار مکہ کو غلبہ حاصل ہو گیا ہے تو تم اس سے چنداں پریشان نہ ہو اور گھبراؤ مت بالآخر تم ہی کو غلبہ حاصل ہو گا "وہن" کے معنی کمزوری ہیں اور اس آیت کا معنی ہے اور تم جہاد کرنے سے کمزوری نہ دکھاؤ اور ہمت نہ ہارو۔

مسلمانوں کے اعلیٰ اور غالب ہونے کے معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : اگر تم کامل مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے' اس آیت میں غلبہ سے مراد مادی غلبہ ہے یا دلیل اور برہان کا غلبہ ہے یا مرتبہ کا غلبہ ہے' یعنی اگر تم ایمان کامل پر قائم رہے اور اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کی اطاعت کرتے رہے تو کفار کے خلاف معرکہ آرائیوں میں تم ہی فتح یاب اور کامران ہو گے جیسا کہ جنگ احد کے بعد کی جنگوں میں مسلمان عہد رسالت میں مسلسل کامیابیاں حاصل کرتے رہے۔ پھر عہد صحابہ میں بھی مسلمان کفار کے خلاف جنگوں میں کامیاب ہوتے رہے حتیٰ کہ بنو امیہ کے دور میں تین براعظموں میں مسلمانوں کی حکومت پہنچ چکی تھی۔ لیکن بعد میں جب مسلمان تن آسانی' تعیش' باہمی لڑائیوں اور طوائف الملوکی کا شکار ہوئے اور ایمان کامل پر قائم رہنے کا معیار برقرار نہ رکھ سکے تو ان کو پھر اسی شکست و ریخت کا سامنا کرنا پڑا جس کا اس سے پہلے جنگ احد میں سامنا کر چکے تھے' اور اس کا دوسرا معنی ہے دلیل اور برہان کا غلبہ' یعنی اگرچہ مادی اعتبار سے مسلمان کسی زمانہ میں مغلوب ہو جائیں جیسا کہ اب ہیں اور کفار غالب ہوں تب بھی مسلمانوں کا دین کفار کے باطل دینوں کے مقابلے میں دلیل اور برہان کے اعتبار سے غالب ہے اور دین اسلام کا ہر اصول معقولیت کے لحاظ سے کفار کے اصولوں سے برتر ہے۔ آج دنیا کے کافروں میں زیادہ عیسائی ہیں۔ پھر دہریئے ہیں اور پھر بت پرست ہیں۔ اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کا خدائے واحد کا عقیدہ ان تمام عقائد پر دلیل کے اعتبار سے غالب ہے کیونکہ بتوں کا مستحق عبادت نہ ہونا بدیہی ہے' اور مطلقاً" کسی پیدا کرنے والے کا نہ ہونا بھی بداہتہ" باطل ہے اور تین خداؤں کا ہونا بھی باطل ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ اور روح القدس دونوں مخلوق ہیں اور مخلوق خدا نہیں ہو سکتی' یہودیوں اور عیسائیوں کے نبیوں کے معجزات اب دنیا میں موجود نہیں ہیں اور مسلمانوں کے نبی کا معجزہ اب بھی موجود ہے۔ یہود و نصاریٰ کی کتاب کی اصل زبان تک باقی نہیں رہی اور ان کی کتاب میں رد و بدل ہو گیا جب کہ مسلمانوں کے نبی کی کتاب من و عن اسی طرح موجود ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک موجود رہے گی' اسی طرح عبادات کے طریقوں' سیاست' معاشرت' اور زندگی کے باقی شعبوں میں مسلمانوں کے دین کے اصول باقی تمام ادیان سے افضل اور اعلیٰ ہیں' اور یا مسلمانوں کے اعلیٰ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمانوں کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے' اگر کسی جنگ میں مسلمان

مغلوب ہو جائیں اور کافر غالب ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان اعلیٰ ہیں۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اگر تم زخمی ہوئے ہو' تو تمہارے مخالف لوگ بھی اسی طرح زخمی ہوئے ہیں اور ہم لوگوں کے درمیان ایام (کی تنگی اور کشادگی) کو گردش دیتے رہتے ہیں تاکہ اللہ ایمان والوں کو متمیز کردے اور تم میں سے بعض لوگوں کو مرتبہ شہادت دے اور اللہ ظلم کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (آل عمران : ۱۴۰)
اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جنگ احد میں مسلمانوں کے زخمی ہونے' اور قتل ہونے سے تم کیونکر کمزوری دکھاؤ گے اور غم کھاؤ گے! اگر تم میں سے بعض زخمی ہوئے ہیں اور بعض قتل ہوئے ہیں تو جنگ بدر میں تمہارے دشمنوں کو اس سے زیادہ ہزیمت اٹھانی پڑی تھی ان کے بھی اسی قدر افراد قتل ہوئے تھے اور اس سے زیادہ زخمی ہوئے تھے اور جنگ تو کنوئیں کے ڈول کی طرح ہے۔ کبھی ایک کے ہاتھ آتی ہے اور کبھی دوسرے کے ہاتھ۔ ایک دن تمہارا ہے' ایک دن ان کا ہے' کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ کسی دن حق کا غلبہ ہوتا ہے اور کسی دن (بظاہر) باطل کا' اور حق اور باطل کے درمیان اسی طرح ایام گردش کرتے رہتے ہیں اور اسی گردش ایام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے علم کو ظاہر فرماتا ہے اور مسلمانوں کو کافروں سے چھانٹ کر الگ کر دیتا ہے' اور مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں شہادت کے لیے تیار کر دیتا ہے جو اللہ کے لیے اپنی جان اور مال کو نچھاور کر دیتے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ شہداء کو موت کے بعد حیات عطا فرماتا ہے اور شہداء کو رزق دیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کا درجہ انبیاء اور صدیقین کے ساتھ رکھا ہے اور یہ بہت بڑی فضیلت ہے۔

شہید کی تعریف' اس کا شرعی حکم اور اس کی وجہ تسمیہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مرتبہ شہادت عطا فرمانے کا ذکر فرمایا ہے' اور فرمایا ہے تاکہ تم میں سے بعض مومنوں کو شہداء بنا دے۔ شہداء' شہید کی جمع ہے۔ شہید اس مسلمان کو کہتے ہیں جو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اللہ کی راہ میں قتل کیا جائے' یا جس مسلمان کو ظلماً" قتل کیا جائے' ان دونوں کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر یہ اسی حادثہ میں جاں بحق ہو جائیں اور کسی علاج اور دوا دارو کی نوبت نہ آئے تو ان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی لیکن غسل نہیں دیا جائے گا نہ کفن پہنایا جائے گا ان کو اسی طرح دفن کر دیا جائے گا' اور اگر یہ معرکہ کارزار سے زخمی ہو کر آئیں اور علاج کے بعد جاں بحق ہو جائیں تو پھر ان کو غسل دیا جائے گا اور کفن بھی پہنایا جائے گا پھر نماز جنازہ پڑھنے کے بعد ان کو دفن کر دیا جائے گا' اور جو مسلمان کسی طرح بھی غیر طبعی طریقہ سے جاں بحق ہو جائے خواہ جل کر' ڈوب کر' کسی بھی حادثہ میں' یا وہ مسلمان کسی نیک کام کرتے ہوئے یا کسی نیکی کے سلسلہ میں طبعی طور پر فوت ہو یا کسی بیماری میں فوت ہو تو وہ بھی احادیث کی روشنی میں شہید ہے۔ اس کو شہادت کا اجر ملے گا لیکن اس کی تجہیز و تکفین عام مسلمانوں کے طریقہ سے ہو گی۔
اللہ کی راہ میں مرنے والے کو حسب ذیل وجوہ سے شہید کہا جاتا ہے :
(۱) اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں جنت کی شہادت دی ہے۔
(۲) قیامت کے دن وہ انبیاء اور صدیقین کے ساتھ گواہی کے لیے طلب کیے جائیں گے۔
(۳) جس طرح کافر مرتے ہی دوزخ میں داخل ہوتا ہے' اسی طرح شہید قتل ہوتے ہی جنت میں شاہد (حاضر) ہو جاتا ہے یا قتل ہوتے ہی اس کے سامنے جنت پیش کر دی جاتی ہے۔
(۴) شہید زندہ ہوتا ہے اور اس کی روح جنت میں شاہد اور موجود ہوتی ہے' جبکہ دوسرے مسلمانوں کی ارواح قیامت کے

دن جنت میں موجود ہوں گی۔
(۵) اس کی روح جسم سے نکلتے ہی اس اجر و ثواب پر شاہد ہو جاتی ہے جو اس کے لیے مقدر کیا گیا ہے۔
(۶) شہادت کے وقت رحمت کے فرشتے اس کے پاس موجود ہوتے ہیں جو اس کی روح کو لے جاتے ہیں۔
(۷) شہید کا شہید ہونا اس کے ایمان کے صحیح ہونے اور اس کے خاتمہ بالخیر پر شہادت دیتا ہے۔
(۸) شہید کے شہید ہونے پر اس کا خون اور اس کے زخم شاہد اور گواہ ہوتے ہیں۔
شرح صحیح مسلم جلد خامس کے اخیر میں ہم نے حکمی شہادت کی پینتالیس قسمیں بیان کی ہیں اور ہر قسم کے ثبوت میں احادیث بیان کی ہیں اور شہادت کے دیگر علمی مباحث بھی بیان کیے ہیں' شہادت کے اجر و ثواب اور اس کی فضیلت کا بیان وہاں طوالت کی وجہ سے ذکر نہیں کیا گیا اس کو ہم انشاء اللہ آل عمران : ۱۶۹ کی تفسیر میں بیان کریں گے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اس لیے کہ اللہ مسلمانوں کو گناہوں سے پاک کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔

(آل عمران : ۱۴۱)
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے "لیمحص" اور کافروں کے لیے "یمحق" کا لفظ استعمال فرمایا ہے' محص کا معنی ہے تنقیہ' کسی چیز کو پاک اور صاف کرنا' اور محق کا معنی ہے کمی کرنا یا کسی چیز کو جڑ سے اکھاڑ دینا' اللہ تعالیٰ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان فتح اور شکست کو گردش دیتا رہتا ہے سو اگر کافر مسلمانوں پر غالب آ جائیں تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے گناہوں سے پاک کر دیتا ہے' اور اس شکست کا رنج و ملال ان کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے' اور اگر مسلمان کافروں پر غالب آ جائیں تو اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کے مقابلہ میں آنے والے کافروں کی تعداد کو کم کر دیتا ہے یا ان کو جڑ سے مٹا دیتا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے مجاہدوں اور صبر کرنے والوں کو (دوسروں سے) ممتاز نہیں کیا۔ (آل عمران : ۱۴۲)

فتح اور شکست کو گردش دینے کی اصل حکمت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے وہ لوگو! جو جنگ احد میں ہمارے نبی ﷺ کے حکم پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے شکست کھا چکے ہو اور کافروں کی یلغار اور ان کے دباؤ کی وجہ سے جن کے پاؤں اکھڑ گئے تھے اور جان بچانے کے لیے گھبرا کر بھاگ گئے تھے کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم ان لوگوں کی طرح جنت میں داخل ہو جاؤ گے جو اس جنگ میں شہید ہو چکے ہیں یا جو لوگ زخمی ہونے اور کافروں کے دباؤ کے باوجود ثابت قدم رہے اور زخموں سے چور چور ہونے کے باوجود صبر و استقامت کے ساتھ اپنے مورچوں میں ڈٹے رہے اور اپنی جانوں پر کھیل کر ہمارے نبی ﷺ کی حفاظت کرتے رہے!
اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مسلمانوں کے درمیان فتح اور شکست کو گردش دینے کے اسباب بیان فرمائے تھے' ایک سبب یہ تھا کہ اللہ مسلمانوں کو کافروں سے چھانٹ کر الگ کر لے کیونکہ جب جنگ احد میں عبد اللہ بن ابی ابن سلول اپنے ساتھیوں کو لے کر مسلمانوں کے لشکر سے نکل گیا تو صرف مخلص مسلمان ہی نبی ﷺ کے ساتھ رہ گئے' اور اس شکست کے نتیجہ میں جو مسلمان قتل کیے گئے وہ مقام شہادت سے سرفراز ہوئے' اور جو مسلمان زندہ بچے وہ زخمی تھے اور شکست کے صدمہ سے دوچار تھے اور یہ چیزان کے گناہوں کا کفارہ بن گئی اور جب مسلمان جنگ میں غالب

ہوں گے تو کفار بہ تدریج کم ہوتے چلے جائیں گے اور اس آیت میں فتح اور شکست کو گردش دینے کا اصل سبب بیان فرمایا ہے کہ تم یہ نہ گمان کرنا کہ تم مشقتوں کو جھیلنے' جہاد کی صعوبتوں کو برداشت کرنے اور مصائب پر صبر کئے بغیر جنت میں چلے جاؤ گے' جنت میں دخول کے لیے ضروری ہے کہ دشمن پر غلبہ پانے کے لیے تم جہاد میں ثابت قدم رہو اور اگر تم اپنی کسی کوتاہی کی بناء پر شکست کھا جاؤ تو اس مصیبت پر صبر کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تم تو موت کے آنے سے پہلے موت کی تمنا کیا کرتے تھے' سو اب تم نے موت کو دیکھ لیا ہے اور وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ (آل عمران : ۱۴۳)

رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے بعض صحابہ جنگ بدر میں حاضر نہیں ہو سکے تھے' اور وہ جنگ احد برپا ہونے سے پہلے یہ تمنا کرتے تھے کہ پھر جنگ بدر کی طرح کوئی معرکہ ہو تو وہ اس جنگ میں داد شجاعت دیں یا شہید ہو کر اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب پائیں اور جب جنگ احد ہوئی تو ان میں سے بعض کفار کے دباؤ اور ان کے رش کی وجہ سے ثابت قدم نہ رہے اور ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور بعض صبر و استقامت کے ساتھ لڑتے رہے اور اس سے پہلے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا اس کو پورا کیا۔ سو جو لوگ کفار کے رش اور اچانک حملہ کی وجہ سے بھاگ پڑے تھے اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا کہ تم تو موت کے آنے سے پہلے موت کی تمنا کیا کرتے تھے سو اب تم نے موت کو دیکھ لیا ہے اور وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے اور جنہوں نے اس پر صبر کیا اور استقامت کے ساتھ جہاد کرتے رہے ان کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں :

ربیع بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی ایک جماعت جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکی تھی اور اہل بدر کو جو فضیلت اور کرامت حاصل ہوئی تھی اس سے محروم رہے تھے۔ اس لیے وہ یہ تمنا کرتے تھے کہ پھر کوئی جہاد کا موقع آئے تو وہ اللہ کی راہ میں قتال کریں پھر جب جنگ احد ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم تو موت کے آنے سے پہلے موت کی تمنا کیا کرتے تھے سو اب تم نے موت کو دیکھ لیا ہے اور وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۷۱' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے' انہوں نے کہا میں پہلے جہاد میں نبی ﷺ کے ساتھ شریک نہیں ہو سکا تھا' اگر اب اللہ نے مجھے نبی ﷺ کے ساتھ جہاد میں شرکت کا موقع دیا تو اللہ تعالیٰ (لوگوں کو) دکھا دے گا کہ میں کس قدر کوشش کرتا ہوں' جب جنگ احد میں مقابلہ ہوا تو مسلمان شکست کھا گئے حضرت نضر تلوار لے کر آگے بڑھے' تو حضرت سعد بن معاذ سے ملاقات ہوئی۔ حضرت نضر نے کہا اے سعد کہاں جا رہے ہو؟ مجھے تو احد کے پاس سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے! وہ کفار سے قتال کرتے رہے حتیٰ کہ قتل کر دیئے گئے ان کی لاش پر اس قدر زخم تھے کہ ان کی بہن کے سوا ان کو کوئی نہ پہچان سکا' ان کی بہن نے ان کی انگلیوں کے پوروں اور تل سے پہچانا تھا ان کے جسم پر ستر سے زیادہ نیزوں اور تیروں کے زخم تھے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

قرآن مجید کی زیر بحث آیت اور ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ صحابہ کرام شہادت کی تمنا کرتے تھے' نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور اپنے رسول کے شہر میں مجھے موت عطا فرما۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۲۵۳، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

اس آیت اور ان احادیث پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ شہادت کا حاصل یہ ہے کہ کافر مومن پر غالب آکر مسلمان کو قتل کردے، سو شہادت کی تمنا کافر کے ہاتھوں مرنے کی تمنا کرنا ہے، اور مسلمان پر کافر کے غلبہ کی تمنا کرنا ہے اور یہ مذموم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شہادت فی نفسہ قبیح ہے لیکن چونکہ یہ اعلاء کلمۃ اللہ کا سبب ہے اس وجہ سے یہ حسن لغیرہ ہے، اور جب مسلمان شہادت کی تمنا اور دعا کرتا ہے تو اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے دین کو سربلند کرے اور اللہ کے دشمنوں کو قتل کرے۔ خواہ اس راہ میں اس کی جان جاتی رہے وہ یہ دعا نہیں کرتا کہ اس کو کوئی کافر آکر مار دے کیونکہ ایسی دعا تو معصیت اور کفر ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ

اور محمد (خدا نہیں ہیں) صرف رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول گزر چکے ہیں اگر وہ فوت

مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى

ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے تو جو اپنی ایڑیوں پر پھر جائے

عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

گا سو وہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کرے گا۔ اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا ○

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ

اور کسی شخص کے لیے اللہ کے اذن کے بغیر مرنا ممکن نہیں ہے (سب کی) اجل لکھی ہوئی ہے،

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ

اور جو دنیا کا صلہ چاہے گا ہم اسے اس میں سے دیں گے اور جو آخرت کا اجر چاہے گا

الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

ہم اسے اس میں سے دیں گے اور ہم عنقریب شکر کرنے والوں کو جزا دیں گے ○

امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں:

ایک مہاجر ایک انصاری کے پاس سے گزرا اس وقت وہ خون میں لتھڑا ہوا تھا، اس نے کہا اے فلاں شخص کیا تمہیں معلوم ہے کہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کر دیئے گئے، انصاری نے کہا اگر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے ہیں تو آپ تبلیغ فرما

چکے ہیں' اب تم ان کے دین کی طرف سے قتال کرو۔

ضحاک بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن جب سیدنا محمد ﷺ کے اصحاب کو شکست ہو گئی تو ایک منادی نے ندا کی سنو! محمد تو قتل کر دیئے گئے اب تم اپنے پچھلے دین کی طرف لوٹ جاؤ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی اور محمد (خدا نہیں ہیں) صرف رسول ہیں۔ ان سے پہلے اور رسول گزر چکے ہیں۔ اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے۔

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس طرح آپ سے پہلے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیجا تاکہ وہ مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کی دعوت دیں' اور جب ان کی مدت پوری ہو گئی تو وہ فوت ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھالیا' سو اسی طرح محمد ﷺ بھی اپنی مدت پوری ہونے کے بعد وفات پا جائیں گے' پھر اللہ تعالیٰ نے ان بعض لوگوں پر اظہار ناراضگی فرمایا جو رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر یہ سوچنے لگے تھے کہ اب کافروں سے صلح کر لینی چاہیے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

امام رازی لکھتے ہیں :

جنگ احد میں حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ میں جھنڈا تھا ان کو ابن قمیہ نے شہید کر دیا۔ اس واقعہ سے یہ گمان کر لیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کو شہید کر دیا گیا' اور شیطان نے پکار کر کہا سنو محمد (ﷺ) قتل کر دیئے گئے' پھر آپ کی شہادت کی خبر لوگوں میں پھیل گئی' اس وقت بعض ضعیف العقیدہ مسلمانوں نے کہا کاش عبداللہ بن ابی ہمیں ابوسفیان سے امان دلوا دے' اور منافقوں نے کہا اگر یہ نبی ہوتے تو قتل نہ کیے جاتے' تم اپنے بھائیوں اور اپنے دین کی طرف لوٹ جاؤ' حضرت انس بن نضر نے کہا اے قوم! اگر محمد ﷺ شہید ہو گئے ہیں تو محمد ﷺ کا رب تو زندہ ہے جس کو موت نہیں آئے گی اور تم رسول اللہ ﷺ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے! جس دین کے لیے آپ نے قتال کیا تھا تم بھی اسی دین کی خاطر قتال کرو اور جس پر آپ فدا ہو گئے تم بھی اس پر فدا ہو جاؤ۔ پھر کہا اے اللہ! میں ان لوگوں کے قول پر تجھ سے معذرت کرتا ہوں! پھر انہوں نے تلوار سونت کر قتال کرنا شروع کیا حتی کہ وہ شہید ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات اور آپ کی نماز جنازہ کا بیان

ان آیتوں میں رسول اللہ ﷺ کے وفات پانے کا ذکر کیا گیا ہے' اس لیے ان آیتوں کی تفسیر میں مفسرین نے آپ کی نماز جنازہ کا بیان کیا ہے اور ایک یہ مسئلہ اٹھایا ہے کہ آپ کی تدفین میں تاخیر کیوں کی گئی' اس کا ایک سبب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا جانشین اور مسلمانوں کا ایک امیر مقرر کرنا ضروری تھا' جو مسلمانوں کے تمام معاملات کا والی' اسلامی سرحدوں کا محافظ' نمازوں کا قائم کرنے والا اور حدود کو جاری کرنے والا ہو' اگر بالفرض اس وقت کوئی دشمن ملک حملہ کر دیتا تو مسلمانوں کا کوئی امیر ہونا چاہیے تھا جو مسلمانوں کی حفاظت کرتا' دوسری وجہ یہ تھی کہ تمام مسلمانوں پر رسول اللہ ﷺ کا حق تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ پڑھتے' آپ کے حجرہ میں زیادہ لوگوں کی گنجائش نہیں تھی اس لیے باری باری تمام مسلمانوں نے جا کر آپ کی نماز جنازہ پڑھی' اور چونکہ ولی شرعی کے نماز جنازہ پڑھنے کے بعد جنازہ کا تکرار جائز نہیں ہے اس لیے پہلے خلیفۃ المسلمین اور آپ کے ولی شرعی کو منتخب کیا گیا وہ حضرت ابوبکر تھے' اور سب مسلمانوں کے بعد حضرت ابوبکر نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی اس کے بعد آپ کو دفن کر دیا گیا' اس تمام کارروائی میں تین دن لگے۔

امام ابن ماجہ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی روح قبض کی گئی اس وقت حضرت ابوبکر مدینہ کے بالائی حصہ میں اپنی بیوی بنت خارجہ کے پاس تھے، مسلمان کہنے لگے کہ نبی ﷺ فوت نہیں ہوئے۔ آپ پر وہ کیفیت طاری ہے جو نزول وحی کے وقت ہوتی ہے، حضرت ابوبکر آئے آپ کا چہرہ مبارک کھولا اور آپ کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا، اور کہا آپ اللہ کے نزدیک اس سے مکرم ہیں کہ آپ پر وہ دو موتیں طاری کرے، بے شک، خدا کی قسم، رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے ہیں، ادھر حضرت عمر مسجد کی ایک جانب یہ کہہ رہے تھے، خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے، جب تک آپ تمام منافقوں کے ہاتھ اور پیر نہیں کاٹ دیں گے اس وقت تک آپ فوت نہیں ہوں گے، حضرت ابوبکر نے منبر پر چڑھ کر فرمایا : جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہو تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور اس کو موت نہیں آئے گی، اور جو محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا ہو تو محمد (ﷺ) بے شک فوت ہو گئے ہیں، وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم على اعقابكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئا وسيجزى الله الشاكرين، حضرت عمر نے کہا مجھے ایسا لگا جیسے میں نے اس دن سے پہلے یہ آیت نہیں پڑھی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے لیے قبر کھودنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے حضرت ابوعبیدہ کی طرف ایک آدمی بھیجا جو اہل مکہ کی طرح (شق) قبر بناتے تھے، اور ایک آدمی حضرت ابو طلحہ کی طرف بھیجا جو اہل مدینہ کی طرح لحد (بغلی قبر) بناتے تھے، اور یہ دعا کی اے اللہ! اپنے رسول کے لیے ان میں سے کسی ایک کو منتخب کرلے، تو مسلمانوں کو حضرت ابو طلحہ مل گئے، ان کو بلایا گیا اور حضرت ابوعبیدہ (وقت پر) نہیں ملے، سو انہوں نے لحد بنائی، منگل کے دن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا جنازہ تیار کرلیا (غسل دے کر کفن پہنا دیا) پھر رسول اللہ ﷺ کے حجرہ میں آپ کو ایک تخت پر رکھا گیا، پھر باری باری مسلمان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آتے اور نماز جنازہ پڑھتے، حتی کہ جب مرد فارغ ہو گئے تو پھر عورتیں آئیں اور کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ پر نماز جنازہ کی امامت نہیں کی۔ مسلمانوں کا اس میں اختلاف ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر کس جگہ بنائی جائے، بعض مسلمانوں نے کہا آپ کو آپ کے اصحاب کے ساتھ دفن کیا جائے، حضرت ابوبکر نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ جس جگہ نبی کی روح قبض کی جاتی ہے اس کو وہیں دفن کیا جاتا ہے، پھر جس بستر پر رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تھے، انہوں نے اس بستر کو اٹھایا اور وہیں آپ کی قبر کھودی پھر بدھ کی رات جب آدھی ہو گئی تو آپ کو دفن کر دیا گیا، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت فضل بن عباس اور ان کے بھائی حضرت قثم، اور رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام شقران آپ کی قبر میں اترے، حضرت اوس بن خولی نے حضرت علی سے کہا میں تم کو اللہ کی اور رسول اللہ ﷺ سے ہمارے تعلق کی قسم دیتا ہوں، حضرت علی نے ان سے کہا تم بھی اترو، حضرت شقران نے اس چادر کو لیا جس کو رسول اللہ ﷺ پہنتے تھے، اور اس کو قبر میں رکھ دیا اور کہا خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ کے بعد اس چادر کو کوئی نہیں پہنے گا۔ (سنن ابن ماجہ، باب : ۶۵، ذکر وفاتہ ودفنہ ﷺ)

حضرت ابن عباس کی اس روایت میں ایک راوی حسین بن عبید اللہ ہاشمی ہے۔ امام احمد، علی بن مدینی اور امام نسائی نے اس کو متروک قرار دیا، امام بخاری نے کہا اس پر زندقہ کی تہمت ہے، اور اس حدیث کے باقی راوی ثقہ ہیں۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت سالم بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کے مرض میں بے ہوشی طاری ہوگئی' آپ کو ہوش آیا تو آپ نے فرمایا نماز کا وقت ہو گیا؟ صحابہ نے عرض کی ہاں' آپ نے فرمایا بلال سے کہو اذان کہیں اور ابوبکر سے کہو مسلمانوں کو نماز پڑھائیں' حضرت عائشہ نے کہا میرے والد رقیق القلب ہیں جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رونا شروع کر دیں گے اور نماز نہیں پڑھا سکیں گے' اگر آپ کسی اور کو حکم دے دیں! آپ پر پھر بے ہوشی طاری ہو گئی' جب آپ کو ہوش آیا تو آپ نے فرمایا بلال سے اذان کے لیے کہو اور ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں' تم تو یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی عورتوں کی مثل ہو' حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا' انہوں نے اذان دی' اور حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا انہوں نے مسلمانوں کو نماز پڑھائی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آرام محسوس کیا' آپ نے فرمایا دیکھو میں کس کے سہارے چلوں' پھر حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا اور ایک اور شخص آئے' آپ ان کے سہارے سے چلے' جب حضرت ابوبکر نے آپ کو دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے' آپ نے اشارہ کیا وہ اسی جگہ کھڑے رہیں حتی کہ حضرت ابوبکر نے نماز پوری کرلی' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کرلی گئی' حضرت عمر نے کہا بہ خدا میں نے جس شخص کو یہ کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کی گئی ہے میں اس تلوار سے اس کو قتل کر دوں گا' اور وہ لوگ ان پڑھ تھے ان میں اس سے پہلے کوئی نبی نہیں ہوا تھا' لوگ رک گئے' لوگوں نے کہا اے سالم جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب کو بلا کر لاؤ' میں حضرت ابوبکر کے پاس گیا وہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے میں روتا ہوا گیا' جب حضرت ابوبکر نے میری یہ کیفیت دیکھی تو پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کرلی گئی ہے میں نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ میں نے جس شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کرلی گئی ہے تو میں اس کو اپنی اس تلوار سے مار دوں گا' حضرت ابوبکر نے کہا چلو' میں ان کے ساتھ گیا' حضرت ابوبکر آئے اس وقت لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا رہے تھے' حضرت ابوبکر نے کہا میرے لیے جگہ چھوڑو' ان کے لیے کشادگی کی گئی' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکے' آپ کو چھوا' اور پڑھا انک میت وانھم میتون ''بے شک آپ پر موت آنی ہے اور بے شک انہوں نے بھی مرنا ہے۔'' (الزمر : ۳۰) صحابہ نے پوچھا اے رسول اللہ کے صاحب! کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھیں گے؟ حضرت ابوبکر نے کہا ہاں! صحابہ نے پوچھا کس طرح؟ حضرت ابوبکر نے کہا ایک قوم جائے تکبیر پڑھے۔ دعا کرے اور درود پڑھے۔ پھر دوسری قوم جائے' تکبیر پڑھے درود پڑھے اور دعا کرے پھر باہر آجائے' حتی کہ تمام لوگ اسی طرح داخل ہوں' صحابہ نے پوچھا : اے رسول اللہ کے صاحب! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا جائے گا فرمایا : ہاں! پوچھا کہاں؟ فرمایا جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کی گئی تھی! کیونکہ اللہ نے آپ کی روح صرف پاک جگہ پر ہی قبض کی ہے' تب صحابہ نے جان لیا کہ آپ نے سچ کہا ہے' پھر حضرت ابوبکر نے کہا کہ آپ کے عم زاد آپ کو غسل دیں گے اور مہاجرین باہم مشورہ کرنے لگے' صحابہ نے کہا انصار کو بلاؤ تاکہ اس معاملہ (خلافت) میں ہم ان سے مشورہ کریں' انصار نے کہا ایک امیر ہم سے ہو جائے' ایک امیر تم سے ہو جائے' حضرت عمر نے کہا اس شخص کی مثل کون ہو گا جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی : ثانی اثنین اذھما فی الغار اذیقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا' پھر حضرت ابوبکر نے ہاتھ پھیلایا اور حضرت عمر نے بیعت کی پھر سب لوگوں نے بیعت کرلی۔ (الشمائل المحمدیہ ص ۳۲۸۔ ۳۲۷' رقم الحدیث : ۳۹۷' یہ حدیث صحیح ہے' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث : ۱۲۳۴' مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ مکہ مکرمہ' ۱۴۱۵ھ)

حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو لوگ حجرہ میں داخل ہوئے اور باری باری آپ پر نماز جنازہ پڑھی' جب مرد فارغ ہو گئے تو پھر عورتوں نے نماز جنازہ پڑھی' پھر بچوں نے نماز پڑھی' پھر غلاموں نے نماز پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کسی نے امامت نہیں کی۔ (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۵۰' مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

علامہ ابن اثیر متوفی ۶۳۰ھ نے بھی اس روایت کو بیان کیا ہے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۲۲۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی صرف صلوۃ و سلام عرض کیا گیا تھا' بعض روایات اس کی موید بھی ہیں لیکن جمہور کے نزدیک آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی تھی جیسا کہ شمائل ترمذی میں تصریح ہے کہ آپ پر نماز جنازہ میں تکبیرات پڑھی جائیں اور صلوۃ پڑھی جائے اور دعا کی جائے۔

امام احمد رضا قادری لکھتے ہیں:

جنازہ اقدس پر نماز کے باب میں علماء مختلف ہیں ایک کے نزدیک یہ نماز معروف نہ ہوئی بلکہ لوگ گروہ در گروہ حاضر آتے اور صلوۃ و سلام عرض کرتے' بعض احادیث بھی اس کی موید ہیں' اور بہت علماء یہی نماز معروف مانتے ہیں۔ امام قاضی عیاض نے اس کی تصحیح فرمائی' جیسا کہ زرقانی شرح المواہب میں ہے' سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تسکین فتن و انتظام امت میں مشغول' جب تک اون کے دست حق پرست پر بیعت نہ ہوئی تھی' لوگ فوج فوج آتے اور جنازہ انور پر نماز پڑھتے جاتے' جب بیعت ہوئی ولی شرعی صدیق ہوئے انہوں نے جنازہ اقدس پر نماز پڑھی' پھر کسی نے نہ پڑھی' کہ بعد صلوۃ ولی پھر اعادہ نماز جنازہ کا اختیار نہیں' مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی میں ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ معاملات کو درست کرنے اور فتنہ کو سرد کرنے میں مشغول تھے' مسلمان آپ کے آنے سے پہلے نماز جنازہ پڑھتے رہے اور حق آپ کا تھا' کیونکہ آپ ہی خلیفہ مقرر ہوئے تھے جب آپ فارغ ہو گئے تو آپ نے نماز جنازہ پڑھی' پھر آپ کے بعد کسی نے آپ پر نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

(مبسوط ج ۲ ص ۶۷' مطبوعہ بیروت) (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۵۴' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

بعض علماء جو اس کے قائل ہیں کہ آپ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی' صرف آپ پر صلوۃ و سلام عرض کیا گیا تھا وہ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں:

حافظ الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کا غلبہ ہوا تو ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ پر نماز کون پڑھے گا؟ حضور روئے' ہم بھی روئے' آپ نے فرمایا' ٹھہرو' اللہ تمہاری مغفرت کرے اور تمہارے نبی کی طرف سے تم کو اچھی جزا دے' جب تم مجھے غسل دے چکو' اور مجھ پر خوشبو لگا چکو' اور مجھے کفن پہنا چکو تو مجھے میری قبر کے کنارے رکھ دینا' پھر ایک ساعت کے لیے میرے پاس سے چلے جانا' کیونکہ پہلے مجھ پر میرے دوست اور میرے ہم نشیں جبرائیل اور میکائیل نماز پڑھیں گے' پھر اسرافیل' پھر ملک الموت اپنے لشکر کے ساتھ نماز پڑھیں گے' پھر تمام فرشتے آکر نماز پڑھیں گے' پھر تم لوگ فوج در فوج آکر داخل ہونا اور مجھ پر صلوۃ و سلام پڑھنا الحدیث' اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے لیکن اس کی اسانید منقطع ہیں' عبدالرحمن نے مرہ سے سماع نہیں کیا' اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے' اس کی سند میں کئی ضعیف راوی ہیں ان میں سے ایک اشعث بن طابق ہے ازدی نے کہا اس کی حدیث صحیح نہیں ہوتی۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۵' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

اس حدیث کو امام حاکم نے بھی اپنی سند سے روایت کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی عبدالملک بن عبدالرحمٰن مجہول ہے ہم کو اس کی عدالت یا جرح کا علم نہیں ہے اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں۔
(المستدرک ج ۲ص ۶۰ مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

علامہ ذہبی' امام حاکم پر تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں' عبدالملک مجہول نہیں ہے' بلکہ اس کو فلاس نے کذاب قرار دیا ہے' اور انہوں نے کہا اس کے باقی راوی ثقہ ہیں' تو ہر موضوع حدیث اسی طرح ہوتی ہے' جس میں ایک کے سوا باقی راوی ثقہ ہوتے ہیں اگر حاکم احتیاط کرتے تو اس حدیث کو اپنی کتاب میں درج نہ کرتے۔ (تلخیص المستدرک ج ۲ص ۶۰)

رسول اللہ ﷺ پر نماز جنازہ کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم نے اپنے ایک مقالہ میں کی ہے جس میں بہ کثرت حوالہ جات درج کیے ہیں' یہ مقالہ مقالات سعیدی میں شامل کر دیا گیا ہے' اہل علم اس کا مطالعہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور کسی شخص کے لیے اللہ کے اذن کے بغیر مرنا ممکن نہیں ہے۔ (آل عمران : ۱۴۵)

اذن سے مراد اللہ کا امر یا اس کی قضاء اور قدر ہے' اس آیت کی پہلی آیت سے مناسبت یہ ہے کہ منافقوں نے مسلمانوں کو خوف زدہ کرنے کے لیے یہ خبر اڑا دی تھی کہ رسول اللہ ﷺ شہید کر دیئے گئے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ قتل موت کی مثل ہے اور موت اللہ تعالیٰ کے مقدر کیے ہوئے وقت پر آتی ہے تو جس طرح نبی ﷺ پر اپنے گھر میں موت آتی تو وہ آپ کے دین کے فساد کی موجب نہ ہوتی سو اسی طرح اگر بہ فرض محال آپ کو شہید کر دیا جائے تو وہ آپ کے دین کے فساد کا کس طرح موجب ہو گا!

دوسری وجہ یہ ہے کہ سابقہ آیتوں میں بھی مسلمانوں کو جہاد پر برانگیختہ کیا گیا تھا اور اس آیت میں بھی ان کو جہاد پر آمادہ کیا گیا ہے کہ موت کے ڈر سے جہاد کو نہ چھوڑو' کیونکہ اللہ کے امر اور اس کی قضاء اور قدر کے بغیر موت نہیں آسکتی خواہ تم اپنے گھر میں ہو یا میدان جہاد میں؛ اور اس میں منافقین کے ایک طعنہ کا جواب بھی ہے کیونکہ جب مسلمان جنگ احد سے فارغ ہو کر شہر میں پہنچے تو ان سے منافقوں نے کہا اگر تم ہمارے ساتھ رہتے تو تمہارے ساتھی جو جنگ احد میں قتل کر دیئے گئے قتل نہ کئے جاتے' اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں فرمایا ہر شخص کی موت ایک وقت معین میں مقرر ہے' اس وقت پر جو شخص جہاں ہو گا مر جائے گا خواہ وہ اپنے گھر میں ہو یا میدان جنگ میں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (سب کی) اجل لکھی ہوئی ہے۔ (آل عمران : ۱۴۵)

درایت اور روایت سے لوح محفوظ میں تمام امور کے لکھے جانے کا بیان

کتاب موجل سے مراد ہے وہ کتاب جس میں سب کی اجل لکھی ہوئی ہے اور وہ لوح محفوظ ہے۔

آیت کے اس حصہ میں بھی ان لوگوں کا رد ہے جنہوں نے سیدنا نبی ﷺ کے شہید ہو جانے کی افواہ اڑائی تھی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی موت کا وقت لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور کوئی شخص اس وقت کے آنے سے پہلے نہیں مر سکتا تو سیدنا نبی ﷺ پر ان کے وقت سے پہلے موت کیسے آسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کو تمام حوادث اور کوائف کا علم ہے اور تمام مخلوق' اس کا رزق' اس کی اجل' اس کی سعادت یا شقاوت لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کا خلاف ہونا محال ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے جہل کو مستلزم ہے' اور کفر' فسق' ایمان اور اطاعت ان سب کی نسبت بندوں کی طرف کی جاتی ہے وہ ان میں سے جس چیز کو اختیار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ

ان کے لیے وہی چیز پیدا کر دیتا ہے اور ان کے اسی اختیار کی بناء پر ان کو جزاء یا سزا دی جاتی ہے لیکن ازل میں اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ بندوں نے اپنے اختیار سے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا اور اس نے اس علم کے مطابق لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے اسی علم کو قضاء و قدر سے تعبیر کیا جاتا ہے لہٰذا لوح محفوظ میں وہی لکھا ہے جو بعد میں بندوں نے اپنے اختیار سے کرنا تھا اس لیے یہ وہم نہ کیا جائے کہ بندے تقدیر کی وجہ سے مجبور ہیں۔

لوح محفوظ میں تمام امور کے لکھے جانے پر حسب ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں' امام طبرانی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا وہ قلم اور مچھلی ہے' قلم نے پوچھا میں کیا لکھوں؟ فرمایا جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے وہ لکھو' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ن والقلم "ن" سے مراد مچھلی ہے اور قلم سے مراد قلم ہے۔

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث میں ایک راوی مومل ثقہ اور کثیر الخطاء ہے' ابن معین وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے' اور امام بخاری وغیرہ نے اس کو ضعیف کہا ہے' اور اس حدیث کے باقی راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۲۸)

نیز امام طبرانی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا تو اس سے فرمایا لکھو تو اس نے قیامت تک ہونے والی تمام چیزوں کو لکھ دیا۔

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۹۰)

امام ابو یعلیٰ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو سب سے پہلے پیدا کیا وہ قلم ہے' پھر اس کو لکھنے کا حکم دیا تو اس نے ہر چیز کو لکھ دیا۔

حافظ الہیثمی نے اس حدیث کو امام بزار کے حوالے سے لکھا ہے اور کہا ہے کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۹۰)' امام ابن جریر نے بھی اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے (جامع البیان ج ۲۹ ص ۱۱) امام بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (کتاب الاسماء والصفات ص ۲۷۱) حافظ سیوطی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۲۴۹)

امام سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ نے لوح محفوظ کو موتی سے پیدا کیا اس کے صفحات سرخ یاقوت کے ہیں' اس کا قلم نور ہے' اللہ تعالیٰ ہر روز اس میں تین سو ساٹھ بار نظر فرماتا ہے' پیدا کرتا ہے اور رزق دیتا ہے' اور مارتا ہے اور جلاتا ہے' اور عزت دیتا ہے اور ذلت دیتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۵۷ مطبوعہ بیروت)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام طبرانی نے دو سندوں سے روایت کیا ہے اس سند کے راوی ثقہ ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۱)

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں جوان مرد ہوں، مجھے اپنے نفس پر بدکاری کا خوف ہے، اور میں عورتوں سے نکاح کرنے کی (مالی) قدرت نہیں رکھتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے، میں نے پھر یہی گزارش کی آپ پھر خاموش رہے میں نے سہ بارہ عرض کیا آپ پھر خاموش رہے، میں نے پھر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ، تمہارے ساتھ جو کچھ پیش آنے والا ہے اس کو لکھ کر قلم خشک ہو چکا ہے، اب تم خصی ہو یا نہ ہو۔

(صحیح بخاری ج ۲ص ۷۶۰-۷۵۹، مطبوعہ کراچی)

اس حدیث میں آپ نے خصی ہونے کا حکم نہیں دیا بلکہ یہ امر بہ طور تہدید ہے۔ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہو جائے گا تم خصی ہو یا نہ ہو خلاصہ یہ ہے کہ تمام امور ازل میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے متعلق ہو چکے ہیں اس لیے خصی ہونا نہ ہونا برابر ہے، کیونکہ جو کچھ مقدر ہو چکا وہ ہو کر رہے گا، اس حدیث میں آپ نے خصی ہونے کی اجازت نہیں دی، بلکہ اشارۃ" اس سے منع فرمایا ہے گویا کہ آپ نے فرمایا جب ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضاء اور قدر سے متعلق ہے تو خصی ہونے کا کوئی فائدہ نہیں، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے آپ سے خصی ہونے کی اجازت طلب کی تھی تو آپ نے اس سے صراحتہ" منع فرمادیا تھا، اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جب تک کسی شخص کے لیے ممکن ہو وہ جائز اسباب کو حاصل کرے اس کے بعد اپنا معاملہ خدا پر چھوڑ دے اور جب جائز اسباب کو حاصل کرنا اس کی قدرت میں نہ ہو تو پھر اللہ پر توکل کرے اور ان اسباب کے پیچھے نہ پڑے جو اس کی قدرت میں نہیں ہیں، اسی لیے جب حضرت ابوہریرہ نکاح کرنے کے مالی وسائل نہیں رکھتے تھے تو گناہ سے بچنے کے لیے ان کو آپ نے خصی ہونے کا حکم نہیں دیا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو آپ نے روزہ رکھنے کا حکم نہیں دیا جیسا کہ دوسرے صحابہ کو دیا تھا کیونکہ حضرت ابوہریرہ اصحاب صفہ میں سے تھے اور بہ کثرت روزے رکھتے تھے لیکن بعض لوگوں کی جوانی کا دف روزوں سے بھی نہیں مرتا۔

اس حدیث سے بہ ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انسان تقدیر کے ہاتھوں مجبور ہے، ہاں! واقعی مجبور ہے لیکن تقدیر میں وہی کچھ لکھا گیا ہے جو انسان نے اپنے اختیار اور ارادہ سے کرنا تھا، اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اس کو ازل میں علم تھا کہ انسان پیدا ہونے کے بعد کیا کرے گا اور جو کچھ انسان نے اپنے اختیار سے کرنا تھا وہ اس نے لکھ دیا، اسی علم کا نام تقدیر اور لکھے ہوئے کا نام لوح محفوظ ہے۔

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ○ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّ كَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ○ (القمر : ۵۳-۵۲)

اور جو کچھ انہوں نے کیا وہ سب صحیفوں میں لکھا ہوا ہے، ہر چھوٹا اور بڑا کام لکھا ہوا ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پہلے تمام مخلوقات کی تقدیریں لکھیں اس وقت اللہ کا عرش پانی پر تھا۔

(صحیح مسلم بشرح الابی ج ۹ص ۲۶، مطبوعہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس حدیث میں پچاس ہزار سال کے عدد سے وقت کی اتنی مقدار تقدیرا" مراد ہے، حقیقتہ پچاس ہزار سال کا وقت مراد نہیں ہے کیونکہ وقت تو حرکات فلک اور سورج کی رفتار سے بنتا ہے اور سورج کے طلوع اور غروب سے دن رات بنتے ہیں اور دن رات سے مہینے اور سال بنتے ہیں اور جب افلاک اور سورج نہیں پیدا کیے گئے تھے تو اس متعارف معنی میں

وقت بھی نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو دنیا کا صلہ چاہے گا ہم اسے اس میں سے دیں گے اور جو آخرت کا صلہ چاہے گا ہم اسے اس میں سے دیں گے اور ہم عنقریب شکر کرنے والوں کو جزاء دیں گے۔ (آل عمران : ۱۴۵)

نیت اور اخلاص کا بیان

جنگ احد میں جو مسلمان شریک ہوئے تھے ان میں سے نومسلموں کی نیت غنیمت اور متاع دنیوی تھی اکثر راسخ العقیدہ مسلمان صرف دین کی سربلندی کے لیے اس جنگ میں شریک ہوئے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم ہر شخص کو اس کی نیت کے اعتبار سے حصہ دیں گے جو دنیا چاہتا ہو اس کو دنیا ملے گی اور جو عقبیٰ چاہتا ہو اس کو عقبیٰ ملے گی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ منبر پر بیان کر رہے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اعمال کا مدار صرف نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کا پھل ملتا ہے' سو جس شخص کی ہجرت دنیا پانے کے لیے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہو تو اس کی ہجرت اسی شے کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی ہے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

شفی الاصبحی بیان کرتے ہیں کہ وہ جب مدینہ میں آئے تو ایک شخص کے گرد لوگ جمع تھے' انہوں نے پوچھا یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ حضرت ابوہریرہ ہیں' میں ان کے قریب جا کر بیٹھ گیا وہ لوگوں میں حدیث بیان کر رہے تھے' جب وہ خاموش ہوئے اور تنہا رہ گئے تو میں نے کہا آپ مجھے ایسی حدیث سنائیے جس کو آپ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ غور سنا ہو اور اس کو سمجھا ہو' حضرت ابوہریرہ نے کہا میں تم کو ایسی حدیث سناتا ہوں جس کو میں نے بہ غور سنا اور سمجھا ہے پھر حضرت ابوہریرہ بے ہوش ہو گئے' پھر تھوڑی دیر بعد وہ ہوش میں آئے اور کہنے لگے میں تم کو ضرور ایسی حدیث سناؤں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس گھر میں سنائی تھی۔ اس وقت میرے اور آپ کے سوا اس گھر میں اور کوئی نہیں تھا' پھر حضرت ابوہریرہ دوبارہ بے ہوش ہو گئے پھر تھوڑی دیر بعد چہرہ ملتے ہوئے ہوش میں آئے' اور کہا میں تم کو ضرور ایسی حدیث سناؤں گا جو اس گھر میں آپ نے مجھے سنائی اور میرے اور آپ کے سوا اس گھر میں اور کوئی نہیں تھا' پھر حضرت ابوہریرہ تیسری بار بے ہوش ہو گئے پھر تیسری بار چہرہ ملتے ہوئے ہوش میں آئے اور کہا میں تم کو ضرور ایسی حدیث سناؤں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھر میں تنہائی میں مجھے سنائی تھی پھر چوتھی بار کافی دیر بے ہوش رہے' پھر لڑکھڑاتے ہوئے اٹھے' میں نے ان کو سہارا دیا پھر جب ہوش میں آئے تو بیان کرنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہو گا' تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلے کرے گا اور سب لوگ گھٹنوں کے بل ہوں گے' سب سے پہلے اس شخص کو بلایا جائے گا جس نے قرآن یاد کیا اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جو شخص بہت مالدار تھا' اللہ تعالیٰ قاری سے فرمائے گا کیا میں نے تجھ کو اس کتاب کا علم نہیں دیا جو میں نے اپنے رسول پر نازل کی تھی؟ وہ کہے گا کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے اس علم پر کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں دن رات قرآن مجید پڑھتا تھا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے جھوٹ بولا! فرشتے بھی کہیں گے تم نے جھوٹ بولا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلکہ تم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص قاری ہے! یہ کہا گیا' پھر اس مالدار

شخص کو لایا جائے گا' اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کیا میں نے تجھ کو وسعت نہیں دی تھی حتیٰ کہ تجھے کسی کا محتاج نہیں رکھا؟ وہ کہے گا کیوں نہیں! اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو میں نے تم کو جو کچھ دیا تھا تم نے اس میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتا تھا اور صدقہ کرتا تھا' اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا' تم جھوٹ بولتے ہو' فرشتے بھی اس سے کہیں گے تم جھوٹ بولتے ہو' اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلکہ تم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص جواد ہے' سو یہ کیا گیا' پھر اس شخص کو لایا جائے گا جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا تھا' اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ تم کو کس چیز میں قتل کیا گیا! وہ کہے گا مجھے تیرے راستہ میں جہاد کا حکم دیا گیا تھا' سو میں نے قتال کیا حتیٰ کہ میں قتل کر دیا گیا' اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا تم جھوٹ بولتے ہو' فرشتے بھی اس سے کہیں گے کہ تم جھوٹ بولتے ہو' اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلکہ تم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص بہت بہادر ہے' سو یہ کہا گیا' پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھٹنے پر ہاتھ مار کر فرمایا: اے ابو ہریرہ قیامت کے دن اللہ کی مخلوق میں سے یہ پہلے تین شخص ہوں گے جن سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی' شفی نے یہ حدیث حضرت معاویہ کو سنائی تو حضرت معاویہ نے کہا ان لوگوں کو یہ سزا دی گئی ہے تو باقی لوگوں کا کیا حال ہو گا! پھر حضرت معاویہ اتنی دیر تک روتے رہے کہ ہم نے گمان کیا وہ ہلاک ہو جائیں گے' کچھ دیر بعد حضرت معاویہ کی حالت سنبھلی تو انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے پھر یہ آیات پڑھیں:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ـ (ھود: ۱۶-۱۵)

جو لوگ (صرف) حیات دنیا اور اس کی زینت کے طالب ہیں ہم انہیں دنیا میں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیں گے اور اس میں ان سے کمی نہیں کی جائے گی' یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں دوزخ کے سوا کچھ نہیں' اور دنیا میں انہوں نے جو کام کیے وہ ضائع ہو گئے اور انہوں نے جو عمل کیے وہ رائیگاں چلے گئے۔

(الجامع الصحیح کتاب الزھد: ۳۷' باب: ۴۸' ماجاء فی الریاء والسمعۃ)

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ

اور کتنے نبیوں کے ساتھ اللہ والوں نے اللہ کی راہ میں قتال کیا، تو اللہ کی راہ میں مصائب پہنچنے کی وجہ

اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَ

سے نہ وہ سست ہوئے نہ کمزور پڑے اور نہ دبے ، اور اللہ

اللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا

صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○ اور ان کی دعا صرف یہی تھی کہ اے ہمارے رب! ہمارے

اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَ

گناہ بخش دے اور ہمارے کام میں ہماری زیادتیاں (بھی) اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں کے

انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا

خلاف ہماری مدد فرما ○ تو اللہ نے ان کو دنیا کی نعمت (بھی) دی

وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

اور آخرت میں بھی نیک اجر عطا فرمایا اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے ○

مصائب میں ثابت قدمی پر سابقہ امتوں کا نمونہ

جو مسلمان جنگ احد میں گھبرا کر بھاگ گئے تھے ان کی تادیب کے لیے اللہ تبارک و تعالیٰ انبیاء سابقین اور ان کے متبعین کے احوال بیان فرما رہا ہے کہ تمہارے لیے انبیاء سابقین کے متبعین میں نمونہ ہے وہ جہاد کی سختیوں اور مشقتوں پر صبر کرتے تھے اور کسی مرحلہ پر دشمن سے گھبرا کر بھاگتے نہیں تھے' سو جنگ احد میں تمہارا دشمنوں کے اچانک حملہ کرنے اور ازدہام سے گھبرا جانا اور افراتفری میں بھاگ جانا کس طرح مناسب ہو سکتا ہے۔ تمہیں غور کرنا چاہیے کہ کتنے نبیوں نے اللہ کی راہ میں قتال کیا اور ان کے ساتھ ان کے اصحاب نے دین کی سربلندی کے لیے قتال کیا' ان میں سے کتنے جنگ میں شہید ہوئے اور کتنے زخمی ہو گئے لیکن اس کے باوجود وہ سست اور کمزور نہیں ہوئے اور نہ اس کے بعد وہ جہاد کرنے سے گھبرائے نہ انہوں نے دشمنوں سے صلح کرنے کے لیے سوچا نہ وہ دنیا کے مال و متاع دیکھ کر اس کو لوٹنے کے لیے ٹوٹ پڑے' نہ انہوں نے پیٹھ پھیری بلکہ اپنے نبی کے شہید ہونے کے بعد بھی وہ اسی پامردی اور ثابت قدمی سے دشمنوں کے خلاف جہاد کرتے رہے۔ یہ ان کے چند قابل تحسین کاموں کی ایک جھلک ہے' اور اس میں ان مسلمانوں پر تعریض ہے جو اپنے نبی ﷺ کی شہادت کی جھوٹی خبر سن کر گھبرا گئے تھے اور ان میں سے بعض ابوسفیان سے امان حاصل کرنے کی تدبیریں سوچ رہے تھے۔

انبیاء سابقین کے متبعین کے محاسن افعال میں سے یہ بھی ہے کہ انہوں نے جنگ میں ثابت قدم رہنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اپنے مطلوب کا ذکر کرنے سے پہلے اپنے گناہوں کی معافی طلب کی اور اس میں دعا کا یہ ادب بتایا ہے کہ پہلے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور پھر اللہ تعالیٰ سے کوئی اور مراد طلب کیا کرو' اللہ تعالیٰ نے ان کی تحسین فرمائی اور ان کو نیکوکار قرار دیا اور ان کو دنیا اور آخرت کا اجر عطا فرمایا۔

آیات مذکورہ سے مستنبط مسائل

۱۴۲ سے ۱۴۸ تک جو آیات ذکر کی گئی ہیں ان سے حسب ذیل مسائل معلوم ہوتے ہیں :

(۱) جنت میں داخل ہونے کے لیے جہاد کی سختیوں اور مشقتوں پر صبر کرنا چاہیے اور دین کی راہ میں اور شرعی احکام پر عمل کرنے میں جن مصائب کا سامنا ہو ان پر صبر کرنا چاہیے۔

(۲) اللہ کی راہ میں شہید ہونے کی سعادت محض اس کی آرزو کرنے سے نہیں ملتی، بلکہ جہاد کی تکلیفوں اور صعوبتوں پر صبر کرنے سے ملتی ہے۔

(۳) شہادت کی تمنا میں یہ نیت نہ کرے کہ مجھے کوئی کافر مار دے، بلکہ یہ نیت کرے کہ میں اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے لڑتا رہوں گا خواہ مجھے قتل کر دیا جائے۔

(۴) رسول اپنی امتوں میں ہمیشہ نہیں رہتے اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو ان کے مشن کو اسی سابقہ جذبہ سے آگے بڑھاتے رہنا چاہیے نہ یہ کہ آدمی اللہ کے دشمنوں سے مفاہمت کی تدبیریں سوچنے لگے۔

(۵) سیدنا محمد ﷺ بھی باقی انبیاء علیہم السلام کی مثل نبی اور رسول ہیں اور ان نبیوں پر موت آچکی ہے، اور ہر نبی کا مشن دین کی تبلیغ ہے اور دین کی مکمل تبلیغ کرنے کے بعد ان کا مشن پورا ہو جاتا ہے اور دنیا سے ان کے تشریف لے جانے کے بعد ان کی رسالت اور تشریع باقی رہتی ہے، سو اس سنت کے مطابق آپ بھی اپنے وقت پر وفات پا جائیں گے لیکن آپ کا دین اور آپ کی شریعت باقی رہے گی۔

(۶) موت کا ایک وقت مقرر ہے اور کوئی شخص اس وقت سے پہلے نہیں مر سکتا۔

(۷) ہر شخص کو اس کی نیت کا پھل ملتا ہے، جو دنیا چاہتا ہے اس کو اپنے مقسوم کے مطابق دنیا مل جاتی ہے اور جو آخرت چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو آخرت میں اجر عطا فرماتا ہے۔

(۸) اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور نیکیوں کے لیے کوشش کرنا صرف اس امت کی خصوصیت نہیں ہے، انبیاء سابقین علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی امتیں بھی انتہائی صبر و استقامت کے ساتھ جہاد کے لیے بھرپور کوششیں کرتی رہیں۔

(۹) مصیبت، پریشانی اور دشمنوں کی یورش کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے۔

(۱۰) دعا میں اپنے مقصود کو طلب کرنے سے پہلے اپنے گناہوں پر توبہ اور استغفار کرنا چاہیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ

اے ایمان والو! اگر تم نے کفار کا کہنا مان لیا تو وہ تم کو الٹے پاؤں لوٹا دیں گے، اور تم

عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَ

نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے ○ بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور وہ

هُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا

سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے ○ ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں (تمہارا) رعب ڈال دیں گے

الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ

کیوں کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اس چیز کو شریک کیا جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی، ان کا آخری

النَّارُ ۚ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ

ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کیا ہی برا ٹھکانا ہے ۝ اور بیشک اللہ نے تم سے کیا ہوا وعدہ

وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ

سچا کردیا جب تم (ابتداء میں) اس کے اذن سے ان (کافروں) کو قتل کررہے تھے، حتیٰ کہ جب تم نے بزدلی دکھائی

فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ

اور (رسول اللہ کا) حکم ماننے میں اختلاف کیا اور اپنی پسندیدہ چیزوں (مالِ غنیمت) کو دیکھنے کے بعد تم نے (رسول اللہ

مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ

کی) نافرمانی کی تم میں سے بعض دنیا کا ارادہ کررہے تھے اور بعض آخرت کا ارادہ کررہے تھے، پھر اللہ نے تم کو ان سے

عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى

پھیر لیا تاکہ وہ تمہیں آزمائش میں ڈالے اور بیشک اس نے تم کو معاف کردیا اور اللہ ایمان والوں پر بہت فضل

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ

(کرنے) والا ہے ۝ جب تم چڑھتے جارہے تھے اور کسی کو پیٹھ پھیر کر نہیں دیکھ رہے تھے اور رسول تمہاری

يَدْعُوْكُمْ فِىْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى

پچھلی جماعت میں کھڑے ہوئے تم کو بلا رہے تھے تو اللہ نے تمہیں غم بالائے غم میں مبتلا کیا تاکہ (مالِ غنیمت سے) محرومی

مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

اور اس (شکست) کی مصیبت پر تم غم زدہ نہ ہو اور اللہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ۝

دینی معاملات میں کفار کی اطاعت سے ممانعت

اس سے پہلی امتوں میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء سابقین علیہم السلام کے متبعین کے آثار صالحہ پر چلنے کی تلقین فرمائی تھی اور اس آیت میں مشرکین عرب اور کفار کی پیروی کرنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ جب جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر پھیل گئی تو منافقوں نے یہ مشورہ دیا تھا کہ اب جاکر ابوسفیان سے امان حاصل کرنی چاہئے اور بعض نے کہا اب تم اپنے آبائی دین کی طرف لوٹ جاؤ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد اور مذمت میں یہ آیت نازل فرمائی کہ اے

ایمان والو! اگر تم نے کافروں کا کہا مان لیا تو وہ تم کو الٹے پاؤں لوٹا دیں گے اور تم نقصان اٹھانے والے ہو جاؤ گے' ہرچند کہ یہ آیت خاص موقع اور خاص سبب کے متعلق نازل ہوئی اور ان کا مورد جنگ احد کے خاص واقعات ہیں لیکن اس کا حکم عام ہے' اور مسلمانوں کو اپنے دین اور اپنے مذہبی معمولات کے خلاف کفار کی کسی بات کو نہیں ماننا چاہئے اور اپنے دین اور مذہب کے خلاف ان کی اطاعت کرنا دین اور دنیا کا فساد مول لینا ہے۔

اللہ کے سوا کسی اور کی خدائی پر دلیل کا نہ ہونا

جنگ احد میں جب ابوسفیان اور اس کے رفقاء دیگر مشرکین مسلمانوں کو شکست دے کر لوٹ گئے اور مکہ کی جانب جانے لگے تو کچھ مسافت طے کرنے کے بعد وہ نادم ہوئے اور کہنے لگے' یہ ہم نے کیا کیا' ہم نے ان سے جنگ کی اور جب تھوڑے سے مسلمان باقی بچ گئے تو ہم لوٹ آئے' واپس چلو ہمارے لیے یہ نادر موقع ہے کہ ہم مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ دیں' جب انہوں نے واپسی کا عزم کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ اپنا ارادہ پورا کیے بغیر مکہ واپس چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا : ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیں گے کیونکہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اس چیز کو شریک کیا ہے جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی۔

سلطان کا معنی حجت' بیان' عذر اور برہان ہے' والی کو سلطان اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ زمین پر اللہ عزوجل کی حجت ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہ لفظ سلیط سے بنا ہے سلیط تلوں کے تیل کو کہتے ہیں جس سے چراغ روشن کیا جاتا ہے اور حق کو ظاہر کرنے اور باطل کو مٹانے کے لیے بھی سلطان سے روشنی حاصل کی جاتی ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ سلیط کا معنی لوہا ہے اور سلاطۃ حدت کو کہتے ہیں اور سلیط کا معنی قہر ہیں۔ اس میں نون زائد ہے اور سلطان کا معنی قوت ہے کیونکہ وہ اپنی قوت سے حکومت کو قائم کرتا ہے اور اپنے احکام جاری کرتا ہے' اس آیت کا معنی یہ ہے کہ بتوں کی عبادت کرنا کسی ملت میں بھی جائز نہیں رہا اور نہ عقل اس کو جائز قرار دیتی ہے' اس آیت سے معلوم ہوا کہ عقائد میں تقلید کرنا جائز نہیں ہے' جو چیز بغیر کسی دلیل کے محض رائے اور نفسانی خواہش پر مبنی ہو اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے' مشرکین ایک سے زیادہ عبادت کے مستحق مانتے تھے اور بغیر دلیل کے ان کی عبادت کرتے تھے' بہ فرض محال اگر دو خدا ہوتے تو وہ اپنی خدائی پر کوئی دلیل نازل کرتے اور کوئی حجت اتارتے اور جب اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کسی اور خدا کی خدائی پر کوئی دلیل نہیں پائی گئی تو معلوم ہوا اس کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے اگر کوئی اور خدا ہوتا تو وہ ضرور کوئی دلیل بھیجتا' اس لیے بغیر کسی دلیل کے اللہ کے سوا کسی اور کو خدا ماننا اور اس کی عبادت کرنا شرک اور باطل ہے اور ان مشرکوں کا آخری ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔

جنگ احد میں مسلمانوں کی پسپائی کا بیان

جب رسول اللہ ﷺ جنگ احد کے بعد مدینہ لوٹ آئے جب کہ اس جنگ میں ستر مسلمان شہید ہو چکے تھے اور بہت سے مسلمان زخمی ہو گئے تھے' اس وقت بعض مسلمانوں نے کہا ہم کو یہ شکست کیسے ہو گئی۔ ہم سے تو اللہ نے مدد کا وعدہ فرمایا تھا' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی : اور بے شک اللہ نے تم سے کیا ہوا وعدہ سچا کر دیا جب تم (ابتداء میں) اس کے اذن سے ان کافروں کو قتل کر رہے تھے۔ کیونکہ جنگ احد کے شروع میں مسلمانوں نے مشرکوں کے علم برداروں کو قتل کر دیا تھا ان کے سات علم بردار مارے گئے تھے اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہو گئی تھی' کافر بھاگ گئے اور مسلمان ان کا مال

غنیمت لوٹنے لگے' نبی ﷺ نے احد پہاڑ کی پشت پر پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ فتح ہو یا شکست تم اس جگہ سے نہ ہٹنا' جب ان تیر اندازوں نے مسلمانوں کو مال غنیمت لوٹتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا ہم بھی جا کر مال غنیمت لوٹتے ہیں ان کے سردار حضرت عبداللہ بن جبیر بن مطعم نے ان کو منع کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہر حال میں یہیں قائم رہنے کا حکم دیا ہے لیکن دو چار کے سوا کسی نے ان کی بات نہ مانی اور جب یہ مورچہ خالی ہو گیا تو یکایک پیچھے سے آ کر خالد بن ولید کی قیادت میں مشرکوں نے حملہ کیا' مسلمان مال غنیمت لوٹ رہے تھے کہ اچانک ان کے سروں پر تلواریں برسنے لگیں وہ گھبرا کر افراتفری میں بھاگے' اور یوں اللہ کی دی ہوئی فتح کو مسلمانوں نے باہمی اختلاف اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی سے شکست میں بدل دیا' ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان ہی واقعات کا نقشہ کھینچا ہے فرماتا ہے : حتی کہ جب تم نے بزدلی دکھائی اور (رسول اللہ کا) حکم ماننے میں اختلاف کیا' اور اپنی پسندیدہ چیزوں (مال غنیمت) کو دیکھنے کے بعد تم نے (رسول اللہ کی) نافرمانی کی- تم میں سے بعض دنیا کا ارادہ کر رہے تھے (جو اپنی ڈیوٹی چھوڑ کر مال غنیمت کے پیچھے دوڑے) اور بعض آخرت کا ارادہ کر رہے تھے (جو اپنی ڈیوٹی پر قائم رہے اور وہیں کفار سے مدافعت کرتے ہوئے شہید ہو گئے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر اللہ نے تم کو ان سے پھیر لیا تاکہ وہ تمہیں آزمائش میں ڈالے- (آل عمران : ۱۵۲) اس آیت کی کئی تفسیریں ہیں :

"اللہ نے تم کو ان سے پھیر دیا" کی تفسیریں

(۱) احد پہاڑ کی پشت پر جو تیر انداز مقرر کیے گئے تھے ان کے دو گروہ ہو گئے تھے- ایک گروہ مال غنیمت کے پیچھے دوڑ پڑا تھا' اور ایک گروہ اپنی جگہ قائم رہا تھا' پھر جو گروہ اپنی جگہ قائم رہا دشمن کی چڑھائی کے بعد اگر وہ اسی طرح قائم رہتا تو دشمن ان کو قتل کر دیتا اور وہ بغیر کسی مقصد اور فائدہ کے قتل ہو جاتے' اس لیے ان کے لیے یہ جائز ہوا کہ وہ اس جگہ سے کسی اور مناسب مورچہ پر چلے جائیں اور وہاں جا کر دشمن کا مقابلہ کریں' جس طرح نبی ﷺ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ احد پہاڑ پر ایک محفوظ جگہ چلے گئے تھے' اسی طرح وہ مسلمان بھی ایک محفوظ جگہ چلے گئے اور وہاں ان کو جہاد کرنے کا اور باقی مسلمانوں کی طرف سے مدافعت کرنے کا حکم دیا اس لیے فرمایا پھر اللہ نے تم کو ان سے پھیر لیا تاکہ وہ تم کو آزمائش میں ڈالے' اور جو صحابہ مال غنیمت لوٹنے چلے گئے تھے ان کے متعلق فرمایا : اور بے شک اس نے تم کو معاف کر دیا اور اللہ ایمان والوں پر بہت فضل کرنے والا ہے-

(۲) اللہ تعالیٰ نے کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا تھا لیکن جب مسلمانوں کا ایک گروہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف مال غنیمت لوٹنے کے لیے بھاگا تو اللہ تعالیٰ نے بہ طور سزا مسلمانوں کا رعب کفار کے دلوں سے زائل کر دیا اس لیے فرمایا : پھر اللہ نے تم کو ان سے پھیر لیا' اور اس چیز کو مسلمانوں کے لیے آزمائش بنا دیا تاکہ وہ اللہ سے توبہ کریں اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کرنے سے استغفار کریں' پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا-

(۳) اللہ تعالیٰ نے تم کو ان سے پھیر دیا- اس کا معنیٰ ہے اللہ نے تم کو فوراً ان پر دوبارہ حملہ کرنے کا حکم نہیں دیا تاکہ اس تخفیف کے ذریعہ تم کو آزمائش میں ڈالے اور یہ ظاہر فرمائے کہ تم میں سے کتنے لوگ دوبارہ جہاد میں ثابت قدم رہتے ہیں اور اس بار جو تم سے چوک ہو گئی اس کو اللہ نے معاف کر دیا-

(۴) "اللہ نے تم کو ان سے پھیر دیا" اس کا معنیٰ یہ ہے تم کفار پر غلبہ پا چکے تھے لیکن جب تم نے نافرمانی کی اور بزدلی دکھائی

تو اللہ نے تم کو شکست میں مبتلا کر کے تم کو ان سے پھیر دیا یعنی تمہارے غلبہ کو ان سے پھیر دیا۔
اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور بے شک اس نے تم کو معاف کر دیا' یعنی اس حکم عدولی کی سزا میں تم کو بالکل نیست و نابود نہیں کیا اور تمہاری اس لغزش کو معاف کر دیا' جہاد میں پیٹھ موڑ کر بھاگنا گناہ کبیرہ ہے اور یہاں اس گناہ کبیرہ پر مسلمانوں کے معافی مانگنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بغیر توبہ اور استغفار کے مسلمانوں کے اس گناہ کو معاف کر دیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کا ذکر فرمایا کہ اللہ ایمان والوں پر بہت فضل کرنے والا ہے۔
اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر توبہ کے بھی گناہ کبیرہ کو معاف کر دیتا ہے اور یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے اس کے برخلاف خوارج اور معتزلہ کے نزدیک بغیر توبہ کے گناہ کبیرہ معاف نہیں ہوتا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جب تم چڑھتے جا رہے تھے اور کسی کو پیٹھ پھیر کر نہیں دیکھ رہے تھے اور رسول تمہاری پچھلی جماعت میں کھڑے ہوئے تم کو بلا رہے تھے تو اللہ نے تمہیں غم بالائے غم میں مبتلا کیا تاکہ (مال غنیمت سے) محرومی اور اس (شکست) کی مصیبت پر تم غم زدہ نہ ہو' اور اللہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے۔

مسلمانوں کو غم اٹھانے اور مصائب برداشت کرنے کا عادی بنانا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :
حسن بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد میں جب مسلمان دشمن سے شکست کھا گئے تو وہ وادی میں بگٹٹ بھاگتے ہوئے جا رہے تھے۔
قتادہ بیان کرتے ہیں جنگ احد کے دن مسلمان وادی میں بھاگے جا رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ ان کو پیچھے سے پکار رہے تھے اللہ کے بندو میری طرف آؤ' اللہ کے بندو میری طرف آؤ۔
سدی بیان کرتے ہیں کہ احد کے دن جب مشرکوں نے مسلمانوں پر شدت سے دباؤ ڈالا اور ان کو شکست دے دی تو بعض مسلمان مدینہ چلے گئے' اور بعض پہاڑ پر چڑھ کر ایک چٹان کی اوٹ میں ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ ان کو پیچھے سے پکار رہے تھے اللہ کے بندو میری طرف آؤ' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے پہاڑ پر چڑھنے اور رسول اللہ ﷺ کے ان کو بلانے کا ذکر کیا ہے۔
جس طرح کسی بڑی مصیبت کو دیکھ کر چھوٹی مصیبت کا غم جاتا رہتا ہے' اسی طرح مسلمان مال غنیمت سے محرومی اور شکست پر غم زدہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑے غم میں مبتلا کیا تاکہ اس بڑے غم کے مقابلہ میں یہ چھوٹا غم جاتا رہے اس بڑے غم کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں' امام ابن جریر طبری روایت کرتے ہیں :
قتادہ بیان کرتے ہیں کہ اس دن سب سے بڑا غم یہ تھا کہ یہ افواہ پھیل گئی تھی کہ نبی ﷺ شہید کر دیئے گئے' اور دوسرا غم یہ تھا کہ ستر صحابہ شہید ہو گئے تھے۔ ۶۶ انصار اور ۴ مہاجرین اور بہت سارے صحابہ زخمی ہو گئے تھے۔
مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک غم یہ تھا کہ نبی ﷺ کی شہادت کی خبر پھیل گئی تھی اور دوسرا غم یہ تھا کہ کافروں نے پلٹ کر حملہ کیا اور مسلمان اس اچانک یلغار سے گھبرا کر بھاگ پڑے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۸۹-۸۸' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)
اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی حکم عدولی کر کے جو آپ کو غم پہنچایا تھا اس کی سزا میں انہیں جنگ احد میں شکست اور اپنے احباب کے قتل اور ان کے زخمی ہونے کا غم اٹھانا پڑا' تاکہ مسلمان غم

اٹھانے اور مصیبت برداشت کرنے کے عادی ہو جائیں اور مستقبل میں پھر کبھی کسی مصیبت اور محرومی سے غم زدہ نہ ہوں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ جنگ بدر میں جو مشرکین کو غم اٹھانا پڑا تھا اس کے مقابلہ میں جنگ احد میں مسلمانوں کو غم اٹھانا پڑا تاکہ مسلمانوں کی توجہ دنیا سے منقطع ہو جائے۔ وہ دنیا کے ملنے سے خوش ہوں' نہ دنیا کے جاتے رہنے سے مغموم ہوں' یعنی نہ بدر کی کامیابی پر اترائیں نہ احد کی ناکامی پر حوصلہ ہار بیٹھیں۔

تیسری تفسیر یہ ہے کہ جنگ احد میں ان کو بہت سے غموں سے سابقہ پڑا تھا' جانی اور مالی نقصان کا غم تھا' تمام مسلمانوں کو جو ہزیمت اٹھانی پڑی اس کا غم تھا' رسول اللہ ﷺ کا جو چہرہ زخمی ہوا اور آپ کا دانت شہید ہوا اس کا غم تھا' رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی خبر پھیل گئی اس کا غم تھا' مسلمانوں سے جو حکم عدولی سرزد ہو گئی اس کی پشیمانی تھی اور اس پر مواخذہ کا غم تھا' مسلمان رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے حالانکہ آپ انہیں آوازیں دے رہے تھے۔ اس بزدلی دکھانے کا غم تھا' آپ کے حکم ماننے میں جو اختلاف اور تنازع کیا اس کا غم تھا' مال غنیمت ہاتھ سے نکل جانے کا غم تھا' ابو سفیان نے جو پلٹ کر حملہ کیا اور بھگدڑ میں مسلمان مارے گئے اس کا غم تھا۔ مسلمانوں کے احباب اور رشتہ دار مارے گئے ان کا مثلہ کیا گیا اس کا غم تھا' غرض بہت سارے غموم تھے ان پر یہ غم اس لیے مسلط کیے گئے کہ وہ غم جھیلنے اور مصائب برداشت کرنے کے عادی ہو جائیں تاکہ پھر کبھی اگر کوئی نعمت جاتی رہے یا کوئی مصیبت آپڑے تو گھبرا نہ جائیں اور ثابت قدمی اور اطمینان سے مردانہ وار مصائب کا مقابلہ کریں۔

رنج کا خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

شروع میں مسلمان بھاگے جارہے تھے لیکن بعد میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو پہچان لیا اور انہوں نے بلند آواز سے ندا کی اے مسلمانو! مبارک ہو یہ رسول اللہ ﷺ ہیں' رسول اللہ ﷺ نے ان کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا پھر سب مسلمان آپ کے پاس جمع ہو گئے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً

پھر (اللہ نے) پریشانی کے بعد تم پر سکون نازل کیا (جس کے نتیجہ میں) تمھاری ایک جماعت پر اونگھ طاری ہو گئی اور

مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ

دوسری جماعت (منافقوں کی) اپنی جانوں کے متعلق پریشانیوں میں مبتلا تھی، وہ اللہ کے متعلق زمانہ جاہلیت کی طرح ناحق

ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ

بدگمانی کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کیا اس معاملہ میں ہمارا بھی کوئی اختیار ہے؟ آپ کہیے

إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ۗ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ

بیشک تمام معاملات میں اللہ ہی کا اختیار ہے وہ اپنے دلوں میں ان چیزوں کو چھپاتے تھے جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے تھے

يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا ۗ قُل

وہ کہتے تھے کاش ہمارا کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے۔ آپ کہیے اگر

لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ

تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کا قتل کیا جانا مقدر ہو چکا تھا وہ ضرور اپنی قتل گاہوں

مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا

کی طرف نکل آتے، اور (یہ اس لیے ہوا) کہ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو آزمائے (ظاہر کرے) اور تمہارے

فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٥٤﴾ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا

دلوں کو (وسوسوں اور اندیشوں سے) صاف کرے اور اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے ○ بیشک جس دن دو فوجیں ایک

مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا

دوسرے کے بالمقابل ہوئی تھیں اس دن جو لوگ تم میں سے پھر گئے تھے، ان کے بعض کاموں کی وجہ سے شیطان ہی نے

كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾ ع

ان کے قدموں کو لغزش دی تھی اور یقیناً اللہ نے ان کو معاف کر دیا، بیشک اللہ بہت بخشنے والا بڑے حلم والا ہے ○

۴۶۷

رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کر کے مسلمانوں کا سو جانا اور منافقوں کا پریشانی سے جاگتے رہنا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

سدی بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن جب مشرکین واپس جانے لگے تو انہوں نے نبی ﷺ سے کہا ہم اگلے سال بدر میں مقابلہ کریں گے، رسول اللہ ﷺ نے ان کے پیچھے ایک شخص کو بھیجا دیکھو اگر وہ اپنے ساز و سامان پر بیٹھ گئے ہیں اور گھوڑے ایک طرف کر دیئے ہیں تو پھر یہ لوگ واپس جا رہے ہیں اور اگر تم یہ دیکھو کہ یہ اپنے گھوڑوں پر بیٹھ گئے ہیں اور ساز و سامان ایک طرف رکھ دیا ہے تو پھر مدینہ پر چڑھائی کے لیے آ رہے ہیں۔ تب تم اللہ سے ڈرو، اور صبر کرو اور جنگ کی تیاری کرو، جب اس قاصد نے یہ دیکھا کہ وہ لوگ اپنے ساز و سامان پر بیٹھ گئے ہیں تو وہ تیزی سے دوڑتا ہوا آیا اور اس نے ان کے جانے کی خبر دی، جب مسلمانوں کو اس خبر کا علم ہوا تو انہوں نے نبی ﷺ کی تصدیق کی اور وہ بے فکر ہو کر

سو گئے اور منافق جاگتے رہے انہیں یہ خطرہ تھا کہ کفار پھر آکر حملہ کر دیں گے' اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ خبر دے دی تھی کہ جب وہ اپنے ساز و سامان پر سوار ہوں گے تو واپس چلے جائیں گے اس لیے مسلمان بے فکر ہو کر سو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی پھر (اللہ نے) پریشانی کے بعد تم پر سکون نازل کیا (جس کے نتیجہ میں) تمہاری ایک جماعت پر اونگھ طاری ہو گئی۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ان لوگوں میں سے تھا جن پر اونگھ طاری ہو گئی تھی میرے ہاتھ سے تلوار بار بار گر جاتی تھی۔

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو ہر شخص اپنی ڈھال کے نیچے نیند سے جھونٹے کھا رہا تھا۔ نیز حضرت ابو طلحہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر اونگھ طاری ہو رہی تھی میرے ایک ہاتھ سے تلوار گر جاتی تو میں دوسرے ہاتھ میں اٹھا لیتا' ادھر منافقین کو اپنی جانوں کا خطرہ لگا ہوا تھا وہ زمانہ جاہلیت کی طرح اللہ تعالیٰ کے متعلق طرح طرح کی بدگمانیاں کر رہے تھے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۹۳ – ۹۲ 'مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی بدگمانیوں کا حال بیان فرمایا: وہ کہہ رہے تھے کہ کیا اس معاملہ میں ہمارا بھی کوئی اختیار ہے؟ آپ کہئے کہ بے شک تمام معاملات میں اللہ ہی کا اختیار ہے' اور وہ کہہ رہے تھے کہ اگر ہمارا کوئی اختیار ہوتا تو ہم اس جگہ قتل نہ کیے جاتے' وہ زمانہ جاہلیت کی طرح اللہ تعالیٰ کے متعلق بدگمانیاں کر رہے تھے۔ یعنی وہ تقدیر کا انکار کر رہے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہئے کہ تمام معاملات اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں' یعنی اچھی اور بری ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے وابستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے آزمانے کا معنی

وہ اپنے دلوں میں ان چیزوں کو چھپاتے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے یعنی وہ شرک' کفر اور تکذیب کو چھپاتے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے۔ وہ کہتے تھے کاش ہمارا کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے' یعنی وہ کہتے تھے کہ اگر ہماری عقل حاضر ہوتی تو ہم اہل مکہ سے قتال کے لیے نہ نکلتے اور ہمارے بڑے بڑے سردار قتل نہ کیے جاتے۔ آپ کہئے اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کا قتل کیا جانا مقدر ہو چکا تھا وہ ضرور اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔

اور یہ اس لیے ہوا کہ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو آزمائے' یعنی اللہ تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کرے جو آزمانے والا کرتا ہے' تاکہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ بہ طور غیب جانتا تھا ان کا ظہور بہ طور مشاہدہ ہو جائے' یا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو مشاہدہ کرائے' کیونکہ حقیقتہً" آزمانا اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے کیونکہ آزماتا وہ شخص ہے جو نتیجہ اور انجام سے بے خبر ہو اور تمہارے دلوں کو (وسوسوں اور اندیشوں سے) صاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر جنگ اور قتال کو فرض کیا اور جنگ احد میں تمہاری مدد نہیں کی' تاکہ تمہارے صبر کو آزمائے اور جب تم اخلاص سے توبہ کرو تو تمہارے گناہوں کو مٹا دے۔ اس آیت میں بھی آزمانے کا یہی معنی ہے کہ تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کرے جو آزمانے والا کرتا ہے اور اللہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔ یعنی وہ جانتا ہے کہ کسی دل میں کیا خیر ہے اور کیا شر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک جس دن دو فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل ہوئی تھیں۔ اس دن جو لوگ تم سے پھر گئے تھے' ان کے بعض کاموں کی وجہ سے شیطان ہی نے ان کے قدموں کو لغزش دی تھی' بے شک اللہ نے ان کو

معاف کر دیا بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا حلم والا ہے۔ (آل عمران: ۱۵۵)

جنگ احد میں بھاگنے والے مسلمانوں کا بیان

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب جنگ احد کے دن مشرکین کے مقابلہ سے بھاگ گئے' اس لغزش کی وجہ شیطان کا بہکانا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس لغزش کو معاف کر دیا۔ اب اس میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ اس آیت سے کون لوگ مراد ہیں' بعض نے کہا اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اس دن مشرکین کے مقابلہ سے بھاگ گیا تھا۔ امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد جنگ احد کے دن قتال سے بھاگنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب ہیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اور یہ عمل شیطان کے بہکانے اور اس کے ڈرانے کی وجہ سے ہوا تھا' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے درگذر فرمایا اور ان کو معاف کر دیا۔

دوسرا قول یہ ہے اس آیت سے خاص لوگ مراد ہیں جو جنگ احد میں پیٹھ موڑ کر بھاگ گئے تھے' امام ابن جریر روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں یہ آیت رافع بن معلی' دیگر انصار' ابوحذیفہ بن عتبہ اور ایک اور شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان' حضرت عقبہ بن عثمان' حضرت سعد بن عثمان اور دو انصاری جنگ احد کے دن بھاگ گئے حتی کہ وہ مدینہ کی ایک جانب جلعب نامی پہاڑ کے پاس پہنچ گئے' پھر تین دن کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ نے ان سے فرمایا تم بہت دور چلے گئے تھے۔

ابن جریج نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا کیونکہ ان کو کوئی سزا نہیں دی۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۹۶' مطبوعہ بیروت)

جنگ احد میں بھاگنے کی وجہ سے حضرت عثمان پر طعن کا جواب

امام ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی ۳۷۰ھ روایت کرتے ہیں:

غیلان بن جریر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کے درمیان بحث ہوئی' حضرت عبدالرحمان نے کہا تم مجھے برا کہتے ہو' حالانکہ میں جنگ بدر میں حاضر ہوا اور تم حاضر نہیں ہوئے' اور میں نے درخت کے نیچے بیعت (رضوان) کی اور تم نے نہیں کی اور تم جنگ احد کے دن لوگوں کے ساتھ بھاگ گئے تھے' حضرت عثمان نے فرمایا جنگ بدر میں حاضر نہ ہونے کا جواب یہ ہے کہ میں کسی غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غائب نہیں رہا' البتہ غزوہ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی بیمار تھیں' اور میں ان کی تیمارداری میں مشغول تھا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے مال غنیمت سے مجھے بھی اتنا ہی حصہ دیا تھا جتنا آپ نے دوسرے مسلمانوں کو حصہ دیا تھا' اور رہا درخت کے نیچے بیعت کرنے کا معاملہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مکہ میں مشرکین سے بات کرنے کے لیے بھیجا تھا' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر مار کر فرمایا تھا یہ عثمان کی بیعت ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دایاں ہاتھ میرے اپنے دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں سے بہتر ہے اور رہا جنگ احد میں بھاگنے کا سوال تو اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا اور یہ آیت نازل

فرمائی : بے شک جس دن دو فوجیں ایک دوسرے کے بالمقابل ہوئی تھیں اس دن جو لوگ تم میں سے پھر گئے تھے۔ ان کے بعض کاموں کی وجہ سے شیطان ہی نے ان کو لغزش دی تھی۔ بے شک اللہ نے ان کو معاف کر دیا۔

(تفسیر سمرقندی ج ۱ص ۳۱۰ 'مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۳ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

عثمان بن موھب بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حج بیت اللہ کرنے کے لیے آیا۔ اس نے کچھ لوگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا' اس نے پوچھا یہ کون لوگ بیٹھے ہوئے ہیں؟ لوگوں نے کہا یہ قریش ہیں' پوچھا یہ بوڑھا آدمی کون ہے؟ لوگوں نے کہا یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں' اس نے کہا میں آپ سے سوال کرتا ہوں کیا آپ مجھے اس کا جواب دیں گے؟ میں آپ کو اس بیت اللہ کی حرمت کی قسم دے کر سوال کرتا ہوں کیا آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عثمان بن عفان جنگ احد کے دن بھاگ گئے تھے؟ حضرت ابن عمر نے کہا ہاں! اس نے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ غزوہ بدر میں بھی حاضر نہیں ہوئے تھے؟ حضرت ابن عمر نے کہا ہاں! اس نے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ بیعت رضوان میں بھی حاضر نہیں ہوئے تھے۔ حضرت ابن عمر نے کہا ہاں! اس نے نعرہ لگایا اللہ اکبر' حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا تم نے جن چیزوں کے متعلق سوال کیا تھا اب میں تم کو ان کی وجوہات بیان کرتا ہوں۔ رہا جنگ احد میں بھاگنے کا معاملہ تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ نے اس کو معاف کر دیا' اور رہا غزوہ بدر میں غیر حاضر رہنا' تو اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی (حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا) ان کے نکاح میں تھیں' (وہ ان کی تیمارداری کر رہے تھے) اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تم کو بدر میں حاضر ہونے والے مسلمانوں کا اجر اور مال غنیمت ملے گا' اور رہا بیعت رضوان سے غائب ہونے کا معاملہ تو یہ بیعت اس وقت ہوئی تھی جب حضرت عثمان مکہ جا چکے تھے' نبی ﷺ نے اپنے دائیں ہاتھ کے متعلق فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے' پھر اس کو اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا' اور فرمایا یہ عثمان کی بیعت ہے۔ پھر حضرت ابن عمر نے اس شخص سے فرمایا تم نے یہ جوابات سن لیے اب جہاں جانا چاہو چلے جاؤ۔ (صحیح بخاری ج ۲ص ۵۸۲-۵۸۱' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

جنگ احد میں مسلمانوں کی جس خطاء کی وجہ سے شیطان نے ان کو لغزش دی

اس آیت میں یہ مذکور ہے : ان کے بعض کاموں کی وجہ سے شیطان ہی نے ان کے قدموں کو لغزش دی تھی۔

ان کے وہ کون سے کام تھے جن کی وجہ سے شیطان نے ان کو لغزش دی تھی؟ اس کی کئی تفسیریں ہیں : ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے مرکز کو ترک کرنے میں نبی ﷺ کی حکم عدولی کی' اور مال غنیمت لوٹنے کے لیے دوڑ پڑے' حسن نے کہا انہوں نے شیطان کے وسوسوں کو قبول کر لیا' دوسرا قول یہ ہے کہ دشمن سے شکست کھا جانا معصیت نہیں تھا' لیکن جب انہوں نے سنا کہ نبی ﷺ شہید کر دیئے گئے تو وہ مدینہ کی حفاظت کے لیے شہر میں چلے گئے تاکہ دشمن اپنے عزائم میں کامیاب نہ ہو' ایک قول یہ ہے کہ جب نبی ﷺ ان کو پکار رہے تھے تو انہوں نے خوف اور ہراس کے غلبہ کی وجہ سے آپ کی پکار کو نہیں سنا' اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دشمن کی تعداد ان سے کئی گنا زیادہ تھی کیونکہ وہ سات سو تھے اور دشمن تین ہزار تھا اور ان حالات میں شکست کھا جانا بعید نہیں ہے لیکن نبی ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جانا ایسی خطاء ہے جو جائز نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ انہوں نے یہ سوچا ہو کہ نبی ﷺ بھی احد پہاڑ کی کسی جانب نکل گئے ہیں۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ دشمن کے اچانک پلٹ کر آنے اور اس کے زبردست دباؤ کی وجہ سے ان کے قدم اکھڑ گئے اور

وہ بے سوچے سمجھے بھاگ پڑے۔ بہرحال یہ خطاء کسی وجہ سے بھی ہوئی ہو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص اپنے گناہ سے تائب ہو جائے وہ اس کی مثل ہے جس نے کوئی گناہ نہیں کیا اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کی معافی کا اعلان کر دیا تو اب کسی شخص کے لیے ان پر اعتراض کرنا جائز نہیں ہے' صحابہ کرام میں جو باہمی اختلافات تھے اور اس کی وجہ سے جو ان میں جنگیں ہوئیں۔ وہ سب اجتہادی امور پر مبنی تھیں' حضرت علی اور ان کے رفقاء کا گروہ اپنے اجتہاد میں حق پر تھا ان کو دو اجر ملیں گے اور حضرت معاویہ اور ان کی جماعت کو اجتہاد میں خطاء لاحق ہوئی' ان کو ایک اجر ملے گا' ان میں سے کسی فریق پر بھی طعن کرنا جائز نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ سے عاقبت حسنیٰ کا وعدہ فرمایا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ

اے ایمان والو! کافروں کی مثل نہ ہو جانا! جب ان کے بھائی کسی لڑائی یا سفر میں گئے تو انہوں نے

إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا

ان کے متعلق کہا کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے

وَمَا قُتِلُوا ۚ لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ

تاکہ (انجام کار) اللہ اس قول کو ان کی حسرت کا سبب بنا دے، اور اللہ ہی زندہ کرتا ہے

يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٥٦﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ

اور موت طاری کرتا ہے اور اللہ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے ○ اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کیے

فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ

جاؤ یا تم فوت ہو جاؤ تو البتہ اللہ کی مغفرت اور اس کی رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے جن کو

مِمَّا يَجْمَعُونَ ﴿١٥٧﴾ وَلَئِنْ مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿١٥٨﴾

وہ جمع کرتے ہیں ○ اور اگر تم فوت ہو جاؤ یا تم قتل کیے جاؤ تو یقیناً تم اللہ ہی کی طرف جمع کیے جاؤ گے ○

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ

سو اللہ کی عظیم رحمت سے آپ مسلمانوں کے لیے نرم ہو گئے اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور

لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ

آپ کے پاس سے بھاگ جاتے تو آپ ان کو معاف کر دیں اور ان کے لیے استغفار کریں اور (اہم)

فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

کاموں میں ان سے مشورہ لیں اور جب آپ (کسی کام کا) عزم کر لیں تو اللہ پر توکل کریں، بیشک اللہ توکل کرنے والوں کو

الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ

محبوب رکھتا ہے ○ (اے مسلمانو!) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں بے سہارا

فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا؛ اور مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے ○

ربط آیات اور خلاصہ تفسیر

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شیطان کے وسوسوں سے ڈرایا تھا جس کے نتیجہ میں وہ جنگ احد میں شکست سے دوچار ہو گئے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو منافقوں کے وسوسوں سے خبردار کیا ہے جو شیطان کے مددگار ہیں، کیونکہ منافقین مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد کرنے سے عار دلاتے تھے اور جو مسلمان ان کے نسبی بھائی تھے یا دینی بھائی تھے (کیونکہ منافق بھی بہ ظاہر مسلمان تھے) جب وہ کسی دور دراز سفر پر جاتے یا کافروں کے خلاف جہاد کرنے کے لیے جاتے اور اس سفر میں وہ فوت ہو جاتے یا قتل کر دیئے جاتے تو وہ ان کے متعلق کہتے اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کئے جاتے۔

یوں کہنا منع ہے کہ اگر میں فلاں کام کر لیتا تو فلاں مصیبت نہ آتی

منافقین یہ بات اس لیے کہتے تھے کہ ان کا تقدیر پر ایمان نہیں تھا، جو چیز جس شخص کے لیے مقدر کی جا چکی ہے وہ کسی عمل سے ٹل نہیں سکتی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، کہ اگر کوئی نقصان ہو جائے تو یوں نہ کہو کہ اگر یہ شخص فلاں کام کر لیتا تو نقصان نہ ہوتا۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قوی مومن اللہ کے نزدیک ضعیف مومن سے زیادہ بہتر اور زیادہ محبوب ہے، اور ہر ایک میں خیر ہے، جو چیز تمہیں نفع دے اس پر حرص کرو، اور اللہ سے مدد حاصل کرو اور عاجز نہ ہو، اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو یہ نہ کہو کہ اگر میں فلاں کام کر لیتا تو مجھے یہ مصیبت نہ پہنچتی، البتہ یہ کہو کہ یہ چیز اللہ نے مقدر کر دی ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور "اگر" (کا لفظ) شیطان کے عمل کو کھول دیتا ہے۔

(کتاب القدر، باب: ۸، باب فی الامر بالقوۃ و ترک العجز)

اس حدیث کا منشا یہ ہے کہ جب کوئی امر واقع ہو جائے تو پھر یہ نہ کہا جائے کہ اگر میں فلاں کام کر لیتا تو یہ مصیبت نہ آتی' اگر وہ یہ بات جزم اور یقین کے ساتھ کہتا ہے یعنی اگر میں یہ کام کر لیتا تو یقیناً یہ مصیبت نہ آتی تو ایسا کہنا حرام ہے' کیونکہ اس سے تقدیر کا انکار ظاہر ہوتا ہے اور اگر وہ اظہار افسوس کے لیے ایسا کہتا ہے تو پھر یہ مکروہ تنزیہی ہے جیسے کوئی طالب علم کہے اگر میں امتحان کی اچھی طرح تیاری کرتا تو فیل نہ ہوتا' لیکن یہ کہنا بہرحال ناجائز ہے کہ اگر میں اس مریض کا فلاں ڈاکٹر سے علاج کرا لیتا یا فلاں دوائی پلا دیتا تو یہ مریض نہ مرتا کیونکہ موت و حیات کا تعلق قضاء مبرم سے ہے اور امتحان میں فیل یا پاس ہونے کا تعلق قضاء معلق سے ہے۔

مستقبل کے لیے اگر کا لفظ کہنے کا جواز اور ماضی کے لیے اگر کا لفظ کہنے کی ممانعت

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے غار میں رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا' اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدموں کو دیکھ لیا تو وہ ہم کو دیکھ لے گا' اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اگر تمہاری قوم نئی نئی کفر سے نکلی ہوئی نہ ہوتی تو میں بیت اللہ کو منہدم کر کے (دوبارہ بنا دیتا اور) جو حصہ (حطیم) اس سے نکال دیا گیا تھا وہ اس میں داخل کر دیتا۔ (صحیح بخاری' کتاب الحج باب : ۴۲) اور آپ نے فرمایا اگر میں کسی کو بغیر گواہ کے رجم کرتا تو اس عورت کو رجم کر دیتا (صحیح بخاری کتاب التمنی باب : ۹) اور آپ نے فرمایا اگر مجھے اپنی امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے وقت وضو کا حکم دیتا (صحیح بخاری' کتاب الایمان باب : ۲۶) ان تمام حدیثوں میں رسول اللہ ﷺ نے بھی "اگر" کا لفظ استعمال فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جو امر ماضی میں واقع ہو چکا ہو اس کے متعلق آپ نے "اگر" کہنے سے منع فرمایا ہے مثلاً اگر ایسا ہو جاتا تو ایسا نہ ہوتا اور اس سوال میں جو مثالیں پیش کی گئی ہیں ان میں "اگر" کا لفظ مستقبل کے بارے میں ہے اور یہ منع نہیں ہے اور ماضی میں اظہار تاسف کے لیے "اگر" کا لفظ جائز ہے اور مکروہ تنزیہی ہے' اور رسول اللہ ﷺ نے بیان جواز کے لیے اس طرح فرمایا ہے حجتہ الوداع میں جن صحابہ نے ہدی نہیں بھیجی تھی آپ نے ان کو عمرہ کرنے کے بعد احرام کھولنے کا حکم دیا اور آپ نے چونکہ ہدی بھیج دی تھی اس لیے آپ احرام پر قائم رہے۔ ان صحابہ کو آپ کی اتباع سے محروم ہونے پر افسوس ہوا تو آپ نے فرمایا : اگر میں اس بات پر پہلے مطلع (متوجہ) ہو جاتا جس پر بعد میں مطلع ہوا ہوں تو میں ہدی روانہ نہ کرتا۔ آپ کا یہ فرمانا اظہار افسوس کے لیے تھا۔

اس کی تحقیق کہ جہاد کی نیت نہ کرنا نفاق ہے

منافقین نے جو یہ کہا تھا کہ اگر یہ ہمارے پاس رہتے تو قتل نہ کیے جاتے اس کی دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ کفار کے خلاف جہاد کرنے سے گھبراتے تھے اور موت سے ڈرتے تھے ان کے دل میں جہاد کرنے کے لیے کوئی جذبہ تھا نہ کوئی امنگ اور یہ نفاق کی علامت ہے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مر گیا اور اس نے جہاد نہیں کیا اور نہ اس کے دل میں جہاد کی خواہش ہوئی وہ نفاق کی ایک شاخ پر مرا ہے۔ (کتاب الامارۃ' باب : ۴۷' ذم من مات ولم یغز)

جس شخص پر کسی فعل کا کرنا دشوار ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ یہ نیت کرے کہ جب وہ اس فعل پر قادر ہو گا تو وہ اس فعل کو کرے گا' اور اس کی یہ نیت اس فعل کے قائم مقام ہو گی اور اگر اس نے ظاہراً" اس فعل کو کیا نہ اس فعل کی نیت

کی تو یہ اس منافق کا حال ہے جو نیکی کرتا ہے نہ اس کی نیت کرتا ہے' عبداللہ بن المبارک نے کہا میری رائے میں یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں تھا' جب جہاد واجب تھا اس لیے جس نے جہاد کی نیت نہیں کی وہ منافق تھا' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حکم تمام زمانوں کو شامل ہو اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس نے جہاد کی نیت بھی نہیں کی وہ اخلاق منافقین کے مشابہ ہے یہ معنی نہیں ہے کہ وہ حقیقتہً منافق ہے کیونکہ جہاد میں شریک نہ ہونا منافقین کا طریقہ تھا۔ حدیث میں ہے جس نے کسی عبادت کے کرنے کی نیت کی اور اس عبادت کے کرنے سے پہلے وہ فوت ہو گیا تو وہ اس ملامت کا مستحق نہیں ہے جو اس شخص پر کی جاتی ہے جس نے اس عبادت کی نیت بھی نہیں کی' اور قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ جس نے کسی عبادت کو شروع کر دیا اور مکمل ہونے سے پہلے فوت ہو گیا تو اس کو اس کا اجر مل جاتا ہے :

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ (النساء : ۱۰۰)

اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کے لیے نکلے پھر اسے موت آ جائے تو بے شک اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ثابت ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تاکہ (انجام کار) اللہ اس قول کو اس کی حسرت کا سبب بنا دے۔ (آل عمران : ۱۵۶)

منافقین کے قول کے حسرت ہونے کی وجوہات

جو مسلمان کسی سفر میں جاتے اور فوت ہو جاتے' یا کسی غزوہ میں جاتے اور وہاں شہید ہو جاتے تو منافقین ان مسلمانوں کے رشتہ داروں سے کہتے اگر وہ مسلمان ہمارے پاس رہتے اور اس سفر میں نہ جاتے تو نہ مرتے یا اس غزوہ میں نہ جاتے تو قتل نہ کیے جاتے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ ان کے اس قول کو انجام کار ان کی حسرت کا سبب بنا دے گا۔ یہ قول ان کی حسرت کیسے بنے گا اس کی متعدد وجوہات بیان کی گئی ہیں :

(۱) منافقین اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں جب یہ شبہ ڈالیں گے اور وہ ان کے کہنے میں آ کر جہاد کرنے نہیں جائیں گے' پھر جب وہ دیکھیں گے کہ مسلمان جہاد کر کے سلامتی سے مال غنیمت لے کر کامیاب و کامران لوٹے تو ان کو حسرت ہو گی کہ کاش انہوں نے ان منافقوں کا کہا نہ مانا ہوتا اور جہاد میں چلے گئے ہوتے۔

(۲) قیامت کے دن جب منافقین دیکھیں گے کہ مجاہدین اور شہداء کو اللہ تعالیٰ کس قدر انعام و اکرام سے نواز رہا ہے اور ان کو بے پناہ اجر و ثواب مل رہا ہے اور ان منافقوں کو اس قول کی بناء پر ذلت اور رسوائی کے عذاب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے تو وہ حسرت سے کہیں گے کاش ہم نے یہ نہ کہا ہوتا۔

(۳) منافقین ضعفاء مسلمین کو جہاد سے روکنے کے لیے شبہ ڈالیں گے اور جب وہ مسلمان جہاد پر نہیں جائیں گے تو وہ خوش ہوں گے لیکن بعد میں جب ان مسلمانوں پر ان منافقوں کے مکر و فریب کا حال کھل جائے گا اور وہ ان سے بیزار ہو جائیں گے تو پھر وہ منافق حسرت سے کہیں گے کہ کاش ہم نے یہ نہ کہا ہوتا۔

(۴) جب منافق متصلب اور پختہ مسلمانوں کے سامنے یہ شبہات بیان کریں گے تو وہ ان کی طرف توجہ نہیں کریں گے اور ان کی سعی رائیگاں جائے گی اس وقت ان منافقوں کو حسرت ہو گی کہ کاش انہوں نے ان سے یہ نہ کہا ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کیے جاؤ یا تم فوت ہو جاؤ تو البتہ اللہ کی مغفرت اور اس کی رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے جن کو وہ جمع کرتے ہیں۔ (آل عمران: ۱۵۷)

اللہ کی راہ میں مرنے کا بیان

منافقین نے جو یہ کہا تھا کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے' اس قول کا ایک رد تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ کسی جگہ پر آنے جانے میں مرنے اور جینے کا دخل نہیں ہے' اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت طاری کرتا ہے' اور دوسرا جواب اس آیت میں دیا ہے کہ انسان کو موت تو لامحالہ آنی ہے اور اس سے کوئی مفر نہیں ہے کہ انسان قتل کردیا جائے یا طبعی موت سے مرجائے اور جب یہ موت یا قتل ہونا اللہ کی راہ میں اور اس کی رضا کی طلب میں واقع ہو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ انسان دنیا اور اس کی لذتوں کے طلب میں مرجائے کیونکہ انسان مرنے کے بعد ان لذتوں سے فائدہ حاصل نہیں کرسکتا' کیونکہ انسان جب جہاد کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کا دل دنیا سے اعراض کرکے آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو گویا وہ دشمن سے نجات حاصل کرکے دوست کے پاس پہنچ جاتا ہے' اور جب انسان جہاد سے اعراض کرکے دنیا کمانے میں مشغول ہوجائے تو وہ موت سے ڈرتا رہتا ہے اور موت کے بعد وہ اپنی محبوب چیزوں سے بچھڑ جاتا ہے اور حشر تک قبر کے اندھیروں میں پڑا رہتا ہے' اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ اللہ کی راہ میں قتل ہونا یا مرجانا اور اس کی مغفرت اور رحمت کو حاصل کرنا دنیا جمع کرنے سے بہتر ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے' اللہ کی راہ میں قتل ہونا یہ میدان جہاد میں شہادت پانا ہے اور اللہ کی راہ میں مرنا اس سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی دین کی تبلیغ میں گزارے' قرآن اور حدیث کو پڑھتا اور پڑھاتا رہے' اور اللہ کے دین کو لوگوں تک پہنچاتا رہے' اب اگر اس دوران اس کی موت آگئی تو یہ اللہ کی راہ میں مرنا ہے' میرے زمانہ میں بعض غلط باتیں دین کے نام سے مشہور ہوگئی تھیں اگر میں ان سے اغماض کرلیتا اور ان کے غلط ہونے کو واضح نہ کرتا تو میری بہت واہ واہ ہوتی اور میرے کام کی بہت عزت افزائی کی جاتی لیکن میرے قلب و ضمیر نے یہ گوارا نہیں کیا اور میں غلط باتوں کے ساتھ موافقت نہ کرسکا مجھے پھولوں کے بجائے کانٹے ملے' داد و تحسین کے بجائے طعن و تشنیع اور دشنام کی سوغاتیں ملیں' میں اس راہ میں مسلسل عملی جہاد کررہا ہوں اور یہی جہاد کرتے ہوئے میں قتل کردیا گیا یا طبعی موت مرگیا تو انشاء اللہ میری موت بھی اسی آیت کا مصداق ہوگی۔

اللہ کی مغفرت اور رحمت کا دنیا کی نعمتوں اور لذتوں سے افضل اور بہتر ہونا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ کی مغفرت اور اس کی رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے جن کو تم جمع کرتے ہو' اس بہتری کی حسب ذیل وجوہ بیان کی گئی ہیں :

(۱) جو شخص دنیا کا مال جمع کررہا ہے اور اسی میں مصروف ہے ہوسکتا ہے وہ کل اس سے استفادہ نہ کرسکے' کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ کل کا سورج دیکھنے سے پہلے فوت ہوجائے لیکن جو شخص اللہ کی مغفرت اور رحمت کو حاصل کرنے کے لیے علمی اور عملی جہاد کررہا ہے وہ اگر اس راہ میں مارا بھی گیا تو کل آخرت میں اس کو اللہ کی رحمت اور مغفرت مل جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور اس نے فرمایا ہے' جس نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی وہ اس کا اجر پائے گا۔

(۲) ہوسکتا ہے کہ دنیا کا مال جمع کرنے والا کل تک زندہ رہے لیکن یہ ممکن ہے کہ کل اس کے پاس یہ مال نہ رہے' کیونکہ کتنے لوگ صبح امیر ہوتے ہیں اور شام کو غریب ہوجاتے ہیں اور ان کا مال کسی وجہ سے ان کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے لیکن آخرت کی خیرات ختم نہیں ہوتیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں تمہارے رب کے پاس اچھی ہیں' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو نعمتیں تمہارے پاس ہیں وہ ختم ہونے والی ہیں اور جو اللہ کے پاس ہیں وہ باقی رہنے والی ہیں۔

(۳) ہو سکتا ہے کہ دنیا کا مال جمع کرنے والا کل تک زندہ رہے اور اس کا مال بھی اس کے پاس رہے لیکن کل کوئی ایسی آفت ٹوٹ پڑے یا مصیبت آجائے کہ وہ اس مال سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ مثلاً وہ کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو جائے یا کوئی اور اندوہ گیں حادثہ پیش آجائے' اور آخرت کی نعمتوں میں اس طرح ممکن نہیں ہے۔

(۴) اگر کوئی مصیبت نہ بھی آئے تب بھی دنیاوی لذتوں کے ساتھ ہزاروں پریشانیاں لگی رہتی ہیں اور ہر نعمت خطرات کے غلاف میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے' اور آخرت کی نعمتوں کے ساتھ کوئی غم اور فکر نہیں ہوتا۔

(۵) اگر ان خطرات اور پریشانیوں سے صرف نظر بھی کر لی جائے تب بھی دنیا کی لذتیں اور نعمتیں بہرحال فانی ہیں اور ایک دن ختم ہو جاتی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں آخرت کی نعمتیں اور لذتیں ہمیشہ باقی رہیں گی اور جس نعمت اور لذت کے ساتھ ہر وقت اس کے ختم ہونے یا چھن جانے کا خوف ہو تو انسان عین حصول لذت کے عالم میں بھی ملول اور پریشان رہتا ہے۔

جب ان پانچ وجوہات پر غور کیا جائے گا تو انسان پر منکشف ہو جائے گا کہ اللہ کی مغفرت اور رحمت دنیاوی لذتوں سے بہت بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر تم فوت ہو جاؤ یا تم قتل کیے جاؤ تو یقیناً تم اللہ ہی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔ (آل عمران: ۱۵۸)

دوزخ سے نجات' جنت کے حصول اور دیدار الٰہی کی طلب کے مدارج میں امام رازی کا نظریہ

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور رحمت کا ذکر فرمایا اور اس آیت میں اللہ کی طرف جمع کیے جانے کا ذکر فرمایا' اور یہ دراصل آخرت کے تین مرتبوں اور درجات کی طرف اشارہ ہے' پہلا مرتبہ دوزخ کے عذاب سے نجات ہے اس کی طرف مغفرت سے اشارہ فرمایا دوسرا مرتبہ جنت میں دخول اور اس کا حصول ہے اس کی طرف رحمت سے اشارہ فرمایا اور سب سے بلند مرتبہ اللہ کی رضا اور اس کی ذات سے ملاقات ہے اس کی طرف اس سے اشارہ فرمایا کہ تم اللہ ہی کی طرف جمع کیے جاؤ گے' کچھ لوگ اللہ کے عذاب کے خوف سے عبادت کرتے ہیں ان کا پہلا مرتبہ ہے' اور کچھ لوگ جنت کی طمع سے عبادت کرتے ہیں یہ دوسرے مرتبہ کے لوگ ہیں اور کچھ لوگ محض اللہ کی رضا اور اس کی ملاقات کے شوق میں عبادت کرتے ہیں یہ سب سے بلند مرتبہ ہے۔

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جن کے بدن بہت لاغر اور چہرے کمزور ہو گئے تھے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان پر کثرت عبادت کے آثار دیکھے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے پوچھا تم اللہ سے کس چیز کی طلب کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے کرم سے بہت بعید ہے کہ وہ تم کو عذاب سے نجات نہ دے' پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کچھ اور لوگوں کے پاس سے گزرے اور ان پر بھی اسی طرح عبادت کے آثار دیکھے' ان سے سوال کیا تو انہوں نے کہا ہم اللہ کی جنت اور اس کی رحمت کو طلب کرتے ہیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اللہ کے کرم سے بہت بعید ہے کہ وہ تم کو جنت اور اپنی رحمت عطا نہ کرے' پھر تیسری قوم کے پاس سے گزرے ان پر عبادت کے آثار بہت زیادہ تھے' ان سے سوال کیا تم کس لیے عبادت کرتے ہو؟ انہوں نے کہا اس لیے کہ وہ ہمارا معبود ہے اور ہم اس کے بندے ہیں ہم کسی چیز کی رغبت سے عبادت کرتے ہیں نہ کسی چیز

کے خوف سے عبادت کرتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم اللہ کے مخلص بندے ہو اور تم سچے عبادت گزار ہو۔

تم ان آیات کی ترتیب میں غور کرو پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی مغفرت کا ذکر کیا اس میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو اس کے عذاب کے خوف سے عبادت کرتے ہیں، پھر رحمت کا ذکر فرمایا اس میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو ثواب کی طلب میں اس کی عبادت کرتے ہیں، پھر آخر میں فرمایا تم ضرور اللہ کی طرف جمع کیے جاؤ گے اس میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو اللہ کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اس کے بندے ہیں اور اللہ ان کا رب، مالک اور معبود ہے اور یہ عابدوں کا سب سے بلند مقام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کا شرف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ (الانبیاء: ۱۹)

اور جو اللہ کے پاس (فرشتے) ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ تکبر کرتے ہیں نہ تھکتے ہیں۔

اور متقین کا شرف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ○ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ (القمر: ۵۵-۵۴)

بے شک متقین جنتوں اور دریاؤں میں ہوں گے، سچی عزت کے بلند مقام میں بڑی قدرت والے بادشاہ کے پاس۔

چونکہ ان لوگوں نے محض اللہ کی رضا کے لیے عبادت کی اور اس کی ملاقات کے شوق میں ریاضت کی اس لیے وہ اللہ کے پاس جمع کیے جائیں گے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۷۸، مطبوعہ دارالفکر بیروت)

دوزخ سے نجات، جنت کے حصول اور دیدار الٰہی کی طلب کے مدارج میں امام غزالی کا نظریہ

امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

عمل میں اخلاص یہ ہے کہ عمل کرنے والا دنیا اور آخرت میں اس کا کوئی عوض طلب نہ کرے، یہ رویم کا قول ہے، اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں نفس کا حصہ ایک آفت ہے، اور جو شخص جنت کی نعمتوں اور لذتوں سے حصہ لینے کے لیے عبادت کرتا ہے اس کی عبادت میں اخلاص نہیں ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عمل سے صرف اللہ عزو جل کی ذات کا ارادہ کیا جائے اور یہ صدیقین کا اخلاص ہے اور یہی اخلاص مطلق ہے، اور جو شخص جنت کی امید اور دوزخ کے خوف کی وجہ سے عبادت کرتا ہے وہ اپنے پیٹ اور فرج کے حصہ کی طلب میں عبادت کر رہا ہے اور صاحبان عقل کے نزدیک تو صرف اللہ عزو جل کی ذات ہی مطلوب ہے، لیکن انسان کی ہر حرکت کسی غرض کے لیے ہوتی ہے اور تمام اغراض سے بری ہونا تو اللہ تعالیٰ کی صفات سے ہے، اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ بے غرض عبادت کرتا ہے وہ کافر ہے اور قاضی ابوبکر باقلانی نے اس شخص کی تکفیر کا فیصلہ کیا جو تمام حظوظ اور اغراض سے بری ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور کہا یہ صفات الوہیت سے ہے، قاضی ابوبکر کا فیصلہ برحق ہے لیکن ان لوگوں کی مراد یہ ہے کہ عام لوگ جن حظوظ اور اغراض کی وجہ سے عمل کرتے ہیں وہ ان سے بری ہیں یعنی وہ فقط جنت کی لذتوں کے حصول کے لیے عبادت نہیں کرتے ان لوگوں کا حظ اور ان کی غرض اللہ کی معرفت، اس سے مناجات، اور اس کے دیدار کی لذت حاصل کرنا ہے، عام لوگ اس لذت کا تصور نہیں کر سکتے بلکہ وہ اس پر حیران ہوتے ہیں اور ان لوگوں کو عبادت، مناجات اور دیدار کے بدلہ میں جنت کی نعمتیں دی جائیں تو وہ ان کو حقیر جانیں گے اور ان کی طرف التفات نہیں کریں گے، سو ان کا حرکت کرنا اور عبادت کرنا بھی ایک حظ اور غرض کے لیے ہے لیکن ان کا حظ فقط ان کا معبود ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔ (احیاء العلوم ج ۵ ص ۲۹۱-۲۹۰)

دوزخ سے نجات، جنت کے حصول اور دیدار الٰہی کے طلب کے مدارج میں مصنف کا نظریہ

امام غزالی اور امام رازی نے عبادت گزاروں کے جو یہ تین مراتب بیان کیے ہیں یہ برحق ہیں اور جو شخص معرفت الٰہی میں ڈوبا ہوا ہو اور اخلاص کا پیکر ہو اور دنیا کی تمام نعمتوں اور لذتوں سے حظ حاصل نہ کرتا ہو اور ہر کام اور ہر مشغلہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے مشغول ہو، کھانے پینے اور عمل ازدواج میں اسے کوئی لذت اور سرور حاصل نہ ہو بلکہ ان کاموں میں وہ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے مشغول ہو اس کا سرور اور اس کی لذت صرف اطاعت الٰہی کا جذبہ ہو، وہ اپنی طبیعت اور اشتہاء کی وجہ سے عمدہ اور لذیذ کھانوں، خوب صورت ملبوسات اور اپنی بیوی سے عمل ازدواج اور بچوں کے پیار کا شوق نہ رکھے بلکہ ہر تعلق اور ہر نسبت میں صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت ہی اس کا ذوق و شوق اور اس کی غرض و غایت ہو تو ایسا شخص یہ کہے کہ میرا مقصد صرف اللہ عزوجل کی ذات کا دیدار، اس سے ملاقات، اس سے مناجات اور اس کی معرفت ہے نہ مجھے دوزخ سے نجات کی طلب ہے نہ جنت کے حصول کی تو وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے، لیکن جس شخص کو اچھے کھانے کھا کر لطف اور مزہ آتا ہو، جو عمل ازدواج میں لذت پاتا ہو اور جو اچھے کپڑے پہن کر خوش ہوتا ہو اور جس کو اپنے بچوں کو پیار کر کے راحت اور سکون ملے وہ یہ کہے کہ مجھے جنت نہیں چاہئے صرف اللہ کا دیدار چاہئے اور جنت کا حقارت سے ذکر کرے وہ اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے اور بناوٹی صوفی ہے۔

دوزخ سے نجات اور جنت کی طلب کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قیامت کے عذاب سے نجات اور مغفرت کی دعا کی ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ۔ (الشعراء: ۸۲)

اور جس سے میری امید وابستہ ہے کہ وہ قیامت کے دن میری (ظاہری) خطائیں معاف فرمائے گا۔

وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ○ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ○ (الشعراء: ۸۸-۸۷)

جس دن سب لوگ اٹھائے جائیں گے اس دن مجھے شرمندہ نہ کرنا۔ جس دن نہ مال نفع دے گا نہ بیٹے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جنت کے حصول کی دعا کی۔

وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ (الشعراء: ۸۵)

اور مجھے نعمت والی جنت کے وارثوں میں شامل کردے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت عظیم اولوالعزم نبی ہیں، جب وہ قیامت کے عذاب سے نجات اور جنت کے حصول کی دعا کر رہے ہیں تو یہ مدعیان تصوف جو ان کے گرد راہ کو بھی نہیں پہنچتے وہ کیسے دوزخ سے نجات اور جنت کی طلب سے مستغنی ہو سکتے ہیں!

دوزخ سے نجات اور جنت کی طلب کے ثبوت میں احادیث

امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی: اے اللہ! جبرائیل اور میکائیل کے رب یا فرمایا اسرافیل کے رب میں دوزخ کی گرمی اور عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا رسول اللہ ﷺ نماز میں یہ دعا کرتے تھے، اے اللہ! میں قبر کے

فتنہ ' اور دجال کے فتنہ ' اور زندگی اور موت کے فتنہ اور جہنم کی گرمی سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تین مرتبہ اللہ سے جنت کا سوال کیا تو جنت دعا کرتی ہے کہ اے اللہ اس کو جنت میں داخل کر دے اور جس شخص نے تین مرتبہ دوزخ سے پناہ مانگی تو دوزخ دعا کرتی ہے کہ اے اللہ! اس کو دوزخ سے پناہ میں رکھ۔ (سنن نسائی ج ۲ ص ۳۱۹ ' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کون صاحب اخلاص ہو گا بلکہ آپ سید المخلصین ہیں اور جب آپ نے خود دوزخ سے پناہ کی دعا کی ہے اور امت کو اس دعا کی تلقین کی ہے تو دوزخ سے پناہ طلب کرنے کا عمل گھٹیا اور معمولی کیسے ہو سکتا ہے۔

نیز امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا بہت زیادہ کرتے تھے : اے اللہ! ہمیں دنیا میں اچھائی عطا فرما اور آخرت میں اچھائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۴۵ ' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ' صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۴ ' مطبوعہ کراچی ' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی ص ۳۰۳ ' بیروت)

امام حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے یہ دعا تھی ' اے اللہ! ہم تجھ سے رحمت کے موجبات اور پختہ مغفرت کو طلب کرتے ہیں ' اور ہر گناہ سے سلامتی اور نیکی کی سہولت طلب کرتے ہیں اور جنت کی کامیابی اور تیری مدد سے دوزخ سے نجات طلب کرتے ہیں ' یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے (حافظ ذہبی نے اس حدیث کو بلا جرح نقل کیا ہے) (المستدرک ج ۱ ص ۵۲۵ ' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں سو درجے ہیں ہر دو درجوں میں آسمان اور زمین جتنا فاصلہ ہے اور فردوس سب سے بلند درجہ ہے اس سے جنت کے چار دریا بہہ رہے ہیں اور اس کے اوپر عرش ہے سو جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔

(کتاب صفۃ الجنۃ ' باب : ۴ ' ماجاء فی صفۃ درجات الجنۃ رقم الحدیث : ۲۵۳۱)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ دعا کرتے سنا : اے اللہ میں تجھ سے تمام نعمت کا سوال کرتا ہوں ' آپ نے پوچھا تمام نعمت کیا چیز ہے ' اس نے کہا میں نے جو دعا کی ہے میں اس سے خیر کی امید رکھتا ہوں ' آپ نے فرمایا تمام نعمت جنت میں داخل ہونا ہے اور دوزخ سے کامیابی حاصل کرنا ہے۔

(الجامع الصحیح ' کتاب الدعوات ' باب : ۹۴ ' حدیث : ۳۵۲۷ ' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۵-۲۳۱ ' الادب المفرد للبخاری ص ۱۸۸ ' مطبوعہ پاکستان)

امام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ بن رفاعہ انصاری روایت کرتے ہیں کہ بنو سلمہ کا ایک شخص تھا جس کا نام سلیم تھا ' وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے پاس گیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! جب ہم سو جاتے ہیں اس وقت ہمارے پاس حضرت معاذ بن جبل آتے ہیں' ہم دن بھر کام کاج میں مشغول رہتے ہیں' یہ اس وقت آ کر نماز کی اذان دیتے ہیں پھر ہم کو لمبی نماز پڑھاتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے معاذ بن جبل تم فتنہ ڈالنے والے نہ بنو' یا تم میرے ساتھ نماز پڑھو یا اپنی قوم کو تخفیف کے ساتھ نماز پڑھاؤ' پھر آپ نے سلیم سے پوچھا تمہیں کتنا قرآن یاد ہے؟ اس نے کہا میں اللہ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور دوزخ سے پناہ طلب کرتا ہوں' اس نے کہا بہ خدا آپ کی دعا اور معاذ کی دعا بہت حسین ہے' آپ نے فرمایا میری اور معاذ کی دعا صرف یہ ہے کہ ہم اللہ سے جنت کا سوال کرتے ہیں اور دوزخ سے اس کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۷۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول کی طلب اخلاص کے منافی نہیں ہے

ان تمام احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ نبی ﷺ نے خود بھی عذاب سے نجات کی اور جنت کے حصول کی دعا کی ہے اور امت کو بھی ان دعاؤں کی تلقین کی ہے' اس لیے کوئی شخص کتنا ہی بڑا صاحب اخلاص اور صوفی کیوں نہ ہو اسے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ اس کو اپنی پناہ میں رکھے اور جنت الفردوس عطا فرمائے اور یہ سمجھنا چاہیے اور یہ دعا کرنی چاہیے کہ ہر چند کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور اس کی ذات کے دیدار کے لائق نہیں ہے اور یہ اللہ کے اولی العزم بندوں اور مقربین کا حصہ ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ اس کے حال پر کرم فرمائے اور اس کو شرف ملاقات عطا کرے اور اپنے دیدار سے نوازے تو یہ اس پر اس کا بہت بڑا کرم ہے' امام اعظم ابو حنیفہ کو دیکھ کر کسی شخص نے کہا یہ تو جنتی شخص ہے' امام اعظم رونے لگے اور فرمایا میں کہاں جنت کے لائق ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے دوزخ کے عذاب سے نجات دے دی تو یہی اس کا مجھ پر بڑا کرم ہو گا' غور کیجئے ایک امام اعظم ہیں جو اپنے آپ کو جنت کے قابل نہیں سمجھتے تھے اور ایک اس زمانہ کے صوفیاء ہیں جو جنت کو اپنے لائق نہیں سمجھتے!

البتہ یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب انسان اللہ کی عبادت کرے تو عبادت میں صرف یہ نیت کرنی چاہیے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے' اللہ اس کا معبود ہے اور بندہ پر لازم ہے کہ اپنے معبود کی عبادت کرے اور اس کی اطاعت کرے' کسی غرض اور ثواب کی نیت سے عبادت نہ کرے' اگر اللہ تعالیٰ اجر و ثواب نہ بھی عطا کرے تب بھی اس کا مملوک اور اس کا بندہ ہونے کی وجہ سے اس پر اللہ کی عبادت اور اطاعت لازم ہے' اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اتباع بھی اس نیت سے کرے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور یہ امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم اور فضل سے جن عبادات پر اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے وہ ضرور اپنے کرم سے عطا فرمائے گا' اور اللہ تعالیٰ سے عذاب سے نجات اور جنت کے حصول اور اجر و ثواب کی دعا کرتا رہے کہ یہ بھی عبادت ہے اور اس کے حکم پر عمل کرنا اور اس کی اطاعت ہے اور جنت کی نعمتوں کو معاذ اللہ حقیر نہ جانے' اللہ تعالیٰ نے تو قرآن مجید میں جنت کی نعمتوں کو بہت عظمت اور شکوہ کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کو حقیر جاننا معاذ اللہ' اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے البتہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے ملاقات اور اس کا دیدار سب سے بڑی نعمت ہے لیکن یہ نعمت بھی جنت ہی میں حاصل ہو گی' بعض مدعیان محبت کہتے ہیں کہ ہم کو مدینہ چاہیے جنت نہیں چاہیے اور مدینہ کے مقابلہ میں جنت کو حقیر جانتے ہیں لیکن وہ یہ غور نہیں کرتے کہ مدینہ کی عظمت اور محبت اس وجہ سے ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا مسکن ہے لیکن وہ عارضی مسکن ہے اور جنت آپ کا دائمی مسکن ہے تو اگر حضور کے مسکن ہونے کی وجہ سے مدینہ محبوب ہے تو جنت کو زیادہ محبوب ہونا چاہیے کیونکہ وہ آپ کا دائمی مسکن ہے' نیز یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت

مدینہ کے جس حصہ میں آرام فرما ہیں وہ بھی جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے کیونکہ آپ نے فرمایا میرے منبر اور میرے حجرے کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۴۶) سو حضور ﷺ اب بھی جنت میں ہیں اور قیامت کے بعد بھی جنت میں ہوں گے تو اول آخر جنت ہی کو محبوب قرار دینا چاہیے' اور مدینہ منورہ کی محبوبیت جنت کے بعد ثانوی درجہ میں ہے۔ البتہ جس جگہ آپ کا جسد انور ہے وہ کعبہ' عرش اور جنت سے بھی افضل ہے اس پر تمام امت کا اجماع ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو اللہ کی عظیم رحمت سے آپ مسلمانوں کے لیے نرم ہوگئے اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو وہ ضرور آپ کے پاس سے بھاگ جاتے تو آپ ان کو معاف کر دیں اور ان کے لیے استغفار کریں۔

(آل عمران : ۱۵۹)

بعض مسلمان جنگ احد میں نبی ﷺ کے پاس سے بھاگ گئے تھے' بعد میں وہ آپ کے پاس لوٹ آئے' نبی ﷺ نے ان پر کوئی گرفت نہیں کی نہ سختی کی بلکہ نہایت نرم اور ملائم طریقہ سے ان سے گفتگو فرمائی' اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو معاف کر دیا ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی مسلمانوں پر اس نرمی کی تعریف فرمائی ہے۔

نبی ﷺ کے عفو و درگزر کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (الشعراء : ۲۱۵)

جن مسلمانوں نے آپ کی پیروی کی ان کے لیے اپنی رحمت کے بازو جھکا دیجئے۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ (الاعراف : ۱۹۹)

معاف کرنا اختیار کیجئے' نیکی کا حکم دیجئے' اور جاہلوں سے اعراض کیجئے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبہ : ۱۲۸)

بے شک تمہارے پاس تم میں سے ایک عظیم رسول آگئے ہیں جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا بہت دشوار ہے جو تمہاری (آسانی پر) بہت حریص ہیں اور ایمان والوں پر بہت شفیق اور بہت مہربان ہیں۔

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (القلم : ۴)

بے شک آپ بہت عظیم خلق پر فائز ہیں۔

نبی ﷺ کے عفو و درگزر اور حسن اخلاق کے متعلق احادیث

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے تقاضا کیا اور بہت بدکلامی کی' آپ کے اصحاب نے اس کو مارنے کا ارادہ کیا' آپ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو' کیونکہ صاحب حق کے لیے بات کرنے کی گنجائش ہوتی ہے اور ایک اونٹ خرید کر اس کا حق ادا کر دو' صحابہ نے کہا اس وقت جو اونٹ دستیاب ہیں اس کے اونٹ سے افضل ہیں۔ آپ نے فرمایا وہی خرید کر اس کو ادا کر دو' کیونکہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرض اچھی طرح ادا کرے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۲۳' ۳۲۱' ۳۰۹' طبع کراچی)

اگر وہ شخص کوئی مسلمان اعرابی تھا تو بدکلامی کا مطلب ہے اس نے قرض کی واپسی کا سختی سے مطالبہ کیا اور اگر وہ

شخص یہودی یا کافر تھا تو اس بد کلامی سے کفریہ کلام بھی مراد ہو سکتا ہے۔

سراقہ بن مالک کو معاف کر دینا

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے تو سراقہ بن مالک بن جعشم نے آپ کا پیچھا کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف دعا ضرر کی تو اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا' اس نے کہا آپ میرے لیے اللہ سے دعا کیجئے میں آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچاؤں گا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا کی۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

عبدالرحمن بن مالک المدلجی (سراقہ بن مالک کے بھتیجے) روایت کرتے ہیں کہ سراقہ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس کفار قریش کے قاصد آئے اور انہوں نے کہا قریش نے یہ اعلان کیا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کو قتل کرے گا یا ان کو گرفتار کر کے لائے گا تو ہر ایک کے بدلہ میں اس کو سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے' اسی وقت ایک شخص آیا اور اس نے کہا میں نے ساحل کے ساتھ ساتھ کچھ لوگ دیکھے ہیں اور میرا گمان ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب ہیں' میں نے اس کو ٹالنے کے لیے کہا وہ نہیں ہوں گے لیکن تم نے فلاں فلاں کو دیکھا ہو گا' میں تھوڑی دیر تک وہاں بیٹھا رہا پھر میں گھر گیا اور میں نے اپنی کنیز سے کہا کہ میری گھوڑی کو فلاں ٹیلے کے پیچھے لے جاؤ' میں اپنا نیزہ لے کر گھوڑی پر سوار ہوا حتی کہ میں ان کے قریب جا پہنچا پھر میں نے اپنے ترکش سے تیر نکال کر فال نکالی تو وہ میرے خلاف نکلی' لیکن میں نے فال والے تیر کی مخالفت کی اور آپ کا پیچھا کرتا رہا حتی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پڑھنے کی آواز سنی' آپ ادھر' ادھر نہیں دیکھ رہے تھے اور حضرت ابوبکر ادھر ادھر دیکھ رہے تھے اچانک میری گھوڑی کے دونوں اگلے پیر زمین میں دھنس گئے اور میں زمین پر گر گیا' میں نے اس کو ڈانٹا لیکن اس کے پیر زمین سے نہیں نکل سکے میں نے پھر تیر سے فال نکالی تو میرے خلاف نکلی' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کو امان دینے کا اعلان کیا' وہ ٹھہر گئے اور میں پھر اپنی گھوڑی پر سوار ہو کر ان کے پاس گیا اور جس وقت میری گھوڑی زمین میں دھنس گئی تھی اس وقت مجھے یہ خیال آیا کہ عنقریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین غالب ہو جائے گا' میں نے آپ کو بتایا کہ آپ کی قوم نے آپ کے اوپر سو اونٹوں کا انعام رکھا تھا اور یہ بتایا کہ قریش آپ کو قتل کرنے یا آپ کو گرفتار کرنے کے درپے ہیں اور میں نے آپ کو زاد راہ اور متاع پیش کیا' آپ نے اس کو قبول نہیں فرمایا اور مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا صرف اتنا فرمایا کہ ہمارے معاملہ کو مخفی رکھنا میں نے آپ سے یہ سوال کیا کہ آپ مجھے امان لکھ کر دے دیں' آپ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا اس نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر امان لکھ دی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مدینہ کی طرف) روانہ ہو گئے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۵۴' طبع کراچی)

غور کیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کو امان لکھ کر دے رہے ہیں جو سو اونٹوں کے انعام کے لالچ میں آپ کو قتل کرنے کے لیے نکلا تھا!

عمیر بن وہب کو معاف کر دینا

امام عبدالملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ روایت کرتے ہیں :

عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر میں قریش کی شکست کے بعد عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ حطیم کعبہ میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے' عمیر بن وہب قریش کے شیطانوں میں سے ایک بڑا شیطان تھا' اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور

آپ کے اصحاب کو بہت ایذاء پہنچایا کرتا تھا' اور مکہ میں آپ نے اور آپ کے اصحاب نے اس سے بہت تکلیفیں اٹھائی تھیں' عمیر کا بیٹا وہب بن عمیر بدر کے قیدیوں میں تھا' انہوں نے مقتولین بدر کا ذکر کیا' صفوان نے کہا خدا کی قسم ان کے بعد اب زندہ رہنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے' عمیر نے کہا تم نے سچ کہا' خدا کی قسم اگر میں نے قرض نہ دینا ہوتا جس کی میرے پاس گنجائش نہیں ہے اور مجھے اپنے بال بچوں کے ضائع ہو جانے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں ابھی روانہ ہوتا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر کے آتا' صفوان نے اس بات کو غنیمت جانا اور کہا تمہارے قرض کا میں ضامن ہوں اور تمہارے بال بچے میرے بال بچوں کے ساتھ رہیں گے اور جب تک وہ زندہ رہیں گے ان کا خرچ میں اٹھاؤں گا' اس معاہدہ کے بعد عمیر نے اپنی تلوار کو زہر میں ڈبویا اور مدینہ پہنچ گیا' حضرت عمر بن الخطاب صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے جنگ بدر کے متعلق باتیں کر رہے تھے' اچانک حضرت عمر نے دیکھا کہ عمیر بن وہب مسجد کے دروازہ پر گلے میں تلوار لٹکائے ہوئے کھڑا ہوا ہے' حضرت عمر نے کہا اللہ کا یہ دشمن ضرور کسی شر کی نیت سے آیا ہے' جنگ بدر کے دن یہی شخص فتنہ کی آگ بھڑکا رہا تھا' پھر حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور کہا اے اللہ کے نبی! یہ اللہ کا دشمن عمیر بن وہب ہے یہ تلوار لٹکائے ہوئے آیا ہے' آپ نے فرمایا اس کو میرے پاس لاؤ' حضرت عمر اس کو لے کر آئے اس کی گردن سے اس کی تلوار کی پیٹی پکڑی اور اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بٹھا دیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اے عمر اس کو چھوڑ دو' اور عمیر سے کہا میرے قریب آؤ اس نے کہا صبح بخیر یہ زمانہ جاہلیت کا سلام تھا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا اسلام تمہارے سلام سے بہتر ہے اور وہی اہل جنت کا سلام ہے' آپ نے اس سے پوچھا اے عمیر! تم کس لیے آئے ہو! اس نے کہا آپ کے پاس جو ہمارے قیدی ہیں ان کے متعلق یہ کہنے آیا ہوں کہ آپ ان پر احسان کریں' آپ نے فرمایا پھر تمہارے گلے میں یہ تلوار کیسی ہے؟ اس نے کہا ان تلواروں کے لیے خرابی ہو انہوں نے ہم سے کون سی مصیبت دور کر دی ہے! آپ نے فرمایا کیا تم سچ کہہ رہے ہو تم اسی لیے آئے ہو؟ اس نے کہا خدا کی قسم میں اسی لیے آیا ہوں' آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم اور صفوان بن امیہ صحن کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ تم نے مقتولین بدر کا ذکر کیا پھر تم نے کہا اگر مجھ پر قرض اور بچوں کی ذمہ داری نہ ہوتی تو میں ابھی روانہ ہو جاتا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر کے آتا' پھر صفوان اس شرط پر تمہارے قرض اور تمہارے بچوں کی کفالت کا ضامن ہو گیا کہ تم مجھے قتل کرو گے اور تمہارے اور تمہارے اس ارادہ کے پورا ہونے کے درمیان اللہ حائل ہو گیا' یہ سن کر عمیر نے بے ساختہ کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں' یا رسول اللہ پہلے ہم آسمانی خبروں اور وحی کے متعلق آپ کی تکذیب کرتے تھے' اور یہ ایسی خبر ہے جس کے موقع پر میرے اور صفوان کے سوا اور کوئی موجود نہیں تھا' خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ آپ کو یہ بات صرف اللہ نے بتائی ہے اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی' اس نے کلمہ شہادت پڑھا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تمہارا دینی بھائی ہے اس کو قرآن کی تعلیم دو' اور اس کے قیدی کو آزاد کر دو' پھر حضرت عمیر بن وہب مکہ چلے گئے اور اسلام کی تبلیغ کرنے لگے اور جس طرح پہلے مسلمانوں پر ظلم کرتے تھے اب مشرکین کے خلاف تیغ بے نیام رہتے تھے' ان کی تبلیغ سے بہت لوگ مسلمان ہو گئے۔

(السیرۃ النبویہ ج ۲ ص ۲۷۲' الروض الانف ج ۳ ص ۱۱۴-۱۱۳' بیروت' الاستیعاب رقم: ۲۰۲۰' اسد الغابہ رقم: ۴۰۹۶' الاصابہ رقم: ۶۰۷۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادہ سے زہر میں بجھی ہوئی تلوار لے کر

آیا وہ آپ کی نرمی اور حسن اخلاق کو دیکھ کر نہ صرف مسلمان ہوا بلکہ اسلام کا مبلغ بن گیا!

عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھانا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی ابن سلول فوت ہو گیا تو اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تو میں دوڑ کر آپ کے پاس گیا میں نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں؟ حالانکہ اس نے فلاں دن یہ اور یہ کہا تھا (کہ مدینہ پہنچ کر عزت والے ذلت والوں کو نکال دیں گے اور یہ کہا تھا کہ جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں جب تک وہ آپ کا ساتھ چھوڑ نہ دیں اس وقت تک ان پر خرچ نہ کرو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بدکاری کی تہمت لگائی تھی جس سے آپ کو سخت رنج پہنچا تھا' اور آپ سے کہا تھا کہ اپنی سواری دور کرو مجھے اس سے بدبو آتی ہے' جنگ احد میں عین لڑائی کے وقت اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر لشکر سے نکل گیا) میں آپ کو یہ تمام باتیں گنواتا رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرما کر کہا۔ "اپنی رائے کو رہنے دو" جب میں نے بہت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا مجھے اختیار دیا گیا ہے (کہ استغفار کرو یا نہ کرو) سو میں نے (استغفار کرنے کو) اختیار کر لیا' اور اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ اگر میں نے ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کیا تو اس کی مغفرت کر دی جائے گی تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا' حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔ الحدیث (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۷۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملہ میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا میری قمیص اور اس پر میری نماز جنازہ اس سے اللہ کے عذاب کو دور نہیں کر سکتی اور بے شک مجھے یہ امید ہے کہ میرے اس عمل سے اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئیں گے۔ (جامع البیان ج ۱۰ ص ۱۴۲' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

سو آپ کی اس نرمی اور حسن اخلاق کو دیکھ کر عبداللہ بن ابی کی قوم کے ایک ہزار آدمی اسلام لے آئے۔

فتح مکہ کے بعد ابو سفیان اور ہند کو معاف کر دینا

امام ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المتوفی ۶۳۰ھ بیان کرتے ہیں :

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا تو ابو سفیان بن الحارث اور عبداللہ بن ابی امیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ان کی سفارش کی' ابو سفیان نے کہا اگر مجھے باریاب ہونے کی اجازت نہیں ملی تو میں اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر زمین میں نکل جاؤں گا اور بھوکا پیاسا مر جاؤں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو آپ کا دل نرم ہو گیا اور آپ نے ان کو اجازت دے دی اور انہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا' ایک قول یہ ہے کہ حضرت علی نے ابو سفیان سے کہا تم حضور کے سامنے کی طرف سے جانا اور آپ سے وہی کہنا جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف سے کہا تھا۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے اور بے شک ہم ہی قصوروار تھے' انہوں نے اسی طرح کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج کے دن تم پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو معاف فرمائے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے' آپ نے ان کو قریب بٹھایا اور

انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور ابو سفیان نے اپنی پچھلی تمام زیادتیوں پر معافی مانگی' ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عباس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ! ابو سفیان فخر کو پسند کرتا ہے' اس کو کوئی ایسی چیز عنایت کیجئے جس کی وجہ سے یہ اپنی قوم میں فخر کرے' آپ نے فرمایا ٹھیک ہے جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گا اس کو امان ہے اور جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہو گا اس کو امان ہے اور جو شخص مسجد میں داخل ہو گیا اس کو امان ہے اور جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کرلیا اس کو امان ہے۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۱۶۲-۱۶۴' مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت)

جب آپ کے سامنے ہند کو پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا کیا یہ ہند ہے؟ ہند نے کہا میں ہند ہوں' اللہ آپ کو معاف فرمائے آپ میری پچھلی باتوں کو معاف کر دیجئے' ہند کے ساتھ اور بھی عورتیں تھیں۔ آپ نے ان سے عہد لیا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی' چوری نہیں کریں گی' بدکاری نہیں کریں گی' اولاد کو قتل نہیں کریں گی کسی بے قصور پر بہتان نہیں باندھیں گی' کسی نیک کام میں حضور کی نافرمانی نہیں کریں گی' پھر آپ نے حضرت عمر سے فرمایا ان سے بیعت لو' اور ان سب کے لیے مغفرت کی دعا کی۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۱۷۲-۱۷۱' مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت)

ابو سفیان نے متعدد بار مدینہ پر حملے کیے تھے اور ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں پیش پیش رہا تھا' آپ نے ابو سفیان پر قابو پانے کے بعد اس کو معاف کر دیا' ہند نے آپ کے محبوب چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکال کر کچا چبایا تھا مکہ فتح کرنے کے بعد آپ نے اس کو بھی معاف کر دیا۔

فتح مکہ کے بعد صفوان بن امیہ کو معاف کر دینا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ صفوان بن امیہ (یہی وہ شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے عمیر بن وہب کو مدینہ بھیجا تھا) جدہ جانے کے لئے مکہ سے نکلا تاکہ جدہ سے یمن چلا جائے' حضرت عمیر بن وہب نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! صفوان بن امیہ اپنی قوم کا سردار ہے اور وہ آپ کے خوف سے بھاگ رہا ہے تاکہ اپنے آپ کو سمندر میں گرا دے آپ اس کو امان دے دیجئے' آپ نے فرمایا اس کو امان ہے' انہوں نے کہا یا رسول اللہ! مجھ کو کوئی ایسی چیز عنایت کیجئے جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ آپ نے اس کو امان دے دی ہے' نبی ﷺ نے ان کو اپنا وہ عمامہ عطا فرمایا جس کو پہن کر آپ مکہ میں داخل ہوئے تھے' حضرت عمیر وہ عمامہ لے کر گئے اور ان کو جدہ میں جا لیا اس وقت وہ جہاز میں سوار ہونے کا ارادہ کر رہے تھے' انہوں نے کہا اے صفوان! اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے بجائے اپنے دل میں اللہ کو یاد کرو' دیکھو یہ امان ہے جو میں تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ سے لے کر آیا ہوں' صفوان نے کہا تم چلے جاؤ' حضرت عمیر نے کہا اے صفوان' وہ سب سے زیادہ افضل' سب سے زیادہ نیک' سب سے زیادہ حلیم اور سب سے اچھے ہیں' حضرت عمیر رضی اللہ عنہ صفوان کو حضور کے پاس لے آئے' صفوان نے رسول اللہ ﷺ سے کہا' اس کا یہ کہنا ہے کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے! آپ نے فرمایا اس نے سچ کہا' صفوان نے کہا مجھے اسلام لانے کے لیے دو ماہ کی مہلت دیجئے' آپ نے فرمایا میں تمہیں چار ماہ کی مہلت دیتا ہوں۔ (جامع البیان ج ۲ ص ۳۳۹-۳۳۸' مطبوعہ بیروت' کتاب المغازی للواقدی ج ۲ ص ۸۵۳' الکامل لابن الاثیر ج ۲ ص ۱۶۸' البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۰۸)

فتح مکہ کے بعد عکرمہ بن ابی جہل کو معاف کر دینا

امام ابن اثیر شیبانی متوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

عکرمہ بن ابی جہل بھی رسول اللہ ﷺ کو ایذا پہنچانے، آپ سے عداوت رکھنے اور آپ کے خلاف جنگوں میں پیسہ صرف کرنے میں اپنے باپ کی مثل تھا، جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ کو فتح کر لیا تو اس کو اپنی جان کا خوف ہوا اور وہ یمن کی طرف بھاگ گیا، لیکن اس کی بیوی ام حکیم بنت الحارث مسلمان ہو گئیں اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عکرمہ کے لیے امان طلب کی، اور اپنے ساتھ ایک رومی غلام لے کر اس کو ڈھونڈنے نکلیں، انہوں نے عرب کے بعض قبیلوں کی مدد سے عکرمہ کو جالیا، اس وقت عکرمہ سمندر کے سفر کا ارادہ کر رہے تھے، ام حکیم نے کہا میں تمہارے پاس اس شخص کے ہاں سے آئی ہوں جو لوگوں میں سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں، سب سے زیادہ حلیم ہیں اور سب سے زیادہ کریم ہیں، اور انہوں نے تم کو امان دے دی ہے، جب عکرمہ رسول اللہ کے پاس پہنچے تو رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے، پھر عکرمہ مسلمان ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ سے یہ درخواست کی کہ وہ اس کے لیے استغفار کریں پھر آپ نے ان کے لیے استغفار کیا۔ (الکامل فی التاریخ ج ۲ ص ۱۶۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ روایت کرتے ہیں:

جب عکرمہ کشتی میں سوار ہوئے تو سخت تیز ہوا چلی انہوں نے اس وقت لات اور عزی کو پکارا، کشتی والوں نے کہا اس موقع پر اخلاص کے ساتھ صرف اللہ وحدہ لاشریک کو پکارا جائے اور کسی کو پکارنا جائز نہیں، عکرمہ نے سوچا اگر سمندر میں صرف اسی کی الوہیت ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں ہے تو پھر خشکی میں بھی وہی وحدہ لاشریک ہے اور انہوں نے اللہ کی قسم کھا کر دل میں عہد کیا کہ وہ ضرور (سیدنا) محمد (ﷺ) کے پاس جا کر رجوع کریں گے۔ سو انہوں نے آپ کے پاس جا کر آپ سے بیعت کر لی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۱۷ ص ۱۳۴)

نیز امام ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ بیان کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ جس روز میں رسول اللہ ﷺ کے پاس ہجرت کر کے پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: راکب (سوار) مہاجر کو خوش آمدید ہو، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی میں کیا کہوں؟ فرمایا کہو: اشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ میں نے عرض کیا: میں پھر کیا کہوں فرمایا: کہو: اے اللہ! میں تجھے گواہ کرتا ہوں کہ میں مہاجر اور مجاہد ہوں، سو انہوں نے اسی طرح کہا، پھر نبی ﷺ نے فرمایا تم مجھ سے جس کسی ایسی چیز کا سوال کرو گے جو میں لوگوں کو عطا کر رہا ہوں گا تو میں وہ تم کو ضرور عطا کروں گا، حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں آپ سے کسی مال کا سوال نہیں کروں گا، میں قریش میں بہت زیادہ مالدار ہوں، لیکن میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ آپ میرے لیے مغفرت کی دعا کریں اور کہا میں نے پہلے جتنا مال لوگوں کو اللہ کی راہ میں روکنے کے لیے خرچ کیا تھا۔ خدا کی قسم اگر اللہ نے مجھے لمبی زندگی دی تو میں اس سے دگنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کروں گا۔

ایک اور روایت میں ہے جب عکرمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو رسول اللہ ﷺ فرط خوشی سے کھڑے ہو گئے، اور فرمایا اس مہاجر کو مرحبا ہو!

(مختصر تاریخ دمشق ج ۱۷ ص ۱۳۳-۱۳۲، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ کتاب المغازی للواقدی ج ۲ ص ۸۵۱، تاریخ الامم والملوک ج ۲ ص

۳۳۱ البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۲۹۸، سیرۃ النبویہ لابن ہشام مع الروض الانف ج ۲ ص ۲۷۸)

فتح مکہ کے بعد (طائف میں) وحشی کو معاف کر دینا

وحشی بن حرب، جبیر بن مطعم کے غلام تھے، ایک قول یہ ہے کہ بنت الحارث بن عامر کے غلام تھے، حارث بن عامر کی بیٹی نے ان سے کہا میرا باپ جنگ بدر میں قتل کر دیا گیا تھا اگر تم نے (سیدنا) محمد (ﷺ) حمزہ یا علی بن ابی طالب ان تینوں میں سے کسی ایک کو قتل کر دیا تو تم آزاد ہو، جنگ احد میں وحشی نے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا تھا، اور اس قتل سے رسول اللہ ﷺ کو بہت اذیت پہنچی تھی، جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو یہ جان کے خوف سے طائف بھاگ کر چلے گئے تھے، پھر ایک وفد کے ساتھ آ کر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی اور کلمہ پڑھ لیا، حافظ ابن عساکر نے ان کے اسلام قبول کرنے کا بہت تاثر انگیز واقعہ نقل کیا ہے۔

حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ روایت کرتے ہیں :

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی کو بلایا اور ان کو اسلام کی دعوت دی، وحشی نے کہا : اے محمد! (ﷺ) آپ مجھے کس طرح اپنے دین کی دعوت دے رہے ہیں حالانکہ میں نے شرک کیا ہے، قتل کیا ہے اور زنا کیا ہے اور آپ یہ پڑھتے ہیں :

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ (الفرقان : ۶۹ - ۶۸)

اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ (مثلاً قصاص میں) اور زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسا کرے گا وہ سزا پائے گا ۝ قیامت کے دن اس کے عذاب کو دگنا کر دیا جائے گا اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ ذلت کے ساتھ رہے گا۔

جب وحشی نے یہ کہا تو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ پر یہ آیت نازل کر دی :

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (الفرقان : ۷۰)

لیکن جو (موت سے پہلے) توبہ کرلے، اور ایمان لے آئے اور نیک کام کرے تو اللہ ان لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

وحشی نے کہا : اے محمد! (ﷺ) یہ بہت سخت شرط ہے کیونکہ اس میں ایمان لانے سے پہلے کے گناہوں کا ذکر ہے، ہو سکتا ہے مجھ سے ایمان لانے کے بعد گناہ ہو جائیں تو پھر ایمان لانے کے بعد اگر میری بخشش نہ ہو تو پھر میرے ایمان لانے کا کیا فائدہ!

تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی :

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ (النساء : ۴۸)

بے شک اللہ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا، اور اس کے علاوہ جو گناہ ہو اسے جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

وحشی نے کہا اے محمد! (ﷺ) اس آیت میں تو مغفرت اللہ کے چاہنے پر موقوف ہے، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ مجھے بخشنا

نہ چاہے پھر میرے ایمان لانے کا کیا فائدہ! تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی :

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (الزمر : ۵۳)

آپ کہئے کہ اے میرے بندو! جو اپنی جانوں پر زیادتیاں کر چکے ہو! اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بے شک وہی بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔

وحشی نے کہا اب مجھے اطمینان ہوا پھر اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا' صحابہ نے پوچھا یہ بشارت آیا صرف وحشی کے لیے ہے یا سب کے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا سب کے لیے ہے۔

حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ وحشی امان طلب کر کے آیا اور پھر رسول اللہ ﷺ سے اسلام قبول کرنے کے متعلق یہی شرائط پیش کیں اور آپ نے یہی جوابات دیئے۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲۶ ص ۲۶۳۔ ۲۶۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

غور فرمائیے رسول اللہ ﷺ اس شخص کی ایک ایک شرط پوری کر کے اور اس کا ایک ایک ناز اٹھا کر اس کو کلمہ پڑھا رہے ہیں اور جنت کا راستہ دکھا رہے ہیں جو آپ کے انتہائی عزیز چچا کا قاتل تھا' اگر کوئی شخص ہمارے کسی عزیز رشتہ دار کو قتل کر کے ہم سے دنیا کی کسی جگہ کا راستہ پوچھے تو ہم اس سے بات کرنا بھی گوارہ نہیں کرتے تو ان کے ظرف کی عظمت کا کیا کہنا جو ایسے شخص کا ایک ایک نخرہ پورا کر کے اسے جنت کا راستہ دکھا رہے ہیں!

ہبار بن الاسود کو معاف کر دینا

امام محمد بن عمر واقدی متوفی ۲۰۷ھ روایت کرتے ہیں :

ہبار بن اسود کا جرم یہ تھا کہ اس نے نبی ﷺ کی صاحبزادی حضرت سیدتنا زینب رضی اللہ عنہا کو پشت میں نیزہ مارا تھا اس وقت وہ حاملہ تھیں وہ گر گئیں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا' جس وقت نبی ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ مدینہ میں بیٹھے ہوئے تھے اچانک ہبار بن اسود آ گیا وہ بہت فصیح اللسان تھا اس نے کہا : اے محمد! (ﷺ) جس نے آپ کو برا کہا اس کو برا کہا گیا۔ میں آپ کے پاس اسلام کا اقرار کرنے آیا ہوں' پھر اس نے کلمہ شہادت پڑھا' رسول اللہ ﷺ نے اس کا اسلام قبول کر لیا' اس وقت نبی ﷺ کی کنیز سلمہ آئیں اور انہوں نے ہبار سے کہا اللہ تیری آنکھوں کو ٹھنڈا نہ کرے تو وہی ہے جس نے فلاں کام کیا تھا اور فلاں کام کیا تھا' آپ نے فرمایا اسلام نے ان تمام کاموں کو مٹا دیا' اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو برا کہنے اور اس کے پچھلے کام گنوانے سے منع فرمایا۔ (کتاب المغازی للواقدی ج ۲ ص ۸۵۸۔ ۸۵۷' مطبوعہ عالم الکتب' بیروت)

منافقوں اور دیہاتیوں سے درگزر کرنا

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ مال تقسیم کیا۔ انصار میں سے ایک شخص نے کہا خدا کی قسم! محمد (ﷺ) نے اس تقسیم سے اللہ کی رضاجوئی کا ارادہ نہیں کیا' میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر اس بات کی خبر دی' تو رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم فرمائے ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی تھی اور انہوں نے اس پر صبر کیا تھا۔ (صحیح بخاری ج ۳ ص ۸۹۵' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام واقدی متوفی ۲۰۷ھ نے بیان کیا ہے کہ اس شخص کا نام معتب بن قشیر تھا اور یہ منافق تھا' اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اگر خیر خواہی کی نیت سے کسی شخص سے اس کے متعلق کہا ہوا قول بیان کیا جائے کہ فلاں شخص آپ کے

متعلق یہ کہہ رہا تھا تو یہ چغلی نہیں ہے اور نہ ممنوع ہے ورنہ رسول اللہ ﷺ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرماتے تم چغلی کیوں کر رہے ہو؟ چغلی اس وقت ہوتی ہے جب کوئی شخص فساد ڈالنے اور دو آدمیوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے کی نیت سے ایک کی بات دوسرے شخص تک پہنچاتا ہے اور اس حدیث میں آپ کی نرمی اور ملائمت کا بیان بالکل واضح ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا اس وقت آپ ایک نجرانی (یمنی) چادر اوڑھے ہوئے تھے راستہ میں ایک اعرابی (دیہاتی) ملا اس نے بہت زور سے آپ کی چادر کھینچی حضرت انس کہتے ہیں کہ اس کے زور سے کھینچنے کی وجہ سے نبی ﷺ کے دو کندھوں کے درمیان چادر کا نشان پڑ گیا تھا۔ پھر اس نے کہا اے محمد (ﷺ) آپ کے پاس جو اللہ کا مال ہے اس میں سے مجھے دینے کا حکم دیجئے۔ نبی ﷺ اس کی طرف متوجہ ہو کر مسکرائے پھر اس کو مال دینے کا حکم دیا۔ (کتاب المغازی ج ۲ ص ۹۰۰ مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

اس حدیث میں نبی ﷺ کی نرمی حسن اخلاق اور برائی کا جواب اچھائی سے دینے کا واضح بیان ہے۔

عفو اور درگزر کے متعلق قرآن مجید کی آیات

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (الاعراف: ۱۹۹)

معاف کرنا اختیار کیجئے نیکی کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے اعراض کیجئے۔

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ (النور: ۲۲)

(اور اہل فضل کو چاہئے) کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے۔

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ (الشوریٰ: ۳۷)

اور جو لوگ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچتے ہیں اور جب وہ غضبناک ہوں تو معاف کر دیتے ہیں۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ: ۴۰)

برائی کا بدلہ اسی کی مثل برائی ہے پھر جو معاف کر دے اور اصلاح کرے تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (الشوری: ۴۳)

اور البتہ جو صبر کرے اور معاف کر دے تو یقیناً ضرور یہ ہمت والوں کے کاموں میں سے ہے۔

عفو اور درگزر کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا بندے کے معاف کرنے سے اللہ اس کی عزت ہی بڑھاتا ہے اور جو شخص بھی اللہ کی رضا کے لیے عاجزی کرتا ہے اللہ اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۱ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

اس حدیث میں جو عزت بڑھانے کا ذکر ہے اس کے دو محمل ہیں ایک یہ کہ جس کا قصور معاف کیا جائے اس کے دل میں معاف کرنے والے کی عزت بڑھ جاتی ہے اور دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں معاف کرنے والے کی عزت بڑھائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نرمی سے محروم رہا وہ خیر سے محروم رہا۔
(صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ رفیق ہے اور رفق اور نرمی کو پسند کرتا ہے۔ وہ نرمی کی وجہ سے اتنی چیزیں عطا فرماتا ہے جو سختی کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے عطا نہیں فرماتا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص بڑا پہلوان نہیں ہے جو لوگوں کو پچھاڑ دے بڑا پہلوان تو وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت خود کو قابو میں رکھ سکے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۶)

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو شخص لڑے' دو میں سے ایک کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور گردن کی رگیں پھول گئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ایک ایسا کلمہ معلوم ہے اگر وہ کلمہ یہ شخص کہہ دے تو اس کا غصہ چلا جائے گا' وہ کلمہ یہ ہے: اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ الحدیث (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۲۶)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بھی تکلیف پہنچائی گئی آپ نے اس کا کبھی بدلہ نہیں لیا حتی کہ اللہ کی حدود کو توڑا جائے تو پھر آپ اللہ کی وجہ سے انتقام لیتے تھے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں سے زیادہ آسان چیز کو اختیار فرماتے' بہ شرطیکہ وہ گناہ نہ ہو' اور اگر وہ گناہ ہوتا تو آپ سب سے زیادہ اس سے دور رہنے والے تھے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنی ذات کے لیے انتقام نہیں لیا' الا یہ کہ کوئی شخص اللہ کی حدود کی خلاف ورزی کرے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو و درگذر کے مختلف محامل

جب کفار نے آپ کے سر پر پتھر مار کر آپ کا خون بہایا تو آپ نے دعا کی کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے' یا جب کسی نے آپ کو سختی سے آواز دی یا جس نے آپ کی چادر کو اس زور سے کھینچا کہ آپ کی گردن میں نشان پڑ گیا اور اس نے آپ سے کہا آپ مجھے اپنے مال یا اپنے باپ کے مال سے نہیں دیتے تو آپ ہنسے اور اس کو مال دینے کا حکم دیا' اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر' حلم' حق کو قائم کرنے اور دین پر تصلب کی دلیل ہے' اور یہی آپ کا خلق حسن ہے کیونکہ اگر آپ اللہ کی حدود کو قائم نہ کرتے تو اس سے دین میں ضعف ہوتا' اور اگر آپ اپنے نفس کا انتقام لیتے تو یہ صبر اور حلم کے خلاف ہوتا آپ نے ان دونوں مذموم طریقوں کو ترک کر کے متوسط طریقہ کو اختیار فرمایا۔

جس منافق شخص نے آپ سے یہ کہا تھا کہ اس تقسیم سے اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا' آپ نے اس شخص کی تالیف قلب کے لیے اس کو معاف کر دیا' یا اس کی قوم کی تالیف کے لیے اس کو معاف کر دیا' اور جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین آمیز کلام کہتا ہے اس کے کفر پر مسلمانوں کا اجماع ہے' نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم منافقین سے اس لیے درگذر کرتے تھے کہ لوگ آپ سے دور نہ ہوں اور لوگ یہ نہ کہیں کہ آپ اپنے اصحاب کو قتل کر رہے ہیں کیونکہ منافق بہ ظاہر مسلمان تھے'

کبھی آپ تالیف قلب کے لیے ذمی کافر سے بھی درگزر کر لیتے تھے اور کبھی کافر حربی سے اس لیے درگزر فرما لیتے تھے کہ اس نے احکام اسلام کا التزام نہیں کیا تھا۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو آپ ان کو معاف کر دیں اور ان کے لیے استغفار کریں اور (اہم) کاموں میں ان سے مشورہ لیں (آل عمران: ۱۵۹)
ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مسلمانوں پر نرمی اور شفقت کرنے کا بہ تدریج حکم دیا ہے' پہلے آپ کو یہ حکم دیا کہ جنگ احد میں جن مسلمانوں سے تقصیر ہو گئی ہے آپ ان کو معاف کر دیں پھر آپ کو یہ حکم دیا کہ آپ ان کے لیے اللہ سے استغفار کریں اور شفاعت طلب کریں اور جب وہ اس درجہ پر پہنچ جائیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے اور یہ اہم قومی معاملات میں مشورہ دینے کے اہل ہو جائیں تو پھر آپ ان سے مشورہ کریں۔

مشورہ کا لغوی اور عرفی معنی

علامہ راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:
مشاورت اور مشورہ کا معنی ہے: بعض کا بعض کی طرف رجوع کر کے ان کی رائے کو حاصل کرنا' جب عرب والے کسی جگہ سے شہد کو نکالتے ہیں اور حاصل کرتے ہیں تو کہتے ہیں "شرت العسل" جس امر میں مشورہ طلب کیا جائے اس کو شوریٰ کہتے ہیں۔
قرآن مجید میں ہے: "وامرهم شورىٰ بينهم" "اور ان کا کام باہمی مشورہ سے ہوتا ہے۔
(المفردات ص ۲۷۰' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۶۲ھ)
مشورہ کے ذریعہ مختلف آراء ظاہر ہوتی ہیں' اور مشورہ طلب کرنے والا ان مختلف آراء میں غور و فکر کرتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ کس کی رائے کتاب و سنت' حکمت اور موقع اور محل کے مناسب ہے اور جب اللہ اسے کسی رائے کی طرف ہدایت دے دے تو وہ اس رائے پر عمل کرنے کا عزم کرے اور اللہ پر توکل کر کے اس رائے کو نافذ کر دے۔

مشورہ کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہے۔
(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۴۳' مطبوعہ لاہور)
حافظ نور الدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں:
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے استخارہ کیا وہ نامراد نہیں ہو گا' اور جس نے مشورہ کیا وہ نادم نہیں ہو گا' اور جس نے میانہ روی کی وہ کنگال نہیں ہو گا' اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط اور معجم صغیر میں روایت کیا ہے اور اس کی سند میں عبد السلام بن عبد القدوس ایک ضعیف راوی ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور اس میں کسی مسلمان شخص سے مشورہ کرے' اللہ تعالیٰ اس کو درست کام کی ہدایت دے دیتا ہے' اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے اس کی سند میں عمرو بن الحصین العقیلی متروک راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۹۶ ' مطبوعہ دار الکتاب العربی ' ۱۴۰۲ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ سے مشورہ لینے کا حکم کیوں دیا گیا

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مسائل اور معاملات میں امکان وحی کے باوجود اجتہاد کرنا جائز ہے ' اور ظن غالب پر عمل کرنا صحیح ہے ' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے ' اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کن امور میں اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ' بعض علماء نے کہا اس کا تعلق جنگی چالوں سے ہے کہ جب دشمن کا سامنا ہو تو اس کا مقابلہ کرنے کے لیے کس طریقہ پر عمل کیا جائے ' اور اس کی حکمت یہ ہے کہ صحابہ کرام کی تالیف قلب کی جائے ' اور جنگ احد میں شکست کی وجہ سے جو صحابہ کرام دل شکستہ ہو گئے تھے ان کی دلجوئی کی جائے ' اور ان کے مرتبہ کی بلندی ا کو ظاہر کیا جائے۔ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ ان کی رائے سے مستغنی ہے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کر کے صحیح سمت کی طرف آپ کی رہنمائی پر قادر ہے ' قتادہ ' ربیع ' ابن اسحاق اور امام شافعی وغیرہ کی یہی رائے ہے کیونکہ عرب سرداروں سے جب کسی اہم معاملہ میں مشورہ نہ لیا جائے تو ان پر گراں گزرتا تھا ' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ اہم جنگی معاملات میں ان سے مشورہ کریں اس سے ان کی قدر افزائی اور دلجوئی ہو گی۔

حسن بصری اور ضحاک نے یہ بیان کیا ہے کہ جن معاملات میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل نہیں کی ان میں آپ کو اپنے صحابہ سے مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے ' اس وجہ سے نہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کو ان کے مشورہ کی حاجت ہے بلکہ اس لیے کہ ان کو مشورہ کی تعلیم دی جائے ' ان کو مشورہ کی فضیلت کا علم ہو اور آپ کے بعد آپ کی امت مشورہ کرنے میں آپ کی اقتداء اور اتباع کرے۔ امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبدالرحمن بن غنم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا اگر تم دونوں کسی مشورہ پر متفق ہو جاؤ تو میں تمہاری مخالفت نہیں کروں گا۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۲۲۷) اور علامہ آلوسی نے امام ابن عدی اور امام بیہقی کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے: جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ اور اس کا رسول مشورہ سے مستغنی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مشورہ کو میری امت کے لیے رحمت بنا دیا ہے۔ (روح المعانی: ج ۴ ص ۱۰۷)

کس قسم کے لوگوں سے مشورہ کیا جائے

مشورہ اس شخص سے طلب کرنا چاہیے جو عالم دین ہو اور صاحب فہم و فراست ہو ' اور جب کسی ایسے شخص سے مشورہ لیا جائے اور وہ اس مسئلہ کا صحیح حل معلوم کرنے کی پوری کوشش کرے اس کے باوجود اگر اس کو خطا لاحق ہو جائے تو اس کو ملامت نہیں کی جائے گی۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جو بندہ مشورہ لے وہ کبھی بدبخت نہیں ہوتا اور جو بندہ خود رائے ہو اور دوسروں کے مشوروں سے مستغنی ہو وہ کبھی نیک بخت نہیں ہوتا ' بعض علماء نے کہا ہے کہ کسی تجربہ کار شخص سے مشورہ لینا چاہیے ' کیونکہ وہ تم کو ایسی چیز بتلائے گا جس میں وہ زیادہ تر کامیاب رہا ہو گا ' امام اور خلیفہ کو نصب کرنا کس قدر اہم مسئلہ تھا لیکن حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو ارباب حل و عقد کے باہمی مشورہ اور اتفاق پر

چھوڑ دیا' امام بخاری نے کہا نبی ﷺ کے بعد ائمہ مباح کاموں میں امین لوگوں اور علماء سے مشورہ کیا کرتے تھے' سفیان ثوری نے کہا متقی اور امانت دار شخص سے مشورہ کرنا چاہیے۔ حسن بصری نے کہا خدا کی قسم! جو لوگ مشورہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی صحیح حل کی طرف رہنمائی کر دیتا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۲۵۱-۲۵۰' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب آپ (کسی کام کا) عزم کر لیں تو اللہ پر توکل کریں بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔ (آل عمران: ۱۵۹)

کسی کام کو کرنے کے پختہ ارادہ کو عزم کہتے ہیں۔ نیت' عزم اور قصد یہ الفاظ مترادفہ ہیں' اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب آپ اپنے اصحاب سے مشورہ کر کے کسی کام کا عزم کر لیں تو اس مشورہ پر توکل نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل کریں اور جب آپ اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے کسی کام کا عزم کر لیں تو پھر اس کام سے رجوع نہ کریں' جس طرح جنگ احد میں جب مسلمانوں سے مشورہ کیا گیا' تو نبی ﷺ اور پختہ کاروں کی رائے یہ تھی کہ شہر کے اندر رہ کر کافروں سے مدافعانہ جنگ کی جائے اور بعض نوجوان مسلمانوں کی رائے یہ تھی کہ شہر سے باہر نکل کر جنگ کی جائے' نبی ﷺ نے اس رائے کو قبول کر لیا اور جمعہ کی نماز کے بعد گھر گئے اور ہتھیار پہن کر باہر آئے' وہ نوجوان صحابہ نادم ہوئے کہ ہم نے حضور ﷺ کی بات نہیں مانی' انہوں نے آپ سے معذرت کی اور اپنی رائے سے رجوع کر لیا' نبی ﷺ نے فرمایا جب نبی ہتھیار پہن لے تو بغیر جنگ کیے اس کے لیے ہتھیار اتارنا جائز نہیں ہے' اور یہی اس آیت پر عمل ہے کہ جب آپ نے مسلمانوں سے مشورہ کے بعد اللہ پر توکل کر کے کسی کام کا عزم کر لیا ہے تو پھر اس سے رجوع نہ کریں اور اس کام کو کر ڈالیں۔

توکل کا معنی

علامہ محمد بن اثیر جزری متوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

توکل کا معنی ہے ضامن ہونا' حدیث مرفوع میں ہے: جو شخص دو جبڑوں اور دو ٹانگوں کے درمیان کا متوکل (ضامن) ہوا' میں اس کے لیے جنت کا متوکل (ضامن) ہوں' یعنی جس نے اپنے منہ کو حرام کھانے اور فرج کو حرام کاری سے بچایا میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں' اور توکل کا معنی پناہ میں دینا بھی ہے' حدیث میں ہے مجھے پلک جھپکنے کے لیے بھی غیر کے توکل (پناہ) میں نہ دے یا غیر کے سپرد نہ کر' اور توکل کا معنی اعتماد کرنا اور سپرد کرنا ہے' اور کسی معاملہ میں اللہ پر توکل کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس معاملہ کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے اور اس میں اللہ پر اعتماد کیا جائے۔

(النہایہ ج ۵ ص ۲۲۱' مطبوعہ مؤسسہ مطبوعاتے ایران' ۱۳۶۴ھ)

امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

جب انسان پر یہ منکشف ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی فاعل نہیں ہے اور خلق ہو یا رزق ہو' دینا ہو یا روکنا ہو' زندہ کرنا ہو' یا مارنا ہو' غنا ہو یا فقر ہو ہر چیز اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو پھر وہ اپنی ضرورتوں میں غیر کی طرف نہیں دیکھے گا' اس کے دل میں اسی کا خوف ہو گا اور اسی سے امید ہو گی اسی پر بھروسہ ہو گا اور اسی پر اعتماد ہو گا کیونکہ صرف وہی مستقل فاعل ہے اور باقی چیزیں اس کے مسخر اور تابع ہیں' آسمان اور زمین میں سے کوئی ذرہ خود بہ خود حرکت نہیں کر سکتا' اور جو شخص سبزہ اور فصل کی پیداوار میں بادل' بارش اور ہواؤں پر اعتماد کرتا ہے وہ فاعل حقیقی سے غافل ہے اور ایک قسم کے شرک میں مبتلا ہے۔ (احیاء العلوم ج ۵ ص ۱۲۱-۱۲۰' مطبوعہ دار الخیر بیروت' ۱۴۱۳ھ)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

توکل کا معنی یہ نہیں ہے کہ انسان اپنے آپ کو اور اپنی مساعی کو مہمل چھوڑ دے' جیسا کہ بعض جاہل کہتے ہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے کا حکم نہ دیتا' بلکہ توکل یہ ہے کہ انسان اسباب ظاہرہ کی رعایت کرے لیکن دل سے ان اسباب پر اعتماد نہ کرے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت' اس کی تائید اور اس کی حمایت پر اعتماد کرے' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کی طرف رجوع کرنے میں' اور اللہ کے ماسوا سے اعراض کرنے میں رغبت دلائی جائے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۸۳' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

توکل کے متعلق قرآن مجید کی آیات۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ — اور اگر تم مومن ہو تو صرف اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔

(المائدہ : ۲۳)

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ — اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

(الطلاق : ۳)

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ (الزمر : ۳۶) — کیا اللہ اپنے بندہ کو کافی نہیں ہے۔

توکل کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر امتیں پیش کی گئیں' ایک نبی اور دو نبیوں کے ساتھ (دس سے کم لوگوں کی) ایک جماعت تھی' اور بعض نبی ایسے تھے کہ ان کے ساتھ ایک آدمی بھی نہیں تھا' حتی کہ میں نے ایک بہت بڑی جماعت دیکھی' میں نے سوچا یہ کون سی جماعت ہے؟ کیا یہ میری امت ہے؟ کہا گیا بلکہ یہ حضرت موسیٰ ہیں اور ان کی امت ہے' اور کہا گیا کہ آپ افق کی طرف دیکھئے' تو ایک جماعت نے افق کو بھر لیا تھا' پھر مجھ سے کہا گیا' ادھر ادھر آسمان کے کناروں میں دیکھئے تو ایک بہت بڑی جماعت تھی جس نے آسمان کے تمام کناروں کو بھر لیا تھا' کہا گیا کہ یہ آپ کی امت ہے اور ان میں سے ستر ہزار جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے' پھر آپ (حجرہ میں) داخل ہو گئے اور یہ نہیں بیان فرمایا (کہ وہ ستر ہزار کون ہیں) لوگ (اس حدیث میں) بحث و تمحیص کرنے لگے' انہوں نے کہا اس کا مصداق ہم لوگ ہیں ہم لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کے رسول کی اتباع کی' ہم ہیں یا پھر ہماری اولاد ہے' جو اسلام میں پیدا ہوئی' کیونکہ ہم جاہلیت میں پیدا ہوئے تھے' جب نبی ﷺ تک یہ بحث پہنچی تو آپ تشریف لائے آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو (زمانہ جاہلیت کا) منتر نہیں کرتے تھے' اور نہ پرندوں سے بدشگونی نکالتے تھے اور نہ (حصول شفا میں) داغ لگانے پر اعتماد کرتے تھے اور صرف اپنے رب پر توکل کرتے تھے (اسباب کو مسببات پر مرتب کر کے نتیجہ کو اللہ کے سپرد کر دیتے تھے اور اسی پر اعتماد کرتے تھے) حضرت عکاشہ بن محصن نے کہا : یا رسول اللہ! کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں! ایک دوسرا شخص کھڑا ہوا اس نے کہا کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟ آپ نے فرمایا : تم پر عکاشہ نے سبقت کر لی۔ (صحیح بخاری ج ۳ ص ۸۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اللہ پر کماحقہ توکل کرو تو تم کو اس طرح رزق دیا جائے گا جس طرح پرندوں کو رزق دیا جاتا ہے وہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔

(الجامع الصحیح ' کتاب الزہد ' باب ۳۳ ' التوکل علی اللہ ' ومسند احمد ج ۱ ص ۵۲ ' ۳۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو تنگی اور فقر لاحق ہو اور وہ اس کو لوگوں کے سامنے پیش کرے اس کا فقر و فاقہ ختم نہیں ہو گا ' اور جس شخص کو فقر و فاقہ لاحق ہو اور وہ اللہ کے سامنے اپنی حاجت بیان کرے تو قریب ہے کہ اللہ اس کو جلد یا بہ دیر رزق عطا فرمائے گا۔

(الجامع الصحیح ' کتاب الزھد ' باب : ۱۸ ' باب ماجاء فی الھم فی الدنیا ' شعب الایمان للبیہقی ج ۲ ص ۱۲۰)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ عزوجل کی طرف رجوع کرتا ہے ' اللہ تعالیٰ اس کے ہر مسئلہ کا ضامن ہوتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو دنیا کی طرف رجوع کرتا ہے ' اللہ تعالیٰ اس کو دنیا کے سپرد کر دیتا ہے۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۲۹-۲۸ ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ' الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۵۳۸ ' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۰۳)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو امام طبرانی نے معجم اوسط میں روایت کیا ہے ' اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن الاشعث ہے وہ ضعیف ہے اور امام ابن حبان نے اس کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔

توکل کی صحیح تعریف

امام بیہقی متوفی ۴۵۸ ھ نے توکل کی حسب ذیل تعریفات نقل کی ہیں :

سہل بن عبداللہ تستری نے کہا توکل یہ ہے کہ بندہ اللہ کے سامنے ایسا ہو جیسے غسل دینے والوں کے ہاتھوں میں مردہ ہوتا ہے وہ جس طرح چاہے اس کو الٹتا ہے پلٹتا ہے۔

نہرجوری نے کہا حقیقت میں متوکل وہ شخص ہے جو مخلوق سے تعلق نہ رکھے ' وہ اپنے حال کی کسی سے شکایت نہ کرے اور اگر اس کو کوئی شخص کچھ نہ دے تو اس کی مذمت نہ کرے کیونکہ اس کا یقین ہے کہ دینا اور نہ دینا اللہ کی جانب سے ہے۔

ابویزید سے پوچھا گیا کہ بندہ متوکل کب ہوتا ہے انہوں نے کہا جب وہ اپنے دل کو ہر موجود اور مفقود سے منقطع کر لیتا ہے۔ عامر بن عبد قیس نے کہا اللہ کی کتاب میں تین آیات ایسی ہیں جو انسان کو تمام مخلوقات سے کفایت کرتی ہیں اور اس کو ان سے مستغنی کر دیتی ہیں :

وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ إِلَّا هُوَ ۚ وَإِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ (یونس : ۱۰۷)

(اے مخاطب!) اور اللہ اگر تجھے کوئی ضرر پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تیرے لیے کسی خیر کا ارادہ کرلے تو اس کے سوا کوئی اور اس کے فضل کو روکنے والا نہیں۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ

اللہ لوگوں کے لیے جو رحمت کھولتا ہے اسے کوئی روکنے والا

لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ (فاطر : ۲)

نہیں اور جس چیز کو وہ روک لے تو اس کے بعد اسے کوئی چھوڑنے والا نہیں اور وہی غالب ہے حکمت والا ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ○ (هود : ۶)

اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے، وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ اور اس کے سپرد کیے جانے کی جگہ کو جانتا ہے، سب کچھ روشن کتاب میں ہے۔

اصمعی بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی اپنے بھائی کو نصیحت کر رہا تھا : اے بھائی تم طالب بھی ہو اور مطلوب بھی، تم کو وہ طلب کرتا ہے جو فوت ہونے والا نہیں ہے اور تم اس چیز کو طلب کرتے ہو جس سے تم مستغنی کر دیئے گئے ہو، اے بھائی! تم دیکھتے ہو کہ کئی حریص لوگ محروم رہ جاتے ہیں اور کئی بے رغبت لوگ نواز دیئے جاتے ہیں۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۱۱۳-۱۰۹)

نیز امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں :

توکل کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر دے اور اسی پر توکل کرے۔

توکل یہ ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں کے چلنے کے لیے جو راستہ بیان کیا ہے جب اس کے سامنے وہ راستہ ظاہر ہو تو وہ اس راستہ پر چلیں اور اس کی مراد تک پہنچنے کا سبب حاصل کریں اور اللہ پر اعتماد کریں کہ وہ ان کو ان کی کوششوں میں کامیاب فرمائے گا اور انہیں ان کی مراد تک پہنچائے گا، اور جس نے توکل کو اللہ کے بنائے ہوئے اسباب سے خالی کر لیا۔ اس نے اللہ کے حکم پر عمل نہیں کیا اور اللہ کے بنائے ہوئے طریقہ پر نہیں چلا۔

سعید بن جبیر کو ایک رات نماز میں کسی چیز نے ڈنک مارا انہوں نے اس پر دم کیا، ان سے حصین نے پوچھا، آپ کو دم کرنے پر کس نے برانگیختہ کیا؟ انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صرف نظر لگنے یا ڈنک مارنے پر دم کیا جائے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا اگر تم اللہ پر کما حقہ توکل کرو تو تم کو پرندوں کی طرح رزق دیا جائے گا جو صبح کے وقت بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹتے ہیں۔

امام احمد نے فرمایا اس حدیث میں کسب اور رزق کو طلب کرنے کی نفی نہیں ہے کیونکہ پرندے صبح سے شام تک رزق کی طلب میں پھرتے رہتے ہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : رزق کی طلب میں تاخیر نہ کرو کیونکہ اس وقت تک کوئی بندہ مر نہیں سکتا جب تک اسے اس کا آخری رزق نہ پہنچ جائے، اللہ سے ڈرو اور رزق حلال کو اچھی طرح سے طلب کرو اور حرام کو چھوڑ دو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے تنگی اور فقر کی شکایت کی اور اس نے کہا : یا رسول اللہ! میں اپنے گھر والوں کے پاس سے آیا ہوں میرے پاس کوئی چیز نہیں جس کو میں ان کے پاس لے کر جاؤں حتی کہ ان میں سے بعض مر جائیں گے، آپ نے فرمایا جاؤ دیکھ کر آؤ گھر میں کیا چیزیں ہیں؟ وہ ایک چادر اور ایک پیالہ لے آیا، اس نے کہا یا رسول اللہ! اس چادر کے بعض حصہ کو ہم بچھا لیتے ہیں اور بعض کو ہم اوڑھ لیتے ہیں اور اس پیالہ سے پانی پیتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کو مجھ سے کون ایک درہم میں خریدے گا؟ ایک شخص نے کہا میں یا

رسول اللہ! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک درہم سے زیادہ کون دے گا؟ ایک اور شخص نے کہا میں ان کو دو درہموں میں خریدوں گا' آپ نے اس شخص سے فرمایا ایک درہم سے کلہاڑی خرید لو' اور دوسرے درہم سے اپنے اہل کے لیے کھانا خریدو' اس نے ایسا ہی کیا' پھر وہ نبی ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا جاؤ جنگل میں جا کر لکڑیاں کاٹو اور پندرہ دن سے پہلے میرے پاس نہ آنا' وہ پندرہ دن کے بعد آیا تو اس نے کہا میرے پاس دس درہم ہیں' آپ نے فرمایا پانچ درہم سے اپنے اہل کے لیے طعام خریدو اور پانچ درہم سے اپنے اہل کے لیے کپڑے خریدو' اس شخص نے کہا : یا رسول اللہ! آپ نے مجھے جس چیز کا حکم دیا تھا اس میں اللہ نے مجھے بڑی برکت دی ہے' آپ نے فرمایا یہ (تمہارا کسب اور محنت کرنا) اس سے بہتر ہے کہ تم قیامت کے دن آؤ اور تمہارے چہرے پر سوال کرنے کی وجہ سے خراشیں پڑی ہوں' سوال کرنا صرف تین شخصوں کے لیے جائز ہے' جو سخت بیمار ہو' یا قرض میں ڈوبا ہوا ہو' یا ہلاکت خیز تنگی میں مبتلا ہو۔

(الجامع الصحیح للترمذی' کتاب البیوع' باب : ۱۱ ماجاء فی بیع المدبر' السنن الکبری للبیہقی ج ۷ ص ۲۵)

امام احمد نے فرمایا اس حدیث میں کسب اور محنت کرنے کی دلیل ہے اور جو شخص کمانے پر قادر ہو اس کو سوال کرنے سے منع فرمایا ہے' نیز نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص غنی اور تندرست ہو اس کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں ہے۔

(سنن کبریٰ ج ۷ ص ۱۳' شعب الایمان ج ۲ ص ۸۷۔ ۸۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

کیا اسباب کو ترک کرنا اور مال جمع کرنا توکل کے خلاف ہے؟

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں :

ذوالنون سے پوچھا گیا توکل کیا ہے انہوں نے کہا توکل دنیا والوں سے مستغنی ہونا اور اسباب سے منقطع ہونا ہے' اور نہر جوری نے کہا توکل کا ادنی درجہ یہ ہے کہ انسان اختیار کو ترک کردے۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۱۰۵۔ ۱۰۴' مطبوعہ بیروت)

ہمارے نزدیک یہ دونوں تعریفیں صحیح نہیں ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اس وقت ان کے پاس کھجوروں کا ڈھیر تھا' آپ نے پوچھا اے بلال یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے کھجوروں کو ذخیرہ کیا ہے' آپ نے فرمایا : اے بلال کیا تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ ان کھجوروں کے لیے دوزخ کی آگ میں دھواں ہو! اے بلال خرچ کرو اور عرش والے سے تنگی کرنے کا خوف نہ کرو۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۱۱۸' دلائل النبوت للبیہقی ج ۱ ص ۳۴۷)

ہمارے نزدیک اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ اگر کسی مال کو جمع کیا جائے اور اس میں سے زکوۃ ادا نہ کی جائے تو وہ دوزخ کی آگ کا دھواں بن جائے گا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تین پرندے ہدیہ کئے گئے' آپ نے ایک پرندہ کھالیا اور آپ کی خادمہ نے دو پرندے چھپا کر رکھ دیئے' صبح آپ کے سامنے وہ پرندے پیش کئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں نے تم کو کل کے لیے کوئی چیز رکھنے سے منع نہیں کیا تھا' اللہ تعالیٰ ہر روز کا رزق عطا فرماتا ہے۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۱۱۹' طبع بیروت) (مسند احمد ج ۳ ص ۱۸۹)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کے تمام راوی صحیح ہیں' سوا ہلال بن امیہ کے اور وہ بھی ثقہ ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۴۲)

ہمارے نزدیک یہ حدیث اس زمانہ پر محمول ہے جب مسلمانوں پر تنگی اور عسرت کا زمانہ تھا' جب کبھی دو ایسے متواتر دن نہیں آئے جب دونوں دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آگ جلی ہو' پھر جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کشادگی کر دی بہ کثرت فتوحات ہوئیں اور مال غنیمت کی ریل پیل ہوئی تو اس وقت مسلمانوں کو مال جمع کرنے کی اجازت دے دی گئی' اگر مسلمانوں کے لیے مال جمع کرنا جائز نہ ہوتا تو مسلمانوں پر حج کیسے فرض کیا جاتا کیونکہ حج اسی پر فرض ہے جس کے پاس زاد اور راحلہ ہو' نہ مسلمانوں پر زکوۃ فرض ہوتی' کیونکہ زکوۃ اس پر فرض ہے جس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی' یا اس کے مساوی مال تجارت ہو' یا اس کے پاس پانچ اونٹ' تیس گائے یا چالیس بکریاں ہوں' اور ظاہر ہے کہ وہ یہ مال جمع کرے گا تو اس پر زکوۃ فرض ہو گی- اسی طرح زرعی پیداوار پر عشر اور خراج کا معاملہ ہے- اسی طرح قربانی بھی صاحب نصاب پر واجب ہے اور مالی صدقات نافلہ بھی مالدار شخص پر واجب ہوں گے' اگر اسلام میں مال جمع کرنے کی اجازت نہ ہو تو ان عبادات کی کس طرح گنجائش ہو گی!

اسباب حاصل کرنے کا حکم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى — اور سفر کے لیے زاد راہ لو' سو یقیناً بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔

(البقرہ : ۱۹۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ یمن والے بغیر سفر خرچ لیے ہوئے حج کے لیے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم توکل کرنے والے ہیں اور جب وہ مکہ میں پہنچتے تو لوگوں سے مانگنا شروع کر دیتے- تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور سفر کے لیے زاد راہ لو سو یقیناً بہترین زاد راہ تقویٰ ہے- (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰۶' مطبوعہ کراچی)

جو لوگ کسب معاش کے لیے زمین میں سفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی ہے :

وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (المزمل : ۲۰) — اور کچھ لوگ اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے زمین میں سفر کرتے ہیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے کسب معاش کرنے کا حکم دیا ہے :

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (الجمعہ : ۱۰) — سو جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے فضل کو تلاش کرو۔

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ایوب بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے ٹیلہ کی چوٹی سے قریش کے ایک آدمی کو آتے دیکھا' صحابہ نے کہا یہ شخص کتنا طاقت ور ہے کاش اس کی طاقت اللہ کے راستہ میں خرچ ہوتی' اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہی شخص اللہ کے راستہ میں ہے جو قتل کر دیا جائے؟ پھر فرمایا جو شخص اپنے اہل کو سوال کرنے سے روکنے کے لیے (رزق) حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے اور جو شخص اپنے آپ کو سوال سے روکنے کے لیے (رزق) حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستے میں ہے' البتہ جو شخص (محض) مال کی کثرت کی طلب میں نکلے وہ شیطان کے راستہ

میں ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ۲۷۲-۲۷۱، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے کہا اگر لوگ اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جائیں تو اللہ ان کو رزق عطا فرمائے گا، حضرت ابن مسعود نے فرمایا یہ بات دین میں معروف نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو معاش کے ساتھ مبتلا کیا ہے اور فرمایا ہے کچھ لوگ اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے زمین میں سفر کرتے ہیں۔ (المزمل : ۲۰)

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے تھے اپنے اہل و عیال کے لیے سعی کرنے کی مثل کسی عمل میں فضیلت نہیں ہے حتیٰ کہ جہاد فی سبیل اللہ میں بھی نہیں۔

سفیان ثوری نے کہا جب تم عبادت کرنے کا ارادہ کرو تو دیکھو گھر میں گندم ہے یا نہیں اگر گھر میں گندم ہے تو عبادت کرو، ورنہ پہلے تم گندم کو طلب کرو پھر اللہ کی عبادت کرو۔

ابراہیم خواص نے کہا آداب توکل میں تین چیزیں ہیں، قافلہ کے ساتھ جاؤ تو سفر خرچ لے کر جاؤ، کشتی میں سفر کرو تو سفر خرچ سے سفر کرو، اور مجلس میں بیٹھو تو توشہ دان (ناشتہ دان) لے کر بیٹھو۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۹۷-۹۶ ملخصاً، طبع بیروت)

بیماری کے علاج کا سبب دوا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوا لینے کی ہدایت دی ہے۔

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اعراب نے پوچھا : یا رسول اللہ! کیا ہم دوا نہیں کیا کریں؟ آپ نے فرمایا : ہاں! اے اللہ کے بندو! علاج کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک بیماری کے سوا ہر بیماری کی دوا بنائی ہے، یا فرمایا اس کی شفا رکھی ہے، پوچھا یا رسول اللہ! وہ کون سی بیماری ہے؟ فرمایا بڑھاپا، امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(الجامع الصحیح للترمذی، کتاب الطب، باب : ۲، ماجاء فی الدواء، سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۸۵، سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۳۱، کتاب الطب، باب : ۱، شعب الایمان ج ۲ ص ۷۸)

امام حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :

ابوخزامہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ ہم جس دوا سے علاج کرتے ہیں اور جن اوراد سے دم کرتے ہیں اور جس آڑ سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں، کیا ان میں سے کوئی چیز اللہ کی تقدیر کو بدل سکتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ چیزیں بھی اللہ کی تقدیر سے ہیں۔

(المستدرک ج ۴ ص ۱۹۹، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

امام ذہبی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ (تلخیص المستدرک ج ۴ ص ۱۹۹)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں :

امام احمد نے کہا یہ حدیث اس باب میں اصل ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جو اسباب بیان کیے ہیں اور ان کی اجازت دی ہے ان اسباب کو استعمال کیا جائے اور یہ اعتقاد رکھے کہ مسبب اللہ تعالیٰ ہے اور ان اسباب کو استعمال کرنے کے بعد جو نفع پہنچتا ہے وہ اللہ عزوجل کی تقدیر سے ہے اور اگر وہ چاہے تو ان اسباب کے استعمال کے باوجود ان کی منفعت کو روک لے لہٰذا ان اسباب کے نفع پہنچانے میں اللہ تعالیٰ پر ہی اعتماد کرنا چاہیے اور تمام نتائج اس کے

سپرد کرنا چاہئیں۔ (شعب الایمان ج ۲ ص ۷۹ ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ میں اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا اس کو کھول کر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا اس کو باندھ کر توکل کرو۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۶۶۸ ، طبع بیروت ، المستدرک ج ۳ ص ۶۲۳ ، شعب الایمان ج ۲ ص ۸۰ ، موارد الظمآن ص ۶۳۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید المتوکلین ہیں اور آپ جنگ احد میں دو زرہیں پہن کر میدان جنگ میں گئے ، فتح مکہ کے دن آپ نے اپنے سر پر خود پہنا ہوا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرض میں فصد لگوائی۔

(شعب الایمان ج ۲ ص ۸۷ ، الجامع الصحیح للترمذی ج ۴ ص ۳۹۰ ، طبع بیروت)

ان تمام احادیث سے یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ اسباب کو مسببات پر مرتب کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔

اشیاء کو جمع کرنا اور ذخیرہ کرنا بھی مطلوب ہے اور توکل کے خلاف نہیں ہے

کھانے پینے اور دیگر اشیاء کو جمع کرنا اور ذخیرہ کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے اور بعض احادیث میں جو یہ آیا ہے کہ آج کی چیز کو کل کے لیے بچا کر نہ رکھو یہ اس زمانے پر محمول ہے جب مسلمانوں پر تنگی تھی اور جب فتوحات اور مال غنیمت کی کثرت ہوئی اور مسلمان خوشحال ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو کھانے پینے کی اشیاء جمع کرنے کی اجازت دے دی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

عابس بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے ، حضرت عائشہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ صرف اس سال کیا تھا جس سال لوگ بھوکے تھے ، آپ نے یہ چاہا کہ غنی فقیر کو کھلائے اور ہم اب پائے اٹھا کر رکھ دیتے ہیں اور اس کو پندرہ دن بعد کھاتے ہیں۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۱۶ ، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ، ۱۳۸۱ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قربانی اور ھدی کے گوشت کو بہ طور زاد راہ لے جاتے تھے۔

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص قربانی کرے تین دن کے بعد اس کے گھر میں قربانی کے گوشت میں سے کچھ باقی نہ رہے ، اس کے اگلے سال صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا اس سال بھی ہم پچھلے سال کی طرح کریں؟ آپ نے فرمایا کھاؤ اور کھلاؤ اور گوشت کو ذخیرہ کرو ، کیونکہ اس سال لوگوں میں بھوک تھی ، تو میں نے چاہا کہ اس سال میں تم مسلمانوں کی مدد کرو۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۵ ، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ، ۱۳۸۱ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سید المتوکلین ہیں اس کے باوجود آپ ہر سال ازواج مطہرات کو سو وسق غلہ دیتے تھے ، ایک وسق ۲۴۰ کلو گرام کے برابر ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی زمین نصف غلہ یا نصف پھلوں کے

عوض بٹائی پر دیتے تھے' اور اپنی ازواج کو ہر سال میں سو وسق دیتے تھے۔ اسی وسق کھجوریں اور بیس وسق جو' جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کو اختیار دیا وہ چاہیں تو خود زمین اور پانی لے کر کھیتی باڑی کرائیں' یا وہ ان کو ہر سال اتنے وسق غلہ دیں' بعض ازواج نے زمین اور پانی کو اختیار کیا اور بعض ازواج نے اسواق کو اختیار کیا۔ حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما نے زمین اور پانی کو اختیار کیا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۷۵ھ' صحیح بخاری ج ۲ ص ۳۱۳' شعب الایمان ج ۲ ص ۷۸)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ کھانے پینے کی چیزوں کو جمع کرنا اور مستقبل کے لیے پس انداز کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے' توکل کے سلسلہ میں میں نے یہاں بہت تفصیل سے لکھ دیا ہے اور بناوٹی صوفیوں اور جعلی درویشوں نے توکل کا جو غلط مفہوم مشہور کر رکھا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ کی روشنی میں اس کا بطلان واضح کیا ہے' اور توکل کا صحیح معنی اور مفہوم بیان کیا ہے' اللہ تعالیٰ میری اس کتاب کو قبول عام عطا فرمائے اور قیامت تک تمام مسلمانوں کے لیے اس کو نفع آور بنائے۔ آمین)

اگر اللہ مدد نہ کرے تو کوئی مدد گار نہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے مسلمانو!) اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں بے سہارا چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا؟ اور مومنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہئے۔

(آل عمران: ۱۶۰)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ جب مسلمان اللہ تعالیٰ پر توکل کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرے گا' اور دین کی سربلندی میں ان کی آرزوؤں کو پورا کر دے گا' اس کے بعد از سر نو فرمایا اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا' اور اگر وہ تمہیں بے سہارا چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے گا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے دن تمہاری مدد فرمائی تھی اگر وہ تمہاری اسی طرح مدد کرے تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا' اور جس طرح جنگ احد میں اس نے تمہیں بے سہارا چھوڑ دیا تھا' اگر وہ اس طرح تمہیں بے سہارا چھوڑ دے تو کوئی تمہاری مدد نہیں کر سکتا' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کی ترغیب دی ہے اور اپنی نافرمانی سے ڈرایا ہے۔ قرآن مجید کی اور آیات میں بھی یہ مضمون بیان فرمایا ہے:

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ (الحج: ۴۰)

اور اللہ اس کی ضرور مدد فرمائے گا جو اس کے دین کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ بہت قوت والا بہت غالب ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (محمد: ۷)

اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے (دین کی) مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (الروم: ۴۷)

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے ان کے (زمانے کے مشرک) لوگوں کی طرف وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے' پھر ہم نے تکذیب کرنے والے مجرموں سے انتقام لیا اور مومنوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ (کرم پر) ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ

اور خیانت کرنا کسی نبی کی شان کے لائق نہیں اور جو شخص خیانت کرے گا وہ خیانت کی ہوئی چیز کو

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ

قیامت کے دن لے کر آئے گا پھر ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر

لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَاۗءَ بِسَخَطٍ

ظلم نہیں کیا جائے گا ○ تو کیا جس شخص نے اللہ کی رضا کی پیروی کی وہ اس شخص کی مثل ہو گا جو

مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ ھُمْ دَرَجٰتٌ

اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے ○ وہ اللہ کے نزدیک مختلف

عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَي

درجوں والے ہیں اور اللہ ان کے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے ○ بیشک اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا

الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کے

اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُھُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا

باطن کو صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے بیشک وہ اس سے

مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے ○

النصف

مناسبت اور شان نزول

اس سے پہلے یہ بیان کیا گیا ہے کہ احد پہاڑ کی پشت پر پچاس تیر اندازوں کو کھڑا کیا گیا تھا' وہ مال غنیمت دیکھ کر اس کو لوٹنے کے لیے دوڑ پڑے۔ ان کو شاید یہ خیال تھا کہ اگر انہوں نے بروقت مال غنیمت سے حصہ نہیں لیا تو شاید ان کو بعد میں حصہ نہیں ملے گا' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ خیانت کرنا کسی نبی کی شان نہیں ہے تو جو سید الانبیاء اور امام المرسلین ہیں ان کے متعلق یہ گمان کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ اس آیت کے شان نزول کے متعلق امام ابن جریر نے کئی روایات

بیان کی ہیں :
مقسم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : جنگ بدر کے دن سرخ رنگ کی ایک چادر گم ہو گئی بعض لوگوں نے کہا شاید نبی ﷺ نے یہ چادر لی ہو گی۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ خیانت کرنا نبی ﷺ کی شان نہیں ہے۔ بہ ظاہر اس قول کے قائل منافقین تھے۔

ضحاک نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ بعض اصحاب میں مال غنیمت تقسیم کرتے تھے اور بعض اصحاب میں نہیں کرتے تھے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۱۰۲ ' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

نبی ﷺ کے عادلانہ مزاج کے پیش نظر یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

امام رازی اور بعض دیگر مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ بعض اشراف یہ چاہتے تھے کہ نبی ﷺ مال غنیمت میں سے ان کو زیادہ حصہ عطا کریں اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی' ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کے نزول کا تعلق اداء وحی کے ساتھ ہے' کیونکہ نبی ﷺ قرآن مجید پڑھتے تھے اور اس میں مشرکین کے دین کی مذمت تھی اور ان کے باطل خداؤں کا بطلان ظاہر کیا تھا اس لیے انہوں نے کہا کہ آپ ایسی آیات نہ پڑھا کریں تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۸۴ ' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس آیت کی آیات سابقہ کے ساتھ صحیح مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کے احکام بیان فرمائے تھے۔ اور جہاد کے احکام میں سے ایک حکم مال غنیمت کو تقسیم کرنا ہے سو اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم میں خیانت نہ کی جائے۔

مال غنیمت میں خیانت کرنے پر عذاب کی وعید

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح خیبر کے دن صحابہ کرام آپس میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ فلاں شخص شہید ہوا اور فلاں شخص شہید ہوا' دوران گفتگو ایک شخص کا ذکر ہوا صحابہ کرام نے اس شخص کے بارے میں بھی کہا کہ وہ شہید ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں! میں نے اسے جہنم میں دیکھا ہے' کیونکہ اس نے مال غنیمت میں سے ایک چادر چرائی تھی' پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا جا کر لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے' چنانچہ میں نے حسب ارشاد لوگوں میں اعلان کر دیا کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر فتح کرنے گئے' اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی' وہاں سے مال غنیمت میں سونا چاندی نہیں ملا' بلکہ مختلف قسم کا سامان' غلہ اور کپڑے وغیرہ ملے' ہم ایک وادی کی طرف چل پڑے' رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رفاعہ بن زید نامی بنو ضبیب کا ایک غلام تھا' جو آپ کو قبیلہ جذام کے ایک شخص نے نذر کیا تھا۔ جب ہم اس وادی میں اترے تو اس غلام نے رسول اللہ ﷺ کا سامان کھولنا شروع کیا' اسی دوران کہیں سے اچانک ایک تیر آکر اسے لگا' جس سے وہ فوت ہو گیا' ہم نے عرض کیا : یا رسول اللہ! اسے شہادت مبارک ہو' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ہرگز نہیں' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے' جو چادر اس نے خیبر کے مال غنیمت میں سے لی تھی' وہ اس کے حصہ کی نہ تھی وہی چادر ایک شعلہ کی صورت میں اس کے اوپر جل رہی

ہے' یہ سن کر سب خوف زدہ ہو گئے' ایک شخص چمڑے کے ایک یا دو تسمے لے کر آیا اور کہنے لگا : یا رسول اللہ! میں نے جنگ خیبر کے دن ان کو پایا تھا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ تسمے بھی آگ کے ہیں۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۶' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

مال غنیمت سے متعلق دیگر مسائل

ان دونوں حدیثوں سے حسب ذیل مسائل معلوم ہوئے :

(۱) مال غنیمت میں سے کچھ چرانا حرام ہے۔ (۲) مال غنیمت کی چوری میں قلیل اور کثیر کا کوئی فرق نہیں ہے۔ (۳) مال غنیمت میں کچھ چرانے والے کو اگر قتل کر دیا جائے تو اس کو شہید نہیں کہا جائے گا۔ (۴) اس زمین پر رہتے ہوئے بھی رسول اللہ ﷺ جہنم کو دیکھ رہے ہیں۔ (۵) جن لوگوں کو دوزخ میں عذاب ہو رہا ہے رسول اللہ ﷺ ان کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ (۶) نہ صرف یہ کہ آپ عذاب میں مبتلا لوگوں کو دیکھ رہے ہیں بلکہ آپ کو ان کے عذاب کی وجہ کا بھی علم ہے۔ (۷) مطالبہ قسم کے بغیر بھی کلام کو موکد کرنے کے لیے قسم کھانا جائز ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں محمد کی جان ہے۔ (۸) مال غنیمت میں سے جو چیز چرائی جائے اس کا واپس کرنا واجب ہے اور اگر وہ واپس کرے تو اس کو قبول کیا جائے گا۔ (۹) مال غنیمت سے چوری کرنے والے شخص کے سامان کو جلایا نہیں جائے گا اور جس حدیث میں یہ ہے کہ "جو شخص چوری کرے اس کے سامان کو جلا دو اور اس کو مار دو" اس حدیث کو حافظ عبدالبر وغیرہ نے ضعیف کہا ہے' اور امام طحاوی نے کہا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہو گئی۔ یہ حکم اس وقت تھا جب عقوبات مالیہ (جرمانے) مشروع تھیں۔

اموال مسلمین میں خیانت کرنے پر عذاب کی وعید

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہم میں تشریف فرما ہوئے۔ آپ نے خیانت کا ذکر کیا اور اس کا سخت گناہ بیان کیا' اور فرمایا میں تم میں سے کسی ایک شخص کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سوار اونٹ بڑبڑا رہا ہو' وہ شخص کہے گا یا رسول اللہ! میری مدد فرمایئے' میں کہوں گا میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں' میں تجھ کو تبلیغ کر چکا ہوں' اور میں تم میں سے کسی ایک کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سوار گھوڑا ہنہنا رہا ہو' وہ کہے گا : یا رسول اللہ! میری مدد فرمایئے۔ میں کہوں گا' میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں' میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں' اور میں تم میں سے کسی ایک شخص کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سوار بکری ممیا رہی ہو' وہ کہے گا یا رسول اللہ! میری مدد فرمایئے' میں کہوں گا میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں' میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں' اور میں تم میں سے کسی ایک شخص کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سوار انسان چیخ رہا ہو' وہ کہے گا یا رسول اللہ! میری مدد فرمایئے' میں کہوں گا میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہ ہوں' میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں' اور میں تم میں سے کسی ایک شخص کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کی اس کی گردن پر کپڑوں کی ایک گٹھڑی ہل رہی ہو' وہ کہے گا یا رسول اللہ! میری مدد فرمایئے میں کہوں گا' میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں اور تم میں سے کسی ایک شخص کو قیامت کے دن اس حال میں نہ پاؤں کہ اس کی گردن پر سونا اور چاندی ہو وہ کہے گا

یا رسول اللہ! میری مدد فرمائیے' میں کہوں گا میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں۔
(صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۴۶۲-۱۴۶۱ مطبوعہ بیروت' صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۳۲' مطبوعہ کراچی' مسند احمد مطبوعہ بیروت ج ۲ ص ۴۲۶)

نبی ﷺ ابتداء" سختی فرمائیں گے اور شفاعت نہیں کریں گے اور فرمائیں گے میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں لیکن بعد میں جب آپ پر رحمت کا غلبہ ہو گا اور اللہ تعالیٰ آپ کو شفاعت کا اذن دے دے گا اس وقت شفاعت فرمائیں گے' اس حدیث میں طعام کے علاوہ ہر چیز کی خیانت کا ذکر ہے' دنیا میں خیانت کرنے والے کو حاکم تعزیراً" سزا دے گا' اور اس کے اس سامان کو جلایا نہیں جائے گا جس میں اس نے خیانت کا مال رکھا تھا' حسن' مکحول اور اوزاعی کے نزدیک ان کا پالان جلا دیا جائے گا ان کی دلیل یہ حدیث ہے : امام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کے سامان میں تم خیانت کا مال پاؤ اس کے سامان کو جلا دو' اور میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا اس کو ضرب لگاؤ (مارو) (مسند احمد ج ۱ ص ۲۲)

جمہور نے اس حدیث پر اس لیے عمل نہیں کیا کہ سالم سے اس حدیث کی روایت میں صالح بن محمد منفرد ہے اور وہ ضعیف ہے' نیز نبی ﷺ کے سامنے جن لوگوں نے خیانت کا اقرار کیا آپ نے ان کا سامان نہیں جلایا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو اسد کے ایک شخص کو صدقات وصول کرنے کا عامل بنایا اس کا نام ابن اللتبیہ تھا' جب وہ صدقات وصول کر کے آیا تو اس نے کہا یہ تمہارا مال ہے' اور یہ میرا مال ہے مجھے ہدیہ کیا گیا ہے' رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر اللہ عزوجل کی حمد و ثناء کی اس کے بعد فرمایا : جن عاملوں کو میں بھیجتا ہوں ان کو کیا ہو گیا ہے وہ کہتے ہیں یہ تمہارے لیے ہے اور یہ مجھے ہدیہ کیا گیا ہے' یہ شخص اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں جا کر کیوں نہیں بیٹھ گیا۔ پھر ہم دیکھتے کہ اس کو ہدیہ کیا جاتا ہے یا نہیں! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے' تم میں سے جو شخص بھی صدقات (اموال مسلمین) میں سے کوئی چیز لے گا قیامت کے دن جب وہ آئے گا تو وہ چیز اس کی گردن پر سوار ہو گی' اونٹ بڑبڑا رہا ہو گا' یا گائے ڈکرا رہی ہو گی' یا بکری ممیا رہی ہو گی' پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کئے حتیٰ کہ ہم نے آپ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی' پھر دو مرتبہ فرمایا : اے اللہ! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟ (صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۴۶۳' مطبوعہ بیروت)

حکومت کے عمال جو چیزیں ہدیہ کے نام پر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اس میں اللہ کی بھی خیانت ہے اور مسلمانوں کی بھی' اللہ کی خیانت اس لیے ہے کہ انہوں نے اللہ کے دیئے ہوئے منصب سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کی خیانت اس لیے ہے کہ انہوں نے بیت المال کو اپنے ذاتی تصرف میں لے لیا۔

نیز امام مسلم روایت کرتے ہیں :

عدی بن عمیرہ کندی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ہم نے تم میں سے جس شخص کو کسی منصب کا عامل بنایا اور اس نے کوئی سوئی یا اس سے بھی چھوٹی کوئی چیز ہم سے چھپا لی تو یہ خیانت ہے جس کو وہ قیامت کے دن لے کر آئے گا' انصار میں سے ایک سیاہ فام شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا' یا رسول اللہ! اپنے دیئے ہوئے منصب کو مجھ سے واپس لے لیجئے' آپ نے پوچھا : کیا ہوا؟ اس نے کہا میں نے آپ کو اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے آپ نے فرمایا

میں اب بھی یہی کہتا ہوں ہم نے تم میں سے جس شخص کو کسی عہدہ کا عامل بنایا' اس کو چاہیے کہ وہ ہر چھوٹی اور بڑی چیز کو لے کر آئے' پھر اس کو جو دے دیا جائے وہ لے لے اور جس سے منع کیا جائے اس سے باز رہے۔

(صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۴۶۵' مطبوعہ بیروت)

ہمارے ملک میں جو لوگ دفاتر میں کام کرتے ہیں وہ دفاتر سے سٹیشنری کا سامان گھر لے آتے ہیں' جو لوگ ریلوے ورکشاپ میں کام کرتے ہیں' ان کی ذاتی ضروریات کی تمام چیزیں ورکشاپ سے بنتی ہیں' حتی کہ بعض دینی مدارس کے ناظمین' مدرسہ کے تمام اموال کو بے دھڑک اپنے ذاتی تصرف میں لاتے ہیں' یہ تمام امور خیانت ہیں اللہ تعالیٰ ان خیانتوں سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے اور ان لوگوں کو توبہ کی توفیق دے' ان کو ہدایت دے اور معاف فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو کیا جس شخص نے اللہ کی رضا کی پیروی کی وہ اس شخص کی مثل ہو گا جو اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے۔ (آل عمران : ۱۶۲)

نیکو کاروں کا بدکاروں کی مثل نہ ہونا

اس آیت کی حسب ذیل تفسیریں کی گئی ہیں :

(۱) جس نے خیانت کو ترک کرنے میں اللہ کی رضا کی پیروی کی کیا وہ اس کی مثل ہو سکتا ہے جو خیانت کا ارتکاب کر کے اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا۔

(۲) جو شخص اللہ پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی اطاعت کر کے اس کی رضا کی پیروی کی کیا وہ اس شخص کی مثل ہو سکتا ہے جو کفر اور معصیت کر کے اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹا۔

(۳) جن ایمان والوں نے اخلاص کے ساتھ نیک کام کر کے اللہ کی رضا حاصل کی کیا وہ ان منافقوں کے برابر ہو سکتے ہیں جو اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے۔

(۴) جنگ احد میں جن مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہہ کر میدان جنگ میں پہنچ کر اللہ کی رضا حاصل کی کیا وہ ان مسلمانوں کے برابر ہو سکتے ہیں جنہوں نے میدان جنگ میں نہ پہنچ کر اللہ کے غضب کو دعوت دی۔

یہ تمام وجوہ صحیح ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ اس آیت کو اپنے عموم پر رہنے دیا جائے' قرآن مجید میں اس مضمون کی اور بھی آیات ہیں :

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا (السجدة : ۱۸)

تو کیا جو مومن ہو وہ فاسق کی طرح ہو سکتا ہے؟

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ۔ (ص : ۲۸)

کیا ہم ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں کو زمین میں فساد کرنے والوں کی مثل کر دیں گے یا ہم متقین کو بدکاروں کی مثل کر دیں گے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○

کیا جن لوگوں نے گناہوں کا ارتکاب کیا ہے ان کا یہ گمان ہے کہ ہم انہیں ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کی مثل کر دیں گے کہ ان کی زندگی اور موت برابر ہو جائے؟ وہ کیسا برا

(الجاثیہ : ۲۱) فیصلہ کر رہے ہیں۔

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ۝ کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں کی مثل کر دیں گے؟ تمہیں کیا
مَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ (القلم : ۳۶-۳۵) ہوگیا تم کیسا فیصلہ کر رہے ہو؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ اللہ کے نزدیک متعدد درجوں والے ہیں' اور اللہ ان کے کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

ثواب اور عذاب کے مختلف درجات

اس آیت کا معنی ہے جن لوگوں نے خیانت کو ترک کیا وہ سب ایک درجہ کے نہیں ہیں بلکہ نیت اور اخلاص کے اعتبار سے ان کے مختلف درجات ہیں یا اس کا معنی ہے ایمان لانے والے اور اعمال صالحہ کرنے والے سب ایک درجہ کے نہیں ہیں بلکہ نیت' اخلاص اور اعمال کی کمی اور بیشی کے اعتبار سے ان کے مختلف مدارج اور درجات ہیں اور اجر و ثواب کے لحاظ سے جنت کے بہت درجات ہیں' اسی طرح جن لوگوں نے خیانت کی یا جنہوں نے کفر کیا اور معصیت کی ان سب کا دوزخ میں ایک درجہ نہیں ہے بلکہ ان کے کفر کی کیفیت اور گناہوں کی کمی اور بیشی کے لحاظ سے دوزخ میں بہت درجات ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا منافقین دوزخ کے سب سے آخری طبقہ میں ہوں گے' اسی طرح آپ نے ابوطالب کے متعلق فرمایا وہ جہنم کی سختیوں میں تھا میں نے اس کو کھینچ کر تھوڑی سی آگ میں کر دیا' اس کے بعد فرمایا اور اللہ ان کے کاموں کو خوب جاننے والا ہے' یہ ان کے مختلف درجات کی دلیل ہے کیونکہ وہ ہر شخص کے عمل کو خوب جاننے والا ہے تو اس کو اس کے عمل کے اعتبار سے پوری پوری جزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کے باطن کو صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے' بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے۔ (آل عمران : ۱۶۴)

احسان جتلا کر جزا کا طالب ہونا یہ معنی "مذموم ہے' اللہ تعالیٰ نے بغیر طلب جزاء کے مومنوں پر اپنے انعام اور احسان کا ذکر فرمایا ہے۔

آیات سابقہ سے مناسبت

آیات سابقہ سے اس آیت کے ارتباط کی حسب ذیل وجوہ بیان کی گئی ہیں :

(۱) اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر لوگوں کے دو گروہ بیان فرمائے ایک وہ جو اللہ کی رضا کے لیے عمل کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو اللہ کی ناراضگی کے کام کرتے ہیں۔ اب اللہ نے ان دونوں فریقوں کی تفصیل شروع کی پہلے مومنین کا ذکر فرمایا جو اللہ کی رضا کے لیے عمل کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیج کر ان پر احسان فرمایا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کو کفر اور شرک کی نجاست سے پاک کرتا ہے اور ان کے اعضاء اور قلب کو ہر قسم کے گناہوں سے بچا کر صاف رکھتا ہے اور ان کو کتاب اور سنت کی تعلیم دیتا ہے۔

(۲) بعض منافقین نے جنگ بدر کے دن ایک چادر کے متعلق یہ کہا تھا کہ شاید نبی ﷺ نے یہ چادر لی ہوگی' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے اور نبی ﷺ کی براءت کرتے ہوئے فرمایا تھا اور خیانت کرنا کسی نبی کی شان نہیں ہے۔ (آل عمران : ۱۶۱)' اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی اسی برائت اور نزاہت کو موکد کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی کہ یہ عظیم رسول ان کے

شہر میں پیدا ہوئے اور ان کے سامنے نشو ونما پائی اور پوری زندگی میں اس نبی سے صدق' امانت' اللہ کی طرف بلانے اور دنیا سے بے رغبتی کرنے کے سوا ان سے کچھ ظاہر نہیں ہوا' تو ایسے صادق' امین اور زاہد کی طرف خیانت کی نسبت کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے!

(۳) پھر اللہ تعالیٰ نے صرف آپ کی براءت اور نزاہت پر اکتفا نہیں کی بلکہ فرمایا اس عظیم رسول کا وجود تو تمہارے لیے بہت بڑی نعمت ہے' کیونکہ وہ تم کو بے دینی اور گمراہی سے پاک کرتے ہیں اور تم کو علوم و معارف سے نوازتے ہیں' امام احمد روایت کرتے ہیں :

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی سے کہا : اے امیر! ہم لوگ جاہل تھے' بتوں کی عبادت کرتے تھے' مردار کھاتے تھے' بے حیائی کے کام کرتے تھے' رشتے توڑتے تھے' ہمسایوں سے بد سلوکی کرتے تھے' ہم میں سے قوی شخص ضعیف کا حق کھا جاتا تھا' حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک عظیم رسول بھیجا جن کے نسب کو' ان کے صدق کو' ان کی امانت داری کو اور ان کی پاک دامنی کو ہم اچھی طرح جانتے تھے' انہوں نے ہم کو دعوت دی کہ ہم اللہ واحد لا شریک کی عبادت کریں' اور ہم اور ہمارے آباء و اجداد جن پتھروں اور بتوں کی عبادت کرتے تھے اس کو ترک کر دیں' انہوں نے ہم کو تعلیم دی کہ ہم سچ بولیں' امانت ادا کریں' رشتے جوڑیں' ہمسایوں سے اچھا سلوک کریں' حرام کاموں اور خوں ریزی کو چھوڑ دیں' انہوں نے ہمیں بے حیائی کے کاموں' جھوٹ بولنے' یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورت پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں' نماز پڑھیں' زکوۃ ادا کریں اور روزے رکھیں۔

الحدیث (مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۲)

سو جس نبی نے ایسی انقلاب افروز تعلیم دی ہو اس کی طرف خیانت کی نسبت کرنا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔

(۴) تم لوگ گوشہ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے تمہارے شہر میں یہ عظیم رسول پیدا ہوئے' جب اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک بے نظیر اور لافانی کتاب نازل کی اور ان کو بہ کثرت معجزات عطا کئے' تمام انبیاء کا ان کو قائد بنایا تو ان کی وجہ سے اور ان کے دین پر عمل کرنے کی وجہ سے تمہیں تمام دنیا میں شہرت اور عزت ملی تو ان پر کسی قسم کا طعن کرنا کس قدر عدل اور انصاف سے بعید ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلی آیتوں میں مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرنے کی تلقین کی تھی' اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اس عظیم رسول کی بعثت تم پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے سو تم پر لازم ہے کہ تم اپنی تمام تر قوتوں سے ان کے ساتھ مل کر جہاد کرو۔

نبیوں اور رسولوں کی بعثت کا عام انسانوں اور مومنوں کے لیے رحمت ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو مسلمانوں پر احسان قرار دیا ہے' جس طرح آپ کی بعثت مومنوں پر احسان ہے اسی طرح عموماً" نبیوں اور رسولوں کی بعثت بھی عام انسانوں اور مومنوں پر احسان ہے' اللہ تعالیٰ نے عموماً" انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے متعلق اس آیت میں ارشاد فرمایا ہے :

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (النساء : ۱۶۵)

(ہم نے) بشارت دینے والے اور ڈرانے والے رسول (بھیجے) تاکہ رسولوں (کے آنے) کے بعد لوگوں کے لیے اللہ کے

خلاف کسی عذر کی گنجائش نہ رہے۔

رسولوں کی بعثت سے لوگوں کو متعدد طریقوں سے رشد و ہدایت حاصل ہوتی ہے :

(۱) انسانوں کی عقل اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت کے لیے ناقص اور نارسا ہے اور شیطان قدم قدم پر لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے خلاف شکوک و شبہات ڈالتا ہے' اللہ کا نبی انسانوں کو اللہ کی معرفت کراتا ہے اور شکوک و شبہات کا ازالہ کرتا ہے۔

(۲) ہرچند کہ بعض انسان اللہ تعالیٰ کی ذات کی معرفت حاصل کر لیتے ہیں لیکن وہ ازخود یہ نہیں جان سکتے کہ اللہ تعالیٰ کن کاموں سے راضی ہوتا ہے اور کن کاموں سے ناراض ہوتا ہے' نبی ان کو عبادات اور معاملات کے لیے ایسے طریقے بتاتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور ان کاموں سے منع فرماتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

(۳) انسان اپنی فطرت میں سست اور غافل ہے' اسے عبادات اور معاملات کے طریقے معلوم بھی ہو جائیں پھر بھی وہ سستی اور غفلت کی وجہ سے بے عملی اور بد عملی کا شکار ہو جاتا ہے نبی آکر انہیں نیکی کی طرف رغبت دلاتا ہے اور برائی پر اللہ کی گرفت سے ڈراتا ہے۔

(۴) جس طرح آنکھ میں اللہ تعالیٰ نے چیزوں کو دیکھنے کا نور رکھا ہے لیکن جب تک آفتاب یا چراغ کا نور اس نور کے معاون نہ ہو تو اشیاء کو دیکھنے کے لیے یہ نور ناکافی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عقل میں اپنی معرفت کا نور رکھا ہے لیکن جب تک نور نبوت اس کے معاون نہ ہو یہ نور ناکام اور ناتمام ہے۔

(۵) نبی اللہ کے احکام پر عمل کر کے دکھاتا ہے اور عملی نمونہ پیش کرتا ہے۔

(۶) انسان اس وقت بے جھجک گناہ کرتا ہے جب وہ حرص' شہوت یا غضب سے بے قابو ہو جائے' نبی اپنی تعلیم سے دلوں میں ایسا خوف خدا پیدا کرتا ہے کہ انسان ایسی حالت میں سنبھل جاتا ہے خدا کو یاد کرتا ہے اور معصیت سے باز آ جاتا ہے۔

(۷) سخت مشکلات' مصائب اور بیماریوں میں نبی پابندی سے اللہ کی اطاعت اور عبادت کرتا ہے تاکہ سخت مشکلات اور مصائب کسی شخص کے لیے عبادت نہ کرنے کا عذر نہ بن سکیں۔

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلائل اور مومنین پر وجوہ احسان

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر حسب ذیل دلائل ہیں اور یہی دلائل مومنوں پر وجوہ احسان ہیں۔

(۱) سیدنا محمد ﷺ مکہ میں پیدا ہوئے اور آپ نے وہیں نشوونما پائی' اور چالیس سال تک اہل مکہ دیکھتے رہے کہ آپ نے ہمیشہ سچ بولا' اور آپ کی پارسائی اور امانت و دیانت کا سکہ لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گیا۔ آپ حرص و طمع' جھوٹ' بے حیائی' اور برائی کے کاموں سے ہمیشہ دور رہے لوگ آپ کو صادق اور امین کے نام سے پہچانتے تھے۔ پھر جب آپ نے چالیس سال بعد اللہ کے نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کیا تو یہ یقین کیا جا سکتا تھا کہ جس شخص نے آج تک بندوں کے متعلق کوئی جھوٹ نہیں بولا وہ یکایک خدا پر کیسے جھوٹ باندھے گا!

(۲) اہل مکہ کو علم تھا کہ آپ نے کسی استاذ کے آگے کبھی زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا' کسی کا درس سنا نہ کسی کتاب کو پڑھا' نہ کسی سے علم کا تکرار کیا' پھر چالیس سال اسی طرح گزارنے کے بعد آپ یکایک غار حرا سے نکلے اور ایسا فصیح و بلیغ کلام پڑھا

جس کی نظیر لانے سے آج تک تمام دنیا عاجز ہے' پھر اس کلام میں گزشتہ اقوام کی تاریخ اور ان کے واقعات تھے جن کو پہلے آپ نے کسی سے سنا نہ تھا اور جن کی اہل کتاب نے تصدیق کر دی اور اس کلام میں مستقبل کے متعلق پیش گوئیاں تھیں جو اپنے اپنے وقت میں حرف بہ حرف پوری ہوئیں تو عقل سلیم کے لیے اس کو باور کرنے میں کوئی تامل نہ رہا کہ یہ کسی انسان کا نہیں اللہ کا کلام ہے' اور اس کلام کو اللہ نے آپ پر نازل کیا اور آپ اس کے برگزیدہ نبی اور رسول ہیں۔

(۳) مخالفین نے آپ کو دعوئ نبوت سے دستبردار ہونے کے لیے بڑی بھاری مالی پیش کشیں کیں' عرب کی حسین عورتوں کو نکاح کے لیے پیش کیا' لیکن آپ توحید کا پیغام سنانے سے دستبردار نہیں ہوئے' پھر آپ کو اذیتیں پہنچائی گئیں' آپ کے اصحاب کو تنگ کیا گیا' آپ کا سماجی بائیکاٹ کر دیا گیا (۷ نبوت میں) مخالفین نے مل کر یہ معاہدہ کیا کہ کوئی شخص خاندان بنو ہاشم سے تعلق رکھے گا نہ ان سے خرید و فروخت کرے گا نہ ان کے پاس کوئی کھانے پینے کی چیز جانے دے گا حتیٰ کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کو قتل کے لیے ہمارے حوالے نہ کر دیں' اس کے نتیجہ میں آپ تین سال تک شعب ابو طالب میں محصور رہے' جب ان مصائب اور مشقتوں کے باوجود آپ اللہ کی توحید بیان کرنے سے دست کش نہیں ہوئے تو سب نے مل کر آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا حتیٰ کہ آپ کو ہجرت کر کے اپنا وطن چھوڑنا پڑا' آپ نے سب کچھ چھوڑا' لیکن پیغام حق سنانا نہیں چھوڑا' جو شخص اپنے موقف میں صادق نہ ہو وہ کبھی اپنے موقف کی خاطر اتنے مصائب اور اذیتیں برداشت نہیں کر سکتا۔ سو جس شخص کے سامنے نبی ﷺ کی یہ سیرت ہو اس کو آپ کی صداقت میں کبھی تامل نہیں ہو سکتا۔

(۴) سیدنا محمد ﷺ نے جو کتاب پیش کی' اس میں اللہ کے وجود' اس کے خالق کائنات ہونے اور واحد لاشریک ہونے کا بیان ہے اور شرک سے تنزیہ ہے' اس میں نیک عمل کرنے اور برے عمل نہ کرنے کی تلقین اور ترغیب ہے' اور ان کے منکروں پر عذاب نازل ہونے کا بیان ہے۔ غرض اس کتاب میں نیکی اور سچائی کے سوا کچھ نہیں تو جس شخص نے یہ کتاب پیش کی اور اس کے منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ کیا وہ خود نیک اور سچا کیوں نہیں ہو گا!

(۵) نبی ﷺ نے بے شمار معجزات پیش کیے چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھایا' سورج کو پلٹایا' درخت آپ کے اشارہ پر چل کر آتے اور پھر واپس اپنی جگہ چلے جاتے' درختوں' پتھروں' اور مختلف جانوروں نے آپ کا کلمہ پڑھا' کھانے پینے کی چیزوں کی کم مقدار آپ کی برکت سے بہت زیادہ ہو جاتی تھی' آپ نے علوم و معارف کے دریا بہائے' غیب کی خبریں بیان کیں' آپ چاہتے تو آپ خدائی کا دعویٰ کر دیتے اور یہ دنیا جو چند کمالات کی وجہ سے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کو خدا مان چکی ہے' جس نے فرعون کو بغیر کسی کمال کے خدا مان لیا تھا جو لوگ بلاوجہ اور بے سبب عناصر اور پتھروں کی پرستش کرتے رہے ان سے کچھ بعید نہ تھا بلکہ زیادہ توقع تھی کہ وہ ان کمالات کو دیکھ کر آپ کی خدائی کے دعویٰ پر یقیناً ایمان لے آتے' لیکن آپ نے کہا میں تمہاری مثل ایک بشر ہوں' جس طرح تم خدا نہیں ہو میں بھی خدا نہیں ہوں' مجھ پر صرف اس کی وحی آتی ہے' یہ کلام جس کی فصاحت و بلاغت' غیب کی خبروں اور عالم گیر ہدایتوں کے اعتبار سے میں نے اس کی نظیر لانے کا چیلنج کیا ہے۔ یہ میری قابلیت اور کاوش کا نتیجہ نہیں ہے لفظ بہ لفظ اللہ کا کلام ہے' اور یہ جو بہ کثرت معجزات میں نے دکھائے ہیں یہ میری قدرت کا ثمرہ نہیں ہیں یہ اسی خدائے واحد کی قدرت سے ظہور میں آئے ہیں' میں جو اولین اور آخرین کی خبریں' ما کان وما یکون اور غیب کی باتیں بتاتا ہوں یہ میرا ذاتی علم نہیں ہے' یہ سب کچھ میں اللہ کے دیئے ہوئے علم اور اس کی وحی سے بتاتا ہوں' میرا علم اور میری قدرت' میرا کوئی وصف اور کوئی کمال بھی ذاتی نہیں ہے' میں خود اور میرے تمام اوصاف

سب اللہ کے عطا کردہ ہیں' آپ سے کہا گیا کہ فلاں علاقہ کے لوگ اپنے بادشاہ کو سجدہ کرتے ہیں تو آپ اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے' آپ نے فرمایا اگر مخلوق کے لیے سجدہ روا ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے' ہماری تعظیم صرف سلام کرنے میں ہے' آپ بہت زیادہ عبادت کرتے تھے اور راتوں کو اتنا طویل قیام کرتے تھے کہ آپ کے پیر سوج جاتے تھے' دن میں سو مرتبہ سے زیادہ اللہ سے استغفار کرتے تھے آپ کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ نے اتنے عظیم کمالات پیش کیے اور برملا یہ اعلان کیا کہ یہ میرا ذاتی کمال نہیں ہے' جھوٹا انسان تو بڑا بننے کے لیے دوسروں کے ایسے کمالات بھی اپنی طرف منسوب کر لیتا ہے جن کے اصل ماخذ کا بہ آسانی پتا چل جاتا ہے' اگر بالفرض آپ یہ کہہ دیتے کہ یہ سب میرے ذاتی کمالات ہیں تو کسی انسان کے پاس ان کمالات کے اصل ماخذ تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا' آپ کی صداقت اور راست بازی پر اس سے بڑھ کر کھلی ہوئی دلیل اور کیا ہو گی! صرف یہی نہیں آپ نے ان کمالات میں سے کسی کمال کا اعزاز نہیں لیا' بلکہ آپ نے ہمیشہ اس سے اجتناب کیا کہ ان کمالات کی وجہ سے آپ کی غیر معمولی تعظیم اور تکریم کی جائے' لوگوں نے آپ کو سجدہ کرنا چاہا تو آپ نے اس سے منع فرمایا' اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت کا اعلان قطعی کر دیا پھر بھی راتوں کو اس قدر طویل قیام فرماتے کہ پاؤں پر ورم آ جاتا' اور استفسار پر بھی فرماتے کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں! غرض ان تمام کمالات کے باوجود آپ نے عجز و انکسار اور اظہار عبدیت کو اپنا شعار بنایا' ایک مرتبہ مال غنیمت میں بہت سے غلام' باندیاں اور بہت ساز و سامان ملا' آپ نے اس سے بہت مسلمانوں کو دیا اگر کسی کو نہیں دیا تو اپنی صاحبزادی حضرت سیدتنا فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو' فرمایا تم عشاء کی نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ' ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لینا' یہ تمہیں ایک باندی کی ضرورت سے کفایت کرے گا' جو شخص جھوٹا ہو وہ اپنے کمالات سے اپنی ذات کے لیے نفع حاصل کرتا ہے یا اپنی اولاد کے لیے' آپ نے اپنے کمالات سے اپنے لیے کوئی بڑائی چاہی' نہ نفع اور آرام چاہا' نہ اپنی اولاد کے لیے کوئی منفعت طلب کی بلکہ جو نفع ملا وہ عام مسلمانوں کو پہنچایا اور جو بڑائی اور کبریائی تھی اس کی نسبت اللہ کی طرف کی' لوگوں کو بھی اللہ کی عبادت کی طرف بلایا اور خود بھی دن رات اس کی عبادت میں لگے رہے تو ہم ان کو سچا کیوں نہ مانیں' ان کی تصدیق کیوں نہ کریں اور ان پر ایمان کیوں نہ لائیں!

(۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اہل عرب کا دین بدترین دین تھا' وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے' ان کے اخلاق بھی بہت خراب تھے' وہ قتل و غارت گری' لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کرتے تھے' مردار کھاتے تھے' رشتوں کو توڑتے تھے' شراب پیتے تھے اور جوا کھیلتے تھے' لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے' اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں مبعوث کیا' تو وہ ذلت کی پسماندگی سے نکل کر عزت کی بلندیوں پر فائز ہو گئے' حتیٰ کہ وہ علم و ہنر' زہد و تقویٰ اور فہم و فراست اور شجاعت اور بہادری کے لحاظ سے دنیا کی سب سے افضل اور برتر قوم شمار کیے جانے لگے اور چونکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے شہر میں پیدا ہوئے اور وہیں پروان چڑھے تو دوسروں کی بہ نسبت ان کو آپ سے استفادہ کا زیادہ موقع ملا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔

(۷) ہر قوم اپنے بطل جلیل اور رجل عظیم پر فخر کرتی ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یہود و نصاریٰ اور عرب سب فخر کرتے تھے' سو ان پر فخر کرنا سب میں مشترک تھا' اور یہود صرف حضرت موسیٰ پر فخر کرتے تھے اور نصاریٰ صرف حضرت عیسیٰ پر فخر کرتے تھے' عرب والوں کے لیے کوئی ایسی شخصیت نہ تھی جس پر وہ انفرادی طور پر فخر کرتے اللہ تعالیٰ نے ان میں

سے سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث کیا اور اب عرب بجا طور پر یہ فخر کرتے ہیں کہ انبیاء و رسل کے سردار دو عالم کے مختار ان کے شہر میں پیدا ہوئے اور یہیں انہوں نے اعلان نبوت کیا۔

(۸) اللہ تعالیٰ نے نوع انسان اور بشر سے سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث کیا' اور یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے اگر اللہ تعالیٰ نور' نار' ملائکہ یا جنات میں سے آپ کو مبعوث کر دیتا تو انسانوں کے لیے آپ سے استفادہ کرنا ممکن نہ ہوتا' آپ کی سیرت مسلمانوں کے لیے نمونہ اور حجت نہ ہوتی اس لیے اللہ نے اپنا یہ عظیم رسول فرشتوں میں سے بھیجا نہ جنات میں سے نہ نور میں سے نہ نار میں سے بلکہ یہ عظیم رسول انسانوں میں سے مبعوث فرمایا اور مومنوں کی جنس میں سے اس عظیم رسول کو بھیجا' تاکہ مومن اس سے استفادہ کر سکیں' اس کی بات سن سکیں' اس کے عمل کو دیکھ سکیں اور بے شک یہ اللہ کا مومنوں پر بہت بڑا احسان ہے' اللہ تعالیٰ نے بنو آدم کو جو تکریم دی' اس کو احسن تقویم میں پیدا کیا۔ اپنے دست قدرت سے اس کی تخلیق کی اور اسے اپنی صورت پر بنایا' یہ ساری عزتیں اور کرامتیں انسان اور بشر کو اس لیے دی گئی تھیں کہ اس عظیم رسول کو نوع انسان اور بشر سے مبعوث فرمانا تھا۔ اگر ان کو مبعوث کرنا نہ ہوتا تو بشریت کا یہ فروغ ہوتا نہ انسانیت کا یہ عروج ہوتا۔

(۹) اس آیت میں مومنین سے مراد وہ مومن ہیں جو اس وقت سیدنا محمد ﷺ پر ایمان لائے تھے' اور فرمایا ہے "جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول بھیجا۔" اس سے مراد ان امور میں مماثلت ہے جو آپ کے قرب اور آپ سے اکتساب فیض کا سبب ہوں' اور اس سے مراد نسب' لغت اور وطن ہے' جب آپ ان کے نسب اور ان کی قوم سے مبعوث ہوئے تو لوگ آپ سے مانوس ہوئے اور آپ کی طرف مائل ہوئے اور آپ کے قرب سے توحش اور اجنبیت کا شکار نہیں ہوئے' اور جب آپ ان کی لغت اور ان کی زبان میں کلام کرتے تھے تو آپ کا خطاب اور آپ کا کلام سمجھنا ان کے لیے آسان ہوا نیز ہم زبان ہونا بھی قرب کا ذریعہ ہوتا ہے' اور جب آپ ان کے وطن میں رہنے والے تھے اور آپ نے ان کے سامنے نشو و نما پائی اور آپ کی تمام زندگی ان کے سامنے تھی' انہوں نے آپ کی سچائی' اپنے موقف پر استقامت اور آپ کے معجزات دیکھے تو ان کے لیے آپ پر ایمان لانا بہت آسان ہو گیا۔

(۱۰) علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ نے لکھا ہے کہ آپ ان کے نسب سے مبعوث کئے گئے یا ان کی جنس سے قوم عرب سے مبعوث کئے گئے یا بنو آدم سے مبعوث کئے گئے فرشتوں اور جنات میں سے مبعوث نہیں کئے گئے' اور یہ مومنوں پر اس وجہ سے احسان ہے کہ اگر آپ کسی اور جنس سے مبعوث کیے جاتے تو ایک جنس دوسری مختلف جنس سے متوحش اور متنفر ہوتی ہے اور اس سے مانوس نہیں ہوتی اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مومنوں کی جنس سے مبعوث کیا تو وہ آپ سے مانوس ہوئے اور ان کو آپ سے وحشت نہیں ہوئی اور آپ سے فیض حاصل کرنا ان کے لیے آسان ہو گیا اور آپ کی زبان وہ سمجھتے تھے' اور آپ کی سیرت پر مطلع تھے اور یہ آپ کی تصدیق کا ذریعہ بنا' اس آیت میں آپ کی بعثت کو مومنین کے لیے احسان فرمایا ہے حالانکہ آپ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کی رحمت سے استفادہ صرف مومنین ہی کرتے ہیں' جس طرح قرآن مجید کو فرمایا یہ متقین کے لیے ہدایت ہے جب کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے یہ تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے۔ (البقرہ : ۱۸۵) کیونکہ قرآن مجید کی ہدایت سے صرف متقین ہی استفادہ کرتے ہیں۔

(روح المعانی : ج ۴ ص ۱۱۳ – ۱۱۲)

سیدنا محمد ﷺ نوع انسان اور بشر سے مبعوث کیے گئے

علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں :

"من انفسھم" کا معنی ہے ان کے نسب سے، حضرت ابن عباس نے فرمایا ان کے نسب سے مراد یہ ہے کہ آپ ولد اسماعیل سے تھے، اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا یہ آیت خاص عربوں کے لیے ہے، اور دوسرے مفسرین نے کہا اس آیت سے مراد کل مومن ہیں اور "من انفسھم" کا معنی یہ ہے کہ آپ ان میں سے ایک فرد ہیں، وہ آپ کو بھی پہچانتے تھے اور آپ کے نسب کو بھی پہچانتے تھے، آپ نہ فرشتے تھے اور نہ بنو آدم کے علاوہ کسی اور جنس کے فرد تھے، یہ قول زجاج کا مختار ہے، اگر مومنوں پر احسان کی وجہ یہ ہو کہ آپ عرب تھے تو عجمیوں پر آپ کی بعثت کی وجہ سے کوئی احسان نہیں ہو گا، لیکن عجمیوں پر بھی اس وجہ سے احسان ہے کہ جب ان کو آپ کی بعثت کی خبر دی گئی اور ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ آپ ان ہی میں سے ایک فرد ہیں اور انہوں نے آپ کے صدق اور آپ کی امانت کو جان لیا تو ان کے لیے آپ کی نبوت کو ماننا آسان ہو گیا۔ (الوسیط ج ۱ ص ۵۱۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں :

"من انفسھم" کا معنی ہے ان کی اصل اور عرب میں ان کے نسب سے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی جنس سے یعنی بنو آدم سے، اللہ نے آپ کو فرشتوں میں سے نہیں بنایا، آپ کی تین فضیلتیں تھیں، آپ کا نسب عربوں میں سے قریش میں سے تھا، اور قریش میں سے بنو ہاشم میں سے تھا، اور اس پر اتفاق تھا کہ عرب افضل ہیں اور عربوں میں قریش اور قریش میں سے بنو ہاشم۔ دوسری فضیلت یہ تھی کہ اعلان نبوت سے پہلے آپ لوگوں میں بہ طور امین معروف تھے، اور تیسری فضیلت یہ تھی کہ سب کو معلوم تھا کہ آپ امی ہیں اور پھر آپ نے ایک معجز کلام پیش کیا۔

(تفسیر السمرقندی ج ۱ ص ۳۱۳، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۳ھ)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

"من انفسھم" کا معنی ہے آپ ان کی مثل بشر ہیں، ایک قرات شاذہ فا کی زبر کے ساتھ ہے یعنی آپ ان میں سے زیادہ نفیس ہیں، کیونکہ آپ بنو ہاشم سے ہیں اور بنو ہاشم قریش میں افضل ہیں، اور عرب عجم سے افضل ہیں۔ حضرت عائشہ نے فرمایا یہ آیت عرب کے لیے ہے اور دیگر مفسرین نے کہا کہ اس سے مراد کل مومن ہیں اور "من انفسھم" کا معنی ہے آپ ان میں سے ایک فرد ہیں، اور ان کی مثل بشر ہیں اور صرف وحی سے ان میں ممتاز ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۲۶۴۔ ۲۶۳، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران، ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں :

اس آیت میں دو قول ہیں حضرت عائشہ اور جمہور سے منقول ہے کہ یہ آیت عربوں کے ساتھ خاص ہے اور اس کا معنی ہے آپ کا نسب ان میں معروف ہے اور یہی وجہ احسان ہے، اور دوسروں کا قول ہے یہ آیت سب مومنوں کے لیے ہے اور اس آیت کا معنی ہے نہ آپ فرشتے ہیں اور نہ بنو آدم کے علاوہ کسی اور جنس کے فرد ہیں اور یہی وجہ احسان ہے۔

(زاد المسیر ج ۱ ص ۴۹۴، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی شافعی متوفی ۶۸۵ھ لکھتے ہیں :

"من انفسھم" کا معنی ہے آپ ان کے نسب سے اور ان کی جنس سے ان کی مثل عربی ہیں تاکہ وہ آسانی کے ساتھ آپ کا کلام سمجھ لیں' اور صدق اور امانت میں آپ کے حال سے واقف ہوں اور آپ پر فخر کریں ایک قرات فا کی زبر کے ساتھ ہے' یعنی آپ ان میں سے سب سے زیادہ شرف والے ہیں کیونکہ آپ کا قبیلہ سب سے اشرف اور افضل تھا۔

(انوار التنزیل ص ۹۵' مطبوعہ دار فراس للنشر و التوزیع مصر)

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی ہے کہ آپ بنو آدم کی جنس سے ہیں' اور یہ اس وجہ سے احسان ہے کہ لوگ آپ سے مانوس ہو کر اکتساب فیض کر لیں' اور دو مختلف جنسوں میں جو وحشت اور نفرت ہوتی ہے وہ نہ ہو' اور ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کے مخاطب عرب ہیں اور وجہ احسان یہ ہے کہ آپ ان کی مثل عرب ہیں' ان کی زبان بولتے ہیں اس وجہ سے ان کے لیے آپ سے استفادہ آسان ہے اور آپ کی سیرت طیبہ ان میں معروف ہے اور یہ آپ کی نبوت کو جاننے کا ذریعہ ہے۔

(البحر المحیط ج ۳ ص ۴۱۶۔۴۱۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابو العباس بن یوسف السمین الحلبی الشافعی المتوفی ۷۵۶ھ لکھتے ہیں:

"من انفسھم" کا معنی ہے کہ آپ ان کی جنس سے ہیں' حضرت عائشہ' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما اور ضحاک کی یہی قرات ہے' اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ فاء کی زبر کے ساتھ ہے' یعنی آپ سب سے زیادہ نفیس اور مکرم ہیں' حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: میں نسب' حسب اور صہر (سسرال) کے لحاظ سے تم سب سے زیادہ نفیس ہوں۔ (الدر المصون ج ۲ ص ۲۵۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

علامہ جلال الدین شافعی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

آپ ان کی مثل عربی ہیں تاکہ وہ آپ کا کلام سمجھ سکیں اور آپ کی وجہ سے مشرف ہوں نہ فرشتے ہیں نہ عجمی

(جلالین مع الجمل ج ۱ ص ۳۳۲' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

علامہ ابو السعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ۹۸۲ھ لکھتے ہیں:

آپ ان کے نسب سے یا ان کی جنس سے ان کی مثل عربی ہیں تاکہ وہ آسانی سے آپ کا کلام سمجھ سکیں اور آپ کے صدق اور آپ کی امانت پر مطلع ہوں اور اس پر فخر کریں اور اس میں ان کے لیے عظیم شرف ہے' ایک قرات فا کی زبر کے ساتھ ہے کیونکہ آپ کا قبیلہ سب سے افضل قبیلہ تھا۔

(تفسیر ابو السعود علی ہامش الکبیر ج ۲ ص ۲۵۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کا اطلاق بھی فرمایا ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا اور روشن کتاب۔ (المائدۃ: ۱۵)

اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کا اطلاق بھی جائز ہے' نور کی دو قسمیں ہیں ایک حسی اور مادی نور ہے جیسے سورج' چاند اور چراغ کا نور ہے جو آنکھ سے نظر آتا ہے اور حسی نور اندھیروں کو دور کرتا ہے' اور ایک معنوی نور ہے جو کفر اور گمراہی سے نکال کر اسلام اور ہدایت کی طرف لاتا ہے' اس کا ادراک عقل سے ہوتا ہے' اور یہی نور افضل ہے اور یہی انبیاء علیہم السلام

کی صفت ہے' سیدنا محمد ﷺ کی شان کے لائق بھی یہی نور ہے' نیز آپ کی بشریت مادی کثافتوں سے پاک اور منزہ تھی اور غایت لطافت میں تھی حتی کہ آپ کے جسم مبارک کا سایہ بھی نہیں پڑتا تھا اس وجہ سے بھی آپ کو نور فرمایا گیا اور اس لیے بھی کہ آپ کی حقیقت میں عقل کے علاوہ استعداد وحی کا عنصر بھی رکھا گیا جو عام انسانوں کے اعتبار سے بہ منزلہ فصل ہے اور اسی سے آپ امور غیبیہ کا ادراک کرتے ہیں' اس لیے آپ کو نور فرمایا گیا' نیز اس لیے بھی کہ بعض اوقات آپ سے حسی نورانیت کا بھی ظہور ہوتا ہے جیسا کہ بعض احادیث میں ہے :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کے دو دانتوں میں جھری (خلاء) تھی' جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے سامنے کے دانتوں سے نور کی طرح نکلتا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

(شمائل ترمذی مع جامع ترمذی ص ۵۶۹' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی' سنن دارمی ج ۱ ص ۲۳' مطبوعہ نشر السنۃ ملتان' دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۲۱۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷۹' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت ۱۴۰۲ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہ تھا' آپ جب بھی سورج کے سامنے کھڑے ہوتے تھے' آپ کا نور سورج کی روشنی پر غالب رہتا اور آپ جب بھی چراغ کے سامنے کھڑے ہوتے تو آپ کا نور چراغ کے نور پر غالب رہتا۔ (الوفا باحوال المصطفی ص ۴۰۷' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

بعض علماء سیدنا محمد ﷺ کو انسان اور بشر نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ آپ کی حقیقت نور ہے اور بشریت آپ کی صفت یا آپ کا لباس ہے' اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ آپ کی حقیقت کیا ہے یہ کوئی نہیں جانتا' نورانیت بھی آپ کی صفت ہے' اور بشریت بھی آپ کی صفت ہے' لیکن قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے یہی واضح ہوتا ہے کہ آپ نوع انسان اور بشر سے مبعوث کیے گئے ہیں اور یہی آپ کی حقیقت ہے لیکن استعداد وحی کے لحاظ سے آپ عام انسانوں سے ممتاز ہیں اور آپ پر نور کا اطلاق بھی کیا گیا ہے اور اس کے محامل وہی ہیں جو ہم نے بیان کر دیئے ہیں لیکن یہ ایک فکری مسئلہ ہے اس کا ضروریات دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تاہم یہ بات ضرور ملحوظ رہنی چاہئے کہ ہماری عقائد کی تمام کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ نبی انسان اور بشر ہوتا ہے جس پر وحی نازل کی جاتی ہے اور اس کو تبلیغ احکام کے لیے مبعوث کیا جاتا ہے :

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں :

انبیاء وہ بشر ہیں جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔

(کتاب العقائد ص ۸' مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی کراچی)

صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں :

عقیدہ : نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو' اور رسول بشر ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ملائکہ میں بھی رسول ہیں۔

عقیدہ : انبیاء سب بشر تھے اور مرد' نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت۔

(بہار شریعت ج ۱ ص ۹' مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

تلاوت' تزکیہ اور کتاب و حکمت کی تعلیم کا بیان۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو ان پر اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے۔ (آل عمران : ۱۶۴)

یعنی ان پر آپ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں' آیت کا معنی دلیل ہے' قرآن مجید کے جملوں کو اس لیے آیات فرمایا ہے کیونکہ قرآن مجید کا ہر جملہ اپنی بلاغت کے اعتبار سے سیدنا محمد ﷺ کے دعویٰ نبوت کے صدق پر دلیل ہے' اور وہ چونکہ اہل لسان تھے اس لیے ہر جملہ سے ان کے مفہوم کو بغیر کسی ترجمہ کے جان لیتے تھے اور اس کی بلاغت کی وجہ سے اس کے اعجاز کو بھی سمجھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کے باطن کو صاف کرتا ہے۔ (آل عمران: ۱۶۴)

تزکیہ کا معنی ہے پاک اور صاف کرنا' یعنی آپ انہیں اسلام کی ہدایت دے کر ان کے ظاہر کو صاف اور ان کے باطن کو پاک کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ (آل عمران: ۱۶۴)

کتاب کی تعلیم سے مراد ہے قرآن مجید کے مقاصد کا بیان کرنا اور قرآن مجید کے حفظ کا حکم دینا' تاکہ انہیں ہر وقت قرآن مجید کے معانی مستحضر رہیں اور حکمت سے مراد نبی ﷺ کی سنت ہے' یا کتاب سے مراد ظاہر شریعت ہے اور حکمت سے مراد شریعت کے اسرار اور معارف ہیں' یا حکمت سے مراد ہے شریعت کے بیان کیے ہوئے وہ اصول جن پر عمل کرنے سے ایک فرد' ایک خاندان اور ایک ملک کی اصلاح ہوتی ہے جس کو تہذیب اخلاق' تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے:

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (الحشر: ۹) جو شخص اپنے نفس کے بخل سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔

یا جس طرح نبی ﷺ نے فرمایا: کسی چیز کی محبت تمہیں (اس کا عیب دیکھنے سے) اندھا اور (اس کا عیب سننے سے) بہرہ کر دیتی ہے (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۴۳' مسند احمد ج ۵ ص ۱۹۴' ج ۶ ص ۴۵۰)

نبی ﷺ نے جو حکمت کی تعلیم دی ہے یہ اس کی دو تین مثالیں ہیں' جو شخص قرآن مجید اور احادیث کا مطالعہ کرے گا وہ ایسی بے شمار مثالوں پر مطلع ہو گا۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ

یہ کیا ہوا کہ جب تمہیں ایک مصیبت پہنچی حالانکہ تم اس سے دگنی مصیبت (کفار کو) پہنچا چکے تھے (پھر بھی) تم نے کہا

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾

یہ مصیبت کہاں سے آئی؟ آپ کہیے کہ یہ مصیبت تمہاری ہی طرف سے آئی ہے' بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ

دو فریقوں کے مقابلہ کے دن تم پر جو مصیبت آئی تھی تو وہ اللہ کے حکم سے تھی اور اس لیے کہ اللہ مومنوں

الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٦٦﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۚ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا

کو متمیز کر دے ○ اور تاکہ (اللہ) منافقوں کو الگ کر دے، اور ان سے کہا گیا آؤ اللہ کی راہ میں

قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوِ ادْفَعُوا ۖ قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ ۗ

جنگ کرو، یا (اپنے شہر کا) دفاع کرو تو انھوں نے کہا اگر ہم جانتے کہ جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہاری پیروی

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم

کرتے، اس دن وہ ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے، وہ اپنی زبانوں سے ایسی بات کہہ رہے تھے

مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾ الَّذِينَ

جو ان کے دلوں میں نہیں تھی اور اللہ ان چیزوں کو زیادہ جاننے والا ہے جن کو وہ چھپاتے ہیں ○ یہ وہ لوگ

قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ۗ قُلْ فَادْرَءُوا

ہیں جو خود تو بیٹھ رہے اور انھوں نے (شہید ہونے والے) اپنے بھائیوں کے متعلق کہا اگر یہ ہمارا کہنا مان لیتے تو قتل نہ کیے

عَنْ أَنفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٦٨﴾

جاتے، آپ کہیے اگر تم سچے ہو تو جب تمہاری موت آئے تو اسے ٹال دینا ○

بعض مسلمانوں اور منافقوں کے شبہات اور ان کے جوابات

جنگ بدر میں مسلمانوں نے ستر مشرکوں کو قتل کر دیا تھا اور ستر مشرک گرفتار کر لیے گئے تھے' اس کے بعد جب جنگ احد میں ستر مسلمان شہید کر دیئے گئے تو بعض مسلمان کہنے لگے' ہم پر یہ مصیبت کیسے ٹوٹ پڑی' حالانکہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے مقابلہ پر مشرک ہیں اور ہم میں اللہ کا نبی بھی موجود ہے جن پر آسمان سے وحی آتی ہے' اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا : اے نبی! آپ کہئے کہ یہ مصیبت تمہاری خود لائی ہوئی ہے' تم میری حکم عدولی کر کے احد پہاڑ سے ہٹے اور مال غنیمت لینے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے' وہ چاہے تو تمہاری اس تقصیر پر درگذر کرے اور چاہے تو سزا دے' وہ چاہے تو فضل اور احسان کرے اور چاہے تو انتقام لے۔ جس دن کفر اور اسلام کے دو لشکر معرکہ آراء ہوئے اس دن جو مسلمان شہید ہوئے اور جو مسلمان زخمی ہوئے وہ سب اللہ کی قضاء و قدر کے مطابق ہوا اور اس کی حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مخلص مسلمانوں کو منافقوں سے متمیز کر دیا' اور جن منافقوں نے اپنے نفاق پر ظاہری اسلام کا پردہ ڈالا ہوا تھا وہ پردہ اٹھا دیا اور ان کے نفاق کو ظاہر کر دیا۔

عبداللہ بن ابی اور اس کے تین سو ساتھی جو جنگ احد کے دن نبی ﷺ کی نصرت سے انحراف کر کے لشکر اسلام سے

نکل گئے تھے' ان کے پیچھے حضرت جابر کے والد عبداللہ بن عمرو بن حرام گئے اور ان سے کہا اللہ سے ڈرو اور اپنے نبی کا ساتھ نہ چھوڑو اللہ کی راہ میں قتال کرو یا کم از کم اپنے شہر کا دفاع کرو تو عبداللہ بن ابی نے کہا میرے خیال میں جنگ نہیں ہو گی' اور اگر ہمیں جنگ کا یقین ہوتا تو ہم تمہارے ساتھ رہتے' جب حضرت عبداللہ ان سے مایوس ہو گئے' تو انہوں نے کہا اے اللہ کے دشمنو! جاؤ عنقریب اللہ اپنے نبی کو تم سے مستغنی کر دے گا' وہ نبی ﷺ کے ساتھ گئے اور شہید ہو گئے۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۱۱' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کا پردہ چاک کر دیا اور جو لوگ ان کو مسلمان سمجھتے تھے ان پر ان کا نفاق ظاہر کر دیا اور جس دن ان کا حال ظاہر ہو گیا اس دن وہ ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے' یہ منافق اپنی زبانوں سے ایمان کو ظاہر کرتے تھے اور اپنے کفر کو چھپاتے تھے۔

یہ منافق یعنی عبداللہ بن ابی کے اصحاب جو جہاد میں شامل نہیں ہوئے تھے اور شہر میں بیٹھے رہے تھے۔ ان کے نسبی بھائی جن کا تعلق خزرج سے تھا جو جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے' ان کے متعلق ان منافقوں کو کہا کہ اگر ہمارے یہ (نسبی یا پڑوسی) بھائی مدینہ میں رہتے تو قتل نہ کیے جاتے' اور ایک قول یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی اور اس کے اصحاب نے قبیلہ خزرج کے لوگوں سے کہا یہ لوگ جو قتل کر دیئے گئے اگر یہ ہماری پیروی کر لیتے تو جنگ میں نہ مارے جاتے' اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی : اے نبی! آپ ان سے کہئے اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو جب تمہارے اوپر موت آئے تو تم اس کو خود سے ٹال کر دکھانا۔

علامہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں :

میں نے بعض مفسرین سے سمرقند میں سنا کہ جس دن یہ آیت نازل ہوئی تھی' اسی دن ستر منافقین مر گئے تھے۔

(تفسیر سمرقندی مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ)

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیے گئے ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں

عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ

انھیں رزق دیا جا رہا ہے ○ اللہ نے اپنے فضل سے جو انھیں عطا فرمایا ہے وہ اس پر

وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ

خوش ہیں' اور ان کے بعد والے لوگ جو ابھی ان سے نہیں ملے ان کے متعلق اس بشارت سے خوش ہو رہے ہیں کہ ان پر بھی نہ خوف

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ

ہو گا نہ وہ غمگین ہوں گے ○ وہ اللہ کی طرف سے نعمت اور فضل پر خوشی منا رہے ہیں

وقف لازم

فَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

ہیں، اور اس پر کہ اللہ مومنین کا اجر ضائع نہیں فرماتا ○

مناسبت اور شان نزول

جہاد میں جانے والوں کو منافقین یہ کہہ کر جہاد سے روکتے تھے کہ جہاد میں انسان قتل کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کا رد فرمایا کہ قتل کیا جانا بھی اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے وابستہ ہے جس طرح طبعی موت مرنے کا تعلق اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے متعلق ہے، سو جس طرح جس شخص کی موت مقدر کر دی گئی ہو وہ اس سے ٹل نہیں سکتی۔ اسی طرح جس شخص کا قتل کیا جانا مقدر کر دیا گیا ہو وہ اس سے ٹل نہیں سکتا' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا ایک اور جواب دیا ہے کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جانا ناپسندیدہ اور بری بات یا کوئی آفت اور مصیبت نہیں ہے' کیونکہ جو شخص اللہ کی راہ میں قتل کر دیا گیا اللہ تعالیٰ اس کو قتل کے بعد زندہ کر دیتا ہے اور اس کو انواع و اقسام کی نعمتوں اور ثواب سے نوازتا ہے اور اس کو طرح طرح کے رزق اور خوشیاں عطا فرماتا ہے۔

یہ آیت جنگ بدر اور جنگ احد کے شہداء کے متعلق نازل ہوئی ہے' کیونکہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی اس وقت ان ہی دو مشہور جنگوں میں مسلمان شہید ہوئے تھے اور منافق مجاہدوں کو جہاد کرنے سے اس لیے روکتے تھے کہ وہ ان دو جنگوں میں شہید ہونے والے مسلمانوں کی طرح شہید نہ ہو جائیں۔

حیات شہداء کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہارے بھائی جنگ احد میں شہید ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے پوٹوں میں رکھ دیا' وہ جنت کے دریاؤں میں جاتے ہیں اور جنت کے پھلوں سے کھاتے ہیں اور عرش کے سایہ میں جو سونے کی قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں وہاں پلٹ آتے ہیں' جب انہوں نے کھانے پینے اور آرام کرنے کی پاکیزہ چیزیں حاصل کر لیں تو انہوں نے کہا ہمارے بھائیوں تک ہمارا یہ پیغام کون پہنچائے گا کہ ہم کو جنت میں رزق دیا جا رہا ہے تاکہ وہ جہاد سے بے رغبتی نہ کریں اور جنگ سے سستی نہ کریں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان تک تمہارا یہ پیغام میں پہنچاؤں گا' اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی : اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے گئے ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں انہیں ان کے رب کی طرف سے رزق دیا جا رہا ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۴۱' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی مجھ سے ملاقات ہوئی' آپ نے مجھ سے فرمایا اے جابر! کیا ہوا میں تم کو غم زدہ دیکھ رہا ہوں؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے والد جنگ احد میں شہید ہو گئے' اور انہوں نے بچے اور قرض چھوڑا ہے' آپ نے فرمایا کیا میں تم کو یہ خوشخبری نہ دوں کہ اللہ نے ان سے کس طرح ملاقات کی ہے! میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! کیوں نہیں! آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی سے بلا حجاب بات نہیں کی مگر

تمہارے والد سے بلاحجاب بات کی ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے بندے تم تمنا کرو میں تم کو عطا کروں گا' تمہارے والد نے کہا اے میرے رب! تو مجھے زندہ کر اور میں دوبارہ تیری راہ میں قتل کیا جاؤں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں یہ کہہ چکا ہوں کہ یہ دوبارہ دنیا کی طرف نہیں لوٹائے جائیں گے آپ نے فرمایا پھر یہ آیت نازل ہوئی: ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا۔

مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم کی تفسیر کے متعلق دریافت کیا گیا' انہوں نے کہا ہم نے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تھا' تو آپ نے ہمیں یہ خبر دی کہ ان کی روحیں سبز پرندوں میں ہیں اور وہ جنت میں جہاں چاہیں کھاتی پیتی ہیں' اور عرش کے نیچے جو قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں ان میں بسیرا کرتی ہیں' اللہ تعالیٰ ان کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا: تم کچھ اور زیادہ چاہتے ہو تو میں تمہیں اور زیادہ دوں؟ انہوں نے کہا اے ہمارے رب! ہم اور کیا زیادہ چاہیں گے! ہم جنت میں جہاں سے چاہتے ہیں کھاتے ہیں' پھر اللہ تعالیٰ ان کی طرف دوبارہ متوجہ ہوا اور فرمایا: اگر تم کچھ اور زیادہ چاہتے ہو تو میں تم کو اور زیادہ دوں! جب انہوں نے یہ دیکھا کہ ان کو نہیں چھوڑا جاتا تو انہوں نے کہا ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دیا جائے حتیٰ کہ ہم دنیا کی طرف لوٹ جائیں اور پھر تیری راہ میں دوبارہ قتل کیے جائیں۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۵' ص ۲۳۱ — ۲۳۰' حدیث: ۳۰۱۱ — ۳۰۱۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حیات شہداء کی کیفیت میں فقہاء اسلام کے نظریات

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

شہداء کی حیات کی کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے' اکثر متقدمین نے یہ کہا ہے کہ شہداء کی حیات حقیقی ہے اور جسم اور روح کے ساتھ ہے لیکن ہم اس زندگی میں اس کا ادراک نہیں کر سکتے' ان کا استدلال اس آیت سے ہے عند ربھم یرزقون "انہیں ان کے رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے۔" نیز صرف روحانی حیات میں شہداء کی کوئی تخصیص نہیں ہے کیونکہ یہ حیات تو عام مسلمانوں بلکہ کفار کو بھی مرنے کے بعد حاصل ہوتی ہے پھر ان کا دوسروں سے کیا امتیاز ہو گا؟ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ شہداء کی حیات صرف روحانی ہوتی ہے اور ان کو رزق دیا جانا اس کے منافی نہیں ہے' کیونکہ حسن سے مروی ہے کہ شہداء اللہ تعالیٰ کے پاس زندہ ہوتے ہیں اور ان کی روحوں کو رزق پیش کیا جاتا ہے جس سے ان کو فرحت اور مسرت حاصل ہوتی ہے' جس طرح آل فرعون پر صبح و شام آگ پیش کی جاتی ہے جس سے ان کو تکلیف اور اذیت ہوتی ہے' سو رزق سے مراد یہ فرحت اور مسرت ہے اور شہداء کا باقی مسلمان روحوں سے صرف حیات میں امتیاز نہیں ہے بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ کا جو خصوصی قرب حاصل ہے اور جو ان کو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں خصوصی عزت اور وجاہت حاصل ہو گی اس سے ان کا باقی مسلمانوں سے امتیاز ہو گا۔

بلخی نے شہداء کی حیات کا مطلقاً انکار کیا ہے اور اس آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ شہداء کو قیامت کے دن زندہ کیا جائے گا اور ان کو اچھی جزا دی جائے گی اور بعض معتزلہ نے یہ کہا ہے کہ حیات سے مراد یہ ہے کہ ان کا ذکر زندہ رہے گا اور دنیا میں ان کی تعریف ہوتی رہے گی' اور اصم سے منقول ہے کہ حیات سے مراد ہدایت اور موت سے مراد گمراہی ہے یعنی یہ نہ کہو کہ شہداء گمراہ ہیں بلکہ وہ ہدایت پر ہیں لیکن یہ تمام اقوال نہایت ضعیف ہیں بلکہ باطل ہیں اور شہداء کی حیات

جسمانی کا قول ہی صحیح ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' قتادہ' مجاہد' حسن' عمرو بن عبید' واصل بن عطاء' جبائی' رمانی اور مفسرین کی ایک جماعت کا یہی مختار ہے۔

جو علماء شہداء کی جسمانی حیات کے قائل ہیں ان کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا ان کا وہی جسم زندہ ہوتا ہے جس کو قتل کر دیا گیا تھا یا وہ کسی اور جسم کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں' جو علماء اس کے قائل ہیں کہ وہ اسی جسم کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں جس کو قتل کیا گیا تھا وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس قتل شدہ جسم میں ایسی حیات پیدا کر دے جس کی وجہ سے ان کو احساس اور ادراک حاصل ہو جائے اگرچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے اجسام زمین میں مدفون ہیں اور کوئی تصرف نہیں کر رہے اور ان میں زندہ جسموں کی کوئی علامت نہیں پائی جاتی کیونکہ حدیث میں ہے کہ انتہاء بصر تک مومن کی قبر میں وسعت کر دی جاتی ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ تم دلہن کی طرح سو جاؤ' حالانکہ ہم اس کا مشاہدہ نہیں کرتے کیونکہ برزخ کے امور اور واقعات ہمارے ذہنوں اور ادراک و شعور سے بہت دور ہیں۔

جسمانی حیات کے بعض قائلین نے کہا کہ شہداء کی حیات ایک اور جسم کے ساتھ ہوتی ہے جو پرندوں کی صورت پر ہوتا ہے اور ان کی روح اس جسم کے ساتھ متعلق ہوتی ہے ان کی دلیل اس حدیث سے ہے' امام عبد الرزاق' عبداللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہداء کی روحیں سبز پرندوں کی صورت میں جنت کی قندیلوں پر معلق رہتی ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو لوٹا دے گا' اگر یہ سوال ہو کہ اس حدیث کے معارض یہ حدیث ہے کہ امام مالک' امام احمد' امام ترمذی' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پیٹوں میں ہوتی ہیں اور جنت کے پھلوں یا درختوں پر معلق رہتی ہیں' اور امام مسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہداء کی روحیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں اور جنت میں جہاں چاہیں چرتی ہیں۔ پھر عرش کے نیچے قندیلوں میں ٹھہرتی ہیں کیونکہ پرندوں کے پیٹوں میں یا ان کے پوٹوں میں ہونے کا یہی مطلب ہے کہ وہ پرندوں کی صورت میں ہوتی ہیں کیونکہ دیکھنے والا ان کو صرف پرندوں کی صورتوں میں دیکھتا ہے۔

بعض امامیہ کا یہ مسلک ہے کہ شہداء اپنے دنیاوی جسم کی صورت پر ایک اور جسم کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں (یعنی جسم مثالی کے ساتھ) حتیٰ کہ اگر ان کو کوئی شخص دیکھ لے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو دیکھا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ ابو جعفر یونس بن ظبیان سے روایت ہے کہ ایک دن میں ابو عبداللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو انہوں نے کہا مومنین کی ارواح کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ عرش کے نیچے سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہوں گی' ابو عبداللہ نے کہا سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کا مرتبہ اس سے بلند ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی روح کو سبز پرندے کے پوٹے میں رکھے' اللہ تعالیٰ جب مومن کی روح کو قبض کر لیتا ہے تو وہ اس روح کو ایسے قالب (جسم) میں رکھتا ہے جو اس کے دنیاوی قالب کی شکل ہوتا ہے پھر وہ کھاتے پیتے رہتے ہیں پھر جب ان کے پاس کوئی شخص آتا ہے تو وہ اس کو ان کی اسی دنیاوی صورت میں پہچان لیتا ہے۔ (الفروع من الکافی ج ۳ ص ۲۴۵' مطبوعہ طہران)

اگر اس حدیث میں مومنوں سے مراد شہداء ہوں پھر تو وجہ استدلال بالکل ظاہر ہے اور اگر اس سے مراد عام مومن ہو تو پھر شہید کا حال اس سے بطریق اولیٰ معلوم ہو گا۔

(میں کہتا ہوں کہ علامہ آلوسی ایسے سنی عالم کا احادیث اہل سنت کے خلاف امامیہ کی روایت سے استدلال کرنا باعث حیرت ہے۔ سعیدی غفرلہ)

شہید اپنے دنیاوی جسم کے ساتھ زندہ ہوتا ہے یا جسم مثالی کے ساتھ یا سبز پرندوں کے جسم کے ساتھ؟

علامہ آلوسی لکھتے ہیں میرے نزدیک ہر مرنے والے کے لیے برزخ میں حیات ثابت ہے خواہ وہ شہید ہو یا نہ ہو' اور اس بات سے کوئی مانع نہیں ہے کہ اس دنیاوی بدن کے علاوہ کسی اور برزخی بدن کے ساتھ اس کی روح کا تعلق ہو اور ارواح شہداء کا بھی برزخی ابدان کے ساتھ اس طرح تعلق ہوتا ہے جس سے وہ دوسروں سے ممتاز رہتے ہیں اور علاوہ ازیں ان کو ایسی فرحت اور مسرت حاصل ہوتی ہے اور ایسی نعمتیں اور ثواب حاصل ہوتا ہے جو ان کے مقام کے لائق ہے اور ان برزخی ابدان لطیفہ کی دنیاوی اجسام کثیفہ کے ساتھ مکمل مشابہت ہوتی ہے' اور یہ بھی ممکن ہے کہ احادیث میں شہداء کے لیے جو سبز پرندوں کا ذکر ہے وہ بر بناء تشبیہ ہو' یعنی یہ اجسام برزخیہ اس قدر سرعت کے ساتھ حرکت کرتے ہیں کہ ان کو سبز پرندوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے' اور صورت کا معنی صفت ہو جیسا کہ اس حدیث میں ہے خلق آدم علی صورۃ الرحمان "آدم صورت رحمان پر پیدا کیا گیا ہے" یعنی رحمان کی صفت پر پیدا کیا گیا ہے' اور حضرت ابو عبداللہ ؓ نے جو مومن کی روح کے سبز پرندوں کے پوٹوں میں رہنے کو مستبعد قرار دیا وہ اس کے ظاہری معنی کے اعتبار سے تھا اور ہم نے جو بیان کیا ہے کہ سبز پرندوں سے مراد ان کے تیزی سے اڑنے کی صفت ہے اس بناء پر یہ اشکال لازم نہیں آئے گا کہ ایک جسم کے ساتھ دو روحیں متعلق ہو گئیں۔ ایک پرندے کی روح اور ایک شہید کی روح' اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شہید کی روح بنفسہ پرندہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے' کیونکہ ارواح انتہائی لطیف ہوتی ہیں اور ان میں کسی جسم کی صورت اختیار کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے جیسا کہ حضرت جبرائیل نے حضرت دحیہ کلبی کی شکل اختیار کر لی تھی' رہا یہ کہنا کہ دنیاوی جسم جو بوسیدہ ہو جاتا ہے جس کے اجزاء بکھر جاتے ہیں اور جسم کی ہیئت تبدیل ہو جاتی ہے' شہید کا یہی جسم زندہ رہتا ہے تو ہر چند کہ اس جسم کا زندہ رکھنا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید نہیں ہے لیکن اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے اور نہ اس میں شہید کی کوئی فضیلت اور عظمت ہے بلکہ اسکی وجہ سے ضعیف الایمان مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں اور یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص اتنے سال پہلے شہید ہوا تھا اور اس کے جسم کے زخم اب بھی تر و تازہ ہیں اور اس کے زخم سے پٹی ہٹائی تو اسی طرح خون بہہ رہا تھا تو یہ محض قصہ کہانیاں اور خرافات ہیں۔

(روح المعانی ج ۴ ص ۲۲۔ ۲۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شہداء کی حیات جسمانی میں مصنف کا موقف اور بحث و نظر

علامہ آلوسی کے عظیم علم و فن کے باوجود ہمیں علامہ آلوسی کی اس رائے سے اختلاف ہے کیونکہ یہ امر تسلسل اور تواتر سے منقول ہے کہ کسی وجہ سے بعض شہداء کی قبریں ایک بڑے عرصہ کے بعد کھل گئیں اور ان کے اجسام اسی طرح تر و تازہ پائے گئے اور ان کے زخموں سے اسی طرح خون رس رہا تھا۔

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

امام مالک بیان کرتے ہیں کہ انہیں عبدالرحمن بن عبداللہ بن صعصعہ سے یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمرو بن الجموح انصاری اور حضرت عبداللہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہما ان دونوں کی قبروں تک سیلاب کا پانی پہنچ گیا تھا' یہ دونوں جنگ

احد میں شہید ہوئے تھے اور ایک قبر میں مدفون تھے ان کی قبر کھودی گئی تاکہ ان کی قبر کی جگہ تبدیل کی جاسکے، جب ان کو قبر سے نکالا گیا تو ان کے جسم بالکل متغیر نہیں ہوئے تھے یوں لگتا تھا جیسے کل فوت ہوئے ہوں، ان میں سے ایک زخمی تھا اور دفن کے وقت اس کا ہاتھ اس کے زخم پر تھا اور اس کا ہاتھ اب بھی اسی طرح زخم پر تھا جب اس کا ہاتھ زخم سے ہٹا کر چھوڑا گیا تو وہ پھر اسی طرح زخم پر آگیا۔ غزوہ احد اور اس قبر کو کھودنے کے درمیان چھیالیس سال کا عرصہ تھا۔

(المرقات ج ۴ ص ۷۲، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ موطا امام مالک ص ۴۸۳۔ ۴۸۲، طبع لاہور)

امام مالک کی یہ روایت بعد کی روایتوں پر راجح ہے۔

نیز امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غزوہ احد کے دن میرے والد کے ساتھ ایک شخص کو دفن کیا گیا، میں اس سے خوش نہیں ہوا، حتی کہ میں نے اپنے والد کو اس قبر سے نکال کر علیحدہ دفن کیا، حضرت جابر کہتے ہیں میں نے اپنے والد کو چھ ماہ بعد نکالا تھا اور ان کے کان کے سوا ان کا پورا جسم اسی طرح تر و تازہ تھا جیسے ابھی دفن کیا ہو۔

(سنن کبریٰ ج ۴ ص ۵۸۔ ۵۷، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

ایک اور سند سے امام بیہقی روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے والد کے ساتھ ایک شخص کو دفن کیا گیا، اس سے میرے دل میں کچھ بات تھی پھر میں نے چھ ماہ بعد اپنے والد کے جسم کو نکالا تو ان کی ڈاڑھی کے چند بالوں کے سوا جو زمین کے ساتھ لگے ہوئے تھے باقی پورا جسم اسی طرح تازہ تھا۔ (سنن کبریٰ ج ۴ ص ۵۸ مطبوعہ ملتان)

خیال رہے کہ حضرت جابر کے والد، حضرت عبداللہ غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔

ان قوی آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ بسا اوقات شہداء کے یہی دنیاوی اجسام باقی رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان اجسام کو زندہ رکھتا ہے اور گلنے سڑنے سے محفوظ رکھتا ہے اور مرور زمانہ کے باوجود یہ اجسام اسی طرح تر و تازہ رہتے ہیں اور ان کے زخم اسی طرح خون آلود رہتے ہیں البتہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ میدان جنگ میں جو مسلمان قتل کیے جاتے ہیں کچھ عرصہ کے بعد ان کے اجسام پھول جاتے ہیں اور پھٹ جاتے ہیں اور ان سے بدبو آنے لگتی ہے، ان کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ مقتولین بدعقیدہ ہوں یا ان کا عقیدہ تو صحیح ہو لیکن ان کی نیت صحیح نہ ہو اور اگر ان کا عقیدہ بھی صحیح ہو اور ان کی نیت بھی شہادت کی ہو تو یہ کہا سکتا ہے کہ ان کی حیات جسمانی اس دنیاوی جسم کے ساتھ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیاوی جسم کے بدلہ ان کو کوئی اور جسم دے دیا ہے جو ان کے دنیاوی جسم کی مثل ہے۔

شہداء کی حیات جسمانی کے سلسلہ میں تمام احادیث اور آثار کو سامنے رکھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہداء کے درجات اور مراتب کے اعتبار سے شہداء کی حیات جسمانیہ کے متعدد اعتبار ہوتے ہیں، صحابہ کرام اور دوسرے مقربین اور صالحین اگر شہید ہوں تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اسی جسم کے ساتھ زندہ رکھتا ہے، اور بعض شہداء کو جسم مثالی عطا فرما دیتا ہے کیونکہ جو مسلمان اللہ کی راہ میں ایک چیز خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کی دس مثلیں عطا فرماتا ہے تو اس لیے ہو سکتا ہے کہ جب شہداء اللہ کی راہ میں اپنے جسم کو خرچ کریں اور وہ جسم قتل کے بعد بوسیدہ اور مٹی ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اس جیسے کئی اجسام مثالیہ عطا فرما دے، اور بعض شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں اڑتی پھرتی ہیں، جنت کی

کیاریوں میں چرتی ہیں اور عرش کے نیچے قندیلوں میں لٹکتی رہتی ہیں اور اس سلسلہ میں بکثرت احادیث ہیں۔

شہادت کے اجر و ثواب کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے اگر مسلمانوں کو میرے پیچھے رہنا ناگوار نہ ہوتا کیونکہ میں ان سب کے لیے سواری مہیا نہیں کر سکتا' تو میں اللہ کی راہ میں لڑنے والے ہر لشکر میں شامل ہوتا' اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی شخص کو یہ پسند نہیں ہوگا کہ مرنے کے بعد اس کے لیے اللہ کے پاس اتنا اجر و ثواب ہو جو دنیا و مافیہا کے برابر ہو اور اس کو واپس دنیا میں بھیج دیا جائے سوائے شہید کے کیونکہ جب وہ شہادت کی فضیلت دیکھے گا تو یہ چاہے گا کہ اس کو واپس دنیا میں بھیج دیا جائے اور اس کو دوبارہ (راہ خدا میں) قتل کر دیا جائے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۲' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ وہ دس بار اللہ کی راہ میں قتل کیے جانے کی تمنا کرے گا۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۱۸۷' طبع بیروت)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں قتل کیا جانا قرض کے سوا ہر چیز کا کفارہ ہے۔ (صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۵۰۲' حدیث : ۱۸۸۶' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید کو قتل کیے جانے سے صرف اتنی تکلیف ہوتی ہے جتنی تم کو چیونٹی کے کاٹنے سے ہوتی ہے۔ (الجامع الصحیح ج ۴ ص ۱۹۰' طبع بیروت' سنن نسائی ج ۲ ص ۵۹' طبع کراچی' سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۷۳۹' طبع بیروت' سنن دارمی ج ۲ ص ۱۲۵' طبع ملتان' مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۷' طبع بیروت)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید اپنے گھر کے ستر افراد کی شفاعت کرے گا۔

(سنن ابو داؤد ج ۱ ص ۳۴۱' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ' الشریعہ للآجری ص ۳۱۲' مطبوعہ دار السلام ریاض)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت مقدام بن معد یکرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نزدیک شہید کے چھ خصال (اجور) ہیں' پہلی مرتبہ اس کی مغفرت کر دی جائے گی' وہ جنت میں اپنا مقام دیکھ لے گا' وہ عذاب قبر سے محفوظ رہے گا' (حشر کے دن) فزع اکبر (سب سے ہولناک' گھبراہٹ اور پریشانی) سے امن میں رہے گا' اس کو یاقوت کا تاج وقار پہنایا جائے گا جس میں دنیا اور مافیہا کی خیر ہوگی' بڑی آنکھوں والی بہتر حوروں سے اس کا نکاح کیا جائے گا وہ اپنے ستر رشتہ داروں

کی شفاعت کرے گا۔ (الجامع الصحیح ج ۴ ص ۱۸۸۔۱۸۷ الحدیث: ۱۶۶۳ مطبوعہ بیروت)

امام ابن ماجہ اور امام احمد نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اس میں ہے خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی شہید کی مغفرت کردی جائے گی اور وہ جنت میں اپنا مقام دیکھ لے گا' باقی درجات کا اسی طرح ذکر ہے اور ان میں ایک اور درجہ کا ذکر کیا گیا ہے کہ اس کو ایمان کا حلہ پہنایا جائے گا۔

(سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۹۳۶' حدیث : ۲۷۹۹' طبع بیروت' مسند احمد ج ۴ ص ۱۳۱' ۲۰' طبع بیروت)

امام آجری متوفی ۳۶۰ھ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اس میں نو خصال کا ذکر ہے۔

(الشریعہ ص ۳۴۲' مطبوعہ دار السلام ریاض' ۱۴۱۳ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ کو دو قطروں اور دو اثروں (نشانوں) سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں ایک آنسو کا وہ قطرہ جو اللہ کے خوف سے گرا ہو' دوسرا خون کا وہ قطرہ جو اللہ کی راہ میں گرایا گیا ہو' اور رہے دو اثر تو ایک اثر اللہ کی راہ میں ہے اور ایک اثر اللہ کے فرائض میں سے کسی فریضہ کی ادائیگی میں ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۱۹۰' الحدیث : ۱۶۶۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر تین قسم کے لوگ پیش کیے گئے جو سب سے پہلے جنت میں جائیں گے' شہید' پاک دامن اور وہ بندہ جس نے اچھی طرح اللہ کی عبادت کی اور اپنے مالکوں کی بھی خیر خواہی کی۔

(جامع ترمذی ج ۴ ص ۱۷۶' الحدیث : ۱۶۴۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

سہل بن حنیف اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے صدق دل سے اللہ سے شہادت کی دعا کی اللہ تعالیٰ اس کو شہداء کا مرتبہ عطا فرماتا ہے۔ خواہ وہ اپنے بستر پر مرے۔

(جامع ترمذی ج ۴ ص ۱۸۳' الحدیث : ۱۶۵۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۹۳۵' طبع بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی اللہ کی راہ میں زخمی ہوتا ہے اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوتا ہے وہ شخص جب قیامت کے دن آئے گا تو اس کے خون کا رنگ خون کی طرح ہو گا اور اس میں خوشبو مشک کی ہو گی۔

(جامع ترمذی ج ۴ ص ۱۸۴' الحدیث : ۱۶۵۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۹۳۴' طبع بیروت)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے دروازے تلواروں کے سائے کے نیچے ہیں۔ (جامع ترمذی ج ۴ ص ۱۸۶' الحدیث : ۱۶۵۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حکمی شہداء کے متعلق احادیث و آثار

امام ابو داؤد متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا : تم لوگ کس چیز کو شہادت شمار کرتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا : اللہ عزوجل کی راہ میں قتل ہونے کو' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قتل فی سبیل اللہ کے سوا شہادت کی سات قسمیں اور ہیں' طاعون میں مرنے والا شہید ہے' نمونیہ میں مرنے والا شہید ہے' پیٹ کی بیماری میں

مرنے والا شہید ہے' جل کر مرنے والا شہید ہے' کسی چیز کے نیچے دب کر مرنے والا شہید ہے اور حاملہ درد زہ میں مبتلا ہو کر مرجائے تو وہ شہید ہے۔ (سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۸۷ 'مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور' ۱۴۰۵ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا گیا وہ شہید ہے' جو اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا گیا وہ شہید ہے' جو دین کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل کیا گیا وہ شہید ہے۔

(جامع ترمذی ص ۲۲۳ 'مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں سواری سے گر کر مرا وہ شہید ہے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۴۴۱ 'مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبد اللہ بن نوفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا : اللہ کی راہ میں (طبعی موت) مرنے والا شہید ہے۔ (المصنف ج ۵ ص ۲۶۸ 'مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص پہاڑ کی چوٹیوں سے گر کر مرجائے اور جس کو درندے کھا جائیں اور جو سمندر میں ڈوب جائے وہ سب اللہ کے نزدیک شہید ہیں۔ (المصنف ج ۵ ص ۲۶۹ 'مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : حالت نفاس میں مرنا شہادت ہے۔

(المصنف ج ۵ ص ۲۷۱ 'مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

حضرت ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے ٹیلہ کی چوٹی سے قریش کے ایک آدمی کو آتے دیکھا' صحابہ نے کہا یہ شخص کتنا طاقت ور ہے! کاش اس کی طاقت اللہ کے راستہ میں خرچ ہوتی' اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کیا صرف وہی شخص اللہ کے راستہ میں ہے جو قتل کر دیا جائے؟ پھر فرمایا جو شخص اپنے اہل کو سوال سے روکنے کے لیے حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستے میں ہے' اور جو شخص اپنے آپ کو سوال سے روکنے کے لیے حلال کی طلب میں نکلے وہ بھی اللہ کے راستہ میں ہے' البتہ جو شخص مال کی کثرت کی طلب میں نکلے وہ شیطان کے راستہ میں ہے۔

(المصنف ج ۵ ص ۲۷۱-۲۷۲ 'مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۰ھ)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں :

مسروق بیان کرتے ہیں کہ جو مسلمان کسی مصیبت (حادثہ) میں فوت ہو گیا وہ بھی شہید ہے۔

(المصنف ج ۵ ص ۳۳۳ 'مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۶ھ)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے صدق دل کے ساتھ اللہ سے شہادت کی دعا کی اللہ اس کو شہید کا اجر عطا فرمائے گا' امام مسلم' امام دارمی' امام ترمذی اور امام ابن ماجہ کی روایت میں ہے : خواہ

وہ بستر پر فوت ہو۔ (المستدرک ج ۲ ص ۷۷ 'مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ 'سنن دارمی ج ۲ ص ۱۲۵ 'مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

حافظ الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں:

عبد الملک بن ہارون بن عنترہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھیپھڑوں کی بیماری سے مرنے والا شہید ہے اور سفر میں مرنے والا شہید ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۰۱ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی '۱۴۰۲ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے ایک دن میں پچیس بار یہ دعا کی "اللھم بارک لی فی الموت وفیما بعد الموت اس کو اللہ تعالیٰ شہید کا اجر عطا فرمائے گا۔

(مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۰۱ 'مطبوعہ دار الکتاب العربی '۱۴۰۲ھ)

امام علی متقی متوفی ۹۷۵ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت ربیع انصاری بیان کرتے ہیں کہ نیزہ کی ضرب سے مرنا اور درندوں کے کھانے سے مرنا یہ شہادت ہے۔

(کنز العمال ج ۴ ص ۴۱۶ 'مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت '۱۴۰۵ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جو شخص کسی پر عاشق ہو گیا اور اس نے اپنے آپ کو حرام کاری سے بچایا وہ شہید ہے۔ (کنز العمال ج ۴ ص ۴۱۶ 'مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت '۱۴۰۵ھ)

امام علی متقی بن حسام الدین ہندی متوفی ۹۷۵ھ بیان کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بخار (میں مرنا) شہادت ہے۔ (کنز العمال ج ۴ ص ۴۱۹ 'مطبوعہ بیروت)

حضرت عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ گڑھے میں گر کر مرنا شہادت ہے۔ (کنز العمال ج ۴ ص ۴۱۹ 'طبع بیروت)

حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص پر ظلم کیا جائے وہ لڑے اور مارا جائے تو وہ شہید ہے (کنز العمال ج ۴ ص ۴۲۲ 'طبع بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں بستر پر مرے وہ شہید ہے 'اور سانپ یا بچھو سے ڈسا جانے والا شہید ہے 'اچھو سے مرنے والا شہید ہے۔ (کنز العمال ج ۴ ص ۴۲۲ 'طبع بیروت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے اوپر گھر گر جائے وہ شہید ہے 'جو شخص چھت سے گرے اور ٹانگ یا گردن ٹوٹنے کی وجہ سے مر جائے وہ شہید ہے 'جس پر پتھر گرے اور وہ مر جائے وہ شہید ہے 'جو عورت اپنے خاوند پر غیرت کرتی ہو وہ مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے اور اس کے لیے شہید کا اجر ہے 'جو اپنے بھائی کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے 'جو اپنے پڑوسی کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے 'جو شخص نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے وہ شہید ہے۔ (کنز العمال ج ۴ ص ۴۲۵ 'طبع بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص سرحد کی حفاظت کرتا ہوا مارا گیا وہ شہید ہے۔

(کنز العمال ج ۴ ص ۴۱۸ 'طبع بیروت)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بحستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کے راستہ میں نکلا پھر مر گیا یا اس کو قتل کر دیا گیا وہ شہید ہے یا جس شخص کو گھوڑے یا اونٹ نے گرا دیا یا جس شخص کو حشرات الارض میں سے کسی نے

ڈس لیا یا جو شخص (اللہ کی راہ میں) بستر پر مر گیا یا جس طرح بھی اللہ نے چاہا اس کو موت آ گئی وہ شہید ہے اور اس کے لیے جنت ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۳۸ ' مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور '۱۴۰۵ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے طاعون کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا : طاعون ایک عذاب ہے جو اللہ تعالیٰ جس قوم پر چاہتا ہے بھیج دیتا ہے' اور مسلمانوں کے لیے طاعون کو رحمت بنا دیا' سو جو مسلمان کسی ایسے شہر میں ہو جس میں طاعون پھیلا ہوا ہو' وہ اسی شہر میں ٹھہرا رہے اور صبر و استقامت کی نیت کر کے اس شہر سے نہ نکلے اور اس پر یقین رکھے کہ جو چیز اللہ نے اس کے لیے مقرر کر دی ہے وہ ہو کر رہے گی تو وہ شہید ہے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۹ ' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی '۱۳۸۱ھ)

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بیماری میں فوت ہو گیا وہ شہید ہے۔ اس کو قبر کے فتنہ سے محفوظ رکھا جائے گا اور اس کو صبح و شام رزق دیا جائے گا۔

(سنن ابن ماجہ ص ۱۱۷ ' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے صبح اٹھ کر تین مرتبہ پڑھا اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم اور سورہ حشر کی آخری تین آیتوں کو پڑھا تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتوں کو مقرر کر دیتا ہے جو شام تک اس کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں اگر وہ اس دن فوت ہو گیا تو وہ شہادت کی موت مرے گا' اور جس نے شام کو یہ کلمات پڑھے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۵ ص ۱۸۲ ' مطبوعہ بیروت ' سنن دارمی ج ۲ ص ۳۲۹ ' مطبوعہ ملتان ' مسند احمد ج ۳ ص ۲۱ ' مطبوعہ بیروت)

امام ابو نعیم اصبہانی متوفی ۴۳۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس شخص نے چاشت کی نماز پڑھی اور ہر ماہ تین روزے رکھے اور سفر اور حضر میں کبھی وتر کو نہیں چھوڑا' اس کے لیے شہید کا اجر لکھا جائے گا۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۳۲ ' مطبوعہ بیروت ' ۱۴۰۷ھ ' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۰۷ ' مطبوعہ قاہرہ ۱۴۰۷ھ ' مجمع الزوائد طبع بیروت ' ۱۴۰۲ھ ج ۲ ص ۲۴۱ ' کنز العمال ج ۷ ص ۸۱۰ - ۸۰۹ ' مطبوعہ بیروت ' ۱۴۰۵ھ)

علامہ قرطبی متوفی ۶۶۸ھ ' امام آجری متوفی ۳۶۰ھ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اے انس! اگر تم سے ہو سکے تو ہمیشہ باوضو رہو کیونکہ جب فرشتہ کسی بندہ کی روح قبض کرے اور وہ باوضو ہو تو اس کے لیے شہادت کا اجر لکھ دیا جاتا ہے۔

(التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ ص ۱۸۲ ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ' ۱۴۰۷ھ)

امام احمد متوفی ۲۴۱ھ سند حسن کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

راشد بن حبیش رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : بیت المقدس کا خادم شہید ہے اور زکام یا کھانسی

میں مرنے والا شہید ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۸۹ ‘مطبوعہ دار الفکر بیروت ‘الترغیب والترہیب مطبوعہ قاہرہ ۱۴۰۷ھ ج ۲ ص ۳۳۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے میری امت کے فساد (بدعت اور جہالت کے غلبہ) کے وقت میری سنت پر عمل کیا اس کو سو شہیدوں کا اجر ہو گا‘ امام بیہقی نے اس حدیث کو کتاب الزہد میں روایت کیا ہے۔

(مشکوۃ ص ۳۰ ‘مطبوعہ دہلی ‘مصابیح السنہ ج ۱ ص ۱۴۳)

امام ابن عدی نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اور اس کی سند کے متعلق لکھا ہے اس میں کوئی نقص نہیں ہے۔ (کامل ابن عدی ج ۲ ص ۷۳۹)

حافظ منذری نے اس کو امام بیہقی اور امام طبرانی کے حوالے سے درج کیا ہے اور اس کی سند پر اعتماد کیا ہے۔

(الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۸۰)

امام طبرانی کی روایت میں ایک شہید کا اجر ہے۔ (المعجم الاوسط ج ۶ ص ۱۹۷ ‘مکتبہ المعارف ریاض ۱۴۹۵ھ)

نیز یہ حدیث امام ابونعیم نے بھی روایت کی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۲۰۰ ‘مطبوعہ بیروت)

علامہ ہیثمی نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۷۲)

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ہر مومن شہید ہے پھر انہوں نے یہ آیت تلاوت کی :

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ (الحدید : ۱۹)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر (کامل) ایمان لائے وہی اللہ کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں اور ان کے رب کے پاس ان کا اجر اور نور ہے۔

(المصنف ج ۵ ص ۲۶۹ ‘مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ‘۱۳۹۰ھ)

حکمی شہداء کا خلاصہ

مذکور الصدر احادیث میں جو حکمی شہادت کی اقسام بیان کی گئی ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

(۱) طاعون میں مرنے والا۔ (۲) پیٹ کی بیماری میں مرنے والا۔ (۳) ڈوبنے والا۔ (۴) دب کر مرنے والا۔ (۵) نمونیہ میں مرنے والا۔ (۶) جل کر مرنے والا۔ (۷) درد زہ میں مبتلا ہو کر مرنے والی حاملہ۔ (۸) اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا۔ (۹) اپنی جان کی حفاظت میں مارا جانے والا۔ (۱۰) اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا۔ (۱۱) دین کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا۔ (۱۲) سواری سے گر کر مرنے والا۔ (۱۳) اللہ کے راستہ میں مرنے والا مثلاً علم دین کی طلب میں جانے والا‘ نماز کو جانے والا‘ حج کو جانے والا‘ غرض ہر نیک کام کے لیے جانے والا اس دوران اگر مر جائے۔ (۱۴) پہاڑ سے گر کر مرنے والا۔ (۱۵) جس کو درندے کھا جائیں۔ (۱۶) نفاس میں مرنے والی عورت۔ (۱۷) اپنے لیے رزق حلال کی طلب کے دوران مرنے والا۔ (۱۸) اپنے اہل و عیال کے لیے رزق حلال کی طلب کے دوران مرنے والا۔ (۱۹) کسی مصیبت یا حادثہ میں مرنے والا۔ (۲۰) صدق دل سے شہادت کی دعا کرنے والا۔ (۲۱) پھیپھڑوں کی بیماری مثلاً دمہ‘ کھانسی یا تپ دق میں مرنے والا۔ (۲۲) سفر میں مرنے والا۔ (۲۳) جو شخص ایک دن میں پچیس بار یہ دعا کرے اللھم بارک لی فی الموت و فیما بعد الموت (۲۴) نیزہ کی ضرب سے مرنے والا۔

(۲۵) جو عاشق پاک دامن رہا۔ (۲۶) بخار میں مرنے والا۔ (۲۷) سرحد کی حفاظت کرتے ہوئے مرنے والا۔ (۲۸) گڑھے میں گر کر مرنے والا۔ (۲۹) ظلماً قتل کیا جانے والا (۳۰) اپنے حق کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جانے والا۔ (۳۱) اللہ کی راہ میں بستر پر فوت ہونے والا۔ (۳۲) جس کو سانپ یا بچھو ڈس لے۔ (۳۳) جو اچھو سے مرجائے۔ (۳۴) پڑوسی کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے۔ (۳۵) جو چھت سے گرے اور ٹانگ یا گردن ٹوٹنے کی وجہ سے مرجائے۔ (۳۶) جو پتھر گرنے سے مرجائے۔ (۳۷) جو عورت اپنے خاوند پر غیرت کرتی ہوئی مرجائے۔ (۳۸) نیکی کا حکم دیتے ہوئے اور برائی سے روکتے ہوئے مرجائے۔ (۳۹) اپنے بھائی کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے۔ (۴۰) جو شخص اللہ کی راہ میں سواری سے گر جانے سے مرجائے۔ (۴۴) جو شخص کسی بھی بیماری میں فوت ہوا وہ شہید ہے۔ (۴۵) صبح و شام سورہ حشر کی آخری تین آیتیں پڑھنے والا شہید ہے۔ (۴۶) چاشت کی نماز پڑھنے والا ہر ماہ تین روزے رکھنے والا اور وتر قضا نہ کرنے والا شہید ہے۔ (۴۷) دائماً باوضو رہنے والا شہید ہے۔ (۴۸) بیت المقدس کا خادم شہید ہے۔ (۴۹) زکام یا کھانسی میں مرنے والا شہید ہے۔ (۵۰) غلبہ بدعت کے وقت سنت پر عمل کرنے والا شہید ہے۔ (۵۱) ہر مومن کامل شہید ہے۔

غسل شہداء کے متعلق مذہب فقہاء

جو شخص میدان جنگ میں مارا گیا اور اس کے علاج کا موقع نہیں ملا اس کو غسل نہیں دیا جائے گا اور نہ کفن پہنایا جائے گا بلکہ ان ہی خون آلودہ کپڑوں میں اس کو دفن کر دیا جائے گا۔ یہی حکم اس مسلمان کا ہے جس کو ظلماً قتل کیا گیا' اور باقی تمام شہداء کو غسل بھی دیا جائے گا اور کفن بھی پہنایا جائے گا' امام مالک' امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کا یہی مسلک ہے' اور امام احمد اور داؤد بن علی ظاہری کا مسلک یہ ہے کہ تمام شہداء کو غسل دیا جائے گا جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے :

امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ان کو ان کے خونوں میں دفن کرو یعنی جنگ احد کے دن' اور آپ نے ان کو غسل دینے کا حکم نہیں دیا۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

شہداء کی نماز جنازہ کے متعلق مذاہب فقہاء

اسی طرح شہید کی نماز جنازہ میں بھی اختلاف ہے' امام مالک' امام شافعی' امام احمد اور داؤد بن علی ظاہری کا مسلک یہ ہے کہ شہید کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی ان کی دلیل یہ حدیث ہے' امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ شہداء احد میں سے دو دو کو ایک کپڑے میں اکٹھا کرتے پھر فرماتے ان میں سے کس کو زیادہ قرآن یاد ہے' پھر جس کی طرف اشارہ کیا جاتا اس کو لحد میں پہلے رکھتے اور فرماتے قیامت کے دن میں ان پر گواہ ہوں گا' اور ان کو ان کے خون کے ساتھ دفن کرنے کا حکم دیا' نہ ان کو غسل دیا گیا اور نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی ان کی دلیل یہ حدیث ہے' امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک دن باہر آئے اور شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی۔ الحدیث

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۷۹' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

ائمہ ثلاثہ نے حضرت جابر کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں شہداء احد کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کا ذکر ہے اور امام

ابوحنیفہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھنے کا ذکر ہے' اور قاعدہ یہ ہے کہ ایک صحابی کسی چیز کے ثبوت کی خبر دے اور دوسرا اس کی نفی کی خبر دے تو ثبوت کی خبر کو ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ جو نفی کی خبر دے رہا ہے اس نے اس چیز کے ثبوت کو نہیں دیکھا اور دوسرے نے دیکھا ہے اس لیے اس کی روایت کو ترجیح ہے نیز حضرت عقبہ کی روایت کی تائید اور تقویت ان احادیث سے ہوتی ہے' امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

ابومالک بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نعش لانے کا حکم دیا پھر ان کو رکھا گیا پھر نو اور شہداء لائے گئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی' پھر ان کو اٹھالیا گیا' اور حضرت حمزہ کو رہنے دیا گیا' پھر نو اور شہداء کو لا کر رکھا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سات بار نماز پڑھی' حتی کہ آپ نے حضرت حمزہ سمیت ستر شہداء پر نماز پڑھی اور ہر بار ان کے ساتھ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر بھی نماز پڑھی۔

شعبی بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ پر ستر بار نماز پڑھی' پہلے آپ حضرت حمزہ پر نماز پڑھتے پھر دوسرے شہداء کو منگواتے پھر ان پر نماز پڑھتے اور ہر ایک کے ساتھ حضرت حمزہ پر بھی نماز پڑھتے۔

عطاء بن ابی رباح بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھی ہے۔

(مراسیل ابوداؤد ص ۱۸' مطبوعہ مطبع ولی محمد اینڈ سنز کراچی)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اس دن والد فوت ہو گئے تھے اور وہ شدت غم سے نڈھال تھے اس لیے ہو سکتا ہے کہ ان کو شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھے جانے کا علم نہ ہو سکا ہو' یا اس وقت وہ کسی اور کام میں مشغول ہوں اور وہاں پر موجود نہ ہوں یا ان کی روایت کا یہ مطلب ہو کہ شہداء احد پر علی الفور نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : انہیں رزق دیا جا رہا ہے۔

شہداء کے رزق کا بیان

اس سے مراد رزق معروف ہے جیسا کہ احادیث میں ہے کہ شہداء کی روحیں جنت میں چرتی پھرتی ہیں۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ شہداء کی روحیں جنت کی خوشبوؤں کو سونگھتی ہیں اور جو نعمتیں ارواح کے لائق ہیں ان سے متمتع ہوتی ہیں اور جب ان روحوں کو ان کے اجسام میں لوٹا دیا جائے گا تو وہ ان تمام نعمتوں سے متمتع ہوں گی جو اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرمائے گا۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کی روحوں کو سبز پرندوں کے پیٹوں میں کر دیا ہے۔ وہ جنت کے دریاؤں پر جاتی ہیں اور اس کے پھلوں سے کھاتی ہیں اور عرش کے سائے کے نیچے لٹکی ہوئی سونے کی قندیلوں میں آرام کرتی ہیں۔ (مسند احمد و سنن ابوداؤد) اور قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ شہداء کی روحیں سفید پرندوں کی صورتوں میں جنت کے پھلوں سے کھاتی ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شہداء کی روحیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سبز پرندوں کی طرح ہیں ان کے لیے عرش کے نیچے قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں وہ جنت میں جہاں چاہتی ہیں چرتی ہیں۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۱۱۴' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

شہداء کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹوں میں ہوتی ہیں اور ان پرندوں کے پیٹ بہ منزلہ سواری ہوتے ہیں

اور ان روحوں کا تعلق اپنے اپنے اجسام سے بھی ہوتا ہے۔

حافظ شمس الدین ابن قیم حنبلی متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں :

بعض احادیث میں ہے شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں ہیں، بعض میں ہیں ان کے پیٹوں میں ہیں، بعض میں ہے کہ سبز پرندوں کی مثل ہیں، ہو سکتا ہے کہ یہ تمام کلمات تشبیہ کے ہوں اور چونکہ شہداء کی روحیں بہت تیزی کے ساتھ جنت میں پھرتی ہیں۔ اس لیے ان کو سبز یا سفید پرندوں کے ساتھ تشبیہ دی ہو۔ اور شہداء کی یہ روحیں جو عرش کے نیچے قندیلوں میں آرام کرتی ہیں ابھی بہ طور دوام کے جنت میں داخل نہیں ہوئیں اور قیامت کے بعد بہ طور دوام کے جنت میں داخل ہوں گی تو اپنی اصل منازل اور محلات میں قیام کریں گی۔ (کتاب الروح ص ۹۳۔ ۹۲، مطبوعہ دار الحدیث)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ نے انہیں اپنے فضل سے جو عطا فرمایا ہے وہ اس پر خوش ہیں۔ اس کے بعد والے لوگ جو ابھی ان سے نہیں ملے ان کے متعلق یہ اس بشارت سے خوش ہو رہے ہیں کہ ان پر بھی نہ خوف ہو گا نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (آل عمران : ۱۷۰)

فوت شدہ مسلمانوں کا اپنے اقارب کے اعمال پر مطلع ہونا

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ شہداء اپنے جن لاحقین کے متعلق متفکر رہتے ہیں ان کے احوال ان پر منکشف کر دیئے جاتے ہیں اور اس آیت میں اصحاب احد کے لیے یہ بشارت ہے کہ اس دن کے بعد ان کو کوئی پریشانی لاحق نہ ہو گی۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اعمال تمہارے فوت شدہ عزیزوں اور رشتہ داروں پر پیش کیے جاتے ہیں اگر وہ اچھے عمل ہوتے ہیں تو وہ ان سے خوش ہوتے ہیں اور اگر وہ عمل اچھے نہ ہوں تو وہ دعا کرتے ہیں اے اللہ! ان کو ہدایت دینے سے پہلے ان پر موت طاری نہ کرنا جس طرح تو نے ہمیں ہدایت دی ہے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۱۶۵، مطبوعہ دار الفکر بیروت، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۲۸، کنز العمال، الحدیث : ۴۳۰۲۹، ج ۱۵ ص ۷۷۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ اللہ کی طرف سے نعمت اور فضل پر خوشی منا رہے ہیں اور اس پر کہ اللہ مومنین کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ (آل عمران : ۱۷۱)

اپنی کامیابی سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی کی کامیابی پر خوش ہونا چاہیے

اس سے پہلے یہ ذکر کیا گیا کہ شہداء احد کی روحیں اس بات پر خوشی منا رہی ہیں کہ ان کے بعد والے اصحاب احد پر بھی کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے، اور اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں وہ ان نعمتوں پر خوشی منا رہے ہیں۔ پہلے شہداء احد کی اسی خوشی کا ذکر فرمایا جو ان کو اپنے بھائیوں کی اخروی سعادت سن کر حاصل ہوئی اور پھر اس خوشی کا ذکر فرمایا جو ان کو اپنی سعادت اور سرفرازی کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنی کامیابی سے زیادہ اپنے بھائیوں کی کامیابی پر خوشی ہونی چاہیے۔ اس کے بعد فرمایا اللہ مومنین کا اجر ضائع نہیں فرماتا اس میں بتلایا ہے کہ شہادت پر یہ اجر و ثواب صرف شہداء احد کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ اجر و ثواب تمام مومنین کو حاصل ہو گا اور ایمان پر اجر کا ضائع نہ ہونا اس کو مستلزم ہے کہ مومن مرتکب گناہ کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا ورنہ اس کے ایمان کا اجر ضائع ہو جائے گا۔

الَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ

جن لوگوں نے زخمی ہونے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہا، ان میں سے نیکی کرنے

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ

والوں اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے بڑا اجر ہے ○ ان لوگوں سے بعض لوگوں نے

لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ

کہا تھا کہ تمہارے مقابلہ کے لیے بہت بڑا لشکر جمع ہو چکا ہے سو تم ان سے ڈرو تو ان کا ایمان

اِيْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ

اور پختہ ہو گیا اور انھوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے ○ پس وہ اللہ کی نعمت اور اس کے

مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ

فضل سے لوٹ آئے اور انھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچی تھی، انھوں نے اللہ کی رضا کی پیروی کی،

وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠

اور اللہ بڑے فضل والا ہے ○ وہ شیطان ہی ہے جو اپنے چیلوں کے ذریعہ ڈراتا ہے

فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ

سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو بہ شرطیکہ تم مومن ہو ○ اور آپ ان لوگوں سے غمزدہ

الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ

نہ ہوں جو کفر (کے میدان) میں دوڑتے پھرتے ہیں۔ بیشک یہ اللہ (کے دین) کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکیں گے، اللہ یہ

اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِى الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے ○

آیات مذکورہ کے شان نزول میں دو روایتیں

ان آیات کے شان نزول کے متعلق دو روایتیں بیان کی گئی ہیں، ایک روایت یہ ہے: امام ابن جریر اپنی سند کے

ساتھ روایت کرتے ہیں : سدی بیان کرتے ہیں کہ جب ابوسفیان احد سے واپس ہوا تو وہ راستہ میں ایک جگہ اپنے واپس ہونے پر پچھتایا اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم نے اچھا نہیں کیا تم نے بہت سے مسلمانوں کو قتل کر دیا تھا اور جب ان میں سے تھوڑے رہ گئے تو تم واپس آ گئے' واپس چلو اور ان کی بنیاد ختم کر دو اور ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکو' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس ارادہ سے رسول اللہ ﷺ کو مطلع کر دیا' آپ نے مسلمانوں سے فرمایا ان کافروں کا تعاقب کرو' مسلمان اگرچہ جنگ احد میں زخمی اور دل شکستہ تھے لیکن انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر لبیک کہی اور دشمن کے مقابلہ کے لیے روانہ ہو گئے' ابوسفیان کو جب یہ خبر ملی کہ مسلمان ان کا پیچھا کر رہے ہیں تو وہ خوف زدہ ہو کر مکہ روانہ ہو گئے نبی ﷺ نے حمراء الاسد (ایک مقام ہے) تک ان کا پیچھا کیا۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۱۱۷ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اس کی تائید میں امام بخاری کی یہ روایت ہے :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے الذین استجابوا للہ والرسول۔ الخ کی تفسیر میں عروۃ بن الزبیر سے فرمایا : اے میری بہن کے بیٹے' ان مسلمانوں میں تمہارے باپ حضرت زبیر اور حضرت ابوبکر شامل تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ جنگ احد میں زخمی ہو گئے اور مشرکین واپس چلے گئے تو آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ مشرکین لوٹ آئیں گے آپ نے فرمایا ان کا پیچھا کون کرے گا؟ تو ستر مسلمانوں نے لبیک کہا ان میں حضرت ابوبکر اور حضرت زبیر بھی تھے۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۸۴' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

دوسری روایت یہ ہے' امام علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ بیان کرتے ہیں :

مجاہد' مقاتل' عکرمہ' واقدی اور کلبی نے بیان کیا ہے کہ جنگ احد کے دن جب ابوسفیان نے واپس جانے کا ارادہ کیا تو اس نے اعلان کیا :

اے محمد! (ﷺ) ہمارے اور تمہارے درمیان آئندہ سال بدر صغریٰ کے موسم میں جنگ ہو گی' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ ہمارے درمیان ہے انشاء اللہ! جب اگلا سال آیا تو ابوسفیان اہل مکہ میں نکلا اور مقام مجنہ پر ٹھیرا' پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رعب طاری کر دیا اور اس نے واپس جانے کا ارادہ کیا' پھر اس کی نعیم بن مسعود اشجعی سے ملاقات ہوئی' اس نے نعیم کو مدینہ بھیجا اور کہا وہاں جا کر (سیدنا) محمد (ﷺ) کو روک دینا اور مسلمانوں کو ڈرانا حتیٰ کہ وہ بدر صغریٰ میں ہمارے مقابلے کے لیے نہ آئیں' کیونکہ اگر ان کی جانب سے اس میعاد کی مخالفت ہو تو وہ مجھے زیادہ پسند ہے' نعیم مسلمانوں کے پاس گیا تو وہ اس میعاد پر پہنچنے کے لیے جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے' اس نے مسلمانوں سے کہا اہل مکہ تمہارے گھر پر آ کر تم پر حملہ کر چکے ہیں اور اس جنگ میں تم کو نقصان پہنچا چکے ہیں تو جب تم ان کے شہر پر جا کر حملہ کرو گے حالانکہ تم تعداد میں کم ہو گے اور وہ زیادہ ہوں گے تو پھر تم کو کس قدر نقصان اٹھانا پڑے گا' اسی طرح منافقوں نے بھی مسلمانوں کو ڈرایا کہ ابوسفیان اور اس کے اصحاب ایک بڑا لشکر تیار کر چکے ہیں سو تم ان سے ڈرو' مسلمانوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے' پھر رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ روانہ ہوئے اور بدر صغریٰ پر پہنچ گئے' یہ وہ جگہ ہے جہاں پر آٹھ دن بازار لگتا تھا' جب مسلمان وہاں پہنچے تو وہاں ان سے مقابلہ کرنے کے لیے کوئی مشرک موجود نہیں تھا' مسلمانوں نے اس بازار میں کافی تجارت اور خرید و فروخت کی اور بہت نفع لے کر کامیابی اور کامرانی کے ساتھ واپس آئے۔

(الوسیط ج ۱ ص ۵۲۳۔ ۵۲۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

ان آیتوں کے شان نزول میں اختلاف ہے' امام واقدی کی تحقیق یہ ہے کہ پہلی آیت : "جن لوگوں نے زخمی ہونے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہی' یہ آیت غزوہ حمراء الاسد کے متعلق نازل ہوئی ہے۔" اور دوسری آیت : "ان لوگوں سے بعض لوگوں نے کہا تھا کہ تمہارے مقابلہ کے لیے بہت بڑا لشکر جمع ہو چکا ہے۔ سو تم ان سے ڈرو۔" یہ آیت بدر صغریٰ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور بعض ائمہ تفسیر نے کہا یہ دونوں آیتیں بدر صغریٰ کے متعلق نازل ہوئی ہیں' لیکن امام واقدی کی تحقیق زیادہ قرین قیاس ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی اس بات پر مدح فرمائی ہے کہ انہوں نے زخمی ہونے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہی اور یہ مدح اسی وقت لائق ہے جب وہ غزوہ احد کے فوراً بعد غزوہ حمراء الاسد کے لیے روانہ ہوں' کیونکہ اس وقت وہ تازہ تازہ زخمی ہوئے تھے اور غزوہ بدر صغریٰ تو ایک سال بعد واقع ہوا تھا اس وقت ان کے زخم مندمل ہو چکے تھے۔ اور دوسری آیت جس میں مسلمانوں کو شیطان کے ڈرانے کا ذکر ہے وہ غزوہ بدر صغریٰ کے مناسب ہے کیونکہ اسی موقع پر نعیم بن مسعود' ابوسفیان کے کہنے سے مسلمانوں کو ڈرانے مدینہ گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو ان کا ایمان اور زیادہ ہو گیا۔ (آل عمران : ۱۷۳)

ایمان میں زیادتی کا محمل

جب نعیم بن مسعود اور منافقوں نے مسلمانوں کو ابوسفیان کے لشکر سے ڈرایا تو انہوں نے ان کے قول کی طرف توجہ نہیں کی اور ان کا اللہ تعالیٰ پر یہ اعتماد اور قوی ہو گیا کہ اس جنگ میں اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے گا انہوں نے کہا ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ بعض علماء ایمان میں کمی اور زیادتی کے قائل ہیں وہ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ ایمان قول اور عمل سے مرکب ہے اور اس میں کمی اور زیادتی ہوتی ہے' لیکن تحقیق یہ ہے کہ بعض اوقات ایمان کا اعمال پر اطلاق کیا جاتا ہے اور اس سے مراد ایمان کامل ہوتا ہے اور نفس ایمان جو دل کے ماننے اور تصدیق کرنے کو کہتے ہیں اس میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ جوں جوں انسان کا شرح صدر ہوتا ہے اور وہ دلائل پر مطلع ہوتا ہے تو اس کا ایمان اور قوی اور پختہ ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور آپ ان لوگوں سے غم زدہ نہ ہوں جو کفر (کے میدان) میں دوڑتے پھرتے ہیں :
(آل عمران : ۱۷۶)

دین اسلام کے غلبہ کی پیش گوئی

اس آیت کے سبب نزول کے متعلق کئی اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت کفار قریش کے متعلق ہے' اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار قریش آپ سے جنگ کرنے کے لیے جو منصوبے بنا رہے ہیں اور بار بار مدینہ پر لشکر کشی کر رہے ہیں اس سے آپ متفکر اور پریشان نہ ہوں۔ یہ اللہ کے دین اور اس کی نشرو اشاعت کو مٹا نہیں سکتے اور نہ تمام مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا سکتے ہیں' ان جنگوں کے نتیجہ میں جو مسلمان زخمی یا شہید ہو جاتے ہیں اس سے دین اسلام کو کچھ ضرر نہیں ہوتا' نہ ان مسلمانوں کو نقصان ہوتا ہے کیونکہ وہ آخرت میں بہت اجر و ثواب کے مستحق ہوتے ہیں۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ یہ آیت منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے کیونکہ وہ جنگ احد کے بعد اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر نعوذ باللہ (سیدنا) محمد (ﷺ) سچے نبی ہوتے تو جنگ احد میں مسلمانوں کو شکست نہ

ہوئی۔ معلوم ہوا کہ وہ ایک بادشاہ کی طرح ہیں جس طرح بادشاہ کو کبھی فتح ہوتی ہے اور کبھی شکست سو ان کا بھی یہی حال ہے۔ نبی ﷺ اس قسم کی باتیں سن کر رنجیدہ ہوتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ رنجیدہ نہ ہوں ان کی یہ مخالفانہ باتیں اسلام اور مسلمانوں کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ بعض کافر مسلمان ہوئے اور کفار قریش کے ڈر سے پھر مرتد ہو گئے اس سے نبی ﷺ کو رنج ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت کا تعلق کفار، منافقین اور مرتدین سب کے ساتھ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ تسلی دی ہو کہ اسلام کے جس قدر مخالفین ہیں ان کی اسلام کے خلاف سازشیں اور سرگرمیاں اللہ کے دین کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يُرِيدُونَ لِيُطْفِـُٔوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُونَ (الصف: ۸)

(یہ کافر) اپنے منہ سے (پھونک مار کر) اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کرنے والا ہے خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِـُٔوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ (التوبہ: ۳۲)

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھادیں اور اللہ اس وقت تک نہیں مانے گا جب تک کہ اپنے نور کو پورا نہ کردے خواہ کافروں کو (کتنا ہی) ناگوار ہو۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدٰى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (التوبہ: ۳۳)

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے ہر دین پر غالب کردے خواہ مشرکوں کو (کتنا ہی) ناگوار ہو۔

اور کفار اسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے اور ایک وقت وہ آیا کہ سرزمین عرب میں اسلام کے سوا اور کوئی دین باقی نہیں رہا، اور آج تک وہاں ایسا ہی ہے اور اس کے بعد مسلمان دنیا کے کئی براعظموں میں فتوحات اسلام کے جھنڈے گاڑتے رہے۔ سو اللہ تعالیٰ کی پیش گوئی پوری ہوئی، اور زیر بحث آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہی تسلی دی کہ آپ کفار کی مخالفت سے آزردہ نہ ہوں ان کی مخالفت دین اسلام کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا بیان

اس جگہ یہ سوال ہوتا ہے کہ کافر کے کفر اور فاسق کے فسق پر رنج اور افسوس کرنا تو اللہ اور اس کے دین سے محبت کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ عین عبادت ہے پھر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو کافروں کے کفر میں سبقت اور سرعت پر رنج اور افسوس کرنے سے کیوں منع فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں آپ کو زیادہ رنج اور افسوس کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ نہی تشریعی نہیں ہے بلکہ مشفقانہ ممانعت ہے، نبی ﷺ لوگوں کے اسلام لانے پر بہت حریص تھے اور ان کے کفر پر ڈٹے رہنے سے آپ کو بہت زیادہ رنج ہوتا تھا جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰى اٰثَارِهِمْ إِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا (الکہف: ۶)

اگر وہ اس قرآن پر ایمان نہ لائے تو کہیں آپ فرط غم سے ان کے پیچھے جان دے بیٹھیں گے۔

سو اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آپ سے بہت زیادہ محبت ہے وہ آپ کو آزردہ خاطر نہیں دیکھنا چاہتا

اس نے فرمایا :

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ — اگر یہ اعراض کریں تو آپ کا کام تو صرف دین کو پہنچانا ہے۔

(آل عمران : ۲۰)

کسی کو مومن بنانا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے' اگر کوئی ایمان لائے گا تو اس کا فائدہ ہے اور کفر پر قائم رہے گا تو اس کا نقصان ہے آپ کیوں ملول خاطر ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ یہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ (آل عمران : ۱۷۶)

دنیا میں کافروں کی خوشحالی سے دھوکا نہ کھایا جائے

کافروں کو دنیا میں جو ڈھیل دی جا رہی ہے اور وہ مادی ترقی میں سب سے آگے نکل رہے ہیں۔ صنعت و تجارت' آلات حرب اور مال و دولت کی فراوانی کو دیکھ کر کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ شاید ان کا دین اور ان کا نظریہ ہی برحق ہے اور وہ اللہ کے پسندیدہ لوگ ہیں' بلکہ یہ صرف اس لیے ہے کہ ان کو جو کچھ دینا ہے وہ دنیا میں ہی دے دیا جائے' آخرت میں ان کے لیے اجر و ثواب سے کچھ نہ رہے اور وہ صرف ذلت و خواری کے عذاب میں مبتلا رہیں جیسا کہ ان آیات میں ہے :

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (آل عمران : ۱۹۷-۱۹۶)

(اے مخاطب!) کافروں کا شہروں میں (شان و شوکت کے ساتھ) گھومنا پھرنا تجھے دھوکے میں نہ ڈال دے' یہ (حیات فانی کا) قلیل فائدہ ہے' پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ (التوبہ : ۵۵)

تو ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈال دیں۔ اللہ تو صرف یہ چاہتا ہے کہ اس (مال اور اولاد) کی وجہ سے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب میں مبتلا کرے اور کفر کی حالت میں ان کی جان نکلے۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (طہ : ۱۳۱)

اور آپ دنیاوی زندگی کی ان زینتوں کی طرف نہ دیکھیں جو ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو (عارضی) فائدہ کے لیے دی ہیں تاکہ ہم ان کو آزمائش میں ڈالیں اور آپ کے رب کا (اخروی) رزق سب سے اچھا اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کافروں کا دنیا میں شوکت اور قوت کے ساتھ رہنا اور مسلمانوں کا ان سے کم آسودگی سے رہنا ان کے مقبول ہونے اور مسلمانوں کے نامقبول ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۚ

بیشک جن لوگوں نے ایمان کے بدلہ کفر کو خرید لیا وہ اللہ (کے دین) کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ

اور ان کے لیے دردناک عذاب تیار ہے ○ اور کافر ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ ہم ان کو محض ان کی بھلائی کے لیے

خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

ڈھیل دے رہے ہیں، ہم تو ان کو صرف اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ ان کے گناہ (کا عذاب) زیادہ ہو اور ان

مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ

کے لیے ذلت والا عذاب ہے ○ اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ مومنوں کو اس حال پر چھوڑ دے جس پر (آج کل) تم ہو،

حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى

حتیٰ کہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے، اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تم (عام مسلمانوں) کو غیب

الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ

پر مطلع کرے لیکن اللہ (غیب پر مطلع کرنے کے لیے) جن کو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور وہ اللہ کے (سب)

وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

رسول ہیں، سو تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان (برقرار) رکھو اور اگر تم ایمان اور تقویٰ پر (برقرار) رہے تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے ○

ایمان کے بدلہ میں کفر کو خریدنے کا محمل

اس سے پہلی آیت کے مصداق منافقین بھی ہو سکتے ہیں' مرتدین بھی اور یہود بھی' اگر اس کا مصداق منافقین ہوں' تو ایمان کے بدلہ کفر کو خریدنے کا معنی یہ ہے کہ مسلمانوں کو ساتھ رہ کر اور نبی ﷺ کے معجزات کو دیکھ کر ان کے لیے یہ موقع تھا کہ وہ اخلاص کے ساتھ ایمان لے آتے لیکن انہوں نے یہ موقع ضائع کر دیا اور اپنے باطنی کفر پر قائم اور مصر رہے' اور اگر اس سے مراد مرتدین ہوں تو پھر واضح ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے' اور اگر اس سے مراد یہود ہوں تو معنی یہ ہے کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ کی نبوت پر ایمان لا چکے تھے اور آپ کے وسیلہ سے فتح کی دعائیں کرتے تھے اور آپ کے ظہور کے بعد تورات میں درج علامتوں کی وجہ سے آپ کو پہچانتے تھے لیکن انہوں نے بغض اور عناد کی وجہ سے آپ کا کفر اور انکار کیا کیونکہ آپ بنو اسرائیل کے بجائے بنو اسماعیل سے مبعوث ہوئے تھے' سو اس طرح انہوں نے ایمان کے بدلہ میں کفر کو خرید لیا' خریدنے سے مراد یہاں تبدیل کرنا ہے' اور یہاں تبدیل کرنے کو خریدنے سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ آدمی اس چیز کو خریدتا ہے جس کی طرف وہ راغب ہو اور یہ کفر پر راغب تھے اور جس چیز کے بدلہ میں خریدتا ہے وہ اس کے قبضہ میں ہوتی ہے اور چونکہ آپ پر ایمان لانا ان کے اختیار میں تھا اور اس کے محرکات بھی موجود تھے

تو گویا ایمان ان کے قبضہ میں تھا لیکن انہوں نے اس کو خرچ کر کے کفر خرید لیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور کافر ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ ہم ان کو محض ان کی بھلائی کے لیے ڈھیل دے رہے ہیں، ہم تو ان کو صرف اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ ان کے گناہ (کا عذاب) زیادہ ہو۔ (آل عمران : ۱۷۸)

زندگی اور موت میں کون بہتر ہے اور موت کی تمنا کرنا جائز ہے یا نہیں

علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت کے مصداق منافقین اور بنو قریظہ اور بنو نضیر ہیں اور مقاتل نے کہا اس سے مراد مشرکین مکہ ہیں، حضرت ابن عباس نے فرمایا : اللہ تعالیٰ ان کی عمر لمبی کر کے ان کو مزید گناہ کرنے کا موقع دیتا ہے تاکہ ان کا کفر اور گناہ زیادہ ہوں، زجاج نے کہا اس کا مصداق وہ قوم ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو خبر دے دی تھی کہ وہ کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے اور ان کی بقا صرف کفر اور گناہوں میں زیادتی کے لیے ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا مومن ہو یا کافر، ہر ایک کے لیے موت اس کی زندگی سے بہتر ہے، کسی نے کہا کیا یہ بات نہیں ہے کہ مومن زندگی میں نماز پڑھتا رہتا ہے اور روزے رکھتا ہے اور اس کی نیکیاں زیادہ ہوتی رہتی ہیں؟ حضرت ابن مسعود نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما عند اللہ خیر للابرار (آل عمران : ۱۹۸) تو اگر وہ نیک ہے تو اللہ کے پاس جو اس کا اجر ہے وہ زیادہ بہتر ہے، ان سے کہا گیا کیا یہ بات نہیں ہے کہ جب کافر مرے گا تو فوراً دوزخ میں چلا جائے گا حالانکہ دنیا میں وہ کھاتا پیتا ہے اور کپڑے پہنتا ہے؟ انہوں نے کہا اللہ عزوجل فرماتا ہے : اور کافر ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ ہم ان کو محض ان کی بھلائی کے لیے ڈھیل دے رہے ہیں، ہم تو ان کو صرف اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ ان کے گناہ (کا عذاب) زیادہ ہو۔ (آل عمران : ۱۷۸) (الوسیط ج ۱ ص ۵۲۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے موت کو زندگی سے بہتر فرمایا ہے بہ ظاہر ان کا یہ قول حسب ذیل احادیث کے خلاف ہے :

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مصیبت پہنچنے پر موت کی تمنا نہ کرے، اگر اس نے خواہ مخواہ موت کی تمنا کرنی ہو تو یہ دعا کرے اے اللہ! جب تک میرے لیے زندگی بہتر ہے مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے موت بہتر ہو تو مجھے موت عطا کر۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ہرگز موت کی تمنا نہ کرے اگر وہ شخص نیک ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ زیادہ نیکیاں کرے اور اگر وہ بدکار ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ توبہ کر کے اللہ کی رضا طلب کرے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۴۷، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص موت کی تمنا نہ کرے اور نہ موت کے آنے سے پہلے اس کی دعا کرے کیونکہ جب تم میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور مومن کی عمر اس میں نیکی کے سوا اور کسی چیز کو زیادہ نہیں کرتی۔

(صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۰۶۵ 'الحدیث : ۲۶۸۲' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں :

امام مروزی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے موت کی تمنا کی جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے تھے۔ آپ نے فرمایا موت کی تمنا نہ کرو اگر تم اہل جنت میں سے ہو تو تمہارا باقی رہنا زیادہ بہتر ہے (کیونکہ تم نیکیاں کرو گے) اور اگر تم اہل دوزخ میں سے ہو تو تمہیں دوزخ میں جانے کی کیا جلدی ہے؟

(شرح الصدور ص ۳' مطبوعہ دارالکتب العربیہ مصر)

اس تعارض کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود نے جو فرمایا ہے کہ کافر ہو یا مومن اس کے لیے موت زندگی سے بہتر ہے' وہ بہ اعتبار نتیجہ اور مآل کے ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کی دعا اور اس کی تمنا سے منع فرمایا ہے یہ نہیں فرمایا کہ زندگی موت سے بہتر ہے بلکہ امام عبداللہ بن مبارک روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : مومن کا تحفہ موت ہے۔

(کتاب الزہد ص ۲۱۲' الحدیث : ۵۹۹' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' المستدرک ج ۴ ص ۳۱۹' حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں' مجمع الزوائد ج ۲ ص ۳۲۰' حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۱۵۸' حافظ منذری نے اس کو امام طبرانی کی معجم کبیر کے حوالہ سے لکھا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند جید ہے' الترغیب والترہیب ج ۴ ص ۳۳۵' مطبوعہ مصر)

اس حدیث سے بھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

ایک اور سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کیا جاؤں۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۲)

اور حضرت عمر نے دعا کی : اے اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور اپنے رسول کے شہر میں میری موت مقدر کردے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۵۴۔ ۲۵۳) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے صدق دل سے شہادت کی دعا کی اللہ اس کو شہید کا اجر عطا فرمائے گا خواہ وہ بستر پر فوت ہو۔ (سنن دارمی ج ۲ ص ۱۲۵) ان احادیث میں موت کی تمنا کرنے کا جواز ہے اور اس سے پہلے جن احادیث کا ذکر کیا گیا ہے ان میں موت کی تمنا کرنے کی ممانعت ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کے مصائب اور آلام سے گھبرا کر موت کی تمنا کرنا منع ہے اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس سے ملاقات اور شوق شہادت میں موت کی تمنا کرنا جائز ہے بلکہ پسندیدہ امر ہے۔

کافروں کو گناہوں کے لیے ڈھیل دینے کی توجیہات

اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ ہم کافروں کو صرف ڈھیل دے رہے ہیں یعنی ان کی عمر زیادہ کر رہے ہیں کہ ان کے گناہ زیادہ ہوں' اس آیت میں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ایک اور جگہ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات : ۵۶)

میں نے جن اور انس کو صرف اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

سورہ ذاریات کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں کو عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے اور زیر بحث آیت سے معلوم

ہوتا ہے کہ کافروں کی عمر اس لیے زیادہ کی جا رہی ہے تاکہ وہ زیادہ گناہ کریں' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں لام' لام عاقبت ہے جیسا کہ اس آیت میں ہے:

فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِیَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًا (القصص: ۸)

سو فرعون کے گھر والوں نے موسیٰ کو اٹھا لیا تاکہ (بالآخر) وہ ان کے لیے دشمن ہو جائیں اور غم کا باعث ہوں۔

ظاہر ہے کہ فرعون کے گھر والوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں دریا سے اپنا دشمن بنانے کے قصد سے نہیں اٹھایا تھا بلکہ اپنا دست و بازو بنانے کے لیے اٹھایا تھا لیکن انجام کار وہ ان کے دشمن بن گئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو بھی اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا تھا اور ان کے لیے ایک لمبی عمر مقرر فرما دی تھی' لیکن انجام کار وہ عبادت کرنے کے بجائے گناہ کرنے لگے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی عمر لمبی فرمائے گا لیکن یہ اپنے اختیار اور ارادہ سے عبادت کی بجائے گناہ کریں گے' سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ کافر نبی ﷺ کی مخالفت کر کے اور پھر لمبی عمر پا کر خوش نہ ہوں اور نہ یہ سمجھیں کہ ایمان نہ لانے کے باوجود ان کی عمر لمبی ہو رہی ہے تو ضرور ان پر یہ قدرت کا انعام ہے بلکہ جوں جوں ان کی عمر زیادہ ہو رہی ہے یہ اور گناہ کر رہے ہیں جس کی وجہ سے ان کا اخروی عذاب اور زیادہ ہو گا۔ نیز اللہ تعالیٰ ان کی عمر زیادہ کر کے ان کو ایمان لانے کا زیادہ سے زیادہ موقع فراہم کرتا ہے لیکن وہ اپنی کج بحثی اور ہٹ دھرمی سے زیادہ کفر اور زیادہ گناہ کرتے ہیں خلاصہ یہ ہے ان کی عمر لمبی کرنا تاکہ وہ انجام کار زیادہ گناہ کریں قضا و قدر کے مطابق ہے اللہ تعالیٰ کی منشاء اور مرضی کے مطابق نہیں ہے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ایسا شدید کفر اور گستاخیاں کی جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے بہ طور سزا کے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور ان کو ڈھیل دی تاکہ وہ زیادہ گناہ کریں اور زیادہ عذاب کے مستحق ہوں' یہ بھی ان کی سزا کا ایک حصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ مومنوں کو اس حال پر چھوڑ دے جس پر (آج کل) تم ہو حتیٰ کہ وہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے۔

اصحاب رسول کے مومن اور طیب ہونے پر دلیل

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ جنگ احد کے دن اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو منافقوں سے متمیز کر دیا' ابن جریج نے کہا اللہ تعالیٰ نے سچے مومنوں کو جھوٹوں سے الگ کر دیا۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۱۲۴' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

یہ آیت بھی قصہ احد کے واقعات میں سے ہے جب عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر مسلمانوں کے لشکر سے نکل گیا تو مومن اور منافق الگ الگ ہو گئے۔ اسی طرح جنگ احد کے فوراً بعد جب نبی ﷺ کو معلوم ہوا کہ حمراء الاسد کے مقام پر ابوسفیان دوبارہ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے تو آپ نے مسلمانوں کو اس کا تعاقب کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت مسلمان زخمی اور دل شکستہ ہونے کے باوجود آپ کے حکم کی تعمیل میں چل پڑے اور منافقوں نے آپ کا ساتھ نہیں دیا' اس طرح مومن اور منافق الگ الگ ہو گئے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کا ساتھ دینے والے تمام صحابہ کو مومن اور طیب فرمایا ہے اور یہ سات سو صحابہ تھے اور ان میں خلفاء راشدین حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم بھی ہیں اس لیے جو

شخص ان کو برا اور کافر، ظالم یا منافق کہتا ہے یا یہ کہتا ہے کہ آپ کے وصال کے بعد چھ کے سوا تمام اصحاب مرتد ہو گئے تھے وہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف کہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ تم (عام مسلمانوں) کو غیب پر مطلع کرے لیکن اللہ (غیب پر مطلع کرنے کے لیے) جن کو چاہتا ہے چن لیتا ہے اور وہ اللہ کے (سب) رسول ہیں۔ (آل عمران : ۱۷۹)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۴۰ھ) اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں: "اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دے دے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔"

محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی رحمتہ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۶۱ء) لکھتے ہیں: "اور نہیں ہے اللہ کہ آگاہی بخشے تم سب کو غیب پر لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔"

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمتہ اللہ علیہ (متوفی ۱۴۱۸ھ) لکھتے ہیں: "اور نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ آگاہ کرے تمہیں غیب پر البتہ اللہ (غیب کے علم کے لیے) چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہتا ہے۔"

ان تراجم میں "من" کو تبعیضیہ قرار دیا ہے، جس کا حاصل ہے بعض رسولوں کو غیب پر مطلع فرمایا ہے اور ہمارے ترجمہ میں "من" "من یشاء" کا بیان ہے، جس کا حاصل ہے سب رسولوں کو غیب پر مطلع فرمایا ہے کیونکہ سب رسول اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے اور برگزیدہ ہیں......

انبیاء علیہم السلام کو علم الغیب ہے یا غیب کی خبروں کا علم ہے

یعنی اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ تم عام مسلمانوں کو لوگوں کے دلوں کے احوال پر مطلع کر دے اور تم لوگوں کو دیکھ کر یہ جان لو کہ فلاں شخص مخلص مومن ہے اور فلاں منافق ہے اور فلاں کافر ہے، البتہ اللہ تعالیٰ مصائب، آلام، اور آزمائشوں کے ذریعہ مومنوں اور منافقوں کو متمیز کر دیتا ہے۔ جیسا کہ جنگ احد میں منافق مسلمانوں سے الگ ہو گئے۔ اسی طرح اسلام کی راہ میں جب بھی جہاد کا موقع آیا منافق پیچھے ہٹ گئے اور مسلمان آگے بڑھے، ماسوا رسولوں کے جن کو اللہ تعالیٰ غیب پر مطلع کرنے کے لیے چن لیتا ہے اور ان کو لوگوں کے دلوں کے احوال پر مطلع فرماتا ہے اور وہ نور نبوت سے جان لیتے ہیں کہ کس کے دل میں ایمان ہے اور کس کے دل میں نفاق ہے۔

اس آیت میں یہ صراحت سے بیان فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام غیب پر مطلع ہوتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ غیب پر مطلع ہونا غیب کے علم کو مستلزم ہے، سو یہ آیت انبیاء علیہم السلام کے لیے علم غیب کے ثبوت میں قطعی الدلالۃ ہے، بعض متاخرین علماء یہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو علم الغیب نہیں دیا گیا اور علم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے البتہ انبیاء علیہم السلام کو غیب کی خبریں دی گئی ہیں اور غیب کی خبروں کا حاصل ہونا اور چیز ہے اور علم الغیب اور چیز ہے، ان علماء کی مراد یہ ہے کہ علم الغیب میں اضافت اور "الغیب" میں لام استغراق کے لیے ہے اور اس سے مراد ہے تمام امور غیبیہ غیر متناہیہ کا علم، اور ظاہر ہے کہ یہ علم الغیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے علم الغیب کی اپنے غیر سے "مطلقاً" نفی کی ہے :

قل لا یعلم من فی السموت والارض الغیب الا اللہ (النمل : ۶۵)	آپ کہئے کہ آسمانوں اور زمینوں میں اللہ کے سوا کسی کو علم الغیب نہیں ہے۔

اب اگر انبیاء علیہم السلام کے لیے علم الغیب مانا جائے تو ظاہر ہے قرآن سے تعارض لازم آئے گا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جب مطلقاً علم الغیب کا اطلاق کیا جائے تو اس سے متبادر علم الغیب ذاتی اور مستقل ہوتا ہے جس کا ثبوت بغیر کسی کی عطا کے ہوتا ہے اس لیے جب مطلقاً" یہ کہا جائے گا کہ انبیاء علیہم السلام کو علم الغیب ہے تو اس سے یہ وہم ہو گا کہ ان کو ذاتی اور مستقل طور پر علم الغیب ہے۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں :

علم جب کہ مطلق بولا جائے خصوصاً" جب کہ غیب کی طرف مضاف ہو تو اس سے مراد علم ذاتی ہوتا ہے اس کی تشریح حاشیہ کشاف پر میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے کردی ہے اور یہ یقیناً حق ہے' کوئی شخص کسی مخلوق کے لیے ایک ذرہ کا بھی علم ذاتی مانے یقیناً کافر ہے۔ (الملفوظ ج ۳ ص ۷۴' مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور)

دوسری طرف قرآن مجید کی متعدد آیات اور بہ کثرت احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو عموماً" اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصاً" غیب کا علم دیا گیا ہے' اس لیے ان میں تطبیق کے لیے بعض علماء نے یہ کہا کہ یوں کہا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کو بعض علوم غیبیہ عطا کئے گئے ہیں (واضح رہے کہ یہ علوم اللہ کے اعتبار سے بعض ہیں) علامہ آلوسی نے کہا یوں کہا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کو غیب کا علم دیا گیا یا وہ غیب پر مطلع کیے گئے' علماء دیوبند نے اس کی یہ تعبیر کی انبیاء علیہم السلام کو غیب کی خبریں دی گئی ہیں' بہرحال اس پر سب متفق ہیں کہ انبیاء علیہم السلام غیب پر مطلع کیے گئے ہیں اور ان کو بلاواسطہ اطلاع دی گئی ہے اور امت کو ان کے واسطے سے غیب پر مطلع کیا جاتا ہے' اب ہم اس کے ثبوت میں مستند مفسرین کی عبارات نقل کر رہے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کو غیب پر مطلع کرنے کے متعلق علماء امت کی تصریحات

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ تم سب کو غیب کا عالم نہیں بنائے گا جیسے رسول کو علم ہے حتی کہ تم رسول سے مستغنی ہو جاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے رسالت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور باقی لوگوں کو ان رسولوں کی اطاعت کا مکلف کرتا ہے' نیز اس سے پہلے امام رازی نے لکھا ہے کہ غیب پر مطلع ہونا انبیاء علیہم السلام کے خواص میں سے ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۰۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ غیب پر مطلع کرنے کے لیے اپنے رسولوں کو چن لیتا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۴ ص ۲۸۹' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ علم الغیب سے جس پر چاہے اپنے رسولوں کو مطلع فرماتا ہے' پس رسول کا غیب پر مطلع ہونا اللہ تعالیٰ کی اس کی طرف وحی کے ذریعہ ہے' سو اللہ تعالیٰ غیب سے یہ خبر دیتا ہے کہ فلاں شخص میں اخلاص ہے اور فلاں میں نفاق ہے اور یہ ان کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے خود بہ خود بغیر واسطہ وحی کے معلوم نہیں ہوتا۔

(البحر المحیط ج ۳ ص ۴۴۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

واحدی نے سدی سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ پر میری امت اپنی صورتوں میں پیش کی گئی جیسا کہ حضرت آدم پر پیش کی گئی تھی اور مجھے یہ علم دیا گیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا' منافقوں کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے مذاق اڑایا اور کہا (سیدنا) محمد (ﷺ) کا زعم یہ ہے کہ انہیں ان پر ایمان لانے والوں اور کفر کرنے والوں کا علم ہے اور ہم ان کے ساتھ ہیں اور ان کو ہمارا علم نہیں ہے' تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

نیز علامہ آلوسی لکھتے ہیں :

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ کبھی اللہ تعالیٰ نفوس قدسیہ میں سے بعض اہل کشف کو بھی غیب پر مطلع فرماتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بہ طور وراثت ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے' اور انبیاء علیہم السلام کو بلاواسطہ غیب پر مطلع فرماتا ہے۔ (روح المعانی ج ۴ ص ۱۳۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ۱۳۳۹ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

خلاصہ یہ ہے کہ عام لوگوں کو بلاواسطہ کسی یقینی غیب کی اطلاع نہیں دی جاتی۔ انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے مگر جس قدر خدا چاہے۔

شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

اور اس آیت سے کسی کو شبہ نہ ہو کہ جو علم غیب خصائص باری تعالیٰ سے ہے۔ اس میں رسل کی شرکت ہو گئی کیونکہ خواص باری تعالیٰ سے دو امر ہیں اس علم کا ذاتی ہونا اور اس علم کا محیط ہونا۔ یہاں ذاتی اس لیے نہیں ہے کہ وحی سے ہے اور محیط اس لیے نہیں کہ بعض امور خاص مراد ہیں۔ (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۵۰' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور' کراچی)

مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں :

حق تعالیٰ خود بذریعہ وحی اپنے انبیاء کو جو امور غیبیہ بتاتے ہیں وہ حقیقتاً" علم غیب نہیں بلکہ غیب کی خبریں ہیں جو انبیاء کو دی گئی ہیں جس کو خود قرآن کریم نے کئی جگہ انباء الغیب کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۲۴۸' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی' ۱۴۱۴ھ)

ہمارے نزدیک یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو غیب کی خبریں بتلائی گئیں ہیں اس سے ان کو علم غیب حاصل نہیں ہوا' کیونکہ شرح عقائد اور دیگر علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہے کہ علم کے تین اسباب ہیں۔ خبر صادق' حواس سلیمہ اور عقل' اور وحی بھی خبر صادق ہے تو جب انبیاء علیہم السلام کو اللہ نے غیب کی خبریں دیں تو ان کو علم غیب حاصل ہو گیا۔ اس لیے صحیح یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو وحی سے علم غیب حاصل ہوتا ہے لیکن یہ علم محیط یا علم ذاتی نہیں ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے :

مگر اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تم کو غیب پر مطلع کر دے۔ غیب کی باتیں بتانے کے لیے تو وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔ یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس ترجمہ کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب رسولوں کو غیب پر مطلع نہیں فرماتا بلکہ منتخب رسولوں کو غیب پر مطلع فرماتا ہے۔ شیخ اشرف علی تھانوی کا ترجمہ صحیح ہے وہ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ (بمقتضائے حکمت) ایسے امور غیبیہ پر تم کو (بلاواسطہ ابتلاء و امتحان کے) مطلع نہیں کرنا چاہتے لیکن ہاں

جس کو (اس طرح مطلع کرنا) خود چاہیں اور (ایسے حضرات) وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے علم غیب اور علم ماکان ومایکون کے متعلق احادیث

نبی ﷺ کو جو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا ہے اس پر حسب ذیل احادیث دلالت کرتی ہیں :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے چند چیزوں کے متعلق سوال کیا گیا جن کو آپ نے ناپسند کیا جب آپ سے زیادہ سوالات کیے گئے تو آپ غضبناک ہوئے اور آپ نے لوگوں سے فرمایا تم جو چاہو مجھ سے سوال کرو' ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارا باپ حذافہ ہے' دوسرے شخص نے کہا یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارا باپ شیبہ کا آزاد کردہ غلام سالم ہے' جب حضرت عمر نے آپ کے چہرے میں غضب کے آثار دیکھے تو عرض کیا یا رسول اللہ! ہم اللہ عزوجل سے توبہ کرتے ہیں۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۰-۱۹ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

اس حدیث سے وجہ استدلال یہ ہے کہ آپ کا یہ فرمانا مجھ سے جو چاہو سوال کرو یہ اسی وقت درست ہو سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر سوال کے جواب کا علم عطا فرمایا ہو خواہ احکام شرعیہ سے متعلق سوال کیا جائے یا ماضی اور مستقبل کی خبروں کے متعلق سوال کیا جائے یا اسرار تکوینیہ کے متعلق سوال کیا جائے اور صحابہ کرام نے اس کو عموم پر ہی محمول کیا تھا اس لیے دو اصحاب نے آپ سے اپنے نسب کے متعلق سوال کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان ایک مجلس میں کھڑے ہوئے پھر آپ نے ابتداء خلق سے خبریں بیان کرنا شروع کیں حتیٰ کہ جنتیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے اور جہنمیوں کے اپنے ٹھکانوں تک جانے کی خبریں بیان کیں جس شخص نے ان کو یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جس نے ان کو بھلا دیا اس نے ان کو بھلا دیا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۵۳' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہم میں ایک تقریر فرمائی اور اس میں قیامت تک ہونے والے تمام امور بیان فرما دیے جس شخص نے اسے جان لیا اس نے جان لیا اور جس نے نہ جانا اس نے نہ جانا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۷۷' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی' ۱۳۸۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر کا وقت آ گیا۔ پھر منبر سے اترے اور ظہر کی نماز پڑھائی اور پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر کا وقت آ گیا پھر آپ منبر سے اترے اور عصر کی نماز پڑھائی' پھر آپ نے منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا پھر آپ نے ہمیں تمام ماکان ومایکون کی خبریں دی سو جو ہم میں زیادہ حافظہ والا تھا اس کو ان کا زیادہ علم تھا۔ (صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۲۱۷' رقم الحدیث ۲۸۹۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے تمام روئے زمین کو میرے لیے لپیٹ دیا اور میں نے اس کے تمام مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

لہٰذا ان لوگوں کا قول باطل ہے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف اور دیگر صالحین کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر کرنے سے منع کیا ہے' نیز لکھا ہے کہ ابن تیمیہ سے جو مسائل منقول ہیں یہ ان میں سب سے قبیح مسئلہ ہے۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۶۶' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

طلب علم' تجارت' نیک لوگوں اور متبرک مقامات کی زیارت کے لیے سفر کرنا ممنوع نہیں ہے' نیز لکھا ہے کہ قاضی ابن کج نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے لیے نذر مانی تو اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۵۴' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

ملا علی قاری حنفی نے لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کے لیے سفر کو حرام کہنے کی وجہ سے شیخ ابن تیمیہ کی تکفیر کی گئی ہے اور یہ تکفیر صحت اور صواب کے زیادہ قریب ہے کیونکہ جس چیز کی اباحت پر اتفاق ہو اس کو حرام کہنا بھی کفر ہے تو جس چیز کے مستحب ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے اس کو حرام کہنا بہ طریق اولیٰ کفر ہو گا۔

(شرح الشفاء ج ۳ ص ۱۶۱-۱۶۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نیکی کرتا ہوا بیت اللہ میں داخل ہو وہ اپنے گناہوں سے بخشا ہوا بیت اللہ سے نکلے گا۔ (المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۱۴۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیت اللہ میں داخل ہوا وہ بخشا ہوا نکلے گا۔

علامہ عزالدین بن جماعہ الکنانی متوفی ۷۶۷ھ لکھتے ہیں:

امام ابو سعید جندی فضائل مکہ میں اور امام واحدی اپنی تفسیر میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بیت اللہ کے گرد سات طواف کئے اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی' اور زمزم کا پانی پیا اس کے گناہ جتنے بھی ہوں معاف کر دیئے جائیں گے۔

امام ازرقی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص بیت اللہ میں طواف کے ارادہ سے نکلتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کا استقبال کرتی ہے' اور جب وہ بیت اللہ میں داخل ہوتا ہے تو اللہ کی رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے' اور اس کے ہر قدم کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ پانچ سو نیکیاں لکھ دیتا ہے اور اس کے پانچ سو گناہ مٹا دیتا ہے' اور اس کے لیے پانچ سو درجات بلند کر دیتا ہے اور جب وہ طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھتا ہے' تو وہ گناہوں سے اسی طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوا تھا اور اس کے لیے اولاد اسماعیل سے دس غلاموں کے آزاد کرنے کا اجر لکھ دیا جاتا ہے اور حجر اسود کے قریب ایک فرشتہ اس کا استقبال کر کے کہتا ہے تم اپنے پچھلے عملوں سے فارغ ہو گئے' اب از سر نو عمل شروع کرو' اور اس کو اس کے خاندان کے ستر نفوس کے حق میں شفاعت کرنے والا بنایا جائے گا۔ (اخبار مکہ ج ۲ ص ۵-۴)

(صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۲۱۶۔ ۲۲۱۵، رقم الحدیث ۲۸۸۹، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۹۵، رقم الحدیث ۴۲۵۲ مطبوعہ بیروت، دلائل النبوۃ ج ۶ ص ۵۸۷، مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۸ھ)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے لیے آنے میں دیر کی حتی کہ عنقریب ہم سورج کو دیکھ لیتے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے آئے اور نماز کی اقامت کہی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر نماز پڑھائی، پھر آپ نے سلام پھیر کر ہم سے بہ آواز بلند فرمایا جس طرح اپنی صفوں میں بیٹھے ہو بیٹھے رہو، پھر ہماری طرف مڑے اور فرمایا میں اب تم سے یہ بیان کروں گا کہ مجھے صبح کی نماز کے لیے آنے میں کیوں دیر ہو گئی، میں رات کو اٹھا اور وضو کر کے میں نے اتنی نماز پڑھی جتنی میرے لیے مقدر کی گئی تھی پھر مجھے نماز میں اونگھ آ گئی، پھر مجھے گہری نیند آ گئی اچانک میں نے اچھی صورت میں اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھا، رب تعالیٰ نے فرمایا : اے محمد! میں نے کہا اے میرے رب میں حاضر ہوں، فرمایا ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا میں نہیں جانتا، آپ نے کہا میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا اور اس کے پوروں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی، پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہو گئی اور میں نے اس کو جان لیا۔ الحدیث الی قولہ امام ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۵ ص ۳۶۹۔ ۳۶۸، رقم الحدیث ۳۲۳۵، مطبوعہ بیروت، ج ۲ ص ۱۵۵، فاروقی کتب خانہ ملتان، و مطبع مجتبائی پاکستان و کتب خانہ رحیمیہ دیوبند انڈیا، مسند احمد ج ۱ ص ۳۶۸، ج ۴ ص ۶۶، العلل المتناہیہ ج ۱ ص ۲۱۔ ۲۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے (خواب میں) اپنے رب کو حسین صورت میں دیکھا، میرے رب نے فرمایا : اے محمد! میں نے کہا حاضر ہوں یا رب! فرمایا ملاء اعلیٰ کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا اے رب میں نہیں جانتا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی، پھر میں نے جان لیا جو کچھ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۵ ص ۳۶۷، رقم الحدیث ۳۲۳۴، مطبوعہ بیروت، ج ۲ ص ۱۵۶، فاروقی کتب خانہ ملتان، و مطبع مجتبائی پاکستان، و کتب خانہ رحیمیہ دیوبند انڈیا تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۱۷۵۔ ۱۷۳، نشر السنۃ ملتان)

یہ حدیث حضرت عبدالرحمن بن عائش سے بھی مروی ہے دیکھئے سنن دارمی ج ۲ ص ۵۱، کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۳۷۸، جامع البیان للطبری ج ۷ ص ۱۴۲، الدر المنثور ج ۳ ص ۲۴، حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کو امام ابن خزیمہ اور امام ابو نعیم کے حوالے سے بھی ذکر کیا ہے۔ الاصابہ ج ۲ ص ۳۹۹۔ ۳۹۷، الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۱۵۰، زاد المسیر ج ۱ ص ۱۵۵، اتحاف السادۃ المتقین ج ۱ ص ۲۲۵ میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔

اس حدیث کے مزید حوالہ جات شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۶۔ ۳۱۴ اور ج ۵ ص ۱۱۶۔ ۱۱۴ میں ملاحظہ فرمائیں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ

جو لوگ ان چیزوں میں بخل کرتے ہیں جو انہیں اللہ نے اپنے فضل سے دی ہیں وہ ہرگز یہ گمان نہ کریں کہ وہ ان کے حق میں

خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ

بہتر ہے بلکہ وہ ان کے حق میں بہت بُرا ہے عنقریب انکے گلے میں قیامت کے دن اسکا طوق بنا کر ڈالا جائے گا جس کیساتھ وہ بخل کرتے

وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾

تھے، آسمانوں اور زمینوں کا اللہ ہی وارث ہے اور اللہ تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ○

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا تھا' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں بخل کرتے ہیں ان کے لیے شدید وعید بیان فرمائی ہے۔

بخل کا لغوی معنی

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں :

بخل کرم کی ضد ہے۔ (القاموس المحیط ج ۳ ص ۴۸۸' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

جس مال کو جمع کرنے کا حق نہ ہو اس کو خرچ نہ کرنا بخل ہے' اس کا مقابل جود ہے' بخیل اس شخص کو کہتے ہیں جو بہ کثرت بخل کرے' بخل کی دو قسمیں ہیں' اپنے مال میں بخل کرنا' اور غیر کے مال میں بخل کرنا اور یہ زیادہ مذموم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا (النساء : ۳۷)

جو لوگ بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں' اور اللہ نے اپنے فضل سے جو ان کو دیا ہے اس کو چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(المفردات ص ۳۸' مطبوعہ کتاب فروشے مرتضوی' ۱۳۶۲ھ)

بخل کا شرعی معنی اور اس کی اقسام

بخل کرم اور جود کی ضد ہے' بغیر عوض کسی کو مال دینے سے منقبض اور تنگ ہونے کو بخل کہتے ہیں یا کوئی شخص اس وقت مال خرچ نہ کرے جب اس مال کو خرچ کرنے کی ضرورت اور اس کا موقع اور محل ہو' عرب کہتے ہیں بخلت العین بالدموع آنکھوں نے آنسوؤں میں بخل کیا اور جب آنسو بہانے کا وقت تھا اس وقت آنسو نہیں بہائے۔

تحقیق یہ ہے کہ جہاں خرچ کرنا واجب ہو وہاں خرچ نہ کرنا بخل ہے' اور جہاں خرچ نہ کرنا واجب ہو وہاں خرچ کرنا اسراف اور تبذیر ہے اور ان کے درمیان جو متوسط کیفیت ہے وہ محمود ہے اس کو جود اور سخا کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے :

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا (الاسراء : ۲۹)

اور اپنا ہاتھ گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ اور نہ اسے پوری طرح کھول دے کہ ملامت زدہ تھکا ہارا بیٹھا رہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۔ (الفرقان : ۶۷)

اور وہ لوگ جو خرچ کرتے وقت فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی سے کام لیتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا زیادتی اور کمی کے درمیان معتدل ہوتا ہے۔

خرچ کرنا شرعاً" واجب ہوتا ہے یا عرف اور عادت کے اعتبار سے' زکوۃ' صدقہ فطر' قربانی' حج' جہاد اور اہل و عیال کی ضروریات پر خرچ کرنا شرعاً" واجب ہے' جو ان پر خرچ نہ کرے وہ سب سے بڑا بخیل ہے اور دوستوں' رشتہ داروں اور ہمسایوں پر خرچ کرنا عرف اور عادت کے اعتبار سے واجب ہے جو ان پر خرچ نہ کرے وہ اس سے کم درجہ کا بخیل ہے اور بخل کی ایک تیسری قسم بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان فرائض اور واجبات کی ادائیگی میں تو خرچ کرتا ہے لیکن نفلی صدقات' عام فقراء اور مساکین اور سائلین اور رفاہی اور فلاحی کاموں میں خرچ نہیں کرتا اور باوجود وسعت ہونے کے اپنا ہاتھ روک کر رکھتا ہے اور پیسے گن گن کر رکھتا ہے یہ بخل کی تیسری قسم ہے لیکن یہ پہلے دو درجوں سے کم درجہ کا بخل ہے۔

بخل کی مذمت کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ (اللیل : ۱۰-۸)

اور جس نے بخل کیا اور (تقوی سے) بے پرواہ رہا اور اس نے نیکی کو جھٹلایا تو ہم عنقریب اس کے لیے تنگی کا راستہ مہیا کردیں گے۔

فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (التوبہ : ۷۶)

تو جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دے دیا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے اور انہوں نے پیٹھ پھیر لی در آں حالیکہ وہ اعراض کرنے والے تھے۔

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ (محمد : ۳۸)

ہاں تم وہی لوگ ہو جنہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو تم میں سے کوئی بخل کرتا ہے اور جو بخل کرتا ہے وہ صرف اپنے آپ سے بخل کرتا ہے اور اللہ بے نیاز ہے اور تم سب اس کے محتاج ہو۔

اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِيْدُ (الحدید : ۲۴)

جو لوگ بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور جس نے اعراض کیا تو اللہ بے نیاز ہے ستائش کیا ہوا۔

اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا (النساء : ۳۷)

جو لوگ بخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں اور اللہ نے اپنے فضل سے جو ان کو دیا ہے اس کو چھپاتے ہیں' اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا

ہر طعنہ دینے والے اور چغلی کرنے والے کے لیے عذاب

وَعَدَّدَهٗ ۙ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۚ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۖ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۭ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَي الْاَفْـــِٕدَةِ ۭ (الھمزۃ: ۱-۶)

ہے، جس نے مال جمع کیا اور اس کو گن گن کر رکھا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اس کو ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ ہرگز نہیں وہ ضرور چورا چورا کرنے والی میں پھینک دیا جائے گا۔ اور آپ کو (از خود) کیا پتا کہ چورا چورا کرنے والی کیا چیز ہے؟ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے، جو دلوں پر چڑھ جائے گی۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ يَّوْمَ يُحْمٰي عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰي بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (التوبہ: ۳۵-۳۴)

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان سب کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔ جس دن وہ (سونا چاندی) جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیاں، ان کے پہلو، اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا یہ ہے وہ (مال) جو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا سو اپنے جمع کیے ہوئے کا مزہ چکھو۔

بخل کی مذمت کے متعلق احادیث اور آثار

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اللہ نے مال دیا اور اس نے اس کی زکوۃ ادا نہیں کی، قیامت کے دن وہ مال ایک موٹا اور گنجا سانپ بنا دیا جائے گا جس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ نقطے ہوں گے، پھر اس شخص کو وہ سانپ اپنے دو جبڑوں سے پکڑ لے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں اور تیرا خزانہ ہوں پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: ولا یحسبن الذین یبخلون۔ الایۃ (آل عمران: ۱۸۰)

(صحیح البخاری ج ۱ ص ۴۳۰، رقم الحدیث ۱۴۰۳، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۲ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر روز فرشتے نازل ہو کر دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدل عطا فرما اور اے اللہ خرچ نہ کرنے والے کے مال کو ضائع کر دے۔

(صحیح البخاری ج ۱ ص ۴۴۳، رقم الحدیث ۱۴۴۲، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۲ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ کثرت مرتبہ یہ دعا کرتے ہوئے سنا ہے: اے اللہ! میں پریشانی، غم، عاجز ہونے، سستی، بخل، بزدلی، قرض کی زیادتی اور لوگوں کے غلبہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔

(صحیح البخاری ج ۳ ص ۳۰۵، رقم الحدیث ۲۸۹۳، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۲ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بخیل اور صدقہ کرنے والے کی ایک مثال بیان فرمائی، ان کی مثال ان دو آدمیوں کی طرح ہے جنہوں نے لوہے کی دو زرہیں پہنی ہوئی ہیں جو ان کی چھاتیوں سے ہنسلیوں اور ان کے ہاتھوں تک ہیں، جب صدقہ کرنے والا صدقہ دینے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ زرہ اس سے ڈھیلی ہو جاتی ہے حتی کہ اس کی انگلیوں کو ڈھانپ لیتی ہے اور اس کا نشان مٹ جاتا ہے اور جب بخیل کسی چیز کے صدقہ کا ارادہ کرتا ہے تو اس زرہ کا ہر حلقہ اپنی جگہ تنگ ہو جاتا ہے۔ (صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۷، رقم الحدیث ۵۷۹۷، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ، ۱۴۱۲ھ)

سخی کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے پوری زرہ پہنی اور وہ اس کے جسم پر پھیلتی رہی حتی کہ اس نے پورے بدن کو چھپالیا' اور زرہ نے اس کو محفوظ کرلیا اور بخیل کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کے دونوں ہاتھ طوق بنے ہوئے ہیں جو اس کے سینہ کے سامنے ابھرے ہوئے ہیں۔ جب وہ زرہ پہننے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ درمیان میں حائل ہو جاتے ہیں اور اس زرہ کو بدن پر پھیلنے نہیں دیتے اور وہ اس کی گردن میں اکٹھی ہو کر اس کی ہنسلیوں سے چمٹ جاتی ہے اور اس کے لیے وبال جان اور بوجھ بن جاتی ہے' اور اس کے بدن کی حفاظت نہیں کرتی' خلاصہ یہ ہے کہ سخی جب خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا سینہ کھل جاتا ہے اور اس کے ہاتھ اس کی موافقت کرتے ہیں اور اس کے ہاتھ فراخ ہو جاتے ہیں اور بخیل جب کچھ دینے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھ کوتاہ ہو جاتے ہیں' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ صدقہ کرنے سے مال بڑھنے اور بخل سے مال کم ہونے کی مثال ہو اور اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سخی پر اللہ دنیا اور آخرت میں پردہ رکھتا ہے جس طرح یہ زرہ اس کے جسم کو چھپالیتی ہے اور بخیل کے عیوب دنیا اور آخرت میں کھل جاتے ہیں جس طرح یہ زرہ اس کے گلے میں سکڑ کر اکٹھی ہو جاتی ہے اور اس کا باقی جسم برہنہ ہو جاتا ہے۔

امام خرائطی متوفی ۳۲۷ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سخی کی لغزش سے درگزر کرو کیونکہ وہ جب بھی لڑکھڑاتا ہے تو اللہ اس کے ہاتھ کو پکڑ لیتا ہے۔

(مکارم الاخلاق ج ۲ ص ۵۹۰' مطبوعہ دار الکتب المصریہ مصر' ۱۴۱۱ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ہر وہ اونٹ والا جو اونٹوں کا حق ادا نہیں کرے گا قیامت کے دن اس کے اونٹ بہت فربہ ہو کر آئیں گے اور ان کے سامنے چٹیل میدان میں مالک کو بٹھا دیا جائے گا اور اونٹ اس کو اپنی ٹانگوں اور کھروں کے ساتھ روندتے ہوئے گزر جائیں گے' اور جو گائے والا گائے کا حق ادا نہیں کرے گا قیامت کے دن وہ گائیں بہت فربہ ہو کر آئیں گی' ان کے سامنے چٹیل میدان میں ان کے مالک کو بٹھا دیا جائے گا اور وہ اس کو سینگوں سے مارتی ہوئی اور پیروں سے کچلتی ہوئی گزر جائیں گی' اور جو بکریوں والا بکریوں کا حق ادا نہیں کرے گا وہ بکریاں قیامت کے دن بہت فربہ ہو کر آئیں گی ان کے سامنے چٹیل میدان میں مالک کو بٹھا دیا جائے گا اور وہ اس کو سینگوں سے مارتی ہوئی اور کھروں سے روندتی ہوئی گزر جائیں گی' اس دن ان میں نہ کوئی بغیر سینگ کے ہو گی نہ کسی کا سینگ ٹوٹا ہوا ہو گا' اور جو خزانہ والا خزانہ میں سے اللہ کا حق ادا نہیں کرے گا تو قیامت کے دن اس کا خزانہ گنجے سانپ کی شکل میں منہ کھولے اس کے پیچھے دوڑے گا' خزانہ کا مالک بھاگے گا تو ایک منادی آواز دے کر کہے گا اپنا خزانہ لے لو' ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے' جب خزانہ کے مالک کو کوئی چارہ نظر نہیں آئے گا تو وہ اس سانپ کے منہ میں ہاتھ ڈال دے گا' اور سانپ اونٹ کی طرح اس کے ہاتھ کو چبائے گا' راوی کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اونٹنی کا کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا پانی کے موقع پر اس کا دودھ دوہنا (تاکہ لوگ اس کو پئیں) اور ڈول دینا' اور نر اونٹ کو جفتی کے لیے عاریۃً "دینا' اور اونٹنی کو دودھ پینے کے لیے (ضرورت مندوں کو) دینا اور راہ خدا میں اس پر لوگوں کا مال لادنا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۸۴' رقم الحدیث : ۹۸۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث بجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا : تنگ دلی کرنے سے بچو' کیونکہ تم سے پہلے لوگ تنگ دلی کی وجہ سے ہلاک ہو گئے' اس تنگ دلی نے ان کو بخل کا حکم دیا تو انہوں نے بخل کیا اور اس نے ان کو قطع تعلق کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے قطع تعلق کیا اور اس نے ان کو جھوٹ بولنے کا حکم دیا تو انہوں نے جھوٹ بولا۔

ہم نے الشح کا ترجمہ تنگ دلی کیا ہے کیونکہ حافظ منذری متوفی ۶۵۶ھ نے لکھا ہے کہ شح منع کرنے میں بخل سے زیادہ بلیغ ہے' شح بہ منزل جنس ہے اور بخل بہ منزلہ نوع ہے شح انسان کی طبیعت اور جبلت کی طرف سے وصف لازم کی طرح ہے اور بعض نے کہا کہ بخل صرف مال میں ہوتا ہے اور شح مال اور نیکی دونوں میں ہوتا ہے۔

(مختصر سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۶۳' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس صرف وہی مال ہے جو زبیر نے اپنے گھر میں رکھا ہے کیا میں اس میں سے دیا کروں؟ آپ نے فرمایا دیا کرو اور تھیلی کا منہ باندھ کر نہ رکھو ورنہ تم پر بھی بندش کر دی جائے گی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے مساکین یا صدقہ کو گننے کا ذکر کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دیا کرو اور گنا نہ کرو ورنہ تم کو بھی گن کر دیا جائے گا۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۳۷' رقم الحدیث ۱۷۰۰' ۱۶۹۹' ۱۶۹۸' مطبوعہ دار الجیل بیروت ۱۴۱۳ھ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : انسان کا بدترین خلق گھبراہٹ پیدا کرنے والا بخل ہے (یعنی کسی کو دینے سے دل گھبراتا ہو) اور بے شرمی والی بزدلی ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۱۲' رقم الحدیث ۲۵۱۱' مطبوعہ دار الجیل بیروت' ۱۴۱۳ھ)

ابو امیہ شعبانی کہتے ہیں کہ میں نے ابو ثعلبہ خشنی سے پوچھا کہ تم "علیکم انفسکم" المائدہ : ۱۰۵ "تم (صرف) اپنی جانوں کی فکر کرو" کی کیا تفسیر کرتے ہو؟ انہوں نے کہا میں نے اس آیت کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا تھا' آپ نے فرمایا : نیکی کا حکم دو اور برائی سے منع کرو حتی کہ تم جب یہ دیکھو کہ بخل کی موافقت کی جا رہی ہے اور خواہش کی پیروی کی جا رہی ہے اور دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے اور ذو رائے اپنی رائے کو اچھا سمجھ رہا ہے تو تم صرف اپنی جان کی فکر کرو اور عوام کو چھوڑ دو' کیونکہ تمہارے بعد صبر کے ایام ہوں گے' ان میں صبر کرنا انگاروں کو پکڑنے کی مثل ہے اور ان ایام میں (نیک) عمل کرنے والے کو پچاس آدمیوں کے (نیک) عمل کا اجر ملے گا۔

(سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۱۲۱' رقم الحدیث ۴۳۴۱' مطبوعہ دار الجیل بیروت)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : مسلمان میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوتیں۔ بخل اور بد خلقی' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا دھوکا دینے والا' احسان جتلانے والا اور بخیل جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ (الجامع الصحیح ج ۴ ص ۳۴۳' رقم الحدیث : ۱۹۶۳۔ ۱۹۶۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جب تمہارے اچھے لوگ تمہارے حاکم ہوں اور

تمہارے مال دار سخی ہوں' اور تمہارے باہمی امور مشاورت سے ہوں تو زمین کے اوپر رہنا تمہارے لیے زمین کے نیچے دفن ہونے سے بہتر ہے' اور جب تمہارے بدترین لوگ تمہارے حاکم ہوں اور تمہارے مالدار بخیل ہوں اور تمہارے امور تمہاری عورتوں کے سپرد ہوں تو زمین کے نیچے دفن ہونا تمہارے لیے زمین کے اوپر رہنے سے بہتر ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۵۲۹' رقم الحدیث ۲۲۶۶' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو' عرض کیا گیا وہ کیا ہیں؟ فرمایا : اللہ کے ساتھ شرک کرنا' بخل کرنا (ایک روایت میں سحر ہے) ناحق قتل کرنا' سود کھانا' یتیم کا مال کھانا' جنگ کے دن پیٹھ پھیرنا' پاک دامن' مومن بھولی بھالی عورتوں کو تہمت لگانا۔

(سنن نسائی ج ۲ ص ۱۳۴' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (قرب قیامت میں) احکام میں سختی زیادہ ہوگی' اور دنیا سے صرف بدبختی زیادہ ہوگی' اور لوگوں میں صرف بخل زیادہ ہوگا' اور قیامت صرف بدترین لوگوں پر قائم ہوگی اور عیسیٰ بن مریم کے سوا کوئی ہدایت یافتہ نہیں ہوگا۔

(سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۰' رقم الحدیث ۴۰۳۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندہ کے پیٹ میں اللہ کی راہ میں غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہیں ہوگا اور کسی بندہ کے دل میں ایمان اور بخل جمع نہیں ہوں گے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۳۴۰' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر یا عصر کی نماز پڑھ رہے تھے' اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کو پکڑنے لگے' پھر آپ پیچھے ہٹے اور لوگ بھی پیچھے ہٹ گئے' جب آپ نے نماز پڑھ لی تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے پوچھا آپ نے نماز میں ایک کام کیا جو آپ پہلے نہیں کرتے تھے آپ نے فرمایا مجھ پر جنت پیش کی گئی اس میں چمک اور تروتازگی تھی۔ میں نے تمہارے پاس لانے کے لیے انگوروں کا ایک گچھا پکڑا تو میرے اور اس کے درمیان ایک چیز حائل کردی گئی' اگر میں اس کو لے آتا تو اس کو آسمان اور زمین کے درمیان کھایا جاتا اور اس میں کچھ کمی نہیں ہوتی' پھر میرے سامنے دوزخ پیش کی گئی جب میں نے اس کی تپش دیکھی تو میں اس سے پیچھے ہٹا' اور میں نے دوزخ میں ان عورتوں کو دیکھا جن کو کوئی راز بتایا جاتا تو وہ اس کو افشاء کردیتیں' ان سے سوال کیا جاتا تو وہ بخل کرتیں اور جب وہ خود سوال کرتیں تو گڑگڑا کر کرتیں اگر ان کو کچھ دیا جاتا تو وہ اس کا شکر ادا نہ کرتیں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۳۔ ۳۵۲' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام ابوبکر محمد بن جعفر الخرائطی المتوفی ۳۲۷ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کسی شخص کے گناہ گار ہونے

کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کو ضائع کر دے۔ (مکارم الاخلاق ج ۲ ص ۵۹۶ 'مطبوعہ دار الکتب المصریہ مصر '۱۴۱۱ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن آدم! اگر تو خرچ کرے تو یہ تیرے لیے بہتر ہے اور اگر تو بخل کرے تو یہ تیرے لیے بدتر ہے اور قدر ضروری پر تجھے ملامت نہیں کی جائے گی 'اور اپنے اہل و عیال سے ابتداء کر اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے 'اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے :

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۱۸ 'سنن کبری للبیهقی ج ۴ ص ۱۸۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : وہ شخص مومن (کامل) نہیں ہے جو سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوک سے کروٹیں بدل رہا ہو۔ (مستدرک ج ۴ ص ۱۶۸ 'مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس شخص کا غلام اس کے پاس جائے اور اس سے کسی فالتو چیز کا سوال کرے اور وہ اس کو نہ دے تو قیامت کے دن وہ فالتو چیز جس سے اس نے منع کیا تھا ایک گنجا سانپ بن کر اس کو اپنے جبڑوں سے چبائے گی۔ (سنن کبری للبیهقی ج ۴ ص ۱۷۹)

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام فرماتے تھے جب تم سیر ہو تو بھوکے کو یاد کرو اور جب تم غنی ہو تو فقراء کو یاد کرو۔ (شعب الایمان ج ۳ ص ۲۲۳-۲۲۴ 'مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ '۱۴۱۰ھ 'رقم الحدیث ۳۳۹۳ '۳۳۹۰ '۳۳۸۹ '۳۳۸۶)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

حجر بن بیان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے کسی رشتہ دار کے پاس جا کر اس سے کسی فاضل چیز کا سوال کرے جو اس کو اللہ نے دی ہے اور وہ اس کو دینے سے بخل کرے تو وہ چیز قیامت کے دن آگ کا سانپ بن کر اس کے گلے میں طوق بن جائے گی اور اس کو اپنے جبڑوں سے چبائے گی 'پھر انہوں نے یہ آیت پڑھی ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتھم اللہ من فضلہ (آل عمران : ۱۸۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ ایک سانپ ان (بخلاء) میں سے کسی ایک کے سر کو کھوکھلا کرے گا اور کہے گا میں تیرا وہ مال ہوں جس کے ساتھ تو نے بخل کیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اس کا مال ایک سانپ کی شکل میں آئے گا اور اس کے سر کو کھوکھلا کرے گا اور کہے گا میں تیرا وہ مال ہوں جس کے ساتھ تو نے بخل کیا تھا پھر اس کی گردن پر لپٹ جائے گا۔

ابو وائل بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور وہ اپنے قرابت داروں کو اس کا حق دینے سے منع کرے جو اللہ نے اس کے مال میں ان کا حق رکھا ہے پھر اس مال کو سانپ بنا کر اس کے گلے میں طوق ڈال دیا جائے گا وہ شخص کہے گا تیرا مجھ سے کیا واسطہ ہے وہ سانپ کہے گا میں تیرا مال ہوں۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۲۷-۱۲۸ 'مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت '۱۴۰۹ھ)

حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں :

محمد بن یوسف فریابی متوفی ۲۱۲ھ (یہ امام احمد اور امام بخاری کے اصحاب میں سے ہیں) بیان کرتے ہیں میں اپنے اصحاب کے ساتھ ابوسنان رحمہ اللہ کی زیارت کے لیے گیا 'جب ہم ان کے پاس گئے تو انہوں نے کہا چلو ہم اپنے پڑوسی کی

تعزیت کے لیے جائیں اس کا بھائی فوت ہو چکا ہے جب ہم اس کے پاس پہنچے تو وہ اپنے بھائی پر زار و قطار رو رہا تھا' ہم نے اس کو تسلی دی اور تعزیت کی لیکن اس کو قرار نہیں آیا' ہم نے اس سے کہا تم کو معلوم ہے کہ موت سے کسی کو رستگاری نہیں ہے' اس نے کہا یہ ٹھیک ہے میں اس لیے رو رہا ہوں کہ میرے بھائی کو صبح و شام عذاب ہوتا ہے' ہم نے کہا کیا تم کو اللہ نے غیب پر مطلع کر دیا ہے؟ اس نے کہا نہیں! لیکن جب میں نے اس کو دفن کیا اور اس پر مٹی برابر کی' اور لوگ چلے گئے تو میں اس کے پاس بیٹھ گیا اچانک میں نے یہ آواز سنی' آہ انہوں نے مجھے اکیلے بٹھا دیا ہے اور میں عذاب برداشت کر رہا ہوں' حالانکہ میں نماز پڑھتا تھا اور روزے رکھتا تھا' مجھے اس کے کلام نے رلا دیا' میں نے قبر سے مٹی کھود کر ہٹائی تاکہ اس کا حال دیکھوں' اس وقت اس کی قبر آگ سے بھڑک رہی تھی' اور اس کی گردن میں آگ کا طوق پڑا ہوا تھا' بھائی کی محبت سے مجبور ہو کر میں نے اس کی گردن سے طوق نکالنے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو میری انگلیاں اور ہاتھ جل گیا' پھر اس نے ہمیں اپنا ہاتھ نکال کر دکھایا جو جل کر سیاہ ہو چکا تھا' اس نے کہا میں نے قبر پر دوبارہ مٹی ڈال دی اور لوٹ آیا' ہم نے پوچھا تمہارا بھائی دنیا میں کیا عمل کرتا تھا؟ اس نے کہا وہ اپنے مال کی زکوۃ ادا نہیں کرتا تھا' ہم نے کہا یہ اس آیت کی تصدیق ہے ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتھم اللہ من فضلہ ھو خیر الھم بل ھو شر لھم سیطوقون ما بخلوا بہ یوم القیامۃ (آل عمران : ۱۸۰) تمہارے بھائی کو قیامت کا عذاب قبر میں جلدی دے دیا گیا۔

(الکبائر ص ۴۰۔ ۳۹ مطبوعہ دار الفدا العربی قاہرہ' والزواجر ج اص ۳۳۲۔ ۳۳۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ)

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ

بیشک اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا جنہوں نے کہا تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں ،

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ

عنقریب ہم ان کا قول لکھ لیں گے اور ان کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا (بھی لکھ لیں گے) اور ہم کہیں گے

ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ

کہ دوزخ کی آگ کا عذاب چکھو ○ یہ تمہارے (ان اعمال کی سزا ہے) جو تم نے پہلے اپنے ہاتھوں سے کیے

اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ۚ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ

تھے' اور بیشک اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے ○ جن لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے

عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ

کہ ہم اس وقت تک کسی رسول پر ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ وہ ایسی قربانی پیش کرے جس کو آگ کھا جائے

وقف لازم

النَّارُ ؕ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِىْ

آپ کہیے کہ مجھ سے پہلے تمہارے پاس کئی رسول بہت سی واضح نشانیاں لے کر آئے اور تمہاری کہی ہوئی

قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ

نشانی (بھی) لے کر آئے تھے تو اگر تم سچے ہو تو تم ان کو پھر کیوں قتل کرتے تھے ○ سو اگر یہ آپ کی تکذیب کریں

فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ

تو آپ سے پہلے کئی عظیم رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے جو واضح نشانیاں اور آسمانی صحیفے اور روشن کتاب

الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ

لے کر آئے تھے ○ ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے ، اور تمہارے کاموں کی جزا تو قیامت

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ

کے دن ہی دی جائے گی ، سو جو شخص دوزخ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہی کامیاب

فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِىْٓ

ہے ، اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے ○ بیشک تم اپنی جانوں اور

اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۚ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

مالوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے تم ان سے اور

مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا

مشرکوں سے ضرور بہت سی دل آزار باتیں سنو گے اور اگر تم صبر کرتے رہے اور

وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

اللہ سے ڈرتے رہے تو یہ ضرور بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے ○

اسلام کے نظام زکوٰۃ پر یہودیوں کا اعتراض

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا جنہوں نے کہا تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیت المدراس گئے آپ نے دیکھا وہاں بہت سے یہودی فنحاص کے گرد جمع تھے۔ یہ شخص یہودیوں کا بہت بڑا عالم تھا' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فنحاص سے کہا اے فنحاص! تم پر افسوس ہے' تم اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرلو' تم کو معلوم ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں' وہ اللہ کے پاس سے وہ دین برحق لے کر آئے ہیں جس کو تم تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہو' فنحاص نے کہا بہ خدا اے ابو بکر ہمیں اللہ کی کوئی حاجت نہیں ہے' بلکہ اللہ ہمارا محتاج (فقیر) ہے' ہمیں اس سے فریاد کی ضرورت نہیں ہے بلکہ وہ ہم سے فریاد کرتا ہے اور ہم اس سے مستغنی (غنی) ہیں' اگر اللہ ہم سے مستغنی ہوتا تو ہم سے قرض طلب نہ کرتا جیسا کہ تمہارے پیغمبر کہتے ہیں' وہ ہم کو ربا (سود) سے منع کرتا ہے اور خود ہم کو سود (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر زیادہ اجر) دیتا ہے' اگر اللہ غنی ہوتا تو ہم کو سود نہ دیتا' حضرت ابو بکر یہ سن کر غضبناک ہوئے اور فنحاص کے منہ پر زور سے ایک تھپڑ مارا' اور فرمایا بہ خدا اگر ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ نہ ہوتا تو میں تمہاری گردن مار دیتا' فنحاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور حضرت ابو بکر کی شکایت کی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر سے پوچھا تم نے اس کو تھپڑ کیوں مارا تھا؟ حضرت ابو بکر نے بتایا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی اور کہا اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں' اس وجہ سے میں نے غضبناک ہو کر اس کو تھپڑ مارا' فنحاص نے اس کا انکار کیا اور کہا میں نے یہ نہیں کہا تھا' تب اللہ تعالیٰ نے فنحاص کے رد اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی : بے شک اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا جنہوں نے کہا تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۱۲۹' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

یہودیوں کے اعتراض مذکور کا جواب

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں جان اور مال خرچ کرنے کا حکم دیا تھا' اور اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کے خلاف یہودیوں کے شبہات کے جواب دیئے ہیں ان کا ایک شبہ یہ تھا اللہ مسلمانوں سے قرض مانگتا ہے اور اس پر اصل رقم سے زیادہ اجر دینے کا وعدہ فرماتا ہے اور یہ بعینہٖ سود ہے وہ مسلمانوں کو سود سے منع کرتا ہے اور خود سود دیتا ہے' نیز اس کا قرض مانگنا اس کی احتیاج کو ظاہر کرتا ہے۔ سو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس خدا کی دعوت دے رہے ہیں وہ عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اس کے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک علی الاطلاق ہے اور تمام مخلوق اس کی مملوک ہے وہ جو چاہے حکم دے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے' نیز اللہ تعالیٰ کے قرض مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ دین کی سربلندی اور ناداروں اور مسکینوں کی مدد کے لیے اصحاب ثروت خرچ کریں اور وہ جو کچھ دنیا میں خرچ کریں گے اللہ ان کو دس گنا' سات سو گنا' یا اس سے بھی زیادہ ثواب عطا فرمائے گا' نیز مال انسان کو طبعاً" محبوب ہوتا ہے اور جب وہ اللہ کے حکم پر مال خرچ کریں گے تو ان کے دعوئ ایمان کا سچا ہونا ثابت ہو گا' نیز مال کو خرچ کرنے سے انسان کے دل سے مال کی محبت کم ہو گی اور دنیا سے بے رغبتی پیدا ہو گی' غریبوں اور مسکینوں کی محبت اور ان کی دعائیں حاصل ہوں گی اور یہ بہت عظیم نفع ہے۔

مخالف کے طعن کے جواب میں اس پر طعن کر کے اس کو ساکت کرنا

فنحاص یہودی نے اسلام پر اعتراض کرتے ہوئے بر سبیل الزام یہ کہا تھا کہ اسلام کے نظام زکوۃ اور صدقہ و خیرات کے احکام سے اللہ کا فقیر ہونا لازم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر گرفت کرتے ہوئے ان پر بر سبیل الزام فرمایا پھر تم نبیوں کو

ناحق کیوں قتل کرتے تھے اور ایک مسلم برائی بیان فرما کر ان پر گرفت فرمائی ہرچند کہ قتل ان کے آباؤ اجداد نے کیا تھا لیکن یہ ان کے اس فعل پر راضی تھے اس لیے ان کو اس فعل کا مخاطب کیا گیا' اس آیت سے معلوم ہوا کہ معترض کے جواب کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ اس کے اعتراض کے جواب میں اس کے مسلم عیب اور نقص کو بیان کر کے اس کو ساکت کر دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کی شان میں توہین آمیز کلام کفر ہے

فنحاص یہودی کا یہ عقیدہ اور نظریہ نہیں تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں' بلکہ اس نے اسلام کے نظام زکوۃ پر اعتراض کرتے ہوئے بہ طریق الزام یہ کہا تھا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کو تھپڑ مارا اور اس کو واجب القتل قرار دیا' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف کوئی ہتک آمیز جملہ خواہ بہ طریق الزام کہا جائے یا بہ طریق عقیدہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہے اور کفر ہے اور اس کا قائل موجب قتل ہے۔

علامہ اقبال ایشیا کے عظیم شاعر انقلاب ہیں انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ ہندوستان کے غلام مسلمانوں میں آزادی کا شعور پیدا کیا فرنگی تہذیب سے نفرت دلائی اور اسلام کی عظمت کو جاگزیں کیا لیکن ان کے بعض اشعار بارگاہ الوہیت میں بہت گستاخانہ ہیں۔

کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں تو بھی تو ہرجائی ہے

(کلیات اقبال ص ۱۳۱' الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور' ۱۹۹۵ء)

واضح رہے کہ جواب شکوہ' شکوہ کے گستاخانہ اشعار سے رجوع اور توبہ نہیں ہے' رجوع تب ہوتا جب ان اشعار کو کتاب سے نکال دیا جاتا۔

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

(کلیات اقبال ص ۲۴۰' مطبوعہ الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور' ۱۹۹۵ء)

خود ڈاکٹر اقبال کو بھی بارگاہ الوہیت میں اپنی گستاخیوں کا احساس تھا وہ کہتے ہیں۔

چپ رہ نہ سکا حضرت یزداں میں بھی اقبال
کرتا کوئی اس بندہ گستاخ کا منہ بند

(کلیات اقبال ص ۲۵۲' مطبوعہ الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور' ۱۹۹۵ء)

اسرار خودی کے مقدمہ میں ڈاکٹر اقبال نے حافظ شیرازی کی بہت ہجو کی تھی لکھا تھا :

الحذر از محفل حافظ الحذر
الحذر از گوسفنداں الحذر

حافظ شیرازی کے چاہنے والوں نے اس کے جواب میں ڈاکٹر اقبال کی بہت مذمت کی اور ان کی ہجو میں بہت اشعار لکھے ایک شعر یہ تھا :

الحذر از بد سگالاں الحذر
الحذر از شغالاں الحذر

چنانچہ ڈاکٹر اقبال نے اسرار خودی کے مقدمہ سے حافظ شیرازی کی ہجو والے تمام اشعار نکال دیئے' میں سوچتا ہوں کہ اس زمانے میں حافظ کے چاہنے والے تو تھے خدا کا چاہنے والا کوئی نہ تھا ورنہ ڈاکٹر اقبال' اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخانہ اشعار کو بھی نکال دیتے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ' اللہ تعالیٰ کی شان میں فقیر کا لفظ نہ سن سکے اور برصغیر کے کروڑوں مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی شان میں بخیل کا لفظ خاموشی سے سن لیا حالانکہ بخیل کے لفظ میں فقیر کی بہ نسبت زیادہ توہین ہے۔ شاید اس زمانہ میں صدیق اکبر کی طرح غیرت مند کوئی مسلمان نہیں تھا!

حضرت ابو بکر کی تصدیق معراج کا صلہ

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں :

امام ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (الی قولہ) صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے سامنے واقعہ معراج سنایا وہ لوگ حضرت ابو بکر کے پاس گئے اور کہا اے ابو بکر! تمہارے پیغمبر یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ گزشتہ رات ایک ماہ کی مسافت کا سفر کر کے واپس آگئے ہیں' اب بولو کیا کہتے ہو؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا اگر واقعی آپ نے یہ فرمایا ہے تو سچ فرمایا ہے اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں! اور میں تو اس سے زیادہ بعید باتوں میں آپ کی تصدیق کرتا ہوں آپ آسمانوں سے آنے والی خبریں بیان کرتے ہیں اور میں ان کی تصدیق کرتا ہوں اسی دن سے حضرت ابو بکر کا نام صدیق پڑ گیا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۴۸' مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت' ۱۳۸۵ھ)

جب تمام مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر معراج کا انکار کر رہے تھے تو سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تصدیق کی تھی اور جب فنحاص اللہ تعالیٰ کو فقیر کہہ کر منکر ہو گیا اور سب یہودی حضرت ابو بکر کی تکذیب کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو بکر کی تصدیق کی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حضرت ابو بکر نے تصدیق کی تھی اس کا بدلہ اتار دیا!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم اس وقت تک کسی رسول پر ایمان نہ لائیں حتیٰ کہ وہ ایسی قربانی پیش کرے جس کو آگ کھا جائے۔ (آل عمران : ۱۸۳)

پچھلی امتوں میں قربانی' صدقات اور مال غنیمت کو آسمانی آگ کا کھا جانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں یہ یہودیوں کا دوسرا طعن ہے۔ وہ کہتے تھے کہ پہلے نبیوں کی شریعت میں قربانی' صدقات اور مال غنیمت کے مقبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ ان کو ایک آگ آکر کھا جاتی تھی اگر آپ سچے نبی ہوتے تو آپ کی قربانی کو بھی آگ کھا جاتی!

قربان اس نیکی کو کہتے ہیں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جائے' اس کا مصدر قرب ہے' اور قرب سے قربان اسی طرح بنا ہے جس طرح کفر سے کفران' اسی طرح رجحان اور خسران ہیں۔

علامہ ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں :

عطا بیان کرتے ہیں کہ بنو اسرائیل اللہ کے لیے جانور ذبح کرتے اور اس میں سے عمدہ گوشت نکال کر گھر کے وسط میں رکھ دیتے' گھر کی چھت کھلی ہوئی ہوتی تھی۔ پھر ان کے نبی علیہ السلام کھڑے ہو کر اللہ سے دعا کرتے اور بنو اسرائیل گھر کے

کرد کھڑے ہوتے تھے' پھر آسمان سے بغیر دھوئیں کے صاف آگ اترتی اور اس قربانی کو کھا جاتی تھی۔

(الوسیط ج ۱ ص ۵۲۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ (پچھلی امتوں میں) ایک شخص صدقہ کرتا تھا اگر وہ صدقہ قبول ہو جاتا تو آسمان سے آگ اتر کر اس کو کھا جاتی تھی۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۳۱' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ در المنثور ج ۲ ص ۴۰۶ مطبوعہ ایران)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں :

امام ابن المنذر نے ابن جریج سے روایت کیا ہے کہ ہم سے پہلی امتوں میں کوئی شخص قربانی سے تقرب حاصل کرتا تو لوگ نکل کر دیکھتے کہ اس کی قربانی قبول ہوئی ہے یا نہیں اگر اس کی قربانی قبول ہوتی تو آسمان سے ایک سفید آگ آ کر اس کو کھا لیتی' اگر اس کی قربانی قبول نہ ہوتی تو آگ آ کر نہیں کھاتی تھی۔

حافظ جلال الدین نے ابن ابی حاتم سے روایت کیا ہے کہ پچھلی امتوں میں رسول دلائل لے کر آتے اور ان کی نبوت کی علامت یہ تھی کہ وہ گائے کے گوشت کو اپنے ہاتھ پر رکھتے پھر آسمان سے آگ آ کر اس کو کھا لیتی۔

(الدر المنثور ج ۲ ص ۴۰۵' مطبوعہ ایران)

پچھلی امتوں پر مال غنیمت کا کھانا بھی حلال نہیں تھا اور آسمانی آگ آ کر مال غنیمت کو کھا جاتی تھی البتہ اگر کوئی شخص خیانت کر کے مال غنیمت سے کوئی چیز نکال لیتا تو پھر آسمانی آگ نہیں آتی تھی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء سابقین میں سے کسی نبی نے جہاد کیا اور اپنی امت سے فرمایا جس شخص نے نکاح کیا ہو اور وہ اپنی بیوی سے عمل ازدواج کرنا چاہتا ہو' جب کہ ابھی تک اس نے یہ عمل نہ کیا ہو اور جس نے گھر بنایا ہو اور ابھی اس کی چھت نہ ڈالی ہو' اور جس شخص نے بکریاں یا اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچوں کی پیدائش کا انتظار کر رہا ہو' یہ سب لوگ ہمارے ساتھ نہ جائیں' اس نبی نے عصر کی نماز یا اس کے قریب وقت تک جہاد کیا' پھر اس نے سورج سے کہا تو بھی مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں' اے اللہ! اس کو ہم پر روک دے' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس نبی کو فتح عطا فرمائی' پھر تمام مال غنیمت جمع کیا گیا' آگ آئی اور اس نے مال کو نہیں کھایا اس نبی نے فرمایا تم میں کوئی خیانت کرنے والا ہے' ہر قبیلہ کا ایک شخص میرے ہاتھ پر بیعت کرے' ایک شخص کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چپک گیا' انہوں نے کہا تم میں کوئی شخص خیانت کرنے والا ہے' تمہارے قبیلے کا ہر شخص میرے ہاتھ پر بیعت کرے' پھر اس قبیلہ کے دو یا تین آدمیوں کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چپک گیا' انہوں نے فرمایا تم میں خیانت ہے' تب وہ سونے کی بنی ہوئی گائے کا سر لائے' انہوں نے مال غنیمت میں سونے کا وہ سر رکھا تو آگ نے اس کو کھا لیا پھر اللہ نے ہمارے لیے مال غنیمت کو حلال کر دیا' اللہ نے ہمارے ضعف اور عجز کو دیکھ کر اس کو حلال کیا۔

(صحیح البخاری ج ۳ ص ۸۲' ۳۸۲' رقم الحدیث ۳۱۲۴ مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۳۶۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے بنو آدم میں سے کسی کے لیے مال غنیمت حلال نہیں ہوا' آسمان سے ایک آگ آکر اس کو کھالیتی تھی۔

(الجامع الصحیح ج ۵ ص ۲۷۲' رقم الحدیث ۳۰۸۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' سنن کبریٰ للنسائی ج ۵ ص ۳۵۲ طبع بیروت)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اے میرے رب! میں نے تورات میں یہ دیکھا ہے کہ ایک امت اپنے صدقات کو خود کھائے گی اور ان سے پہلے جب کوئی اپنا صدقہ نکالتا تھا تو اللہ تعالیٰ ایک آگ بھیجتا تھا وہ اس کو کھالیتی تھی' اگر وہ صدقہ قبول نہیں ہوتا تھا تو وہ آگ اس کے قریب نہیں جاتی تھی' اے اللہ! اس امت کو میری امت بنا دے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ امت احمد ہے۔ (دلائل النبوۃ ج ۱ ص ۳۷۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۴۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت' البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۶۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' الوفا لابن الجوزی ج ۱ ص ۳۹' طبع فیصل آباد پاکستان' دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۱ ص ۶۸' سبل الہدیٰ والرشاد ج ۱۰ ص ۳۶۶)

تورات میں لکھا ہے:

اور خداوند کے حضور سے آگ نکلی اور سوختنی قربانی اور چربی کو مذبح کے اوپر بھسم کر دیا۔

(احبار: باب '۹' آیت: ۲۴' تورات ص ۱۰۲' مطبوعہ بائبل سوسائٹی لاہور)

یہود کے دوسرے اعتراض کا جواب

یہود کا یہ کہنا کہ سچے نبی کی صرف یہ علامت ہے کہ اس کی پیش کی ہوئی قربانی کو آسمانی آگ کھا جائے' صحیح نہیں ہے' کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کے ثبوت میں ید بیضا اور اژدھے کا معجزہ پیش کیا تھا' نیز قربانی کو آسمانی آگ کا کھا جانا اس لیے نبوت پر دلیل ہے کہ وہ ایک امر خلاف عادت ہے اور معجزہ ہے سو جو امر خلاف عادت پیش کیا جائے اس کی بناء پر دعویٰ نبوت کی تصدیق واجب ہے اور یہود کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار امور خلاف عادت پیش کیے تو ان پر اس کی تصدیق کرنا واجب ہے' نیز اس سے پہلے بہت سے نبیوں نے ان کا مطلوبہ معجزہ بھی پیش کیا تھا اور ان کی قربانی کو آسمانی آگ کھا گئی تھی۔ اس کے باوجود یہود ان پر ایمان نہیں لائے تھے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہود کا رد کرتے ہوئے فرمایا: آپ کہئے کہ مجھ سے پہلے تمہارے پاس کئی رسول بہت سی واضح نشانیاں لے کر اور تمہاری کہی ہوئی نشانی (بھی) لے کر آئے اگر تم سچے ہو تو تم ان کو پھر کیوں قتل کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو اگر یہ آپ کی تکذیب کریں تو آپ سے پہلے کئی عظیم رسولوں کی تکذیب کی گئی ہے جو واضح نشانیاں اور آسمانی صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔ (آل عمران: ۱۸۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کا بیان

اس آیت میں آپ کو یہ تسلی دی گئی ہے کہ اگر یہ آپ کے اس قول کی تکذیب کریں کہ پہلے نبیوں نے ان کا مطلوبہ معجزہ پیش کیا تھا اور ان کی قربانی کو آگ نے کھا لیا تھا پھر بھی یہودیوں نے ان کو نہیں مانا ان کی تکذیب کی اور ان کو قتل کر دیا' تو آپ غم نہ کریں یا اگر یہ آپ کی نبوت اور رسالت کو نہیں مانتے اور بے شمار معجزات دیکھنے کے باوجود آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ افسوس نہ کریں ہمیشہ سے کفار اور منکرین بڑے بڑے رسولوں کی تکذیب کرتے آئے ہیں۔

بینات، زبر اور کتاب منیر کا معنی

بینات سے مراد دلائل اور معجزات ہیں، اور زبور سے مراد حکمت والی کتاب ہے، زبر کا معنی زجر و توبیخ بھی ہے، زبور کو اس لیے زبور کہتے ہیں کہ اس میں خلاف حق، باطل امور اور برائیوں پر زجر و توبیخ کی گئی ہے اور نصیحتوں کا بیان کیا گیا ہے اور کتاب منیر سے مراد روشن کتاب ہے جس میں واضح احکام بیان کئے گئے ہوں، بینات سے مراد معجزات ہیں اور ان پر کتاب منیر کا عطف کیا گیا ہے اور عطف تغایر کا مقتضی ہے اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء سابقین علیہم السلام پر نازل ہونے والی کتابیں اور صحیفے معجزہ نہیں تھے، یہ صرف قرآن مجید کی خصوصیت ہے کہ وہ معجز ہے، آج تک کوئی اس کی نظیر لا سکا، نہ اس میں کمی یا زیادتی ثابت کر سکا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور تمہارے کاموں کی جزا تو قیامت کے دن ہی دی جائے گی۔ (آل عمران : ۱۸۵)

جنگ احد کی ہزیمت پر مسلمانوں کو تسلی دینے کا بیان

جنگ احد کی ہزیمت پر جو مسلمان رنجیدہ اور غمزدہ تھے اس آیت میں بھی گذشتہ آیات کی طرح ان کو تسلی دی گئی ہے اور منافقوں کے طعن کا جواب دیا ہے، منافق یہ کہتے تھے کہ اگر اس جنگ میں ہمارے مشورہ پر عمل کیا جاتا اور مسلمان شہر بند ہو کر لڑتے تو اس جنگ میں اس قدر مسلمان مارے نہ جاتے، اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ ہر شخص نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اگر بہ فرض محال وہ مسلمان اس جنگ میں نہ مارے جاتے تب بھی انہوں نے ایک نہ ایک دن مرنا تھا، پہلے کوئی ہمیشہ زندہ رہا نہ اب ہمیشہ زندہ رہے گا، پھر تم ان مسلمانوں کے مرنے پر غم کیوں کرتے ہو! خصوصاً" اس لیے کہ وہ شہادت کی موت مرے ہیں اور شہداء اللہ کے نزدیک زندہ ہیں ان کو رزق دیا جاتا ہے اور وہ اللہ کی ان نعمتوں پر بہت خوش ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو دنیا میں ایمان اور اعمال صالحہ کا اجر عطا فرمایا ہے، تم کو جنگ بدر میں فتح عطا کی، اور جب تک تم مکہ مکرمہ میں رہے تم کو کفار کے قتل کرنے سے بچائے رکھا حتیٰ کہ تم ہجرت کر کے مدینہ میں آگئے اور جہاد میں اللہ تم کو جو فتح و ظفر، مال غنیمت اور دشمن پر تسلط عطا فرماتا ہے، یہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا دنیا میں تھوڑا سا اجر ہے اس کا پورا پورا اجر تم کو قیامت کے دن دیا جائے گا، "توفیہ" کا معنی کسی چیز کو پورا پورا کرنا ہے، مومنوں کو دنیا میں جو نعمتیں دی ہیں وہ تھوڑی ہیں ان کو پوری پوری نعمتیں آخرت میں دی جائیں گی۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔

(کتاب الزھد ص ۷۳، مطبوعہ دار الباز، مکہ مکرمہ ۱۴۱۴ھ)

اسی طرح کفار کو جو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کا سامنا ہوتا ہے یا ان کا جانی اور مالی نقصان ہوتا ہے یہ بہت تھوڑا عذاب ہے ان کو پورا پورا عذاب آخرت میں دیا جائے گا جو دائمی عذاب ہو گا۔

موت سے مستثنیٰ رہنے والے نفوس کا بیان

اس آیت پر ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی ذات پر نفس کا اطلاق کیا ہے ارشاد ہے :

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اس نے (محض اپنے کرم سے) اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا

(الانعام : ۱۲) ہے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ (الزمر : ۶۸)
اور صور پھونکا جائے گا جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب بے ہوش ہو جائیں گے مگر جن کو اللہ چاہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب لوگوں کو موت نہیں آئے گی اور کچھ مخلوق ایسی ہو گی جو قیامت کے صور سے بھی صرف بے ہوش ہو گی مرے گی نہیں اور زیر بحث آیت کا تقاضا ہے کہ ہر نفس پر موت آئے حتی کہ اللہ پر بھی اور ان پر بھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ زیر بحث آیت عام مخصوص عنہ البعض ہے' اللہ تعالیٰ اور جن کا اللہ تعالیٰ نے استثناء فرمایا ہے (مثلاً انبیاء و شہداء) وہ اس آیت کے عموم سے مستثنیٰ ہیں' امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس آیت میں نفس سے مراد وہ مکلف ہیں جو دار تکلیف میں حاضر ہیں (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۱۲) لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کا تقاضا ہے کہ پھر بچوں اور دیوانوں پر موت نہ آئے' اسی طرح جمادات اور نباتات پر موت نہ آئے حالانکہ ان سب پر موت آئے گی' صحیح جواب وہی ہے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو جو شخص دوزخ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہی کامیاب ہے اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔ (آل عمران : ۱۸۵)

دوزخ سے پناہ مانگنے اور جنت کو طلب کرنے کے متعلق احادیث اور بحث و نظر

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کا اس کے سوا اور کوئی مقصود نہیں ہونا چاہئے کہ اس کو دوزخ کے عذاب سے نجات مل جائے اور وہ جنت میں پہنچ جائے اور جو شخص دنیا کی رنگینیوں میں ڈوب کر اللہ تعالیٰ کے احکام سے غافل ہو جائے اس کے لیے یہ دنیا دھوکے کا سامان ہے اور جس نے اللہ کے احکام کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر عمل کرنے کے لیے دنیا سے تعلق رکھا اس کے لیے دنیا اچھی متاع ہے' اس آیت کے دو جز ہیں' ایک جہنم سے دوری اور جنت کا وصال اس کو کامیابی فرمایا ہے اور دنیا کی بے ثباتی ہے۔ پہلے جز کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں :

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایک کوڑے جتنی جگہ دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو سو جو شخص دوزخ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہی کامیاب ہے۔
(آل عمران : ۱۸۵)

(الجامع الصحیح ج ۵ ص ۲۳۳۔ ۲۳۲' رقم الحدیث ۳۰۱۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' سنن داری ج ۲ ص ۲۳۹ مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ کی راہ میں صبح یا شام کرنا دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے اور جنت میں تم میں سے کسی ایک کے کوڑے جتنی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔
(کتاب الزہد ص ۲۹' ۲۷' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۴ھ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی دوزخ سے پناہ اور جنت کے حصول کی دعا کی ہے :

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی آپ جب عذاب کی آیت پڑھتے تو ٹھیر کر اس سے پناہ مانگتے اور جب بھی رحمت کی آیت پڑھتے تو ٹھیر کر اس کی دعا کرتے۔

(سنن نسائی ج ۱ص ۱۵۶' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

امام ابوداؤد بجستانی متوفی ۲۷۵ھ نے اس حدیث کو حضرت عوف بن مالک اشجعی سے اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ص ۲۲۹' رقم الحدیث ۸۷۳' مطبوعہ دار الجیل بیروت' مسند احمد ج ۶ص ۱۱۹' مطبوعہ بیروت)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا ہوتی تھی: اے اللہ! ہم تجھ سے تیری رحمت کے موجبات اور مغفرت کے موکدات کا سوال کرتے ہیں اور ہر گناہ سے محفوظ رہنے کا اور ہر نیکی کے حصول کا اور جنت کی کامیابی کا' اور تیری مدد سے دوزخ سے نجات کا' یہ حدیث امام مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ (علامہ ذہبی نے بھی اس کو مقرر رکھا ہے) (المستدرک ج ۱ص ۵۲۵' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وجہ اللہ کے وسیلہ سے صرف جنت کا سوال کیا جائے۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ص ۱۳۱' رقم الحدیث ۱۶۷۱' مطبوعہ دار الجیل بیروت' ۱۴۱۲ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! میں سستی' بڑھاپے' قرض اور گناہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اے اللہ! میں دوزخ کے عذاب' دوزخ کے فتنہ' قبر کے فتنہ' قبر کے عذاب' مال کے شر کے فتنہ' فقر کے شر کے فتنہ اور مسیح دجال کے شر کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اے اللہ میری (بہ ظاہر) خطاؤں کو برف اور اولوں کے پانی سے دھو دے' اے اللہ! میری (بہ ظاہر) خطاؤں سے میرے دل کو اس طرح صاف کر دے جس طرح سفید کپڑے کو میل سے صاف کر دیا جاتا ہے' اے اللہ! میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اس طرح دوری کر دے جس طرح تو نے مشرق اور مغرب کے درمیان دوری کی ہے۔ (صحیح البخاری ج ۷ص ۲۰۷'۵' ۶۳' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' صحیح مسلم ج ۴ص ۲۰۷۸' رقم الحدیث ۲۷۰۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' الجامع الصحیح ج ۵ص ۵۲۵' رقم الحدیث ۳۴۹۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' سنن نسائی ج ۲ص ۳۱۵' مطبوعہ نور محمد کراچی' مسند احمد ج ۶ص ۲۰۷'۵۷' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس دعا کی قرآن کی سورت کی طرح تعلیم دیتے تھے: اے اللہ! میں عذاب جہنم سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اے اللہ! میں عذاب قبر سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اے اللہ! میں مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں' اے اللہ! میں زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲ص ۱۲۶۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ شہاب الدین احمد بن ابوبکر بوصیری متوفی ۸۴۰ھ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی اصل صحیح بخاری اور صحیح مسلم

کی حدیث عائشہ میں ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (زوائد ابن ماجہ ص ۲۹۳، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۴ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ تعالیٰ سے تین بار جنت کا سوال کیا جنت کہتی ہے اے اللہ! اس کو جنت میں داخل کردے اور جس نے تین بار جہنم سے پناہ طلب کی جہنم کہتی ہے اے اللہ اس کو جہنم سے پناہ میں رکھ۔ (الجامع الصحیح ج ۴ ص ۷۰۰، رقم الحدیث ۲۵۷۲، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۴۵۳، رقم الحدیث ۴۳۴۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، المستدرک ج ۱ ص ۵۳۵، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب تم اللہ سے سوال کرو تو فردوس کا سوال کرو۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۶۷۵، رقم الحدیث ۲۵۳۰، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۵۹، ۱۵، مطبوعہ نشر السنہ ملتان، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷۱، مطبوعہ بیروت، تاریخ کبیر للبخاری ج ۴ ص ۱۴۶، کنز العمال رقم الحدیث ۳۱۸۳)

امام ابو یعلیٰ احمد بن علی موصلی متوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا آپ نے اس کو عزت بخشی، وہ آپ کے بلانے پر آیا تھا، آپ نے اس سے فرمایا تم اپنی حاجت کا سوال کرو، اس نے کہا ہمیں ایک اونٹنی دیجئے تاکہ ہم اس پر سوار ہوں اور ہمارے گھر والے اس کا دودھ دوہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم بنو اسرائیل کی بڑھیا کی مثل ہونے سے بھی عاجز ہو، صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! بنو اسرائیل کی بڑھیا کیسی تھی؟ آپ نے فرمایا جب حضرت موسیٰ بنو اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہوئے تو راستہ بھول گئے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا اس کا کیا سبب ہے؟ تو علماء بنو اسرائیل نے کہا جب حضرت یوسف علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو انہوں نے ہم سے یہ عہد لیا تھا کہ ہم اس وقت تک مصر سے نہ نکلیں جب تک کہ ان کی نعش کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں، حضرت موسیٰ نے پوچھا ان کی قبر کا کس کو علم ہے؟ تو انہوں نے کہا بنو اسرائیل کی ایک بڑھیا کو اس کا علم ہے، اس کو بلایا گیا وہ آئی تو حضرت موسیٰ نے کہا ہماری حضرت یوسف کی قبر کی طرف رہنمائی کرو، اس بڑھیا نے کہا جب تک تم میری ایک بات نہیں مانو گے میں نہیں بتاؤں گی، پوچھا تمہاری بات کیا ہے؟ اس نے کہا میں جنت میں تمہارے ساتھ رہوں، حضرت موسیٰ نے اس کو یہ مرتبہ دینا مکروہ جانا، اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ اس کو یہ مرتبہ دے دیں، تب وہ ان کو ایک ایسی جگہ لے گئی جو سمندر کے پانی میں ڈوبی ہوئی تھی، اس بڑھیا نے کہا اس جگہ کو پانی سے خالی کرو، سو اس جگہ کو خالی کیا گیا، بڑھیا نے کہا اس جگہ کھدائی کرو، پھر انہوں نے وہاں سے حضرت یوسف علیہ السلام کی نعش کو نکالا، جب انہوں نے ان کی نعش کو اوپر اٹھایا تو ان پر گم شدہ راستہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔ (اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ اللہ کے رسول جنت عطا کرتے ہیں اور ان سے جنت کا سوال کرنا جائز ہے۔)

(مسند ابو یعلیٰ ج ۶ ص ۳۹۲-۳۹۱، رقم الحدیث ۷۲۱۸، مطبوعہ مؤسسہ علوم القرآن بیروت، حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ امام ابو یعلیٰ کی اس حدیث کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷۱، ناصر البانی نے بھی یہی لکھا ہے، سلسلۃ الصحیحہ رقم: ۳۱۳، حاکم نیشاپوری نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند امام بخاری اور امام مسلم کی شرط کے مطابق ہے اور حافظ ذہبی نے اس کی تائید کی ہے، المستدرک ج ۲ ص ۵۷۲، ۵۷۱، ۴۰۵، ۴۰۴، امام ابن حبان نے بھی اس کو روایت کیا ہے الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۷۱، موارد الظمآن ص ۶۰۳، حافظ ابن حجر

عسقلانی نے بھی اس کو درج کیا ہے' المطالب العالیہ ج ۳ ص ۲۷۴ 'امام طبرانی نے بھی اس کو روایت کیا ہے' المعجم الاوسط ج ۸ ص ۳۶۹۔ ۲۶۸ 'مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض)

حافظ نور الدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس بندہ نے سات بار جہنم سے پناہ مانگی جہنم دعا کرتی ہے کہ اے اللہ اس کو مجھ سے پناہ میں رکھ اور جس شخص نے سات بار جنت کا سوال کیا' جنت دعا کرتی ہے کہ اے اللہ! اس کو مجھ میں سکونت عطا فرما' اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں یونس بن خباب ایک ضعیف راوی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۷۱' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت' ۱۴۰۲ھ)

ہرچند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بالاجماع معتبر ہوتی ہے اور اس کی تائید میں ہم احادیث صحیحہ نقل کر چکے ہیں نیز قرآن مجید میں تصریح ہے کہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے قیامت کے عذاب سے پناہ کی دعا کی اور جنت کے حصول کی دعا کی :

وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ (الشعراء : ۸۷)　　اور حشر کے دن مجھے شرمندہ نہ کرنا۔

وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ (الشعراء : ۸۵)　　اور مجھے نعمت والی جنت کے وارثوں میں شامل کر دے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم جنت کو اس لیے طلب نہیں کرتے کہ اصل مقصود اللہ کی رضا اور اس کا دیدار ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کا دیدار جنت میں ہو گا سو جنت اللہ کے دیدار کا وسیلہ ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے قرب کا وسیلہ ہے' سو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع باوجود وسیلہ ہونے کے مقصود ہے اسی طرح جنت بھی رضاء الٰہی کا وسیلہ ہونے کے باوجود مقصود ہے' اور اللہ کی رضا جنت کے طلب کرنے میں ہے کیونکہ اس نے جنت کی طلب کا حکم دیا ہے۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ (آل عمران : ۱۳۳)　　اپنے رب کی مغفرت اور ایسی جنت کی طرف جلدی کرو جس کی پہنائی آسمان اور زمینیں ہیں جس کو متقین کے لیے تیار کیا گیا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم کو جنت نہیں مدینہ چاہئے اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں مدینہ کے محبوب ہونے سے انکار نہیں لیکن مدینہ اس لیے محبوب ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن ہے' لیکن جس جگہ آپ کا جسد اطہر رکھا ہوا ہے وہ جنت ہے آپ نے فرمایا میرے منبر اور بیت کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۱۰ مطبوعہ بیروت' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۴۶' کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۲ ص ۵۶)

خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی جنت میں ہیں اور آخرت میں بھی جنت میں ہوں گے تو اول آخر جنت ہی مطلوب ہے۔ البتہ یہ واضح رہے کہ جس جگہ آپ کا جسد اطہر ہے وہ جگہ کعبہ' جنت حتیٰ کہ عرش سے بھی افضل ہے۔

ہم نے اس عنوان پر کافی طویل بحث کی ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں بعض جعلی صوفی اور بناوٹی درویش جنت کی بہت تحقیر کرتے ہیں اور جنت طلب کرنے سے اپنا مقام بہت بلند سمجھتے ہیں' الٰہ العلمین! جنت تو بہت اعلیٰ اور ارفع مقام ہے' ہم

جنت کے کب لائق ہیں اگر تو نے ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالیا تو تیرا یہ بھی ہم پر بہت بڑا کرم ہو گا' اے ارحم الراحمین! ہم تیری اور تیرے رسول ﷺ کی اطاعت میں جنت کی طلب کرتے ہیں اور ہم خوب جانتے ہیں کہ ہم جنت کے اہل نہیں ہیں :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔ (آل عمران : ۱۸۵)

دنیا کی رنگینیوں اور دل فریبیوں سے بے رغبتی پیدا کرنے کے متعلق آیات

اِنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطٰمًا وَفِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ (الحدید : ۲۰)

یقین کرو کہ دنیا کی زندگی صرف کھیل تماشا ہے' اور عارضی زینت اور ایک دوسرے پر فخر و برتری ہے اور مال اور اولاد میں زیادتی طلب کرنا ہے' اس کی مثال اس بارش کی طرح ہے جس سے پیداوار کسانوں کو اچھی لگتی ہے' پھر وہ (پیداوار) خشک ہو جاتی ہے اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد ہو گئی' پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے اور آخرت میں (نافرمانوں کے لیے) سخت عذاب ہے اور (فرمانبرداروں کے لیے) اللہ کی مغفرت ہے' اور (اس کی) خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ (آل عمران : ۱۴)

عورتوں اور بیٹوں اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانوں' نشان زدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیت سے لوگوں کی محبت کی خواہشوں کو مزین کر دیا گیا ہے' یہ دنیا کی زندگی کا (عارضی) سامان ہے اور اللہ ہی کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔

مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَیْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِیْهَا وَهُمْ فِیْهَا لَا یُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ (ھود : ۱۶-۱۵)

جو لوگ (صرف) دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کے طالب ہیں' ہم ان کو دنیا میں ان کے اعمال کا پورا بدلہ دیں گے اور اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی ۝ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں' اور انہوں نے دنیا میں جو کچھ کیا وہ ضائع ہو گیا اور ان کے اعمال اکارت ہو گئے۔

دنیا کی رنگینیوں اور دل فریبیوں سے بے رغبتی پیدا کرنے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا کندھا پکڑ کر فرمایا تم دنیا میں اس طرح رہو جیسے مسافر ہو یا سڑک پار کرنے والے' اور حضرت ابن عمر یہ کہتے تھے کہ جب شام ہو تو تم صبح کا انتظار نہ کرو' اور جب صبح ہو تو تم شام کا انتظار نہ کرو (یعنی مسلسل نیک عمل کرتے رہو) اور اپنی صحت کے ایام میں بیماری کے لیے عمل کر لو' اور زندگی میں موت کے لیے عمل کر لو۔ (رقم الحدیث ۶۴۱۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا دنیا سفر کرتی ہوئی جا رہی ہے اور آخرت سفر کرتی ہوئی آ رہی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے بیٹے ہیں تو تم ابن الآخرت بنو ابن الدنیا نہ بنو' کیونکہ آج عمل کا موقع ہے اور حساب نہیں ہے اور کل حساب ہو گا اور عمل کا موقع نہیں ہو گا۔ (رقم الحدیث ۶۴۲۱)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور شہداء احد پر نماز جنازہ پڑھی' پھر آپ منبر کی طرف گئے اور فرمایا میں تمہارا پیش رو ہوں' اور میں تمہارے حق میں گواہی دوں گا' اور خدا کی قسم! بے شک میں اب بھی ضرور اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں' اور بے شک مجھے روئے زمین کے تمام خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں' اور خدا کی قسم! بے شک مجھے تمہارے متعلق ہرگز یہ خدشہ نہیں ہے کہ تم سب میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے' لیکن مجھے تمہارے متعلق یہ خدشہ ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔ (رقم الحدیث : ۶۴۲۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ابن آدم کے لیے مال کی دو وادیاں ہوں تو وہ تیسری کو تلاش کرے گا' اور ابن آدم کے پیٹ کو مٹی کے سوا اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی' اور توبہ کرنے والے کی توبہ کو اللہ قبول فرماتا ہے۔ (رقم الحدیث : ۶۴۳۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کون اپنے اس مال کا وارث ہے جو اس کو اپنے مال میں بہت پسند ہو' صحابہ نے کہا ہم میں سے ہر شخص اپنے مال کو بہت پسند کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا مال تو وہ ہے جو اس نے پہلے بھیج دیا اور جو اس نے بچا کر رکھا ہے وہ اس کے وارث کا مال ہے (رقم الحدیث : ۶۴۴۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : سامان کی کثرت غنیٰ نہیں ہے غنیٰ نفس کا استغناء ہے۔ (رقم الحدیث : ۶۴۴۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوان پر نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ کا وصال ہو گیا اور آپ نے پتلی چپاتی نہیں کھائی حتیٰ کہ آپ فوت ہو گئے۔ (رقم الحدیث : ۶۴۵۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل نے جس دن بھی دو قسم کے طعام کھائے تو ان میں ایک قسم کھجور تھی۔ (رقم الحدیث : ۶۴۵۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ایک چمڑا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ (رقم الحدیث : ۶۴۵۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم پر ایسا مہینہ آتا تھا کہ پورے مہینہ آگ نہیں جلتی تھی' ہم صرف کھجور کھاتے تھے اور پانی پیتے تھے اِلّا یہ کہ کبھی گوشت آ جاتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ! آل محمد کو اتنا رزق دے جس سے رشتہ حیات برقرار رہ سکے۔ (رقم الحدیث : ۶۴۶۰) (صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۳۲۔۲۱۸' ملتقطاً" مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ آئے آپ کی آل نے تین دن مسلسل گندم نہیں کھایا حتیٰ کہ آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ (رقم الحدیث : ۲۹۷۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی ایک دن میں دو مرتبہ روٹی اور زیتون کا تیل پیٹ بھر کر نہیں کھایا۔ (رقم الحدیث: ۲۹۷۴)

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتواں شخص تھا اور ہمارا طعام درخت کے پتوں کے سوا اور کوئی چیز نہیں تھی۔ (رقم الحدیث: ۲۹۶۷)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک بازار سے گزرے تو لوگوں نے آپ کو گھیر لیا' آپ چھوٹے کانوں والے ایک مردہ بکری کے بچے کے پاس سے گزرے' آپ نے اس کا کان پکڑ کر فرمایا تم میں سے کون شخص اس کو ایک درہم کے بدلہ میں خرید نا پسند کرتا ہے' لوگوں نے کہا ہم اس کو کسی چیز کے بدلہ میں خرید نا پسند نہیں کرتے' ہم اس کا کیا کریں گے! آپ نے فرمایا کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ یہ تم کو مل جائے؟ لوگوں نے کہا بہ خدا اگر یہ زندہ ہوتا پھر بھی اس میں عیب تھا کیونکہ اس کے کان چھوٹے ہیں اور اب تو یہ مردہ ہے! آپ نے فرمایا بہ خدا اللہ کے نزدیک دنیا اس سے بھی کم تر ہے۔ (رقم الحدیث: ۲۹۵۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں' دو لوٹ آتی ہیں اور ایک رہ جاتی ہے' اس کے ساتھ اس کے گھر والے' اس کا مال اور اس کا عمل جاتا ہے' اس کا اہل اور اس کا مال لوٹ آتے ہیں اور اس کا عمل رہ جاتا ہے۔ (رقم الحدیث: ۲۹۶۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص کسی کو مالی اور جسمانی حالت میں افضل دیکھے تو فوراً اس شخص کو دیکھے جو اس سے کمتر ہو اور جس سے یہ افضل ہو۔ (رقم الحدیث: ۲۹۶۳)

(صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۲۸۳۔ ۲۲۷۳' ملتقطاً' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابن آدم ان تین چیزوں کے سوا اور کسی چیز میں حق نہیں ہے' اس کے رہنے کے لیے گھر ہو' اس کا ستر ڈھانپنے کے لیے لباس ہو' روٹی کا ٹکڑا اور پانی ہو۔
(رقم الحدیث: ۲۳۴۱)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ کے نزدیک دنیا ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ اس میں سے کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔ (رقم الحدیث: ۲۳۲۰)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! کون سا شخص سب سے اچھا ہے؟ آپ نے فرمایا جس کی عمر لمبی ہو اور اس کے عمل اچھے ہوں' اس نے کہا کون سا شخص سب سے برا ہے؟ آپ نے فرمایا جس کی عمر لمبی ہو اور اس کے عمل برے ہوں۔ (رقم الحدیث: ۲۳۳۰)

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کی شکایت کی اور ہم نے اپنا پیٹ کھول کر ایک ایک پتھر بندھا ہوا دکھایا' تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیٹ سے (بندھے ہوئے) دو پتھر دکھائے۔ (رقم الحدیث: ۲۳۷۱)

حضرت خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے' جس کو یہ

مال حق کے ساتھ ملے اس کے لیے اس مال میں برکت دی جائے گی' بسا اوقات لوگ اللہ اور اس کے رسول کے مال سے ناحق لے لیتے ہیں۔ ان کے لیے قیامت کے دن آگ کے سوا کچھ نہیں۔ (رقم الحدیث : ۲۳۷۵)

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۵۸۲۔ ۵۷۰' ملتقطاً' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک تم اپنی جانوں اور مالوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے تم ان سے اور مشرکوں سے ضرور دل آزار باتیں سنو گے' اور اگر تم صبر کرتے رہے اور اللہ سے ڈرتے رہے تو یہ ضرور بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔ (آل عمران : ۱۸۶)

کافروں اور بے دینوں کی زیادتیوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ فرما کر تسلی دی تھی کہ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ یہ آیت بھی تسلی کے اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے' اور یہ بیان فرمایا کہ جس طرح کفار اور مشرکین نے جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو ایذاء پہنچائی تھی' اسی طرح مستقبل میں بھی یہ لوگ ہر ممکن طریقہ سے نبی ﷺ اور مسلمانوں کو جانی اور مالی نقصان پہنچا کر' ان کے خلاف سازشیں کر کے اور دل آزار باتیں کر کے انہیں ایذاء پہنچائیں گے' اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو ان مصائب کے لیے تیار رکھیں اور تکلیفیں برداشت کرنے اور مشقتیں جھیلنے کا خود کو عادی بنائیں' اور جب انسان کو پہلے سے یہ پتہ چل جائے کہ اس پر مصیبت آنے والی ہے تو اس کے لیے وہ مصیبت آسان ہو جاتی ہے' سو اللہ تعالیٰ کا ان کو پہلے سے آنے والی مصیبتوں پر خبردار کرنا بھی ان پر اللہ کا بڑا کرم ہے۔

ان آنے والے مصائب کے متعلق بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد مال کی کمی اور جہاد میں قتل ہونا اور زخمی ہونا ہے' اور اس سے کافروں اور مشرکوں کی دل آزار باتیں بھی مراد ہے' اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس جانی اور مالی نقصان اور کفار کے طعن و تشنیع پر صبر کریں اور ان کی ایذاء کا جواب ایذا رسانی سے نہ دیں کیونکہ نبی ﷺ اور مسلمانوں کے اس حسن سلوک سے متاثر ہو کر بہت سے کافر مسلمان ہو جائیں گے' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف : ۳۵)

آپ صبر کیجئے جس طرح ہمت والے رسولوں نے صبر کیا ہے۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ (حٰمٓ السجدۃ : ۳۴)

نیکی اور بدی برابر نہیں ہے' آپ بدی کو بہترین طریقہ سے دفع کیجئے' تو آپ کے اور جس شخص کے درمیان عداوت ہے تو وہ گویا آپ کا خیر خواہ اور دوست ہو جائے گا۔

فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ (الشوریٰ : ۴۰)

سو جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (الشوریٰ : ۴۳)

اور جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا تو بے شک یہ ضرور ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اس آیت کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں :

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بنو الحارث بن خزرج میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے ایک دراز گوش پر سوار ہو کر تشریف لے گئے اس سواری پر فدک کی بنی ہوئی ایک موٹی چادر تھی اور آپ کے پیچھے حضرت اسامہ بیٹھے ہوئے تھے' یہ غزوہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے' آپ ایک مجلس کے پاس سے گزرے جس میں عبداللہ بن ابی بیٹھا ہوا تھا' اس وقت تک وہ اسلام نہیں لایا تھا' اس مجلس میں مسلمان' مشرک' بت پرست اور یہودی سب ہی لوگ تھے' اور مسلمانوں میں حضرت عبداللہ بن رواحہ بھی تھے' جب اس مجلس پر اس سواری کا غبار پڑا تو عبداللہ بن ابی نے اپنی ناک پر کپڑا رکھ لیا اور پھر کہا ہم پر غبار نہ اڑاؤ' رسول اللہ ﷺ نے ان کو سلام کیا' پھر آپ ٹھیر گئے اور سواری سے اترے اور ان کو اللہ کی طرف دعوت دی' اور ان پر قرآن مجید کی تلاوت کی' عبداللہ بن ابی ابن سلول نے کہا جو آپ کہتے ہیں اس سے اچھی کوئی چیز نہیں ہے اگر یہ حق بھی ہے تو آپ ہمیں ہماری مجلس میں ایذاء نہ پہنچائیں' اپنی سواری کی طرف جائیں اور جو شخص آپ کے پاس آئے اس کے سامنے بیان کریں' حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ ہماری مجلس میں ٹھیریں' ہم اس کو پسند کرتے ہیں' پھر مسلمان اور مشرکین اور یہود ایک دوسرے کو برا کہنے لگے' حتیٰ کہ قریب تھا کہ وہ جوش میں آ جاتے' اور نبی ﷺ ان کو مسلسل ٹھنڈا کرتے رہے' حتیٰ کہ ان کا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر نبی ﷺ اپنی سواری پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے' اور حضرت سعد بن عبادہ کے پاس گئے' نبی ﷺ نے ان سے فرمایا اے سعد! کیا تم نے نہیں سنا کہ ابو حباب (عبداللہ بن ابی کی کنیت ہے) نے کیا کہا ہے' اس نے اس اس طرح کہا ہے' حضرت سعد بن عبادہ نے کہا یا رسول اللہ! اس کو معاف کر دیجئے اور اس سے درگزر کیجئے' اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل کی ہے اور آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' اس خطہ زمین کے لوگوں نے یہ طے کر لیا تھا کہ وہ اس کے سر پر تاج پہنائیں گے' جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو دین حق دے کر اس کا انکار کر دیا تو یہ غضب ناک ہو گیا اور اس نے وہ کچھ کیا جو آپ نے دیکھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو معاف کر دیا' اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب' اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق مشرکین اور اہل کتاب کو معاف کر دیتے تھے' اور ان کی ایذا رسانی پر صبر کرتے تھے۔

(صحیح بخاری ج ۵ ص ۲۰۸' رقم الحدیث ۴۵۶۶' مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ ۱۴۱۲ھ)

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ

(اور یاد کیجیے) جب اللہ نے اہلِ کتاب سے یہ عہد لیا کہ تم اس کو ضرور لوگوں سے بیان کرنا اور

لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ٘ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا

اس کو نہ چھپانا ، تو انھوں نے اس عہد کو اپنے پسِ پشت پھینک دیا ، اور اس کے

بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ

بدلہ میں تھوڑی قیمت لی ، سو وہ کیسی بری چیز ہے جس کو یہ خرید رہے ہیں ○ ان کے متعلق ہرگز نہ سمجھنا جو

يَفْرَحُونَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّونَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا

اپنے کاموں پر خوش ہوتے ہیں اور جو یہ پسند کرتے ہیں کہ ان کاموں پر ان کی تعریف کی جائے جو انھوں نے نہیں کیے

فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

ان لوگوں کے متعلق ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ وہ عذاب سے نجات پا جائیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ۝

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع

١٩ ع ٩ ١٠

اور آسمانوں اور زمینوں کا ملک اللہ ہی کی ملکیت میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۝

ربط آیات اور شان نزول

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت میں یہود کے طعن اور ان کے طعن کا جواب ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ رد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں سے یہ عہد لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر جو دلائل ذکر فرمائے ہیں ان کو لوگوں کے سامنے بیان کریں جب کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پس پشت پھینک دیا اور اس کے بدلہ میں دنیا کا قلیل مال لینے کو اختیار کر لیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں یہود کی ایذا رسانیوں پر آپ کو صبر کرنے کا حکم دیا تھا اور ان کی ایذا رسانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تورات اور انجیل میں آپ کی نبوت پر جو دلائل تھے وہ ان کو چھپا لیتے تھے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے یہود کو بلایا اور ان سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا انہوں نے اس کو چھپایا اور آپ کو کسی اور چیز کی خبر دی، پھر انہوں نے نبی ﷺ کو جس چیز کی خبر دی تھی اور انہوں نے آپ کے سوال کے جواب میں جس چیز کو چھپایا تھا اس پر وہ بہت خوش ہوئے پھر حضرت ابن عباس نے یہ آیت پڑھی: واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب۔

(صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۰۹، رقم الحدیث ۴۵۶۸، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ، صحیح مسلم ج ۴ ص ۵۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ان کو جس چیز کے نہ چھپانے کا حکم دیا تھا اس کے چھپانے پر ان کی مذمت کی ہے، اور اس پر ان کو عذاب کی وعید سنائی ہے، محمد بن ثور نے روایت کیا ہے: اللہ تعالیٰ نے تورات میں یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر دین اسلام کو فرض کیا ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود سے جس چیز کے متعلق سوال کیا تھا، میں نے اس کی تفسیر نہیں دیکھی۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ نے ان سے تورات میں اپنی صفت کے متعلق سوال کیا تھا تو انہوں نے اس کا "مجملاً" جواب دیا۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۳۵، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ نبی امی کی اتباع کریں اور اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان لائیں اور جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم مجھ سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرو میں تم سے کئے ہوئے عہد کو پورا کروں گا۔

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ تورات میں یہ لکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جس دین کو اپنے بندوں پر فرض کیا ہے وہ اسلام ہے' اور ان کے پاس تورات اور انجیل میں سیدنا محمد ﷺ کا نام لکھا ہوا تھا۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۳۵' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علم چھپانے کی مذمت کے متعلق احادیث

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس شخص سے کسی چیز کے علم کے متعلق سوال کیا گیا اور اس نے اس کو چھپایا اس کے منہ میں قیامت کے دن آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔

(سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۳۲۰' مطبوعہ دار الجیل بیروت' امام طبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے اس حدیث کو حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۱۷' طبع بیروت' امام ابو یعلیٰ متوفی ۳۰۷ھ' نے بھی اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے' مسند ابو یعلیٰ ج ۳ ص ۹۵۔ ۹۴' امام طبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے اس حدیث کو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے المعجم الکبیر ج ۱۰ ص ۱۲۹' طبع بیروت' امام طبرانی کی دونوں سندیں ضعیف ہیں)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص علم حاصل کرے پھر اس کو بیان نہ کرے اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو خزانہ حاصل کرے پھر اس کو خرچ نہ کرے۔

(المعجم الاوسط ج ۱ ص ۳۹۵' ۳۹۴' رقم الحدیث ۶۹۳' مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض' ۱۴۰۵ھ)

عبداللہ بن لہیعہ کی روایت کی تحقیق

حافظ نورالدین الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے اور وہ ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۶۴' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت' ۱۴۰۲ھ)

حافظ الہیثمی کی عادت ہے جس حدیث کی سند میں عبداللہ بن لہیعہ ہو اس کو وہ ضعیف کہہ دیتے ہیں اور یہ ان کا تسامح ہے کیونکہ عبداللہ بن لہیعہ کی ہر حدیث ضعیف نہیں ہے بلکہ جس حدیث کو ابن وہب یا ابن مبارک نے ابن لہیعہ سے روایت کیا ہو وہ ضعیف نہیں ہوتی بلکہ صحیح ہوتی ہے' اور اس حدیث کو امام طبرانی نے از عبداللہ بن وہب از عبداللہ بن لہیعہ سے روایت کیا ہے لہٰذا یہ ضعیف نہیں ہے۔

حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف المزی المتوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں :

عبداللہ بن لہیعہ مصری فقیہ اور مصر کے قاضی ہیں' ان کی ولادت ۹۶ یا ۹۷ھ میں ہوئی اور ۱۷۴ھ میں ہارون کی خلافت میں ان کی وفات ہوئی' امام مسلم' امام ابوداؤد' امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے ان کی احادیث کو اپنی صحاح میں درج کیا ہے' امام بخاری نے یحییٰ بن بکیر سے روایت کیا ہے کہ ۱۷۰ھ میں ان کے گھر میں آگ لگ گئی تھی اور ان کی کتابیں جل گئی

تھیں، عثمان بن صالح نے کہا ان کے گھر میں آگ لگی تھی لیکن کتابیں نہیں جلی تھیں، اور میں نے آگ لگنے کے بعد ان کی اصل کتابوں سے احادیث نقل کی ہیں، امام ابوداؤد نے کہا کہ امام احمد نے فرمایا مصر میں ابن لہیعہ سے زیادہ کسی کے پاس احادیث نہیں ہیں اور نہ ان سے زیادہ کوئی حدیث کو ضبط کرنے والا ہے۔ سفیان ثوری نے کہا کہ ابن لہیعہ کے پاس اصول ہیں اور ہمارے پاس فروع ہیں، روح بن صلاح نے کہا ابن لہیعہ نے بہتر (۷۲) تابعین سے ملاقات کی ہے۔

امام بخاری نے حمیدی سے نقل کیا ہے کہ یحییٰ بن سعید ابن لہیعہ کا بالکل اعتبار نہیں کرتے تھے، عبدالرحمان بن مہدی نے کہا میں ابن لہیعہ سے قلیل روایت کرتا ہوں نہ کثیر، محمد بن مثنی نے کہا عبدالرحمان، ابن لہیعہ سے کوئی حدیث روایت نہیں کرتے تھے۔

نعیم بن حماد نے کہا اگر عبداللہ بن المبارک اور ان جیسے لوگ ابن لہیعہ سے روایت کریں تو پھر ان کی حدیث قابل اعتبار ہے ورنہ نہیں، امام ابوداؤد یہ کہتے تھے کہ میں نے قتیبہ سے سنا ہے کہ ہم ابن لہیعہ کی احادیث صرف ان کے بھتیجے یا عبداللہ بن وہب کی کتابوں سے لکھتے ہیں، جعفر بن محمد فریابی نے کہا کہ قتیبہ کہتے تھے کہ مجھ سے امام احمد بن حنبل نے کہا کہ تمہاری ابن لہیعہ سے روایات صحیح ہیں، انہوں نے کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم پہلے عبداللہ بن وہب کی کتابوں سے حدیث لکھتے ہیں، پھر ان احادیث کا ابن لہیعہ سے سماع کرتے ہیں، ابوالطاہر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عبداللہ بن وہب سے ایک حدیث سے متعلق سوال کیا، انہوں نے وہ حدیث بیان کی، اس نے کہا اے ابو محمد تم یہ حدیث کس سے روایت کرتے ہو؟ انہوں نے کہا بہ خدا مجھے ایک سچے اور نیک شخص عبداللہ بن لہیعہ نے یہ حدیث بیان کی ہے، امام احمد نے کہا کہ ابن لہیعہ اپنی کتابوں کو ابن وہب سے زیادہ اچھا پڑھتے تھے، احمد بن صالح نے کہا ابن لہیعہ علم کی بہت طلب کرنے والے تھے، اور صحیح لکھتے تھے اور وہ اپنے اصحاب کو اپنی کتاب سے حدیث املاء کراتے تھے، بسا اوقات لوگ سمجھ کر لکھتے اور بسا اوقات ضبط نہیں کرتے تھے اور کچھ لوگوں نے ان سے احادیث سن کر نہیں لکھیں، ان کی حدیثیں لوگوں تک اس طرح پہنچیں، سو بعض لوگوں نے ان کی کتابوں سے صحیح لکھا اور ان پر اس حدیث کو صحیح طرح پڑھا، اور بعض ان لوگوں نے پڑھا جن کا ضبط اور پڑھنا صحیح نہیں تھا تو اس کی روایت میں فساد آ گیا، اور میرا گمان ہے کہ ابوالاسود نے ان کی صحیح کتاب سے لکھا ہے لہٰذا اہل علم کے نزدیک ابوالاسود کی ابن لہیعہ سے روایت صحیح کے مشابہ ہے۔ یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ اہل مصر یہ کہتے تھے کہ ابن لہیعہ کی کوئی کتاب نہیں جلی اور ابن لہیعہ ہمیشہ ان کتابوں سے احادیث لکھتے رہے حتی کہ فوت ہو گئے اور ابوالاسود النضر بن عبدالجبار اس سے حدیث روایت کرتے ہیں اور وہ شیخ صادق ہیں اور ابن ابی مریم کی رائے ان کے متعلق درست نہیں تھی۔ جب لوگوں نے ابن لہیعہ سے احادیث لکھیں اور اس کے متعلق سوال کیا تو وہ خاموش ہو گئے، یحییٰ بن معین نے مزید کہا کہ قدماء اور متاخرین کا ابن لہیعہ سے سماع کرنا ایک حکم رکھتا ہے۔

(تہذیب الکمال ج ۱۰ ص ۴۵۷۔ ۴۵۰، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ابن خراش نے کہا اس کی کتابیں جل گئی تھیں حتی کہ اگر کوئی شخص کوئی حدیث وضع کر کے اس کے پاس آتا تو وہ اس کو بھی پڑھتا تھا، خطیب نے کہا اس کے تساہل کی وجہ سے اس کی روایت میں مناکیر بہت زیادہ ہیں، احمد بن صالح نے کہا ابن لہیعہ ثقہ ہیں اس کی احادیث میں جو تخلیط ہے اس کو نکال دیا جائے، حاکم نے کہا اس نے قصداً جھوٹ نہیں بولا، اس

کی کتابوں کے جل جانے کے بعد اس کے حافظہ میں خلل ہو گیا اس لیے وہ روایت میں خطا کرتا ہے' ابو جعفر طبری نے تہذیب الآثار میں لکھا ہے کہ آخر عمر میں اس کی عقل مختل ہو گئی تھی (تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۷۹-۳۷۸)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ امام بخاری نے کتاب الفتن میں المقری اور ابوالاسود کی روایت درج کی ہے' اسی طرح انہوں نے کتاب الاعتصام' سورہ نساء کی تفسیر کے آخر اور کتاب الطلاق میں کئی جگہ ابوالاسود کی روایات درج کی ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ روایات ابن لہیعہ سے مروی ہیں اگرچہ امام بخاری نے ابن لہیعہ کا نام نہیں لیا' امام نسائی نے ابن وہب کی روایات درج کی ہیں اور وہ ابن لہیعہ سے مروی ہیں' امام مسلم نے اپنی صحیح میں دو جگہ ابن لہیعہ سے استشہاد کیا ہے' عبدالغنی بن سعید ازدی نے کہا جب عبادلہ (عبداللہ بن مبارک اور عبداللہ بن وھب) ابن لہیعہ سے روایت کریں تو وہ حدیث صحیح ہے' انہوں نے عبداللہ بن وہب' عبداللہ بن مبارک اور المقری کا ذکر کیا' ساجی وغیرہ نے بھی اس کی مثل ذکر کیا ہے' حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ جب موطا میں سند اس طرح ہو از مالک از ثقہ نزد مالک از عمرو بن شعیب' تو امام مالک کے نزدیک ثقہ سے مراد ابن لہیعہ ہے۔

(تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۷۸-۳۷۷' مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف دکن' ۱۳۲۶ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ بن لہیعہ ضعیف راوی ہے لیکن جب عبداللہ بن مبارک' عبداللہ بن وہب' ابوالاسود اور مقری اس سے حدیث روایت کریں تو وہ حدیث صحیح ہوتی ہے اور امام طبرانی کی زیر بحث حدیث کو چونکہ عبداللہ بن وہب نے عبداللہ بن لہیعہ سے روایت کی ہے اس لیے وہ حدیث صحیح ہے اور حافظ الہیثمی کا اس حدیث کو ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف کہنا ان کا تساہل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان کے متعلق ہرگز نہ سمجھنا جو اپنے کاموں پر خوش ہوتے ہیں اور جو یہ پسند کرتے ہیں کہ ان کاموں پر ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیے' ان لوگوں کے متعلق ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ وہ عذاب سے نجات پا جائیں گے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے○ اور اللہ ہی کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے○

بعض آیات میں عموم الفاظ کی بجائے خصوصیت مورد کا اعتبار

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ آپ کو یہود اور مشرکین کی طرف سے اذیتیں نہیں لاحق ہوں گی' اللہ تعالیٰ نے ان ہی ایذاؤں میں سے یہ بیان فرمایا ہے کہ ان کی ایک ایذاء یہ بھی ہے کہ وہ کمزور مسلمانوں کو ورغلانے کے لیے ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف شبہات ڈالتے ہیں' اور وہ اس پر یہ چاہتے ہیں کہ ان کی یہ تعریف کی جائے کہ وہ صالح' متقی' متدین اور صادق القول ہیں' اور ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں نبی ﷺ اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کو اذیت پہنچتی تھی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ نبی ﷺ کے متعلق تورات کی آیات چھپاتے تھے اور اس کے بدلہ میں اپنے ارادت مندوں سے نذرانے وصول کرتے تھے' اور ان پر یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ بہت بڑے عالم اور دیندار ہیں اور وہی مقتداء بننے کے لائق ہیں' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس فعل کی سزا بیان فرمائی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تو بعض منافقین پیچھے

رہ جاتے اور آپ کے ساتھ نہ جاتے اور اپنے فعل پر خوش ہوتے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں گئے' اور جب رسول اللہ ﷺ واپس آتے تو مختلف حیلے بہانے بناتے اور قسمیں کھاتے اور اس پر قسمیں کھاتے کہ جو کام انہوں نے کیا ہے (جہاد میں آپ کے ساتھ جو نہیں گئے) اس پر ان کی تعریف کی جائے' تب یہ آیت نازل ہوئی : لا تحسبن الذین یفرحون بما اتوا ویحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا۔ علقمہ بن وقاص بیان کرتے ہیں کہ مروان نے اپنے دربان سے کہا اے رافع! حضرت ابن عباس کے پاس جاؤ' اور پوچھو کہ ہر شخص اپنے فعل پر خوش ہوتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ جو کام اس نے کیا ہے اس پر اس کی تعریف کی جائے تو اگر عذاب دیا جائے گا تو ہم سب کو عذاب دیا جائے گا' حضرت ابن عباس نے فرمایا تمہارا اس آیت سے کیا تعلق ہے؟ نبی ﷺ نے یہود کو بلایا اور ان سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اصل چیز کو چھپالیا اور آپ کو کچھ اور بتادیا اور وہ یہ چاہتے تھے کہ انہوں نے آپ کو جس چیز کی (جھوٹی) خبر دی ہے اور انہوں نے آپ کے سوال کے جواب میں جو اصل چیز نہیں بتائی اس پر ان کی تعریف کی جائے' اور پھر حضرت ابن عباس نے یہ دو آیتیں پڑھیں۔ واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب اور یفرحون بما اتوا ویحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا۔

(صحیح بخاری ج ۵ ص ۲۰۹' رقم الحدیث ۴۵۶۸' ۴۵۶۷' مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ' صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۱۴۳' ۲۱۴۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' سنن کبریٰ للنسائی ج ۶ ص ۳۱۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۱ھ' الجامع الصحیح للترمذی ج ۵ ص ۲۲۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ہرچند کہ قرآن مجید کی آیات میں عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے اور خصوصیت مورد کا اعتبار نہیں ہوتا لیکن ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض آیات میں خصوصیت مورد ہی کا اعتبار ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تفسیر سے معلوم ہوتا ہے۔

نیکی کی تعریف چاہنے پر عذاب کی وعید

مسلمانوں کو چاہئے کہ اس آیت کی وعید سے ڈریں اور یہ نہ چاہیں کہ جو کام انہوں نے نہ کیا ہو اس پر ان کی تعریف کی جائے' جیسا کہ بعض لوگ اپنے آپ کو عالم' علامہ' مفتی اور شیخ الحدیث بلکہ حافظ الحدیث کہلاتے ہیں اور وہ اس کے اہل نہیں ہوتے' اور اگر کوئی مسلمان کسی نیک کام کے کرنے پر خوش ہو یا برا کام نہ کرنے پر خوش ہو تو یہ ایمان کی علامت ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو اپنی نیکی سے خوشی ہو اور برائی پر افسوس ہو وہ مومن (کامل) ہے' امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۴۶۶' رقم الحدیث ۲۱۶۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' مسند احمد ج ۱ ص ۲۶' ۱۸' ج ۳ ص ۴۴۶' ج ۵ ص ۲۵۶' ۲۵۲' ۲۵۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

البتہ کوئی نیک کام کر کے یہ خواہش رکھنا کہ اس پر اس کی دنیا میں تعریف کی جائے اخلاص کے منافی ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندوں کی طرف متوجہ ہو

گا تاکہ ان کا فیصلہ فرمائے' اس وقت ہر امت دوزانو بیٹھی ہوگی' سب سے پہلے قرآن کے حافظ کو بلایا جائے گا اور اس شخص کو جو اللہ کی راہ میں شہید ہوا اور مالدار شخص کو' اللہ تعالیٰ قرآن کے قاری سے فرمائے گا کیا میں نے تجھے اس چیز کا علم نہیں دیا تھا جو میں نے اپنے رسول پر نازل کی تھی؟ وہ کہے گا کیوں نہیں اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو تو نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟ وہ شخص کہے گا میں رات دن قرآن پڑھتا تھا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے' فرشتے بھی کہیں گے تو جھوٹ بولتا ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلکہ تو نے یہ ارادہ کیا تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص قاری ہے سو یہ کہا گیا' پھر مالدار شخص کو بلایا جائے گا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں نے تجھ کو مالی وسعت نہیں دی تھی حتی کہ تجھے کسی کا محتاج نہیں رکھا! وہ شخص کہے گا اے میرے رب! کیوں نہیں! اللہ تعالیٰ فرمائے گا پھر تو نے میرے دیئے ہوئے مال میں کیا عمل کیا؟ وہ شخص کہے گا میں صلہ رحمی کرتا تھا اور صدقہ کرتا تھا! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے' فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹ بولتا ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلکہ تیرا ارادہ یہ تھا کہ یہ کہا جائے کہ فلاں شخص جواد ہے سو یہ کہا گیا' پھر اس شخص کو لایا جائے گا جو اللہ کی راہ میں قتل کیا گیا تھا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو کس وجہ سے قتل کیا گیا تھا؟ وہ شخص کہے گا مجھے تیری راہ میں جہاد کا حکم دیا گیا تھا سو میں نے قتال کیا حتی کہ میں قتل کر دیا گیا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹ بولتا ہے' فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹ بولتا ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا بلکہ تیرا ارادہ یہ تھا کہ کہا جائے کہ فلاں شخص بہادر ہے سو یہ کہا گیا' پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھٹنے پر ہاتھ مار کر فرمایا: اے ابوہریرہ! یہ پہلے وہ تین شخص ہیں جن سے دوزخ کی آگ کو بھڑکایا جائے گا۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۵۹۳۔ ۵۹۲' رقم الحدیث ۲۳۸۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۵۱۴۔ ۱۵۱۳ رقم الحدیث ۱۹۰۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' سنن نسائی ج ۲ ص ۵۷' مطبوعہ کراچی' مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۲)

قرآن مجید کی زیر بحث آیت اور اس حدیث میں نیکیوں پر اپنی تعریف کی خواہش رکھنے پر سخت وعید ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ

بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور رات اور دن کے اختلاف میں عقل والوں کے لیے

لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ

ضرور نشانیاں ہیں ○ جو لوگ کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور

قُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ

کروٹ کے بل لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں

الْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ

غور و فکر کرتے رہتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ بے کار پیدا نہیں کیا' تو پاک ہے سو ہمیں دوزخ کے

النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَآ إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهٗ ۖ وَمَا

عذاب سے بچا ۝ اے ہمارے رب تو نے جس کو دوزخ میں داخل کر دیا سو تو نے اس کو ضرور رسوا کر دیا، اور ظالموں

لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ

کا کوئی مددگار نہیں ہے ۝ اے ہمارے رب! بیشک ہم نے ایک منادی کو ایمان کی ندا کرتے ہوئے

لِلْإِيْمَانِ أَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا

سنا کہ (اے لوگو) تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ سو ہم ایمان لے آئے اے ہمارے رب! تو ہمارے گناہوں کو بخش دے

وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا

اور ہماری خطاؤں کو مٹا دے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر ۝ اے ہمارے رب! ہمیں وہ عطا فرما

وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۖ إِنَّكَ لَا

جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبان کے ذریعہ ہم سے وعدہ فرمایا ہے اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کرنا، بیشک تو وعدہ کے

تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّيْ لَآ أُضِيْعُ عَمَلَ

خلاف نہیں کرتا ۝ سو ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ بیشک میں تم میں سے کسی عمل کرنے

عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ

والے کا عمل ضائع نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو، سو جن لوگوں نے

هَاجَرُوْا وَأُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا

ہجرت کی اور ان کو ان کے گھروں سے نکال دیا گیا اور ان کو میری راہ میں اذیتیں پہنچائی گئیں اور

وَقُتِلُوْا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

جنہوں نے جہاد کیا اور جو شہید کر دیے گئے، میں ضرور ان کے سب گناہ مٹا دوں گا اور ان کو ضرور ان جنتوں میں داخل کروں

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ

گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ثواب ہوگا اور اللہ ہی کے پاس بہترین

حُسۡنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

ثواب ہے ۝

اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدت پر دلیل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بلاشبہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور رات اور دن کے اختلاف میں عقل والوں کے لیے ضرور نشانیاں ہیں۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں کا ملک اللہ ہی کی ملکیت میں ہے' اور بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یہ آیت اس دعویٰ کو متضمن تھی کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک اور خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی عبادت کا مستحق ہے' سو اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی جو اس دعویٰ کی دلیل ہے' آسمانوں اور زمینوں میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل ہے' کیونکہ اس نے آسمانوں کو بغیر کسی ستون کے قائم کیا ہوا ہے اور ان کو ستاروں سے مزین کیا ہے' اور زمین کی پیدائش میں اس کی وحدانیت کی دلیل ہے' کیونکہ اس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑوں کی میخیں ٹھونک دیں' اور اس میں دریا جاری کر دیئے اور اس میں درختوں اور سبزہ کو اگایا اور سمندروں کو اس میں رواں دواں کر دیا' اور رات اور دن کے اختلاف یعنی رات اور دن کی کمی بیشی میں یا رات کے بعد دن کے آنے میں اس کی وحدانیت پر دلیل ہے کیونکہ یہ تمام نظام نہج واحد پر چل رہا ہے اور تمام دنیا میں اس نظام کی وحدانیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس نظام کو بنانے والا واحد ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے' اس جگہ تین دلیلیں ذکر کی گئی ہیں اور سورہ بقرہ کی آیت : ۱۶۴ میں ان تین دلیلوں کے علاوہ پانچ اور دلیلوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے' کیونکہ راہ حق کی تلاش میں چلنے والوں کو ابتداء میں زیادہ دلائل کی ضرورت ہوتی ہے اور جب ان پر راستہ روشن ہو جاتا ہے تو پھر زیادہ دلائل کی ضرورت نہیں رہتی۔ نیز اللہ کی معرفت میں ڈوبنے کے لیے کثرت ادلہ بہ منزلہ حجابات ہوتے ہیں اور جیسے جیسے یہ معرفت قوی ہوتی ہے حجاب کم ہوتے چلے جاتے ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں ایک رات اپنی خالہ حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رہا' رسول اللہ ﷺ نے کچھ دیر اپنی اہلیہ کے ساتھ باتیں کیں پھر آپ سو گئے' جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ گیا تو آپ نے آسمان کی طرف دیکھا اور یہ آیت پڑھی اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ۔ الخ پھر آپ کھڑے ہوئے اور وضو کیا اور مسواک کی اور گیارہ رکعات پڑھیں' پھر حضرت بلال نے اذان دی تو آپ نے دو رکعات (سنت فجر) پڑھیں' پھر آپ باہر آئے اور صبح کی نماز پڑھی۔

(صحیح بخاری ج ۵ ص ۲۱۰' رقم الحدیث : ۴۵۶۹' مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ' سنن کبریٰ ج ۶ ص ۳۱۸' مطبوعہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو لوگ کھڑے ہوئے' بیٹھے ہوئے اور کروٹ کے بل لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں (اور کہتے ہیں :) اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ بے کار پیدا نہیں کیا تو پاک ہے سو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ (آل عمران : ۱۹۱)

به کثرت ذکر کرنے کے متعلق احادیث

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے الوہیت پر دلائل ذکر فرمائے' اب اللہ تعالیٰ عبودیت کے احوال بیان فرما رہا ہے' سو بندہ کو چاہئے کہ دل سے اسرار کائنات میں غور و فکر کرے اور حوادث اور صنائع سے اللہ تعالیٰ کی صفات تک پہنچے اور اس کی ذات اور اس کی وحدانیت کی تصدیق کرے اور زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے' اس کا شکر بجالائے اور اس کی حمد و ثناء کرے اور باقی اعضاء سے اس کے احکام کی اطاعت کرے اور اس کی عبادت کرے' خلاصہ یہ ہے کہ بندہ ہر حالت میں کسی نہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے' اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرے کہ اللہ اس کو دوزخ کے عذاب سے بچائے' امام ابو حنیفہ کو دیکھ کر کسی نے کہا یہ جنتی ہے فرمایا میں جنت کے کب لائق ہوں اللہ اگر مجھے دوزخ سے بچالے تو یہ اس کا بڑا کرم ہو گا۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو اس چیز کی خبر نہ دوں جو تمہارا سب سے بہتر عمل ہو اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے پاکیزہ اور تمہارے سب سے بلند درجہ کا باعث ہو' اور تمہارے لیے سونے اور چاندی کی خیرات سے افضل ہو اور جب کل تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تو تم ان کی گردنیں مارو یا وہ تمہاری گردنیں وہ اس سے بھی بڑھ کر ہو! صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا وہ اللہ کا ذکر ہے' حضرت معاذ نے کہا اللہ کے ذکر سے زیادہ کوئی چیز اللہ کے عذاب سے نجات دینے والی نہیں ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۵ ص ۴۵۹' رقم الحدیث ۳۳۷۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۲۴۵' رقم الحدیث ۳۷۹۰' مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث کی سند حسن ہے' مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۷۳)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم کا کوئی کلام اس کے لیے مفید نہیں ہے سوائے نیکی کا حکم دینے' برائی سے روکنے اور اللہ کے ذکر کے۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۶۰۸' رقم الحدیث ۲۴۱۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس شخص کو دوزخ سے نکال دو جس نے ایک دن (بھی) میرا ذکر کیا ہو یا کسی ایک مقام پر مجھ سے ڈرا ہو۔ (الجامع الصحیح ج ۴ ص ۷۱۲' رقم الحدیث : ۲۵۹۴)

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ پر اسلام کے احکام بہت زیادہ ہیں مجھ کو ایسی چیز بتائیے جس سے میں چمٹ جاؤں آپ نے فرمایا تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے ہمیشہ تر ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۴۵۸' رقم الحدیث : ۳۳۷۵)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کس کا درجہ سب سے زیادہ ہو گا؟ آپ نے فرمایا جو مرد اور عورت بہ کثرت اللہ کا ذکر کرتے ہوں! میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! غازی فی سبیل اللہ سے بھی زیادہ' آپ نے فرمایا : اگر کوئی شخص اپنی تلوار سے کفار اور مشرکین کے خلاف جہاد کرے اور وہ زخمی ہو کر خون سے رنگین ہو جائے پھر بھی اللہ کا ذکر کرنے والوں کا درجہ اس سے زیادہ ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۴۵۸، رقم الحدیث ۳۳۷۶)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور اللہ کا ذکر نہ کریں اور اپنے نبی پر درود نہ پڑھیں ان کو حسرت اور ندامت ہو گی اگر اللہ چاہے گا تو ان کو عذاب دے گا اور چاہے گا تو ان کو بخش دے گا' امام ابو عیسیٰ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۴۶۱، رقم الحدیث ۳۳۸۰، سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۲۶۶، رقم الحدیث ۴۸۵۶، مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۲)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ام انس رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے وصیت کیجئے! آپ نے فرمایا گناہوں کو ترک کر دو یہ سب سے اچھی ہجرت ہے' فرائض کی حفاظت کرو یہ سب سے افضل جہاد ہے اور بہ کثرت اللہ کا ذکر کرو کیونکہ تم جو کام بھی کرو گی اس میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اللہ کا ذکر ہے۔ (المعجم الاوسط ج ۷ ص ۳۶۷، رقم الحدیث : ۶۷۳۱، مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض' المعجم الکبیر ج ۲۵ ص ۱۲۹، رقم الحدیث : ۳۱۴)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث کی سند میں اسحاق بن ابراہیم بن نسطاس ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۱۸، مجمع البحرین رقم الحدیث ۴۳۳۵)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے راستہ میں جا رہے تھے' آپ جمدان نام کے ایک پہاڑ کے پاس سے گزرے آپ نے فرمایا چلو یہ جمدان ہے مفردون سبقت کر گئے صحابہ نے عرض کیا : یا رسول اللہ! مفردون کون ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ مرد اور عورت جو اللہ کا بکثرت ذکر کرتے ہوں۔

(صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۰۶۲، رقم الحدیث ۲۶۷۶، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور جو شخص ذکر نہیں کرتا' ان کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے۔ (صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۲۶، رقم الحدیث ۶۴۰۷، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ)

کروٹ کے بل نماز پڑھنے کے متعلق فقہاء احناف کے مسلک کی وضاحت

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

ایک قول یہ ہے کہ ذکر سے مراد نماز ہے اور معنی یہ ہے کہ وہ حالت قیام میں نماز پڑھتے ہیں اگر اس سے عاجز ہوں تو حالت قعود میں نماز پڑھتے ہیں اور بیٹھنے سے عاجز ہوں تو کروٹ کے بل نماز پڑھتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی حالت میں نماز ترک نہیں کرتے' اور پہلے معنی پر آیت کو محمول کرنا زیادہ اولیٰ ہے' کیونکہ ذکر کی فضیلت میں بہت آیات ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جنت کی کیاریوں میں چرنا چاہتا ہو وہ بہ کثرت ذکر کرے۔

(المعجم الکبیر ج ۲۰ ص ۱۵۷، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام شافعی نے یہ کہا جب مریض لیٹ کر نماز پڑھے تو کروٹ کے بل نماز پڑھے اور امام ابو حنیفہ نے کہا بلکہ چت لیٹ کر نماز پڑھے حتیٰ کہ جب تخفیف محسوس کرے تو بیٹھ جائے' امام شافعی رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ ظاہر آیت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

پہلو کے بل لیٹ کر ذکر کرنے کی مدح فرمائی ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۱۸' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

امام رازی نے امام ابو حنیفہ کا مسلک صحیح نقل نہیں کیا' امام ابو حنیفہ کے نزدیک مریض چت لیٹ کر اور کروٹ کے بل دونوں طرح نماز پڑھ سکتا ہے البتہ چت لیٹ کر پڑھنا اولیٰ ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں :

جب مریض قیام سے عاجز ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور رکوع اور سجود کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور اگر تم اس سے عاجز ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھو اور اگر تم اس سے بھی عاجز ہو تو کروٹ کے بل نماز پڑھو۔ (اس حدیث کا مکمل متن یہ ہے) : امام بخاری حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے بواسیر تھی' میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو اگر تم اس سے عاجز ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھو' اور اگر تم اس سے (بھی) عاجز ہو تو کروٹ کے بل نماز پڑھو۔

(صحیح البخاری ج ۱ ص ۳۳۹' رقم الحدیث ۱۱۱۰' ابوداؤد رقم : ۹۵۲' ترمذی : ۳۷۲' ابن ماجہ : ۱۲۲۳' دار قطنی ج ۱ ص ۳۸۰' بیہقی ج ۲ ص ۳۰۴' مسند احمد ج ۴ ص ۴۲۶)

علامہ مرغینانی لکھتے ہیں اور اگر مریض بیٹھنے کی طاقت نہ رکھے تو کمر کے بل چت لیٹ جائے اور اپنے پیر کعبہ کی طرف کرے اور رکوع اور سجود اشارہ سے کرے' کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مریض کھڑے ہو کر نماز پڑھے اگر اس سے عاجز ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے اور اگر اس سے عاجز ہو تو گدی پر لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھے اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول کرنے کا زیادہ حقدار ہے' اور اگر مریض کروٹ کے بل لیٹ کر نماز پڑھے تو یہ بھی جائز ہے جب کہ اس کا منہ قبلہ کی طرف ہو' جیسا کہ اس سے پہلے ہم نے حضرت عمران بن حصین کی روایت بیان کی ہے لیکن چت لیٹ کر نماز پڑھنا زیادہ اولیٰ ہے' اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے' اولویت کی دلیل یہ ہے کہ چت لیٹ کر نماز پڑھنے والے کا اشارہ کعبہ کی ہوا (فضا) کی طرف ہو گا اور کروٹ کے بل لیٹ کر نماز پڑھنے والے کا اشارہ اپنے قدموں کی جانب ہو گا تاہم نماز ہو جائے گی۔ (ہدایہ اولین ص ۱۶۱' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

علامہ المرغینانی نے جو حدیث ذکر کی ہے "اگر مریض اس سے عاجز ہو تو گدی کے بل لیٹ کر اشارہ سے نماز پڑھے۔" ان الفاظ کے ساتھ حدیث ثابت نہیں ہے البتہ سند ضعیف کے ساتھ امام دار قطنی نے یہ حدیث روایت کی ہے:

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مریض اگر طاقت رکھتا ہو تو کھڑا ہو کر نماز پڑھے' اگر طاقت نہ رکھتا ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھے' اگر سجدہ کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اشارہ سے پڑھے اور سجدہ رکوع سے زیادہ پست کرے' اور اگر بیٹھ کر نماز پڑھنے کی طاقت نہ رکھے تو دائیں کروٹ کے بل قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے' اگر دائیں کروٹ کے بل نماز پڑھنے کی طاقت نہ رکھے تو چت لیٹ کر نماز پڑھے اور اس کے پیر قبلہ کی جانب ہوں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مریض گدی کے بل چت لیٹ کر نماز پڑھے اور اس کے دونوں پیر قبلہ کی جانب ہوں۔

(سنن دار قطنی ج ۲ ص ۴۳۔ ۴۲' مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

حضرت ابن عمر کا یہ اثر صراحتہً فقہاء احناف کا موید ہے اور اس کی سند پر کوئی جرح نہیں کی گئی' اور حضرت علی کی حدیث میں بھی ان کی تائید ہے' اور حضرت عمران بن حصین کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کروٹ کے بل نماز پڑھنے کا فرمایا اس کی یہ

وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ ان کے مرض بواسیر کی وجہ سے ہو' جب کہ احناف کے نزدیک کروٹ کے بل نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔

مخلوق میں غور و فکر کرنے کی ہدایت اور خالق میں غور و فکر کرنے کی ممانعت

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاحبان عقل کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں کیونکہ ہمیں مخلوق میں غور و فکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور خالق میں غور و فکر کرنے سے منع کیا گیا ہے:

امام ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر حیان المعروف بابی الشیخ اصبہانی متوفی ۳۹۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر کرو اور اللہ میں غور و فکر نہ کرو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہر چیز میں غور و فکر کرو' اور اللہ میں غور و فکر نہ کرو۔

اس حدیث کو امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے بھی روایت کیا ہے۔ (کتاب الاسماء والصفات ص ۴۲۰)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی مخلوق میں غور و فکر کرو اللہ میں غور و فکر نہ کرو' ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ایک قوم کے پاس سے گزرے جو اللہ میں غور و فکر کر رہی تھی' آپ نے فرمایا مخلوق میں غور و فکر کرو' خالق میں غور و فکر نہ کرو کیونکہ تم اس کی قدر کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

(کتاب العظمۃ ص ۱۸۔ ۱۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

اور اس کا سبب یہ ہے کہ مخلوق کی کوئی صفت اللہ کی کسی صفت کی مماثل نہیں ہے' اس لیے ہم مخلوق کے کسی حال کو خالق پر قیاس نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نہ جوہر ہے نہ عرض ہے نہ بسیط ہے' نہ مرکب ہے' کسی مکان میں ہے نہ جہت میں ہے۔ اس لیے عقل اس کی حقیقت کو پانے سے عاجز اور حیران ہے۔

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کی تحقیق

امام رازی نے لکھا ہے کہ اللہ کی صفات مخلوق کی صفات کے مخالف ہیں اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا من عرف نفسہ فقد عرف ربہ "جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا' اور اس کا معنی یہ ہے کہ جس نے اپنے حادث ہونے کو جان لیا اس نے اپنے رب کے قدم کو جان لیا' اور جس نے اپنے نفس کے امکان کو جان لیا اس نے اپنے رب کے وجوب کو جان لیا اور جس نے اپنے نفس کی احتیاج کو جان لیا اس نے اپنے رب کے استغنا کو جان لیا۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۱۹۔ ۱۱۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

"من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" یہ حدیث نہیں ہے لیکن امام رازی کا بیان کیا ہوا معنی صحیح ہے۔

علامہ شمس الدین محمد بن ابراہیم سخاوی متوفی ۹۰۲ھ لکھتے ہیں:

ابو المظفر بن السمعانی نے لکھا ہے کہ یہ حدیث مرفوع نہیں ہے بلکہ یہ یحییٰ بن معاذ رازی کا قول ہے' علامہ نووی نے لکھا ہے کہ یہ ثابت نہیں ہے اور اس کی تاویل یہ ہے کہ جس نے اپنے نفس کے حدوث کو جان لیا اس نے اپنے رب کے قدم کو جان لیا اور جس نے اپنی فنا کو جان لیا اس نے اپنے رب کی بقا کو جان لیا۔

(المقاصد الحسنہ ص ۴۱۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۷ھ)

شیخ اسماعیل بن محمد عجلونی جراحی متوفی ۱۱۶۲ھ لکھتے ہیں :

ابن تیمیہ نے کہا یہ حدیث موضوع ہے' علامہ نووی نے کہا یہ حدیث ثابت نہیں ہے' ابن السمعانی نے کہا یہ یحییٰ بن معاذ رازی کا قول ہے' ابن الفرس نے کہا صوفیہ کی کتابیں اس سے بھری ہوئی ہیں' مثلاً شیخ محی الدین ابن عربی وغیرہ اور وہ اس کو بہ طور حدیث لکھتے ہیں' ابن عربی کے بعض اصحاب نے کہا ہر چند کہ یہ حدیث روایت کے اصول پر صحیح نہیں ہے لیکن ہمارے نزدیک بہ طریق کشف صحیح ہے' النجم نے کہا ماوردی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں اپنے رب کا سب سے زیادہ عارف کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو اپنے نفس کا سب سے زیادہ عارف ہے۔ (کشف الخفاء و مزیل الالباس ج ۲ ص ۲۶۲' مطبوعہ مکتبۃ الغزالی دمشق)

علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں :

یہ حدیث صحیح نہیں ہے' علامہ نووی نے کہا یہ حدیث ثابت نہیں ہے اور ابن تیمیہ نے کہا یہ حدیث موضوع ہے۔

علامہ عزالدین نے کہا اس حدیث کا نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس لطیف روح کو اس کثیف جسم میں رکھا اور اس جسم کی کثافت اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ربانیت پر حسب ذیل وجوہ سے دلالت کرتی ہے :

(۱) اس جسم کو یہ روح حرکت دیتی ہے اور اس کی تدبیر کرتی ہے تو جب یہ جسم ایک مدبر اور محرک کا محتاج ہے تو یہ عالم بھی ایک مدبر اور محرک کا محتاج ہو گا۔

(۲) جب اس جسم کا محرک اور مدبر واحد ہے تو اس عالم کا مدبر اور محرک بھی واحد ہو گا۔

(۳) جب یہ جسم روح کے ارادہ کے بغیر حرکت نہیں کرتا تو معلوم ہوا کہ اس عالم کی کوئی چیز بھی خواہ خیر ہو یا شر وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور اس کی قضاء و قدر کے بغیر حرکت نہیں کرتی۔

(۴) جسم کی ہر حرکت کا روح کو علم ہوتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ کائنات کی ہر حرکت اور ہر چیز کا اللہ کو علم ہے۔

(۵) روح سے زیادہ کوئی چیز جسم کے قریب نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ کائنات کی ہر چیز کے سب سے زیادہ قریب ہے۔

(۶) روح جسم کے پیدا ہونے سے پہلے موجود تھی اور اس کی فنا کے بعد بھی موجود رہے گی اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اس کائنات سے پہلے بھی تھا اور بعد میں بھی رہے گا۔

(۷) ہمیں روح کی حقیقت معلوم نہیں ہے' اسی طرح اللہ کی حقیقت بھی معلوم نہیں ہے۔

(۸) ہمیں جسم میں روح کا مکان' اس کی جہت اور کیفیت معلوم نہیں ہے اسی طرح اللہ کا مکان' اس کی جہت اور اس کی کیفیت بھی معلوم نہیں ہے۔ (بلکہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ اللہ کا کوئی مکان ہے' نہ جہت' سعیدی غفرلہ)

(۹) روح کو آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا نہ اس کی تصویر بنائی جا سکتی ہے' نہ مثال' اسی طرح دنیا میں اللہ کو بھی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے نہ اس کی صورت اور مثال بنائی جا سکتی ہے۔ (رسول اللہ ﷺ کا شب معراج اللہ تعالیٰ کو دیکھنا اس عموم سے مستثنیٰ ہے۔ سعیدی غفرلہ)

(۱۰) روح کو مس نہیں کیا جا سکتا اسی طرح اللہ بھی جسم اور جسمانیت سے پاک ہے۔

یہ اسی قول کا معنی ہے کہ جس نے اپنے نفس کو جان لیا اس نے اپنے رب کو جان لیا سو اس کو مبارک ہو جس نے اپنے رب کو جان لیا اور اپنے گناہ کا اعتراف کر لیا۔

اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ تم اپنے نفس کو جان لو سو تمہارے رب کی صفات اس کی ضد ہیں' لہذا جس نے اپنی فنا کو جان لیا اس نے اپنے رب کی بقا کو جان لیا اور جس نے اپنی جفا کو جان لیا اس نے اپنے رب کی وفا کو جان لیا اور جس نے اپنی خطا کو جان لیا اس نے اپنے رب کی عطا کو جان لیا۔

علامہ قونوی نے شرح التعرف میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں تعلیق المحال بالمحال ہے کیونکہ انسان اپنے نفس اور روح کی معرفت آج تک نہیں حاصل کرسکا تو وہ اپنے رب کی معرفت کیسے حاصل کرسکے گا' انسان آج تک قطعی طور پر یہ نہیں جان سکا کہ اس کے کلام کی حقیقت کیا ہے' اس کے حواس میں سے دیکھنے' سننے' چکھنے' سونگھنے اور چھونے کی حقیقت کیا ہے کیونکہ ان کی تعریفات میں بہت اختلاف ہے مثلاً دیکھتے وقت کسی چیز کی صورت ہماری آنکھوں میں مرتسم ہو جاتی ہے یا ہماری آنکھوں سے شعاعیں نکل کر اس چیز پر پڑتی ہیں' کلام اور حواس بالکل ظاہر ہیں جب ہم اس کی حقیقت کو نہیں جان سکے تو روح جو مخفی ہے اس کی حقیقت کو جاننے میں تو ہم اور بھی عاجز ہیں' پھر اللہ کی حقیقت کو جاننے میں تو ہمارا عجز اور بھی زیادہ واضح ہے۔ سو جو اپنے نفس کی حقیقت کو نہیں جان سکتا وہ اپنے رب کی حقیقت کو کیسے جان سکتا ہے' اس لیے فرمایا اگر انسان اپنے نفس کی حقیقت کو جان لیتا تو اپنے رب کی حقیقت کو جان لیتا' سو اس حدیث میں ایک محال کو دوسرے محال پر معلق کیا گیا ہے۔ (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۴۱۔۲۳۹' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ہمارے رب! تو نے جس کو دوزخ میں ڈال دیا سو تو نے اس کو ضرور رسوا کر دیا' اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ (آل عمران: ۱۹۲)

ایمان کے ساتھ گناہوں پر مواخذہ نہ ہونے کے نظریہ کا رد

اس سے پہلی آیت میں عقل والوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی تھی اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے اور اس میں یہ تعلیم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا سے پہلے اس کی حمد و ثناء کرنی چاہیے' فرقہ مرجیہ نے کہا اللہ تعالیٰ مومنوں کو رسوا نہیں کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا مَعَهٗ (التحریم: ۸)

جس دن اللہ نہ اپنے نبی کو رسوا کرے گا نہ ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے۔

اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عقل والوں کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا اس کو تو نے رسوا کر دیا' اور ان دونوں آیتوں سے یہ نتیجہ نکلا کہ مومن دوزخ میں داخل نہیں ہوں گے' اس سے معلوم ہوا کہ بعض معصیت سے ضرر نہیں ہوتا' اور مومن خواہ نیک کام کرے یا برا کام کرے وہ دوزخ میں نہیں جائے گا' اس کا جواب یہ ہے کہ مطلقاً" دوزخ میں داخل ہونا باعث رسوائی نہیں ہے کیونکہ جہنم کے محافظ اور پہرہ دار بھی جہنم میں ہوں گے اور وہ رسوا نہیں ہوں گے' قرآن مجید میں ہے:

وَمَآ اَدْرٰكَ مَا سَقَرُ ۞ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ۞ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۞ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۞ وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً (المدثر: ۳۱۔۲۷)

اور آپ نے کیا جانا کہ دوزخ کیا ہے ۞ نہ باقی رکھے نہ چھوڑے ۞ آدمی کو جھلسا دینے والی (آگ) ہے ۞ اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں ۞ اور ہم نے دوزخ کا نگہبان صرف فرشتوں کو مقرر کیا ہے

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر شخص دوزخ میں داخل ہو گا پھر متقی لوگ دوزخ سے نکال لیے جائیں گے اور ظالموں کو اس میں رہنے دیا جائے گا۔

وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا‌ ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا ۞ ثُمَّ نُـنَجِّى الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيۡنَ فِيۡهَا جِثِيًّا ۞ (مریم: ۷۲-۷۱)

اور تم میں سے ہر شخص دوزخ سے ضرور گزرے گا اور آپ کے رب کے نزدیک یہ بات قطعی فیصلہ کن ہے○ پھر ہم متقی لوگوں کو نجات دیں گے' اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ مطلقاً جہنم میں دخول رسوائی کا موجب نہیں ہے' بلکہ جس شخص کو دوام اور خلود کے لیے دوزخ میں داخل کیا جائے گا وہ ذلت اور رسوائی کا سبب ہو گا' اور جن مسلمانوں کو تطہیر کے لیے دوزخ میں داخل کیا جائے گا اور پھر ان کو ان کے ایمان کی وجہ سے یا انبیاء علیہم السلام کی شفاعت کی وجہ سے یا اللہ تعالیٰ کے فضل محض کی وجہ سے دوزخ سے نکال لیا جائے گا ان کا دوزخ میں عارضی دخول ذلت اور رسوائی کا سبب نہیں ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے اس ظلم سے مراد شرک اور کفر ہے کیونکہ سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھیرایا جائے' اور اللہ کا حق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کی جائے' اور مشرکین اور کفار ظالم ہیں ان کی شفاعت نہیں کی جائے گی' اور جن مسلمانوں نے گناہ کبیرہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے ان کی شفاعت کی جائے گی۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لیے ہو گی' یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(الجامع الصحیح ج ۴ ص ۶۲۵' رقم الحدیث ۲۴۳۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۴۴۰' مسند احمد ج ۳ ص ۲۱۳)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ہمارے رب! بے شک ہم نے ایک منادی کو ایمان کی ندا کرتے ہوئے سنا کہ (اے لوگو!) تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ' سو ہم ایمان لے آئے' اے ہمارے رب تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری خطاؤں کو مٹا دے اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر۔ (آل عمران: ۱۹۳)

گناہوں کو بخشنے اور خطاؤں کے مٹانے میں تکرار کے جوابات

اس آیت پر یہ اعتراض ہے کہ جن لوگوں نے کہا ہم ایمان لے آئے وہ تو پہلے ہی مسلمان تھے' پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ انہوں نے کہا ہم ایمان لے آئے اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں منادی سے مراد یا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا اس سے مراد قرآن کریم ہے' اس سے پہلی آیتوں میں ذکر کیا تھا کہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا' اس آیت میں بتایا ہے کہ مسلمان اپنی دعا کی قبولیت کے لیے اپنے نیک اعمال کو وسیلہ بنا رہے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن مجید کی دعوت پر فوراً ایمان لے آئے' یا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہرچند کہ وہ پہلے سے مسلمان تھے لیکن انسانی کمزوریوں کی وجہ سے جو خطائیں اور تقصیریں ہو جاتی ہیں ان کی بناء پر انہوں نے اپنے ایمان کو بہ منزلہ عدم ایمان قرار دے کر کہا کہ ہم اپنے رب پر ایمان لے آئے۔

اس آیت میں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو ہمارے گناہوں کو بخش دے اور ہماری خطاؤں کو مٹا دے' بہ ظاہر گناہوں کو بخشنے اور خطاؤں کے مٹانے کا ایک ہی معنی ہے اور ان جملوں کا ذکر کرنا تکرار ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرا جملہ تاکید کے طور پر ذکر کیا ہے کیونکہ دعا میں سائل گڑگڑا کر دعا کرتا ہے اور اپنے مطلوب کا بار بار ذکر کرتا ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ پچھلے جملہ سے مراد پچھلے گناہوں کی معافی طلب کرنا ہے اور دوسرے جملہ سے اس کے بعد ہونے والے گناہوں کی معافی طلب کرنا ہے' تیسرا جواب یہ ہے کہ پہلے جملہ سے مراد یہ ہے کہ توبہ سے ہمارے گناہوں کو معاف کر دے اور دوسرے جملہ سے مراد یہ ہے کہ ہماری نیکیوں سے ہماری برائیوں کو مٹا دے' اور چوتھا جواب یہ ہے کہ پہلے جملہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو علم کے باوجود کیے اور دوسرے سے مراد وہ گناہ ہیں جو جہالت سے کئے۔

صالحین کے جوار اور قرب میں مدفون ہونے کی کوشش کرنا

اس کے بعد انہوں نے دعا کی : اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر' اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ جب ہمیں موت آئے تو ہمارا عقیدہ نیک لوگوں کے مطابق ہو اور ہمارے اعمال نیک لوگوں کے اعمال کے مطابق ہوں' اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ ہمیں اس جگہ دفن کیا جائے جہاں نیک لوگوں کی قبریں ہوں اور نیک لوگوں کی معیت میں ہمیں موت آئے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ملک الموت کو حضرت موسیٰ علیہما السلام کی طرف بھیجا گیا جب وہ ان کے پاس آیا تو حضرت موسیٰ نے اس کے ایک تھپڑ مارا' اس نے جا کر اپنے رب سے کہا تو نے مجھے ایسے بندہ کی طرف بھیجا ہے جو مرنے کا ارادہ (ہی) نہیں کرتا' اللہ تعالیٰ نے عزرائیل کی آنکھ لوٹا دی' اور فرمایا جاؤ ان سے کہو کہ اپنا ہاتھ ایک بیل کی پشت کے اوپر رکھ دیں ان کے ہاتھ کے نیچے اس کے جتنے بال آئیں گے اتنے سال اس کی عمر کر دی جائے گی' انہوں نے کہا : اے رب! پھر کیا ہو گا؟ فرمایا موت' حضرت موسیٰ نے کہا تو پھر ابھی آ جائے' پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی وہ ان کو بیت المقدس سے اتنی دور کر دے جتنی دور ایک پتھر پھینکنے سے جاتا ہے' حضرت ابوہریرہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں اس جگہ ہوتا تو تمہیں راستہ کی ایک جانب کثیب احمر کے پاس ان کی قبر دکھاتا۔

(صحیح البخاری : رقم الحدیث' ۳۲۲۶' ۱۳۳۹' صحیح مسلم : رقم الحدیث : ۲۳۷۲' سنن نسائی ج ۴ ص ۱۱۸' مسند احمد ج ۲ ص ۲۶۹' ج ۲ ص ۳۱۵' ج ۲ ص ۵۳۳)

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مبارک مقامات پر صالحین کی قبروں کے پاس میت کو دفن کرنا مستحب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۵۰' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر' ۱۳۴۸ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں :

حرمین طیبین' انبیاء علیہم السلام کے مزارات اور اولیاء اور شہداء کی قبروں کے پاس دفن کرنا تاکہ ان کے جوار سے برکتیں حاصل ہوں اور ان پر جو رحمتیں نازل ہوتی ہیں ان کے بقیہ آثار ان پر نازل ہوں' یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اقتداء کی وجہ سے مستحب ہے' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا اس لیے کی تھی کہ ان کو ان انبیاء علیہم السلام کا قرب مطلوب تھا جو بیت المقدس میں مدفون ہیں' قاضی عیاض مالکی کی بھی یہی تحقیق ہے۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۲۰۷ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

علامہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں :

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس کے جوار میں دفن ہونا اس لیے پسند کیا تھا تاکہ آپ کو اس جگہ کی برکتیں حاصل ہوں' اور جو صالحین وہاں مدفون ہیں ان کے قرب کی وجہ سے آپ کو فضیلت حاصل ہو' اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ مبارک جگہوں اور صالحین کی قبروں کے پاس دفن ہونے میں رغبت کرنا چاہیے۔

(اکمال اکمال المعلم ج ۸ ص ۱۳۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس حدیث کی مکمل شرح' شرح صحیح مسلم ج ۷ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ہمارے رب! ہمیں وہ عطا فرما جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبان کے ذریعہ ہم سے وعدہ فرمایا ہے' اور ہمیں قیامت کے دن رسوانہ کرنا بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ (آل عمران : ۱۹۴)

دعا قبول ہونے کے علم کے باوجود دعا کرنے کی حکمتیں

مسلمانوں نے اپنی دعا میں یہ کہا تو نے اپنے رسولوں کی زبانوں کے ذریعہ ہم سے جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا فرما' بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا' اس آیت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ کے خلاف کرنا محال ہے' پھر یہ دعا کیوں کی گئی کہ تو اپنے وعدہ کے مطابق عطا فرما۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دعا سے مقصود اظہار عبودیت ہے کیونکہ بعض چیزوں کے متعلق ہم کو معلوم ہے کہ لامحالہ ایسا ہو گا پھر بھی اس کی دعا کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ قرآن مجید میں ہے :

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ (المؤمنون : ۱۱۸)

آپ دعا کیجئے اے میرے رب مغفرت فرما اور رحم فرما اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت سورہ فتح سے قطعی طور پر ثابت ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اظہار عبودیت کے لیے آپ کے لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم برقرار رکھا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ (الانبیآء : ۱۱۲)

(اللہ کے رسول نے) دعا کی اے میرے رب برحق فیصلہ فرما۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ برحق ہی ہوتا ہے پھر بھی اللہ کے رسول نے اظہار عبودیت کے لیے یہ دعا کی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے جو رسولوں کے ذریعہ مغفرت اور اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے وہ نام بہ نام معین اشخاص سے وعدہ نہیں فرمایا بلکہ وہ وعدہ بہ طور نیک اوصاف کے ہے یعنی جو لوگ اعمال صالحہ کریں گے ان کے لیے جنت اور آخرت کی نعمتیں ہیں' اس لیے ہم کو یہ معلوم نہیں کہ ہمارا شمار ان اوصاف کے حاملین میں ہے یا نہیں جب کہ ہم سے انواع و اقسام کے گناہ بھی ہوتے رہتے ہیں اس لیے ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ تو نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے جو وعدہ فرمایا ہے وہ ہمیں عطا فرما۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ عطا فرمائے گا لیکن یہ نہیں فرمایا تھا کہ مسلمانوں کو کب غلبہ نصیب ہو گا سو مسلمانوں نے اس غلبہ کے حصول کے لیے دعا کی۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان اپنے نیک اعمال کی وجہ سے اجر و ثواب کا مستحق نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو وعدہ فرمایا ہے وہ اس وعدہ کی وجہ سے اجر کا مستحق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور مسلمانوں نے اللہ سے دعا کرتے ہوئے یہ کہا کہ اے اللہ اپنے وعدہ کی وجہ سے ہمیں عطا فرما یہ نہیں کہا کہ ہمارے اعمال کی وجہ سے عطا فرما۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی شخص کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا' صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا مجھ کو بھی نہیں الایہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے' تم درست کام کرو اور نیکی کے قریب ہو' صبح' شام اور رات کے کچھ حصہ میں درمیانہ روی اور اعتدال سے عمل کرو۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۶۴۶۳' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۸۱۸' ۲۸۱۶' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۴۲۰۱' سنن دارمی رقم الحدیث : ۲۷۳۶' مسند احمد ج ۲ ص ۵۳۷' ۵۲۴' ۵۱۹' ۵۱۴' ۵۰۹' ج ۳ ص ۳۶۲' ۳۳۷' ۵۲' ج ۶ ص ۱۲۵۔ الادب المفرد' رقم الحدیث : ۴۶۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ بے شک میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت' تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو' سو جن لوگوں نے ہجرت کی اور ان کو گھروں سے نکال دیا گیا اور ان کو میری راہ میں اذیتیں پہنچائی گئیں اور جنہوں نے جہاد کیا اور جو شہید کر دیئے گئے' میں ضرور ان سب کے گناہ مٹادوں گا اور ان کو ضرور ان جنتوں میں داخل کروں گا' جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں' یہ اللہ کی طرف سے ثواب ہو گا اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔ (آل عمران : ۱۹۵)

دعا کے قبول ہونے کا ایک طریقہ

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی پانچ دعائیں ذکر فرمائی تھیں : ربنا ما خلقت ھذا باطلا سبحنک فقنا عذاب النار ربنا انک من تدخل النار فقد اخزیتہ وما للظالمین من انصار' ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان امنوا بربکم فامنا ربنا فاغفر لنا ذنوبنا' وکفر عنا سیاتنا وتوفنا مع الابرار' ربنا واتنا ما وعدتنا علی رسلک ولا تخزنا یوم القیمۃ۔ اس آیت میں ان دعاؤں کی مقبولیت کا بیان ہے' امام جعفر صادق نے فرمایا جو شخص اپنی دعاؤں میں پانچ مرتبہ ربنا کہے اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرماتا ہے کیونکہ اس سے پہلے مسلمانوں نے اپنی دعاؤں میں پانچ مرتبہ ربنا کہا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے میں کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا' اس پر یہ اعتراض ہے کہ عمل' عامل سے صادر ہونے کے بعد فنا ہو جاتا ہے تو پھر اس کے ضائع نہ کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ میں کسی عمل کا ثواب ضائع نہیں کرتا' یا اس سے مراد یہ ہے کہ میں خضوع اور خشوع اور حضور قلب سے کی ہوئی کسی دعا کو ضائع نہیں کرتا' اللہ تعالیٰ دعا کو فوراً قبول فرمالیتا ہے' یا اپنی کسی حکمت کی وجہ سے اس کو موخر کر دیتا ہے' اور دعا کرنے والا تاخیر پر صبر کرے تو اس کو اجر عطا فرماتا ہے یا اس دعا کے عوض اس سے کوئی مصیبت ٹال دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے کے ہم جنس ہو' اس آیت کے سبب نزول میں

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے ہجرت (کے اجر و ثواب) میں عورتوں کا ذکر بالکل نہیں سنا تو یہ آیت نازل ہوئی: (جامع البیان ج ۴ ص ۱۴۳ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۴۰۹ھ)

تمام صحابہ کے مومن ہونے کی دلیل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عہد رسالت کے مہاجرین اور مجاہدین سے بلا استثناء مغفرت اور جنت کا وعدہ کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تمام صحابی جنتی اور مغفور ہیں اور شیعہ اور رافضیہ کا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد چھ کے سوا باقی تمام صحابہ مرتد ہو گئے تھے اس آیت کے صریح خلاف ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ عہد رسالت کے تمام جہاد کرنے والے اور ہجرت کرنے والے مسلمانوں سے مغفرت اور جنت کا وعدہ نہ فرماتا اور انہوں نے مغفرت اور دوزخ سے نجات کی جو دعائیں کی تھیں ان کو قبول نہ فرماتا۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ

(اے مخاطب) کافروں کا شہروں میں (خوش حالی سے) گھومنا پھرنا تمہیں ہرگز دھوکے میں نہ ڈال دے ○ یہ (حیات فانی کا) قلیل سامان ہے

ثُمَّ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا

پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے ○ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے

رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

رہے ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ

نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَاِنَّ

اللہ کی طرف سے مہمانی ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لیے سب سے بہتر ہے ○ اور بے شک

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ

بعض اہل کتاب اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر جو تمہاری طرف نازل کیا گیا اور

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

اس پر جو ان کی طرف نازل کیا گیا درانحالیکہ ان کے دل اللہ کی طرف جھکے ہوئے ہیں، وہ اللہ کی آیتوں کے بدلہ میں

ثَمَنًا قَلِيلًا ؕ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ إِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ

تھوڑی قیمت نہیں لیتے یہ وہ لوگ ہیں جن کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ، بے شک اللہ جلد حساب لینے

الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا قف

والا ہے ○ اے ایمان والو ! فی نفسہٖ صبر کرو اور لوگوں کی زیادتیوں پر صبر کرو اور اپنے نفسوں اور اپنی سرحدوں

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾ ع

کی نگہبانی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو ○

غرور کا معنی اور شان نزول

انسان کسی چیز کو بہ ظاہر اچھا گمان کرے اور تحقیق و تفتیش کے بعد وہ چیز اس کے بالکل برعکس ہو تو اس کو غرور کہتے ہیں اس آیت میں بہ ظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ آپ کفار کی خوشحالی اور ان کے عیش و طرب سے دھوکا نہ کھائیں لیکن اس سے مراد عام مسلمان یا مخاطب ہیں۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ خدا کی قسم اللہ کے نبی نے کفار سے کبھی دھوکا نہیں کھایا حتی کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۴۵ مطبوعہ بیروت)

کفار کے لیے دنیا میں عیش اور مسلمانوں کے لیے تنگی کے متعلق احادیث

امام بخاری ایک طویل حدیث کے ضمن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے' آپ کے اور چٹائی کے درمیان اور کوئی چیز نہیں تھی' اور آپ کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور آپ کے پیروں کے پاس ایک درخت کے پتوں کا ڈھیر تھا' اور آپ کے پاس کچی (بغیر رنگی ہوئی) کھالیں لٹکی ہوئی تھیں اور میں نے دیکھا کہ چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو میں گڑ گئے تھے' میں رونے لگا' آپ نے فرمایا تم کس وجہ سے رو رہے ہو؟ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! بے شک قیصر و کسریٰ کس قدر عیش و آرام میں ہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں! آپ نے فرمایا کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت ہو!

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۴۹۱۳' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۴۷۹' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث ۴۱۵۳' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث : ۴۱۸۸' المستدرک ج ۴ ص ۱۰۴' شعب الایمان' رقم الحدیث : ۱۴۴۹' مسند احمد ج ۳ ص ۱۳۹)

ایک اور حدیث میں روایت کرتے ہیں :

میں نے نظر اٹھا کر گھر میں دیکھا تو خدا کی قسم مجھے تین کچی کھالوں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آیا' میں نے عرض کیا آپ دعا کیجئے اللہ تعالیٰ آپ کی امت پر وسعت کرے' کیونکہ فارس اور روم پر وسعت کی گئی اور ان کو دنیا دی گئی حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے' آپ تکیہ لگائے بیٹھے تھے' آپ نے فرمایا اے ابن الخطاب کیا تم کو شک ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کو

ان کی اچھی چیزیں دنیا ہی میں دے دی گئی ہیں، میں نے کہا یا رسول اللہ! میرے لیے استغفار کیجئے۔

(صحیح البخاری ج ۳، رقم الحدیث ۲۴۶۸)

امام ابوحاتم محمد بن حبان البستی المتوفی ۳۵۴ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ کی چارپائی پر سیاہ چادر پڑی ہوئی تھی، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر آئے تو نبی ﷺ اس پر لیٹے ہوئے تھے، جب آپ نے دیکھا تو آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، انہوں نے دیکھا کہ چارپائی کے نشانات آپ کے پہلو میں نقش ہو گئے تھے، حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے کہا یا رسول اللہ آپ کی چارپائی اور بستر کی سختی سے آپ کو کس قدر تکلیف پہنچتی ہے اور یہ قیصر اور کسریٰ ریشم اور دیباج کے بستروں پر سوتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ایسا نہ کہو کسریٰ اور قیصر کے بستر دوزخ میں ہیں اور میرا یہ بستر اور میری چارپائی کا انجام جنت ہے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث : ۷۰۴)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اگر دنیا اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو اس میں سے ایک گھونٹ بھی نہ عطا فرماتا۔

(الجامع الصحیح، رقم الحدیث : ۲۳۲۰، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۴۱۱۰)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ انصار کی ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کے بستر پر ایک مڑی ہوئی چادر دیکھی۔ اس نے حضرت عائشہ کے پاس ایک گدا بھیجا جس میں اون بھرا ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا : اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! فلاں انصاری عورت میرے پاس آئی تھی اس نے آپ کا بستر دیکھا تو وہ گئی اور اس نے یہ بستر بھیج دیا، آپ نے فرمایا : اے عائشہ اس کو واپس کر دو، خدا کی قسم! اگر میں چاہوں تو اللہ میرے ساتھ سونے اور چاندی کے پہاڑوں کو روانہ کر دے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث : ۱۴۶۸، دلائل النبوت ج ۱ ص ۳۴۵)

اس حدیث کی سند ضعیف ہے، لیکن اس سے بہرحال یہ معلوم ہو گیا کہ نبی ﷺ کا فقر اختیاری تھا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کسی مومن پر ظلم نہیں کرتا، اس کی نیکی کا صلہ دنیا میں دے دیا جاتا ہے اور اس کی پوری جزاء اس کو آخرت میں دی جائے گی اور کافر نے دنیا میں اللہ کے لیے جو نیکیاں کی ہیں اس کی پوری جزا دنیا میں دے دی جاتی ہے حتی کہ جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کی کوئی ایسی نیکی نہیں ہو گی جس کی جزا دی جائے۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث : ۲۸۰۸)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے، امام ابوعیسیٰ نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اس باب میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت ہے۔

(الجامع الصحیح، رقم الحدیث : ۲۳۲۴، مسند البزار، رقم الحدیث : ۳۶۴۵، ۱، المعجم الکبیر، رقم الحدیث : ۶۱۸۳، ۶۰۸۷، المستدرک ج ۳ ص ۶۰۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی طرف سے مہمانی ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لیے سب سے بہتر ہے۔
(آل عمران : ۱۹۸)

اللہ تعالیٰ کے دیدار اور اس کے قرب کا جنت سے افضل ہونا

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق وعید کا ذکر کیا تھا، اور اب اس آیت میں مسلمانوں کے متعلق وعد اور بشارت کا ذکر فرمایا ہے، یہ بشارت متقین کے لیے ہے جو اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں اور اللہ سے ڈرنے والا، اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کرے گا اور جن کاموں سے اس نے منع فرمایا ہے ان سے باز رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جنت کے متعلق فرمایا ہے یہ اس کی مہمانی ہے اس کی وضاحت اس حدیث میں ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب عبداللہ بن سلام کو یہ خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آگئے ہیں تو وہ آپ کے پاس آئے اور کہا میں آپ سے تین سوال کروں گا جن کے جواب کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا (الی قولہ) اہل جنت، جنت میں سب سے پہلے کیا کھائیں گے؟ آپ نے فرمایا اہل جنت جس چیز کو سب سے پہلے کھائیں گے وہ مچھلی کے جگر کا ٹکڑا ہو گا۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث ۴۴۸۰)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن یہ زمین روٹی کی طرح ہو جائے گی، اللہ اہل جنت کی مہمانی کے لیے اپنے ہاتھ سے اس زمین کو الٹ پلٹ دے گا، جس طرح تم میں سے کوئی شخص سفر میں روٹی کو الٹ پلٹ کرتا ہے، پھر ایک یہودی آیا اور کہنے لگا رحمان آپ پر برکتیں نازل فرمائے کیا میں آپ کو یہ بتاؤں کہ قیامت کے دن اہل جنت کی کس چیز سے مہمانی ہو گی؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں! اس نے کہا زمین تو ایک روٹی کی طرح ہو جائے گی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اس نے کہا کیا میں آپ کو اس کے سالن کی خبر نہ دوں آپ نے فرمایا کیوں نہیں! اس نے کہا بالام اور نون، صحابہ نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ اس نے کہا بیل اور مچھلی جن کی کلیجی کے ایک ٹکڑے سے ستر ہزار آدمی کھا سکیں گے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۷۹۲)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : "اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لیے سب سے بہتر ہے۔" اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ دنیا میں نیک لوگوں کے پاس جو نعمتیں تھیں یا دنیا میں کافروں کے پاس جو نعمتیں تھیں، اس کے مقابلہ میں اللہ کے پاس جو اجر و ثواب ہے وہ نیک لوگوں کے لیے سب سے بہتر ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا

خیال آیا ہے اور اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو۔

فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ ۚ سو کسی کو معلوم نہیں کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا نعمتیں پوشیدہ رکھی گئی ہیں۔ (الم السجدۃ : ۱۷)

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۴۷۹۸، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۸۲۴)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں :

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جنت میں ایک کوڑے جتنی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۳۲۵۰، جامع ترمذی، رقم الحدیث : ۱۶۴۸، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۴۳۳۰، سنن دارمی : رقم الحدیث : ۲۸۲۲، مسند احمد ج ۲، ص ۴۸۳، ۴۸۲، ۴۳۸، ۳۱۵، ج ۳ ص ۴۳۴، ۴۳۳، ۱۴۱، ج ۵ ص ۳۳۹، ۳۳۷، ۳۳۰)

اس آیت کا ایک معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے متقین کے لیے جنت اور اس میں ان کی مہمانی تیار کر رکھی ہے اور جو اللہ کے پاس اجر ہے وہ جنت اور اس کی مہمانی سے بہتر ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا قرب اور اس کا دیدار اور یہ سب سے بڑی نعمت ہے، لیکن یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ جو مسلمان دنیا میں ہر کام اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں اور ان میں سے ایک کام دوزخ سے پناہ مانگنا اور جنت کو طلب کرنا بھی ہے ان ہی کو اللہ کی رضا اور اس کا دیدار نصیب ہو گا اور جو لوگ جنت کو معمولی اور اپنے مقام سے کمتر خیال کرتے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کرتے ہیں کیونکہ وہ اس چیز کو معمولی اور گھٹیا کہہ رہے ہیں جس کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زیادہ تعریف فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور بے شک بعض اہل کتاب اللہ پر ایمان لاتے ہیں، اور اس پر جو تمہاری طرف نازل ہوا اور اس پر جو ان کی طرف نازل ہوا اور ان کے دل اللہ کی طرف جھکے ہوئے ہیں، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ (آل عمران : ۱۹۹)

شان نزول

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت نجاشی اور اس کے اصحاب کے متعلق نازل ہوئی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے، اور نجاشی کا نام اصحمہ تھا۔

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھی تو منافقین نے اس پر طعن کیا تو یہ آیت نازل ہوئی نیز ابن جریج سے یہ بھی روایت ہے کہ یہ آیت حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب خواہ یہود ہوں یا نصاریٰ ان میں سے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے یہ آیت ان کے متعلق نازل ہوئی ہے

امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ مجاہد کی روایت زیادہ اولیٰ ہے۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۳۷-۱۳۶، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۰۹ھ)

غائب میت کی نماز جنازہ پڑھنے میں مذاہب ائمہ

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس دن نجاشی فوت ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی موت کی خبر دی' آپ عید گاہ کی طرف گئے مسلمانوں نے صفیں باندھیں اور آپ نے چار تکبیریں پڑھیں۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱۲۴۵' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۹۵۱)

امام ابو محمد حسین بن مسعود بغوی شافعی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں:

نجاشی کافر قوم کے درمیان تھا وہ مسلمان تھا اور کافروں سے اپنا ایمان چھپاتا تھا' اور جس جگہ وہ تھا وہاں اس کی نماز جنازہ پڑھ کر اس کا حق ادا کرنے والا کوئی نہ تھا' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے کا اہتمام کیا اسی طرح جس شخص کو معلوم ہو کہ ایک مسلمان ایسی جگہ فوت ہو گیا جہاں اس کی نماز جنازہ پڑھنے والا کوئی نہیں ہے تو اس پر اس شخص کی نماز جنازہ پڑھنا لازم ہے' اس حدیث کے فوائد سے یہ ہے کہ غائب میت کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے' وہ لوگ قبلہ کی طرف منہ کریں اس شخص کے شہر کی طرف منہ نہ کریں اکثر اہل علم کا یہی قول ہے اور بعض ائمہ کا قول یہ ہے کہ غائب کی نماز جنازہ جائز نہیں ہے یہ اصحاب رائے (ائمہ احناف اور مالکیہ) کا قول ہے ان کا قول یہ ہے کہ یہ نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ قول ضعیف ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کی اقتداء واجب ہے جب تک کہ تخصیص کی دلیل نہ پائی جائے اور تخصیص کا دعویٰ صحیح نہیں ہے کیونکہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی نماز نہیں پڑھی تھی بلکہ مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ اس کی نماز پڑھی تھی۔ (شرح السنہ ج ۳ ص ۲۴۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن الہمام المتوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کی نماز جنازہ اس لیے پڑھی تھی کہ آپ کے سامنے اس کا تخت لایا گیا تھا' حتیٰ کہ آپ نے اس کو دیکھ لیا تھا' سو یہ اس میت پر نماز تھی جس کو امام دیکھ رہا تھا' اور اس کا جنازہ امام کے سامنے تھا' اور مقتدیوں کے سامنے نہیں تھا اور یہ اقتداء سے مانع نہیں ہے' ہرچند کہ یہ ایک احتمال ہے لیکن اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا بھائی نجاشی فوت ہو گیا اٹھو اس پر نماز پڑھو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور صحابہ نے آپ کے پیچھے صفیں باندھیں' آپ نے چار تکبیریں پڑھیں اور وہ یہ گمان نہیں کرتے تھے کہ اس کا جنازہ آپ کے سامنے تھا' (صحیح ابن حبان' رقم الحدیث ۳۱۰۲) اس حدیث میں اشارہ ہے کہ واقع میں ان کے گمان کے خلاف تھا' یا تو حضرت عمران نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سن لیا تھا اور یا ان کے لیے جنازہ منکشف کر دیا گیا تھا' یا یہ صرف نجاشی کی خصوصیت تھی اور دوسرا کوئی اس کے ساتھ لاحق نہیں ہے جیسے حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کی شہادت دو شہادتوں کے برابر ہے' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے صحابہ کی بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہے' جیسے حضرت معاویہ بن معاویہ مزنی رضی اللہ عنہ' حضرت جبرائیل علیہ السلام تبوک میں نازل ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! معاویہ بن معاویہ مزنی مدینہ میں فوت ہو گئے کیا آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ آپ کے لیے زمین سمیٹ دی جائے اور آپ اس کی نماز جنازہ پڑھ لیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں! انہوں نے اپنے دونوں پر زمین پر مارے تو ان کا تخت اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیا گیا' آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور آپ کے پیچھے فرشتوں کی دو صفیں تھیں' اور ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے' پھر وہ تخت

واپس ہو گیا' نبی ﷺ نے حضرت جبرائیل سے پوچھا کہ معاویہ نے یہ فضیلت کس وجہ سے حاصل کی۔ انہوں نے کہا وہ سورہ قل ھو اللہ احد سے محبت رکھتے تھے اور آتے جاتے' اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں اس کو پڑھتے تھے۔ (اس حدیث کو امام طبرانی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' مسند الشامیین' رقم الحدیث : ۸۳۱' المعجم الکبیر' رقم الحدیث : ۷۵۳۷' اور امام ابن السنی نے بھی روایت کیا ہے عمل الیوم واللیلۃ رقم الحدیث : ۱۸۰) اور امام ابن سعد نے اس کو طبقات میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے' اور امام واقدی نے مغازی میں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر بیٹھے ہوئے تھے' آپ کے اور شام کے درمیان جو منظر تھا وہ آپ پر منکشف کر دیا گیا' آپ صحابہ کو جہاد کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے' تو آپ ﷺ نے فرمایا زید بن حارثہ نے جھنڈا لیا اور وہ لڑتے رہے حتی کہ وہ شہید ہو گئے پھر آپ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لیے دعا کی' آپ نے فرمایا ان کے لیے استغفار کرو' وہ جنت میں داخل ہو گئے اور وہاں دوڑ رہے ہیں' پھر جعفر بن ابی طالب نے جھنڈا لیا اور وہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لیے دعا کی' آپ نے فرمایا ان کے لیے استغفار کرو' وہ جنت میں داخل ہو گئے اور اپنے دو پروں کے ساتھ جہاں چاہے جنت میں دوڑ رہے ہیں۔
(کتاب المغازی ج ۲ ص ۷۶۲-۷۶۱' مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے خصوصیت کا دعویٰ اس وقت کیا ہے جب ان کا تخت لایا گیا ہو نہ وہ دکھائی دیئے گئے ہوں' علاوہ ازیں مغازی میں اس کی دونوں سندیں ضعیف ہیں اور یہ حدیث مرسل ہے اور طبقات کی سند میں علاء بن یزید ضعیف ہے اور امام طبرانی کی سند میں بقیہ بن ولید معنعن ہے' پھر خصوصیت کی دلیل یہ ہے کہ آپ نے ان لوگوں اور نجاشی کے سوا اور کسی کی نمازہ جنازہ نہیں پڑھی' اور ان کے متعلق یہ تصریح ہے کہ ان کا جنازہ آپ کے سامنے لایا گیا تھا اور آپ ان کو دیکھ رہے تھے' جب کہ بہت سے صحابہ متعدد سفروں میں غائبانہ فوت ہو جاتے تھے مثلاً حبشہ اور متعدد غزوات میں' اور سب سے زیادہ عزیز آپ کو ستر قاری تھے جن کو تبلیغ کے لیے کافر لے گئے اور ان کو قتل کر دیا لیکن یہ کہیں منقول نہیں ہے کہ آپ نے ان میں سے کسی کی نماز جنازہ پڑھی ہو حالانکہ صحابہ میں سے جو فوت ہو جاتے آپ اس کی نماز جنازہ پڑھنے پر بہت حریص تھے حتی کہ آپ نے فرمایا تم میں سے جو شخص بھی مر جائے تم مجھے اس کی خبر دو کیونکہ اس کے اوپر میری نماز (جنازہ) اس کے لیے رحمت ہے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۳۸۸' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۷۶-۲۷۵' سنن نسائی ج ۴ ص ۸۴' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۱۵۲۸' المستدرک ج ۳ ص ۵۹۱' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث ۳۰۹۲-۳۰۸۷' سنن کبری للبیہقی ج ۴ ص ۳۵) (فتح القدیر ج ۲ ص ۱۲۲' ۱۲۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! فی نفسہ صبر کرو اور لوگوں کی زیادتیوں پر صبر کرو' اور اپنے نفسوں اور اپنی سرحدوں کی نگہبانی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو۔ (آل عمران : ۲۰۰)

ربط آیات

یہ اس سورت کی آخری آیت ہے' اور سورہ آل عمران میں جو تمام مضامین تفصیلی طور پر ذکر کیے گئے ہیں وہ تمام مضامین اجمالی طور پر اس آیت میں ذکر کر دیئے گئے ہیں' اس آیت میں عبادات کی مشقتوں کو برداشت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کی طرف ''اصبروا'' میں اشارہ ہے' اور مخالفین کی ایذا رسانیوں پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی طرف ''صابروا'' میں اشارہ ہے اور کفار اور منافقین کے خلاف جہاد کا حکم دیا گیا ہے اس کی طرف ''رابطوا'' میں اشارہ ہے اور اصول اور فروع یعنی عقائد اور

اعمال سے متعلق احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی طرف "واتقوا اللہ" میں اشارہ ہے۔

صبر کا لغوی اور شرعی معنی

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

صبر کے معنی ہیں تنگی میں کسی چیز کو روکنا' صبرت الدابۃ کا معنی ہے میں نے بغیر دانے اور چارہ کے سواری کو روک لیا' اور صبر کا اصطلاحی معنی ہے عقل اور شرع کے تقاضوں کے مطابق نفس کو روکنا اور پابند کرنا' صبر ایک جنس ہے اور اس کی کئی انواع ہیں' مصیبت پہنچنے پر نفس کو جزع و فزع یعنی بے قراری اور چیخ و پکار سے روکنا صبر ہے' اس کے مقابلہ میں جزع اور فزع ہے' اور جنگ کے وقت نفس کو بزدلی سے روکنا صبر ہے اس کو شجاعت کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں بزدلی ہے' عبادات میں مشقتوں کو برداشت کرنا اور غضب' شہوت اور حرص و طمع کی تحریک کے وقت اپنے نفس کو اللہ کی نافرمانی سے روکنا بھی صبر ہے اس کو اطاعت کہتے ہیں اور اس کے مقابلہ میں فسق و فجور ہے۔

(مفردات الفاظ القرآن ص ۲۷۳' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ' ایران' ۱۳۶۲ھ)

صبر کے متعلق احادیث

مصیبت کے وقت نفس کو جزع اور فزع سے روکنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے قریب سے گزرے جو قبر کے پاس رو رہی تھی' آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور صبر کرو اس نے کہا ایک طرف ہٹو' تم کو میری طرح مصیبت نہیں پہنچی' اس نے آپ کو پہچانا نہیں تھا' اس کو بتایا گیا کہ یہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر آئی وہاں اس نے کوئی دربان نہیں پایا' اس نے کہا میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا' آپ نے فرمایا جب پہلی بار صدمہ (یا مصیبت) پہنچے' اسی وقت (نفس کو روکنا) صبر ہوتا ہے۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱۲۸۳' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۹۲۶)

اور کفار سے جنگ کے وقت اپنے نفس کو بزدلی سے روکنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں سے جنگ کرتے ہوئے ایک دن انتظار کیا حتی کہ سورج ڈھل گیا' پھر آپ نے لوگوں میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! دشمن سے مقابلہ کی توقع نہ کرو' اور اللہ سے عافیت کا سوال کرو' اور جب تمہارا دشمن سے مقابلہ ہو تو صبر کرو (یعنی بزدلی نہ کرو) اور یقین رکھو کہ جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۲۹۶۵' ۲۹۶۶' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۷۴۲)

عبادات کی مشقتوں کو برداشت کرنے کے متعلق یہ حدیث ہے:

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ جس دن سورج گرہن ہوا اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے آپ نے اپنی قمیص پہنی' اور چادر اوڑھی' پھر آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور اس میں بہت لمبا قیام کیا' پھر آپ نے رکوع کیا' میں نے دیکھا کہ ایک عورت مجھ سے عمر میں بڑی تھی اور وہ کھڑی ہوئی تھی اور ایک عورت میری بہ نسبت بیمار تھی وہ بھی قیام

میں تھی' تو میں نے دل میں کہا میں تمہاری بہ نسبت زیادہ حقدار ہوں کہ طول قیام کی مشقت پر صبر کروں۔

(مسند احمد ج ۶ ص ۳۴۹' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حرص' غضب اور شہوت کے تقاضوں پر صبر کرنے کے متعلق یہ حدیث ہے :

امام ابوداؤد سلیمان ابن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رمضان میں اپنی بیوی سے ظہار کیا پھر ایک رات کو اس سے جماع کرلیا' صبح نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ عرض کیا : آپ نے فرمایا اے سلمہ! تم نے یہ کام کیا؟ میں نے دو مرتبہ عرض کیا : یا رسول اللہ! مجھ سے تقصیر ہوگئی اور میں اللہ کے حکم پر صابر ہوں' آپ کو جو اللہ فرمائے آپ مجھے اس کا حکم دیجئے۔ الحدیث

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۲۲۱۳)

صابروا کا لغوی معنی اور صبر اور مصابرہ میں فرق

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : اصبروا وصابروا ورابطوا اس آیت میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف انتقال ہے' صبر' مصابرہ سے کم ہے اور مصابرہ' مرابطہ سے کم ہے' ایک قول یہ ہے کہ اصبروا کا معنی ہے اپنے نفوس کے ساتھ صبر کرو اور صابروا کا معنی ہے مصیبتوں پر اپنے دلوں میں اللہ پر صبر کرو' اور رابطوا کا معنی ہے اپنے اسرار کا اللہ کے ساتھ رابطہ رکھو اور ایک قول یہ ہے کہ اصبروا کا معنی ہے اللہ میں صبر کرو' اور صابروا کا معنی ہے اللہ کے ساتھ صبر کرو اور رابطوا کا معنی ہے اللہ کے ساتھ رابطہ رکھو۔ (تاج العروس ج ۳ ص ۳۲۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

قدرتی مصائب مثلاً مرض' فقر' قحط اور خوف پر ضبط نفس کرنا صبر ہے اور کسی دوسرے شخص کی ناپسندیدہ باتوں' زیادتیوں اور ایذاء رسانیوں پر ضبط نفس کرنا اور اس سے انتقام نہ لینا مصابرہ ہے' سو انسان کو اپنے گھر والوں' پڑوسیوں اور رشتہ داروں کی طرف سے جو ایذائیں پہنچتی ہیں ان پر ضبط نفس کرنا اور ان سے بدلہ نہ لینا مصابرہ ہے' اس لیے اصبروا کا معنی ہے قدرتی مصائب پر صبر کرو' اور صابروا کا معنی ہے دوسروں کی ایذا رسانیوں پر ضبط نفس اور صبر کرو۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۲۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

مصابرہ کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین کے دن تقسیم میں کچھ لوگوں کو ترجیح دی' اور حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ دیئے اور عیینہ کو بھی اتنے ہی اونٹ دیئے اور عرب کے بعض شرفاء کو بھی آپ نے کچھ عطا فرمایا اور ان کو بھی ترجیح دی' ایک شخص نے کہا خدا کی قسم اس تقسیم میں عدل نہیں کیا گیا' اور نہ اس کے ساتھ اللہ کی رضاجوئی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ میں نے کہا بہ خدا میں اس بات کی ضرور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دوں گا' پھر میں نے جا کر آپ کو خبر دی آپ نے فرمایا اگر اللہ اور اس کا رسول عدل نہ کریں تو پھر کون عدل کرے گا؟ اللہ تعالیٰ موسیٰ پر رحم کرے ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی انہوں نے اس پر صبر کیا۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۳۱۵۰' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۰۶۲)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مشرکین کو معاف کر دیتے تھے اور ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کرتے تھے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث ۶۲۰۷' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۷۹۸)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جو شخص اپنے امیر کی کوئی ناگوار چیز دیکھے وہ اس پر صبر کرے کیونکہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی علیحدہ ہوا' اور مر گیا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث : ۱۸۴۹)

امام عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں تشریف فرما تھے' آپ ہنسے' پھر آپ نے فرمایا کیا تم مجھ سے نہیں دریافت کرتے کہ میں کس وجہ سے ہنسا ہوں؟ صحابہ نے عرض کیا آپ کس وجہ سے ہنسے ہیں؟ آپ نے فرمایا مجھے مومن کے حال پر تعجب ہوتا ہے' اس کا ہر حال خیر ہے اگر اس کو کوئی پسندیدہ چیز ملے اور وہ اس پر اللہ کی حمد کرے تو یہ اس کے لیے خیر ہے اور اگر اس کو کوئی ناگوار چیز ملے اور وہ اس پر صبر کرے تو یہ بھی اس کے لیے خیر ہے اور مومن کے سوا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا ہر حال خیر ہو۔

(سنن دارمی' رقم الحدیث : ۲۷۸۰' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۹۹۹' مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۳' ۳۳۲' ج ۶ ص ۱۶' ۱۵)

مرابطہ کے معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی لکھتے ہیں :

مرابطہ کی دو قسمیں ہیں' مسلمانوں کی سرحدوں کی نگہبانی اور حفاظت کرنا' کہیں اس پر دشمن اسلام حملہ آور نہ ہوں اور دوسری قسم ہے نفس کا بدن کی نگہبانی اور حفاظت کرنا کہیں شیطان اس سے گناہ نہ کرائے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا بھی رباط ہے' یہ دوسری قسم ہے اور پہلی قسم کے متعلق یہ آیت ہے :

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ (الانفال : ۶۰)

ان کے لیے بہ قدر استطاعت ہتھیاروں کی قوت اور گھوڑے باندھنے کو فراہم کرو۔

(مفردات الفاظ القرآن ص ۱۸۶۔ ۱۸۵' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۶۲ھ)

آیت مذکورہ میں رابطوا کے محامل

ہر چند کہ انسان ضبط نفس کر کے فی نفسہ صبر کرتا ہے اور لوگوں کی ایذاء رسانی پر بھی صبر کرتا ہے لیکن پھر بھی اس میں شہوت' غضب اور حرص پر مبنی برے اخلاق ہوتے ہیں اور اپنے نفس کو برے اخلاق سے پاک کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان اپنے نفس سے جہاد کرے اور اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور جب کبھی شہوت یا حرص کے غلبہ سے کسی گناہ کی تحریک ہو تو اپنے نفس کو اس گناہ سے آلودہ نہ ہونے دے' اور یہ محاسبہ اور نگہبانی اسی وقت ہو سکتی ہے جب انسان کے دل میں اللہ کا ڈر اور خوف ہو' اس لیے اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے کا حکم دینے کے بعد فرمایا ورابطوا واتقوا اللہ یعنی اپنے نفس کی نگہبانی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تمہیں کامیابی کی امید ہو۔

چونکہ سورہ آل عمران کی زیادہ تر آیتیں جنگ احد سے متعلق ہیں اور بعض مسلمانوں نے نبی ﷺ کے ایک حکم کی خلاف ورزی کی تھی جس کے نتیجہ میں وہ شکست سے دوچار ہوئے اور اس شکست پر آزردہ خاطر ہوئے' اس لیے اس آیت کا ایک ظاہری محمل یہ ہے کہ کفار سے جنگ کے دوران ثابت قدم رہو اور جنگ میں ان کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر کرو' اور اپنی سرحدوں کی حفاظت کرو' اور اس سلسلہ میں اللہ اور رسول کے احکام پر عمل کرنے میں اللہ سے ڈرتے رہو اور کسی قسم کی حکم عدولی نہ کرو تاکہ تمہیں کامیابی اور سرفرازی کی امید ہو۔

اس آیت کا ایک محمل یہ بھی ہے کہ فی نفسہ صبر کرو اور مخالفوں کی ایذاء رسانیوں پر صبر کرو اور ہر حال میں اللہ سے رابطہ استوار رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

اسلامی ملک کی سرحد کی حفاظت کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی راہ میں ایک دن سرحد کی حفاظت کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۲۸۹۲' مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۹)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : ایک دن اور ایک رات سرحد کی حفاظت کرنا' ایک ماہ کے روزوں اور قیام سے افضل ہے' اور اگر وہ مرگیا تو اس کا یہ اجر جاری رہے گا اور وہ فتنہ میں ڈالنے والے سے محفوظ رہے گا۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث ۱۹۱۳' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۱۶۸' ۳۱۶۷' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۷۶۷' مسند احمد' ج ۲ ص ۱۷۷' ج ۵ ص ۴۴۱' ۴۴۰' تحفۃ الاشراف : رقم الحدیث : ۴۴۹۱)

فتنہ میں ڈالنے والے سے مراد یا تو منکر نکیر ہیں اور یا اس سے مراد شیطان ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس کا عمل منقطع ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کے ثواب کو جاری رکھے گا اور جس حدیث میں ہے ابن آدم میں سے ہر ایک کا عمل منقطع ہو جاتا ہے ماسوا تین کے اس کا مطلب ہے ان تین کا عمل منقطع نہیں ہوتا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس کا عمل منقطع ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کا ثواب جاری رکھے گا۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منیٰ میں فرمایا اللہ کی راہ میں ایک دن سرحد کی حفاظت کرنا' اس کے علاوہ ہزار ایام سے افضل ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۷۵' ۶۶' ۶۵' ۶۴' سنن داری' رقم الحدیث : ۲۴۳۱)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : کیا میں تم کو وہ چیز نہ بتاؤں جس سے اللہ گناہوں کو مٹا دے اور درجات کو بلند کر دے' صحابہ نے عرض کیا : کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا مشقت کے وقت مکمل وضو کرنا' زیادہ قدم چل کر مسجد میں جانا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا' سو یہی رباط ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث : ۲۵۱' جامع ترمذی' رقم الحدیث : ۵۱' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۱۴۳' مسند احمد ج ۲ ص ۲۷۷' ۲۰۲)

گناہوں کو مٹانے سے مراد یہ ہے کہ ان کے نامہ اعمال سے گناہ مٹا دیئے جائیں' یا گناہ کے مقابلہ میں دل کے اندر جو

ایک سیاہ نقطہ بن جاتا ہے اس کو مٹادیا جائے' مشقت کے وقت مکمل وضو کرنے سے مراد یہ ہے کہ جب انسان کو پانی ٹھنڈا لگے یا پانی کے استعمال سے جسم میں تکلیف ہو اس وقت مکمل وضو کرے' دور سے چل کر مسجد میں آنا یہ واضح ہے' ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا اس سے یا تو مسجد میں بیٹھ کر انتظار کرنا مراد ہے تو یہ اعتکاف کے ایام میں پانچوں نمازوں سے حاصل ہوتا ہے اور عام دنوں میں آسانی سے عصر کے بعد مغرب کی نماز اور مغرب کے بعد مسجد میں عشاء کی نماز کے انتظار میں حاصل ہوتا ہے اور یا اس سے مراد یہ ہے کہ انسان ایک نماز پڑھ کر اپنے گھر یا دوکان یا دفتر میں آجائے لیکن اس کا دل و دماغ دوسری نماز کے انتظار میں لگا ہوا ہو' تو یہ انتظار پانچوں نمازوں میں آسانی سے حاصل ہو سکتا ہے' اس کو آپ نے رباط فرمایا ہے کیونکہ رباط سے مراد نفس کو پابند کرنا ہے۔ خواہ سرحد کی حفاظت پر خواہ ان عبادات میں' یا اس لیے کہ رباط کا معنی ہے نفس اور جسم کا عبادات کے ساتھ ارتباط رکھنا' یا رباط کا معنی ہے نگہبانی کرنا خواہ سرحد کی دشمنان اسلام سے نگہبانی کی جائے خواہ وضو سے نماز کی حفاظت کی جائے اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کر کے اس کی نگہبانی کی جائے اور اس کو ضائع ہونے سے بچایا جائے' نبی ﷺ نے جو فرمایا ہے سو یہی رباط ہے اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ سورہ آل عمران میں جو "رابطو" کا لفظ ہے اس سے مراد ان عبادات کی نگہبانی کرنا ہے۔

آج ۲۲ صفر المظفر ۱۴۱۷ھ / جولائی ۱۹۹۶ء بروز پیر سورہ آل عمران کی تفسیر مکمل ہو گئی' الہ العلمین جس طرح آپ نے آل عمران کی تفسیر مجھ سے مکمل کرائی ہے بقیہ قرآن مجید کی تفسیر بھی مکمل کرا دیں اور اس تفسیر میں مجھ کو غلطیوں اور لغزشوں سے محفوظ رکھیں اور اس تفسیر تبیان القرآن کو تا روز قیامت مقبول اور اثر آفریں رکھیں اور مجھے' میرے والدین' میرے اساتذہ اور میرے قارئین اور محبین کو دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچائیں اور ان کے لیے دارین کی نعمتوں کا دروازہ کھول دیں۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَعُلَمَآءِ مِلَّتِہٖ وَاَوْلِیَآءِ اُمَّتِہٖ وَاُمَّتِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

سُورَةُ النِّسَاءِ

(۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم

سورۃ النساء

سورۃ النساء مدنی ہے' اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے' اس میں ۲۴ رکوع ہیں اور ۱۷۶ آیتیں ہیں۔ ترتیب مصحف کے اعتبار سے یہ چوتھی سورت ہے اور نزول کے اعتبار سے یہ سورہ ممتحنہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ یہ سورۃ البقرہ کے بعد سب سے بڑی سورت ہے۔

سورۃ النساء کا زمانہ نزول اور وجہ تسمیہ

بعض قرائن کی بناء پر علماء نے یہ کہا ہے کہ سورہ النساء کا زمانہ نزول ۳ھ کے اواخر سے لے کر ۴ھ کے اواخر یا ۵ھ کے اوائل تک ہے' شوال ۳ھ میں جنگ احد ہوئی تھی جس میں ستر مسلمان شہید ہوئے تھے اور اس وقت ان مسلمانوں کی وراثت اور ان کے یتیم بچوں کی کفالت کا مسئلہ پیدا ہوا تھا اس لیے مسلمانوں کی وراثت اور ان کے یتیم بچوں کی کفالت سے متعلق آیات اس موقع پر نازل ہوئیں۔ نماز خوف غزوہ ذات الرقاع میں پڑھی گئی تھی اور یہ غزوہ ۴ھ میں پیش آیا تھا اس لئے نماز خوف سے متعلق آیات اس موقع پر نازل ہوئیں اور تیمم کی اجازت غزوہ بنو مصطلق میں دی گئی تھی یہ غزوہ ۵ھ میں ہوا تھا اور اسی موقع پر تیمم کی آیات نازل ہوئی تھیں۔ ۴ھ میں بنو نضیر کا مدینہ سے اخراج ہوا تھا اس لئے اس سے متعلق آیتیں اس موقع پر نازل ہوئیں۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں :

امام بخاری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ سورہ بقرہ اور سورہ نساء جب نازل ہوئیں تو میں حضور کے پاس تھی۔

اس سورت میں عورتوں کے احکام بہ کثرت بیان کئے گئے ہیں اس وجہ سے اس سورت کا نام سورہ النساء ہے۔

سورۃ النساء کے فضائل

امام احمد' امام حاکم نے تصحیح کے ساتھ اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جس نے سات سورتوں کو یاد کرلیا ہے وہ بہت بڑا عالم ہے۔ (ان میں سورہ النساء بھی ہے)

امام ابو یعلیٰ' امام ابن خزیمہ' امام ابن حبان' امام حاکم نے تصحیح سند کے ساتھ اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ تکلیف محسوس کی صبح کو آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! آپ پر تکلیف کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں آپ نے فرمایا الحمد للہ میں نے سات بڑی سورتیں پڑھ لی ہیں۔

امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جس نے سورہ نساء کو پڑھ لیا وہ جان لے گا

کہ وراثت میں کون کس سے محروم ہوتا ہے اور کون کس سے محروم نہیں ہوتا۔

(الدر المنثور ج ۲ ص ۱۱۶ مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمی ایران)

قرآن مجید کی پہلی سات بڑی سورتوں کو السبع الطوال کہتے ہیں وہ یہ ہیں : البقرہ' آل عمران' النساء' المائدہ' الانعام' الاعراف' الانفال' اور جن سورتوں میں ایک سو یا اس سے زیادہ آیتیں ہوں ان کو مئین کہتے ہیں اور جن سورتوں میں ایک سو سے کم آیتیں ہوں ان کو مثانی کہتے ہیں اور مثانی کے بعد مفصل ہیں۔ سورہ حجرات سے سورہ بروج تک کی سورتوں کو طوال مفصل کہتے ہیں۔ سورہ بروج سے سورہ لم یکن تک اوساط مفصل ہیں اور سورہ لم یکن سے لے کر آخر قرآن تک قصار مفصل ہیں۔

سورہ النساء کی سورہ آل عمران کے ساتھ مناسبت اور ارتباط

(۱) سورہ آل عمران تقویٰ اختیار کرنے کے حکم پر ختم ہوتی ہے۔ واتقوا اللہ لعلکم تفلحون

(آل عمران : ۲۰۰)

اور سورہ النساء تقویٰ اختیار کرنے کے حکم سے شروع ہوتی ہے۔ واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام

(النساء : ۱)

(۲) ان دونوں سورتوں میں یہود اور نصاریٰ کے خلاف حجت قائم کی گئی ہے۔

(۳) ان دونوں سورتوں میں منافقین کے متعلق بھی قتال کے ضمن میں آیتیں ہیں۔

(۴) ان دونوں سورتوں میں قتال کے متعلق بھی آیتیں ہیں۔

(۵) آل عمران میں غزوہ احد کے متعلق بہت سی آیتیں ہیں اور اس سورت میں بھی "فما لکم فی المنافقین فئتین میں غزوہ احد کا ذکر ہے۔

(۶) سورہ آل عمران میں غزوہ حمراء الاسد کا ذکر ہے اور اس سورت میں بھی ولا تھنوا فی ابتغاء القوم میں اس کا ذکر ہے۔

(۷) انسان کو چار چیزوں سے بنیادی فضیلتیں حاصل ہوتی ہیں علم' شجاعت' عدل اور عفت۔ سورہ آل عمران میں علم اور شجاعت کو اہمیت سے بیان کیا ہے۔ علم کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ نزل علیک الکتاب بالحق۔ (آل عمران : ۳) وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون... (آل عمران : ۷) اور شجاعت کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔ ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین (آل عمران : ۱۳۹) فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ (آل عمران : ۱۴۶) علم اور شجاعت کا ذکر سورہ آل عمران کی بہت سی آیتوں میں کیا گیا ہے اور سورہ النساء میں عدل اور عفت کے متعلق بہت آیات ہیں جیسا کہ عنقریب اس کے مطالعہ سے انشاء اللہ واضح ہو جائے گا۔

(۸) سورہ آل عمران میں جنگ بدر اور جنگ احد کے واقعات کے ضمن میں مخالفین کے ساتھ سلوک کا ذکر تھا سورہ النساء میں اپنوں کے ساتھ سلوک کا ذکر ہے مثلاً یتیموں رشتہ داروں اور بیویوں کے ساتھ۔

(۹) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

یوسف بن ماھک بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ کے پاس ایک عراقی آیا اور اس نے پوچھا کون سا کفن بہتر ہوتا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا خیر تو ہے، تمہیں کیا تکلیف ہے؟ اس نے کہا اے ام المومنین مجھے اپنا مصحف دکھایئے؟ آپ نے فرمایا کیوں؟ اس نے کہا شاید میں اس کے مطابق قرآن کو جمع کروں کیونکہ اب قرآن مجید کو غیر منظم طور سے پڑھا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا اس سے پہلے جو تم نے پڑھا اس سے تمہیں کیا نقصان ہوا؟ آپ نے فرمایا پہلے مفصل کی سورتیں نازل ہوئی تھیں اگر ابتداء میں یہ حکم نازل ہوتا کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم کبھی بھی شراب کو نہیں چھوڑیں گے اور اگر یہ حکم نازل ہوتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے کہ ہم کبھی بھی زنا نہیں چھوڑیں گے۔ سیدنا محمد ﷺ پر قرآن مجید نازل ہوا اس وقت میں کھیلنے والی بچی تھی۔

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ۔ بلکہ ان سے اصل وعدہ قیامت کا ہے اور قیامت بڑی آفت اور بہت کڑوی ہے۔ (القمر : ۴۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عراقی سے فرمایا اور جب سورہ بقرہ اور سورہ نساء نازل ہوئیں اس وقت میں آپ ہی کے پاس تھی پھر حضرت عائشہ نے اس کے لئے مصحف نکالا اور اس کو سورت کی آیتیں لکھوائیں۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۴۹۹۳)

سورہ النساء کے مضامین کا خلاصہ

- رشتہ داروں سے حسن سلوک، یتیموں کے حقوق کی ادائیگی اور تعدد ازدواج کی اجازت۔ (النساء : ۶-۱)
- وراثت کے احکام (النساء : ۱۴-۷)
- معاشرہ سے فحاشی اور بے حیائی ختم کرنے کے ابتدائی احکام (النساء : ۱۸-۱۵)
- اس کا بیان کہ کن عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اور کن سے ناجائز۔ (النساء : ۲۵-۱۹)
- اعمال صالحہ اور توبہ کی تلقین، مسلمان کا مال ناحق کھانے اور مسلمانوں کو قتل کرنے کی ممانعت۔ (النساء : ۳۱-۲۶)
- عائلی اور معاشرتی احکام، والدین اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کا بیان اور بخل کی مذمت۔ (النساء : ۴۰-۳۲)
- ایمان اور اعمال صالحہ کی نصیحت، یہود کی شرارتوں کا رد اور مسلمانوں کو یہود سے خبردار کرنا۔ (النساء : ۵۹-۴۱)
- منافقین کو سرزنش، جہاد کی تلقین، دار الحرب میں گھرے ہوئے مسلمانوں کے احکام، مسلمانوں کو منافقوں سے متنبہ کرنا۔ (النساء : ۱۲۶-۶۰)
- یتیموں سے متعلق احکام کی تفصیل، منافقوں کی ریشہ دوانیوں سے مسلمانوں کو نصیحت۔ (النساء : ۱۷۶-۱۲۷)

اس سورت میں اور اسی طرح قرآن مجید کی باقی سورتوں میں صرف فقہی اور شرعی احکام نہیں ہیں بلکہ شرعی احکام کے ساتھ دعوت و تذکیر کا سلسلہ بھی ہے۔ ہم نے اپنی اس تفسیر میں یہ اسلوب اختیار کیا ہے کہ جن آیات کا تعلق دعوت و تذکیر اور وعظ و نصیحت کے ساتھ ہے وہاں بہ کثرت احادیث بیان کی ہیں اور جن آیات میں شرعی احکام بیان کئے گئے ہیں وہاں ہم نے مذاہب فقہاء بیان کئے ہیں اور باقی مذاہب کے مقابلہ میں فقہ حنفی کی ترجیح اور برتری بیان کی ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ کے استنباط شدہ مسائل کی تائید میں قرآن مجید کی آیات، احادیث اور آثار بیان کئے ہیں۔ اب ہم سورہ النساء کی تفسیر شروع کریں گے فنقول و باللہ التوفیق۔ ۲۴ صفر، ۱۴۱۷ھ، ۱۰ جولائی، ۱۹۹۶ء بروز بدھ۔

سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّسِتٌّ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّاَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورہ نساء مدنی ہے اور اس میں ایک سو چھہتر آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک شخص (آدم) سے پیدا

وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ

کیا، اور اسی سے اس کی بیوی (حوا) پیدا کی اور ان دونوں سے بہ کثرت مردوں اور عورتوں

نِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

کو پھیلا دیا اور اللہ سے ڈرو جس کے سبب سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، اور رشتہ داروں سے

كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

قطع تعلق کرنے سے ڈرو، بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے ○

خالق کی عظمت اور مخلوق پر شفقت

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے بیویوں، بچوں، یتیموں اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنے، ان پر شفقت کرنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ یتیموں کے مال کی حفاظت اور وراثت کا حکم دیا ہے۔ طہارت حاصل کرنے، نماز پڑھنے اور مشرکین سے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور ان تمام احکام پر عمل صرف خوف خدا سے ہو سکتا ہے اس لئے اس سورت کے اول ہی میں فرما دیا: اے لوگو اپنے رب سے ڈرو، اس کے بعد فرمایا جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا، اس میں یہ تنبیہ ہے کہ تم کو عدم سے وجود میں لانے والا، اور تمہارا خالق اور مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور تم اس کے مملوک ہو اور مملوک پر حق ہے کہ وہ اپنے مالک کی اطاعت کرے اس وجہ سے تم بھی اللہ کے احکام کی اطاعت کرو۔ نیز تمام احکام کا دارومدار دو چیزوں پر ہے خالق کی عظمت اور مخلوق پر شفقت سو پہلے اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا پھر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان سے قطع تعلق کرنے سے منع فرمایا۔

اسلام میں رنگ و نسل کا امتیاز نہیں ہے

اس آیت میں رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنے اور قطع تعلق کرنے سے منع کیا ہے اور اس کی یہ علت بیان

فرمائی کہ تم سب لوگ ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کئے گئے ہو کیونکہ انسان سرخ' سفید اور سیاہ رنگ میں مختلف ہیں۔ قد اور قامت میں مختلف ہیں۔ خوب صورت اور بدصورت ہونے اور نسل اور نسب میں مختلف ہیں اس کے باوجود سب انسانوں کی بنیادی شکل وصورت اور وضع قطع ایک ہے اور یہ اس کی دلیل ہے کہ سب ایک ہی شخص سے پیدا کئے گئے ہیں اور سب اس کی اولاد ہیں اس لئے رنگ اور نسل میں اختلاف کے باوجود ان سب کو ایک دوسرے پر رحم کرنا چاہئے اور ایک دوسرے کے کام آنا چاہئے :

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا رب واحد ہے اور تمہارا باپ واحد ہے اور کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر تقویٰ کے سوا کسی اور وجہ سے فضیلت حاصل نہیں ہے۔

(المعجم الاوسط' رقم الحدیث : ۴۷۴۹' ج ۵ ص ۳۷۶)

امام احمد بن عمرو بزار متوفی ۲۹۲ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا باپ واحد ہے اور تمہارا دین واحد ہے اور تمہارا باپ آدم ہے اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار' رقم الحدیث : ۲۰۴۴' ج ۲ ص ۴۳۵)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے کہ امام بزار کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۸۴)

اس حدیث کو امام احمد متوفی ۲۴۱ھ نے حضرت ابو نضرہ سے روایت کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۵ ص ۴۱۱)

امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے اس حدیث کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(شعب الایمان' رقم الحدیث : ۵۱۳۰' ج ۴ ص ۲۸۶' رقم الحدیث ۵۱۳۷' ج ۴ ص ۲۸۹)

امام ابو یعلیٰ احمد بن علی موصلی متوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے دو غلام تھے ایک حبشی تھا اور دوسرا نبطی۔ وہ آپس میں لڑ پڑے اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے ایک نے کہا اے حبشی دوسرے نے کہا اے نبطی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کہو تم دونوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ہو۔

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث : ۴۱۳۱' ج ۴ ص ۱۶۴' المعجم الصغیر رقم الحدیث : ۵۷۳' ج ۱ ص ۳۴۵-۳۴۴)

حافظ الہیثمی نے لکھا ہے اس حدیث کی سند میں یزید بن ابی زیاد ضعیف راوی ہے لیکن اس کی حدیث حسن ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۸۶)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سادات کا نکاح غیر سادات میں جائز نہیں ہے' ان احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ یہ نظریہ صحیح نہیں ہے۔

رشتہ داروں سے تعلق توڑنے پر وعید اور تعلق جوڑنے پر بشارت

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (صحیح البخاری۔ رقم الحدیث ۵۹۸۴ صحیح مسلم رقم الحدیث : ۲۵۵۶' جامع ترمذی رقم الحدیث : ۱۹۰۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رحم، رحمٰن کے آثار میں سے ایک اثر ہے اللہ تعالیٰ نے (رحم سے) فرمایا جو تجھ سے وصل کرے گا میں اس سے وصل کروں گا اور جو تجھ کو قطع کرے گا میں اس کو قطع کروں گا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۵۹۸۸، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۵۵۴ جامع ترمذی، رقم الحدیث : ۱۹۰۷)

امام احمد بن عمرو بزار متوفی ۲۹۲ھ روایت کرتے ہیں :

جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کی عمر بڑھائی جائے اس کے رزق میں وسعت کی جائے اور اس سے بری موت کو دور کیا جائے وہ اللہ سے ڈرے اور صلہ رحم کرے (رشتہ داروں سے تعلق جوڑے)۔

(کشف الاستار عن زوائد البزار، رقم الحدیث ۱۸۷۹ ج ۲ ص ۳۷۳، المعجم الاوسط، رقم الحدیث ۵۶۲۲ ج ۶ ص ۲۹۱)

امام بزار کی سند صحیح ہے ماسوا عاصم بن ضمرہ کے اور وہ بھی ثقہ ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۵۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص میں تین خصلتیں ہوں اللہ تعالیٰ اس سے آسان حساب لے گا اور اس کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل کردے گا۔ صحابہ نے کہا اے اللہ کے نبی! آپ پر ہمارے ماں باپ فدا ہوں وہ کون سی تین خصلتیں ہیں؟ آپ نے فرمایا جو تم کو محروم کرے اس کو دو، جو تم سے قطع تعلق کرے اس سے تعلق جوڑو، جو تم پر ظلم کرے اس کو معاف کردو۔ جب تم یہ کرلوگے تو اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار، رقم الحدیث ۱۹۰۶، المعجم الاوسط، رقم الحدیث : ۹۱۳ ج ۱ ص ۴۹۷)

اس کی سند میں سلیمان ابن داؤد یمامی متروک ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۵۴)

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا

اور یتیموں کو ان کے اموال دے دو اور (اپنے) خراب مال کو (ان کے) اچھے مال کے ساتھ تبدیل نہ کرو اور ان

تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۲ وَاِنْ

کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ، بیشک یہ بہت بڑا گناہ ہے ○ اگر تمہیں یہ

خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ

اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کرسکو گے تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو،

النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً

دو، دو سے تین تین سے اور چار چار سے، پس اگر تمہیں یہ خدشہ ہو کہ تم (ان میں) عدل نہ کرسکو گے

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝۳ وَاٰتُوا النِّسَآءَ

تو (صرف) ایک سے نکاح کرو، یا اپنی مملوکہ کنیزوں سے استمتاع کرو، یہ اس سے زیادہ قریب (بہ صحت) ہے کہ تم کسی ایک کی طرف جھک جاؤ

صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً ؕ فَاِنۡ طِبۡنَ لَکُمۡ عَنۡ شَیۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو، تو پھر اگر وہ خوشی سے اس (مہر) میں سے تم کو کچھ دیں تو اس کو مزے

فَکُلُوۡهُ هَنِیۡٓـًٔا مَّرِیۡٓـًٔا ﴿۴﴾

مزے سے کھاؤ O

یتیم کا مال ادا کرنے کا حکم

اس آیت میں یتیموں کے سرپرستوں کو خطاب ہے کہ جب یتیم بالغ ہو جائیں تو ان کے اموال ان کو دے دیئے جائیں' یتیم کا ولی اس کا اچھا مال رکھ لیا کرتا تھا اور اپنا خراب مال اس کو دے دیتا تھا اس آیت میں ان کو اس سے منع کیا گیا۔

علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ھ اس آیت کے شان نزول میں لکھتے ہیں :

مقاتل نے کہا یہ آیت غطفان کے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے اس کے پاس اس کے یتیم بھتیجے کا بہت سارا مال تھا جب یتیم بالغ ہوا تو اس نے اپنا مال طلب کیا' اس کے چچا نے اس کو منع کیا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی ﷺ نے اس شخص کے سامنے اس آیت کی تلاوت کی' اس شخص نے کہا ہم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور بہت بڑے گناہ سے اللہ کی پناہ میں آتے ہیں' اس نے اپنے بھتیجے کو مال دے دیا اس جوان نے اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔ (تفسیر سمرقندی ج ۱ ص ۳۳۱' مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ' ۱۴۱۳ھ)

یتیم کا مال کھانے اور اس کے ساتھ بدسلوکی کرنے کی مذمت اور حسن سلوک کی تعریف

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو' عرض کیا گیا : یا رسول اللہ! وہ کیا کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنا' جادو کرنا' جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا' سود کھانا' یتیم کا مال کھانا' جہاد سے پیٹھ پھیر کر بھاگنا' مسلمان پاک دامن بے قصور عورت پر تہمت لگانا۔ (صحیح بخاری' رقم الحدیث ۶۸۵۷' صحیح مسلم' رقم الحدیث ۸۹' سنن ابوداؤد رقم الحدیث ۲۸۷۴' سنن نسائی رقم الحدیث : ۳۶۷۳)

امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمانوں کا سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور سب سے برا گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جائے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۶۷۹' ج ۴ ص ۱۹۳' مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت' ۱۴۱۶ھ)

اس حدیث میں امام ابن ماجہ منفرد ہیں اس کی سند میں ایک راوی یحییٰ بن ابی سلیمان ہے' امام بخاری نے کہا وہ منکر الحدیث ہے' (تاریخ الکبیر ج ۸ ص ۲۹۹۹) امام ابوحاتم نے کہا وہ مضطرب الحدیث ہے (الجرح والتعدیل ج ۹ ص ۶۳۸) امام ابن حبان نے اس کا ثقات میں ذکر کیا ہے۔ (کتاب الثقات ج ۹ ص ۲۶۳)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دل کی سختی کی شکایت کی آپ نے فرمایا: یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرو اور مسکین کو کھانا کھلاؤ۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۸۷،۲۶۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۱۶۰)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہیں کر سکو گے تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔ (النساء: ۳)

نکاح کی ترغیب اور فضیلت کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے نوجوانوں کے گروہ تم میں سے جو شخص گھر بسانے کی طاقت رکھتا ہو وہ نکاح کرلے کیونکہ نکاح نظر کو زیادہ نیچے رکھتا ہے اور شرم گاہ کی زیادہ حفاظت کرتا ہے اور تم میں سے جو شخص نکاح کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزے رکھے کیونکہ روزے اس کی شہوت کو کم کریں گے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۱۹۰۵، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۴۰۰، جامع ترمذی، رقم الحدیث: ۱۰۸۱، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث: ۲۰۴۶، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۳۲۰۸، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۸۴۵)

امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نکاح میری سنت سے ہے۔ جس نے میری سنت پر عمل نہیں کیا۔ وہ میرے طریقہ (کاملہ) پر نہیں ہے، نکاح کرو کیونکہ تمہاری وجہ سے میری امت دوسری امتوں سے زیادہ ہوگی، جس کے پاس طاقت ہو وہ نکاح کرے اور جس کے پاس طاقت نہ ہو وہ روزے رکھے، کیونکہ روزے اس کی شہوت کو کم کریں گے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۴۶)

اس حدیث کی سند میں عیسیٰ بن میمون ایک ضعیف راوی ہے مگر اس حدیث کا ایک صحیح شاہد ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں: ختنہ کرنا، عطر لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ (جامع ترمذی، رقم الحدیث ۱۰۸۰)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا عارضی نفع کا سامان ہے اور اس میں بہترین نفع کی چیز نیک عورت ہے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۶۷، سنن نسائی، رقم الحدیث: ۳۲۳۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۸۵۵، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۸)

امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے خوف کے بعد مومن کے فائدہ کی سب سے اچھی چیز اس کی نیک بیوی ہے اگر وہ اس کو حکم دے تو وہ اس کی فرمانبرداری کرے اگر وہ اس کو دیکھے تو وہ اس کو خوش کرے اگر وہ اس پر قسم کھائے تو وہ اس کی قسم کو پورا کرے اور اگر وہ کہیں چلا جائے تو اس کی جان اور مال کی خیر خواہی کرے۔

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۸۵۷)

اس حدیث کی سند میں علی بن یزید بن جدعان ضعیف ہے لیکن اس حدیث کا ایک شاہد ہے۔
امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے حجروں کے پاس تین شخص آئے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق سوال کیا۔ جب ان کو آپ کی عبادت کے متعلق بتایا گیا تو انہوں نے اس کو کم گمان کیا انہوں نے کہا کہاں ہم کہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کام معاف فرما دیئے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ ساری عمر روزے رکھوں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے الگ رہوں گا اور ساری عمر نکاح نہیں کروں گا۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور آپ نے فرمایا تم لوگوں نے اس اس طرح کہا تھا بہ خدا میں تم سب لوگوں سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ سو جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریقہ (کاملہ) پر نہیں ہے۔

(صحیح بخاری' رقم الحدیث' ۵۰۶۳ صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۴۰۱ سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۷۷' شعب الایمان ج ۳ ص ۳۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کسی عورت سے چار سبب سے نکاح کیا جاتا ہے اس کے مال کی وجہ سے' اس کے حسب (آباء واجداد کا شرف اور فضیلت) کی وجہ سے' اس کی خوبصورتی کی وجہ سے اور اس کی دینداری کی وجہ سے۔ تم اس کو اس کی دینداری کی وجہ سے طلب کرو' تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث ۵۰۹۰' صحیح مسلم رقم الحدیث : ۱۴۶۶' سنن ابو داؤد رقم الحدیث : ۲۰۴۷' سنن نسائی رقم الحدیث : ۳۲۳۰' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۱۸۵۸' سنن دارمی رقم الحدیث : ۲۱۷۶' مسند احمد ج ۲ ص ۴۲۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۸۰)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :
حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کئی خصلتوں کی وجہ سے عورت سے نکاح کیا جاتا ہے۔ اس کے حسن کی وجہ سے' اس کے مال کی وجہ سے' اس کے عمدہ اخلاق کی وجہ سے اور اس کی دینداری کی وجہ سے' تم دیندار اور اچھے اخلاق والی سے نکاح کرو تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۸۰' کشف الاستار عن زوائد البزار رقم الحدیث : ۱۴۰۳' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث : ۱۰۰۸)

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :
حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : دنیا کی (یہ چیزیں) میرے نزدیک محبوب کی گئی ہیں۔ عورتیں' خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں بنائی گئی ہے۔

(سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۹۴۹' مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۵' ۱۹۹' ۱۲۸' مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث : ۳۴۶۹' ۳۵۱۷' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۷۸)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :
ابو نجیح بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نکاح کرنے کی مالی وسعت رکھتا ہو پھر نکاح نہ کرے' وہ میری سنت (میرے طریقہ کاملہ) پر نہیں ہے۔ (المعجم الاوسط' رقم الحدیث : ۹۹۳' ج ۱ ص ۵۲۸' مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض ۱۴۰۵ھ)

یہ حدیث مرسل ہے اور اس کی سند حسن ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۵۱)

امام ابو یعلیٰ احمد بن علی بن مثنی موصلی متوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں :

عبید بن سعد نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں : آپ نے فرمایا جو میری فطرت سے محبت رکھتا ہے وہ میری سنت پر عمل کرے اور میری سنت سے نکاح ہے۔

(مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث : ۲۷۴۰ ' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۷۸ ' الاصابہ ج ۴ ص ۲۰۴ ' شعب الایمان ج ۴ ص ۳۸۱)

یہ حدیث مرسل ہے (ابن حجر) اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۵۲)

امام احمد بن عمرو بزار متوفی ۲۹۲ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اے قریش کے جوانو! زنانہ کرو جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اس کے لئے جنت ہے۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار رقم الحدیث ۱۴۰۱ ' المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۱۲۸ رقم الحدیث : ۲۷۷۶ ' المعجم الاوسط ' رقم الحدیث ۶۸۴۶) اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۵۳)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب انسان مرجاتا ہے تو تین چیزوں کے سوا اس کے اعمال منقطع ہوجاتے ہیں صدقہ جاریہ ' یا وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے یا نیک بیٹا جو اس کے لئے دعا کرے۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث : ۱۶۳۱ جامع ترمذی ' رقم الحدیث : ۱۳۷۶ ' سنن نسائی رقم الحدیث ۳۶۵۳ ' الادب المفرد ' رقم الحدیث : ۳۸ ' مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۲ ' مصابیح السنۃ ج ۱ ص ۱۶۷ ' رقم الحدیث : ۱۵۲)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا مجھے ایک معزز خاندان کی خوبصورت عورت ملی ہے لیکن وہ بانجھ ہے کیا میں اس سے نکاح کرلوں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس نے پھر دوسری اور تیسری بار پوچھا آپ نے فرمایا (خاوند سے) محبت کرنے والی اور بچہ پیدا کرنے والی عورت سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت کی وجہ سے امتوں پر فضیلت حاصل کروں گا۔ (سنن ابو داؤد ' رقم الحدیث : ۲۰۵۰ ' سنن نسائی ' رقم الحدیث : ۳۲۲۷ ' سنن ابن ماجہ ' رقم الحدیث : ۱۸۶۳ ' مسند احمد ج ۳ ص ۱۵۸ ' ۲۴۵ ' ۳۵۴ ج ۴ ' ۳۴۹ ' ۳۵۱)

نکاح کی حکمتیں اور فوائد

(۱) نکاح کے ذریعے نسل انسان کا فروغ ہوتا ہے انسان میں شہوت اس لئے رکھی گئی ہے کہ مذکر بیج کا اخراج کرے اور مونث کی کھیتی میں اس کی کاشت کرے ' اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس کے بغیر بھی نسل انسانی کی افزائش کرسکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا تھا کہ اسباب کا مسببات پر ترتب ہو ' مسلمان کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی وجہ سے اولاد کی طلب کی کوشش کرے اور رسول اللہ ﷺ سے محبت کی وجہ سے آپ کی امت کو بڑھانے کی کوشش کرے۔

(۲) نکاح کے ذریعہ اولاد کا حصول ہوتا ہے اور انسان کو نیک اولاد کی دعائیں حاصل ہوتی ہیں جو بعض اوقات اس کی بخشش کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔

(۳) انسان اولاد کی اچھی تربیت کرکے ملک و ملت کی تعمیر اور استحکام کے لئے افراد مہیا کرتا ہے۔

(۴) اولاد کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے اس حصہ پر عمل کا موقعہ ملتا ہے جس کا تعلق اولاد سے ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے جن احکام کا تعلق اولاد سے ہے ان پر عمل کرنے کا موقع ملتا ہے۔

(۶) اولاد کی تربیت اور پرورش کرکے مسلمان اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا مظہر ہو جاتا ہے۔

(۷) جب انسان بوڑھا ہو جاتا ہے تو اولاد اس کا سہارا بن جاتی ہے۔

(۸) بچوں کی وجہ سے انسان کا گھر میں دل بہلتا ہے انسان بیمار ہو تو بچے اس کی تیمار داری کرتے ہیں۔

(۹) بچوں کی کفالت کی وجہ سے انسان کے دل میں زیادہ سے زیادہ محنت کرنے اور کمانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس سے ملک وملت کی تعمیر اور ترقی میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۱۰) بچوں کی وجہ سے انسان کے دل میں رحم اور ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔

(۱۱) شادی شدہ شخص معاشرہ میں الگ تھلگ نہیں رہتا اور اس کو عزت اور توقیر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اس کی معاشرتی اور تمدنی زندگی میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۱۲) اولاد کی شادی بیاہ کی وجہ سے نئی نئی رشتہ داریاں پیدا ہوتی ہیں۔

(۱۳) بچے اگر کم عمری میں فوت ہو جائیں تو وہ ماں باپ کی شفاعت کرتے ہیں اور ان کی مغفرت کا سبب بن جاتے ہیں۔

(۱۴) ماں باپ کی تعلیم کی وجہ سے اولاد جو نیکیاں کرتی ہے ان کا اجر ماں باپ کو ملتا رہتا ہے۔

(۱۵) بعض اوقات اولاد کی نیکیوں سے ماں باپ کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

(۱۶) نکاح کے ذریعہ انسان کی شہوت کا زور ٹوٹ جاتا ہے اور وہ شیطان کے شر سے محفوظ ہو جاتا ہے اس کی نظر پاکیزہ ہو جاتی ہے اور وہ بدکاریوں سے بچا رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص نکاح کرتا ہے وہ اپنے نصف دین کو محفوظ کر لیتا ہے سو باقی نصف دین کو محفوظ کرنے کے لئے خدا سے ڈرنا چاہیے۔ (المعجم الاوسط، رقم الحدیث : ۷۶۴۳)

(۱۷) انسان کو بیوی کے ذریعہ سکون ملتا ہے :

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا (الاعراف : ۱۸۹)

اللہ وہ ہے جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی بنائی تاکہ وہ اس سے سکون حاصل کرے۔

(۱۸) نکاح کی وجہ سے انسان پر اس کی بیوی اور بچوں کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں اور ان کے حقوق و فرائض اس کے ساتھ متعلق ہو جاتے ہیں اور اس کی قوت عمل میں اضافہ ہوتا ہے۔

(۱۹) انسان اپنے اہل اور عیال کی اصلاح میں مصروف ہوتا ہے اور جو شخص صرف اپنی اصلاح میں منہمک ہو اس سے اس کا درجہ بہت زیادہ ہے جو اپنے اہل وعیال کی اصلاح میں بھی مشغول ہو۔

(۲۰) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اچھی طرح نماز پڑھتا ہو اس کے بچے زیادہ ہوں اور مال کم ہو اور وہ شخص مسلمانوں کی غیبت نہ کرتا ہو میں اور وہ جنت میں ایک ساتھ ہوں گے۔

(کنز العمال، رقم الحدیث : ۴۳۴۷۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب کسی شخص کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو بال بچوں

کے غم میں مبتلا کردیتا ہے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۱۵۷)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس شخص نے اپنی دو بیٹیوں یا دو بہنوں یا اپنی دو رشتہ دار لڑکیوں پر خرچ کیا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے غنی کردیا یا ان سے کفایت کردی تو وہ اس کے لئے دوزخ سے حجاب ہو جائیں گی۔ (المعجم الکبیر ج ۲۳ رقم الحدیث : ۳۹۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے فرمایا تم میں سے جو عورت تین نابالغ بچوں کی موت پر صبر کرے گی وہ اس کے لئے دوزخ سے حجاب بن جائیں گے ایک عورت نے پوچھا اور دو پر؟ فرمایا دو پر۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث ۱۰۱' صحیح مسلم رقم الحدیث : ۲۶۳۳' جامع ترمذی رقم الحدیث : ۱۰۵۹' سنن نسائی رقم الحدیث ۱۸۷۲' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث : ۱۶۰۵' مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۵' ۴۲۹' ۴۵۱' ج ۲ ص ۲۷۶)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کرسکو گے تو تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔

بعض لوگوں کی سرپرستی اور ولایت میں یتیم لڑکیاں ہوتی تھیں وہ لڑکی اس کے مال میں شریک ہوتی تھی اس کا سرپرست اس سے شادی کرنا چاہتا لیکن اس کو پورا مہر نہیں دینا چاہتا تھا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے کہا اے بھتیجے ایک سرپرست کے زیر پرورش ایک یتیم لڑکی ہوتی جو اس کے مال میں شریک ہوتی۔ اس شخص کو اس لڑکی کا مال اور اس کا حسن و جمال پسند آتا وہ اس کے مہر میں عدل و انصاف کئے بغیر اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا اور اس لڑکی کو جتنا مہر دوسرے لوگ دیتے اس سے کم مہر دینا چاہتا تو ایسے لوگوں کو ایسی یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا حتی کہ وہ ان کے مہر میں عدل و انصاف کریں اور رواج کے مطابق ان جیسی لڑکیوں کو جتنا مہر ملتا ہے اتنا مہر ان کو دیں۔ (اور اگر وہ ایسا نہ کریں) تو ان یتیم لڑکیوں کے سوا اور لڑکیاں جو ان کو پسند ہوں ان سے نکاح کرلیں۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث ۲۴۹۴' صحیح مسلم رقم الحدیث : ۳۰۱۸' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۲۰۶۸' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۳۴۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نابالغ لڑکی سے نکاح جائز ہے کیونکہ یتیم نابالغ کو کہتے ہیں اور لڑکیوں کو رواج کے مطابق مہر دینا چاہئے اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو لڑکیاں تم کو پسند ہوں ان سے نکاح کرلو اور لفظ "ما" عام ہے' اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جواز نکاح کے لئے کفو کی شرط لگانا غلط ہے اور سیدہ کا غیر سید سے نکاح کرنا جائز ہے اس پر حسب ذیل دلائل ہیں :

غیر کفو میں نکاح کے جواز پر احادیث

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

جب تم کو وہ شخص نکاح کا پیغام دے جس کے دین اور اس کے خلق پر تم راضی ہو تو اس سے تم (اپنی لڑکی کا) نکاح

کردو اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو زمین میں فتنہ ہو گا اور بہت بڑا فساد ہو گا۔
(الجامع الصحیح، رقم الحدیث : ۱۰۸۴، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۹۶۷، سنن کبریٰ ج ۷ ص ۸۲، المستدرک ج ۲ ص ۱۶۴، مراسیل ابو داؤد ص ۱۱، کنز العمال رقم الحدیث : ۴۴۶۹۵، مصابیح السنۃ رقم الحدیث : ۲۲۹۵)

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ نے اس حدیث کو کچھ اضافہ کے ساتھ روایت کیا ہے :

یحییٰ بن ابی کثیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہارے پاس وہ شخص آئے جس کی امانت اور خلق پر تم راضی ہو تو اس کے ساتھ نکاح کردو خواہ وہ کوئی شخص ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ ہو گا اور بہت بڑا فساد ہو گا۔ (مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث ۱۰۳۲۵، ج ۶ ص ۱۵۳۔ ۱۵۲)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضرت ابو عمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے مجھے طلاق دے دی در آں حالیکہ وہ غائب تھے۔ ان کے وکیل نے حضرت فاطمہ کے پاس کچھ جو بھیجے وہ ناراض ہو گئیں وکیل نے کہا بہ خدا تمہارا ہم پر اور کوئی حق نہیں ہے، حضرت فاطمہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئیں اور یہ واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا تمہارا اس پر کوئی نفقہ واجب نہیں ہے پھر آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ ام شریک کے گھر عدت گزاریں، پھر فرمایا ان کے ہاں تو میرے اصحاب آتے رہتے ہیں تم ابن ام مکتوم کے گھر عدت گزارو کیونکہ وہ ایک نابینا شخص ہے تم آرام سے اپنے کپڑے رکھ سکو گی اور جب تمہاری عدت پوری ہو جائے تو مجھے خبر دینا وہ کہتی ہیں کہ جب میری عدت پوری ہو گئی تو میں نے آپ کو بتایا کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان اور حضرت ابو جہم نے مجھے نکاح کا پیغام دیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو جہم تو اپنے کندھے سے لاٹھی اتارتا ہی نہیں اور رہے معاویہ تو وہ مفلس آدمی ہیں ان کے پاس مال نہیں ہے، تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو، میں نے ان کو ناپسند کیا آپ نے پھر فرمایا اسامہ سے نکاح کر لو، میں نے ان سے نکاح کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس نکاح میں بہت خیر کی اور عورتیں مجھ پر رشک کرتی تھیں۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث : ۱۴۸۰، جامع ترمذی، رقم الحدیث : ۱۱۳۵، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۲۸۴، سنن نسائی رقم الحدیث : ۳۴۱۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث : ۱۸۶۹، موطا امام مالک، رقم الحدیث : ۱۲۳۴، مسند احمد ج ۶ ص ۴۱۲)

حضرت فاطمہ بنت قیس قریش کے ایک معزز گھرانے کی خاتون تھیں۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ غلام زادے تھے ان کے کفو نہ تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے یہ نکاح کر کے یہ واضح کر دیا کہ غیر کفو میں بھی نکاح جائز ہے اور بسا اوقات اس میں بڑی خیر ہوتی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ عتبہ بن ربیعہ بن عبد الشمس کے بیٹے ابو حذیفہ جنگ بدر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھے، حضرت ابو حذیفہ نے سالم کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا، سالم ایک انصاری عورت کے غلام تھے، حضرت ابو حذیفہ نے سالم کے ساتھ اپنی سگی بھتیجی ہند بنت الولید بن عتبہ بن ربیعہ کا نکاح کر دیا تھا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۵۰۸۸ سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۲۸۰، مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۱۵۵، سنن کبریٰ بیہقی ج ۷ ص ۱۳۷)

اس حدیث میں بھی یہ مذکور ہے ایک آزاد قرشیہ کا نکاح ایک غلام سے کیا گیا۔

ان احادیث میں تصریح ہے کہ نکاح کے جواز کے لئے نسب میں کفو اور مساوات اور مماثلت کی شرط لگانا از روئے اسلام صحیح نہیں ہے۔

کفو میں نکاح کی شرط کے متعلق مذاہب اربعہ

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

علامہ حامد آفندی حنفی سے سوال کیا گیا کہ ایک ہاشمی شخص نے دانستہ اپنی مرضی سے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح ایک غیر ہاشمی شخص سے کردیا آیا یہ نکاح صحیح ہے؟ جواب ہاں اس صورت میں نکاح صحیح ہے۔

(تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ ج ۱ ص ۲۱ مطبوعہ کوئٹہ)

افضل اور انسب یہی ہے کہ کفو میں یعنی ایک جیسے خاندانوں میں نکاح کیا جائے تاکہ شوہر اور اس کی زوجہ کے درمیان ذہنی یگانگت رہے اور خاندان کی ناہمواری کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں تلخیاں پیدا نہ ہوں تاہم اگر کسی وقت کسی وجہ سے ماں باپ کسی مصلحت کی بناء پر غیر کفو میں رشتہ کردیں مثلاً" سیدہ کا غیر سید سے نکاح کردیں تو یہ نکاح جائز ہے امام احمد کے نزدیک اس مسئلہ میں دو قول ہیں ایک قول کے مطابق کفو شرط ہے اور دوسرے کے مطابق کفو شرط نہیں ہے۔ (مغنی ابن قدامہ ج ۷ ص ۲۶) امام مالک کے نزدیک جواز نکاح کے لئے کفو شرط نہیں ہے۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۱۴۵۔ ۱۴۴) امام شافعی کے نزدیک غیر کفو میں نکاح جائز ہے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۱۵' روضۃ الطالبین ج ۷ ص ۸۴) فقہاء احناف میں سے امام ابوبکر جصاص اور امام کرخی کے نزدیک کفو مطلقاً" شرط نہیں ہے اور جمہور فقہاء احناف کے نزدیک اگر لڑکی کے اولیاء (سرپرست) غیر کفو میں اس کی مرضی سے نکاح کردیں تو نکاح صحیح ہے اور اگر لڑکی خود غیر کفو میں نکاح کرے تو اس کے اولیاء کو اس نکاح پر اعتراض کا حق ہے اور وہ عدالت سے یہ نکاح منسوخ کراسکتے ہیں۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۳۱۸)

اس مسئلہ میں زیادہ تفصیل جانبین کے دلائل اور بحث و نظر کے لئے شرح صحیح مسلم ج ۳ اور ج ۶ کا مطالعہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تمہیں جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کرو۔ دو دو سے' تین تین سے اور چار چار سے۔

(النساء : ۳)

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جو شخص مالی اور جسمانی طور پر متعدد بیویاں رکھ سکتا ہو وہ بہ شرط عدل و انصاف چار بیویوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے اور اگر وہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے نہ کرسکے تو وہ صرف ایک بیوی کو نکاح میں رکھے۔

تعدد ازدواج پر اعتراض کے جوابات

اسلام نے بہ شرط عدل چار عورتوں سے نکاح کی جو اجازت دی ہے اس پر مستشرقین اعتراض کرتے رہتے ہیں دوسری طرف کچھ آزاد خیال مسلمان ہیں جو اپنے آپ کو اللہ اور رسول سے زیادہ حقوق انسانیت کا محافظ سمجھتے ہیں ان ہی لوگوں کے اثر سے پاکستان میں عائلی قوانین بنائے گئے اور بیوی کی اجازت کے بغیر مرد کے لئے دوسری شادی کرنا قانوناً" ممنوع قرار دے دیا گیا۔ سالہا سال سے تادم تحریر پاکستان میں یہ قانون نافذ ہے حالانکہ ملک کے تمام اہل فتویٰ علماء اس قانون کو مسترد کرچکے ہیں۔ بعض معاشرتی مشکلات کے لئے تعدد ازدواج کی رخصت ایک معقول حل ہے اور اس کے بغیر اور کوئی

چارہ کار نہیں ہے۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ عورتوں کی اوسط پیدائش مردوں کی اوسط پیدائش سے زیادہ ہوتی ہے ہم فرض کرلیتے ہیں کہ مردوں اور عورتوں کی شرح پیدائش میں ایک اور دو کی نسبت ہے اب اگر ہر مرد صرف ایک عورت سے شادی کرے تو سوال یہ ہے کہ جو عورتیں بچ جائیں گی ان کے لئے کیا طریقہ تجویز کیا جائے گا اس مسئلہ کے حل کی صرف تین صورتیں ہیں :

(ا) باقی ماندہ عورتیں تمام عمر شادی کے بغیر گزار دیں اور اپنی جنسی خواہش کبھی کسی مرد سے پوری نہ کریں۔

(ب) باقی عورتیں بغیر شادی کے ناجائز طریقہ سے اپنی خواہش پوری کریں۔

(ج) باقی عورتوں سے وہ مرد شادی کرلیں جو مالی اور جسمانی طور سے اس کے اہل ہوں۔

پہلی صورت فطرت کے خلاف ہے اور عام بشری طاقت سے باہر ہے۔ دوسری صورت دین اور قانون دونوں اعتبار سے ناجائز اور گناہ ہے اس لئے قابل عمل' معروف' فطری اور پسندیدہ صورت صرف تیسری صورت ہے جس کو اسلام نے پیش کیا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ بالعموم مرد ساٹھ سال کی عمر تک جنسی عمل کا اہل اور تروتازہ رہتا ہے جب کہ عورت بالعموم دس بارہ بچے جن کر چالیس سال کی عمر تک پہنچنے کے بعد جنسی عمل کے لئے پرکشش یا اہل نہیں رہتی اب اگر صرف ایک بیوی سے نکاح کی اجازت ہو تو مرد اپنی زندگی کے بیس سال کیسے گزارے گا۔ اس کی بھی صرف تین صورتیں ہیں۔

(ا) ان بیس سالوں میں مرد اپنی جنسی خواہش کو بالکل پورا نہ کرے۔

(ب) اس عرصہ میں مرد ناجائز طریقہ سے اپنی خواہش پوری کرے۔

(ج) اس عرصہ کے لئے مرد دوسری عورت سے نکاح کرلے۔

پہلی صورت غیر فطری ہے اور دوسری صورت غیر قانونی اور غیر شرعی ہے اس لئے قابل عمل صرف تیسری صورت ہے۔

یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر جگہ مرد اور عورت کی جسمانی اہلیت میں عمر کا یہی معیار ہو' اس میں کمی بیشی بھی ہوسکتی ہے لیکن بعض صورتوں میں یہ مشکل بہر حال پیش آتی ہے اور تعدد ازدواج کے سوا اس کا اور کوئی معقول حل نہیں ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ بعض اوقات کسی شخص کی بیوی بانجھ ہوتی ہے جس سے اولاد نہیں ہوسکتی اور انسان اپنی نسل بڑھانے اور اپنا سلسلہ نسب آگے منتقل کرنے کے لئے طبعی طور پر اولاد کا خواہش مند ہوتا ہے اس مشکل کے حل کی بھی صرف دو صورتیں ہیں۔

(ا) پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرلے۔

(ب) پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح کرلے۔

اور عدل وانصاف کے مطابق اور انسانی ہمدردی کے نزدیک تر صرف دوسری صورت ہے جو اسلام کے تعدد ازدواج کے اصول پر مبنی ہے کیونکہ جو عورت بانجھ ہو اس کو خود بھی اولاد کی پیاس ہوتی ہے اور شوہر کی اولاد سے بھی اس کی ایک گونہ تسکین ہو جاتی ہے۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ فرض کیجئے کہ کسی شخص کی بیوی ایک متعدی مرض میں مبتلا ہو یا اس کو کوئی ایسی بیماری ہو

جس میں شفاء کی امید بالکل نہ ہو یا بہت کم ہو اور اس کا شوہر جوان اور صحت مند ہو۔ اب اس شخص کے سامنے صرف چار راستے ہیں۔

(ا) اس عورت کو طلاق دے دے۔

(ب) تمام عمر جنسی خواہش پوری نہ کرے۔

(ج) ناجائز طریقہ سے اپنی جنسی خواہش پوری کرے۔

(د) وہ شخص دوسری شادی کرلے۔ عدل وانصاف اور انسانی ہمدردی کے اعتبار سے یہی صورت قابل عمل ہے۔

چار بیویوں پر اقتصار کی توجیہہ

صاحب استطاعت کو چار بیویوں کی اجازت دینے میں یہ حکمت ہے کہ اگر اس کی صرف ایک یا دو بیویاں ہوں اور وہ دونوں ماہواری کے ایام میں ہوں اور اس کا خاوند صحت مند' قوی اور توانا ہو تو اس کا نفسانی خواہش پر قابو پانا مشکل ہوگا اور جب اس کی چار بیویاں ہوں گی تو ایسا بہت کم اتفاق ہوگا کہ وہ چاروں بہ یک وقت حیض اور نفاس کے مسائل سے دو چار ہوں اور اگر چار سے زیادہ نکاح کی اجازت ہوتی تو اس بات کا خدشہ تھا کہ وہ ان کے حقوق ادا نہیں کرسکے گا اور بیویوں کے ساتھ بے انصافی ہوگی کیونکہ تمام بیویوں کے حقوق ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ "اگر تم کو یہ خوف ہو کہ تم ان میں عدل نہیں کرسکو گے تو پھر صرف ایک عورت سے نکاح کرو"۔ بیویوں کی باری مقرر کرنے میں' ان کے ساتھ جماع کرنے اور ان کے کھانے' پینے' کپڑوں اور رہائش میں مساوات کرنا عدل اور انصاف ہے اور اگر اس کو کسی ایک بیوی کے ساتھ زیادہ محبت اور دوسری سے کم ہو تو یہ عدل اور انصاف کے منافی نہیں ہے۔ اس لئے صرف چار بیویوں پر اکتفا کرنا عدل اور متوسط صورت ہے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں بیویوں کی تعداد کی کوئی حد معین نہیں تھی۔ تاہم اسلام میں ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت اسی شخص کے لئے ہے جو عدل وانصاف کے ساتھ ان کے حقوق ادا کرسکے اور چار سے زیادہ نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ احادیث میں ہے کہ جن مسلمانوں نے پہلے چار سے زیادہ بیویاں رکھی ہوئی تھیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ ان میں سے چار کو منتخب کرکے رکھ لیں اور باقی کو الگ کردیں۔

قبل از اسلام چار سے زیادہ کی ہوئی بیویوں کے متعلق احادیث

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ غیلان بن سلمہ ثقفی اسلام لائے اور ان کی زمانہ جاہلیت میں دس بیویاں تھیں وہ بھی ان کے ساتھ مسلمان ہوگئیں تو ان کو نبی ﷺ نے حکم دیا کہ وہ ان میں سے چار کو اختیار کرلیں۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث': ۱۱۳۱' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۱۹۵۳)

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت قیس بن حارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میرے پاس آٹھ بیویاں تھیں۔ میں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کو بیان کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا ان میں سے چار کو اختیار کرلو۔

(سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۱۹۵۲' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۲۲۴۲)

قبل از اسلام چار سے زیادہ کی ہوئی بیویوں کے متعلق مذاہب ائمہ

حافظ زکی الدین منذری متوفی ۶۵۶ھ لکھتے ہیں :

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان میں سے چار بیویوں کو اختیار کرلو' اس حدیث کی ظاہری عبارت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مرد کو اختیار ہے کہ وہ ان میں سے جن کو چاہے رکھ لے۔ خواہ ان تمام بیویوں سے عقد واحد میں نکاح کیا ہو یا ہر بیوی سے الگ الگ عقد کیا ہو اور اس میں پہلی اور پچھلی کا امتیاز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے بغیر کسی استثناء اس کی طرف اختیار مفوض کر دیا ہے۔

امام مالک' امام شافعی' امام احمد بن حنبل کا یہی مذہب ہے اور اسحٰق بن راہویہ' محمد بن الحسن اور حسن بصری سے بھی یہی منقول ہے۔ اس کے برخلاف امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری نے یہ کہا ہے کہ اگر ان سب سے عقد واحد میں نکاح کیا ہے تو تمام بیویوں کو اس سے الگ کر دیا جائے گا اور اگر اس نے متعدد بیویوں سے یکے بعد دیگرے ترتیب سے نکاح کیا ہے تو علی الترتیب پہلی چار سے نکاح صحیح ہوگا اور چار سے زائد بیویوں کو اس سے الگ کر دیا جائے گا۔

حافظ منذری فرماتے ہیں مذکور الصدر احادیث سے یہ معنی باطل ہو جاتا ہے کیونکہ ان احادیث کی رو سے یہ جائز ہے کہ جس کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں ہیں وہ ان میں سے کسی بھی چار بیویوں کو اختیار کرلے خواہ وہ پہلی ہوں یا پچھلی' اور جو ائمہ یہ کہتے ہیں کہ نہیں یہ دیکھنا ہوگا کہ جن کے ساتھ ماضی میں نکاح صحیح تھا وہ اسلام لانے کے بعد نکاح میں برقرار رہیں گی تو ان پر یہ لازم آئے گا کہ ماضی میں جو نکاح بغیر گواہ اور ولی کی اجازت کے بغیر کئے گئے ہوں وہ بھی اسلام لانے کے بعد صحیح نہ ہوں اور نہ وہ نکاح صحیح ہوں جو پہلے خاوند کی عدت میں کئے گئے اور اگر یہ نکاح اس لئے صحیح قرار دیئے جائیں کہ یہ جاہلیت کے نکاح تھے اور اسلام لانے کے بعد وہ معاف ہو گئے ہیں تو اسی طرح متعدد ازواج کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے اور تقدیم اور تاخیر سے اس میں کوئی فرق نہیں پڑنا چاہئے اور اس پر یہ اعتراض نہیں ہوگا کہ اگر کسی نے جاہلیت میں اپنی ماں یا بہن سے نکاح کرلیا تو وہ بھی اسلام لانے کے بعد صحیح ہونا چاہئے کیونکہ ماں یا بہن ذوات میں سے ہیں وہ ہر حال میں ماں اور بہن ہی رہیں گی اس کے برخلاف کسی بیوی کا مقدم یا موخر ہونا اوصاف میں سے ہے۔

(مختصر سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۱۵۷۔ ۱۵۵' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

ہاں امام اعظم کے مذہب پر اس حدیث کا جواب مشکل ہے کیونکہ ابن ہبیرہ نے یہ نقل کیا ہے کہ جو شخص مسلمان ہوا اور اس کے نکاح میں چار سے زیادہ عورتیں تھیں تو امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ اگر ان سب سے بہ یک وقت نکاح کیا ہے تو یہ نکاح باطل ہے اور اگر یکے بعد دیگرے نکاح کیا ہے تو پہلی چار کے ساتھ نکاح صحیح ہوگا اور باقی کے ساتھ نکاح باطل ہوگا' اور ائمہ ثلاثہ نے حدیث کے مطابق یہ کہا ہے کہ اسلام لانے کے بعد اس کو اختیار ہوگا وہ ان میں سے جن چار کو چاہے اپنے نکاح میں رکھ لے اور باقی کو چھوڑ دے۔ (روح المعانی ج ۴ ص ۱۹۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

احادیث صحیحہ صریحہ کا اقوال ائمہ پر مقدم ہونا

اس مسئلہ میں بلکہ ہر مسئلہ میں ہمارا یہ موقف ہے کہ احادیث صحیحہ صریحہ ہر امام کے قول پر مقدم ہیں البتہ جس مسئلہ

ہیں دو حدیثیں ہوں کسی امام نے ایک حدیث پر عمل کیا اور دوسرے امام نے دوسری حدیث پر عمل کیا تو ہم اسی حدیث پر عمل کریں گے جس پر ہمارے امام نے عمل کیا ہے اور اس کی وجوہ ترجیح بیان کریں گے جیسا کہ عنقریب مہر کی مقدار میں انشاء اللہ واضح ہو جائے گا' اور جس مسئلہ میں بہ ظاہر قرآن اور حدیث کا تعارض ہو اور ہمارے امام نے قرآن پر عمل کیا ہو ہم اس حدیث کو قرآن مجید کے مطابق کر کے اس کی توجیہہ کریں گے اور جس مسئلہ میں ایک طرف حدیث ہو اور دوسری طرف محض رائے اور قیاس ہو تو اس صورت میں ہمارے نزدیک حدیث مقدم ہے اور رسول اللہ ﷺ کی صحیح اور صریح حدیث کو کسی امام کے قول اور اس کی رائے کی بناء پر ترک کرنا ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے' اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے اور زیر بحث صورت ایسی ہی ہے اس لئے صحیح یہی ہے کہ اسلام لانے سے پہلے جس شخص کے نکاح میں چار سے زیادہ بیویاں ہوں اور وہ شخص اور اس کی تمام بیویاں ایک ساتھ مسلمان ہو جائیں تو اس شخص کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ ان میں سے جن چار کو چاہے رکھ لے اور باقی کو چھوڑ دے' میں نے تقریباً" بیس اکیس سال پہلے تذکرۃ المحدثین میں اس کے خلاف لکھا تھا' اس سے میں اب رجوع کرتا ہوں۔

نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کا بیان

تعدد ازدواج کی بحث میں مستشرقین کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ نبی ﷺ نے گیارہ شادیاں کیں اور ان کے نزدیک زیادہ شادیاں کرنا زیادہ نفسانی خواہشوں پر مبنی ہے' نیز آپ نے تزویج کی زیادہ سے زیادہ حد چار بیویاں مقرر کی ہے پھر آپ کا یہ عمل خود آپ کے قول کے خلاف ہے۔

نبی ﷺ کی ازواج کی تفصیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے پچیس سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی وہ ایک بیوہ خاتون تھیں پچاس سال کی عمر تک آپ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔ پچیس سال بعد حضرت خدیجہ کی وفات ہوئی اس کے بعد آپ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ ہجرت سے دو سال پہلے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہو گیا تھا اور ہجرت کے ایک سال بعد ان کی رخصتی عمل میں آئی پھر واقعہ بدر کے دو سال بعد حضرت ام سلمہ سے نکاح ہوا' ہجرت کے دو سال بعد حضرت حفصہ سے نکاح ہوا پھر ۳ھ میں حضرت زینب بن جحش سے نکاح ہوا پھر ۵ھ میں حضرت جویریہ سے نکاح ہوا پھر ۶ھ میں حضرت ام حبیبہ سے نکاح ہوا۔ پھر ۷ھ میں حضرت صفیہ سے نکاح ہوا پھر میمونہ بنت الحارث پھر فاطمہ بنت سریح پھر زینب بنت خزیمہ پھر ہند بنت یزید پھر اسماء بنت النعمان پھر قتیلہ بنت الاشعث پھر شتاء بنت اسماء سے نکاح کیا۔ (سبل الھدیٰ والرشاد ج ۱۱ ص ۱۴۵)

ابو طاہر نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے پندرہ خواتین سے نکاح کیا' تیرہ ازواج کی رخصتی ہوئی اور آپ کے پاس گیارہ ازواج نکاح میں جمع ہو گئیں اور جس وقت آپ کا وصال ہوا اس وقت آپ کی نو ازواج تھیں۔

مشہور یہ ہے کہ گیارہ ازواج کی رخصتی ہوئی اور دو میں اختلاف ہے ان گیارہ ازواج میں سے چھ قرشیہ تھیں چار غیر قرشیہ اور ایک بنو اسرائیل میں سے تھیں۔

جو چھ ازواج قرشیہ تھیں ان کی تفصیل یہ ہے : حضرت خدیجہ' حضرت عائشہ' حضرت حفصہ' حضرت ام حبیبہ' حضرت ام سلمہ' حضرت سودہ بنت زمعہ' اور جو چار ازواج عربیہ غیر قرشیہ تھیں وہ یہ ہیں : حضرت زینب بنت جحش'

حضرت میمونہ بنت الحارث، حضرت زینب بنت خزیمہ، حضرت جویریہ بنت الحارث، اور ایک بنو اسرائیل میں سے ہیں حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب۔

تعدد ازواج کا آپ کی خصوصیت ہونا

اس تفصیل سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ نبی ﷺ کا متعدد ازواج سے نکاح کرنا کسی نفسانی خواہش کی وجہ سے نہیں تھا کیونکہ نفسانی خواہش کا غلبہ زیادہ سے زیادہ بیس سے پچاس سال کی عمر تک ہوتا ہے اور آپ نے پچیس سال کی عمر میں ایک بال بچوں والی بیوہ خاتون سے نکاح کیا اور جب تک وہ زندہ رہیں آپ نے پچاس سال کی عمر تک دوسرا نکاح نہیں کیا اگر تعدد ازواج کی وجہ حظ نفسانی ہوتا تو آپ جوانی میں کسی حسین، کم عمر اور کنواری لڑکی سے نکاح کرتے بلکہ ایسی متعدد لڑکیوں سے نکاح کرتے اور جب آپ نے ایسا نہیں کیا اور مکہ کی زندگی میں ترپین سال کی عمر تک آپ کے حرم میں صرف ایک زوجہ تھیں پہلے حضرت خدیجہ اور پھر حضرت سودہ رضی اللہ عنہما کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی مدینہ منورہ میں ہوئی تھی اور مدینہ منورہ میں ہی آپ کے حرم میں متعدد ازواج آئیں جن میں سے حضرت عائشہ کے علاوہ باقی تمام ازواج معمر، بیوہ یا مطلقہ خواتین تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ازواج کا تعدد کسی حظ نفسانی پر مبنی نہیں تھا بلکہ اس کی وجہ خانگی اور عائلی زندگی میں اسلام کے احکام کی روایت اور تبلیغ تھی اور زیادہ سے زیادہ خاندانوں کے ساتھ رشتہ قائم کرنا تھا تاکہ دین اسلام کی تبلیغ کے زیادہ مواقع میسر ہوں اور کئی مسلم خاندانوں کو رشتہ داری کا شرف عطا کرنا تھا اور کئی عیالدار خواتین سے نکاح کر کے سوتیلے بچوں کی پرورش اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا اسوہ اور نمونہ مہیا کرنا تھا نیز یہ بتلانا تھا کہ عام مسلمان تو دو بیویوں کے درمیان بھی عدل اور انصاف قائم نہیں کرپاتے تو سلام ہو ان کی سیرت کی عظمت پر جنہوں نے بہ یک وقت نو ازواج مطہرات کے درمیان عدل وانصاف کو قائم رکھا اور یہ کہ نبی ﷺ کا عمل ہر شعبہ میں آپ کے قول سے بڑھ کر ہوتا ہے آپ نے زیادہ سے زیادہ چار بیویوں میں عدل کرنے کا حکم دیا اور خود نو بیویوں میں عدل کر کے دکھایا اور اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ نبی ﷺ احکام شرعیہ پر عمل کرنے میں عام افراد امت کے مساوی نہیں ہیں بلکہ احکام شرعیہ کے ہر شعبہ میں آپ کی انفرادیت اور خصوصیت ہے، آپ کی نیند سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا آپ کے فضلات طیب وطاہر ہیں۔ نماز میں آپ قبلہ کی طرف منہ کرنے کے محتاج نہیں بلکہ قبلہ اپنے قبلہ ہونے میں آپ کی توجہ کا محتاج ہے، آپ کا نماز پڑھنا اس لئے ہے کہ آپ اپنے رب سے راضی ہوں، زکوٰۃ آپ پر فرض نہیں، صدقات آپ کے لائق نہیں بلکہ قیامت تک آپ کی آل کے بھی لائق نہیں۔ نکاح میں آپ کے لئے تعدد کی شرط نہیں، مہر مقرر کرنا آپ پر ضروری نہیں، ازواج میں باریوں کی تقسیم بھی آپ پر واجب نہیں، آپ کسی کو اپنے ترکہ کا وارث نہیں بناتے کیونکہ آپ زندہ ہیں اسی طرح آپ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج کا کسی اور سے نکاح کرنا جائز نہیں، سو جس طرح دیگر احکام شرعیہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا امتیاز قائم رکھا ہے نکاح میں تعدد ازدواج کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی تعدد ازدواج کی تفصیل وار حکمتیں

(ا) نبی ﷺ کی پہلی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ہیں آپ کے ساتھ نکاح سے پہلے حضرت خدیجہ عتیق بن عائذ کے نکاح میں تھیں ان سے ایک بیٹی ہند تھیں۔ اس کے بعد انہوں نے ابوہالہ مالک بن نباش کے ساتھ نکاح کیا اور ان سے ہند اور ہالہ نام کے دو بیٹے پیدا ہوئے (اسد الغابہ ج ۵ ص ۴۳۴) زمانہ جاہلیت میں حضرت خدیجہ کا لقب

طاہرہ تھا۔ نبی ﷺ مضاربت پر ان کے مال سے تجارت کرتے تھے۔ اپنے شوہر کی وفات کے بعد حضرت خدیجہ نبی ﷺ کی امانت اور دیانت سے متاثر ہوئیں۔ نبی ﷺ نے ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہ سے نکاح کیا اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی۔ ہجرت سے چار یا پانچ سال پہلے حضرت خدیجہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت خدیجہ سے رسول اللہ ﷺ کی چار صاحبزادیاں حضرت زینب' حضرت رقیہ' حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن پیدا ہوئیں۔ ان سب نے زمانہ اسلام پایا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہجرت کی اور ایک صاحب زادے حضرت قاسم پیدا ہوئے۔ ایک اور صاجزادہ حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کے ساتھ چوبیس یا پچیس سال تک زندہ رہیں اور ان کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔ حضرت خدیجہ سے آپ کا نکاح عام عادت اور فطرت کے مطابق ہوا اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور اس کی حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تمام اولاد امجاد حضرت خدیجہ سے ہی مقدر کر دی تھی۔

(۲) حضرت عائشہ بنت صدیق رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کی دوسری زوجہ ہیں۔ امام طبرانی اور احمد نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا فوت ہو گئیں تو حضرت عثمان بن مظعون کی بیوی خولہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئیں اور عرض کیا : یا رسول اللہ! آپ نکاح کیوں نہیں کر لیتے؟ آپ نے فرمایا کس سے؟ عرض کیا آپ چاہیں تو کنواری سے نکاح کر لیں اور چاہیں تو بیوہ سے کر لیں۔ کنواری عائشہ بنت ابی بکر ہیں اور بیوہ سودہ بنت زمعہ ہیں رضی اللہ عنہما۔ آپ نے فرمایا جاؤ ان دونوں سے میرا ذکر کرو۔ الحدیث۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۳۱) ہجرت سے دو سال پہلے حضرت عائشہ سے نکاح ہوا اس وقت حضرت عائشہ کی عمر چھ سال تھی اور ہجرت کے ایک سال بعد حضرت عائشہ کی رخصتی ہوئی (صحاح ستہ) نو سال رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہیں اور سترہ رمضان منگل کی شب ۵۸ ہجری میں آپ کا وصال ہو گیا۔ مدینہ طیبہ میں وفات ہوئی۔ بقیع میں مدفون ہوئیں۔ حضرت ابو ہریرہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عادت اور فطرت کے مطابق نکاح ہوا اور جب نکاح ہوا تو تعدد ازواج کا کوئی مسئلہ نہیں تھا اور ان کے ساتھ نکاح کرنے میں حکمت یہ تھی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو آپ کے سب سے زیادہ معتمد صحابی تھے ان کو رشتہ کی فضیلت عطا کرنی تھی کہ وہ آپ کے خسر ہو گئے۔ جس طرح حضرت عثمان اور حضرت علی کے ساتھ اپنی صاجزادیوں کا نکاح کر کے آپ نے ان کو دامادی کی فضیلت عطا فرمائی' اور کمسن اور کنواری لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے کا نمونہ قائم کرنا تھا اور یہ بتلانا تھا کہ دوست اور ایمانی بھائی حقیقی بھائی نہیں ہوتا اور اس کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے۔

(۳) آپ کی تیسری زوجہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا ہیں یہ بہت پہلے اسلام لا کر بیعت کر چکی تھیں۔ یہ آپ سے پہلے اپنے عمزاد سکران بن عمرو کے نکاح میں تھیں۔ وہ حضرت سودہ کے ساتھ مسلمان ہوئے تھے۔ ان دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی جب یہ دونوں مکہ میں آئے تو ان کے خاوند فوت ہو گئے۔ جب ان کی عدت پوری ہو گئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کو نکاح کا پیغام دیا پھر آپ نے نبوت کے آٹھویں یا دسویں سال ان سے نکاح کر لیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان کی رخصتی ہوئی تھی۔ حضرت عمر کی خلافت کے اخیر میں مدینہ میں ان کی وفات ہوئی۔ امام واقدی سے منقول ہے کہ حضرت معاویہ کی خلافت کے دوران چون (۵۴) ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔

ان سے نکاح کے وقت بھی تعدد ازواج کا مسئلہ نہیں تھا کیونکہ حضرت خدیجہ کی وفات ہو چکی تھی اور حضرت عائشہ کی ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی اور ان سے نکاح کرنے میں یہ حکمت تھی کہ یہ قریش اور اپنے اعزہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر حبشہ ہجرت کر گئی تھیں جب یہ حبشہ سے واپس آئیں تو ان کے خاوند فوت ہو گئے اب اگر یہ اپنے عزیزوں میں لوٹ جاتیں تو وہ ان پر اور زیادہ ظلم و ستم کرتے اور ان کے دین کو آزمائش میں ڈال دیتے۔ نبی ﷺ نے ان کے حال پر ترس کھا کر ان سے عقد کر کے ان کو اپنی حفاظت اور اپنی پناہ میں لے لیا اور انہیں ان کے اسلام اور ان کی ہجرت کی جزا دی۔ نیز اس میں آپ کی سیرت کا یہ نمونہ ہے کہ کسی بے سہارا بیوہ عورت سے نکاح کر کے اپنی حفاظت میں لے لینا آپ کی سنت اور آپ کی پاکیزہ سیرت ہے۔ ہجرت کے ایک سال بعد آپ کی دو بیویاں حضرت عائشہ اور حضرت سودہ آپ کے پاس جمع ہو گئیں اور اسی وقت تعدد ازواج کی ابتداء ہوئی اس وقت آپ کی عمر شریف ۵۴ سال تھی۔

(۴) آپ کی چوتھی زوجہ حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ یہ نبی ﷺ کے اعلان نبوت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئی تھیں۔ یہ پہلے حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ امام بخاری نے روایت کیا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے تھے بدر میں حاضر ہوئے اور مدینہ میں فوت ہو گئے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۵۱۲۲) ہجرت کے تیس ماہ بعد شعبان میں رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا۔ شعبان ۴۵ھ میں مدینہ منورہ میں آپ کی وفات ہوئی مروان بن الحکم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

ان سے نکاح کا سبب حضرت عمر کی دلداری تھا اور ان کو اپنے رشتہ کی فضیلت عطا کرنا تھا جیسا کہ ہم نے حضرت عائشہ کے سلسلہ میں بیان کیا ہے۔

(۵) آپ کی پانچویں زوجہ حضرت زینب بنت خزیمہ ہیں ان کا لقب ام المساکین تھا کیونکہ یہ بہت زیادہ صدقہ اور خیرات کرتی تھیں۔ یہ پہلے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں وہ جنگ احد میں شہید ہو گئے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ پہلے طفیل بن حارث کے نکاح میں تھیں۔ انہوں نے ان کو طلاق دے دی پھر ان کے بھائی عبیدہ بن الحارث نے ان سے نکاح کر لیا وہ جنگ بدر میں شہید ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے اکتیس ماہ بعد ان سے نکاح کیا تھا۔ یہ نکاح حضرت حفصہ سے نکاح کے بعد ہوا تھا۔ ابن اثیر نے ذکر کیا ہے کہ حضرت زینب رسول اللہ ﷺ کے پاس دو یا تین ماہ رہیں۔ اس کے بعد فوت ہو گئیں۔ حضرت زینب چونکہ دوسروں کا سہارا بنی تھیں اس لیے نبی ﷺ نے ان کے بیوہ ہونے کے بعد ان کو بے سہارا نہیں چھوڑا۔ ان سے نکاح کرنے کی حکمت یہ تھی کہ یہ بہت صدقہ و خیرات کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس نیکی کے صلہ میں ان کو شرف زوجیت بخشا۔

(۶) رسول اللہ ﷺ کی چھٹی زوجہ حضرت ام سلمہ عاتکہ بنت عامر رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کے پہلے شوہر ابو سلمہ بن عبدالاسد تھے۔ انہوں نے اور ان کے شوہر نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ان سے سلمہ، عمر، رقیہ اور زینب چار بچے پیدا ہوئے۔ حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ ۴ھ میں فوت ہو گئے۔ وہ غزوہ بدر اور احد میں شریک ہوئے تھے، وہ احد کی جنگ میں زخمی ہو گئے تھے، ہجرت کے ۳۵ ماہ بعد وہ فوت ہو گئے تھے، عدت پوری ہونے کے بعد شوال چار ہجری میں ان سے رسول اللہ ﷺ نے نکاح کر لیا۔

امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ جس مسلمان کو وہ

مصیبت پہنچے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے لئے مقدر کی اور وہ یہ دعا کرے ہم اللہ کے لئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ مجھ کو اس مصیبت میں اجر دے اور اس کے بعد مجھے اس سے اچھی چیز عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اس کو اس سے اچھی چیز عطا فرمائے گا۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۹۱۸) نیز امام مسلم نے روایت کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ نے فرمایا میں سوچتی تھی میرے لئے ابو سلمہ سے اچھا کون ہوگا؟ مجھے پہلے حضرت ابوبکر نے نکاح کا پیغام دیا میں نے انکار کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے نکاح کا پیغام دیا تو میں نے کہا مرحبا! اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو میرا شوہر بنا دیا۔ میں نے اپنے بچوں کا عذر پیش کیا تو آپ نے فرمایا اللہ تم کو ان سے مستغنی کردے گا۔ الحدیث۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۹۱۸)

یزید بن معاویہ کے دور حکومت میں ۶۱ھ یا ۶۲ھ میں چوراسی سال کی عمر گزار کر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔ امام طبرانی نے سند معتمد کے ساتھ روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج میں سے سب سے پہلے حضرت زینب بنت جحش کی وفات ہوئی اور سب سے آخر میں حضرت ام سلمہ کی وفات ہوئی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی یہ حکمت تھی کہ انہوں نے دعا کی تھی اے اللہ! مجھے ابو سلمہ سے بہتر شوہر عطا فرما۔ آپ کے ساتھ نکاح کرنے سے ان کی دعا کی قبولیت کا اثر ظاہر ہوا نیز بچوں والی بیوہ عورت سے نکاح کرنا اور اس کے بچوں کی پرورش کرنا آپ کی سنت اور آپ کا اسوہ قرار پایا۔

(۷) آپ کی ساتویں زوجہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی امیمہ کی بیٹی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تو آپ نے حضرت زینب بنت جحش سے ان کا نکاح کردیا۔ حضرت زید آزاد کردہ غلام تھے اور حضرت زینب آزاد اور بنو اسد کے معزز گھرانے سے تھیں اس وجہ سے ان میں ناچاقی رہتی تھی۔ حضرت زید رسول اللہ ﷺ سے ان کی شکایتیں کرتے تھے رسول اللہ ﷺ ان کو صبر وتحمل کی تلقین کرتے رہتے تھے حالانکہ رسول اللہ ﷺ کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کا نکاح آپ سے کردے گا لیکن آپ کو یہ پریشانی تھی کہ عرب منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا قرار دیتے ہیں اور بیٹے کی بیوی سے نکاح ممنوع ہے تو وہ اس نکاح کی وجہ سے آپ کی نبوت پر طعن کریں گے اور اس سے آپ کی تبلیغ پر اثر پڑے گا لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ نکاح ہو اور یہ معلوم ہوجائے کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا اور اس کی بیوی سے انقطاع نکاح کے بعد نکاح کرنا جائز ہے تاکہ مسلمانوں پر اس نکاح میں تنگی نہ ہو۔ بالآخر حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے تنگ آکر حضرت زینب کو طلاق دے دی اور عدت پوری ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے زوجنکھا نازل فرما کر آپ کا حضرت زینب سے خود نکاح کردیا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بغیر کسی عقد کے حضرت زینب آپ کی زوجہ ہوگئیں۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی :

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَی النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰکَهَا لِکَیْ لَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَکَانَ اَمْرُ اللّٰهِ

اور جب آپ اس شخص سے فرماتے تھے جس پر اللہ نے انعام فرمایا اور آپ نے (بھی) اس پر انعام فرمایا کہ اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رہنے دو اور اللہ سے ڈرو' اور آپ اپنے دل میں اس چیز (حضرت زینب سے نکاح) کو چھپاتے تھے جسے اللہ ظاہر فرمانے والا تھا اور آپ لوگوں (کے اس اعتراض کہ بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کرلیا) سے ڈرتے تھے اور اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ آپ

مَفْعُوْلًا۔ (الاحزاب: ۳۷)

اس سے ڈریں اور جب زید نے (ان کو طلاق دے کر) اپنی غرض پوری کر لی تو ہم نے (عدت کے بعد) آپ کا اس سے نکاح کر دیا تاکہ (اس کے بعد) مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ (طلاق دے کر) ان سے بے غرض ہو جائیں' اور اللہ کا حکم ضرور ہو کر رہتا ہے۔

۳ ہجری میں اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب کا رسول اللہ ﷺ سے نکاح کر دیا ایک قول ۴ ہجری کا ہے اور ایک قول ۵ ہجری کا ہے۔ اس وقت حضرت زینب کی عمر پینتیس سال تھی۔ حضرت زینب دیگر ازواج سے فخر سے کہتی تھیں کہ تمہارا رسول اللہ ﷺ سے نکاح تمہارے اہل نے کیا ہے اور میرا آپ سے نکاح اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔

امام طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت زینب بنت جحش کی وفات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دور خلافت میں ۲۰ھ میں ہوئی اور حضرت عمر نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اس وقت آپ کی عمر ترپن سال تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد ازواج مطہرات میں سب سے پہلے آپ کی وفات ہوئی تھی۔

حضرت زینب سے نکاح کرنے کی سب سے بڑی حکمت یہ تھی کہ آپ کی سیرت میں یہ نمونہ ہو کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا۔

(۸) رسول اللہ ﷺ کی آٹھویں زوجہ محترمہ حضرت جویریہ بنت الحارث ہیں آپ پہلے مسافع بن صفوان کے نکاح میں تھیں جو حالت کفر میں قتل کئے گئے تھے۔ ۶ھ غزوہ بنو المصطلق کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح کیا۔

امام احمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے بنو المصطلق کے قیدیوں کو تقسیم کیا تو حضرت جویریہ ثابت بن قیس بن شماس کے حصہ میں آئیں۔ (یہ غزوہ بنو المصطلق میں گرفتار کر کے باندی بنالی گئی تھیں) انہوں نے نو اواق چاندی (ایک اوقیہ ۴۰ درہم کا ہوتا ہے) پر ان کو مکاتب کر دیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا یا رسول اللہ! میں جویریہ بنت الحارث ہوں۔ حارث اپنی قوم کا سردار تھا آپ کو معلوم ہے مجھے باندی بنالیا گیا ہے۔ آپ میری مکاتبت کی رقم ادا کر کے مجھے آزاد کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا میں اس سے بہتر بات نہ بتاؤں۔ کہا ہاں! فرمایا میں تمہاری رقم ادا کر کے تم سے نکاح کر لوں۔ وہ راضی ہو گئیں۔ جب مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا کہ بنو المصطلق تو رسول اللہ ﷺ کے سسرال والے ہیں ہم ان کو کیسے غلام بنائے رکھیں تو سب مسلمانوں نے اپنے اپنے حصہ کے غلام آزاد کر دیئے اور بنو المصطلق کے سو (۱۰۰) نفوس آزاد کر دیئے گئے۔ حضرت عائشہ نے فرمایا میں نے کسی اور عورت کو نہیں دیکھا جو اپنی قوم کے لئے اتنی برکت والی ثابت ہوئی ہو۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۷)

حضرت ام المومنین جویریہ رضی اللہ عنہا ۷۰ سال کی عمر گزار کر ربیع الاول ۵۰ھ میں مدینہ میں فوت ہوئیں۔ مروان بن الحکم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت جویریہ سے نکاح کرنے کی حکمت یہ تھی کہ اس نکاح کی وجہ سے بنو المصطلق کے سو نفوس آزاد کر دیئے گئے اور آپ کی زندگی میں ایک باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرنے کا نمونہ حاصل ہوا۔

(۹) رسول اللہ ﷺ کی نویں زوجہ حضرت صفیہ بنت حیی بنت اخطب ہیں یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں

سے ہیں۔ ان کے والد بنو النضیر کے سردار تھے۔ ان کے پہلے خاوند قتل کر دیئے گئے تھے۔ فتح خیبر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کیا یہ سات ہجری کا واقعہ ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اول وقت میں صبح کی نماز پڑھی پھر آپ نے سوار ہو کر کہا اللہ اکبر! خیبر تباہ ہو گیا۔ ہم جب کسی قوم کے علاقہ پر حملہ آور ہوتے ہیں تو جن کو پہلے ڈرایا جا چکا ہے ان کی کیسی بری صبح ہوتی ہے۔ یہودی اپنی گلیوں سے نکلے اور کہنے لگے (سیدنا) محمد (ﷺ) لشکر کے ساتھ آئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ان پر غالب آگئے۔ ان کے جنگ جو مردوں کو قتل کر دیا گیا اور عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا گیا۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ مجھے قیدیوں میں سے ایک لڑکی دیجئے۔ آپ نے فرمایا ایک لڑکی لے لو تو انہوں نے حضرت صفیہ بنت حیی کو لے لیا پھر ایک شخص نے نبی ﷺ سے عرض کیا : اے اللہ کے نبی! آپ نے دحیہ کو حضرت صفیہ بنت حیی عطا کر دی جو قریظہ اور نضیر کی سردار ہیں وہ آپ کے سوا اور کسی کے لائق نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا صفیہ کو لاؤ۔ جب نبی ﷺ نے ان کو دیکھا تو آپ نے حضرت دحیہ سے (فتنہ فرو کرنے کے لئے) فرمایا قیدیوں میں سے اس کے سوا کوئی اور باندی لے لو۔ پھر نبی ﷺ نے حضرت صفیہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ ثابت نے حضرت انس سے پوچھا ان کا مہر کتنا تھا؟ حضرت انس نے کہا ان کو آزاد کرنا ہی ان کا مہر تھا۔ حضرت ام سلیم نے ان کا بناؤ سنگھار کر کے راستہ میں قیام کی ایک جگہ پر رات کو انہیں نبی ﷺ کے سامنے پیش کیا نبی ﷺ نے بہ طور عروس کے صبح کی' پھر آپ نے فرمایا جس کے پاس جو کھانے پینے کی چیز ہو لے آئے۔ پھر چمڑے کا دستر خوان بچھایا گیا کوئی کھجوریں لایا کوئی ستو کوئی گھی پھر اس کا ایک طعام بنایا گیا اور یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ولیمہ تھا۔ (صحیح بخاری : ۳۷۱' ۹۴۷' صحیح مسلم : ۱۳۵۶' سنن ابو داؤد : ۲۰۵۴' سنن ترمذی : ۱۱۱۵ فی نسخۃ ۱۱۱۸' سنن نسائی : ۳۳۴۲' سنن ابن ماجہ : ۱۹۵۷' مسند : ج ۳ ص ۱۰۲' تحفۃ الاشراف : ۲۹۱)

حضرت صفیہ رمضان المبارک ۵۰ یا ۵۲ میں فوت ہوئیں اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے میں یہ حکمت تھی کہ اگر وہ کسی اور کے حصہ میں آتیں تو فتنہ اور نزاع پیدا ہوتا کیونکہ وہ نبی زادی تھیں قریظہ اور نضیر کی سردار تھیں اس لئے رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی اور کے ساتھ نکاح پر صحابہ راضی نہ ہوتے نیز ان کے والد قریظہ کے ساتھ قتل کر دیئے گئے تھے اور ان کے شوہر جنگ خیبر میں مارے گئے تھے اس لئے ایسی شریف النسب خاتون جو دل شکستہ ہو چکی تھیں ان کی تالیف قلب اور ان کے اسلام کی یہی صورت تھی اور اس سے بنو اسرائیل کی تالیف قلب بھی ہوئی کہ ان کی معزز خاتون کو نبی ﷺ نے شرف زوجیت بخشا۔

(۱۰) رسول اللہ ﷺ کی دسویں زوجہ حضرت ام حبیبہ ہیں۔ ان کا نام رملہ بنت ابو سفیان ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے پہلے یہ عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ اس سے حبیبہ نام کی لڑکی پیدا ہوئی اسی وجہ سے ان کی کنیت ام حبیبہ ہے۔ عبید اللہ نے دوسری ہجرت ان کے ساتھ حبشہ کی طرف کی وہ وہاں نصرانی ہو کر مر گیا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اسلام پر قائم رہیں رسول اللہ ﷺ نے عمرو بن امیہ الضمری کو نجاشی کے پاس بھیجا اس نے آپ کا حضرت ام حبیبہ سے نکاح کر دیا۔ نجاشی نے رسول اللہ کی طرف سے چار سو دینار مہر رکھا۔

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے بکر بن حزم سے روایت کیا ہے کہ یہ نکاح ۷ھ میں ہوا تھا اور جس دن حضرت ام

حبیبہ مدینہ آئی تھیں اس وقت ان کی عمر تیس سال سے زیادہ تھی۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ۴۴ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وفات پاگئیں۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۱۰۰۔ ۹۹)

امام ابن جوزی نے زہری سے روایت کیا ہے کہ جب ابو سفیان بن حرب مدینہ میں صلح کی مدت دراز کرنے کی درخواست لے کر آیا' رسول اللہ ﷺ نے یہ درخواست منظور نہیں کی۔ وہ اپنی بیٹی ام حبیبہ سے ملنے گیا اور نبی ﷺ کے بستر پر بیٹھنے لگا تو حضرت ام حبیبہ نے بستر لپیٹ دیا۔ اس نے متعجب ہو کر پوچھا کیوں؟ حضرت ام حبیبہ نے فرمایا یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے اور تم ناپاک مشرک ہو۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۱۱ ص ۱۹۶۔ ۱۹۵)

اس نکاح میں حکمت یہ تھی کہ حضرت ام حبیبہ ہجرت کر کے حبشہ آئیں ان کا شوہر نصرانی ہو کر مر گیا اور یہ ہجرت اور اسلام پر قائم رہیں۔ ان کا باپ سخت دشمن اسلام تھا۔ اب حکمت اور انسانی ہمدردی کا تقاضا کیا تھا کہ اسلام کے لئے ایسی قربانی دینے والی خاتون کو شوہر کے مرنے کے بعد بے سہارا چھوڑ دیا جاتا جب کہ اس کا باپ اسلام کا کٹر دشمن تھا یا اسلام کی خاطر قربانی دینے والی اس خاتون کو صلہ دینے اور حوصلہ افزائی کرنے کے لئے نبی ﷺ اس سے نکاح کر لیتے نیز اس نکاح کی وجہ سے بنو امیہ کے ساتھ رشتہ قائم ہو گیا اور اسلام کی تبلیغ اور اس کی نشر و اشاعت کا ایک قوی ذریعہ پیدا ہو گیا۔

(۱۱) رسول اللہ ﷺ کی گیارہویں زوجہ حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کا نام پہلے برہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام بدل کر میمونہ رکھ دیا۔ ان کی بڑی بہن کا نام ام الفضل لبابہ کبریٰ تھا جو حضرت عباس کی بیوی تھیں اور چھوٹی بہن کا نام لبابہ صغریٰ تھا جو ولید بن مغیرہ کی بیوی اور حضرت خالد بن ولید کی ماں تھیں۔ حضرت میمونہ پہلے ابی رہم بن عبد العزیٰ کے نکاح میں تھیں وہ مر گیا تھا اور یہ بیوہ ہو چکی تھیں۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۴۱۲۔ ۴۱۱)

امام محمد بن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ روایت کرتے ہیں:

ابن شہاب زہری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے بعد اگلے سال ذوالقعدہ ۷ھ میں (فتح خیبر کے بعد) عمرہ کرنے کے لئے مکہ مکرمہ پہنچے وہاں جا کر آپ نے حضرت جعفر بن ابی طالب کو حضرت میمونہ کے پاس نکاح کا پیغام دے کر بھیجا۔ حضرت جعفر نے یہ پیغام پہنچایا تو حضرت میمونہ نے یہ معاملہ عباس بن عبد المطلب کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ان کا نکاح کر دیا۔ (الاستیعاب علی ہامش الاصابہ ج ۴ ص ۴۰۷۔ ۴۰۶)

حافظ ابن عبد البر' حافظ عسقلانی' امام محمد بن سعد اور علامہ زرقانی سب نے اس نکاح کا سال ۷ھ ہی لکھا ہے لیکن علامہ محمد بن یوسف صالحی شامی متوفی ۹۴۲ھ نے ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ نکاح محرم ۸ھ میں مقام سرف پر ہوا تھا۔ جب آپ عمرہ قضا کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۱۱ ص ۲۰۸)

امام ابن سعد نے بہ کثرت روایات سے یہ بیان کیا ہے کہ جس وقت یہ نکاح ہوا اس وقت آپ محرم تھے۔

حضرت میمونہ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ علامہ زرقانی نے امام ابن اسحاق کے حوالہ سے اس کو ترجیح دی ہے کہ آپ کی وفات ۶۳ھ میں ہوئی ہے۔ امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں معتمد سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ ج ۳ ص ۲۵۲)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی حکمت یہ تھی کہ قبیلہ بنو ہاشم کی مختلف شاخوں کے ساتھ آپ کی قرابت اور رشتہ داری ہو جائے اور اسلام کی تبلیغ اور نشر و اشاعت میں آسانی ہو۔

نبی ﷺ کے نکاحوں کی تاریخ اور ترتیب میں بہت اختلاف ہے میں نے سیرت کی مختلف کتابوں کے تتبع اور مطالعہ سے یہ ترتیب قائم کی ہے لیکن یہ حتمی نہیں ہے۔ میں نے ازواج مطہرات کی مختصر سوانح جو بیان کی اس کا ماخذ یہ کتابیں ہیں : الطبقات الکبریٰ' الاستیعاب' الاصابہ' شرح الزرقانی اور سبل الھدیٰ والرشاد۔

نبی ﷺ کا تعدد ازدواج کمال ضبط ہے یا حظ نفسانی کی بہتات؟

نبی ﷺ کے تعدد ازدواج کی بحث میں یہ نکتہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں۔ اسی طرح احادیث میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بھی سو بیویاں تھیں اور انبیاء علیہم السلام کو غیر معمولی قوت حاصل ہوتی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ رات اور دن کی ساعت واحدہ میں تمام ازواج کو مشرف فرماتے اور وہ گیارہ ازواج تھیں۔ قتادہ نے حضرت انس سے پوچھا کیا حضور اس کی طاقت رکھتے تھے؟ حضرت انس نے کہا ہم آپس میں یہ کہتے تھے کہ آپ کو تیس مردوں کی طاقت ہے۔ ایک اور سند سے قتادہ سے یہ روایت ہے کہ آپ کی نو ازواج تھیں۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث : ۲۶۸)

صحیح الاسماعیلی میں ہے کہ آپ کو چالیس مردوں کی طاقت تھی۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں :

امام ابو نعیم نے مجاہد سے حلیۃ الاولیاء میں روایت کیا ہے کہ آپ کو چالیس جنتی مردوں کی قوت دی گئی اور امام ترمذی نے جامع ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جنت میں مومن کو اتنی اتنی عورتوں سے جماع کی قوت دی جائے گی۔ عرض کیا گیا : یا رسول اللہ! کیا مومن کو اتنی قوت ہوگی؟ آپ نے فرمایا مومن کو سو مردوں کی طاقت ہوگی۔ یہ حدیث صحیح غریب ہے' اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت انس سے روایت کیا ہے جب ہم چالیس کو سو سے ضرب دیں تو حاصل ضرب چار ہزار کے برابر ہوگا اور ابن العربی نے لکھا ہے کہ آپ کو چار ہزار مردوں کی طاقت تھی پھر اس کے باوجود آپ کھانے پینے اور جماع کرنے میں کس قدر ضبط سے کام لیتے تھے!

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۲۱۷' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ ۱۳۴۸ھ)

سوچئے جن کو اللہ تعالیٰ نے چار ہزار مردوں کی قوت جماع عطا فرمائی تھی انہوں نے بہ یک وقت نکاح میں صرف نو ازواج کو جمع کیا وہ بھی مختلف تبلیغی وجوہات سے اور یہ تعدد ازواج بھی چون سال کی عمر سے شروع ہوا اور اکسٹھ باسٹھ سال کی عمر میں جاکر نو ازواج اکٹھی ہوئیں تو اتنی زیادہ جنسی طاقت رکھنے کے باوجود صرف عمر کے آخری حصہ میں نو ازواج کو جمع کرنا اپنے نفس پر کمال ضبط اور غایت اعتماد ہے یا حظ نفسانی کی بہتات!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور عورتوں کو ان کے مہر نحلہ (خوشی سے) ادا کرو۔

نحلہ کا معنی

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ بیویوں کے ساتھ عدل اور انصاف کرو اور عدل و انصاف میں ان کے حقوق کی ادائیگی بھی ہے اور حقوق کی ادائیگی میں ان کا مہر ادا کرنا بھی ہے اس لئے اس آیت میں فرمایا : اور عورتوں کو

ان کے مہر نحلہ (خوشی) سے ادا کرو۔ نحلہ کا معنی شریعت اور فریضہ بھی ہیں اور ہبہ اور عطیہ بھی ہیں۔ پہلی صورت میں اس آیت کا معنی ہے کہ عورتوں کو ان کے مہر ازروئے شریعت اور بہ طور فرض ادا کرو' یعنی اللہ تعالیٰ نے مہر کو ادا کرنا تم پر فرض کردیا ہے' کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عرب عورتوں سے بغیر مہر کے نکاح کرتے تھے' اور دوسری صورت میں اس آیت کا معنی ہے۔ عورتوں کو ان کے مہر ادا کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عورتوں کے لئے عطیہ ہے۔ نحل کا معنی کسی کام کو خوشی سے کرنا بھی ہے۔ اس صورت میں یہ معنی ہے کہ عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو اور اس کی ادائیگی میں دل تنگ نہ کرو۔

مہر کا مقرر کرنا صرف مذہب اسلام کی خصوصیت ہے

اسلام کے سوا دنیا کے کسی مذہب میں نکاح کے ساتھ مہر کو مقرر نہیں کیا گیا۔ مہر کا فائدہ یہ ہے کہ اگر خاوند عورت کو طلاق دے دے تو دوسری جگہ نکاح ہونے تک اس کے پاس کچھ رقم ہو جس سے وہ اپنی کفالت کر سکے یا گزر اوقات کا کوئی اور معاشی ذریعہ مقرر ہونے تک اس کے پاس اتنی رقم ہو جس سے وہ اپنی کفالت کر سکے۔ اسلام نے مردوں کو سخت تاکید کی ہے کہ وہ عورتوں کو ان کا مہر ادا کریں جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب آیات اور احادیث سے واضح کریں گے اور اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ تمام مذاہب میں عورتوں کے حقوق کا محافظ اور ضامن صرف مذہب اسلام ہے۔

مہر ادا کرنے کی تاکید اور مہر ادا نہ کرنے پر وعید

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا : وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامٰی۔ الآیہ' حضرت عائشہ نے فرمایا ایک یتیم لڑکی اپنے سرپرست کے زیر پرورش ہوتی تھی۔ وہ اس کے حسن اور اس کے مال کی وجہ سے اس کی طرف راغب ہوتا تھا اور اس جیسی لڑکیوں کے مہر سے کم مہر مقرر کر کے اس سے نکاح کرنا چاہتا تھا تو ان کو ان یتیم لڑکیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کر دیا گیا ماسوا اس کے کہ وہ ان کا پورا پورا مہر مقرر کریں' ورنہ وہ ان کے علاوہ دوسری عورتوں سے نکاح کرلیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا پھر لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی : ویستفتونک فی النساء قل اللہ یفتیکم فیہن۔ حضرت عائشہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتایا کہ جب یتیم لڑکی مالدار اور حسین ہو' اور اس کے ولی (سرپرست) اس کے ساتھ نکاح میں راغب ہوں اور اس کو پورا پورا مہر نہ دیں' اور جب اس کے مال اور اس کی شکل وصورت میں ان کو رغبت نہ ہو تو (ان دو صورتوں میں) کسی اور عورت سے نکاح کرلیں' اور جب وہ اس کے حسن اور مال میں رغبت کریں تو اس سے نکاح کرنا ان کے لئے صرف اس صورت میں جائز ہے جب وہ اس کو پورا پورا مہر ادا کریں اور اس کا حق نہ ماریں۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۲۷۶۳)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے کسی عورت کا مہر مقرر کیا اور اللہ کو علم ہے کہ اس کا ارادہ مہر ادا کرنے کا نہ تھا۔ اس شخص نے اس عورت کو دھوکا دے کر اس کی فرج کو حلال کرلیا' قیامت کے دن وہ اللہ سے زانی ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا اور جس شخص نے کسی شخص سے قرض لیا اور اللہ کو علم ہے کہ اس کا ارادہ اس قرض کو واپس کرنے کا نہ تھا' بہ خدا اس نے اس شخص کو دھوکا دیا اور باطل کے عوض اس

کے مال کو حلال کرلیا وہ قیامت کے دن اللہ سے چور ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا۔
(مسند احمد ج ۴ ص ۳۳۲، المعجم الکبیر، رقم الحدیث : ۷۳۰۱، اس حدیث کا ایک راوی مجہول ہے باقی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۸۴)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

میمون کردی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں : کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے کسی عورت سے شادی کی خواہ اس کا مہر کم ہو یا زیادہ اور اس کا ارادہ اس مہر کو ادا کرنے کا نہیں تھا۔ اس نے اس عورت کو دھوکا دیا اور اگر اس نے اس عورت کا حق ادا نہیں کیا تو وہ قیامت کے دن اللہ سے زانی ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا اور جس شخص نے کسی سے قرض لیا اور وہ صاحب مال کی رقم ادا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا اور اس نے اس کو دھوکا دے کر اس کا مال لیا اور اگر وہ اس کا قرض ادا کیے بغیر مرگیا تو وہ اللہ تعالیٰ سے چور ہونے کی حالت میں ملاقات کرے گا۔ (المعجم الصغیر، رقم الحدیث : ۱۱۱، المعجم الاوسط، رقم الحدیث : ۱۸۷۲)

اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۳۲)

رسول اللہ ﷺ کی ازواج کے مہر کا بیان

امام مسلم بن حجاج قشیری روایت کرتے ہیں :

ابوسلمہ بن عبدالرحمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کتنا مہر مقرر کرتے تھے، حضرت عائشہ نے فرمایا آپ کی ازواج کا مہر بارہ اوقیہ اور نش ہوتا تھا فرمایا تم جانتے ہو نش کیا ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا نصف اوقیہ (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے)۔ تو یہ پانچ سو درہم ہوگئے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج کا مہر تھا۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۴۲۶، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۸۸۶، سنن دارمی، رقم الحدیث : ۲۱۹۹، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۱۰۵، سنن النسائی، رقم الحدیث : ۳۳۴۷، مسند احمد ج ۶ ص ۹۴، جامع الاصول، رقم الحدیث : ۹۸۴۳)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ وہ پہلے عبید اللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں وہ حبشہ کی سرزمین میں فوت ہوگئے پھر نجاشی نے ان کا نکاح نبی ﷺ سے کردیا اور ان کا چار ہزار درہم مہر مقرر کیا اور ان کو شرجیل بن حسنہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیج دیا۔ (سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۱۰۷)

زہری بیان کرتے ہیں کہ نجاشی نے حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کا چار ہزار درہم پر رسول اللہ ﷺ سے نکاح کردیا اور رسول اللہ ﷺ کو یہ لکھ کر بھیجا تو آپ نے قبول فرمالیا۔ (سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۱۰۸)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے گھر کے سامان کے عوض نکاح کیا جس کی مالیت چالیس درہم تھی۔ (المعجم الاوسط، رقم الحدیث : ۲۰۹۷)

اس حدیث کی سند میں عطیہ عوفی ایک ضعیف راوی ہے لیکن اس کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۸۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے گھر کے سامان پر نکاح کیا جس کی مالیت دس درہم تھی۔ (المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۲۴۷، کشف الاستار عن زوائد البزار ۱۴۲۶، مسند ابو یعلیٰ، رقم الحدیث : ۳۳۲۷، ابو داؤد طیالسی، رقم الحدیث : ۲۰۲۲، المطالب العالیہ ج ۲ ص ۱۳۴)

اس حدیث کی سند میں حکم بن عطیہ ایک ضعیف راوی ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا یہ سچا راوی ہے لیکن اس کے اوہام ہیں اس حدیث کو امام طبرانی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔(المعجم الاوسط' رقم الحدیث : ۳۶۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کو آزاد کیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۰۸۶' صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۶۵' جامع ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۱۸' سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۰۵۴' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۵۸' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۳۴۲' ۳۳۴۳' سنن داری رقم الحدیث: ۲۲۴۲' مسند احمد ج ۳ ص ۹۹' ۱۶۵' ۱۷۰' ۱۸۱' ۲۰۲' ۲۳۹' ۲۴۲' ۲۸۰' ۲۹۱)

نوٹ : دس درہم ۶۱۸ء۳۰ گرام چاندی اور دو سو درہم ۶۱۲ء۳۶ گرام چاندی کے برابر ہے۔

رسول اللہ کی صاحبزادیوں کے مہر کا بیان

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

ابو العجفاء بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا سنو عورتوں کا مہر مقرر کرنے میں غلو نہ کرو کیونکہ اگر اس دنیا میں کوئی عزت ہوتی یا اللہ کے نزدیک اس میں تقویٰ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ لائق تھے کہ آپ مہر میں غلو کرتے اور میرے علم کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ یا اپنی کسی صاحبزادی کا بارہ اوقیہ سے زیادہ مہر مقرر نہیں کیا۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے اور بارہ اوقیہ ۴۸۰ درہم کے برابر ہیں۔ (حضرت عائشہ نے ۵۰۰ درہم کا ذکر کیا ہے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول گویا تقریباً" ہے۔ نیز حضرت ام حبیبہ کا مہر جو چار ہزار درہم تھا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر نہیں کیا تھا بلکہ نجاشی نے مقرر کیا تھا اس لئے ان حدیثوں میں تعارض نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ)

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۱۱۷' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۲۱۰۶' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۳۴۹' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث' ۱۸۸۷' سنن داری' رقم الحدیث : ۲۲۰۰' مسند احمد ج ۱ ص ۴۰' مصنف عبد الرزاق' رقم الحدیث : ۱۰۳۹۹' موارد الظمآن لزوائد ابن حبان' رقم الحدیث : ۱۲۰۷' المستدرک ج ۲ ص ۱۷۶' جامع الاصول' رقم الحدیث : ۹۸۲ ۴)

امام ابو یعلیٰ احمد بن علی موصلی متوفی ۳۰۷ھ روایت کرتے ہیں :

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے لوہے کی ایک زرہ عطا فرمائی تھی۔ آپ نے اس زرہ کے عوض میرا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر دیا اور فرمایا یہ زرہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس بھیج دو سو میں نے بھیج دی بہ خدا اس کی قیمت چار سو اور کچھ درہم تھی۔ (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۹۹' مسند احمد ج ۱ ص ۸۰)

(مجاہد کا حضرت علی سے سماع نہیں ہے۔ امام احمد نے جس شخص سے روایت کیا ہے اس کا حضرت علی سے سماع ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۸۳)

امام ابو داؤد اور امام نسائی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دخول سے پہلے حضرت علی کو زرہ حطمیہ دینے کا حکم دیا۔

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۱۲۵' سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۳۷۵) یہ حدیث صحیح ہے۔ مسانید میں اس زرہ کی قیمت کا ذکر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور آپ کی صاحب زادیوں کے مہر کا تفصیلی نقشہ

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر:			دیگر ازواج مطہرات کا مہر:		
۴۰۰۰ درہم	۱۲۴۴۷۲ گرام چاندی	۱۰۵۲ تولہ	۵۰۰ درہم	۱۵۰۹ گرام چاندی	۱۳۱.۵ تولہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر:		
۴۰ درہم	۱۲۲.۴۷۲ گرام چاندی	۱۰.۵ تولہ

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مہر:		
۱۰ درہم	۳۰.۶۱۸ گرام چاندی	۲.۶۲۵ تولہ

سیدہ فاطمہ زہراء کا مہر:		
۴۰۰ درہم	۱۲۲۴.۷۲ گرام چاندی	۱۰۵ تولہ

دیگر صاحبزادیوں کا مہر:		
۴۸۰ درہم	۱۴۶۹.۶۶۴ گرام چاندی	۱۲۶ تولہ

مہر کے ثبوت میں قرآن مجید کی آیات

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ (النساء : ۲۴)

تمہارے لئے وہ سب عورتیں حلال کی گئی ہیں جو ان محرمات کے علاوہ ہیں تم اپنے مال کے عوض ان کو طلب کرو در آں حالیکہ تم ان سے نکاح کرنے والے ہو نہ کہ ان سے زنا کرنے والے‘ پھر جن عورتوں سے (بذریعہ) نکاح تم فائدہ اٹھا چکے ہو تو ان کا مہر ان کو ادا کردو۔

وَاٰتُوا النِّسَاۗءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۭ (النساء : ۴)

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ (الاحزاب : ۵۰)

ہم جانتے ہیں ہم نے جو (مہر) مسلمانوں کی بیویوں کے متعلق ان پر فرض کیا ہے۔

مہر کے ثبوت میں احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے انصار کی ایک عورت سے نکاح کرلیا۔ نبی ﷺ نے ان سے پوچھا تم نے ان کا کتنا مہر مقرر کیا۔ انہوں نے کہا ایک گٹھلی کے برابر سونا آپ نے فرمایا ولیمہ کرو خواہ ایک بکری سے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث : ۵۱۶۷‘ ۵۱۵۵‘ صحیح مسلم‘ رقم الحدیث : ۱۴۲۷‘ سنن ترمذی‘ رقم الحدیث : ۱۰۹۶‘ سنن ابو داؤد‘ رقم الحدیث : ۲۱۰۹‘ سنن نسائی‘ رقم الحدیث : ۳۳۷۳‘ سنن ابن ماجہ‘ رقم الحدیث : ۱۹۰۷‘ موطا امام مالک‘ رقم الحدیث : ۱۱۵۷‘ مسند احمد‘ رقم الحدیث : ۱۳۳۶۹)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا : یا رسول اللہ! میں آپ کے پاس آئی ہوں اور میں نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کردیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا نظر اوپر اٹھائی پھر نظر نیچے کرلی‘ پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر جھکالیا۔ جب اس عورت نے یہ دیکھا کہ آپ نے اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا تو وہ بیٹھ گئی آپ کے اصحاب میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا : یا رسول اللہ! اگر آپ کو اس کی حاجت نہیں ہے تو پھر اس سے میرا نکاح کردیجئے۔ آپ نے اس سے فرمایا تمہارے پاس کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا نہیں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا : جاؤ اپنے گھر جاؤ شاید تمہیں کوئی چیز مل جائے وہ گیا پھر واپس آگیا۔ اس نے کہا بہ خدا مجھے کوئی چیز نہیں ملی۔ آپ نے فرمایا دیکھو خواہ لوہے کی ایک انگوٹھی ہو وہ گیا اور واپس آگیا اور اس نے کہا بہ خدا لوہے کی ایک انگوٹھی بھی نہیں ملی لیکن میرے پاس صرف یہ تہبند ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ تمہارے تہبند کا کیا کرے گی؟ اگر

تم اس کو پہنو گے تو اس کے پاس کچھ نہیں ہو گا اور اگر وہ اس کو پہنے گی تو تمہارے پاس کچھ نہیں ہو گا' وہ شخص بیٹھ گیا جب کافی دیر ہو گئی اور رسول اللہ نے اس کو واپس جاتے ہوئے دیکھا تو آپ نے اس کو بلانے کا حکم دیا۔ جب وہ آیا تو آپ نے فرمایا تمہیں کچھ قرآن یاد ہے؟ اس نے گن کر بتایا کہ اس کو فلاں فلاں سورت یاد ہے۔ آپ نے فرمایا تم ان سورتوں کو زبانی پڑھتے ہو؟ اس نے کہا ہاں' آپ نے فرمایا جاؤ تمہیں جو قرآن یاد ہے اس کے سبب سے میں نے یہ عورت تمہاری ملک میں دے دی۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۵۰۸۷' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۴۲۵' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۱۱۱' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۱۱۶' سنن النسائی' رقم الحدیث: ۳۲۰۰' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۱۸۸۹' موطا امام مالک' رقم الحدیث: ۱۱۱۸' مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۶' ۳۳۰' سنن دارمی' رقم الحدیث: ۲۲۰۱)

مہر کی مقدار کے متعلق فقہاء حنبلیہ کا مذہب

علامہ موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

مہر کی مقدار مقرر نہیں ہے نہ کم از کم نہ زیادہ سے زیادہ' بلکہ ہر وہ چیز جس میں مال بننے کی صلاحیت ہو وہ مہر ہو سکتی ہے۔ امام شافعی اور داؤد (ظاہری) کا بھی یہی مسلک ہے۔ سعید بن مسیب نے اپنی بیٹی کا مہر دو درہم رکھا اور کہا اگر اس کا مہر ایک رسی بھی ہوتی تو یہ جائز تھا۔ امام مالک اور امام ابو حنیفہ نے کہا مہر کی کم از کم مقدار مقرر ہے اور یہ وہ مقدار ہے جس کے عوض چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے' نیز مہر کے عوض عورت کا ایک عضو حلال ہو جاتا ہے تو اس کی وہ مقدار مقرر کی جائے گی جس کے عوض چور کا ایک عضو کاٹ دیا جاتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے مہر کے متعلق فرمایا: تلاش کرو خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو' اور سنن ابو داؤد اور ترمذی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے پوچھا: کیا تو اپنے نفس اور مال کے عوض دو جوتیوں پر راضی ہو گئی ہے؟ اس عورت نے کہا ہاں! (سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۱۱۵' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۲۱۰۴' یہ حدیث عاصم بن عبید اللہ کی وجہ سے ضعیف ہے)

امام احمد حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ایک شخص کسی عورت کا مٹھی بھر طعام مہر رکھے تو وہ عورت اس کے لئے حلال ہو گی۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۵۵) نیز اثرم نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک مٹھی بھر طعام پر نکاح کر لیتے تھے۔ (اس کی سند میں یعقوب بن عطا ایک ضعیف راوی ہے) نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "ان (محرمات) کے سوا عورتیں تم پر حلال کر دی گئی ہیں تم اپنے مال کے عوض ان کو طلب کرو" (النساء: ۲۴) اور مال عام ہے وہ قلیل اور کثیر دونوں کو شامل ہے' اور چونکہ مہر بدل منفعت ہے اس لئے جس مقدار پر دونوں فریق راضی ہو جائیں وہ جائز ہے جس طرح اجرت ہے' اور امام ابو حنیفہ اور امام مالک نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ "دس درہم سے کم مہر صحیح نہیں ہے" وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کو میسرہ بن عبید نے حجاج بن ارطاۃ سے روایت کیا ہے' میسرہ ضعیف ہے اور حجاج مدلس ہے' نیز یہ حدیث حضرت جابر سے روایت کی گئی ہے اور ہم حضرت جابر سے اس کے خلاف حدیث بیان کر چکے ہیں' اور بر تقدیر صحت وہ حدیث کسی معین عورت کے معاملہ پر محمول ہے اور چور کے ہاتھ کاٹنے پر ان کا قیاس صحیح نہیں ہے کیونکہ نکاح میں ایک عضو سے نفع حاصل کرنے کی اباحت ہے اور ہاتھ کاٹنے میں ایک عضو کو ضائع کرنا ہے اس سے نفع حاصل کرنے کی اباحت نہیں ہے نیز یہ سزا اور حد ہے' اور اس پر اجماع ہے کہ مہر میں زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ — اور اگر تم ایک بیوی کو چھوڑ کر اس کی جگہ دوسری بیوی سے نکاح

اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ کرنا چاہو اور ان میں سے ایک کو تم بہت مال دے چکے ہو تو اس مال سے کچھ واپس نہ لو۔ (النساء: ۲۰)

(المغنی ج ۷ ص ۱۶۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

مہر کی مقدار کے متعلق فقہاء شافعیہ کا مذہب

علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

مہر کی کم از کم مقدار میں اختلاف ہے امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ مقرر نہیں ہے اور ہر وہ چیز جو قیمت اور اجرت ہو سکتی ہے وہ مہر ہو سکتی ہے خواہ کم ہو یا زیادہ، صحابہ میں سے حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عبداللہ بن عباس کا یہی مذہب ہے، حتیٰ کہ حضرت عمر نے تین مٹھی انگوروں کو مہر فرمایا (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۴۰) اور تابعین میں سے حسن بصری اور سعید بن مسیب کا یہی مذہب ہے حتیٰ کہ سعید بن مسیب نے اپنی بیٹی کا دو درہم مہر رکھا (سنن سعید بن منصور: ۶۲۰) اور فقہا میں سے ربیعہ، اوزاعی، ثوری، احمد اور اسحاق کا یہی مذہب ہے۔

امام مالک کے نزدیک کم از کم مہر کی مقدار وہ ہے جو چور کے ہاتھ کاٹنے کا نصاب ہے اور وہ چوتھائی دینار یا تین درہم ہیں، امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی کم از کم مقدار ایک دینار یا دس درہم ہے۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "تم اپنے مال کے عوض ان کو طلب کرو" (النساء: ۲۴) اور کم تر چیزوں مثلاً دمڑی اور قیراط پر مال کا اطلاق نہیں کیا جاتا، اور حدیث میں ہے از حجاج بن ارطاۃ از عطا از عمرو بن دینار از جابر بن عبداللہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کفو کے سوا عورتوں کا نکاح نہ کرو، اور سوائے ولی کے اور کوئی نکاح نہ کرے اور دس درہم سے کم مہر نہ رکھا جائے (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۱۳۳) اور یہ نص ہے، اور یہ ایک مال ہے جس کے عوض ایک عضو کو مباح کیا جاتا ہے اس لئے اس کو مقرر ہونا چاہئے، جیسا کہ ہاتھ کاٹنے کے لئے چوری کا نصاب ہے، نیز نکاح میں یہ ایک معین چیز کا عوض ہے اس لئے اس کو مقرر ہونا چاہئے اور حقوق عقد میں معین چیز مقرر ہوتی ہے جیسے گواہوں کی مقدار مقرر ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ ۔ اور اگر تم نے عورتوں کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی در آں حالیکہ تم ان کے لئے مہر مقرر کر چکے تھے تو جو مہر مقرر کیا گیا تھا اس کا نصف ادا کرنا واجب ہے۔ (البقرہ: ۲۳۷)

اس آیت میں لفظ "ما" ہے جو قلیل اور کثیر دونوں پر صادق آتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ قلیل اور کثیر دونوں مہر ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ حسب ذیل احادیث دلیل ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علائق کو ادا کرو، صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ علائق کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ چیز جس پر دونوں فریق راضی ہو جائیں (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۳۹، یہ حدیث منقطع اور ضعیف ہے) اس سے وجہ استدلال یہ ہے کہ لفظ "ما" (وہ چیز) عام ہے خواہ دونوں فریق قلیل پر راضی ہوں یا کثیر پر۔

امام شافعی نے کتاب الام میں کہا ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے دو درہموں سے حلال کیا

اس نے حلال کرلیا۔ (الام ج ۵ ص ۹۵ ‘سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۳۸ ‘یہ حدیث بھی بلاغات سے ہے اور منقطع ہے)

ابو ہارون العبدی از ابو سعید خدری ‘نبی ﷺ نے فرمایا : اس شخص پر کوئی حرج نہیں ہے جس نے کسی عورت کا مہر مقرر کیا خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر جب کہ گواہ ہوں اور فریقین راضی ہوں۔ (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۳۹ ‘اس کی سند میں ہارون العبدی ہے جس سے استدلال نہیں کیا جاتا)

عامر بن ربیعہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے دو جوتیوں کے عوض نکاح کرلیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس عورت سے پوچھا کیا تم اپنے نفس اور اپنے مال پر ان دو جوتیوں سے راضی ہوگئی ہو ‘اس نے کہا : ہاں! (امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے سنن ترمذی ‘رقم الحدیث : ۱۱۱۵ ‘سنن ابن ماجہ ‘رقم الحدیث : ۱۸۸۸ ‘سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۳۹ ‘مسند احمد ج ۳ ص ۴۴۵ ‘اس حدیث کی سند میں عاصم بن عبداللہ ہے وہ ضعیف اور منکر الحدیث ہے)

ابو حازم نے حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا جس نے اس عورت کو نکاح کا پیغام دیا تھا جس نے اپنا نفس آپ کو ہبہ کردیا تھا ‘تلاش کرو خواہ ایک لوہے کی انگوٹھی ہو۔ (صحیح البخاری ‘رقم الحدیث : ۵۰۸۷) اور لوہے کی انگوٹھی قیمتی جواہر میں سے نہیں ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دس درہم سے کم مہر ہوسکتا ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ انگوٹھی کسی خاص لوہے کی ہو جو دس درہم کی ہو اسی طرح وہ جوتیاں بھی دس درہم کی ہوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث کے اسلوب کے مخالف ہے کیونکہ آپ نے فرمایا خواہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہو اس کا تقاضا ہے کہ وہ کوئی بے قیمت چیز ہو ورنہ آپ اس کے بجائے دس درہم فرماتے تو وہ زیادہ سہل تھا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کوئی شخص کسی عورت کو دو مٹھی طعام مہر دے تو وہ عورت اس پر حلال ہوجائے گی۔ (سنن ابو داؤد ‘رقم الحدیث : ۲۱۱۰ ‘سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۳۸ ‘اس حدیث کی سند میں ابو الزبیر ہے وہ حضرت جابر کی روایت میں تدلیس کرتا تھا اور صالح بن مسلم ہے اس کو ابن معین نے کہا کہ یہ ضعیف ہے)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم ایک مٹھی یا دو مٹھی آٹے پر رسول اللہ ﷺ کے عہد میں نکاح کرلیا کرتے تھے۔ (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۴۰ ‘اس حدیث کی سند میں یعقوب بن عطاء ہے اس کو امام احمد اور یحییٰ بن معین نے ضعیف قرار دیا ہے۔)

ان احادیث میں دس درہم سے کم مہر ہونے کی تصریح ہے اور ان کی مخالفت جائز نہیں ہے۔ (ماسوا امام بخاری کی روایت کے باقی روایات کا ضعف ہم نے بیان کردیا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

اور قیاس سے دلیل یہ ہے کہ یہ ایک منفعت کا عوض ہے اور اس میں کم از کم مقدار معین نہیں ہوتی جس طرح اجارہ (اجرت) میں ہوتا ہے ‘نیز خلع بھی اسی چیز کا بدل ہے اور اس میں بھی کم از کم مقدار متعین نہیں ہے ‘لہٰذا مہر کی کم از کم مقدار کا متعین ہونا صحیح نہیں ہے۔ البتہ جزیہ میں کم از کم مقدار معین ہے لیکن وہ کسی منفعت کا عوض نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہ نے آیت سے جو استدلال کیا ہے اور دس درہم سے کم کو مال نہیں مانا یہ صحیح نہیں ہے اول تو اس آیت کا ظاہری معنی متروک ہے کیونکہ اگر کوئی شخص مہر کا ذکر کیے بغیر نکاح کرے تو یہ نکاح صحیح ہے ‘ثانیا" اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے فلاں کا مال دینا ہے پھر کہے میں نے اس کا ایک درہم دینا ہے یا نصف درہم دینا ہے تو اس کا یہ قول صحیح ہے ‘اس

سے معلوم ہوا کہ دس درہم سے کم پر بھی مال کا اطلاق کیا جاتا ہے۔

احناف نے حضرت جابر کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کی سند میں مبشر بن عبید ضعیف ہے اور حجاج بن ارطاۃ مدلس ہے علاوہ ازیں حضرت جابر کی دیگر روایات اس کے معارض ہیں' اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے یہ حدیث کسی خاص عورت کے معاملہ میں ہو جس کا مہر مثل دس درہم ہو۔

فقہاء احناف نے چور کا ہاتھ کاٹنے پر مہر کو قیاس کیا ہے یہ قیاس صحیح نہیں ہے' کیونکہ چوری میں اس عضو سے فائدہ نہیں اٹھایا جاتا بلکہ اس کو کاٹ دیا جاتا ہے' ثانیاً" اگر مال کے بدلہ میں اس کا ہاتھ کاٹا جاتا تو پھر چور سے مال واپس نہ لیا جاتا حالانکہ اگر اس سے مال برآمد ہو تو اس سے واپس لیا جاتا ہے اور مالک کو دیا جاتا ہے۔ ثالثاً" اس سے معلوم ہوا کہ چور کا ہاتھ کاٹنا اس مال کے عوض نہیں ہے بلکہ اللہ کی حد توڑنے کی سزا ہے۔ رابعاً" مہر کے ذریعہ عورت کا صرف ایک عضو مباح نہیں ہوتا بلکہ اس کے سارے بدن سے فائدہ حاصل کرنا مباح ہوتا ہے۔ خامساً" یہ کہ چوری میں ہاتھ کاٹنا ایک سزا ہے اس لئے اس کا نصاب مقرر ہونا چاہئے جیسا کہ باقی جنایات میں ہے اس کے برخلاف مہر باہمی رضامندی سے ایک عقد کا عوض ہے اس لئے جس طرح باقی عقود میں کوئی مقدار شرعاً" معین نہیں ہے اس میں بھی نہیں ہوگی۔ اسی طرح ان کا شہادت پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ شہادت عقد کی شرائط میں سے ہے اور مہر عقد کا عوض ہے۔

(الحاوی الکبیر ج ۱۲ ص ۱۶ - ۱۱ ملخصا)

مہر کی مقدار میں غیر مقلدین اور علمائے شیعہ کا نظریہ

غیر مقلدین کا بھی یہی نظریہ ہے شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں نکاح میں کسی قسم کے مال یا منفعت کو مہر مقرر کیا جاسکتا ہے ان کا استدلال بھی لوہے کی انگوٹھی والی حدیث سے ہے۔ (السیل الجرار ج ۲ ص ۲۷۷) حافظ عبداللہ روپڑی لکھتے ہیں : اور مہر حسب حیثیت باندھنا چاہئے جو ادا ہو سکے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۴۷۱) علماء شیعہ کے نزدیک نکاح دائم میں مہر کا معین کرنا لازم نہیں اور نکاح عارضی میں مہر معین کرنا لازم ہے لیکن مقدار معین نہیں۔

(شرائع الاسلام ج ۲ ص ۲۴۹)

مہر کی مقدار میں فقہاء مالکیہ کا نظریہ

امام ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی اندلسی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں :

امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ دس درہم سے کم مہر جائز نہیں ہے' انہوں نے چور کے ہاتھ کاٹنے کے نصاب پر قیاس کیا ہے' اسی طرح امام مالک نے بھی چور کے ہاتھ کاٹنے کے نصاب پر قیاس کیا ہے جو ان کے نزدیک مقرر ہے مدینہ میں امام مالک سے پہلے کسی کا یہ قول نہیں تھا۔ نیز امام مالک نے اس آیت سے استدلال کیا ہے :

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ (النساء : ۲۵)

اور تم میں سے جو شخص آزاد کنواری مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی مالی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ مسلمانوں کی مملوکہ مسلمان باندیوں سے نکاح کرے۔

اور اس آیت میں طاقت سے مراد مالی طاقت ہے اور یہ بات واضح ہے کہ ایک پیسہ' ایک دمڑی یا مٹھی بھر جو ہر شخص کی استطاعت میں ہوتے ہیں تو اگر مہر کی مقدار ایک پیسہ ایک مٹھی جو بھی جائز ہوتی تو پھر ہر شخص کے پاس نکاح کرنے کی

مالی طاقت ہوتی اور اس آیت کا کوئی معنی نہ ہوتا اور یہ ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک تین درہم سے کم پر مال کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ اس لئے واجب ہے کہ تین درہم سے کم مہر جائز نہ ہو لیکن امام ابن عبدالبر نے اس استدلال پر یہ اعتراض کیا ہے کہ آزاد اور باندی کے کم از کم مہر کی مقدار میں مالکیہ کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ہے اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اگر مسلمان آزاد عورت سے نکاح کی طاقت نہ ہو تو پھر مسلمان باندی سے نکاح کرلو اور جب کہ باندی کا بھی مہر ان کے نزدیک کم از کم تین درہم ہے تو پھر مالی طاقت اس سے زیادہ مراد لینی ہوگی۔ (الاستذکار ج ۱۶ ص ۷۲-۷۱ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

علامہ شمس الدین شیخ محمد عرفہ دسوقی مالکی متوفی ۱۲۱۹ھ لکھتے ہیں:

مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ مہر کی کم از کم مقدار چوتھائی دینار یا خالص چاندی کے تین درہم ہیں یا جو اس کے مساوی ساز و سامان ہے اور زیادہ سے زیادہ مہر کی کوئی حد نہیں ہے اور قول مشہور کے مقابلہ میں ابن وہب مالکی سے ایک درہم منقول ہے اور ابن وہب سے یہ بھی منقول ہے کہ کم از کم مہر کی کوئی حد نہیں ہے اور نکاح قلیل اور کثیر دونوں کے ساتھ جائز ہے۔ (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ۲ ص ۳۰۲ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

مہر کی مقدار میں فقہاء احناف کا مذہب

علامہ شمس الدین محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو عورتوں کے نکاح صرف ان کے اولیاء (سرپرست) کریں اور ان کا نکاح صرف ان کے کفو (خاندان) میں کیا جائے اور کوئی مہر دس درہم سے کم نہ رکھا جائے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ دس درہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے اور دس درہم سے کم مہر نہ رکھا جائے اور کتاب میں ہے کہ ہمیں حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت عائشہ، عامر اور ابراہیم رضی اللہ عنہم اجمعین سے یہ حدیث پہنچی ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک عقد کا بدل ہے اور یہ عقد عاقدین کی طرف مفوض نہیں ہے اس لئے اس کی مقدار شرعاً مقرر ہے جیسے دیت میں ہے اور عورت کے عضو سے استفادہ شرعاً ممنوع ہے جب تک کہ نکاح صحیح نہ ہو اور اس عضو کا عوض واجب نہ ہو خواہ فوراً یا بعد میں، اور یہ مقصود اصل مالیت کے بغیر حاصل نہیں ہوگا اور مال کا لفظ حقیر اور خطیر دونوں کو شامل ہے۔ اور یہ مقصود تب پورا ہوگا جب خطیر رقم کو عوض قرار دیا جائے اور وہ مال مقرر ہو۔ قرآن مجید کی اس آیت میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے:

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ۔ (الاحزاب: ۵۰) — ہم جانتے ہیں جو ہم نے مسلمانوں پر ان کی بیویوں کے متعلق مقرر فرمایا ہے۔

اور عورت کا عضو مخصوص بھی اس کے نفس کے حکم میں ہے اور عمل تزویج نفس کی چسپدگی کا سبب ہے، اور مال ہی وہ چیز ہے جو نفس میں شرعاً بہ طور بدل مقرر ہوتا ہے، جیسا کہ دیت ہے، اور ہر وہ مال جس کو شرع نے واجب کیا ہو اس کی مقدار بیان کی جاتی ہے جیسا کہ زکوٰۃ میں ہے، اور اس آیت میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے اسی طرح چوری کا نصاب بھی بالاتفاق مقرر ہے کیونکہ اس میں بھی ایک عضو کو مباح کیا جاتا ہے اسی طرح مہر کی مقدار بھی شرعاً مقرر ہونی چاہئے۔ امام شافعی نے جو احادیث اور آثار بیان کئے ہیں جن میں دس درہم سے کم چیز کو مہر قرار دیا گیا ہے۔ اس سے مراد مہر معجل ہے اور باقی مہر شوہر کے ذمہ ثابت تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ تلاش کرو حالانکہ مہر فوراً دینا

واجب نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان احادیث میں مہر سے مراد مہر معجل ہے اور ہمارے نزدیک مہر معجل کی مقدار شرعاً معین نہیں ہے۔ (المبسوط ج ۵ ص ۸۱ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت ۱۳۹۸ھ)

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنو! عورتوں کا نکاح صرف ان کے سرپرست کریں اور ان کا نکاح صرف ان کے کفو میں کیا جائے اور کوئی مہر دس درہم سے کم نہ رکھا جائے۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۴۵ سنن کبریٰ ج ۷ ص ۱۳۳) اور جن احادیث میں دس درہم سے کم مہر کا ذکر ہے وہ تمام احادیث مہر معجل پر محمول ہیں تاکہ احادیث میں تطبیق ہو کیونکہ عرب کی عادت تھی کہ وہ مہر کا کچھ حصہ دخول سے پہلے دیا کرتے تھے حتیٰ کہ فقہاء تابعین نے یہ کہا ہے کہ جب تک عورت کو کوئی چیز پہلے نہ دے دے اس وقت تک دخول نہ کرے۔ یہ حضرت ابن عباس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم زہری' قتادہ سے منقول ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ کچھ دینے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو دخول سے منع فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی اور حضرت علی نے ان کے ساتھ دخول کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو منع فرمایا حتیٰ کہ وہ ان کو کوئی چیز دے دیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا ان کو اپنی زرہ دے دو' تو آپ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زرہ دے دی پھر ان کے ساتھ دخول کیا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۲۶' ۲۱۲۵' اس کی سند جید ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں) یہ سنن ابو داؤد کی عبارت ہے اور اس کو امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ (سنن نسائی: ۳۳۷۵' اس کی سند صحیح ہے) اور یہ معلوم ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو درہم چاندی تھا' پسندیدہ امر یہ ہے کہ دخول سے پہلے کچھ دے دیا جائے اور بغیر دیئے بھی دخول جائز ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ میں ایک عورت کو اس کے خاوند کے کچھ دینے سے پہلے اس کے پاس بھیج دوں۔ (سنن ابوداؤد: ۲۱۲۸' سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۵۳' یہ حدیث قوی مرسل ہے) اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو دخول سے پہلے کچھ دینا مستحب ہے' واجب نہیں ہے تاکہ عورت کا دل دخول کے وقت خوش ہو اور اس کی تالیف قلب ہو اور جب یہ امر معروف ہے تو دس درہم سے کم مہر کی جو احادیث ہیں وہ مہر معجل پر ہی محمول ہیں تاکہ احادیث میں تطبیق ہو۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو لوہے کی ایک انگوٹھی ڈھونڈنے کا حکم دیا تھا وہ بھی تالیف قلب کے لئے بہ طور مہر معجل تھا اور جب وہ اس سے بھی عاجز رہا تھا تو آپ نے فرمایا اس کو بیس آیتوں کی تعلیم دو یہ تمہاری بیوی ہے (سنن ابوداؤد: ۲۱۱۲) اور یہ حدیث اس کا صحیح محمل ہے جس میں آپ نے فرمایا تم کو جو قرآن یاد ہے اس کے سبب سے میں نے تمہارا اس کے ساتھ نکاح کر دیا۔ (صحیح البخاری: ۲۳۱۰' صحیح مسلم: ۱۴۲۵' سنن ابو داؤد: ۲۱۱۱' سنن ترمذی: ۱۱۱۶' سنن نسائی: ۳۲۰۰' سنن ابن ماجہ: ۱۸۸۹) سو یہ ہماری روایت کردہ حدیث کے منافی نہیں ہے اور اس طریقہ سے احادیث جمع ہو جاتی ہیں' اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ان احادیث کو جمع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ حضرت جابر کی دس درہم والی روایت کی سند میں مبشر بن عبید اور حجاج بن ارطاۃ دو ضعیف راوی ہیں' تو ہم کہیں گے کہ اس حدیث کا ایک شاہد بھی ہے جو اس کو تقویت پہنچاتا ہے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: دس درہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے اور دس درہم سے کم مہر مقرر نہ کیا جائے۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۴۷' ۲۴۶' ۲۰۰' سنن کبریٰ ج ۷ ص ۲۴۱' ۲۴۰) یہ اثر

حضرت علی، حضرت عبد اللہ بن عمر، عامر اور ابراہیم سے مروی ہے (ہرچند کہ اس اثر کی اسانید میں محمد بن مروان اصغر، جو بیر اور غیاث بن ابراہیم داؤد الایدی ضعیف راوی ہیں لیکن تعدد طرق کی وجہ سے یہ اثر حسن لغیرہ ہے اور حدیث جابر کا موید ہے) شرح طحاوی میں اسی سند کے ساتھ یہ اثر حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور چونکہ اس اثر میں نصاب کا عدد معین بیان کیا گیا ہے اس لئے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے بغیر بیان نہیں کیا جاسکتا اس لئے یہ حدیث حکماً" مرفوع ہے۔ یہ اثر از اودی از شعبی از حضرت علی مروی ہے، اور داؤد کو امام ابن حبان نے ضعیف قرار دیا ہے اور حق یہ ہے کہ بہ اعتبار ظاہر کے بہ کثرت احادیث ہیں جو دس درہم کی تعیین کی نفی کرتی ہیں (یہ تمام وہ احادیث ہیں جن کو ہم نے علامہ ماوردی شافعی کی تحریر میں باحوالہ ذکر کردیا ہے) لیکن سوائے لوہے کی انگوٹھی والی حدیث کے باقی تمام احادیث ضعیف ہیں۔ (امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے دو جوتیوں والی حدیث روایت کی ہے اس کی سند میں عاصم بن عبید اللہ کو ابن معین نے ضعیف کہا ہے۔ امام ابن حبان نے کہا وہ فاحش الخطاء ہے، امام دار قطنی اور امام طبرانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ جس مقدار پر فریقین راضی ہو جائیں خواہ وہ پیلو کی شاخ ہو۔ اس کی سند میں محمد بن عبد الرحمان بیلمانی ہے، امام بخاری نے کہا یہ منکر الحدیث ہے، ابن القطان نے کہا اس کا ضعف ظاہر ہے۔ امام دار قطنی نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے کہ "گواہ ہونے کے بعد کوئی حرج نہیں خواہ تم نے قلیل مال سے نکاح کیا یا کثیر سے"۔ اس حدیث کی سند میں مرہ ضعیف راوی ہے اور اس کی سند میں حماد بن زید کذاب ہے، اس کے علاوہ اور بھی آثار ہیں جن کے ضعف کو ہم نے علامہ ماوردی کی تحریر میں ذکر کردیا ہے۔ سعیدی غفرلہ) جس حدیث میں ہے: "جس نے عورت کے مہر میں دو ستو دیئے" اس کی سند میں اسحاق بن جبرائیل ہے۔ میزان الاعتدال میں لکھا ہے یہ غیر معروف ہے اور اودی نے اس کو ضعیف کردیا اور اس کی سند میں مسلم بن رومان بھی مجہول ہے اور دو جوتیوں والی حدیث کو ہرچند کہ امام ترمذی نے صحیح کہا ہے لیکن وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں عاصم بن عبید اللہ ہے، ابن الجوزی نے کہا یہ فاحش الخطا ہے، غرض یہ تمام آثار ضعیف ہیں اور صحیح حدیث صرف صحاح ستہ کی ہے جس میں آپ نے فرمایا: "ڈھونڈو خواہ لوہے کی انگوٹھی ہو" ہمارے نزدیک یہ مہر معجل پر محمول ہے ہرچند کہ یہ خلاف ظاہر ہے لیکن اس کو مہر معجل پر محمول کرنا واجب ہے کیونکہ بعد میں آپ نے فرمایا تم کو جو قرآن یاد ہے اس کے سبب میں نے تمہارا اس سے نکاح کردیا، اگر اس کو تعلیم پر محمول کیا جائے یا مہر کی بالکلیہ نفی کردی جائے تو وہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے:

وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُم اور محرمات کے علاوہ باقی عورتیں تم پر حلال کردی گئی ہیں کہ تم (النساء: ۲۴) ان کو اپنے مال سے طلب کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مال کو مہر بنانے کا حکم دیا ہے اس لئے اس حدیث میں مہر معجل کی تاویل کرنا واجب ہے اور یہ کہ اس عورت کا مہر بہ طور مال اس شخص کے ذمہ تھا جو اس وقت نہیں دیا گیا تھا اب اگر شوہر کے ذمہ اس کا مہر نہ مانا جائے تو لازم آئے گا کہ خبر واحد نے قرآن مجید کی اس آیت قطعیہ متواترہ کو منسوخ کردیا، اور اس وقت مہر کا ذکر نہ کرنے سے کوئی حرج نہیں ہوتا کیونکہ جب نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ کیا جائے تو مہر مثل واجب ہو جاتا ہے۔

(فتح القدیر ج ۳ ص ۳۰۹-۳۰۵ ملخصاً"، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نوٹ : جو مہر شب زفاف میں دخول (عمل تزویج) سے پہلے یا عند الطلب دیا جائے اس کو مہر معجل کہتے ہیں اور جس مہر کی ادائیگی کا وقت مقررہ کر لیا جائے یا جو انقطاع نکاح (طلاق یا موت کے بعد) کے وقت دیا جائے اس کو مہر موجل کہتے ہیں۔

ٹیلی فون پر نکاح کا شرعی حکم

نکاح کے منعقد ہونے کی شرط یہ ہے کہ دو مسلمان گواہوں کے سامنے مجلس نکاح میں ایجاب و قبول کیا جائے۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے البتہ امام مالک کے نزدیک گواہوں کی بجائے اعلان شرط ہے۔ جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے، امام دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بغیر ولی اور دو صالح گواہوں کے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۲۷، ۲۲۶، ۲۲۵)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ جو عورتیں از خود بغیر گواہوں کے نکاح کر لیں وہ فاحشہ ہیں۔

(سنن ترمذی : ۱۱۰۴)

بعض اوقات لڑکا ایک ملک میں اور لڑکی دوسرے ملک میں ہوتی ہے اور ضرورت یہ ہوتی ہے کہ لڑکی کا نکاح کر کے اس کو لڑکے کے پاس بھیج دیں مثلاً لڑکی پاکستان میں اور لڑکا انگلینڈ میں ہو۔ ایسے مواقع پر لوگ پوچھتے ہیں کہ آیا ٹیلی فون پر نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ ٹیلی فون پر مجلس نکاح میں دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول نہیں ہوتا اس لئے ٹیلی فون پر نکاح جائز نہیں ہے۔ ایسی صورت میں یہ چاہئے کہ خط یا ٹیلی فون کے ذریعہ لڑکا کسی شخص کو اپنا وکیل بنا دے اور وہ وکیل لڑکے کی طرف سے پاکستان میں مجلس نکاح میں دو گواہوں کے سامنے قبول کر لے، اس طرح نکاح منعقد ہو جائے گا اور لڑکی کو لڑکے کے پاس کسی محرم کے ہمراہ بھیجا جا سکتا ہے۔

علامہ شمس الدین محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں :

اگر غائب کسی حاضر شخص کو نکاح کا وکیل بنا دے اور وہ وکیل لڑکی کا نکاح اس غائب شخص سے کر دے تو یہ نکاح صحیح ہے۔ (الی قولہ) اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے نجاشی کی طرف خط لکھا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو نکاح کا پیغام دیا اور نجاشی نے نبی ﷺ سے حضرت ام حبیبہ کا نکاح کر دیا کیونکہ وہ سلطان ہونے کی وجہ سے حضرت ام حبیبہ کا ولی تھا۔

بیویوں کے درمیان عدل کا حکم اور بعض دوسرے مسائل

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شب زفاف کے بعد نئی بیوی کا پرانی بیوی سے زیادہ حصہ ہے اگر نئی بیوی کنواری ہے تو اس کے ساتھ شوہر پہلے سات دن رہے گا اور اس کے بعد باری باری ہر بیوی کے ساتھ رہے گا، اور اگر نئی بیوی بیوہ ہے تو اس کے ساتھ پہلے تین دن رہے گا۔ اس کے بعد باری باری ہر بیوی کے ساتھ رہے گا۔ امام ابو حنیفہ بیویوں کے دنوں کی تقسیم کے معاملہ میں نئی پرانی کا فرق نہیں کرتے وہ فرماتے ہیں بیویوں میں تقسیم واجب ہے اگر نئی بیوی کے ساتھ تین دن رہے گا تو باقی بیویوں میں سے ہر ایک کے ساتھ تین تین دن رہے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیویوں کے درمیان عدل کرنا فرض ہے۔ نئی' پرانی' کنواری اور بیوہ اس حکم میں سب برابر ہیں۔ لباس' کھانے پینے' رہنے کی جگہ اور بیوی کے ساتھ رات گزارنے میں تمام بیویوں کے ساتھ مساوی سلوک کرنا واجب ہے۔ البتہ انس اور محبت پر کسی کا اختیار نہیں ہے۔ آج کل لوگ دو شادیاں کرلیتے ہیں۔ ایک بیوی کے ساتھ مستقل رہتے ہیں اور دوسری کے ساتھ نہیں رہتے یہ عدل کے خلاف ہے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مہر کی مستحق عورتیں ہیں نہ کہ ان کے اولیاء' اور اگر اولیاء (سرپرست) نے مہر وصول کرلیا ہو تو ان پر لازم ہے کہ اس مہر کو مستحق عورت تک پہنچادیں۔

نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو یہ اختیار ہے کہ اگر وہ چاہیں تو وہ اپنے شوہروں کو کل مہر یا مہر کا بعض حصہ ہبہ کردیں لیکن ان سے مہر معاف کرانے کے لئے ان کو مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اگر وہ خوشی سے تم کو مہر میں سے کچھ دے دیں تو اس کو مزے مزے سے کھاؤ۔ اس لئے ان کی خوشی کے بغیر ان سے مہر معاف کرالینا جائز نہیں ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ

اور کم عقلوں کو اپنے وہ مال نہ دو جن کو اللہ نے تمہاری گزر اوقات کا ذریعہ بنایا ہے اور اس مال میں سے

فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۵ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى

ان کو کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے خیر خواہی کی بات کہو ○ اور یتیموں کا (بہ طور تربیت) امتحان

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا

لیتے رہو حتٰی کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں' اور تم ان میں سمجھداری (کے آثار) دیکھو تو ان کے مال ان کے

اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۗ وَ

حوالے کر دو۔ اور ان کے مال کو فضول خرچ کرکے ان کے بڑے ہونے کے خوف سے جلدی جلدی نہ کھاؤ اور

مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ

جو (یتیم کا ولی) مال دار ہو وہ (ان کا مال کھانے سے) بچتا رہے' اور جو حاجت مند ہو

بِالْمَعْرُوْفِ ۗ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۗ

وہ دستور کے موافق کھالے' پھر جب تم ان کے مال ان کے حوالے کرو تو ان پر گواہ بنا لو'

وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ⑥

اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور کم عقلوں کو اپنے وہ مال نہ دو جن کو اللہ نے تمہاری گزر اوقات کا ذریعہ بنایا ہے۔

کم عقلوں کو مال نہ دینے اور یتیم کے مال کو ولی کا مال فرمانے کی توجیہ

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا یتیموں کا مال ان کے حوالے کردو اور عورتوں کا مہران کے حوالے کردو۔ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب یتیم یا تمہاری منکوحہ عاقل بالغ ہو اور جب وہ عاقل بالغ نہ ہوں تو ان کے اموال کو اپنے پاس حفاظت سے رکھو اور جب وہ بالغ ہو جائیں اور ان کی عقل پختہ ہو جائے تو ان کے اموال ان کے حوالے کردو۔

اس آیت میں یہ فرمایا ہے اور کم عقلوں کو اپنے مال نہ دو حالانکہ مراد یہ ہے کہ کم عقلوں کو ان کے مال حوالے نہ کرو حتیٰ کہ وہ عاقل بالغ ہو جائیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یتیم کا مال اس کے ولی اور سرپرست کی تحویل میں رہتا ہے۔ اس ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے یتیم کے مال کی اس کے سرپرست کی طرف نسبت کردی گئی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں یتیم کے مال کو ولی کا مال اس لئے فرمایا ہے تاکہ ولی یتیم کے مال کی اس طرح حفاظت کرے جس طرح وہ اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ اس کو فضول اور بے دریغ خرچ نہ کرے اور اس کی حفاظت میں کوتاہی نہ کرے اور یتیم کے مال کی اپنے مال کی طرح حفاظت کرے۔

مال کم عقل کی ملک کرنا اس آیت کے منافی نہیں

سفہاء' سفیہ کی جمع ہے۔ سفیہ کم عقل کو کہتے ہیں اس میں اختلاف ہے کہ یہاں سفہاء سے کون مراد ہیں :

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں :

سعید بن جبیر نے کہا سفہاء سے مراد یتیم اور عورتیں ہیں۔ حسن بصری نے کہا اس سے مراد نابالغ ہیں۔ امام طبری کا مختار یہ ہے کہ اس سے کم عقل مراد ہے خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی بالغ ہو یا نابالغ۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۶۵' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اس آیت میں نابالغ بچوں کو مال دینے سے منع فرمایا ہے اور احادیث سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میرے والد مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گئے اور کہا میں نے اپنے اس بیٹے کو مال ہبہ کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تم نے اپنے سب بچوں کو اتنا ہی مال ہبہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اس سے رجوع کرلو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث : ۲۵۸۶' صحیح مسلم' رقم الحدیث ۱۶۲۳)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کم عمر بچوں کو ہبہ کرنا صحیح ہے البتہ ان میں مساوی ہبہ کرنا چاہئے اور اس آیت میں کم عمر بچوں کو دینے سے منع کیا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں ناسمجھ بچوں کو مال ہبہ کرنے اور ان کی ملکیت میں دینے سے منع نہیں فرمایا بلکہ تصرف کرنے کے لئے ان کے ہاتھوں میں مال دینے سے منع فرمایا ہے کیونکہ وہ اس کی

حفاظت کرنے اور اس کو صحیح محل پر خرچ کرنے کے طریقوں پر مطلع نہیں ہوتے۔

حجر (قولی تصرف سے روکنا) کا لغوی اور شرعی معنی

حجر کا لغوی معنی ہے منع کرنا اور روکنا' اور اصطلاحی معنی ہے ولی یا قاضی کا کسی کم عقل بچہ' مجنون یا غلام کو قولی تصرف (مثلاً" خریدنا' بیچنا' ہبہ کرنا) سے روکنا' اس کا سبب صغر' جنون اور غلام ہونا ہے اس لئے بچہ' مجنون اور مغلوب العقل کی دی ہوئی طلاق نافذ نہیں ہوگی اور ان کا اقرار کرنا صحیح نہیں ہے' اگر بچہ یا مجنون کو بیع و شراء کی سمجھ ہو اور ان کے ولی نے ان کو اجازت دی ہو اور اس بیع و شراء میں غبن فاحش نہ ہو تو ان کی بیع و شراء صحیح ہے' اور اگر ولی نے اجازت نہ دی ہو یا اس بیع و شراء میں غبن فاحش ہو تو پھر ان کی بیع و شراء صحیح نہیں ہے' اگر یہ کسی کے پاس اجرت پر کام کریں تو ان کی اجرت واجب ہو جائے گی اور جس عقد میں ان کے لئے نفع محض ہو وہ صحیح ہے۔ اس لئے ان کا صدقہ اور ہبہ قبول کرنا صحیح ہے جو شخص آزاد' عاقل اور بالغ ہو لیکن اس کی عقل کم ہو امام اعظم کے نزدیک اس کو قولی تصرف سے روکنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ اس کی آزادی اور بلوغ کے منافی ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اس کو روکنا صحیح ہے تاکہ اس کا مال محفوظ رہے' ورنہ وہ اس کو بے جا خرچ کر کے ضائع کر دے گا اور فتویٰ امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر ہے۔

(در مختار و رد المحتار ج ۵ ص ۹۳' ۸۹ ملخصا" مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۹ھ)

حجر کے ثبوت میں قرآن اور سنت سے دلائل

نابالغ بچہ اور کم عقل کو مالی تصرف سے روکنے پر قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت دلیل ہے جس میں فرمایا ہے:

اور کم عقلوں کو اپنے وہ مال نہ دو جن کو اللہ نے تمہاری گزر اوقات کا ذریعہ بنایا ہے اور ان سے خیر خواہی کی بات کہو' اور یتیموں کا (بہ طور تربیت) امتحان لیتے رہو حتیٰ کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں اور تم ان میں سمجھ داری (کے آثار) دیکھو۔ تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو (النساء : ۶۔۵)

اور حجر (قولی تصرف سے روکنے) کے ثبوت میں یہ احادیث بھی ہیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم کو نہیں معلوم کہ تین شخصوں سے قلم (تکلیف) اٹھا لیا گیا مجنون سے حتیٰ کہ وہ تندرست ہو جائے' بچہ سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے اور سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے۔ حضرت علی نے فرمایا: مغلوب العقل کے سوا ہر شخص کی طلاق جائز ہے۔ (صحیح البخاری کتاب الطلاق باب : ۱۱ رقم الحدیث : ۵۲۶۸)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین شخصوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ بیدار ہو جائے' مجنون سے حتیٰ کہ شفایاب ہو جائے اور بچہ سے حتیٰ کہ وہ بڑا ہو جائے۔

(سنن ابو داؤد : ۴۳۹۸' سنن ترمذی : ۱۴۲۸' سنن نسائی : ۳۴۳۲' سنن ابن ماجہ : ۲۰۴۱' سنن کبریٰ للنسائی : ۷۳۴۶' مسند احمد : ج ۱ ص ۱۱۸' ۱۴۰' ج ۶ : ص ۱۰۱' ۱۰۰' سنن دارمی : ۲۲۹۶)

ان حدیثوں میں مجنون اور نابالغ کے قولی تصرفات کو روکنے کی دلیل ہے اور جو آزاد عاقل بالغ ہو لیکن کم عقل ہو اس کو روکنے پر سورہ نساء کی زیر تفسیر آیت میں بھی دلیل ہے اور اس حدیث میں بھی اس پر دلیل ہے:

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کی بیع اور شراء میں کچھ کمزوری تھی اور وہ بیع کرتا تھا اس کے گھر والوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کیا : یا رسول اللہ اس کو حجر (منع) کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلا کر منع فرمایا اس نے کہا یا رسول اللہ میں بیع کرنے سے صبر نہیں کرسکتا۔ آپ نے فرمایا جو تم بیع کرو تو کہو یہ چیز اتنے اور اتنے کی ہے اور کوئی دھوکا نہ کیا جائے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۲۵۴' صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۱۹۶۴' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۳۵۰۱' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۴۴۹۷)

جو کسی منصب (اسامی) کے نااہل ہوں ان کو اس کی ذمہ داری نہ سونپی جائے

حجر یعنی قولی تصرفات سے روکنا' اس کا تعلق ولی سے بھی ہے اور قاضی سے بھی' اور حجر کا سبب کم عقلی ہے اور نااہلی بھی اس کے قریب ہے۔ اس لئے جو شخص کسی عہدہ کا اہل نہ ہو اور وہ اس عہدہ پر کام کرے تو قاضی' سلطان یا حکومت وقت پر لازم ہے کہ مسلمانوں کو اس کے ضرر سے بچانے کیلئے اسے اس عہدہ پر کام کرنے سے روک دے مثلاً" ان پڑھ' عطائی حکیم اور بے سند ڈاکٹر۔ ان کو لوگوں کی جانوں سے کھیلنے کے لئے علاج معالجہ سے روکنا لازم ہے۔ بعض جگہ کمپاؤڈر حضرات محلّہ میں ایک چھوٹی سی کلینک کھول کر طب کی مشق کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح بعض مساجد میں پانچ وقتی امام جو نماز کے مسائل سے بھی بمشکل واقف ہوتے ہیں وہ لوگوں کو نکاح' طلاق' حلال اور حرام کے مسائل غلط سلط بتاتے رہتے ہیں۔ اس لئے علاج کے معاملہ میں مستند اور تجربہ کار ڈاکٹر سے اور دینی مسائل میں کسی دینی دارالعلوم کے مفتی سے رجوع کرنا چاہئے۔ اسی طرح باقی معاملات میں بھی ہر فن کے ماہر سے رجوع کرنا چاہئے اور کسی اناڑی اور ناتجربہ کار کے ہاتھ میں اپنا کوئی معاملہ نہیں دینا چاہئے۔

ہمارے زمانہ میں حجر کو صحیح طریقہ سے جاری کرنے کی حکومت سے کوئی امید نہیں ہے کیونکہ تمام سرکاری اداروں میں حکومت نے سیاسی وابستگی' رشوت اور سفارش کی بنیاد پر ہر شعبہ میں بہ کثرت نااہل افراد بھرتی کردیئے ہیں۔ اب کسی منصب کے لئے اہلیت اور قابلیت معیار نہیں ہے بلکہ سرکاری افسروں کے ساتھ تعلقات یا پھر زیادہ سے زیادہ روپوں کی پیش کش معیار ہے اس لئے ہر ادارہ میں اکثریت ان ملازموں کی ہوتی ہے جو ان ملازمتوں کے نااہل ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے جس طرح حکم دیا ہے کہ کم عقل لوگوں کو ان کا مال نہ دو کیونکہ وہ اس مال کو ضائع کردیں گے۔ اس سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ جو شخص کسی منصب کا اہل نہ ہو اس کو اس منصب کی ذمہ داری نہ سونپی جائے لیکن ہمارے ملک اور ہمارے معاشرے میں اس کے صریح خلاف عمل ہو رہا ہے۔ کئی انگوٹھا چھاپ پیسے کے زور پر اسمبلی کے ممبر بن جاتے ہیں اور وزارت کے اہل ہوجاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم یتیموں کا (بہ طور تربیت) امتحان لیتے رہو حتیٰ کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ الخ۔

لڑکے اور لڑکی کی بلوغت کا معیار

لڑکے کے بلوغ کی علامت احتلام اور انزال ہے اور لڑکی کے بلوغ کی علامت احتلام' حیض اور حمل ہے۔ اگر ان دونوں میں ان میں سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو ان دونوں کو پندرہ سال کی عمر میں بالغ قرار دیا جائے گا اسی پر فتویٰ ہے

(اس سے یہ معلوم ہوا کہ زیر ناف بالوں کے ظہور کا بلوغ میں اعتبار نہیں ہے' پندرہ سال کی عمر' امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے اور ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مذہب ہے' اور امام اعظم کے نزدیک لڑکے کے لئے اٹھارہ سال اور لڑکی کے لئے سترہ سال بلوغت کا معیار ہے' جمہور کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی عمر جنگ احد میں چودہ سال تھی وہ جہاد کے لئے آئے تو آپ نے قبول نہیں کیا اور ایک سال بعد پندرہ سال کی عمر میں جنگ خندق میں پیش ہوئے تو آپ نے قبول فرمالیا۔ شامی) اور لڑکے کی بلوغ کے لئے کم از کم عمر بارہ سال ہے اور لڑکی کی نو سال عمر ہے۔ اگر وہ اس عمر میں بلوغ کا دعویٰ کریں اور مشاہدہ ان کے دعویٰ کی تکذیب نہ کرے تو ان کے دعویٰ کو مان لیا جائے گا۔ (در مختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۹۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (یتیم کا جو ولی ان کے مال سے) مستغنی ہو وہ (ان کا مال کھانے سے) بچتا رہے اور جو حاجت مند ہو وہ دستور کے موافق کھالے۔ (النساء : ۶)

یتیم کا مال کھانے میں مذاہب فقہاء

علامہ ابوبکر جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ نے بیان کیا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک یتیم کے ولی کے لئے یتیم کا مال کھانا جائز نہیں ہے۔ بہ طور قرض نہ بہ طور تبرع۔ نیز انہوں نے لکھا ہے کہ یتیم کے ولی کو قاضی اور عامل پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے لکھا ہے کہ وصی اور ولی بغیر کسی شرط کے بہ طریق تبرع اور احسان یتیم کے مال کی دیکھ بھال کرتا ہے اس لئے اس کی اجرت واجب نہیں ہے اور اس کو یتیم کے مال سے لینا جائز نہیں ہے بہ طور قرض نہ بہ طور غیر قرض۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۶۸' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

دیگر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ضرورت کے وقت قرض کی صورت میں یا بغیر قرض کے یتیم کا مال کھانا جائز ہے۔ حافظ اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ نے لکھا ہے کہ فقہاء نے کہا ہے کہ ولی کی ضرورت اور اس کی اجرت میں سے جو کم ہو وہ اس کو لے سکتا ہے اور جب وہ خوش حال ہو جائے تو اس کی واپسی کے متعلق دو قول ہیں : امام احمد نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے سوال کیا میرے پاس مال ہے اور میرے پاس یتیم ہے آپ نے فرمایا : بغیر اسراف اور تبذیر کے اپنے یتیم کے مال سے کھالو اور نہ مال جمع کرنا اور نہ اپنا مال بچانا۔ اور امام ابو داؤد' امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا میرے پاس ایک یتیم ہے جس کا مال ہے اور میرے پاس مال نہیں ہے آیا میں اس کے مال سے کھالوں؟ آپ نے فرمایا بغیر اسراف کے اس کے مال سے کھا لو' دوسرا قول یہ ہے کہ خوش حال شخص بھی یتیم کے مال سے قرض لے سکتا ہے لیکن بعد میں اس کو واپس کردے اور اس قول کی دلیل یہ ہے کہ امام سعید بن منصور نے اپنی سنن میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : کہ میرے نزدیک یتیم کا مال بیت المال کے حکم میں ہے اگر میں اس مال سے مستغنی ہوں تو میں اس سے اجتناب کرتا ہوں اور جب ضرورت ہوتی ہے تو میں اس مال سے قرض لیتا ہوں اور جب گنجائش ہوتی ہے تو اس کو واپس کردیتا ہوں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۰۶۔ ۲۰۵' مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت' ۱۳۸۵ھ)

فقیہ ابواللیث محمد بن احمد سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں :

اگر ولی فقیر ہو اور اپنی خدمت اور محنت کے مطابق یتیم کے مال سے کھالے تو مجھے امید ہے کہ اس سے مواخذہ نہیں ہوگا کیونکہ بہت سے علماء نے اس کی اجازت دی ہے اور اس سے احتراز کرنا افضل ہے۔

(تفسیر سمرقندی ج ۱ ص ۳۳۴ 'مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ)

علامہ عبد الرحمان بن علی الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت عمر' حضرت ابن عباس' حضرت حسن بصری' شعبی' ابو العالیہ' مجاہد' ابن جبیر' نخعی' قتادہ اور دوسرے فقہاء کے نزدیک غنی کے لئے یتیم کا مال کھانا بالکل جائز نہیں ہے اور جس فقیر کے پاس قدر کفایت مال نہ ہو اور مال یتیم کی حفاظت اور نگرانی کی وجہ سے وہ اپنے لئے کسب معاش نہ کر سکتا ہو وہ بغیر اسراف کے بہ قدر ضرورت یتیم کے مال سے لے سکتا ہے اور جب وہ غنی ہو جائے تو اس مال کو واپس کرنے کے متعلق دو قول ہیں۔ حسن' شعبی' نخعی' قتادہ اور امام احمد کے نزدیک اس پر کوئی ضمان نہیں ہے اور جو کچھ اس نے لیا ہے وہ بہ منزلہ اجرت ہے' اور حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں غنی ہونے کے بعد اس مال کو واپس کرنا اس پر واجب ہے۔

(زاد المسیر ج ۲ ص ۱۷ 'مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

ہمارے شیخ ابو العباس یہ کہتے ہیں کہ اگر یتیم کا مال بہت زیادہ ہو اور اس کی حفاظت اور اس کو کاروبار میں لگانے کے لئے ولی کو اپنے ضروری کاموں کو چھوڑنا پڑے تو اس کی محنت کے مطابق اس کا اجر متعین کیا جائے گا' اور اگر وہ مال کم ہو اور اس کی حفاظت کی وجہ سے اپنا کام چھوڑنا پڑے تو اس مال سے بالکل نہ لے البتہ اس کے جانوروں سے اپنے لئے تھوڑا دودھ لے لینا اس کے لئے جائز ہے اور اس کے کھانے میں سے کچھ کھا لینا اس کے لئے جائز ہے۔ زیادہ نہ لے بلکہ رواج کے مطابق لے' اور اجرت لینا اور کھانے پینے کی کچھ چیزیں لینا دستور کے مطابق ہے اور اس آیت کو اس معنی پر محمول کرنا چاہئے۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں میں کہتا ہوں کہ اس سے احتراز کرنا افضل ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۴۴ 'مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

تعلیم قرآن اور دیگر عبادات پر اجرت لینے کی تحقیق

علماء دین اور دینی خدمات بجالانے والے عاملین کے لئے ان خدمات پر اجرت لینا اس وقت منع ہے جب ان کے علاوہ ان خدمات کو انجام دینے کے لئے اور کوئی شخص نہ ہو اور ان کے حق میں ان خدمات کا انجام دینا فرض عین ہو جائے' اور جب ایسی صورت حال نہ ہو تو پھر ان کے لئے ان خدمات پر اجرت لینا جائز ہے۔ اس کی ممانعت میں جو احادیث مروی ہیں ان میں اکثر غایت درجہ کی ضعیف ہیں۔ ثانیاً" ان کا محمل یہ ہے کہ جب اس فرض کی ادائیگی کے لئے اور کوئی نہ ہو' نیز احادیث صحیحہ سے دینی امور پر اجرت لینے کا جواز ثابت ہے اس امر کی مکمل تفصیل اور تحقیق ہم نے شرح صحیح مسلم جلد سابع (۷) کے اخیر میں بیان کی ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ

مردوں کے لیے (اس مال میں) سے حصہ ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو: اور عورتوں

نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ

کے لیے (بھی) اس (مال میں) سے حصہ ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو خواہ (وہ مال) کم

كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۝۷ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ

ہو یا زیادہ، یہ (اللہ کی طرف سے) مقرر کیا ہوا حصہ ہے ○ اور جب (ترکہ کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) قرابت دار، یتیم اور

وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُم مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝۸

مسکین (بھی) موجود ہوں، تو (اس ترکہ سے) انھیں بھی کچھ دے دو، اور ان سے خیر خواہی کی بات کہو ○

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا

وہ لوگ یہ سوچ کر ڈریں کہ اگر وہ اپنے (مرنے کے) بعد بے سہارا اولاد چھوڑ جاتے تو انھیں (مرتے وقت) ان

عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝۹ إِنَّ الَّذِينَ

کے متعلق کیسا اندیشہ ہوتا، سو انھیں (یتیموں کے متعلق) اللہ سے ڈرنا چاہیے اور درست بات کہنی چاہیے ○ بے شک جو لوگ ناجائز

يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا

طریقہ سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھر رہے ہیں

وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝۱۰

اور وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے ○

ع ۱۲/۱۰

زمانہ جاہلیت میں بچوں اور عورتوں کو وارث نہ بنانا

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

ابن زید بیان کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں باپ دادا کے ترکہ سے عورتیں وارث نہیں ہوتی تھیں۔ اسی طرح چھوٹا بچہ خواہ مذکر ہو وہ اپنے ماں باپ کے ترکہ سے وارث نہیں کیا جاتا تھا۔ عکرمہ نے بیان کیا ہے کہ ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ! میرا خاوند فوت ہو گیا اور اس نے مجھ کو اور ایک بیٹی کو چھوڑا ہے اور ہم کو وارث نہیں بنایا جا رہا، اس کی بچی کے چچا نے کہا یا رسول اللہ! یہ عورتیں نہ گھوڑے پر سوار ہو سکتی ہیں نہ گھاس کا گٹھا اٹھا کر لا سکتی ہیں نہ دشمن کا مقابلہ کر سکتی ہیں نہ کما کر لا سکتی ہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی مردوں کے لئے اس (مال میں) سے حصہ ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لیے بھی اس (مال میں) سے حصہ ہے

جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو خواہ (وہ مال) کم ہو یا زیادہ یہ (اللہ کی طرف سے) مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۷۶ 'مطبوعہ دار المعرفتہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

تقسیم وراثت میں ورثاء کا اقرب ہونا معیار ہے

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یتیموں کا مال کھانے سے منع فرمایا تھا اور یہ حکم دیا تھا کہ جب وہ سن شعور کو پہنچ جائیں تو ان کے اموال ان کے حوالے کردو اور اس آیت میں یہ واضح کیا ہے کہ یتیموں کے ولی ان کے جس مال کی حفاظت کرتے ہیں اس میں مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو وارث بنایا جاتا تھا نہ بچوں کو' وہ کہتے تھے کہ ہم اس کو وارث نہیں بنائیں گے جو نیزوں سے جنگ کرسکے نہ مال غنیمت لوٹ سکے۔ اس آیت میں بتایا ہے کہ جب یتیم بچوں کے ماں باپ اور قرابت دار مال چھوڑ جائیں تو وہ ترکہ کے مستحق ہونے میں برابر ہیں اس میں مرد اور عورت کا کوئی فرق نہیں ہے اور نہ ترکہ کے کم یا زیادہ ہونے سے کوئی فرق پڑتا ہے۔ ہرچند کہ حصہ کی مقدار میں فرق ہوتا ہے' اسی طرح میت کے ساتھ لاحق ہونے میں بھی فرق ہوتا ہے اور جو میت کے ساتھ بلاواسطہ لاحق ہو اس کے ہوتے ہوئے وہ محروم ہوتا ہے جو کسی واسطہ کے ساتھ میت کے ساتھ لاحق ہوتا ہے مثلاً" میت کا ایک بیٹا ہو اور ایک یتیم پوتا ہو تو بیٹا میت کے ساتھ بلاواسطہ لاحق ہے اور یتیم پوتا (فوت شدہ) دوسرے بیٹے کے واسطہ سے لاحق ہے۔ اس لئے بیٹے کے ہوتے ہوئے یتیم پوتا محروم رہے گا۔

یتیم اس نابالغ بچہ کو کہتے ہیں جس کا باپ فوت ہوگیا ہو۔

علم وراثت کا یہ قاعدہ ہے کہ قریب وارث کے ہوتے ہوئے بعید وارث محروم ہوجاتا ہے اسی بناء پر اگر کسی شخص کا ایک بیٹا زندہ اور دوسرے فوت شدہ بیٹے کا بیٹا یعنی یتیم پوتا بھی زندہ ہو تو اس شخص کی وراثت سے بیٹے کے ہوتے ہوئے یتیم پوتے کو حصہ نہیں ملے گا کیونکہ یتیم پوتا میت سے ایک واسطہ سے بعید ہے اور بیٹا میت سے بلاواسطہ لاحق ہے اور اقرب ہے۔ اس قاعدہ کی اصل یہ حدیث ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا فرائض اہل فرائض کو لاحق کردو۔ (قرآن مجید میں ورثاء کے مقرر کردہ حصص کو فرائض کہتے ہیں) اس کے بعد جو ترکہ باقی بچے وہ میت کے سب سے قریب مرد کو دے دو۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث : ۶۷۳۲' ۶۷۳۵' ۶۷۳۷' ۶۷۴۶)

اس حدیث سے یہ واضح ہوگیا کہ وارث اقرب کے ہوتے ہوئے وارث ابعد محروم ہوجاتا ہے اور اقرب اور ابعد کا یہ اصول ورثاء کے لئے ہے مورث کے لئے نہیں ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں جو اقربون کا لفظ ہے وہ مورث کے لئے ہے۔ مردوں کے لیے (اس مال) میں سے حصہ ہے جس کو والدین اور اقربین نے چھوڑا ہے۔ مفتی محمد شفیع نے اس آیت میں اقربین کے لفظ سے یہ استدلال کیا ہے کہ استحقاق وراثت کے لئے ورثاء کا اقرب ہونا ضروری ہے۔ یہ اصول تو صحیح ہے مگر اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس آیت میں اقربون کا لفظ مورثین اور مرنے والوں کے لئے ہے ورثاء کے لئے نہیں ہے۔ مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں :

نیز اسی لفظ "اقربون" سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ مال وراثت کی تقسیم ضرورت کے معیار سے نہیں بلکہ

قرابت کے معیار سے ہے اس لئے یہ ضروری نہیں کہ رشتہ داروں میں جو زیادہ غریب اور حاجت مند ہو اس کو زیادہ وراثت کا مستحق سمجھا جائے بلکہ جو میت کے ساتھ رشتہ میں قریب تر ہو گا وہ بہ نسبت بعید کے زیادہ مستحق ہو گا۔
(معارف القرآن ج ۲ ص ۳۱۱ مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب (ترکہ کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) قرابت دار یتیم اور مسکین (بھی) موجود ہوں۔ تو (اس ترکہ سے) انہیں بھی کچھ دے دو اور ان سے خیر خواہی کی بات کہو○۔ (النساء : ۸)

ورثاء میں ترکہ کی تقسیم کی تفصیل

اس آیت میں یہ بتلایا ہے کہ اے ایمان والو جب تم اپنے کسی رشتہ دار کا ترکہ تقسیم کرو اور تقسیم کے وقت ایسے رشتہ دار اور یتیم آجائیں جن کو اس ترکہ سے از روئے شریعت کچھ نہ مل رہا ہو یا دوسرے غریب اور مسکین آجائیں تو اس ترکہ سے انہیں بھی کچھ دے دو اور ان سے نرمی اور خیر خواہی کی بات کرو مثلاً "یہ کہو کہ تم یہ مال لے لو' تمہیں اللہ برکت دے۔ وغیرہ وغیرہ۔

جب کوئی شخص فوت ہو جائے تو اس کے ترکہ کے ساتھ چار حقوق متعلق ہوئے اول یہ کہ میانہ روی کے ساتھ اس کی تجہیز اور تکفین کی جائے ثانی یہ کہ اس کے ترکہ سے اس کا قرض ادا کیا جائے اگر قرض ہو۔ اگر بیوی کا مہر ادا نہ کیا ہو تو وہ بھی میت پر قرض ہے اور تقسیم ترکہ سے پہلے ادا کیا جائے گا۔ ثالث یہ کہ اس کے ثلث (ایک تہائی) مال سے اس کی وصیت پوری کی جائے اگر اس نے وصیت کی ہو۔ رابع یہ کہ اس کے باقی ماندہ مال کو اس کی ورثاء میں قرآن' حدیث اور اجماع کے مطابق تقسیم کیا جائے۔

تقسیم میں اصحاب الفرائض سے ابتداء کی جائے۔ اصحاب الفرائض وہ ہیں جن کے حصص قرآن مجید میں مقرر کر دیئے گئے ہیں مثلاً" ایک بیٹی کو نصف مال ملے گا دو یا دو سے زائد بیٹیوں کو دو ثلث (دو تہائی) ملیں گے۔ اگر اولاد نہ ہو تو خاوند کو نصف (آدھا) اور اگر اولاد ہو تو خاوند کو ربع (چوتھائی) ملے گا۔ یہ کل چھ حصص ہیں : نصف (آدھا) ربع (چوتھائی) ثمن (آٹھواں حصہ) سدس (چھٹا حصہ) ثلث (تہائی) دو ثلث (دو تہائی) اور ان کے لینے والے بارہ ہیں۔ چار مرد ہیں : باپ' جد صحیح (دادا اور نانا' نانا جد فاسد ہے) اخیافی بھائی (ماں کی طرف سے) اور خاوند' اور آٹھ عورتیں ہیں : بیوی' بیٹی' پوتی' عینی بہن (سگی بہن) اخیافی بہن' علاتی بہن (باپ کی طرف سے) ماں اور جدہ صحیحہ (نانا کی ماں جدہ فاسدہ ہے) ان کے حصوں کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

اصحاب الفرائض کو ان کا حصہ دینے کے بعد اگر ترکہ بچ رہے' یا اصحاب الفرائض نہ ہوں تو پھر وہ تمام ترکہ عصبات کو دیا جاتا ہے۔ باپ کی طرف سے قرابت داروں کو عصبات کہا جاتا ہے عصبات بنفسہ چار ہیں : بیٹا یا پوتا' باپ یا دادا' بھائی اور چچا' عصبات میں جو قریب ہو اس کو ملے گا اور بعید محروم ہو گا۔ اگر بیٹے کے ساتھ بیٹیاں بھی ہوں تو وہ عصبات بالغیر ہیں' اور اگر بیٹیوں کے ساتھ بہنیں بھی ہوں تو وہ عصبات مع الغیر ہیں۔ اگر عصبات نہ ہوں تو پھر ترکہ کو ذوی الفروض میں دوبارہ تقسیم کر دیا جاتا ہے' اس کو رد کہتے ہیں اور اگر ذوی الفروض اور عصبات نہ ہوں تو پھر تمام مال ذوی الارحام میں تقسیم کر دیا جاتا ہے' ذوی الارحام وہ ہیں جو ماں کی طرف سے میت کے رشتہ دار ہوں ان کے چار درجات ہیں پہلا درجہ ہے بیٹی کی اولاد اور پوتی کی اولاد۔ دوسرا درجہ ہے : جد فاسد اور جدات فاسدہ یعنی نانا اور نانا کی ماں' اور تیسرا

درجہ ہے بہنوں کی اولاد اور عینی اور علاتی بھائیوں کی بیٹیاں اور اخیافی بھائی کی اولاد' اور چوتھا درجہ ہے پھوپھیاں' اخیافی چچا اور ماموں اور خالہ ان میں درجہ بہ درجہ ترتیب ہے اور اقرب کے مقابلہ میں ابعد محروم ہوگا۔

اگر ذوی الارحام نہ ہوں تو پھر میت کا ترکہ اس شخص کو دیا جائے گا جس کے لئے میت نے کل مال کی وصیت کی ہو اور اگر یہ بھی نہ ہو تو پھر میت کا ترکہ بیت المال یعنی سرکاری خزانہ میں داخل کردیا جائے گا۔ واضح رہے کہ ہم نے ترکہ کی تقسیم میں لونڈی' غلام' مولی الموالات اور مقرلہ وغیرہ کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اب ان کا رواج نہیں ہے ہم نے اکثر پیش آمدہ صورتیں بیان کی ہیں جو حضرات پوری تفصیل جاننا چاہیں وہ سراجی اور شریفیہ وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

رشتہ داروں اور ضرورت مندوں کو دینا احسان نہیں ان کا حق پہنچانا ہے

اب اس آیت کی تفسیر میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص فوت ہوگیا اور اس کا ایک بیٹا' دو بیٹیاں اور اس کا ایک چچا اور بھانجا ہو تو اس صورت میں بیٹا عصبہ بنفسہ ہے اور بیٹیاں عصبہ بالغیر ہیں۔ چچا بھی عصبہ ہے مگر بیٹے کی بہ نسبت بعید ہے اور بھانجا ذوی الارحام کے تیسرے درجہ میں ہے۔ اس صورت میں کل ترکہ کے چار حصے کئے جائیں گے دو حصہ ایک بیٹے کو اور ایک ایک حصہ دو بیٹیوں کو ملے گا۔ چچا عصبہ بعید ہونے کی وجہ سے محروم ہوگا اور بھانجا عصبہ کی موجودگی میں ذو الارحام ہونے کی وجہ سے محروم ہوگا تاہم چچا اور بھانجہ کو ورثاء انسانی ہمدردی کے تحت اپنی طرف سے تبرعا" کچھ دے دیں تو یہ اس آیت پر عمل ہوگا اسی طرح اگر کوئی اور مسکین ہو تو اس کو بھی دے دیا جائے اور ان سے نرم اور ملائم گفتگو کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا (بنو اسرائیل : ۲۶)

اور رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرو اور مسکینوں اور مسافروں کو اور فضول خرچ نہ کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے رشتہ داروں کو کچھ دے رہا ہے تو ان پر احسان نہیں کر رہا بلکہ ان کا حق ان تک پہنچا رہا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ (الذاریات : ۱۹)

اور ان کے اموال میں سوال کرنے والے اور محروم کا حق ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسکینوں' حاجت مندوں اور سائلوں کو انسان کچھ دیتا ہے تو ان پر کوئی احسان نہیں کر رہا بلکہ ان کا حق ان تک پہنچا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ لوگ یہ سوچ کر ڈریں کہ اگر وہ اپنے (مرنے کے) بعد بے سہارا اولاد چھوڑ جاتے تو انہیں (مرتے وقت) ان کے متعلق کیسا اندیشہ ہوتا سو انہیں (یتیموں کے متعلق) اللہ سے ڈرنا چاہئے اور درست بات کہنی چاہئے۔ (النساء : ۹)

یتیموں کو اپنی اولاد کی طرح سمجھا جائے

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :

(۱) بعض لوگ مریض سے یہ کہتے ہیں کہ تمہاری اولاد تمہارے مرنے کے بعد نیکیاں نہیں کرے گی جن سے تم کو

رت میں ثواب پہنچے تو اپنے مال کو اللہ کی راہ میں دے دو یا صدقہ و خیرات کر دو' یا کسی نیک کام میں صرف کر دو' یہ لوگ مرنے والے کو وصیت کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور اس کی اولاد کو ترکہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم بھی صاحب اولاد ہو تم یہ سوچو کہ اگر کوئی شخص تمہاری اولاد کو تمہارے ترکہ سے محروم کرنے کی کوشش کرتا تو تم پر کیا گزرتی؟

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں یتیم کے ولی سے یہ فرمایا ہے کہ وہ یتیم کی جان اور مال کے ساتھ انصاف اور احسان کریں اور یتیم کے مال کو جلدی جلدی ہڑپ کرنے کی کوشش نہ کریں کیونکہ ان کی بھی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اگر وہ چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر مر جائیں تو ان کے یتیم بچوں کا ولی ان کے ساتھ حسن سلوک کرے اس لئے وہ اپنے انجام سے ڈریں اور اللہ سے ڈرتے رہیں اور ہمیشہ سچی اور صحیح بات کہیں۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۸۳-۱۸۱ ملخصا" مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جو لوگ ناجائز طریقے سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ (النساء : ۱۰)

ظلما" مال یتیم کھانے پر انتہائی سخت عذاب کی وجہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ظلما" مال یتیم کھانے پر سخت وعید فرمائی ہے اور اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے ظلما" مال یتیم کھانے پر یکے بعد دیگرے آیات نازل فرمائیں۔ فرمایا ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب (النساء : ۲) اپنے کھوٹے مال کو ان کے کھرے مال سے نہ تبدیل کرو اور فرمایا ولا تاکلوا اموالھم الی اموالکم انہ کان حوبا کبیرا (النساء : ۲) ان کے اموال کو اپنے اموال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے' اور فرمایا : ولا تاکلوھا اسرافا وبدارا ان یکبروا (النساء : ۶) اور یتیموں کے بڑے ہو جانے کے خوف سے ان کے اموال کو فضول خرچ کر کے اور جلدی جلدی نہ کھاؤ' اور اس سے پہلی آیت میں فرمایا : یتیم کے ولی یہ سوچ کر ڈریں کہ اگر وہ اپنے مرنے کے بعد بے سہارا اولاد چھوڑ جاتے تو انہیں (مرتے وقت) ان کے متعلق کیسا اندیشہ ہوتا' سو انہیں (یتیموں کے متعلق) اللہ سے ڈرنا چاہئے اور درست بات کہنی چاہئے (النساء : ۹) اور اس آیت میں فرمایا بے شک جو لوگ ناجائز طریقہ سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ (النساء : ۱۰)

ان تمام وعیدوں کا نازل کرنا' یتیموں پر اللہ کی رحمت ہے کیونکہ یتیم کمزور اور بے سہارا ہوتے ہیں اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی زیادہ توجہ اور التفات کے مستحق ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ بہت رحیم و کریم' معاف کرنے اور درگزر کرنے والا ہے اس کے باوجود ظلما" مال یتیم کھانے والوں پر اتنی سخت وعید نازل فرمائی کیونکہ یتیم انتہائی درجہ کے بے بس اور بے سہارا تھے اس لئے ان پر ظلم کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ کی وعید بھی بہت سخت ہے۔

ظلما" یتیموں کا مال کھانے والوں کے متعلق احادیث

امام ابن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا : میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح ہیں اور ان کو ایسے لوگوں کے سپرد کردیا گیا ہے جو ان کے ہونٹوں کو پکڑ رہے ہیں پھر ان کے مونہوں میں ایسے آگ کے پتھر ڈال رہے ہیں جو ان کے دھڑ کے نچلے حصہ سے نکل رہے ہیں۔ میں نے کہا : اے جبرائیل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو ظلماً یتیموں کا مال کھاتے تھے اور وہ درحقیقت اپنے پیٹوں میں آگ کھا رہے تھے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۱۸۴ 'مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں :

امام ابن ابی شیبہ' امام ابو یعلی' امام طبرانی اور امام ابن حبان حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : قیامت کے دن ایسے لوگ اپنی قبروں سے اٹھائے جائیں گے جن کے مونہوں سے آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے۔ آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے فرمایا : کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : جو لوگ ظلماً یتیم کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھر رہے ہیں۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے سدی سے روایت کیا ہے جو شخص یتیم کا مال ظلماً کھاتا ہے جب وہ قیامت کے دن اٹھایا جائے گا تو اس کے منہ' اس کے کانوں' اس کی ناک اور اس کی آنکھوں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے اور اسے دیکھ کر ہر شخص پہچان لے گا کہ یہ یتیم کا مال کھانے والا ہے۔

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ پر حق ہے کہ وہ چار آدمیوں کو جنت میں داخل کرے نہ ان کو جنت کی نعمتیں چکھائے۔ عادی شرابی' سود کھانے والا' یتیم کا مال ناحق کھانے والا اور ماں باپ کا نافرمان۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۱۲۴ 'مطبوعہ ایران)

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ

اللہ تمہاری اولاد کی وراثت کے حصوں کے متعلق تمہیں حکم دیتا ہے کہ (میت کے) ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے

فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ

سو اگر صرف بیٹیاں (دو یا) دو سے زیادہ ہوں تو ان کا حصہ (کل ترکہ کا) دو تہائی ہے اور اگر صرف ایک

كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

بیٹی ہو تو اس کا حصہ (کل ترکہ کا) نصف ہے، اگر میت کی اولاد ہو تو اس کے ترکہ سے اس کے ماں باپ میں سے ہر

السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ

ایک کا چھٹا حصہ ہے ، اگر میت کی اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ

وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ

ہی وارث ہوں تو ماں کا تیسرا حصہ ہے (اور باقی سب باپ کا ہے) اور اگر میت کے (بہن)

فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ

بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے (یہ تقسیم) اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد، اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد ہے،

اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ

تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم (خود) نہیں جانتے کہ تم کو نفع پہنچانے کے کون زیادہ قریب ہے

فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ⑪ وَلَكُمْ

(یہ) اللہ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے حصص ہیں، بیشک اللہ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے ○ تمہاری بیویوں

نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ

کے ترکہ میں سے تمہارے لیے آدھا حصہ ہے بشرطیکہ ان کی اولاد نہ ہو، اور اگر

كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ

ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں سے تمہارا چوتھائی حصہ ہے ان کی وصیت پوری کرنے

يُّوْصِيْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ

اور ان کا قرض ادا کرنے کے بعد اور اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کا

يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا

چوتھائی حصہ ہے اور اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کا آٹھواں

تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ

حصہ ہے، تمہاری وصیت پوری کرنے اور تمہارا قرض ادا کرنے کے بعد اور اگر کسی ایسے

رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ

مرد یا عورت کا ترکہ تقسیم کرنا ہو جس کے نہ ماں باپ ہوں اور نہ اولاد اور اس کا (ماں کی طرف سے) بھائی یا بہن ہو تو ان میں

وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوٓا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ

سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ (بھائی یا بہن) ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کا

فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ أَوْ

ایک تہائی حصہ ہے اس شخص کی وصیت پوری کرنے اور اس کا قرض ادا کرنے

دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ؕ

کے بعد، وصیت میں نقصان نہ پہنچایا گیا ہو، یہ اللہ کی طرف سے حکم ہے اور اللہ خوب جاننے والا بہت حلم والا ہے ○

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ

یہ اللہ کی حدود ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ اس کو ان

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَذٰلِكَ

جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ

بڑی کامیابی ہے ○ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے

حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع

تجاوز کرے گا اللہ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کے لیے ذلت والا عذاب ہے ○

ع ۲ / ۱۳

وراثت کے تفصیلی احکام

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر وراثت کے احکام بیان فرمائے تھے: مردوں کے لئے اس (مال میں) سے حصہ ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لئے بھی اس (مال میں) سے حصہ ہے جس کو ماں باپ اور قرابت داروں نے چھوڑا ہو خواہ وہ (مال) کم ہو یا زیادہ۔ یہ (اللہ کی طرف سے) مقرر کیا ہوا حصہ ہے (النساء: ۷) اور اب اللہ تعالیٰ نے تفصیلی طور پر وراثت کے احکام شروع فرمائے۔ وراثت کے احکام میں اللہ تعالیٰ نے اولاد کے ذکر سے احکام شروع فرمائے کیونکہ انسان کا سب سے زیادہ تعلق اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے۔ امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (سیدتنا) فاطمہ (رضی اللہ عنہا و سلام اللہ علیہا) میرے جسم کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو غضب ناک کیا اس نے مجھے غضب ناک کیا۔ (صحیح البخاری، رقم

الحدیث : ۲۷۶۷) اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے وراثت کے احکام میں سب سے پہلے اولاد کے حصص بیان فرمائے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں بنو سلمہ میں اپنے گھر کے اندر بیمار تھا تو رسول اللہ ﷺ میری عیادت کے لئے تشریف لائے میں نے عرض کیا : اے اللہ کے نبی! میں اپنے مال کو اپنی اولاد کے درمیان کس طرح تقسیم کروں؟ آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی : اللہ تمہاری اولاد (کی وراثت کے حصوں) کے متعلق تمہیں حکم دیتا ہے کہ میت کے ایک بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی رقم الحدیث : ۲۱۰۳ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۴ھ)

اولاد کے احوال

اولاد کئی صورتوں میں وارث ہوتی ہے' ایک حال یہ ہے کہ میت کی اولاد کے ساتھ میت کے والدین بھی ہوں اور دوسرا حال یہ ہے کہ میت کی وارث صرف اس کی اولاد ہو اور اسکی تین صورتیں ہیں یا تو بیٹے اور بیٹیاں دونوں وارث ہوں گے یا صرف بیٹیاں یا صرف بیٹے' اگر میت نے بیٹے اور بیٹیاں دونوں چھوڑے ہیں تو اس کا حکم اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ بیٹے کو دو حصے اور بیٹی کو ایک حصہ ملے گا مثلاً" اگر ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی ہے تو امور متقدمہ علی الارث کے بعد میت کے ترکہ کے تین حصے کریں گے دو حصص بیٹے کو اور ایک حصہ بیٹی کو ملے گا۔ علی ہذا القیاس اور دوسری صورت یہ کہ اگر میت نے زوجہ' ماں باپ اور بیٹے اور بیٹیوں کو چھوڑا ہو تو اس صورت میں زوجہ اور ماں باپ اصحاب الفرائض ہیں یعنی ان کے حصص مقرر ہیں زوجہ کا آٹھواں حصہ' ماں کا چھٹا حصہ اور باپ کا بھی چھٹا حصہ' تو اصحاب الفرائض کو ان کے حصص دینے کے بعد جو باقی بچے گا وہ سب اولاد میں تقسیم کر دیا جائے گا کیونکہ اولاد عصبات ہیں اور اصحاب الفرائض کو دینے کے بعد جو باقی بچے وہ عصبات میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کتاب اللہ کے مطابق مال کو اصحاب الفرائض کے درمیان تقسیم کرو اور اصحاب الفرائض کو دینے کے بعد جو باقی بچے وہ (میت کے) سب سے اقرب مرد کو دو۔ (سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۷۴۰' صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۶۷۳۷' ۶۷۳۵' ۶۷۳۲' ۶۷۴۶' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۶۱۷' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۰۹۸)

سو اس صورت میں کل ترکہ کے ۲۴ حصص کئے جائیں اس میں سے ۳ حصے اس کی بیوی کو' ۴'۴ حصے اس کے باپ اور ماں کو اور باقی ماندہ ۱۳ حصص اس کی اولاد میں اس طرح تقسیم کر دیں کہ بیٹے کو دو اور بیٹی کو ایک حصہ ملے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ میت نے صرف بیٹیاں چھوڑی ہوں اگر دو یا دو سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو ان کو دو ثلث (دو تہائی) ملیں گے اور اگر صرف ایک بیٹی چھوڑی ہو تو اس کو کل ترکہ کا نصف ملے گا اور اس کے بعد جو ترکہ بچے گا تو وہ دیگر اصحاب الفرائض کو ملے گا اور اگر وہ نہ ہوں تو پھر میت کے عصبات کو مل جائے گا' اور اگر میت نے صرف بیٹے چھوڑے ہوں تو وہ تمام مال کے وارث ہوں گے اور اگر بیٹوں کے ساتھ اصحاب الفرائض بھی ہوں تو اصحاب الفرائض کو ان کا حصہ دینے کے بعد باقی تمام مال بیٹوں کو دے دیا جائے گا۔

مرد کو عورت سے دگنا حصہ دینے کی وجوہات

عورت کو وراثت میں مرد کے حصہ کا نصف ملتا ہے اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ عورت مرد کی بہ نسبت پیسوں کی زیادہ محتاج ہے کیونکہ مرد آزادی کے ساتھ بے خوف وخطر گھر سے باہر نکل سکتا ہے اور عورت اپنے شوہر یا والدین کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکل نہیں سکتی اور اگر باہر جائے تو اس کی عزت اور عصمت کے لئے متعدد خطرات ہیں نیز چونکہ اس کی عقل کم ہوتی ہے اس لئے اگر وہ خرید و فروخت کرے تو اس کے لٹ جانے یا دھوکا کھانے کا بہت اندیشہ ہے اور جسمانی طور پر وہ کمزور صنف ہے اس لئے اگر اس کو مرد سے دگنا حصہ نہ دیا جائے تو کم از کم برابر حصہ دینا چاہئے۔

اس سوال کے حسب ذیل متعدد جوابات ہیں :

(۱) مرد کے بہ نسبت عورت کے اخراجات کم ہوتے ہیں کیونکہ مرد پر اپنی' اپنی بیوی اور بچوں کی اور اپنے بوڑھے والدین کے مصارف کی ذمہ داری ہوتی ہے اس کے برخلاف عورت پر کسی کی پرورش کی ذمہ داری نہیں ہے اور جب عورت کی بہ نسبت مرد کے اخراجات زیادہ ہیں تو مرد کا حصہ بھی عورت سے دگنا ہونا چاہئے۔

(۲) سماجی کاموں کے لحاظ سے مرد کی ذمہ داریاں زیادہ ہوتی ہیں مثلاً" وہ امام اور قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ملک اور وطن کے نظم و نسق چلانے کی ذمہ داریاں رکھتا ہے اور ملک اور وطن کے دفاع کے لئے جہاد کی ذمہ داری بھی مرد پر ہے۔ حدود اور قصاص میں وہی گواہ ہو سکتا ہے اور کاروباری معاملات میں بھی مرد کی گواہی عورت سے دگنی ہے سو جس کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں اس کا وراثت میں حصہ بھی دگنا ہونا چاہئے۔

(۳) عورت چونکہ صنفاً" کمزور ہوتی ہے اور اس کو دنیاوی معاملات کا زیادہ تجربہ نہیں ہوتا اس لئے اگر اس کو زیادہ پیسے مل جائیں تو اندیشہ ہے کہ اس کے وہ سب پیسے ضائع ہو جائیں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے یہ بحث ذکر کی ہے کہ ایک بیٹی کا وراثت سے نصف حصہ قطعی ہے اور جس حدیث میں ہے کہ ہم گروہ انبیاء مورث نہیں بنائے جائیں گے وہ ظنی ہے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ظنی حکم کے مقابلہ میں قطعی کو کیوں ترک کر دیا اور حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وراثت سے حصہ کیوں نہیں دیا' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ہمارے لئے ظنی ہے حضرت ابو بکر نے چونکہ اس کو زبان رسالت سے سنا تھا اس لئے ان کے لئے یہ حدیث قرآن مجید کی طرح قطعی تھی اس کی مفصل بحث ہم نے شرح مسلم جلد خامس میں کی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اگر میت کی اولاد ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اگر میت کی اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو ماں کا تیسرا حصہ ہے (اور باقی سب باپ کا حصہ ہے) اور اگر میت کے (بہن) بھائی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ ہے۔ (النساء : ۱۱)

والدین کے احوال

اولاد کا اطلاق مذکر اور مونث دونوں پر ہوتا ہے اس لئے میت کے ماں باپ کے ساتھ اگر اولاد ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں :

پہلی صورت یہ ہے : کہ ماں باپ کے ساتھ ایک یا ایک سے زیادہ بیٹے ہوں تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا دوسری صورت یہ ہے کہ ماں باپ کے ساتھ بیٹے اور بیٹیاں دونوں ہوں پھر بھی ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا

حصہ ملے گا' تیسری صورت یہ ہے کہ میت کی صرف ایک بیٹی ہو اور ماں باپ ہوں تو بیٹی کو نصف ملے گا اور ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا البتہ باقی مال بھی باپ کو بہ طور عصبہ ہونے کے مل جائے گا۔

اگر میت کی اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو ماں کو تہائی مل جائے گا اور باقی دو تہائی مال باپ کو بہ طور عصبہ دے دیا جائے گا اور اس صورت میں مرد (باپ) کو عورت (ماں) سے دگنا حصہ مل جائے گا۔

اگر میت کے (بہن) بھائی ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا۔ یہ والدین کے احوال میں سے تیسرا حال ہے جس میں میت نے والدین کے ساتھ اپنے بہن بھائیوں کو بھی چھوڑا ہو' اس پر اتفاق ہے کہ ایک بہن یا بھائی ماں کے تہائی حصہ کے لئے حاجب بن کر اس کو چھٹا نہیں کرتے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ جب بہن یا بھائی کا عدد تین کو پہنچ جائے تو وہ ماں کا حصہ تہائی سے کم کر کے چھٹا کر دیتے ہیں اور اگر دو بہنیں یا دو بھائی ہوں تو اس میں اختلاف ہے اکثر صحابہ کا نظریہ یہ ہے کہ وہ بھی ماں کا حصہ تہائی سے کم کر کے چھٹا کر دیتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں دو بہنیں ماں کا حصہ تہائی سے کم نہیں کرتیں۔ فقہاء احناف کا مذہب اکثر صحابہ کے قول کے مطابق ہے' یہ بھی واضح رہے کہ دو بہنیں کسی قسم کی ہوں سگی یا سوتیلی خواہ ماں کی طرف سے خواہ باپ کی طرف سے۔ اسی طرح سے بھائی بھی۔ وہ ماں کے لئے حاجب ہیں اور اس کا حصہ تہائی سے کم کر کے چھٹا کر دیتے ہیں اور ایک بہن ہو یا ایک بھائی وہ ماں کے لئے حاجب نہیں ہیں خواہ وہ بہن یا بھائی عینی ہوں علاتی ہوں یا اخیافی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (یہ تقسیم) اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد' اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد ہے۔ (النساء : ۱۱)

قرض کو وصیت پر مقدم کرنے کے دلائل

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ وارثوں میں ترکہ کی تقسیم پر قرض کی ادائیگی مقدم ہے۔ اگر میت پر لوگوں کا اتنا قرض ہے کہ وہ اس کے تمام ترکہ پر محیط ہے تو وارثوں کو کچھ نہیں ملے گا اور میت کے ترکہ سے اس کا قرض ادا کیا جائے گا اور اگر میت کا قرض ادا کرنے کے بعد مال بچ رہتا ہے اور میت نے وصیت بھی کی ہوئی ہے تو ایک تہائی مال سے اس کی وصیت پوری کی جائے گی اور اس کے بعد اس کا باقی ماندہ ترکہ ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

اس آیت میں میت کی وصیت پوری کرنے کا قرض کی ادائیگی سے پہلے ذکر کیا ہے لیکن اس پر امت کا اجماع ہے کہ پہلے میت کا قرض ادا کیا جائے گا پھر اس کی وصیت پوری کی جائے گی۔ اس کے حسب ذیل دلائل ہیں :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیان کرتے ہیں :

اور ذکر کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے فیصلہ کیا کہ قرض کی ادائیگی وصیت پر مقدم ہے' اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلٰى أَهْلِهَا (النساء : ۵۸) اور بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانات امانتوں والوں کو ادا کردو۔

اور نفلی وصیت پوری کرنے کی بہ نسبت امانت کو ادا کرنا مقدم ہے (قرض بھی ایک طرح سے امانت ہے)۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۲۷۴۹ کتاب الوصایا' باب : ۹)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حارث، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کو پورا کرنے سے پہلے قرض ادا کرنے کا حکم دیا حالانکہ تم قرآن مجید میں وصیت کو قرض سے پہلے پڑھتے ہو۔ امام ترمذی نے کہا عام اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے کہ وصیت پوری کرنے سے پہلے قرض ادا کیا جائے گا۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۱۲۹، ۲۱۰۱، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۲۷۱۵)

حارث اعور کے ضعف کا بیان

یہ حدیث حارث نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، حارث کے ترجمہ میں حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں :

حارث بن عبد اللہ ہمدانی اعور (یک چشم) کبار علماء تابعین میں سے ہے اور اس میں ضعف ہے۔ یہ حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے حدیث روایت کرتا ہے اور اس سے عمرو بن مرہ، ابو اسحاق اور ایک جماعت حدیث روایت کرتی ہے شعبی نے کہا کہ ابو اسحٰق نے اس سے صرف چار احادیث کا سماع کیا ہے نیز شعبی نے کہا مجھے حارث اعور نے حدیث بیان کی اور وہ کذاب تھا، نیز مغیرہ نے کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت میں حارث کی تصدیق نہیں کی جاتی تھی۔ ابن المدینی نے کہا یہ کذاب ہے۔ ابن معین نے کہا ضعیف ہے۔ نسائی نے کہا یہ قوی نہیں ہے۔ ابن عدی نے کہا اس کی عام روایات غیر محفوظ ہیں۔ دار قطنی نے کہا ضعیف ہے۔ حصین نے شعبی سے روایت کیا کہ حضرت علی کی طرف حارث نے جتنی جھوٹی احادیث منسوب کی ہیں اتنی اور کسی نے نہیں کیں۔ ابن سیرین کا یہ گمان تھا کہ اس کی حضرت علی سے عام روایات باطل ہیں۔ ابن اسحاق نے اس کو کذاب کہا۔ ابن حبان نے کہا حارث تشیع میں غالب تھا اور حدیث میں ضعیف تھا۔

ابوبکر بن ابی داؤد نے کہا حارث بہت بڑا فقیہ تھا اور علم میراث کا ماہر تھا اس نے یہ علم حضرت علی سے سیکھا تھا۔ حارث اعور نے ۶۵ھ میں وفات پائی۔ (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۷۲۔ ۱۷۰ ملخصا")

نیز اس کے ترجمہ کے متعلق دیکھیں : تاریخ صغیر للبخاری ج ۱ ص ۱۴۱، الجرح والتعدیل ج ۳ ص ۳۶۳، ضعفاء ابن الجوزی ج ۱ ص ۱۸۱، النجوم الزاھرۃ ج ۱ ص ۱۸۵، شذرات الذھب ج ۱ ص ۷۳، طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۱۶۸، مراۃ الجنان ج ۱ ص ۱۴۱۔

حافظ جمال الدین ابی الحجاج یوسف مزی متوفی ۷۴۲ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں :

امام مسلم بن الحجاج نے اپنی سند کے ساتھ شعبی سے روایت کیا ہے کہ حارث اعور کذاب تھا، ابو معاویہ نے ابو اسحاق سے روایت کیا ہے کہ حارث اعور کذاب تھا ابن معین سے ایک روایت ہے کہ حارث ثقہ ہے۔ امام ابو زرعہ نے کہا اس کی روایات سے استدلال نہیں کیا جائے گا، امام نسائی سے ایک روایت ہے کہ یہ قوی نہیں ہے اور ایک روایت ہے کہ اس کی روایت کردہ حدیث میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جابر جعفی نے عامر شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما حارث سے حضرت علی کرم اللہ الوجہ الکریم کی روایات کے متعلق سوال کرتے تھے۔ امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے اس کی روایات درج کی ہیں۔

(تہذیب الکمال ج ۴ ص ۴۴۔ ۳۹ ملخصا" مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی زیادہ تر یہی نقل کیا ہے کہ حارث اعور کذاب اور ضعیف ہے اور بعض ائمہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ ثقہ ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۳۵۔ ۱۴۳ ملخصا" مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

نیز حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ کی اس کے متعلق رائے یہ ہے :
یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شاگرد تھا شعبی نے اس کو کذاب کہا ہے' اور اس پر رفض کی تہمت ہے اور اس کی احادیث ضعیف ہیں۔ امام نسائی نے اس کی صرف دو حدیثیں روایت کی ہیں یہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہوا تھا۔ (تقریب التہذیب ج ا ص ۱۷۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ)

اہل علم کے عمل سے حدیث ضعیف کی تقویت

ہر چند کہ حارث کی جس روایت میں قرض کو وصیت پر مقدم کرنے کا ذکر ہے اس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں تعلیقاً درج کیا ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کے باوجود علماء امت کا اس حدیث پر عمل ہے' جیسا کہ امام ترمذی نے کہا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ اسی وجہ سے امام بخاری نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے' حالانکہ حدیث ضعیف سے استدلال کرنا ان کی عادت نہیں ہے اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ قرض وصیت پر مقدم ہے۔
(فتح الباری ج ۵ ص ۳۷۸-۳۷۷' مطبوعہ لاہور' ۱۴۰۱ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ اہل علم کے عمل سے بھی حدیث ضعیف کی تقویت ہو جاتی ہے۔

قرض کو وصیت پر مقدم کیا جاتا ہے لیکن قرآن مجید میں وصیت کے ذکر کو قرض پر مقدم کیا گیا ہے اس لئے کہ قرض کا مطالبہ کرنے والے قرض خواہ ہوتے ہیں اور وصیت کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہیں ہوتا' اس لئے یہ خدشہ ہے کہ ورثاء وصیت کو چھپالیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے وصیت کا ذکر پہلے فرمایا' دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص موت تک قرض ادا نہ کرے اس لئے یہ نادر الوجود ہے اور وصیت عام طور پر کی جاتی ہے اس لئے وصیت کو پہلے اور قرض کو بعد میں ذکر فرمایا لیکن ذکر میں تقدم واقع میں تقدم کو مستلزم نہیں ہوتا جیسا کہ واسجدی وارکعی (آل عمران : ۴۳) میں سجدہ کا پہلے اور رکوع کا بعد میں ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تمہاری بیویوں کے ترکہ میں سے تمہارے لئے آدھا حصہ ہے بشرطیکہ ان کی اولاد نہ ہو اور اگر ان کی اولاد ہو تو تمہارے لئے ترکہ میں سے چوتھائی حصہ ہے۔ ان کی وصیت پوری کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد' اور اگر تمہاری اولاد نہ ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کا چوتھائی حصہ ہے اور اگر تمہاری اولاد ہو تو تمہارے ترکہ میں سے ان کا آٹھواں حصہ ہے تمہاری وصیت پوری کرنے اور تمہارا قرض ادا کرنے کے بعد۔

شوہر اور بیوی کے احوال

اولاد کی ماں باپ کے ساتھ اور ماں باپ کی اولاد کے ساتھ نسبی قرابت ہے' اور یہ بلاواسطہ قرابت ہے اور شوہر کی بیوی کے ساتھ اور بیوی کی شوہر کے ساتھ نکاح کے سبب سے قرابت ہے اور یہ بھی بلاواسطہ قرابت ہے' ان کے علاوہ جو قرابتیں ہیں مثلاً" بھائی بہن وغیرہ وہ بالواسطہ قرابتیں ہیں کیونکہ بھائی' بہن وغیرہ کی قرابت ماں باپ کے واسطہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے بلاواسطہ قرابت داروں کے احکام وراثت بیان فرمائے اور پھر بالواسطہ قرابت داروں کے احکام بیان فرمائے' اور بلاواسطہ قرابت میں نسبی قرابت سببی قرابت سے قوی ہے اس لئے پہلے نسبی قرابت داروں میں اولاد اور ماں باپ کے حصص بیان فرمائے اس کے بعد سببی قرابت میں شوہر اور بیوی کے حصص بیان فرمائے اور یہ نہایت عمدہ ترتیب ہے۔

اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ اگر بیوی کی اولاد نہ ہو تو شوہر کا حصہ نصف (آدھا) ہے اور اگر اولاد ہو تو اس کا حصہ

چوتھائی ہے اور اگر شوہر کی اولاد نہ ہو تو بیوی کا حصہ ربع (چوتھائی) ہے اور اگر اولاد ہو تو اس کا حصہ ثمن (آٹھواں) ہے اس سے واضح ہوا کہ شوہر کا حصہ بیوی کے حصہ سے دگنا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مرد کا حصہ عورت سے دگنا ہوتا ہے۔

اس آیت میں اولاد سے مراد عام ہے خواہ ایک ہو یا زیادہ' مذکر ہو یا مونث' نیز وہ اولاد بلا واسطہ ہو جیسے بیٹا یا بیٹی یا بالواسطہ ہو جیسے پوتا اور پوتی' اور جب بیوی شوہر کی وارث ہو تو شوہر کی اولاد عام ہے خواہ اسی بیوی سے ہو یا کسی اور بیوی سے۔ اسی طرح جب شوہر بیوی کا وارث ہو تب بھی اولاد عام ہے خواہ وہ اسی شوہر کی اولاد ہو یا اس کے پہلے شوہر کی اولاد ہو' اسی طرح بیوی ایک ہو یا کئی بیویاں ہوں سب کا حصہ ثمن (آٹھواں) ہے اور وہ آٹھواں حصہ ان سب بیویوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ تقسیم کرنا ہو جس کا نہ والد ہو اور نہ اولاد اور (اس کا ماں کی طرف سے) بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ (بھائی یا بہن) ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کا تہائی حصہ ہے اس شخص کی وصیت پوری کرنے اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد۔ وصیت میں نقصان نہ پہنچایا گیا ہو۔ یہ اللہ کی طرف سے حکم ہے اور اللہ خوب جاننے والا' بہت حکمت والا ہے۔

کلالہ کا معنی اور اس کے مصداق کی تحقیق

کلالہ کی کئی تفسیریں ہیں : ایک تفسیر یہ ہے کہ کلالہ ان وارثوں کو کہتے ہیں جو میت کے نہ والد ہوں اور نہ اولاد۔ یہ تفسیر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ کلالہ اس مورث میت (مرنے والے شخص) کو کہتے ہیں جس کا نہ والد ہو اور نہ اس کی اولاد ہو' یہ تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور یہی تفسیر مختار ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ کلالہ میت کے ترکہ کو بھی کہتے ہیں۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

شعبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کلالہ کی تفسیر میں میری ایک رائے ہے اگر یہ درست ہے تو اللہ وحدہ لاشریک کی طرف سے ہے اور اگر یہ خطاء ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ اس سے بری ہے' کلالہ اس وارث کو کہتے ہیں جو میت کا نہ والد ہو اور نہ اولاد' اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے کہا میں اس بات سے اللہ سے حیاء کرتا ہوں کہ میں نے کلالہ کی تفسیر میں حضرت ابوبکر کی رائے سے اتفاق نہیں کیا۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۱۹۲' مطبوعہ دار المعرفۃ' ۱۴۰۹ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب میں بیمار ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میری عیادت کے لئے آئے مجھ پر بے ہوشی طاری تھی آپ نے وضو کیا اور وضو کا بچا ہوا پانی مجھ پر ڈالا مجھے ہوش آگیا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! میں اپنے مال کو کس طرح تقسیم کروں۔ آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ میراث کی آیت نازل ہوئی :

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ إِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَآ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوٓا إِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ۔

(النساء : ۱۷۶)

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۶۱۶)

آپ سے حکم معلوم کرتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ اللہ تمہیں کلالہ (کی میراث) میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص فوت ہو جائے جس کی نہ اولاد ہو (نہ والد) اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لئے نصف ترکہ ہے' اور وہ شخص اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس کا بیٹا نہ ہو' اور اگر دو بہنیں ہوں تو ان کو اس شخص کے ترکہ کا دو تہائی ۲/۳ ملے گا اور اگر اس کے وارث بہن بھائی ہوں مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے۔

یہ سورہ النساء کی آخری آیت ہے نبی ﷺ نے کلالہ کی تفسیر میں اسی آیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے :

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

معدان بن ابی طلحہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب نے جمعہ کے دن خطبہ دیا اور اس خطبہ میں نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا اور کہا میں اپنے بعد کلالہ سے اہم اور کوئی چیز چھوڑ کر نہیں جا رہا' اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے جتنا کلالہ کے متعلق پوچھا ہے اور کسی چیز کے متعلق نہیں پوچھا اور آپ نے جتنی سختی اس میں کی ہے اور کسی چیز میں نہیں فرمائی حتیٰ کہ آپ نے میرے سینہ میں انگلی چبھوئی اور فرمایا اے عمر کیا تم کو سورہ النساء کی آخری آیت کافی نہیں ہے؟

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۶۱۷)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں :

کلالہ کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں اور زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ کلالہ ان وارثوں کو کہتے ہیں جو والد (ماں باپ) اور اولاد (یا بیٹے کی اولاد) کے ماسوا ہوں' اس کے ثبوت میں حضرت براء بن عازب سے حدیث صحیح ہے' ایک قول یہ ہے کہ جو وارث بیٹے کے ماسوا ہوں' ایک قول یہ ہے کہ اخیافی بھائیوں کو کلالہ کہتے ہیں' ایک قول ہے عم زاد بھائیوں کو کلالہ کہتے ہیں ایک قول ہے تمام عصبات کو' ایک قول ہے تمام وارثوں کو' ایک قول ہے میت کو' ایک قول ہے مال موروث کو' جوہری نے کہا کلالہ اس مرنے والے کو کہتے ہیں جس کی نہ اولاد ہو نہ والد (ماں باپ) ہو' زمخشری نے کہا کلالہ کا اطلاق تین پر کیا جاتا ہے اس مرنے والے پر جس کی نہ اولاد ہے نہ والد (ماں باپ) اور اس وارث پر جو نہ والد (ماں باپ) ہے نہ اولاد' اور ان قرابت داروں پر جو والد (ماں باپ) اور اولاد کی جہت سے نہ ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۸۷' مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ' ۱۳۴۸ھ)

علامہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں :

صحیح یہ ہے جس پر علماء کی ایک جماعت کا اتفاق ہے کہ کلالہ اس مرنے والے کو کہتے ہیں جس کا نہ والد (ماں باپ) ہو اور نہ اولاد۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۵۶۵' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

جب کوئی شخص فوت ہو جائے اور نہ اس کا والد (ماں باپ) ہو اور نہ اس کی اولاد تو اس کے وارث کلالہ ہیں۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور جمہور اہل علم کا قول ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۷۶ ' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران ' ۱۳۸۷ھ)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اکثر صحابہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول یہ ہے کہ کلالہ وہ وارث ہیں جو والدین اور اولاد کے ماسوا ہوں یہی قول صحیح اور مختار ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۶۲ ' مطبوعہ دار الفکر بیروت ' ۱۳۹۸ھ)

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

مرنے والا خود کلالہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وان کان رجل یورث کلالۃ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ کلالہ میت کا اسم ہے اور کلالہ اس کا حال اور اس کی صفت ہے اسی لئے منصوب ہے ' حضرت عمر نے فرمایا تھا کلالہ مرنے والے کا وارث ہے جو نہ والد (ماں باپ) ہو نہ ولد ' اور میں حضرت ابوبکر کی مخالفت سے حیا کرتا ہوں اور جب حضرت عمر زخمی ہوئے تو انہوں نے کہا کلالہ اس مرنے والے کو کہتے ہیں جس کی نہ اولاد ہو نہ والد۔ حضرت ابن عباس سے بھی یہی مروی ہے سو قرآن مجید کی یہ آیت اور صحابہ کرام کے اقوال اس پر دلالت کرتے ہیں کہ مرنے والا خود کلالہ ہے۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۸۶ ' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ' ۱۴۰۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ تقسیم کرنا ہو جس کا نہ والد ہو اور نہ اولاد اور (اس کا ماں کی طرف سے) بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے اور اگر وہ (بھائی یا بہن) ایک سے زیادہ ہوں تو ان سب کا تہائی حصہ ہے۔

آیت مذکورہ میں بھائی بہن سے اخیافی بھائی بہن مراد ہونے پر دلائل

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت کریمہ میں بھائی یا بہن سے مراد فقط اخیافی بھائی بہن (ماں کی طرف سے) ہیں ' عام مفسرین کا اسی پر اتفاق ہے حتی کہ بعض نے کہا اس پر اجماع ہے۔ متعدد مفسرین نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ اس آیت کو یوں پڑھتے تھے ولہ اخ واخت من ام۔ اور حضرت ابی اس کو پڑھتے تھے ولہ اخ او اخت من الام ' ہرچند کہ یہ قرات شاذ ہے تاہم اکثر علماء کا یہ مختار ہے کہ جب قرات شاذہ صحیح سند کے ساتھ مروی ہو تو وہ خبر واحد کے حکم میں ہے اور اس پر بھی عمل کرنا واجب ہے اور اس میں بعض کا اختلاف بھی ہے۔ اس پر دوسری دلیل یہ ہے کہ عینی اور علاتی بھائی ' بہن (سگے اور باپ کی طرف سے) کا ذکر اس سورت کی آخری آیت میں ہے۔ نیز اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ اگر اخیافی بھائی یا بہن ایک ہو تو اس کا حصہ سدس (چھٹا) ہے اور اگر ایک سے زیادہ ہو تو ان کا حصہ ثلث (تہائی) ہے اور ماں کا بھی یہی حصہ ہے تو مناسب ہوا کہ ماں کی طرف بھائی یا بہن کا بھی یہی حصہ ہو نیز عینی بھائی اور بہن عصبہ ہوتے ہیں جیسا کہ اس سورت کے آخر میں فرمایا ہے اور اس آیت میں بھائی اور بہن کا حصہ سدس اور ثلث مقرر فرمایا ہے اب اگر اس آیت میں بھائی اور بہن سے علاتی بھائی اور بہن مراد لیا جائے تو ان آیتوں میں تعارض لازم آئے گا۔

احکام وراثت کی اطاعت پر جنت کی بشارت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہ اللہ کی حدود ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ اس کو ان جنتوں میں داخل کردے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ (النساء: ۱۳)

یتیموں اور میراث کے متعلق جو احکام بیان کئے گئے ہیں یہ اللہ کی حدود ہیں یعنی اللہ کے دیئے ہوئے شرعی احکام ہیں اور اس کی اطاعت کی تفصیلات اور شرائط ہیں' ان پر حدود کا اطلاق اس وجہ سے کیا گیا کہ مکلف کے لئے ان احکام سے تجاوز کرنا جائز نہیں ہے۔

اور جو شخص اللہ کے ان احکام پر عمل کرے گا اللہ اس کو ان جنتوں میں داخل کردے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے تجاوز کرے گا اللہ اس کو دوزخ میں داخل کردے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے ذلت والا عذاب ہے۔ (النساء : ۱۴)

احکام وراثت کی نافرمانی کرنے والے پر دائمی عذاب کی وعید اور اس کی توجیہ

جس نے میراث کے ان احکام میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی یا اللہ اور اس کے رسول کے فرائض میں سے کسی فرض میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور اس نے حلال سمجھ کر وراثت کی حدود سے تجاوز کیا اللہ اس کو دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے داخل کردے گا۔

اس آیت میں کسی حکم کی نافرمانی کرنے اور حدود سے تجاوز کرنے پر دائمی عذاب کی وعید ہے جب کہ دائمی عذاب صرف کفار کے لئے ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے اللہ کی اہانت اور اس کے رسول کی نافرمانی کی یا حلال سمجھ کر اللہ اور اس کے رسول کی حدود سے تجاوز کیا' یا جمیع حدود سے تجاوز کیا وہ کافر ہو گیا' اور اس آیت میں یہی تاویل ہے۔

جنتیوں کے بیان میں خلود کا ذکر جمع کے صیغہ کے ساتھ ہے اور دوزخیوں کے ذکر میں خلود کا ذکر واحد کے صیغہ کے ساتھ ہے کیونکہ اطاعت گزار اپنے ساتھ ان کو بھی جنت میں لے جائیں گے جن کی وہ شفاعت کریں گے اس لئے جمع کے صیغہ کا ذکر کیا اور کافر دوزخ میں اکیلا جائے گا' دوسری وجہ یہ ہے کہ جنت میں خلود انس کا سبب ہوگا اس لئے جمع کا صیغہ ذکر کیا' اور دوزخ میں خلود وحشت کا سبب ہوگا اور دوزخی اس وحشت میں اکیلا ہوگا اس لئے واحد کا صیغہ ذکر کیا۔

معتزلہ وغیرہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جس نے وراثت کے کسی حکم میں نافرمانی کی وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اس سے یہ معلوم ہوا کہ فاسق مرتکب کبیرہ دوزخ میں ہمیشہ رہے گا' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت عدم عفو کے ساتھ مقید ہے یعنی اگر اللہ اس کو معاف نہ کرے تو وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا جبکہ معتزلہ کے نزدیک بھی اس میں یہ قید ہے کہ اگر اس نے توبہ نہ کی تو وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

امام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جو شخص کسی وارث کی میراث سے بھاگا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جنت سے اس کی وراثت کو منقطع کردے گا۔ (سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۷۰۳)

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو ان کے خلاف اپنے چار (مسلمان) مردوں کی گواہی

أَرْبَعَةً مِّنكُمْ ۖ فَإِن شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ

طلب کرو، پس اگر وہ گواہی دے دیں تو ان (عورتوں) کو گھروں میں مقید رکھو حتیٰ کہ انھیں

يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ﴿١٥﴾ وَاللَّذَانِ

موت آجائے، یا اللہ ان کے لیے کوئی (اور) راہ پیدا کر دے ○ اور تم میں سے جو

يَأْتِيَانِهَا مِنكُمْ فَآذُوهُمَا ۖ فَإِن تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا ۗ

دو شخص بے حیائی کا ارتکاب کریں تو تم ان کو اذیت پہنچاؤ، پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نیک ہو جائیں تو ان سے

إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿١٦﴾ إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ

درگزر کرو، بیشک اللہ بہت توبہ قبول فرمانے والا، نہایت رحم فرمانے والا ہے ○ توبہ کی مقبولیت اللہ پر صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو

يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ

جہالت سے گناہ کر بیٹھیں پھر عنقریب توبہ کر لیں تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ

يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ

اللہ (اپنے فضل سے حتماً) قبول فرماتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے ○ اور ان لوگوں کی توبہ مقبول نہیں ہے

لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ

جو مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں، حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی شخص کو موت آتی ہے تو

قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ

وہ کہتا ہے میں نے اب توبہ کی اور نہ ان لوگوں کی توبہ مقبول ہے جو حالتِ کفر میں مرتے ہیں

أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا

یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ○ اے ایمان والو! تمھارے لیے یہ جائز نہیں

يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا

کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ، اور نہ تم ان کو اس لیے روکو کہ تم ان کو دیے ہوئے

بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ

(مہر) میں سے کچھ واپس لے لو سوا اس صورت کے کہ وہ علی الاعلان بے حیائی کا ارتکاب کریں،

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ

اور تم ان کے ساتھ نیک سلوک کرو، پھر اگر تم ان کو ناپسند کرو تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز

تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ

کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے ○ اور اگر تم ایک بیوی

اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا

کے بدلہ دوسری بیوی لانا چاہو اور ان میں سے ایک کو تم ڈھیروں مال دے چکے ہو، تو

تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾ وَ

اس مال میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم اس مال کو بہتان باندھ کر اور کھلے گناہ کا ارتکاب کرکے واپس لوگے؟ اور تم

كَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ

اس مال کو کیونکر واپس لوگے جب کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ (خلوت میں) مل چکے ہو اور وہ تم سے

مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ

پختہ عہد لے چکی ہیں ○ اور ان عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو جن کے ساتھ تمہارے

اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ ع

باپ دادا نکاح کر چکے ہیں مگر جو گزر چکا، بیشک ایسا فعل بے حیائی اور موجب غضب ہے اور بہت ہی برا طریقہ ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں۔ (النساء: ۱۵)

عورتوں کی بدکاری پر ابتدائی سزا کا بیان

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا تھا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی بدکاری پر انہیں سزا دینے کا حکم دیا ہے اور یہ بھی درحقیقت ان کے ساتھ حسن سلوک ہے کیونکہ سزا ملنے کے بعد جب وہ بدکاری سے باز آجائیں گی تو آخرت کی سزا سے بچ جائیں گی، دوسری وجہ یہ بتلانا ہے کہ عورتوں کے ساتھ حسن

سلوک کا معنی یہ نہیں ہے کہ انہیں بے حیائی کے لئے بے لگام چھوڑ دیا جائے' اور تیسری وجہ یہ بتانا ہے کہ احکام شرعی اعتدال پر مبنی ہیں' ان میں افراط اور تفریط نہیں ہے نہ یہ کہ عورت کو بالکل دبا کر رکھا جائے اور اس کے حقوق سلب کرلئے جائیں اور نہ یہ کہ اسے بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے اور اس کی بے راہ روی پر بھی اس سے محاسبہ اور مواخذہ نہ کیا جائے۔

جمہور مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اس آیت میں بدکاری سے مراد زنا ہے کیونکہ جب عورت کی طرف زنا کی نسبت کی جائے تو اس کا ثبوت اسی وقت ہوتا ہے جب اس کے خلاف چار مسلمان مرد گواہی دیں۔ اسلام میں ابتداء" اس کی یہ سزا تھی کہ ایسی عورت کو تاحیات گھر میں قید کردیا جائے یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راہ پیدا کردے' اور وہ راہ یہ ہے کہ کنواری عورت کو سو کوڑے لگائے جائیں اور شادی شدہ کو رجم کردیا جائے اور اس راہ کا بیان رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا ہے:

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے لو' مجھ سے لو' اللہ نے عورتوں کے لئے راہ پیدا کردی' اگر کنوارہ مرد کنواری عورت کے ساتھ زنا کرے تو سو کوڑے لگاؤ اور ایک سال کے لئے شہر بدر کردو اور اگر شادی شدہ مرد شادی شدہ عورت کے ساتھ بدکاری کرے تو ان کو سو کوڑے لگاؤ اور ان کو سنگسار کردو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۹۰' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۴۳۹' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۲۵۵۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۲۲' صحیح ابن حبان ج ۱۰ ص ۴۴۲۵)

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آیت اس وقت منسوخ ہوگئی جب زنا کی حد کے احکام نازل ہوگئے' اور ابو مسلم اصفہانی کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی ان کے نزدیک عورتوں کی بدکاری یا بے حیائی کے کام سے مراد زنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد عورتوں کا اپنی جنس کے ساتھ لذت حاصل کرنا ہے' لیکن ابو مسلم اصفہانی کا یہ قول اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اس کے علاوہ اور کسی نے یہ تفسیر نہیں کی' اور یہ اس حدیث کے خلاف ہے کہ اللہ نے عورتوں کے لئے راہ پیدا کردی۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۶۷' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تو ان کے خلاف اپنے چار (مسلمان آزاد) گواہ طلب کرو۔

حدود میں عورتوں کی گواہی نامعتبر ہونے کے دلائل

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ حدود میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

زہری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے بعد دونوں خلیفوں کے زمانہ میں یہ سنت تھی کہ حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں۔

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ حدود میں عورتوں کی گواہی جائز نہیں۔

عامر بیان کرتے ہیں کہ حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں۔

سفیان بیان کرتے ہیں کہ میں نے حماد سے سنا ہے کہ حدود میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں۔

شعبی بیان کرتے ہیں کہ حدود میں عورت کی گواہی جائز ہے نہ غلام کی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۶۰-۵۹، مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۳۳۰-۳۲۹)

علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں امت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

زنا کے ثبوت کے لئے چار مسلمان آزاد مردوں کی گواہی ضروری قرار دی ہے تاکہ زنا کے ثبوت کے لئے بار ثبوت سخت ہو زنا کے ثبوت کے لئے یہ کڑی شرط اس لئے عائد کی گئی ہے تاکہ لوگوں کی عزتیں محفوظ رہیں اور کوئی شخص دو جھوٹے گواہ پیش کرکے کسی کو بلاوجہ متہم نہ کرسکے، اگر کوئی شخص چار مسلمان گواہ پیش نہ کرسکا تو اس پر حد قذف لگے گی جو اسی (۸۰) کوڑے ہیں اور جس نے کسی کو زنا کرتے ہوئے دیکھا اور اس پر چار گواہ نہ ہوں تو بندوں کا پردہ رہے گا، یا اس لئے کہ زنا کا ارتکاب مرد اور عورت کرتے ہیں اور ہر دو کو سزا ملتی ہے اس لئے اس میں چار گواہ مقرر کیے گئے تاکہ ہر ایک کے حق میں دو دو گواہ ہوں اور نصاب شہادت مکمل ہو جائے لیکن یہ کوئی قوی وجہ نہیں ہے۔

حد زنا میں چار مردوں کی گواہی پر اعتراض کا جواب

چار مرد گواہوں کی شرط پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ مثلاً "لڑکیوں کے ہوسٹل میں ایک لڑکی کی جبراً" اور ظلماً" عصمت دری کی گئی اور موقع پر صرف لڑکیاں ہیں یا کسی صورت میں کوئی بھی نہیں ہے وہ لڑکی کیسے انصاف حاصل کرے گی، اس کا جواب یہ ہے کہ سزا اس وقت دی جاتی ہے جب قانونی تقاضے پورے ہوں مثلاً" اگر جنگل میں جہاں کوئی نہ ہو وہاں کوئی شخص کسی کو قتل کردے تو گواہ نہ ہونے کی وجہ سے قاتل کو سزا نہیں ملے گی ایسی صورتوں میں مجرم دنیاوی سزا سے تو بچ جائے گا لیکن اخروی سزا کا مستحق ہوگا۔

کیا زانی کے خلاف استغاثہ کرنے والی لڑکی پر حد قذف لگے گی؟

ایک وحشت زدہ کنواری لڑکی جس کا لباس تار تار اور خون آلود ہے روتی اور آنسو بہاتی ہوئی پولیس کے پاس پہنچتی ہے اور کہتی ہے کہ فلاں شخص نے اس کے ساتھ زنا بالجبر کیا ہے۔ اس شخص کو فوراً" موقع واردات پر گرفتار کرلیا جاتا ہے اور میڈیکل رپورٹ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اس لڑکی سے دخول کیا گیا ہے اور اس شخص کی منی اس لڑکی کے اندام نہانی میں موجود ہے تو اب سوال یہ ہے کہ اس قرینہ کی وجہ سے اس شخص پر زنا کی حد لازم ہوگی یا بغیر چار مرد گواہوں کے اس شخص کی طرف زنا کی نسبت کرنے کی وجہ سے اس لڑکی پر حد قذف لگائی جائے گی؟ اس کا حل یہ ہے کہ ثبوت زنا کے لئے یقیناً" یہ قوی قرینہ ہے لیکن اس شخص پر حد لگانے کے بجائے اس کو تعزیراً" سزا دی جائے جیسا کہ فقہاء شراب کی بو کی بناء پر شراب کی حد تو جاری نہیں کرتے لیکن تعزیراً" سزا دیتے ہیں، باقی رہا یہ سوال کہ بغیر چار مرد گواہوں کے کسی شخص کی طرف زنا کی نسبت کرنا قذف ہے اور اس کو تہمت لگانا ہے اس لئے اس لڑکی پر حد قذف لگنی چاہئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قذف اس وقت ہوگا جب کوئی شخص کسی کو متہم اور بدنام کرنے کی حیثیت سے مسلمانوں میں ایک فحش بات کو پھیلانے کی غرض سے اس پر زنا کی تہمت لگائے، اس کے علاوہ اگر کسی غرض صحیح کی وجہ سے کوئی شخص کسی کی طرف زنا کی نسبت کرے تو یہ قذف نہیں ہے مثلاً" ایک شخص حاکم کے سامنے اعتراف جرم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے اس لئے مجھ پر حد جاری کی جائے۔ اب اس کے اعتراف سے اس پر تو زنا کی حد لازم ہو جائے گی لیکن اس کے اعتراف سے اس عورت پر اس وقت تک حد لازم نہیں ہوگی جب تک کہ وہ عورت خود اعتراف نہ کرے اور اس شخص نے جو اعتراف جرم کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ اس نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے اور اس عورت کی طرف زنا

کی نسبت کی ہے یہ قذف نہیں ہے' اور نہ ان کلمات سے اس شخص پر حد قذف لازم ہوگی کیونکہ ان کلمات سے اس شخص کا مقصود اپنے جرم کا اعتراف کرنا ہے نہ کہ کسی کو بدنام اور متہم کرنا مقصود ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم میں سے جو دو شخص بے حیائی کا ارتکاب کریں تو تم ان کو اذیت پہنچاؤ' پس اگر وہ توبہ کرلیں تو ان سے درگزر کرو۔

"دو شخصوں کی بے حیائی" کی تفسیر میں متعدد اقوال

اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد کنوارہ مرد اور کنواری عورت ہے اور اس سے پہلی آیت میں شادی شدہ عورتیں مراد تھیں اس کی دلیل یہ ہے :

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

سدی نے کہا اس آیت میں کنواری لڑکیاں اور کنوارے لڑکے مراد ہیں جن کا نکاح نہیں ہوا اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر وہ بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان کو (مار پیٹ سے) ایذا پہنچاؤ۔ ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔

بعض نے کہا پہلی آیت میں زناکار عورتیں مراد تھیں اور ان کی سزا یہ تھی کہ ان کو ان کے گھروں میں مقید کردو اور اس آیت میں زناکار مرد مراد ہیں اور ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو مارپیٹ سے ایذا پہنچاؤ' اس کی دلیل یہ ہے کہ مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا ہے اس آیت سے زنا کرنے والے مرد مراد ہیں' اور بعض نے کہا اس آیت میں مرد اور عورت دونوں مراد ہیں خواہ وہ کنوارے ہوں یا شادی شدہ ان کی سزا یہ ہے کہ ان کو مار پیٹ کر ایذا پہنچائی جائے یہ عطا اور حسن بصری کا قول ہے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۲۰۰' مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

ایذاء پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ ان کو اس بے حیائی پر ملامت کی جائے اور ڈانٹ ڈپٹ کی جائے اور مار پیٹ کی جائے۔ حسن بصری کا قول یہ ہے کہ عورتوں کو پہلے ملامت کی جائے اور مارا جائے اور پھر گھروں میں قید کردیا جائے اور اس آیت کا حکم مقدم ہے اور اس سے پہلے والی آیت کا حکم موخر ہے' بہرحال جمہور مفسرین کے نزدیک ان دونوں آیتوں کا حکم سورہ نور سے منسوخ ہوگیا جس میں کنواروں کے لئے زنا کی حد سو کوڑے بیان کی گئی ہے اور احادیث متواترہ سے جن میں شادی شدہ زانیوں کی حد رجم (سنگسار کرنا) بیان کی گئی ہے البتہ ابو مسلم کے نزدیک پہلی آیت سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنی جنس کے ساتھ شہوانی لذت حاصل کرتی ہیں اور دوسری آیت سے مراد وہ مرد ہیں جو ایک دوسرے سے عمل قوم لوط (اغلام) کرکے لذت حاصل کرتے ہیں۔ ابو مسلم کے نزدیک یہ دونوں آیتیں منسوخ نہیں ہیں لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ صحابہ کرام اور فقہاء تابعین نے عمل قوم لوط کی حرمت پر اس آیت سے استدلال نہیں کیا تاہم چونکہ یہاں اغلام کی بحث آگئی ہے اس لئے ہم اغلام کی حرمت پر قرآن مجید اور احادیث سے دلائل کا ذکر کریں گے۔

اغلام کی حرمت پر قرآن مجید کی آیات

وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِينَ ○ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ○ (الاعراف : ۸۱-۸۰)

اور لوط کو بھیجا جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم ایسی بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا والوں میں سے کسی نے نہیں کی○ بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے نفسانی خواہش پوری کرتے ہو بلکہ تم (انسانیت کی) حد سے تجاوز کرنے والے ہو۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝

(النمل : ۵۵-۵۴)

اور لوط کو (یاد کیجئے) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا تم (آپس میں) دیکھتے ہوئے بے حیائی کرتے ہو ۝ بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے نفسانی خواہش پوری کرتے ہو بلکہ تم جاہل لوگ ہو۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝

(النمل : ۵۸)

اور ہم نے ان پر پتھروں کی بارش کی سو جو لوگ ڈرائے ہوئے تھے ان پر کیسی بری بارش ہوئی۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِىَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝

(هود : ۸۳-۸۲)

اور جب ہمارا عذاب آ پہنچا تو ہم نے (قوم لوط کی) بستی کے اوپر کے حصہ کو نچلا حصہ کردیا اور ہم نے ان پر لگاتار کنکر پتھر برسائے جو آپ کے رب کی طرف سے نشان زدہ تھے' اور پتھر برسانے کی یہ سزا ظالموں کے لئے مستبعد نہیں ہے۔

اغلام کی حرمت پر احادیث اور آثار

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس چیز کا مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ خوف ہے وہ قوم لوط کا عمل (اغلام' مرد کا اپنی جنس کے ساتھ بدفعلی کرنا) ہے۔ (یہ حدیث حسن ہے)

(سنن ترمذی' رقم الحدیث ۱۴۵۷' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۵۶۳' المستدرک صحیح الاسناد : ج ۴ ص ۳۵۷)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو تم قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کردو۔

(سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۴۴۶۲' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۴۵۶' سنن ابن ماجہ : رقم الحدیث' ۲۵۶۱' شعب الایمان' رقم الحدیث : ۵۳۸۶)

امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جو لوگ عہد شکنی کرتے ہیں ان میں قتل (عام) ہوجاتا ہے اور جن لوگوں میں بے حیائی پھیل جاتی ہے اللہ تعالیٰ ان میں موت کو مسلط کردیتا ہے اور جو لوگ زکوٰۃ نہیں دیتے ان سے بارش کو روک لیا جاتا ہے۔ یہ حدیث امام مسلم کی شرح کے مطابق صحیح ہے۔

(المستدرک ج ۲ ص ۱۲۶' امام ذہبی نے بھی اس حدیث کی موافقت کی ہے)

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے سات آدمیوں پر سات آسمانوں کے اوپر سے لعنت کرتا ہے' اور ان میں سے ایک شخص پر تین بار لعنت کرتا ہے اور ہر ایک پر ایسی لعنت کرتا ہے جو اس کو کافی ہوگی۔ فرمایا : جو قوم لوط کا عمل کرے وہ ملعون ہے' جو قوم لوط کا عمل کرے وہ ملعون ہے' جو قوم لوط کا عمل

کرے وہ ملعون ہے' جو غیر اللہ کے لئے ذبح کرے وہ ملعون ہے' جو کسی جانور سے بدفعلی کرے وہ ملعون ہے' جو شخص ماں باپ کی نافرمانی کرے وہ ملعون ہے' جو شخص ایک عورت اور اس کی بیٹی کو نکاح میں جمع کرے وہ ملعون ہے' جو شخص زمین کی حدود میں تبدیلی کرے وہ ملعون ہے' جو شخص اپنے مولا کے غیر کی طرف منسوب ہو وہ ملعون ہے۔ (محرز بن عارون کے سوا اس حدیث کی سند صحیح ہے جمہور کے نزدیک وہ ضعیف ہے' لیکن امام ترمذی نے اس کی حدیث کو حسن کہا ہے' حاکم نے اس حدیث کو کہا یہ صحیح الاسناد ہے) (المعجم الاوسط' رقم الحدیث : ۸۴۹۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار آدمی اللہ کے غضب میں صبح کرتے ہیں اور اللہ کے غضب میں شام کرتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ وہ کون ہیں؟ فرمایا : وہ مرد جو عورت کی مشابہت کریں اور وہ عورتیں جو مردوں کی مشابہت کریں اور جو شخص جانور سے بدفعلی کرے اور جو مرد' مرد سے بدفعلی کرے۔

اس حدیث کے ایک راوی محمد بن سلام تخزاعی کی حضرت ابوہریرہ سے روایت غیر معروف ہے' امام بخاری نے کہا اس حدیث میں اس کا کوئی متابع نہیں ہے۔ امام ابن عدی نے کہا محمد بن سلام کی وجہ سے یہ حدیث منکر ہے' ہرچند کہ یہ حدیث ضعیف ہے لیکن ترہیب میں معتبر ہے۔

(المعجم الاوسط' رقم الحدیث : ۶۸۵۴' شعب الایمان' رقم الحدیث : ۵۳۸۵' کامل ابن عدی : ج ۶ ص ۲۲۳۳)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

محمد بن منکدر بیان کرتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کو لکھا کہ عرب کے بعض قبائل میں ان کو ایک مرد ملا جو مرد کے ساتھ بدفعلی کرتا ہے' حضرت ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو جمع کیا جن میں حضرت علی بھی تھے (رضی اللہ عنہم اجمعین) حضرت علی نے فرمایا یہ ایک ایسا گناہ ہے جس کو صرف ایک امت نے کیا تھا اور تمہیں معلوم ہے اللہ نے ان پر کیسا عذاب بھیجا' میری رائے ہے کہ اس شخص کو آگ میں جلا دیا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب نے اس پر اتفاق کرلیا کہ اس شخص کو آگ میں جلا دیا جائے' پھر حضرت ابوبکر نے اس شخص کو آگ میں جلانے کا حکم دیا۔ (یہ حدیث حسن ہے) (شعب الایمان' رقم الحدیث : ۵۳۸۹)

امام بخاری عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ زندیق لائے گئے۔ انہوں نے ان کو جلا دیا' حضرت ابن عباس کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا اگر میں وہاں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا' کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے عذاب کے ساتھ سزا دینے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۶۹۲۲) چونکہ وہاں پر موجود حضرت علی رضی اللہ عنہ تک یہ حدیث نہیں پہنچی تھی اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ مشورہ دیا اور دیگر صحابہ نے اس مشورہ کی تائید کی۔

عمل قوم لوط کی حد یا تعزیر میں مذاہب اربعہ

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں :

درر غرر میں مذکور ہے کہ جو شخص عمل قوم لوط کرے اس کو تعزیر لگائی جائے گی مثلاً" اس کو آگ میں جلا دیا جائے گا' اور اس پر دیوار گرا دی جائے گی' اور اس کو کسی بلند جگہ سے الٹا کر کے گرا دیا جائے گا اور اس پر پتھر مارے جائیں گے اور الحاوی میں مذکور ہے کہ اس کو کوڑے مارنا زیادہ صحیح ہے' فتح القدیر میں مذکور ہے اس پر تعزیر ہے اور اس کو اس وقت تک قید میں رکھا جائے حتی کہ وہ مرجائے یا توبہ کرلے' اور اگر وہ دوبارہ یہ عمل کرے تو اس کو امام سیاستہً" قتل کردے' امام کی قید

سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کو یہ اختیار نہیں ہے (النہر و البحر) اسی طرح استمناء حرام ہے' صحیح مذہب یہ ہے کہ جنت میں عمل قوم لوط نہیں ہو گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مذمت کی ہے اور اس کو قبیح اور خبیث فعل قرار دیا ہے اور جنت اس عمل سے پاک ہے (فتح القدیر) الاشباہ والنظائر میں مذکور ہے کہ اس فعل کی حرمت عقلی ہے اس لئے جنت میں اس کا وجود نہیں ہو گا ایک قول یہ ہے کہ اس کی حرمت شرعی ہے' البحر میں مذکور ہے کہ اس کی حرمت عقلاً" شرعاً" اور طبعاً" زنا سے زیادہ شدید ہے اور زنا کی حرمت طبعاً" نہیں ہے کیونکہ جس عورت کی طرف طبیعت راغب ہو اس سے نکاح کیا جاسکتا ہے اور اگر وہ کنیز ہو تو اس کو خرید کر اس سے شہوت پوری کی جاسکتی ہے' اس کے برخلاف اگر کسی لڑکے پر طبیعت راغب ہو تو اس سے قضاء شہوت کا کوئی جائز ذریعہ نہیں ہے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ یہ کم درجہ کا جرم ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حد مجرم کو جرم سے پاک کردیتی ہے (یہ امام شافعی کا قول ہے) بلکہ حد نہ ہونا اس جرم کی شدت کی وجہ سے ہے اور جو شخص اس عمل کو جائز سمجھے وہ جمہور کے نزدیک کافر ہے۔

(الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۶۔ ۱۵۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

زیادات میں مذکور ہے اس کے فاعل کی سزا امام کی رائے پر موقوف ہے جب کہ فاعل عادی ہو خواہ اس کو قتل کردے خواہ اس کو مارے اور قید کردے' الاشباہ میں مذکور ہے جب تک وہ بار بار یہ فعل نہ کرے امام اعظم کے نزدیک اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ علامہ بیری نے کہا ہے کہ دوبار اس فعل کے کرنے پر اس کو قتل کردیا جائے گا' فتح القدیر میں ہے کہ اس کو بلندی سے گرانے کی سزا اس لئے ہے تاکہ قوم لوط کی سزا سے مشابہت ہو کیونکہ ان کی زمین کو الٹ پلٹ کردیا گیا تھا۔ ابن الولید معتزلی نے کہا جنت میں اس فعل کے اندر کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ دنیا میں اس فعل سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس سے نسل منقطع ہوتی ہے اور یہ فعل محل نجاست میں ہوتا ہے اور جنت میں یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں' اس لئے جنت میں شراب حلال ہے کیونکہ اس میں نشہ نہیں ہو گا اور نہ عقل زائل ہو گی' امام ابو یوسف نے جواب دیا کہ مردوں کی طرف جنسی میلان کرنا ان کے لئے باعث عار ہوتا ہے اور یہ فی نفسہ قبیح ہے کیونکہ ان کو اس عمل کے لئے پیدا نہیں کیا گیا اسی وجہ سے اس فعل کو کسی شریعت میں جائز نہیں کیا گیا' اس کے برعکس شراب بعض شریعتوں میں جائز تھی اور جنت کو باعث عار اور قابل نفرت کاموں سے پاک رکھا گیا ہے' لیکن ابن الولید نہیں مانا اس نے کہا عار کی وجہ یہ ہے کہ اس میں نجاست کے ساتھ تلویث ہے اور جب جنت میں نجاست نہیں ہو گی تو عار بھی نہیں ہو گا' اس کے ثبوت کے لئے دو گواہ کافی ہیں نہ کہ چار اور اس میں صاحبین کا اختلاف ہے۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۳ ص ۱۵۶۔ ۱۵۵ مطبوعہ بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں :

عمل قوم لوط سب سے بڑی بے حیائی کا کام ہے اس لئے اس پر سب سے بڑی حد ہے اس میں دو قول ہیں :

(۱) امام شافعی نے کہا ہے کہ شادی شدہ ہو یا کنوارہ اس کو پتھر مار مار کر قتل کردیا جائے (کتاب الام ج ۷ ص ۸۳)

حضرت عبداللہ بن عباس' سعید بن مسیب' امام مالک' امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ قتل کرنے کے دو طریقے ہیں یا تو رجم کردیا جائے یہ فقہائے بغداد کا قول ہے یا تلوار سے قتل کردیا جائے یہ فقہائے بصرہ کا قول ہے۔

(۲) شادی شدہ کو رجم کردیا جائے اور کنوارے کو سو کوڑے لگائے جائیں اور اس کو ایک سال کے لئے شہر بدر کردیا

جائے۔ اس کی حد میں فاعل اور مفعول بہ برابر ہیں البتہ اگر مفعول نابالغ ہو تو اس پر تعزیر ہے۔

(الحاوی الکبیر ج ۱۷ ص ۶۲ ملخصاً" مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ)

علامہ عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں :

امام احمد بن حنبل کے نزدیک عمل قوم لوط کرنے والے کی حد یہ ہے کہ اس کو رجم کردیا جائے خواہ وہ شادی شدہ ہو خواہ کنوارہ۔ امام احمد کا دوسرا قول یہ ہے کہ کنوارے کو کوڑے لگائے جائیں گے اور شادی شدہ کو رجم کیا جائے گا۔

(المغنی ج ۹ ص ۵۸ ملخصاً" مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۵ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن علی الخرشی المالکی متوفی ۱۱۰۱ھ لکھتے ہیں :

جس شخص نے قوم لوط کا عمل کیا ہو تو فاعل اور مفعول بہ دونوں کو رجم کردیا جائے خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ' فاعل کی اس بات میں تصدیق نہیں کی جائے گی کہ اس نے خوشی سے یہ فعل کیا تھا یا مجبوراً" اگر مفعول بہ کے ساتھ جبراً" یہ فعل کیا گیا یا بچہ کے ساتھ اس کی خوشی سے کیا گیا ہو تو اس کو رجم نہیں کیا جائے گا' اور صرف فاعل کو رجم کیا جائے گا اس کے ثبوت کے لئے بھی چار گواہ ضروری ہیں جس طرح زنا میں چار مرد گواہوں کی شرط ہے۔

(الخرشی علی مختصر سیدی خلیل ج ۸ ص ۸۲' مطبوعہ دار صادر بیروت)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس عمل پر حد ہے اور بہ ظاہر اس کا ثبوت بھی چار گواہوں سے ہو گا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر تعزیر ہے کیونکہ اس کی سزا حد زنا کی طرح معین اور قطعی نہیں ہے نیز امام ابو حنیفہ کے نزدیک حد کا نہ ہونا تخفیف کے لئے نہیں بلکہ تغلیظ کے لئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : توبہ کی توفیق دینا صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو جہالت سے گناہ کر بیٹھیں پھر عنقریب توبہ کرلیں تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ (اپنے فضل سے حتماً") قبول فرماتا ہے۔ (النساء : ۱۷)

جہالت سے گناہ کرنے پر مقبولیت توبہ کی تشریح

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جب دو شخص بے حیائی کا کام کریں تو ان کو ایذا پہنچاؤ' اور جب وہ توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو ان سے درگزر کرو' اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول ہونے کی یہ شرط بیان فرمائی ہے جو جہالت سے کوئی گناہ کریں تو ان کی توبہ قبول ہو گی' اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جہالت سے کوئی گناہ کرنا تو مواخذہ اور گرفت کا مستحق ہی نہیں تو اس پر توبہ کرنے یا صرف اسی کی توبہ قبول ہونے کا کیا مطلب ہے؟ حضرت ابوذر غفاری نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے میری امت کی خطا' نسیان اور جس کام پر اس کو مجبور کیا جائے اس سے درگزر فرمالیا۔ (سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۰۴۳) نیز قرآن اور حدیث کی دیگر تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ عمداً" گناہ کرنے پر بھی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔

اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں :

(۱) اللہ تعالیٰ کے نزدیک معصیت کا ارتکاب جہالت ہے خواہ وہ معصیت عمداً" کی جائے' قرآن مجید میں ہے :

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ

(یوسف نے) دعا کی اے میرے رب مجھے قید خانہ اس گناہ کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہے جس کی طرف یہ دعوت دیتی ہیں اور اگر تو

الْجٰهِلِيْنَ○(یوسف : ۳۳) نے ان کا مکر مجھ سے دور نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ○(یوسف : ۸۹) یوسف نے (اپنے بھائیوں سے) کہا کیا تم کو علم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا جب تم جاہل تھے۔

ان کے علاوہ قرآن مجید میں اور بھی بہت آیات ہیں جن میں عمداً" معصیت پر جہالت کا اطلاق کیا گیا ہے امام عبدالرزاق اور امام ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ قتادہ نے کہا صحابہ کا اس پر اجماع ہے کہ ہر معصیت جہالت ہے خواہ عمداً" ہو یا بغیر عمد کے (در منثور ج ۲ ص ۱۳۰)

(۲) زیر بحث آیت میں جہالت سے مراد اس فعل کی معصیت ہونے کی جہالت نہیں ہے بلکہ اس فعل پر جو عذاب مرتب ہوتا ہے اس کی جہالت مراد ہے۔

(۳) بعض اوقات انسان کو یہ علم ہوتا ہے کہ یہ فعل معصیت ہے اور اس پر عذاب ہوتا ہے لیکن وہ اس عذاب کی کیفیت اور اس کی مدت سے جاہل ہوتا ہے اس وجہ سے وہ معصیت کا ارتکاب کرلیتا ہے۔

ان جوابات کی روشنی میں اس آیت کا معنی یہ ہوا کہ جو لوگ جہالت کا کام کر بیٹھیں پھر توبہ کرلیں' یا جو لوگ معصیت کے عذاب سے جہالت کی بناء پر گناہ کر بیٹھیں پھر توبہ کرلیں تو صرف ان کے لئے توبہ کی قبولیت ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ آیت کے پہلے جز میں بھی یہی فرمایا تھا کہ صرف ان کے لیے توبہ کی قبولیت ہے اور بعد میں بھی یہی فرمایا کہ ان کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور یہ بہ ظاہر تکرار ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کے پہلے جز میں توبہ کی توفیق مراد ہے اور دوسرے جز میں اللہ کا اپنے کرم سے حتماً" توبہ کا قبول فرمانا مراد ہے اور یہ صرف اللہ کے کرم سے ہے اس میں بندہ کا کوئی استحقاق نہیں ہے' اور اس کا خلاصہ یہ ہے : توبہ کی توفیق دینا صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو جہالت سے گناہ کر بیٹھیں پھر عنقریب توبہ کرلیں تو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ (اپنے فضل سے حتماً") قبول فرماتا ہے۔

توبہ کی تعریف اس کے ارکان اور شرائط ہم نے آل عمران : ۱۳۳ میں تفصیل سے بیان کردیئے ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ معصیت پر دل سے نادم ہونا اور دوبارہ اس معصیت کو نہ کرنے کا عزم صمیم کرنا' اللہ تعالیٰ سے گزشتہ معصیت پر بخشش چاہنا' اور معصیت کا تدارک اور تلافی کرنا ہی توبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان لوگوں کی توبہ مقبول نہیں ہے جو مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ جب ان میں سے کسی شخص کو موت آتی ہے تو وہ کہتا ہے میں نے اب توبہ کی اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہے جو حالت کفر میں مرتے ہیں (النساء : ۱۸)

غرغرہ موت کے وقت توبہ کا قبول نہ ہونا

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ جو لوگ گناہ کرنے کے بعد جلد توبہ کرلیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالیتا

ہے اور اس آیت میں فرمایا ہے کہ جو لوگ مسلسل گناہ کرتے رہتے ہیں اور توبہ کرنے میں تاخیر کرتے ہیں حتیٰ کہ ان کی نزع روح کا وقت آ جاتا ہے اور وہ امور غیبیہ کا مشاہدہ کر لیتے ہیں اس وقت ان کو اضطراری طور پر اللہ کے حق ہونے کا یقین ہو جاتا ہے اس وقت وہ ایمان لے آئیں یا توبہ کر لیں تو وہ ایمان اور توبہ مقبول نہیں کیونکہ اپنے اختیار سے اللہ کو حق ماننے اور توبہ کرنے کا نام ایمان ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جب تک غرغرہ موت (نزع روح) کا وقت نہ آئے اللہ تعالیٰ بندوں کی توبہ قبول کرتا رہتا ہے۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۵۴۸' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۴۲۵۳' شرح السنۃ' رقم الحدیث : ۱۳۰۶' صحیح ابن حبان : ج ۲ ص ۶۲۸' مسند احمد : ج ۲ ص ۱۳۲' ۱۵۳' ج ۳ ص ۴۲۵)

امام ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جس شخص نے فرشتوں کو دیکھنے سے پہلے توبہ کر لی وہ اس کی عنقریب توبہ ہے۔ امام ابن جریر اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں ضحاک سے روایت کیا ہے کہ موت سے پہلے ہر چیز عنقریب ہے۔ موت کے فرشتہ کو دیکھنے سے پہلے توبہ مقبول ہوتی ہے اور موت کے فرشتہ کو دیکھنے کے بعد توبہ مقبول نہیں ہوتی۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۱۳۰' مطبوعہ ایران)

فرعون چونکہ موت کے فرشتے اور عذاب کو دیکھنے کے بعد ایمان لایا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا ایمان قبول نہیں فرمایا :

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَکَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَکُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ○ (یونس : ۹۱۔ ۹۰)

حتیٰ کہ فرعون کو جب غرق نے گھیر لیا تو اس نے کہا میں اللہ پر ایمان لایا جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ (فرمایا) تو اب ایمان لایا ہے حالانکہ اس سے پہلے تو نافرمانی کرتا رہا تھا اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور نہ تم ان کو اس لئے روکو کہ تم ان کو دیئے ہوئے (مہر) میں سے کچھ واپس لے لو۔ سوائے اس صورت کے کہ وہ علی الاعلان بے حیائی کا ارتکاب کریں' اور تم ان کے ساتھ نیک سلوک کرو پھر اگر تم ان کو ناپسند کرو تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے ○ (النساء : ۱۹)

زمانہ جاہلیت کے مظالم سے عورتوں کو نجات دلانا

اس سورت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے مسائل اور احکام بیان فرمائے تھے درمیان میں ایک مناسبت سے توبہ کا ذکر آ گیا' اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر اس موضوع کو شروع کر دیا' زمانہ جاہلیت میں لوگ عورتوں پر طرح طرح کے ظلم کرتے تھے اور ان کو ایذا پہنچاتے تھے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اس ایذا رسانی اور ظلم سے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی شخص فوت ہو جاتا تو اس کے اولیاء

(ورثاء) اس کی بیوی کے حق دار ہوتے تھے' اگر وہ چاہتے تو اس کا کہیں نکاح کر دیتے اور اگر چاہتے تو خود اس سے نکاح کر لیتے اور اگر چاہتے تو اس کا کہیں نکاح نہ کرتے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔
(تفسیر مجاہد ص ۱۵۰' تفسیر سفیان ثوری ص ۹۲' تفسیر الزجاج ج ۲ ص ۲۹)

اس آیت میں یہ بتادیا کہ کسی شخص کا زبردستی عورت کا وارث بن جانا ناجائز اور حرام ہے' نیز فرمایا : اور نہ تم ان کو اس لئے روکو' اس سے مراد یہ ہے کہ جب بیوہ عورت کسی اور جگہ نکاح کرنا چاہے تو تم اس کو اس سے منع نہ کرو زمانہ جاہلیت میں بیوہ عورت کے وارث اس کو اپنی مرضی سے کسی جگہ نکاح نہیں کرنے دیتے تھے تاکہ ان کی گرفت سے آزاد ہو کر وہ اپنے مہر کا مطالبہ نہ کرے یا وہ اس عورت کو اس وقت تک نہیں چھوڑتے تھے جب تک کہ وہ اپنے مہر کی رقم ورثاء کو دے کر اپنی خلاصی نہ کرائے (تفسیر الزجاج ج ۲ ص ۳۰) یا پھر وہ عورت ورثاء کی قید میں مرجاتی اور وہ اس کے مرنے کے بعد اس کے مہر کی رقم پر قبضہ کر لیتے تھے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۲۰۸)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا : سوا اس صورت کے کہ وہ عورتیں علی الاعلان بے حیائی کا ارتکاب کریں۔

اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت میں علی الاعلان بے حیائی سے کیا مراد ہے؟ عطا خراسانی نے کہا ہے کہ اس سے مراد زنا ہے' یعنی اگر کوئی عورت زنا کرے تو اس کا شوہر اس کو مہر میں دی ہوئی رقم واپس لے لے پہلے یہی حکم تھا بعد میں جب حدود کے احکام نازل ہوئے کہ کنواری کو سو کوڑے مارے جائیں اور شادی شدہ کو رجم کر دیا جائے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ علی الاعلان بے حیائی سے مراد شوہر سے بغض رکھنا اور اس کی نافرمانی کرنا ہے اگر عورت ایسا کرے تو شوہر اس کو مہر میں دی ہوئی رقم واپس لے سکتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو تم نے ان عورتوں کو اپنے عقد میں اللہ کی امانت سے لیا ہے' اور اللہ کی اجازت سے تم نے ان کے جسموں کو اپنے اوپر حلال کیا ہے اور تمہارے ان پر حقوق ہیں' اور تم پر ان کے حقوق ہیں' تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر کسی اور کو نہ آنے دیں' اور کسی نیک بات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں' جب وہ یہ کرلیں تو دستور کے مطابق ان کا طعام اور پوشاک تم پر لازم ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت ہے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۲۱۲۔۲۱۱ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو اللیث سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ھ نے لکھا ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر کی نافرمانی کرے تو وہ اس سے دی ہوئی چیزیں واپس لے سکتا ہے۔ (تفسیر سمرقندی ا ص ۲۴۲۔۲۴۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ)

علامہ آلوسی حنفی نے لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ استثناء منقطع ہے یا متصل' اگر یہ استثناء منقطع ہو تو اس میں عورتوں کے شوہروں سے خطاب ہے۔ جیسا کہ مذکور الصدر تفاسیر سے ظاہر ہے اگر یہ استثناء متصل ہو تو پھر اس میں بیوہ عورتوں کے ورثاء سے خطاب ہے کہ تم بیوہ عورتوں کے زبردستی وارث نہ بنو اور نہ تم ان کو اس لئے کسی جگہ نکاح کرنے سے روکو تاکہ تم ان کو دیئے ہوئے مہر سے کچھ واپس لے لو سوا اس صورت کے کہ وہ زنا کریں پھر بہ طور سزا ان کے مہر سے کچھ رقم لے لو' لیکن حدود کے نازل ہونے کے بعد یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا۔

اس کے بعد فرمایا اور تم ان کے ساتھ نیکی کا سلوک کرو' یہ عورتوں کے شوہروں سے خطاب ہے' یعنی جب عورتیں

بے حیائی کا کام نہ کریں اور جائز اور نیکی کے کاموں میں تمہاری اطاعت اور مدد کریں تو تم ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو' ان کو اپنی حیثیت کے مطابق اچھا کھلاؤ اور اچھا پہناؤ۔ پھر فرمایا اگر تم ان کو ناپسند کرو' تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو' اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھ دے' یعنی جس عورت کی شکل وصورت تم کو ناپسند ہے ہو سکتا ہے کہ اس سے بہت حسین وجمیل اولاد پیدا ہو' اور نیک سیرت بچے ہوں جو بڑھاپے میں تمہارا سہارا بنیں' اور ان کی نیکیاں تمہاری بخشش اور نجات کا ذریعہ بن جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر تم ایک بیوی کے بدلہ دوسری بیوی لانا چاہو' اور ان میں سے ایک کو تم ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس مال میں سے تم کچھ بھی واپس نہ لو۔ کیا تم اس مال کو بہتان باندھ کر اور کھلے گناہ کا ارتکاب کر کے واپس لو گے؟

(النساء : ۲۰)

زیادہ سے زیادہ مہر رکھنے کی کوئی حد نہیں ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اگر تم کو کوئی عورت ناپسند ہو اور اس کے علاوہ دوسری عورت پسند ہو اور تم یہ ارادہ کرو کہ تم اپنی عورت کو طلاق دے کر دوسری عورت سے نکاح کر لو تو تمہارے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ مطلقہ عورت کو جو مہر دیا تھا اس کو واپس لے لو' خواہ وہ ڈھیروں مال کیوں نہ ہو' کیا تم اس عورت پر کوئی تہمت یا بہتان باندھ کر اس مال کو واپس لو گے؟ اور تمہارے لئے اس عورت سے مال لینا کس طرح جائز ہو گا حالانکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ عمل ازدواج کر کے جسمانی قرب حاصل کر چکے ہو' اور تم اس عورت سے مہر پر عقد نکاح کر چکے ہو جس پر مسلمان گواہ ہو چکے ہیں اور اللہ بھی ہر چیز پر گواہ ہے۔ (الوسیط ج ۱ ص ۲۸۔ ۲۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورت کا زیادہ سے زیادہ مہر رکھنے کی کوئی حد نہیں ہے۔

قنطار کا معنی

اس آیت میں عورت کو دی ہوئی رقم کے لئے قنطار کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کی مقدار میں حسب ذیل آثار ہیں:
حضرت ابو ہریرہ نے کہا قنطار بارہ ہزار ہیں' ابو نضرہ العبدی نے کہا بیل کی کھال میں جتنا سونا بھرا جا سکے' حسن بصری نے کہا اس سے مراد بارہ ہزار ہیں' مجاہد نے کہا اس سے مراد ستر ہزار دینار ہیں' حضرت معاذ نے کہا اس سے مراد بارہ سو اوقیہ ہیں (ایک اوقیہ' چالیس درہم کے برابر ہے) مجاہد سے ایک اور روایت ہے کہ اس سے مراد ستر ہزار مثقال ہیں۔

(سنن دارمی' رقم الحدیث : ۳۳۰۷۔ ۳۳۶۴' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

تاہم اس آیت میں قنطار سے مراد ڈھیروں روپیہ ہے۔ امام ابو جعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا اس سے مراد مال کثیر ہے (جامع البیان : ج ۴ ص ۲۱۴) اسی طرح علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے بھی لکھا ہے اس سے مراد مال کثیر ہے۔

(روح المعانی ج ۴ ص ۲۴۳)

حضرت عمر کا زیادہ مہر رکھنے سے منع فرمانا

امام سعید بن منصور متوفی ۲۲۷ھ روایت کرتے ہیں :

شعبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ انہوں نے اللہ کی حمد وثناء کی پھر فرمایا سنو! عورتوں کے مہر بہت زیادہ نہ رکھا کرو۔ اگر مجھے کسی کے متعلق معلوم ہوا کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باندھے

ہوئے مہر سے زیادہ مہر باندھا ہے تو میں آپ کے مقرر کردہ مہر سے زائد رقم کو بیت المال میں داخل کر دوں گا۔ اس وقت قریش کی ایک عورت نے کہا اے امیر المومنین آیا اللہ کی کتاب پر عمل کرنا زیادہ حقدار ہے یا آپ کے حکم پر عمل کرنا' حضرت عمر نے کہا بلکہ اللہ کی کتاب پر عمل کرنا' اس عورت نے کہا آپ نے ابھی عورتوں کا زیادہ مہر رکھنے سے منع کیا ہے حالانکہ اللہ عزوجل اپنی کتاب میں فرماتا ہے : اگر تم نے کسی عورت کو قنطار (ڈھیروں مال) بھی دیا ہو تو اس سے واپس نہ لو' حضرت عمر نے فرمایا ہر شخص عمر سے زیادہ فقیہہ ہے آپ دو یا تین بار یہ فرما کر منبر سے نیچے اتر آئے اور فرمایا میں نے تم کو زیادہ مہر رکھنے سے منع کیا تھا سنو اب جو شخص جتنا چاہے مہر رکھ سکتا ہے۔ (سنن سعید بن منصور' رقم الحدیث : ۵۹۸' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث : ۱۰۴۲۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۳۳' مجمع الزوائد ج ۴ ص ۲۸۴)

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں کہ امام ابو یعلی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ کوئی شخص چار سو درہم سے زیادہ مہر نہ رکھے اور جب اس عورت نے قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی تو آپ نے فرمایا اے اللہ مجھے معاف فرما ہر شخص کو عمر سے زیادہ قرآن کی سمجھ ہے' اور زبیر بن بکار نے عبداللہ بن مصعب سے روایت کیا ہے کہ اس عورت کے اعتراض کے بعد حضرت عمر نے فرمایا مرد نے خطا کی اور عورت نے درست کیا۔ (الدر المنثور ج ۲ ص ۱۳۳)

دوسری روایت کو حافظ ابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ نے بھی عبداللہ بن مصعب سے روایت کیا ہے (جامع بیان العلم ج ۱ ص ۱۳۱)

حضرت عمر کے علم پر شیعہ کا اعتراض اور اس کا جواب

علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے اس حدیث کو امام ابو یعلیٰ کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ شیعہ اس حدیث پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت عمر کو اس مسئلہ کا بھی علم نہیں تھا تو وہ خلافت کے اہل کس طرح ہو سکتے ہیں؟ پھر انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس آیت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ قنطار مہر باندھنا جائز ہے مثلاً" کوئی کہے کہ اگر فلاں شخص تمہارے بیٹے کو قتل کر دے پھر بھی تم اس کو معاف کر دینا اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ اس کو قتل کرنا جائز ہے اسی طرح یہاں فرمایا کہ اگر تم عورت کو قنطار دو پھر بھی اس سے واپس نہ لینا۔ اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ قنطار مہر باندھنا جائز ہے' دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں قنطار دینے کا ذکر ہے نہ یہ کہ قنطار بہ طور مہر دیا جائے اس لئے اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قنطار مہر باندھنا جائز ہے اور خاوند کا عورت کو ہبہ کر کے واپس لینا صحیح نہیں ہے' امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے بہتر عورت وہ ہے جس کا سب سے آسان مہر ہو' حضرت عائشہ نے روایت کیا ہے کہ عورت کی سعادت یہ ہے کہ اس کا مہر سہل ہو۔

(روح المعانی ج ۴ ص ۲۴۵)

ہمارے نزدیک علامہ آلوسی کے یہ دونوں جواب صحیح نہیں ہیں کیونکہ اس حدیث کے مطابق حضرت عمر نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ قنطار مہر باندھنا جائز ہے اور اس عورت کی رائے کو صحیح اور اپنی رائے کو خطا قرار دے کر اس سے رجوع فرما لیا تھا اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی للہیت اور بلند ہمتی کی دلیل ہے کہ بھرے مجمع میں انہوں نے اپنی رائے سے رجوع فرما لیا۔ رہا شیعہ کا اعتراض تو اس کا جواب یہ ہے کہ خلیفہ کے لئے عالم کل ہونا لازم نہیں ہے' امام بخاری نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زندیقوں کو جلا دیا۔ حضرت ابن عباس کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے کہا کہ اگر میں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے عذاب کے ساتھ عذاب نہ دو اور میں ان زندیقوں کو قتل کر دیتا' کیونکہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کردو۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۶۹۲۲)

امام حسین بن محمد بغوی متوفی ۵۱۶ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا : ابن عباس نے سچ کہا۔ اور تمام اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ مرتد کو قتل کیا جائے گا۔

(شرح السنۃ ج ۵ ص ۲۳۱' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا آپ نے اس کا جواب دیا اس شخص نے کہا یہ مسئلہ اس طرح نہیں اس طرح ہے' حضرت علی نے فرمایا تم نے درست کہا اور میں نے خطا کی۔ وفوق کل ذی علم علیم اور ہر علم والے سے زیادہ علم والا ہے۔

(جامع البیان ج ۱۳ ص ۱۹' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

حافظ ابن عبد البر نے بھی اس اثر کو محمد بن کعب القرظی سے روایت کیا ہے (جامع بیان العلم ج ۱ ص ۱۳۱)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ کسی ایک مسئلہ کا علم نہ ہونا خلافت کے منافی نہیں اور یہ حضرت علی کی عظمت ہے کہ انہوں نے حدیث کے سامنے ہونے کے بعد اپنے موقف سے رجوع فرمالیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم اس مال کو کیونکر واپس لو گے! جب کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ (خلوت میں) مل چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں (النساء : ۲۱)

خلوت صحیحہ کی وجہ سے کامل مہر کے وجوب پر فقہاء احناف کے دلائل

اس آیت میں زن وشو کے لئے افضاء کا لفظ استعمال فرمایا ہے' حضرت ابن عباس' مجاہد' اور سدی سے یہ روایت ہے کہ اس سے مراد جماع ہے اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے کہ اس سے مراد جماع ہے اور اگر شوہر نے جماع نہ کیا ہو تو طلاق کے وقت عورت صرف نصف مہر لینے کی مستحق ہے خواہ ان کے درمیان خلوت صحیحہ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔ زجاج کا بھی یہی مختار ہے' اور افضاء کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ شوہر اور بیوی کے درمیان خلوت صحیحہ ہو چکی ہو اور یہی امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔

علامہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی حنبلی متوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں :

فراء نے کہا ہے کہ افضاء کا معنی یہ ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان خلوت صحیحہ ہو' خواہ جماع ہو یا نہ ہو' اور اس سے پورا مہر واجب ہو جاتا ہے' کلبی نے کہا ہے کہ جب شوہر اور بیوی ایک بستر میں جمع ہوں تو پورا مہر واجب ہو جاتا ہے خواہ خاوند اس کے ساتھ جماع کرے یا نہ کرے' زرارہ بن اوفی متوفی ۹۳ھ نے بیان کیا ہے کہ خلفاء راشدین مہدیین نے یہ فیصلہ کیا کہ جس نے دروازہ بند کر کے پردہ ڈال دیا اس پر پورا مہر اور عورت پر عدت واجب ہو گئی (سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۲۵) اور مقاتل نے کہا ہے کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ افضاء کا معنی جماع ہے اور ہمارے علماء رحمہم اللہ نے یہ کہا ہے کہ جب خلوت صحیحہ ہو گئی تو پورا مہر اور عدت واجب ہو جائے گی خواہ جماع ہو یا نہ ہو۔

(تفسیر سمرقندی ج ۱ ص ۳۴۳' ۳۴۲' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس کے بعد فرمایا حالانکہ وہ عورتیں تم سے میثاق غلیظ (پختہ عہد) لے چکی ہیں۔ اس کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ قول ہے جو نکاح کرانے والے کہتے ہیں کہ ہم نے اس عورت سے تمہارا نکاح اس عہد وپیمان پر کیا

ہے کہ تم اس عورت کو دستور کے مطابق رکھو گے یا حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دو گے' اور ابو العالیہ نے کہا اس سے مراد یہ قول ہے کہ تم نے ان عورتوں کو اللہ کی امانت کے طور پر عقد میں لیا ہے اور اللہ کی اجازت سے تم نے ان کے جسموں کو اپنے اوپر حلال کر لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان عورتوں کے ساتھ نکاح نہ کرو جن کے ساتھ تمہارے باپ دادا نکاح کر چکے ہیں مگر جو ہو چکا' بے شک ایسا فعل بے حیائی اور موجب غضب ہے اور بہت ہی برا طریقہ ہے۔ (النساء : ۲۲)

باپ کی منکوحہ سے بیٹے کے نکاح کے متعلق مذاہب فقہاء

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا زمانہ جاہلیت میں لوگ محرمات کو حرام قرار دیتے تھے لیکن اپنے باپ کی بیوی (سوتیلی ماں) سے نکاح کو جائز سمجھتے تھے' اسی طرح دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا بھی جائز سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کاموں کو حرام قرار دے دیا۔

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ جس عورت سے باپ نے مباشرت کی ہو وہ اس کے بیٹے پر حرام ہے' خواہ وہ عورت اس کے باپ کی بیوی ہو یا باندی ہو یا اجنبی عورت ہو جس سے اس نے زنا کیا ہو' اور یہ فقہاء احناف کا مذہب ہے' اور اکثر مفسرین کا مختار ہے' اور امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ جس عورت سے باپ نے زنا کیا ہو وہ اس کے بیٹے پر حرام نہیں ہے کیونکہ زنا قبیح بنفسہ ہے اس لئے وہ کسی امر مشروع کے لئے سبب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ امر مشروع سے مراد تحریم مصاہرت (سسرالی رشتوں کی تحریم) ہے کیونکہ یہ ایک نعمت ہے اور نعمت کسی حرام چیز کو شامل نہیں ہوتی' ہماری دلیل یہ ہے کہ بچہ کے سبب سے ماں باپ ایک دوسرے کے جز ہو جاتے ہیں اسی لئے بچہ دونوں کی طرف منسوب ہوتا ہے' اور عورت کے اصول و فروع بچہ کیلئے مرد کے اصول و فروع کے حکم میں ہوتے ہیں اور مرد کے اصول و فروع بچہ کے لئے عورت کے اصول و فروع کے حکم میں ہوتے ہیں' اور باپ نے جس عورت سے مباشرت کی ہو اس سے بیٹے کا نکاح اس لئے حرام ہے کہ یہ مباشرت اولاد کا سبب ہے نہ اس لئے کہ یہ مباشرت بہ صورت زنا ہے۔ اسی طرح جس عورت کو باپ نے شہوت سے مس کر لیا ہو یا اس کی فرج کو شہوت سے دیکھا ہو وہ بھی بیٹے پر حرام ہے' اور امام شافعی کے نزدیک حرام نہیں ہے امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے' اور نکاح کا حقیقی معنی وطی اور مباشرت ہے۔ ایجاب اور قبول کا عقد نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے :

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰۤى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہو حتیٰ کہ جب وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچ جائیں۔ (النساء : ۶)

اس آیت میں نکاح سے مراد وطی اور مباشرت ہے' کیونکہ انسان جب وطی اور مباشرت کی صلاحیت کی عمر کو پہنچ جاتا ہے تب ہی وہ بالغ ہوتا ہے ورنہ عقد تو بچپن میں بھی ہو سکتا ہے اور جوانی اور بڑھاپے میں بھی۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۚ (البقرہ : ۲۳۰) پھر اگر اس کا شوہر اس کو (تیسری) طلاق دے دے تو وہ عورت اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہے حتیٰ کہ وہ عورت اس شوہر کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔

اس آیت میں بھی نکاح سے مراد وطی اور مباشرت ہے کیونکہ دوسرے شوہر کے صرف عقد نکاح' اور نکاح کے دو

بول پڑھوانے سے وہ عورت پہلے شوہر پر حلال نہیں ہوتی جب تک کہ دوسرا شوہر اس سے وطی نہ کرے۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً (النور : ۳) زانی صرف زانیہ سے ہی نکاح کرتا ہے

اس آیت میں نکاح سے مراد اگر عقد لیا جائے تو یہ واقع کے خلاف ہے اس لئے یہاں لامحالہ وطی اور مباشرت ہی مراد ہے۔

اسی طرح نبی ﷺ کا ارشاد ہے ناکح الید ملعون (عنایۃ القاضی ج ۱ص ۳۴۹) ہاتھ سے نکاح کرنے والا ملعون ہے' یہاں نکاح سے مراد عقد نہیں ہو سکتا اس سے مراد بھی وطی اور مباشرت ہے' اور جن آیات میں نکاح عقد کے معنی میں ہے مثلاً "فانکحوا ما طاب لکم من النساء (النساء : ۳) یا جس طرح آپ نے فرمایا النکاح سنتی (الجامع الکبیر ج ۸ ص ۸) وہاں نکاح مجازاً" عقد کے معنی میں ہے۔

امام اللغۃ امام اسمٰعیل بن حماد جوہری متوفی ۳۹۸ھ لکھتے ہیں :

نکاح کا معنی وطی ہے اور کبھی یہ عقد کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے۔ (الصحاح ج ۱ص ۴۱۳' مطبوعہ دار العلم بیروت ۱۳۹۶ھ)

علامہ محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں :

ازہری نے کہا ہے کہ کلام عرب میں نکاح کا اصل معنی وطی ہے اور تزوج کو بھی نکاح کہتے ہیں کیونکہ تزوج وطی مباح کا سبب ہے۔ (لسان العرب : ج ۲ص ۶۲۶ مطبوعہ قم ایران' ۱۴۰۵ھ)

علامہ سید محمد مرتضٰی زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں :

نکاح کا اصل معنی وطی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وطی کے لئے عقد کرنے کو بھی نکاح کہا جاتا ہے کیونکہ یہ وطی مباح کا سبب ہے' قرآن مجید میں نکاح عقد کے معنی میں مستعمل ہوا ہے کیونکہ وطی جماع کے لئے صریح ہے' اور عقد جماع سے کنایہ ہے اور بلاغت اور ادب کے بھی موافق ہے' اسی طرح زمخشری اور راغب اصفہانی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

(تاج العروس شرح القاموس ج ۲ص ۲۴۲' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ' ۱۳۰۶ھ)

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

باپ کی منکوحہ سے ہر حال میں نکاح حرام ہے کیونکہ نکاح' جماع اور تزوج (شادی) دونوں کو کہتے ہیں پس اگر باپ نے کسی عورت سے شادی کی ہو یا بغیر نکاح کے کسی عورت سے وطی کی ہو تو وہ عورت اس کے بیٹے پر حرام ہے۔ عرب میں یہ رواج تھا کہ باپ کی منکوحہ سے نکاح کر لیتے تھے۔ عمرو بن امیہ نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کر لیا اور اس سے مسافر اور ابو معیط دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ابو قیس ایک صالح انصاری تھے وہ فوت ہو گئے تو ان کے بیٹے قیس نے اپنے باپ کی بیوی کو نکاح کا پیغام دیا اس نے کہا میں تو تم کو اپنا بیٹا سمجھتی ہوں لیکن میں رسول اللہ ﷺ سے یہ مسئلہ دریافت کروں گی۔ اس نے آکر آپ سے پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۵ص ۱۰۴۔ ۱۰۳' مطبوعہ ایران' ۱۳۸۷ھ)

علامہ ابو الفرج علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں :

نکاح وطی میں حقیقت ہے اور عقد میں مجاز ہے' کیونکہ نکاح کا معنی جمع کرنا ہے اور جمع صرف وطی میں ہے اور عقد اس کا سبب ہے اس لئے عقد کو بھی نکاح کہتے ہیں۔ (زاد المسیر ج ۲ص ۴۴' مطبوعہ بیروت' ۱۴۰۷ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ' امام مالک اور امام احمد کے نزدیک باپ کی مدخولہ سے بیٹے کا نکاح کرنا مطلقاً" حرام ہے خواہ دخول نکاح سے ہو خواہ زنا سے' اور امام شافعی کے نزدیک باپ کی منکوحہ سے بیٹے کا نکاح حرام ہے اور باپ کی مزنیہ سے بیٹے کا نکاح حرام نہیں ہے۔

باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے کی سزا

باپ کی منکوحہ بیٹے کی ماں ہے اور جو شخص اپنی ماں یا کسی اور محرم کے ساتھ نکاح کرے اس کی سزا اسلام میں یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کی جائیداد ضبط کر لی جائے۔ امام ابو داؤد براء کے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میرے چچا نے مجھے اس شخص کو قتل کرنے اور اس کا مال ضبط کرنے کے لئے بھیجا جس نے اپنی ماں سے نکاح کر لیا تھا (سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۴۴۵۷) امام ابو حنیفہ اس حدیث کی روشنی میں فرماتے ہیں جو شخص اپنی محرم سے نکاح کرے اس کو تعزیراً" قتل کر دیا جائے اور جو شخص اس کے ساتھ زنا کرے اس پر حد جاری کی جائے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ

تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں

وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَ

اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا اور

أَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضٰعَةِ وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ

تمہاری رضاعی (دودھ شریک) بہنیں، اور تمہاری بیویوں کی مائیں، اور تمہاری ان بیویوں کی بیٹیاں جن سے

حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا

تم صحبت کر چکے ہو اور اگر تم نے ان بیویوں

دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ

سے صحبت نہ کی ہو تو (ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں) تم پر کوئی گناہ نہیں، اور تمہارے نسلی بیٹوں کی بیویاں، اور (تم

مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ

پر حرام کیا گیا ہے) یہ کہ تم دو بہنوں کو (نکاح میں) جمع کرو مگر جو گزر چکا،

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ

بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے ○ اور (تم پر حرام کی گئی ہیں) وہ عورتیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں

اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا

مگر (کافروں کی) جن عورتوں کے تم مالک بن جاؤ، یہ حکم تم پر اللہ کا فرض کیا ہوا ہے، اور ان کے علاوہ سب عورتیں

وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ

تم پر حلال کی گئی ہیں، کہ تم اپنے مال (مہر) کے عوض ان کو طلب کرو، درآں حالیکہ تم ان کو قلعہ نکاح کی حفاظت میں لانے والے ہو

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَ

نہ کہ محض عیاشی کرنے والے ہو، پھر جن عورتوں سے (نکاح کر کے) تم نے مہر کے عوض لذت حاصل کی ہے، تو ان عورتوں کو ان کا مہر ادا کرو

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ

(یہ اللہ کا کیا ہوا) فرض ہے، اور مہر مقرر کرنے کے بعد جس (کمی بیشی) پر تم باہم راضی ہو گئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بے شک

اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ

اللہ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے ○ اور تم میں سے جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی مالی

يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ

طاقت نہ رکھے تو وہ مسلمانوں کی مملوکہ، مسلمان باندیوں سے (نکاح کرے)

فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْ

اور اللہ تمہارے ایمان کو بہت زیادہ جاننے والا ہے، تم باہم ایک دوسرے کی جنس

بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

سے ہو، تم ان (باندیوں) سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو اور دستور کے مطابق ان کے مہر ادا کرو

بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ

دراں حالیکہ وہ (باندیاں) قلعہ نکاح کی حفاظت میں آنے والی ہوں، بدکار نہ ہوں، نہ غیروں سے آشنائی کرنے

اَخۡدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحۡصِنَّ فَاِنۡ اَتَيۡنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيۡهِنَّ نِصۡفُ

والی ہوں ، اور جب وہ قلعہ نکاح میں محفوظ ہوجائیں پھر بے حیائی کا کام کریں تو ان کو آزاد (کنواری)

مَا عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِىَ الۡعَنَتَ

عورت کی آدھی سزا ملے گی (باندیوں سے نکاح کا) یہ حکم تم میں سے اس شخص کے لیے ہے جس کو

مِنۡكُمۡ ؕ وَاَنۡ تَصۡبِرُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۵﴾ ع

اپنے نفس پر بدچلنی کا خدشہ ہو ، اور تمہارے لیے صبر کرنا بہتر ہے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

محرمات نکاح کا بیان

جن عورتوں کے ساتھ نکاح حرام کیا گیا ہے ان کی تین قسمیں ہیں پہلی قسم وہ ہے جن سے نسب اور نسل کی وجہ سے نکاح حرام کیا گیا ہے ' اور دوسری قسم وہ ہے جس کے ساتھ رضاعت (دودھ شریک ہونے) کے رشتہ کی وجہ سے نکاح حرام کیا گیا ہے ' اور تیسری قسم وہ ہے جن کے ساتھ نکاح کے رشتہ کی وجہ سے نکاح حرام کیا گیا اس کو عربی میں مصاہرت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے نسبی رشتوں کی حرمت بیان فرمائی پھر رضاعی رشتوں کی حرمت بیان فرمائی اور پھر نکاح کے رشتوں کی وجہ سے حرمت بیان فرمائی ہم بھی اسی ترتیب کے ساتھ احادیث اور فقہاء کے حوالوں سے ان رشتوں کی تفصیل بیان کریں گے۔

نسبی محرمات کی تفصیل

محرمات نسبیہ میں مائیں ' بیٹیاں ' بہنیں ' پھوپھیاں ' خالائیں ' بھتیجیاں اور بھانجیاں ہیں۔ ان سے نکاح کرنا ' صحبت کرنا اور کسی قسم کا کوئی بھی شہوانی عمل کرنا دائما " حرام ہے۔ ماؤں میں دادی ' پردادی ' نانی اور پرنانی اور ان سے بھی اوپر کی دادیاں اور نانیاں داخل ہیں اور بیٹیوں میں اس کی اپنی بیٹی ' اس کی پوتی ' پرپوتی اور اس سے نچلے درجہ کی بیٹیاں سب داخل ہیں ' اور بہنوں میں عینی (سگی) علاتی (باپ کی طرف سے سوتیلی) اخیافی (ماں کی طرف سے سوتیلی) بہنیں داخل ہیں ' اسی طرح بھتیجیوں اور بھانجیوں میں ان سے نچلے درجہ کی بھی داخل ہیں ' اور پھوپھیوں میں اس کے باپ کی عینی بہن ' علاتی بہن اور اخیافی بہن داخل ہیں۔ اسی طرح اس کے باپ اور دادا کی پھوپھیاں اور اس کی ماں اور اس کی نانی کی پھوپھیاں بھی داخل ہیں اور ان سے اوپر کے درجہ کی بھی ' اور عینی اور علاتی پھوپھی کی پھوپھی بھی حرام ہے اور اخیافی پھوپھی کی پھوپھی حرام نہیں ہے یعنی باپ کی اخیافی بہن کی پھوپھی ' اور خالاؤں میں ماں کی سگی بہن ' ماں کی علاتی بہن اور ماں کی اخیافی بہن سب حرام ہیں اور عینی خالہ کی خالہ اور اخیافی خالہ کی خالہ بھی حرام ہیں البتہ علاتی خالہ کی خالہ حرام نہیں ہے۔

(فتاویٰ عالم گیری ج ۱ ص ۲۷۳ ' مطبوعہ مکتبہ امیریہ بولاق مصر ' ۱۳۱۰ھ)

رضاعی محرمات کی تفصیل

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے جن رشتوں کو ولادت کی وجہ سے حرام کیا ہے ان کو رضاعت کی وجہ سے بھی حرام کردیا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۱۲۸۵، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۴۴۴، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۱۵۰)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو رشتہ نسب سے حرام ہے وہ رضاعت سے بھی حرام ہے۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۱۴۹، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۳۰۶)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اس وقت میرے پاس ایک مرد بیٹھا ہوا تھا، آپ پر وہ شاق گزرا اور میں نے آپ کے چہرے پر غضب کے آثار دیکھے۔ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ یہ میرا رضاعی بھائی ہے آپ نے فرمایا اپنے رضاعی بھائیوں کے متعلق غور و فکر کیا کرو کیونکہ رضاعت اس مدت میں ثابت ہوتی ہے جب صرف دودھ سے بھوک مٹے (یعنی جس زمانہ میں اس کی غذا صرف دودھ ہو)۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۴۵۵)

مدت رضاعت میں دودھ کم پیا ہو یا زیادہ اس سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے (ہدایہ) قلیل کا معیار یہ ہے کہ دودھ پیٹ میں پہنچ جائے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مدت رضاعت ڈھائی سال ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک مدت رضاعت دو سال ہے (فتاویٰ قاضی خان) مدت رضاعت گزرنے کے بعد رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور نہ تحریم (ہدایہ) حرمت رضاعت کا تعلق جس طرح دودھ پلانے والی عورت کے ساتھ ہوتا ہے اسی طرح اس کے شوہر سے بھی ہوتا ہے (ظہیریہ) دودھ پینے والے پر اس کے رضاعی ماں باپ اور ان کے اصول اور فروع حرام ہیں خواہ وہ اصول اور فروع نسباً ہوں یا رضاعی، حتیٰ کہ دودھ پلانے والی کا اس شخص (شوہر) سے یا کسی اور سے بچہ پیدا ہو، اس دودھ پلانے سے پہلے یا اس کے بعد یا وہ عورت کسی اور بچہ کو اپنا دودھ پلائے یا اس شخص (شوہر) کا کسی اور عورت سے بچہ پیدا ہو، اس دودھ پلانے سے پہلے یا اس کے بعد یا وہ عورت کسی اور بچہ کو اپنا دودھ پلائے تو یہ سب اس دودھ پینے والے کے بہن بھائی ہیں اور ان کی اولاد اس کے بھائی بہنوں کی اولاد ہے، اور دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کا بھائی اس کا چچا ہے اور اس کی بہن اس کی پھوپھی ہے اور اس کا بھائی اس کا ماموں ہے اور اس کی بہن اس کی خالہ ہے اسی طرح دادا اور دادی کا حکم ہے، اور رضاع میں حرمت مصاہرت بھی ثابت ہوگی حتیٰ کہ مرضعہ (دودھ پلانے والی) کے شوہر کی بیوی دودھ پینے والے پر حرام ہوگی اور دودھ پینے والے کی بیوی اس پر حرام ہوگی۔ (عالم گیری ج ۱ ص ۳۴۳۔ ۳۴۲، مطبوعہ امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ)

رشتہ نکاح کے سبب محرمات کی تفصیل

نکاح کے سبب محرمات کی چار قسمیں ہیں :

(۱) بیویوں کی مائیں اور ان کی دادیاں خواہ اوپر کے درجہ میں ہوں۔ (۲) بیوی کی بیٹیاں اور بیٹیوں کی اولاد۔ (۳) بیٹے کی بیوی، پوتے کی بیوی، نواسے کی بیوی خواہ نیچے کے درجہ میں ہوں۔ (۴) باپ اور دادا کی عورتیں خواہ وہ علاتی ہوں یا اخیافی۔ یہ سب عورتیں دائماً حرام ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (تم پر حرام کیا گیا ہے) یہ کہ تم دو بہنوں کو (نکاح میں) جمع کرو مگر جو گزر چکا۔

نبی ﷺ نے اس کے ساتھ اور رشتے بھی لاحق فرمائے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی عورت کا اس کی پھوپھی پر نکاح نہ کیا جائے' اور نہ پھوپھی کا اس کی بھتیجی پر نکاح کیا جائے اور نہ کسی عورت کا اس کی خالہ پر نکاح کیا جائے اور نہ خالہ کا اس کی بھانجی پر نکاح کیا جائے اور نہ (رشتہ میں) بڑی کا چھوٹی پر اور نہ (رشتہ میں) چھوٹی کا بڑی پر۔ (یہ پہلے جملوں کی تاکید ہے۔)

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۰۶۵' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۱۲۹)

اس نکاح کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ رحم کے رشتے ہیں اور سوکنوں میں عداوت اور جلاپا ہوتا ہے سو اگر دو بہنوں یا خالہ اور بھانجی دونوں کو ایک نکاح میں جمع کر لیا جائے تو یہ صلہ رحم کے منافی ہے اور قطعیت رحم کو مستلزم ہے۔

دو بہنوں کو نکاح میں نہ جمع کیا جائے خواہ وہ نسبی بہنیں ہوں یا رضاعی بہنیں ہوں' اور قاعدہ یہ ہے کہ عورتوں میں سے جب بھی ایک کو مرد فرض کر لیا جائے تو ان کا آپس میں نکاح جائز نہ ہو تو ایسی دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا بھی جائز نہیں ہے (محیط) اس لئے ایک عورت اور اس کی نسبی یا رضاعی پھوپھی یا خالہ کو ایک عقد میں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔

(عالم گیری ج ۱ ص ۲۷۷' مطبوعہ امیریہ بولاق مصر' ۱۳۱۰ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اور تم پر حرام کی گئی ہیں) وہ عورتیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں مگر (کافروں کی) جن عورتوں کے تم مالک ہو جاؤ۔ یہ حکم تم پر اللہ کا فرض کیا ہوا ہے۔ (النساء: ۲۴)

جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کی تحقیق

میدان جنگ میں جو کافر قید ہو جائیں ان کو غلام بنا لیا جاتا ہے اور امیر لشکر ان کو مجاہدین میں تقسیم کر دیتا ہے اور جو کافر عورتیں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک ہوں اور قید ہو جائیں ان کو باندیاں بنا لیا جاتا ہے اور امیر لشکر ان کو مجاہدین میں تقسیم کر دیتا ہے اور ان باندیوں کے ساتھ ان کے مالک بغیر نکاح کے مباشرت کر سکتے ہیں۔ مخالفین اسلام یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام میں انسانوں کو غلام اور باندیاں بنایا جاتا ہے اور یہ شرف انسان کے خلاف ہے بلکہ تذلیل انسانیت ہے۔ اس اعتراض کی وجہ اس مسئلہ سے ناواقفیت ہے۔ جنگی قیدیوں کے ساتھ روس' جرمنی اور یورپی ممالک میں جو وحشیانہ مظالم کیے جاتے رہے اور ان سے جو جبری مشقتیں لی جاتی رہیں۔ اس کے مقابلہ میں اسلام نے غلاموں اور باندیوں کے ساتھ جس حسن سلوک کی ہدایت دی ہے اور ان کو آزاد کرنے پر جو اجر و ثواب کی بشارتیں دی ہیں یہ ان ہی کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا سے لونڈی اور غلاموں کا چلن ختم ہو گیا' نیز یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ اسلام نے یہ لازمی طور پر نہیں کہا کہ جنگی قیدیوں کو لونڈیاں اور غلام بنایا جائے بلکہ اسلام نے یہ حکم دیا ہے کہ ان کو بلا فدیہ آزاد کر دیا جائے یا جسمانی فدیہ کے بدلہ میں آزاد کر دیا جائے یا ان کو لونڈی اور غلام بنا لیا جائے چونکہ اس زمانہ میں جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کا رواج تھا' اس لئے مسلمانوں کو یہ اجازت دی کہ اگر وہ تمہارے قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنائیں تو تم بھی مکافات عمل کے طور پر ان کے قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنا سکتے ہو۔ اگر وہ تمہارے قیدیوں کو مالی فدیہ کے بدلے میں آزاد کریں تو تم بھی ان کے قیدیوں کو مالی فدیہ کے بدلہ میں آزاد کر دو' اور اگر وہ تمہارے جنگی قیدیوں سے اپنے قیدیوں کا تبادلہ کریں تو تم بھی ان کے

جنگی قیدیوں سے اپنے قیدیوں کا تبادلہ کر لو اور اگر وہ تبرع اور احسان کر کے تمہارے جنگی قیدیوں کو بلامعاوضہ چھوڑ دیں تو مسلمان مکارم اخلاق اور تبرع اور احسان کرنے کے زیادہ لائق ہیں۔ اور اس کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے :

فَاِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا (محمد : ۴)

جب تم کافروں سے نبرد آزما ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو، یہاں تک کہ جب تم ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ گرفتار ہوں ان کو) مضبوطی سے قید کر لو پھر یا تو ان پر محض احسان کر کے ان کو آزاد کر دو یا ان سے (مالی یا بدنی) فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دو۔

اور اگر کافر مسلمانوں کے جنگی قیدیوں کو لونڈی یا غلام بنائیں تو مکافات عمل کے طور پر ان کے جنگی قیدیوں کو بھی لونڈی اور غلام بنانا جائز ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ : ۴۰) اور برائی کا بدلہ تو اس کی مثل برائی ہے

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام نے لازمی طور پر جنگی قیدیوں کو لونڈی یا غلام بنانے کی ہدایت نہیں دی ہے۔

ہم نے قرآن مجید کی آیت سے یہ بیان کیا ہے کہ جنگی قیدیوں کو بلامعاوضہ یا مالی یا جانی فدیہ لے کر آزاد کرنا اسلام میں جائز ہے اب ہم اس پر احادیث سے دلائل پیش کر رہے ہیں مکہ جنگ سے فتح ہوا تھا اور تمام اہل مکہ جنگی قیدی تھے پھر نبی ﷺ نے "امتنانا" ان کو آزاد کر دیا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گیا اس کو امان ہے اور جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اس کو امان ہے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۷۸۰، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث : ۴۷۶۰، مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۲، ۵۳۸، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۴ ص ۴۷۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۱۸، مطولاً و مختصراً)

امام ابو محمد عبد الملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ روایت کرتے ہیں :

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے دروازہ پر کھڑے ہوئے اور فرمایا لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ اللہ نے اپنے وعدہ کو سچا کیا۔ اپنے بندہ کی مدد فرمائی اور صرف اسی نے تمام لشکروں کو شکست دی، سنو زمانہ جاہلیت کی ہر زیادتی، ہر خون اور ہر مال آج میرے ان قدموں کے نیچے ہے یہاں کعبہ کی چوکھٹ اور حجاج کی سبیل پر، اے قریش کی جماعت! اللہ نے تم سے زمانہ جاہلیت کے تکبر اور باپ دادا پر فخر کو دور کر دیا ہے، تمام انسان آدم سے پیدا کئے گئے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔ اے قریش کی جماعت تمہارا کیا گمان ہے میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟ انہوں نے کہا آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔ آپ نے فرمایا جاؤ تم سب آزاد ہو۔ (مختصراً)

(السیرۃ النبویہ لابن ہشام علی ہامش الروض الانف ج ۲ ص ۲۷۴، مطبوعہ مطبعہ فاروقیہ ملتان ۱۳۹۷ھ، سبل الہدیٰ والرشاد ج ۵ ص ۲۴۲)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے اس خطبہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۹ ص ۱۱۸، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

مالی فدیہ کے بدلہ میں جنگی قیدی آزاد کرنے کے متعلق احادیث

نبی ﷺ نے جنگ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا فرمایا تھا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگی قیدیوں کے متعلق فرمایا اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ مجھ سے ان بدبوداروں (قیدیوں) کے متعلق سفارش کرتا تو میں اس کی خاطر ان سب کو آزاد کر دیتا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۳۱۳۹' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۲۶۸۹' مسند حمیدی' رقم الحدیث: ۵۵۸' مسند ابو یعلیٰ' رقم الحدیث: ۷۴۱۶' شرح السنہ رقم الحدیث: ۲۷۱۳' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۶۷' مسند احمد ج ۴ ص ۸۰' المعجم الکبیر' رقم الحدیث: ۱۵۰۶)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ بدر کے دن نبی ﷺ نے فدیہ لے کر (قیدیوں کو) آزاد کر دیا۔

(سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۲۶۹۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جنگ بدر کے دن اہل جاہلیت کے لئے چار سو (درہم) فدیہ مقرر فرمایا۔ (سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۲۶۹۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کے لئے فدیہ کی رقم بھیجی تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ابو العاص کے فدیہ کے لئے جو مال بھیجا اس میں وہ ہار بھی تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کی ابو العاص سے شادی کے موقع پر ان کو دیا تھا' جب رسول اللہ ﷺ نے اس ہار کو دیکھا تو آپ پر شدید رقت طاری ہو گئی اور آپ نے فرمایا: اگر تم لوگ مناسب سمجھو تو اس کے قیدی کو (بلا معاوضہ) آزاد کر دو اور ان کا ہار ان کو واپس کر دو۔ صحابہ نے کہا ٹھیک ہے' اور نبی ﷺ نے ابو العاص سے وعدہ لے لیا یا اس نے از خود وعدہ کیا تھا کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو آپ کے پاس بھیج دے گا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہ اور ایک انصاری رضی اللہ عنہما کو بھیجا اور فرمایا تم بطن یاجج میں ٹھہرنا حتیٰ کہ تمہارے پاس سے (حضرت) زینب گزریں وہ دونوں حضرت زینب کو حضور کے پاس لے کر آئے۔ (سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۲۶۹۲' المستدرک ج ۳ ص ۲۳' مسند احمد ج ۶ ص ۲۷۶)

علامہ محمد بن یوسف صالحی شامی متوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے بدر کے قیدیوں کا چار سو درہم فدیہ مقرر کیا تھا' عباس نے کہا ان کے پاس کوئی مال نہیں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو وہ مال کہاں ہے جس کو تم نے اور ام الفضل نے زمین میں دفن کیا تھا اور تم نے کہا تھا کہ اگر میں اس مہم میں کام آگیا تو یہ مال میرے بیٹوں فضل' عبداللہ اور قثم کے لئے ہو گا۔ عباس نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں کیونکہ یہ ایسی بات ہے جس کا میرے اور ام الفضل کے سوا کسی کو پتہ نہیں تھا۔

امام بخاری اور بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بعض انصار نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم اپنے بھتیجے عباس سے فدیہ نہ لیں۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں بہ خدا تم ان سے ایک درہم بھی نہ چھوڑنا۔ آپ نے بعض سے چار ہزار فدیہ لیا بعض سے دو ہزار' بعض سے ایک ہزار اور بعض پر احسان کر کے ان کو بلا فدیہ آزاد کر دیا۔

اہل مکہ کو لکھنا آتا تھا اور اہل مدینہ کو لکھنا نہیں آتا تھا' جن اہل مکہ کے پاس مال نہیں تھا آپ نے ان کا یہ فدیہ مقرر کیا کہ وہ مدینہ کے دس لڑکوں کو لکھنا سکھائیں اور جب وہ لڑکے لکھنے میں ماہر ہو گئے تو وہ آزاد کر دیئے گئے' حضرت زید بن ثابت نے بھی ان ہی سے لکھنا سیکھا تھا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۴ ص ۶۹' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ)

مسلمان قیدیوں سے تبادلہ میں جنگی قیدی آزاد کرنے کے متعلق احادیث

نبی ﷺ نے تبادلہ میں بھی قیدیوں کو آزاد کیا ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو ثقیف بنو عقیل کا حلیف تھا۔ ثقیف نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے دو شخصوں کو قید کر لیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے بنو عقیل کے ایک شخص کو گرفتار کر لیا اور اس کے ساتھ عضباء اونٹنی کو بھی پکڑ لیا۔ رسول اللہ ﷺ اس شخص کے پاس گئے در آں حالیکہ وہ بندھا ہوا تھا اس نے کہا اے محمد! (ﷺ) آپ نے اس سے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا حجاج کی اونٹنیوں پر سبقت کرنے والی اونٹنی کیوں پکڑی گئی؟ یعنی عضباء' اور آپ نے مجھے کس جرم میں پکڑا ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے تم کو تمہارے حلیف ثقیف کے بدلہ میں پکڑا ہے پھر آپ چلے گئے اس نے کہا یا محمد' یا محمد' رسول اللہ ﷺ مہربان اور رقیق القلب تھے' آپ لوٹ آئے اور پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں مسلمان ہوں! آپ نے فرمایا اگر تو گرفتار ہونے سے پہلے یہ کہتا تو تو مکمل طور پر کامیاب ہوتا آپ چلے گئے اس نے پھر آواز دی اور کہا یا محمد یا محمد (ﷺ) آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ اس نے کہا میں بھوکا اور پیاسا ہوں مجھے کھانا اور پانی دیجئے آپ نے اس کی حاجت پوری کی' پھر اس کو ان دو مسلمانوں کے بدلہ میں آزاد کر دیا گیا جن کو ثقیف نے پکڑا تھا۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۶۴۱' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۳۳۱۶' مسند حمیدی' رقم الحدیث : ۸۲۹' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث : ۴۸۵۹' مصنف عبد الرزاق' رقم الحدیث : ۹۳۹۵' مسند احمد ج ۴ ص ۴۳۰' ۴۳۳' سنن بیہقی ج ۹ ص ۷۲' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۴ ص ۱۸۸' المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۸ ص ۴۵۳)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے قبیلہ فزارہ کے خلاف جہاد کیا۔ اس جہاد میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر بنایا تھا جب ہمارے اور پانی کے درمیان کچھ دیر کی مسافت رہ گئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم رات کے آخری حصہ میں اتریں' پھر ہر طرف سے حملہ کا حکم دیا گیا' اور ہم ان کے پانی پر پہنچے اور جس جگہ جس کو قتل کرنا تھا اس کو قتل کیا اور قید کیا' میں کفار کے ایک گروہ کو دیکھ رہا تھا جس میں کفار کے بچے اور عورتیں تھیں مجھے یہ خطرہ ہوا کہ کہیں وہ مجھ سے پہلے پہاڑ تک نہ پہنچ جائیں میں نے ان کے اور پہاڑ کے درمیان ایک تیر مارا جب انہوں نے تیر کو دیکھا تو سب ٹھہر گئے میں ان سب کو گھیر کر لے آیا' ان میں بنو فزارہ کی ایک عورت تھی جس نے چمڑے کی کھال کو منڈھ رکھا تھا اور اس کے ساتھ ایک لڑکی تھی جو عرب کی حسین ترین دوشیزہ تھی' میں ان سب کو پکڑ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس لے آیا حضرت ابو بکر نے وہ لڑکی مجھے انعام میں دے دی' ہم مدینہ پہنچے ابھی میں نے اس لڑکی کے کپڑے بھی نہ اتارے تھے کہ میری رسول اللہ ﷺ سے بازار میں ملاقات ہوئی آپ نے فرمایا : اے سلمہ یہ لڑکی مجھے ہبہ کر دو' میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ خدا کی قسم یہ لڑکی مجھے بہت پسند ہے اور میں نے ابھی تک اس کا لباس بھی نہیں اتارا' اگلے دن میری پھر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی آپ نے مجھ سے فرمایا : اے سلمہ یہ لڑکی مجھے دے دو تمہارا باپ بہت اچھا

تھا۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! خدا کی قسم! یہ آپ کی ہے میں نے اس لڑکی کا لباس تک نہیں اتارا تھا' رسول اللہ نے وہ لڑکی اہل مکہ کو بھیج دی اور اس کے بدلہ میں کئی مسلمان قیدیوں کو چھڑا لیا۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۷۵۵' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۲۶۹۷' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۸۴۶' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث : ۴۸۶۰' مسند احمد ج ۴ ص ۴۶' ۵۱' سنن بیہقی ج ۹ ص ۱۲۹)

جنگی قیدیوں کو احساناً" بلامعاوضہ آزاد کرنے کے متعلق احادیث

نبی ﷺ نے بلا معاوضہ بھی بہت سے جنگی قیدیوں کو آزاد کیا ہے۔ فتح مکہ کے بعد اہل مکہ کو طلقاء (آزاد) قرار دینے اور جنگ بدر کے بعض جنگی قیدیوں کو بلامعاوضہ آزاد کرنے کی ہم اس سے پہلے احادیث سے مثالیں ذکر کر چکے ہیں بعض مزید احادیث ملاحظہ فرمائیں :

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے نجد کی طرف حملہ کرنے کے لئے گھوڑے سواروں کی ایک جماعت بھیجی' صحابہ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو گرفتار کر کے لائے جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا اور اس کو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا' نبی ﷺ تشریف لائے اور آپ نے فرمایا ثمامہ کو کھول دو' ثمامہ مسجد کے قریب ایک درخت کے پاس گیا اس نے غسل کیا پھر مسجد میں داخل ہوا اور کہا : اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمد رسول اللہ۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۴۶۲' ایضاً" : ۴۶۹' ۲۴۲۲' ۲۴۲۳' ۴۳۷۲)

امام مسلم نے اس حدیث کو بہت تفصیل سے روایت کیا ہے۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۷۶۴)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

مروان بن الحکم اور مسور بن مخرمہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس ہوازن کے مسلمانوں کا وفد آیا اور انہوں نے یہ سوال کیا کہ آپ انہیں (مال غنیمت میں ان سے لئے ہوئے) اموال اور ان کے جنگی قیدی واپس کر دیں آپ نے فرمایا میرے نزدیک سب سے اچھی بات وہ ہے جو سب سے سچی ہو تم دو میں سے ایک چیز کو اختیار کر لو جنگی قیدی یا مال' اور میں تم کو غور کے لئے مہلت دیتا ہوں' رسول اللہ ﷺ نے طائف سے واپس آنے کے بعد دس سے زیادہ راتوں تک ان کا انتظار کیا جب ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ ان کو دو میں سے صرف ایک چیز واپس کریں گے تو انہوں نے کہا ہم اپنے جنگی قیدیوں کو اختیار کرتے ہیں' پھر رسول اللہ ﷺ مسلمانوں میں کھڑے ہوئے اور اللہ کی شان کے مطابق اس کی حمد و ثناء کی پھر فرمایا تمہارے یہ مسلمان بھائی تمہارے پاس رجوع کرتے ہوئے آئے ہیں اور میری رائے یہ ہے کہ ان کے قیدی ان کو واپس کر دوں تم میں سے جو شخص طیب خاطر سے ایسا کر سکتا ہے وہ کر دے' اور جو یہ چاہتا ہو کہ اس کا حصہ اس کے پاس رہے تو جب اس کے بعد سب سے پہلے مال غنیمت حاصل ہو گا ہم اس کو اس کا حصہ واپس کر دیں گے۔ مسلمانوں نے کہا ہم رسول اللہ کی خاطر خوشی سے ایسا کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمیں پتا نہیں چلا کہ تم میں سے کس شخص نے خوشی سے اجازت دی اور کسی نے خوشی سے اجازت نہیں دی تم واپس جاؤ اور اپنے اپنے کار مختار سے مشورہ کرو۔ انہوں نے اپنے اپنے کار مختار سے مشورہ کیا اور پھر آ کر رسول اللہ ﷺ سے کہا ہم خوشی سے اجازت دیتے ہیں۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۳۱۳۲ - ۳۱۳۱' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۲۶۹۳)

جنگی قیدیوں کو مال کے بدلہ آزاد کرنے، جنگی قیدیوں کے بدلہ آزاد کرنے، اور بلا معاوضہ آزاد کرنے کے متعلق ہم نے احادیث بیان کی ہیں اب ہم چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ کے متعلق فقہاء کی آراء بھی بیان کردیں :

جنگی قیدیوں کو آزاد کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں :

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ جنگی قیدیوں سے فدیہ نہ لیا جائے قدوری اور صاحب ہدایہ کا یہی مختار ہے، اور امام ابو حنیفہ سے دوسری روایت یہ ہے کہ ان سے فدیہ لیا جائے۔ امام ابو یوسف، امام محمد، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے، مگر عورتوں کا فدیہ لینے میں ان کا اختلاف ہے اور امام احمد نے بچوں کا بھی فدیہ لینے سے منع کیا ہے اور سیر کبیر میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے ان کا فدیہ لیا ہے، ایک قول یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کی ظاہر روایت یہی ہے، امام ابو یوسف نے کہا کہ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے ان کا فدیہ لیا جائے بعد میں نہیں اور امام محمد نے فرمایا ہر حال میں ان کا فدیہ لے لیا جائے۔ امام ابو حنیفہ کے پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ اگر جنگی قیدی کافروں کو لوٹا دیئے گئے تو وہ ان کی قوت اور مسلمانوں کے لئے ضرر کا باعث ہوں گے اور دوسرے قول اور تمام ائمہ کے قول کی دلیل یہ ہے کہ جنگی قیدی کو قتل کرنے یا اس کو غلام بنانے سے زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کے بدلہ میں مسلمان قیدی کو کافروں سے چھڑا لیا جائے کیونکہ مسلمانوں کی حرمت بہت عظیم ہے، اور جنگی قیدی کو ان کے حوالے کرنے سے مسلمانوں کو ضرر پہنچنے کی جو دلیل دی گئی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جب اس کے بدلہ میں ہمارا مسلمان قیدی ہمارے پاس آجائے گا تو اس ضرر کا توڑ ہو جائے گا اور یہ معاملہ برابر برابر ہو جائے گا اس کے علاوہ ایک مسلمان کو کافروں کی قید سے چھڑانے کی فضیلت اور اس کو اللہ کی عبادات کرنے کا موقع فراہم کرنا اس پر مستزاد ہے اور جب کہ یہ نبی ﷺ کی احادیث سے بھی ثابت ہے۔

(فتح القدیر ج ۵ ص ۴۶۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

کافر جنگی قیدی کو مسلمان قیدی کے بدلہ میں آزاد کیا جائے یا مال کے بدلہ میں، قول مشہور کے مطابق پہلی صورت جائز نہیں ہے لیکن ضرورت کے وقت اس میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ سیر کبیر میں ہے۔ امام محمد نے فرمایا جب ان قیدیوں سے نسل متوقع نہ ہو جیسے شیخ فانی پھر بھی ان کے تبادلہ میں کوئی حرج نہیں ہے (الاختیار) قیدیوں کے تبادلہ میں اختلاف ہے لیکن محیط میں مذکور ہے کہ ظاہر الروایہ کے مطابق یہ جائز ہے اس کی پوری بحث قہستانی میں ہے، اور زیلعی نے سیر کبیر سے نقل کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا ظاہر قول جواز ہے۔ فتح القدیر میں ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے اور ائمہ ثلاثہ سے بھی یہی منقول ہے اور رسول اللہ ﷺ سے بھی یہی ثابت ہے صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ نبی ﷺ نے دو مسلمانوں قیدیوں کا دو مشرک قیدیوں سے تبادلہ کیا اور ایک عورت کے بدلہ میں مکہ میں قید بہت سے مسلمانوں کو آزاد کرایا (ہدایہ، قدوری) اور دیگر متون میں جو مذکور ہے قیدیوں سے فدیہ لینا جائز نہیں ہے اس سے مراد مالی فدیہ ہے جب ضرورت نہ ہو اور ضرورت کے وقت مالی فدیہ لینا بھی جائز ہے اور مسلمان قیدیوں سے تبادلہ بھی جائز ہے۔

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

کیا بغیر نکاح کے لونڈیوں سے مباشرت کرنا قابل اعتراض ہے

عام طور سے لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ بغیر نکاح کے لونڈیوں سے مباشرت کرنا ایک غیر اخلاقی فعل ہے حالانکہ اسلام میں اس کو روا رکھا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح کے بعد بیویوں سے مباشرت کرنا اور ان کے جسم پر خواہی نخواہی مالکانہ تصرف کرنا کیونکر اخلاقی فعل ہو گیا؟ نکاح کی حقیقت صرف یہ ہے کہ دو مسلمان گواہوں کے سامنے ایک عورت خود یا اس کا وکیل کہے کہ میں اس شخص کے ساتھ اتنے مہر کے عوض خود کو یا اپنی موکلہ کو نکاح میں دیتا ہوں اور مرد کہے میں نے قبول کیا' اور امام مالک کے نزدیک گواہوں کا ہونا بھی شرط نہیں ہے کسی مجمع عام میں ایجاب و قبول کرلیا جائے تو نکاح ہو جاتا ہے' آخر ایجاب و قبول کے ان کلمات میں کیا تاثیر ہے کہ ایک عورت بالکلیہ مرد پر حلال ہو جاتی ہے؟

اصل واقعہ یہ ہے کہ محض ایجاب و قبول سے عورت مرد پر حلال نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے حلال ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے نکاح کی اس خاص صورت میں عورتوں کو مردوں پر حلال کردیا ہے ورنہ تنہائی میں اگر عورت اور مرد ایجاب و قبول کے یہی کلمات کہہ لیں تو وہ ایک دوسرے پر حلال نہیں ہیں' بلکہ نکاح کے بعد بھی بیوی کے ساتھ مباشرت کرنا مطلقاً" حلال نہیں ہے۔ حیض اور نفاس کے ایام میں اللہ تعالیٰ نے اس کو بیوی سے مباشرت کی اجازت نہیں دی ہے اس لئے ان ایام میں بیوی سے مباشرت کرنا مرد کے لئے جائز نہیں ہے' اس سے واضح ہو گیا کہ عورت کے مرد پر حلال ہونے کا سبب نکاح نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی اجازت ہے' اگر اللہ تعالیٰ نکاح کی صورت میں اجازت دے تو بیویاں شوہروں پر حلال ہو جاتی ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ ملک یمین کی صورت میں اجازت دے تو باندیاں مالکوں پر حلال ہو جاتی ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد وہ قابل اعتراض نہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد یہ بھی قابل اعتراض نہیں ہے۔

اب ہم آپ کے سامنے وہ آیات پیش کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے باندیوں کو مالکوں پر حلال کردیا ہے بشرطیکہ اس کا باندی ہونا شرعاً" صحیح ہو' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (النساء : ۳)

اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم ایک سے زیادہ بیویوں میں عدل نہیں کر سکو گے تو ایک بیوی پر قناعت کرو یا اپنی باندیوں پر اکتفاء کرو۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (النساء : ۲۴)

دوسروں کی بیویاں تم پر حرام ہیں البتہ تمہاری باندیاں تم پر حرام نہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○ (المؤمنون: ۵-۶' المعارج: ۳۰ — ۲۹)

اور جو لوگ اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں البتہ اپنی بیویوں اور باندیوں سے مباشرت کرنے میں ان پر ملامت نہیں ہے۔

ان کے علاوہ قرآن مجید میں اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں باندیوں کے ساتھ مباشرت کی اجازت دی گئی ہے۔ اب صرف ایک بات رہ جاتی ہے کہ عقد نکاح میں عورت اپنے اختیار سے یہ عقد کرتی ہے جب کہ جب باندی کو ہبہ کیا جاتا ہے یا اس کو فروخت کیا جاتا ہے تو اس میں اس کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی پاداش میں بہ طور سزا اس کا یہ اختیار سلب کرلیا گیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جب سے دنیا میں لونڈی اور غلام

بنانے کا رواج ہو الونڈیوں کے ساتھ یہی معاملہ روا رکھا گیا ہے اس لئے اگر کافر مسلمانوں کے ساتھ یہ معاملہ کریں تو ان کے ساتھ بھی عمل مکافات کے طور پر یہی معاملہ روا رکھا گیا' لیکن جو شخص کسی باندی کے ساتھ مباشرت کرتا ہے اور اس سے اولاد ہو جاتی ہے تو وہ اس کی حقیقی اولاد اور اس کی وارث ہوتی ہے اور وہ باندی ام ولد ہو جاتی ہے اور اس شخص کے مرنے کے بعد وہ آزاد ہو جاتی ہے' اسلام نے غلامی کے رواج کو ختم کرنے کے لئے بہت اقدامات کئے ہیں اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے بہت بشارتیں دی ہیں' ہم ان شاء اللہ النساء : ۳۶ میں اس کو تفصیل سے بیان کریں گے اور اس کے نتیجہ میں اب دنیا سے غلامی کا چلن ختم ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان کے علاوہ سب عورتیں تم پر حلال کی گئی ہیں کہ تم اپنے مال (مہر) کے عوض ان کو طلب کرو۔ (النساء : ۲۴)

مہر کے مال ہونے پر دلیل

اس آیت میں امام اعظم ابو حنیفہ کی یہ دلیل ہے کہ مہر مال ہوتا ہے۔ بعض شوافع اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ چونکہ عرف عام میں مال کو مہر قرار دیا جاتا ہے اس لئے یہاں مال کا ذکر کیا گیا ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک عورت نے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہبہ کر دیا ایک شخص نے جب دیکھا کہ آپ کو اس حاجت نہیں تو اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ اس سے میرا نکاح کر دیجئے۔ جب اس شخص کو مہر کے لئے کچھ نہ مل سکا تو آپ نے اس سے پوچھا تمہیں کتنا قرآن یاد ہے اس نے کہا مجھے فلاں فلاں سورت یاد ہے آپ نے فرمایا تمہیں جو قرآن یاد ہے اس کے سبب سے میں نے تمہارا اس سے نکاح کر دیا' اس سے معلوم ہوا کہ تعلیم قرآن بھی مہر ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تعلیم قرآن مہر کا بدل نہیں ہے آپ کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میں نے قرآن مجید کی تعظیم کی وجہ سے تمہارا اس سے نکاح کر دیا اور اس شخص پر مہر مثل واجب تھا۔ اس پر تفصیلی بحث ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پھر جن عورتوں سے (نکاح کر کے) تم نے مہر کے عوض تمتع کیا ہے (لذت حاصل کی ہے) تو ان عورتوں کو ان کا مہر ادا کر دو۔ (النساء : ۲۴)

جواز متعہ پر علماء شیعہ کے دلائل

مشہور شیعہ مفسر ابو علی فضل بن الحسن الطبرسی من القرن السادس لکھتے ہیں :

اس آیت سے مراد نکاح المتعہ ہے اور یہ وہ نکاح ہے جو مہر معین سے مدت معین کے لئے کیا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس' سدی' ابن سعید اور تابعین کی ایک جماعت سے یہی مروی ہے' اور ہمارے اصحاب امامیہ کا یہی مذہب ہے اور یہی واضح ہے کیونکہ لفظ استمتاع اور تمتع کا لفظی معنی نفع اور لذت حاصل کرنا ہے لیکن عرف شرع میں وہ اس عقد معین کے ساتھ مخصوص ہے۔ خصوصاً" جب اس لفظ کی عورتوں کی طرف اضافت ہو اس بناء پر اس آیت کا یہ معنی ہو گا جب تم ان سے متع کر لو' تو ان کو اس کی اجرت دے دو' اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جماع کے بعد مہر کو واجب نہیں کیا بلکہ متعہ کے بعد مہر کو واجب کیا ہے اور حضرت ابی بن کعب' حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود نے اس آیت کی اس طرح قرأت کی ہے :

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ۔ جب تم نے مدت معین تک ان سے استمتاع (متعہ) کیا تو ان کو ان کی اجرت (مہر) دے دو۔

اور اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ اس آیت میں استمتاع سے مراد عقد متعہ ہے۔

حکم نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اگر حضرت عمر متعہ سے منع نہیں کرتے تو کسی بد بخت کے سوا کوئی زنا نہیں کرتا' اور عطا نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے عہد میں متعہ کیا ہے۔ نیز اس آیت میں لفظ استمتاع سے مراد متعہ ہے نہ کہ جماع اور انتفاع' اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر اس آیت کا یہ معنی ہو کہ جن عورتوں سے تم نے مہر کے عوض لذت حاصل کی یعنی جماع کیا ہے تو ان کو ان کا مہر ادا کر دو تو اس سے لازم آئے گا کہ بغیر جماع کے مہر واجب نہ ہو' حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ غیر مدخولہ کا بھی نصف مہر واجب ہوتا ہے۔ اس پر مزید تائید یہ ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں دو متعہ (متعہ نکاح اور تمتع بالحج) حلال تھے اور میں ان سے منع کرتا ہوں' اور تمتع بالحج بالاتفاق منسوخ نہیں ہے تو پھر تمتع بالنکاح بھی منسوخ نہیں ہوگا۔ (مجمع البیان ج ۳ ص ۵۳۔ ۵۲' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۴۰۶ھ)

علماء شیعہ کے نزدیک متعہ کے فقہی احکام

شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ روایت کرتے ہیں:

ابو عمیر کہتے ہیں کہ میں نے ہشام بن سالم سے متعہ کا طریقہ پوچھا انہوں نے کہا تم یوں کہو اے اللہ کی بندی میں اتنے پیسوں کے عوض اتنے دنوں کے لئے تم سے متعہ کرتا ہوں' جب وہ ایام گزر جائیں گے تو اس کو طلاق ہو جائے گی اور اس کی کوئی عدت نہیں ہے۔ (الفروع من الکافی ج ۵ ص ۴۵۶' ۴۵۵' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران' ۱۳۶۷ھ)

شیخ ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی متوفی ۴۶۰ھ روایت کرتے ہیں:

منصور صیقل بیان کرتے ہیں کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام نے فرمایا مجوسی (آتش پرست) عورت سے متعہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (الاستبصار ج ۳ ص ۱۴۴' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ طہران' ۱۳۶۵ھ)

زرارہ کہتے ہیں کہ ابو عبد اللہ علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا متعہ صرف چار عورتوں سے کیا جا سکتا ہے؟ انہوں نے کہا متعہ اجرت کے عوض ہوتا ہے خواہ ہزار عورتوں سے کرلو۔ (الاستبصار ج ۳ ص ۱۴۷)

عمر بن حنظلہ بیان کرتے ہیں کہ متعہ میں فریقین کے درمیان میراث نہیں ہوتی۔ (الاستبصار ج ۳ ص ۱۵۳)

شیخ ابو جعفر محمد بن علی بن حسین قمی متوفی ۳۸۱ھ لکھتے ہیں:

محمد بن نعمان نے ابو عبد اللہ علیہ السلام سے پوچھا کم از کم کتنی چیز کے عوض متعہ ہو سکتا ہے انہوں نے کہا دو مٹھی گندم سے۔ تم اس سے کہو کہ میں تم سے کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق متعہ کرتا ہوں جو نکاح ہے زنا نہیں ہے اس شرط پر کہ نہ میں تمہارا وارث ہوں اور نہ تم میری وارث ہو' نہ میں تم سے اولاد کا مطالبہ کروں گا' یہ نکاح ایک مدت متعین تک ہے پھر اگر میں نے چاہا تو میں اس مدت میں اضافہ کردوں گا اور تم بھی اضافہ کر دینا۔

(من لا یحضرہ الفقیہ ج ۳ ص ۲۴۹' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران' ۱۳۶۱ھ)

شیخ روح اللہ خمینی متعہ کے احکام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۲۴۴۱) متعہ والی عورت اگرچہ حاملہ ہو جائے خرچ کا حق نہیں رکھتی۔
(۲۴۴۲) متعہ والی عورت (چار راتوں میں سے ایک رات) ایک بستر پر سونے اور شوہر سے ارث پانے اور شوہر بھی اس کا وارث بننے کا حق نہیں رکھتا۔
(۲۴۴۳) متعہ والی عورت کو اگرچہ علم نہ ہو کہ وہ اخراجات اور اکٹھا سونے کا حق نہیں رکھتی تب بھی اس کا عقد صحیح ہے اور نہ جاننے کی وجہ سے بھی شوہر پر کوئی حق نہیں رکھتی۔ (توضیح المسائل اردو ۳۶۹ '۳۶۸' مطبوعہ سازمان تبلیغات)

علماء شیعہ کے جواز متعہ پر دلائل کے جوابات

علماء شیعہ نے الی اجل مسمی کی قرأت سے متعہ کے جواز پر جو استدلال کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ قرات شاذہ ہے قرآن مجید کی جو قرأت متواتر ہے حتیٰ کہ شیعہ کے قرآن میں بھی جو قرأت مذکور ہے اس میں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں اس لئے قرأت متواترہ کے مقابلہ میں اس قرأت سے استدلال درست نہیں ہے۔

اس پر اتفاق ہے کہ جنگ خیبر سے پہلے متعہ حلال تھا پھر جنگ خیبر کے موقعہ پر متعہ کو حرام کر دیا گیا' پھر فتح مکہ کے موقع پر تین دن کے لئے متعہ حلال کیا گیا تھا اور اس کے بعد اس کو دائما" حرام کر دیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متعہ کے جواز کے قائل تھے لیکن اخیر عمر میں انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا اور جب حضرت ابن عباس سے پوچھا گیا کہ آپ نے متعہ کے جواز کا فتویٰ دیا ہے؟ تو انہوں نے کہا میں نے یہ فتویٰ نہیں دیا میرے نزدیک متعہ خون' مردار اور خنزیر کی طرح حرام ہے اور یہ صرف اضطرار کے وقت حلال ہے' یعنی جب نکاح کرنا ممکن نہ ہو اور انسان کو غلبہ شہوت کی وجہ سے زنا کا خطرہ ہو' لیکن اخیر عمر میں حضرت ابن عباس نے اس سے بھی رجوع کر لیا اور یہ جو بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے عہد میں متعہ کیا جاتا تھا حتیٰ کہ حضرت عمر نے اس سے منع کر دیا اس کا جواب یہ ہے کہ جن لوگوں تک متعہ کی حرمت نہیں پہنچی تھی وہ متعہ کرتے تھے حضرت عمر نے ان کو تبلیغ کر دی تو وہ متعہ سے باز آ گئے۔ حضرت عمر نے متعہ کو حرام نہیں کیا نہ یہ ان کا منصب ہے انہوں نے صرف متعہ کی حرمت بیان کی ہے جیسے اور دیگر احکام شرعیہ بیان کئے ہیں اور حضرت علی نے جو فرمایا کہ اگر حضرت عمر متعہ سے منع نہ کرتے تو کوئی بدبخت ہی زنا کرتا' اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر حضرت عمر متعہ کی حرمت کو قرآن اور حدیث سے واضح نہ کرتے اور متعہ کی ممانعت پر سختی سے عمل نہ کراتے تو زنا بالکل ختم ہو جاتا۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن مسعود' حضرت ابن عباس' حضرت جابر' حضرت سلمہ بن اکوع اور حضرت سبرہ بن معبد جہنی رضی اللہ عنہم سے اباحت متعہ کے متعلق احادیث ہیں لیکن کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ وطن میں متعہ کی اجازت دی گئی ہو' ان تمام احادیث میں یہ مذکور ہے کہ سفر میں متعہ کی اجازت دی گئی تھی۔ جہاں ان صحابہ کی بیویاں نہیں تھیں جب کہ وہ گرم علاقے تھے اور عورتوں کے بغیر ان کا رہنا مشکل تھا۔ اس وجہ سے جہاد کے موقعہ پر ضرورتا" متعہ کی اجازت دی گئی حضرت ابن ابی عمر کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ ابتداء اسلام میں ضرورت کی بناء پر متعہ کی اجازت تھی جیسے ضرورت کے وقت مردار کا کھانا مباح ہوتا ہے فتح مکہ کے موقع پر متعہ کو قیامت تک کے لئے حرام کر دیا گیا اور حجتہ الوداع کے موقع پر تاکیدا" اس تحریم کو دہرایا گیا ہم ان تمام امور پر باحوالہ احادیث پیش کریں گے۔

شیخ طبرسی نے لکھا ہے کہ اگر اس آیت کا یہ معنیٰ ہو کہ جن عورتوں سے تم نے مہر کے عوض لذت حاصل کی یعنی

جماع کیا ہے تو ان کا مہر ادا کردو' تو اس سے لازم آئے گا کہ بغیر جماع کے مہر واجب نہ ہو حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ غیر مدخولہ کا بھی نصف مہر واجب ہوتا ہے' یہ دلیل صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں حصر کا کوئی لفظ نہیں ہے کہ تم صرف اسی عورت کا مہر ادا کرو جس سے تم نے جماع کیا ہو۔

حرمت متعہ پر قرآن مجید سے دلائل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ (النسآء : ۳)

جو عورتیں تم کو پسند ہیں ان سے نکاح کرو' دو دو سے تین تین سے اور چار چار سے اور اگر تمہیں یہ خدشہ ہو کہ ان کے درمیان انصاف نہیں کر سکو گے تو صرف ایک نکاح کرو یا اپنی کنیزوں پر اکتفاء کرو۔

یہ آیت سورہ نساء سے لی گئی ہے جو مدنی سورت ہے اور ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قضاء شہوت کی صرف دو جائز صورتیں بیان فرمائی ہیں کہ وہ ایک سے چار تک نکاح کر سکتے ہیں' اور اگر ان میں عدل قائم نہ رکھ سکیں تو پھر اپنی باندیوں سے نفسانی خواہش پوری کر سکتے ہیں اور بس! اگر متعہ بھی قضاء شہوت کی جائز شکل ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا بھی ان دو صورتوں کے ساتھ ذکر فرما دیتا اور اس جگہ متعہ کا بیان نہ کرنا ہی اس بات کا بیان ہے کہ وہ جائز نہیں ہے۔ اوائل اسلام سے لے کر فتح مکہ تک متعہ کی جو شکل معمول اور مباح تھی اس آیت کے ذریعہ اس کو منسوخ کر دیا گیا۔

شیعہ حضرات کو اگر شبہ ہو کہ اس آیت میں لفظ نکاح متعہ کو بھی شامل ہے لہٰذا نکاح کے ساتھ متعہ کا جواز بھی ثابت ہو گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح کی حد صرف چار عورتوں تک ہے اور متعہ میں عورتوں کی تعداد کے لئے کوئی قید نہیں ہے۔ اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ نکاح اور متعہ دو الگ الگ حقیقتیں ہیں نکاح میں عقد دائمی ہوتا ہے اور متعہ میں عقد عارضی ہوتا ہے نکاح میں منکوحات کی تعداد محدود ہے اور متعہ میں ممتوعات کی کوئی حد نہیں۔ نکاح میں نفقہ' سکنیٰ' نسب اور میراث لازم ہوتے ہیں اور ایلاء' ظہار' لعان اور طلاق عارض ہوتے ہیں اور متعہ میں ان میں سے کوئی امر لازم نہیں ہے نہ عارض۔ لہٰذا نکاح اور متعہ دو متضاد حقیقتیں ہیں اور نکاح سے متعہ کا ارادہ غیر معقول ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ (الی قولہ) ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ (النساء : ۲۵)

اور جو شخص تم میں سے آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ مسلمان کنیزوں سے نکاح کر لے۔ اور یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جسے غلبہ شہوت کی وجہ سے اپنے اوپر زنا کا خطرہ ہو اور اگر تم صبر کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔

اس آیت میں غلبہ شہوت رکھنے والے شخص کے لئے صرف دو طریقے تجویز کئے گئے ہیں ایک یہ کہ وہ باندیوں سے نکاح کرے دوسرا یہ کہ وہ ضبط نفس کرے اور تجرد کی زندگی گزارے اگر متعہ جائز ہوتا تو کنیزوں سے نکاح کی طاقت نہ رکھنے

کی صورت میں اس کو متعہ کی ہدایت دی جاتی ' لیکن ایسا نہیں کیا گیا پس معلوم ہوا کہ کوئی شخص متعہ نہیں کر سکتا اسے نکاح ہی کرنا پڑے گا خواہ باندیوں سے کرے اور اگر ان سے بھی نکاح کی طاقت نہیں رکھتا تو پھر اسے صبر کرنا پڑے گا۔ متعہ کے جواز کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ (النور : ۳۳) اور جو لوگ نکاح کی طاقت نہیں رکھتے ان پر لازم ہے کہ وہ ضبط نفس کریں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے غنی کردے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے غیر مبہم الفاظ میں واضح فرمادیا ہے کہ اگر نکاح نہیں کر سکتے تو ضبط نفس کرو اگر متعہ جائز ہوتا تو نکاح کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں متعہ کی اجازت دے دی جاتی ' جب کہ متعہ کی اجازت کی بجائے ضبط نفس کا حکم دیا گیا ہے تو معلوم ہو گیا کہ اسلام میں متعہ کے جواز کا کوئی تصور نہیں ہے۔

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ (النساء : ۲۴) در آں حالیکہ تم ان کو قلعہ نکاح کی حفاظت میں لانے والے ہو نہ محض عیاشی کرنے والے۔

اور یہ واضح ہے کہ متعہ میں محض عیاشی ہوتی ہے اس میں متعہ والی عورت کا مرد پر نفقہ ہوتا ہے نہ اس کی طلاق ہے نہ عدت اور نہ وہ مرد کے ترکہ کی وارث ہوتی ہے یہ محض عیاشی ہے۔ حفاظت صرف نکاح میں ہوتی ہے۔

حرمت متعہ پر احادیث سے دلائل

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے دن عورتوں سے متعہ اور پالتو گدھوں کے گوشت کو حرام کردیا۔

(صحیح البخاری ' رقم الحدیث : ۴۲۱۶ ' صحیح مسلم ' رقم الحدیث : ۱۴۰۷ ' سنن ترمذی ' رقم الحدیث : ۱۱۲۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں گئے ہم ثنیۃ الوداع پر اترے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چراغوں کو دیکھا اور عورتوں کو روتے ہوئے دیکھا آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ جن عورتوں سے متعہ کیا گیا تھا وہ رو رہی ہیں آپ نے فرمایا نکاح ' طلاق ' عدت اور میراث نے متعہ کو حرام کردیا۔

(مسند ابو یعلیٰ ' رقم الحدیث : ۶۵۹۴ ' مطبوعہ مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ' ۱۴۰۸ھ)

کیونکہ متعہ میں نہ طلاق ہوتی ہے نہ عدت اور نہ میراث ' نہ اس کو نکاح کہا جاتا ہے بلکہ اس میں عورت کا نان نفقہ بھی واجب نہیں ہوتا جیسا کہ کتب شیعہ سے باحوالہ گزر چکا ہے اور نہ متعہ والی عورت پر بیوی کا اطلاق ہوتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں بیویوں کی وراثت بیان کی گئی ہے اور متعہ والی عورت وارث نہیں ہوتی۔

اس حدیث کی سند میں ایک راوی مؤمل بن اسماعیل ہے امام بخاری نے اس کو ضعیف کہا ہے لیکن ابن معین اور ابن حبان نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے اس کی سند کے باقی راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں ہم باہر گئے اور ہمارے ساتھ وہ عورتیں تھیں جن کے

ساتھ ہم نے متعہ کیا تھا جب ہم ثنیتہ الرکاب پر پہنچے تو ہم نے کہا یا رسول اللہ یہ وہ عورتیں ہیں جن سے ہم نے متعہ کیا تھا آپ نے فرمایا یہ قیامت تک کے لئے حرام کردی گئی ہیں۔ (المعجم الاوسط : ۹۴۲'مطبوعہ مکتبہ المعارف ریاض-۱۴۱۶ھ)

اس حدیث کی سند میں ایک راوی صدقہ بن عبداللہ ہے۔ امام احمد نے اس کو ضعیف کہا ہے اور امام ابو حاتم نے اس کو ثقہ کہا ہے اور اس کے باقی راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے کہا آپ نے متعہ کے جواز کا کیسا فتویٰ دیا ہے؟ حضرت ابن عباس نے کہا' انا للہ و انا الیہ راجعون' خدا کی قسم میں نے یہ فتویٰ نہیں دیا اور نہ میں نے یہ ارادہ کیا تھا میں نے اسی صورت میں متعہ کو حلال کہا ہے جس صورت میں اللہ نے مردار' خون اور خنزیر کے گوشت کو حلال فرمایا ہے۔

(المعجم الکبیر' رقم الحدیث : ۱۰۶۰۱'مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث کی سند میں حجاج بن ارطاۃ ثقہ ہے لیکن وہ مدلس ہے اور اس کے باقی راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں :

ربیع بن مرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ حجر اسود اور باب کعبہ کے درمیان کھڑے ہوئے تھے آپ نے فرمایا : سنو! اے لوگو! میں نے تم کو متعہ کرنے کی اجازت دی تھی سنو اب اللہ نے متعہ کو قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے' سو جس شخص کے پاس ان میں سے کوئی عورت ہے اس کو چھوڑ دے اور جو کچھ اس کو دیا ہے وہ اس سے واپس نہ لے۔

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عمر پر رحم فرمائے اگر وہ متعہ کی حرمت نہ بیان کرتے تو علی الاعلان زنا ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا سنو متعہ زنا ہے۔

(المصنف ج ۴ ص ۲۹۳- ۲۹۲ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۶ھ)

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

ابن ابی عمرۃ انصاری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کے متعہ کے متعلق فتویٰ کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا میں نے امام المتقین کے ساتھ متعہ کیا ہے' ابن ابی عمرہ نے کہا اللہ معاف فرمائے متعہ ضرورت کی بناء پر رخصت تھا جیسے ضرورت کے وقت مردار خون اور خنزیر کے گوشت کی رخصت ہوتی ہے۔

(المصنف' رقم الحدیث : ۱۴۰۳۳)

ربیع بن سبرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے متعہ کو حرام کر دیا۔

(المصنف' رقم الحدیث : ۱۴۰۳۴)

معمر اور حسن بیان کرتے ہیں کہ عمرۃ القضاء کے موقع پر صرف تین دن کے لئے متعہ حلال ہوا تھا اس سے پہلے حلال ہوا تھا نہ اس کے بعد۔ (المصنف' رقم الحدیث : ۱۴۰۴۰'سنن سعید بن منصور' رقم الحدیث : ۸۴۲)

ربیع بن سبرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع کے لئے مدینہ سے روانہ ہوئے جب آپ مقام عسفان پر پہنچے تو آپ نے فرمایا عمرہ حج میں داخل ہو گیا۔ سراقہ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ دائما''

ہے؟ آپ نے فرمایا دائما" ہے۔ جب ہم مکہ پہنچے تو ہم نے بیت اللہ اور صفا اور مروہ کے درمیان طواف کیا پھر آپ نے ہم کو عورتوں سے متعہ کرنے کا حکم دیا ہم نے کہا ہم اس کو مدت معین کے لئے کریں گے آپ نے فرمایا کرو' میں اور میرا ایک ساتھی باہر نکلے ہم دونوں کے پاس ایک ایک چادر تھی ہم دونوں ایک عورت کے پاس گئے اور ہم دونوں نے اپنے آپ کو اس پر پیش کیا اس نے میرے ساتھی کی چادر کی طرف دیکھا تو وہ میری چادر سے زیادہ نئی تھی اور میری طرف دیکھا تو میں اس سے زیادہ جوان تھا بالآخر اس نے مجھ کو پسند کرلیا اور میں نے اپنی چادر کے عوض اس سے متعہ کرلیا میں اس کے ساتھ اس رات کو رہا جب صبح کو میں مسجد کی طرف گیا تو رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے جس شخص نے کسی عورت کے ساتھ مدت معین کے لئے متعہ کیا ہے تو وہ اس کو طے شدہ چیز دے دے اور جو اس کو دے رکھا ہے اس سے واپس نہ لے اور اس سے الگ ہو جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے متعہ حرام کردیا ہے۔

(المصنف' رقم الحدیث : ۱۴۰۴۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۰۳)

حضرت ابن عمر سے متعہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا یہ زنا ہے۔ (المصنف' رقم الحدیث : ۱۴۰۴۲)

حسن بصری بیان کرتے ہیں کہ متعہ صرف تین دن ہوا پھر اللہ عزوجل اور اس کے رسول نے اس کو حرام کردیا۔

(المصنف' رقم الحدیث : ۱۴۰۴۳' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۰۷)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا : متعہ کو طلاق' عدت اور میراث نے منسوخ کردیا۔

(المصنف : ۱۴۰۴۴' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۰۷)

حارث بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا رمضان نے ہر روزہ کو منسوخ کردیا' زکوٰۃ نے ہر صدقہ کو منسوخ کردیا اور طلاق' عدت اور میراث نے متعہ کو منسوخ کردیا۔

(المصنف' رقم الحدیث : ۱۴۰۴۶' سنن کبریٰ : ج ۷ ص ۲۰۷' مواردالظمآن : ص ۳۰۹)

احادیث شیعہ سے حرمت متعہ پر دلائل

زید بن علی اپنے آباء سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے پالتو گدھوں کے گوشت اور نکاح متعہ کو حرام کردیا۔

(تہذیب الاحکام ج ۷ ص ۲۵۱' الاستبصار ج ۳ ص ۱۴۲' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ تہران)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جب خیبر کے دن متعہ حرام کردیا گیا تھا تو پھر فتح مکہ کے موقع پر متعہ کیوں ہوا اس کا جواب یہ ہے کہ متعہ خیبر کے دن ہی حرام کردیا گیا تھا فتح مکہ کے موقع پر ضرورت کی وجہ سے تین دن کے لئے عارضی رخصت دی گئی اور پھر اس کو دائما" حرام کردیا گیا۔ اور حجۃ الوداع کے موقع پر تاکیدا" اس کی حرمت کو دہرایا گیا جیسے اور کئی حرام کاموں کی حرمت کو اس موقع پر بیان کیا گیا۔

بعض مفسرین کا تسامح

مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں : فرمان باری تعالیٰ شانہ والذین ہم لفروجہم حافظون الا علی ازواجہم او ما ملکت ایمانہم فانہم غیر ملومین یہ ایسا واضح ارشاد ہے جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔ اس سے حرمت متعہ صاف ظاہر ہے اس کے مقابلہ میں بعض شاذ قراتوں کا سہارا لینا قطعا" غلط ہے۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۳۶۸)

علامہ آلوسی (روح المعانی : ج ۵ ص ۷) امام رازی (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۹۵) پیر محمد کرم شاہ الازہری (ضیاء القرآن ج ۳ ص ۲۴۵) اور دیگر مفسرین نے بھی سورہ المومنون (۶:) کی اس آیت کو حرمت متعہ کی قطعی دلیل بنایا ہے لیکن یہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ المومنون مکی سورت ہے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مکہ میں متعہ حرام ہو گیا تھا جب کہ اس پر اتفاق ہے کہ ۷ ہجری تک مدینہ میں متعہ حلال رہا اور جنگ خیبر کے موقع پر متعہ کو حرام کیا گیا جیسا کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن ترمذی کی حدیث میں ہے اور مفتی محمد شفیع نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ اسی لئے ہم نے النساء اور النور کی آیتوں سے حرمت متعہ پر استدلال کیا ہے اور یہ مدنی سورتیں ہیں اور ان پر شیعہ علماء کا یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ فافہم وتشکر۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم میں سے جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کی طاقت نہ رکھے تو وہ مسلمانوں کی مملوکہ مسلمان باندیوں سے (نکاح کرے) (النساء : ۲۵)

اہل کتاب باندیوں سے نکاح میں فقہاء کے مذاہب

امام ابو حنیفہ کے نزدیک آزاد مسلمان عورت سے نکاح کی قدرت کے باوجود باندی یا کتابیہ باندی سے نکاح کرنا مکروہ ہے کیونکہ باندی کی اولاد بھی اس کے مالک کی غلام ہوتی ہے اور آزاد شخص کے لئے یہ باعث عار ہے کہ اس کی اولاد لونڈی اور غلام بن جائے۔

اس آیت میں باندیوں کے ساتھ مسلمان ہونے کی صفت کو ذکر کیا ہے امام شافعی کے نزدیک چونکہ مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے اس لئے ان کے نزدیک یہ صفت بمنزلہ شرط ہے اور جو شخص آزاد (کنواری) مسلمان عورت سے نکاح کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ باندی سے اسی وقت نکاح کر سکتا ہے جب باندی مسلمان ہو، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک باندی کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے بلکہ مستحب ہے باندی اگر اہل کتاب ہو پھر بھی وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

(النکت والعیون ج ۱ ص ۴۷۲، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے اور امام مالک کے نزدیک جو شخص آزاد مسلمان عورت سے نکاح کی طاقت رکھتا ہو وہ بھی باندی سے نکاح کر سکتا ہے، اور امام اعظم کے نزدیک آزاد مسلمان عورت کے ہوتے ہوئے باندی سے نکاح جائز نہیں (الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۱۳۶) اہل کتاب باندیوں سے نکاح کے جواز پر امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محرمات کے علاوہ ہر عورت سے نکاح کرنے کو حلال قرار دیا ہے ماسوا ان کے جن کی کتاب اللہ میں تخصیص کر لی گئی ہے اور اہل کتاب باندی کی تخصیص نہیں کی گئی، وہ آیتیں یہ ہیں :

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ (النساء : ۳) تو اپنی پسند کے موافق عورتوں سے نکاح کر لو۔

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ (النساء : ۲۴) ان محرمات کے سوا باقی تمام عورتیں تمہارے لئے حلال کر دی گئی ہیں۔

(روح المعانی ج ۵ ص ۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ان آیات کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ اہل کتاب باندی کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے اور یہی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔

غیر سید کا فاطمی سیدہ سے نکاح

بعض سادات کرام نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کے فضائل میں جو احادیث وارد ہیں وہ بھی ان آیات کے عموم کے لئے مخصص ہیں اور سیدہ کا نکاح غیر سید سے حرام ہے۔ سادات کرام کا احترام اور اکرام مسلم ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ احادیث زیادہ سے زیادہ خبر واحد ہیں اور خبر واحد قرآن مجید کے عموم کے لئے ناسخ نہیں ہو سکتی' بعض سادات کرام نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر آواز اونچی کرنا جائز نہیں ہے تو آپ کے نسب کے اوپر نسب کرنا کیسے جائز ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح سے یہ لازم نہیں آتا کہ شوہر کا نسب بیوی کے نسب سے اونچا ہو جائے ورنہ کسی سید کا نکاح بھی سیدہ سے جائز نہیں ہوگا۔ نیز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی صاحبزادیوں میں سے کسی صاحبزادی کا نکاح تو یقیناً" غیر فاطمی شخص سے ہوا ہے کیونکہ ہماری شریعت میں بھائی بہن کا نکاح جائز نہیں ہے جیسا کہ محرمات کے بیان میں گزر چکا ہے' اس بحث میں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ ہم یہ دعوت نہیں دیتے کہ غیر فاطمی سید فاطمی سیدہ سے نکاح کریں نہ یہ ہمارا منصب اور حق ہے ہمارا صرف یہ کہنا ہے کہ اگر کہیں یہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے تو اس کو حرام کہنے کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے' اگر ہمارے کسی استدلال سے سادات کرام کی دل آزاری ہوئی ہے تو ہم ان سے معافی چاہتے ہیں اور سادات کرام کی محبت کو حرز ایمان سمجھتے ہیں۔ لیکن مسئلہ اپنی جگہ پر ہے۔ اگر اس نکاح کو حرام کہا جائے تو جس سیدہ خاتون نے اپنی مرضی یا اپنے والدین کی مرضی سے غیر سید سے نکاح کیا اس فاطمی سیدہ خاتون کو مرتکب حرام' زانیہ اور اس کی اولاد کو ولد الزنا کہنا لازم آئے گا' اور مانعین ایسا کہتے بھی ہیں لیکن ہم شہزادی رسول اور سیدہ فاطمہ کی صاحبزادی کے متعلق ایسا فتویٰ لگانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اذیت پہنچانے کے مترادف سمجھتے ہیں اور اس کو خطرہ ایمان گردانتے ہیں' سو جو لوگ اس نکاح کو ناجائز اور حرام کہتے ہیں وہ نادانستگی میں شہزادی رسول کو زانیہ کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچا رہے ہیں۔ کسی بھی نکاح رجسٹرار کے ریکارڈ شدہ رجسٹر کو دیکھ لیں ملک کے طول و عرض میں غیر فاطمی سید کے فاطمی سیدہ سے نکاح کے بہت مندرجات مل جائیں گے' آخر جس فاطمی سیدہ خاتون نے غیر سید سے نکاح کیا ہے وہ بھی تو بنت رسول ہے اس کو زنا کی گالی دینا کسی مسلمان کے لئے کس طرح زیبا ہے کیا اس کا احترام اور اکرام واجب نہیں ہے۔ کیا اس کو گالی دینے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت نہیں پہنچے گی؟ خدارا سوچئے کہ ہم اس نکاح کے جواز کا فتویٰ دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہزادیوں کی عزتوں کا تحفظ کر رہے ہیں یا العیاذ باللہ ان کی توہین کر رہے ہیں۔ مانعین اس نکاح کو حرام کہتے ہیں اور حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے تو جس سیدہ خاتون یا اس کے سادات والدین نے جائز سمجھ کر نکاح کر دیا تو آپ کے نزدیک وہ العیاذ باللہ کافر ہو گئے اور کافر کا ٹھکانہ دوزخ ہے آخر آپ خون رسول کو دوزخ میں کیوں پہنچانے کے درپے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تم ان (باندیوں) سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو اور دستور کے مطابق ان کے مہر ادا کرو درآں حالیکہ وہ (باندیاں) قلعہ نکاح کی حفاظت میں آنے والی ہوں' بدکار نہ ہوں نہ غیروں سے آشنائی کرنے والی ہوں۔ (النساء : ۲۵)

باندیوں سے نکاح کے احکام

اس آیت میں باندیوں کے اہل سے مراد ان کے مالک ہیں اس آیت میں یہ بتانا مقصود ہے کہ باندی کے مالک کی

اجازت کے بغیر اس کا نکاح صحیح نہیں ہے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ زانی ہے۔ (سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۲۰۷۸' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۱۱۳)

اس آیت کے آخر میں فرمایا یہ حکم تم میں سے ہر اس شخص کے لئے ہے جس کو اپنے نفس پر بدچلنی کا خدشہ ہو اور اگر تم صبر کرو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے' اس میں یہ بتایا ہے کہ اگرچہ باندیوں سے نکاح کی تم کو اجازت دی گئی ہے لیکن اگر تم آزاد مسلمان عورت سے نکاح کی طاقت نہ رکھتے ہو اور پاک دامنی کے ساتھ رہ سکتے ہو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ باندی پر اس کے مالک کا حق شوہر کے حق سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے وہ تمہاری خدمت اور حقوق کے لئے سبیل نہیں پا سکیں گی اور ان کے مالک سفر اور حضر میں ان سے خدمت لینے اور جس کو چاہے فروخت کرنے پر قادر ہوں گے اور اس میں شوہروں کے لئے دشواری ہے کیونکہ باندی کے مہر کا مالک اس کا مولیٰ ہو گا اور اس باندی سے جو اولاد پیدا ہو گی وہ اس کے مالک کی غلام ہو گی۔ اس کے بعد فرمایا اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا ہے۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے نفس پر صبر نہ کر سکا تو اللہ اس کو بخشنے والا اور مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب وہ قلعہ نکاح میں محفوظ ہو جائیں پھر بے حیائی کے کام کریں تو ان کو آزاد (کنواری) عورت کی آدھی سزا ملے گی۔

یعنی اگر باندیاں زنا کریں تو ان کی سزا وہ ہے جو آزاد کنواریوں کو سزا دی جاتی ہے اور آزاد کنواری عورت کو زنا کرنے پر سو کوڑے لگائے جاتے ہیں تو ان کو پچاس کوڑے لگائے جائیں گے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

اللہ تمہارے لیے وضاحت سے احکام بیان کرنا چاہتا ہے' اور تمہیں ان (نیک) لوگوں کے راستوں پر چلانا چاہتا ہے جو تم سے پہلے

وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ

گزر چکے ہیں' اور تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا ہے اور اللہ خوب جاننے والا بہت حکمت والا ہے ○ اللہ تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا ہے

عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا

اور جو لوگ خواہش نفس کی پیروی کرتے ہیں وہ تمہیں سیدھی راہ سے بہت دور ہٹا دینا

عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ

چاہتے ہیں ○ اللہ تم سے (مشکل احکام کا) بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے اور انسان کو کمزور پیدا کیا

ضَعِيفًا ﴿۲۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ

گیا ہے ۝ اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے نہ

بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫ وَلَا

کھاؤ سوا اس کے کہ باہمی رضامندی سے تجارت ہو اور اپنے آپ کو

تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ

ہلاکت میں نہ ڈالو، بے شک اللہ تم پر بہت رحم فرمانے والا ہے ۝ اور جو شخص زیادتی اور

ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ

ظلم کی بناء پر ایسا کرے گا تو عنقریب ہم اس کو (دوزخ کی) آگ میں داخل کر دیں گے، اور یہ اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ

آسان ہے ۝ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم

عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا

تمہارے (صغیرہ) گناہوں کو معاف کر دیں گے، اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کر دیں گے ۝ اور تم اس چیز کی تمنا نہ کرو

فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا

جس کے ساتھ اللہ نے تمہارے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، مردوں کے لیے ان کی کمائی سے

اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ

حصہ ہے اور عورتوں کے لیے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور اللہ سے اس کے فضل

فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا

کا سوال کرو، بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ۝ اور ہم نے ہر شخص کے

مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ

ترکہ کے لیے وارث مقرر کر دیے ہیں اولاد اور قرابت دار اور وہ لوگ جن سے تمہارا عہد

اَیۡمَانُکُمۡ فَاٰتُوۡهُمۡ نَصِیۡبَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَهِیۡدًا ﴿۳۳﴾

ہو چکا ہے سو تم انھیں ان کا حصہ دے دو ، بیشک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے ۝

احکام شرعیہ پر عمل کرنے کی ترغیب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ تمہارے لئے وضاحت سے احکام بیان کرنا چاہتا ہے۔ (النساء : ۲۶)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام احکام شرعیہ بیان کر دیئے اور حلال کو حرام سے متمیز کر دیا اور اچھے اور نیک کام کو برے اور قبیح کام سے ممتاز کر دیا۔ پھر فرمایا : اور تمہیں ان نیک لوگوں کے راستہ پر چلانا چاہتا ہے جو گزر چکے ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ تم سے پہلے جو نیک' صالحین اور حق پرست لوگ گزرے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے سامنے ان کی سیرتیں بیان کر دی ہیں تاکہ تم حق کی اتباع کرو اور باطل سے اجتناب کرو' پھر فرمایا اللہ تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ کے بیان کئے ہوئے احکام شرعیہ پر عمل کرنے میں اور اہل حق کی اتباع کرنے میں اگر تم سے کوئی تقصیر یا کوئی زیادتی یا کمی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتا ہے اور جو لوگ خواہش نفس کی پیروی کرتے ہیں وہ تمہیں سیدھی راہ سے بہت دور ہٹا دینا چاہتے ہیں (النساء : ۲۷)

خواہش نفس کی پیروی کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو یہ چاہتے تھے کہ زنا حلال ہو جائے یا بعض محرمات حلال ہو جائیں۔

مجاہد نے کہا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو یہ چاہتے تھے کہ تم زنا کرو۔

بعض مفسرین نے کہا اس سے مراد یہود ہیں وہ علاتی بہنوں سے نکاح جائز قرار دیتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ مسلمان بھی ایسا کریں۔

ابن زید نے کہا اس سے مراد اہل باطل ہیں وہ چاہتے تھے کہ تم اللہ کے دین کو چھوڑ کر ان کی پیروی کرو۔

(جامع البیان ج ۵ ص ۱۹' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

علامہ ابو اللیث سمرقندی حنفی متوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں :

یہود' نصاریٰ اور مجوس یہ چاہتے تھے کہ تم کوئی بہت بڑا گناہ کر بیٹھو' کیونکہ بعض کافر علاتی بہنوں' بھتیجیوں اور بھانجیوں سے نکاح کو جائز کہتے تھے' اور جب اللہ نے مسلمانوں پر یہ رشتے حرام کر دیئے تو انہوں نے کہا خالہ اور پھوپھی محرم ہیں جب تم ان کی بیٹیوں سے نکاح کو جائز کہتے ہو تو بھائی اور بہن کی بیٹیوں سے نکاح کو جائز کیوں نہیں کہتے؟ اور ایک قول یہ ہے کہ یہود یہ چاہتے تھے کہ تم سے کوئی بڑا بھاری گناہ ہو جائے۔

(تفسیر سمرقندی ج ۱ ص ۳۴۸ — ۳۴۹' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۳ھ)

اس آیت میں ایسے تمام لوگ داخل ہیں جو اپنی عقل سے احکام شرع پر اعتراض کرتے ہیں مثلاً "مردوں کو عورتوں کے مساوی کیوں نہیں رکھا' نابالغ لڑکی کا نکاح کرنا کیوں جائز ہے' یتیم پوتے کو دادا کی میراث سے ترکہ کیوں نہیں ملتا' تجارتی سود تو نفع کا متبادل ہے اس کو کیوں حرام کیا گیا ہے' پردہ کی قیود سے عورتوں کا حق آزادی مجروح ہوتا ہے' موسیقی تو روح کی

غذا ہے اس کو کیوں ناجائز کیا گیا' اور اس قسم کے تمام احکام کو ملا کی رجعت پسندی اور فرسودگی قرار دیتے ہیں اور بعض لوگ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ عورت کو طلاق کا حق کیوں نہیں ہے' اور عورت کو بیک وقت چار خاوندوں سے نکاح کی اجازت کیوں نہیں ہے وغیرہ وغیرہ نعوذ باللہ من تلک الخرافات۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ تم سے (مشکل احکام کا) بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہے اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

شریعت کا مزاج آسان احکام بیان کرنا ہے نہ کہ مشکل

اس آیت کا ایک معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر آسانی کر کے ضرورت کے وقت باندیوں سے نکاح کرنا ان کے لئے جائز کر دیا' اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے آسان احکام مشروع کئے ہیں ایسے سخت اور مشکل احکام کا ہم کو مکلف نہیں کیا جیسے مشکل احکام کا بنو اسرائیل کو مکلف کیا تھا۔ ہمارے لئے تمام روئے زمین پر نماز پڑھنے کو جائز کر دیا اور خصوصاً" مسجد میں نماز پڑھنے کا مکلف نہیں کیا۔ پانی نہ ملنے یا پانی پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے لئے تیمم کو جائز کر دیا' قربانی کو کھانا اور مال غنیمت ہمارے لئے حلال کر دیا' گناہ کے لئے استغفار اور توبہ رکھی بنو اسرائیل کی شریعت کی طرح یہ نہیں فرمایا کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو تو تمہاری توبہ ہو گی' سفر اور بیماری میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت دی نیز سفر میں چار رکعت والی نماز کو دو رکعت کر دیا غرض پچھلی شریعتوں میں جو مشکل احکام تھے وہ ہمارے لئے آسان کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ط (الاعراف : ۱۵۷)

(وہ نبی امی) ان سے (مشکل احکام کا) بوجھ اتارتے ہیں اور ان کے (گلے کے) طوق ان سے نکال کر دور کرتے ہیں۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ز (البقرہ : ۱۸۵)

اللہ تم پر آسانی کا ارادہ فرماتا ہے اور تنگی کا ارادہ نہیں فرماتا۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ط (الحج : ۷۸)

اور اللہ نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم آسانی کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو مشکل میں ڈالنے کے لئے نہیں بھیجے گئے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۲۲۰' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۴۷)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو کاموں میں سے کسی ایک کا اختیار دیا جاتا تو آپ زیادہ آسان کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ (شمائل ترمذی' رقم الحدیث : ۳۴۸)

اسی طرح جب کسی مسئلہ میں علماء اور فقہاء کے مختلف قول ہوں تو مفتیان کرام کو اس قول پر فتویٰ دینا چاہئے جو مسلمانوں کے لئے آسان ہو۔

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں :

مقاصد شرع سے ماہر خوب جانتا ہے کہ شریعت مطہرہ رفق و تیسیر (آسانی اور تخفیف) پسند فرماتی ہے نہ معاذ اللہ

تشدید و تضییق (سختی اور تنگی) لہٰذا جہاں ایسی دقتیں واقع ہوئیں علماء کرام انہیں (ان ہی) روایات کی طرف جھکے ہیں جن کی بناء پر مسلمان تنگی سے بچیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ کتاب النکاح ص ۲۱ مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

ہمارے دور میں آج کل بعض مفتیوں کی روش اس کے برعکس ہے۔ لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھانے کو ناجائز کہتے ہیں' ریڈیو اور ٹی وی کے اعلان پر روزہ اور عید کو ناجائز کہتے ہیں' ایلو پیتھک اور ہومیو پیتھک دواؤں سے علاج کرنے اور پرفیوم لگانے کو حرام کہتے ہیں' کالر والی قمیص کو بھی حرام کہتے ہیں' جس عورت کا خاوند مفقود الخبر (لاپتہ) ہو اس کو ستر یا نوے سال سے پہلے نکاح کرنے کی اجازت نہیں دیتے' جس عورت کا خاوند اس کو نہ طلاق دے اور نہ خرچ دے اور عدالت اس بناء پر اس کا نکاح فسخ کردے تو اس کو دوسری جگہ نکاح کی اجازت نہیں دیتے' نماز میں اگر سجدہ میں انگلیوں کے پیٹ زمین سے نہ لگیں تو کہتے ہیں نماز فاسد ہو گئی' اسی طرح اور بہت سے معاملات میں سخت اور مشکل احکام کو بیان کرتے ہیں جب کہ اس کے بالمقابل آسان احکام اور دلائل بھی فقہاء کی عبارات سے ثابت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ سوا اس کے کہ باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔ (النساء : ۲۹)

مال حرام کی انواع اور اقسام

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے جسموں اور بدنوں میں تصرف کرنے کی ہدایت دی تھی' زنا اور عمل قوم لوط سے منع فرمایا' اسی طرح محرمات کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرمایا تھا' اور اس آیت میں مسلمانوں کو ان کے اموال میں تصرف کے متعلق ہدایت دی ہے بیع و شراء کے ذریعہ دوسرے کا مال حاصل کرنے کی اجازت دی ہے اسی طرح ہبہ' وراثت اور کسی چیز کو بنا کر اس کا مالک ہونا جائز ہے' اور جوا' سٹہ' سود' غصب' چوری' ڈاکہ' خیانت' جھوٹی قسم کھا کر اور جھوٹی گواہی کے ذریعہ اور رشوت سے دوسرے کا مال کھانا ناجائز ہے۔

سود کے متعلق ہم تفصیل سے بحث کر چکے ہیں باقی چیزوں کا ناجائز اور گناہ ہونا واضح ہے اس لئے ہم یہاں رشوت کے متعلق گفتگو کریں گے۔

رشوت کی تعریف' وعید اور شرعی احکام

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں :

کوئی شخص حاکم یا کسی اور افسر مجاز کو کوئی چیز دے تاکہ وہ اس کے حق میں فیصلہ کردے یا حاکم کو اپنی منشاء پوری کرنے پر ابھارے۔ (تاج العروس ج ۱۰ ص ۱۵۰' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر ۱۳۰۶ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ مسروق بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ سحت کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے کہا رشوت' پھر سوال کیا گیا کہ فیصلہ پر رشوت لینے کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا یہ کفر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے (نازل کردہ) احکام کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔ (المائدہ : ۴۴)

(سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۹ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

کسی پر ظلم کرنے کے لئے یا کوئی ناجائز کام کرانے کے لئے کچھ دینا رشوت ہے اور اپنا حق حاصل کرنے کے لئے یا خود کو ظلم سے بچانے کے لئے کچھ دینا یہ رشوت نہیں ہے۔

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص متوفی ۳۷۰ھ روایت کرتے ہیں :

روایت ہے کہ نبی ﷺ نے خیبر کا مال غنیمت تقسیم کیا اور بڑے بڑے عطایا دیئے اور عباس بن مرداس کو بھی کچھ مال دیا تو وہ اس پر ناراض ہو گیا اور شعر پڑھنے لگا نبی ﷺ نے فرمایا (کچھ اور مال دے کر) ہمارے متعلق اس کی زبان بند کر دو، پھر اس کو کچھ اور مال دیا حتیٰ کہ وہ راضی ہو گیا۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۴۳۳ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۱۰ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ حبشہ کی سرزمین پر پہنچے تو ان سے ان کا کچھ سامان چھین لیا گیا انہوں نے اس سامان کو اپنے پاس رکھا اور دو دینار دے کر وہ سامان چھڑا لیا۔

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ جس کام میں رشوت دینے والا گناہ گار ہوتا ہے یہ وہ نہیں ہے جو اپنی جان اور مال سے ظلم اور ضرر دور کرنے کے لئے دی جائے، رشوت وہ چیز ہے کہ تم اس چیز کو حاصل کرنے کے لئے کچھ دو جو تمہارا حق نہیں ہے اس میں دینے والا گنہگار ہوتا ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۱۰ ص ۱۳۹، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

قاضی خاں اوزجندی حنفی متوفی ۵۹۲ھ نے رشوت کی چار قسمیں لکھی ہیں :

(۱) منصب قضاء کو حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا اس میں رشوت دینا اور لینا دونوں حرام ہیں۔

(۲) کوئی شخص اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لئے رشوت دے یہ رشوت جانبین سے حرام ہے خواہ وہ فیصلہ حق اور انصاف پر مبنی ہو یا نہ ہو، کیونکہ فیصلہ کرنا قاضی کی ذمہ داری اور اس پر فرض ہے۔

(۳) اپنی جان اور اپنے مال کو ظلم اور ضرر سے بچانے کے لئے رشوت دینا یہ لینے والے پر حرام ہے دینے والے پر حرام نہیں ہے، اسی طرح اپنے مال کو حاصل کرنے کے لئے بھی رشوت دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔

(۴) کسی شخص کو اس لئے رشوت دی کہ وہ اس کو سلطان یا حاکم تک پہنچا دے تو اس کا دینا جائز ہے اور لینا حرام ہے۔ (فتاویٰ قاضی خاں علی ہامش الہندیہ ج ۲ ص ۳۶۳، ۳۶۲، مطبوعہ مصر، فتح القدیر ج ۶ ص ۳۸۵، طبع سکھر، بنایہ شرح ہدایہ الجزء الثالث ص ۲۶۹، طبع فیصل آباد، البحر الرائق ج ۶ ص ۲۶۲۔ ۲۶۱، طبع مصر)

اپنے آپ کو قتل کرنے کی ممانعت کے تین محمل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو بے شک اللہ تم پر بہت رحم فرمانے والا ہے (النساء : ۲۹)

اس آیت کے تین معنی ہیں ایک معنی یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے کو قتل نہ کریں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۵۸۶) اس لئے اگر ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کو قتل کیا تو یہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے اپنے آپ کو قتل کیا۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ کوئی ایسا کام نہ کرو جس کے نتیجہ میں تم ہلاک ہو جاؤ اس کی مثال یہ حدیث ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ایک سرد رات میں جنبی ہو گئے تو انہوں نے تیمم کیا اور یہ آیت پڑھی ولا

تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما۔ "تم اپنے نفسوں کو قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر بے حد رحم فرمانے والا ہے۔" پھر نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے (ان کو) ملامت نہیں کی۔

(صحیح البخاری : کتاب التیمم باب ۷، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۳۳۴)

اس آیت کا تیسرا معنی یہ ہے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے خود کشی کرنے سے منع فرمایا ہے اور اسی آیت کی بناء پر خود کشی کرنا حرام ہے۔

خود کشی کرنے والے کے عذاب کا بیان

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص جس ہتھیار سے خود کشی کرے گا تو دوزخ میں وہ ہتھیار اس شخص کے ہاتھ میں ہو گا اور وہ شخص جہنم میں اس ہتھیار سے ہمیشہ خود کو زخمی کرتا رہے گا، اور جو شخص زہر سے خود کشی کرے گا وہ جہنم میں ہمیشہ زہر کھاتا رہے گا اور جو شخص پہاڑ سے گر کر خود کشی کرے گا وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ گرتا رہے گا۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۰۹)

اس حدیث پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ خود کشی کرنا گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ کفر نہیں ہے اور اس کے ارتکاب سے انسان دائمی عذاب کا مستحق نہیں ہوتا پھر خود کشی کرنے والا دائمی عذاب میں کیوں مبتلا ہو گا؟ اس اعتراض کے دو جواب ہیں : اول یہ کہ یہ حدیث اس شخص کے متعلق ہے جس کو خود کشی کے حرام ہونے کا علم تھا اس کے باوجود اس نے حلال اور جائز سمجھ کر خود کشی کی، دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں خلود کا استحقاق بیان کیا گیا ہے اور یہ جائز ہے کہ مستحق خلود ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے یا پھر خلود مکث طویل کے معنی میں ہے۔

خود کشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنے کا شرعی حکم

علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں :

جس نے خود کو قتل کر لیا خواہ عمداً، اس کو غسل دیا جائے گا اور اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اسی پر فتویٰ ہے اگرچہ دوسرے مسلمان کو قتل کرنے کی بہ نسبت یہ زیادہ بڑا گناہ ہے، امام ابن ہمام نے امام ابو یوسف کے قول کو ترجیح دی ہے کیونکہ نبی ﷺ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس نے خود کشی کی تھی آپ نے اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

(الدر المختار ج ۱ ص ۵۸۴، علی ہامش رد المحتار)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

اس حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم نے خود کشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھی اور بہ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے اس پر نماز جنازہ زجراً نہیں پڑھی جس طرح آپ نے مقروض کی نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صحابہ میں سے بھی کسی نے اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی کیونکہ دوسروں کی نماز آپ کی نماز کے برابر نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے آپ کی صلوٰۃ ان کے لئے سکون ہے۔ شرح المنیہ میں بھی اسی طرح مذکور ہے اور اہل سنت وجماعت کے قواعد پر یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ اس کی توبہ مقبول نہیں ہے، کیونکہ مطلقاً گنہگار کی توبہ مقبول ہوتی ہے بلکہ کافر کی توبہ بھی کفر سے قطعاً مقبول ہوتی ہے حالانکہ اس کا گناہ زیادہ ہے، ہو سکتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ نزع روح کے

وقت توبہ مقبول نہیں ہوتی اور جس نے ایسے فعل سے خود کشی کی جس سے "فوراً" مرجائے (مثلاً" کنپٹی پر پستول رکھ کر فائر کر دینا) تو اس کو توبہ کا وقت ہی نہیں ملا یا نزع روح کے وقت چند لمحے ملے اور اس وقت کی توبہ مقبول نہیں ہے اور جس نے اپنے آپ کو کسی آلہ سے زخمی کر لیا اور اس کے بعد وہ کچھ دن زندہ رہا اور اس نے توبہ کر لی تو اس کی توبہ کی قبولیت کا یقین رکھنا چاہئے یہ ساری بحث اس کے متعلق ہے جس نے عمداً" خود کو قتل کیا اور جس نے خود کو خطاء" قتل کیا اس کا شمار شہداء میں ہو گا۔(ردالمحتار ج ا ص ۵۸۵' ۵۸۴)

خلاصہ یہ ہے کہ کسی بڑے عالم اور مفتی کو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھانا چاہئے اور عام مسلمان کو چاہئے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھادے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہارے (صغیرہ) گناہوں کو معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کر دیں گے۔(النساء : ۳۱)

صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کی تحقیق

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

بعض عرفاء نے کہا ہے کہ یہ مت سوچو کہ گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ' یہ غور کرو کہ تم کس ذات کی نافرمانی کر رہے ہو اور اس اعتبار سے تمام گناہ گناہ کبیرہ ہیں۔ قاضی ابوبکر بن طیب' استاد ابو اسحٰق اسفرائنی' ابوالمعالی' ابونصر عبدالرحیم قشیری وغیرہم کا یہی قول ہے۔ انہوں نے کہا کہ گناہوں کو اضافی طور پر صغیرہ یا کبیرہ کہا جاتا ہے مثلاً" زنا کفر کی بہ نسبت صغیرہ ہے اور بوس وکنار زنا کی بہ نسبت صغیرہ ہے اور کسی گناہ سے اجتناب کی وجہ سے دوسرے گناہ کی مغفرت نہیں ہوتی بلکہ تمام گناہوں کی مغفرت اللہ کی مشیت کے تحت داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ
اللہ تعالیٰ شرک کے گناہ کو نہیں بخشے گا اور شرک کے سوا تمام گناہوں کو جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا۔

اور یہ جو قرآن مجید میں ہے ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنه نکفر عنکم سیاتکم (النساء : ۳۱) اس آیت میں کبائر سے مراد انواع کفر ہیں' یعنی اگر تم انواع کفر سے بچو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا' نیز صحیح مسلم اور دوسری کتب حدیث میں حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے قسم کھا کر کسی مسلمان شخص کا حق مارا اللہ تعالیٰ اس آدمی پر دوزخ واجب کر دے گا اور اس پر جنت حرام کر دے گا' ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! ہرچند کہ (اس شخص کا حق) تھوڑی سی چیز ہو؟ آپ نے فرمایا : ہرچند کہ وہ پیلو کے درخت کی ایک شاخ ہی کیوں نہ ہو! پس معمولی معصیت پر بھی ایسی شدید وعید ہے جیسی بڑی معصیت پر وعید ہے۔

علامہ قرطبی مزید لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے کہا ہے کہ جن چیزوں سے منع کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس ممانعت کو جہنم یا غضب یا لعنت یا عذاب کے ذکر پر ختم کیا ہے وہ گناہ کبیرہ ہے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا سورہ نساء کی تینتیس (۳۳) آیتوں میں جن چیزوں سے منع کیا ہے اور پھر فرمایا ہے "ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنه" وہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔ طاؤس کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس سے سوال کیا گیا کہ کیا کبائر سات (۷) ہیں فرمایا یہ ستر کے قریب ہیں اور سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کیا کبائر سات ہیں فرمایا یہ سات سو کے

قریب ہیں البتہ استغفار کے بعد کوئی گناہ کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار سے کوئی گناہ صغیرہ نہیں رہتا (بلکہ کبیرہ ہو جاتا ہے)

گناہ کبیرہ کی تعداد اور ان کے حصر میں علماء کا اختلاف ہے کیونکہ ان میں آثار مختلف ہیں' میں یہ کہتا ہوں کہ گناہ کبیرہ کے متعلق صحیح اور حسن بکثرت احادیث ہیں اور ان سے حصر مقصود نہیں ہے البتہ بعض گناہ بعض دوسرے گناہ سے زیادہ بڑے ہیں اور شرک سب سے بڑا گناہ ہے جس کی مغفرت نہیں ہو سکتی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید کی تکذیب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ورحمتی وسعت کل شیءٍ" میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے' اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انہ لا یائیس من روح اللہ الا القوم الکفرون۔ میری رحمت سے کافروں کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا۔ اس کے بعد تیسرا درجہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہونا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر تکیہ کر کے بے خوفی سے گناہ کرے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ افامنوا مکر اللہ فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون (الاعراف: ۹۹) کیا یہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر سے بے خوف ہیں؟ تو اللہ کی خفیہ تدبیر سے صرف تباہ ہونے والے ہی بے خوف ہوتے ہیں۔ اس کے بعد چوتھے درجہ پر قتل سب سے بڑا گناہ ہے اور اس کے بعد لواطت ہے' پھر زنا ہے' پھر شراب نوشی ہے پھر نماز اور اذان کا ترک کرنا ہے پھر جھوٹی گواہی دینا ہے اور ہر وہ گناہ جس پر عذاب شدید کی وعید ہے یا اس کا ضرر عظیم ہے وہ گناہ کبیرہ ہے اور اس کا ماسوا گناہ صغیرہ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۱۶۱۔ ۱۵۹ ملخصاً انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

میں نے گناہ کبیرہ کے متعلق ان تمام اقوال اور تعریفات پر غور کیا میرے نزدیک جامع مانع اور منضبط تعریف یہ ہے:

جس گناہ کی دنیا میں کوئی سزا ہو یا اس پر آخرت میں وعید شدید ہو یا اس گناہ پر لعنت یا غضب ہو وہ گناہ کبیرہ ہے اور اس کا ماسوا گناہ صغیرہ ہے اور اس سے بھی زیادہ آسان اور واضح تعریف یہ ہے کہ فرض کا ترک اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے اور واجب کا ترک اور مکروہ تحریمی کا ارتکاب گناہ صغیرہ ہے نیز کسی گناہ کو معمولی سمجھ کر بے خوفی سے کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے علامہ نووی شافعی اور علامہ بھوتی حنبلی نے جو گناہ کبیرہ اور صغیرہ کی مثالیں دی ہیں ان پر یہ تعریفیں صادق آتی ہیں اس لئے گناہ صغیرہ اور کبیرہ کو سمجھنے کے لئے ان تعریفات کی روشنی میں ان مثالوں کو ایک بار پھر پڑھ لیا جائے۔ اس بحث میں یہ نکتہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ فرض کے ترک کا عذاب واجب کے ترک کے عذاب سے اور حرام کے ارتکاب کا عذاب مکروہ تحریمی کے ارتکاب کے عذاب سے شدید ہوتا ہے اور اصولیین کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ فرض اور واجب کے ترک کا عذاب ایک جیسا ہوتا ہے اور ان میں صرف ثبوت کے لحاظ سے فرق ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

گناہ صغیرہ اور کبیرہ دو قسم کے ہیں۔ استاذ ابو اسحاق نے کہا ہے کہ کوئی گناہ صغیرہ نہیں ہوتا لیکن یہ صحیح نہیں ہے' گناہ کبیرہ کی چار تعریفیں ہیں۔

(۱) جس معصیت پر حد واجب ہوتی ہے وہ گناہ کبیرہ ہے۔

(۲) جس معصیت پر کتاب اور سنت میں وعید شدید ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔

(۳) امام نے "ارشاد" میں لکھا ہے کہ جس گناہ کو لاپرواہی کے ساتھ کیا گیا ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔

(۴) جس کام کو قرآن مجید نے حرام قرار دیا ہو یا جس کام کی جنس میں قتل وغیرہ کی سزا ہو یا جو کام علی الفور فرض ہو

اس کو ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے۔

علامہ نووی نے دوسری تعریف کو ترجیح دی ہے پھر علامہ نووی لکھتے ہیں کہ یہ گناہ کبیرہ کی منضبط تعریفات ہیں۔ بعض علماء نے گناہ کبیرہ کو تفصیلا" شمار بھی کیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے: قتل' زنا' لواطت' شراب پینا' چوری' قذف (تہمت لگانا) جھوٹی گواہی دینا' مال غصب کرنا' میدان جہاد سے بھاگنا' سود کھانا' مال یتیم کھانا' والدین کی نافرمانی کرنا' رسول اللہ ﷺ پر عمدا" جھوٹ باندھنا' بلاعذر شہادت کو چھپانا' رمضان میں بلاعذر روزہ نہ رکھنا' جھوٹی قسم کھانا' قطع رحم کرنا' ناپ اور تول میں خیانت کرنا' نماز کو وقت سے پہلے پڑھنا' بلاعذر نماز قضاء کرنا' مسلمان کو ناحق مارنا' صحابہ کرام کو سب و شتم کرنا' رشوت لینا' دیوثی (فاحشہ عورتوں کے لئے گاہک لانا) حاکم کے پاس چغلی کھانا' زکوٰۃ نہ دینا' نیکی کا حکم نہ دینا' باوجود قدرت کے برائی سے نہ روکنا' قرآن مجید بھلانا' حیوان کو جلانا' عوت کا بلا سبب خاوند کے پاس نہ جانا' اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا' اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونا' علماء کی توہین کرنا' ظہار' بلاعذر خنزیر یا مردار کا گوشت کھانا' جادو کرنا' حالت حیض میں وطی کرنا اور چغلی کھانا۔ یہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔

علامہ نووی نے گناہ صغیرہ کی تفصیل میں ان گناہوں کو لکھا ہے: اجنبی عورت کو دیکھنا' غیبت کرنا' ایسا جھوٹ جس میں حد ہے نہ ضرر' لوگوں کے گھروں میں جھانکنا' تین دن سے زیادہ کسی مسلمان سے قطع تعلق کرنا' زیادہ لڑنا جھگڑنا اگرچہ حق پر ہو' غیبت پر سکوت کرنا' مردہ پر بین کرنا' مصیبت میں گریبان چاک کرنا اور چلانا' اترا اترا کر چلنا' فاسقوں سے دوستی رکھنا اور ان کے پاس بیٹھنا' اوقات مکروہہ میں نماز پڑھنا' مسجد میں خرید و فروخت کرنا' بچوں اور پاگلوں کو مسجد میں لانا' جس شخص کو لوگ کسی عیب کی وجہ سے ناپسند کرتے ہوں اس کا امام بننا' نماز میں عبث کام کرنا' جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگنا' قبلہ رخ بول و براز کرنا' عام راستہ پر بول و براز کرنا' جس شخص کو غلبہ شہوت کا خطرہ ہو اس کا روزہ میں بوسہ لینا' صوم وصال رکھنا' استمناء' بغیر جماع کے اجنبیہ سے مباشرت کرنا (یعنی بوس و کنار اور بغل گیر ہونا) بغیر کفارے کے مظاہر کا اپنی عورت سے جماع کرنا' اجنبی عورت سے خلوت کرنا' عورت کا بغیر محرم اور خاوند کے سفر کرنا یا بغیر ثقہ عورتوں کے سفر کرنا۔ (یہ مذہب شافعی کے ساتھ خاص ہے) بخش' احتکار' مسلمان کی بیع پر بیع کرنا' اسی طرح مسلمان کی قیمت پر قیمت لگانا اور منگنی پر منگنی کرنا' شہری کا دیہاتی سے بیع کرنا' دیہاتی قافلہ سے بیع کے لئے ملاقات کرنا' تصریہ (بیع کے لئے تھنوں میں دودھ روک لینا) بغیر عیب بیان کئے ہوئے عیب دار چیز کو فروخت کرنا' بلاضرورت کتا رکھنا' مسلمان کا کافر کو قرآن مجید اور دینی کتابوں کو فروخت کرنا' بلاضرورت نجاست کو بدن پر لگانا اور بلاضرورت خلوت میں اپنی شرمگاہ کھولنا۔

عدالت (نیک چلنی) میں صغائر سے بالکل اجتناب کرنا شرط نہیں ہے لیکن صغیرہ پر اصرار یعنی بلاتوبہ بار بار صغیرہ کا ارتکاب کرنا صغیرہ گناہ کو کبیرہ بنا دیتا ہے۔ (روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۱۱ ص ۲۲۵۔ ۲۲۲ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۵ھ)

علامہ شمس الدین مقدسی محمد بن مفلح حنبلی متوفی ۷۶۳ھ لکھتے ہیں:

گناہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس پر حد ہو یا اس پر وعید ہو یا اس پر غضب ہو یا لعنت ہو یا اس فعل کے مرتکب سے ایمان کی نفی کی گئی ہو جس طرح حدیث میں ہے: من غش فلیس منا "جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے" یعنی یہ وہ کام ہے جو ہمارے احکام میں سے نہیں ہے یا ہمارے اخلاق میں سے نہیں ہے یا ہماری سنت میں سے نہیں ہے' اور فصول' غنیہ اور مستوعب میں ہے کہ غیبت اور چغلی صغائر میں سے ہے اور قاضی نے معتمد میں کہا ہے کہ کبیرہ وہ ہے جس کا عقاب

زیادہ ہو اور صغیرہ وہ ہے جس کا عقاب کم ہو۔ ابن حامد نے کہا ہے کہ صغائر خواہ کسی نوع کے ہوں وہ تکرار سے کبیرہ ہو جاتے ہیں اور ہمارے بعض فقہاء نے کہا ہے کہ تکرار سے صغیرہ کبیرہ نہیں ہوتا جیسا کہ جو امور غیر کفر ہوں وہ تکرار سے کفر نہیں ہوتے۔ (کتاب الفروع ج ۶ ص ۵۶۵۔ ۵۶۴ مطبوعہ عالم الکتب بیروت '۱۳۸۸ھ)

علامہ منصور بن یونس بن ادریس بھوتی حنبلی متوفی ۱۰۴۶ھ بیان کرتے ہیں :

گناہ کبیرہ وہ ہے جس پر دنیا میں حد ہو اور آخرت میں وعید ہو جیسا کہ سود کھانا اور والدین کی نافرمانی کرنا' اور شیخ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ جس فعل پر غضب ہو یا لعنت ہو یا اس فعل کے مرتکب سے ایمان کی نفی ہو۔

جھوٹ بولنا گناہ صغیرہ ہے بشرطیکہ اس پر دوام اور استمرار نہ ہو البتہ جھوٹی گواہی دینا' نبی پر جھوٹ باندھنا یا کسی پر جھوٹی تہمت لگانا گناہ کبیرہ ہے اور صلح کرانے کے لئے' بیوی کو راضی کرنے کے لئے اور جنگی چال کے لئے جھوٹ بولنا مباح ہے۔ علامہ ابن جوزی نے کہا ہے ہر وہ نیک مقصد جو جھوٹ کے بغیر حاصل نہ کیا جا سکتا ہو اس کے لئے جھوٹ بولنا مباح ہے۔ غیبت میں اختلاف ہے علامہ قرطبی نے اس کو کبائر میں شمار کیا ہے اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ یہ صغیرہ ہے۔ صاحب الفصول' صاحب الغنیہ اور صاحب المستوعب کی یہی تحقیق ہے۔ امام ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مسلمان شخص کی عزت پر ناحق ظلم کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے' اور پیشاب کے قطروں سے نہ بچنا گناہ کبیرہ ہے' اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے متعلق بلا علم کچھ کہنا گناہ کبیرہ ہے' ضرورت کے وقت علم چھپانا گناہ کبیرہ ہے' فخر اور غرور کے لئے علم حاصل کرنا گناہ کبیرہ ہے' جاندار کی تصویر بنانا گناہ کبیرہ ہے' کاہن اور نجومی کے پاس جانا اور ان کی تصدیق کرنا گناہ کبیرہ ہے' غیر اللہ کو سجدہ کرنا' بدعت کی دعوت دینا' خیانت کرنا' بدفالی نکالنا' سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا' وصیت میں زیادتی کرنا' خمر بیچنا' سودی معاملہ لکھنا اور سود پر گواہی دینا گناہ کبیرہ ہے' دو چہروں والا ہونا یعنی بظاہر دوستی رکھنا اور بباطن دشمنی رکھنا گناہ کبیرہ ہے۔ خود کو کسی اور نسب کی طرف منسوب کرنا' جانور سے بدفعلی کرنا' بلاعذر جمعہ ترک کرنا' نشہ آور اشیاء استعمال کرنا' نیکی کر کے احسان جتلانا' لوگوں کی مرضی کے بغیر ان کی باتیں کان لگا کر سننا' کسی پر بلا استحقاق لعنت کرنا' غیر اللہ کی قسم کھانا یہ تمام امور گناہ کبیرہ ہیں' اور جو مسائل اجتہادیہ ہیں ان کو کسی مجتہد کی اتباع میں کرنا' معصیت نہیں ہے مثلاً امام ابو حنیفہ کے نزدیک بغیر ولی کے نکاح کرنا جائز ہے اور امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں ہے اور امام مالک کے نزدیک بغیر گواہوں کے نکاح جائز ہے اور باقی ائمہ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ علامہ بھوتی حنبلی کے ذکر کردہ کبیرہ گناہوں میں سے ہم نے ان گناہوں کو حذف کر دیا جن کو اس سے پہلے ہم علامہ نووی کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔

(کشاف القناع ج ۶ ص ۴۲۲۔ ۴۱۹' ملخصا" مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

اصرار سے گناہ صغیرہ کے کبیرہ ہونے کی وجہ

علامہ شامی اور دوسرے فقہاء نے لکھا ہے کہ گناہ صغیرہ پر اصرار کرنے سے وہ گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے ایک علمی مجلس میں مجھ سے ایک فاضل دوست نے سوال کیا کہ صغیرہ پر اصرار کرنا دوبارہ اسی گناہ کا ارتکاب کرنا ہے اس لئے یہ اسی درجہ کی معصیت ہونی چاہئے اور جب یہ پہلے صغیرہ تھا تو دوبارہ اس کو کرنے سے یہ گناہ کبیرہ کیسے ہو گیا؟ میں نے اس کے جواب میں کہا : اگر گناہ صغیرہ کرنے کے بعد انسان نادم ہو اور اس پر استغفار کرے اور پھر دوبارہ شامت نفس سے وہ صغیرہ گناہ کر لے تو یہ اصرار نہیں ہے تکرار ہے اور گناہ صغیرہ کرنے کے بعد نادم اور تائب نہ ہو اور بلا جھجک اس گناہ کا اعادہ کرے تو پھر یہ

اصرار ہے اور یہ کبیرہ اس وجہ سے ہو گیا کہ اس نے اس گناہ کو معمولی سمجھا اور اس میں احکام شرعیہ کی تخفیف اور بے وقعتی ہے اور شریعت کی تخفیف اور بے وقعتی گناہ کبیرہ ہے' جبکہ شریعت کی توہین کفر ہے۔ فرض اور واجب تو دور کی بات ہے جو فعل مسنون ہو اس کی تخفیف اور بے وقعتی بھی گناہ کبیرہ ہے' اور اس کی توہین کرنا کفر ہے۔ العیاذ باللہ!

اس کے بعد اس بحث کو لکھتے وقت جب میں نے اس سوال پر غور کیا تو مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ قرآن اور حدیث میں معصیت پر اصرار کرنے کو کبیرہ قرار دیا ہے خواہ وہ کسی درجہ کی معصیت ہو معصیت پر نفس اصرار گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ (آل عمران : ۱۳۶-۱۳۵)

اور جب وہ لوگ بے حیائی کا کام یا اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے اور وہ لوگ جان بوجھ کر اپنے کئے (یعنی گناہوں) پر اصرار نہ کریں۔ ایسے لوگوں کی جزاء ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے اور وہ جنات ہیں جن کی نیچے دریا جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور (نیک) کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اخروی انعامات کو عدم اصرار معصیت پر مرتب فرمایا ہے اس کا لازمی مفہوم یہ ہے کہ معصیت پر اصرار کرنا اخروی عذاب کو مستلزم ہے اور اس سے بھی زیادہ صریح یہ آیت ہے :

عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ (المائدہ : ۹۵)

جو ہو چکا اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا اور جس نے دوبارہ یہ کام کیا تو اللہ اس سے بدلہ لے گا اور اللہ بڑا غالب ہے بدلہ لینے والا۔

ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اصرار پر وعید فرمائی ہے اور وعید گناہ کبیرہ پر ہوتی ہے۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان لوگوں کے لئے عذاب ہو جو اپنے کئے ہوئے (گناہ) پر جان بوجھ کر اصرار کرتے ہیں۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے (گناہ پر) استغفار کر لیا تو یہ اس کا اصرار نہیں ہے خواہ وہ دن میں ستر مرتبہ گناہ کرے۔ (سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۱۵۱۴)

اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ گناہ کے بعد استغفار کر لیا جائے تو یہ تکرار ہے اور گناہ کے بعد پھر گناہ کرے اور توبہ نہ کرے تو پھر یہ اصرار ہے جیسا کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا :

استغفار کے ساتھ گناہ کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار کے ساتھ گناہ صغیرہ نہیں رہتا (یعنی کبیرہ ہو جاتا ہے)

(الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۱۵۹ 'مطبوعہ ایران)

اصرار کے ساتھ گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے اس پر یہ حدیث صراحتاً دلالت کرتی ہے علامہ آلوسی امام بیہقی کے حوالے سے لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت ہے کہ جس گناہ پر بندہ اصرار کرے (یعنی گناہ کے بعد توبہ نہ کرے) وہ گناہ کبیرہ ہے اور جب بندہ کسی گناہ پر توبہ کر لے تو وہ گناہ کبیرہ نہیں ہے۔ (روح المعانی ج ۴ ص ۱۲ 'مطبوعہ بیروت)

قرآن مجید کی آیات' احادیث اور آثار سے یہ واضح ہو گیا کہ گناہ پر اصرار کرنا (یعنی گناہ کے بعد توبہ نہ کرنا) اس گناہ کو کبیرہ بنا دیتا ہے خواہ وہ گناہ کسی درجہ کا ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ گناہ کرنے کے بعد توبہ نہ کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ شخص اس گناہ کو معمولی اور بے وقعت سمجھتا ہے اور اس کا یہ عمل اس بات کا مظہر ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے منع کرنے کو اہمیت نہیں دیتا اور ان کے احکام کی پرواہ نہیں کرتا اور شریعت کو معمولی اور بے وقعت سمجھنا اور اس سے لاپرواہی برتنا ہی گناہ کبیرہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم اس چیز کی تمنا نہ کرو جس کے ساتھ اللہ نے تمہارے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے مردوں کے لئے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کے لئے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور اللہ سے اس کے فضل کا سوال کرو بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے (النساء : ۳۲)

اللہ تعالیٰ کی تقسیم اور اس کی عطا کے خلاف تمنا کرنے سے ممانعت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو لوگوں کا مال ناجائز طریقہ سے کھانے سے منع فرمایا تھا اور اس آیت میں لوگوں کے اموال کی طمع اور خواہش کرنے سے بھی منع فرمایا ہے' اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پہلی آیت میں ظاہری اعضاء سے لوگوں کے مال میں تصرف کرنے سے منع فرمایا تھا اور اس آیت میں دل سے حسد کرنے سے بھی منع فرمایا ہے تاکہ ظاہر اور باطن میں موافقت ہو۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض مسلمانوں کو جو مال' عزت اور مرتبہ کے اعتبار سے فضیلت دی ہے اور جو بھی ایسی نعمت عطا فرمائی ہے جس میں رغبت کی جا سکے اس کے حصول کی دوسرے تمنا نہ کریں نہ اس پر حسد کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک' مختار اور علیم اور حکیم ہے وہ جس کو جو چاہتا ہے نعمت عطا فرماتا ہے' اس لئے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ کاش میرے پاس فلاں مال ہوتا یا فلاں نعمت ہوتی یا فلاں حسین عورت ہوتی۔ رشک کا معنی یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس کوئی نعمت دیکھ کر انسان یہ دعا کرے کہ اس شخص کے پاس بھی یہ نعمت رہے اور اللہ مجھے بھی ایسی نعمت عطا کر دے سو رشک کرنا جائز ہے' اور حسد کا معنی یہ ہے کہ انسان یہ چاہے کہ مجھے یہ نعمت ملے یا نہ ملے اس شخص کے پاس یہ نعمت نہ رہے اور حسد جائز نہیں ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے اس آیت کا یہ معنی ہے کہ کوئی مرد یہ تمنا نہ کرے کہ کاش وہ عورت ہوتا اور کوئی عورت یہ تمنا نہ کرے کہ کاش وہ مرد ہوتی' اور بعض علماء نے یہ کہا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مردوں کا حصہ عورتوں سے دگنا کیا تو بعض عورتوں نے کہا ہم چونکہ صنف ضعیف ہیں اور ہم کو مال کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے تو ہمارا حصہ دگنا ہونا چاہئے تھا' تب یہ آیت نازل ہوئی مردوں کے لئے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کے لئے ان کی کمائی سے حصہ ہے۔ اس آیت کے

شان نزول کے متعلق تین روایات ہیں :

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا : یا رسول اللہ مرد جہاد کرتے ہیں اور ہم جہاد نہیں کرتے اور ہمارے لئے آدھی میراث ہے۔

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ عورتوں نے جہاد کا سوال کیا اور انہوں نے کہا ہماری بھی یہ خواہش ہے کہ ہم بھی مردوں کی طرح جہاد کریں اور ہمیں بھی ان کی طرح اجر ملے۔

قتادہ اور سدی نے بیان کیا ہے کہ مردوں نے کہا ہم یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح ہم کو وراثت میں دگنا حصہ دیا جاتا ہے ہماری عبادتوں کا بھی ہم کو عورتوں سے دگنا اجر ملے اور عورتوں نے کہا ہم یہ چاہتی ہیں کہ ہمارے آدھے گناہ مردوں پر ڈال دیئے جائیں' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی مردوں کے لئے ان کی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کے لئے ان کی کمائی سے حصہ ہے۔ (الدرالمنثور ج ۲ ص ۱۴۹۔ مطبوعہ ایران)

اس کے بعد فرمایا اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو' یعنی اللہ سے اپنے اعمال کا صلہ نہ مانگو اور نہ اللہ تعالیٰ سے اس کے عدل کی بناء پر سوال کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو کیونکہ اللہ کو یہ پسند ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور افضل عبادت کشادگی کا انتظار کرنا ہے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۵۸۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ہم نے ہر شخص کے ترکہ کے لئے وارث مقرر کر دیئے ہیں۔ اولاد' قرابت دار اور وہ لوگ جن سے تمہارا عہد ہو چکا ہے سو تم انہیں ان کا حصہ دو بے شک اللہ ہر چیز پر گواہ ہے (النساء : ۳۳)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس انسان کا مال اور ترکہ ہے ہم نے اس کے لئے وارث بنا دیئے ہیں پھر ان وارثوں کا بیان فرمایا وہ اس کی اولاد اور اس کے قرابت دار ہیں اور وہ لوگ ہیں جن سے تمہارا عہد ہو چکا ہے۔

امام ابن جریر نے قتادہ سے اس آیت کی تفسیر میں یہ روایت کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کوئی شخص دوسرے شخص سے (جس سے اس کی نسبی قرابت نہیں ہوتی تھی) یہ عہد کرتا کہ میرا خون تمہارا خون ہے اور میرا نقصان تمہارا نقصان ہے تم میرے وارث ہو گے اور میں تمہارا وارث ہوں گا تم مجھ سے مطالبہ کرنا اور میں تم سے مطالبہ کروں گا پھر زمانہ اسلام میں اس کا چھٹا حصہ مقرر کر دیا گیا اس کا حصہ نکالنے کے بعد باقی ورثہ میں ترکہ تقسیم کیا جاتا تھا پھر جب سورہ انفال میں یہ آیت نازل ہوئی :

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ کِتٰبِ اللّٰهِ (الانفال : ۷۵) اور قرابت دار ایک دوسرے کے ساتھ اللہ کی کتاب میں زیادہ حقدار ہیں۔

اس آیت کے نزول کے بعد جس شخص سے کسی نے عہد کیا تھا اس کی وراثت منسوخ ہو گئی۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۳۴)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ جب کسی شخص نے کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور انہوں نے یہ

عہد کیا کہ وہ اس کی دیت ادا کرے گا اور اس کا وارث ہوگا تو اس کا دیت ادا کرنا صحیح ہے اور اگر اس کا کوئی اور نسبی وارث نہ ہو تو پھر وہ شخص اس کا وارث ہوگا۔ (روح المعانی ج ۵ ص ۲۲)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی لکھتے ہیں :

اس آیت کی تفسیر میں چار قول ہیں :

(۱) زمانہ جاہلیت میں جو لوگ ایک دوسرے سے ایک دوسرے کا وارث ہونے کا عہد کرتے اس آیت میں وہ لوگ مراد ہیں اور سورہ انفال کی آیت سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

(۲) اس سے وہ مہاجرین اور انصار مراد ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا تھا۔

(۳) اس سے وہ لوگ مراد ہیں جن کو زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنا بیٹا بنا لیا کرتے تھے حالانکہ وہ کسی اور کے بیٹے ہوتے تھے، پہلے قول کے متعلق امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا یہ مذہب ہے کہ وہ سورہ انفال کی آخری آیت سے منسوخ ہو گیا۔

(۴) امام ابو حنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ یہ حکم اب بھی باقی ہے البتہ عصبات اور ذوالارحام اس شخص پر مقدم ہیں جس سے عہد کیا گیا وہ نہ ہوں تو اس کو عہد کرنے والے کی وراثت ملے گی۔

اور ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جس شخص سے تم نے وراثت کے علاوہ مدد کرنے اور خیر خواہی کا معاہدہ کیا ہے اس معاہدہ کو پورا کرو، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں صرف ایک دوسرے کی مدد کرنے کا معاہدہ ہوتا تھا اس کے سوا نہیں ہوتا تھا اور اسلام نے اس کو متغیر نہیں کیا بلکہ اور پختہ کیا ہے۔ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے اور یہ آیت محکم ہے۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۷۲)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اسلام میں حلف نہیں ہے حلف صرف جاہلیت میں ہوتا تھا اور اسلام نے اس حلف کی شدت میں اور اضافہ کیا ہے۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۵۳۰، سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۹۲۵، مسند احمد ج ۴ ص ۸۳)

اس حدیث میں غیر شرعی باتوں پر حلف اٹھانے کی ممانعت ہے اور ایک دوسرے کا وارث بنانے پر حلف اٹھانے کی ممانعت ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کے لیے جو حلف اٹھایا جائے اس حلف کی شدت میں اور اضافہ کیا ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى

مرد عورتوں کے منتظم اور کفیل ہیں کیوں کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے

بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ

پر فضیلت دی ہے، اور اس لیے (بھی) کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کیے سو نیک عورتیں فرماں بردار ہیں

حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ

مردوں کے پس پشت اللہ کی توفیق سے حفاظت کرنے والی ہیں۔ اور تم کو جن عورتوں کی نافرمانی کا اندیشہ ہو تو ان کو

فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ

نصیحت کرو اور ان کو ان کے بستروں پر اکیلا چھوڑ دو ، اور ان کو (تادیبا) مارو ، پس اگر وہ

اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

تمہاری فرماں برداری کرلیں تو ان کے خلاف کوئی بہانہ نہ ڈھونڈو ، بیشک اللہ نہایت بلند بہت بڑا ہے ۝

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا

اور (اے مسلمانو) اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان جھگڑے کا خطرہ ہو تو ایک منصف مرد کی طرف سے مقرر کرو اور ایک منصف

مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ

عورت کی طرف سے مقرر کرو ، اگر وہ دونوں منصف صلح کرانے کا ارادہ کریں تو اللہ ان دونوں (زن وشو) کے درمیان اتفاق پیدا کرے

كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَـيْـــًٔـا وَّ

گا ، بیشک اللہ بڑا جاننے والا بہت خبر رکھنے والا ہے ۝ اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور

بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰي وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى

ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت دار پڑوسی اور

وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَــنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ

اجنبی پڑوسی اور مجلس کے ساتھی اور مسافر اور اپنے غلاموں کے ساتھ

اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَۨا ﴿۳۶﴾ الَّذِيْنَ

(نیکی کرو) بیشک اللہ مغرور متکبر کو پسند نہیں کرتا ۝ جو لوگ

يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ

خود بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو (بھی) بخل کا حکم دیتے ہیں اور اللہ نے ان کو جو کچھ اپنے فضل

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾ وَ

سے دیا ہے اس کو چھپاتے ہیں، اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے ○ اور ان کے

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

لیے بھی ذلت والا عذاب ہے) جو اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں

وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ

اور نہ قیامت کے دن پر، اور جس شخص کا شیطان ساتھی ہو تو وہ کیسا برا ساتھی

قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا

ہے ○ آخر ان پر کیا آفت آجاتی اگر وہ اللہ پر اور قیامت پر ایمان لے آتے اور اللہ کے دیے

مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ

ہوئے میں سے خرچ کرتے اور اللہ انہیں خوب جاننے والا ہے ○ بیشک اللہ ذرہ برابر بھی ظلم

مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ

نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اس کو دگنا کر دیتا ہے اور اپنے پاس سے

لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ

اجر عظیم عطا فرماتا ہے ○ تو اس وقت کیسا سماں ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے

وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ؕ ﴿۴۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور (اے رسول مکرم) ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے ○ جن لوگوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی، اس دن وہ

وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ

تمنا کریں گے کہ کاش (ان کو دفن کر کے) ان پر زمین برابر کر دی جائے اور وہ اللہ سے کسی بات

اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾ ع

کو چھپا نہ سکیں گے ○

وقف النبی علیہ السلام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مرد عورتوں پر قوام ہیں۔

قرآن مجید سے عورتوں کی حاکمیت کا عدم جواز

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اور تم اس چیز کی تمنا نہ کرو جس کے ساتھ اللہ نے تمہارے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس کا شان نزول یہ تھا کہ بعض عورتوں نے یہ کہا تھا کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی گئی ہے اور وراثت میں ان کا حصہ دگنا رکھا گیا حالانکہ ہم صنف ضعیف ہیں اس لئے ہمارا زیادہ حصہ ہونا چاہئے تھا' اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس کا جواب دیا ہے کہ مرد عورتوں کے منتظم اور کفیل ہیں اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس لئے (بھی) کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کئے۔

قوام کا معنی

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

قوام' کا معنی ہے کسی چیز کو قائم کرنے والا اور اس کی حفاظت کرنے والا۔

(مفردات الفاظ القرآن ص ۴۲۶' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران)

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی مصری متوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

مرد عورت کا قوام ہے یعنی اس کی ضروریات پوری کرتا ہے اور اس کا خرچ برداشت کرتا ہے۔

(لسان العرب ج ۱۲ ص ۵۰۳' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ ایران' ۱۴۰۵ھ تاج العروس ج ۹ ص ۳۵)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

الرجال قوامون کا معنی یہ ہے کہ جس طرح حاکم رعایا پر اپنے احکام نافذ کرتا ہے اسی طرح مرد عورتوں پر احکام نافذ کرتے ہیں' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ نبوت' رسالت' حکومت' امامت' اذان اقامت اور تکبیرات تشریق وغیرہ مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ (روح المعانی ج ۵ ص ۲۳' مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

عورتوں کی حاکمیت کے عدم جواز میں احادیث

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایام جمل میں ہو سکتا تھا کہ میں اصحاب جمل کے ساتھ لاحق ہو جاتا اور ان کے ساتھ مل کر جنگ کرتا' اس موقع پر مجھے اس حدیث نے فائدہ پہنچایا جس کو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا جب اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حاکم بنا لیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم ہرگز فلاح (اخروی) نہیں پا سکتی جس نے اپنے معاملات میں ایک عورت کو حاکم بنا لیا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۴۴۲۵' ۷۰۹۹' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۲۲۶۹' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۵۴۰۳' صحیح ابن حبان ج ۱۰ ص ۴۵۱۶' مسند احمد ج ۵ ص ۵۱' ۴۷' ۴۳' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۱۱۸۔۱۱۷ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۲۶۶' شرح السنۃ' رقم الحدیث: ۲۴۸۶' مسند الطیالسی' رقم الحدیث: ۸۷۸' المستدرک ج ۴ ص ۵۲۵۔۵۲۴' مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۰۹)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہارے حکام نیک ہوں' تمہارے اغنیاء سخی

ہوں‘ اور تمہاری حکومت باہمی مشورہ سے ہو‘ تو تمہارے لئے زمین کے اوپر کا حصہ اس کے نچلے حصہ سے بہتر ہے اور جب تمہارے حکام بدکار ہوں‘ اور تمہارے اغنیاء بخیل ہوں‘ اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو تمہارے لئے زمین کا نچلا حصہ اس کے اوپر کے حصہ سے بہتر ہے۔ (سنن ترمذی‘ رقم الحدیث : ۲۲۷۳)

امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ کو فتح کی خوش خبری سنائی اور یہ بھی بتایا کہ دشمن کی سربراہی ایک عورت کر رہی تھی‘ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مرد عورتوں کی اطاعت کرنے لگیں تو وہ تباہ اور برباد ہو جائیں گے۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے امام بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (حافظ ذہبی نے بھی اس حدیث کو صحیح الاسناد کہا ہے۔) (المستدرک ج ۴ ص ۲۹۱)

عورتوں کی حاکمیت کے عدم جواز میں فقہاء اسلام کی آراء

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہو سکتی۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۳‘ ص ۱۸۳‘ مطبوعہ ایران)

امام حسین بن مسعود بغوی شافعی متوفی ۵۱۶ھ لکھتے ہیں :

امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت حکومت یا انتظامیہ کی سربراہ یا قاضی نہیں بن سکتی‘ کیونکہ سربراہ مملکت کو جہاد قائم کرنے اور مسلمانوں کے معاملات نمٹانے کے لئے گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت پڑتی ہے اور قاضی کو مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے باہر جانے کی ضرورت ہوتی ہے اور عورت واجب الستر ہے اس کا گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔

(شرح السنتہ ج ۱۰ ص ۷۷‘ مطبوعہ بیروت‘ ۱۴۰۰ھ)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں :

جمہور فقہاء اسلام نے حضرت ابوبکرہ کی حدیث کی بناء پر عورت کے قاضی بنانے کو ممنوع قرار دیا ہے‘ علامہ طبری نے جمہور کی مخالفت کی اور یہ کہا کہ جن معاملات میں عورت شہادت دے سکتی ہے وہ قضاء بھی کر سکتی ہے اور بعض مالکیہ نے عورت کی قضاء کو مطلقاً" جائز کہا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۲۰۴‘ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ‘ ۱۳۴۸ھ)

علامہ احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں :

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ جمہور فقہاء اسلام نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ عورت کو منصب قضاء سونپنا جائز نہیں ہے اور علامہ طبری نے جمہور کی مخالفت کی اور یہ کہا کہ جن امور میں عورت گواہی دے سکتی ہے ان میں وہ قضاء بھی کر سکتی ہے اور بعض مالکیہ نے کہا ہے کہ عورت کی قضاء مطلقاً" جائز ہے۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۵۶‘ مطبوعہ لاہور)

ہر چند کہ علامہ عینی اور علامہ عسقلانی نے یہ لکھا ہے کہ علامہ طبری نے بعض امور میں اور بعض مالکیہ نے عورت کی قضاء کو مطلقاً" جائز قرار دیا ہے لیکن اول تو یہ ثابت نہیں‘ اور ثانیاً" ظاہر ہے کہ قرآن مجید کی نصوص قطعیہ‘ احادیث صحیحہ‘ اسلام کے عمومی احکام اور جمہور فقہاء اسلام کی تصریحات کے سامنے ان اقوال کی کوئی وقعت نہیں ہے اور یہ بھی خیال رہے کہ علامہ طبری اور بعض مالکیہ نے عورت کی عمومی سربراہی کو جائز نہیں کہا بلکہ بعض امور میں عورت کی صرف قضاء کو جائز کہا ہے۔

علامہ عینی اور علامہ عسقلانی نے بغیر کسی ثبوت کے علامہ طبری اور بعض مالکیہ کی طرف عورت کی قضاء کے جواز کی نسبت کردی، حقیقت یہ ہے کہ علامہ طبری اور مالکی فقہاء دونوں اس تہمت سے بری ہیں، علامہ ابوبکر ابن العربی مالکی اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

حضرت ابوبکرہ کی روایت کردہ حدیث میں تصریح ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہو سکتی اور اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے البتہ علامہ محمد بن جریر طبری سے یہ منقول ہے کہ ان کے نزدیک عورت کا قاضی ہونا جائز ہے لیکن ان کی طرف اس قول کی نسبت صحیح نہیں ہے۔ ان کی طرف اس قول کی نسبت ایسے ہی غلط ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ کی طرف یہ غلط منسوب کردیا گیا ہے کہ جن امور میں عورت گواہی دے سکتی ہے ان میں وہ فیصلہ بھی کر سکتی ہے۔

نیز قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ بن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں :

عورت سربراہی کی اس لئے اہل نہیں ہے کہ حکومت اور سربراہی سے یہ غرض ہوتی ہے کہ سرحدوں کی حفاظت کی جائے قومی معاملات کو سلجھایا جائے، ملت کی حفاظت کی جائے اور مالی محاصل حاصل کر کے ان کو مستحقین میں تقسیم کیا جائے اور یہ تمام امور مرد انجام دے سکتا ہے عورت یہ کام انجام نہیں دے سکتی کیونکہ عورت کے لئے مردوں کی مجالس میں جانا اور ان سے اختلاط کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ اگر وہ عورت جوان ہے تو اس کی طرف دیکھنا اور اس سے کلام کرنا حرام ہے اور اگر وہ سن رسیدہ عورت ہے تب بھی اس کا بھیڑ بھاڑ میں جانا مخدوش ہے۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۱۴۵۸، ملخصاً" مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

ملکہ بلقیس کی حکومت سے استدلال کا جواب

قرآن کریم میں ملکہ بلقیس کے واقعے کا جس قدر ذکر ہے اس میں اس کی حکومت کے خاتمہ کا ذکر ہے، اسلام قبول کرنے کے بعد پھر اس کی حکومت کے تسلسل کا ذکر نہیں ہے لہٰذا اس واقعہ میں عورت کی سربراہی کا ادنیٰ جواز بھی موجود نہیں ہے اور اگر بالفرض بلقیس کے اسلام لانے کے بعد اس کی حکومت کا ثبوت ہو بھی تو وہ شریعت سابقہ ہے ہم پر حجت نہیں ہے۔

جنگ جمل کے واقعہ سے عورت کی سربراہی پر استدلال کا جواب

بعض متجدد علماء جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شرکت سے عورت کی سربراہی کے جواز پر استدلال کرتے ہیں لیکن یہ استدلال قطعاً" باطل ہے اول تو حضرت عائشہ امارت اور خلافت کی مدعیہ نہیں تھیں ہاں وہ امت میں اصلاح کے قصد سے اپنے گھر سے باہر نکلیں لیکن یہ ان کی اجتہادی خطا تھی اور وہ اس پر تاحیات نادم رہیں، امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وقرن فی بیوتکن "تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو" کی تلاوت کرتیں تو اس قدر روتیں کہ آپ کا دوپٹہ آنسوؤں سے بھیگ جاتا۔

(طبقات کبریٰ ج ۸ ص ۸۱، مطبوعہ دار صادر بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم کو جن عورتوں کی نافرمانی کا اندیشہ ہو تو ان کو نصیحت کرو اور ان کو ان کے بستروں پر اکیلا چھوڑ دو اور ان کو (تادیبا") مارو پس اگر وہ تمہاری فرمانبرداری کرلیں تو ان کے خلاف کوئی بہانہ نہ ڈھونڈو۔ (النساء : ۳۴)

بیویوں کو مارنے کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجتہ الوداع میں فرمایا : اے لوگو! عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو۔ تم نے ان کو اللہ کی امان میں حاصل کیا ہے اور اللہ کی اجازت سے ان کے جسموں کو اپنے اوپر حلال کیا ہے اور تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر اس شخص کو نہ آنے دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو اگر وہ ایسا کریں تو ان کو اس طرح مارو کہ چوٹ کا نشان نہ پڑے اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کو دستور کے مطابق کھانا اور کپڑا دو۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۲۱۸)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

سلیمان بن عمرو اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجتہ الوداع میں تھے۔ آپ نے اللہ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا : سنو عورتوں کے ساتھ خیر خواہی کرو وہ تمہارے پاس تمہاری قید میں ہیں تم اس کے سوا ان کی کسی چیز کے مالک نہیں ہو، ہاں اگر وہ کھلی بے حیائی کریں تو ان کو ان کے بستروں میں اکیلا چھوڑ دو اور ان کو اس طرح مارو کہ چوٹ کا اثر ظاہر نہ ہو اور اگر وہ تمہاری اطاعت کرلیں تو ان کے خلاف کوئی بہانہ تلاش نہ کرو سنو تمہاری عورتوں پر تمہارا حق ہے اور تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے، تمہاری عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر پر تمہارے ناپسندیدہ لوگوں کو نہ آنے دیں اور جن کو تم ناپسند کرتے ہو ان کو تمہارے گھروں میں آنے نہ دیں، اور سنو تمہاری عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کو اچھا کھلاؤ اور اچھا پہناؤ۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۱۶۶، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۸۵۱)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن زیاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی بندیوں کو مارا نہ کرو، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا : عورتیں اپنے خاوندوں کے ساتھ بد خلقی اور بدزبانی کرتی ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو مارنے کی اجازت دی پھر بہت ساری عورتوں نے رسول اللہ ﷺ کے گھر جا کر اپنے خاوندوں کی شکایت کی تو نبی ﷺ نے فرمایا آل محمد (ﷺ) کے پاس آکر بہت سی عورتوں نے اپنے خاوندوں کی شکایت کی ہے اور یہ لوگ تمہارے اچھے لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ (سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۱۴۶)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کسی شخص سے اس پر باز پرس نہیں ہوگی کہ اس نے اپنی بیوی کو کیوں مارا ہے۔ (سنن ابو داؤد، رقم الحدیث : ۲۱۴۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح کوڑے نہ مارے پھر دن گزرنے کے بعد اس سے جماع کرے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۵۲۰۴)

بیویوں کو مارنے کے متعلق فقہاء کا نظریہ

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

ہمارے اصحاب (احناف) نے یہ تصریح کی ہے کہ چار صورتوں میں مرد عورت کو مار سکتا ہے۔ (۱) جب خاوند چاہتا ہو کہ بیوی بناؤ سنگھار کرے اور بیوی میک اپ نہ کرے۔ (۲) خاوند بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ نہ آئے (۳) جب وہ نماز نہ پڑھے ایک قول یہ ہے کہ جب وہ غسل نہ کرے۔ (۴) جب وہ بغیر عذر شرعی کے گھر سے باہر نکلے' ایک قول ہے کہ جب وہ خاوند کو ناراض کرے' حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت زبیر بن العوام کی چوتھی بیوی تھی جب وہ کسی بیوی سے ناراض ہوتے تو وہ اس کو کھونٹی کی لکڑی سے مارتے حتیٰ کہ وہ لکڑی ٹوٹ جاتی' واضح رہے کہ بیوی کی اذیتوں کو برداشت کرنا اور ان پر صبر کرنا اس کو مارنے سے افضل ہے الا یہ کہ کوئی ناقابل برداشت معاملہ ہو۔

(روح المعانی ج ۵ ص ۲۵' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی' بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (اے مسلمانو!) اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان جھگڑے کا خطرہ ہو تو ایک منصف مرد کی طرف سے مقرر کرو اور ایک منصف عورت کی طرف سے مقرر کرو اگر وہ دونوں منصف صلح کرانے کا ارادہ کریں تو اللہ ان دونوں (زن و شوہر) کے درمیان اتفاق پیدا کر دے گا۔

اختلاف زن و شوہر میں دونوں جانب سے مقرر کردہ منصف آیا حاکم ہیں یا وکیل

امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک یہ منصف حاکم ہیں اور ان منصفوں کو ازخود یہ اختیار ہے کہ وہ مناسب جانیں تو خاوند اور اس کی بیوی کو نکاح پر برقرار رکھیں یا ان میں سے کسی ایک کے ذمہ کسی چیز کی ادائیگی لازم کر دیں یا مناسب جانیں تو ان کا نکاح فسخ کر دیں' اور امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک یہ منصف وکیل ہیں اور ان کو اختیار نہیں ہے الا یہ کہ زوجین ان کو فسخ نکاح کا اختیار بھی تفویض کر دیں۔

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں :

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ عورت اور مرد کی طرف سے جو دو شخص مقرر کئے جائیں وہ ان کے وکیل ہوں گے اور بہ حیثیت وکیل کے ان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ ان کے حکم کے بغیر ازخود ان کا نکاح فسخ کر دیں۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۱۹۰۔ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ ان)

امام ابوالفرج عبد الرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں :

یہ دونوں حاکم زوجین کے وکیل ہیں اور ان کے فیصلہ میں ان دونوں کی رضا کا اعتبار ہو گا یہ امام احمد' امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے' اور امام مالک اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ حاکموں کے فیصلہ کے لئے زوجین کی رضا کی ضرورت نہیں ہے۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۷۸-۷۷' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو الحسن علی بن محمد ماوردی بصری شافعی متوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں :

جن دو شخصوں کو بھیجا جائے گا اس کے متعلق دو قول ہیں وہ وکیل ہیں اور ان کو ازخود زوجین میں تفریق کا اختیار نہیں ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حاکم ہیں اور ان کو اس کا اختیار ہے۔

(النکت والعیون ج ۱ ص ۴۸۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے لکھا ہے کہ زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ یہ وکیل ہیں۔

(روضۃ الطالبین ج ۵ ص ۶۷۸' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح روایت یہ ہے کہ یہ دونوں شخص حاکم ہیں اور جب یہ دونوں شخص زوجین کے درمیان تفریق کر دیں تو تفریق واقع ہو جائے گی' کیونکہ نکاح سے مقصود الفت اور حسن معاشرت ہے اور وہ ان کے نزدیک نہیں پائی گئی (الی قولہ) ہمارے علماء نے کہا ہے کہ اگر خاوند کی جانب سے زیادتی پائی گئی' تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور اگر عورت کی جانب سے زیادتی پائی گئی تو ہم عورت کو مرد کا تابع کریں گے اور اگر دونوں کی جانب سے زیادتی پائی گئی تو بھی ان میں تفریق کر دی جائے گی اور مرد کو بعض مہر ادا کرنا ہو گا نہ کہ پورا۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۵۴۱-۵۴۰' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

جہاں دونوں حاکم زوجین کے درمیان تفریق کر دیں گے تو یہ طلاق بائن کے قائم مقام ہے اور حاکموں کا منصب طلاق واقع کرنا ہے وکالت کرنا نہیں ہے' امام مالک' امام اوزاعی اور اسحاق کا یہی قول ہے۔ حضرت عثمان' حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے اور امام شافعی کا بھی یہی قول ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے "فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا"۔ "ایک حاکم مرد کی طرف سے بھیجو اور ایک حاکم عورت کی طرف سے بھیجو" یہ آیت اس باب میں نص صریح ہے کہ یہ دونوں قاضی اور حاکم ہیں وکیل یا شاہد نہیں ہیں' اور وکیل کی شریعت میں اور تعریف ہے اور حاکم کی شریعت میں اور تعریف ہے اور جب اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی تعریف الگ الگ بیان کر دی ہے تو کسی شخص یا کسی عالم کے لئے یہ کس طرح جائز ہو گا کہ وہ ایک لفظ کی تعریف کو دوسرے لفظ پر محمول کر دے (اس کے بعد علامہ قرطبی نے اپنے موقف پر سنن دار قطنی سے حدیث پیش کی) (الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۱۷۶' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران)

فقہاء مالکیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے :

امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

عبیدہ سلمانی بیان کرتے ہیں کہ میں اس وقت حاضر تھا جب حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت اور اس کا خاوند آئے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ لوگوں کی ایک جماعت تھی ان لوگوں نے عورت کی طرف سے بھی ایک حاکم پیش کیا اور مرد کی طرف سے بھی ایک حاکم پیش کیا' حضرت علی نے ان دونوں حاکموں سے فرمایا : کیا تم جانتے ہو کہ تم دونوں پر کیا فرض ہے؟ اگر تمہاری رائے میں ان دونوں میں تفریق ہونی چاہئے تو تم ان میں تفریق کر دو اور اگر تمہاری رائے میں ان کو اکٹھا ہونا چاہئے تو تم ان کو اکٹھا کر دو' خاوند نے کہا رہی فرقت تو میں اس کو اجازت نہیں دیتا۔ حضرت علی نے فرمایا تم نے جھوٹ بولا بہ خدا تم یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤ گے جب تک تم اپنے متعلق کتاب اللہ سے راضی نہ ہو جاؤ خواہ وہ تمہارے حق میں ہو یا تمہارے خلاف' عورت نے کہا میں اپنے متعلق کتاب اللہ سے راضی ہوں خواہ وہ میرے حق میں ہو یا میرے خلاف۔

(المصنف' رقم الحدیث : ۱۱۸۸۳' جامع البیان : ج ۵ ص ۴۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۰۶-۳۰۵)

امام ابو بکر جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ اس حدیث کے جواب میں لکھتے ہیں :

(۱) حدیث میں حضرت علی نے خبر دی ہے کہ حاکموں کا فیصلہ اس وقت تک معتبر نہیں ہو گا جب تک کہ دونوں فریق

اس فیصلہ پر راضی نہ ہو جائیں' اسی لئے ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ حاکموں کا تفریق کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ خاوند اس پر راضی نہ ہو جائے کیونکہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ اگر خاوند اس کا اقرار کر لے کہ وہ بیوی کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے تو ان کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی اور نہ قاضی جانبین سے حاکم بنانے سے پہلے اس کو طلاق پر مجبور کرے گا' اسی طرح سے اگر عورت خاوند کی نافرمانی کا اقرار کر لے تو قاضی اس کو خلع پر مجبور کرے گا نہ مہر واپس کرنے پر' اور جب جانبین سے حاکم مقرر کرنے سے پہلے یہ حکم ہے تو جانبین سے حاکم مقرر کرنے کے بعد بھی یہی حکم ہو گا اور خاوند کی مرضی کے بغیر ان حاکموں کا اس کی بیوی کو طلاق دینا صحیح نہیں ہو گا۔

(احکام القرآن ج ۲ ص ۱۹۱' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

امام مالک کی طرف سے یہ جواب دیا جائے گا کہ حضرت علی کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو بیوی اور خاوند کے جھگڑے میں حاکم بنانے کا معنی ہی یہ ہے کہ حاکم کو یہ اختیار ہے کہ فریقین کے بیان لینے کے بعد وہ اپنی صوابدید سے فیصلہ کرے خواہ نکاح برقرار رکھے خواہ نکاح کو فسخ کر دے' اور حاکم بنائے جانے کے بعد بھی ان کو یہ اختیار نہ ہو اور طلاق دینے کا اختیار خاوند کے پاس ہی رہے تو پھر ان کی حیثیت حاکم کی نہیں وکیل کی ہو گی' حالانکہ قرآن مجید نے ان کو حاکم فرمایا ہے نیز حسب ذیل آثار بھی امام مالک کے موید ہیں :

امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

ابو سلمہ بن عبدالرحمان کہتے ہیں کہ اگر دونوں حاکم ان میں تفریق کرنا چاہیں تو تفریق کر دیں اور اگر ان کو ملانا چاہیں تو ان کو ملا دیں۔

شعبی کہتے ہیں کہ اگر دونوں حاکم چاہیں تو ان میں تفریق کر دیں اور اگر چاہیں تو ان کو ملا دیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما دونوں کو حاکم بنایا گیا' ہم سے کہا گیا کہ اگر تمہاری رائے ان کو جمع کرنا ہو تو ان کو جمع کر دو اور اگر تمہاری رائے ان میں تفریق کرنا ہو تو ان میں تفریق کر دو' معمر نے کہا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ان دونوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا۔

(المصنف' رقم الحدیث : ۵۱۲-۵۱۱' جامع البیان ج ۵ ص ۴۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۰۶)

اگر خاوند اور بیوی کے درمیان اختلاف کو دونوں طرف کے وکیل یا منصف ختم کرا کر صلح نہ کرا سکیں تو جو فریق مظلوم ہو اس کو داد رسی کے لئے عدالت میں جانا چاہیے۔

اگر شوہر' بیوی کو خرچ دے نہ طلاق تو آیا عدالت اس کا نکاح فسخ کر سکتی ہے یا نہیں؟

ہمارے زمانہ میں بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شوہر بیوی کا خرچ نہیں دیتا اور نہ اس کو طلاق دیتا ہے بیوی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیتی ہے شوہر عدالت میں پیش نہیں ہوتا اور عدالت گواہوں کی بنیاد پر یک طرفہ فیصلہ کر کے اس نکاح کو فسخ کر دیتی ہے اور اس کو موجودہ مجسٹریٹ اپنی اصطلاح میں خلع سے تعبیر کرتے ہیں' اب سوال یہ ہے کہ عدالت کا یہ فیصلہ از روئے شرع قابل عمل ہے یا نہیں۔

امام دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : یا رسول اللہ میرے عیال کون ہیں؟ آپ نے فرمایا تمہاری بیوی جو کہتی ہے مجھ

کو کھلاؤ یا مجھ کو علیحدہ کردو۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۲۹۷۔ ۲۹۶، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ لکھتے ہیں :

جو شخص بیوی کا نفقہ ادا کرنے سے عاجز ہو اس کے بارے میں امام مالک' امام شافعی اور احمد کا مذہب یہ ہے کہ ان کے درمیان تفریق کردی جائے گی امام ابو حنیفہ یہ کہتے ہیں کہ ان میں تفریق نہیں کی جائے گی جمہور کی دلیل یہ ہے کہ جب شوہر نامرد ہو تو بالاتفاق ان میں تفریق کردی جاتی ہے اور جب کہ نفقہ نہ دینے کا ضرر مباشرت نہ کرنے کے ضرر سے زیادہ ہے تو اس میں بہ طریق اولیٰ تفریق ہونی چاہیے (کیونکہ شوہر کے جماع نہ کرنے پر تو صبر ہو سکتا ہے لیکن بھوک پر صبر نہیں ہو سکتا)۔ (بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت' المہذب مع شرح المہذب ج ۱۸ ص ۲۶۷، مطبوعہ بیروت)

علامہ ابو البرکات سیدی احمد دردیر مالکی لکھتے ہیں :

جب عورت فسخ نکاح کا ارادہ کرے اور حاکم کے پاس مقدمہ پیش کرے تو اگر خاوند کا افلاس ثابت نہ ہو تو حاکم خاوند کو کھانے کا خرچ اور کپڑے دینے کا حکم دے جبکہ عورت نے نفقہ نہ دینے کی شکایت کی ہو یا اس کو طلاق دینے کا حکم دے یا کہے کہ یا تو تم بیوی کو خرچ دو یا اس کو طلاق دو ورنہ حاکم اپنے اجتہاد سے ایک یا دو دن انتظار کرنے کے بعد اس کی بیوی پر طلاق واقع کردے گا۔ (الشرح الکبیر علی ہامش الدسوقی ج ۲ ص ۵۱۹، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اب رہا یہ سوال کہ ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے مطابق جو اقوال پیش کیے گئے ہیں ان میں خاوند عدالت میں حاضر ہوتا ہے اور ہمارے زیر بحث جو صورت ہے اس میں خاوند عدالت میں حاضر نہیں ہوتا اور غائب ہوتا ہے تو غائب کے خلاف جو فیصلہ کیا جائے گا وہ کیسے نافذ ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

اگر غائب کے خلاف دلیل قائم کردی گئی اور قاضی کا گمان غالب یہ ہے کہ یہ حق ہے جھوٹ نہیں ہے اور نہ اس میں کوئی حیلہ ہے تو غائب کے خلاف یا اس کے حق میں فیصلہ کردینا چاہیے اسی طرح مفتی بھی یہ فتویٰ دے سکتا ہے تاکہ حرج نہ ہو اور لوگوں کے حقوق ضائع نہ ہوں' اور اس میں ضرورت ہے علاوہ ازیں یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے' ائمہ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے اور ہمارے اصحاب کے بھی اس میں دو قول ہیں اور مناسب یہ ہے کہ غائب کی طرف سے ایک وکیل کر لیا جائے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ غائب کی رعایت کرے گا اور اس کے حق میں کمی نہیں کرے گا' نور العین میں اس کو برقرار رکھا گیا ہے اور عنقریب مسخر میں اس کا ذکر ہوگا اسی طرح فتح القدیر کے باب المفقود میں ہے کہ جب قاضی غائب کے خلاف یا اس کے حق میں کوئی مصلحت دیکھے تو اس کے مطابق فیصلہ کردے اور اس کا حکم نافذ ہو جائے گا کیونکہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے (علامہ شامی کہتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ خواہ قاضی حنفی ہو اور خواہ ہمارے زمانہ میں ہو اور یہ قاعدہ پہلے قاعدہ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس قاعدہ کو ضرورت اور مصلحت کی بناء پر جائز قرار دیا گیا ہے۔

(رد المحتار ج ۴ ص ۳۳۹، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

عدالت کے فسخ نکاح پر اعتراضات کے جوابات

کسی مظلوم اور نان و نفقہ سے محروم عورت کے حق میں جب عدالت فسخ نکاح کردیتی ہے اور اس کو دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت دے دیتی ہے تو اس پر بعض علماء کرام یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر عدالت کے فیصلہ کی بناء پر اس نکاح کے جواز کا دروازہ کھول دیا جائے تو جو عورت بھی اپنے خاوند سے نجات حاصل کرنا چاہے گی وہ عدالت میں جھوٹا دعویٰ دائر کر

کے اپنے حق میں فیصلہ کرالے گی۔ اس اعتراض کے جواب میں پہلے یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں :
امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :
نبی ﷺ کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجرہ کے دروازہ پر کچھ لوگوں کے جھگڑنے کی آواز سنی آپ ان کے پاس باہر گئے اور فرمایا میں صرف بشر ہوں (خدا نہیں ہوں) میرے پاس لوگ اپنے جھگڑے لے کر آتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنا موقف زیادہ وضاحت سے پیش کرے اور میں اس کو سچا گمان کر کے اس کے حق میں فیصلہ کر دوں سو (بہ فرض محال) اگر میں کسی شخص کو کسی مسلمان کا حق دے دوں تو وہ صرف آگ کا ٹکڑا ہے وہ اس کو لے یا ترک کر دے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۲۴۵۸، ۷۱۸۱، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۷۱۳)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :
یعنی میں (از خود) غیب اور مخفی امور کو نہیں جانتا جیسا کہ حالت بشریہ کا تقاضا ہے اور آپ صرف ظاہر کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے اور مخفی چیزیں اللہ کی ولایت میں تھیں، اور اگر اللہ چاہتا تو آپ کو مخفی امور پر مطلع فرما دیتا حتیٰ کہ آپ (صورت واقعیہ کے مطابق) یقین کے ساتھ فیصلہ فرماتے لیکن اللہ نے آپ کی امت کو آپ کی اقتداء کا حکم دیا اس لئے آپ نے ظاہر صورت حال کے مطابق فیصلہ فرمایا تاکہ امت کو آپ کی اتباع کرنے میں آسانی اور اطمینان ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۵)

اسی طرح حافظ ابن حجر شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۷۵)
اس حدیث اور اس کی شرح سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی عورت خاوند کے خلاف جھوٹے گواہ پیش کر کے اپنے حق میں فیصلہ کرالیتی ہے تو عدالت تو بہر حال ظاہر صورت حال کے مطابق فیصلہ کرے گی لیکن اس جھوٹ کا وبال اس عورت کے سر پر ہو گا۔ ظاہر صورت حال کے مطابق فیصلہ کرنے کے متعلق ایک اور حدیث یہ ہے : جو لوگ غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں گئے تھے آپ نے واپس آکر ان سے باز پرس کی تو اسی (۸۰) سے کچھ زیادہ لوگ (منافقین) آئے انہوں نے مختلف بہانے کئے اور قسمیں کھائیں سو رسول اللہ ﷺ نے ان کے ظاہر کردہ بہانوں کو قبول کر لیا اور ان سے بیعت لی اور ان کے لئے استغفار کیا اور ان کے باطنی امور کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۴۴۱۸)
دوسرا جواب یہ ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک صرف حجت ظاہریہ کا اعتبار ہے۔
علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں :
جھوٹے گواہوں کے ساتھ ظاہرا" وباطنا" عقود اور فسوخ میں قضا نافذ ہو جاتی ہے بہ شرطیکہ قضا کے محل میں اس قضا کی صلاحیت ہو اور قاضی کو گواہوں کے جھوٹے ہونے کا علم نہ ہو۔ (در مختار علی ہامش رد المحتار ج ۴ ص ۳۳۳)
علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :
فسوخ سے مراد ایسا فیصلہ ہے جو عقد کے حکم کو فسخ کر دے، لہٰذا یہ طلاق کو بھی شامل ہے اور اس کی فروع میں سے یہ ہے کہ ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ اس کے خاوند نے اس کو تین طلاقیں دے دی ہیں اور خاوند اس کا منکر ہو اور اس عورت نے اپنے دعویٰ پر دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے ان میں علیحدگی کا فیصلہ کر دیا، اس عورت نے عدت کے

بعد کسی اور شخص سے نکاح کرلیا۔ تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کا اس عورت سے مباشرت کرنا جائز ہے خواہ اس کو حقیقت حال کا علم ہو اور ان دو گواہوں میں سے بھی اگر کوئی اس عورت سے نکاح کرے تو عدت کے بعد اس عورت سے نکاح اور مباشرت کرنا جائز ہے اور اس کے پہلے خاوند کا اس عورت سے مباشرت کرنا جائز نہیں ہے اور اس عورت کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اس کو وطی کرنے کا موقع دے۔ (ردالمحتار علی الدر المختار ج ۴ ص ۳۳۳، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جس عورت پر اس کا خاوند ظلم کرے اس کو نہ گھر میں رکھے اور نہ کھانے پینے اور کپڑوں کا خرچ دے اور نہ اس کو طلاق دے اور وہ عورت جوان ہو وہ اپنے معاش کے حصول کے لئے محنت مزدوری یا ملازمت کرے تو اس کو اپنی عزت اور عفت کے لٹ جانے کا بھی خطرہ ہو (اور ایسے واقعات ہمارے ہاں ہوتے رہتے ہیں) تو اس صورت حال کے مطابق اگر عدالت اس کے فسخ نکاح کا فیصلہ کردے تو یہ ائمہ ثلاثہ کے مطابق ایک جائز عمل ہے، اب اگر کوئی عورت اس قانون سے فائدہ اٹھاکر جھوٹے گواہوں کے ذریعہ شوہر کے آباد نہ کرنے کی فرضی داستان سنا کر اپنے حق میں فسخ نکاح کا فیصلہ کرالے تو اس کا وبال اس عورت کے سر ہوگا اور اس کے اس جھوٹ کی وجہ سے اس جائز طریقہ کو ترک نہیں کیا جائے گا۔ اس کی نظیر یہ ہے :

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی لکھتے ہیں :

علامہ ابن حجر نے کہا ہے کہ زیارت قبور کو اس لئے ترک نہیں کیا جائے گا کہ زیارت قبور میں بہت سے منکرات اور مفاسد (ناجائز اور برے کام) مثلاً" مردوں اور عورتوں کا اختلاط اور دوسرے امور (مثلاً" قبروں پر سجدہ کرنا) داخل ہوگئے ہیں کیونکہ عبادات کو ان کاموں کی وجہ سے ترک نہیں کیا جائے گا بلکہ انسان پر لازم ہے کہ ان عبادات کو بجالائے اور ان غلط کاموں کا رد کرے اور حسب استطاعت ان بدعات کو زائل کرے۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۶۰۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

ثانیاً" یہ کہ جھوٹے گواہ پیش کرکے اپنے حق میں عدالت سے فیصلہ کرانا صرف فسخ نکاح کے عقد کے ساتھ تو مخصوص نہیں ہے۔ ہر قسم کے دیوانی اور فوجداری مقدمات میں پیشہ ور جھوٹے گواہ عدالت کے باہر مل جاتے ہیں اور ان کی بناء پر بہت سے مقدمات میں ظاہری شہادت کی بناء پر فیصلہ کردیا جاتا ہے تو اب اگر کسی مقدمہ میں ظاہری شہادت کی بناء پر عدالت کے فیصلہ کو اس لئے معتبر نہ مانا جائے کہ یہ شہادت فی الواقع جھوٹی تھی تو پھر عدالت کا کوئی بھی فیصلہ معتبر نہیں رہے گا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ فیصلہ جھوٹی گواہی کی بناء پر ہو اور اس کا حل یہی ہے کہ عدالت کا کام ظاہری شہادت کی بناء پر فیصلہ کرنا ہے اگر کسی فریق نے جھوٹے شواہد پیش کئے ہیں تو اس کا گناہ اس کے ذمہ ہوگا اور حقیقت کا علم اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں ہے۔

قضاء علی الغائب کے متعلق مذاہب ائمہ

قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی متوفی ۵۹۵ھ لکھتے ہیں :

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک غائب کے خلاف فیصلہ کرنا جائز ہے انہوں نے کہا جو دور دراز غائب ہو اس کے خلاف فیصلہ کردیا جائے گا اور امام ابو حنیفہ نے کہا کہ غائب کے خلاف مطلقاً" فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

(بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۵۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں :

جس طرح حاضر کے خلاف ایک گواہ اور قسم سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے اسی طرح غائب کے خلاف بھی ایک گواہ اور قسم سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ (روضۃ الطالبین ج ۸ ص ۱۵۸ ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ' ۱۴۱۲ھ)

امام ابو اسحٰق ابراہیم بن علی فیروز آبادی شافعی متوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں :

اگر ایک شخص قاضی کے سامنے پیش ہو اور شہر سے غائب شخص کے خلاف دعویٰ کرے یا شہر میں حاضر ہو لیکن بھاگ جائے یا شہر میں حاضر ہو اور چھپ جائے اور اس کو حاضر کرنا مشکل ہو تو اگر مدعی کے پاس اس غائب کے خلاف گواہ نہ ہوں تو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا کیونکہ اس دعویٰ کا سننا غیر مفید ہے ' اور اگر مدعی کے پاس اس غائب کے خلاف گواہ ہوں تو اس کا دعویٰ سنا جائے گا اور اس کے گواہوں کو بھی سنا جائے گا کیونکہ اگر ہم اس کے دعویٰ کو نہ سنیں تو اس مدعی علیہ کا غائب ہونا یا شہر میں چھپ جانا لوگوں کے حقوق ساقط کرنے کا سبب ہو گا جب کہ ان حقوق کی حفاظت کے لئے حاکم کو نصب کیا جاتا ہے۔

(المہذب ج ۲ ص ۳۰۳ ' مطبوعہ دار الکتب بیروت ' شرح المہذب ج ۲۰ ص ۲۱ ' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں :

جس غائب شخص کے خلاف کوئی حق ثابت ہو جائے تو اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا (الی قولہ) غائب کے خلاف صرف آدمیوں کے حقوق میں فیصلہ کیا جائے گا البتہ اللہ تعالیٰ کی حدود میں اس کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ حدود میں اسقاط کی گنجائش ہے اگر کسی غائب شخص کے چوری کرنے پر گواہ قائم ہوں تو اس سے مال واپس لینے کا حکم دیا جائے گا اور اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم نہیں دیا جائے گا (المغنی ج ۱۰ ص ۱۳۸ ' مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۵ھ)

شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ کی تحقیق یہ ہے کہ جو شخص مجلس عدالت سے غائب ہو یا اس شہر سے غائب ہو اور اس کے خلاف گواہ قائم ہوں تو اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا خواہ اس مقدمہ کا تعلق آدمیوں کے حقوق سے ہو یا اللہ تعالیٰ کی حدود سے۔ (محلی ابن حزم ج ۹ ص ۳۶۶)

قضاء علی الغائب کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہند نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ ابو سفیان ایک کم خرچ کرنے والے انسان ہیں اور مجھے ان کے مال سے خرچ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے ' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اس کے مال سے اتنی مقدار لے لو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کے لئے دستور کے مطابق کافی ہو۔ (صحیح البخاری ' رقم الحدیث : ۷۱۸۰ ' صحیح مسلم ' رقم الحدیث : ۱۷۱۴)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ اس مجلس سے غائب تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق فیصلہ فرمایا ' امام بخاری نے اس حدیث کا عنوان ہی یہ قائم کیا ہے باب القضاء علی الغائب۔ اس حدیث میں مالی معاملات میں غائب کے متعلق فیصلہ کیا گیا ہے اور حضرت عمر اور عثمان نے فسخ نکاح میں غائب کے خلاف فیصلہ کیا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے :

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں :

ابن المسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے مفقود (لاپتہ) شخص کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ اس کی بیوی چار سال انتظار کرے اور اس کے بعد چار ماہ دس دن (عدت وفات گزارے) پھر اگر اس کا پہلا خاوند آجائے تو اس کو اپنے دیئے ہوئے مہر اور بیوی کے درمیان اختیار دیا جائے گا۔ (المصنف ' رقم الحدیث : ۱۲۳۱۷)

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں :
سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا : جس عورت کا خاوند لاپتہ ہو جائے اور اس کو معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے تو وہ چار سال انتظار کرے پھر چار ماہ دس دن عدت گزارے پھر وہ حلال ہو جائے گی۔
امام مالک فرماتے ہیں کہ جب اس نے عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کر لیا تو پہلے خاوند کا اس پر کوئی حق نہیں رہا۔
امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ ایک عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی اور وہ غائب ہو گیا اور اس حال میں اس نے اس طلاق سے رجوع کر لیا عورت کو طلاق کی خبر پہنچی اور اس کے رجوع کی خبر نہیں پہنچی اور اس نے دوسری جگہ شادی کر لی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ فرمایا جب اس عورت نے نکاح کر لیا تو اب پہلے خاوند کا اس پر کوئی حق نہیں رہا خواہ دوسرے خاوند نے اس سے دخول کیا ہو یا نہیں۔ (موطا امام مالک' رقم الحدیث : ۱۲۱۹)
ان دو حدیثوں میں فسخ نکاح اور طلاق کے معاملہ میں قضاء علی الغائب کا ثبوت ہے۔
امام شافعی' امام مالک اور امام احمد کے نزدیک قضاء علی الغائب جائز ہے' امام ابو حنیفہ کے نزدیک قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے لیکن فقہاء احناف نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر ضرورت کی بناء پر کوئی حنفی قاضی یا مفتی ائمہ ثلاثہ کے اس قول پر فتویٰ دے تو یہ جائز ہے اور جس عورت کو اس کا خاوند تنگ کرنے کے لئے نہ خرچ دیتا ہو نہ طلاق دیتا ہو اور اپنی عزت اور عصمت کی حفاظت کے ساتھ ملازمت کر کے اس کے لئے روٹی کمانا مشکل اور دشوار ہو اور اندریں صورت وہ عدالت میں اپنا کیس پیش کرے' خاوند حاضر نہ ہو اور عدالت خاوند کے خلاف یک طرفہ ڈگری دے کر خلع کر دے (یعنی نکاح فسخ کر دے) تو یہ فیصلہ صحیح ہے اور عدت کے بعد اس عورت کا دوسری جگہ نکاح کرنا صحیح ہے۔

دفع حرج' مصلحت اور ضرورت کی بناء پر ائمہ ثلاثہ کے مذہب پر فیصلہ اور فتویٰ کا جواز

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :
جو فقہاء احناف قضاء علی الغائب کو جائز کہتے ہیں وہ یہ فرق نہیں کرتے کہ حنفی قاضی یہ فیصلہ کرے یا غیر حنفی فیصلہ کرے' قنیہ میں بھی یہی مذکور ہے کہ اس فیصلہ کے لئے قاضی کا حنفی ہونا شرط نہیں ہے' اس تصریح سے علامہ رملی اور علامہ مقدسی کا یہ کہنا غلط ہو جاتا ہے کہ اس فیصلہ کے لئے قاضی کا مجوزین میں سے ہونا شرط ہے اور یہی صاحب البحر الرائق کا نظریہ ہے' صاحب البحر نے قضاء علی الغائب کو مفقود کے ساتھ خاص کیا ہے' علامہ رملی نے ان کا رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ اس میں عموم ہے' جامع الفصولین میں مذکور ہے کہ اس مسئلہ میں فقہاء کی آراء مضطرب ہیں پس میرے نزدیک یہ ظاہر ہے کہ تمام مقدمات میں غور و فکر کیا جائے اور احتیاط سے کام لیا جائے اور حرج اور ضرورت کا لحاظ رکھا جائے' اور اگر جواز کا تقاضا ہو تو اس کو جائز کہا جائے ورنہ اس کو ناجائز کہا جائے' مثلاً" ایک شخص نے اپنی بیوی کو چند نیک لوگوں کے سامنے طلاق دی پھر وہ شہر سے غائب ہو گیا اور اس کی جگہ کا پتہ نہیں یا پتہ تو ہے لیکن اس کو حاضر کرنا مشکل ہے یا عورت یا اس کے وکیل کا اس کے پاس جانا مشکل ہے کیونکہ وہ جگہ دور ہے یا کوئی اور مانع ہے' اسی طرح اگر مقروض غائب ہو جائے اور اس کا شہر میں مال ہو' اس قسم کی مثالوں میں اگر قاضی کے سامنے غائب کے خلاف گواہ پیش کر دیئے جائیں اور قاضی کا ظن غالب یہ ہو کہ یہ گواہ سچے ہیں اور ان میں کوئی جھوٹ یا حیلہ نہیں ہے تو قاضی کو چاہئے کہ غائب کے خلاف فیصلہ کر دے اور مفتی کو بھی چاہئے کہ حرج اور حاجت کو دور کرنے کے لئے اس کے جواز کا فتویٰ دے تاکہ لوگوں کے حقوق ضائع ہونے سے محفوظ رہیں جب کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ

ہے' ائمہ ثلاثہ اس کو جائز کہتے ہیں اور ہمارے اصحاب (احناف) کے بھی اس میں دو قول ہیں اور مناسب یہ ہے کہ غائب کی جانب سے ایک ایسا وکیل کرلیا جائے جس کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ غائب کی جانب سے مکمل رعایت کرے گا اور اس کے حق میں کوئی کوتاہی نہیں کرے گا' نور العین میں بھی اس کو برقرار رکھا ہے اسی طرح مسخریں ہے اور فتح القدیر کے باب المفقود میں بھی یہی مذکور ہے کہ غائب کے خلاف قضاء جائز نہیں لیکن جب قاضی غائب کے حق میں اس کے خلاف فیصلہ کرنے میں مصلحت دیکھے تو فیصلہ کردے اور یہ فیصلہ نافذ ہو جائے گا کیونکہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔ (علامہ شامی کہتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ اس کا ظاہر معنی یہ ہے کہ خواہ قاضی حنفی ہو۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۴ ص ۳۳۹' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

جو شخص اپنی بیوی کو نہ خرچ دے نہ آزاد کرے اس کے متعلق شریعت کا حکم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ (البقرہ : ۲۳۱) اپنی بیویوں کو حسن سلوک کے ساتھ رکھو ورنہ ان کو معروف طریقہ سے علیحدہ کردو اور ان پر زیادتی کرنے اور ضرر پہنچانے کی نیت سے ان کو اپنے پاس نہ رکھو۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

علماء کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ خاوند کے پاس جب بیوی کو نفقہ دینے کی طاقت نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ بیوی کو طلاق دے دے' اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو وہ بیوی کو معروف طریقہ سے علیحدہ کرنے کی حد سے نکل گیا پھر حاکم کو چاہئے کہ وہ اس کی بیوی پر طلاق واقع کردے' کیونکہ جو شخص اس کو خرچ دینے پر قادر نہیں ہے اس کے نکاح میں رہنے سے اس عورت کو ضرر لاحق ہو گا اور بھوک پر صبر نہیں ہو سکتا' امام مالک' امام شافعی' امام احمد' اسحاق' ابو ثور' ابو عبید' یحییٰ بن القطان اور عبدالرحمن بن مہدی کا یہی قول ہے' اور صحابہ میں سے حضرت عمر' حضرت علی اور حضرت ابو ہریرہ کا یہی قول ہے اور تابعین میں سے سعید بن مسیب نے کہا یہی سنت ہے اور حضرت ابو ہریرہ نے اس کو نبی ﷺ سے روایت کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۱۵۵' مطبوعہ ایران' ۱۳۸۷ھ)

علامہ دردیر مالکی لکھتے ہیں :

حاکم پر لازم ہے کہ وہ خاوند سے کہے یا تو تم بیوی کو خرچ دو یا اس کو طلاق دو ورنہ حاکم اپنے اجتہاد سے ایک یا دو دن انتظار کرنے کے بعد اس کی بیوی پر طلاق واقع کردے۔ (الشرح الکبیر علی ہامش الدسوقی ج ۲ ص ۵۱۹' مطبوعہ بیروت)

سو اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے خلاف یہ مقدمہ دائر کرے کہ اس کا خاوند اس کو خرچ دیتا ہے نہ اس کو طلاق دیتا ہے اور اس پر گواہ قائم کردے اور خاوند بلانے پر بھی عدالت میں پیش نہ ہو تو عدالت پر لازم ہے کہ وہ اس نکاح کو فسخ کردے' خواہ وہ قاضی حنفی ہو یا شافعی یا مالکی یا حنبلی۔

مفتی محمد عبدالسلام چاٹ گامی رئیس دار الافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی لکھتے ہیں :

ہاں شوہر کا ظلم وزیادتی اگر عدالت میں شرعی گواہوں سے ثابت ہو جائے اور شوہر شرعی طریقہ سے اسے آباد کرنے پر رضامند نہیں ہوتا نہ اسے طلاق دیتا ہے اور نہ ہی خلع پر رضامند ہوتا ہے تو ان مجبوریوں کے بعد عدالت گواہوں کی گواہی کی

بنیاد پر یک طرفہ فسخ نکاح کا اختیار رکھتی ہے۔ (جواہر الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۲۳ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)
مفتی رشید احمد کراچی نے بھی اسی صورت میں عدالت کے فیصلہ کو نافذ العمل قرار دیا ہے۔
(احسن الفتاویٰ ج ۵ ص ۴۱۱۔ مطبوعہ کراچی)

میں نے اس مسئلہ کو شرح صحیح مسلم میں بھی لکھا تھا اور یہاں مزید تحقیق کے ساتھ لکھا ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں جب کوئی مظلوم عورت ہمارے زمانہ کے مفتیوں کے پاس جاتی ہے جس کو خاوند نہ خرچ دیتا ہے نہ طلاق' خاوند عدالت میں پیش نہیں ہوتا اور عدالت یک طرفہ ڈگری دے دیتی ہے تو ہمارے مفتی اس فیصلہ کو نہیں مانتے اور اس عورت کو عقد ثانی کی اجازت نہیں دیتے اور وہ عورت یہ کہتی ہے کہ اس کے مسئلہ کا اسلام میں کوئی حل نہیں ہے' سو میں نے صرف اسلام کے دفاع کے جذبہ سے یہ تحقیق پیش کی ہے اور اللہ ہی نیتوں کو جاننے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ (نیکی کرو) اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور قرابت دار پڑوسی اور اجنبی پڑوسی اور مجلس کے ساتھی اور مسافر کے ساتھ نیکی کرو (النساء : ۳۶)

اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ شریک نہ کرنے کا بیان

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں دراز گوش پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا : اے معاذ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کا اپنے بندوں پر کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا : اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں' آپ نے فرمایا : اللہ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں' اور بندوں کا اللہ پر یہ حق ہے کہ جو اس کے ساتھ بالکل شرک نہ کرے وہ اس کو عذاب نہ دے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دوں؟ آپ نے فرمایا ان کو خوش خبری نہ دو ورنہ وہ اسی پر توکل کر کے بیٹھ جائیں گے (عمل نہیں کریں گے) (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۲۸۵۶' صحیح مسلم رقم الحدیث' ۳۰' سنن ترمذی : ۲۶۵۲' مسند احمد ج ۵ ص ۲۳۴' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۴۲۹۶' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث : ۲۱۰' مسند ابو عوانہ : ج ۱ ص ۱۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اللہ پر بندوں کے حق کا ذکر فرمایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے اپنے فضل اور کرم سے شرک نہ کرنے والوں کے لئے مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے ورنہ عمل کی وجہ سے کسی بندہ کا اللہ پر کوئی حق نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو یہ حدیث بیان کرنے سے منع فرمایا تھا لیکن بعد میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت دے دی تو حضرت معاذ نے موت سے پہلے اس حدیث کو بیان فرما دیا تاکہ علم کو چھپانے پر جو وعید ہے اس میں داخل نہ ہوں۔

امام ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا اس نے کہا اے اللہ کے نبی مجھ کو وصیت کیجئے آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو خواہ تمہیں کاٹ دیا جائے یا جلا دیا جائے اور کسی وقت کی نماز ترک نہ کرو اور شراب نہ پیو کیونکہ وہ برائی کی کنجی ہے۔

(سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۴۰۳۴' الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۱۹۵' مجمع الزوائد : ج ۴ ص ۲۱۷۔ ۲۱۶)

ماں باپ کے حقوق اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کا بیان

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ (لقمان : ۱۴)

ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے' اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے اس کو پیٹ میں اٹھایا اور اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے (اور ہم نے یہ حکم دیا کہ) میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرو میری طرف لوٹنا ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ کون لوگ میرے اچھے سلوک کے مستحق ہیں؟ آپ نے فرمایا تمہاری ماں' کہا پھر کون ہے؟ فرمایا تمہاری ماں' کہا پھر کون ہے فرمایا پھر تمہاری ماں' کہا پھر فرمایا پھر تمہارا باپ۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۵۴۸' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۵۱۳۹' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۹۰۴' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۷۰۶' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۵۴۱' الادب المفرد' رقم الحدیث : ۵۹۷۱' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲ شرح السنۃ' رقم الحدیث : ۳۴۱۶)

قرآن مجید کی بہت سی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک اور اپنے شکر کے بعد ماں باپ کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ انسان کے حق میں سب سے بڑی نعمت اس کا وجود اور اس کی تربیت اور پرورش ہے اور اس کے وجود کا سبب حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور ظاہری سبب اس کے والدین ہیں' اسی طرح اس کی تربیت اور پرورش میں حقیقی سبب اللہ تعالیٰ ہے اور ظاہری سبب اس کے والدین ہیں۔ نیز جس طرح اللہ بندے کو نعمتیں دے کر اس سے اس کا عوض نہیں چاہتا اسی طرح ماں باپ بھی اولاد کو بلا عوض نعمتیں دے دیتے ہیں' اور جس طرح اللہ بندہ کو نعمتیں دینے سے تھکتا اور اکتاتا نہیں والدین بھی اولاد کو نعمتیں دینے سے تھکتے اور اکتاتے نہیں' اور جس طرح بندے گنہ گار ہوں پھر بھی اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کا دروازہ بند نہیں کرتا' اسی طرح اگر اولاد نالائق ہو پھر بھی ماں باپ اس کو اپنی شفقت سے محروم نہیں کرتے' اور جس طرح اللہ اپنے بندوں کو دائمی ضرر اور عذاب سے بچانے کے لئے ہدایت فراہم کرتا ہے ماں باپ بھی اپنی اولاد کو ضرر سے بچانے کے لئے نصیحت کرتے رہتے ہیں۔

ماں باپ کے ساتھ اہم نیکیاں یہ ہیں کہ انسان ان کی خدمت کے لئے کمربستہ رہے' ان کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرے' ان کے ساتھ سختی سے بات نہ کرے' ان کے مطالبات پورے کرنے کی کوشش کرے' اپنی حیثیت اور وسعت کے مطابق ان پر اپنا مال خرچ کرے' ان کے ساتھ عاجزی اور تواضع کے ساتھ رہے' ان کی اطاعت کرے اور ان کو راضی رکھنے کی کوشش کرے خواہ اس کے خیال میں وہ اس پر ظلم کر رہے ہوں ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دے' ماں کے بلانے پر نفل نماز توڑ دے البتہ فرض نماز کسی کے بلانے پر نہ توڑے اگر اس کا باپ یہ کہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو تو اس کو طلاق دے دے۔

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے نکاح میں ایک عورت تھی جس سے میں محبت کرتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو ناپسند کرتے تھے انہوں نے مجھ سے کہا اس کو طلاق دے دو۔ میں نے انکار کیا پھر حضرت عمر نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا نبی ﷺ نے فرمایا اس کو طلاق دے دو۔ (سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۵۱۳۸' امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۱۹۳' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۰۸۸' مسند احمد ج ۲ ص ۵۳' ۴۲' ۲۰)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے ایک شخص نے کہا کہ میری ایک بیوی ہے اور میری ماں اس کو طلاق دینے کا حکم دیتی ہے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا ہے کہ والد جنت کے دروازوں میں سے درمیانی دروازہ ہے' تم چاہو تو اس کو ضائع کردو اور تم چاہو تو اس کی حفاظت کرو' سفیان کی ایک روایت میں ماں کا ذکر ہے اور دوسری روایت میں باپ کا ذکر ہے' یہ حدیث صحیح ہے۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۹۰۶)

حافظ عبدالعظیم بن عبدالقوی لکھتے ہیں۔ :

سب سے پہلے سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو طلاق دینے کا حکم دیا تھا اور بیٹے کی باپ کے ساتھ نیکی یہی ہے کہ جس کو باپ ناپسند کرے اس کو بیٹا بھی ناپسند کرے اور جس سے اس کا باپ محبت کرتا ہو اس سے محبت کرے خواہ اس کو وہ ناپسند ہو' یہ اس وقت واجب ہے جب اس کا باپ مسلمان ہو' ورنہ مستحب ہے۔ (مختصر سنن ابو داؤد ج ۸ ص ۳۵)

نیز باپ کے ساتھ یہ بھی نیکی ہے کہ باپ کے دوستوں کے ساتھ نیکی کرے' نبی ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے اور ان کو تحائف بھیجتے تھے' جب بیویوں کی سہیلیوں کا یہ درجہ ہے تو باپ کے دوستوں کا مقام اس سے زیادہ بلند ہے' نیز ماں باپ کی وفات کے بعد ان کے لیے استغفار کرنا بھی ان کے ساتھ نیکی ہے' ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا ماں باپ کے فوت ہونے کے بعد میں ان کے ساتھ کس طرح نیکی کروں؟ آپ نے فرمایا ان کی نماز جنازہ پڑھو' ان کے لیے مغفرت کی دعا کرو' انہوں نے لوگوں سے جو وعدے کیے تھے ان کو پورا کرو' ان کے دوستوں کی عزت کرو اور جن کے ساتھ وہ صلہ رحم کرتے تھے ان کے ساتھ صلہ رحم کرو۔

(عارضۃ الاحوذی ج ۸ ص ۹۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۱۵ھ)

پڑوسیوں کے حقوق اور ان کے ساتھ نیکی کرنے کا بیان

جو پڑوسی رشتہ دار ہو اس کا ایک حق اسلام ہے اور ایک رشتہ داری کا حق ہے اور ایک پڑوسی کا حق ہے' اور جو پڑوسی اجنبی ہو اس کے ساتھ اسلام اور پڑوسی کا حق ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے گھر ایک بکری ذبح کی گئی تو انہوں نے دوبار پوچھا تم نے ہمارے یہودی پڑوسی کے لیے ہدیہ بھیجا یا نہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جبرائیل مجھ کو ہمیشہ پڑوسی کے متعلق وصیت کرتے رہے حتیٰ کہ میں نے یہ گمان کیا کہ وہ پڑوسی کو میراوارث کردے گا۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۹۴۹' صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۶۰۱۴' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۶۲۴' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۵۱۵۱' سنن ابن

ماجہ ' رقم الحدیث : ۳۶۷۳)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے دوستوں کے نزدیک اچھا ہو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے ' اور جو شخص اپنے پڑوسیوں کے نزدیک اچھا ہو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

(سنن ترمذی ' رقم الحدیث : ۱۹۵۱ ' الادب المفرد ' رقم الحدیث : ۱۱۵ ' سنن داری ج ۲ ص ۲۱۵)

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا : یارسول اللہ ! میرے دو پڑوسی ہیں ' میں ان میں سے کس کے ساتھ ابتداء کروں ' فرمایا جس کا دروازہ تمہارے دروازہ کے زیادہ قریب ہو۔ اس حدیث کو امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ (الوسیط ج ۲ ص ۵۰ ' صحیح بخاری ' رقم الحدیث : ۶۰۲۰)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا : یارسول اللہ ! میرے پڑوسی کا مجھ پر کیا حق ہے ؟ آپ نے فرمایا اگر وہ بیمار ہو تو تم اس کی عیادت کرو ' اگر وہ مرجائے تو اس کے جنازے میں شریک ہو ' اگر وہ تم سے قرض مانگے تو اس کو قرض دو ' اگر وہ بدحال ہو تو اس پر ستر کرو ' اگر اس کو کوئی اچھائی پہنچے تو اس کو مبارک باد دو ' اگر اس کو کوئی مصیبت پہنچے تو اس کی تعزیت کرو ' اپنے گھر کی عمارت اس کی عمارت سے بلند نہ کرو کہ اس کی ہوا رک جائے۔

(المعجم الکبیر : ج ۱۹ ص ۴۱۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص سالن پکائے تو اس میں شوربا زیادہ کرے۔ پھر اپنے پڑوسی کو بھی اس میں سے دے۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث : ۳۶۱۵ ' کشف الاستار عن زوائد البزار رقم الحدیث : ۱۹۰۱ ' مسند احمد ' رقم الحدیث : ۱۳۰۶۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جو شخص پیٹ بھر کر رات گذارے اور اس کو علم ہو کہ اس کا پڑوسی بھوکا ہے اس کا مجھ پر ایمان نہیں ہے۔

(المعجم الکبیر ' رقم الحدیث : ۷۵۱ ' کشف الاستار عن زوائد البزار ' رقم الحدیث : ۱۱۹)

علامہ ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ نے لکھا ہے کہ جس شخص کا گھر یا دکان تمہارے گھر یا دکان سے متصل ہو وہ تمہارا پڑوسی ہے ' بعض علماء نے چالیس گھروں تک اتصال کا اندازہ کیا ہے۔ (اکمال اکمال المعلم)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اپنے غلاموں کے ساتھ نیکی کرو

غلاموں اور خادموں کے ساتھ نیکی کرنے کا بیان

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (یہ) تمہارے بھائی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارا ماتحت کردیا ہے۔ سو جو تم کھاتے ہو وہ ان کو کھلاؤ اور جو تم پہنتے ہو وہ ان کو پہناؤ اور ان کے ذمہ ایسا کام نہ لگاؤ جو ان پر بھاری ہو اور اگر تم ان کے ذمہ ایسا کام لگاؤ تو تم ان کی مدد کرو۔ (صحیح البخاری ' رقم الحدیث : ۳۰ ' صحیح مسلم ' رقم الحدیث : ۴۲۸۹ ' سنن ابوداؤد ' رقم الحدیث : ۵۱۵۷ ' سنن ترمذی ' رقم الحدیث : ۱۹۵۲ ' سنن ابن ماجہ ' رقم الحدیث : ۳۶۹۰)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابو القاسم نبی التوبہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے غلام کو تہمت لگائی حالانکہ وہ اس تہمت سے بری تھا' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس پر حد قائم کرے گا' سوا اس کے کہ وہ بات صحیح ہو' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۹۵۴' صحیح بخاری' رقم الحدیث: ۶۸۵۸' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۶۶۰' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۵۱۶۵)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا میں نے سنا کوئی شخص میرے پیچھے کھڑا یہ کہہ رہا تھا ابو مسعود تحمل کرو' ابو مسعود تحمل کرو' میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے' آپ نے فرمایا جتنا تم اس پر قادر ہو اللہ تم پر اس سے زیادہ قادر ہے۔ سنن ابو داؤد میں یہ اضافہ ہے میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ اللہ کے لیے آزاد ہے' آپ نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو دوزخ میں جاتے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۹۵۵' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۶۵۹' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۵۱۵۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا' یا رسول اللہ! میں اپنے خادم کو دن میں کتنی بار معاف کروں' آپ نے فرمایا ہر دن میں ستر بار۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۹۵۶)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنے خادم کو مارے اور اس کو خدا یاد آجائے تو اس کو مارنا چھوڑ دے۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۱۹۵۷)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے ایک غلام کو آزاد کردیا وہ ایک تنکے سے زمین کرید رہے تھے انہوں نے کہا اس عمل میں ایک تنکے کے برابر بھی اجر نہیں ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے غلام کو طمانچہ مارا یا پیٹا اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس کو آزاد کردے۔ (سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۵۱۶۸)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے غلام آزاد کیا اللہ اس غلام کے ہر عضو کے بدلہ میں اس کا عضو دوزخ سے آزاد کردے گا حتی کہ اس کی فرج کے بدلہ میں اس کی فرج آزاد کردے گا۔

اسلام میں غلامی کو ختم کرنے کے لئے بہت سے طریقے مقرر کیے گئے قتل خطا کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے' قسم توڑنے کا کفارہ غلام آزاد کرنا ہے ظہار کا کفارہ بھی غلام آزاد کرنا ہے' عمداً روزہ توڑنے کا کفارہ بھی غلام آزاد کرنا ہے اور جس کے پاس غلام نہ ہوں تو وہ کفارہ قسم میں تین دن روزے رکھے گا' اور باقی صورتوں میں دو ماہ کے روزے رکھے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ خود بخل کرتے ہیں' اور لوگوں کو (بھی) بخل کا حکم دیتے ہیں' اور اللہ نے جو کچھ ان کو اپنے فضل سے دیا ہے اس کو چھپاتے ہیں' اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (النساء: ۳۷)

اخلاص سے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے والوں کے لیے وعید

قتادہ نے بیان کیا ہے کہ ان لوگوں سے مراد اللہ کے دشمن اہل کتاب ہیں' اللہ کا جو ان پر حق ہے یہ اس میں بخل

کرتے ہیں' اسلام اور سیدنا محمد ﷺ کے ذکر کو چھپاتے ہیں حالانکہ ان کا ذکر ان کے پاس تورات میں لکھا ہوا ہے' اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جو انصار مسلمانوں پر خرچ کرتے تھے ان سے یہودی کہتے تھے کہ تم اپنے اموال خرچ نہ کرو کیونکہ ہم کو تم پر فقر کا اندیشہ ہے تمہارا مال ضائع ہو جائیگا' اور تم کو پتا نہیں ہے کہ آگے چل کر اسلام کا کیا ہوگا' سو یہ لوگ خود بھی بخل کرتے تھے اور مسلمانوں کو بھی بخل کرنے کا حکم دیتے تھے اور نبی ﷺ کی تصدیق کے متعلق تورات میں جو آیات مذکور ہیں ان کو چھپاتے تھے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۵۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (ان لوگوں کے لئے بھی ذلت والا عذاب ہے) جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور جس شخص کا شیطان ساتھی ہو وہ کیسا برا ساتھی ہے۔ (النساء: ۳۸)

اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ محتاجوں اور ضرورت مندوں میں اللہ کی رضا کے لیے اپنا مال تقسیم کرو' منافقین اس حکم کی نافرمانی دو طرح سے کرتے تھے۔ یا تو خود مال خرچ نہیں کرتے تھے اور خرچ کرنے والوں کو بھی منع کرتے تھے یا پھر لوگوں کو دکھانے سنانے اور نام آوری کے لیے خرچ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں کے لیے ذلت والے عذاب کی وعید بیان فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آخر ان پر کیا آفت آجاتی اگر یہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لے آتے اور اللہ کے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے اور اللہ انہیں خوب جاننے والا ہے۔ (النساء: ۳۹)

جبریہ کا رد اور ایمان میں تقلید کا کافی ہونا

اس آیت سے یہ مقصود نہیں ہے کہ اللہ پر اور قیامت پر ایمان لانے میں کیا نقصان ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ اس میں کوئی نقصان نہیں ہے بلکہ سراسر فائدہ ہے' اس سے ان منافقوں کو زجر و توبیخ اور ان کو ملامت کرنا اور ان کی مذمت کرنا مقصود ہے۔

اس آیت میں جبریہ کا رد اور ابطال ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ بندوں کو کسی چیز کا اختیار نہیں ہے' اگر بندے مجبور محض ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو ایمان نہ لانے اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے پر ملامت نہ فرماتا' آج کل بھی بہت سے پڑھے لکھے لوگ گناہ کرنے کے بعد کہتے ہیں ہم نے وہی کیا جو ہمارے لیے مقدور ہو چکا تھا اگر اللہ چاہتا تو ہم یہ گناہ نہ کرتے' حالانکہ انسان جو کچھ کرتا ہے وہ اللہ کے دیئے ہوئے اختیار سے کرتا ہے اس کو کسب کہتے ہیں اور جس چیز کا وہ کسب کرتا ہے اللہ اس کو پیدا کر دیتا ہے' اسی لیے کہتے ہیں کہ بندہ کاسب اور اللہ خالق ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان لانا بہت آسان اور سہل ہے' اسی وجہ سے مقلد کا ایمان لانا معتبر ہے' کیونکہ اللہ کی الوہیت اور وحدانیت پر دلائل قائم کرنا اور سیدنا محمد ﷺ کی رسالت اور امور آخرت پر دلائل قائم کرنا آسان اور سہل نہیں ہے' عام لوگ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوتے ہیں اور ماں باپ کے اسلام کی وجہ سے ان کی تقلید میں مسلمان ہوتے ہیں اور ہر شخص ان دلائل میں غور و فکر کرنے کا اہل نہیں ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ صحت ایمان کے لیے تقلید کافی ہے اور استدلال ضروری نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بیشک اللہ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی ہو تو اس کو دگنا کر دیتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔ (النساء: ۴۰)

اللہ کے ظلم نہ کرنے کا معنی

ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو اس کے مخصوص محمل کے سوا' کمی یا زیادتی کر کے کسی اور جگہ رکھنا' سو اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ کسی کی نیکیوں کے ثواب میں کمی کرتا ہے نہ کسی کی برائیوں کے عذاب میں کمی کرتا ہے' اس لیے بندوں کو چاہئے کہ ان کو جس چیز کا حکم دیا ہے اس پر عمل کریں اور جس کام سے منع کیا ہے اس سے رک جائیں۔

ظلم کا یہ معنی بھی ہے : غیر کی ملک میں تصرف کرنا' اللہ کے سوا جو کچھ ہے وہ اللہ کی ملکیت ہے اور مالک اپنی ملک میں جو تصرف بھی کرے وہ ظلم نہیں ہے۔ اگرچہ وہ ایسا ہرگز نہیں کرے گا لیکن پھر بھی بہ فرض محال اگر وہ تمام مخلوق کو دوزخ میں ڈال دے تو یہ ظلم نہیں ہوگا کیونکہ سب اس کے مملوک ہیں اور وہ مالک علی الاطلاق ہے' ہم نے بہ فرض محال اس لیے کہا ہے کہ وہ نیکی کرنے والوں اور ایمان والوں کو اجر و ثواب دینے کا وعدہ فرما چکا ہے اور اپنے وعدے کے خلاف کرنا اس کے حق میں محال ہے کیونکہ انعام کا وعدہ کر کے انعام نہ دینا عیب ہے اور عیب اللہ کے لیے محال ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اجر و ثواب بڑھانے کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اگر کوئی نیکی ہو تو وہ اس کو دگنا کر دیتا ہے' اس کا معنی یہ ہے کہ بندہ ایک نیکی پر دس گنے اجر کا مستحق ہے تو اللہ اس کو بیس گنا اجر عطا فرمائے گا یا تیس گنا اجر عطا فرمائے گا یا اس سے بھی زیادہ عطا فرمائیگا۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

زاذان بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا انہوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اولین اور آخرین کو جمع فرمائیگا' پھر اللہ کی طرف سے ایک منادی یہ ندا کرے گا کہ جس شخص نے اپنا حق لینا ہو آئے اور اپنا حق لے لے' بہ خدا اگر بچے کا اپنے باپ پر یا کسی کا اپنے بیٹے پر یا اپنی بیوی پر جو بھی حق ہو گا وہ لے لے گا' خواہ وہ چھوٹا حق ہو' اور اس کا مصداق کتاب اللہ میں یہ آیت ہے :

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ (المؤمنون : ۱۰۱)

پھر جب صور پھونکا جائے گا تو ان کے درمیان اس دن رشتے (باقی) نہیں رہیں گے اور نہ وہ ایک دوسرے کا حال پوچھیں گے۔

ایک شخص سے کہا جائیگا ان لوگوں کے حقوق ادا کرو وہ شخص کہے گا اے رب! دنیا تو گذر چکی ہے میں ان کے حقوق کہاں سے ادا کروں؟ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیگا اس شخص کے نیک اعمال کو دیکھو' اور مستحقین کو اس کی نیکیاں دے دو' پھر جب اس کی ایک ذرہ کے برابر نیکی رہ جائے گی تو فرشتے کہیں گے' (حالانکہ اللہ کو خوب علم ہے) اے ہمارے رب ہم نے ہر حقدار کو اس کی نیکی دیدی اب اس کی صرف ایک نیکی رہ گئی ہے' اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیگا میرے اس بندہ کی نیکی کو دگنا چوگنا کردو' اور اس کو میرے فضل اور رحمت سے جنت میں داخل کردو' اور اس کا مصداق یہ آیت ہے' اور اگر وہ بندہ شقی ہو اور اس کی تمام نیکیاں ختم ہو جائیں تو فرشتے عرض کریں گے کہ اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں اور اس کی صرف برائیاں رہ گئی ہیں اور لوگوں کے حقوق باقی ہیں اللہ تعالیٰ فرمائیگا حقداروں کے گناہ اس کے نامہ اعمال میں ڈال دو اور اس کے لیے جہنم کا پروانہ لکھ دو۔ (نعوذ باللہ منہ)

ابو عثمان النہدی بیان کرتے ہیں کہ میری حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی میں نے کہا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ

آپ یہ کہتے ہیں کہ ایک نیکی کا اجر بڑھا کر ایک کروڑ درجہ کردیا جاتا ہے' انہوں نے کہا تم کو اس پر کیوں تعجب ہے بہ خدا میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کو ہزار ضرب ہزار (ایک کروڑ) درجہ تک پہنچاوے گا۔

(جامع البیان ج ۵ ص ۵۸۔۵۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتا ہے' اس کا ایک معنی یہ ہے کہ بندہ کا عمل اتنے بڑے اجر کا مقتضی نہیں ہے یہ اجر اللہ اپنے پاس سے عطا فرماتا ہے' دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکیوں کا اجر وثواب بڑھاتا ہے جس سے بندہ کو جنت میں جسمانی لذتیں حاصل ہوتی ہیں اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتا ہے جس سے بندہ کو روحانی لذتیں حاصل ہوتی ہیں اور یہ روحانی لذتیں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے حاصل ہوتی ہیں اور یہ جنت میں حاصل ہونے والی سب سے عظیم نعمت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو اس وقت کیسا سماں ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور اے (رسول مکرم) ہم آپ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔(النساء : ۴۱)

تمام نبیوں کے صدق پر رسول اللہ ﷺ کی شہادت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اللہ کسی پر ظلم نہیں کرے گا یعنی کافر کو جو عذاب دے گا وہ ظلم نہیں ہوگا' اور مومنوں کو بشارت دی تھی کہ ان کی نیکیوں کے اجر کو بڑھادے گا' اب اس آیت میں فرمایا ہے کہ یہ جزا اور سزا نبیوں اور رسولوں کی گواہی پر مترتب ہوگی جس کے خلاف وہ گواہی دیں گے اس کو سزا ملے گی اور جس کے حق میں گواہی دیں گے اس کو اجر وثواب بیش از بیش ملے گا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے سامنے قرآن پڑھو' میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! میں آپ کو قرآن سناؤں حالانکہ آپ پر تو خود قرآن مجید نازل ہوا ہے' آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ میں کسی اور سے قرآن سنوں' میں نے سورہ النساء پڑھی جب میں اس آیت پر پہنچا فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا (النساء : ۴۱) میں نے سر اٹھا کر دیکھا یا کسی نے میرے پہلو میں ٹھوکا دیا اور میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۸۰۰)

رسول اللہ ﷺ کا رونا خوف خدا کے غلبہ سے تھا کیونکہ اس سے پہلی آیت میں ہے اللہ تعالیٰ کسی پر ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہیں فرمائیگا۔ اور رسول اللہ ﷺ کی شہادت دینے کا معنی یہ ہے کہ آپ انبیاء صادقین علیہم السلام کے صدق پر گواہی دیں گے' یا انبیاء سابقین کی تقویت کے لیے ان کی امت کے کافروں کے خلاف شہادت دیں گے' اور اس میں ہمارے نبی ﷺ کی عظیم فضیلت ہے کیونکہ تمام نبیوں اور رسولوں کی شہادت آپ کی شہادت سے مانی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کافر اور رسول کی نافرمانی کرنے والے اس دن یہ تمنا کریں گے کہ کاش (ان کو دفن کرکے) ان پر زمین برابر کردی جائے اور وہ اللہ سے کسی بات کو چھپا نہیں سکیں گے۔(النساء : ۴۲)

قیامت کے دن کفار کے مختلف احوال

اس آیت میں رسول کی نافرمانی کرنے والوں کا کافروں پر عطف کیا گیا ہے اور عطف مغائرت کو چاہتا ہے' اس سے یہ

واضح ہوا کہ کفر الگ گناہ ہے اور رسول کی نافرمانی کرنا الگ گناہ ہے اور کافروں کو کفر کی وجہ سے بھی عذاب ہو گا اور رسول کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے بھی عذاب ہو گا' اور کافروں کو رسول کی نافرمانی کی وجہ سے اسی وقت عذاب ہو گا جب یہ مانا جائے کہ کافر فروعی احکام کے بھی مخاطب ہیں۔ نیز اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اس روز کافر یہ تمنا کریں گے کہ ان پر زمین برابر کر دی جائے اس کا ایک معنی یہ ہے کہ وہ تمنا کریں گے کہ ان کو زمین میں دفن کر دیا جائے' دوسرا معنی یہ ہے کہ وہ تمنا کریں گے کہ کاش ان کو دوبارہ زندہ نہ کیا جاتا اور وہ اسی طرح زمین میں مدفون رہتے' تیسرا معنی یہ ہے کہ جب وہ دیکھیں گے کہ جانوروں کو مٹی بنا دیا گیا ہے تو وہ تمنا کریں گے کہ کاش ان کو بھی مٹی بنا دیا جائے۔

پھر فرمایا اور وہ اللہ سے کسی بات کو نہیں چھپا سکیں گے' اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن جب مشرکین دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما رہا ہے جنہوں نے شرک نہیں کیا تو وہ کہیں گے واللہ ربنا ماکنا مشرکین (الانعام : ۲۳) "ہمیں اپنے پروردگار کی قسم ہم شرک کرنے والے نہیں تھے" اس وقت ان کے منہ اور ہاتھ اور پیر ان کے خلاف گواہی دیں گے اور وہ اللہ سے کسی بات کو چھپا نہیں سکیں گے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ سورۃ الانعام میں یہ مذکور ہے کہ کفار یہ کہیں گے کہ ہم شرک کرنے والے نہیں تھے اور اس آیت میں یہ مذکور ہے کہ وہ اللہ سے کسی بات کو چھپا نہیں سکیں گے اور یہ تعارض ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن مختلف احوال ہوں گے' ایک وقت میں وہ کہیں گے کہ ماکنا نعمل من سوء (النحل : ۲۸) "ہم کوئی برا کام نہیں کرتے تھے" اور کہیں گے کہ ہم شرک کرنے والے نہیں تھے اور ایک وقت ہو گا کہ شھد علیھم سمعھم وابصارھم وجلودھم بما کانوا یعملون (حم السجدہ : ۲۰) "ان کے کان' ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے" اس وقت وہ کسی بات کو چھپا نہیں سکیں گے اور یہ تمنا کریں گے کہ کاش ان پر زمین برابر کر دی جائے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى

اے ایمان والو! نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ، حتیٰ کہ تم یہ

تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ

جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں مگر یہ کہ تم مسافر ہو حتیٰ کہ تم غسل کر لو۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ

اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص قضاء حاجت

الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا

کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہو، پھر تم پانی نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لو

طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا

سو تم اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں پر مسح کرو، بیشک اللہ نہایت معاف کرنے والا بہت

غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ

بخشنے والا ہے ○ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں آسمانی کتاب سے حصہ دیا گیا

يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ ؕ وَاللّٰهُ

وہ (خود بھی) گمراہی خریدتے ہیں اور تم کو (بھی) راستہ سے گمراہ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں ○ اور اللہ تمہارے

اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

دشمنوں کو خوب جانتا ہے، اور اللہ تمہارا کافی کارساز اور کافی مددگار ہے ○

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ

یہودیوں میں سے کچھ لوگ اللہ کے کلمات کو ان کی جگہوں سے پھیر دیتے ہیں اور کہتے ہیں

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ

ہم نے سنا اور نافرمانی کی (اور آپ سے کہتے ہیں) سنیے آپ نہ سنائے گئے ہوں اور اپنی زبانیں مروڑ کر دین میں طعنہ زنی

طَعْنًا فِى الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَ

کرتے ہوئے راعنا کہتے ہیں، اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور آپ ہماری بات

انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ

سنیں اور ہم پر نظر فرمائیں تو یہ ان کے لیے بہتر اور درست ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت

فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا

فرمائی ہے سو ان میں سے کم لوگ ہی ایمان لائیں گے ○ اے اہل کتاب! اس کتاب پر ایمان لاؤ

بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا

جس کو ہم نے نازل کیا ہے درآں حالیکہ وہ اس (اصل) کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہے، اس سے پہلے

فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ

کہ ہم بعض چہروں کے نقوش مٹا دیں پھر ان کو ان کی پیٹھ کی جانب پھیر دیں یا ہم ان پر (اس طرح) لعنت کریں جس طرح ہم نے

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ

ہفتہ کے دن والوں پر لعنت کی تھی اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے 0 بیشک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے

وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ

اور جو اس سے کم (گناہ) ہو اس کو جس کے لیے چاہے بخش دیتا ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو یقیناً

افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ

اس نے بہت بڑے گناہ کا بہتان باندھا 0 کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی بیان کرتے ہیں بلکہ اللہ

اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ

ہی جس کو چاہے پاکیزہ کرتا ہے اور ان پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا 0 دیکھیے یہ لوگ کس طرح

يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾ ع

اللہ پر عمداً جھوٹ باندھ رہے ہیں اور ان کے لیے یہی علی الاعلان گناہ کافی ہے 0

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ تم یہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ (النساء: ۴۳)

حالت نشہ میں نماز پڑھنے سے ممانعت کا شان نزول

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ہمارے لیے کھانے کی دعوت کی، اور ہم کو (تحریم شراب سے پہلے) شراب پلائی ہم نے شراب پی اور نماز کا وقت آگیا' انہوں نے نماز پڑھانے کے لیے مجھے امام بنا دیا میں نے پڑھا قل یا یھا الکافرون 0 لا اعبد ما تعبدون و نحن نعبد ما تعبدون (آپ کہیے کہ اے کافرو میں اس کی عبادت نہیں کرتا جس کی تم عبادت کرتے ہو اور ہم اس کی عبادت کرتے ہیں جس کی تم عبادت کرتے ہو) تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ حتیٰ کہ تم یہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۳۰۳۷' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۳۶۷۱)

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے از ابو عبد الرحمن از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ حضرت عبد الرحمن بن عوف اور

حضرت علی نے شراب پی اور نماز حضرت عبدالرحمن بن عوف نے پڑھائی اور ان کو اس آیت کے پڑھنے میں التباس ہو گیا تب یہ آیت نازل ہوئی اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۶۱)

امام ابوبکر جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۲۰۱)

امام حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے اس حدیث میں یہ روایت کیا ہے کہ ایک شخص کو امام بنادیا گیا اور اس نے قرات میں یہ غلطی کی پھر یہ آیت نازل ہوئی' یہ حدیث صحیح الاسناد ہے' امام ذہبی نے بھی اس کو صحیح لکھا ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۳۰۷)

امام ابوالحسن واحدی متوفی ۴۶۸ھ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

(الوسیط ج ۲ ص ۵۶' تفسیر سفیان الثوری' ص ۵۶' تفسیر الزجاج ج ۲ ص ۵۶)

بعض مفسرین نے کہا اس آیت کا معنی ہے جب تم پر نیند کا غلبہ ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور نہ جنابت کی حالت میں مگر یہ کہ تم مسافر ہو حتیٰ کہ تم غسل کرلو۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حالت جنابت میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص سفر میں جنبی ہو جائے اور اس کو غسل کے لیے پانی نہ ملے تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ لے' زجاج نے کہا اس کی حقیقت یہ ہے کہ حالت جنابت میں تم نماز نہ پڑھو' قتبی نے کہا اس آیت میں صلوٰۃ سے مراد موضع الصلوۃ ہے یعنی مسجد' اور اس کا معنی ہے کہ حالت جنابت میں تم مساجد کے قریب نہ جاؤ مگر صرف راستہ گذرنے کے لیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اگر تم بیمار ہو یا تم سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص قضاء حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے مقاربت کی ہو' پھر تم پانی نہ پاؤ تو تم پاک مٹی سے تیمم کرلو' سو تم اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرلو۔

تیمم کی مشروعیت کا سبب

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں گئے' جب مقام بیداء یا ذات الجیش پر پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ کر گر گیا' رسول اللہ ﷺ اس ہار کو تلاش کرنے کے لیے رک گئے' اور آپ کے ساتھ تمام قافلہ رک گیا' اس جگہ پانی تھا اور نہ صحابہ کے ساتھ پانی تھا' صحابہ نے حضرت ابوبکر سے شکایت کی اور کہنے لگے کہ تم نہیں دیکھ رہے کہ (حضرت) عائشہ نے کیا کیا ہے؟ تمام لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ٹھہرا لیا' اس مقام پر پانی ہے اور نہ لوگوں کے ساتھ پانی ہے۔ (یہ شکایت سن کر) حضرت ابوبکر میرے پاس آئے اور اس وقت رسول اللہ ﷺ میرے زانو پر سر رکھے ہوئے محو نیند تھے' حضرت ابوبکر نے مجھے ڈانٹنا شروع کیا اور کہنے لگے تم نے رسول اللہ ﷺ اور تمام صحابہ کو پریشان کیا ہے اور ایسی جگہ روک لیا ہے جہاں بالکل پانی نہیں ہے' نہ صحابہ کے پاس پانی ہے' پھر حضرت ابوبکر ناراض ہو کر جو کچھ ان کے دل میں آیا کہتے رہے اور اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں اپنی انگلی چبھوتے رہے' اور میں رسول اللہ ﷺ کے آرام میں خلل آنے کے خیال سے اپنی جگہ سے مطلقاً" نہیں ہلی' یہاں تک کہ اسی حال میں یعنی جب کہ لوگوں کے پاس پانی نہ تھا' صبح ہو گئی' اس وقت اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم نازل فرمائی' پھر نقباء میں سے حضرت اسید بن حضیر نے کہا اے آل ابوبکر یہ کوئی آپ کی پہلی برکت نہیں ہے! حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم نے اس اونٹ کو کھڑا کیا جس پر میں سوار تھی تو ہار

اس کے نیچے سے نکل آیا۔
(صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۳۶۷، صحیح بخاری، رقم الحدیث : ۳۳۴، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۳۲۰، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۵۶۸)

حضرت عائشہ کے گم شدہ ہار کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے علم کی بحث

اس حدیث میں ہے :
حضرت عائشہ نے فرمایا : ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو اس کے نیچے سے ہار نکل آیا۔
علامہ یحیٰی بن شرف نووی لکھتے ہیں :
صحیح بخاری میں ہے : رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو بھیجا تو اس کو ہار مل گیا (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۳۳۴)
ایک روایت میں دو شخصوں کا ذکر ہے، اور یہ ایک ہی واقعہ ہے، علماء نے کہا ہے کہ جس شخص کو بھیجا وہ حضرت اسید بن حضیر اور اس کے متبعین تھے، وہ گئے تو ان کو کچھ نہیں ملا، پھر واپسی میں حضرت اسید کو اس اونٹ کے نیچے سے وہ ہار مل گیا۔ (شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۱۶۰، مطبوعہ کراچی)

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ابتداء" نہیں بتایا یا اس طرف متوجہ نہیں کیا کہ ہار کہاں ہے کیونکہ اس میں متعدد حکمتیں تھیں اور آپ کی امت کو بہت سے مسائل کی تعلیم دینا تھی بعض ازاں یہ ہیں :

حدیث تیمم سے استنباط شدہ مسائل

علامہ بدر الدین عینی نے بیان کیا کہ اس حدیث سے حسب ذیل مسائل مستنبط ہوتے ہیں :
۱۔ بعض علماء (علامہ ابن حجر عسقلانی) نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ اس جگہ قیام کرنا جائز ہے، جہاں پانی نہ ہو اور اس راستہ پر سفر کرنا جائز ہے جہاں پانی نہ ہو، کیونکہ نبی ﷺ نے ایسی ہی جگہ سفر اور قیام کیا تھا۔
۲۔ کسی شادی شدہ خاتون کی شکایت اس کے والد سے کرنا، خواہ اس کا خاوند موجود ہو، صحابہ کرام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اس لیے شکایت کی تھی کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ سو رہے تھے اور صحابہ کرام آپ کو نیند سے بیدار نہیں کرتے تھے۔
۳۔ کسی فعل کی نسبت اس کے سبب کی طرف کرنا، کیونکہ پانی نہ ملنے کا سبب حضرت عائشہ کے ہار کا گم ہونا تھا۔
۴۔ کسی شخص کا اپنی بیٹی کے پاس جانا خواہ اس وقت اس کا خاوند موجود ہو، جب اس کو یہ معلوم ہو کہ اس کا خاوند اس پر راضی ہو گا۔
۵۔ کسی شخص کا اپنی بیٹی کو سرزنش کرنا خواہ وہ بیٹی شادی شدہ ہو اور صاحب منصب ہو۔
۶۔ اگر کسی شخص کو ایسی تکلیف یا آفت پہنچے جو حرکت اور اضطراب کا موجب ہو تو وہ صبر کرے اور اپنے جسم کو ہلنے سے باز رکھے جب کہ اس کی حرکت سے کسی سونے والے، بیمار یا نمازی یا قاری یا علم میں مشغول شخص کی تشویش اور بے آرامی کا خدشہ ہو۔
۷۔ سفر میں تہجد کی رخصت، یہ اس قول پر ہے کہ آپ پر تہجد کی نماز واجب تھی۔
۸۔ پانی کو تلاش کرنا صرف اس وقت واجب ہوتا ہے جب نماز کا وقت آجائے، کیونکہ عمرو بن حارث کی روایت میں ہے نماز کا وقت آگیا تب پانی کو تلاش کیا گیا۔

۹۔ آیت وضو کے نازل ہونے سے پہلے وضو واجب تھا' اسی وجہ سے ان کو بہت تشویش اور صدمہ لاحق ہوا کہ وہ ایسی جگہ ٹھہرے ہیں جہاں پانی نہیں ہے' اور حضرت ابوبکر نے حضرت عائشہ پر ناراضگی کا اظہار کیا' علامہ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ تمام اہل سیرت اس پر متفق ہیں کہ جب سے نبی ﷺ پر نماز فرض ہوئی ہے' آپ نے وضو کے ساتھ نماز پڑھی ہے (آیت وضو آیت تیمم کے ساتھ نازل ہوئی ہے یہ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۶ ہے) اگر یہ اعتراض ہو کہ وضو پہلے ہی واجب تھا تو آیت وضو کو نازل کرنے میں کیا حکمت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تاکہ وضو کی فرضیت کی آیت کی قرآن مجید میں تلاوت ہو۔ نیز پہلے وضو کی فرضیت سنت سے تھی اور اب وضو کی فرضیت قرآن مجید سے ہو گئی' بعض روایت میں ہے کہ حضرت اسلع اعرجی' جو نبی ﷺ کے لیے سواری لاتے تھے ایک دن انہوں نے نبی ﷺ سے کہا میں جنبی ہوں تو تیمم کی آیت نازل ہو گئی' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا واقعہ بھی ہار گم ہونے والے دن پیش آیا ہو کیونکہ وہی نبی ﷺ کی خدمت کرتا تھا اور سواری والا تھا۔

۱۰۔ اس حدیث میں تیمم میں نیت کے وجوب پر دلیل ہے کیونکہ تیمم کا معنی ہے قصد کرو۔

۱۱۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ تندرست' مریض' بے وضو اور جنبی سب کے لیے تیمم مشروع ہے' حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما جنبی کے لیے تیمم جائز نہیں قرار دیتے تھے' لیکن فقہاء میں سے کسی نے ان کے قول پر عمل نہیں کیا' کیونکہ احادیث صحیحہ میں جنبی کے لیے تیمم کا جواز ثابت ہے۔

۱۲۔ اس حدیث میں سفر میں تیمم کرنے کے جواز کی دلیل ہے' اس پر سب کا اجماع ہے' اور حضر میں تیمم کرنے میں اختلاف ہے' امام مالک اور ان کے اصحاب کا مسلک یہ ہے کہ سفر اور حضر میں تیمم کرنا مساوی ہے' جب پانی نہ ملے' یا مرض یا خوف شدید یا وقت نکلنے کے خوف سے پانی کو استعمال کرنا مشکل ہو' علامہ ابو عمرو ابن عبدالبر مالکی نے کہا کہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا بھی یہی قول ہے' امام شافعی نے کہا جو شخص تندرست ہو اور مقیم ہو اس کے لیے تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔ الا یہ کہ اس کو اپنی جان کی ہلاکت کا خوف ہو' علامہ طبری نے کہا امام ابویوسف اور امام زفر کے نزدیک مقیم کے لیے مرض اور خروج وقت کے خوف کی وجہ سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے' امام شافعی' لیث اور طبری نے یہ بھی کہا ہے کہ جب خروج وقت کا خوف ہو تو تندرست اور بیمار دونوں تیمم کر سکتے ہیں' وہ نماز پڑھ لیں اور ان پر اعادہ لازم ہے' اور عطاء بن ابی رباح نے یہ کہا ہے کہ جب پانی دستیاب ہو تو مریض اور غیر مریض دونوں تیمم نہ کریں۔ میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن عبدالبر کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ خروج وقت کے خوف سے تیمم جائز ہے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک مقیم کے لیے خروج وقت کے خوف کے سبب سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۳۔ امن کے زمانہ میں ازواج کے ساتھ سفر کرنا جائز ہے اگر ایک شخص کی کئی بیویاں ہوں تو وہ کسی ایک کو ساتھ لے جائے' اور قرعہ اندازی کر کے اس کو لے جانا مستحب ہے جس کے نام کا قرعہ نکلے' امام مالک' امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک قرعہ اندازی کرنا واجب ہے۔

جنبی کے لیے جواز تیمم میں صحابہ کا اختلاف

جنبی کے لیے تیمم کرنے میں صحابہ کا اختلاف تھا' حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما اس سے منع کرتے تھے اور جمہور صحابہ کے نزدیک جنبی کے لیے تیمم کرنا جائز تھا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

ابزی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا میں جنبی ہو گیا اور مجھے پانی نہیں مل سکا' حضرت عمر نے فرمایا نماز مت پڑھ۔ حضرت عمار کہنے لگے' اے امیر المومنین کیا آپ کو یاد نہیں جب میں اور آپ ایک سفر میں تھے۔ ہم دونوں جنبی ہو گئے اور ہمیں پانی نہیں ملا۔ آپ نے بہرحال نماز نہیں پڑھی' لیکن میں زمین پر لوٹ پوٹ ہو گیا' اور میں نے نماز پڑھ لی (جب حضور کی خدمت میں میں پہنچا اور واقعہ عرض کیا) تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا : تمہارے لیے اتنا کافی ہے کہ تم دونوں ہاتھ زمین پر مارتے پھر پھونک مار کر گرد اڑا دیتے' پھر ان کے ساتھ اپنے چہرہ اور ہاتھوں پر مسح کرتے' حضرت عمر نے کہا اے عمار خدا سے ڈرو' حضرت عمار نے کہا اگر آپ فرمائیں تو میں یہ حدیث کسی اور سے نہ بیان کروں' امام مسلم نے ایک اور سند بیان کر کے یہ اضافہ کیا کہ حضرت عمار کے جواب کے بعد حضرت عمر نے فرمایا ہم تمہاری روایت کا بوجھ تمہیں پر ڈالتے ہیں۔

شقیق بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا' حضرت ابو موسیٰ نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے مخاطب ہو کر فرمایا' اگر کسی شخص پر غسل فرض ہو اور اس کو ایک ماہ تک پانی نہ مل سکے تو وہ شخص کس طرح نمازیں پڑھے گا' حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا وہ شخص تیمم نہ کرے خواہ اس کو ایک ماہ تک پانی نہ ملے' حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا' پھر آپ سورۂ مائدہ کی اس آیت کا کیا جواب دیں گے۔ فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا "جب تم کو پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی سے تیمم کرو" حضرت عبداللہ نے فرمایا مجھے خدشہ ہے کہ اگر اس آیت کی بناء پر لوگوں کو تیمم کی اجازت دے دی جائے تو وہ پانی ٹھنڈا لگنے کی بناء پر بھی تیمم کرنا شروع کر دیں گے۔ حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا کیا آپ نے حضرت عمار کی یہ حدیث نہیں سنی' انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کسی کام کے لیے بھیجا' راستہ میں (جب میں سویا تو) مجھ پر غسل فرض ہو گیا۔ پس میں خاک پر اسی طرح لوٹ پوٹ ہونے لگا' جس طرح جانور لوٹ پوٹ ہوتے ہیں' پھر جب میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا' اور اس واقعہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا تمہارے لیے یہ کافی تھا کہ تم اس طرح کرتے پھر آپ نے دونوں ہاتھ زمین پر ایک مرتبہ مارے اور بائیں ہاتھ سے دائیں پر مسح کیا اور دونوں ہتھیلیوں کی پشت پر اور چہرہ پر مسح کیا' حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا کیا تمہیں پتہ نہیں کہ حضرت عمر نے حضرت عمار کی حدیث پر اطمینان نہیں کیا تھا۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۳۶۸' صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۳۴۶۔۳۴۰' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۳۲۲۔۳۲۱)

نیز امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ بیان کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ایک سرد رات کو جنبی ہو گئے' انہوں نے یہ آیت پڑھی ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما' پھر انہوں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے ان کو ملامت نہیں کی۔ (صحیح البخاری کتاب التیمم باب : ۷)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا بعض مسائل میں اختلاف ہوتا تھا لیکن وہ ایک دوسرے کو طعن تشنیع نہیں کرتے تھے اور فروعی مسائل میں اختلاف کو وسعت ظرف سے لیتے تھے' اگر اس قسم کا اختلاف آج کے مسلمانوں میں ہو تو ایک دوسرے کے خلاف نہ جانے کتنے رسالے لکھے جائیں اور ایک دوسرے کی تکفیر کی جائے اور آپس میں جوتم پیزار

شروع ہو جائے۔

تیمم کی تعریف' اس کی شرائط اور مذاہب فقہاء

تیمم' کتاب' سنت اور امت مسلمہ کے اجماع سے ثابت ہے' تیمم کی خصوصیت سے اللہ تعالیٰ نے صرف اس امت کو سرفراز کیا ہے' امت کا اس پر اجماع ہے کہ حدث اصغر ہو یا حدث اکبر' تیمم صرف چہرے اور ہاتھوں پر کیا جاتا ہے' ہمارا اور جمہور کا اس پر اجماع ہے کہ تیمم کے لیے دو ضربیں (دو بار پاک مٹی پر ہاتھ مارنا) ضروری ہیں' ایک ضرب سے چہرے پر مسح کیا جائے اور ایک ضرب سے کہنیوں سمیت ہاتھوں پر مسح کیا جائے' حضرت علی بن ابی طالب' حضرت عبداللہ بن عمر' حسن بصری' شعبی' سالم بن عبداللہ بن عمر' سفیان ثوری' امام مالک' امام ابوحنیفہ' اصحاب رائے اور دوسرے تمام فقہاء رضی اللہ عنہم کا یہی مسلک ہے' عطاء' مکحول' اوزاعی' امام احمد' اسحٰق' ابن المنذر' اور عامۃ المحدثین کا مسلک یہ ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کے لیے صرف ایک ضرب واجب ہے۔ زہری نے یہ کہا ہے کہ ہاتھوں پر بغلوں تک مسح کرنا واجب ہے' علامہ خطابی نے کہا ہے کہ اس میں علماء کا اختلاف نہیں ہے کہ کہنیوں سے ماوراء تیمم نہیں ہے' اور ابن سیرین سے منقول ہے کہ تیمم میں تین ضربات ہیں' ایک ضرب چہرے کے لیے دوسری ضرب ہتھیلیوں کے لیے اور تیسری ضرب کلائیوں کے لیے۔

علماء کا اس پر اجماع ہے' تیمم حدث اصغر کے لیے بھی ہے اور حدث اکبر (جنبی' حائض اور نفساء) کے لیے بھی ہے' سلف اور خلف میں سے اس کا کوئی مخالف نہیں ہے' ماسوا حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے ایک قول کے' یہ بھی روایت ہے کہ ان دونوں نے اس قول سے رجوع کر لیا تھا' جنبی کے لیے تیمم کے جواز کے ثبوت میں بہ کثرت احادیث مشہورہ مروی ہیں' جب جنبی تیمم سے نماز پڑھ لے تو اس پر غسل کرنا بالاجماع واجب ہے' اس میں صرف ابوسلمہ عبدالرحمٰن تابعی کا قول مخالف ہے لیکن یہ قول بالاجماع متروک ہے' اور احادیث صحیحہ مشہورہ میں وارد ہے کہ جب پانی مل گیا تو نبی ﷺ نے جنبی کو غسل کرنے کا حکم دیا۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۳۴۴) اگر مسافر کے پاس پانی نہ ہو تو وہ پھر بھی اپنی بیوی سے جماع کر سکتا ہے' وہ (اگر اتنا پانی ہو تو) اپنی شرمگاہوں کو دھو کر تیمم کریں اور نماز پڑھ لیں اور اگر انہوں نے اپنی شرمگاہیں دھو لیں تو ان پر نماز کا اعادہ نہیں ہے' اور اگر مرد نے اپنے آلہ کو نہیں دھویا اور اس پر رطوبت فرج لگی ہوئی تھی جس قول کے مطابق رطوبت فرج نجس ہے اس کو نماز کا اعادہ کرنا ہو گا ورنہ نہیں' جس شخص نے کسی مرض یا زخم کی وجہ سے تیمم کیا تو اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہے اور جس نے پانی کے نہ ہونے کی وجہ سے تیمم کیا تو اگر وہ ایسی جگہ ہے جہاں پر غالباً" پانی نہیں ہوتا" مثلاً سفر میں ہے تو اس پر اعادہ واجب نہیں ہے' اور اگر ایسی جگہ ہے جہاں پر کبھی کبھی پانی نہیں ہوتا اور اکثر ہوتا ہے تو اس پر نماز کا اعادہ ہے (جو شخص ڈیڑھ انگریزی میل کی مسافت پر شہر سے دور ہو اور اس کو پانی دستیاب نہ ہو تو وہ فقہاء احناف کے نزدیک تیمم کر سکتا ہے اور اس پر نماز کا اعادہ نہیں ہے۔ ہدایہ)

امام شافعی' امام احمد' ابن المنذر' داؤد ظاہری اور اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ تیمم صرف ایسی پاک مٹی کے ساتھ جائز ہے جس کا غبار عضو کے ساتھ لگ جائے' اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک یہ کہتے ہیں کہ زمین کی تمام اقسام سے تیمم کرنا جائز ہے' حتیٰ کہ دھلے ہوئے پتھر سے بھی تیمم کرنا جائز ہے' اور بعض اصحاب مالک نے یہ کہا ہے کہ جو چیز زمین کے ساتھ متصل ہو' اس کے ساتھ تیمم کرنا بھی جائز ہے اور برف کے متعلق ان کی دو روایتیں ہیں' اور اوزاعی اور سفیان ثوری نے یہ

کہا کہ برف اور ہر وہ چیز جو زمین پر ہو اس کے ساتھ تیمم کرنا جائز ہے۔

تیمم کے بعض مسائل

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو جہم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیر جمل (مدینہ کے قریب ایک جگہ) کی طرف جا رہے تھے ایک مسلمان نے آپ کو سلام کیا' آپ نے اس کو سلام کا جواب نہیں دیا حتیٰ کہ آپ ایک دیوار کے پاس گئے اور تیمم کر کے اس کو جواب دیا۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۳۶۹)

یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ اس وقت پانی نہیں تھا کیونکہ جب پانی موجود ہو اور اس کے استعمال پر قدرت ہو تو تیمم جائز نہیں ہے' خواہ فرض نماز' نماز عید' یا نماز جنازہ کے فوت ہونے کا خوف ہو' یہ امام شافعی کا مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ عید اور جنازہ کے فوت ہونے کے خوف کی وجہ سے تیمم جائز ہے' کیونکہ ان کی قضاء نہیں ہے۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مٹی کی جنس سے تیمم کرنا ضروری ہے اور اس پر غبار ہونا ضروری نہیں جیسا کہ احناف کا مذہب ہے کیونکہ عام طور پر دیوار پر غبار نہیں ہوتا۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ دیوار کے مالک کی اجازت کے بغیر آپ نے کیسے تیمم کر لیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ دیوار مباح تھی یا کسی ایسے شخص کی دیوار تھی جس کو آپ جانتے تھے اور آپ کو علم تھا کہ آپ کے تصرف سے اس کو اعتراض نہیں ہو گا' اس حدیث میں نوافل کے لیے تیمم کرنے پر بھی دلیل ہے' پیشاب کرتے وقت جس نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے اس کا فوراً جواب نہیں دیا' اس میں یہ دلیل ہے کہ قضاء حاجت کے وقت سلام کرنا مکروہ ہے اور اگر کوئی سلام کرے تو اس حالت میں اس کا جواب دینا بھی مکروہ ہے اسی طرح اس حالت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا ذکر کرنا بھی مکروہ ہے۔ اسی طرح جماع کی حالت میں بھی ذکر کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اس حال میں مطلقاً" کلام کرنا مکروہ تنزیہی ہے لیکن ضرورت کے مواقع مستثنیٰ ہیں مثلاً کسی نابینا کو کوئیں کی طرف بڑھتا ہوا دیکھے تو بتا دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں آسمانی کتاب سے حصہ دیا گیا وہ (خود بھی) گمراہی خریدتے ہیں اور تم کو (بھی) راستہ سے گمراہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ (النساء: ۴۴)

حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد یہود ہیں (جامع البیان ج ۵ ص ۴۷) زجاج نے کہا وہ لوگوں سے رشوت لینے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق پر ترجیح دیتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ مسلمان بھی اسلام کو چھوڑ کر گمراہ ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے' اور اللہ کافی کارساز اور کافی مددگار ہے۔ (النساء: ۴۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمایت اور اس کی نصرت تم کو دوسروں سے مستغنی کر دے گی۔ خصوصاً" یہودیوں سے جن کی نصرت کی تم توقع رکھتے ہو' زجاج نے کہا ہے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو یہ خبر دی ہے کہ یہود اور دوسرے کافروں کی دشمنی تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی جب کہ اللہ تعالیٰ کی حمایت اور نصرت تمہارے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہودیوں میں سے کچھ لوگ اللہ کے کلمات کو ان کی جگہوں سے پھیر دیتے ہیں' اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نافرمانی کی' اور آپ سے کہتے ہیں سنیے آپ نہ سنائے گئے ہوں اور اپنی زبانیں مروڑ کر دین میں طعنہ زنی کرتے ہوئے راعنا کہتے ہیں' اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور آپ ہماری بات سنیں اور ہم پر نظر فرمائیں تو یہ ان کے لیے بہتر اور درست ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت فرمائی ہے' سو ان میں سے کم لوگ ہی ایمان لائیں گے۔ (النساء : ۴۶)

یہود کی تحریف کا بیان

کلبی اور مقاتل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کی صفات' آپ کی بعثت کے زمانے اور آپ کی نبوت کے متعلق یہود کی کتاب میں جو پیش گوئیاں تھیں وہ ان کو بدل دیتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ ہم نے آپ کی بات سنی اور اس کی نافرمانی کی' اور اپنی زبان مروڑ کر آپ سے راعنا کہتے تھے اور یہ ان کی لغت میں گالی تھی۔ قتبی نے کہا ہے کہ جب نبی ﷺ کوئی حدیث فرماتے یا کوئی حکم دیتے تو وہ کہتے تھے ہم نے سن لیا اور دل میں کہتے تھے کہ ہم نے نافرمانی کر لی' اور جب وہ نبی ﷺ سے کوئی بات کرنے کا ارادہ کرتے تو کہتے تھے اے ابوالقاسم سنیے اور اپنے دل میں کہتے تھے کہ آپ نہ سنیں' اور وہ آپ سے راعنا کہتے تھے اور اس لفظ سے یہ معنی ظاہر کرتے تھے کہ آپ ان پر نظر رحمت فرمائیں اور زبان مروڑ کر اس سے اپنے دل میں رعونت کا معنی لیتے تھے اور اگر وہ سمعنا و عصینا کی بجائے سمعنا واطعنا کہتے اور واسمع غیر مسمع اور راعنا کی جگہ انظرنا کہتے ہیں تو یہ بہت بہتر اور بہت درست ہوتا' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کر دی ہے' یعنی نبی ﷺ کی اس توہین کی سزا میں ان کو دنیا میں رسوا کر دیا اور آخرت میں ان کو اپنی رحمت سے بالکلیہ دور کر دیا' سو ان میں سے بہت کم لوگ ایمان لائیں گے' اور یہ وہ لوگ ہیں جو اہل کتاب ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی جناب میں ایسا لفظ کہنا جس کا ظاہری معنی توہین کا موہم ہو کفر ہے' اس کی پوری تفسیر ہم نے تبیان القرآن جلد اول البقرہ : ۱۰۴ میں بیان کر دی ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر لعنت فرمائی ہے اس لیے ہم یہاں کسی شخص پر لعنت کرنے کی تحقیق کر رہے ہیں۔

لعنت کی اقسام اور کسی شخص پر لعنت کرنے کی تحقیق

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

لعنت کا معنی ہے کسی شخص کو رد کرنا اور ازروئے غضب کسی شخص کو دھتکارنا' آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت کا معنی ہے اس کو سزا اور عذاب دینا اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کی لعنت کا معنی ہے اس پر رحمت نہ فرمانا' اور اس کو نیکی کی توفیق نہ دینا' اور جب انسان کسی پر لعنت کرے تو اس کا معنی ہے اس کو بددعا دینا۔ (المفردات ص ۴۵۱' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۶۲ھ)

(۱) فسق اور ظلم پر علی الاطلاق لعنت کرنا جائز ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے : لعنة الله على الكاذبين (آل عمران : ۶۱) لعنة الله على الظالمين (الاعراف : ۴۴)

(۲) کسی معین شخص پر لعنت کرنا جس کا معنی یہ ہو کہ وہ اللہ کی رحمت سے مطلقاً مردود ہے یہ اس شخص کے سوا اور کسی پر جائز نہیں ہے جس کی کفر پر موت قطعی اور یقینی ہو جیسے ابولہب اور ابوجہل اور دیگر مقتولین بدر و احد' اور جس کی کفر پر

موت قطعی اور یقینی نہ ہو اس پر یہ لعنت نہیں کی جائے گی خواہ وہ مشہور فاسق ہو جیسے یزید۔

(۴) علامہ قہستانی نے لکھا ہے کہ جب کفار پر لعنت کی جائے تو شرعاً" اس کا معنی ہے اللہ کی رحمت سے بالکلیہ دور کرنا' اور جب مومنین پر لعنت کی جائے تو اس کا معنی ہے ان کو ابرار اور مقربین کے درجہ سے دور کرنا' البحر الرائق کی بحث لعان میں ہے کیا معین کاذب پر لعنت کرنا جائز ہے؟ میں کہتا ہوں کہ غایۃ البیان کے باب العدۃ میں مذکور ہے حضرت ابن مسعود نے فرمایا جو شخص چاہے میں اس سے مباہلہ کرلوں اور مباہلہ کا معنی ہے ایک دوسرے پر لعنت کرنا' اور جب ان کا کسی چیز میں اختلاف ہوتا تو وہ کہتے تھے کہ جھوٹے پر خدا کی لعنت ہو' اور فقہاء نے کہا یہ لعنت ہمارے زمانہ میں بھی مشروع ہے' قرآن مجید میں مومن پر لعن معین کا ثبوت ہے جب لعان میں پانچوں دفعہ اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگانے والا مرد کہتا ہے:

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ (النور: ۷) اور پانچویں گواہی یہ ہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ مومن پر لعنت کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کو مقربین اور ابرار کے درجہ سے دور کیا جائے نہ کہ اللہ کی رحمت سے بالکلیہ دور کیا جائے۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۵۴۱ "مختصراً" مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے اہل کتاب! اس کتاب پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل کیا ہے در آں حالیکہ وہ اس (اصل) کتاب کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہے' اس سے پہلے کہ ہم بعض چہروں کے نقوش مٹا دیں پھر ان کو ان کی پیٹھ کی جانب پھیر دیں' یا ہم ان پر اس طرح لعنت کریں جس طرح ہم نے ہفتہ کے دن والوں پر لعنت کی تھی' اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے۔

اس آیت کا معنی ہے اے اہل کتاب قرآن مجید کی تصدیق کرو جو توحید' رسالت' مبداء اور معاد اور بعض احکام شرعیہ میں تورات کے موافق ہے' اس سے پہلے کہ ہم بعض چہروں کے نقوش مٹا دیں' یعنی آنکھوں اور ناک کی بناوٹ کے ابھار کو دھنسا کر چہرے کو بالکل سپاٹ بنا دیں یا چہرے کو گدی کی جانب لگا دیں' اس میں اختلاف ہے کہ یہ وعید دنیا کے متعلق ہے یا آخرت کے۔

امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ حسن بصری نے کہا اس آیت کا معنی ہے کہ اے اہل کتاب! قرآن مجید پر ایمان لے آؤ اس سے پہلے کہ تم کو ہدایت سے پھیر کر گمراہی کی طرف لوٹا دیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن صوریا' کعب بن اسد اور دیگر علماء یہود سے فرمایا: اے یہود! اللہ سے ڈرو اور اسلام لے آؤ بہ خدا تم کو یقین ہے کہ میں جس دین کی دعوت لے کر آیا ہوں وہ حق ہے' انہوں نے کہا اے محمد (ﷺ) ہم اس دین کو نہیں جانتے انہوں نے انکار کیا اور کفر پر اصرار کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

عیسیٰ بن مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی عالم کعب احبار بیت المقدس کی طرف جا رہے تھے انہوں نے حمص میں ایک شخص سے یہ آیت سنی تو ان پر دہشت طاری ہو گئی اور انہوں نے کہا اے رب میں ایمان لاتا ہوں اور اس سے پہلے کہ مجھے یہ وعید پہنچے میں اسلام قبول کرتا ہوں۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۷۹)

یا اس سے پہلے ایمان لے آئیں کہ ہم ان پر اس طرح لعنت کریں جس طرح ان لوگوں پر لعنت کی تھی جن کو ہفتہ

کے دن شکار کرنے سے منع کیا گیا تھا اور پھر انہوں نے ہفتہ کے دن شکار کیا یعنی جس طرح ہم نے ان لوگوں کی صورتیں مسخ کر کے انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس سے کم گناہ ہو اس کو جس کے لیے چاہے بخش دیتا ہے' اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو یقیناً اس نے بہت بڑے گناہ کا بہتان باندھا۔ (النساء : ۴۸)

شرک کی تعریف

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

شرک کا لغوی معنی ہے دو یا دو سے زیادہ لوگ کسی ایک معین چیز کے مالک ہوں تو وہ دونوں اس کی ملکیت میں شریک ہیں' اور دین میں شرک یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کا شریک ٹھہرائے اور یہ سب سے بڑا کفر ہے اور شرک صغیر یہ ہے کہ بعض کاموں میں اللہ کے ساتھ غیر اللہ کی بھی رعایت کرے جیسے ریاء اور نفاق۔

(المفردات ص ۲۶۰' المکتبۃ المرتضویہ ایران' ۱۳۶۲ھ)

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ لکھتے ہیں :

شرک کرنے کی تعریف یہ ہے : کسی شخص کو الوہیت میں شریک ماننا جیسے مجوس اللہ کے سوا واجب الوجود مانتے ہیں یا اللہ کے سوا کسی کو عبادت کا مستحق مانتے ہیں جیسا کہ بت پرست اپنے بتوں کو عبادت کا مستحق مانتے ہیں۔

(شرح عقائد نسفی ص ۶۱' مطبوعہ مطبع یوسفیہ ہند)

کیا چیز شرک ہے اور کیا چیز شرک نہیں ہے

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو واجب بالذات یا قدیم بالذات ماننا' یا اللہ کے سوا کسی کی کوئی صفت مستقل بالذات ماننا (مثلاً یہ اعتقاد رکھنا کہ اس کو از خود علم ہے یا از خود قدرت ہے) یا کسی کو اللہ کے سوا عبادت کا مستحق ماننا' (مثلاً کسی کو سجدہ عبودیت کرنا' یا کسی کو اس اعتقاد سے مصائب میں پکارنا کہ وہ از خود سن لے گا یا از خود مدد کرے گا' یا جو عبادات اللہ کے ساتھ خاص ہیں ان کو غیر اللہ کے لیے بجالانا' مثلاً کسی بزرگ کی نذر ماننا یا کسی کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ اپنی قدرت سے رزق اور اولاد دیتا ہے' بارش برساتا ہے' بلاؤں کو ٹالتا ہے نفع پہنچانا اور ضرر دینا اس کی ذاتی قدرت میں ہے یا حانث ہونے کے قصد سے کسی کے نام کی قسم کھانا یہ تمام امور شرک ہیں)

مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ نے لکھا ہے کہ کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہو گئی یہ بھی شرک ہے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۴۳۰)

یہ تعریف دو وجہ سے صحیح نہیں ہے کیونکہ شرک کا تعلق کسی چیز کو سمجھنے اور جاننے سے نہیں ہے' ماننے اور اعتقاد کرنے سے ہے' ثانیاً اس وجہ سے کہ کوئی کسی شخص کو دور سے پکارے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اس کو خبر ہو گئی۔ یہ اس وقت شرک ہو گا جب وہ یہ اعتقاد رکھے کہ وہ بے عطائے غیر مستقل سننے والا ہے' شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ کی اس سلسلہ میں بہت محتاط عبارت ہے وہ لکھتے ہیں :

یہ خود معلوم آپ کو ہے کہ ندا غیر اللہ تعالیٰ کو کرنا دور سے شرک حقیقی جب ہوتا ہے کہ ان کو عالم سامع مستقل

عقیدہ کرے ورنہ شرک نہیں، مثلاً یہ جانے کہ حق تعالیٰ ان کو مطلع فرمادیوے گا' یا باذنہ تعالیٰ انکشاف ان کو ہو جائے گا یا باذنہ تعالیٰ ملائکہ پہنچادیویں گے جیسا درود کی نسبت وارد ہے یا محض شوقیہ کہتا ہو محبت میں یا عرض حال محل تحسر و حرمان میں کہ ایسے مواقع میں اگرچہ کلمات خطابیہ بولتے ہیں لیکن ہرگز نہ مقصود اسماع ہوتا ہے نہ عقیدہ' پس ان ہی اقسام سے کلمات مناجات و اشعار بزرگان کے ہوتے ہیں کہ فی حد ذاتہ نہ شرک نہ معصیت۔

(فتاوی رشیدیہ کامل مبوب ص ۶۸' مطبوعہ ناشران محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی)

اسی طرح مفتی محمد شفیع نے کسی کو سجدہ کرنا بھی شرک لکھا ہے' جب کہ اس میں بھی تفصیل ہے' سجدہ عبودیت شرک ہے اور سجدہ تعظیم ہماری شریعت میں حرام ہے سابقہ شریعتوں میں جائز تھا۔

کسی کی قبر یا مکان کا طواف کرنا بھی شرک لکھا ہے' جب کہ اس میں بھی تفصیل ہے اگر عبادت کی نیت سے قبر کا طواف کرے اور یہ مسلمان کے حال سے بہت بعید ہے تو یہ شرک ہے اور اگر تعظیم کی وجہ سے طواف کرے جیسا کہ اکثر جاہل مسلمان کرتے ہیں تو یہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

کسی کے روبرو رکوع کی طرح جھکنا' اس کو بھی شرک لکھا ہے' جب کہ عبادت کی نیت سے شرک ہے خواہ حد رکوع تک ہو یا اس سے کم ہو اور تعظیم کی نیت سے حد رکوع تک جھکنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

دنیا کے کاروبار کو ستاروں کی تاثیر سے سمجھنا اس کو بھی شرک لکھا ہے' حالانکہ ان کو صرف موثر حقیقی ماننا شرک ہے' نیز ہم نے پہلے بھی لکھا ہے کہ کسی چیز کو جاننا اور سمجھنا شرک نہیں ہوتا اعتقاد اور ماننا شرک ہوتا ہے' اور اگر کوئی شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ ستارے نظام عالم میں اللہ کی قدرت کی علامات ہیں اور مثلاً کہے کہ فلاں ستارہ کی وجہ سے بارش ہوئی تو یہ کفر نہیں ہے۔ البتہ مکروہ ہے۔ (شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۵۹' مطبوعہ کراچی)

اور کسی مہینہ کو منحوس سمجھنا اس کو بھی شرک لکھا ہے (معارف القرآن ج ۲ ص ۴۳۰) اس سے قطع نظر کر کے کہ سمجھنے کا شرک سے تعلق نہیں ہے' نحوست کا اعتقاد شرک نہیں ہے بلکہ خلاف واقع اور خلاف شرع ہے رسول اللہ ﷺ نے بدشگونی لینے سے منع فرمایا ہے لیکن اگر کسی نے کسی چیز کو منحوس سمجھا تو وہ گنہ گار ہو گا مشرک نہیں ہو گا۔

زیر بحث آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شرک کے سوا ہر گناہ بخش دیا جائے گا خواہ صغیرہ گناہ ہو یا کبیرہ اس پر توبہ کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو' اور اس آیت میں معتزلہ اور خوارج کا صراحۃً رد ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے رب کے پاس سے آنے والے نے مجھے بشارت دی کہ میری امت میں سے جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ اس نے شرک نہ کیا ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ میں نے کہا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو یا چوری کی ہو آپ نے فرمایا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو یا چوری کی ہو۔

(صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۱۲۳۷' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۹۴' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۷۸۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اس نے یقیناً بہت بڑے گناہ کا بہتان باندھا۔

(النساء : ۴۸)

اس کا معنی ہے جس شخص نے ایسا گناہ کیا جس کی مغفرت نہیں کی جائے گی اور وہ شرک ہے' اور اس کا دوسرا معنی ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا۔ افتری کا لفظ فری سے ماخوذ ہے فری کا معنی ہے قطع کرنا اور جیسے کسی چیز کو کاٹا جائے

وہ عموماً فاسد ہو جاتی ہے اس لیے افتری کا معنی بہ طور غلبہ کے فساد ہو گیا اور قرآن مجید میں یہ لفظ ظلم، کذب اور شرک کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنی پاکیزگی بیان کرتے ہیں بلکہ اللہ ہی جس کو چاہے پاکیزہ کرتا ہے اور ان پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (النساء : ۵۰)

اپنی پاکیزگی اور فضیلت بیان کرنے کی ممانعت

تزکیہ کا معنی ہے صفاء باطن اور اس آیت میں جو اپنے تزکیہ سے منع فرمایا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اپنے متعلق یہ نہ کہو کہ ہم گناہوں سے پاک ہیں اور اپنی تعریف اور ستائش نہ کرو۔ امام ابن جریر نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ یہود یہ کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور ہمارا کوئی گناہ نہیں ہے، ضحاک نے بیان کیا ہے کہ یہود یہ کہتے تھے کہ ہمارے گناہ صرف اتنے ہیں جتنے ہمارے نوزائیدہ بچوں کے گناہ ہوتے ہیں جس دن وہ پیدا ہوئے ہوں اگر ان کے گناہ ہیں تو ہمارے بھی گناہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا دیکھو یہ کس طرح اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان کے لیے یہی کھلا گناہ کافی ہے۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۸۱)

رسول اللہ ﷺ نے ایسے نام رکھنے سے بھی منع فرمایا ہے جن سے اپنی پاکیزگی اور اپنی تعریف کا اظہار ہوتا ہو۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ زینب کا نام برہ (نیکی کرنے والی) تھا ان سے کہا گیا کہ تم اپنی پارسائی بیان کرتی ہو! تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا نام زینب رکھ دیا۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۱۴۱)

محمد بن عمرو بن عطاء بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی بیٹی کا نام برہ رکھا، تو مجھ سے زینب بنت ابی سلمہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس نام سے منع کیا ہے میرا نام برہ رکھا گیا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنی پارسائی نہ بیان کرو اللہ ہی جانتا ہے کہ تم میں سے کون نیکی کرنے والا ہے، مسلمانوں نے کہا پھر ہم اس کا کیا نام رکھیں؟ آپ نے فرمایا اس کا نام زینب رکھو۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۱۴۲، صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۶۱۹۲)

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ چار نام اپنے بیٹوں کے نہ رکھو افلح (بہت فلاح پانے والا) رباح (نفع حاصل کرنے والا) یسار (آسانی کرنے والا) نافع (نفع پہنچانے والا) (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۱۳۶)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

مقدام بن شریح اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ اپنی قوم کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے تو آپ نے سنا کہ لوگ ان کو ابو الحکم کی کنیت کے ساتھ پکار رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کو بلا کر فرمایا : اللہ تعالیٰ ہی حکم (فیصلہ کرنے والا) ہے اور اسی کی طرف حکم راجع ہوتا ہے۔ تم نے اپنی کنیت ابو الحکم کیوں رکھی ہے، انہوں نے کہا جب میری قوم کا آپس میں کسی معاملہ میں اختلاف ہوتا ہے تو وہ میرے پاس آتے ہیں اور میں ان کے درمیان فیصلہ کرتا ہوں، اور دونوں فریق راضی ہو جاتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ بہت اچھی بات ہے تمہاری اولاد بھی ہے؟ اس نے کہا میرے تین بیٹے ہیں شریح، مسلم اور عبد اللہ، آپ نے فرمایا ان میں سے بڑا کون ہے؟ میں نے کہا شریح، آپ نے فرمایا تو تم ابو الشریح ہو۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۹۵۵' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۵۴۰۲' الادب المفرد' رقم الحدیث : ۸۱۳' المستدرک ج ۱ ص ۲۴)

جس شخص کا کسی شخص یا کسی چیز کے ساتھ زیادہ اشتغال ہو وہ اس کے ساتھ کنیت رکھ لیتا ہے' مثلاً حضرت ابو ہریرہ کا بلی سے زیادہ اشتغال تھا تو ان کی کنیت ابو ہریرہ رکھ دی' ابو کا معنی والا یا صاحب ہے اور ابو ہریرہ کا معنی بلی والا ہے' ابو الشریح کا معنی شریح والا ہے' اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ کی صفات کے ساتھ کنیت نہیں رکھنی چاہئے اس اعتبار سے ابو الاعلیٰ کنیت بھی صحیح نہیں ہے۔

غرض صحیح کی بناء پر اپنی پاکیزگی اور اپنی فضیلت بیان کرنے کا جواز

قرآن مجید اور ان احادیث میں اپنی پارسائی اور بڑائی بیان کرنے سے منع فرمایا ہے یہ اس وقت ہے جب انسان کسی پر اپنا تفوق اور برتری ظاہر کرنے کے لیے اپنی بڑائی بیان کرے' لیکن جب اس سے اللہ کی نعمت کا اظہار مقصود ہو یا جب کسی جگہ اپنی پاک دامنی کا اظہار کرنا مقصود ہو یا کسی عیب اور الزام سے اپنی براءت بیان کرنا مطلوب ہو یا اپنا حق اور اپنا مقام حاصل کرنے کے لیے اپنے محامد بیان کرنے مقصود ہوں تو پھر اپنے محامد اور اپنے فضائل اور اپنی براءت اور پاکیزگی کو بیان کرنا جائز ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں اور فخر نہیں ہے' اور حمد کا جھنڈا میرے ہی ہاتھ میں ہو گا اور فخر نہیں ہے' اور تمام بنی آدم ہوں یا ان کے غیر سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور سب سے پہلے میری قبر شق ہو گی اور فخر نہیں ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۱۴۸' ۳۶۱۵' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۴۳۰۸' مسند احمد ج ۳ ص ۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے پوچھا : یا رسول اللہ آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا اس وقت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۶۰۹' المستدرک ج ۲ ص ۶۰۹' دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۱۳۰)

ثمامہ بن حزن قشیری بیان کرتے ہیں کہ جب باغیوں نے حضرت عثمان کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ اس وقت میں ان کے سامنے حاضر تھا' حضرت عثمان نے ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا میں تمہیں اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ آئے تو وہاں چاہ رومہ کے سوا اور کوئی میٹھے پانی کا کنواں نہیں تھا' آپ نے فرمایا چاہ رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لیے کون وقف کرے گا؟ اور اس کے بدلہ میں جنت میں اس سے بہتر چیز لے گا! تو اس کنویں کو میں نے اپنے ذاتی مال سے خریدا تھا اور آج تم نے مجھ پر اس کنویں کا پانی بند کر دیا ہے اور میں سمندر کا کھاری پانی پی رہا ہوں' لوگوں نے کہا اے اللہ! ہاں' حضرت عثمان نے کہا میں تمہیں اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کہ جب مسجد نمازیوں سے تنگ ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : فلاں شخص کی زمین کو خرید کر مسجد کے ساتھ کون لاحق کرے گا؟ اور اس کے بدلہ میں جنت میں اس کو اس سے بہتر چیز مل جائے گی! تو میں نے اپنے ذاتی مال سے زمین کو خریدا اور آج تم مجھ کو اس مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے سے بھی منع کرتے ہو! انہوں نے کہا : اے اللہ ہاں! آپ نے فرمایا میں تم کو اللہ اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ میں نے جیش العسرۃ (غزوہ تبوک کے لشکر) کے لیے مالی مدد فراہم کی تھی' انہوں نے کہا اے اللہ!

ہاں، حضرت عثمان نے کہا میں تم کو اللہ کی اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم کو علم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے ایک پہاڑ ثبیر پر تشریف فرما تھے، آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور میں تھا، پہاڑ ہلنے لگا، حتی کہ اس کے پتھر نشیب میں گرنے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا پیر مارا اور فرمایا : اے ثبیر ساکن ہو جا تجھ پر صرف نبی ہے، صدیق ہے اور دو شہید ہیں، انہوں نے کہا اے اللہ! ہاں! حضرت عثمان نے کہا اللہ اکبر! انہوں نے میرے حق میں گواہی دی ہے اور تین بار کہا رب کعبہ کی قسم میں شہید ہوں۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۳۷۰۳، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۶۰۵، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۱۹۶، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۱۶۸، کنز العمال، رقم الحدیث : ۳۶۲۸)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کسی غرض صحیح کی بناء پر اپنے فضائل بیان کرنا جائز ہے، نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید میں جو اپنی پاکیزگی اور تعریف کرنے سے منع فرمایا ہے اس کا محمل یہ ہے کوئی شخص یہ نہ بیان کرے کہ آخرت میں اللہ کے نزدیک اس کا یہ درجہ ہے اور جنت میں یہ مقام ہے اور وہ اخروی عذاب سے بری ہے، اور یہودی کہتے تھے کہ وہ اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور ان کو عذاب نہیں ہوگا اور اگر ہوا بھی تو صرف چالیس دن ہوگا، اور اس سے اس لیے منع فرمایا کہ آخرت کا حال غیب ہے اور غیب کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خبر دیئے بغیر کسی کو نہیں ہو سکتا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ براہ راست مطلع فرماتا ہے، یا فرشتہ کی وساطت سے آپ کو مطلع فرماتا ہے، اور جو دنیاوی فضائل ہیں یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے جن درجات کا علم ہوا ان کا ضرورت کے وقت بیان کرنا جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : دیکھئے یہ لوگ کس طرح اللہ پر عمداً" جھوٹ باندھ رہے ہیں اور ان کے لیے یہی علی الاعلان گناہ کافی ہے۔ (النساء : ۵۰)

اللہ پر عمداً" جھوٹ باندھنے سے مراد ان کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک گناہوں سے پاک ہیں، حالانکہ وہ نہ اللہ کے بیٹے ہیں نہ اس کے محبوب ہیں نہ گناہوں سے پاک ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں آسمانی کتاب سے حصہ دیا گیا وہ بت اور شیطان پر ایمان

وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ

لاتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں کی بہ نسبت

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ

زیادہ صحیح راستہ پر ہیں ○ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت

اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا

کرے تو (اے مخاطب) تو ہرگز اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا ○ یا ان کا ملک میں کوئی حصہ ہے اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگوں

لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ

کو تل برابر بھی کوئی چیز نہ دیتے ○ یا یہ لوگوں سے اس چیز پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے

اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ

ان کو اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے، تو بیشک ہم نے آلِ ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا

الْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ

کی تھی اور ہم نے ان کو ملکِ عظیم عطا کیا تھا ○ سو ان میں سے بعض لوگ اس پر ایمان لائے

مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور بعض لوگوں نے اس سے منہ موڑا، اور ان کے لیے بھڑکتی ہوئی دوزخ کافی ہے ○ بیشک جن لوگوں نے ہماری

كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ

آیتوں کا انکار کیا ہم اس کو عنقریب آگ میں ڈال دیں گے، جب بھی ان کی کھالیں جل کر پک جائیں گی

بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا

ہم ان کی کھالوں کو دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب کو (ہمیشہ) چکھتے رہیں، بیشک اللہ بہت غالب

حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ

بڑی حکمت والا ہے ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے ہم عنقریب ان کو ان جنتوں میں داخل

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ

کریں گے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ان کے لیے جنتوں میں پاکیزہ

مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا

بیویاں ہیں، اور ہم ان کو گھنے سائے میں داخل کریں گے ○ بیشک اللہ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانت والوں

الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا

کو ان کی امانتیں ادا کرو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ

بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا ۢ

کرو بیشک اللہ تمہیں کیسی اچھی نصیحت فرماتا ہے بیشک اللہ سننے والا، دیکھنے

بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ

والا ہے ۝ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو

وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ

اور جو تم میں سے صاحبانِ امر ہیں ان کی (اطاعت کرو) پھر اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول

وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ

کی طرف لوٹا دو بشرطیکہ تم اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے

خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ ع

اور اس کا انجام سب سے اچھا ہے ۝

۵ / ۹ / ۸ ع

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں آسمانی کتاب سے حصہ دیا گیا وہ جبت اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں کی بہ نسبت زیادہ سیدھے راستے پر ہیں۔

(النساء : ۵۱)

جبت اور طاغوت کا معنی

ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے وہ جبت ہے (تفسیر الزجاج ج ۲ ص ۶۴) عطیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جبت سے مراد بت ہیں اور طاغوت سے مراد بتوں کے ترجمان ہیں جو بتوں کے سامنے بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں اور بتوں کی طرف منسوب کر کے لوگوں سے جھوٹی اور من گھڑت باتیں بیان کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو گمراہ کریں، حضرت عمر نے فرمایا جبت سے مراد ساحر ہے اور طاغوت سے مراد شیطان ہے، مجاہد نے کہا طاغوت سے مراد وہ شیطان ہے جو انسان کی صورت میں آتا ہے اور لوگ اس کے پاس اپنے مقدمات پیش کرتے ہیں، مجاہد نے ایک تفسیر یہ بھی کی ہے کہ طاغوت سے مراد کاہن ہے اور جبت سے مراد ساحر ہے، حضرت ابن عباس سے ایک تفسیر یہ ہے کہ جبت سے مراد ایک یہودی عالم حیی بن اخطب ہے اور طاغوت سے مراد ایک یہودی سردار اور عالم کعب بن اشرف ہے۔

(جامع البیان ج ۵ ص ۸۴۔ ۸۳)

امام رازی نے بیان کیا ہے کہ حی بن اخطب اور کعب بن الاشرف چند یہودیوں کے ساتھ مکہ گئے وہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے کفار قریش کو اپنا حلیف بنانا چاہتے تھے۔ قریش نے کہا تم اہل کتاب ہو اور ہماری بہ نسبت تم (سیدنا) محمد (ﷺ) کے زیادہ قریب ہو۔ ہم تمہاری بات پر اس وقت تک اعتبار نہیں کریں گے جب تک تم ہمارے بتوں کو سجدہ نہیں کرو گے تاکہ ہمارے دل مطمئن ہو جائیں سو انہوں نے بتوں کو سجدہ کرلیا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بعض اہل کتاب جبت اور طاغوت پر ایمان لاتے ہیں' پھر ابوسفیان نے پوچھا: یہ بتاؤ کہ ہم زیادہ ہدایت کے طریقہ پر ہیں یا (سیدنا) محمد (ﷺ) تو کعب نے پوچھا (سیدنا) محمد (ﷺ) کیا کہتے ہیں؟ قریش نے کہا وہ کہتے ہیں صرف ایک خدا کی عبادت کرو' بتوں کی عبادت نہ کرو اور انہوں نے اپنے باپ دادا کے دین کو ترک کردیا ہے اور لوگوں میں جدائی ڈال دی ہے' کعب نے پوچھا اور تمہارا دین کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہم بیت اللہ کے محافظ ہیں' حجاج کو پانی پلاتے ہیں' مہمان نوازی کرتے ہیں اور قیدیوں کو چھڑاتے ہیں تو کعب بن اشرف نے کہا تم زیادہ ہدایت یافتہ ہو' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور یہودی اہل کتاب کافروں کے متعلق کہتے ہیں یہ زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۳۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کرے تو (اے مخاطب) تو اس کا ہرگز کوئی مددگار نہیں پائے گا۔ (النساء: ۵۲)

چونکہ یہودیوں نے بت پرستوں کو موحدین پر فضیلت دی تھی' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی' اور اللہ کی لعنت کا معنی ہے ان کو اللہ کی رحمت سے بالکلیہ دور کردیا جائے' اور یہ ان پر دنیا میں لعنت ہے یہ جہاں کہیں بھی ہوں لعنتی رہیں گے اور آخرت میں ان پر زیادہ لعنت ہوگی جس دن کوئی شخص کسی کافر کے کام نہیں آسکے گا' اس کے برخلاف مومنوں کو اللہ کا قرب حاصل ہوگا۔

یہود کے بخل کی مذمت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا ان کا ملک میں کوئی حصہ ہے' اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگوں کو تل برابر بھی کوئی چیز نہ دیتے۔ (النساء: ۵۳)

یہاں سے یہود کی برائیوں کا بیان شروع کیا گیا ہے' اس آیت کا معنی ہے ان کا ملک میں کوئی حصہ نہیں ہے' یہود کہتے تھے کہ آخر زمانہ میں ملک ان کی طرف لوٹ آئے گا اس آیت میں ان کے اس دعویٰ کا رد ہے' یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ملک سے مراد نبوت ہو' یعنی ان کے لیے نبوت سے کوئی حصہ نہیں ہے حتیٰ کہ لوگوں پر ان کی اطاعت اور اتباع لازم ہو' پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کا بعد کے جملہ کے ساتھ ربط ہے کیونکہ اگر ان کا ملک ہوتا یا اس میں ان کا کچھ حصہ ہوتا تو یہ لوگوں کو تل برابر بھی کوئی چیز نہ دیتے' یعنی ضرورت مندوں کو کچھ نہ دیتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یا یہ لوگوں سے اس چیز پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے' تو بے شک ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا کی تھی اور ہم نے ان کو ملک عظیم عطا کیا تھا۔ (النساء: ۵۴)

یہود کے حسد کی مذمت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے بخل کی مذمت کی تھی اور اس آیت میں ان کے حسد کی مذمت کی

ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو اپنے فضل سے جو نعمت عطا فرمائی تھی یہود اس پر حسد کرتے تھے' وہ کس نعمت پر حسد کرتے تھے اس میں اختلاف ہے' قتادہ نے کہا ان کو یہ امید تھی کہ آخری نبی بنو اسرائیل سے مبعوث ہوں گے اور جب اللہ تعالیٰ نے بنو اسماعیل سے آخری نبی مبعوث فرمایا تو وہ اس پر حسد کرنے لگے' اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہود نے کہا (سیدنا) محمد (ﷺ) اس قدر تواضع کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے نکاح میں اتنی ازواج ہیں۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۸۸) لیکن پہلی تفسیر زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس آیت کے دوسرے جملہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تو بے شک ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا کی تھی اور ہم نے ان کو ملک عظیم عطا کیا تھا تو پھر رسول اللہ ﷺ سے حسد کیوں کرتے ہیں یہ نعمت تو حضرت ابراہیم کی آل کو بھی ملی تھی اور ان کو بھی مل چکی ہے۔

اس آیت میں کتاب سے مراد جنس کتاب ہے اور وہ تورات' انجیل اور زبور اور دیگر صحائف کو شامل ہے اور حکمت سے مراد نبوت ہے یا وہ اسرار ہیں جو اللہ کی کتاب میں ودیعت کیے گئے ہیں' حضرت ابراہیم کی آل میں نبی اور رسول مبعوث کیے گئے جن کو یہ کتابیں اور حکمتیں دی گئیں اور وہ سب ان یہودیوں کے آباء اور اسلاف تھے' اور ان کے آباء اور اسلاف کو ملک عظیم بھی دیا گیا جیسے حضرت یوسف' حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کو ملک دیئے گئے' حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کے لیے بہت زیادہ بیویاں حلال کی گئی تھیں۔ پھر سیدنا محمد ﷺ پر یہ کیوں اعتراض کرتے ہیں۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں :

امام ابوداؤد نے سنن میں اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حسد کرنے سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے۔

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے اس آیت کی تفسیر میں سدی سے روایت کیا ہے کہ ملک عظیم سے مراد عورتوں سے نکاح ہے۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں تو سیدنا محمد ﷺ کے لیے کثرت ازدواج کس طرح باعث اعتراض ہوگا!

اور حاکم نے مستدرک میں محمد بن کعب سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تین سو بیویاں اور سات سو باندیاں تھیں۔ (الدرالمنثور ج ۲ ص ۱۷۳' مطبوعہ ایران)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو ان میں سے بعض لوگ ابراہیم پر ایمان لائے اور بعض لوگوں نے ان سے منہ موڑا اور (ان کے لیے) بھڑکتی ہوئی دوزخ کافی ہے۔ (النساء : ۵۵)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یا ان کی آل میں سے جو انبیاء اور رسول مبعوث ہوئے ان پر سب لوگ ایمان نہیں لائے' بعض ایمان لائے اور بعض ایمان نہیں لائے تو جب بعض کا ایمان نہ لانا حضرت ابراہیم کی نبوت اور ان کی نسل میں سے دوسرے انبیاء کی نبوت کے لیے موجب نقصان نہیں ہے تو اگر کچھ لوگ آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے تو اس سے آپ کی نبوت اور رسالت میں کیا فرق پڑے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ہم ان کو عنقریب آگ میں جھونک دیں گے جب بھی ان کی کھالیں جل کر پک جائیں گی ہم ان کی کھالوں کو دوسری کھالوں سے بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب کو ہمیشہ چکھتے رہیں۔ (النساء : ۵۶)

دوزخ میں جلی ہوئی کھالوں کو دوسری کھالوں سے بدلنے پر تعذیب بلا معصیت کی بحث

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

ربیع بیان کرتے ہیں کہ کافروں کی کھال چالیس ہاتھ موٹی ہوگی اور ان کا دانت ستر ہاتھ بڑا ہوگا' اور ان کا پیٹ اتنا بڑا ہوگا کہ اس میں پہاڑ سما جائے۔

حسن بیان کرتے ہیں ایک دن میں ستر ہزار بار ان کی کھال جلے گی اور بدل جائے گی۔

(جامع البیان ج ۵ ص ۹۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کافر کی ڈاڑھ احد پہاڑ جتنی ہوگی' اور اس کی کھال کی موٹائی تین دن کی مسافت کے برابر ہوگی۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۸۵۱)

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : دوزخ میں کافر کے دو کندھوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہوگا جتنا فاصلہ ایک تیز رفتار سوار تین دن میں طے کرتا ہے۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۸۵۲)

قرآن مجید کی اس آیت پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کافر کی کھال جلنے کے بعد اس کو نئی کھال دی جائے گی اور اس کو عذاب دیا جائے گا تو یہ تعذیب بلا معصیت ہے کیونکہ اس نئی کھال نے تو کوئی گناہ نہیں کیا اور یہ اللہ تعالیٰ کے طریقہ کے خلاف ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اصل عذاب روح کو ہوتا ہے اور جسم اور اس کے اجزاء تو روح تک عذاب پہنچانے کے آلات ہیں' لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ مذہب یہ ہے کہ روح اور جسم دونوں کو عذاب ہوتا ہے۔

روح اور جسم دونوں پر عذاب کی دلیل

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے پیچھے رہ گئے' آپ ہم سے آملے اس وقت ہم نے نماز میں تاخیر کردی تھی' ہم نے وضوء کیا اور پیروں پر مسح کرلیا' تو آپ نے دو یا تین مرتبہ بلند آواز سے فرمایا : (خشک) ایڑیوں کے لیے آگ کا عذاب ہوگا۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۶۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روح اور بدن دونوں کو عذاب ہوتا ہے۔

نیز علامہ محمد بن احمد سفارینی متوفی ۱۱۸۸ھ لکھتے ہیں :

امت کے تمام متقدمین اور ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ عذاب روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔

(لوامع الانوار ج ۲ ص ۲۵' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۱۱ھ)

تعذیب بلا معصیت کے اشکال کے صحیح جوابات

اس لیے اس اشکال کا صحیح جواب یہ ہے کہ کھال کے جل کر پکنے کا معنی ہے اس کا سیاہ پڑ جانا' اور اس کو دوسری کھال سے بدلنے کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی کھال کا رنگ اپنی قدرت کاملہ سے سفید کردے گا' جیسے دنیا میں انسان جب بیمار ہوتا ہے تو اس کے چہرہ کا رنگ بدل جاتا ہے اور صحت مند ہونے کے بعد اسی چہرہ کا رنگ نکھر کر تر و تازہ ہو جاتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ جس طرح سنار ایک انگوٹھی کو توڑ کر یا اس کو پگھلا کر اسی مادہ سے دوسری نئی صورت کی

انگوٹھی بنا دیتا ہے‘ اسی طرح بلا تشبیہ و تمثیل اللہ تعالیٰ ایک کھال کو جلا کر اس سے نئی کھال پیدا کر دے گا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اصل میں عذاب بدن کے اجزاء اصلیہ اور روح کو ہوتا ہے اور وہ ختم نہیں ہوتے باقی اعضاء کا جل جانا اور دوبارہ بن جانا صرف روح اور اجزاء اصلیہ تک عذاب پہنچانے کا ذریعہ ہے۔

اور جن احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ کافر کے دانت‘ اس کی کھال اور دیگر اعضاء کی جسامت بڑھ جاتی ہے ان پر بھی یہ اشکال ہوتا ہے کہ جس دانت نے گناہ کیا تھا وہ تو احد پہاڑ جتنا نہیں تھا اس دانت کے ساتھ جو اضافہ کیا گیا ہے اس پر عذاب بغیر کسی معصیت کے ہوگا اور یہ اللہ تعالیٰ کے طریقہ کے خلاف ہے‘ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہی اجزاء اور اعضاء کو کسی اضافہ کے بغیر اتنا بڑا کر دے گا‘ یا زائد حصہ کو عذاب نہیں ہوگا اور کافر کی شکل قبیح بنانے کے لیے اس کے اعضاء کو بڑا کر دیا جائے گا اور صحیح جواب یہی ہے کہ اصل عذاب بدن کے اجزاء اصلیہ اور روح کو ہوگا یہ اضافات تو ان اجزاء تک عذاب پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔

روح اور جسم دونوں کے مستحق عذاب ہونے کی ایک مثال

عذاب جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے اس سلسلہ میں علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ نے علامہ سفیری کی شرح بخاری سے نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن روح اور بدن میں بحث ہوگی‘ روح جسم سے کہے گی کہ گناہ تم نے کیے ہیں میں تو ایک ہوا کی مانند تھی اگر تم نہ ہوتے تو میں کوئی عمل نہیں کر سکتی تھی‘ اور جسم کہے گا تم نے مجھے کام کرنے کا حکم دیا تھا اگر تم نہ ہوتیں تو میں درخت کے تنے کی طرح ہوتا اور اپنے ہاتھ اور پاؤں کو کبھی حرکت نہ دیتا‘ تب اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے ایک فرشتہ بھیجے گا وہ کہے گا تم دونوں کی مثال ایک لنجے اور ایک اندھے کی ہے یہ دونوں ایک باغ میں گئے لنجے نے اندھے سے کہا میں یہاں پھل دیکھ رہا ہوں لیکن ان کو توڑ نہیں سکتا‘ تو اندھے نے کہا تم مجھ پر سوار ہو جاؤ پھر جہاں پھل ہوں تم دیکھ کر توڑ لینا‘ سو دونوں مجرم ہیں اور دونوں سزا کے مستحق ہیں لنجا بہ منزلہ روح ہے اور اندھا بہ منزلہ جسم ہے‘ علامہ آلوسی نے اس مثال پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اندھے اور لنجے دونوں کو شعور ہے اور یہاں صرف روح کو شعور ہے جسم کو شعور نہیں ہے‘ پھر اس کا جواب دیا کہ ہو سکتا ہے جسم کو شعور ہو اور ہم کو اس کا پتا نہ ہو۔

(روح المعانی ج ۵ ص ۵۹‘ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

میرے نزدیک اس اعتراض کا یہ جواب ہے کہ مثال صرف مسئلہ کی تفہیم کے لیے ہوتی ہے اس کا ممثل لہ سے بالکلیہ مطابق ہونا ضروری نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ہم عنقریب ان کو ان جنتوں میں داخل کر دیں گے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے‘ ان کے لیے جنتوں میں پاکیزہ بیویاں ہیں اور ہم ان کو گھنے سائے میں داخل کریں گے۔ (النساء : ۵۷)

اخروی نعمتوں کے لیے نیک اعمال چاہئیں

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ اسلوب ہے کہ وعد کے بعد وعید یا وعید کے بعد وعد کا ذکر فرماتا ہے‘ اس لیے پہلے آخرت میں کفار کے عذاب کا ذکر فرمایا تھا اور اب آخرت میں مومنوں کے ثواب کا ذکر فرمایا۔

اس آیت میں کئی مسائل ہیں ایک یہ کہ اعمال ایمان کا غیر ہیں‘ کیونکہ اعمال کا ایمان پر عطف کیا گیا ہے اور عطف

مغایرت کو چاہتا ہے' دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اخروی انعامات کو ابتداء" حاصل کرنے کے لیے صرف ایمان کافی نہیں اس کے ساتھ نیک اعمال بھی ضروری ہیں البتہ دائمی عذاب سے نجات کے لیے صرف ایمان کافی ہے۔ قاعدہ یہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کریم ہے جس کو چاہے اس قاعدہ سے مستثنیٰ کردے۔ جنت میں دوام کا ذکر فرمایا اس میں جہم بن صفوان اور ان جیسے لوگوں کا رد ہو گیا جن کے نزدیک جنت میں ثواب اور دوزخ میں عذاب فانی ہے' پاکیزہ بیویوں کا مطلب یہ ہے کہ وہ حیض اور نفاس سے پاک ہوں گی۔ جنت میں دھوپ نہیں ہو گی اس کے باوجود جنت میں سائے کا ذکر فرمایا کیونکہ یہاں سائے سے مراد آرام اور سکون ہے جس شخص کو جلتے ہوئے ریگستان میں سایہ میسر آجائے تو وہ اس کے لیے بہت بڑی راحت ہوتا ہے سو یہاں بھی گھنے سائے سے مراد راحت اور آرام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم امانت والوں کو ان کی امانتیں ادا کر دو' اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو بے شک اللہ تمہیں کیسی اچھی نصیحت فرماتا ہے' بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ (النساء: ۵۸)

ربط آیات اور شان نزول

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے بعض احوال بیان فرمائے اور وعید اور وعد کا ذکر فرمایا' اس کے بعد پھر احکام تکلیفیہ کا ذکر شروع فرمایا' نیز اس سے پہلے یہود کی خیانت کا ذکر فرمایا تھا کہ ان کی کتاب میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر جو دلائل ہیں وہ ان کو چھپا لیتے ہیں اور لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرتے اور اس میں خیانت کرتے ہیں تو اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کو امانت داری کا حکم دیا۔ امانت ادا کرنے کا حکم عام ہے خواہ مذاہب میں ہو' عقائد میں ہو معاملات میں ہو یا عبادات میں ہو۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج نے بیان کیا ہے کہ یہ آیت عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ کے متعلق نازل ہوئی ہے' فتح مکہ کے دن جب نبی ﷺ بیت اللہ میں داخل ہوئے تو آپ نے اس سے کعبہ کی چابیاں لے لیں پھر آپ بیت اللہ کے باہر اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے آئے' پھر آپ نے عثمان کو بلایا اور انہیں چابیاں دے دیں۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۹۲)

امانت ادا کرنے کے متعلق قرآن مجید کی آیات

فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ (البقرہ: ۲۸۳)

پس اگر تم میں سے ایک کو دوسرے پر اعتبار ہو تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ وہ اس کی امانت ادا کر دے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (الانفال: ۲۷)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو در آں حالیکہ تم کو علم ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۔ (المؤمنون: ۸)

اور جو لوگ اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرنے والے ہیں۔

امانت ادا کرنے کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امانت ضائع کردی جائے تو قیامت کا انتظار کرو' سائل نے پوچھا امانت کیسے ضائع ہوگی؟ آپ نے فرمایا جب کوئی منصب کسی نااہل کے سپرد کردیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔
(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۵۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تمہارے پاس امانت رکھے اس کی امانت ادا کرو' اور جو تمہارے ساتھ خیانت کرے اس کے ساتھ خیانت نہ کرو۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۳۵۳۵' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۲۶۸' سنن دارمی' رقم الحدیث : ۲۵۹۷' مسند احمد ج ۳ ص ۴۱۴' المستدرک ج ۲ ص ۴۶)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجالس کی گفتگو امانت ہوتی ہے ماسوا اس کے کہ کسی کا ناجائز خون بہانا ہو' یا کسی کی آبروریزی کرنی ہو یا کسی کا مال ناحق طریقہ سے حاصل کرنا ہو (یعنی اگر ایسی بات ہو تو اس کی صاحب حق کو اطلاع دے کر خبردار کرنا چاہیے) (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۸۶۹)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جو شخص امانت دار نہ ہو اس کا ایمان نہیں اور جو وضو نہ کرے اس کا ایمان نہیں۔ (شعب الایمان' رقم الحدیث : ۵۲۵۴)

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو میں تم کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں' جب تمہارے پاس امانت رکھی جائے تو امانت ادا کرو' جب تم عہد کرو تو اس کو پورا کرو' جب تم بات کرو سچ بولو' اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو' اپنی نظریں نیچی رکھو اور اپنے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔
(شعب الایمان' رقم الحدیث : ۵۲۵۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امت میں سے جو چیزیں سب سے پہلے اٹھائی جائیں گی وہ حیا اور امانت ہیں' سو تم اللہ عزوجل سے ان کا سوال کرو۔ (شعب الایمان' رقم الحدیث : ۵۲۷۶)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کسی شخص کی نماز اور روزے سے تم دھوکے میں نہ آنا' جو چاہے نماز پڑھے اور جو چاہے روزے رکھے لیکن جو امانت دار نہیں ہے وہ دین دار نہیں ہے۔ (شعب الایمان' رقم الحدیث : ۵۲۷۹)

اللہ کے ساتھ معاملہ میں امانت داری کا دائرہ کار

انسان کا معاملہ اپنے رب کے ساتھ متعلق ہوتا ہے یا مخلوق کے ساتھ اور ہر معاملہ کے ساتھ اس پر لازم ہے کہ وہ اس معاملہ کو امانت داری کے ساتھ کرے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے احکام بجالائے اور جن چیزوں سے اللہ نے اس کو منع کیا ہے ان سے رک جائے' حضرت ابن مسعود نے فرمایا ہر چیز میں امانت داری لازم ہے۔ وضو میں' جنابت میں' نماز میں' زکوٰۃ میں اور روزے میں' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے انسان میں شرم گاہ پیدا کی اور فرمایا میں اس امانت کو تمہارے پاس چھپا کر رکھ رہا ہوں' اس کی حفاظت کرنا' ہاں اگر اس کا حق ادا کرنا ہو' یہ بہت وسیع معاملہ ہے' زبان کی امانت

یہ ہے کہ اس کو جھوٹ، چغلی، غیبت، کفر، بدعت اور بے حیائی کی باتوں میں نہ استعمال کرے، آنکھ کی امانت یہ ہے کہ اس سے حرام چیز کی طرف نہ دیکھے۔ کان کی امانت یہ ہے کہ اس سے موسیقی، فحش باتیں، جھوٹ اور کسی کی بدگوئی نہ سنے، نہ دین اور خدا اور رسول کے خلاف باتیں سنے، ہاتھوں کی امانت یہ ہے کہ ان سے چوری، ڈاکہ، قتل، ظلم اور کوئی ناجائز کام نہ کرے، منہ میں لقمہ حرام نہ ڈالے، اور پیروں کی امانت یہ ہے کہ جہاں جانے سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے وہاں نہ جائے اور تمام اعضاء سے وہی کام لے جن کاموں کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَهَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَحَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا (الاحزاب : ۷۲)

ہم نے آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر اپنی امانت کو پیش کیا انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرے، اور انسان نے اس میں خیانت کی بے شک وہ ظالم اور جاہل ہے۔

خلق خدا کے ساتھ معاملہ میں امانت داری کا دائرہ کار

تمام مخلوق کی امانت کو ادا کرنا، اس میں یہ امور داخل ہیں : اگر کسی شخص نے کوئی امانت رکھوائی ہے تو اس کو واپس کرنا، ناپ تول میں کمی نہ کرنا، لوگوں کے عیوب بیان نہ کرنا، حکام کا عوام کے ساتھ عدل کرنا، علماء کا عوام کے ساتھ عدل کرنا بایں طور کہ ان کی صحیح رہنمائی کرنا، تعصب کے بغیر اعتقادی مسائل کو بیان کرنا، اس میں یہود کے لیے بھی یہ ہدایت ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے جو دلائل تورات میں مذکور ہیں ان کو نہ چھپائیں، اور بیوی کے لیے ہدایت ہے کہ شوہر کی غیر موجودگی میں اس کی عزت اور اس کے مال کی حفاظت کرے اور جس شخص کا گھر میں آنا اسے ناپسند ہو اس کو نہ آنے دے، تاجر ذخیرہ اندوزی نہ کریں۔ بلیک مارکیٹ نہ کریں، نقلی دوائیں بنا کر لوگوں کی جان سے نہ کھیلیں، کھانے پینے کی اشیاء میں ملاوٹ نہ کریں، ٹیکس نہ بچائیں، اسمگلنگ کر کے کسٹم ڈیوٹی نہ بچائیں۔ سودی کاروبار نہ کریں۔ ہیروئن، چرس اور دیگر نشہ آور اور مضر صحت اشیاء کو فروخت نہ کریں، بیوروکریٹس رشوت نہ لیں، سرکاری افسران اپنے محکمہ سے ناجائز مراعات حاصل نہ کریں، ڈیوٹی پر پورا وقت دیں، دفتری اوقات میں غیر سرکاری کام نہ کریں۔ آج کل شناختی کارڈ، پاسپورٹ مختلف اقسام کے لائسنس اور ٹھیکہ داروں کے بل غرض کوئی کام بھی رشوت کے بغیر نہیں ہوتا جب ان کاموں کا کرنا ان کی سرکاری ڈیوٹی ہے تو بغیر رشوت کے یہ کام نہ کرنا سرکاری امانت میں خیانت ہے، اسی طرح ایک پارٹی کے ممبر کو عوام اس پارٹی کی بنیاد پر ووٹ دیتے ہیں ممبر بننے کے بعد وہ رشوت لے کر لوٹا کریسی کی بنیاد پر پارٹی بدل لیتا ہے تو وہ بھی عوام کے انتخاب اور ان کی امانت میں خیانت کرتا ہے، حکومت کے ارکان اور وزراء جو قومی خزانے اور عوام کے ٹیکسوں سے بلاوجہ غیر ملکی دوروں پر غیر ضروری افراد کو اپنے ساتھ لے جا کر اللے تللے اور عیاشیاں کرتے ہیں وہ بھی عوام کی امانت میں خیانت کرتے ہیں، اسکول اور کالجز میں اساتذہ اور پروفیسر حضرات پڑھانے کی بجائے گپ شپ کر کے وقت گزار دیتے ہیں۔ یہ بھی امانت میں خیانت ہے، اسی طرح تمام سرکاری اداروں میں کام نہ کرنا اور بے جا مراعات حاصل کرنا اور اپنے دوستوں اور رشتے داروں کو نوازنا، کسی اسامی پر رشوت یا سفارش کی وجہ سے نااہل کا تقرر کرنا یہ بھی امانت میں خیانت ہے، کسی دنیاوی منفعت کی وجہ سے نااہل کو ووٹ دینا یہ بھی خیانت ہے۔ اگر ہم گہری نظر سے جائزہ لیں تو ہمارے پورے معاشرہ میں خیانت کا ایک جال بچھا ہوا ہے اور ہر شخص اس نیٹ ورک میں جکڑا ہوا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر شخص سے اس کے ماتحت افراد کے متعلق سوال ہو گا' حاکم نگہبان ہے اور اس سے اپنے عوام کے متعلق جواب طلبی ہو گی' اور مرد اپنے اہل خانہ کا نگہبان ہے اور اس سے اپنے اہل کے متعلق جواب طلبی ہو گی' اور عورت اپنے خاوند کے گھر کی نگہبان ہے اور اس سے امور خانہ کے متعلق جواب طلبی ہو گی' نوکر اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے متعلق جواب طلبی ہو گی اور ایک شخص اپنے باپ کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کے متعلق جواب طلبی ہو گی اور تم میں سے ہر شخص (کسی نہ کسی چیز کا) نگہبان ہے اور اس سے اس چیز کے متعلق جواب طلبی ہو گی۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۸۹۳' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۸۲۹' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۲۹۲۸' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۷۱۱' مسند احمد ج ۲ ص ۵)

امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی آدمی کو کسی جماعت کا امیر بنایا حالانکہ اس کی جماعت میں اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار بندہ تھا تو بنانے والے نے اللہ' اس کے رسول اور جماعت مسلمین سے خیانت کی' اس حدیث کی سند صحیح ہے' لیکن امام بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۴ ص ۹۳-۹۲)

علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی متوفی ۹۷۵ھ لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے کسی شخص کو مسلمانوں کا عامل بنایا حالانکہ وہ شخص جانتا تھا کہ اس سے بہتر شخص موجود ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول کا زیادہ جاننے والا ہے تو اس آدمی نے اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور تمام مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی۔ (کنزالعمال ج ۶ ص ۷۹)

ان دونوں حدیثوں کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے :

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہو گا' اور جس شخص نے اپنے بھائی کی رہنمائی کسی چیز کی طرف کی حالانکہ اس کو علم تھا کہ اہلیت اور صلاحیت اس کے غیر میں ہے تو اس نے اپنے بھائی کے ساتھ خیانت کی۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۳۶۵۷)

اپنے نفس کے ساتھ معاملہ میں امانت داری کا دائرہ کار

انسان کا اپنے نفس کے ساتھ امانت داری کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کے لیے اس چیز کو پسند کرے جو دین اور دنیا میں اس کے لیے زیادہ مفید اور نفع آور ہو' اور غلبہ غضب اور غلبہ شہوت کی وجہ سے ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے مآل کار دنیا میں اس کی عزت و ناموس جاتی رہے اور آخرت میں وہ عذاب کا مستحق ہو' انسان کی زندگی اور صحت اس کے پاس اللہ کی امانت ہے وہ اس کو ضائع کرنے کا مجاز نہیں ہے' اس لیے سگریٹ پینا' چرس' ہیروئن اور کسی اور طرح تمباکو نوشی کرنا' افیون کھانا' یہ تمام کام صحت اور انسانی زندگی کے لیے مضر ہیں' اسی طرح شراب پینا یا کوئی اور نشہ آور مشروب کھانا اور پینا'

نشہ آور دوائیں استعمال کرنا یہ بھی انسان کی صحت کے لیے مضر ہیں اور آخرت میں عذاب کا باعث ہیں' اور یہ تمام کام اپنے نفس کے ساتھ خیانت کے زمرہ میں آتے ہیں' ناجائز ذرائع سے آمدنی حاصل کرنا' لوگوں پر ظلم کرنا یہ بھی دنیا اور آخرت کی بربادی کا سبب ہیں اور اپنی ذات کے ساتھ خیانت کرنا ہے' فرائض اور واجبات کو ترک کر کے اور حرام کاموں کا ارتکاب کر کے خود کو عذاب کا مستحق بنانا یہ بھی اپنی ذات کے ساتھ خیانت ہے' اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کا مکلف کیا ہے کہ وہ خود بھی نیک بنے اور اپنے گھر والوں کو بھی نیک بنائے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم : ۶)

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔

اگر کوئی شخص خود نیک ہے اور پابند صوم و صلوٰۃ ہے لیکن اس کے گھر والے اور اس کے ماتحت لوگ بدکار ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل نہیں کرتے اور وہ ان کو برے کام ترک کرنے اور نیک کام کرنے کا حکم نہیں دیتا تب بھی وہ بری الذمہ نہیں ہے اور اخروی عذاب کا مستحق ہے اور اپنے نفس کے ساتھ خیانت کر رہا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحت لوگوں کا نگہبان ہے اور ہر شخص ان کے متعلق جواب دہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔ (النساء : ۵۸)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب کسی شخص کو حاکم بنایا جائے تو اس پر واجب ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان عدل سے فیصلہ کرے' ہم اس جگہ قضاء کے متعلق احادیث بیان کریں گے تاکہ معلوم ہو کہ اسلام میں قضاء کے متعلق کیا ہدایات ہیں :

قضاء کے آداب اور قاضی کے ظلم اور عدل کے متعلق احادیث

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن کی طرف بھیجا' آپ نے پوچھا تم کیسے فیصلہ کرو گے' انہوں نے کہا میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا' آپ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں (مطلوبہ حکم) نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں رسول اللہ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا' آپ نے پوچھا اگر رسول اللہ ﷺ کی سنت میں مطلوبہ حکم نہ ہو؟ انہوں نے کہا پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا' آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے فرستادہ کو توفیق دی۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۳۳۲' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۳۵۹۲)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے بجستان میں اپنے بیٹے کی طرف خط لکھا کہ تم دو آدمیوں کے درمیان غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرنا' کیونکہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کوئی شخص غصہ کی حالت میں دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۷۱۵۸' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۷۱۷' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۳۳۹' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۳۵۸۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہارے پاس دو شخص مقدمہ پیش کریں تو جب تک تم دوسرے شخص کا موقف نہ سن لو پہلے کے لیے فیصلہ نہ کرو۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۳۳۶، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۳۵۸۲، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۲۳۱۰)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : قاضیوں کی تین قسمیں ہیں ایک جنت میں ہو گا اور دو دوزخ میں ہوں گے، جنت میں وہ قاضی ہو گا جو حق کو پہچان لے اور اس کے مطابق فیصلہ کرے، اور جو حق کو پہچاننے کے باوجود اس کے خلاف فیصلہ کرے وہ دوزخ میں ہو گا، اور جو شخص جہالت سے لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے وہ بھی دوزخ میں ہو گا۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۳۵۷۳)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جب حاکم اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرے اور صحیح نتیجہ پر پہنچے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور جب وہ اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرے اور غلط نتیجہ پر پہنچے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۳۵۷۴)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب اور اس کے نزدیک سب سے مقرب شخص امام عادل ہو گا اور سب سے زیادہ مبغوض اور سب سے دور امام ظالم ہو گا۔

(سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۳۳۴)

حضرت ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک قاضی ظلم نہ کرے اللہ اس کے ساتھ ہوتا ہے اور جب وہ ظلم کرے تو اللہ اس کے ساتھ نہیں ہوتا اور شیطان اس سے چمٹ جاتا ہے۔ (سنن ترمذی : ۱۳۳۵)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس امت کو پاک نہیں کرتا جس میں اس کے کمزور کا حق اس کے طاقت ور سے نہ لیا جائے۔ (اس حدیث کو امام بزار نے روایت کیا ہے، اس کی سند میں المثنیٰ بن صباح ہے یہ ضعیف راوی ہے، ایک روایت میں ابن معین نے اس کی توثیق کی ہے اور ایک روایت میں کہا ہے اس کی حدیث لکھی جائے گی اور اس کو ترک نہیں کیا جائے گا، اور دوسروں کے نزدیک یہ متروک ہے۔)

(کشف الاستار عن زوائد البزار، رقم الحدیث : ۱۳۵۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کسی فیصلہ میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۱۳۴۱)

امام طبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فیصلہ میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ (المعجم الکبیر ج ۲۳ ص ۳۹۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس دن کسی کا سایہ نہیں ہو گا اس دن سات آدمی اللہ کے سائے میں ہوں گے۔ عدل کرنے والا حاکم، وہ شخص جو اللہ کی عبادت میں جوان ہوا، جس کا دل مسجدوں میں معلق رہا، وہ دو شخص جو اللہ کی محبت میں ملیں اور اللہ کی محبت میں جدا ہوں، وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھ سے آنسو بہیں، وہ شخص جس کو خوب صورت اور بااختیار عورت گناہ کی دعوت دے اور وہ کہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، وہ شخص جو چھپا کر صدقہ دے حتیٰ کہ اس کے بائیں ہاتھ کو پتا نہ چلے کہ اس نے دائیں ہاتھ سے کیا دیا ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۶۶۰، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۰۳۱، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۳۹۱، صحیح ابن خزیمہ، رقم الحدیث : ۳۵۸، مسند الطیالسی، رقم الحدیث : ۲۴۶۲، مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۹، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث : ۴۴۶۹، سنن کبریٰ للبیہقی : ج ۳

ص ۶۵ شعب الایمان رقم الحدیث : ۷۳۵۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : چار آدمیوں سے اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے : جو بہت قسمیں کھا کر سودا بیچے۔ متکبر فقیر' بوڑھا زانی اور ظالم حاکم۔

(صحیح ابن حبان' رقم الحدیث : ۵۵۳۲' شعب الایمان' رقم الحدیث : ۷۳۶۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عدل کرنے والے حاکم کا ایک دن ساٹھ سال کی عبادت سے افضل ہے اور زمین میں حد کو قائم کرنا اس زمین پر چالیس روز کی بارش سے زیادہ نفع آور ہے۔

(المعجم الکبیر' رقم الحدیث : ۱۱۹۳۲' سنن کبری للبیہقی ج ۸ ص ۱۶۲' شعب الایمان' رقم الحدیث : ۷۳۷۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو' اور جو تم میں سے صاحبان امر ہیں ان کی (اطاعت کرو) پھر اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو' بہ شرطیکہ تم اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو' یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا ہے۔ (النساء : ۵۹)

کتاب' سنت' اجماع اور قیاس کی حجیت پر استدلال

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ دلائل شرعیہ چار ہیں۔ کتاب' سنت' اجماع اور قیاس' اطیعوا اللہ سے مراد کتاب اللہ کے احکام ہیں۔ اطیعوا الرسول سے مراد سنت ہے اور اولی الامر منکم سے مراد اجماع ہے یعنی ہر زمانہ کے علماء حق کی اکثریت کیونکہ علماء حق کی اکثریت کبھی گمراہی پر متفق نہیں ہو گی اور فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول اس سے مراد قیاس ہے یعنی جس مسئلہ کی کتاب اور سنت میں صاف تصریح نہ ہو اس کی اصل کتاب اور سنت سے نکال کر اس کو کتاب اور سنت کی طرف لوٹا دو اور اس پر وہی حکم جاری کر دو۔

اولی الامر کی تفسیر میں متعدد اقوال اور مصنف کا مختار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا "اولی الامر منکم" سے مراد امراء اور حکام ہیں' ابن وہب نے کہا اس سے مراد سلاطین ہیں' مجاہد نے کہا اس سے مراد اصحاب فقہ ہیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا اس سے مراد اہل دین اور اہل فقہ ہیں یعنی دیندار علماء' عطاء بن سائب نے کہا اس سے مراد صاحبان علم اور اصحاب فقہ ہیں' حسن بصری نے کہا اس سے مراد علماء ہیں' مجاہد سے ایک روایت یہ ہے کہ اس سے مراد صحابہ ہیں' امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ نے فرمایا ان اقوال میں اولیٰ یہ ہے کہ اولی الامر سے مراد ائمہ اور حکام ہیں کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب میرے بعد حکام ہوں گے (ان میں) نیک حاکم بھی ہوں گے اور فاسق بھی' تم ان کے احکام سننا اور ان کا جو حکم حق کے موافق ہو اس میں ان کی اطاعت کرنا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا اگر وہ نیک کام کریں گے تو اس میں تمہارا اور ان کا نفع ہے اور اگر وہ برے کام کریں گے تو تم کو نفع ہو گا اور ان کو ضرر' اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان شخص پر حکم کی اطاعت لازم ہے خواہ اس کو وہ حکم پسند ہو یا ناپسند' ہاں اگر اس کو اللہ کی معصیت کا حکم دیا جائے تو خالق کی معصیت میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۹۵۔ ۹۳' ملخصا' مطبوعہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

امام فخرالدین رازی متوفی ۶۰۶ھ نے فرمایا "اولی الامر منکم" کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں (۱) خلفاء راشدین (۲) عہد رسالت میں لشکروں کے حاکم (۳) وہ علماء حق جو احکام شرعیہ کے مطابق فتوی دیتے ہیں اور لوگوں کو دین کی تعلیم دیتے ہیں

یہ قول حضرت ابن عباس، حسن بصری اور مجاہد سے مروی ہے اور روافض سے مروی ہے کہ اس سے مراد ائمہ معصومین ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۴۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ)

ہماری رائے یہ ہے کہ "اولی الامر منکم" سے مراد علماء حق ہیں جو قرآن اور سنت سے مسائل استنباط کرتے ہیں اور پیش آمدہ مسائل میں فتوے دیتے ہیں اور اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے:

وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ط (النسآء: ۸۳)

اور اگر وہ اس معاملہ کو رسول اور اپنے اولی الامر کی طرف لوٹا دیتے تو اس کا (حل) وہ لوگ ضرور جان لیتے جو ان میں سے کسی مسئلہ کو مستنبط کر سکتے ہیں۔

اور خلفاء راشدین کے دور کے بعد ہر زمانہ میں مسلمان، امراء اور حکام کے مقابلہ میں ائمہ فتویٰ کی پیروی کرتے ہیں۔ آج بھی اگر عدالت کسی عورت کا یک طرفہ فیصلہ کرکے اس کا نکاح فسخ کر دیتی ہے تو مسلمان اس فیصلہ کو ائمہ فتویٰ کے پاس لے جاتے ہیں اگر وہ اس کی تائید کر دیں تو اس فیصلہ پر عمل کرکے عورت کا نکاح کر دیتے ہیں ورنہ نہیں کرتے، اور خلفاء راشدین خود اصحاب علم اور ائمہ فتویٰ تھے اس سے معلوم ہوا کہ "اولی الامر منکم" سے مراد ہر دور میں ائمہ فتویٰ اور علماء اور فقہاء ہی ہیں۔

اللہ اور رسول کی اطاعت مستقل ہے اور اولی الامر کی اطاعت بالتبع ہے

اس آیت میں اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فرمایا ہے اور "اولی الامر منکم" سے پہلے "اطیعوا" کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ اس کا پہلے اطیعوا پر عطف کیا گیا تاکہ ان کی اطاعت بالتبع ہو اس میں یہ نکتہ ہے کہ اللہ کی مستقل اطاعت ہے اور رسول کی بھی مستقل اطاعت ہے اور علماء اور حکام کی مستقل اطاعت نہیں ہے جب ان کے احکام اللہ اور رسول کے احکام کے مطابق ہوں تو ان کی اطاعت ہے ورنہ نہیں ہے۔ اس کی مثال یہ ہے:

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا اور ان پر ایک شخص کو امیر بنا دیا اس نے آگ جلائی اور لشکر سے کہا اس میں داخل ہو جاؤ، بعض لوگوں نے اس میں داخل ہونے کا ارادہ کیا دوسروں نے کہا ہم آگ ہی سے بھاگ کر (اسلام میں) آئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو جن لوگوں نے آگ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تھا۔ آپ نے ان سے فرمایا اگر تم آگ میں داخل ہو جاتے تو قیامت تک اس آگ ہی میں رہتے اور دوسروں کی آپ نے تعریف کی اور فرمایا اللہ کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں ہے اطاعت صرف نیکی میں ہے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۸۴۰)

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اقوال صحابہ پر مقدم ہیں

نیز اس آیت میں فرمایا: پھر اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔ اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ اللہ اور رسول کے ارشادات باقی تمام لوگوں پر مقدم ہیں، ہم اس سے پہلے باحوالہ بیان کر چکے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما جنبی کو تیمم کرنے سے منع کرتے تھے لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی کے لیے تیمم کو مشروع کیا ہے اس لیے جمہور صحابہ، فقہاء تابعین اور مجتہدین اسلام نے حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود کی جلالت شان کے باوجود ان کے قول کو قبول نہیں کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث کو مقدم رکھا۔

اس کی ایک اور مثال یہ ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے تو حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روتے ہوئے آئے اور کہنے لگے ہائے میرے بھائی' ہائے میرے صاحب' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے صہیب تم مجھ پر رو رہے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میت کے گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۱۲۸۷) جب حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کے سامنے حضرت عمر کا یہ قول بیان کیا گیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ عمر پر رحم فرمائے' خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے اور تمہارے لیے قرآن مجید کی یہ آیت کافی ہے۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(الزمر : ۷)

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۱۲۸۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک یہودیہ (کی قبر) سے ہوا جس پر لوگ رو رہے تھے' آپ نے فرمایا یہ اس پر رو رہے ہیں اور اس کو قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۱۲۸۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قرآن مجید کو حضرت عمر کے قول پر مقدم رکھا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عام قاعدہ نہیں بیان کیا کہ گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے کیونکہ کسی کے گناہ کا دوسرے کو عذاب نہیں ہوتا' بلکہ آپ نے ایک خاص واقعہ میں ایک یہودی عورت کے متعلق یہ فرمایا تھا' مرتبہ صحابیت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت زیادہ ہے لیکن حضرت عائشہ نے اللہ اور اس کے رسول کے ارشاد کو حضرت عمر کے قول پر مقدم رکھا۔

اسی طرح حضرت عمر اور حضرت عثمان حج تمتع سے منع کرتے تھے لیکن چونکہ حج تمتع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے اس لیے جمہور صحابہ اور فقہاء تابعین اور علماء اسلام نے آپ کی سنت ثابتہ کے مقابلہ میں ان کے قول کو قبول نہیں کیا : مروان بن الحکم بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر تھا' حضرت عثمان تمتع اور حج اور عمرہ کو جمع کرنے سے منع کرتے تھے' جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو آپ نے حج اور عمرہ کا احرام باندھا اور کہا لبیک بعمرة وحجة میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو کسی کے قول کی بناء پر ترک نہیں کروں گا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۱۵۶۳)

حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے کہا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تمتع کیا اور قرآن نازل ہوتا رہا اور ایک شخص نے اپنی رائے سے جو کہا سو کہا۔ (صحیح البخاری : رقم الحدیث : ۱۵۷۱)

سالم بن عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں کہ اہل شام سے ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حج تمتع' (الگ الگ احرام کے ساتھ حج اور عمرہ جمع کرنے) کے متعلق سوال کیا' حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا وہ جائز ہے' اس نے کہا آپ کے باپ تو اس سے منع کرتے تھے' حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا یہ بتاؤ کہ میرے باپ حج تمتع سے منع کرتے ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج تمتع کیا ہو تو میرے باپ کے حکم پر عمل کیا جائے گا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر! اس شخص

نے کہا بلکہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل کیا جائے گا حضرت عبداللہ نے فرمایا بے شک رسول اللہ ﷺ نے حج تمتع کیا ہے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۸۲۵)

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ اکابر کا کوئی قول اگر قرآن مجید اور حدیث صحیح کے خلاف ہو تو اصاغر کے لیے یہ جائز ہے کہ اس قول سے اختلاف کریں اور اللہ اور رسول کے مقابلہ میں ان کے قول کو قبول نہ کریں اور اس میں ان کی کوئی بے ادبی اور گستاخی نہیں ہے بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول کی بڑائی کا اظہار ہے اور سورہ نساء کی اس آیت پر عمل ہے : پھر اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹادو۔

ائمہ اور فقہاء کے اقوال پر احادیث کو مقدم رکھنا ان کی بے ادبی نہیں ہے

اسی طرح اگر ائمہ مجتہدین میں سے کسی کا قول حدیث صحیح کے خلاف ہو تو حدیث صحیح پر عمل کیا جائے گا اور اس میں کسی امام کی بے ادبی نہیں ہے بلکہ اس آیت پر عمل ہے' امام ابوحنیفہ نے عید الفطر کے بعد شوال کے چھ روزے رکھنے کو مطلقاً مکروہ قرار دیا ہے خواہ متصل روزے رکھے جائیں یا منفصل تاکہ فرض پر زیادتی کے ساتھ تشبیہ نہ ہو' لیکن حدیث صحیح میں اس کی فضیلت اور استحباب ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور پھر اس کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے تو یہ ہمیشہ روزے رکھنے کی مثل ہے۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۱۶۴)

لیکن چونکہ امام اعظم رحمہ اللہ کا یہ قول حدیث صحیح کے خلاف ہے اس لیے علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ نے لکھا ہے کہ لیکن عام متاخرین فقہاء کے نزدیک شوال کے چھ روزے رکھنے میں مطلقاً کوئی کراہت نہیں ہے۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۲۵۸)

علامہ ابن ہمام متوفی ۸۶۱ھ علامہ طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ' علامہ حسن بن عمار شرنبلالی متوفی ۱۰۶۹ھ اور علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ سب نے اسی طرح لکھا ہے اور ان روزوں کو مستحب قرار دیا ہے۔

اسی طرح امام محمد نے امام ابوحنیفہ سے یہ روایت کی ہے کہ لڑکے کا عقیقہ کیا جائے نہ لڑکی کا (الجامع الصغیر ص ۵۳۴) اور تمام فقہاء احناف نے عقیقہ کرنے کو مکروہ یا مباح لکھا ہے (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۶۹' عالم گیری ج ۵ ص ۳۶۲)

لیکن چونکہ بہ کثرت احادیث سے عقیقہ کا سنت ہونا ثابت ہے اس لیے امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ نے لکھا ہے کہ عقیقہ سنت ہے۔ (فتاوی رضویہ ج ۸ ص ۵۴۲' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

دلائل کی بناء پر اکابر سے اختلاف کرنا ان کی بے ادبی نہیں ہے۔

اسی طرح امام احمد رضا قادری کے بعد کے علماء نے امام احمد رضا قادری سے بھی اختلاف کیا ہے۔

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ بدھ کے دن ناخن کاٹنے کے متعلق لکھتے ہیں :

نہ چاہئے حدیث میں اوس سے نہی (ممانعت) آئی کہ معاذ اللہ مورث برص ہوتا ہے بعض علماء رحمہم اللہ نے بدھ کو ناخن کتروائے کسی نے برنباء حدیث منع کیا' فرمایا صحیح نہ ہوئی فوراً برص ہو گئے۔

(فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص ۳۷' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

صدر الشریعہ مولانا امجد علی قادری متوفی ۱۳۷۶ھ لکھتے ہیں :

ایک حدیث میں ہے جو ہفتہ کے دن ناخن ترشوائے اس سے بیماری نکل جائے گی اور شفا داخل ہو گی اور جو اتوار کے دن ترشوائے فاقہ نکلے گا' اور تونگری آئے گی' اور جو پیر کے دن ترشوائے جنون جائے گا اور صحت آئے گی اور جو منگل کے دن ترشوائے مرض جائے گا اور شفا آئے گی اور جو بدھ کے دن ترشوائے وسواس و خوف نکلے گا اور امن و شفا آئے گی الخ۔

(در مختار- رد المحتار) (بہار شریعت ج ۱۶ ص ۱۲۲' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور)

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

انگریزی رقیق دوائیں جو ٹنچر کہلاتی ہیں ان میں عموماً" اسپرٹ پڑتی ہے اور اسپرٹ یقیناً شراب بلکہ شراب کی نہایت بدتر قسموں سے ہے وہ نجس ہے ان کا کھانا حرام لگانا حرام بدن یا کپڑے یا دونوں کی مجموع پر ملا کر اگر روپیہ بھر جگہ سے زیادہ میں ایسی شے لگی ہوئی ہو نماز نہ ہو گی۔ (فتاوی رضویہ ج ۱۱ ص ۸۸' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی متوفی ۱۹۶۶ء لکھتے ہیں:

لیکن ہم نے جہاں تک ڈاکٹروں کی زبانی سنا یہی معلوم ہوا کہ یہ (اسپرٹ) بھی شراب سے نہیں بنائی جاتی جس کو شرعاً" خمر کہا جاتا ہے بلکہ یہ (اسپرٹ) ایسی شراب کا جوہر ہے جو گنے وغیرہ سے بنائی گئی ہے پس اگر یہ صحیح ہے تو اس کا استعمال بغرض صحیح (اس مقدار میں جو مسکر نہیں ہے) حرام نہیں اور اس کی بیع و شراء بھی جائز ہے۔

(فتاوی مظہریہ ص ۲۸۹' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ سید مہدی حسن مارہرہ کے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

حضور عورتوں کو لکھنا سکھانا شرعاً" ممنوع و سنت نصاری و فتح باب ہزاراں فتنہ اور مستان سرشار کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے۔ (فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص ۱۵۴' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

فقیہ اعظم مفتی نور اللہ نعیمی متوفی ۱۴۰۳ھ لکھتے ہیں:

پھر حدیث صحیح سے بھی یہ مسئلہ تعلیم الکتابہ للنساء ثابت ہے مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۳۷۲' سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۸۶' مستدرک حاکم ج ۴ ص ۵۷' سنن بیہقی ج ۹ ص ۳۴۹' میں حضرت شفا بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا سے بکلمات متقاربہ ثابت ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور میں بھی حاضر تھی تو مجھے فرمایا کیا تو اس کو رقیہ النملۃ کی تعلیم نہیں دیتی جیسے اس کو کتابت کی تعلیم تم نے دی ہے حاکم نے کہا یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ (فتاوی نوریہ ج ۳ ص ۳۷۴' مطبوعہ لاہور ۱۹۸۳ء)

نیز امام احمد رضا قادری نے سماع مع المزامیر کو حرام لکھا ہے اور استاذ العلماء مولانا حافظ عطا محمد چشتی دامت برکاتھم اور حضرت غزالی زماں امام اہل سنت سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ نے اس کو جائز لکھا ہے۔

علماء اور مجتہدین حضرات معصوم نہیں دلائل کے ساتھ ان سے اختلاف کرنا جائز ہے

امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے سوا کوئی بشر معصوم نہیں اور غیر معصوم سے کوئی نہ کوئی کلمہ غلط یا بیجا صادر ہونا کچھ نادر کالمعدوم نہیں پھر سلف صالحین و ائمہ دین سے آج تک اہل حق کا یہ معمول رہا ہے کہ ہر شخص کا قول قبول بھی کیا جاتا ہے اور اس کو رد بھی کیا جاتا ہے ماسوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے' جس کی جو بات خلاف حق و جمہور دیکھی وہ اسی پر چھوڑی اور اعتقاد وہی رکھا

جو جماعت کا ہے۔ (فتاوی رضویہ ج ۶ ص ۲۸۳ ' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی)

نیز فرماتے ہیں :

ویابی اللہ العصمۃ الا لکلامہ ولکلام رسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ تعالیٰ اپنے کلام اور اپنے رسول ﷺ کے کلام کے سوا کسی کے کلام کو معصوم قرار دینے سے انکار فرماتا ہے (پھر فرمایا) انسان سے غلطی ہوتی ہے مگر رحمت ہے اس پر جس کی خطا کسی امر دینی مہم پر زد نہ ڈالے۔

(الملفوظ ج ۳ ص ۴ ' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ سے سوال کیا گیا کہ اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ حاضرہ نے گھڑی کے چین اور عورتوں کی کتابت اور انگریزی لباس وغیرہ کو ناجائز لکھا ہے اور آپ نے ان کو جائز لکھا ہے کیا وہ فتویٰ وقتی اور عارضی تھا اور اب یہ امور جائز ہو گئے ہیں؟ حضرت فقیہ اعظم قدس سرہ نے اس کے جواب میں لکھا :

۱۔ ہاں مجدد وقت کی ایسی ہدایات و تصریحات (جو کتاب و سنت سے مستنبط ہیں) کی روشنی میں یوں ہو سکتا ہے؟ بلکہ عملاً" خود مجدد وقت ہی اس کا سبق بھی دے چکے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ خالصا" لوجہ اللہ تعالیٰ ہو ' تعجب ہے کہ خود مستفتی صاحب کو روز روشن کی طرح معلوم ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے محققانہ اقوال و فتاوائے شرعیہ کی موجودگی میں حضرات صاحبین وغیرہما اجلہ تلامذہ بلکہ متاخرین کے بھی بکثرت ایسے اقوال و فتاویٰ ہیں ' جو ان کے خلاف ہیں جن کی بنا قول صوری و ضروری وغیرہ اصول ستہ پر ہے جس کی تفصیل فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۳۸۵ وغیرہا میں ہے بلکہ یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ خود ہمارے مجدد برحق کے صدہا نہیں بلکہ ہزارہا تطفلات ہیں جو صرف متاخرین نہیں بلکہ متقدمین حضرات فقیہ النفس امام قاضی خاں وغیرہ کے اقوال و فتاویٰ شرعیہ پر ہیں جن میں اصول ستہ کے علاوہ سبقت قلم وغیرہ کی صریح نسبتیں بھی مذکور ہیں اور یہ بھی نہاں نہیں کہ ہمارے مذہب مہذب میں مجددین حضرات معصوم نہیں تو تطفلات کا دروازہ اب کیوں بند ہو گیا؟ کیا کسی مجدد کی ہی کوئی ایسی تصریح ہے یا کم از کم اتنی ہی تصریح ہو کہ اصول ستہ کا زمانہ اب گزر گیا لہذا لکیر کا فقیر بننا فرض عین ہو گیا ' کیا تازہ حوادثات و نوازل کے متعلق احکام شرعی موجود نہیں کہ ہم بالکل صم بکم بن جائیں اور عملاً" اغیار کے ان کافرانہ مزعومات کی تصدیق کریں کہ معاذ اللہ اسلام فرسودہ مذہب ہے ' اس میں روزمرہ ضروریات زندگی کے جدید ترین ہزارہا تقاضوں کا کوئی حل ہی نہیں ' ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اسی ایک جواب سے نمبر ۲ اور نمبر ۳ کے جواب بھی واضح ہیں البتہ یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہے کہ کسی ناجائز اور غلط چیز کو اپنے مفاد و منشا سے جائز و مباح کہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں مگر شرعا" اجازت ہو تو عدم جواز کی رٹ لگانا بھی جائز نہیں ' غرضیکہ ضد اور نفس پرستی سے بچنا نہایت ہی ضروری ہے ' کیا ہی اچھا ہو کہ ہمارے ذمہ دار علماء کرام محض اللہ کے لیے نفسانیت سے بلند و بالا سر جوڑ کر بیٹھیں اور ایسے جزئیات کے فیصلے کریں ' مثلاً یہ کہ وہ لباس جو کفار یا فجار کا شعار ہونے کے باعث ناجائز تھا کیا اب بھی شعار ہے تو ناجائز ہے یا اب شعار نہیں رہا تو جائز ہے ' مگر بظاہر یہ توقع تمنا کے حدود طے نہیں کر سکتی اور یہی انتشار آزاد خیالی کا باعث بن رہا ہے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

(فتاوی نوریہ ج ۳ ص ۷۰ - ۳۶۹)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ وہ اس (کتاب) پر ایمان لائے ہیں جو آپ کی طرف نازل

وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ

کی گئی ہے اور ان (کتابوں) پر (ایمان لائے ہیں) جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ اپنے مقدمے طاغوت کے پاس

وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ط وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ

لے جائیں حالانکہ انھیں حکم یہ دیا گیا تھا کہ وہ طاغوت کا انکار کریں اور شیطان یہ چاہتا ہے کہ انھیں گمراہ کر کے بہت دور کی گمراہی

ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿۶۰﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى

میں ڈال دے ○ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس کتاب کی طرف جس کو اللہ نے نازل کیا ہے اور

الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ﴿۶۱﴾ فَكَيْفَ

رسول کی طرف تو آپ دیکھتے ہیں منافقین آپ سے اعراض کرتے ہوئے کترا کر نکل جاتے ہیں ○ اس وقت کیا

إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ

حال ہوگا جب ان کے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑے تو پھر یہ آپ کے پاس اللہ کی قسمیں

بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿۶۲﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ

کھاتے ہوئے آئیں کہ ہمارا تو ماسوا نیکی اور باہمی موافقت کے اور کوئی ارادہ نہ تھا ○ یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ

اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي

ان کے دلوں میں ہے سو آپ ان سے اعراض کیجئے اور ان کو نصیحت کیجئے اور ان سے

أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿۶۳﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ

بہت اثر آفریں بات کیجئے جو ان کے دلوں میں اتر جائے ○ اور ہم نے ہر رسول کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ

بِإِذْنِ اللَّهِ ط وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا

کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے اور جب یہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو یہ آپ کے پاس آجاتے پھر اللہ سے مغفرت

اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾

طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو یہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا ، بے حد رحم فرمانے والا پاتے ○

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

تو (اے رسول مکرم) آپ کے رب کی قسم : یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ (ہر) باہمی جھگڑے میں آپ

ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾

کو حاکم نہ مان لیں پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلہ کے خلاف اپنے دلوں میں تنگی بھی نہ پائیں اور اس کو خوشی سے مان لیں ○

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ

اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل

دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا

جاؤ تو اس پر ان میں سے صرف کم لوگ عمل کرتے اور جو ان کو نصیحت کی گئی ہے

يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾ لا وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ

اگر یہ اس پر عمل کرتے تو ان کے لیے بہت بہتر ہوتا اور ثابت قدمی کے لیے بہت مضبوط ہوتا ○ اور اس وقت

مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾ لا وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾ وَمَنْ

ہم انھیں اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتے ○ اور ہم ضرور ان کو سیدھے راستہ پر چلاتے ○ اور جو اللہ

يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

اور رسول کی اطاعت کرے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا

مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ج وَ

ہے جو انبیاء ، صدیقین ، شہداء اور صالحین ہیں ، اور یہ کیا ہی

حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾ ط ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى

عمدہ ساتھی ہیں ○ یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے اور اللہ کافی

بِاللّٰہِ عَلِیۡمًا ﴿۷۰﴾ ع

ہے جاننے والا ۝

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ وہ اس (کتاب) پر ایمان لائے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے اور ان (کتابوں) پر (ایمان لائے ہیں) جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ اپنے مقدمے طاغوت (سرکش کافر) کے پاس لے جائیں حالانکہ انہیں حکم یہ دیا گیا تھا کہ وہ طاغوت کا انکار کریں۔ (النساء : ۶۰)

حضور کا فیصلہ نہ ماننے والے منافق کو حضرت عمر کا قتل کر دینا

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مکلفین کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں اور ان آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ منافقین رسول اللہ کی اطاعت نہیں کرتے اور آپ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتے اور اپنے مقدمات طاغوت کے پاس لے جاتے ہیں' امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ اس آیت میں طاغوت سے مراد کعب بن اشرف ہے' یہ ایک یہودی عالم تھا۔

ایک منافق اور ایک یہودی کا جھگڑا ہو گیا' یہودی نے کہا میرے اور تمہارے درمیان ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کریں گے' اور منافق نے کہا میرے اور تمہارے درمیان کعب بن اشرف فیصلہ کریں گے' کیونکہ کعب بن اشرف بہت رشوت خور تھا اور اس مقدمہ میں یہودی حق پر تھا اور منافق باطل پر تھا' اس وجہ سے یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ مقدمہ لے جانا چاہتا تھا' اور منافق کعب بن اشرف کے پاس یہ مقدمہ لے جانا چاہتا تھا' جب یہودی نے اپنی بات پر اصرار کیا تو وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی کے حق میں اور منافق کے خلاف فیصلہ کر دیا' منافق اس فیصلہ سے راضی نہیں ہوا اور کہا میرے اور تمہارے درمیان حضرت عمر فیصلہ کریں گے' دونوں حضرت عمر کے پاس گئے' یہودی نے بتا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے حق میں اور اس منافق کے خلاف فیصلہ کر چکے ہیں لیکن یہ مانتا نہیں ہے' حضرت عمر نے منافق سے پوچھا کیا ایسا ہی ہے' اس نے کہا ہاں! حضرت عمر نے فرمایا ٹھہرو انتظار کرو میں ابھی آتا ہوں' گھر گئے تلوار لے کر آئے اور اس منافق کا سر قلم کر دیا' پھر اس منافق کے گھر والوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عمر کی شکایت کی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے پوری تفصیل معلوم کی' حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے آپ کے فیصلہ کو مسترد کر دیا تھا اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا عمر فاروق ہیں انہوں نے حق اور باطل کے درمیان فرق کر دیا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا تم فاروق ہو اس قول کی بناء پر طاغوت سے مراد کعب بن اشرف یہودی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۲۹۔۲۲۸' الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۲۶۵۔۲۶۴' الدر المنثور ج ۲ ص ۱۷۹' روح المعانی ج ۵ ص ۶۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب ان سے کہا جاتا ہے آؤ اس کتاب کی طرف جس کو اللہ نے نازل کیا ہے تو منافقین آپ سے اعراض کرتے ہوئے کترا کر نکل جاتے ہیں۔ اس وقت کیا حال ہو گا جب ان کے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت ٹوٹ پڑے' تو پھر یہ آپ کے پاس اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے آئیں کہ ہمارا تو ماسوا نیکی اور باہمی موافقت کے اور کوئی ارادہ نہ تھا۔ (النساء : ۶۲۔۶۱)

ابن جریج نے بیان کیا کہ جب مسلمان منافقوں سے کہتے تھے کہ آؤ اپنے مقدمہ کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ سے کراؤ تو وہ منہ موڑ کر کتراتے ہوئے نکل جاتے تھے۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۹۹)

جس منافق کو حضرت عمر نے قتل کیا تھا اس کا قصاص لینے کے لیے اس کے اہل آئے اور معذرت کر کے کہنے لگے کہ ہم نے جو حضرت عمر سے فیصلہ کرانے کے لیے کہا تھا اس سے ہمارا صرف یہ مقصد تھا کہ اس منافق کے ساتھ نیک سلوک ہو اور اس منافق اور اس کے مخالف یہودی کے درمیان صلح ہو جائے' اس آیت میں اس مصیبت سے مراد اس منافق کا قتل کیا جانا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان منافقوں کے دلوں میں جو شر اور فتنہ ہے اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے' آپ ان کے بہانوں کو قبول کرنے سے اعراض کیجئے کیونکہ ان کے بہانوں کے قبول کرنے کا مطلب ہے حضرت عمر سے قصاص لینا' اور جو رسول اللہ کا فیصلہ نہ مانے اس کا خون مباح ہے اور اس کا کوئی قصاص نہیں ہے' آپ ان کو زبان سے نصیحت کیجئے اور ان کے نفاق سے درگزر کیجئے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان سے ان کے نفسوں میں اثر آفریں بات کیجئے۔ (النساء : ۶۳)

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ ان کو تنہائی میں نصیحت کیجئے' کیونکہ تنہائی میں نصیحت کے قبول کرنے کی توقع زیادہ ہوتی ہے' دوسری تفسیر یہ ہے کہ ان سے ایسی اثر آفریں بات کیجئے جو ان کے دلوں میں اتر جائے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ہم نے ہر رسول کو صرف اس لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے اور جب یہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے تو یہ آپ کے پاس آجاتے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو یہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بے حد رحم فرمانے والا پاتے (النساء : ۶۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو سرزنش کی ہے' جو دعویٰ یہ کرتے تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لائے ہیں اور اپنے مقدمہ کا فیصلہ یہودی عالم کے پاس لے جاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے کے لیے جب انہیں بلایا جاتا تو وہ منہ موڑ کر کترا کر نکل جاتے تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس نے ہر رسول کو اس لیے بھیجا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے' مجاہد نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اسی کو نصیب ہوتی ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ازل میں یہ نعمت مقدر کر دی ہے۔

پھر فرمایا جب ان منافقوں نے کعب بن اشرف کے پاس اپنا مقدمہ پیش کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر ہی لیا تھا تو یہ چاہیے تھا کہ یہ آپ کے پاس آکر معذرت کرتے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی معافی چاہتے اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کے لیے استغفار کرتے تو وہ ضرور اللہ کو بہت بخشنے والا اور مہربان پاتے۔

نبی ﷺ کے روضہ پر حاضر ہو کر شفاعت طلب کرنے کا جواز

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں عاصیوں اور گنہ گاروں کو یہ ہدایت دی ہے کہ جب ان سے خطا اور گناہ ہو جائے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں اور آپ کے پاس آکر استغفار کریں اور رسول اللہ ﷺ سے یہ درخواست کریں کہ آپ بھی ان کے لیے اللہ سے درخواست کریں اور جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا اور بہت مہربان پائیں گے' مفسرین کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے ان

میں الشیخ ابو منصور الصباغ بھی ہیں، انہوں نے اپنی کتاب الشامل میں عتبی کی یہ مشہور حکایت لکھی ہے کہ میں نبی ﷺ کی قبر پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی نے آکر کہا السلام علیک یا رسول اللہ، میں نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد سنا ہے: ولو انھم اذظلموا انفسھم جاؤک الآیہ اور میں آپ کے پاس آگیا ہوں اور اپنے گناہ پر اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور اپنے رب کی بارگاہ میں آپ سے شفاعت طلب کرنے والا ہوں، پھر اس نے دو شعر پڑھے:

اے وہ جو زمین کے مدفونین میں سب سے بہتر ہیں   جن کی خوشبو سے زمین اور ٹیلے خوشبودار ہو گئے

میری جان اس قبر پر فدا ہو جس میں آپ ساکن ہیں   اس میں عفو ہے اس میں سخاوت ہے اور لطف و کرم ہے

پھر وہ اعرابی چلا گیا، عتبی بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر نیند غالب آگئی، میں نے خواب میں نبی ﷺ کی زیارت کی اور آپ نے فرمایا اے عتبی! اس اعرابی کے پاس جا کر اس کو خوشخبری دو کہ اللہ نے اس کی مغفرت کردی ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۲۹۔ ۳۲۸، الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۲۶۵، البحر المحیط ج ۳ ص ۶۹۴، مدارک التنزیل علی ہامش الخازن ج ۱ ص ۳۹۹)

مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے، لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور آپ اس کے لیے دعاء مغفرت کر دیں اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ کی دنیاوی حیات کے زمانہ میں ہو سکتی تھی اسی طرح آج بھی روضہ اقدس پر حاضری اسی حکم میں ہے، اس کے بعد مفتی صاحب نے بھی عتبی کی مذکور الصدر حکایت بیان کی ہے۔

(معارف القرآن ج ۲ ص ۴۶۰۔ ۴۵۹، مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی)

معروف دیوبندی عالم شیخ محمد سرفراز گکھڑوی لکھتے ہیں:

عتبی کی حکایت اس میں مشہور ہے اور تمام مذاہب کے مصنفین نے مناسک کی کتابوں میں اور مورخین نے اس کا ذکر کیا ہے اور سب نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے اسی طرح دیگر متعدد علماء کرام نے قدیما "و حدیثا" اس کو نقل کیا ہے اور حضرت تھانوی لکھتے ہیں کہ مواہب میں بہ سند امام ابو منصور صباغ اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی رحمہم اللہ تعالیٰ نے محمد بن حرب ہلالی سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کرکے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کرکے عرض کیا کہ یا خیر الرسل، اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد ہے ولو انھم اذظلموا انفسھم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما اور میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوا اور اپنے رب کے حضور میں آپ کے وسیلہ سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں پھر دو شعر پڑھے۔ اور اس محمد بن حرب کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی ہے، غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں، پس حجت ہو گیا (نشر الطیب ص ۲۵۴) اور حضرت مولانا نانوتوی یہ آیت کریمہ لکھ کر فرماتے ہیں: "کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص نہیں آپ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں، اور تخصیص ہو تو کیونکر ہو آپ کا وجود تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہے کہ قبر میں زندہ ہوں (آب حیات ص ۴۰) اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی یہ سابق واقعہ ذکر کرکے آخر میں لکھتے

ہیں: پس ثابت ہوا کہ اس آیت کریمہ کا حکم آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔

(اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۰)

ان اکابر کے بیان سے معلوم ہوا کہ قبر پر حاضر ہو کر شفاعت مغفرت کی درخواست کرنا قرآن کریم کی آیت کے عموم سے ثابت ہے' بلکہ امام سبکی فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اس معنی میں صریح ہے (شفاء السقام ص ۱۲۸) اور خیرالقرون میں یہ کارروائی ہوئی مگر کسی نے انکار نہیں کیا جو اس کے صحیح ہونے کی واضح دلیل ہے۔

(تسکین الصدور ص ۳۶۶-۳۶۵' ملخصاً' مطبوعہ ادارہ نصرت العلوم گوجرانوالہ)

گنبد خضراء کی زیارت کے لیے سفر کا جواز

قرآن مجید کی اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی قبر انور کے لیے سفر کرنا مستحسن اور مستحب ہے' شیخ ابن تیمیہ نے اس سفر کو سفر معصیت اور سفر حرام کہا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس سفر میں نماز کو قصر کرنا جائز نہیں ہے' ان کا استدلال اس حدیث سے ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف کجاوے نہ کسے جائیں (سفر نہ کیا جائے) مسجد حرام' مسجد الرسول' اور مسجد اقصیٰ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۸۹' صحیح مسلم' الج: ۵۱۱' (۱۳۹۷) ۳۳۲۴' سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۳۳' سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۲۵' سنن نسائی رقم الحدیث: ۷۰۰' سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۴۰۹' مسند الحمیدی رقم الحدیث: ۹۴۳' مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۴' ۲۳۸' ۲۷۸' السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۹۰' جامع الاصول ج ۹ رقم الحدیث: ۶۸۹۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے اس حدیث کے جواب میں فرمایا ہے: اس حدیث میں ان تین مساجد کے علاوہ مطلقاً سفر سے منع نہیں فرمایا بلکہ ان تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی مسجد کے لیے سفر کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ مستثنیٰ منہ مستثنیٰ کی جنس سے ہوتا ہے (فتح الباری ج ۳ ص ۶۵' مطبوعہ لاہور)

اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے' امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا: کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے کسی سواری کا کجاوہ نہ کسا جائے سوائے مسجد حرام' مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کے۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۶۴' طبع قدیم دار الفکر' مسند احمد ج ۱ رقم الحدیث: ۱۱۵۵۲' طبع دار الحدیث قاہرہ' ۱۴۱۶ھ)

شیخ عبدالرحمان مبارک پوری متوفی ۱۳۵۲ھ نے اس حدیث پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ حدیث شہر بن حوشب سے مروی ہے اور وہ کثیر الاوہام ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے التقریب میں لکھا ہے۔

(تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۷۱' طبع ملتان)

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے التقریب میں لکھا ہے کہ شہر بن حوشب' بہت صادق ہے اور یہ بہت ارسال کرتا ہے اور اس کے بہت وہم ہیں۔ (تقریب التہذیب ج ۱ ص ۴۲۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی شہر بن حوشب کے متعلق تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں:

امام احمد نے اس کے متعلق کہا اس کی حدیث کتنی حسین ہے اور اس کی توثیق کی' اور کہا کہ عبدالحمید بن بہرام کی وہ

احادیث صحت کے قریب ہیں جو شہر بن حوشب سے مروی ہیں' دارمی نے کہا امام احمد شہر بن حوشب کی تعریف کرتے تھے امام ترمذی نے کہا امام بخاری نے فرمایا شہر حسن الحدیث ہے اور اس کا امر قوی ہے' ابن معین نے کہا یہ ثقہ ہے' ان کے علاوہ اور بہت ناقدین فن نے شہر کی توثیق کی ہے (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۷ ۳۳' دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

حافظ جمال الدین مزی متوفی ۷۴۲ھ' اور علامہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے بھی شہر بن حوشب کی تعدیل میں یہ' اور بہت ائمہ کے اقوال نقل کیے ہیں (تہذیب الکمال ج ۸ ص ۴۰۹' میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۹۰' طبع بیروت)

علاوہ ازیں حافظ ابن حجر عسقلانی نے خصوصیت سے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے' (فتح الباری ج ۳ ص ۶۶) اور شیخ احمد شاکر متوفی ۱۳۷۴ھ نے بھی اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے' کیونکہ امام احمد اور امام ابن معین نے شہر بن حوشب کی توثیق کی ہے۔ (مسند احمد ج ۱۰ ص ۲۰۱' طبع قاہرہ)

اس حدیث کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر اس حدیث میں مستثنیٰ منہ مسجد کو نہ مانا جائے' بلکہ عام مانا جائے اور یہ معنی کیا جائے کہ ان تین مساجد کے سوا کسی جگہ کا بھی سفر کا قصد نہ کیا جائے تو پھر نیک لوگوں کی زیارت' رشتہ داروں سے ملنے' دوستوں سے ملنے' علوم مروجہ کو حاصل کرنے' تلاش معاش' حصول ملازمت' سیرو تفریح' سیاحت اور سفارت کے لیے سفر کرنا بھی ناجائز' حرام اور سفر معصیت ہو گا۔

شیخ مبارک پوری نے اس جواب پر یہ اعتراض کیا ہے رہا تجارت یا طلب علم یا کسی اور غرض صحیح کے لیے سفر کرنا تو ان کا جواز دوسرے دلائل سے ثابت ہے (اس لیے یہ ممانعت عموم پر محمول ہے)۔

(تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۷۱' مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)

میں کہتا ہوں کہ ہم نے جو سفر کی انواع ذکر کی ہیں وہ سب غرض صحیح پر مبنی ہیں اور ان کے جواز پر کون سے دلائل ہیں جو صحاح ستہ کی اس حدیث کی ممانعت کے عموم کے مقابلہ میں راجح ہوں؟ خصوصاً" نیک لوگوں' رشتہ داروں' دوستوں کی زیارت اور ان سے ملاقات کے لیے سفر کرنے' اسی طرح سائنسی علوم کے حصول' تلاش معاش' حصول ملازمت اور سیرو تفریح کے لیے سفر کرنے کے جواز پر کون سے دلائل ہیں؟ جو اس حدیث کی ممانعت پر راجح یا اس کے لیے ناسخ ہوں! نبی ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کے لیے سفر کرنے کے جواز پر اور بھی بہت دلائل ہیں اور ممانعت کی اس حدیث کی ہم نے ان مذکور توجیہات کے علاوہ اور بھی کئی توجیہات ذکر کی ہیں اس کے لیے شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۷۶۴۔ ۷۶۳ ملاحظہ فرمائیں' شیخ ابن تیمیہ نے جو اس سفر کو حرام کہا ہے' حافظ ابن حجر نے فرمایا یہ ان کا انتہائی مکروہ قول ہے۔

اور ملا علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں۔

ابن تیمیہ حنبلی نے اس مسئلہ میں بہت تفریط کی ہے' کیونکہ اس نے نبی ﷺ کی زیارت کے لیے سفر کو حرام کہا ہے' اور بعض علماء نے اس مسئلہ میں افراط کیا ہے اور اس سفر کے منکر کو کافر کہا ہے اور یہ دوسرا قول صحت اور صواب کے زیادہ قریب ہے کیونکہ جس چیز کی اباحت پر اتفاق ہو اس کا انکار کفر ہے تو جس چیز کے استحباب پر علماء کا اتفاق ہو اس کو حرام قرار دینا بہ طریق اولیٰ کفر ہو گا۔ (شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۱۴' مطبوعہ بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو (اے رسول مکرم) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ ہر باہمی جھگڑے میں آپ کو حاکم نہ مان لیں' پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلہ کے خلاف اپنے دلوں میں تنگی بھی نہ

پائیں اور اس کو خوشی سے مان لیں۔ (النساء : ۶۵)

رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ نہ ماننے والا مومن نہیں ہے

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کے ایک شخص نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ کے سامنے زمین کو سیراب کرنے والی پانی کی ایک نالی میں جھگڑا کیا وہ دونوں اس سے اپنے درختوں کو پانی دیتے تھے' رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر سے فرمایا : اے زبیر تم اپنی زمین کو پانی دو' پھر پانی اپنے پڑوسی کے لیے چھوڑ دو' وہ انصاری غضبناک ہوا اور اس نے کہا یہ آپ کے عم زاد ہیں اس لیے! رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا' پھر آپ نے فرمایا : اے زبیر تم پانی دو پھر پانی کو روک لو حتی کہ وہ دیواروں کی طرف لوٹ جائے' حضرت زبیر نے کہا خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم (صحیح البخاری رقم الحدیث : ۲۳۶۰' ۲۳۵۹' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۳۵۷' سنن ابوداؤد : ۳۶۳۷' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۰۳۸' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۵۴۳۱' ۵۳۱ ۴' سنن کبری للنسائی' رقم الحدیث : ۱۱۱' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۴۸۰' سنن کبری للبیہقی ج ۶ ص ۱۵۳)

امام ابن جریر نے اس آیت کے شان نزول میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں مذکور الصدر حضرت عبداللہ بن الزبیر کی روایت بھی ذکر کی ہے اور وہ روایت بھی ذکر کی ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک منافق اور ایک یہودی کا جھگڑا ہوا' منافق یہ فیصلہ کعب بن اشرف سے کرانا چاہتا تھا بعد ازاں جس کا حضرت عمر نے سر اڑا دیا تھا' امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں واقعے اس آیت کے نزول کا سبب ہوں۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۱۰۱' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے فیصلہ کو نہ ماننے والا مومن نہیں ہے' کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک فیصلہ کو بہ ظاہر مان لیتا ہے' لیکن دل سے قبول نہیں کرتا اس لیے فرمایا کہ وہ آپ کے کیے ہوئے فیصلہ کے خلاف دل میں بھی تنگی نہ پائیں' بعض اوقات ایک عدالت سے فیصلہ کے بعد اس سے اوپر کی عدالت میں اس فیصلہ کے خلاف رٹ کرنے کا اختیار ہوتا ہے جیسے ہائی کورٹ کے فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں رٹ کی جا سکتی ہے لیکن نبی ﷺ کے فیصلہ کرنے کے بعد پھر کسی عدالت میں اس فیصلہ کے خلاف رٹ نہیں کی جا سکتی' اس لیے بعد میں فرمایا اس فیصلہ کو خوشی سے مان لو' اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ جو فیصلہ کریں وہ خطا سے مامون اور محفوظ بلکہ معصوم ہوتا ہے۔ یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے اگر کوئی شخص کتنا ہی عبادت گزار ہو لیکن اس کے دل میں یہ خیال آئے کہ اگر حضور ایسا نہ کرتے اور ایسا کر لیتے تو وہ مومن نہیں رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اس پر ان میں سے صرف کم لوگ عمل کرتے' اور جو ان کو نصیحت کی گئی ہے اگر یہ اس پر عمل کرتے تو ان کے لئے بہت بہتر ہوتا۔ (النساء : ۶۶)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر ہم ان منافقین پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کر دیا اپنے وطن سے نکل جاؤ تو ان منافقوں میں سے بہت کم لوگ اس پر عمل کرتے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور اپنی رحمت سے ہم پر آسان اور سہل احکام فرض کیے تو ان منافقوں کو چاہئے تھا کہ یہ نفاق کو ترک کر دیتے' دکھاوے اور سنانے کو چھوڑ کر اخلاص کے ساتھ اسلام کے احکام پر عمل پیرا ہوتے اور اگر یہ ایسا کرتے تو ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے' جو انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین ہیں اور یہ کیا ہی عمدہ ساتھی ہیں یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے اور اللہ کافی ہے جاننے والا○

نبی ﷺ کی زیارت کے لیے صحابہ کا اضطراب

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں غمزدہ حالت میں حاضر ہوا' آپ نے پوچھا کیا ہوا میں تم کو غمزدہ کیوں دیکھ رہا ہوں' اس نے کہا : اے اللہ کے نبی میں اس چیز پر غور کر رہا ہوں کہ ہم ہر صبح وشام آپ کے چہرے کی طرف دیکھتے رہتے ہیں اور آپ کی مجلس میں بیٹھنے کا شرف حاصل کرتے ہیں' کل جب آپ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جنت کے بلند درجہ میں ہوں گے' اور ہم آپ کے درجہ تک نہ پہنچ سکیں تو ہمارا کیا حال ہو گا' نبی ﷺ نے ابھی اس کو کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے : اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے۔ الآیہ

(جامع البیان ج ۵ ص ۱۰۴' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۰۹ھ)

اہل جنت کا ایک دوسرے کے ساتھ ہونا ان کے درجوں میں مساوات کو مستلزم نہیں

اس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والے اور انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین سب جنت کے ایک درجہ میں ہوں گے' کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ فاضل اور مفضول کا ایک درجہ ہو جائے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ جنت میں رہنے والے سب ایک دوسرے کی زیارت کرنے پر قادر ہوں گے اور ان کے درجات کا فاصلہ ایک دوسرے کی زیارت اور مشاہدہ کے لیے حجاب نہیں ہو گا۔

اس آیت میں انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین کا ذکر کیا گیا ہے ہم سطور ذیل میں ان کی تعریفات ذکر رہے ہیں :

نبی' صدیق' شہید اور صالح کی تعریفات

(۱) نبی وہ انسان ہے جس پر وحی نازل ہو اور جس کو اللہ نے مخلوق تک اپنے احکام پہنچانے کے لیے بھیجا ہو۔

(۲) صدیق وہ شخص ہے جو اپنے قول اور اعتقاد میں صادق ہو۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق اور دیگر فاضل صحابہ' اور انبیاء سابقین علیہم السلام کے اصحاب کیونکہ وہ صدق اور تصدیق میں دوسروں پر فائق اور غالب ہوتے ہیں' یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو

دین کے تمام احکام کی بغیر کسی شک اور شبہ کے تصدیق کرے وہ صدیق ہے۔
(۳) شہید وہ شخص ہے جو دلائل اور براہین کے ساتھ دین کی صداقت پر شہادت دے اور اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے لڑتا ہوا مارا جائے جو مسلمان ظلماً" قتل کیا جائے وہ بھی شہید ہے۔
(۴) صالح نیک مسلمان کو کہتے ہیں' جس کی نیکیاں اس کی برائیوں سے زیادہ ہوں۔
اس آیت میں چونکہ صدیقین کا ذکر آیا ہے اس لیے ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعض فضائل ذکر کر رہے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بعض خصوصیات اور فضائل

(۱) امام بخاری حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث کیا' تم لوگوں نے کہا آپ جھوٹے ہیں (العیاذ باللہ) اور ابوبکر نے تصدیق کی اور اپنی جان اور اپنے مال سے میری غم خواری کی۔ (صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۳۶۶۱)
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے تھے جب اور لوگ آپ کی تکذیب کر رہے تھے۔
(۲) حضرت ابوبکر نے امت میں سب سے پہلے تبلیغ اسلام کی اور ان کی تبلیغ سے حضرت عثمان' حضرت طلحہ' حضرت زبیر' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم ایسے اکابر صحابہ اسلام لائے۔
(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر ہجرت میں اپنی رفاقت کے لیے تمام صحابہ میں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا۔
(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو حج میں مسلمانوں کا امیر بنایا۔
(۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ حضرت ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھی۔
(۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام علالت میں حضرت ابوبکر کو امام بنایا اور حضرت ابوبکر نے سترہ نمازیں پڑھائیں۔
(۷) واقعہ معراج کی جب کافروں نے تکذیب کی تو حضرت ابوبکر نے آپ کی سب سے پہلے تصدیق کی اور یہیں سے آپ کا لقب صدیق ہوا۔
(۸) غزوہ تبوک میں گھر کا سارا سامان اور مال لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔
(۹) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں آپ کو صدیق فرمایا۔
(۱۰) قرآن مجید میں نبوت کے بعد جس مرتبہ کا ذکر ہے وہ صدیقیت ہے اور متعدد آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کے ذکر کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت ابوبکر کے صدیق ہونے پر امت کا اجماع ہے اور چونکہ نبی کے بعد صدیق کا ذکر اور مقام ہے سو معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا

اے ایمان والو ! اپنی حفاظت کا سامان لے لو ، پھر (دشمن کی طرف) الگ الگ دستوں کی شکل میں

جَمِيعًا ﴿۷۱﴾ وَإِنَّ مِنكُمْ لَمَن لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَإِنْ أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ

روانہ ہو یا سب مل کر روانہ ہو ○ بیشک تم میں وہ (گروہ بھی) ہے جو ضرور تاخیر کرے گا، پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے تو وہ

قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُن مَّعَهُمْ شَهِيدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ

کہے گا کہ اللہ نے مجھ پر انعام کیا کہ میں (جنگ میں) ان کے ساتھ نہ تھا ○ اور اگر تمہیں

أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللَّهِ لَيَقُولَنَّ كَأَن لَّمْ تَكُن بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ

اللہ کا فضل (مالِ غنیمت) مل جائے تو ضرور (اس طرح) کہے گا گویا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی ہی

مَوَدَّةٌ يَا لَيْتَنِي كُنتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿۷۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ

نہ تھی کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کر لیتا ○ پس اللہ کی راہ میں

فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۚ

ان لوگوں کو لڑنا چاہیے جو آخرت (کے ثواب) کے عوض دنیا کی زندگی فروخت کر چکے ہیں۔

وَمَن يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ

اور جو اللہ کی راہ میں جنگ کرے پھر وہ قتل کر دیا جائے یا غالب آ جائے تو ہم عنقریب

نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۷۴﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

اسے اجرِ عظیم عطا فرمائیں گے ○ اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے

وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ

حالانکہ بعض کمزور مرد، عورتیں اور بچے یہ دعا کر رہے ہیں

يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا ۚ وَ

اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والے ظالم ہیں، اور

اجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا ۙ وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ

ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی کارساز بنا دے اور کسی کو اپنے پاس سے ہمارا مددگار بنا

نَصِيْرًا ﴿٧٥﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ

دے ○ جو ایمان والے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو کافر

كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ

ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں۔ سو (اے مسلمانو!) تم شیطان

الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿٧٦﴾ ع

کے مددگاروں سے لڑو، بیشک شیطان کا مکر کمزور ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! اپنی حفاظت کا سامان لے لو' پھر (دشمن کی طرف) الگ الگ دستوں کی شکل میں روانہ ہو یا سب مل کر روانہ ہو۔ (النساء : ۷۱)

ربط آیات اور خلاصہ مضمون

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے متعلق وعید نازل فرمائی تھی' اور ان کو اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا تھا' ان آیتوں میں مسلمانوں کو اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور کافروں سے جہاد کے لیے سامان جنگ تیار رکھنے کا حکم دیا ہے تاکہ کہیں کفار اچانک حملہ نہ کردیں' پھر اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کا حال بیان فرمایا جو جہاد کی راہ میں روڑے اٹکانے والے تھے' اس سے پہلی آیات میں مسلمانوں کے ملک کے داخلی اور اندرون ملک کی اصلاح کے لیے آیات نازل فرمائی تھیں اور اب بیرون ملک اور میدان جنگ کے سلسلہ میں ہدایات نازل کی ہیں۔

جہاد کی تیاری اور اس کی طرف رغبت کا بیان

اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ کفار کے دفاع اور اپنی حفاظت کے لیے اسلحہ اور ہتھیار فراہم کریں' اور دشمن جس طرح کے ہتھیار استعمال کر رہا ہے ویسے ہی ہتھیار استعمال کریں' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جنگ یمامہ میں خالد بن ولید کو لکھا دشمنوں کے مقابلہ میں ان جیسے ہتھیار استعمال کرو۔ تلوار کے مقابلہ میں تلوار اور نیزہ کے مقابلہ میں نیزہ سے لڑو۔ اب دنیا میں اپنی بقاء کے لیے ایٹمی طاقت بننا ضروری ہے اور دشمنان اسلام سے مقابلہ اور جہاد کے لیے سائنس اور ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہے لیکن ہمارے طالب علم جدید ثقافت کے نام پر بین الاقوامی کھیلوں کے میدان میں ہیرو بننا چاہتے ہیں' ڈسکو میوزک' لڑکے لڑکیوں کے مخلوط رقص' اور اچھل کود کے شوز میں ڈوبے ہوئے ہیں اور متوسط گھر ڈش انٹینا اور ٹی۔ وی اور وی۔ سی۔ آر کے سیلاب میں بہے جا رہے ہیں۔ ایسے میں مسلمان نوجوانوں کے دلوں میں جذبہ جہاد کہاں سے پیدا ہوگا!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک تم میں (وہ گروہ) بھی ہے جو ضرور تاخیر کرے گا' پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچ جائے تو وہ کہے گا کہ اللہ نے مجھ پر انعام کیا کہ میں (جنگ میں) ان کے ساتھ نہ تھا○ اور اگر تمہیں اللہ کا فضل (مال غنیمت) مل جائے تو ضرور (اس طرح) کہے گا گویا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی ہی نہ تھی کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا

تو بڑی کامیابی حاصل کر لیتا○ (النساء : ۷۳-۷۲)

ان دو آیتوں میں یہ بتایا ہے کہ تمہارے درمیان منافق بھی ہیں اور بزدل اور کمزور ایمان والے بھی ہیں' منافقوں کو تو جہاد سے کوئی دلچسپی نہیں ہے' کیونکہ ان کو اسلام اور مسلمانوں سے کوئی محبت نہیں ہے اور جو بزدل اور کمزور ایمان والے ہیں- وہ موت کے ڈر سے جہاد میں شریک نہیں ہونا چاہتے' یہ لوگ جہاد کے نتیجہ اور انجام کے منتظر رہتے ہیں اگر کسی معرکہ میں مسلمان قتل ہو جائیں یا بہت زخمی ہو جائیں تو یہ جہاد میں اپنے شریک نہ ہونے اور قتل سے بچنے کی وجہ سے بہت خوش ہوتے ہیں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس لشکر میں وہ نہیں تھے' اور اگر مسلمان فتح یاب ہو کر لوٹیں اور بہت سا مال غنیمت لائیں تو یوں کہتے ہیں جیسے ان کا تمہارے دین سے کوئی تعلق ہی نہیں' کاش ہم بھی اس معرکہ میں ہوتے اور ہم کو بھی مال غنیمت سے حصہ ملتا-

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پس اللہ کی راہ میں ان لوگوں کو لڑنا چاہئے جو آخرت (کے ثواب) کے عوض دنیا کی زندگی فروخت کر چکے ہیں اور جو اللہ کی راہ میں جنگ کرے پھر وہ قتل کر دیا جائے یا غالب آ جائے تو ہم عنقریب اسے اجر عظیم عطا فرمائیں گے- (النساء : ۷۴)

اخروی اجر و ثواب کے لیے جہاد کرنا

اس سے پہلی آیتوں میں جہاد سے منع کرنے والوں کی مذمت کی تھی اور اس آیت سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جہاد کی طرف راغب کر رہا ہے' اس آیت میں فرمایا ہے مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں لڑنا چاہئے جو اخروی ثواب کے بدلہ میں اپنی دنیا کی زندگی فروخت کر چکے ہیں' انسان طبعاً" اپنی زندگی خرچ کرنے کو بھاری سمجھتا ہے لیکن جب اس کو یقین ہو گا کہ یہ زندگی خرچ کرنے سے اس کو آخرت کی نعمتیں ملیں گی تو وہ بہت خوشی سے اس راہ میں زندگی خرچ کرے گا' اور یہ ایسا ہی ہے جیسے اللہ نے فرمایا ہے اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے بدلہ میں خرید لیا ہے اور اخیر میں فرمایا پس تم نے جو اللہ سے بیع کی ہے' اس بیع پر خوش ہو جاؤ- پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تم اس جنگ میں شہید ہو گئے تو اللہ کی راہ میں شہادت کا بڑا اجر ہے اور اگر تم غالب آ گئے تو اخروی اجر کے ساتھ دنیاوی منفعت بھی حاصل ہو گی- خلاصہ یہ ہے کہ کفار کے خلاف جنگ کرنے میں تمہارا سراسر فائدہ ہے خواہ تم غالب ہو یا مغلوب-

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے' حالانکہ بعض کمزور مرد' عورتیں اور بچے یہ دعا کر رہے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی کارساز بنا دے- (النساء : ۷۵)

مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لیے جہاد کرنا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کی مزید ترغیب دی اور جہاد کے خلاف حیلوں اور بہانوں کو زائل فرمایا ہے' اللہ کی راہ میں اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے جہاد سے تمہیں کیا چیز روکتی ہے' جہاد کی وجہ سے شرک کے اندھیروں کی جگہ توحید کا نور پھیلتا ہے' شر اور ظلم کے بجائے خیر اور عدل کا دور دورہ ہوتا ہے اور مکہ میں تمہارے جو مسلمان بھائی مرد' عورتیں اور بچے کفار کے ظلم کا شکار ہیں' کفار ان کو ہجرت کرنے نہیں دیتے اور اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچا رہے ہیں' اور تم خود مکہ کی زندگی میں ان کے مظالم کا مشاہدہ اور تجربہ کر چکے ہو' بلال' صہیب اور عمار

بن یاسر پر کس کس طرح مشق ستم کی جاتی تھی' سو کفار کے خلاف جہاد کر کے تم اپنے مسلمان بھائیوں کو کفار کی دست برد سے بچا سکتے ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو ایمان والے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں' سو (اے مسلمانو) تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو' بے شک شیطان کا مکر کمزور ہے۔ (النساء: ۷۶)

مسلمانوں اور کافروں کی باہمی جنگ میں ہر ایک کا ہدف اور نصب العین

اس آیت میں یہ بتایا کہ جب مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ ہوتی ہے تو اس جنگ سے کافروں کی غرض کیا ہوتی ہے اور مسلمانوں کا ہدف کیا ہونا چاہیے' کافر مادی مقاصد کے حصول کے لیے جنگ کرتے ہیں اور بت پرستی کا بول بالا کرنے کے لیے اور اپنے وطن اور اپنی قوم کی حمایت میں لڑتے ہیں' ان کے پیش نظر زمین اور مادی دولت ہوتی ہے' نام و نمود اور اپنی بڑائی کے لیے اور دنیا میں اپنی بالادستی قائم کرنے کے لیے لڑتے ہیں اور کمزور ملکوں کی زمین' ان کی معدنی دولت اور ان کے ہتھیاروں کو لوٹنے کے لیے لڑتے ہیں' اس کے برعکس مسلمانوں کے سامنے اخروی مقاصد ہوتے ہیں' وہ اللہ کی بڑائی اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے لڑتے ہیں' وہ بت پرستی' کفر' شر اور ظلم کو مٹانے' نظام اسلام کو قائم کرنے' خیر کو پھیلانے اور عدل و انصاف کو نافذ کرنے کے لیے لڑتے ہیں' ان کا مقصد زمین کو حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ زمین پر اللہ کی حکومت قائم کرنا ہوتا ہے' وہ اپنے استعمار اور آمریت قائم کرنے کے لیے اور دوسروں کی زمین اور دولت پر قبضہ کرنے اور لوگوں کو اپنا محکوم بنانے کے لیے نہیں لڑتے بلکہ انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے آزاد کرا کر سب لوگوں کو خدائے واحد کے حضور سربسجود کرانے کے لیے جہاد کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی ترغیب جہاد کے نکات

اپنے ملک کے دفاع اور کفار کے خلاف جہاد کے لیے اسلحہ کو حاصل کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے' کیونکہ توکل کا معنی ترک اسباب نہیں ہے بلکہ کسی مقصود کے حصول کے اسباب کو فراہم کر کے اور اس کے حصول کے لیے جدوجہد کر کے نتیجہ کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا توکل ہے۔

اسی طرح آلات حرب کو حاصل کرنا بھی تقدیر کے خلاف نہیں ہے بلکہ جہاد کی تیاری کرنا بھی تقدیر سے ہے۔ اس رکوع کی آیات میں بتایا گیا ہے کہ جہاد کے لیے پے در پے مجاہدوں کے دستے بھیجنا بھی جائز ہے اور یک بارگی مل کر حملہ کرنا بھی جائز ہے اور یہ کہ ہر دور میں کچھ لوگ اپنی بدنیتی یا بزدلی کی وجہ سے یا غداری اور منافقت کی وجہ سے جہاد سے منع کرنے والے بھی ہوتے ہیں' لیکن مسلمان ان سے متاثر نہ ہوں بلکہ اخروی اجر و ثواب کی وجہ سے جہاد کریں' وہ جہاد میں غالب ہوں یا مغلوب ہر صورت میں ان کے لیے اجر ہے' نیز یہ بتایا ہے کہ جہاد کا ایک داعیہ اور سبب یہ ہے کہ جس خطہ زمین میں کافروں نے مسلمانوں کو غلام بنایا ہوا ہے یا ان کے ملک پر قبضہ کر کے ان کے ساتھ ظالمانہ سلوک کیا ہوا ہے' ان کو کافروں اور ظالموں سے آزاد کرانے کے لیے بھی جہاد کرنا چاہیے اور آخر میں یہ بتایا کہ کافروں کا جنگ میں کیا مطمح نظر ہوتا ہے اور مسلمانوں کا ہدف کیا ہونا چاہیے۔

ترغیب جہاد کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :) جو شخص میرے راستہ میں جہاد کے لیے نکلا اور وہ شخص صرف مجھ پر ایمان رکھنے اور میرے رسول کی تصدیق کی وجہ سے نکلا ہو۔ میں اس کا ضامن ہوں کہ اس کو اجر یا غنیمت کے ساتھ لوٹاؤں یا جنت میں داخل کردوں' (آپ نے فرمایا :) اگر میری امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں کسی لشکر میں شامل ہوئے بغیر نہ رہتا' اور بے شک میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل کیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۳۶' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۸۷۶' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۵۰۴۴' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۷۵۳)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا اللہ عزوجل کی راہ میں جہاد کرنا کس عبادت کے برابر ہے؟ آپ نے فرمایا تم اس کی طاقت نہیں رکھتے' انہوں نے دو یا تین مرتبہ یہی سوال کیا آپ نے ہر بار یہی فرمایا کہ تم اس کی طاقت نہیں رکھتے' تیسری بار آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو دن کو روزہ رکھے' رات کو قیام کرے اور اللہ کی آیات کی تلاوت کرے اور وہ روزے اور نماز سے تھکتا نہ ہو۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۸۷۷' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۶۲۵)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ہر شخص کا خاتمہ اس کے عمل پر کر دیا جاتا ہے۔ ماسوا اس شخص کے جو اللہ کی راہ میں سرحد پر پہرہ دیتے ہوئے فوت ہو جائے اس کا عمل قیامت تک بڑھایا جاتا رہے گا۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۶۲۷' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۲۵۰۰' المعجم الکبیر ج ۱۸ ص ۸۰۲' المستدرک ج ۲ ص ۱۴۴' مشکل الآثار ج ۳ ص ۱۰۲)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جہاد فی سبیل اللہ اور ایمان باللہ افضل اعمال ہیں' ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! یہ بتلایئے اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا یہ میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کر دیئے جاؤ در آں حالیکہ تم صبر کرنے والے ہو' ثواب کی نیت کرنے والے ہو آگے بڑھ کر وار کرنے والے ہو پیچھے ہٹنے والے نہ ہو' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تم نے کیا کہا؟ اس شخص نے کہا میں نے کہا یہ بتایئے اگر میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں تو کیا اس سے میرے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں بہ شرطیکہ تم صبر پر قائم ہو' اور تمہاری نیت ثواب کی ہو' تم آگے بڑھنے والے ہو' پیچھے ہٹنے والے نہ ہو تو قرض کے سوا تمہارے سب گناہ معاف ہو جائیں گے' مجھ سے ابھی جبرائیل نے یہ کہا ہے۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۸۸۵' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۷۱۸' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۱۵۶)

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : شہید کو قتل ہونے سے صرف اتنی تکلیف ہوتی ہے جتنی تم میں سے کسی شخص کو چیونٹی کے کاٹنے سے۔

(سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۱۶۱' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۶۶۸' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۸۰۲)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان شخص نے اونٹنی کا دودھ دوہنے کے وقت کے برابر بھی جہاد کیا اس کے لیے جنت واجب ہو گئی' اور جو شخص اللہ کی راہ میں زخمی ہوا یا اس کا خون بہا وہ جب قیامت کے دن اٹھے گا تو اس کا بہت زیادہ خون بہہ رہا ہو گا اس خون کا رنگ زعفران کا ہو گا اور خوشبو مشک کی ہو گی۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۶۶۳' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۲۵۴۱' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۱۴۱' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۷۹۲)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ (ابھی جنگ سے) اپنے ہاتھ روکے رکھو' اور نماز

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو' پھر جب ان پر جہاد فرض کر دیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ انسانوں

يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا

سے اس طرح ڈرنے لگا جس طرح اللہ کا ڈر ہوتا ہے یا اس سے بھی زیادہ اور انہوں نے کہا اے ہمارے

لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ

رب تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا! کیوں نہ تو نے ہمیں کچھ اور مہلت دی ہوتی'

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۚ وَلَا

آپ کہیے کہ دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے' اور (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لیے آخرت بہت بہتر ہے اور

تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ

تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا ۞ تم جہاں کہیں بھی ہو تم کو موت پالے گی خواہ تم مضبوط قلعوں

فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ

میں ہو' اور اگر ان کو کچھ اچھائی پہنچے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ

عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ

کی طرف سے ہے اور اگر ان کو کچھ برائی پہنچے تو (اے رسول مکرم) یہ کہتے ہیں کہ یہ آپ کی طرف سے ہے

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ

آپ کہیے کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ یہ کوئی بات سمجھ نہیں

يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿٧٨﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَ

پاتے ○ (اے مخاطب) تم کو جو اچھائی پہنچتی ہے سو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور

مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ وَاَرْسَلْنٰكَ

تم کو جو برائی پہنچتی ہے وہ تمہاری ذات کی وجہ سے ہے، اور ہم نے آپ کو تمام

لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٧٩﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ

لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ (بہ طور) گواہ کافی ہے ○ جس نے رسول کی اطاعت کی

فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿٨٠﴾ ۭ

تو بے شک اس نے اللہ کی اطاعت کر لی، اور جس نے پیٹھ پھیری تو ہم نے آپ کو اس کا نگران بنا کر نہیں بھیجا ○

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَاۗىِٕفَةٌ

وہ آپ سے کہتے ہیں ہم نے اطاعت کی اور جب وہ آپ کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ

مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ

رات کو اس بات کے خلاف کہتا ہے جو وہ کہہ چکا تھا اور اللہ اس کو لکھتا ہے جو کچھ وہ رات کو کہتے ہیں تو آپ ان سے

عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٨١﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ

اعراض کیجیے اور اللہ پر توکل کیجیے اور اللہ (بہ طور) کارساز کافی ہے ○ وہ قرآن میں غور کیوں

الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا

نہیں کرتے؛ اگر یہ قرآن اللہ کے غیر کے پاس سے آیا ہوتا تو یہ اس میں بہت اختلاف

كَثِيْرًا ﴿٨٢﴾ وَاِذَا جَاۗءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا

پاتے ○ اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو یہ اس کو پھیلا

بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰۤى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ

دیتے ہیں اور اگر یہ اس خبر کو رسول یا اپنے صاحبانِ علم کی طرف پہنچا دیتے تو ان میں سے خبر کا تجزیہ

الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ

کرنے والے ضرور اس کے (صحیح) نتیجہ تک پہنچ جاتے، اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ

رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ

ہوتی تو چند لوگوں کے سوا تم شیطان کی پیروی کر لیتے ○ سو آپ اللہ کی راہ میں قتال

اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ

کیجئے آپ کو صرف آپ کی ذات کا مکلف کیا جائے گا، اور آپ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیں، عنقریب اللہ کافروں

اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ

کے زور کو روک دے گا اور اللہ کی پکڑ بہت سخت ہے اور اس کا عذاب

تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ

بہت شدید ہے ○ جو اچھی شفاعت کرے گا اس کے لیے (بھی) اس میں سے حصہ ہے،

وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ

اور جو بری سفارش کرے گا اس کے لیے (بھی) اس میں سے حصہ ہے اور اللہ

اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا

ہر چیز پر قادر ہے ○ اور جب تم کو کسی لفظ سے سلام کیا جائے تو تم اس سے

بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یا اسی لفظ کو لوٹا دو، بیشک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا

حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

ہے ○ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، وہ ضرور تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا جس

النصف

لَاۤ رَيۡبَ فِيۡهِ ؕ وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيۡثًا ﴿۸۷﴾ ع

ہیں کوئی شک نہیں ہے اور کون ہے جس کی بات اللہ سے زیادہ سچی ہو ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ (ابھی جنگ سے) اپنے ہاتھ روکے رکھو' اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو' پھر جب ان پر جہاد فرض کر دیا تو ان میں سے ایک گروہ انسانوں سے اس طرح ڈرنے لگا' جس طرح اللہ کا ڈر ہوتا ہے یا اس سے بھی زیادہ' اور انہوں نے کہا اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا! کیوں نہ تو نے ہمیں کچھ اور مہلت دی ہوتی آپ کہئے کہ دنیا کا سامان بہت تھوڑا ہے' اور (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لیے آخرت بہت بہتر ہے اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (النساء : ۷۷)

شان نزول اور ربط آیات

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ مکہ میں ہجرت سے پہلے بعض صحابہ کفار سے جلد جنگ کرنا چاہتے تھے' انہوں نے کہا آپ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم مشرکین سے مکہ میں قتال کریں نبی ﷺ نے ان کو اس سے منع کیا اور فرمایا ابھی مجھے کفار سے قتال کرنے کی اجازت نہیں ملی اور جب ہجرت ہو گئی اور مسلمانوں کو مشرکین سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا تو بعض لوگوں نے اس کو مکروہ جانا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ ان سے کہئے کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے آخرت بہت بہتر ہے۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۱۰۸) امام نسائی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص اور بعض دیگر صحابہ نے ایسا کہا تھا۔ (سنن کبری ج ۶ ص ۳۲۵) واللہ اعلم بالصواب۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ملک کے دفاع اور کفار کے خلاف جہاد کی تیاری کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ کچھ لوگ موت کے ڈر سے جہاد کرنے سے گھبراتے ہیں' اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جہاد سے منع کرنے والے کچھ ضعیف مسلمان اور منافقین تھے۔

اس آیت میں فرمایا ہے کہ تم پر فتیل کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا' فتیل کا معنی باریک دھاگا بھی ہے' اور کھجور کی گٹھلی پر جو باریک سا چھلکا ہوتا ہے اس کو بھی فتیل کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تم جہاں کہیں بھی ہو تم کو موت پالے گی خواہ تم مضبوط قلعوں میں ہو اور اگر ان کو کچھ اچھائی پہنچے تو یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر ان کو کچھ برائی پہنچے تو (اے رسول مکرم) یہ کہتے ہیں کہ یہ آپ کی طرف سے ہے' آپ کہئے کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے' تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ یہ کوئی بات سمجھ نہیں پاتے۔

(النساء : ۷۸)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ موت ایک حتمی چیز ہے اور جب انسان کی مدت حیات پوری ہو جائے تو اس کو موت بہر حال آلیتی ہے خواہ وہ کھلے میدان میں ہو یا کسی مضبوط قلعہ میں ہو یا وہ میدان جنگ میں ہو۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے متعدد معرکوں میں حصہ لیا' اور بہت جنگیں لڑیں لیکن وہ کسی جنگ میں شہید نہیں ہوئے ان کو بستر پر طبعی موت آئی

اس سے واضح ہو گیا کہ جہاد میں شرکت کرنا موت کا سبب نہیں ہے' موت صرف اپنے وقت پر آتی ہے خواہ انسان میدان جنگ میں ہو یا اپنے گھر کے بستر پر!

البتہ مضبوط قلعوں اور مستحکم مکانوں کا بنانا ناجائز نہیں ہے' اپنی جان اور مال کی حفاظت کے لیے اسباب مہیا کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے' نبی ﷺ نے خندقیں کھدوائیں اور صحابہ کرام زرہ پہن کر لڑتے تھے اور یہ توکل کے خلاف نہیں ہے لیکن ان میں سے کوئی چیز انسان کو موت سے بچا نہیں سکتی۔

اچھائی اللہ کی طرف سے پہنچتی ہے اور برائی ہمارے گناہوں کے نتیجہ میں

جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے محترم اصحاب رضی اللہ عنہم ہجرت کر کے مدینہ آئے اور اس کے بعد یہودیوں اور منافقوں کو اچھائیاں اور برائیاں' راحتیں اور مصیبتیں پہنچیں تو انہوں نے کہا جب سے یہ مدینہ میں آئے ہیں ہمارے پھلوں اور کھیتوں کی پیداوار کم ہو رہی ہے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے' سختی ہو یا آسانی' کامیابی ہو یا ناکامی فصلوں کی پیداوار زیادہ ہو یا کم' فائدہ ہو یا نقصان' اور بیماری ہو یا صحت' تمام امور کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور جو کچھ ہوتا ہے وہ اس کی قضا اور قدر سے ہوتا ہے' البتہ جب تم پر رزق کی وسعت' خوشحالی اور فراخ دستی ہو تو یہ محض اللہ کا فضل اور انعام ہے۔ سو اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرو اور جب تم کو تنگی اور رزق میں کمی پہنچے تو یہ تمہارے گناہوں اور شامت اعمال کا نتیجہ ہے اس کی نسبت اپنی طرف کرو۔

بعض پڑھے لکھے جاہلوں نے "کل من عند اللہ" کا غلط معنی سمجھا ہے وہ کہتے ہیں کہ نیک اعمال اور برے اعمال دونوں اللہ کی طرف سے ہیں تو اس میں بندے کا کیا قصور ہے! اور اس کو آخرت میں سزا کیوں ملے گی؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اچھائی اور برائی اور ہر چیز کا تعلق امور تکوینیہ سے ہے امور تشریعیہ سے نہیں ہے' امور تکوینیہ سے مراد وہ امور ہیں جو بندوں کے دخل کے بغیر وقوع پذیر ہوتے ہیں جیسے پیدا ہونا' مرنا' صحت' بیماری' بارش کا ہونا نہ ہونا' طوفانوں اور زلزلوں کا آنا وغیرہ' اور امور تشریعیہ سے مراد وہ کام ہیں جن کے کرنے یا ان کو نہ کرنے کا بندوں کو حکم دیا ہے مثلاً نیک کام کرنا اور برے کاموں کو ترک کرنا' نیک اور بد کاموں میں سے جس کا بھی بندہ قصد اور ارادہ کرتا ہے اللہ اس کو پیدا فرما دیتا ہے' بندہ کے ارادہ کو کسب اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کو خلق اور ایجاد کہتے ہیں' اور بندہ کو اس کے کسب کی وجہ سے جزاء یا سزا ملتی ہے' جو کسب اور خلق کا فرق نہیں کرتے ان میں سے بعض کہتے ہیں انسان پتھروں کی طرح مجبور ہے اور ہر نیک اور بد کام کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں یہ جبریہ ہیں' اور بعض کہتے ہیں انسان اپنے افعال کا خود خالق ہے یہ معتزلہ ہیں' اور اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ بندہ کاسب ہے اور اللہ تعالیٰ خالق ہے' جبریہ اور معتزلہ مردہ مذاہب ہیں لیکن ان کے نظریات اور آثار اب بھی بعض لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے بے شک اللہ کی اطاعت کر لی اور جس نے پیٹھ پھیری تو ہم نے آپ کو اس کا نگران بنا کر نہیں بھیجا ○ وہ آپ سے کہتے ہیں ہم نے اطاعت کی اور جب وہ آپ کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ رات کو اس بات کے خلاف کہتا ہے جو وہ کہہ چکا تھا' اور اللہ اس کو لکھ لیتا ہے جو کچھ وہ رات کو کہتے ہیں' تو آپ ان سے اعراض کیجئے اور اللہ پر توکل کیجئے اور اللہ (بہ طور) کارساز کافی ہے۔

(النساء : ۸۱-۸۰)

منصب رسالت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے' حسن بصری نے کہا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا ہے اور رسول کی اطاعت حجت ہے' امام شافعی نے الرسالہ میں ذکر کیا ہے کہ ہر وہ کام جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرض کیا ہے مثلاً حج' نماز اور زکوٰۃ' اگر رسول اللہ ﷺ ان کا بیان نہ فرماتے تو ہم ان کو کیسے ادا کرتے اور کسی بھی عبادت کو انجام دینا ہمارے لیے کس طرح ممکن ہوتا' اور جب احکام شرعیہ کا آپ کے بیان کے بغیر ادا کرنا ممکن نہیں ہے تو پھر آپ کی اطاعت کرنا حقیقت میں اللہ عزوجل کی اطاعت ہے۔ (الوسیط ج ۲ ص ۸۴' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری معصیت کی اس نے اللہ کی معصیت کی' اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی معصیت کی اس نے میری معصیت کی۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۸۳۵' صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۷۱۳۷' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۸۵۹' مسند احمد ج ۲ ص ۴۷۱)

قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ امیر کی اطاعت غیر معصیت میں واجب ہے اور معصیت میں اس کی اطاعت حرام ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا حکم دینا اللہ کا حکم دینا ہے' آپ کا منع کرنا اللہ کا منع کرنا ہے' آپ کا وعدہ اللہ کا وعدہ ہے اور آپ کی وعید اللہ کی وعید ہے' آپ کی رضا اللہ کی رضا ہے اور آپ کا غضب اللہ کا غضب ہے' اور آپ کو ایذاء پہنچانا اللہ کو ایذاء پہنچانا ہے۔

اس آیت میں نبی ﷺ کے معصوم ہونے کی دلیل ہے' کیونکہ آپ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت قرار دیا ہے اور سورہ آل عمران : ۳۱' میں آپ کی اتباع کو واجب قرار دیا ہے' اگر آپ کے قول یا عمل میں معصیت اور گناہ آسکے تو پھر معصیت اور گناہ میں بھی آپ کی اتباع واجب ہوگی اور یہ محال ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اور جس نے پیٹھ پھیری تو ہم نے آپ کو اس کا نگران بنا کر نہیں بھیجا۔ اس آیت کی دو تفسیریں کی گئی ہیں :

(۱) اگر کوئی شخص زبان سے اسلام کو قبول کرلیتا ہے اور دل سے ایمان نہیں لاتا تو آپ اس کے نگران نہیں ہیں کیونکہ آپ کے احکام صرف ظاہر پر ہیں۔

(۲) اگر کوئی شخص آپ کی تبلیغ کے باوجود ظاہراً بھی اسلام نہیں لاتا تو آپ غم نہ کریں' کیونکہ آپ کسی کو جبراً مسلمان بنانے والے نہیں ہیں۔ اس کے بعد فرمایا : وہ آپ سے کہتے ہیں ہم نے اطاعت کی اور جب وہ آپ کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو۔ الخ۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ منافقین موافقت اور اطاعت کو ظاہر کرتے ہیں اور جب آپ کے پاس سے اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو اس کے خلاف کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کہتے تھے کہ ہم اللہ

اور اس کے رسول پر ایمان لائے تاکہ اپنی جان اور مال کو محفوظ کرلیں' اور جب آپ کے پاس سے چلے جاتے تو اس کے خلاف کہتے تھے۔ (جامع البیان ج ۵ ص ۱۱۳) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو سرزنش فرمائی ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اور اللہ اس کو لکھ لیتا ہے جو کچھ وہ رات کو کہتے ہیں' اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے ساتھ جو کراما" کاتبین مقرر کیے ہیں وہ ان کی باتوں کو لکھ لیتے ہیں' اس کے بعد فرمایا آپ ان سے اعراض کیجئے اور اللہ پر توکل کیجئے' یعنی آپ ان سے درگزر فرمائیں اور ان کا مواخذہ نہ کریں اور نہ (ابھی) ان کے نفاق کو لوگوں کے سامنے ظاہر کریں اور اللہ پر توکل کریں اور تمام معاملات کو اللہ پر چھوڑ دیں' اللہ تعالیٰ ان کے شر کو آپ سے دور کرنے کے لیے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے! اگر یہ قرآن اللہ کے غیر کے پاس سے آیا ہوتا تو یہ اس میں بہت اختلاف پاتے۔ (النساء : ۸۲)

قرآن مجید میں اختلاف نہ ہونے کا بیان

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ لوگ قرآن مجید کے معانی میں اور اس کے الفاظ بلیغہ میں غور کیوں نہیں کرتے' اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ قرآن مجید میں نہ کوئی اختلاف ہے نہ اضطراب ہے نہ تعارض اور تضاد ہے اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بہت اختلاف اور تعارض ہوتا' اور جب ایسا نہیں ہے تو ثابت ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

غیر اللہ کے کلام میں اختلاف تین وجہ سے ہو سکتا ہے' اس کے الفاظ میں اختلاف ہو یا معنی میں یا ترتیب میں' الفاظ میں اختلاف اس طرح ہو سکتا تھا کہ بعض الفاظ تو فصاحت اور بلاغت میں حد اعجاز کو پہنچے ہوں اور بعض اس حد سے کم ہوں اور جب قرآن مجید کا تمام متن کلام معجز ہے اور اس کی ہر سورت اور ہر آیت حد اعجاز کو پہنچی ہوئی ہے تو اس میں الفاظ کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں ہے' اور اس میں معانی کے اعتبار سے اس طرح اختلاف ہو سکتا تھا کہ اس میں غیب کی خبریں جو بیان کی گئی ہیں ان میں سے بعض صحیح ہوتیں اور بعض غلط ہوتیں' اسی طرح مبدء اور معاد کے جو تکوینی احکام بیان کیے گئے ہیں وہ غلط ثابت ہوتے حالانکہ ہر زمانہ میں قرآن مجید کی صداقت تسلیم کی جاتی رہی ہے' اور قرآن مجید نے ماضی کی جو خبریں اور گزشتہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے جو احوال بیان کیے ہیں وہ حرف بہ حرف صادق ہوئے' اسی طرح قرآن مجید نے جو عقائد اور احکام شرعیہ بیان کیے ان میں بھی کسی قسم کا کوئی تعارض اور تضاد نہیں ہے۔

قرآن مجید میں روز افزوں واقعات اور نئے نئے احوال کے مطابق آیات نازل ہوتی رہیں اور بہ یک وقت کئی کئی سورتوں کی آیات نازل ہوتی رہیں اور نبی ﷺ ہر آیت کو اس سے متعلق سورت میں لکھواتے رہے اور کسی جگہ ترتیب میں کوئی خطا یا کوئی غلطی واقع نہیں ہوئی۔

دنیا کی ہر کتاب میں کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی جگہ سے کوئی خطاء اور کوئی غلطی اور کوئی تعارض اور تضاد واقع ہو جاتا ہے صرف اللہ کی کتاب قرآن مجید ایسی کتاب ہے جس میں کسی وجہ سے کہیں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں ہے اور یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو یہ اس کو پھیلا دیتے ہیں اور اگر یہ اس خبر کو رسول یا صاحبان علم کی طرف پہنچا دیتے تو ان میں سے خبر کا تجزیہ کرنے والے ضرور ان کے (صحیح) نتیجہ تک پہنچ جاتے

الخ (النساء : ۸۳)

اس آیت میں استنباط کا لفظ ہے' استنباط کا معنی ہے کسی چیز سے کسی چیز کو نکالنا' اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ عالم اپنی عقل اور علم سے کسی خبر میں غور و فکر کر کے اس سے صحیح نتیجہ نکالے' قرآن اور حدیث میں غور و فکر کر کے ان سے احکام شرعیہ اخذ کرنے کو بھی استنباط کہتے ہیں۔

شان نزول

یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جو مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہوتے اور لشکر کو شکست ہوتی یا اس کو مال غنیمت حاصل ہوتا' تو وہ نبی ﷺ کے خبر دینے سے پہلے اس خبر کو اڑا دیتے تھے تاکہ مسلمانوں کے دل کمزور ہوں اور نبی ﷺ کو اذیت پہنچے' اگر وہ یہ خبر نہ پھیلاتے حتی کہ رسول اللہ ﷺ یا آپ کے معظم اصحاب میں سے مثلاً حضرت ابوبکر اور حضرت عمر وغیرہ اس خبر کی خود تحقیق کرتے تو وہ اس خبر سے صحیح نتیجہ نکال لیتے۔ (الوسیط ج ۲ ص ۸۷)

امام ابن جریر نے لکھا ہے ان لوگوں سے مراد منافق ہیں یا ضعفاء مسلمین (جامع البیان ج ۵ ص ۱۱۴)

اس آیت میں اولی الامر سے مراد یا تو ان لشکروں کے امیر ہیں یا اصحاب علم و فضل ہیں۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۷۲)

قیاس اور تقلید کے حجت ہونے کا بیان

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شریعت میں قیاس بھی حجت اور دلیل ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ واجب کیا ہے کہ خبر کے ظاہر پر عمل نہ کیا جائے بلکہ غور و فکر کر کے اس خبر سے صحیح نتیجہ اخذ کیا جائے' اس سے معلوم ہوا کہ بعض احکام ظاہر نص سے معلوم نہیں ہوتے بلکہ ظاہر نص سے جو حکم مستنبط کیا جائے اس پر عمل کرنا واجب ہے' اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو نئے مسائل پیش آتے ہیں ان میں عوام پر واجب ہے کہ وہ علماء کی تقلید کریں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ بھی مسائل شرعیہ میں استنباط کرتے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے بعد پیش آمدہ واقعات اور مسائل حاضرہ میں اصحاب علم کو قرآن اور احادیث سے استنباط اور اجتہاد کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو آپ اللہ کی راہ میں قتال کیجئے' آپ کو صرف آپ کی ذات کا مکلف کیا جائے گا۔

(النساء : ۸۴)

شان نزول اور ربط آیات

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کی بہت زیادہ ترغیب دی تھی' اور ان لوگوں کی مذمت کی تھی جو جہاد سے روکتے تھے اور منع کرتے تھے۔ اس آیت میں فرمایا آپ ان لوگوں کے منع کرنے کی طرف توجہ اور التفات نہ کیجئے بلکہ آپ خود اللہ کی راہ میں قتال کیجئے۔

نبی ﷺ سب سے زیادہ شجاع اور بہادر ہیں

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاد کا حکم دیا ہے خواہ آپ کو تنہا کافروں سے جہاد کے لیے جانا پڑے' ابوسفیان نے بدر الصغری میں آپ سے مقابلہ کا وعدہ کیا تھا' بعض مسلمانوں نے وہاں جانا ناپسند کیا' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی' آپ نے کسی کے منع کرنے کی طرف توجہ نہیں کی اور ستر مسلمانوں کے ساتھ آپ روانہ ہوئے اگر کوئی نہ جاتا تو آپ تنہا روانہ ہو جاتے۔

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ سب سے زیادہ شجاع اور دلیر تھے اور قتال کے احوال کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے' کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف نبی ﷺ کو قتال کا مکلف کیا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے' سو نبی ﷺ نے مسلمانوں کو جہاد کی طرف راغب کرنے کے لیے بہت ارشادات فرمائے جن کو ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا عنقریب اللہ کافروں کے زور کو روک دے گا' اللہ کے کلام میں جب بھی عسیٰ (عنقریب) کا لفظ آئے تو وہ یقین کے لیے ہوتا ہے۔ اس میں یہ پیش گوئی ہے کہ عنقریب کفار مغلوب ہوں گے اور مسلمان غالب ہوں گے' سو بعد میں ایسا ہی ہوا اور تمام جزیرہ عرب مسلمانوں کے تسلط میں آگیا اور جب تک مسلمان احکام شرعیہ سے تغافل' عیاشی اور باہمی تفرقہ میں مبتلا نہیں ہوئے اور تبلیغ اسلام کے لیے دنیا میں جہاد کرتے رہے تمام ممالک ان کے زیر تسلط آتے رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو اچھی شفاعت کرے گا اس کے لیے (بھی) اس میں سے حصہ ہے اور جو بری سفارش کرے گا اس کے لیے (بھی) اس میں سے حصہ ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (النساء : ۸۵)

شفاعت کا معنی اور اس کی اقسام

شفاعت کا لفظ شفع سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے ایک انسان دوسرے ضرورت مند انسان کے ساتھ مل جائے اور دونوں مل کر اس ضرورت کے متعلق سوال کریں' اور یہاں یہ مراد ہے کہ نبی ﷺ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیں اور جو مسلمان آپ کی ترغیب سے جہاد کریں گے تو ان کی اس نیکی میں آپ کا بھی حصہ ہوگا' یہ شفاعت حسنہ ہے' اور شفاعت سیئہ یہ ہے کہ منافق اپنے بعض منافقوں کو جہاد میں شریک نہ کرنے کے لیے حضور ﷺ سے شفاعت کرتے تھے کہ ان کو فلاں فلاں عذر ہے اس لیے ان کو جہاد میں نہ شریک ہونے کی اجازت دیں چونکہ یہ بدنیتی پر مبنی شفاعت ہوتی تھی اس لیے یہ بری شفاعت ہے اور اس شفاعت سے جہاد میں شریک نہ ہونے کا گناہ دونوں کو ہوگا ان کو بھی جو شریک نہیں ہوئے اور ان کو بھی جنہوں نے ان کے لیے اس کی سفارش کی۔

اسی طرح کسی بھی نیک کام میں سفارش کرنا اچھی شفاعت ہے مثلاً کسی طالب علم کو دینی مدرسہ میں داخل کرنے کے لیے سفارش کرنا' کسی ضرورت مند عالم دین کے لیے کسی تونگر سے سفارش کرنا کہ ان کی ضرورت کی کتابیں ان کو خرید کر دیں' مسجد اور دینی مدرسہ بنوانے کے لیے سفارش کرنا' کسی مجاہد کے لیے اسلحہ کے حصول میں سفارش کرنا' کسی غریب لڑکی کی شادی کے لیے رشتہ یا جہیز کی سفارش کرنا' کسی بے روزگار کے لیے ملازمت کی سفارش کرنا بہ شرطیکہ وہ اس ملازمت کا اہل ہو' اللہ کے حضور کسی مسلمان کے لیے دعا کرنا اس کی مغفرت چاہنا' یہ سب اچھی سفارشیں ہیں' اور بری سفارش یہ ہے کہ شراب خانہ کے پرمٹ کے لیے سفارش کی جائے' سینما بنانے کے لیے کسی سے سفارش کی جائے' آلات موسیقی کی دکان کے لیے کسی سے سفارش کی جائے' بینک اور انشورنس کمپنی میں ملازمت کے لیے سفارش کی جائے یا کسی نااہل اور غیر مستحق کے لیے سفارش کی جائے۔

نیکی کے کاموں میں شفاعت کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے پاس جب کوئی سائل آتا یا آپ سے کوئی شخص حاجت طلب

کرتا، تو آپ فرماتے تم شفاعت کرو تمہیں اجر دیا جائے گا، اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر جو چاہے گا فیصلہ فرمائے گا۔
(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۱۴۳۲، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۶۲۷، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۵۱۳۲، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۲۵۵۶، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۶۸۱، مسند احمد ج ۴ ص ۴۰۰، ۴۰۳، ۴۰۹، سنن کبری للبیہقی ج ۸ ص ۱۶۷، صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۵۳۱)
امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص لایا گیا جو آپ سے سواری طلب کرتا تھا، آپ کے پاس اس وقت کوئی سواری نہیں تھی۔ آپ نے اس کی کسی اور شخص کی طرف رہنمائی کی اس شخص نے اس کو سواری دے دی، اس سائل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اس کی خبر دی، آپ نے فرمایا نیکی کی رہنمائی کرنے والا بھی نیکی کرنے والے کی مثل ہے۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۶۶۹، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۸۹۳، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۵۱۲۹، مسند احمد، رقم الحدیث : ۱۷۰۸۳، الادب المفرد، رقم الحدیث : ۱۴۲)

کسی برے کام کے حصول کے لیے شفاعت کی ممانعت پر اس آیت میں دلیل ہے :

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ اور گناہ اور سرکشی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔
(المائدہ : ۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب تم کو کسی لفظ سے سلام کیا جائے تو تم اس سے بہتر لفظ کے ساتھ سلام کرو یا اسی لفظ کو لوٹا دو، بے شک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔ (النساء : ۸۶)

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا تھا اور جہاد کے احکام میں سے یہ بھی ہے کہ جب فریق مخالف صلح کرنے پر تیار ہو تو تم بھی اس سے صلح کر لو، قرآن مجید میں ہے :

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہوں۔
(الانفال : ۶۱)

اسی طرح جب کوئی شخص سلام کرے تو اس کے سلام کا عمدہ طریقہ سے جواب دینا چاہیے ورنہ کم از کم اسی لفظ سے سلام کا جواب دیا جائے۔ مثلاً السلام علیکم کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہے اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے۔

اسلام میں سلام کے مقرر کردہ طریقہ کی افضلیت

عیسائیوں کے سلام کا طریقہ ہے منہ پر ہاتھ رکھا جائے (آج کل پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہیں) یہودی ہاتھ سے اشارہ کرتے ہیں، مجوسی جھک کر تعظیم کرتے ہیں، عرب کہتے ہیں حیاک اللہ (اللہ تمہیں زندہ رکھے) اور مسلمانوں کا سلام یہ ہے کہ کہیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تمام طریقوں سے افضل ہے کیونکہ سلام کرنے والا مخاطب کو یہ دعا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آفتوں، بلاؤں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھے، نیز جب کوئی شخص کسی کو سلام کرتا ہے تو وہ اس کو ضرر اور خوف سے مامون اور محفوظ رہنے کی بشارت دیتا ہے، مکمل سلام یہ ہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اور تشہد میں بھی اتنا ہی سلام ہے، جب کوئی شخص فقط السلام علیکم کہے تو اس کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہنا چاہیے اور اگر کوئی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو اس کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے اگر کوئی السلام

علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے تو اس کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے' اور بعض روایات میں و مغفرتہ کا اضافہ بھی ہے۔ (سنن ابوداؤد : ۵۱۹۶) سلام کی ابتداء کرنے والا پہلے لفظ السلام کہتا ہے اور جواب دینے والا وعلیکم السلام کہہ کر بعد میں لفظ السلام کہتا ہے' اس میں نکتہ یہ ہے کہ سلام اللہ کا نام ہے اور مجلس کی ابتداء بھی اللہ کے نام سے ہو اور انتہا بھی اللہ کے نام پر ہو' اور ابتداء بھی سلامتی کی دعا سے ہو اور انتہاء بھی سلامتی کی دعا پر ہو۔

مصافحہ اور معانقہ کی فضیلت اور اجر و ثواب کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ اسلام کا کون سا وصف سب سے بہتر ہے آپ نے فرمایا : تم کھانا کھلاؤ اور ہر (مسلمان) کو سلام کرو خواہ تم اس کو پہچانتے ہو یا نہیں۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۱۲' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۵۱۹۴)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک تم ایمان نہیں لاؤ گے جنت میں داخل نہیں ہو گے' اور جب تک تم ایک دوسرے سے محبت نہیں کرو گے تمہارا ایمان (کامل) نہیں ہو گا' کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتاؤں جس کے کرنے کے بعد تم ایک دوسرے سے محبت کرو؟ ایک دوسرے کو بہ کثرت سلام کیا کرو۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۵۴' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۵۱۹۳' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۶۹۷' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۳۶۹۲' الادب المفرد' رقم الحدیث : ۲۶۹' کشف الاستار عن زوائد البزار' رقم الحدیث : ۲۰۰۲' شعب الایمان' رقم الحدیث ۸۷۴۵)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۵۱۹۷' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۶۹۳' صحیح ابن حبان' رقم الحدیث : ۹۱۱)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوتے اگر ہم کسی درخت کی وجہ سے جدا ہو کر پھر مل جاتے تو ایک دوسرے کو سلام کرتے۔ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (المعجم الاوسط' رقم الحدیث : ۷۹۸۳)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمران بن الحصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا : السلام علیکم آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا اور وہ بیٹھ گیا' نبی ﷺ نے فرمایا : دس (نیکیاں)' پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' آپ نے سلام کا جواب دیا اور وہ بیٹھ گیا پھر آپ نے فرمایا (تیس) نیکیاں' امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے' امام بیہقی نے بھی اس کو حسن کہا ہے' امام ابوداؤد نے سہل سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے : پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ آپ نے فرمایا : چالیس (نیکیاں)

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۵۱۹۵' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۶۹۸' کتاب الآداب للبیہقی رقم الحدیث' : ۲۸۰' الادب المفرد' رقم الحدیث : ۹۸۶' عمل الیوم واللیلۃ للنسائی' رقم الحدیث : ۳۳۹)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جب بھی دو مسلمان ملاقات کے بعد مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے الگ ہونے سے پہلے ان کو بخش دیا جاتا ہے۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۵۲۱۲' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۷۳۶' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۳۷۰۳' کشف الاستار' رقم الحدیث : ۲۰۰۴)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جب ملاقات کرتے تو مصافحہ کرتے اور جب سفر سے آتے تو معانقہ کرتے۔ حافظ منذری نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۴۲۳' المعجم الاوسط' رقم الحدیث : ۹۷)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حماد بن زید نے ابن المبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد کی تعلیم دی در آں حالیکہ میری دونوں ہتھیلیاں آپ کی دونوں ہتھیلیوں میں تھیں۔ (صحیح البخاری کتاب الاستیذان' باب ۲۸' الاخذ بالیدین' رقم الحدیث : ۶۲۶۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے ملاقات کرے تو اس کو سلام کرے' اگر دونوں کے درمیان کوئی درخت یا دیوار یا پتھر حائل ہو جائے اور پھر ملاقات ہو تو دوبارہ سلام کرے۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۵۲۰۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص سلام کرنے میں ابتداء کرے وہ تکبر سے بری ہو جاتا ہے۔

(شعب الایمان' رقم الحدیث : ۸۷۸۶)

کن لوگوں کو سلام کرنے میں پہل کرنی چاہئے

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوار' پیدل کو سلام کرے اور پیدل بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور کم لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔

(صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۶۲۳۲' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۱۶۰' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۵۱۹۸' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۷۰۳' الادب المفرد' رقم الحدیث : ۹۹۵' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث : ۱۹۴۴۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا آپ کا بچوں کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے ان کو سلام کیا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۶۲۴۷' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۱۶۸' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۵۲۰۲' سنن ترمذی' رقم الحدیث :

۷۲۰۵، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی، رقم الحدیث : ۳۳۱، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۳۷۰۰، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث : ۴۵۹، حلیۃ الاولیاء : ج ۶ ص ۲۹۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھوٹا بڑے کو سلام کرے، اور گزرنے والا بیٹھے ہوئے پر اور قلیل، کثیر پر۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۶۲۳۱، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۷۱۳، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۵۱۹۸)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم عورتوں کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے ہم کو سلام کیا۔

(سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۵۲۰۴، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۶۹۷، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۳۷۰۱، مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۷، المعجم الکبیر، رقم الحدیث : ۲۴۸۶)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اے میرے بیٹے جب تم اپنے گھر میں داخل ہو تو سلام کرو اس سے تم پر برکت ہو گی اور تمہارے گھر والوں پر برکت ہو گی۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ (سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۷۰۷) حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلام سے پہلے سلام کرو، امام ترمذی نے کہا یہ حدیث منکر ہے (سنن ترمذی : ۲۷۹۸)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کو اہل کتاب سلام کریں تو تم کہو وعلیکم۔ (صحیح مسلم : ۲۱۶۳، سنن ابوداؤد، ۵۲۰۷)

جن مواقع پر سلام نہیں کرنا چاہیے

امام فخرالدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یہودی کو سلام کی ابتداء نہ کرو، امام ابوحنیفہ نے کہا ہے اس کو خط میں بھی سلام نہ کہو، امام ابویوسف نے کہا نہ ان کو سلام کرو نہ ان سے مصافحہ کرو، اور جب تم ان پر داخل ہو تو کہو السلام علی من اتبع الھدی اور بعض علماء نے کہا ہے کہ ضرورت کے وقت ان کو ابتداء" سلام کرنا جائز ہے (مثلاً کسی کا افسر کافر یا بدمذہب ہو تو اس کو اس کے دائیں بائیں فرشتوں کی نیت کر کے سلام کرے) اور جب وہ سلام کریں تو وعلیک کہنا چاہیے، حسن نے کہا ہے کہ کافر کو وعلیکم السلام کہنا تو جائز ہے لیکن وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہنا نہیں چاہیے کیونکہ یہ مغفرت کی دعا ہے اور کافر کے لیے مغفرت کی دعا جائز نہیں، شعبی نے ایک نصرانی کے جواب میں کہا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ، ان پر اعتراض کیا گیا تو انہوں نے کہا کیا یہ اللہ کی رحمت میں جی نہیں رہا!

(۲) جب جمعہ کے دن امام خطبہ دے رہا ہو تو حاضرین کو سلام نہ کرے کیونکہ لوگ امام کا خطبہ سننے میں مشغول ہیں۔

(۳) اگر حمام میں لوگ برہنہ نہا رہے ہوں تو ان کو سلام نہ کرے اور اگر ازار باندھ کر نہا رہے ہوں تو ان کو سلام کر سکتا ہے۔

(۴) جو شخص قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہو، روایت حدیث کر رہا ہو، یا مذاکرہ علم میں مشغول ہو اس کو بھی سلام نہ کرے۔

(۵) جو شخص اذان اور اقامت میں مشغول ہو اس کو بھی سلام نہ کرے۔
(۶) امام ابو یوسف نے کہا جو شخص چوسر یا شطرنج کھیل رہا ہو یا کبوتر اڑا رہا ہو' یا کسی معصیت میں مبتلا ہو اس کو بھی سلام نہ کرے۔
(۷) جو شخص قضاء حاجت میں مشغول ہو اس کو سلام نہ کرے۔
(۸) جو شخص گھر میں داخل ہو تو اپنی بیوی کو سلام کرے اگر اس ساتھ کوئی اجنبی عورت ہو تو اس کو سلام نہ کرے۔
(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۰)

سلام کرنا سنت ہے اور اس کا جواب دینا واجب ہے' اگر جماعت مسلمین کو سلام کیا تو ہر ایک پر جواب دینا فرض کفایہ ہے لیکن جب کسی ایک نے جواب دے دیا تو باقیوں سے جواب دینے کا فرض ساقط ہو جائے گا' فساق اور فجار کو پہلے سلام نہیں کرنا چاہیے اگر کوئی اجنبی عورت کسی مرد کو سلام کرے تو اگر بوڑھی ہو تو اس کا جواب دینا چاہیے اور اگر جوان ہو تو اس کے سلام کا جواب نہ دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے' وہ ضرور تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں ہے' اور کون ہے جس کی بات اللہ سے زیادہ سچی ہو۔ (النساء: ۸۷)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے سلام کا احسن طریقہ سے جواب دینے کا حکم دیا تھا' اس کا تقاضا یہ ہے کہ جو اجنبی شخص تم کو سلام کرے تم اس کو مسلمان جانو' اور یہ نہ سمجھو کہ اس نے جان بچانے کے لیے سلام کیا ہے اور اس کے دل میں کفر ہے کیونکہ باطن کا حال صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے' اور جس نے اسلام کو ظاہر کیا اور باطن میں وہ کافر تھا اس کا حساب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لے گا' اس لیے اس کے بعد قیامت کا ذکر کیا اور فرمایا اور کون ہے جس کی بات اللہ سے زیادہ سچی ہو' لہٰذا ہم یہاں اللہ تعالیٰ کے صدق کے متعلق گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

امتناع کذب کا بیان

اللہ تعالیٰ واجب بالذات ہے اور اس کی تمام صفات قدیم اور واجب بالذات ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ کا صدق بھی قدیم اور واجب بالذات ہے اور کذب صدق کی نقیض ہے' جب کذب آئے گا تو صدق نہیں رہے گا اور کذب آ نہیں سکتا لہٰذا صدق جا نہیں سکتا' اس لیے اللہ تعالیٰ کا کذب ممتنع بالذات ہے۔

امتناع کذب پر امام رازی کے دلائل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا صدق واجب ہے اور اس کے کلام میں کذب اور خلف محال ہے' ہمارے اصحاب کی دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کاذب ہو تو اس کا کذب قدیم ہو گا اور جب اس کا کذب قدیم ہو گا تو اس کا زوال ممتنع ہو گا' کیونکہ قدیم کا عدم ممتنع ہے' اور جب کذب کا زوال ممتنع ہو گا تو اس کا صدق ممتنع ہو گا' کیونکہ ایک ضد کا وجود دوسری ضد کے وجود سے مانع ہے' اس لیے اگر اللہ کو کاذب مانا جائے تو اس کا صادق ہونا ممتنع ہو گا' لیکن اس کا کذب ممتنع ہے کیونکہ ہم بالبداہت جانتے ہیں کہ جس شخص کو کسی چیز کا علم ہو وہ اس علم کے مطابق اس چیز کی خبر دے سکتا ہے اور یہی صدق ہے اور جب اللہ تعالیٰ کا صادق ہونا ثابت ہو گیا تو اس کا کاذب ہونا ممتنع ہو گیا۔

(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۲۸۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۳۹۸ھ)

نیز ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب ممکن بھی نہیں ہے کیونکہ کذب کا امکان صدق کے عدم کے امکان کو مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ کا صدق واجب ہے اور قدیم ہے اس کا عدم اور سلب ممکن نہیں ہے لہٰذا اس کے کلام میں کذب بھی ممکن نہیں ہے۔

امتناع کذب پر علامہ تفتازانی کے دلائل

علامہ سعد الدین مسعود بن عمر رازی تفتازانی متوفی ۷۹۳ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا کلام ازل میں ماضی' حال اور استقبال کے ساتھ متصف نہیں تھا ورنہ لازم آئے گا کہ ازل میں اللہ کا کلام مثلاً فعصی فرعون ''فرعون نے معصیت کی'' کاذب ہو کیونکہ ازل میں فرعون تھا نہ اس نے معصیت کی تھی' اور اللہ تعالیٰ کا کذب محال ہے اولاً'' اس لیے کہ اس پر علماء کا اجماع ہے' ثانیاً'' اس لیے کہ معجزہ کی دلالت سے انبیاء علیہم السلام کی خبروں کا صدق تواتر سے ثابت ہے اور ان کا صدق اللہ کے کلام پر موقوف نہیں ہے چہ جائیکہ وہ اللہ کے کلام کے صدق پر موقوف ہو' ثالثاً'' اس لیے کہ تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ پر محال ہے کیونکہ نقص عجز' جہل یا عبث کو مستلزم ہے' رابعاً'' اس لیے کہ اگر ازل میں اللہ تعالیٰ کی خبر کاذب ہو تو ازل میں اس کا صدق ممتنع ہوگا' کیونکہ جس چیز کا قدم ثابت ہو اس کا عدم ممتنع ہوتا ہے' جب ازل میں اللہ تعالیٰ صادق ہے تو ازل میں کذب محال ہوگا۔

(شرح المقاصد ملخصاً ج ۴ ص ۱۵۹۔۱۵۸ مطبوعہ ایران)

امتناع کذب پر میر سید شریف کے دلائل

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۲ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ پر کذب کے محال ہونے کی تین دلیلیں ہیں: پہلی دلیل یہ ہے کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے' نیز اگر اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب واقع ہو تو لازم آئے گا کہ بعض اوقات ہم اللہ تعالیٰ سے زیادہ کامل ہوں یعنی جس وقت ہمارا کلام صادق ہو (اور اس کا کلام کاذب ہو) دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کذب سے متصف ہو تو اس کا کذب قدیم ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حوادث قائم نہیں ہو سکتے اور جب اس کا کذب قدیم ہوگا تو اس کا صدق سے متصف ہونا محال ہوگا جو کذب کا مقابل ہے ورنہ اس کی صفت کذب کا زوال ممکن ہوگا اور ہم پہلے اس کے زوال کو محال فرض کر چکے ہیں کیونکہ اس کی صفات قدیم ہیں اور جس کا قدم ثابت ہو اس کا عدم ممتنع ہوتا ہے اور لازم باطل ہے یعنی اللہ پر صدق کا ممتنع ہونا باطل ہے کیونکہ ہم بالبداہت جانتے ہیں کہ جس کو کسی چیز کا علم ہو اس کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ اس علم کے مطابق خبر دے۔ اور تیسری اور معتمد دلیل جو کلام لفظی اور کلام نفسی دونوں میں کذب کے محال ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر کلام میں صادق ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دین میں صادق ہونا بالبداہت معلوم ہے اور اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے' لہٰذا ہم یہ کہتے ہیں کہ تواتر سے منقول ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں صادق ہے' جس طرح تواتر سے یہ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ متکلم ہے' اگر اس دلیل پر یہ اعتراض کیا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کے صادق ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تصدیق کی اور ان کو صادق فرمایا اب اگر اللہ کا صادق ہونا اور اس پر کذب کا ممتنع ہونا انبیاء علیہم السلام کے قول اور ان کی خبر سے ثابت ہو تو

یہ دور ہو جائے گا' انبیاء کا صادق ہونا اللہ کی خبر پر اور اللہ کا صادق ہونا انبیاء کی خبر پر موقوف ہوا اور یہ کسی شے کا اپنے نفس پر موقوف ہونا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا صدق اللہ کی تصدیق پر موقوف نہیں ہے بلکہ معجزہ کی دلالت پر موقوف ہے' انبیاء علیہم السلام اپنے دعویٰ نبوت پر معجزہ خارق عادت پیش کرتے ہیں جس سے ان کا صدق ثابت ہوتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کا صادق اور متکلم ہونا انبیاء علیہم السلام کی خبر پر موقوف ہے' وہ خبر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ متکلم اور صادق ہے۔ (شرح مواقف ج ۸ ص ۱۰۳۔۱۰۱' مطبوعہ ایران)

شرح مواقف کے دلائل پر علامہ میر سید شریف کے اعتراضات

صاحب مواقف نے امتناع کذب پر پہلی دلیل یہ قائم کی کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ پر محال ہے' پھر اس پر یہ اعتراض کیا کہ کلام نفسی میں کذب نقص ہے کلام لفظی میں کذب نقص نہیں ہے' کیونکہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی جسم میں کلام کاذب پیدا کر دے' اس کا جواب یہ دیا کہ کلام کاذب کو پیدا کرنا بھی نقص ہے اور وہ اللہ پر محال ہے' ثابت ہوا کہ اللہ کے کلام میں کذب مطلقاً" محال ہے' اس پر علامہ میر شریف نے یہ اعتراض کیا کہ اشاعرہ افعال کا حسن اور قبح شرعی مانتے ہیں اور قبح عقلی کے قائل نہیں ہیں اور قبح عقلی اور نقص میں کوئی فرق نہیں ہے اور جب اللہ پر قبح عقلی جائز ہے تو اس پر نقص بھی جائز ہونا چاہئے اور جب اللہ پر نقص جائز ہو گیا تو اس کے کلام میں کذب کا ممتنع ہونا ثابت نہیں ہوا۔

(شرح المواقف ج ۸ ص ۱۰۳ مطبوعہ ایران)

علامہ میر سید شریف کے اعتراضات کے جوابات

ماتریدیہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے وہ فی نفسہ حسن ہے اور جس چیز سے منع کیا ہے وہ فی نفسہ قبیح ہے مثلاً منعم کا شکر ادا کرنا حسن ہے اگر اللہ تعالیٰ اس کا حکم نہ بھی دیتا تب بھی فی نفسہ حسن ہی رہتا اور قتل ناحق فی نفسہ قبیح ہے اگر اللہ تعالیٰ اس سے منع نہ بھی فرماتا تب بھی یہ قبیح ہی رہتا' کیونکہ اول الذکر کے حسن اور ثانی الذکر کے قبح کا ادراک کرنے میں عقل مستقل ہے اور یہ معنی ہے ان کے اس قول کا کہ افعال کا حسن اور قبح عقلی ہے' اور اشاعرہ یہ کہتے ہیں کہ حسن اور قبح شرعی ہے یعنی جس کا شارع نے حکم دیا ہے وہ حسن ہے اور جس سے منع کیا ہے وہ قبیح ہے عقل کا اس میں کوئی دخل نہیں' اگر بالفرض شارع قتل ناحق کا حکم دیتا تو وہ حسن ہوتا اور شکر منعم یا عبادت کرنے سے منع کرتا تو وہ قبیح ہوتی۔ اور اس بحث میں حسن کا معنی ہے جس کام کی وجہ سے انسان دنیا میں مدح کا اور آخرت میں ثواب کا مستحق ہو اور قبح کا معنی ہے جس کام کی وجہ سے انسان دنیا میں مذمت کا اور آخرت میں عذاب کا مستحق ہو' اس حسن اور قبح کو اشاعرہ کہتے ہیں کہ شرعی ہے عقلی نہیں ہے یعنی عقل اس کے ادراک میں مستقل نہیں ہے مثلاً عقل کیسے جان سکتی ہے کہ تیمم سے طہارت حاصل ہو جاتی ہے یا موزہ کے اوپر کے حصے پر مسح کرنے سے طہارت ہو جاتی ہے یا سونے اور ہوا خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لیے ان کا حسن اور قبح شرعی ہے اور ماتریدیہ یہ کہتے ہیں کہ افعال کا حسن اور قبح عقلی ہے یعنی عقل' ان کے حسن اور قبح کی ادراک میں مستقل ہے۔ اشاعرہ اور ماتریدیہ کا افعال کے حسن اور قبح کے عقلی ہونے یا نہ ہونے کا اختلاف اسی معنی میں ہے۔

حسن کا دوسرا معنی ہے صفت کمال جیسے علم اور صدق' قبح کا دوسرا معنی ہے صفت نقصان جیسے جہل اور کذب اس میں ماتریدیہ اور اشاعرہ سمیت تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ان کا حسن اور قبح عقلی ہے اور جب یہ واضح ہو گیا تو مواقف

میں جو یہ لکھا ہے کہ کذب نقص ہے اور یہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے پھر اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ کذب کا نقص ہونا توقبح عقلی ہے اور اس کو اشاعرہ نہیں مانتے یہ اعتراض صحیح نہیں ہے کیونکہ اشاعرہ حسن اور قبح کے جس معنی کو شرعی کہتے ہیں اور اس کے عقلی ہونے کی نفی کرتے ہیں وہ اور معنی ہے' وہ یہ ہے کہ جس کام کی وجہ سے انسان دنیا میں مذمت اور آخرت میں عذاب کا مستحق ہو وہ قبیح ہے اور جس کی وجہ سے دنیا میں تعریف اور آخرت میں ثواب کا مستحق ہو وہ حسن ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ کے لیے اس معنی کے لحاظ سے نہ کوئی فعل حسن ہے نہ قبیح' اللہ تعالیٰ کے لحاظ سے حسن وہ فعل ہے جس میں کمال ہو اور قبیح وہ ہے جس میں نقص ہو اور اس معنی کے لحاظ سے حسن اور قبح کا عقلی ہونا اشاعرہ سمیت سب کے نزدیک مسلم ہے اس لیے کذب صفت نقص ہے اور نقص اللہ پر محال ہے اور اس دلیل پر کوئی اعتراض نہیں ہے' مسلم الثبوت اور اس کی شروحات میں بھی یہی لکھا ہے لیکن ہم نے قارئین کی سہولت کے لیے اس کو بہت آسان' سہل اور واضح کر کے پیش کیا۔ (شرح مسلم الثبوت للخیر آبادی ص ۸۳-۵۲ ملخصاً' مطبوعہ کوئٹہ' فواتح الرحموت مع المستصفیٰ ج ۱ ص ۴۶-۲۶' ملخصاً مطبوعہ مصر)

صاحب مواقف نے دوسری دلیل یہ قائم کی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ کذب سے متصف ہو تو اس کا کذب قدیم ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ حوادث قائم نہیں ہو سکتے اور جب اس کا کذب قدیم ہو گا تو اس کا صدق سے متصف ہونا محال ہو گا' جو کذب کا مقابل ہے اور اگر کذب قدیم نہ ہو تو اس کا زوال ممکن ہو گا اور ہم پہلے فرض کر چکے ہیں کہ کذب اس کی صفت ہے اور قدیم ہے اور جس کا قدم ثابت ہو اس کا عدم ممتنع ہوتا ہے' پس اگر کذب کو اللہ کی صفت مانا جائے تو اس کا صادق ہونا محال ہو گا اور یہ باطل ہے کیونکہ ہم بداہتہً جانتے ہیں کہ جس کو کسی چیز کا علم ہو وہ اس کے مطابق خبر دے سکتا ہے۔

علامہ سید شریف نے اس دلیل پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس دلیل سے یہ لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام نفسی میں کذب محال ہو' کیونکہ قدیم کلام نفسی ہے' رہا کلام لفظی تو وہ مخلوق اور حادث ہے اور کلام لفظی جو صادق ہو وہ ممکن اور حادث ہونے کی وجہ سے زائل بھی ہو سکتا ہے اور کلام لفظی میں صدق کے زوال کا امکان بعینہ کذب کا امکان ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ہم مانتے ہیں کہ اللہ کا کلام لفظی صادق اور حادث ہے اور حادث کا زوال بھی ممکن ہے لیکن کلام صادق کے زوال سے کلام کاذب کا امکان لازم نہیں آتا' کیونکہ کذب کا معنی ہے ایسی خبر جو واقع کے خلاف ہو اور کلام صادق کے زوال اور عدم کے امکان سے یہ کب لازم آتا ہے کہ ایسی خبر وجود میں آجائے جو واقع کے خلاف ہو' خلاصہ یہ ہے کہ کلام لفظی صادق کے زوال کا امکان عام ہے اور کلام کاذب کا ثبوت خاص ہے اور عام کا ثبوت خاص کے ثبوت کو مستلزم نہیں ہوتا' عام کی خاص پر دلالت نہ مطابقی ہوتی ہے نہ تضمنی نہ التزامی' اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ کلام صادق لفظی کے زوال کا امکان بعینہ کذب کا امکان ہے۔

امتناع کذب پر علامہ میر سید شریف کی تصریحات

علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ لکھتے ہیں :

(فرق باطلہ میں سے) مزداریہ نے کہا اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے اور ظلم کرنے پر قادر ہے' علامہ میر سید شریف اس کا رد فرماتے ہیں : اگر اللہ تعالیٰ ایسا کرے گا تو وہ جھوٹا خدا ہو گا' اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔

(شرح مواقف ج ۸ ص ۱۸۱' مطبوعہ ایران)

امتناع کذب کے متعلق دیگر علماء کی تصریحات اور دلائل

علامہ محمد عبدالحکیم سیالکوٹی متوفی ۱۰۶۷ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ کی ذات پر جہل اور کذب دونوں محال ہیں۔

(حاشیہ عبدالحکیم علی الخیالی ص ۲۵۷، مع مجموعہ الحواشی البہیہ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ، ۱۳۹۷ھ)

قاضی عبداللہ بن عمر بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ صادق نہیں ہو سکتا اور کذب اللہ پر محال ہے کیونکہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ پر محال ہے۔

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی متوفی ۱۰۶۹ھ اس عبارت کی شرح میں لکھتے ہیں : زیادہ صادق ہونے کی نفی کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص صدق میں اللہ کے مساوی بھی نہیں ہو سکتا' اللہ تعالیٰ کے حق میں کذب عقلاً" اور شرعاً" محال ہے کیونکہ جھوٹ یا تو کسی ضرورت کی بناء پر بولا جائے گا یا بلاضرورت' کسی ضرورت کی بناء پر جھوٹ بولنا اللہ پر اس لیے محال ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے مستغنی ہے اور بلاضرورت جھوٹ عدم علم کی وجہ سے بولا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے' کوئی چیز اس سے غائب نہیں' یا بلاضرورت قصداً" جھوٹ بولا جائے گا اور یہ حماقت ہے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس دلیل سے تو کلام نفسی میں جھوٹ محال ہو گا اور کلام لفظی میں تو جھوٹ ممکن رہے گا کہ اللہ تعالیٰ کسی مخلوق میں ایسی خبر پیدا کر دے جو واقع کے خلاف ہو بایں طور کہ وہ اس مخلوق کا کلام نہ ہو بلکہ اللہ کا کلام ہو اور غیر کی طرف منسوب نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو جیسے قرآن کلام لفظی ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی نقص ہے کیونکہ اس سے جہل تو لازم نہیں آتا لیکن اس میں تجہیل ہے اور دوسروں کو جاہل بنانا ہے اور یہ بھی اللہ کے لیے نقص ہے اور نقص اللہ پر عقلاً" محال ہے' علاوہ ازیں یہ محال شرعی بھی ہے۔

زیر تفسیر آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : "اور کون ہے جس کی بات اللہ کی بات سے زیادہ سچی ہو۔" اس کا معنی ہے' اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سچا ہے نہ کوئی صدق میں اس کے برابر ہے اور نہ کوئی صدق میں اس سے زیادہ ہے' مخلوق میں سب سے زیادہ سچے انبیاء علیہم السلام ہیں لیکن ان کا صدق واجب بالغیر ہے اور ان کے کلام میں کذب ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے' اگر اللہ کا صدق بھی اسی طرح ہو اس کے کلام میں بھی کذب ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہو تو انبیاء علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ صدق میں مساوی ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور کون ہے جس کی بات اللہ سے زیادہ سچی ہو' یعنی وہ سب سے زیادہ سچا ہے جس کا تقاضا ہے کہ اس کا صدق قدیم اور واجب بالذات ہو اور اس کا کذب ممتنع بالذات ہو۔

مفتی احمد یار خان نعیمی متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ کا جھوٹ ممتنع بالذات ہے کیونکہ پیغمبر کا جھوٹ ممتنع بالغیر اور رب تعالیٰ تمام سے زیادہ سچا تو اس کا سچا ہونا واجب بالذات ہونا چاہئے ورنہ اللہ کے صدق اور رسول کے صدق میں فرق نہ ہو گا۔

(نور العرفان ص ۱۴۴' مطبوعہ ادارہ کتب اسلامیہ گجرات)

امتناع کذب کے متعلق علماء دیوبند کا عقیدہ

شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ لکھتے ہیں :

آپ نے مسئلہ امکان کذب کو استفسار فرمایا ہے مگر امکان کذب بایں معنی کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اس کے خلاف پر وہ قادر ہے مگر باختیار خود اس کو وہ نہ کرے گا یہ عقیدہ بندہ کا ہے اور اس عقیدہ پر قرآن شریف اور احادیث صحاح شاہد ہیں اور علماء امت کا بھی یہی عقیدہ ہے مثلاً فرعون پر ادخال نار کی وعید ہے مگر ادخال جنت فرعون پر بھی قادر ہے اگرچہ ہرگز اس کو نہ دیوے گا' اور یہی مسئلہ مبحوث اس وقت میں ہے بندہ کے جملہ احباب یہی کہتے ہیں اس کو اعداء نے دوسری طرح پر بیان کیا ہوگا اس قدرت اور عدم ایقاع کو امکان ذاتی و امتناع بالغیر سے تعبیر کرتے ہیں۔ فقط

(فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب ص ۸۵۔ ۸۴' مطبوعہ قران محل کراچی)

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب ممتنع اور محال بالذات ہے اور محال بالذات تحت قدرت نہیں ہوتا' مثلاً اللہ تعالیٰ کا عدم محال بالذات ہے اور یہ تحت قدرت نہیں ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا جہل اور کذب بھی محال بالذات ہے اور یہ تحت قدرت نہیں ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل عبارت میں ہے۔

خلف وعید کا اختلاف اللہ تعالیٰ کے کذب کو مستلزم نہیں ہے

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

امام قرافی اور ان کے متبعین نے کہا ہے کہ کافر کی مغفرت کی دعا کرنا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خبر کی تکذیب کو طلب کرنا ہے اور یہ کفر ہے۔ (الی قولہ) کیا خلف فی الوعید جائز ہے؟ مواقف اور مقاصد کی ظاہر عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ اشاعرہ خلف فی الوعید کے قائل ہیں کیونکہ خلف فی الوعید جود اور کرم ہے نقص نہیں ہے' اور علامہ تفتازانی وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ خلف فی الوعید جائز نہیں ہے' علامہ نسفی نے کہا ہے کہ یہی صحیح ہے کیونکہ خلف فی الوعید محال ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ما یبدل القول لدی اور فرمایا ہے لن یخلف اللہ وعدہ ای وعیدہ اور اشبہ بالحق یہ ہے کہ مسلمانوں کے حق میں خلف فی الوعید جائز ہے اور کفار کے حق میں جائز نہیں ہے تاکہ دونوں طرف کے دلائل میں تطبیق ہو جائے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء اس میں یہ تصریح ہے کہ مشرک کی مغفرت نہیں ہوگی' اور مسلمان نے خواہ کبیرہ گناہ کیا ہو اس کی مغفرت ہو جائے گی' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی : ربنا اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب' ان آیتوں کا تقاضا یہ ہے کہ کافر کی مغفرت نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے عذاب کی جو وعید فرمائی ہے اس کا خلاف محال ہے اور گنہ گار مسلمانوں کے لیے جو عذاب کی وعیدیں ہیں ان کے خلاف ہو جائے گا اور وہ اللہ کا کرم ہے' نیز گنہ گار مسلمانوں کے لیے عذاب کی جو وعیدیں ہیں وہ عدم عفو کے ساتھ مقید ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ شرک کے سوا ہر گناہ کو بخش دے گا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ کفار کے لیے جو عذاب کی وعید ہے اس کا خلاف محال ہے اور گناہ گار مسلمانوں کے لیے جو عذاب کی وعید ہے اس کا خلاف ہو جائے گا کیونکہ مسلمان کے حق میں وعید کا یہ معنی ہے کہ اگر تم نے فلاں گناہ کیا تو میں تم کو عذاب دوں گا بہ شرطیکہ میں نے چاہا یا میں نے تم کو معاف نہ کیا اور اس سے کذب لازم نہیں آتا کیونکہ گناہ گار مسلمانوں کے لیے آیات وعید عدم عفو یا مشیت کے ساتھ مقید ہیں۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۵۱' ملخصاً و موضحاً مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

شیخ خلیل احمد انبیٹھوی متوفی ۱۳۴۶ھ لکھتے ہیں :

امکان کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا بلکہ قدماء میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف وعید جائز ہے یا نہیں؟

(براھین قاطعہ ص ۲ مطبوعہ مطبع بلالی ہند)

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اشاعرہ جو خلف وعید کے قائل ہیں وہ گناہ گار مسلمانوں کے حق میں خلف وعید کے قائل ہیں اور عذاب کی آیات کو عدم عفو کے ساتھ مقید کرتے ہیں اور کفار کے حق میں خلف وعید کے قائل نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے کذب کے لزوم سے برات کا اظہار کرتے ہیں :

علامہ کمال الدین بن ابی شریف اشعری المذہب متوفی ۹۰۵ھ لکھتے ہیں :

اشعریہ اور ان کے غیر کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہر وہ شے جو بندوں کے حق میں نقص ہو وہ اللہ پر محال ہے اور کذب بندوں کے حق میں وصف نقص ہے سو وہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔ (مسامرہ ج ۱ ص ۱۸۴ مطبوعہ مکران)

اور علامہ بحر العلوم عبد العلی بن نظام الدین لکھنوی متوفی ۱۲۲۵ھ لکھتے ہیں :

حق یہ ہے کہ حقیقت سے عدول کرنے کا موجب موجود ہے اور وہ گنہ گار مسلمانوں' نہ کہ مشرکوں کے لیے جواز عفو کا ثبوت ہے اور یہ ثبوت آفتاب نیم روز کی طرح قطعی اور یقینی ہے پس کفار کے غیر (گناہ گار مسلمانوں) کی وعیدوں میں ظاہر سے عدول کرنا ضروری ہے پس یا تو آیات وعید کو عدم عفو کے ساتھ مقید کیا جائے گا' (یعنی اگر اللہ ان کو معاف نہ کرے تو یہ سزا دے گا) یا ان کو انشاء تخویف پر محمول کیا جائے گا (یعنی اللہ تعالیٰ نے گنہ گار مسلمانوں کو عذاب دینے کی خبر نہیں دی بلکہ ان کو عذاب سے ڈرانے کے لیے ایسا فرمایا ہے) رہا وعد تو اس میں حقیقت سے عدول کرنے کا کوئی موجب نہیں تو وہ آیات اپنی حقیقت پر ہیں۔ (فواتح الرحموت مع المستصفیٰ ص ۶۲ مطبوعہ مصر' ۱۲۹۴ھ)

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ

تمہیں کیا ہو گیا کہ منافقوں کے متعلق تمہاری دو رائیں ہو گئیں حالانکہ اللہ نے ان (منافقوں) کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے

اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ

اوندھا کر دیا ہے، کیا تم چاہتے ہو کہ اس کو ہدایت پر چلاؤ جس میں اللہ نے گمراہی پیدا کر دی ہے اور جس میں اللہ نے گمراہی

اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا

کو پیدا کر دیا، تم اس کے لیے (ہدایت پر چلانے کا) کوئی طریقہ نہیں پا سکو گے ○ وہ دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح کافر

فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا

ہو جاؤ تاکہ تم سب برابر ہو جاؤ، لہٰذا تم ان کو دوست نہ بناؤ حتیٰ کہ وہ ہجرت کر کے اللہ

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ

کی راہ میں جہاد کے لیے نکلیں۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں تو ان کو پکڑو اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر

وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا

دو ، اور ان میں سے کسی کو نہ دوست بناؤ اور نہ مدد گار ٥ ماسوا اس

الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ

کے کہ وہ اس قوم تک پہنچ جائیں جس (قوم) کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو یا وہ

جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا

تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ تمہارے ساتھ لڑنے سے ان کے دل تنگ آچکے ہوں یا وہ اپنی قوم سے

قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ

لڑیں ۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ضرور ان کو تم پر مسلط کر دیتا پس بیشک وہ تم سے لڑتے ، سو اگر وہ

اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا

تم سے کنارہ کش ہو جائیں اور تم سے نہ لڑیں اور تمہارے پاس صلح کا پیغام پہنچائیں تو اللہ نے

جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ

تمہارے لیے ان کے خلاف (لڑنے کا) کوئی طریقہ نہیں رکھا ٥ عنقریب تم ایک اور قسم کے منافقوں کو پاؤ گے

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى

جو یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے ساتھ بھی امن سے رہیں اور اپنی قوم سے بھی مامون رہیں اور جب بھی (ان کی قوم کی طرف

الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ

سے) فتنہ کی آگ بھڑکائی جائے تو وہ اس میں کود پڑیں ، پس اگر وہ تم سے الگ نہ ہوں اور تمہیں صلح کا پیغام نہ بھیجیں

السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ

اور (لڑائی سے) اپنے ہاتھ نہ روکیں تو تم ان کو پکڑ لو اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر

ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾ ع

دو ، یہ وہ لوگ ہیں جن پر (ہاتھ اٹھانے کے لیے) ہم نے تمہیں کھلا اختیار دیا ہے ٥

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقین کے متعلق تمہاری دو رائیں ہو گئی ہیں حالانکہ اللہ نے ان (منافقوں) کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے اوندھا کر دیا ہے۔ (النساء : ۸۸)

اس آیت کے شان نزول میں دو قول ہیں' پہلے قول کے متعلق یہ حدیث ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم احد کی طرف نکلے تو آپ کے لشکر میں سے کچھ لوگ واپس ہو گئے۔ آپ کے اصحاب میں سے ایک فریق نے کہا ہم ان کو قتل کریں گے اور دوسرے فریق نے کہا ہم ان کو قتل نہیں کریں گے۔

اس وقت یہ آیت نازل ہوئی : فما لکم فی المنافقین فئتین (النساء : ۸۸) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ لوگوں کو اس طرح نکال دیتا ہے جسے بھٹی لوہے سے زنگ نکال دیتی ہے۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۱۸۸۴' مسند احمد ج ۸' رقم الحدیث : ۲۱۶۵۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

دوسرا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ لوگ مکہ سے مدینہ آ گئے تھے' انہوں نے مسلمانوں پر یہ ظاہر کیا کہ وہ مسلمان ہیں پھر وہ مکہ واپس چلے گئے اور مکہ والوں پر یہ ظاہر کیا کہ وہ مشرک ہیں : امام ابن جریر روایت کرتے ہیں :

مجاہد اس آیت کے شان نزول میں بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ مکہ سے نکل کر مدینہ پہنچ گئے اور انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ مہاجر ہیں' پھر اس کے بعد وہ مرتد ہو گئے' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ وہ مکہ سے اپنا مال لا کر تجارت کریں گے تو ان کے متعلق مسلمانوں میں اختلاف ہو گیا' بعض مسلمانوں نے کہا وہ منافق ہیں اور بعض نے کہا وہ مومن ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کے نفاق کو بیان کر دیا اور ان سے قتال کا حکم دیا وہ اپنا مال لے کر مدینہ جانے کا ارادہ کر رہے تھے تو ان سے ہلال بن عویمر اسلمی نے ملاقات کی' اس کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ تھا اور یہی وہ شخص تھا جس کا مسلمانوں سے لڑتے لڑتے دل تنگ ہو چکا تھا یا وہ اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے عاجز ہو چکا تھا' اس نے ان لوگوں کی مدافعت کی اور کہا یہ مومن ہیں۔

(جامع البیان جز ۵ ص ۲۶۳-۲۶۲' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : کیا تم چاہتے ہو کہ اس کو ہدایت پر چلاؤ جس میں اللہ نے گمراہی پیدا کر دی ہے اور جس میں اللہ نے گمراہی کو پیدا کر دیا تم اس کے لیے (ہدایت پر چلانے کا) کوئی طریقہ نہیں پا سکو گے۔ (النساء : ۸۸)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو ان کی سرکشی اور ان کے کفر کی وجہ سے دین سے گمراہ کر دیا ہے' مسلمان یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ منافق سچے اور مخلص مسلمان بن جائیں' اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ کیا تم ان لوگوں کو جنت کا راستہ دکھانا چاہتے ہو جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے جنت کے راستہ سے گمراہ کر دیا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کفار کو جنت کے راستہ کی ہدایت نہیں دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح کافر ہو جاؤ تاکہ تم سب برابر ہو جاؤ۔ لہذا تم ان کو دوست نہ بناؤ حتی کہ وہ ہجرت کر کے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلیں' پھر اگر وہ روگردانی کریں تو ان کو پکڑو اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو' اور ان میں سے کسی کو نہ دوست بناؤ اور نہ مددگار ○ (النساء : ۸۹)

کفار اور بد عقیدہ لوگوں کے ساتھ دوستی رکھنے کی ممانعت

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا تم ان منافقوں کو ہدایت یافتہ بنانا چاہتے ہو' اور اس آیت میں فرمایا : حالانکہ ان کا حال یہ ہے کہ یہ تم کو کافر بنانا چاہتے ہیں اس لیے تم ان کو دوست نہ بناؤ- کفار کو دوست بنانے سے قرآن مجید اور احادیث میں منع کیا گیا ہے :

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ (الممتحنہ : ۱)

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ' تم ان کو دوستی کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ انہوں نے اس حق کا انکار کیا ہے جو ان کے پاس آیا ہے-

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : میری امت کے آخر میں کچھ لوگ ظاہر ہوں گے' جو تمہارے سامنے ایسی حدیثیں بیان کریں گے جن کو تم نے سنا ہو گا نہ تمہارے باپ دادا نے' تم ان سے دور رہنا وہ تم سے دور رہیں- (مقدمہ صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : آخر زمانہ میں دجال اور کذاب ہوں گے' جو تمہارے پاس ایسی حدیثیں لائیں گے جن کو تم نے سنا ہو گا نہ تمہارے باپ دادا نے تم ان سے دور رہنا وہ تم سے دور رہیں کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کر دیں اور تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں- (مقدمہ صحیح مسلم)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : منکرین تقدیر کے ساتھ مت بیٹھو اور نہ ان سے پہلے مخاطب ہو- (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۷۱۰)

ہجرت کی تعریف اور اس کی اقسام

نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تم ان (منافقوں) کو دوست نہ بناؤ حتیٰ کہ وہ ہجرت کر کے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلیں' اس کا معنی یہ ہے کہ وہ منافق پہلے خلوص قلب سے اسلام لائیں پھر ہجرت کریں کیونکہ ایمان اور اخلاص کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں ہے-

ہجرت کا معنی ہے دار الحرب کو ترک کر کے دار الاسلام میں منتقل ہونا' جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں ہجرت کر کے آ گئے تو مکہ کے مسلمانوں پر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت واجب ہو گئی اور جب مکہ فتح ہو گیا تو اب یہ ہجرت منسوخ ہو گئی کیونکہ اب مکہ دار الاسلام بن گیا' جو مسلمان کسی کافر ملک میں رہتے ہوں اور وہاں ایمان کے اظہار کی وجہ سے ان کی جان' مال اور عزت کے ہلاک ہونے کا یقینی خطرہ ہو ان پر واجب ہے کہ وہ اس ملک کو چھوڑ کر دار الاسلام میں منتقل ہو جائیں' النساء : ۹۷' میں انشاء اللہ ہم اس ہجرت کی فرضیت کو بیان کریں گے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کو سخت اور مشکل قرار دیا ہے اور فرمایا ہے یہ ہجرت قیامت تک باقی رہے گی' ہجرت کی ایک اور قسم ہے دار الخوف سے دار الامن میں منتقل ہونا' جیسے مسلمان مکہ سے حبشہ میں منتقل ہو گئے تھے یا جیسے مسلمان بھارت سے برطانیہ' ہالینڈ' جنوبی افریقہ اور جرمنی وغیرہ کافر ملکوں میں منتقل ہو جائیں' اور ہجرت کی تیسری قسم ہے گناہوں سے ہجرت کرنا' اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں-

قیامت تک ہجرت کا مشروع ہونا

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہجرت اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ توبہ منقطع نہ ہو' اور توبہ اس وقت تک منقطع نہیں ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔

(سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۲۴۷۹' مسند احمد ج ۱' رقم الحدیث : ۱۶۷۱' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

بعض احادیث میں مذکور ہے کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے فرمایا فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے' لیکن جہاد اور نیت ہے' جب تم کو جہاد کے لیے طلب کیا جائے تو تم روانہ ہو جاؤ۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۸۶۴' ۱۸۶۳' صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۱۸۳۴' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۲۴۸۰' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۵۹۰' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۴۱۸۰)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا کہ مکہ فتح ہونے کے بعد مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت منسوخ ہو گئی اور مطلقاً دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف ہجرت قیامت تک مشروع ہے۔

اصل ہجرت گناہوں کو ترک کرنا ہے

ہجرت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ برے کاموں کو چھوڑ کر توبہ کرنا اور نیک کاموں کی طرف منتقل ہونا' اس سلسلہ میں حسب ذیل احادیث ہیں :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہاجر وہ ہے جس نے اللہ کے منع کیے ہوئے کاموں سے ہجرت کی۔ (یعنی ان کو ترک کر دیا) (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۱۰)

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن حبشی خثعمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کون سی ہجرت افضل ہے؟ آپ نے فرمایا جس نے اللہ کے حرام کیے ہوئے کاموں سے ہجرت کر لی۔

(سنن نسائی' رقم الحدیث : ۲۵۲۵' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۱۴۴۹' سنن دارمی' رقم الحدیث : ۱۴۲۴)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کے متعلق دریافت کیا' آپ نے کچھ دیر توقف کیا پھر فرمایا سائل کہاں ہے' اس نے کہا میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا ہجرت یہ ہے کہ تم تمام بے حیائی کے کاموں کو چھوڑ دو خواہ وہ کام ظاہر کیے جائیں یا چھپ کر اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو پھر تم مہاجر ہو خواہ تم اپنے شہر میں مر جاؤ۔ (مسند احمد ج ۲' رقم الحدیث : ۷۱۱۷' مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۴ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

عبید بن عمیر لیثی بیان کرتے ہیں ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہجرت کے متعلق سوال کیا آپ نے فرمایا : اب ہجرت نہیں رہی، پہلے مسلمانوں میں کوئی شخص اپنے دین کی حفاظت کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف بھاگ کر جاتا تھا' اس کو یہ خطرہ ہوتا تھا کہ دین پر قائم رہنے کی وجہ سے وہ کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے' لیکن اب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غالب کر دیا' اب انسان جہاں چاہے اپنے رب کی عبادت کرے لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔

(صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۳۹۰۰)

ہجرت کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ اگر اب کسی جگہ اسلام کی وجہ سے مسلمان کو فتنہ کا خطرہ ہو تو اب بھی اس پر ہجرت فرض ہے۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں :

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ابتداء اسلام میں ہجرت فرض تھی پھر فتح مکہ کے بعد ہجرت کرنا مستحب ہے' علامہ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ ہجرت کی دو قسمیں ہیں ایک ہجرت وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے ایک مسلمان اپنے اہل' مال اور گھر بار کو چھوڑ کر نبی ﷺ کے پاس چلا جاتا تھا فتح مکہ کے بعد یہ ہجرت منسوخ ہو گئی' اور دوسری ہجرت وہ ہے جیسے اعراب ہجرت کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کرتے تھے اور اول الذکر کی طرح ہجرت نہیں کرتے تھے یہ ہجرت قیامت تک باقی ہے' میں کہتا ہوں ہجرت کی ایک اور قسم بھی ہے وہ ہے گناہوں سے ہجرت کرنا' امام احمد حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہجرت کی دو قسمیں ہیں ایک قسم یہ ہے کہ تم برائیوں اور گناہوں سے ہجرت کرو اور دوسری قسم یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرو اور جب تک توبہ منقطع نہ ہو یہ ہجرت منقطع نہیں ہو گی اور جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو توبہ منقطع نہیں ہو گی۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۳۰-۲۹' مطبوعہ مصر)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ماسوا اس کے کہ وہ اس قوم تک پہنچ جائیں جن کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو' یا وہ تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ تمہارے ساتھ لڑنے سے ان کے دل تنگ آ چکے ہوں' یا وہ اپنی قوم سے لڑیں اور اگر اللہ چاہتا تو ضرور ان کو تم پر مسلط کر دیتا پس بے شک وہ تم سے لڑتے۔ (النساء : ۹۰)

جن کافروں سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو اس کی پابندی کی جائے گی

اس میں اختلاف ہے کہ جس قوم کو اللہ تعالیٰ نے جہاد کے حکم سے مستثنیٰ فرمایا ہے وہ کون ہیں' آیا وہ مسلمان ہیں یا کافر' جمہور نے کہا وہ کافر ہیں اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف جہاد کو واجب قرار دیا ہے مگر جب کفار کے ساتھ معاہدہ ہو یا انہوں نے تم سے قتال کرنا ترک کر دیا ہو تو پھر ان کے خلاف قتال واجب نہیں ہے' اس تقدیر پر یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم (التوبہ : ۵) (جب حرمت والے مہینے ختم ہو جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو) البتہ جن مشرکوں سے مسلمان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر چکے ہوں ان کے حق میں یہ آیت منسوخ نہیں ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اِلَّا الَّذِیْنَ عٰھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ثُمَّ لَمْ — مگر جن مشرکوں سے تم نے معاہدہ کیا تھا پھر انہوں نے

یَنۡقُصُوۡكُمۡ شَيۡـًٔـا وَّلَمۡ يُظَاهِرُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَحَدًا فَاَتِمُّوۡۤا اِلَيۡهِمۡ عَهۡدَهُمۡ اِلٰى مُدَّتِهِمۡ (التوبہ : ۴)

تمہارے ساتھ اس عہد میں کوئی کمی نہیں کی اور تمہارے خلاف کسی کی پشت پناہی نہیں کی تو ان سے ان کا عہد ان کی مدت معینہ تک پورا کرو۔

وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمۡ (النحل : ۹۱)

اور جب تم عہد کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن کافروں سے مسلمانوں نے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا تو سورہ النساء : ۹۰ کی اس آیت کے مطابق ان سے جنگ نہیں کی جائے گی اور جن کافروں نے مسلمانوں سے لڑنا چھوڑ دیا ہے اور وہ جنگ سے تنگ آ چکے ہیں ان سے نہ لڑنے کا حکم التوبہ : ۵ کے حکم سے منسوخ ہے۔

ابو مسلم اصفہانی نے کہا یہ استثناء مسلمانوں کے متعلق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب تمام مسلمانوں پر ہجرت کو فرض کر دیا تو جو لوگ ہجرت کرنے سے معذور تھے ان کو مستثنیٰ کر دیا یعنی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کا قصد کریں لیکن ان کے راستہ میں کفار ہوں جن سے مسلمانوں کا معاہدہ ہو جس کی وجہ سے وہ ہجرت نہ کریں یا جو مسلمان اس لیے کفار سے جہاد نہ کریں اور وہاں سے ہجرت نہ کریں کہ ان کافروں کے درمیان ان کے اہل اور رشتہ دار ہوں اور ان کو یہ خوف ہو کہ اگر انہوں نے وہاں سے ہجرت کی یا ان کافروں کے خلاف جہاد کیا تو وہ ان کے اہل اور رشتہ داروں کو قتل کر دیں گے تو وہ بھی معذور ہیں اور ان مسلمانوں کے خلاف جنگ اور جہاد کرنے کا اللہ تعالیٰ نے کوئی طریقہ مقرر نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : عنقریب تم ایک اور قسم کے منافقوں کو پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے ساتھ بھی امن سے رہیں اور اپنی قوم سے بھی مامون رہیں اور جب بھی (ان کی قوم کی طرف سے) فتنہ کی آگ بھڑکائی جائے تو وہ اس میں کود پڑیں۔ (النساء : ۹۱)

اس آیت میں منافقین کی ایک اور قسم بیان کی گئی ہے جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے سامنے اسلام کو ظاہر کرتے تھے تاکہ وہ قتل کیے جانے، گرفتار ہونے اور اموال کے چھن جانے سے محفوظ رہیں اور درحقیقت وہ کافر تھے اور کافروں کے ساتھ تھے اور جب بھی کفار ان کو شرک اور بت پرستی کی طرف بلاتے تو یہ غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے، ان کے مصداق میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ وہ مکہ میں رہتے تھے اور بہ طور تقیہ اسلام لے آئے تھے، تاکہ اپنے آپ کو اور اپنے رشتہ داروں کو قتل کیے جانے سے محفوظ رکھیں اور جب کفار ان کو بت پرستی کی طرف بلاتے تو وہ چلے جاتے تھے، اس تقدیر پر فتنہ سے مراد شرک اور بت پرستی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تہامہ کا ایک قبیلہ تھا، انہوں نے کہا تھا اے اللہ کے نبی ہم آپ سے قتال کریں گے نہ ہماری قوم آپ سے قتال کرے گی اور ان کا ارادہ یہ تھا کہ وہ نبی ﷺ سے بھی امان میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی، اس کے باوجود جب بھی مشرکین فتنہ اور فساد کی آگ بھڑکاتے تو وہ اس میں کود پڑتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پس اگر وہ تم سے الگ نہ ہوں اور تمہیں صلح کا پیغام نہ بھیجیں اور (لڑائی سے) اپنے ہاتھ نہ روکیں تو تم ان کو پکڑ لو اور ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو یہ وہ لوگ ہیں جن پر ہاتھ اٹھانے کے لیے ہم نے تمہیں کھلا اختیار دیا ہے۔ (النساء : ۹۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ اگر یہ منافق اپنی روش پر قائم رہیں تو ان سے کھلا جہاد کرو۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا

اور کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کردے ماسوا خطا کے (نادانستہ طور پر) اور جس نے کسی مسلمان کو خطأ

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ

(بلاقصد) قتل کردیا تو اس پر ایک مسلمان گردن (غلام یا باندی) کو آزاد کرنا لازم ہے اور اس کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے ماسوا اس کے کہ وہ

فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ

معاف کردیں، پھر اگر وہ مقتول اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور وہ (مقتول) مسلمان ہو تو صرف ایک مسلمان گردن کا آزاد

مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ

کرنا لازم ہے، اور اگر وہ (مقتول) اس قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے تو

فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ

اس کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے اور ایک مسلمان گردن کو آزاد کیا جائے، سو جو شخص

لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ

(غلام یا باندی کو) نہ پائے تو وہ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے یہ اللہ کی طرف سے (اس کی) توبہ ہے

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا

اور اللہ بہت علم والا بڑی حکمت والا ہے ○ اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کرے تو اس کی

فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَ

سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہوگا اور اللہ اس پر لعنت

اَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ

کرے گا اور اللہ نے اس کے لیے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے ○ اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ

جہاد کے لیے جاؤ تو خوب تحقیق کرلیا کرو اور جو تم کو سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ

السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

تو مسلمان نہیں ہے، تم دنیاوی زندگی کا سامان طلب کرتے ہو،

فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ

تو اللہ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں، اس سے پہلے تم بھی اسی طرح تھے پھر اللہ نے

اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿٩٤﴾

تم پر احسان فرمایا سو تم خوب تحقیق کر لیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ○

لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ

بلا عذر اور بلا ضرر (جہاد سے) بیٹھ رہنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال سے

وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ

(کافروں کے خلاف) جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں، اپنے جان اور مال سے جہاد کرنے والے

اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ

مجاہدوں کو اللہ نے بیٹھنے والوں پر درجے میں فضیلت دی ہے،

دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ

اور سب سے اللہ نے اچھی عاقبت کا وعدہ کیا ہے، اور اللہ نے مجاہدوں کو بیٹھنے والوں

عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّ

پر اجرِ عظیم کی فضیلت دی ہے ○ اللہ کی طرف سے درجات ہیں اور بخشش اور

رَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٩٦﴾ ع

رحمت، اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور کسی مومن کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کر دے ماسوا خطا کے (نادانستہ طور پر) (النساء: ٩٢)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف جہاد کرنے کی ترغیب دی تھی اور کفار کے خلاف جہاد نہ کرنے والوں کی مذمت کی تھی' اس آیت میں جہاد سے متعلق بعض احکام بیان کیے ہیں کیونکہ جب مسلمان کافروں پر حملہ کریں گے تو بلا قصد و ارادہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی مسلمان مسلمان کے ہاتھوں مارا جائے' ایسی صورت کا اللہ تعالیٰ نے حکم بیان فرمایا ہے کہ اگر مسلمان مقتول دارالاسلام کا باشندہ ہو یا کسی معاہد ملک کا باشندہ ہو تو اس کے ورثاء کو اس کی دیت ادا کی جائے گی اور اس خطا کے کفارہ میں ایک مسلمان غلام یا باندی کو آزاد کیا جائے گا اور اگر وہ مقتول دارالحرب کا باشندہ ہو تو صرف ایک مسلمان غلام یا باندی کو آزاد کیا جائے گا اور اگر غلام یا باندی کو آزاد کرنے کی استطاعت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے جائیں گے۔

قتل خطاء کے شان نزول میں متعدد اقوال

اس آیت کے شان نزول میں متعدد اقوال ہیں' ایک قول یہ ہے کہ جنگ احد میں مسلمانوں نے حضرت حذیفہ کے والد یمان کو غلط فہمی سے قتل کر دیا تھا' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جنگ احد کے دن مشرکین شکست کھا گئے تھے اس وقت ابلیس لعنت اللہ علیہ نے چلا کر کہا : اے اللہ کے بندو اپنے پیچھے والوں پر حملہ کرو' پھر اگلی صفوں نے پچھلی صفوں پر حملہ کیا اور وہ آپس میں گتھم گتھا ہو گئے اچانک حضرت حذیفہ نے دیکھا کہ مسلمان حضرت یمان پر حملہ کر رہے ہیں' انہوں نے چلا کر کہا یہ میرے باپ ہیں' یہ میرے باپ ہیں' حضرت عائشہ نے بیان کیا بہ خدا وہ اس وقت تک باز نہیں آئے جب تک کہ انہوں نے حضرت یمان کو قتل نہیں کر دیا' حضرت حذیفہ نے کہا اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۳۰۶۵)

دوسرا قول یہ ہے کہ بنو عامر کا ایک شخص مسلمان ہو گیا تھا' حضرت عیاش بن ابی ربیعہ کو اس کی خبر نہ تھی انہوں نے غلط فہمی سے اس کو قتل کر دیا' اس کی تفصیل یہ ہے :

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عیاش بن ابی ربیعہ' ابوجہل بن ہشام کے اخیافی (سوتیلے) بھائی تھے' وہ مسلمان ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے ہجرت کرنے سے پہلے مہاجرین اولین کے ساتھ مدینہ چلے گئے' ابوجہل' حارث بن ہشام اور ان کے ساتھ بنو عامر کا ایک اور شخص تھا' یہ ان کو لینے مدینہ پہنچ گئے' عیاش سے ان کی ماں بہت محبت کرتی تھی' انہوں نے کہا تمہاری ماں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک تم کو دیکھ نہ لے گی سائے میں نہیں بیٹھے گی' وہ دھوپ میں لیٹتی ہے' تم جا کر اپنی ماں کو دیکھ لو' پھر واپس چلے جانا' اور انہوں نے اللہ کی قسمیں کھا کر یقین دلایا کہ وہ ان کو واپس مدینہ پہنچا دیں گے' جب وہ مدینہ کی حدود سے باہر آئے تو انہوں نے حضرت عیاش کو باندھ لیا اور بنو عامر کے شخص نے ان کو کوڑے مارے' اس پر انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ عامری کو قتل کر دیں گے' پھر وہ کافی عرصہ تک مکہ میں قید رہے اور فتح مکہ کے دن آزاد ہوئے' ایک دن ان کے سامنے سے عامری آ رہا تھا' وہ مسلمان ہو چکا تھا حضرت عیاش کو اس کے اسلام لانے کا علم نہیں تھا' انہوں نے اس کو قتل کر دیا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان جز ۵ ص ۲۷۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ نے لکھا ہے کہ حضرت عیاش بن ابی ربیعہ نے غلط فہمی سے حارث بن زید کو

قتل کیا تھا' اس کے گمان میں وہ کافر تھا' ان کو اس کے اسلام لانے کی خبر نہیں تھی۔

(الوسیط ج ۲ ص ۹۴۔ ۹۳' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن الاثیر شیبانی متوفی ۶۳۰ھ نے لکھا ہے کہ حارث بن زید مکہ میں مسلمانوں کو ایذاء پہنچایا کرتا تھا وہ مسلمان ہو گیا اور نبی ﷺ کے اصحاب کو اس کے اسلام لانے کی خبر نہ تھی حتی کہ جب وہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچا تو عیاش بن ربیعہ نے اس کو قتل کر دیا۔ (اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۹۴)

تیسرا قول یہ ہے کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے ایک مسلمان کو غلط فہمی سے قتل کر دیا تھا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

ابن زید بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو الدرداء کسی لشکر کے ساتھ جا رہے تھے وہ قضاء حاجت کے لیے ایک گھاٹی میں اترے تو انہوں نے ایک شخص کو دیکھا وہ اپنی بکریوں کو لے جا رہا تھا' انہوں نے اس پر تلوار سے حملہ کیا اس نے کہا لا الٰہ الا اللہ حضرت ابو الدرداء نے اس کو قتل کر دیا' اور اس کی بکریاں لے کر اپنے اصحاب کے پاس آ گئے پھر ان کے دل میں اضطراب ہوا' انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا! اس نے تم کو اپنی زبان سے اسلام لانے کی خبر دی' اور تم نے اس کی تصدیق نہیں کی' حضرت ابو الدرداء نے کہا یا رسول اللہ! اب میرا کیا ہو گا' آپ نے فرمایا لا الٰہ الا اللہ کا کیا ہو گا' میں بار بار حضور سے یہی عرض کرتا اور آپ یہی فرماتے حتی کہ میں نے تمنا کی کاش یہ واقعہ میرے اسلام لانے سے پہلے کا ہوتا۔

(جامع البیان جز ۵ ص ۲۷۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

چوتھا قول سعید بن جبیر کا ہے' انہوں نے کہا کہ یہ آیت حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے انہوں نے غلط فہمی سے مرداس بن عمر کو خطاء" قتل کر دیا تھا۔ (روح المعانی' الدر المنثور) اس کی تفصیل یہ ہے:

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر میں بھیجا' ہم صبح کے وقت جہینہ کے ایک مقام حرقات میں پہنچے' میں نے ایک شخص کو پکڑ لیا اس نے کہا لا الٰہ الا اللہ میں نے اس کو نیزہ سے مار دیا' پھر مجھے اضطراب ہوا تو میں نے نبی ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا اس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا تھا پھر تم نے اس کو قتل کر دیا! میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ اس نے حملہ کے خوف سے لا الٰہ الا اللہ کہا تھا' آپ نے فرمایا تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا حتی کہ تمہیں معلوم ہو جاتا کہ اس نے دل سے کہا ہے یا نہیں! آپ بار بار یہ کلمات فرماتے رہے حتی کہ میں نے تمنا کی کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۹۶' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۴۲۶۹' ۶۸۷۲' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث: ۲۶۴۳)

قتل خطاء کا معنی اور اس کی دیگر اقسام

قتل خطاء کی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ فعل میں خطاء ہو جائے مثلاً انسان ایک ہرن کا نشانہ لے رہا تھا اور گولی کسی انسان کو لگ گئی' اور دوسری صورت یہ ہے کہ قصد میں خطا ہو' قتل کرنے والے کا گمان یہ تھا کہ وہ شخص کافر

ہے اور وہ در حقیقت مسلمان تھا' قتل خطا کی دوسری قسم قتل قائم مقام خطاء ہے مثلاً ایک انسان کے ہاتھ سے اینٹ یا لکڑی گر گئی جس سے دوسرا شخص ہلاک ہو گیا' اس کا حکم بھی قتل خطاء کی طرح ہے- اس میں مقتول کے ورثاء کو دیت ادا کی جائے گی اور ایک غلام یا باندی کو آزاد کیا جائے گا' اور ایک قتل بالسبب ہے مثلاً ایک شخص نے دوسرے کی ملکیت میں کنواں کھودا جس میں کوئی شخص گر کر ہلاک ہو گیا یا کوئی شخص کسی سواری پر سوار تھا اور اس سواری نے کسی شخص کو ہلاک کر دیا' اس میں صرف عاقلہ پر دیت ہے- (آج کل ٹریفک کے حادثات میں کار' ٹرک یا بس کے نیچے آ کر جو لوگ ہلاک ہو جاتے ہیں وہ بھی قتل بالسبب ہیں) (عالم گیری ج ۶ ص ۳' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۰ھ)

دیت کا معنی

وہ مال جو مقتول کے ورثاء کو مقتول کی جان کے عوض میں دیا جاتا ہے اس کو دیت کہتے ہیں' اگر مسلمان مقتول کے قرابت دار کافر ہوں تو ان کو دیت نہیں دی جائے گی کیونکہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا' مسلمان مقتول کے جو وارث مسلمان ہوں ان کو دیت ادا کی جائے گی- علامہ فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ نے لکھا ہے کہ دیت کا معنی ہے مقتول کا حق (القاموس ج ۴ ص ۵۷۹) اور اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ کسی مسلمان یا ذمی کو ناحق قتل کرنے یا اس کے کسی عضو کو ناحق تلف کرنے کی وجہ سے جو شرعاً" مالی تاوان لازم آتا ہے اس کو دیت کہتے ہیں' اور بعض اوقات جان کے تاوان کو دیت اور عضو کے تاوان کو ارش کہتے ہیں-

قتل خطاء' قتل شبہ عمد اور عقل عمد میں دیت کی مقدار

امام ابو عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل خطاء کی دیت یہ مقرر کی ہے : ایک سال کی بیس اونٹنیاں' ایک سال کے بیس اونٹ' دو سال کی بیس اونٹنیاں' تین سال کی بیس اونٹنیاں' اور چار سال کی بیس اونٹنیاں (اس حدیث کی سند ضعیف ہے خشف بن مالک مجہول الحال ہے اور معروف یہ ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر ہے-) (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۳۹۱' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۵۴۵' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۴۸۱۶' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۶۳۱' موطا امام مالک' رقم الحدیث : ۱۶۰۵)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک قتل خطاء کی دیت اسی طرح ہے جس طرح اس حدیث میں بیان کی گئی ہے اور قتل شبہ عمد (کسی شخص کو ایسے آلہ سے ضرب لگائی جائے جس سے قتل نہیں کیا جاتا اور اس کا قصد صرف ضرب لگانا ہو قتل کرنا نہ ہو لیکن اس ضرب کے نتیجہ میں مضروب مر جائے) کی دیت امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ ہے کہ پچیس ایک سال کی اونٹنیاں' پچیس دو سال کی اونٹنیاں' پچیس تین سال کی اونٹنیاں اور پچیس چار سال کی اونٹنیاں-

(فتاویٰ عالم گیری ج ۶ ص ۲۴' مطبوعہ مصر' ۱۳۱۰ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس شخص نے کسی مومن کو عمداً" قتل کیا اس کو مقتول کے ورثا کے حوالے کر دیا جائے گا اگر وہ چاہیں تو اس کو قتل کر دیں اور اگر وہ چاہیں تو اس سے دیت وصول کر لیں' قتل عمد کی دیت یہ ہے : تیس تین سال کی اونٹنیاں' تیس چار سال کی اونٹنیاں اور چالیس

پانچ سال کی اونٹنیاں اس کے علاوہ جس مقدار پر وہ صلح کرلیں۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۳۹۲' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۵۰۶' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۶۲۶)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک قتل خطاء کی دیت میں ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم بھی دیئے جاسکتے ہیں۔

(ہدایہ اخیرین ص ۵۸۵-۵۸۴' مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

ایک ہزار دینار (۴۳۷۴ء۴) چار اعشاریہ تین سات چار کلو گرام سونے کے برابر ہے اور دس ہزار درہم' (۶۱۸ء۳۰) تیس اعشاریہ چھ ایک آٹھ کلو گرام چاندی کے برابر ہے۔

دیت کی ادائیگی کی مدت اور جن لوگوں کے ذمہ دیت کی ادائیگی ہے

امام ابوعیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ لکھتے ہیں :

تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ دیت تین سال میں لی جائے گی ہر سال میں تہائی (۱/۳) دیت وصول کی جائے گی اور قتل خطاء کی دیت عاقلہ پر ہے' باپ کی طرف سے جو رشتہ دار ہیں وہ عاقلہ ہیں' یہ امام مالک اور امام شافعی کا قول ہے' بعض ائمہ نے کہا دیت صرف ان مردوں پر ہے جو عصبات ہوں عورتوں اور بچوں پر دیت نہیں ہے' اور ہر شخص پر چوتھائی (۱/۴) دینار دیت لازم کی جائے گی۔ بعض ائمہ نے کہا کہ نصف دینار تک دیت لازم کی جائے گی اگر ان رشتہ داروں سے دیت پوری ہو جائے تو فبہا ورنہ جو قریب ترین قبیلہ کے لوگ ہیں ان پر دیت لازم کی جائے گی۔

(سنن ترمذی ج ۳ ص ۹۵' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابوحنیفہ کے نزدیک عمد' شبہ العمد اور خطائیوں کی دیت کی ادائیگی کی مدت تین سال ہے اور جمہور فقہاء کے نزدیک دیت العمد معجل ہے اور باقی دیت تین سال میں ادا کی جائے گی۔ (بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۰۷)

علامہ محمد بن اثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

عاقلہ عصبات کو کہتے ہیں یعنی باپ کی طرف سے رشتہ دار جو قتل خطاء میں قاتل کی جانب سے مقتول کی دیت ادا کرتے ہیں اور اسی معنی میں حدیث ہے "دیت عاقلہ پر ہے"

علامہ سید عبدالقادر عودہ لکھتے ہیں :

امام شافعی کے نزدیک باپ' دادا' بیٹا اور پوتا' عاقلہ میں داخل نہیں ہیں' امام احمد کا بھی ایک یہی قول ہے' امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک آباء اور ابناء عاقلہ میں داخل ہیں کیونکہ دیت کو برداشت کرنے میں عصبات میراث کی طرح ہیں' جس طرح میراث میں عصبات اقرب فالا قرب اعتبار کیا جاتا ہے اسی طرح دیت کو برداشت کرنے میں بھی ان کا اعتبار ہو گا۔ (التشریع الجنائی ج ۲ ص ۱۹۸-۱۹۵' ملخصاً' مطبوعہ بیروت)

جو لوگ کسی کمپنی کی بس' ٹرک یا ٹریلر کے نیچے آکر حادثہ میں ہلاک ہو جاتے ہیں اس میں قاتل کی عاقلہ وہ کمپنی یا ادارہ ہے اور اس کی دیت اس کمپنی کو ادا کرنی چاہیے۔

امام مالک اور امام احمد کے نزدیک عاقلہ کے ہر فرد پر دیت کی جو مقدار مقرر ہو گی وہ حاکم کی رائے پر موقوف ہے' امام شافعی کے نزدیک امیر آدمی پر نصف دینار اور متوسط شخص پر چوتھائی مثقال ہے' اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک کسی شخص سے تین یا چار درہم سے زیادہ نہ لیے جائیں (نصف دینار' پانچ درہم یعنی ایک اعشاریہ تین ایک دو تولہ چاندی کے برابر ہے اور

ربع مثقال ایک اعشاریہ ایک ایک پانچ گرام چاندی کے برابر ہے)

اگر کسی شخص کے عصبات نہ ہوں تو اس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی' ائمہ اربعہ کا یہی مذہب ہے' اور امام ابو حنیفہ' امام محمد اور امام احمد کا ایک قول یہ ہے کہ قاتل کے مال سے دیت وصول کی جائے گی دیت کی ادائیگی کی مدت تین سال ہے۔ (التشریع الجنائی ج ۲ ص ۱۹۸۔ ۱۹۵' ملخصاً' مطبوعہ بیروت)

عورت کی نصف دیت کی تحقیق

عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے' یہ حضرت علی سے موقوفاً" روایت ہے اور رسول اللہ ﷺ سے مرفوعاً" مروی ہے' کیونکہ عورت کا حال اور اس کی منفعت مرد سے کم ہے' عورت کے اعضاء اور اطراف کی دیت بھی مرد کی دیت کا نصف ہے۔ (ہدایہ اخیرین ص ۵۸۵' مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔

(سنن کبری ج ۸ ص ۹۵' مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ روایت کرتے ہیں :

امام ابو حنیفہ از حماد از ابراہیم روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عورت کے تمام زخموں کی دیت مردوں کے زخموں کی دیت کا نصف ہے۔ (کتاب الآثار ص ۱۲۶' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۷ھ)

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ فرماتے ہیں :

سر کی چوٹ اور دیگر جن زخموں کی تہائی یا اس سے زیادہ دیت ہوتی ہے' ان میں عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔ (موطا امام مالک' رقم الحدیث : ۱۶۰۷)

علامہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ نے لکھا ہے کہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۳۲۵)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں :

عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے اور عورت کے اعضاء اور زخموں کی دیت بھی مردوں کی دیت کا نصف ہے۔

(روضۃ الطالبین ج ۹ ص ۲۵۷' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

علامہ ابو الحسن علی بن سلیمان مرداوی حنبلی متوفی ۸۸۵ھ لکھتے ہیں :

عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(الانصاف ج ۱۰' ص ۶۳' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۳۷۶ھ)

خلاصہ یہ ہے کہ حدیث میں بھی ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے اور ائمہ اربعہ کا بھی یہی مذہب ہے اور اس پر تمام ائمہ مذاہب کا اجماع ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جس نے کسی مسلمان کو خطاءً" (بلاقصد) قتل کر دیا تو اس پر ایک مسلمان گردن (غلام یا باندی) کو آزاد کرنا لازم ہے اور اس کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے ماسوا اس کے کہ وہ معاف کر دیں۔ (النساء : ۹۲)

قتل خطاء کے کفارہ میں مسلمان غلام کو آزاد کرنے کی حکمت

اس آیت میں مسلمان کو خطاء "قتل کرنے والے پر دو چیزیں واجب کی ہیں' کفارہ اور دیت' اور کفارہ میں یہ تصریح کی ہے کہ مسلمان غلام کو آزاد کیا جائے کیونکہ قاتل نے مسلمان شخص کو قتل کیا ہے تو اس کے کفارہ میں مسلمان غلام کو آزاد کرے' غلام ہونا بہ منزلہ موت ہے' اور آزادی بہ منزلہ حیات ہے' تو ایک مسلمان کو مارنے کی تلافی اس طرح ہو گی کہ ایک مسلمان کو زندہ کیا جائے' ہرچند کہ یہاں غلام کا مطلقاً" ذکر کیا گیا ہے لیکن یہ قاعدہ ہے کہ جب مطلق کو ذکر کیا جائے تو اس سے ذات کے اعتبار سے کامل فرد مراد ہوتا ہے اور صفت اپنے اطلاق پر رہتی ہے' اس لیے اندھا' لنگڑا' مجنون اور لولا غلام آزاد کرنا معتبر نہیں اور نہ ہی مکاتب' مدبر یا ام ولد کا اعتبار ہو گا' اس کے علاوہ غلام کا چھوٹا یا بڑا ہونا' مرد یا عورت ہونا' کالا یا گورا ہونا' یہ از قبیل صفات ہیں اور کسی بھی صفت کا غلام آزاد کیا جا سکے گا' اب چونکہ اسلام کی تعلیمات کی اشاعت کی وجہ سے غلام بنانے کا دور ختم ہو چکا ہے' اس لیے اب قتل خطاء کے کفارہ میں مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے جائیں گے۔

ورثاء مقتول میں دیت کو تقسیم کرنے کے احکام

مسلمان مقتول کی دیت کے متعلق ہم بتا چکے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک سو اونٹ ہیں یا ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم' اور یہ دیت تین سال کے اندر مقتول کے ورثاء کو ادا کی جائے گی اور جس طرح ورثاء میں مرنے والے کا ترکہ تقسیم کیا جاتا ہے اسی قاعدہ اور تناسب سے دیت تقسیم کی جائے گی' مقتول کی تجہیز و تکفین کے بعد اس میں سے پہلے میت کا قرض ادا کیا جائے گا پھر تہائی (۱/۳) دیت سے اس کی وصیت پوری کی جائے گی اور اگر مقتول کا کوئی وارث نہ ہو تو پھر دیت بیت المال میں جمع کر دی جائے گی۔

یہ تمام تفصیل اس وقت ہے جب مقتول کے ورثاء دیت معاف نہ کریں لیکن اگر انہوں نے معاف کر دی تب بھی کفارہ بہرحال ادا کرنا ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : **پھر اگر وہ مقتول اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور وہ مقتول مسلمان ہو تو صرف ایک مسلمان گردن کا آزاد کرنا ہے۔** (النساء : ۹۲)

دار الحرب میں کسی مسلمان کو خطاء" قتل کرنے پر دیت لازم نہ کرنے کی حکمت

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے مسلمان کو دار الحرب میں خطاء" قتل کر دیا تو اس کے کفارہ میں صرف ایک مسلمان غلام کو آزاد کیا جائے گا اور مقتول کے اولیاء کو دیت ادا نہیں کی جائے گی' کیونکہ دیت بہ طور وراثت دی جاتی ہے اور دار الاسلام اور دار الحرب کے رہنے والوں کے درمیان وراثت نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : **اگر وہ مقتول اس قوم سے ہو جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے تو اس کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے اور ایک مسلمان گردن کو آزاد کیا جائے۔** (النساء : ۹۲)

ذمی کافر کی دیت میں مذاہب ائمہ

جس کافر قوم سے مسلمانوں نے معاہدہ کیا ہو اس کے کسی فرد کو اگر کسی مسلمان نے خطاء" قتل کر دیا یا مسلمان ملک میں کسی ذمی کافر کو مسلمان نے خطاء" قتل کر دیا تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ حکم بیان فرمایا ہے کہ اس کے ورثاء

کو بھی دیت ادا کی جائے گی' اور کفارہ میں ایک مسلمان غلام کو آزاد کیا جائے گا' امام ابو حنیفہ کے نزدیک ذمی کافر اور مسلمان کی دیت میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دیت کو کسی خاص مقدار سے معین نہیں فرمایا اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس کے ورثاء کو پوری دیت ادا کی جائے گی' نیز اہل عرب میں دیت کا لفظ سو اونٹوں میں معروف تھا اور اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد مقتول کی دیت سو اونٹ ادا کرنے کا تعامل تھا' اس لیے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ معاہد اور ذمی کو اگر خطاء "قتل کر دیا جائے تو اس کی دیت ادا کی جائے گی تو اس کو متعارف معنی پر محمول کیا جائے گا اور اس کا معنی ہو گا کہ ذمی مقتول کے ورثاء کو پوری دیت ادا کی جائے گی' نیز اس آیت کے نزول سے پہلے مسلم اور کافر کی دیت میں فرق نہیں تھا اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ذمی کی دیت کو مسلم کی دیت کے ذکر کے بعد بغیر کسی فرق کے ذکر کیا لہٰذا اس آیت میں بھی دیت کو متعارف معنی پر محمول کیا جائے گا اور ذمی کافر کی بھی پوری دیت ادا کی جائے گی۔

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

امام مالک نے کہا کہ ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے۔ امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے اور امام شافعی نے کہا ہے کہ یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت کا تہائی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۳۲۷' ملخصاً' مطبوعہ ایران)

ذمی کافر کی نصف دیت پر ائمہ ثلاثہ کی دلیل اور اس کا غیر مستحکم ہونا

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی' متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کافر کی دیت مومن کی دیت کا نصف ہے۔

امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن لکھا ہے کیونکہ عمرو بن شعیب از والد از جد مختلف فیہ ہے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۴۱۸' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۴۸۲۱' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۶۴۴' سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۴۵۸۳)

امام ترمذی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

یہودی اور نصرانی کی دیت میں اہل علم کا اختلاف ہے' بعض اہل علم کا مذہب اس مسئلہ میں اس حدیث کے مطابق ہے' اور عمر بن عبد العزیز نے کہا کہ یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت کا نصف ہے' امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے' اور حضرت عمر بن الخطاب سے مروی ہے کہ یہودی اور نصرانی کی دیت چار ہزار درہم ہے' اور مجوسی کی دیت آٹھ سو درہم ہے' امام مالک بن انس' امام شافعی اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے' اور بعض اہل علم نے کہا کہ یہودی اور نصرانی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے' یہ سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا قول ہے۔

(سنن ترمذی ج ۳ ص ۱۰۸۔ ۱۰۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ)

امام نسائی نے اس حدیث کو جس سند سے روایت کیا ہے اس میں ایک راوی محمد بن راشد ہے اس کے متعلق امام عبد اللہ بن المبارک نے کہا یہ صادق تھا لیکن یہ شیعی یا قدری تھا۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۳۵)

اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کو جس سند کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں ایک راوی عبد الرحمان بن الحارث بن عبد اللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ ہے اس کے متعلق امام احمد نے کہا یہ متروک ہے اور علی بن المدینی نے اس کو ضعیف کہا

ہے تاہم اس کی تعدیل بھی کی گئی ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۳۳)
ان حوالوں سے واضح ہو گیا کہ جس حدیث سے ائمہ ثلاثہ نے استدلال کیا ہے وہ اس قدر مستحکم نہیں کہ وہ قرآن مجید کے ذکر کردہ لفظ کے متعارف معنی کے مزاحم ہو سکے۔

ذمی کافر اور مسلم کی دیت کے مساوی ہونے پر امام اعظم کے دلائل

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قتل نفس میں مسلمان اور کافر ذمی یا معاہد کی دیت برابر ہے ' قرآن مجید میں لفظ دیت کے متعارف معنی کے علاوہ ان کے موقف پر حسب ذیل احادیث دلیل ہیں ' امام ابوحنیفہ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہودی اور نصرانی کی دیت مسلم کی دیت کی مثل ہے۔
(مسند ابی حنیفہ مع شرح القاری ص ۲۰۸ ' مطبوعہ بیروت)

امام قاضی ابویوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۲ھ روایت کرتے ہیں:
ابراہیم نخعی نے کہا ذمی مرد کی دیت آزاد مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔ (کتاب الآثار ' رقم الحدیث: ۹۶۹)
زہری نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اہل ذمہ کی دیت آزاد مسلمان کے برابر ہے۔
(کتاب الآثار ' رقم الحدیث: ۹۷۲)

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ روایت کرتے ہیں:
ابوالہیثم روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے کہ ذمی کی دیت آزاد مسلمان کے برابر ہے۔ (کتاب الآثار ' رقم الحدیث: ۵۸۷)
زہری بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر ' حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے نصرانی کی دیت اور یہودی کی دیت کو آزاد مسلمان کے برابر قرار دیا۔ امام محمد نے کہا ہمارا اسی حدیث پر عمل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔
(کتاب الآثار ' رقم الحدیث: ۵۸۹)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں:
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذمی کی دیت مسلم کی دیت کی مثل ہے۔
(المعجم الاوسط ' رقم الحدیث: ۷۹۵)
اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابوکرز ضعیف ہے لیکن باقی احادیث اور آثار صحیحہ امام اعظم رحمہ اللہ کے موقف پر قوی دلیل ہیں اور ظاہر قرآن بھی آپ کے موقف پر دلیل ہے کیونکہ قرآن مجید نے مسلم اور کافر کی دیت عمد اور دیت خطا میں کوئی فرق نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: سو جو شخص (غلام یا باندی) کو نہ پائے تو وہ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے یہ اللہ کی طرف سے (اس کی) توبہ ہے اور اللہ بہت علم والا بڑی حکمت والا ہے۔ (النساء: ۹۲)

قتل خطاء کے کفارہ کا بیان

کسی مسلمان نے کسی مسلمان کو دارالاسلام میں خطاءً قتل کیا ہو یا کسی مسلمان کو دارالحرب میں خطاءً قتل کیا ہو یا کسی

ذمی کو دار الاسلام میں قتل کیا ہو تینوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان قاتل پر کفارہ لازم کیا ہے اور وہ ایک مسلمان گردن (باندی یا غلام) کو آزاد کرنا ہے 'اب اگر کسی شخص کی قدرت میں غلام آزاد کرنا نہ ہو یا غلام کا رواج ہی ختم ہو گیا ہو جیسا کہ آج کل ہے تو وہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے گا' بایں طور کہ یہ روزے رمضان کے علاوہ کسی اور ماہ میں اس ترتیب سے رکھے جائیں کہ عیدین اور ایام تشریق کے دن ان میں حائل نہ ہوں' اس لیے یہ روزے ایام تشریق کے بعد رکھنے چاہئیں اور جو شخص نادم ہو کر خطاء' قائم مقام خطا' قتل شبہ عمد اور قتل بالسبب میں دیت اور کفارہ ادا کر دے گا تو اللہ کے نزدیک اس کی توبہ قبول ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً" قتل کرے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب ہو گا اور اللہ اس پر لعنت کرے گا اور اللہ نے اس کے لیے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے۔

(النساء : ۹۳)

قتل عمد کی تعریف اور اس کے متعلق احادیث

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عمداً" مسلمان کو قتل کرنے پر دوزخ کی وعید سنائی ہے اس لیے قتل عمد کی تعریف کو جاننا ضروری ہے۔

شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں :

قتل عمد وہ قتل ہے جس میں جان نکالنے کے لیے ہتھیار سے ضرب لگائی جائے اور جان غیر محسوس ہے پس وہ جان نکالنے کے لیے ایسے ہتھیار کو استعمال کرے گا جو زخم ڈالنے والا ہو اور بدن کے ظاہر اور باطن میں موثر ہو۔

(المبسوط ج ۲۶ ص ۵۹ 'مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں :

امام ابوحنیفہ کی اصل کے مطابق جس قتل کو ہتھیار یا ہتھیار کے قائم مقام کے ساتھ کیا جائے وہ قتل عمد ہے' مثلاً بانس کی کھپچی یا لاٹھی کے ٹکڑے یا کسی اور ایسی دھار والی چیز کے ساتھ قتل کر دے جو ہتھیار کا کام کرتی ہو یا آگ سے جلا دے' امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ تمام قتل عمد کی صورتیں ہیں اور ان میں قصاص واجب ہے اور ہمارے علم کے مطابق ان صورتوں کے قتل عمد ہونے میں فقہاء کا اختلاف نہیں ہے۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۲۲۸ 'مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور' ۱۴۰۰ھ)

احادیث میں تلوار اور پتھر سے قتل کرنے کو قتل عمد قرار دیا ہے۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تلوار کے علاوہ ہر چیز خطاء ہے اور ہر خطاء کا ایک تاوان ہے۔ (مسند احمد ج ۶' رقم الحدیث ۱۸۴۵۱ '۱۸۴۲۳ 'سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۴۲)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک یہودی نے ایک لڑکی پر حملہ کیا اور اس کے جسم سے زیورات اتار لیے اور اس کے سر کو پتھر سے کچل دیا' اس لڑکی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا اس وقت اس میں آخری رمق حیات تھی' اور اس کی گویائی ختم ہو گئی تھی' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا تم کو کس نے قتل کیا

ہے- کیا فلاں شخص نے؟ اس کے قاتل کے سوا کسی اور کا نام لیا' اس نے سر کے اشارہ سے کہا نہیں' پھر فرمایا فلاں شخص اور اس کے قاتل کا نام لیا اس نے سر کے اشارے سے کہا ہاں' رسول اللہ ﷺ نے اس کو بلانے کا حکم دیا اور دو پتھروں کے درمیان اس کے سر کو کچل دیا- (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۵۲۹۵' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۶۷۲' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۵۲۷' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۳۹۹' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۶۶۵' مسند احمد ج ۳ ص ۵۸۷' ۱۳۰۵' ۱۳۸' ۱۳۷' ۱۲۷)

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ تلوار ہو' پتھر ہو یا کوئی اور دھار دار چیز ہو یا ہتھیار ہو اس سے قتل کرنا عمد ہے' بندوق' کلاشنکوف' پستول وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں-

قتل عمد پر اللہ اور اس کے رسول کے غضب کا بیان

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! یہ بتایئے کہ میرا کسی کافر شخص سے مقابلہ ہو وہ مجھ سے قتال کرے اور تلوار سے میرا ایک ہاتھ کاٹ ڈالے' پھر وہ مجھ سے بچنے کے لیے ایک درخت کی آڑ میں آئے اور کہے میں اللہ کے لیے اسلام لے آیا' یا رسول اللہ! کیا میں اس کے کلمہ پڑھنے کے بعد اس کو قتل کر سکتا ہوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو قتل مت کرو' میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ وہ میرا ایک ہاتھ کاٹ چکا ہے' اور اس نے میرا ہاتھ کاٹنے کے بعد کلمہ پڑھا ہے کیا میں اس کو قتل کر دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو مت قتل کرو اگر تم نے اس کو قتل کر دیا تو وہ تمہارے قتل کرنے سے پہلے والے درجہ میں ہو گا اور تم اس کے کلمہ پڑھنے سے پہلے والے درجہ میں ہو گے-

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۹۵' صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۴۰۱۹' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۲۶۴۴)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل کی بہ نسبت پوری دنیا کا زوال زیادہ آسان ہے- (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۴۰۰' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۹۹۸)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تمام آسمان اور زمین والے کسی ایک مومن کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم میں اوندھے منہ ڈال دے گا-

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۴۰۲' المستدرک ج ۴ ص ۳۵۲' کنز العمال' رقم الحدیث : ۳۹۹۵۴)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے ان کے پاس آکر کہا یہ بتایئے کہ ایک آدمی نے کسی شخص کو عمداً قتل کیا اس کی سزا کیا ہو گی؟ انہوں نے کہا اس کی سزا جہنم ہے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا' اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہو گا اور اس پر لعنت کرے گا اور اللہ نے اس کے لیے عذاب عظیم تیار کر رکھا ہے' حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ وہ آیت ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئی (النساء : ۹۳) حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور رسول اللہ ﷺ کے بعد وحی نازل نہیں ہوئی' اس نے کہا یہ بتایئے اگر وہ توبہ کرلے اور ایمان لائے اور نیک عمل کرے' پھر وہ ہدایت یافتہ ہو جائے گا؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کی توبہ کیسے ہو گی؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے : اس شخص کی ماں اس پر روئے جس نے کسی مسلمان کو عمداً قتل کر دیا وہ مقتول اپنے قاتل کو دائیں یا بائیں جانب سے

پکڑے ہوئے آئے گا اور دائیں یا بائیں ہاتھ سے اس نے اپنا سر پکڑا ہوا ہو گا اور عرش کے سامنے اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہو گا اور وہ شخص کہے گا اے میرے رب اپنے اس بندہ سے پوچھ اس نے مجھے کیوں قتل کیا تھا۔

(مسند احمد ج ا رقم الحدیث : ۲۱۴۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۱۴ھ)

مسلمان کے قاتل کی مغفرت نہ ہونے کی توجیہات

اس آیت پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ مسلمان کو قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے' اور شرک کے سوا ہر گناہ لائق مغفرت ہے' حالانکہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ مسلمان کو عمداً قتل کرنے کی سزا ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے اور جہنم میں خلود کفار کے لیے ہوتا ہے اور جو گناہ لائق معافی ہو اس کے لیے جہنم میں خلود نہیں ہوتا' اس اشکال کے حسب ذیل جوابات ہیں :

۱۔ جب مشتق پر کوئی حکم لگایا جائے تو اس کا ماخذ اشتقاق اس حکم کی علت ہوتا ہے لہٰذا اس آیت کا معنی یہ ہوا کہ جس شخص نے کسی مومن کو اس کے مومن ہونے کے سبب سے قتل کیا تو اس کی سزا جہنم میں خلود ہے اور جو شخص کسی مومن کو اس کے ایمان کی وجہ سے قتل کرے گا وہ کافر ہو گا اور کافر کی سزا جہنم میں خلود ہے۔

۲۔ اس آیت میں "من" کا لفظ ہر چند کہ عام ہے لیکن یہ عام مخصوص عنہ البعض ہے اور اس سے ہر قاتل خواہ مومن ہو یا کافر' مراد نہیں ہے بلکہ اس سے کافر قاتل مراد ہے اور کافر کی سزا جہنم میں خلود ہے۔

۳۔ یہ آیت ایک خاص قاتل کے متعلق نازل ہوئی ہے یہ شخص پہلے مسلمان تھا پھر اس نے مرتد ہو کر ایک مسلمان کو اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا۔ روح المعانی میں اس کے متعلق روایت بیان کی گئی ہے۔

(روح المعانی ج ۵ ص ۱۱۵)

۴۔ اگر اس آیت میں قاتل سے مراد مسلمان لیا جائے تو آیت کا معنی یہ ہے کہ اس کی سزا جہنم میں خلود ہے' یعنی وہ اس سزا کا مستحق ہے یہ نہیں فرمایا کہ اس کو یہ سزا دی جائے گی۔

۵۔ اگر مسلمان قاتل مراد ہو تو خلود سے مجازاً "مکث طویل مراد ہے یعنی وہ لمبے عرصے تک جہنم میں رہے گا۔

۶۔ اگر مسلمان قاتل مراد ہو تو اس آیت میں شرط محذوف ہے یعنی اگر اس کی مغفرت نہ کی گئی تو وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اس کو خلف وعید سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ بہ طور کرم خلف وعید جائز ہے لیکن یہ بظاہر خلف وعید ہے' حقیقت میں چونکہ یہاں شرط محذوف ہے اس لیے کوئی خلف نہیں ہے۔

۷۔ یہ آیت انشاء تخویف پر محمول ہے یعنی مسلمانوں کو قتل کرنے سے ڈرانے کے لیے ایسا فرمایا گیا ہے' حقیقت میں کسی مسلمان قاتل کو جہنم میں خلود کی سزا دینے کی خبر نہیں دی گئی۔

۸۔ اگر کسی مسلمان نے قتل مسلم کو معمولی سمجھ کر کسی مسلمان کو قتل کر دیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور پھر اس کی سزا جہنم میں خلود ہے۔

۹۔ اگر کسی مسلمان نے بغض اور عناد کے غلبہ کی وجہ سے قتل مسلم کی حرمت کا انکار کر دیا اور پھر کسی مسلمان کو قتل کر دیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس کی سزا جہنم میں خلود ہے۔

۱۰۔ اگر معاذ اللہ کسی مسلمان نے مسلمان کے قتل کرنے کو حلال اور جائز قرار دے کر یا اس حکم کی توہین کرنے کے لیے کسی مسلمان کو قتل کیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور اس کی سزا جہنم میں خلود ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جاؤ تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جو تم کو سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے تم دنیاوی زندگی کا سامان طلب کرتے ہو تو اللہ کے پاس بہت غنیمتیں ہیں اس سے پہلے تم بھی اسی طرح تھے پھر اللہ نے تم پر احسان فرمایا سو تم خوب تحقیق کر لیا کرو۔ (النساء : ۹۴)

سلام کرنے والے کو قتل نہ کرنے کے متعلق احادیث

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک جماعت کے ساتھ اضم (مکہ اور یمامہ کے درمیان ایک مقام) روانہ کیا اس جماعت میں ابو قتادہ بن ربعی اور محلم بن جثامہ بھی تھے، ہم روانہ ہو گئے حتیٰ کہ جب اضم میں پہنچ گئے، تو ہمارے پاس سے عامر اشجعی کا گزر ہوا جو ایک اونٹ پر اپنا سامان رکھے ہوئے جا رہا تھا، اور اس کے پاس دودھ کا ایک مشکیزہ بھی تھا، جب وہ ہمارے پاس سے گزرا تو اس نے ہم کو سلام کیا، ہم نے اس کو کچھ نہیں کہا اور محلم بن جثامہ نے اس پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا اور اس کا اونٹ اور اس کا سامان چھین لیا۔ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ بیان کیا تو ہمارے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی : اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے جاؤ تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جو تم کو سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔ الآیہ (النساء : ۹۴) (مسند احمد ج ۹، رقم الحدیث ۲۳۹۲۷، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنو سلیم کا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے پاس سے بکریاں چراتے ہوئے گزرا اس نے سلام کیا، صحابہ نے کہا اس نے صرف اپنی جان بچانے کے لیے ہم کو سلام کیا ہے انہوں نے اس کو پکڑ کر قتل کر دیا، اور اس کی بکریاں لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اس موقع پر یہ آیت (النساء : ۹۴) نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۴۵۹۱، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۳۰۲۵، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۳۹۷۴، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۳۰۴۱، سنن کبریٰ للنسائی، رقم الحدیث : ۱۱۱۲۱، مسند احمد، رقم الحدیث : ۲۰۲۳، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث : ۴۷۵۲، المستدرک ج ۲ ص ۲۹۲۰، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۱۵)

امام ابن جریر طبری نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ یہ آیت قبیلہ غطفان کے ایک شخص مرداس کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غالب لیثی کی قیادت میں ایک لشکر فدک کی طرف روانہ کیا ان کو وہاں مرداس، غطفان کے لوگوں کا ساتھ ملا، مرداس کے ساتھی بھاگ گئے، مرداس نے کہا بہ خدا میں مومن ہوں اور میں تمہارا پیچھا نہیں کر رہا تھا، پھر صبح کو سواروں کی ایک اور جماعت آئی مرداس نے ان کو سلام کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے اس کو قتل کر دیا اور اس کا مال و متاع لوٹ لیا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۳۰۳، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

احکام شرعیہ کا مدار صرف ظاہر پر ہے

قرآن مجید کی اس آیت اور اس کے شان نزول میں جو احادیث ذکر کی گئی ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں احکام شرعیہ کا مدار صرف ظاہر حال پر ہے اور کسی شخص کے باطن کو ٹٹولنے سے ہم کو منع کیا گیا ہے اور دل کے حال کو جاننا انسانوں کا منصب نہیں ہے، یہ صرف اللہ عزوجل کی شان ہے جو علام الغیوب ہے اور کسی شخص کے متعلق بدگمانی کر کے

اس کو قتل کرنا ممنوع ہے' اس سے پہلے ہم صحیح مسلم کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت اسامہ نے ایک شخص کو کلمہ پڑھنے کے بعد اس خیال سے قتل کر دیا تھا کہ شاید اس نے جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا ہے تو رسول اللہ ﷺ بہت ناراض ہوئے' آپ نے حضرت اسامہ سے اس شخص کے قصاص لینے کا حکم نہیں دیا' اور مذکور الصدر احادیث میں جن صحابہ نے ایک شخص کو سلام کرنے کے بعد قتل کر دیا تھا آپ نے ان کو بھی قصاص میں قتل کرنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ اولاً تو یہ ابتداء اسلام کے واقعات ہیں ثانیاً" یہ کہ انہوں نے تاویل سے قتل کیا تھا" البتہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اور اس کا حکم معلوم ہونے کے بعد جس نے کسی کے متعلق بدگمانی کر کے اس کو قتل کر دیا اس سے قصاص لیا جائے گا' بہر حال اس آیت سے فقہ کا یہ عظیم ضابطہ معلوم ہوا کہ احکام شرعیہ کا مدار صرف ظاہر حال پر ہے۔

نیز اس آیت میں یہ بھی تصریح ہے کہ مسلمانوں کا جہاد سے مقصود صرف اللہ کے دین کی سربلندی ہونا چاہیے اور مال غنیمت حاصل کرنا ان کا مطمح نظر نہیں ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : **بلاعذر اور بلا ضرر (جہاد سے) بیٹھ رہنے والے مسلمان اور اللہ کی راہ میں (کافروں کے خلاف) جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں' اپنی جان اور مال سے جہاد کرنے والے مجاہدوں کو اللہ نے بیٹھنے والوں پر ایک درجہ میں فضیلت دی ہے' اور سب سے اللہ نے اچھی عاقبت کا وعدہ کیا ہے اور اللہ نے مجاہدوں کو بیٹھنے والوں پر اجر عظیم کی فضیلت دی ہے ○ اللہ کی طرف سے درجات ہیں اور بخشش اور رحمت اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔**

بلاعذر جہاد میں شریک نہ ہونے والے' مجاہدین کے برابر نہیں ہیں

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنی جان اور مال کے ساتھ جہاد کرتے ہیں سفر میں سختیاں اور بھوک اور پیاس کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں اور اللہ کے دشمنوں سے مقابلہ میں زخم کھاتے ہیں ان کے برابر وہ لوگ نہیں ہو سکتے جو بغیر کسی جسمانی عذر کے جہاد کے لیے نہیں جاتے اور اپنی جان اور مال کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی لا یستوی القاعدون من المؤمنین۔ الایہ تو حضرت عبداللہ بن عمرو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے پاس آئے وہ نابینا تھے' انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نابینا ہوں۔ آپ مجھے جہاد کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی غیر اولی الضرر۔ نبی ﷺ نے فرمایا (چوڑی) ہڈی اور دوات لاؤ' یا فرمایا لوح اور دوات لاؤ۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۰۴۲' صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۴۵۹۴' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۸۹۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر سے مراد وہ مسلمان ہیں جو بغیر کسی ضرر یا عذر کے جنگ بدر میں شامل نہیں ہوئے تھے اور جہاد کرنے والوں سے مراد وہ مسلمان ہیں جو جنگ بدر میں جہاد کے لیے گئے تھے۔ جب غزوہ بدر میں شریک ہونے کا حکم آیا تو نبی ﷺ کے پاس حضرت عبداللہ بن جحش اور حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہما آئے اور عرض کیا : یا رسول اللہ ہم نابینا ہیں کیا ہمارے لیے رخصت ہے تو پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۰۴۳' سنن کبریٰ للنسائی ج ۶' رقم الحدیث : ۱۱۱۱۷)

عذر کی وجہ سے جہاد نہ کرنے والے' مجاہدین کے برابر ہیں

اس آیت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جو مسلمان جہاد میں شامل ہونے کی نیت رکھتے ہوں لیکن جسمانی عذر کی وجہ سے شریک نہ ہو سکیں وہ اجر و ثواب میں مجاہدین کے برابر ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بلاعذر جہاد میں شرکت نہ کرنے والوں کے متعلق فرمایا ہے وہ مجاہدوں کے برابر نہیں ہیں- اس کا مطلب یہ ہے کہ عذر والے' مجاہدین کے برابر ہیں' اس کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے-

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ میں فرمایا : ہم مدینہ میں کچھ مسلمانوں کو چھوڑ آئے ہیں اور ہم نے جب بھی کسی گھاٹی یا وادی کو عبور کیا ہے تو وہ ہمارے ساتھ تھے' وہ عذر کی وجہ سے نہیں جا سکے-

(صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۲۸۳۹)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا تم نے جب بھی کسی رات سفر کیا یا کسی وادی کو عبور کیا تو مدینہ کے کچھ مسلمان تمہارے ساتھ ہوتے تھے' صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ تو مدینہ میں ہیں' آپ نے فرمایا : وہ مدینہ میں ہیں لیکن عذر کی وجہ سے نہیں جا سکے- (امام مسلم نے یہ حدیث اختصار کے ساتھ حضرت جابر سے روایت کی ہے-)

(سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۲۷۶۵' ۲۷۶۴' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۴۹۰۹' مسند احمد ج ۳ ص ۳۰۰' ۱۸۲)

غنی شاکر افضل ہے یا فقیر صابر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی بھی فضیلت بیان کی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ جو مال دار لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے دیگر فرائض اور واجبات کو بجا لاتے ہیں اور جن کاموں سے شریعت میں منع کیا گیا ہے ان سے باز رہتے ہیں ان کو نفلی عبادت کرنے والوں پر فضیلت حاصل ہے' کیونکہ وہ اپنے مال کو جہاد' اسلام کی ترویج و اشاعت اور دیگر نیکی کے کاموں میں صرف کرتے ہیں-

اس مسئلہ میں بحث کی گئی ہے کہ غنی شاکر افضل ہوتا ہے یا فقیر صابر افضل ہوتا ہے' بعض علماء نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ غنی شاکر افضل ہوتا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں ان کو فضیلت اور درجہ حاصل ہے' نیز غنی کو قدرت حاصل ہوتی ہے اور فقیر عاجز ہوتا ہے اور قدرت عجز سے افضل ہے' اور بعض نے کہا فقیر صابر افضل ہوتا ہے' کیونکہ غنی شاکر کو اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے جو اجر ملتا ہے وہ دس گنا ہے' سات سو گنا ہے یا چودہ سو گنا ہے اور بہرحال حد اور حساب سے ہے اور صبر کرنے والوں کو اللہ بے حساب اجر عطا فرماتا ہے' قرآن مجید میں ہے :

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (الزمر : ۱۰)　　صرف صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر دیا جائے گا-

اس سے معلوم ہوا کہ غنی شاکر سے فقیر صابر افضل ہے' نیز غنی دنیا کی طلب میں رہتا ہے جب کہ فقیر دنیا کو ترک کرتا ہے اور دنیا کو طلب کرنے سے دنیا کو ترک کرنا افضل ہے' اس سے بھی معلوم ہوا کہ فقیر صابر غنی شاکر سے افضل

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بھی یہ بحث رہتی تھی کہ فقیر صابر افضل ہے یا غنی شاکر افضل ہے اور ہر ایک اجر و ثواب میں دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتا تھا۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فقراء مہاجرین رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا مالدار لوگ تو بڑے بڑے درجات اور جنت کی نعمتیں لے گئے' نبی ﷺ نے فرمایا وہ کیسے؟ انہوں نے عرض کیا جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں وہ نماز پڑھتے ہیں اور جس طرح ہم روزے رکھتے ہیں وہ روزے رکھتے ہیں اور وہ صدقہ کرتے ہیں اور ہم صدقہ نہیں کر سکتے' وہ غلام آزاد کرتے ہیں اور ہم غلام آزاد نہیں کر سکتے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز کی تعلیم نہ دوں جس سے تم ان سے بڑھ جاؤ گے جو تم پر سبقت کرتے ہیں اور تم اپنے بعد والوں سے بھی بڑھ جاؤ گے؟ اور تم سے کوئی شخص افضل نہیں ہو سکے گا مگر وہ جو تمہاری طرح اس کام کو کرے' فقراء مہاجرین نے کہا کیوں نہیں! یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا تم ہر نماز کے بعد تینتیس تینتیس بار سبحان اللہ' اللہ اکبر اور الحمد للہ کہو' (دوسری روایت میں ہے سبحان اللہ' الحمد للہ اور اللہ اکبر پڑھو) فقراء مہاجرین دوبارہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا : ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی اس کام کو سن لیا اور وہ بھی اس طرح کرنے لگے' تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرمائے۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۵۹۵)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقیر صابر سے غنی شاکر افضل ہے کیونکہ اس کو ایسی عبادات انجام دینے کا موقع ملتا ہے جو فقراء کی پہنچ میں نہیں ہوتیں' یہ بھی واضح رہے کہ فقیر صابر سے مراد آج کل کے گداگر نہیں ہیں اور نہ غنی شاکر سے مراد آج کل کے سرمایہ دار ہیں بلکہ فقراء سے مراد ایسے فقراء ہیں جیسے فقراء مہاجرین تھے مثلاً حضرت بلال' حضرت سلمان فارسی اور حضرت صہیب رومی وغیرہ' اور اغنیاء سے مراد ایسے اغنیاء ہیں جیسے حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمان بن عوف وغیرہ تھے' اور فقیر صابر سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ شاکر نہ ہو' اور غنی شاکر سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ صابر نہ ہو' بلکہ ہر دو کو جب کوئی نعمت ملے تو وہ اس پر اللہ کا شکر ادا کریں اور جب کوئی مصیبت آئے تو وہ اس پر صبر کریں لیکن غنی کا غالب حال یہ ہے کہ اس کو شکر کرنے کے مواقع زیادہ ملتے ہیں اس لیے اس کو غنی شاکر سے تعبیر کرتے ہیں اور فقیر کا غالب حال یہ ہے کہ اس کو صبر کے مواقع زیادہ ملتے ہیں' اس لیے اس کو فقیر صابر سے تعبیر کرتے ہیں اور صبر کرنا بھی عبادت ہے اور شکر کرنا بھی عبادت ہے تاہم اگر اغنیاء کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ ان کو ایسی عبادت کرنے کے زیادہ مواقع ملتے ہیں جو فقراء کی دسترس میں نہیں ہیں تو فقراء کے لیے یہ فضیلت کچھ کم نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے جو زندگی گزاری ہے وہ عیش' نعمت اور اغنیاء کی زندگی نہیں ہے وہ فقراء کی زندگی ہے اگر اغنیاء کو عبادت میں سبقت کی فضیلت حاصل ہے تو فقراء کو رسول اللہ ﷺ کی حیات اپنانے کی فضیلت حاصل ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : قیامت کے دن اللہ عزوجل فرمائے گا' اے ابن آدم میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہیں کی! وہ کہے گا اے میرے رب میں تیری کیسے عیادت کرتا تو رب العلمین ہے'

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھ کو علم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو نے اس کی عیادت نہیں کی اگر تو اس کی عیادت کرتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا' پھر فرمائے گا اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہیں دیا' وہ کہے گا: اے میرے رب! میں تجھے کیسے کھلاتا تو رب العلمین ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا تو نے اس کو کھانا نہیں کھلایا اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا' پھر فرمائے گا اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا! وہ کہے گا اے میرے رب! میں تجھے کیسے پانی پلاتا تو تو رب العالمین ہے' اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے فلاں بندہ نے تجھ سے پانی مانگا تو نے اس کو پانی نہیں پلایا اگر تو اس کو پانی پلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۲۵۶۹)

فقراء کے لیے یہ کچھ کم اعزاز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بیماری کو اپنی بیماری اور ان کی بھوک اور پیاس کو اپنی بھوک اور پیاس فرماتا ہے' اگر اغنیاء کو کثرت عبادت کی فضیلت حاصل ہے تو فقراء کے لیے یہ کم فضیلت نہیں ہے کہ اللہ ان کے حال کو اپنا حال فرماتا ہے۔ ان کی بیماری کو اپنی بیماری اور ان کی بھوک اور پیاس کو اپنی بھوک اور پیاس فرماتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ

بیشک فرشتے جن لوگوں کی روحیں اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، فرشتے کہتے ہیں کہ تم

كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ

کس حال میں تھے، وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور تھے، وہ (فرشتے) کہتے ہیں کہ کیا اللہ

تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ

کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر لیتے، یہ وہ لوگ ہیں جن کا

مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ

ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے ○ مگر جو (واقعی) کمزور ہوں

مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً

مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے جو کسی خفیہ تدبیر پر قدرت نہ رکھتے ہوں

وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَن يَعْفُوَ

اور نہ راستہ جانتے ہوں ○ سو یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ عنقریب ان سے درگزر

عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٩٩﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ

فرمائے گا ، اور اللہ بہت معاف کرنے والا نہایت بخشنے والا ہے ○ اور جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا

اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ يَّخْرُجْ

وہ زمین میں بہت جگہ اور وسعت پائے گا ، اور جو اپنے گھر سے

مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ

اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتا ہوا نکلے پھر اس کو موت پا لے

فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠٠﴾ ع

تو بیشک اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ثابت ہو گیا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک فرشتے جن لوگوں کی روحیں اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے۔ الآیہ (النساء : ۹۸-۹۷)

فرضیت ہجرت کی آیات کا شان نزول

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ہجرت کو فرض فرمایا ہے اور مکہ کے جن مسلمانوں نے ابھی تک ہجرت نہیں کی تھی ان پر سخت وعید فرمائی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

عبد الرحمان بن اسود بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ سے جنگ کے لیے ایک لشکر تیار کیا گیا۔ میرا نام بھی اس میں لکھا گیا تھا اس وقت حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام حضرت عکرمہ سے میری ملاقات ہوئی انہوں نے مجھے اس جنگ میں شامل ہونے سے سختی سے منع کیا اور کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ (مکہ کے) کچھ مسلمان (جنگ بدر میں) مشرکین (کی تعداد بڑھانے کے لیے ان) کے ساتھ تھے' یہ لشکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لیے آیا تھا' آپ کے لشکر کی طرف سے کوئی تیر آکر ان مسلمانوں کے لگتا اور وہ ہلاک ہو جاتا یا لڑائی میں مارا جاتا' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۴۵۹۶' سنن کبریٰ للنسائی : ج ۶' رقم الحدیث ۱۱۱۹)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میری ماں ان کمزور لوگوں میں سے تھی جن کا اللہ نے کفر کی سرزمین سے ہجرت کرنے کے حکم سے استثناء فرمایا ہے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۴۵۹۷)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت مکہ کے ان مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے ہجرت نہیں کی تھی جو ان میں سے مکہ میں فوت ہو گئے وہ ہلاک ہو گئے ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی : بے شک فرشتے جن لوگوں کی

روحیں اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے (فرشتے کہتے ہیں) کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور تھے ---- یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے۔ مگر جو (واقعی) کم زور ہوں مردوں' عورتوں اور بچوں میں سے ---- سو یہ لوگ ہیں کہ اللہ عنقریب ان سے درگزر فرمائے گا۔ (النساء : ۹۸ - ۹۷) حضرت ابن عباس نے فرمایا میں اور میری والدہ ان کمزور لوگوں میں سے تھے۔ عکرمہ نے کہا حضرت ابن عباس بھی ان کمزور لوگوں میں سے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے اور وہ اپنے اسلام کو مخفی رکھتے تھے' جنگ بدر کے دن مشرکین ان کو اپنے ساتھ لے گئے' ان میں سے بعض مسلمان جنگ میں مارے گئے' مسلمانوں نے کہا ہمارے یہ اصحاب مسلمان تھے ان کو زبردستی جنگ میں لایا گیا تھا' انہوں نے ان کے لیے استغفار کیا اس موقع پر سورہ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی۔ تب مکہ میں باقی ماندہ مسلمانوں کو یہ آیت لکھ کر بھیجی گئی اور ان سے یہ کہا گیا کہ اب ان کے لیے ہجرت میں کسی عذر کی گنجائش نہیں ہے وہ مکہ سے نکلے تو مشرکین ان کے مقابلہ میں آئے اور وہ فتنہ میں پڑ گئے اس وقت ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ (العنکبوت : ۱۰)

اور کچھ لوگ کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے' پھر جب انہیں اللہ کی راہ میں کوئی تکلیف دی جائے تو وہ لوگوں کے فتنہ کو اللہ کے عذاب کی طرح کر دیتے ہیں۔

(جامع البیان جز ۵ ص ۳۱۷ - ۳۱۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

نیز امام ابن جریر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے : اے اللہ! ولید' سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات عطا فرما' اور ان کمزور مسلمانوں کو جو مشرکین کے زیر تسلط ہیں' جن کو وہاں سے نکلنے کے لیے کسی حیلہ پر قدرت ہے نہ وہ راستہ جانتے ہیں۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۳۲۱' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ہرچند کہ اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے :

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو عشاء کی نماز پڑھائی سمع اللہ لمن حمدہ پڑھ کر آپ کھڑے ہو گئے اور سجدہ سے پہلے آپ نے یہ دعا مانگی : اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات عطا فرما' اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات عطا فرما' اے اللہ! ولید بن ولید کو نجات عطا فرما' اے اللہ! کمزور مسلمانوں کو نجات عطا فرما' اے اللہ! مضر پر اپنی گرفت سخت فرما' اے اللہ! ان پر ایسے سال مسلط کر دے جیسے حضرت یوسف کے زمانہ میں (قحط کے) سال مسلط کر دیئے تھے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۴۵۹۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا' وہ زمین میں بہت جگہ اور وسعت پائے گا اور جو اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتا ہوا نکلے' پھر اس کو موت پالے تو بے شک اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ثابت ہو گیا اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے (النساء : ۹۹)

اس آیت میں اللہ نے یہ خبر دی ہے کہ جو شخص اپنے دین کو بچانے کے لیے مشرکوں کے ملک سے اللہ اور اس کے

رسول کی طرف بھاگے' اور ارض اسلام اور دار ہجرت میں پہنچنے سے پہلے اس کو موت آ لے تو اس کے اس عمل کا اجر اور ہجرت کا ثواب اللہ کے ذمہ کرم پر ہے' اور اس نے اسلام کی خاطر اپنے وطن اور رشتہ داروں کو جو چھوڑا ہے اللہ اس کی جزاء اس کو عطا فرمائے گا۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن جبیر اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص جس کا نام ضمرہ بن العیص یا العیص بن ضمرہ تھا' جب ہجرت کا حکم نازل ہوا تو وہ بیمار تھا اس نے اپنے گھر والوں سے کہا وہ اس کو چارپائی پر ڈال کر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے چلیں' وہ اس کو لے کر روانہ ہوئے وہ ابھی مقام تنعیم (مکہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے جہاں سے اہل مکہ احرام باندھتے ہیں) پر پہنچے تھے کہ اس شخص کی وفات ہو گئی اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ہجرت کا شرعی حکم

ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ جس ملک یا شہر میں مسلمانوں کو دین اسلام کے احکام پر عمل کرنے کی آزادی نہ ہو وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہے اور یہ کہ ابتداء میں مکہ کے مسلمانوں پر ہجرت کرنا فرض تھا اور مکہ فتح ہونے کے بعد جب مکہ دار الاسلام بن گیا تو یہ ہجرت منسوخ ہو گئی' اور ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو مرد' عورتیں اور بچے کمزور ہوں یا بیمار ہوں اور ان کو ہجرت کرنے کی کوئی تدبیر معلوم نہ ہو' نہ راستے کا علم ہو ان کے ہجرت نہ کرنے کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا' اور ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی مسلمان نیک نیتی سے کوئی عبادت شروع کرے اور اس کو مکمل کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس مسلمان کو اس نیک کام کا پورا پورا اجر عطا فرماتا ہے۔

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی فرضیت کے اسباب

ابتداء اسلام میں مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے حسب ذیل اسباب تھے :

(۱) مدینہ منورہ میں نبی ﷺ پر وقتاً فوقتاً احکام شرعیہ نازل ہو رہے تھے اور دین کی مکمل تعلیم حاصل کرنے کے لیے ضروری تھا کہ مسلمان ہر طرف سے اس مرکز علم کی طرف آئیں' اسی طرح اب بھی اگر کوئی مسلمان کسی ایسے علاقہ میں رہتا ہو جہاں علماء دین نہ ہوں تو اس پر واجب ہے کہ وہ دین کا علم حاصل کرنے کے لیے اس علاقہ کی طرف ہجرت کرے جہاں علماء دین ہوں' اور وہاں جا کر علماء دین سے علم حاصل کرے نکاح کرنے سے پہلے نکاح اور طلاق کے ضروری مسائل سیکھے حج اور عمرہ سے پہلے حج اور عمرہ کے مسائل معلوم کرے' تجارت کرنے سے پہلے تجارت' بیع شراء اور سود کے مسائل کا علم حاصل کرے' اور بالغ ہونے سے پہلے نماز' روزہ اور زکوٰۃ کے مسائل کا علم حاصل کرے علیٰ ھٰذا القیاس۔

(۲) مدینہ میں مسلمان آزادی سے احکام شرعیہ اور شعائر اسلام پر عمل کرتے تھے جب کہ فتح مکہ سے پہلے مکہ میں شعائر اسلام پر عمل نہیں کیا جا سکتا تھا سو اب بھی اگر کسی ملک میں کوئی مسلمان اسلام کے شعائر پر آزادی اور امن سے عمل نہ کر سکے تو اس پر اس علاقہ سے ہجرت کرنا فرض ہے۔

(۳) مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی فرضیت کا سبب یہ بھی تھا کہ یہ بتلایا جائے کہ اسلام میں وطن کی اہمیت نہیں ہے بلکہ دین کی اہمیت ہے اور دین کی خاطر وطن کو چھوڑ دیا جائے گا' اور یہ کہ نبی ﷺ کی اطاعت اور آپ کی اتباع مسلمانوں پر فرض ہے اور جب نبی ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کر لی تو آپ کی اتباع میں مسلمانوں پر بھی ہجرت فرض کر دی گئی' اور

اس لیے بھی کہ مدینہ منورہ اسلام کی پہلی ریاست تھی سو اس ریاست کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے لیے وہاں مسلمانوں کی عددی قوت بڑھانا ضروری تھا اور یہ اسی وقت ہو سکتا تھا جب مسلمان مدینہ میں جمع ہو جائیں۔

دفع ضرر کے لیے ہجرت کی اقسام

قاضی ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ نے ہجرت کی حسب ذیل اقسام بیان کی ہیں :

(۱) دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنا' ہجرت کی یہ قسم قیامت تک کے لیے فرض ہے' سو جو شخص دار الحرب میں اسلام قبول کرے اس پر دار الاسلام کی طرف ہجرت کرنا فرض ہے' اگر وہ دار الحرب میں ہی مقیم رہا تو گنہ گار ہو گا۔

(۲) جس علاقہ میں اہل بدعت کا غلبہ ہو اور سلف صالحین پر وہاں تبرا کیا جاتا ہو اور صالح مسلمان اپنی قوت سے اس بدعت کو مٹانے پر قادر نہ ہوں اس علاقہ سے ان مسلمانوں کا ہجرت کرنا واجب ہے' اس کی اصل قرآن مجید کی یہ آیت ہے :

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ؕ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (الانعام : ۶۸)

اور (اے مخاطب) جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں میں کج بحثی کرتے ہیں تو ان سے اعراض کرو حتیٰ کہ وہ کسی اور موضوع پر بحث کرنے لگیں اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔

(۳) جس سرزمین پر حرام کاموں کا غلبہ ہو اس سرزمین سے نکل جائے کیونکہ حلال کو طلب کرنا اور حرام سے بچنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

(۴) جس علاقہ میں مسلمان کو اپنے جسم کے نقصان کا خطرہ ہو' اس پر واجب ہے کہ وہ کسی محفوظ علاقہ میں چلا جائے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا :

اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ (العنکبوت : ۲۶)

میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ ؗ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (القصص : ۲۱)

سو موسیٰ اس شہر سے ڈرتے ہوئے نکلے' وہ انتظار کرتے تھے (کہ اب کیا ہو گا) انہوں نے دعا کی اے میرے رب مجھے ظالم قوم سے بچا لے۔

(۵) جس شہر میں کوئی متعدی مرض پھیلا ہوا ہو' اس شہر سے ایسی جگہ چلا جائے جہاں وہ وبا نہ ہو' اس قاعدہ سے صرف طاعون مستثنیٰ ہے۔

(۶) جس علاقہ میں مسلمان کو اپنے مال کے ضائع ہونے یا مالی نقصان کا یقینی خطرہ ہو اس جگہ سے انسان کسی پر امن علاقہ میں چلا جائے۔

(۷) اسی طرح جس جگہ انسان کی عزت اور ناموس کو یقینی خطرہ ہو اس علاقہ سے بھی نکلنا واجب ہے' کیونکہ مسلمان پر اپنی جان' مال اور عزت کی حفاظت کرنا فرض ہے' امام ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا : یہ حج اکبر کا دن ہے تمہارا خون' تمہارے مال اور تمہاری عزتیں تم پر اس طرح حرام ہیں جس طرح آج کے دن اس شہر کی حرمت ہے۔

(سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ۴۰۵۸' صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱۷۳۹' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۱۹۳۵)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اسلام میں تقیہ جائز نہیں ہے ورنہ ہجرت فرض نہ ہوتی کیونکہ انسان تقیہ کر کے کافروں اور فاسقوں سے ظاہری موافقت کر کے ایسی جگہ رہ سکتا ہے۔

یہ ہجرت کی وہ اقسام ہیں جن میں کسی ضرر سے بچنے کے لیے ہجرت کی جاتی ہے' اور ہجرت کی بعض اقسام وہ ہیں جن میں کسی نفع کے حصول کے لیے ہجرت کی جاتی ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

حصول نفع کے لیے ہجرت کی اقسام

(۱) کسی علاقہ کے آثار عذاب سے عبرت حاصل کرنے کے لیے اپنے ملک سے دوسرے ملک جانا' قرآن مجید میں ہے:

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (یوسف: ۱۰۹)

کیا یہ لوگ زمین میں سفر نہیں کرتے تاکہ یہ دیکھیں کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا۔

اس نوع کی قرآن مجید میں بہت آیتیں ہیں' اور کہا جاتا ہے کہ ذوالقرنین نے زمین میں اس لیے سفر کیا تھا کہ زمین کے عجائبات دیکھے اور ایک قول یہ ہے کہ اس نے باطل کو مٹانے اور حق کو نافذ کرنے کے لیے زمین میں سفر کیا تھا۔

(۲) حج کرنے کے لیے سفر کرنا' یہ سفر زندگی میں ایک بار بشرط استطاعت فرض ہے اور بار بار مستحب ہے۔

(۳) جہاد کے لیے سفر کرنا' اگر دشمن اسلامی ملک کی سرحد پر حملہ آور ہو تو سربراہ ملک جن لوگوں کو جہاد کے لیے بلائے ان کا جانا فرض عین ہے اور تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے لیکن یہ بھی امام یا امیر کی دعوت پر موقوف ہے۔

(۴) اگر اپنے شہر میں رزق حلال اور معاش کا حصول متعذر اور مشکل ہو اور کسی دوسرے شہر میں رزق حلال کے ذرائع حاصل ہوں تو اس شہر میں جانا اس پر فرض ہے کیونکہ رزق حلال کو طلب کرنا فرض ہے' قرآن مجید میں ہے:

وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (المزمل: ۲۰)

اور کچھ لوگ زمین میں سفر کریں گے' اللہ کا فضل تلاش کرتے ہوئے۔

(۵) تجارت کے لیے سفر کرنا اور ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں تجارت کے لیے جانا' اللہ تعالیٰ نے سفر حج میں بھی تجارت کی اجازت دی ہے:

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ (البقرہ: ۱۹۸)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے رب کے فضل کو تلاش کرو۔

(۶) علم دین اور علم نافع کی طلب کے لیے سفر کرنا' قرآن مجید میں ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَیْهِمْ لَعَلَّهُمْ یَحْذَرُوْنَ (التوبہ: ۱۲۲)

تو (مسلمانوں کے) ہر گروہ سے کیوں نہ ایک جماعت دین سیکھنے کے لیے روانہ ہوئی تاکہ وہ واپس آ کر اپنی قوم کو ڈرائیں۔ شاید وہ گناہ سے بچتے رہیں۔

(۷) متبرک مقامات کی زیارت کے لیے سفر کرنا' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین مسجدوں کے سوا سامان سفر نہ باندھنا میری یہ مسجد' مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۱۱۸۹' صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۳۹۷' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث: ۲۰۳۳' سنن نسائی' رقم الحدیث: ۲۸۹۷' سنن ترمذی' رقم الحدیث: ۳۲۶' سنن ابن ماجہ' رقم

الحدیث : ۱۴۰۹' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۴۴' سنن دارمی' رقم الحدیث : ۱۴۲۱' مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۴)

(۸) اسلام کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے سفر کرنا اور دشمن سے مقابلوں کے لیے مجاہدوں کا جمع ہونا۔

(۹) ماں باپ کی زیارت کے لیے سفر کرنا' رشتہ داروں اور بیوی بچوں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے سفر کرنا۔

(۱۰) ملک کے نظم ونسق چلانے اور انتظامی امور کے لیے سفر کرنا۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۶۱۲-۶۱۱' مع توضیح و زیادة' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۸ھ)

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو (اس میں) کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ تم

تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ

نماز میں قصر کرلو ، اگر تم کو یہ خدشہ ہو کہ کافر تم پر حملہ کریں

كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَاِذَا كُنْتَ

گے ، بیشک کافر تمہارے کھلے ہوئے دشمن ہیں ○ اور (اے رسول اکرم) جب

فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ

آپ ان (مسلمانوں) کے درمیان ہوں اور آپ (حالتِ جنگ میں) نماز کے لیے کھڑے ہوں تو مسلمانوں کی ایک جماعت آپ کے ساتھ

وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَاۗىِٕكُمْ ۠

نماز پڑھے اور یہ لوگ اپنے ہتھیاروں سے مسلح رہیں اور جب وہ سجدہ کرلیں تو پیچھے چلے جائیں ،

وَلْتَاْتِ طَاۗىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا

اور مسلمانوں کی دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی تھی وہ آکر آپ کے ساتھ (دوسری رکعت) نماز پڑھے

حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ

اور وہ (بھی) اپنے اسلحہ کے ساتھ مسلح رہیں ، کافر یہ چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے اسلحہ اور سازو سامان سے

اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ

غافل ہو جاؤ تو وہ یکبارگی لوٹ کر تم پر حملہ کر دیں ،

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّنْ مَّطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ

اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر تم بارش یا بیماری کی وجہ سے اپنے ہتھیار

مَّرْضَىٰ أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ

اتار کر رکھ دو اور (ضروری) سامان لیے رہو، بیشک اللہ نے کافروں

أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٠٢﴾ فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ

کے لیے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے ○ پس جب تم نماز ادا کر لو تو حالتِ قیام

فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ

میں، بیٹھے ہوئے اور پہلو کے بل اللہ کا ذکر کرو، پھر جب تم مامون ہو جاؤ

فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا

تو (معمول کے مطابق) نماز پڑھو۔ بیشک ایمان والوں پر نماز وقت مقررہ میں فرض کی گئی

مَّوْقُوتًا ﴿١٠٣﴾ وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ

ہے ○ اور کافروں کا پیچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو، اگر تم کو تکلیف پہنچی ہے تو ان کو

فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا

بھی تکلیف پہنچی ہے جیسا کہ تم کو تکلیف پہنچی ہے (جب کہ) تم اللہ سے جو امید رکھتے ہو، اس کی وہ امید

يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾

نہیں رکھتے، اور اللہ بہت علم والا بڑی حکمت والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب تم زمین میں سفر کرو تو (اس میں) کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ تم نماز میں قصر کر لو' اگر تم کو یہ خدشہ ہو کہ کافر تم پر حملہ کریں گے۔ (النساء : ۱۰۱)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم مسافت کے مطابق سفر کرو (یہ اکسٹھ میل چھ سو چالیس گز ہے) تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ تم چار رکعت کی نماز کو قصر کر کے دو رکعت پڑھ لو' قرآن مجید سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قصر کی رخصت صرف اس صورت میں ہے جب کفار کے حملہ کرنے کا خطرہ ہو لیکن احادیث سے یہ ثابت ہے کہ سفر شرعی میں یہ

رخصت زمانہ جنگ اور امن دونوں کو شامل ہے جیسا کہ ہم تفصیل سے عنقریب بیان کریں گے' پہلے ہم اس آیت کا شان نزول بیان کریں گے' اور صلوۃ خوف پڑھنے کا طریقہ بیان کریں گے' پھر زمانہ امن میں نماز قصر پڑھنے کے دلائل ذکر کریں گے اور اخیر میں مسافت شرعیہ کا بیان کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق

نماز خوف کا شان نزول

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

ابو عیاش الزرقی بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عسفان (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے) میں تھے اور مشرکین کے امیر خالد بن ولید تھے' ہم نے ظہر کی نماز پڑھی' مشرکین نے کہا ہم نے ان کو غافل پایا کاش ہم ان پر اس وقت حملہ کر دیتے جب یہ نماز میں تھے' اس موقع پر ظہر اور عصر کے درمیانی وقت میں قصر کے متعلق (یہ) آیت نازل ہو گئی' جب عصر کی نماز آئی تو رسول اللہ ﷺ نے ہم کو عصر کی نماز پڑھائی' آپ نے ہمارے دو گروہ کر دیئے' ایک گروہ نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتا رہا اور دوسرا گروہ آپ کی حفاظت کرتا رہا۔ (الحدیث)

(سنن نسائی' رقم الحدیث : ۱۵۴۹' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۱۲۳۶' المستدرک : ج ۱ ص ۳۳۷' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۵۶۔ ۲۵۴)

نماز خوف پڑھنے کا طریقہ

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ نجد کی طرف ایک غزوہ میں گیا' ہم دشمن کے سامنے کھڑے ہو گئے' رسول اللہ ﷺ نے ہماری صفیں بنائیں' ایک صف نے نبی ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی' نبی ﷺ نے ایک رکوع اور دو سجدوں میں ان کی امامت کی' پھر یہ لوگ پہلے گروہ کی جگہ چلے گئے (جو دشمن کے سامنے تھا) جس نے نماز نہیں پڑھی تھی وہ آکر آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور نبی ﷺ نے ایک رکوع اور دو سجدوں میں ان کی امامت کی پھر آپ نے سلام پھیر دیا' پھر ان میں سے ہر گروہ نے (بقیہ) ایک رکوع اور دو سجدے کیے (جس نے آپ کے پیچھے پہلی رکعت پڑھی تھی اس نے بقیہ رکعت لاحق کی طرح پڑھی اور جس نے آپ کے پیچھے دوسری رکعت پڑھی تھی اس نے بقیہ رکعت مسبوق کی طرح پڑھی)

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۹۴۲' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۸۳۹' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۱۲۴۳' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۵۶۴' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۱۵۳۸' مصنف عبدالرزاق : ۴۲۴۱' مسند احمد ج ۲ ص ۱۴۸۔ ۱۴۷' سنن دار قطنی ج ۲ ص ۵۹' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۶۳)

امام محمد از امام ابوحنیفہ' از حماد از ابراہیم روایت کرتے ہیں :

جب امام اپنے اصحاب کو نماز خوف پڑھائے تو ایک جماعت امام کے ساتھ نماز پڑھے اور دوسری جماعت دشمن کے سامنے کھڑی رہے' جو جماعت امام کے ساتھ کھڑی ہے امام اس کو ایک رکعت نماز پڑھائے' پھر جس جماعت نے امام کے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھی وہ کوئی کلام کیے بغیر دوسری جماعت کی جگہ جا کر کھڑی ہو جائے اور وہ دوسری جماعت امام کے پیچھے آکر نماز پڑھے امام اس کے ساتھ دوسری رکعت پڑھے' پھر یہ جماعت کوئی کلام کیے بغیر پہلی جماعت کی جگہ جا کر کھڑی

ہو جائے اور پہلی جماعت آئے اور تنہا تنہا (بقیہ) ایک رکعت پڑھے ' پھر وہ جا کر دوسری جماعت کی جگہ کھڑے ہو جائیں اور پھر دوسری جماعت آئے اور وہ بھی تنہا تنہا اپنی (بقیہ) پہلی رکعت پڑھے۔

امام محمد از امام ابو حنیفہ ' از حارث بن عبدالرحمان از حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کی مثل روایت کرتے ہیں ' امام محمد نے کہا ہم اس پوری روایت پر عمل کرتے ہیں ' لیکن پہلی جماعت اپنی بقیہ دوسری رکعت کو بغیر قرأت کے پڑھے گی کیونکہ اس نے امام کے ساتھ پہلی رکعت پالی ہے ' اور دوسری جماعت اپنی بقیہ پہلی رکعت کو قرأت کے ساتھ پڑھے گی کیونکہ اس کی امام کے ساتھ ایک رکعت رہ گئی ہے اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔

امام محمد از امام ابو حنیفہ از حماد از ابراہیم روایت کرتے ہیں کہ جو شخص تنہا نماز خوف پڑھ رہا ہو وہ قبلہ کی طرف منہ کرے ' اگر اس کی طاقت نہ ہو تو سواری پر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے ' اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو اشارے کے ساتھ نماز پڑھے ' منہ جس طرف بھی ہو ' اشارہ کرتے ہوئے کسی چیز پر سجدہ نہ کرے ' اپنے رکوع میں سجدہ سے زیادہ جھکے ' اور وضو کو ترک نہ کرے اور نہ دو رکعتوں میں قرأت کو ترک کرے ' امام محمد نے کہا ہم اس پوری حدیث پر عمل کرتے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ (کتاب الآثار رقم الحدیث : ۱۹۶۔ ۱۹۵۔ ۱۹۴ ' ص ۴۰۔ ۳۹ ' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی)

علامہ المرغینانی حنفی متوفی ۵۹۳ ھ ' اور علامہ حصکفی حنفی متوفی ۱۰۸۸ ھ نے بھی نماز خوف کا یہی طریقہ لکھا ہے۔

(ہدایہ اولین ص ۱۷۷ ' مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان ' درمختار علی ہامش رد المحتار ج ۱ ص ۵۶۹۔ ۵۶۸ ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور یہ لوگ ہتھیاروں سے مسلح رہیں۔ (النساء : ۱۰۲)

اس میں اختلاف ہے کہ اس آیت سے آیا یہ مراد ہے کہ جو جماعت نبی ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہی ہے وہ مسلح رہے ' یا جو جماعت دشمن کے مقابلہ میں کھڑی ہے وہ مسلح رہے ' ثانی الذکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے ' حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے تھے اور ان کے لیے ہتھیار اٹھانا دشوار تھا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی : اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم بارش یا بیماری کی وجہ سے ہتھیار اتار دو۔

سفر شرعی میں نماز کو قصر کر کے پڑھنے کا وجوب

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر سفر میں کفار کے حملہ کا خوف ہو تو نماز کو قصر کر کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ امن میں نماز کو قصر کر کے پڑھنے کی رخصت نہیں ہے لیکن احادیث سے یہ ثابت ہے کہ یہ رخصت زمانہ امن میں سفر کو بھی شامل ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : اگر تم کو یہ خدشہ ہو کہ کافر تم پر حملہ کریں گے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ تم سفر میں قصر کر لو (النساء : ۱۰۱) اور اب لوگ سفر میں کفار کے حملہ سے مامون ہیں! حضرت عمر نے کہا جس چیز سے تم کو تعجب ہوا ہے مجھے بھی تعجب ہوا تھا ' میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تھا ' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ (قصر) صدقہ ہے جس کا اللہ نے تم پر صدقہ کیا ہے ' تم اس کے صدقہ کو قبول کر لو۔ (صحیح مسلم ' رقم الحدیث : ۶۸۶ ' سنن ابو داؤد ' رقم الحدیث : ۱۱۹۹ ' ۱۲۰۰ ' سنن کبری للنسائی ' رقم الحدیث : ۱۱۲۰ ' سنن ابن ماجہ ' رقم الحدیث : ۱۰۶۵ ' سنن دارمی ' رقم الحدیث : ۳۵۴ ' صحیح ابن خزیمہ ' رقم الحدیث :

۹۳۵ ' مسند احمد : ج ۱ ' رقم الحدیث : ۱۷۴ ' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۱۴۱۔۱۴۰)

اس حدیث میں نبی ﷺ نے امر فرمایا ہے کہ اللہ کے صدقہ کو قبول کرو اور اصل میں امر وجوب کے لیے آتا ہے ' اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں نماز کو قصر کرنا واجب ہے ' سو اگر کسی نے دانستہ سفر میں پوری نماز پڑھی تو وہ گنہ گار ہو گا۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

امیہ بن خالد نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ قرآن مجید میں حضر میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور نماز خوف کا بھی قرآن میں ذکر ہے اور سفر میں نماز پڑھنے کا ذکر نہیں ہے ' حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث کیا اور ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے کہ ہم نے جو سیدنا محمد ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا ہے ہم وہی کرتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ ' رقم الحدیث : ۱۰۶۶ ' سنن نسائی ' رقم الحدیث : ۱۴۳۳)

مسافت شرعی کی مقدار میں مذاہب ائمہ

مشہور غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک میل کے سفر پر بھی جائے تو قصر کرے گا۔ (السراج الوہاج ' ج ۱ ص ۲۷۷)

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ کے نزدیک مسافت قصر متوسط رفتار سے ایک دن کی مسافت ہے۔

(بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۱۲۱ ' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کے نزدیک مسافت قصر دو دن کی مسافت ہے۔

(المہذب مع شرح المہذب ج ۴ ص ۳۲۲ ' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کے نزدیک بھی مسافت قصر دو دن کی مسافت ہے۔

(المغنی ج ۲ ص ۴۷ ' مطبوعہ دار الفکر بیروت ' ۱۴۰۵ھ)

امام محمد بن حسن شیبانی حنفی متوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں :

میں نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا کہ تین دن سے کم سفر میں مسافر قصر کر سکتا ہے؟ فرمایا نہیں میں نے پوچھا اگر وہ تین دن یا اس سے زیادہ مسافت کا سفر کرے؟ فرمایا : اپنے شہر سے نکلنے کے بعد قصر کرنا شروع کر دے ' میں نے پوچھا تین دن کے تعین کی کیا دلیل ہے؟ فرمایا حدیث شریف میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا کوئی عورت تین دن کا سفر بغیر محرم کے نہ کرے ' میں نے اس مسئلہ کو عورت کے سفر پر قیاس کیا ہے۔ (المبسوط ج ۱ ص ۲۶۵ ' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ' ۱۳۸۶ھ)

مسافت قصر کا اندازہ بحساب انگریزی میل و کلومیٹر

احناف کے نزدیک قصر کا موجب در حقیقت تین دن کا سفر ہے جس کو پیدل چل کر یا اونٹ پر سوار ہو کر انسانی تقاضوں کی تکمیل کے ساتھ پورا کیا جائے۔ متاخرین فقہاء کرام نے مسلمانوں کی سہولت کے لیے اندازہ کیا کہ اس اعتبار سے یہ مسافت کتنے فرسخ میں طے کی جائے گی۔ بعض فقہاء نے اس مسافت کو اکیس (۲۱) فرسخ قرار دیا بعض نے پندرہ فرسخ قرار دیا اور مفتی بہ اٹھارہ فرسخ کا قول ہے۔ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۲۹ ' مطبوعہ مصر ' غنیۃ المستملی ص ۴۹۸ ' مطبوعہ مجتبائی دہلی)

بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ مسافت کے پیمانے بھی بدلتے گئے اور پھر مسافت کو پہلے انگریزی میلوں اور بعد میں کلومیٹر سے ناپا جانے لگا۔ لہٰذا عہد حاضر کے علماء نے مسافت قصر کا اندازہ انگریزی میلوں سے قائم کیا۔

اس سے پہلے کہ ہم انگریزی میل اور کلومیٹر کے اعتبار سے مسافت قصر کا ذکر کریں وہ قاعدہ بیان کرنا چاہتے ہیں جس سے فرسخ کی مسافت انگریزی میل اور کلومیٹر میں تبدیلی کی جاتی ہے۔

فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ ایک فرسخ تین شرعی میل کا ہے اور ایک شرعی میل' چار ہزار ذراع (انگلیوں سے کہنی تک ہاتھ) کا ہوتا ہے۔ (عالم گیری ج اص ۲۰۰ مطبوعہ مصر) اور ایک متوسط ذراع ڈیڑھ فٹ یعنی نصف گز کا ہوتا ہے لہذا ایک شرعی میل دو ہزار گز کا قرار پایا اور اکیس فرسخ تریسٹھ میل شرعی ہیں جو ایک لاکھ چھبیس ہزار گز یعنی اکہتر انگریزی میل چار فرلانگ ایک سو ساٹھ گز ہیں اور یہ ایک سو پندرہ اعشاریہ ایک آٹھ نو (۱۱۵ء۱۸۹) کلومیٹر کے برابر ہیں۔ فقہاء کا دوسرا قول پندرہ فرسخ ہے اور پندرہ فرسخ پینتالیس میل شرعی ہیں جو نوے ہزار گز یعنی اکیاون انگریزی میل' ایک فرلانگ بیس گز ہیں جو بیاسی اعشاریہ دو چھ آٹھ (۸۲ء۲۶۸) کلومیٹر کے برابر ہیں۔ فقہاء کا تیسرا قول جو مفتی بہ ہے وہ اٹھارہ فرسخ ہے اور اٹھارہ فرسخ چون میل شرعی ہیں جو ایک لاکھ آٹھ ہزار گز یعنی اکسٹھ انگریزی میل دو فرلانگ بیس گز ہیں اور یہ اٹھانوے اعشاریہ سات تین چار (۹۸ء۷۳۴) کلومیٹر کے برابر ہے۔

اس اعتبار سے مفتی بہ قول پر سفر شرعی اور قصر کے احکام اکسٹھ میل دو فرلانگ بیس گز یا اٹھانوے اعشاریہ سات تین چار (۹۸ء۷۳۴) کلومیٹر کی مسافت کے بعد شروع ہوں گے۔ زمانہ قریب کے علماء نے بھی مسافت شرعیہ کو انگریزی میلوں کے حساب سے بیان کیا ہے لیکن کسی کا حساب بھی فقہاء کے مذکورہ قاعدہ کے موافق نہیں ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں :

امام ابو حنیفہ کے نزدیک جس سفر میں پیدل یا اونٹ کی سواری سے تین دن صرف ہوں (یعنی تقریباً ۱۸ فرسنگ یا چون میل) اس میں قصر کیا جا سکتا ہے۔ یہی رائے ابن عمر' ابن مسعود اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی ہے۔

(تفہیم القرآن ج اص ۳۹۰' مطبوعہ لاہور)

سید ابوالاعلیٰ مودودی کی اس عبارت میں چون میل سے چون میل شرعی مراد ہیں۔ مودودی صاحب کو اس بات کی وضاحت کرنی چاہیے تھی اور بتلانا چاہیے تھا کہ چون میل شرعی اکسٹھ انگریزی میل کے برابر ہیں کیونکہ عام اردو پڑھے لکھے لوگ چون میل سے چون انگریزی میل ہی باور کریں گے۔

شیخ عزیز الرحمان لکھتے ہیں :

اس عبارت سے واضح ہوا کہ اصل مذہب حنفیہ کا یہ ہے کہ تین دن کا سفر ہو اور وہ جگہ جس کی طرف سفر کا ارادہ ہے تین منزل ہو لیکن بہت سے مشائخ نے فراسخ کا اعتبار کیا ہے اور اس میں فتویٰ ائمہ خوارزم کا پندرہ فرسخ' یعنی اڑتالیس میل پر ہے' مکرر آنکہ عبارت مذکور سے واضح ہے کہ اصل مذہب حنفیہ کا یہ ہے کہ تین منزل کا سفر ہو پس اگر حساب منازل کا سہل ہو تو اس کو دیکھا جائے مگر چونکہ ہر ایک کو اعتبار منازل میں دشواری ہوتی ہے اس وجہ سے مشائخ نے کل منازل کی تحدید میلوں سے کر دی ہے جس میں تین قول ہیں جو اوپر معلوم ہوئے میل کی مقدار شرعی ذراع سے چار ہزار ذراع لکھی ہے اور ذراع شرعی اس زمانہ کے گز کے حساب سے قریب دس گرہ کے ہوتا ہے۔ پس اس کے موافق میلوں کا حساب کر لیا جائے اور اڑتالیس میل کا اندازہ کر لیا جائے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج اص ۲۸۵' مطبوعہ کراچی)

شیخ عزیز الرحمٰن نے اس عبارت میں کئی غلطیاں کی ہیں اول یہ کہ پندرہ فرسخ' پینتالیس شرعی میل کا ہے کیونکہ تین

میل کا ایک فرسخ ہوتا ہے اور انہوں نے اڑتالیس میل لکھے ہیں- دوم یہ کہ چونکہ انہوں نے میل کے ساتھ شرعی کی قید نہیں لگائی اس لیے عوام اردو داں لوگ اس کو انگریزی مروجہ میل پر محمول کریں گے- سوم یہ کہ انہوں نے ذراع شرعی دس گرہ قرار دیا ہے جو ڈیڑھ فٹ سے زیادہ ہے اس حساب سے شرعی مسافت اکسٹھ انگریزی میل سے متجاوز ہو جائے گی جب کہ وہ اڑتالیس انگریزی میل بیان کرتے ہیں-

مفتی محمد شفیع متوفی ۱۳۹۶ھ لکھتے ہیں :

الغرض ثابت ہوا کہ قول راجح اور مختار اور معتمد یہی ہے کہ میل چار ہزار گز کا ہے جس میں گز متاخرین کا اعتبار کر کے چوبیس انگشت قرار دیا گیا ہے جو انگریزی گز سے نصف یعنی اٹھارہ انچ ہے (الی ان قال) اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ میل کے بارے میں قول مختار فقہاء کرام کا یہ ہے کہ چوبیس انگشت کے گز سے دو ہزار گز کا ایک میل شرعی ہوا کیونکہ چوبیس انگشت کا ذراع ایک ہاتھ یعنی ڈیڑھ فٹ یا اٹھارہ انچ کا ہے جیسا کہ ذراع کی تحقیق میں بحوالہ چکرورتی گزر گیا ہے- (الی ان قال) اور مشائخ حنفیہ میں سے بعض نے اکیس فرسخ جس کے تریسٹھ میل ہوتے ہیں- بعض نے اٹھارہ فرسخ جس کے چون میل ہوتے ہیں اور بعض نے پندرہ فرسخ جس کے پینتالیس میل ہوتے ہیں مسافت قصر قرار دی ہے- عمدۃ القاری میں اٹھارہ فرسخ کے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے اور البحر الرائق میں بھی بحوالہ نہایہ اسی قول پر فتویٰ نقل کیا ہے اور شامی اور بحر نے بحوالہ مجتبیٰ اکثر ائمہ خوارزم کا فتویٰ پندرہ فرسخ کی روایت پر ذکر کیا ہے- (اوزان شرعیہ ص ۲۶- ۲۳، ملخصاً مطبوعہ کراچی)

مفتی محمد شفیع صاحب نے یہ جتنے اصول بیان کیے ہیں وہ سب صحیح ہیں لیکن ان اصولوں کی بنیاد پر جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ غلط ہے لکھتے ہیں :

محققین علماء ہندوستان نے اڑتالیس (۴۸) میل انگریزی کو مسافت قصر قرار دیا ہے جو اقوال فقہاء مذکورین کے قریب قریب ہے اور اصل مدار اس کا اسی پر ہے کہ اتنی ہی مسافت تین دن تین رات میں پیادہ مسافر با آسانی طے کر سکتا ہے اور فقہاء حنفیہ کے مفتی بہ اقوال میں سے جو فتویٰ ائمہ خوارزم کا پندرہ فرسخ کا نقل کیا گیا ہے وہ تقریباً اسی کے بالکل مطابق ہے کیونکہ پندرہ فرسخ پینتالیس (۴۵) میل شرعی ہوتے ہیں اور شرعی میل انگریزی میل سے دو سو چالیس گز بڑا ہوتا ہے تو ۴۵ میل شرعی ۴۸ میل انگریزی سے کچھ زیادہ متفاوت نہیں رہتے- (اوزان شرعیہ ص ۲۶)

مفتی صاحب کا یہ لکھنا بھی غلط ہے کیونکہ ۴۵ میل شرعی اکاون انگریزی میل ایک فرلانگ بیس گز کے برابر ہیں-

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں :

اگر اپنے مقام اقامت سے ساڑھے ستاون میل کے فاصلے پر علی الاتصال جانا ہو کہ وہیں جانا مقصود ہے بیچ میں جانا مقصود نہیں اور وہاں پندرہ دن کامل ٹھہرنے کا قصد نہ ہو تو قصر کریں گے ورنہ پوری پڑھیں گے-

(فتاویٰ رضویہ ج ۳ ص ۶۹۰، مطبوعہ فیصل آباد)

اعلیٰ حضرت نے یہ نہیں بیان کیا کہ انہوں نے ساڑھے ستاون میل کس ضابطہ اور قاعدہ سے مقرر کیے ہیں-

علماء دیوبند نے مسافت قصر ۴۸ انگریزی میل قرار دی ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ :

ہمارے اساتذہ نے روزانہ بارہ کوس کا سفر یعنی سولہ میل انگریزی اختیار فرمایا ہے، کیونکہ روزانہ اگر چھ گھنٹہ سفر کے لیے مقرر کیے جائیں تو فی گھنٹہ دو کوس پیادہ آدمی متوسط چال سے طے کر لیتا ہے اس اعتبار سے مسافت قصر ۴۸ میل یعنی

۳۶ کوس کو قرار دیا ہے۔ (فتاوی دار العلوم مدلل ج ۴ ص ۳۹۲-۳۹۱)

۴۸ انگریزی میل کو ثابت کرنے کے لیے یہ انتہائی عجیب طریقہ ہے' کھانے پینے' آرام' نمازوں کے اوقات اور رات کی نیند بھی نکال لی جائے تو ۲۴ گھنٹوں میں سے سفر کے لیے یقیناً چھ گھنٹوں سے زیادہ وقت بچے گا۔ اور جو شخص سفر کرتا ہے وہ یقیناً دن رات میں سے سفر کے لیے چھ گھنٹوں سے زیادہ وقت نکالے گا اور متوسط اونٹ کی رفتار سے ایک انسان ایک دن میں یقیناً بیس میل سے زیادہ سفر کر سکتا ہے پھر جمہور فقہاء کے مطابق یہ قول کیوں نہ اختیار کیا جائے کہ مسافت قصر ۴۵ میل شرعی ہے جو اکسٹھ میل انگریزی اور چھ سو چالیس گز کے برابر ہے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی صاحب نے ۴۸ انگریزی میل کے ثبوت میں لکھا ہے کہ :

اور ۴۸ میل کی تعیین پر ایک حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جو دار قطنی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ آں حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا :

يَا اَهْلَ مَكَّةَ لَا تَقْصُرُ والصَّلٰوةَ فِيْ اَدْنٰى مِنْ اَرْبَعَةِ بُرُدٍ مِنْ مَكَّةَ اِلٰى عُسْفَانَ

اے اہل مکہ چار برید سے کم میں نماز کا قصر مت کرو جیسے مکہ سے عسفان تک۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۵۳۱' اوزان شرعیہ ص ۲۶)

لیکن مفتی صاحب کا یہ استدلال اس لیے صحیح نہیں ہے کہ ایک برید بارہ میل شرعی کا ہوتا ہے نہ کہ بارہ میل انگریزی کا' سترہ فروری ۱۹۸۸ء کو ایک علمی مجلس میں مذاکرہ کے دوران مفتی صاحب کے صاحبزادے مفتی محمد رفیع عثمانی نے بھی تسلیم کیا کہ یہ تسامح ہے اور ایک برید بارہ میل شرعی کا ہوتا ہے اور اس لحاظ سے مسافت قصر ۴۸ میل شرعی قرار پائے گی جو ۵۴ انگریزی میل ۹۶۰ گز کے برابر ہے۔ تاہم یہ روایت سنداً ضعیف ہے جیسا کہ مفتی صاحب نے بھی تصریح کی ہے اس لیے مدار سفر تین دن کی مسافت ہے' جس کو جمہور فقہاء نے ۵۴ شرعی میل کے برابر قرار دیا ہے۔ اور اس پر فتویٰ ہے یہ متوسط قول ہے اور یہ اکسٹھ انگریزی میل اور چھ سو چالیس گز اور اٹھانوے اعشاریہ سات تین چار (۹۸٫۷۳۴) کلومیٹر کے برابر ہے۔ علماء دیوبند کے ایک مستند عالم مفتی رشید احمد لکھتے ہیں :

اکثر مشائخ احناف نے ۱۸ فرسخ ۵۴ میل شرعی' سوا اکسٹھ میل انگریزی کو متوسط قول قرار دے کر اس پر فتویٰ دیا ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس قول کو مفتی بہ لکھا ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے۔

(احسن الفتاوی ج ۴ ص ۹۴' مطبوعہ کراچی)

اس بحث کے اخیر میں مفتی محمد رفیع عثمانی نے مجھ سے کہا کہ اگر ہم اب مسافت قصر کو تبدیل کریں تو لوگ کہیں گے کہ ہماری پچھلی پڑھی ہوئی نمازوں کا کیا ہو گا؟ اس آخری دلیل کی بناء پر انہوں نے ۴۸ انگریزی میل ہی کو قائم رکھا۔

سمندری سفر میں مسافت شرعیہ کا معیار

سمندری سفر میں تین دن کی مسافت معتبر ہے جب کہ ہوا معتدل ہو نہ بہت تیز ہو نہ بالکل ساکن ہو' جیسا کہ پہاڑ میں بھی تین دن کی مسافت معتبر ہوتی ہے۔ (عالم گیری ج ۱ ص ۱۳۹' مطبوعہ مصر)

علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں :

سمندر کے سفر میں جب ہوا معتدل ہو تو پھر تین دن کی مسافت کا اعتبار کیا جائے گا اور یہ لوگوں کو اپنے عرف میں

معلوم ہوتا ہے لہٰذا اس مسئلہ میں ان سے رجوع کیا جائے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۵۲۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ان عبارات سے یہ معلوم ہوا کہ سمندری سفر میں بادبانی کشتی تین دن میں جتنی مسافت طے کرتی ہے وہ سفر شرعی کا معیار ہے' خواہ دخانی کشتی کے ذریعہ وہ سفر ایک دن یا اس سے کم میں بھی طے کر لیا جائے' اب یہ بادبانی کشتیوں کے ملاحوں سے معلوم کرنا چاہئے کہ معتدل ہوا کے ساتھ وہ تین دن میں کتنا سفر طے کر لیتے ہیں وہی سفر شرعی کا معیار ہو گا۔

کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے اور پہلو کے بل لیٹے ہوئے اللہ کا ذکر کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پس جب تم نماز ادا کر لو تو حالت قیام میں' بیٹھے ہوئے اور پہلو کے بل اللہ کا ذکر کرو' پھر جب تم مامون ہو جاؤ تو (معمول کے مطابق) نماز پڑھو۔ (النساء : ۱۰۳)

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں :

قرآن مجید کی بعض آیات میں ذکر کا اطلاق نماز پر کیا گیا ہے لیکن یہاں ذکر سے مراد ذکر بالقلب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت' اس کے جلال اور اس کی قدرت میں غور و فکر کرنا' اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق اور صنعت میں جو اپنی ذات اور اپنی وحدانیت پر دلائل رکھے ہیں ان میں غور و فکر کر کے اس کی ذات اور اس کی وحدانیت تک پہنچنا' اور یا ذکر سے مراد زبان سے اس کی تسبیح' تقدیس اور تہلیل کرنا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : اللہ کے ذکر کرنے میں صرف وہی شخص معذور ہے جس کی عقل زائل ہو چکی ہو۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۲۶۵' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

اس آیت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ ذکر سے مراد نماز ہو یعنی تم کفار سے کھڑے ہوئے لڑ رہے ہو اور اسی حال میں نماز کا وقت آ جائے تو عین لڑائی کے عالم میں کھڑے ہوئے نماز پڑھو' یا تم بیٹھ کر تیر اندازی کر رہے ہو' یا زخموں سے چور ہو کر پہلو کے بل گر گئے ہو تو اسی عالم میں نماز پڑھو' اور یہ معنی امام شافعی کے مذہب کے مطابق ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر کفار سے دست بہ دست لڑائی کی حالت میں بھی نماز کا وقت آ جائے تو نماز پڑھ لی جائے اور پھر بعد میں اس نماز کی قضاء کر لی جائے' لیکن یہاں پر یہ معنی بعید ہے کیونکہ اس آیت کا معنی ہو گا جب تم نے نماز پڑھ لی ہے تو پھر نماز پڑھو نیز ذکر کا معنی نماز مجازاً" ہے اور بغیر ضرورت شرعیہ کے کسی لفظ کو مجاز پر محمول نہیں کیا جاتا۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۰۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک ایمان والوں پر نماز وقت مقرر میں فرض کی گئی ہے۔ (النساء : ۱۰۳)

حالت جنگ میں نماز پڑھنے کے متعلق مذاہب فقہاء

نماز کے اوقات مقرر ہیں اور کسی نماز کو اس کے وقت کے بغیر ادا نہیں کیا جا سکتا' اس لیے سفر میں نماز کو اس کے وقت پر ادا کیا جائے گا' اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ حضر میں چار رکعت نماز فرض کی گئی ہے اور سفر میں دو رکعت نماز فرض کی گئی سو ہر حال میں اس حال کے مطابق نماز ادا کی جائے گی' امام شافعی اس کے قائل ہیں کہ جب کافر اور مسلمان کی تلواریں ٹکرا رہی ہوں تو اس وقت بھی مسلمان اپنے وقت پر نماز پڑھے وہ اس آیت سے استدلال کرتے ہیں' امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس حالت میں نماز فرض نہیں ہے اور وہ شخص وقت نکلنے کے بعد اس نماز کی قضا کرے گا۔

امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں :

امام ابوحنیفہ' امام ابویوسف' امام محمد اور امام زفر یہ کہتے ہیں کہ حالت جنگ میں نماز نہیں پڑھی جائے گی' اگر کسی

شخص نے نماز پڑھتے ہوئے قتال کیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی' امام مالک اور ثوری یہ کہتے ہیں کہ جب رکوع اور سجود پر قادر نہ ہو تو اشارہ سے نماز پڑھے' حسن بن صالح نے کہا جب لڑائی کے وقت رکوع پر قادر نہ ہو تو ہر رکوع کے بدلہ میں ایک تکبیر کہہ لے' امام شافعی یہ کہتے ہیں کہ اگر وہ نماز کی حالت میں ضرب لگائے یا نیزہ مارے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر اس نے مسلسل نیزے مارے یا ضرب لگائی یا کوئی اور عمل طویل کیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی' امام ابوبکر رازی کہتے ہیں کہ قتال سے نماز باطل ہو جاتی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ نے کئی مقامات پر نماز خوف پڑھائی ہے اور جنگ خندق میں آپ نے چار نمازیں نہیں پڑھیں حتیٰ کہ رات داخل ہو گئی پھر آپ نے فرمایا اللہ ان کے گھروں اور ان کے پیٹوں کو آگ سے بھر دے کیونکہ ان کی وجہ سے ہم عصر کی نماز نہیں پڑھ سکے' پھر آپ نے ان چاروں نمازوں کو ترتیب وار قضا کیا' اس حدیث میں آپ نے یہ خبر دی ہے کہ قتال میں مشغول ہونے کی وجہ سے آپ کی چار نمازیں قضا ہو گئیں اگر حالت قتال میں نماز پڑھنا جائز ہوتا تو آپ نماز کو ترک نہ فرماتے' جس طرح آپ نے بغیر قتال کے حالت خوف میں نماز کو ترک نہیں کیا۔ (احکام القرآن ج ۲ ص ۲۶۴' مطبوعہ لاہور)

نمازوں کے اوقات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ ہر نماز ایک وقت مقرر میں فرض کی گئی ہے۔ فجر کی نماز کا وقت فجر صادق کے طلوع سے شروع ہوتا ہے اور طلوع آفتاب تک رہتا ہے۔ ظہر کی نماز کا وقت سورج کے استواء اور نصف النہار سے زوال کے بعد شروع ہوتا ہے (اور دو مثل سایہ تک رہتا ہے) اور عصر کا وقت دو مثل سائے کے بعد شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب تک رہتا ہے اور مغرب کا وقت غروب آفتاب سے شروع ہوتا ہے اور سرخی کے بعد جو سفیدی ظاہر ہوتی ہے اس کے مکمل چھپنے تک رہتا ہے اور عشاء کا وقت اس سفیدی کے چھپنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور فجر صادق کے طلوع تک رہتا ہے۔ (موطا امام مالک' رقم الحدیث : ۹' ۶' ۳)

ایک نماز کے وقت میں دوسری نماز ادا کرنے کا عدم جواز

چونکہ یہ اوقات نمازوں کے لیے شرط ہیں اس لیے ہر نماز اپنے وقت میں ہو گی اور دوسری نماز کے وقت میں یا اپنا وقت آنے سے پہلے ادا نہیں ہو گی۔ ائمہ ثلاثہ یہ کہتے ہیں کہ سفر میں دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھا جا سکتا ہے۔ مثلاً عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھ لیا جائے یا عشاء کو مغرب کے وقت میں پڑھ لیا جائے' ہمارے نزدیک یہ جائز نہیں ہے کیونکہ دو نمازوں کو ایک وقت میں پڑھنا اس آیت کے خلاف ہے' بعض احادیث صحیحہ میں حضرت عمر اور حضرت ابن عباس سے روایت ہیں کہ جب نبی ﷺ کو سفر میں جلدی ہوتی تو آپ ظہر اور عصر' یا مغرب اور عشاء جمع کر کے پڑھ لیتے۔

(صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۱۱۰۷' ۱۱۰۶)

ہمارے نزدیک یہ جمع صوری پر محمول ہے یعنی آپ ظہر کو اس کے آخری وقت میں اور عصر کو اس کے ابتدائی وقت میں پڑھ لیتے تھے یا مغرب کو اس کے آخری وقت میں اور عشاء کو اس کے ابتدائی وقت میں پڑھ لیتے تھے ہم نے ان حدیثوں کو حقیقتہً "جمع پر اس لیے محمول نہیں کیا تاکہ اخبار آحاد سے قرآن مجید کے عموم کا نسخ لازم نہ آئے اور میدان عرفات میں جو ظہر کے وقت میں عصر کو پڑھا جاتا ہے اور مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں مغرب کو پڑھا جاتا ہے تو یہ خبر واحد نہیں ہے بلکہ تواتر سے ثابت ہے اور یہ خبر متواتر اس آیت کے عموم کے لیے مخصص ہے۔

قطبین میں نمازوں اور روزوں کا مسئلہ

اسی طرح یہ سوال کیا جاتا ہے کہ قطبین میں چھ مہینہ کا دن اور چھ مہینہ کی رات ہوتی ہے تو وہاں روزے اور نمازوں کی کیا صورت ہو گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ :

اگر فی الواقع قطبین کے افق پر چوبیس گھنٹے کے بعد سورج اور چاند کا طلوع اور غروب ہوتا ہے اور وقت کی باقی علامات بھی افق پر ظاہر ہوتی ہیں جن سے ظہر اور عصر اور مغرب وغیرہا کا تعین کیا جا سکتا ہے۔ تب تو وہاں چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازیں بھی فرض ہیں، رمضان کے روزے بھی فرض ہیں اور لیلۃ القدر بھی متحقق ہو گی اور اگر وہاں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے اور سورج اور چاند کا طلوع اور غروب چھ ماہ کے بعد ہوتا ہے تو وہاں کے رہنے والوں پر چوبیس گھنٹوں میں پانچ نمازیں فرض ہیں نہ رمضان کے روزے اور نہ وہاں شب قدر کا وجود ہو گا کیونکہ یہ تمام چیزیں چوبیس گھنٹہ کے بعد سورج کے طلوع اور غروب پر موقوف ہیں۔ البتہ نماز اور روزے میں عبادت کی مشابہت اختیار کرنی چاہیے اور قطبین کے قریب جس ملک میں چوبیس گھنٹے کے بعد سورج کا طلوع اور غروب ہوتا ہے اس کے اوقات کے مطابق نماز کے اوقات مقرر کیے جائیں اور اسی ملک کے حساب سے روزے رکھے جائیں اور شب قدر کی بجائے یعنی جب اس قریب کے ملک میں رمضان ہو اس وقت وہاں رمضان کا اعتبار کر لیا جائے اور اسی ملک کے اوقات کے لحاظ سے سحر و افطار کا تعین کیا جائے لیکن یہ تشبہ فی العبادات ہے اور عبودیت اور بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ اگرچہ ہم نے بعینہٖ نماز کے اوقات اور رمضان کا مہینہ نہیں پایا لیکن اس کے مشابہ اوقات میں ہم ان عبادات کو کر رہے ہیں، آخر وہاں دنیا کے دوسرے تمام کاموں کے اوقات مقرر کیے جاتے ہیں، کاروبار، سیر و تفریح، کھانے پینے اور سونے جاگنے کے اوقات مقرر کیے جاتے ہیں، صبح سے لے کر شام تک کام کرنے والے لوگ وہاں چھ ماہ کے دن میں مسلسل کام کرتے ہیں، نہ چھ ماہ سوتے ہیں۔ صبح کا ناشتہ کرنے کے بعد دوپہر کا کھانا تین ماہ بعد یا شام کا کھانا چھ ماہ بعد تو نہیں کھاتے جس طرح زندگی کے باقی معمولات کو وہاں کے غیر معمولی حالات اور اوقات میں معین کیا جاتا ہے خواہ باقی دنیا کے اعتبار سے وہ غیر معمولی لگتا ہو کہ سورج نکلا ہوا ہے اور وہ شام کا کھانا کھا رہے ہیں، اسی طرح عبادات کے نظام کو بھی قریب ترین ملک کے اوقات کے لحاظ سے ترتیب دینا چاہیے۔ جہاں معمول کے مطابق طلوع اور غروب ہوتا ہو ہرچند کہ یہ معمول کے مطابق عبادات نہیں ہیں لیکن وہاں کے حالات سے اعتبار سے یہی ترتیب معمول ہو گی اس لیے وہاں چوبیس گھنٹہ میں پانچ نمازیں اور سال کے بعد روزے فرض عین تو نہیں لیکن فرض کے مشابہ ضرور ہیں اور وہاں کے رہنے والے مسلمانوں کو یہ عبادات کسی حال میں ترک نہیں کرنی چاہئیں اور جب وہ اپنے قریب ترین ملک کے لحاظ سے شب قدر مقرر کر کے اس میں عبادت کریں گے تو انشاء اللہ اس کا ثواب بھی ضرور ملے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور کافروں کا پیچھا کرنے میں ہمت نہ ہارو، اگر تم کو تکلیف پہنچی ہے تو ان کو بھی تکلیف پہنچی ہے (جب کہ) تم اللہ سے جو امید رکھتے ہو، اس کی وہ امید نہیں رکھتے، اور اللہ بہت علم والا بڑی حکمت والا ہے۔

(النساء : ۱۰۴)

مناسبت اور شان نزول

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے جہاد کی ترغیب کے لیے آیات نازل کی تھیں انہی کے ضمن میں جہاد کے دوران نماز پڑھنے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے احکام نازل کیے، اس کے بعد پھر جہاد کی ترغیب دی اور فرمایا جہاد میں کفار کا پیچھا کرنے سے تم

ہمت نہ ہارو اگر تم زخمی ہو گئے ہو تو کافر بھی تو زخمی ہو گئے ہیں' جب کہ تمہیں اپنے زخموں پر اللہ تعالیٰ سے جو اجر و ثواب کی امید ہے کافروں کے ہاں اس کا تصور بھی نہیں ہے' اس آیت کے شان نزول میں یہ حدیث ہے :

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب جنگ احد ہوئی اور اس میں مسلمانوں کو ہزیمت پہنچی تو نبی ﷺ پہاڑ پر پہنچ گئے' ابو سفیان نے کہا یا محمد (ﷺ) آپ کو جو زخم پہنچے ہیں وہ ہمارے زخموں کے بدلہ ہیں اور جنگ کنویں کے ڈول کی طرح ہے' ایک دن ہمارا ہوتا ہے اور ایک دن تمہارا ہوتا ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اس کو جواب دو' آپ کے اصحاب نے کہا ہم اور تم برابر نہیں ہیں' ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول دوزخ میں ہیں' ابو سفیان نے کہا ہمارا عزیٰ ہے اور تمہارا عزیٰ نہیں ہے' رسول اللہ ﷺ فرمایا : اس سے کہو اللہ ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں ہے' ابو سفیان نے کہا ہبل بلند ہو' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ اعلیٰ اور اجل ہے' ابو سفیان نے کہا : ہماری اور تمہاری ملاقات بدر صغریٰ میں ہو گی' اور مسلمانوں کو زخمی ہونے کے باوجود نیند آگئی' اس موقع پر آل عمران کی یہ آیت نازل ہوئی) ان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثلہ (ال عمران : ۱۴۰) اور سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی : ان تکونوا تالمون فانہم یالمون کما تالمون (النساء : ۱۰۴)

(جامع البیان ج ۵ ص ۳۵۸۔ ۳۵۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ

بیشک ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے مطابق

أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾ وَٱسْتَغْفِرِ

فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھائی ہے' اور آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنیں ○ اور آپ اللہ سے مغفرت

ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾ وَلَا تُجَٰدِلْ عَنِ

طلب کریں، بیشک اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے ○ اور آپ ان لوگوں کی طرف سے

ٱلَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ

نہ جھگڑیں جو اپنے نفسوں سے خیانت کرنے والے ہیں، بیشک اللہ ہر اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو

خَوَّانًا أَثِيمًا ﴿١٠٧﴾ يَسْتَخْفُونَ مِنَ ٱلنَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ

بہت بد دیانت گنہ گار ہو ○ یہ لوگ انسانوں سے (اپنے کام) چھپاتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپا

مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ

سکتے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ رات کو ایسی بات کے متعلق مشورہ کرتے ہیں جو بات اللہ کو پسند نہیں ہے

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ

اور اللہ ان کے تمام کاموں کو محیط ہے ○ ہاں تم وہ لوگ ہو جنہوں نے ان (مجرموں) کی

عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ

طرف سے دنیا میں تو جھگڑا کر لیا ، تو قیامت کے دن ان کی طرف سے کون اللہ کے

الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا

ساتھ جھگڑا کرے گا یا کون ان کا حمایتی ہو گا ؟ ○ اور جو شخص کوئی برا کام کرے

اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾

یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا نہایت مہربان پائے گا ○

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

اور جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا وبال اسی شخص پر ہو گا اور اللہ بہت جاننے

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓــــَٔةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ

والا بڑی حکمت والا ہے ○ اور جو شخص کوئی خطا یا گناہ کرے پھر اس کی تہمت کسی

بِهٖ بَرِيْۗــــًٔـا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ ع

بے گناہ پر لگا دے تو بیشک اس نے بہتان باندھا اور کھلے ہوئے گناہ کا ارتکاب کیا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے، تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھائی ہے اور آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنیں۔ (النساء : ۱۰۵)

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے چند آیتیں پہلے منافقین کے احوال اور ان کے احکام بیان فرمائے تھے، اس کے بعد کفار سے جہاد کرنے

کی ترغیب میں آیتیں نازل فرمائیں اور اس ضمن میں یہ فرمایا کہ اگر کسی نے کسی مسلمان یا ذمی کو خطاء "قتل کردیا تو اس کا کیا حکم ہے اور جس نے کسی مسلمان کو عمدا" قتل کردیا تو اس کا کیا حکم ہے' پھر اسی سلسلہ میں نماز خوف اور حالت جنگ میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ہدایت دی' اس کے بعد اللہ تعالیٰ پھر منافقوں کے ذکر کی طرف متوجہ ہوا اور فرمایا منافق یہ چاہتے ہیں کہ نبی ﷺ کو حق کے خلاف اور باطل کے موافق فیصلہ کرنے پر ابھاریں' اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو مطلع فرمایا کہ منافقوں کا موقف باطل ہے' اور اس مقدمہ میں یہودی حق پر ہیں آپ منافقوں کے قول اور قسموں کی طرف توجہ نہ کریں۔

دوسری وجہ مناسبت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا ہے' لیکن ان کے خلاف جہاد کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے ساتھ بے انصافی کی جائے' بلکہ واجب یہ ہے کہ اگر ان کا موقف صحیح ہو تو ان کے حق میں فیصلہ کیا جائے اور اگر ان کا موقف غلط ہو تو ان کے خلاف فیصلہ کیا جائے اور کسی شخص کے ظاہری اسلام کی وجہ سے کسی کافر کے ساتھ بے انصافی نہ کی جائے۔

منافقوں کے چوری کرنے اور بے قصور پر اس کی تہمت لگانے کے متعلق مختلف روایات

اس آیت میں کسی منافق کی چوری یا خیانت کا ذکر کیا گیا ہے اور اس نے کسی بے قصور مسلمان یا یہودی پر اپنی چوری یا خیانت کی تہمت لگادی تھی پھر اس منافق اور اس کے اقرباء نے یہ چاہا کہ نبی ﷺ اس منافق کی حمایت کریں اور اس کے حق میں فیصلہ کردیں اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں' منافق ابیرق کا بیٹا بشیر تھا اور ایک روایت میں اس کا نام طعمہ ہے۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں سے ایک گھر تھا جس کو بنو ابیرق کہتے تھے' وہ تین شخص تھے بشر' بشیر اور مبشر' بشیر ایک منافق آدمی تھا' وہ نبی ﷺ کے اصحاب کی ہجو میں شعر کہتا تھا پھر بعض عرب کو وہ اشعار ہبہ کر دیتا' پھر کہتا کہ فلاں فلاں نے اس طرح کہا ہے اور فلاں فلاں نے اس طرح کہا ہے' جب رسول اللہ ﷺ کے اصحاب یہ شعر سنتے تو وہ کہتے کہ بہ خدا یہ اشعار اس خبیث شخص کے کہے ہوئے ہیں' اور وہ کہتے تھے کہ یہ اشعار ابن ابیرق کے کہے ہوئے ہیں' اور بنو ابیرق زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں بہت تنگ دست اور فاقہ زدہ تھے' اور مدینہ میں لوگ بالعموم کھجوریں اور جو کھاتے تھے' اور جب کوئی شخص خوشحال ہوتا اور شام سے کوئی غلہ کا سامان لاتا تو وہ اس سے آٹا خرید لیتا اور اس آٹے سے صرف وہ روٹی کھاتا تھا اور اس کے گھر والے حسب معمول کھجور اور جو کھاتے تھے ایک دفعہ شام سے غلہ کا قافلہ آیا تو میرے چچا رفاعہ بن زید نے اس سے آٹے کی ایک بوری خرید لی' اور اس کو اپنے گھر کی کوٹھڑی (اسٹور) میں رکھ دیا اور کوٹھڑی میں ہتھیار' زرہ اور تلوار بھی رکھی ہوئی تھی' پھر گھر کے نیچے سے چوری کی گئی اور کوٹھڑی میں نقب لگائی گئی اور کھانے کی چیزیں اور ہتھیار چوری کرلیے گئے' صبح کو میرے چچا رفاعہ میرے پاس آئے اور کہا اے میرے بھتیجے! اس رات ہمارے گھر میں چوری کی گئی ہے' اور ہماری کوٹھڑی سے غلہ اور ہتھیار اٹھا لیے گئے ہیں' ہم نے اپنی حویلی میں پوچھ گچھ شروع کی' ہمیں بتایا گیا کہ اس رات بنو ابیرق روشنی کرتے پھر رہے تھے اور ہمارا یہی گمان ہے کہ وہ تمہارا طعام چرا کر لائے ہیں اور جس وقت ہم یہ تفتیش کر رہے تھے تو بنو ابیرق نے کہا بہ خدا ہمارا گمان یہ ہے کہ تمہارا چور لبید بن سہل ہے' یہ شخص ہم میں سے نیک مسلمان تھا' جب لبید نے یہ سنا تو اس نے تلوار سونت لی اور اس نے کہا میں چوری کروں گا! خدا کی قسم میں تم کو اس تلوار سے قتل کردوں گا ورنہ تم یہ بتاؤ کہ یہ چوری کس نے کی ہے' انہوں نے کہا اے شخص پرے ہٹو'

تمہارا اس چوری سے کوئی تعلق نہیں ہے' پھر ہم نے اس حویلی میں تفتیش کی حتیٰ کہ ہمیں اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ بنو ابیرق نے ہی چوری کی ہے' پھر مجھ سے میرے چچا نے کہا' اے بھتیجے! تم رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤ اور آپ سے اس واقعہ کا ذکر کرو قتادہ کہتے ہیں کہ پھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا' اور میں نے عرض کیا کہ ہمارے گھروں میں بعض خائن لوگ ہیں انہوں نے میرے چچا رفاعہ بن زید کی کوٹھڑی (گودام یا سٹور) میں نقب لگائی اور وہاں سے ہتھیار اور غلہ اٹھا لیا وہ ہمارے ہتھیار ہمیں واپس دے دیں اور غلہ (طعام) کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے' نبی ﷺ نے فرمایا میں عنقریب اس کا فیصلہ کروں گا' جب بنو ابیرق نے یہ سنا تو وہ اپنے ایک آدمی کے پاس گئے' جس کا نام اسیر بن عروہ تھا' اور اس سے اس مسئلہ میں بات کی اور اس معاملہ میں حویلی کے لوگ جمع ہو گئے اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ! قتادہ بن نعمان اور اس کے چچا نے ہمارے ایک گھر کو (پھنسانے کا) قصد کر لیا ہے وہ لوگ مسلمان ہیں اور نیک ہیں انہوں نے بغیر گواہ اور ثبوت کے ان پر چوری کی تہمت لگائی ہے' قتادہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور میں نے آپ سے اس مسئلہ میں بات کی تو آپ نے فرمایا : تم نے ایک گھر والوں کے خلاف ارادہ کیا ہے جن کے اسلام اور نیکی کا ذکر کیا جاتا ہے تم نے ان پر بغیر گواہ اور ثبوت کے چوری کی تہمت لگائی ہے' قتادہ کہتے ہیں کہ میں واپس آگیا اور میں نے یہ خواہش کی کہ کاش میرا کچھ مال چلا جاتا اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس مسئلہ میں بات نہ کی ہوتی' پھر میرے چچا رفاعہ آئے اور کہا : اے میرے بھتیجے یہ تم نے کیا کیا' میں نے ان کو بتایا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا ہے' میرے چچا نے کہا اللہ مدد کرنے والا ہے' پھر تھوڑی دیر بعد قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں : "بے شک ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھائی ہے' اور آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنیں۔ (النساء : ۱۰۵) "یعنی بنو ابیرق کی طرف سے نہ جھگڑا کریں اور اللہ سے استغفار کیجئے۔" (النساء : ۱۰۶) اس بات کے متعلق جو آپ نے قتادہ سے کہی تھی' "بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے اور آپ ان لوگوں کی طرف سے نہ جھگڑیں جو اپنے نفسوں سے خیانت کرنے والے ہیں' بے شک اللہ ہر اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو بہت بددیانت اور گنہ گار ہو۔ یہ لوگ انسانوں سے (اپنے کام) چھپاتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپا سکتے وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔" (النساء : ۱۰۸) الی قولہ غفورا رحیما یعنی اگر یہ اللہ سے مغفرت طلب کرتے تو اللہ ان کو بخش دیتا (النساء : ۱۱۰) "اور جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا وبال اسی شخص پر ہو گا۔ (النساء : ۱۱۱) منافقوں نے لبید پر اس چوری کی تہمت لگائی تھی اس کے متعلق فرمایا "اور جو شخص کوئی خطا یا گناہ کرے پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دے تو بے شک اس نے بہتان باندھا اور کھلے گناہ کا ارتکاب کیا (النساء : ۱۱۲) جب قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ کے پاس وہ ہتھیار لائے گئے اور آپ نے وہ ہتھیار رفاعہ کو واپس دے دیئے' قتادہ کہتے ہیں جب میں نے اپنے چچا کو وہ ہتھیار دیئے تو انہوں نے کہا اے میرے بھتیجے "میں یہ ہتھیار اللہ کی راہ میں دیتا ہوں' مجھے پہلے ان کے اسلام کے متعلق شک پڑتا تھا اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ ان کا اسلام صحیح ہے' جب قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں تو بشیر جا کر مشرکین سے مل گیا اور سلافہ بنت سعد بن سمیہ کے ہاں ٹھہرا' اس وقت اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "جو شخص ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور (تمام) مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلے ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے۔ بے شک اللہ اس کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے

اور جو گناہ اس سے کم ہو اس کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا' اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا۔" (النساء : ۱۱۶۔ ۱۱۵) جب بشیر سلافہ کے ہاں ٹھہرا تو حسان بن ثابت نے اس کی مذمت میں اشعار کہے اور وہ اپنا سامان لے کر اس کو چھوڑ کر چلی گئی۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۰۴۷' المستدرک ج ۴ ص ۳۸۷۔ ۳۸۵)

امام ابن جریر طبری نے عکرمہ کی روایت سے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک انصاری نے طعمہ بن ابیرق (یہ منافق تھا) کی کوٹھڑی (گودام' حفاظت کے لیے سامان رکھنے کی جگہ) میں کچھ سامان رکھوایا اس سامان میں ایک زرہ بھی تھی' پھر وہ انصاری کہیں چلا گیا' جب وہ انصاری واپس آیا اور اس کوٹھڑی (سٹور) کو کھولا تو اس میں وہ زرہ نہیں تھی اس نے طعمہ بن ابیرق سے اس کے متعلق سوال کیا اس نے زید بن السمین نام کے ایک یہودی پر اس کی تہمت لگادی' اس انصاری نے طعمہ سے ہی اپنی زرہ کا مطالبہ کیا' جب طعمہ کی قوم نے یہ معاملہ دیکھا تو وہ نبی ﷺ کے پاس گئی اور یہ چاہا کہ آپ طعمہ کو اس الزام سے بری کردیں' اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں' اور بالآخر طعمہ بن ابیرق مشرکوں سے جا ملا۔

(جامع البیان جز ۵ ص ۳۶۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ترمذی کی روایت کے مطابق اس منافق کا نام بشیر بن ابیرق تھا اور اس نے اپنی چوری کی تہمت ایک نیک مسلمان لبید بن سہل پر لگائی تھی اور منافقوں نے چاہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ بشیر کو بری کردیں' اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان منافقوں کی مدافعت کرنے سے منع کیا اور ظاہر فرمایا کہ لبید بے قصور ہے اور منافقوں کی مذمت کی اور بالآخر بشیر مشرکوں سے جا ملا' اور امام ابن جریر کی روایت کے مطابق اس منافق کا نام طعمہ بن ابیرق تھا اور اس نے اپنی چوری کی تہمت زید بن السمین یہودی پر لگادی' اللہ تعالیٰ نے اس منافق کی ملامت کی اور زید بن السمین یہودی کی برات بیان کی' اور بالآخر طعمہ بن ابیرق مشرکوں سے جا ملا۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ من یشاقق الرسول۔ الایہ

نبی ﷺ کا کبھی دلیل ظاہر اور کبھی علم غیب کے مطابق فیصلہ کرنا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس چیز کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھائی ہے۔

اس آیت میں دکھانے سے مراد تعلیم اور خبر دینا ہے' اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ نبی ﷺ کو بتلا دیا تھا کہ دراصل مجرم اور خائن بشیر بن ابیرق یا طعمہ بن ابیرق ہے' اور منافقوں نے لبید بن سہل مسلمان یا زید بن السمین یہودی کے خلاف جو چوری کی گواہی دی ہے وہ جھوٹی ہے' اس لیے آپ منافقوں کی ظاہری شہادت کے مطابق فیصلہ نہ کریں' بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو غیب منکشف کردیا ہے اس کے مطابق فیصلہ کریں۔ اس تعلیم کو اللہ تعالیٰ نے دکھانے سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ یہ علم اس قدر یقینی تھا کہ یہ علم بہ منزلہ مشاہدہ کے تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ فرماتے تھے کہ یہ صرف نبی ﷺ کی خصوصیت ہے اس لیے تم میں سے کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں اس چیز کے مطابق فیصلہ کر رہا ہوں جو مجھے اللہ نے دکھائی ہے بلکہ یہ کہے کہ میں اپنی رائے اور اجتہاد کے مطابق فیصلہ کر رہا ہوں۔

بعض علماء نے اس آیت سے یہ سمجھا ہے کہ نبی ﷺ صرف وحی الٰہی سے فیصلہ کرتے تھے' اور اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرنا آپ کے لیے جائز نہ تھا' لیکن یہ صحیح نہیں ہے اس خاص واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر اصل صورت حال منکشف کردی تاکہ آپ کی نبوت پر دلیل قائم ہو کہ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں اور اللہ آپ کو غیب پر مطلع فرماتا ہے' لیکن کئی مرتبہ آپ نے ظاہری شہادت کے مطابق فیصلہ کیا' امام بخاری نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اسی (۸۰) سے

زیادہ منافق نبی ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک میں نہیں گئے تھے' جب آپ واپس آئے تو یہ منافق آپ کے پاس آکر عذر پیش کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے' رسول اللہ ﷺ نے ان کے عذروں کو قبول کرلیا اور ان سے بیعت لے لی اور ان کے لیے استغفار کیا' آپ نے ظاہر حال کے مطابق عمل کیا اور ان کے باطن کو اللہ کے حوالے کردیا۔
(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۴۴۱۸)

نبی ﷺ نے غزوہ تبوک میں منافقوں کے جھوٹے اعذار کو قبول فرما کر ان کے لیے استغفار کیا' اور اس میں امت کے لیے یہ نمونہ ہے کہ تم نے ظاہر حال کے مطابق عمل اور فیصلہ کرنا ہے اور باطن اور غیب کو اللہ کے حوالے کردینا ہے اور نبی ﷺ کا اکثر اور غالب عمل ظاہر دلیل کے مطابق ہی ہوتا تھا۔ امام بخاری روایت کرتے ہیں : حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے چچا کے ساتھ تھا' میں نے عبداللہ بن ابی ابن سلول کو یہ کہتے ہوئے سنا "جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو حتی کہ (سب) منتشر ہو جائیں۔" (المنافقون : ۷) اور یہ کہتے ہوئے سنا "اگر (اب) ہم مدینہ کی طرف لوٹ کر گئے تو ضرور عزت والا وہاں سے ذلت والے کو نکال دے گا۔" (المنافقون : ۸) میں نے اس کا اپنے چچا سے ذکر کیا' میرے چچا نے اس کا رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا' رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے اصحاب کو بلایا انہوں نے قسمیں اٹھالیں کہ ہم نے یہ نہیں کہا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی تصدیق کردی اور میری تکذیب کردی' مجھے اس پر اتنا غم ہوا کہ ایسا غم کبھی نہیں ہوا تھا تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل کی۔ یہی لوگ ہیں جو یہ کہہ رہے تھے کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو حتی کہ یہ (سب) منتشر ہو جائیں الآیہ' پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور مجھ پر یہ آیات پڑھیں اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہاری تصدیق کردی (صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۴۹۰۱) حضرت زید بن ارقم کے پاس اپنے قول کی صداقت پر گواہ نہ تھے اور منافقوں نے ان کے خلاف قسمیں کھالی تھیں اس لیے نبی ﷺ نے ظاہر دلیل کے مطابق منافقوں کے ساتھ سچوں کا معاملہ کیا اور حضرت زید بن ارقم کے ساتھ جھوٹوں کا معاملہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرما کر نبی ﷺ پر امر باطن کو منکشف کردیا اور آپ کو غیب پر مطلع فرمادیا اور آپ نے حضرت زید بن ارقم کی تصدیق کردی اور اس غیب کی خبر دینے سے نبی ﷺ کی نبوت کے صدق پر دلیل قائم ہوگئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ اکثر و بیشتر ظاہر دلیل کے مطابق اپنے اجتہاد سے فیصلہ فرماتے تھے' تاکہ آپ کی زندگی میں یہ نمونہ قائم ہو کہ مقدمات کے فیصلہ میں ظاہر حال اور حجت ظاہرہ کا اعتبار ہوتا ہے اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ کسی معاملہ میں اپنی کسی حکمت کو پورا کرنے کے لیے آپ پر حقیقت حال کو منکشف کردیتا اور آپ کو غیب پر مطلع فرماتا اور آپ اس غیب کی خبر کے مطابق فیصلہ کرتے اور اس سے آپ کی نبوت پر دلیل قائم ہو جاتی اور طعمہ بن ابیرق یا بشیر بن ابیرق منافق کا واقعہ بھی اسی قبیل سے ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنیں۔ (النساء : ۱۰۵)

اللہ تعالیٰ کا آپ کو منافقوں کی حمایت سے منع فرمانا آپ کی عصمت کے خلاف نہیں ہے

جو لوگ عصمت نبوت پر اعتراض کرتے ہیں انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اگر نبی ﷺ نے خائنوں کی طرف سے جھگڑنے اور ان کی حمایت کا ارادہ نہیں کیا ہوتا تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس سے منع نہ فرماتا' اور خائنوں کی طرف سے جھگڑنا اور ان کی حمایت کا ارادہ کرنا گناہ ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ منافق ظاہراً "مسلمان تھے اور ان پر مسلمانوں کے

احکام جاری تھے اور ایک سے زیادہ منافقوں نے طعمہ بن ابیرق یا بشیر بن ابیرق کے اس چوری سے بری ہونے کی گواہی دی اور اس ظاہری شہادت کا قبول کرنا واجب ہے اس لیے ان قرائن اور شہادتوں کی بناء پر ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے کہ نبی ﷺ ان کی حمایت اور ان کی طرف سے مخاصمت کریں' اگرچہ بالفعل آپ نے ان کی حمایت اور ان کی طرف سے مخاصمت نہیں کی تھی لیکن ان کی شہادتوں کی وجہ سے آپ کا ان کی طرف سے مخاصمت کرنا متوقع تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہلے ہی سے منع فرما دیا "اور آپ خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنیں۔" اور اس میں کوئی چیز آپ کی عصمت کے منافی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور آپ اللہ سے مغفرت طلب کریں' بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ (النساء : ۱۰۶)

طعمہ کے معاملہ میں نبی ﷺ کو استغفار کا حکم دینے کی توجیہات

اللہ تعالیٰ نے طعمہ بن ابیرق کے معاملہ میں آپ کو استغفار کرنے کا حکم دیا ہے' جو لوگ عصمت انبیاء کے منکر ہیں وہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر اس معاملہ میں آپ سے کوئی معصیت سرزد نہ ہوئی تھی تو اللہ آپ کو استغفار کرنے کا حکم نہ دیتا' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں آپ کو استغفار کرنے کا حکم دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس معاملہ میں آپ سے کوئی معصیت سرزد ہوئی تھی' اس اعتراض کے حسب ذیل جوابات ہیں :

(۱) اس معاملہ میں ظاہری شہادت کی بناء پر آپ طعمہ یا بشیر کی حمایت کی طرف مائل تھے اور اس میں کوئی معصیت نہیں ہے اس کے باوجود آپ کو استغفار کرنے کا حکم دینا' حسنات الابرار سیئات المقربین کے باب سے ہے۔

(۲) جب منافقوں نے یہودی کے چوری کرنے اور طعمہ کی براءت پر شہادت قائم کر دی اور بہ ظاہر اس شہادت کو مسترد کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی' لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ پر غیب منکشف کر دیا اور آپ پر واضح ہو گیا کہ منافق جھوٹے ہیں اور اگر آپ ان کی شہادت کے مطابق فیصلہ کر دیتے تو ہرچند کہ آپ شرعاً معذور تھے لیکن یہ فیصلہ حقیقت میں صحیح نہ ہوتا' اس لیے آپ کو استغفار کا حکم دیا۔

(۳) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں آپکو ان مسلمانوں کے لیے استغفار کا حکم دیا گیا ہو جو ظاہری شہادت کی بناء پر طعمہ کے حامی تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور آپ ان لوگوں کی طرف سے نہ جھگڑیں جو اپنے نفسوں سے خیانت کرنے والے ہیں۔ بے شک اللہ ہر اس شخص کو پسند نہیں کرتا جو بہت بددیانت اور گنہگار ہو۔ (النساء : ۱۰۷)

اس آیت میں نبی ﷺ کو خطاب ہے' اور آپ ہی کو ان کی حمایت سے منع کیا گیا ہے لیکن کسی شخص کو کسی چیز سے منع کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے اس چیز کا ارتکاب بھی کیا ہو' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر (بہ فرض محال) آپ نے شرک کیا تو آپ کے عمل ضائع ہو جائیں گے۔ (الزمر : ۶۵)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : "اللہ اس کو پسند نہیں کرتا جو بہت زیادہ خیانت کرتا ہو۔" یہاں پسند نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے اور اس سے بغض رکھتا ہے' "خوانا" مبالغہ کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے بہت زیادہ خیانت کرنے والا' یعنی جو بار بار قصداً خیانت کرتا ہو اور بار بار قصداً گناہ کرتا ہو اور جس شخص سے بلاقصد اور غفلت سے

گناہ ہو جائیں وہ اس میں داخل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ لوگ انسانوں سے (اپنے کام) چھپاتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپا سکتے' حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ رات کو ایسی بات کے متعلق مشورہ کرتے ہیں' جو بات اللہ کو پسند نہیں ہے اور اللہ ان کے تمام کاموں کو محیط ہے۔ (النساء : ۱۰۸)

یعنی جو لوگ کوئی برا کام کرتے ہیں تو لوگوں سے حیاء کرتے ہیں اور چھپ کر وہ کام کرتے ہیں یا لوگوں کے ضرر کے خوف سے چھپ کر وہ کام کرتے ہیں اور یہ لوگ اللہ سے حیاء نہیں کرتے' یعنی اللہ کے خوف سے اور اس کے عذاب کے ڈر سے اس برائی کو ترک نہیں کرتے' جو بات اللہ کو پسند نہیں ہے اس سے مراد جھوٹ ہے اور بے قصور پر تہمت لگانا اور بہتان باندھنا ہے اور اللہ ہر کام کو محیط ہے' خواہ کوئی کام چھپ کر کیا جائے یا لوگوں کے سامنے وہ ہر ایک کے کام سے پوری طرح باخبر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ہاں تم وہ لوگ ہو جنہوں نے ان (مجرموں) کی طرف سے دنیا میں تو جھگڑا کر لیا' تو قیامت کے دن ان کی طرف سے کون اللہ کے ساتھ جھگڑا کرے گا' یا کون ان کا حمایتی ہو گا؟ (النساء : ۱۰۹)

مجادلہ کے معنی ہیں بہت زیادہ جھگڑا کرنا' اور وکیل اس شخص کو کہتے ہیں جس کی طرف معاملات سپرد کر دیئے جائیں اور محافظ اور حمایتی کو بھی وکیل کہتے ہیں' اس آیت کا معنی یہ ہے کہ دنیا میں تو تم ان کی طرف سے جھگڑا کر لو گے لیکن قیامت کے دن اس خائن اور بددیانت کو اللہ کے عذاب سے کون بچائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو شخص کوئی برا کام کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے مغفرت طلب کرے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا نہایت مہربان پائے گا۔ (النساء : ۱۱۰)

جن لوگوں نے ایک بے قصور شخص پر تہمت لگائی تھی' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اس گناہ پر توبہ اور استغفار کرنے کی ترغیب دی ہے' برا کام کرنے سے مراد ایسا فعل ہے جیسے طعمہ نے کیا تھا اور اس کی تہمت ایک یہودی پر لگا دی' یعنی ایسی برائی جس کا ضرر دوسروں کو پہنچے' اور اپنی جان پر ظلم کرنے سے مراد ایسا گناہ ہے جس کا اثر صرف اس گناہ کرنے والے تک محدود رہے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کے گناہ پر توبہ مقبول ہو جاتی ہے' خواہ کفر ہو' قتل عمد ہو' غصب اور سرقہ یا کسی پر تہمت لگانا ہو' اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو توبہ کی ترغیب دی اگر یہ سچے دل سے نادم ہو کر اخلاص سے توبہ اور استغفار کرتے اور اپنی اصلاح کر لیتے تو اللہ کو بہت بخشنے والا اور مہربان پاتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا وبال اسی شخص پر ہو گا اور اللہ بہت جاننے والا بڑی حکمت والا ہے۔ (النساء : ۱۱۱)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اس کی سزا اسی شخص کو ملے گی اور کسی دوسرے شخص کو اس کا ضرر نہیں پہنچے گا' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (الزمر : ۷) — اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو شخص کوئی خطا یا گناہ کرے پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دے تو بے شک اس نے بہتان باندھا اور کھلے ہوئے گناہ کا ارتکاب کیا۔ (النساء: ۱۱۲)

اس آیت میں خطا اور گناہ کو الگ الگ ذکر فرمایا ہے' اس کے معنی کی کئی تفسیریں ہیں' ایک تفسیر یہ ہے کہ خطا سے مراد صغیرہ گناہ ہے اور گناہ سے مراد کبیرہ گناہ ہے' دوسری تفسیر یہ ہے کہ خطا سے مراد وہ گناہ ہے جس کا ضرر صرف گناہ کرنے والے کو پہنچے جیسے نماز نہ پڑھنا' روزہ نہ رکھنا' اور گناہ سے مراد ایسا گناہ ہے جس کا ضرر دوسروں کو بھی پہنچے' جیسے ظلم' قتل' چوری اور خیانت وغیرہ' تیسری تفسیر یہ ہے کہ خطاء سے مراد وہ برا کام ہے جس کو کرنا نہیں چاہئے اور گناہ سے مراد وہ برا کام ہے جس کو عمداً کیا جائے۔ بہتان کا معنی ہے کسی بے قصور پر کسی برے کام کی تہمت لگادی جائے' اس آیت میں اس کی مذمت کی ہے کہ کوئی شخص خود برا کام یا گناہ کرے پھر اس کی تہمت کسی بے قصور پر لگا دے کیونکہ یہ دہری برائی ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ

اور (اے رسولِ مکرم) اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان (منافقین) کی ایک جماعت ضرور

اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ

آپ کو گمراہ کرنے کا قصد کر لیتی، اور وہ صرف اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں اور وہ آپ کو کوئی ضرر نہیں

مِنْ شَیْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ

پہنچا سکیں گے اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ کو

مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

ان تمام چیزوں کا علم عطا فرما دیا ہے جن کو آپ (پہلے) نہیں جانتے تھے اور اللہ کا آپ پر فضل عظیم ہے ۝

لَا خَيْرَ فِیْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ

ان کے اکثر پوشیدہ مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں ہے سوا اس شخص کے جو صدقہ دینے کا حکم دے یا نیکی

مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ

کرنے کا حکم دے یا لوگوں میں صلح کرانے کا۔ اور جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے یہ کام

ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

کرے تو عنقریب ہم اس کو اجر عظیم عطا فرمائیں گے o

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى

اور جو شخص ہدایت کے ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ

اور (تمام) مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلے تو ہم اسے اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف

جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ ع

وہ پھرا اور اس کو جہنم میں داخل کردیں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے o

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (اے رسول مکرم!) اگر آپ پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو ان (منافقین) کی ایک جماعت ضرور آپ کو گمراہ کرنے کا قصد کرلیتی اور وہ صرف اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں' اور وہ آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔ (النساء : ۱۱۳)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ اپنے فضل اور اپنی رحمت سے آپ پر وحی نازل فرما کر آپ کو اصل واقعہ سے مطلع نہ فرماتا اور آپ پر غیب کو منکشف نہ کرتا اور یہ نہ بتاتا کہ اصل مجرم طعمہ یا بشیر بن ابیرق منافق ہے اور جس یہودی یا مسلمان پر ان منافقوں نے خیانت یا چوری کی تہمت لگائی ہے وہ اس تہمت سے بری ہے' تو یہ منافق ضرور اس بات کا قصد کرلیتے کہ آپ پر اصل مجرم کو ملتبس اور مشتبہ کردیں گے' اور جو یہودی یا مسلمان بے قصور ہے اس کو آپ کی نظر میں مجرم اور خائن ٹھہرا دیں گے' اور اپنے منافق ساتھیوں کو خیانت سے بری کرالیں گے لیکن اپنی اس نامشکور سعی میں یہ خود ہی گمراہی میں پڑ گئے' انہوں نے ایک شخص کا مال چرایا یا اس میں خیانت کی پھر اس برائی پر مزید برائی یہ کی کہ اپنی اس خیانت کا بہتان ایک بے قصور شخص پر باندھا' اور انہوں نے اصل صورت حال کو آپ پر مشتبہ بنانے کا جو منصوبہ بنایا تھا اس سے وہ آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ اصل صورت واقعہ سے آپ کو مطلع فرمادیا اور غیب آپ پر منکشف کردیا۔ نیز فرمایا :

اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ کو ان (تمام) چیزوں کا علم عطا فرمادیا ہے جن کو آپ (پہلے) نہیں جانتے تھے اور اللہ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔ (النساء : ۱۱۳)

ماکان ومایکون کا علم

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں :

اللہ نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے' ہدایت اور نصیحت ہے اور آپ پر حکمت نازل کی ہے'

حکمت سے مراد یہ ہے کہ حلال' حرام' امر' نہی' دیگر احکام' وعد' وعید اور ماضی اور مستقبل کی خبریں' ان چیزوں کا کتاب میں اجمالاً ذکر کیا گیا ہے اور ان تمام چیزوں کی تفصیل ہم نے وحی خفی کے ذریعہ آپ پر نازل کی ہے اور یہی حکمت کو نازل کرنے کا معنی ہے اور جن تمام چیزوں کو آپ پہلے نہیں جانتے تھے ہم نے ان سب کا علم آپ کو عطا فرما دیا' اس کا معنی ہے تمام اولین اور آخرین کی خبریں اور ماکان ومایکون پر آپ کو مطلع فرما دیا۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۳۷۳' مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴۱۵ھ)

امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

اس آیت کے دو محمل ہیں' ایک محمل یہ ہے کہ : اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت کو نازل کیا اور آپ کو کتاب کے اسرار پر مطلع فرمایا اور ان کے حقائق سے واقف کیا جب کہ اس سے پہلے آپ کو ان میں سے کسی چیز کا علم نہیں تھا' اسی طرح اللہ آپ کو مستقبل میں بھی علم عطا فرمائے گا اور منافقین میں سے کوئی شخص آپ کو گمراہ کرنے اور بہکانے پر قادر نہیں ہو سکے گا۔

اور اس کا دوسرا محمل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اولین کی خبروں کا علم عطا فرمایا' اسی طرح اللہ آپ کو منافقین کے مکر اور ان کے حیلوں کی خبر دے گا' پھر فرمایا یہ آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے' یہاں غور کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو جو عطا فرمایا اس کے متعلق ارشاد فرمایا : وما اوتیتم من العلم الا قلیلا (الاسراء : ۸۵) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کو قلیل فرمایا : قل متاع الدنیا قلیل (النساء : ۷۷) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ دیا اس کے متعلق فرمایا : وکان فضل اللہ علیک عظیما' سو جس کے سامنے ساری دنیا کا علم اور خود ساری دنیا قلیل ہے تو جس کے علم کو وہ عظیم کہہ دے اس کی عظمتوں کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۱۲' البحر المحیط ج ۴ ص ۶۲' روح المعانی ج ۵ ص ۱۴۴)

علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں :

اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن ہے اور حکمت کے متعلق تین قول ہیں۔ (۱) حضرت ابن عباس کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وحی کے مطابق فیصلہ کرنا ہے۔ (۲) مقاتل نے کہا اس سے مراد حلال اور حرام کا علم ہے۔ (۳) ابو سلیمان دمشقی نے کہا اس سے مراد کتاب کے معانی کا بیان اور دل میں صحیح اور نیک بات کا القا کرنا ہے اور علمک مالم تکن تعلم کی تفسیر میں بھی تین قول ہیں :

(۱) حضرت ابن عباس اور مقاتل نے کہا اس سے مراد شریعت ہے۔ (۲) ابو سلیمان نے کہا اس سے مراد اولین اور آخرین کی خبریں ہیں۔ (۳) اور ماوردی نے کہا اس سے مراد کتاب اور حکمت ہے' اور وکان فضل اللہ علیک عظیما کی تفسیر میں بھی تین قول ہیں : (۱) ایمان عطا کرنے کا احسان (۲) نبوت عطا کرنے کا احسان' یہ دونوں حضرت ابن عباس کے قول ہیں (۳) ابو سلیمان دمشقی نے کہا اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فضائل اور آپ کے تمام خصائص ہیں۔

(زاد المسیر ج ۲ ص ۱۹۷' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۴۰۷ھ)

ماکان ومایکون کے علم کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر رونق افروز ہو کر

ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ ظہر کا وقت آ گیا' پھر آپ منبر سے اترے اور ظہر کی نماز پڑھائی' پھر آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ عصر کی نماز کا وقت آ گیا' آپ پھر منبر سے اترے اور نماز پڑھائی' آپ نے پھر منبر کو زینت بخشی اور ہمیں خطبہ دیا حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا' پھر آپ نے ہمیں ماکان ومایکون کی خبر دی سو ہم میں جس کا حافظہ زیادہ تھا اس کا علم زیادہ تھا۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۸۹۲)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : آج رات میرا رب تبارک وتعالیٰ میرے پاس بہت حسین صورت میں آیا' یعنی خواب میں' اس نے کہا یا محمد! کیا تم جانتے ہو کہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں میں نے کہا نہیں' آپ نے کہا پھر اللہ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھ دیا حتیٰ کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینہ کے درمیان محسوس کی' سو میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد! کیا تم جانتے ہو کہ مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں۔ میں نے کہا ہاں! کفارات میں۔ الحدیث

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۲۴۴' مسند احمد ج ۱' رقم الحدیث : ۳۴۸۴' مسند ابو یعلیٰ' رقم الحدیث : ۲۶۰۸' الشریعۃ للآجری' رقم الحدیث : ۴۹۶)

امام ترمذی نے اس حدیث کو ایک اور سند کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں یہ الفاظ ہیں : پس میں نے جان لیا جو کچھ مشرق اور مغرب کے درمیان ہے۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۲۳۵)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھانے کے لیے آنے میں دیر کر دی حتیٰ کہ سورج نکلنے کے قریب ہو گیا' پھر آپ نے جلدی جلدی نماز پڑھائی پھر سلام پھیرنے کے بعد آپ نے بہ آواز بلند فرمایا تم جس طرح بیٹھے ہو اپنی اپنی صفوں پر بیٹھے رہو' پھر آپ نے ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا : میں عنقریب تم سے بیان کروں گا کہ مجھے صبح آنے میں تاخیر کیوں ہو گئی' آپ نے فرمایا میں رات کو اٹھا اور میں نے وضوء کر کے اتنی نماز پڑھی جتنی میرے لیے مقدر کی گئی تھی' پھر مجھے نماز میں نیند آ گئی اچانک میں نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو نہایت حسین صورت میں دیکھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اے محمد! میں نے کہا اے میرے رب لبیک' فرمایا مقرب فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں؟ میں نے کہا اے میرے رب مجھے (ازخود) علم نہیں' یہ مکالمہ تین بار ہوا' پھر میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے درمیان رکھ دیا اور میں نے اس کی پوروں کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں محسوس کی' پھر ہر چیز مجھ پر منکشف ہو گئی اور میں نے جان لیا۔ الحدیث۔ امام ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے' میں نے امام بخاری سے اس حدیث کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۲۴۶' مسند احمد ج ۸ رقم الحدیث : ۲۲۷۰)

حافظ نور الدین الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ امام طبرانی کے حوالے سے لکھتے ہیں :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : بے شک اللہ عزوجل نے دنیا کو میرے لیے اٹھا لیا میں دنیا کی طرف اور جو کچھ قیامت تک دنیا میں ہونے والا ہے' اس کی طرف دیکھ رہا ہوں' جس طرح میں اپنی ان دو ہتھیلیوں کی طرف دیکھ رہا ہوں۔ الحدیث۔ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور ضعف کثیر کے باوجود اس کے

راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۷، ۲۸۷ حلیۃ الاولیاء : ج ۶ ص ۱۰۱)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ان کے اکثر پوشیدہ مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔ سوا اس شخص کے جو صدقہ دینے کا حکم دے یا نیکی کرنے کا حکم دے یا لوگوں میں صلح کرانے کا' اور جو اللہ کی رضاجوئی کے لیے یہ کام کرے تو عنقریب ہم اس کو اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔ (النساء : ۱۱۴)

دو آدمی آپس میں جو سرگوشی کرتے ہیں اس کو عربی میں نجوی کہتے ہیں' اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا وہ رات کو ایسی بات کرتے ہیں جو اللہ ناپسند کرتا ہے' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان باتوں کو بیان فرمایا ہے جو اللہ کو پسند ہیں' اور وہ ہیں صدقہ و خیرات کا حکم دینا' نیکی کا حکم دینا اور لوگوں میں صلح کرانا' صدقہ اور خیرات کرنا جسمانی نیکی ہے' نیکی کا حکم دینا روحانی نیکی ہے اور ان دونوں نیکیوں سے جلب منفعت ہوتی ہے اور لوگوں میں صلح کرانے سے ضرر اور نقصان دور ہوتا ہے۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

نبی ﷺ کی زوجہ حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : ابن آدم کا کوئی کلام اس کے لیے نفع بخش نہیں ہے' سوا اس کے کہ اس نے نیکی کا حکم دیا ہو یا برائی سے روکا ہو یا اللہ کا ذکر کیا ہو۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۴۲۰' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۳۹۷۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو شخص ہدایت کے ظاہر ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور (تمام) مسلمانوں کے راستہ کے خلاف چلے' تو ہم اسے اس طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرا اور اس کو جہنم میں جھونک دیں گے اور وہ کیسا برا ٹھکانا ہے۔ (النساء : ۱۱۵)

طعمہ بن ابیرق (چوری کرنے والے منافق) کا انجام

امام ابوالفرج عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں :

حضرت ابن عباس' قتادہ اور ابن زید وغیرہ نے کہا ہے کہ جب قرآن مجید نے طعمہ بن ابیرق کی تکذیب کر دی اور اس کے ظلم کا بیان کیا' تو اسے اپنی جان کا خطرہ اور رسوائی کا خوف ہوا پھر وہ بھاگ کر مکہ چلا گیا' اور مشرکین سے جا ملا' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی' مقاتل نے کہا کہ طعمہ مکہ پہنچ کر حجاج بن علاط سلمی کے ہاں ٹھہرا' اس نے طعمہ کو اچھی طرح ٹھہرایا' طعمہ کو یہ پتا چلا کہ حجاج کے گھر میں سونا ہے' اس نے رات کو اٹھ کر گھر کی دیوار میں سوراخ کیا' گھر والوں کو معلوم ہو گیا انہوں نے اس کو موقع پر پکڑ لیا' انہوں نے اس کو سنگسار کرنے کا ارادہ کیا لیکن حجاج کو حیاء آئی کیونکہ وہ اس کا مہمان تھا' پھر گھر والوں نے اس کو چھوڑ دیا' وہ وہاں سے نکل کر بنو سلیم کے علاقہ میں چلا گیا اور وہاں ان کے بت کی پرستش کرنی شروع کر دی' اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ۔ الآیہ "اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم گناہ کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا' اور بعض روایات میں ہے کہ وہ تاجروں کے ساتھ نکل گیا اور وہاں اس نے کوئی چیز چرائی' انہوں نے اس کو سنگسار کیا حتیٰ کہ قتل کر دیا' ایک روایت میں ہے کہ وہ ایک کشتی میں سوار ہوا وہاں اس نے کچھ مال چرایا اور پکڑا گیا پھر اس کو سمندر میں پھینک دیا گیا۔

(زاد المسیر ج ۲ ص ۲۰۰' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

یہ آیت طعمہ بن ابیرق کا مصداق ہے کیونکہ اس نے چوری کی تھی جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں تھا اور جب نبی ﷺ نے قرآن مجید کے ذریعہ اس کی چوری کی خبر دے دی تو اس کو شرح صدر ہو گیا کہ سیدنا محمد ﷺ سچے نبی ہیں اور قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور تمام مسلمان جس دین پر ہیں وہ سچا دین اسلام ہے' اس کے باوجود اس نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف کیا' اور تمام مسلمانوں کے خلاف طریقہ کو اختیار کیا اور اسلام کو چھوڑ کر شرک اور بت پرستی کو اپنا لیا' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ جس گمراہی میں پھرا ہے ہم اس کو اسی گمراہی میں پھیر دیں گے' یعنی اس کو اسی شرک اور بت پرستی میں رہنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کر دیں گے۔

من یشاقق الرسول' الآیہ کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں ہے

بعض علماء نے کہا ہے کہ جب مشرکین کو قتل کرنے کے متعلق سورہ توبہ میں آیت نازل ہوئی اور خصوصاً" مرتدین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا تو اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۱۳) لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں کوئی حکم نہیں بیان کیا گیا بلکہ طعمہ بن ابیرق اور اس جیسے لوگوں کو ان کی اختیار کردہ گمراہی میں رکھنے کی خبر دی گئی ہے اور نسخ احکام (مثلاً امر اور نہی) میں جاری ہوتا ہے اخبار میں جاری نہیں ہوتا' آیت سیف سے اس آیت کو منسوخ قرار دینے کا قول تب صحیح ہوتا جب اس آیت میں ان کو قتل نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہوتا' حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اجماع کا حجت ہونا' نبی ﷺ کا معصوم ہونا اور دیگر مسائل

یہ آیت اجماع کے حجت ہونے پر دلیل ہے' امام شافعی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ قرآن مجید کی کون سی آیت اجماع کے حجت ہونے پر دلالت کرتی ہے؟ تو انہوں نے کہا میں نے قرآن مجید کو تین سو بار پڑھا تو میں نے اس آیت کو اجماع کے حجت ہونے پر دلیل پایا (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۱۳) ان کی دلیل کا بیان یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام مسلمانوں کے طریقہ کو چھوڑنا حرام ہے لہٰذا تمام مسلمانوں کے طریقہ پر عمل کرنا واجب ہوا' نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ تمام گناہوں سے معصوم ہیں صغیرہ ہوں یا کبیرہ' سہواً ہوں یا عمداً" صورۃً" ہوں یا حقیقتہً" کیونکہ گناہ کے خلاف کرنا واجب ہے اور اس آیت کی رو سے نبی ﷺ کے خلاف کرنا حرام ہے' نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی اتباع کرنا واجب ہے' نیز اس آیت میں ہدایت کے واضح ہونے کے بعد اس کی مخالفت کو حرام فرمایا ہے اور ہدایت نظر اور استدلال سے واضح ہوتی ہے' اس سے معلوم ہوا کہ عقائد کی تصحیح کے لیے نظر اور استدلال سے کام لینا واجب ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ

بیشک اللہ اس کو نہیں معاف کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو گناہ اس سے کم ہو گا اس کو جس کے

لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا

لیے چاہے گا بخش دے گا اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا تو بلاشبہ وہ گمراہی میں مبتلا ہو کر بہت

بَعِيْدًا ﴿١١٦﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ

دور جا پڑا ○ یہ (مشرک) اللہ کے سوا صرف عورتوں کی عبادت کرتے ہیں اور یہ صرف سرکش

يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿١١٧﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ

شیطان ہی کی عبادت کرتے ہیں ○ اللہ نے اس پر لعنت کی، اور (شیطان نے) کہا میں

مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿١١٨﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ

تیرے بندوں میں سے ضرور مقرر حصہ لوں گا ○ اور مجھے قسم ہے میں ضرور ان کو گمراہ کروں گا اور

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ

میں ضرور ان کے دلوں میں (جھوٹی) آرزوئیں ڈالوں گا اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور مویشیوں کے کان چیر ڈالیں گے، اور میں

خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کریں گے اور جس نے اللہ کے بجائے شیطان کو اپنا مطاع بنا لیا تو وہ

فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿١١٩﴾ ؕ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ

کھلے ہوئے نقصان میں مبتلا ہو گیا ○ وہ (شیطان) ان سے وعدے کرتا ہے اور ان کے دلوں میں آرزوئیں ڈالتا

الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿١٢٠﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ

ہے اور شیطان ان سے جو وعدے کرتا ہے وہ صرف دھوکہ ہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ اس سے نکلنے کی جگہ

عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿١٢١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ

نہیں پائیں گے ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ہم ان کو عنقریب

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ

ان جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے

وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿١٢٢﴾ لَيْسَ

اللہ کا وعدہ حق ہے اور اللہ سے زیادہ سچا کس کا قول ہے ○ (اللہ کا وعدہ) نہ

وقف لازم

بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا

تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی خواہشوں پر، جو شخص کوئی برا کام کرے گا

يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾

اسے اس کی سزا دی جائے گی اور وہ اللہ کے مقابلہ میں اپنے لیے کوئی حمایتی پائے گا نہ مددگار ○

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ

اور جن لوگوں نے حالتِ ایمان میں نیک کام کیے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت تو وہ لوگ جنت

فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ

میں داخل ہوں گے اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے شگاف جتنا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا ○ اور اس سے اچھا

اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ

دین کس کا ہوگا جس نے اپنا منہ اللہ کے لیے جھکا دیا درآں حالیکہ وہ نیکی کرنے والا ہے اور اس نے

مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا

ملتِ ابراہیم کی پیروی کی جو باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف مائل تھے اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا مخلص دوست بنالیا ○ اور اللہ ہی کی

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور اللہ ہر چیز کو محیط

مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع

ہے ○

۱۸ ع ۱۱ ۱۵

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک اللہ اس کو نہیں معاف کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو گناہ اس سے کم ہو گا اس کو جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔ (النساء: ۱۱۶)

یہ آیت اس سے پہلے النساء: ۴۸ میں بھی گزر چکی ہے، یہاں اس آیت کو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ ذکر فرمایا ہے، کیونکہ قرآن مجید میں عمومات وعد اور عمومات وعید کا بار بار ذکر کیا گیا ہے، اس سے پہلی آیات میں زرہ چوری کرنے والے منافق کے متعلق آیات وعید ذکر فرمائی تھیں، اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اگر وہ شرک نہ کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ (مشرک) اللہ کے سوا صرف عورتوں کی عبادت کرتے ہیں اور یہ صرف سرکش شیطان ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ (النساء : ۱۱۷)

مشرکین کے بتوں کا مونث ہونا

اللہ تعالیٰ نے ان کے بتوں کو مونث فرمایا ہے کیونکہ یہ خود اپنے بتوں کو مونث کہتے تھے' ابومالک نے کہا کہ لات' منات اور عزیٰ سب مونث ہیں' ابن زید نے کہا لات' عزیٰ' سیاف اور نائلہ جن بتوں کی وہ عبادت کرتے تھے وہ مونث ہیں' ضحاک نے اس کی تفسیر میں کہا وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے' اور بعض نے یہ کہا کہ وہ اپنے بتوں کا نام مونث رکھتے' اس لیے اللہ نے فرمایا کہ یہ اللہ کے سوا صرف عورتوں کی عبادت کرتے ہیں۔

(جامع البیان ج ۴ ص ۳۷۸-۳۷۷' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یہ صرف سرکش شیطان ہی کی عبادت کرتے ہیں' بہ ظاہر یہ حصر پہلے حصر کے مخالف ہے کیونکہ پہلے فرمایا تھا یہ صرف عورتوں کی عبادت کرتے ہیں لیکن یہ دوسرا حصر اس لیے فرمایا کہ ان بتوں کی عبادت کا حکم ان کو شیطان ہی دیتا تھا' اور یہ اس کی اطاعت میں بتوں کی عبادت کرتے تھے' گویا پہلا حصر حقیقت پر محمول ہے اور دوسرا مجاز پر' دوسرا جواب یہ ہے کہ دوسرے حصر میں عبادت بمعنی اطاعت ہے اس لیے کوئی تعارض نہیں ہے' امام ابن ابی حاتم نے سفیان سے روایت کیا ہے کہ ہر بت میں ایک شیطان تھا' اور مقاتل سے مروی ہے کہ شیطان سے مراد ابلیس ہے' کیونکہ اس کے بعد والی آیت میں جو شیطان کا قول مذکور ہے وہ ابلیس ہی کا قول ہے اور مرید کا معنی ہے جو بہت زیادہ نافرمانی کرتا ہو اور اطاعت سے مکمل خارج ہو' مارد اور متمرد کا بھی یہی معنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اللہ نے اس پر لعنت کی' اور (شیطان نے) کہا میں تیرے بندوں میں سے ضرور مقرر حصہ لوں گا۔ (النساء : ۱۱۸)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ شیطان لعنہ اللہ نے کہا میں ضرور تیرے بندوں میں سے ایک مقدار معین کو اپنا لوں گا اور یہ وہ لوگ ہیں جو شیطان کے وسوسوں کو قبول کریں گے' اور اس کی اتباع کریں گے' اس آیت سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کے متبعین کم لوگ ہوں گے کیونکہ "من" تبعیض کے لیے آتا ہے حالانکہ شیطان کے متبعین کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے بہت کم ہیں' کیونکہ قرآن مجید میں ہے :

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا (النساء : ۸۳)

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم (سب) شیطان کی پیروی کر لیتے سوا قلیل لوگوں کے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے شیطان سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا :

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِىْ كَرَّمْتَ عَلَىَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا (بنواسرائیل : ۶۲)

اور (شیطان نے) کہا بھلا دیکھو تو! جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے' اگر تو مجھے قیامت تک کی مہلت دے دے تو میں اس (آدم) کی اولاد کو ضرور جڑ سے اکھاڑ دوں گا سوا قلیل لوگوں کے۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ قلیل انسانوں کے سوا سب شیطان کے پیروکار ہیں' اور زیر تفسیر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیروکار بعض ہیں' اس کا جواب یہ ہے کہ لاتعداد فرشتے اللہ کے عباد مخلصین ہیں اور ان کے اعتبار سے

شیطان کے متبعین بعض ہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (شیطان نے کہا) اور مجھے قسم ہے میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا' اور میں ضرور ان کے دلوں میں جھوٹی آرزوئیں ڈالوں گا' اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا کہ وہ ضرور مویشیوں کے کان چیر ڈالیں گے' اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کریں گے اور جس نے اللہ کے بجائے شیطان کو اپنا مطاع بنالیا تو وہ کھلے ہوئے نقصان میں مبتلا ہو گیا۔ (النساء : ۱۱۹)

شیطان کے گمراہ کرنے کا معنی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کے چار دعاوی ذکر کیے ہیں' پہلا دعویٰ اس نے یہ کیا تھا کہ میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا' حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ شیطان کے گمراہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ہدایت کے راستہ سے ہٹادے گا' اور دوسروں نے کہا کہ شیطان کے گمراہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگوں کو گمراہی کی طرف دعوت دے گا' اور یہی صحیح ہے۔

جھوٹی آرزوئیں ڈالنے کا معنی

شیطان کا دوسرا دعویٰ یہ تھا کہ میں ضرور لوگوں کے دلوں میں جھوٹی آرزوئیں ڈالوں گا' اس کی تفسیر میں چار قول ہیں' حضرت ابن عباس نے فرمایا لوگوں کے دلوں میں یہ آرزو ہو گی کہ نہ جنت ہو نہ دوزخ' اور نہ حشر و نشر ہو' دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ان کے دلوں میں توبہ اور استغفار میں تاخیر کرنے اور اس کے ٹالنے کو ڈالتا رہے گا' یہ بھی حضرت ابن عباس کا قول ہے' تیسرا قول یہ ہے کہ وہ ان کے دلوں میں یہ آرزو ڈالے گا کہ آخرت میں ہمیں بہت بڑا اجر و ثواب ملے گا۔ یہ زجاج کا قول ہے' ہمارے زمانہ میں بعض جاہل پیر اپنے مریدوں سے کہتے ہیں کہ اگر اللہ نے مجھے مقام وجاہت عطا کیا تو میں فلاں کو بخشوا لوں گا' اور جب میں محشر میں اٹھوں گا تو شور مچ جائے گا دیکھو فلاں شخص آگیا ہے' ہم اس قسم کے اقوال سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں' ہماری تو آرزو یہ ہے کہ اللہ ہمیں عذاب سے نجات دے دے اور یہ اس کا ہم پر بہت بڑا کرم ہے' جنت اور اس کی نعمتوں کے ہم کب لائق ہیں چوتھا قول یہ ہے کہ وہ ان کی آرزوؤں کو ان کے لیے مزین کردے گا۔

مویشیوں کے کان چیرنے کا معنی

شیطان کا تیسرا دعویٰ یہ تھا اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور مویشیوں کے کان چیر ڈالیں گے۔

قتادہ' عکرمہ' اور سدی نے کہا ہے کہ اس کا معنی ہے وہ بحیرہ کے کان چیرنے کا حکم دے گا' بحیرہ اس اونٹنی کو کہتے تھے کہ جب کوئی اونٹنی پانچ بچے جنتی اور پانچواں بچہ نر ہوتا' تو وہ اونٹنی کے کان چیر دیتے اور اس سے نفع اٹھانا بند کر دیتے' وہ اونٹنی جس جگہ سے چاہے پانی پیے اور جس چراگاہ سے چاہے چرے اس کو کوئی منع نہیں کرتا تھا' اور نہ کوئی شخص اس پر سوار ہوتا تھا شیطان نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ یہ تمام کارروائی عبادت ہے۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۱۱۹)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ بحیرہ وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ دوہنے سے بتوں کے لیے منع کیا جاتا تھا' اور کوئی شخص اس کا دودھ نہیں دوہتا تھا۔ (صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۳۵۲۲)

تغییر خلق اللہ کا معنی

شیطان کا چوتھا دعویٰ یہ تھا کہ میں ان کو ضرور حکم دوں گا تو وہ ضرور اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کریں گے۔
تغییر خلق اللہ یعنی اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کرنے کی بھی پانچ صورتیں ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ایک روایت میں حسن بصری کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو اپنے ہاتھ پیروں پر نقش و نگار گودواتی ہیں۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

علقمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان عورتوں پر لعنت کی جو اپنے جسم پر گودواتی ہیں اور اپنے بال اکھاڑتی ہیں اور خوب صورتی کے لیے اپنے دانتوں کے درمیان جھریاں کرواتی ہیں اور اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلتی ہیں، ام یعقوب نے کہا آپ ان پر کیوں لعنت کرتے ہیں؟ کہا میں ان پر کیوں لعنت نہ کروں جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اور اللہ کی کتاب میں ان پر لعنت ہے۔ اس عورت نے کہا میں نے تو پورا قرآن پڑھا ہے۔ مجھے اس میں یہ آیت نہیں ملی، حضرت ابن مسعود نے فرمایا اگر تم قرآن پڑھتیں تو تم کو یہ آیت مل جاتی کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی : وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا اور رسول تم کو جو (احکام) دیں وہ لے لو، اور جن کاموں سے تم کو منع کریں ان سے رک جاؤ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت پر لعنت کی جو ایک عورت کے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بال ملاتی ہے اور جو عورت اپنے بالوں کے ساتھ دوسری عورت کے بال لگواتی ہے اور جسم کو گودنے والی پر اور گودوانے والی عورت پر لعنت کی ہے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۵۹۴۰، ۵۹۳۹، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۱۲۷، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۴۱۶۷، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۷۹۱، سنن نسائی : ۵۱۱۴، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث : ۱۹۸۹، المعجم الکبیر ج ۱۹ ص ۴۲۲، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۲۶، مسند حمیدی، رقم الحدیث : ۶۰۰، مسند احمد ج ۲، رقم الحدیث ۴۱۲۹، ۴۳۴۳، ۴۳۴۳)

جو مرد ڈاڑھی منڈواتے ہیں، عورتوں کی طرح چوٹی کرتے ہیں اور جو عورتیں مردوں کی طرح بال کٹواتی ہیں یا سر منڈاتی ہیں اور جو بوڑھے مرد بالوں کو سیاہ خضاب لگاتے ہیں یہ سب اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو تبدیل کر رہے ہیں، سفید بالوں کو عنابی، زرد یا مہندی کے رنگ سے رنگنا اس حکم میں داخل نہیں ہے، کیونکہ اس رنگ کا خضاب حدیث سے ثابت اور مطلوب اور مستحب ہے۔

اس سلسلہ میں دوسرا قول حضرت ابن عباس اور حضرت ابن ابی طلحہ رضی اللہ عنہم کا ہے۔ سعید بن جبیر، سعید بن مسیب، نخعی، ضحاک، ابن زید اور مقاتل کا بھی یہی قول ہے، ان کے نزدیک تغییر خلق اللہ کا معنی ہے اللہ کے دین کو بدلنا اور اس میں تغیر کرنا، حرام کو حلال، اور حلال کو حرام کہنا۔

تیسرا قول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، مجاہد، قتادہ اور عکرمہ کا ہے ان کے نزدیک کسی انسان کا خصی ہونا اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلنا ہے۔

چوتھا قول ابو شیبہ کا ہے کہ تغییر خلق اللہ کا معنی ہے اللہ کے امر میں تغیر کرنا۔

پانچواں قول زجاج کا ہے کہ تغییر خلق اللہ کا معنی ہے سورج، چاند اور پتھروں کی عبادت کرنا، کیونکہ سورج، چاند اور

پتھروں کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے نفع کے لیے بنایا تھا اور مشرکوں نے ان کی عبادت شروع کر دی۔

شیطان کو کیسے علم ہوا کہ اس کے پیروکار بہت زیادہ ہوں گے؟

ایک سوال یہ ہے کہ شیطان کو کیسے معلوم ہو گیا کہ وہ ضرور لوگوں کو گمراہ کر دے گا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے کہا تو اکثر انسانوں کو شکر گزار نہیں پائے گا' (الاعراف : ۱۷) اور کہا میں قلیل لوگوں کے سوا آدم کی تمام ذریت کو جڑ سے اکھاڑ دوں گا (بنواسرائیل : ۶۲) اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ ابلیس کا گمان تھا جو واقع کے مطابق ثابت ہوا' دوسرا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا : میں تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے ضرور جہنم کو بھر دوں گا (ص : ۸۵) تو شیطان نے جان لیا کہ اس کے پیروکاروں کی تعداد بہت زیادہ ہو گی' تیسرا جواب یہ ہے کہ جب اس کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو لغزش ہو گئی تو اس نے جان لیا کہ ان کی اولاد کو بہکانا تو زیادہ آسان ہے' چوتھا جواب یہ ہے کہ فرشتوں نے جب اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ کیا تو اس کو زمین میں خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد اور خونریزی کرے گا۔ (البقرہ : ۳۰) تو اس نے جان لیا کہ اکثر انسان اس کے پیروکار بن جائیں گے۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ شیطان نے جو کہا تھا کہ میں ضرور ان کو گمراہ کروں گا اس کا معنی یہ ہے کہ میں ان کو ضرور گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا' چھٹا جواب یہ ہے کہ جب اس نے جنت اور دوزخ کو دیکھا تو جان لیا کہ دوزخ میں رہنے کے لیے بھی ایک مخلوق بنائی جائے گی اس لیے اس نے کہا تھا : میں تیرے بندوں میں سے ضرور مقرر حصہ لوں گا۔ (النساء : ۱۱۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : شیطان ان سے وعدے کرتا ہے اور ان کے دلوں میں آرزوئیں ڈالتا ہے اور شیطان نے جو وعدے کیے ہیں وہ صرف دھوکا ہیں۔ (النساء : ۱۲۰)

شیطان کے کیے ہوئے وعدہ کے غرور ہونے کا بیان

غرور (دھوکا) کا معنی ہے' انسان کسی چیز کو لذیذ اور نافع گمان کرے اور وہ درحقیقت اس کے لیے بہت مضر اور تکلیف دہ ہو' اس کی مثال یہ ہے کہ شیطان انسان کے دل میں یہ ڈالتا ہے کہ اس کی عمر لمبی ہو گی' اور دنیا میں اس کا مطلوب اور مقصود حاصل ہو جائے گا اور وہ اپنے دشمنوں کو مغلوب کرے گا' کیونکہ بعض اوقات اس کی عمر لمبی نہیں ہوتی' اور بعض دفعہ اس کی عمر لمبی ہوتی ہے لیکن اس کا مقصود حاصل نہیں ہوتا اور کبھی اس کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے لیکن اچانک اس کو کوئی سخت بیماری آلیتی ہے اور وہ اپنے مقصود سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا' اور یا اچانک وہ مر جاتا ہے' اور کبھی شیطان اس کے دل میں یہ آرزوئیں ڈالتا ہے کہ جو کچھ ہے یہی دنیا ہے نہ قیامت آنی ہے نہ حساب ہو گا نہ جنت اور دوزخ ہو گی اس لیے وہ انسان کو دنیا کی رنگینیوں اور عیش و عشرت میں منہمک کر دیتا ہے اور جب قیامت آتی ہے تو وہ ایمان اور نیک اعمال سے تہی دامن ہوتا ہے اور کبھی شیطان انسان سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس کے راستوں پر چلتا رہے وہ اس کو آخرت میں اللہ کے عذاب سے بچا لے گا اور جب آخرت میں جزاء اور سزاء کا فیصلہ ہو چکے گا تو شیطان کہے گا : "اور فیصلہ ہو چکنے کے بعد شیطان کہے گا اللہ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ حق تھا' اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا سو میں نے اس کے خلاف کیا' اور میرا تم پر اس کے سوا اور کوئی زور نہ تھا کہ میں نے تم کو دعوت دی اور تم نے میری دعوت قبول کر لی سو تم مجھ کو ملامت نہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو' نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچنے والا ہوں اور نہ تم میری فریاد کو پہنچنے والے ہو' تم نے اس سے پہلے جو مجھے (اللہ کا) شریک بنایا تھا میں نے اس سے انکار کیا۔ بے شک ظالموں ہی کے لیے دردناک عذاب ہے۔

(ابراہیم : ۲۲)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے وہ اس سے نکلنے کی جگہ نہیں پائیں گے۔ (النساء : ۱۲۱)
اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کی پیروی کرنے والوں کا ذکر فرمایا اس آیت میں ان کی سزا کا ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ہم ان کو عنقریب ان جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' اللہ کا وعدہ حق ہے اور اللہ سے زیادہ سچا کس کا قول ہے۔ (النساء : ۱۲۲)

اللہ تعالیٰ کا اسلوب ہے کہ وعید کے بعد وعد کا ذکر فرماتا ہے اور کافروں کے بعد مومنوں کا' اور بدکاروں کے بعد نیکوکاروں کا اور شیطان کے جھوٹے وعدہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے وعدہ کا ذکر فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (اللہ کا وعدہ) نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی خواہشوں پر' جو شخص کوئی برا کام کرے گا اسے اس کی سزا دی جائے گی اور وہ اللہ کے مقابلہ میں نہ کوئی حمایتی پائے گا نہ مددگار۔ (النساء : ۱۲۳)

اس آیت کے سبب نزول میں تین قول ہیں :

(۱) قتادہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں اور اہل کتاب نے ایک دوسرے پر فخر کیا' اہل کتاب نے کہا ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے ہیں اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے پہلے نازل ہوئی' لہٰذا ہم کو تم پر فضیلت ہے' مسلمانوں نے کہا ہمارے نبی خاتم النبیین ہیں اور ہماری کتاب تمہاری کتابوں کی ناسخ ہے اس لیے ہم افضل ہیں' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جامع البیان ج ۴ص ۳۹۰' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

(۲) مجاہد نے کہا یہ آیت قریش مکہ کے متعلق نازل ہوئی ہے انہوں نے کہا تھا ہم مر کر دوبارہ اٹھیں گے نہ حساب و کتاب ہو گا' نہ ہم کو عذاب دیا جائے گا' امام ابن جریر نے اس کو ترجیح دی ہے۔ (جامع البیان جز ۵ص ۳۹۲)

(۳) مجاہد کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا یہ قول ہے : یہود نے کہا ہمارے سوا جنت میں کوئی نہیں جائے گا' اگر ہمیں عذاب ہوا بھی تو صرف چند دن ہو گا' اور نصاریٰ نے کہا ہمارے سوا جنت میں کوئی نہیں جائے گا اور مشرکین عرب نے کہا : ہم مر کر دوبارہ اٹھیں گے نہ ہمیں عذاب ہو گا تو یہ آیت نازل ہوئی : (اللہ کا وعدہ) نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی خواہشوں پر۔ الآیہ (جامع البیان جز ۵ص ۳۹۲)

ہر گناہ پر سزا ہونے کے اشکال کا جواب

اس آیت میں فرمایا ہے کہ جس نے بھی کوئی برا کام کیا اسے اس کی سزا دی جائے گی اور برا کام عام ہے خواہ صغیرہ گناہ ہو یا کبیرہ۔

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کے گناہوں کے متعلق ہے۔ اس تقدیر پر یہ اشکال ہے کہ اگر ہر گناہ کی سزا ملے تو پھر مسلمانوں کی نجات بہت مشکل ہو گی اس اشکال کے حسب ذیل جوابات ہیں :

پہلا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں پر دنیا میں جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت من یعمل سوءا یجز بہ نازل ہوئی تو مسلمانوں پر یہ آیت بہت دشوار ہوئی' اور ان کو بہت تشویش لاحق ہوئی' اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی آپ نے فرمایا نیک عمل کرنے کی کوشش کرتے رہو' مسلمان کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ اس (کے گناہوں) کا کفارہ ہو جاتی ہے حتی کہ اگر اس کے کوئی کانٹا بھی چبھ جائے تو وہ بھی اس کے لیے کفارہ ہو جاتا ہے۔

(مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث : ۷۳۹۰' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۷۳)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے عرض کیا : یا نبی اللہ! اس آیت کے بعد کس طرح بہتری ہو گی؟ آپ نے پوچھا : کون سی آیت کے بعد' عرض کیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نہ تمہاری آرزوؤں کے مطابق ہو گا نہ اہل کتاب کی خواہشوں کے مطابق ہو گا جو بھی برا کام کرے گا اس کو اس کی سزا دی جائے گی۔ آپ نے فرمایا کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تم غمگین نہیں ہوتے؟ کیا تم کو مصیبت نہیں پہنچتی؟ فرمایا تمہاری برائیوں کی یہی سزا ہو جاتی ہے۔

(مسند احمد ج ارقم الحدیث : ۷۱' ۷۰' ۶۹' ۶۸' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۷۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔ (مسند احمد ج ۹' رقم الحدیث : ۲۴۶۵۹' ۲۴۲۵۵)

دوسرا جواب یہ ہے کہ گناہ کبیرہ سے اجتناب کی وجہ سے بھی گناہ مٹ جاتے ہیں اور نیک کاموں کی وجہ سے بھی برے کام مٹا دیئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا۔ (النساء : ۳۱)

اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتے رہے جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو ہم تمہارے صغیرہ گناہوں کو مٹا دیں گے اور تم کو عزت کی جگہ داخل کر دیں گے۔

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (ھود : ۱۱۴)

بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔

وضو کرنے سے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ ایک نماز سے دوسری نماز کے درمیان کے گناہ جھڑ جاتے ہیں ایک نماز جمعہ سے دوسری نماز جمعہ کے درمیان کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ عرفہ کا روزہ رکھنے سے ایک پچھلے اور ایک اگلے سال کے گناہ جھڑ جاتے ہیں اور حج کرنے سے ساری عمر کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ جب مسلمان اپنے گناہوں پر توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُوا عَنِ السَّيِّئَاتِ (الشوریٰ : ۲۵)

وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے گناہوں کو انبیاء علیہم السلام' ملائکہ' اولیاء کرام' علماء' شہداء اور نیک اولاد کی شفاعت کی وجہ سے معاف فرما دے گا۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے گناہوں کو اپنے فضل محض سے بھی معاف فرمائے گا۔ قرآن مجید میں بہت جگہ ہے یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء وہ جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

صفوان بن محرز مازنی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ان کا ہاتھ پکڑے ہوئے

جا رہا تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور پوچھا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے نجویٰ (سرگوشی کرنا) کی کیا تفسیر سنی ہے؟ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب کر کے اس کے اوپر (اپنی رحمت کا) پردہ رکھ دے گا اور اس کو چھپا لے گا اور فرمائے گا تو فلاں گناہ کو پہچانتا ہے؟ کیا تو فلاں گناہ کو پہچانتا ہے؟ وہ کہے گا ہاں! اے میرے رب! حتیٰ کہ اللہ اس شخص سے اس کے تمام گناہوں کا اقرار کرا لے گا' اور وہ شخص یہ سمجھے گا کہ وہ اب ہلاک ہو گیا' اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تیرا پردہ رکھا تھا' اور آج میں تجھے بخش دوں گا پھر اس کو اس کی نیکیوں کی کتاب دی جائے گی اور رہے کافر اور منافق تو اللہ لوگوں کے سامنے فرمائے گا ان لوگوں نے اپنے رب کی تکذیب کی' سنو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۲۴۴۱' ۴۶۸۵' ۶۰۷۰' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۷۶۸' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۱۸۳' مسند احمد ج ۵ رقم الحدیث : ۱۴۲۰۰)

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ یہ آیت کفار اور مشرکین کے ساتھ مخصوص ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے بعد مومنوں کے متعلق الگ آیت نازل فرمائی ہے: اور جن لوگوں نے حالت ایمان میں نیک کام کیے خواہ وہ مرد ہو یا عورت تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے' نیز جب کفار کو ان کے ہر برے کام کی سزا دی جائے گی تو اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ کفار فروع کے مخاطب اور مکلف ہیں اور یہی صحیح مذہب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جن لوگوں نے حالت ایمان میں نیک کام کیے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے شگاف جتنا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (النساء : ۱۲۴)

گناہ گاروں کے لیے نوید مغفرت

جب یہ آیت نازل ہوئی کہ جس نے بھی کوئی برا کام کیا اسے اس کی سزا ملے گی تو اہل کتاب نے کہا ہم میں اور تم میں کیا فرق رہا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جن مسلمانوں نے ایمان کی حالت میں نیک کام کیے ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا' اور یہ اس وقت ہو گا جب ان کے گناہ اور برے کام معاف کر دیئے جائیں' اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافروں کا کوئی نیک عمل مقبول نہیں ہوتا اور نیک کاموں کے مقبول ہونے کے لیے ایمان شرط ہے' نیز اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا جس نے ایمان کے ساتھ تمام اعمال نیک کیے کیونکہ انبیاء علیہم السلام اور چند مخصوص بندگان خدا کے سوا اور کوئی شخص اس کی طاقت نہیں رکھتا کہ اس کا کیا ہوا ہر عمل نیک ہو اور اس سے کوئی برا کام نہ ہوا ہو' اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جس نے حالت ایمان میں تمام نیک عمل کیے ہوں بلکہ فرمایا جن لوگوں نے حالت ایمان میں نیک عمل کیے خواہ وہ مرد ہوں یا عورت تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ اس سے ہم عام لوگوں کے لیے یہ نوید اور بشارت ہے جن کے بعض عمل نیک ہیں اور ان سے گناہ اور خطائیں بھی ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ انہیں بھی اپنے کرم اور فضل سے جنت میں داخل کر دے گا' اور یہ آیت معتزلہ اور خوارج کے خلاف بہت قوی دلیل ہے کہ مومن مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا' اور توبہ کے بعد یا بلا توبہ اس کی مغفرت ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور اس سے اچھا دین کس کا ہو گا جس نے اپنا منہ اللہ کے لیے جھکا دیا در آں حالیکہ وہ نیکی کرنے والا ہے اور اس نے ملت ابراہیم کی پیروی کی جو باطل کو چھوڑ کر حق کی طرف مائل تھے۔ (النساء : ۱۲۵)

دین اسلام کے برحق اور واجب القبول ہونے پر دلائل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کے واجب القبول اور برحق ہونے پر دو دلیلیں قائم فرمائی ہیں اول یہ ہے کہ دین اسلام ایمان باللہ اور اعمال صالحہ پر مشتمل ہے اور جب انسان کسی کو معبود مان لیتا ہے تو اس کے آگے سر جھکا دیتا ہے' سو جس نے اپنے جسم کے اعضاء میں سے سب سے اشرف اور اعلیٰ عضو کو اللہ کے سامنے جھکا دیا وہ اللہ پر ایمان لانے والا ہے' اور اللہ پر ایمان اسی وقت صحیح ہو گا جب اس کے رسولوں' اس کی کتابوں' اس کے فرشتوں اور اس کی فرمائی ہوئی تمام باتوں کو مان لیا جائے اور اس کے ارشادات پر سر تسلیم خم کر لیا جائے' اور اللہ کے آگے سر جھکانا اسی وقت صحیح ہو گا جب غیر اللہ کے آگے سر نہ جھکایا جائے سو مشرک اور بت پرست جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور ان سے مدد چاہتے ہیں' اسی طرح یہودی اور عیسائی' حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی عبادت کرتے ہیں اور ان ہی کو اپنا حاجت روا مانتے ہیں۔ اللہ کے آگے سر جھکانے والے نہیں ہیں' لہٰذا اللہ کے آگے اپنا منہ جھکانے والوں کے مفہوم میں صرف مسلمان داخل ہیں اور یہ لفظ اختصار کے ساتھ اسلام کے تمام عقائد پر مشتمل ہے' پھر فرمایا در آں حالیکہ وہ نیکی کرنے والا ہے' یہ لفظ اپنے اختصار کے ساتھ تمام نیک اعمال کو بجالانے اور تمام برے کاموں سے اجتناب کو محیط ہے' تو یہ صرف دین اسلام ہی ہے جو تمام عقائد صحیحہ اور تمام اعمال صالحہ پر مشتمل ہے تو اس سے اچھا اور کون سا دین ہو گا سو اسی دین کو قبول کرنا واجب ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ سب کے نزدیک حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت معزز اور مکرم تھے اور ان کی شخصیت سب کے نزدیک مسلم اور واجب القبول تھی' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور ان کی شریعت کے احکام صرف دین اسلام میں ہیں' ختنہ کرنا' ڈاڑھی بڑھانا' مونچھیں کم کرنا' زیر ناف بال مونڈنا' ناک میں پانی ڈالنا' غرارہ کرنا' اور دیگر طہارت کے احکام یہ صرف دین اسلام میں ہیں' دس ذوالحجہ کو قربانی کرنا' حج میں احرام باندھنا' صفا اور مروہ میں سعی کرنا' منیٰ میں جمرات پر شیطان کو کنکریاں مارنا' کعبہ کا طواف کرنا یہ تمام امور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہیں اور صرف دین اسلام میں بہ طور عبادت کے داخل ہیں تو پھر اسلام سے اچھا اور کون سا دین ہو گا لہٰذا اسی دین کو قبول کرنا سب پر واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ نے ابراہیم کو خلیل (اپنا مخلص دوست) بنا لیا۔ (النساء : ۱۲۵)

خلیل کا معنی اور حضرت ابراہیم کے خلیل اللہ ہونے کی وجوہات

اس آیت کے پہلے جز میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی پیروی کا حکم دیا تھا' اور اس کے بعد اس کی وجہ بیان فرمائی ہے' کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے خلیل ہیں اس لیے ان کی ملت کی پیروی کا حکم دیا ہے۔

علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں :

خلیل کا لفظ خلل سے بنا ہے' خلل کا معنی ہے کسی چیز کو دو چیزوں میں درمیان رکھنا خِلہ (بالکسر) کے معنی ہیں تلوار کی میان یا غلاف کیونکہ تلوار اس کے درمیان ہوتی ہے۔ خَلہ (بالفتح) کا معنی اختلال اور پریشانی ہے اور اس کی تفسیر احتیاج کے ساتھ کی گئی ہے اور خُلہ (بالضم) کے معنی ہیں محبت کیونکہ محبت نفس میں سرایت کر جاتی ہے اور اس کے وسط میں ہوتی ہے' اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل فرمایا ہے کیونکہ وہ ہر حال میں صرف اللہ کے محتاج تھے یا اس لیے

خلیل فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے شدید محبت کرتے تھے یا اللہ تعالیٰ آپ سے بہت محبت کرتا تھا' حضرت ابراہیم کی اللہ تعالیٰ سے محبت کا معنی ہے اللہ کی رضا کے لیے ہر کام اور ہر بات کرنا اور ہر حال میں اس سے راضی رہنا' اور اللہ کی آپ سے محبت کا معنی ہے آپ پر اکرام اور احسان کرنا اور دنیا اور آخرت میں آپ کی ثناء جمیل کرنا۔

(المفردات ص ۱۵۶-۱۵۵' مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران)

انسان کا خلیل وہ ہوتا ہے جس کی محبت انسان کے قلب کے خلال (درمیان) میں سرایت کر جائے' اور یہ انتہائی درجہ کی محبت ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمینوں کی ملکوت (نشانیوں) پر مطلع فرمادیا' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں' چاند اور سورج کی الوہیت کو ساقط الاعتبار قرار دیا اور بتوں کی عبادت کرنے کو مسترد کر دیا اور بت پرستوں کے بڑے بت کے سوا تمام بت توڑ ڈالے اور فرمایا اس بڑے بت سے پوچھو کہ ان چھوٹے بتوں کو کس نے توڑا ہے؟ اور قوم سے فرمایا کہ افسوس تم ان کی عبادت کرتے ہو جو اپنی حفاظت نہیں کر سکتے اور کسی بات کا جواب نہیں دے سکتے' اور قوم نے اس کی پاداش میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا' اور انہوں نے اللہ کے لیے خود کو آگ میں ڈلوانا قبول کیا' اپنے بیٹے کو قربان کیا اور اپنے مال کو اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کیا' اس طرح' اللہ کے لیے انہوں نے اپنی جان' اپنے بیٹے اور اپنے مال کی قربانی دی' تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا خلیل بنالیا' اور ان کی اولاد میں ملک اور نبوت کو رکھا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے اخلاق اور اوصاف سے کامل درجہ کے متخلق اور متصف تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا خلیل بنالیا' تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بہت زیادہ اطاعت گزار اور بہت متواضع تھے' قرآن مجید میں ہے: اذ قال لہ ربہ اسلم قال اسلمت لرب العالمین (البقرہ: ۱۳۱) "جب ابراہیم سے ان کے رب نے کہا اسلام لاؤ' (اطاعت کرو) تو انہوں نے اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔" لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا خلیل بنالیا اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فطرت بہت پاکیزہ تھی وہ جسمانی علائق اور ان کے تقاضوں سے مبرا تھے' اور ان پر روحانیت کا غلبہ تھا ان کا ہر عمل اللہ کی رضا کے لیے تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کا نور جلال اور اس کا خاص فیضان ان کے تمام اعضاء اور قویٰ میں جذب ہو گیا تھا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز کے بعد یہ دعا کرتے تھے اے اللہ میرے دل میں نور کر دے میری آنکھوں میں نور کر دے' اور میرے کانوں میں نور کر دے' اور میرے دائیں نور کر دے' اور میرے بائیں نور کر دے اور میرے اوپر نور کر دے اور میرے نیچے نور کر دے اور میرے آگے نور کر دے اور میرے پیچھے نور کر دے اور مجھے سراپا نور کر دے۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث: ۶۳۱۶) اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تمام اعضاء اور قویٰ میں نور جذب ہو گیا تھا اور ان کی بشریت صیقل اور مجلّٰی اور مصفّٰی ہو گئی تھی' سو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا خلیل بنالیا۔

حضرت ابراہیم کا خلیل اللہ اور آپ کا حبیب اللہ ہونا

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں اور حبیب کا مرتبہ خلیل سے زیادہ ہے' امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب بیٹھے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے' آپ تشریف لائے' ان کے قریب پہنچے وہ بیٹھے ہوئے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کر رہے تھے' ان میں سے بعض

نے کہا کس قدر حیرت کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا' دوسرے نے کہا اس سے بھی زیادہ حیرت اس پر ہے کہ حضرت موسیٰ کو اللہ نے اپنا کلیم بنایا' ایک اور نے کہا عیسیٰ اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں' اور دوسرے نے کہا آدم کو اللہ نے صفی بنایا' نبی ﷺ ان کے پاس آئے ان کو سلام کیا اور فرمایا میں نے تمہارا کلام سنا اور تمہارے تعجب کرنے پر مطلع ہوا' بے شک ابراہیم اللہ کے خلیل ہیں اور وہ اسی طرح ہیں' اور موسیٰ اللہ کے نجی ہیں (جن سے اللہ نے سرگوشی میں بات کی) اور وہ اسی طرح ہیں اور عیسیٰ اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں' اور وہ اسی طرح ہیں اور آدم اللہ کے صفی ہیں اور وہ اسی طرح ہیں' سنو! میں اللہ کا حبیب ہوں اور فخر نہیں اور میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا اٹھانے والا ہوں گا اور فخر نہیں ہے' اور میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں اور میری شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی اور فخر نہیں اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا' اللہ میرے لیے جنت کو کھولے گا اور میرے ساتھ فقراء مومنین داخل ہوں گے اور فخر نہیں اور میں تمام اولین اور آخرین میں سب سے زیادہ عزت والا ہوں اور فخر نہیں۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۶۳۶)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو خلیل بنایا اور موسیٰ کو نجی بنایا اور مجھے حبیب بنایا پھر اللہ نے فرمایا مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم میں اپنے حبیب کو اپنے خلیل اور اپنے نجی پر فضیلت دوں گا۔ (شعب الایمان' رقم الحدیث : ۱۴۹۴)

حضرت ابراہیم اور سیدنا محمد علیہما السلام کے مقام خلت کا فرق

ان دونوں حدیثوں کی سند میں ایک راوی ضعیف ہے ترمذی کی سند میں زمعہ بن صالح جندی اور بیہقی کی سند میں مسلمہ بن علی کو بعض ائمہ نے ضعیف کہا ہے لیکن فضائل میں ان کی روایت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

محققین کی رائے یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو بھی خلیل ہونے کا مقام حاصل ہے۔ آپ کا مرتبہ اپنے جد کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقام سے بہت بلند ہے' حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی نشانیاں دکھائیں اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کو آسمان و زمین کے علاوہ خود اپنی ذات کا بے حجاب دیدار کرایا' حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کی صفات سے متصف تھے اور آپ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے مظہر تھے' قرآن مجید آپ کا خلق تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی مغفرت کی دعا کی : اور جس سے مجھے امید ہے کہ وہ قیامت کے دن میری (ظاہری) خطا معاف فرمائے گا (الشعراء : ۸۲) اور بغیر دعا اور طلب کے اللہ تعالیٰ نے آپ کی اگلی پچھلی بہ ظاہر خطاؤں کی مغفرت کا اعلان کر دیا۔ (الفتح : ۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی مجھے حشر کے دن شرمندہ نہ کرنا (الشعراء : ۸۷) اور ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے بغیر دعا اور طلب کے فرمایا : حشر کے دن اللہ نبی ﷺ اور آپ کے ساتھ ایمان لانے والوں کو شرمندہ ہونے نہیں دے گا۔ (التحریم : ۸) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی میرے بعد آنے والوں میں میرا ذکر جمیل جاری رکھنا (الشعراء : ۸۴) اور نبی ﷺ سے ازخود فرمایا اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر بلند کر دیا (الانشراح : ۴) یہ سب خلیل ہونے کے آثار ہیں اور نبی ﷺ اللہ کے حبیب ہیں اور حبیب ہونے کے آثار کا کون احاطہ کر سکتا ہے' آپ تمام انبیاء اور رسل کے قائد ہیں۔ رحمۃ للعالمین ہیں آپ کی رضا اللہ کی رضا ہے' آپ کا حکم' اللہ کا حکم ہے'

آپ کی اطاعت' اللہ کی اطاعت ہے۔ حشر کے دن آپ کی عزت دیکھنے والی ہو گی جب تمام نبیوں اور رسولوں کو آپ کی حاجت ہو گی' جب آپ مقام محمود پر فائز ہوں گے اور آپ اس وقت اللہ سے گنہ گاروں کی شفاعت کریں گے جب بہ شمول نبیوں اور رسولوں کے کسی کو اللہ سے بات کرنے کا حوصلہ نہیں ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور اللہ ہر چیز کو محیط ہے۔ (النساء : ۱۲۶)

اللہ کے مستحق عبادت ہونے کی دلیل

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اللہ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا ہے' اس آیت میں یہ واضح فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے اس لیے خلیل نہیں بنایا کہ اس کو کسی خلیل کی حاجت تھی جس طرح دنیا میں لوگ اپنی ضرورت کی وجہ سے کسی کو دوست بناتے ہیں' اور اللہ کو کیا ضرورت ہو گی کہ وہ کسی کو دوست بنائے جب کہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ کی ملکیت میں ہے' نیز اس پوری سورت میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ اس کی اطاعت اور اس کی بندگی کریں اور لوگ اس کی اطاعت کرتے ہیں جس کی قدرت کامل ہو اور کوئی شخص اس کی گرفت اور پکڑ سے باہر نہ ہو سکے اور اس کی اطاعت کرتے ہیں جس کا علم کامل ہو اور کسی شخص کا کوئی کام اس کے علم سے مخفی نہ ہو سکے' اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت کو بیان کرنے کے لیے فرمایا آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اس کی ملکیت میں ہے اور کمال علم کو بیان کرنے کے لیے فرمایا اللہ ہر چیز کو محیط ہے سو جب وہی علم اور قدرت میں کامل ہے تو اس کے سوا اور کوئی اطاعت اور عبادت کا مستحق نہیں ہے۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَآءِ ۖ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۙ وَمَا

اور (مسلمان) آپ سے عورتوں کے متعلق حکم معلوم کرتے ہیں، آپ کہیے کہ اللہ تمہیں عورتوں کے متعلق (وہی سابق) حکم

يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِي يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ

دیتا ہے اور (وہ احکام بھی) جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے متعلق پڑھے جا رہے ہیں جن کا وہ حق تم انھیں نہیں دیتے جو ان کے

مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ

لیے فرض کیا گیا ہے اور تم ان سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو اور کمزور بچوں کے متعلق

مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۖ وَمَا تَفْعَلُوا

(بھی تمہیں حکم دیتا ہے) اور یہ کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو، اور تم جو بھی نیک

مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾ وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ

کام کرتے ہو تو بے شک اللہ کو اس کا علم ہے ○ اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے زیادتی

مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا

یا بے رغبتی کا خدشہ ہو تو ان دونوں پر کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ آپس میں صلح کرلیں

بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ

اور صلح کرنا بہتر ہے، اور دلوں میں مال کی حرص رکھی گئی ہے،

وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾

اور اگر تم نیک کام کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، تو بیشک اللہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ○

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا

اور تم ہرگز اپنی بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل نہیں کر سکتے خواہ تم اس پر حریص بھی ہو سو (جس سے

تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا

تم کو رغبت نہ ہو) اس بیوی سے بالکل اعراض نہ کرو کہ اس کو اس طرح چھوڑ دو کہ وہ درمیان میں لٹکی ہوئی ہو اور اگر تم

وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا

اصلاح کرلو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے ○ اور اگر خاوند اور بیوی علیحدہ

يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

ہو جائیں تو اللہ اپنی وسعت سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا اور اللہ وسعت والا بڑی حکمت والا ہے ○

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا

اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور بیشک ہم نے ان لوگوں کو حکم

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ

دیا جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تم کو بھی کہ اللہ سے ڈرتے رہو،

وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ

اور اگر تم نہیں مانو گے تو اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے،

وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى

اور اللہ بے نیاز ہے حمد وثنا کیا ہوا ○ اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور

الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا

زمینوں میں ہے، اور اللہ کافی ہے حمایت کرنے والا ○ اے لوگو! اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر

النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾

دے اور دوسرے لوگوں کو لے آئے، اور اللہ اس پر قادر ہے ○

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا

جو شخص دنیا کا ثواب چاہے تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت کا ثواب ہے،

وَالْاٰخِرَةِ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع

اور اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے ○

۱۹ ع ۸ ۱۶

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور (مسلمان) آپ سے عورتوں کے متعلق حکم معلوم کرتے ہیں، آپ کہیے کہ اللہ تمہیں عورتوں کے متعلق (وہی سابق) حکم دیتا ہے۔ (النساء: ۱۲۷)

وراثت اور نکاح میں عورتوں کے حقوق کا بیان

قرآن کریم کی ترتیب میں اللہ تعالیٰ کا اسلوب یہ ہے کہ پہلے چند احکام بیان فرماتا ہے، پھر ان احکام کے عمل پر اجر و ثواب کی بشارت دیتا ہے اور ان احکام کی معصیت کرنے پر عذاب کی وعید سناتا ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے علم اور قدرت کی بڑائی بیان فرماتا ہے تاکہ واضح ہو کہ کسی کی معصیت اس کے علم سے باہر نہیں اور اس پر گرفت اس کی قدرت سے خارج نہیں، پھر اس کے بعد دوبارہ ان احکام کا بیان شروع فرما دیتا ہے اور اس اسلوب کا فائدہ یہ ہے کہ مسلسل ایک ہی قسم کی عبارت سے بعض اوقات قاری کا ذہن اکتا جاتا ہے اس لیے قاری کے ذہن کو اکتاہٹ، غفلت اور بے توجہی سے دور رکھنے اور اس کے ذہن کو بیدار، اس کے ذوق و شوق کو تازہ اور اس کی توجہ کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ کلام میں تنوع ہو اور ایک مضمون کو مختلف پیرایوں سے بیان کیا جائے، اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں اور یتیم بچوں کے حقوق کو بیان فرمایا تھا، پھر اس کے بعد اور مختلف نوعیت کے احکام بیان فرمائے وعد اور وعید، ترغیب اور ترہیب

اور اپنی عظمت اور کبریائی کے متعلق آیات نازل فرمائیں اس کے بعد اب پھر عورتوں کے حقوق کے متعلق احکام بیان فرما رہا ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس آیت کی تفسیر میں بیان فرماتی ہیں : کسی شخص کی سرپرستی میں یتیم لڑکی ہوتی تھی اور وہ اس کا وارث ہوتا تھا وہ لڑکی اس کو اپنے مال میں حتی کہ کھجور کے خوشوں میں شریک کرلیتی وہ شخص اس لڑکی سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتا اور اس کو ناپسند کرتا کہ اور کوئی شخص اس لڑکی سے نکاح کرے اور اس لڑکی کے اس مال میں شریک ہو جائے جس میں وہ (سرپرست) شریک ہو چکا ہے اس لیے وہ اس کو دوسری جگہ نکاح سے منع کرتا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۴۶۰۰' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۳۰۱۸' السنن الکبریٰ للنسائی' رقم الحدیث : ۱۱۲۴)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن جبیر اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں : زمانہ جاہلیت میں صرف بالغ مرد وارث ہوتا تھا' نابالغ بچہ وارث نہیں ہوتا تھا اور نہ عورت وارث ہوتی تھی' جب سورہ نساء کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں اور بچوں کے حقوق کے متعلق آیات نازل فرمائیں' تو یہ مسلمانوں پر شاق گزریں انہوں نے کہا جو یتیم بچہ مال کما سکتا ہے نہ مال کی حفاظت کر سکتا ہے' اور عورت بھی مال کما سکتی ہے نہ اس کی حفاظت کر سکتی ہے' یہ دونوں کیسے مال کے وارث بنائے جائیں گے! ان کو یہ امید تھی کہ شاید یہ حکم منسوخ ہو جائے گا اور ان کے متعلق کوئی اور حکم نازل ہو جائے گا' پھر جب انہوں نے دیکھا کہ اور کوئی نیا حکم نازل نہیں ہوا تو انہوں نے کہا لگتا ہے یہ حکم واجب ہے اور اس پر عمل کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں' پھر انہوں نے نبی ﷺ سے اس کے متعلق سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی : اور (مسلمان) آپ سے عورتوں کے متعلق حکم معلوم کرتے ہیں آپ کہئے کہ اللہ تمہیں عورتوں کے متعلق (وہی سابق) حکم دیتا ہے۔ الآیہ۔

سعید بن جبیر نے کہا اگر عورت خوب صورت اور مال دار ہوتی تو اس کا سرپرست اس میں رغبت کرتا اور اس سے نکاح کرلیتا اور جب وہ خوب صورت نہ ہوتی تو وہ اس سے نکاح نہ کرتا اور کسی اور سے بھی اس کا نکاح نہ کرتا بلکہ نکاح کرنے سے منع کرتا کہ کہیں کوئی اور شخص اس کے مال کا وارث نہ بن جائے۔ بعض روایات میں ہے وہ اس کو تاحیات نکاح نہیں کرنے دیتے تھے۔ (جامع البیان جز ۵ ص ۴۰۵۔ ۴۰۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

فتویٰ کا معنی اور اس کے تقاضے اور مسائل

اس آیت میں استفتاء اور افتاء کا لفظ استعمال ہوا ہے' استفتاء کا معنی ہے فتویٰ معلوم کرنا' اور افتاء کا معنی ہے فتویٰ دینا' فتویٰ کا لفظ فتی سے ماخوذ ہے' فتی کا معنی ہے جوان آدمی' اور جوان آدمی قوی ہوتا ہے اس لیے فتویٰ کا معنی ہے قوی حکم۔

اس آیت میں مذکور ہے کہ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ سے فتویٰ معلوم کیا اور فتویٰ اللہ تعالیٰ نے دیا۔ سوال رسول اللہ ﷺ سے کیا گیا اور اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیا' اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنا اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا ہے' رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاملہ اللہ کے ساتھ معاملہ ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے نائب مطلق ہیں' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فتویٰ دیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو مفتی کہنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے افعال کے اطلاق سے مشتقات کا اطلاق لازم نہیں آتا مثلاً علم کا اطلاق معلم کے اطلاق کو مستلزم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات سماع شرع

پر موقوف ہیں' جن اسماء صفات کا قرآن مجید اور احادیث میں اطلاق آگیا ہے ان ہی کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق کرنا جائز ہے- ازخود اللہ تعالیٰ پر کسی اسم صفت کا اطلاق کرنا جائز نہیں ہے- البتہ اسم ذات کا اطلاق کرنا جائز ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کو خدا کہہ سکتے ہیں-

فتویٰ میں جب کسی سوال کا جواب ذکر کیا جائے تو اگر اس کے جواب میں قرآن مجید کی آیت مل جائے تو پہلے اس کو ذکر کیا جائے- پھر حدیث شریف کو ذکر کیا جائے اور اس کے بعد آثار صحابہ اور اپنے امام کا قول ذکر کیا جائے' ہمارے زمانہ میں مفتی حضرات بعض اردو یا عربی کی فقہ کی کتابوں کی عبارات کو نقل کر دینا فتویٰ کے لیے کافی سمجھتے ہیں- یہ درحقیقت مفتی نہیں ہیں بلکہ ناقل مذہب ہیں' اگر یہ قرآن اور حدیث سے استدلال کرنے کے بعد امام کا قول ذکر کریں گے تو لوگوں کو یہ معلوم ہو گا کہ ہمارے امام کا قول محض رائے اور قیاس پر مبنی نہیں ہے بلکہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ پر مبنی ہے اور تب ہی یہ واضح ہو گا کہ یہ قوی جواب ہے اور صحیح معنی میں فتویٰ کا مصداق ہے-

پیش آمدہ مسائل میں اہل علم سے رجوع کر کے فتویٰ لینا اور اس مسئلہ کا حل معلوم کرنا قرآن مجید' احادیث صحیحہ اور صحابہ و تابعین کے تعامل سے ثابت ہے' قرآن مجید میں ہے:

فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ سو اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے سوال کرو-

(النحل: ۴۳)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے مذی بہت آتی تھی' میں نے (حضرت) مقداد سے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کریں (آیا اس میں وضوء کافی ہے یا غسل ضروری ہے) انہوں نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا اس میں وضو (کافی) ہے- (صحیح البخاری: ج ۱' رقم الحدیث: ۱۳۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام المومنین صفیہ بنت حیی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ کو حیض آگیا' انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا' آپ نے فرمایا کیا یہ ہم کو یہاں ٹھیرانے والی ہیں؟ صحابہ نے کہا وہ طواف زیارت کر چکی ہیں' آپ نے فرمایا پھر کوئی حرج نہیں- (صحیح البخاری: ج ۲' رقم الحدیث: ۱۷۵۷)

طواف زیارت حج میں فرض ہے اور مکہ مکرمہ سے رخصت ہوتے وقت طواف وداع کرنا واجب ہے' جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے روانہ ہونے لگے اور آپ کو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ان کو حیض آگیا ہے تو آپ نے خیال فرمایا شاید انہوں نے طواف زیارت نہیں کیا جو حج میں فرض ہے اس لیے آپ نے فرمایا کیا یہ ہم کو مکہ میں روکنے والی ہیں؟ پھر آپ کو بتایا گیا کہ انہوں نے طواف زیارت کر لیا ہے تو آپ نے فرمایا پھر روانہ ہونے میں کوئی حرج نہیں' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر طواف زیارت کرنے کے بعد کسی عورت کو حیض آ جائے تو اس پر طواف وداع کرنا واجب نہیں ہے اور وہ مکہ سے روانہ ہو سکتی ہے' حضرت ابن عباس اس حدیث کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور حضرت زید بن ثابت کو یہ حدیث نہیں پہنچی تھی وہ یہ کہتے تھے کہ اگر طواف زیارت کے بعد کسی عورت کو حیض آگیا تو وہ مکہ سے روانہ نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ وہ طواف وداع نہ کرے لیکن جب ان کو یہ حدیث پہنچ گئی تو انہوں نے رجوع کر لیا' اسی طرح حضرت ابن عمر نے بھی بعد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی طرف رجوع کر لیا-

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ ایک عورت طواف زیارت کرے پھر اس کو حیض آ جائے تو اس کا کیا شرعی حکم ہے؟ حضرت ابن عباس نے فرمایا وہ روانہ ہو جائے' اہل مدینہ نے کہا ہم آپ کے قول پر عمل نہیں کریں گے اور حضرت زید کے قول کو ترک نہیں کریں گے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا جب تم مدینہ پہنچ جاؤ تو اس حدیث کی تحقیق کر لینا' وہ مدینہ گئے اور اس مسئلہ کی تحقیق کی' انہوں نے حضرت ام سلیم سے سوال کیا' حضرت ام سلیم نے حضرت صفیہ کی حدیث کو بیان کیا۔ (صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۱۷۵۸)

امام ابو عبد الرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

طاؤس بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا' اس وقت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کیا آپ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ جس عورت کو حیض آ جائے وہ طواف وداع سے پہلے روانہ ہو سکتی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا : فلاں انصاریہ سے پوچھیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو روانہ ہونے کا حکم دیا تھا' حضرت زید بن ثابت نے اس عورت سے پوچھا اور اپنے قول سے رجوع کر لیا' اور ہنستے ہوئے فرمایا جس طرح آپ نے مسئلہ بیان کیا تھا حدیث اسی طرح ہے۔ (سنن کبریٰ للنسائی : ج ۲' رقم الحدیث : ۴۲۰۱)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

طاؤس بیان کرتے ہیں کہ پہلے میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ سنا تھا کہ وہ یہ فتویٰ دیتے تھے کہ طواف وداع کیے بغیر حائضہ عورت روانہ نہ ہو' پھر بعد میں میں نے یہ سنا کہ وہ فتویٰ دیتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو روانہ ہونے کی اجازت دی تھی۔ (صحیح البخاری : ج ۲' رقم الحدیث : ۱۷۶۱)

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ تابعین' صحابہ کرام سے فتویٰ لیتے تھے' اور ان کے اقوال پر عمل کرتے تھے' اور اس کا نام تقلید ہے اور جب کسی صحابی کا قول حدیث کے خلاف ہوتا تو وہ صحابی حدیث کی طرف رجوع کر لیتے تھے اور ان کی تقلید کرنے والے تابعین کو جب معلوم ہوتا کہ یہ قول حدیث کے خلاف ہے تو وہ حدیث کی تحقیق کرنے کے بعد حدیث پر عمل کرتے تھے' اور ہونا بھی یہی چاہئے کہ جب کسی مقلد کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے امام کا قول حدیث کے خلاف ہے تو وہ حدیث پر عمل کرے' بہ شرطیکہ وہ حدیث صحیح ہو اور کسی دلیل سے منسوخ نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (وہ احکام بھی) جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے متعلق پڑھے جا رہے ہیں جن کا وہ حق تم انہیں نہیں دیتے جو ان کے لیے فرض کیا گیا ہے اور تم ان سے نکاح کی رغبت رکھتے ہو۔ (النساء : ۱۲۷)

یتیم لڑکیوں کے حقوق کا بیان

اس آیت میں یتیم لڑکیوں کے جس حق کا ذکر کیا گیا ہے اس حق کے متعلق دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ان کی میراث ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ان کا مہر ہے' اور اس آیت کے مخاطبین کے متعلق بھی دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد عورتوں کے سرپرست ہیں وہ عورتوں کے مہر پر خود قبضہ کر لیتے تھے اور ان عورتوں کو ان کا مہر نہیں دیتے تھے' دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یتیم لڑکی کا ولی ہے جب وہ اس یتیم لڑکی سے نکاح کرتا تھا تو اس کے مہر میں انصاف نہیں کرتا تھا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تم ان سے نکاح کی رغبت رکھتے ہو' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ تم ان یتیم لڑکیوں کے حسن و جمال اور ان کے مال و دولت کی وجہ سے ان کے ساتھ نکاح کرنے میں رغبت رکھتے ہو' اور حسن نے اس کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ تم ان کی بدصورتی کی وجہ سے ان کے ساتھ نکاح میں رغبت نہیں رکھتے اور ان کے مال و دولت میں رغبت کی وجہ سے ان کو اپنے پاس روکے رکھتے ہو اور ان کو کہیں اور نکاح نہیں کرنے دیتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور کمزور بچوں کے متعلق (بھی تمہیں حکم دیتا ہے) اور یہ کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو اور تم جو بھی نیک کام کرتے ہو تو بے شک اللہ کو اس کا علم ہے۔ (النساء : ۱۲۷)

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ پہلے لوگ نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں کو وارث نہیں بناتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے منع فرمایا اور ہر حصہ دار کا حصہ مقرر فرمادیا' اور یتیموں کے متعلق انصاف کرنے کا حکم دیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کا مہر مقرر کرنے میں اور وراثت میں ان کا حصہ ادا کرنے میں انصاف سے کام لیا جائے۔

(زادالمسیر ج ۲ ص ۱۲۸)

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عورتوں کے حقوق کے متعلق نصیحت کی ہے اور فرمایا ہے کہ عورتوں' یتیم لڑکیوں اور کمزور بچوں کے وہی احکام ہیں جو پہلے اللہ تعالیٰ نے فرض کیے تھے اور یہاں مسلمانوں کے سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے پھر ان ہی احکام کی طرف متوجہ کیا ہے تاکہ مسلمان ان آیات میں غور و فکر کریں اور ان کے تقاضوں پر عمل کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے زیادتی یا بے رغبتی کا خدشہ ہو تو ان دونوں پر کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ آپس میں صلح کرلیں اور صلح کرنا بہتر ہے۔ (النساء : ۱۲۸)

عورت کا اپنے بعض حقوق کو ساقط کرکے مرد سے صلح کرلینا

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر عورت کو متعدد قرینوں سے معلوم ہو جائے کہ اس کا شوہر اس کی طرف رغبت نہیں کرتا' مثلاً وہ اس کے ساتھ محبت آمیز سلوک نہ کرے' اس کی ضروریات کا خیال نہ رکھے' اس سے بات چیت کم کرے یا بالکل نہ کرے نہ اس کے ساتھ عمل زوجیت کرے خواہ اس کی وجہ اس کی بدصورتی ہو یا وہ زیادہ عمر کی ہو یا اس کے مزاج میں شوہر کے ساتھ ہم آہنگی نہ ہو یا وہ مالی اعتبار سے شوہر کے معیار کی نہ ہو یا جہیز کم لائی ہو' اور اب عورت کو یہ خطرہ ہو کہ اگر یہی صورت حال رہی تو شوہر اس کو طلاق دے کر الگ کردے گا' اور عورت یہ چاہتی ہو کہ نکاح کا بندھن قائم رہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ عورت اپنے بعض حقوق کو ساقط کردے اور شوہر کو طلاق دینے سے منع کرے' مثلاً وہ اس کو دوسری شادی کی اجازت دے دے' اور اگر اس کی دوسری بیوی ہو جس سے شوہر کو دلچسپی ہو تو اپنی باری ساقط کر دے' یا اس کا خرچ جو شوہر کے ذمہ ہے اس کو ساقط کردے' اور اس طرح شوہر کے ساتھ صلح کرلے شوہر اپنی پسند کی بیوی کے ساتھ وقت گزارے گا اور وہ مطلقہ ہونے سے بچ جائے گی۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی روایت کرتے ہیں :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ نبی ﷺ ان کو طلاق دے دیں گے' تو انہوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے طلاق نہ دیں' مجھے نکاح میں برقرار رکھیں

اور میری باری حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کو دے دیں' آپ نے ایسا کرلیا' تو یہ آیت نازل ہوئی : تو ان دونوں پر کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ آپس میں صلح کرلیں اور صلح کرنا بہتر ہے۔ (النساء : ۱۲۸) حضرت ابن عباس نے فرمایا شوہر اور بیوی جس چیز پر صلح کرلیں وہ جائز ہے۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۰۵۱)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس آیت کی تفسیر میں فرماتی ہیں ایک شخص کے نکاح میں کوئی عورت ہوتی وہ اس عورت سے زیادہ فائدہ حاصل نہ کرتا' اور اس کو طلاق دینا چاہتا تو وہ عورت کہتی میں اپنے معاملہ میں تمہارے لیے فلاں چیز کی اجازت دیتی ہوں' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ امام نسائی نے اس میں یہ زیادہ روایت کیا ہے کہ وہ عورت کہتی تم مجھے طلاق نہ دو مجھے اپنے نکاح میں برقرار رکھو اور میں اپنا خرچ اور اپنی باری تم سے ساقط کرتی ہوں۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۶۰۱' سنن کبریٰ للنسائی' رقم الحدیث : ۱۱۲۵)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : دلوں میں مال کی حرص رکھی گئی ہے اور اگر تم نیک کام کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بے شک اللہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے۔ (النساء : ۱۲۸)

صلح کرنے کے لیے اپنے بعض حقوق کو چھوڑنا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی جبلت اور طبیعت کا بیان فرمایا ہے کہ وہ فطرتاً" بخل پر حرص کرتا ہے' عورتیں اپنے حقوق پر حریص ہیں وہ چاہتی ہیں کہ ان کو اپنی باریوں سے حصہ ملتا رہے اور ان کو رہائش' کھانے اور کپڑوں کا خرچ ملتا رہے اور شوہر ان کے ساتھ خوشگوار عائلی زندگی گزارے اور ان کا پورا مہر ادا کرے اور طلاق کی صورت میں عدت کا خرچ اٹھائے' اسی طرح مرد مال کو اپنے پاس رکھنے پر حریص ہوتے ہیں' وہ اپنی پسند کی بیوی کے پاس زیادہ وقت گزارنا چاہتے ہیں اور جو بیوی ناپسند ہو اس کو طلاق دے کر چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں اور مہر معاف کرالینا چاہتے ہیں' سو دونوں میں سے ہر فریق اپنا حق زیادہ سے زیادہ لینا چاہتا ہے اور دوسرے کا حق کم سے کم دینا چاہتا ہے لیکن صلح کرنے کے لیے ہر فریق کو اپنے کچھ حقوق چھوڑنے پڑتے ہیں اور دوسرے فریق کو کچھ حقوق دینے پڑتے ہیں ہرچند کہ دلوں میں حرص رکھی گئی ہے لیکن صلح کرنے کے لیے اپنے کچھ حقوق سے دستبردار ہونا ناگزیر ہے۔ جیسا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ سے الگ ہونا نہیں چاہتی تھیں اور ان کو معلوم تھا کہ آپ کو حضرت عائشہ سے بہت محبت ہے تو انہوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے ہبہ کردی اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ آپ ان کو طلاق نہ دیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور تم ہرگز اپنی بیویوں کے درمیان پورا عدل نہیں کرسکتے خواہ تم اس پر حریص بھی ہو۔

دلی محبت میں بیویوں کے درمیان عدل کرنا ممکن نہیں

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے لوگو تم دلی محبت میں اپنی بیویوں کے ساتھ انصاف نہیں کرسکو گے۔ خواہ تم دلی محبت میں ان کے درمیان مساوات کرنے کا ارادہ بھی کرو کیونکہ محبت میں سب بیویوں کے ساتھ برابری کرنا تمہاری قدرت اور اختیار میں نہیں ہے نہ تم اس کے مالک ہو۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ اپنی ازواج کی باریوں میں عدل کرتے تھے اور فرماتے تھے :

اے اللہ یہ میری وہ تقسیم ہے جس کا میں مالک ہوں تو مجھے اس چیز پر ملامت نہ کرنا جس میں مالک نہیں ہوں' امام ترمذی نے کہا اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ان کے درمیان محبت میں برابری رکھنے کا میں مالک نہیں ہوں۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۱۴۳' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۲۱۳۴' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۹۵۳' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۱۹۷۱)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں :

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے' یا اللہ! میرے دل میں جو محبت ہے میں اس کا مالک نہیں ہوں اور اس کے سوا باقی امور میں مجھے امید ہے کہ میں عدل کروں گا۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۴۲۴' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اگر تم چاہو بھی تو محبت اور جماع میں دو بیویوں میں عدل نہیں کر سکتے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۴۲۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : (جس سے تم کو رغبت نہ ہو) اس بیوی سے بالکل اعراض نہ کرو' کہ اس کو اس طرح چھوڑ دو کہ وہ درمیان میں لٹکی ہوئی ہو' اور اگر تم اصلاح کر لو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ (النساء : ۱۲۹)

بیویوں میں عدل نہ کرنے والوں کی سزا

ہشام نے کہا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ محبت اور عمل تزویج میں کسی ایک بیوی کی طرف بالکل راغب نہ ہو' حسن نے کہا عمل تزویج اور باریوں میں کسی ایک کی طرف بالکل نہ جھک جاؤ' مجاہد نے کہا دوسری بیوی کے ساتھ عمداً" برا سلوک اور ظلم نہ کرو' سدی نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ ایسا نہ کرو کہ دوسری بیویوں کو نہ باری دو اور نہ ان کو خرچ دو۔ اور یہ جو فرمایا ہے کہ وہ درمیان میں لٹکی ہوئی ہو' ربیع نے کہا اس کا معنی ہے نہ وہ مطلقہ ہو اور نہ شوہر والی ہو' مجاہد نے کہا نہ وہ بیوہ ہو نہ شوہر والی ہو۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۴۲۷-۴۲۶' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان کے درمیان عدل نہ کرے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہو گا۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۱۴۴' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۲۱۳۳' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۹۵۳' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث ۱۹۶۹' مسند احمد : ج ۳' رقم الحدیث : ۷۹۳۱' ۸۵۷۶' ۱۰۰۹۶' السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۲۹۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اگر خاوند اور بیوی علیحدہ ہو جائیں تو اللہ اپنی وسعت سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا' اور اللہ وسعت والا بڑی حکمت والا ہے۔ (النساء : ۱۳۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ جب خاوند اور بیوی کے مزاج ہم آہنگ نہ ہوں اور ان میں موافقت اور صلح مشکل ہو جائے تو پھر وہ الگ الگ ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ مرد کو عورت سے غنی کر دے گا' اس کو پہلی بیوی سے بہتر زوجہ عطا فرمائے گا اور عورت کو مرد سے غنی کر دے گا اس کو پہلے خاوند سے بہتر خاوند عطا فرمائے گا اور اللہ بہت فضل والا اور بڑے احسان والا ہے اور اس کے تمام تکوینی اور تشریعی کاموں میں بہت حکمتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے' اور بے شک ہم نے ان

لوگوں کو حکم دیا جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تم کو بھی کہ اللہ سے ڈرتے رہو' اور اگر تم نہیں مانو گے تو اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے' اور اللہ بے نیاز ہے اور حمد ثناء کیا ہوا اور اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور اللہ کافی ہے حمایت کرنے والا۔ (النساء : ۱۳۲-۱۳۱)

بندوں کی اطاعت اور ان کے شکر سے اللہ کے غنی ہونے کا بیان

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یتیموں اور کمزوروں کے ساتھ عدل اور احسان کرنے کا حکم دیا تھا' اور اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اس لیے نہیں فرمایا تھا کہ اس میں اللہ کا کوئی فائدہ ہے یا اللہ کو اس کی کوئی احتیاج ہے' کیونکہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ کی ملکیت میں ہے اور وہ ہر چیز سے غنی ہے اور ہر چیز پر قادر ہے لیکن وہ بندوں کو نیکی اور خیر پر برانگیختہ کرتا ہے۔

اس آیت میں اللہ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے اور ان میں حاکم ہے اور آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی مخلوق اور اس کی مملوک ہے' اور جس طرح ہم نے تم کو احکام دیئے ہیں اس سے پہلے یہود اور نصاریٰ کو بھی احکام دیئے تھے اور ہم نے ان کو بھی یہ حکم دیا تھا کہ اللہ سے ڈریں اور صرف تنہا اس کی عبادت کریں اور اس کی دی ہوئی شریعت پر عمل کریں۔ اسی طرح ہم نے تم کو بھی یہ حکم دیا ہے' اور اگر تم اللہ کی نعمتوں اور اس کے احسانات کا کفر (انکار) کرو تو تمہارے کفر اور معصیت سے اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا جس طرح تمہارے ایمان' اطاعت اور شکر سے اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا' کیونکہ وہ مالک الملک ہے اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے' اس نے یہ احکام اپنی رحمت سے صرف تمہارے فائدے کے لیے دیئے ہیں اس کا ان میں کوئی فائدہ نہیں ہے' اور یہ اس کی وصیت قدیمہ ہے صرف تم اس وصیت کے ساتھ مخصوص نہیں ہو اور ہم نے پچھلی امتوں سے بھی کہا تھا اور تم سے بھی کہتے ہیں کہ اگر تم اللہ کے ان احسانات کو نہ مانو اور اس کی اطاعت نہ کرو اور اس کا شکر نہ بجالاؤ تو تمام آسمان اور زمینیں اللہ کی ملک میں ہیں اور ان میں سارے فرشتے اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں اور اللہ اپنی ہر مخلوق اور اس کی عبادت سے غنی ہے وہ اپنی بے پایاں نعمتوں اور احسانات کی وجہ سے بذاتہ حمد و ثناء کا مستحق ہے کوئی اس کی حمد کرے یا نہ کرے۔

دوسری آیت میں پھر ذکر فرمایا اللہ ہی کی ملکیت میں ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمینوں میں ہے' یہ تاکید کے لیے ہے کہ زمین و آسمان میں وہ جس طرح چاہے تصرف فرماتا ہے' زندہ کرنا' مارنا' صحت دینا' بیمار کرنا' مالدار اور مفلس کرنا یہ سب اللہ ہی کے تصرف سے ہوتا ہے' وہی اپنی تمام مخلوق کا محافظ اور ان کا کفیل ہے اور یہ اس لیے بھی دوبارہ ذکر کیا کہ بندے اس سے ڈریں اور اس کی اطاعت کریں کیونکہ وہی تمام آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان میں ہے اس کا مالک ہے اور ان کا حاکم ہے' ان کا محافظ ہے اور ان میں متصرف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے لوگو! اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کردے اور دوسرے لوگوں کو لے آئے اور اللہ اس پر قادر ہے۔ (النساء : ۱۳۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صراحتہً عام تہدید فرمائی ہے کہ اے لوگو! اگر اللہ چاہے تو وہ تم کو فنا کردے گا اور تمہارے بدلہ میں ایک دوسری قوم پیدا کردے گا' کیونکہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اس کے قبضہ و قدرت میں ہے اور وہ جس چیز کو چاہے پیدا کرنے اور فنا کے گھاٹ اتارنے پر قادر ہے' اس آیت میں اللہ نے ان مشرکین پر غضب کا اظہار فرمایا ہے جو

نبی ﷺ کو ایذاء پہنچاتے تھے اور آپ کی دعوت کو مسترد کرتے تھے اور اس میں اپنی قدرت قاہرہ اور سلطنت غالبہ کا اظہار فرمایا ہے' اس آیت کی مثل یہ آیات ہیں :

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ (محمد : ۳۸)

اور اگر تم نے (حق سے) روگردانی کی' تو اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہیں ہوں گے۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ○ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ (ابراھیم : ۲۰-۱۹)

اور اگر (اللہ) چاہے تو تم سب کو فنا کردے اور نئی مخلوق پیدا کردے' اور یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو شخص دنیا کا ثواب چاہے تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت کا ثواب ہے اور اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ (النساء : ۱۳۴)

صرف دنیاوی اجر طلب کرنے کی مذمت اور دنیا اور آخرت میں اجر طلب کرنے کی مدح

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اپنے اعمال اور جہاد سے دنیاوی مال اور عزو جاہ کے حصول کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا اجر و ثواب ہے' مثلاً جو مجاہد اپنے جہاد سے مال غنیمت کے حصول کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کیا ہوا کہ وہ فقط خسیس اور گھٹیا چیز کا ارادہ کر رہا ہے' اس پر لازم ہے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں کی خیر اور اجر و ثواب کا ارادہ کرے' اسی طرح جو موذن' امام' خطیب' واعظ' مفتی' محدث اور فقیہ اپنی دینی' تبلیغی اور تدریسی خدمات سے صرف دنیاوی وظائف اور نذرانوں کا ارادہ کرتے ہیں وہ عارضی اور فانی اجر کے طالب ہیں ان کو چاہیے کہ وہ اپنی خدمات میں اجر اخروی کی نیت رکھیں اور دنیاوی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بہ قدر حاجت اور فراغت وظائف کو حاصل کریں' اور ہمارے دور میں جو امراء اور حکمرانوں کا طبقہ ہے اور اسکولوں اور کالجوں میں ماسٹروں اور پروفیسروں کا جو شعبہ ہے اور یہ لوگ جو عوام کو انتظامی اور تعلیمی خدمات مہیا کرتے ہیں ان کے ہاں تو ان خدمات کے مقابلہ میں اجر آخرت کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ پھر حیرت یہ ہے کہ یہ لوگ علماء پر طعن کرتے ہیں کہ یہ لوگوں کے چندوں سے اپنا پیٹ پالتے ہیں جب کہ امراء' حکام اور پروفیسروں کو جو تنخواہیں ملتی ہیں وہ عوام سے ٹیکس وصول کرکے دی جاتی ہیں اور ہمارے زمانہ میں (اکتوبر ۱۹۹۶ء) ایک متوسط امام مسجد کی تنخواہ دو ہزار سے تین ہزار تک ہوتی ہے' اور دینی مدرس کی تنخواہ دو ہزار سے چار ہزار تک ہوتی ہے اور اس مہنگائی کے دور میں جب کہ دودھ بیس روپے لیٹر' آٹا آٹھ روپے کلو' اور گوشت ۱۲۵ روپے کلو ہے اس آمدنی سے بہ مشکل ضروریات زندگی پوری ہوتی ہیں' اس کے مقابلہ میں ایک متوسط پروفیسر کی تنخواہ ۱۰ ہزار روپے ہوتی ہے' انتظامی افسروں' حکمرانوں' وزراء اور گورنروں کی تنخواہیں' انکے الاؤنسز اور دیگر مراعات کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں ہے' جب یہ لوگ غیر ملکی دوروں پر جاتے ہیں تو اپنے ساتھ چالیس' پچاس افراد کو لے جاتے ہیں اور ان کی شاہ خرچیاں لاکھوں سے متجاوز ہو کر کروڑوں تک پہنچتی ہیں اور ان کے یہ تمام اخراجات عوام سے وصول کیے ہوئے جبری ٹیکسوں سے پورے ہوتے ہیں' جب کہ علماء کی جو خدمات کی جاتی ہیں وہ ظلم اور جبر سے نہیں بلکہ خوشی اور اختیار کے ساتھ دیئے ہوئے چندوں اور نذرانوں سے ہوتی ہیں' پھر بھی ان لوگوں کی زبانیں علماء کو یہ طعنہ دینے سے نہیں تھکتیں کہ یہ چندوں سے پلنے والے لوگ ہیں' جب کہ علماء اپنی خدمات پر اجر اخروی کے طالب ہوتے ہیں اور دنیا سے صرف بہ قدر ضرورت لیتے ہیں اور یہ امراء' حکام' وزراء اور گورنر ملکی اور ملی خدمات کا جو معاوضہ لیتے ہیں اس میں ان کے ہاں آخرت کا کوئی تصور نہیں ہے ان کے پیش نظر صرف

دنیا اس کی زیب و زینت اور عیاشیاں ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اور آیات میں بھی اس طرز عمل کی مذمت کی ہے اور ان کی مدح فرمائی ہے جو دنیا اور آخرت دونوں کے طالب ہیں :

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرہ : ۲۰۰)

پھر لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں دے اور ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے' اور بعض وہ ہیں جو دعا کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں (بھی) اچھائی عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھائی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ (الشوریٰ : ۲۰)

جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرے ہم اس کی کھیتی زیادہ کریں گے' اور جو شخص دنیا کی کھیتی کا ارادہ کرے ہم اس کو اس میں سے دیں گے' اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝ (الاسراء : ۲۱-۱۸)

جو لوگ صرف دنیا کے خواہش مند ہیں ہم ان میں سے جس کو جتنا چاہیں اسی دنیا میں دے دیتے ہیں' پھر ہم نے اس کے لیے دوزخ بنادی ہے وہ اس میں ذلت سے اور دھتکارا ہوا داخل ہو گا ۝ اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرے اور اس کے لیے عمل کرے بہ شرطیکہ وہ مومن ہو تو اس کا عمل مقبول ہو گا ۝ ہم سب کی مدد فرماتے ہیں ان کی بھی اور ان کی بھی۔ اور آپ کے رب کی عطا (کسی سے) روکی ہوئی نہیں ہے ۝ دیکھیے ہم نے کس طرح ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور یقیناً آخرت کا درجہ بہت بڑا ہے اور اس کی بہت بڑی فضیلت ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ

اے ایمان والو! انصاف پر مضبوطی سے قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے

لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ

والے بن جاؤ' خواہ (یہ گواہی) تمہارے خلاف ہو یا تمہارے ماں باپ اور قرابت داروں کے' (فریق معاملہ)

يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى

خواہ امیر ہو یا غریب' اللہ ان کا (تم سے) زیادہ خیر خواہ ہے لہٰذا تم خواہش کی پیروی کر کے عدل

اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَ اِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا

سے روگردانی نہ کرو ، اگر تم نے گواہی میں ہیر پھیر کیا یا اعراض کیا تو اللہ تمہارے سب کاموں کی خبر

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ

رکھنے والا ہے ○ اے ایمان والو ! (دائمی) ایمان لاؤ اللہ پر اور اس

رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ

کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائی ، اور اس کتاب پر

الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ

جو پہلے نازل فرمائی ۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ اور اس کے فرشتوں ،

كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾

اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روزِ آخرت کے ساتھ کفر کرتا ہے تو بیشک وہ گمراہی میں مبتلا ہو کر بہت دور جا پڑا ○

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا

بیشک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر وہ کفر میں اور بڑھ

كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ؕ ﴿۱۳۷﴾ بَشِّرِ

گئے اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ کبھی انھیں راہ راست پر چلائے گا ○ منافقین کو

الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ

خوش خبری دیجئے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے ○ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو

الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ

دوست بناتے ہیں کیا وہ کافروں کے پاس غلبہ تلاش کرتے

الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ ﴿۱۳۹﴾ وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي

ہیں بیشک تمام غلبہ اللہ کے پاس ہے ○ اور بیشک اللہ نے تم پر کتاب میں یہ حکم

الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا

نازل کیا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے

فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ

تو تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو حتیٰ کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں (ورنہ) بلاشبہ تم بھی ان

اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ

کی مثل قرار دیے جاؤ گے، بیشک اللہ تمام منافقوں اور سب کافروں کو دوزخ میں جمع کرنے

جَمِيْعَا ﴿١٤٠﴾ۙ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ

والا ہے ○ یہ منافق تمہارا جائزہ لے رہے ہیں، اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح نصیب ہو

اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ

تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے، اور اگر کافروں کو (کامیابی سے) حصہ ملے تو

قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ

کہتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہیں آگئے تھے اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے نہیں بچایا تھا؛ تو (اے منافقو)

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ

اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا، اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کے خلاف (غلبہ کی) ہرگز ہرگز

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿١٤١﴾ۧ

کوئی سبیل نہیں بنائے گا ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! انصاف پر مضبوطی سے قائم رہنے والے اور اللہ کے لیے گواہی دینے والے بن جاؤ خواہ (یہ گواہی) تمہارے خلاف ہو یا تمہارے ماں باپ اور قرابت داروں کے (النساء : ۱۳۵)

ربط آیات

اس سے پہلی آیتوں میں عورتوں، یتیم لڑکیوں اور کمزور بچوں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا تھا' اور عورتوں کو یہ ہدایت دی تھی کہ اگر انہیں اپنے شوہروں سے بے رغبتی اور علیحدگی کا خطرہ ہو تو وہ اپنے بعض حقوق ترک کر کے صلح کر لیں' اور

شوہروں کو حکم دیا تھا کہ وہ بیویوں کے ساتھ عدل اور انصاف کریں' غرض یہ کہ اس پورے رکوع میں عائلی اور خانگی معاملات میں عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں عمومی طور پر عدل اور انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ گزشتہ آیات میں حقوق العباد کو ادا کرنے کا حکم دیا تھا اور اس آیت میں اللہ کے لیے گواہی دینے کا حکم فرما کر حقوق اللہ کو ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس سے متصل پہلی آیت میں محض دنیا کو طلب کرنے کی مذمت کی تھی اور دنیا اور آخرت دونوں کو طلب کرنے کی ترغیب دی تھی۔ اس آیت میں بھی اسی نہج پر فرمایا ہے کہ تم اللہ کے لیے انصاف پر قائم رہو اور اللہ کے لیے گواہی دو' خلاصہ یہ ہے کہ تمہارا ہر عمل اللہ کے لیے ہو حتیٰ کہ ہر حرکت اور ہر سکون' ہر قول اور ہر فعل اللہ کے لیے ہو' اور یہی انسانیت کی معراج ہے' ورنہ محض پیٹ بھرنے کے لیے ہر جائز و ناجائز طریقہ سے کھالینا اور جس سے چاہے قضاء شہوت کرلینا ہی مقصود ہو تو پھر انسان میں اور جانوروں اور درندوں میں کیا فرق رہے گا!

اپنے خلاف گواہی دینے کا معنی

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام مکلفین کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ عدل اور انصاف کو قائم کرنے میں اور جور و ظلم سے احتراز کرنے میں بہت مضبوطی اور بہت مستعدی سے قائم رہیں' خواہ یہ شہادت خود ان کے اپنے خلاف ہو یا ان کے آباء کے خلاف ہو یا ان کے قرابت داروں کے' اپنے خلاف شہادت دینے کی دو تفسیریں ہیں' ایک یہ ہے کہ وہ اپنے خلاف کسی کے حق کا اقرار کرلیں' اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ حق کو ثابت کرنے کے لیے اگر انہیں کسی طاقت ور ظالم یا کسی مقتدر شخصیت کے خلاف بھی گواہی دینی پڑے تو اس سے دریغ نہ کریں خواہ اس کے نتیجے میں انہیں اپنے' اپنے والدین یا اپنے اقرباء پر مظالم اور اذیتیں برداشت کرنی پڑیں اور کئی متوقع فوائد کو ہاتھ سے کھو کر نقصان اٹھانا پڑے' واضح رہے کہ والدین کے خلاف شہادت دینا ان کے ساتھ نیکی کرنے کے منافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ان کے ساتھ نیکی ہے۔ اس کی تفصیل ہم انشاء اللہ پھر کریں گے۔

عدل کو گواہی پر مقدم کرنے کی وجوہ

اس آیت میں عدل و انصاف کے قائم کرنے کو ادائے شہادت پر مقدم فرمایا ہے' کیونکہ شہادت کے ذریعہ دوسرے شخص سے فیصلہ کرایا جاتا ہے' اور عدل و انصاف اسے خود کرنے کا حکم دیا ہے' اور جب تک انسان خود عدل و انصاف نہیں کرے گا تو دوسرے شخص کو عدل و انصاف کے لیے اس کا کہنا کب موثر ہوگا' دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلے انسان اپنے نفس کے ساتھ عدل و انصاف کرے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ تمام برائیاں اور برے کام چھوڑدے اور نیکیوں کو اختیار کرے اور جب تک کوئی انسان خود نیک نہیں ہوجاتا' اس کی کسی کے حق میں شہادت قبول نہیں ہوسکتی کیونکہ فرائض کے تارک اور مرتکب کبیرہ کی شہادت شرعاً" مقبول نہیں ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے عدل اور انصاف قائم کرنے کا حکم دیا پھر شہادت دینے کا حکم دیا' تیسری وجہ یہ ہے کہ عدل و انصاف کرکے انسان اپنے نفس سے ضرر کو دور کرتا ہے اور شہادت کے ذریعہ دوسروں سے ضرر کو دور کرتا ہے اور اپنے نفس سے ضرر کو دور کرنا دوسروں سے ضرر کو دور کرنے پر مقدم ہے اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ عدل کرنا فعل ہے اور شہادت دینا قول ہے اور فعل قول سے قوی ہے' اور اللہ تعالیٰ نے اقوی کو مقدم فرمایا ہے۔

کسی فریق کی رعایت کی وجہ سے گواہی نہ دینے کی ممانعت

پھر فرمایا (فریق معاملہ) خواہ امیر ہو یا غریب' اس کا معنی یہ ہے کہ کسی امیر کی امارت کی وجہ سے رعایت کر کے اس کے خلاف شہادت دینے کو ترک نہ کرو' اور نہ کسی غریب کی غربت کی وجہ سے اس کے خلاف شہادت کو ترک کرو بلکہ ان کے معاملہ کو اللہ پر چھوڑ دو' تمہاری بہ نسبت اللہ ان کا زیادہ خیر خواہ ہے اور اس کو علم ہے کہ ان کی اچھائی اور بھلائی کس چیز میں ہے۔

اس کے بعد فرمایا لہٰذا تم خواہش کی پیروی کر کے حق سے روگردانی نہ کرو' انسان عصبیت کی وجہ سے یا عداوت کی وجہ سے خواہش کی پیروی کرتا ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ: ۸)

کسی قوم کی عداوت تمہیں عدل نہ کرنے پر برانگیختہ نہ کرے' تم عدل کرتے رہو وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

پھر فرمایا اگر تم نے (گواہی میں) ہیر پھیر کیا یا اعراض کیا تو اللہ تمہارے سب کاموں کی خبر رکھنے والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ولا تلوا" اس کا مادہ "لی" ہے اس کا معنی ہے کلام میں تحریف کرنا اور عمداً جھوٹ بولنا اور اعراض کا معنی ہے شہادت کو چھپانا اور اس کو ترک کرنا' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ (البقرہ: ۲۸۳)

اور شہادت کو نہ چھپاؤ اور جو شہادت کو چھپائے اس کا دل گنہ گار ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت زید بن خالد جہنی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کیا میں تم کو بہترین گواہوں کی خبر نہ دوں! بہترین گواہ وہ ہے جو گواہی کو طلب کرنے سے پہلے گواہی کو پیش کر دے۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث: ۱۷۱۹)

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ ایک انسان کا کسی شخص پر کوئی حق نکلتا ہو اور اس کو اپنے حق کا علم نہ ہو اور کسی دوسرے شخص کو اس کے اس حق کا علم ہو تو وہ آ کر اس کے پاس اس کے حق کی شہادت دے' اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ یہاں مجازاً" سرعت مراد ہے یعنی جو شخص سوال کرنے کے فوراً بعد بغیر کسی توقف کے شہادت دے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! (دائمی) ایمان لاؤ اللہ پر اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائی اور اس کتاب پر جو پہلے نازل فرمائی۔ (النساء: ۱۳۶)

ایمان والوں کو ایمان لانے کے حکم کی توجیہ

اس آیت میں اے ایمان والو! فرمایا گیا تو مسلمانوں سے خطاب ہے اس تقدیر پر اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے ایمان والو' اپنے ایمان پر ثابت قدم اور برقرار ہو' جیسے مسلمان ہر نماز میں دعا کرتا ہے اهدنا الصراط المستقیم "اے اللہ ہمیں سیدھے راستہ پر ثابت قدم اور برقرار رکھ' اور یا اس آیت میں مومنین اہل کتاب سے خطاب ہے کہ تم (سیدنا) محمد ﷺ پر اور قرآن مجید پر ایمان لاؤ۔ جیسے پہلے انبیاء علیہم السلام اور ان کی کتابوں پر ایمان لائے ہو' اور جس شخص نے اللہ کے رسولوں اور اس کی کتابوں میں فرق کیا اور بعض پر ایمان لایا اور بعض کے ساتھ کفر کیا اس کے ایمان کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ اللہ کی نازل کی ہوئی کسی ایک کتاب یا کسی ایک رسول کا انکار کرنا سب آسمانی کتابوں اور سب رسولوں کا انکار کرنا

ہے۔

اس آیت کی زیادہ ظاہر یہی تفسیر ہے کہ اس میں مسلمانوں سے خطاب ہے' اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مومنین اہل کتاب مراد ہیں جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا' دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں منافقین سے خطاب ہے یعنی زبان سے ظاہری ایمان لانے والو! اخلاص کے ساتھ دل سے ایمان لے آؤ اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس میں مشرکین سے خطاب ہے یعنی اے وہ لوگ جو لات اور عزیٰ پر ایمان لائے ہو' اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کی کتاب کی تصدیق کرو' اور چوتھا قول یہ ہے کہ اس میں انبیاء سابقین سے خطاب ہے لیکن یہ تمام اقوال خلاف ظاہر ہیں اور صحیح یہی ہے کہ اس میں مسلمانوں سے خطاب ہے اور یہی قرآن مجید کا اسلوب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جو لوگ ایمان لائے پھر کافر ہوئے' پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے' پھر وہ کفر میں اور بڑھ گئے' اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ کبھی انہیں راہ راست پر چلائے گا۔ (النساء : ۱۳۷)

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ وہ اللہ پر رسول پر اور آسمانی کتابوں پر ایمان برقرار رکھیں اور اس میں ثابت قدم رہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ ان دو قسموں کا ذکر فرما رہا ہے جو ایمان سے خارج ہیں' ان میں پہلی قسم وہ ہے جو نفاق سے بہ ظاہر ایمان لائے تھے' پھر کفر کی طرف لوٹ گئے اور گمراہی میں مر گئے' انہوں نے توبہ کا موقع ضائع کر دیا اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نہیں فرمائے گا' اور دوسری قسم ان منافقوں کی ہے جو ظاہری اسلام پر برقرار رہے اور درپردہ کافروں کے ہم نوا رہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : منافقین کو خوشخبری دیجئے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (النساء : ۱۳۸)

خوش خبری کسی اچھی خبر کی دی جاتی ہے ان کو جو عذاب کی خبر دی گئی ہے اس کو خوش خبری اس طرح فرمایا ہے جیسے عرب کہتے ہیں تحیتک الضرب تمہاری تعظیم مار ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا وہ کافروں کے پاس غلبہ تلاش کرتے ہیں' بے شک تمام غلبہ اللہ کے پاس ہے۔ (النساء : ۱۳۹)

اس آیت میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں ان سے مراد منافقین ہیں اور کافروں سے مراد یہود ہیں' منافقین یہود سے دوستی رکھتے تھے اور بعض' بعض سے کہتے تھے کہ (سیدنا) محمد (ﷺ) کا مشن کامیاب نہیں ہو گا' اور یہود یہ کہتے تھے کہ بالآخر غلبہ اور اقتدار ان ہی کو حاصل ہو گا' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کا رد کر کے فرمایا : بے شک تمام غلبہ اللہ ہی کے پاس ہے' اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ تمام غلبہ اللہ ہی کے پاس ہے اور ایک اور آیت میں فرمایا ہے :

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ — غلبہ تو صرف اللہ' اس کے رسول اور ایمان والوں کے لیے ہے۔ (المنافقون : ۸)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے علاوہ اس کے رسول اور مسلمانوں کے لیے بھی غلبہ ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ اصل غلبہ صرف اللہ کے لیے ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ اپنی عنایت سے غلبہ عطا فرمادے اس کے لیے بھی غلبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک اللہ نے کتاب میں تم پر یہ حکم نازل کیا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جا

رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جارہا ہے تو تم ان کے ساتھ نہ بیٹھو حتیٰ کہ وہ (کسی) دوسری بات میں مشغول ہو جائیں (ورنہ) بلاشبہ تم بھی ان کی مثل قرار دیئے جاؤ گے۔ (النساء : ۱۴۰)

کفر اور معصیت پر راضی ہونا بھی کفر اور معصیت ہے

امام ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں :

منافقین' علماء یہود کی مجلس میں بیٹھتے تھے اور وہ قرآن مجید کا مذاق اڑاتے تھے اور اس کی تکذیب کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کی مجلس میں بیٹھنے سے منع فرمادیا۔ (الوسیط : ج ۲ ص ۱۲۹' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے منافقو! تم بھی کفر میں ان علماء یہود کی مثل ہو' اہل علم نے کہا ہے کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص کفر سے راضی ہو وہ بھی کافر ہے اور جو شخص کسی برے کام سے راضی ہو اور برا کام کرنے والوں کے ساتھ مل جل کر رہے تو خواہ اس نے وہ برا کام نہ کیا ہو پھر بھی وہ ان کے ساتھ گناہ میں برابر کا شریک ہے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "(ورنہ) تم بھی ان کی مثل قرار دیئے جاؤ گے۔" یہ اس وقت ہے جب ان کی مجلس میں بیٹھنے والا وہاں بیٹھنے پر راضی ہو' لیکن اگر وہ وہاں بیٹھنے سے بیزار ہو اور ان کی کفریہ باتوں پر غضبناک اور متنفر ہو لیکن کسی مجبوری اور خوف کی وجہ سے وہاں بیٹھا ہو تو پھر وہ ان کی مثل نہیں ہو گا' اسی وجہ سے ہم یہ فرق کرتے ہیں کہ منافق مدینہ میں یہود کے پاس بیٹھتے تھے اور وہ رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید کے خلاف باتیں کرتے تھے اور مذاق اڑاتے تھے اور منافق خوش ہوتے تھے اس لیے وہ بھی ان کافروں کی مثل قرار پائے' اور مکہ میں جب مسلمان مشرکوں سے رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید کے خلاف باتیں سنتے تھے تو ان کے دل ان باتوں سے بیزار اور متنفر ہوتے تھے اور مسلمان مشرکوں کے غلبہ اور ظلم کی وجہ سے مجبور تھے اس لیے ان مسلمانوں کا یہ حکم نہیں ہے۔

ہمارے علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ ایک شخص کسی کے پاس مسلمان ہونے کے لیے جائے اور وہ اس سے یہ کہے کہ تم کل آنا' یا شام کو آنا تو وہ شخص کافر ہو جائے گا کیونکہ وہ شخص اتنی دیر کے لیے اس کے کفر پر راضی ہو گیا۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار کے پاس بیٹھنا ان سے ملنا جلنا اور باتیں کرنا مطلقاً" منع نہیں ہے' ان کے پاس بیٹھنا اس وقت ممنوع ہے جب وہ اسلام کے خلاف باتیں کر رہے ہوں' ہاں کفار کے ساتھ محبت کا تعلق رکھنا ممنوع ہے اور معاشی' عمرانی' ملکی اور بین الاقوامی معاملات میں ضرورۃ" ان سے ملنا جلنا اور باتیں کرنا جائز ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ منافق تمہارا جائزہ لے رہے ہیں' اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح نصیب ہو تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے' اور اگر کافروں کو (کامیابی سے) حصہ ملے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم غالب نہیں آگئے تھے؟ اور کیا ہم نے تم کو مسلمانوں سے نہیں بچایا تھا؟ (النساء : ۱۴۱)

منافقوں کا مسلمانوں اور کافروں کو فریب دینا

ابوسلیمان نے کہا ہے کہ یہ آیت بالخصوص منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے' مقاتل نے کہا منافقین مسلمانوں کے حالات کو دیکھتے رہتے تھے' اگر مسلمانوں کو فتح ہوتی تو وہ کہتے کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟ سو تم ہم کو غنیمت میں سے حصہ دو' اور اگر کافروں کو غلبہ ہو جاتا تو کہتے کیا ہم تمہاری رائے پر غالب نہیں آگئے تھے یا ہم تمہاری دوستی میں غالب نہیں تھے یا کیا ہم نے تمہاری مدد نہیں کی تھی' یا کیا ہم نے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم دین میں تمہارے ساتھ ہیں' اور کہتے کیا ہم نے تم

کو مسلمانوں سے نہیں بچایا تھا یعنی کیا ہم نے تم کو ان کے رسوا کرنے سے نہیں بچایا تھا' یا کیا ہم نے تم کو ان کے منصوبوں سے آگاہ نہیں کیا تھا یا کیا ہم نے تم کو اسلام میں داخل ہونے سے نہیں روکا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ اس کلام سے کافروں پر احسان جتانا چاہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو (اے منافقو!) اللہ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ کردے گا اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کے خلاف (غلبہ کی) ہرگز ہرگز کوئی سبیل نہیں بنائے گا۔ (النساء : ۱۴۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ وہ منافقوں کی سزا کو موخر کردے گا اور اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے خلاف تلوار اٹھانے کا حکم نہیں دیا۔

مسلمانوں سے وعدہ غلبہ کے باوجود غلبہ کفار کی توجیہ

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا مجھے یہ بتایئے کہ اللہ نے فرمایا ہے اور اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کے خلاف ہرگز ہرگز کوئی سبیل نہیں بنائے گا○ حالانکہ وہ ہم سے قتال کرتے ہیں اور (بعض اوقات) ہم پر غالب آجاتے ہیں' حضرت علی نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن کافروں کی مسلمانوں کے خلاف کوئی سبیل نہیں ہوگی۔ امام حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۳۰۹)

حضرت ابن عباس نے فرمایا انجام کار مسلمان کافروں پر غالب ہوں گے۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۱۴۱)

دلیل اور حجت کے اعتبار سے کبھی بھی کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ نہیں ہوگا۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۳۳)

اس آیت کی بہترین توجیہ یہ ہے کہ کافر دنیا کی جنگوں میں بھی ہرگز ہرگز مسلمانوں پر غلبہ نہیں پاسکیں گے بہ شرطیکہ مسلمان اللہ کے احکام کی نافرمانی نہ کریں اور کسی برائی میں مبتلا نہ ہوں اور گناہوں پر اصرار نہ کریں اور توبہ کو نہ چھوڑیں' اور جب وہ برے کاموں میں ملوث ہوجائیں اور اللہ کی اطاعت کو چھوڑ دیں اور لڑائی میں کافر ان پر غالب آجائیں تو یہ صرف ان کی شامت اعمال کا نتیجہ ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (الشوریٰ : ۳۰)
اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے تو وہ تمہاری ہی شامت اعمال کا نتیجہ ہے اور تمہاری بہت سی خطاؤں کو وہ معاف کر دیتا ہے۔

کافروں کا مسلمانوں پر غلبہ نہ ہونے سے فقہاء احناف اور شوافع کا استنباط مسائل

امام فخر الدین محمد بن عمر رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں :

امام شافعی نے اس آیت سے کئی مسائل مستنبط کیے ہیں۔ (۱) کافر جب مسلمان پر غلبہ پالے اور اس کے مال کو دار الحرب میں محفوظ کرلے تب بھی وہ اس مال کا مالک نہیں ہوگا' اور اس کی دلیل یہ آیت ہے کہ اللہ کافروں کے لیے مسلمانوں کے خلاف ہرگز ہرگز کوئی سبیل نہیں بنائے گا (۲) کافر کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ مسلمان غلام کو خریدے۔ (۳) مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا' ان تینوں مسئلوں پر یہ آیت دلیل ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۳۳' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

فقہاء احناف کے نزدیک کافر' غلبہ سے مسلمان کے مال کا مالک ہوجاتا ہے۔

علامہ نظام الدین الشاشی حنفی اشارۃ النص کے بیان میں لکھتے ہیں :

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ (الحشر: ۵۹) (یہ مال) فقراء مہاجرین کے لیے (بھی) ہیں جو اپنے گھروں اور اموال سے نکال دیئے گئے ہیں۔

اس آیت کا سیاق مال غنیمت کے استحقاق کے بیان میں ہے اور یہ اس مسئلہ میں نص (تصریح) ہے اور آیت کے الفاظ سے اشارۃً یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ وہ مہاجرین جو اپنے گھروں اور اموال سے نکال دیئے گئے تھے وہ اب فقیر ہو چکے ہیں (حالانکہ وہ پہلے صاحب جائیداد تھے) اور اس سے اشارۃً یہ معلوم ہوا کہ کافر کو جب مسلمان کے مال پر غلبہ ہو جائے (اور وہ مال مسلمان کے ہاتھ سے نکل جائے) تو کافر اس کے مالک ہو جاتے ہیں، کیونکہ اگر وہ مال بدستور مسلمان کی ملکیت میں رہتا تو اس پر قرآن مجید میں فقر کا اطلاق نہ ہوتا۔ (اصول الشاشی ص ۲۹، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

فقہاء احناف کے نزدیک کافر، مسلمان غلام کو خرید تو سکتا ہے لیکن وہ اس سے خدمت نہیں لے سکتا۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کافر کا مسلمان غلام کو خریدنا فاسد ہے کیونکہ اگر اس کا یہ خریدنا صحیح ہو تو کافر کا مسلمان پر مالکانہ تفوق ہو گا اور یہ اس آیت کے خلاف ہے، اور ہم یہ کہتے ہیں کہ اس کا خریدنا صحیح ہے لیکن کافر کو اس سے منع کیا جائے گا کہ وہ مسلمان سے خدمت لے وہ اس سے صرف اشیاء کی خرید و فروخت کا کام لے سکتا ہے اور اس میں اس کا تفوق ظاہر نہیں ہو گا۔ (روح المعانی ج ۵ ص ۱۷۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اسی طرح فقہاء احناف کے نزدیک ذمی کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کر دیا جائے:

علامہ ابوالحسن احمد بن محمد قدوری متوفی ۴۲۸ھ لکھتے ہیں:

آزاد کو آزاد کے بدلہ میں اور آزاد کو غلام کے بدلہ میں اور مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں قتل کر دیا جائے گا۔

(مختصر القدوری ص ۲۰۱، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی)

امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں قتل کر دیا اور فرمایا میں سب سے زیادہ عہد پورا کرنے والا ہوں۔ (سنن دار قطنی ج ۳ ص ۱۳۵، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۳۰)

حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

علماء نے اس آیت سے چند مسائل مستنبط کیے ہیں۔ (۱) کافر مسلمان کا وارث نہیں (۲) کافر مسلمان کے مال پر استیلاء پا کر مالک نہیں ہو سکتا (۳) کافر مسلمان کے خریدنے کا مجاز نہیں (۴) ذمی کے عوض مسلمان کو قتل نہ کیا جائے گا۔ (جمل)

کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا اس میں سب کا اتفاق ہے اور موخر الذکر تینوں مسائل فقہاء شافعیہ کے نزدیک ہیں جیسا کہ خود حضرت نے جمل کا حوالہ دے کر اشارہ فرمایا ہے کیونکہ جمل، علامہ سلیمان بن عمر شافعی متوفی ۱۲۰۴ھ کی تالیف ہے۔

اس آیت سے فقہاء احناف نے جو دیگر مسائل مستنبط کیے ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کافر کی مسلمان پر کوئی سبیل نہیں رکھی اس لیے اگر کسی عورت کا خاوند مرتد ہو جائے اور عدت تک دوبارہ اسلام قبول نہ کرے تو وہ عورت اس کے نکاح سے نکل جائے گی' اور جب تک وہ ارتداد پر رہے گا اور اسلام کی طرف رجوع نہیں کرے گا وہ اس سے الگ رہے گی۔ (روح المعانی ج ۵ ص ۱۷۵)

(۲) کافر مسلمان کے نکاح کا ولی نہیں ہو سکتا اور نہ مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے۔

(۳) کافر کی مسلمان کے خلاف شہادت جائز نہیں ہے۔

(۴) کافر کو مسلمان کا قاضی بنانا جائز نہیں ہے۔

(۵) کافر کو مسلمان کے لشکر کا امیر بنانا جائز نہیں ہے۔ (التفسیرات الاحمدیہ ص ۳۲۳-۳۲۲)

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا

بیشک منافق (اپنے زعم میں) اللہ کو دھوکا دے رہے ہیں درآں حالیکہ اللہ ان کو دھوکے کی سزا دینے والا ہے اور جب

قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا

وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھانے کے لیے اور اللہ کا

يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ ق

ذکر بہت ہی کم کرتے ہیں ○ وہ اس (کفر اور ایمان) کے درمیان متزلزل ہیں ،

لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ

نہ اُن (کافروں) کی طرف ہیں نہ ان (مسلمانوں) کی طرف ہیں ، اور جس کو اللہ گمراہ کر دے تو آپ اس کے

تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ

لیے کوئی راہ نہ پائیں گے ○ اے ایمان والو ! مومنوں کے سوا کافروں کو

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا

دوست نہ بناؤ کیا تم اپنے خلاف اللہ کے لیے ایک

لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ

واضح حجت قائم کرنا چاہتے ہو ○ بیشک منافق دوزخ کے سب سے نچلے

الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ

طبقہ میں ہوں گے اور (اے مخاطب) تو ان کے لیے ہرگز کوئی مددگار نہیں پائے گا ○ مگر ان (منافقوں)

تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ

میں سے جن لوگوں نے توبہ کی اور وہ نیک ہو گئے اور انہوں نے اللہ کا دامن پکڑ لیا اور اپنے دین کو خالص اللہ کے لیے کر لیا

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ

سو وہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے اور عنقریب اللہ مومنوں کو اجر عظیم عطا

اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ

فرمائے گا ○ اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر ادا کرو اور

اٰمَنْتُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

(خالص) ایمان لے آؤ اور اللہ شکر کی جزا دینے والا بہت جاننے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بے شک منافق (اپنے زعم میں) اللہ کو دھوکا دے رہے ہیں در آں حالیکہ اللہ ان کو دھوکے کی سزا دینے والا ہے۔ (النساء: ۱۴۲)

منافقوں کے دھوکے کا معنی' ان کے دھوکے کی سزا' اور شان نزول

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی علامتیں اور ان کے خواص بیان فرمائے تھے' اس آیت میں ان کا تتمہ بیان فرمایا ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابن جریج بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی' ابو عامر بن النعمان اور دیگر منافقین کے متعلق نازل ہوئی ہے جیسے سورہ بقرہ میں ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ یخادعون اللہ والذین اٰمنوا وما یخدعون الا انفسھم (البقرہ: ۹)

حسن نے بیان کیا ہے کہ مومن اور منافق دونوں پر ایک نور ڈالا جائے گا جس میں چلتے ہوئے وہ پل صراط تک پہنچیں گے' پل صراط پر پہنچنے کے بعد منافقین کا نور بجھا دیا جائے گا اور مومن اپنے نور کی وجہ سے پل صراط پر چلتے رہیں گے اس وقت منافقین مومنوں سے کہیں گے:

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا

جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مسلمانوں سے یہ کہیں گے' ہمیں دیکھو ہم تمہارے نور سے کچھ روشنی حاصل کر لیں' ان

وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۗ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۗ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۗ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ۔

(الحدید : ۱۴-۱۳)

سے کہا جائے گا اپنے پیچھے واپس جاؤ پھر وہاں کوئی نور تلاش کرو' پس ان کے درمیان ایک دیوار حائل کر دی جائے گی' جس کی اندرونی جانب کے دروازہ میں رحمت ہو گی اور بیرونی جانب کے دروازہ میں عذاب ہو گا ○ منافق مسلمانوں کو پکار کر کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے وہ کہیں گے کیوں نہیں! لیکن تم نے خود کو (نفاق کے) فتنہ میں ڈال دیا' اور تم (مسلمانوں کی مصیبتوں کے) منتظر رہے' اور تم (اسلام کے متعلق) شک کرتے رہے اور تمہاری جھوٹی آرزوؤں نے تم کو دھوکے میں ڈالے رکھا' حتیٰ کہ اللہ کا حکم آ گیا' اور (شیطان کے) دھوکے نے تم کو اللہ کے متعلق دھوکے میں رکھا ○

حسن نے کہا اللہ تعالیٰ جو ان کو دھوکے کی سزا دے گا' اس کا بھی یہی معنی ہے' ابن جریج نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۴۴۹)

خداع کے معنی ہیں کسی شخص کو کسی شے کی حقیقت کے خلاف وہم میں ڈالنا' اللہ کو ان کے دھوکا دینے کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے اپنے باطن میں جو کفر چھپایا ہوا تھا اس کے خلاف زبان سے اسلام کو ظاہر کرتے تھے' تاکہ اس نفاق کے ذریعہ وہ دنیا میں اپنی جان اور مال کو محفوظ کر لیں' اور جو فوائد مسلمانوں کو حاصل ہوتے ہیں مثلاً صدقات اور مال غنیمت اس میں بھی حصہ دار بن جائیں۔

اکثر منافقین اللہ کو مانتے تھے' اب یہ سوال ہو گا کہ وہ اپنے زعم میں اللہ کو کس طرح دھوکا دیتے تھے' کیونکہ ان کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کے منکر تھے اور وہ اپنے زعم میں رسول اللہ ﷺ کو دھوکا دیتے تھے اور اللہ نے یہ فرما کر کہ وہ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں یہ ظاہر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کو دھوکا دینا' اللہ کو دھوکا دینا ہے' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی معاملہ کرنا بعینہٖ اللہ کے ساتھ معاملہ کرنا ہے' اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کے دھوکے کی یہ سزا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اپنے نبی ﷺ کو ان کے نفاق پر مطلع فرما دیا اور آپ نے مسلمانوں کو اس کی خبر دے دی ان کا راز فاش ہو گیا اور وہ دنیا میں رسوا ہو گئے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کو الگ سزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھانے کے لیے اور اللہ کا ذکر بہت ہی کم کرتے ہیں۔ (النساء : ۱۴۲)

اس آیت میں منافقوں کی تین علامتیں ذکر فرمائی ہیں سستی سے نماز پڑھنا' لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھنا اور اللہ کا ذکر بہت کم کرنا' سستی اور کم ذکر کرنے پر حسب ذیل احادیث میں دلیل ہے :

گراں باری اور سستی سے نماز پڑھنے کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

علاء بن عبد الرحمان بیان کرتے ہیں کہ وہ بصرہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے گھر گئے جب وہ ظہر کی نماز پڑھ کر

فارغ ہو گئے تھے' ان کا گھر مسجد کے ساتھ تھا' جب ہم ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے پوچھا کیا تم نے عصر کی نماز پڑھ لی ہے ہم نے کہا ابھی ظہر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے ہیں' انہوں نے کہا عصر کی نماز پڑھو' ہم نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی' جب ہم فارغ ہوئے تو حضرت انس نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اتنی تاخیر کرنا منافق کی نماز ہے' وہ بیٹھ کر سورج کو دیکھتا رہتا ہے حتیٰ کہ جس وقت سورج دو سینگھوں کے درمیان ہوتا ہے' تو کھڑے ہو کر چار ٹھونگیں مارتا ہے اور اس میں اللہ کا ذکر بہت کم کرتا ہے۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۶۲۲' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۱۳' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۶۰' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۵۱۰)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا عشاء اور فجر کی نماز منافقوں پر سب سے بھاری ہے' اور فرمایا کاش ان کو معلوم ہوتا کہ عشاء اور فجر کی نماز میں کتنا اجر ہے!

(صحیح البخاری : کتاب مواقیت الصلوۃ' باب : ۲۱' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۶۵۱)

ریاکاری سے عبادت کرنے کے متعلق احادیث

امام ابوعیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا بے شک ریا شرک ہے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۱۵۳۰)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت محمود بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اپنی امت پر جس چیز کا سب سے زیادہ خوف ہے وہ شرک اصغر ہے' صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ! شرک اصغر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ریا' قیامت کے دن جب اللہ عزوجل لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دے گا تو فرمائے گا : جاؤ! انہی لوگوں کے پاس جن کے لیے تم ریاکاری کرتے تھے' دیکھو ان سے تمہیں کوئی جزا ملتی ہے! (مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۸' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اپنی امت پر شرک اور شہوت خفیہ کا خوف ہے' میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ کی امت آپ کے بعد شرک کرے گی' آپ نے فرمایا ہاں' لیکن وہ سورج چاند' پتھروں اور بتوں کی عبادت نہیں کرے گی' لیکن وہ اپنے اعمال میں ریا کرے گی' اور شہوت خفیہ یہ ہے کہ ایک شخص روزہ رکھے' پھر کسی نفسانی خواہش کی بناء پر وہ روزہ ترک کردے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۴' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

حضرت بشیر بن عقربہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے محض لوگوں کے دکھانے اور سنانے کے لیے خطبہ دیا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ریا اور سمعہ (دکھانے اور سنانے) کے مقام پر کھڑا کرے گا۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۵۰۰' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ)

اللہ کا ذکر کم کرنے کا معنی

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ منافق صرف دکھانے کے لیے نماز پڑھتے ہیں اور صرف سنانے کے لیے نیک کام کرتے ہیں۔ ان کے پاس جب دوسرے لوگ ہوتے ہیں تو وہ نماز پڑھتے ہیں اور جب کوئی نہیں ہوتا تو وہ نماز نہیں پڑھتے اور یہ جو فرمایا ہے کہ وہ اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ نماز میں جو تکبیرات بلند آواز سے پڑھی جاتی ہیں ان کو

پڑھتے ہیں اور نماز میں اللہ کا جو ذکر پست آواز سے کیا جاتا ہے اس میں وہ خاموش رہتے ہیں۔ مثلاً قرات اور تسبیحات وغیرہ کو نہیں پڑھتے یا معنی یہ ہے کہ نماز کے علاوہ وہ اور کسی وقت میں اللہ کا ذکر نہیں کرتے' آج کل ہم اکثر لوگوں کا یہی حال دیکھتے ہیں وہ اکثر اوقات گپ شپ' دوسروں کی غیبت' کہانیوں' لطیفوں اور کاروباری باتوں میں گزار دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تکبیر و تقدیس' تسبیح و تہلیل' توبہ استغفار اور رسول اللہ ﷺ پر درود شریف پڑھنے کا ذکر ان کی زبانوں پر نہیں آتا' یا بہت کم آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وہ اس (کفر اور ایمان) کے درمیان متزلزل ہیں' نہ ان (کافروں) کی طرف ہیں نہ ان (مسلمانوں) کی طرف ہیں' اور جس کو اللہ گمراہ کردے تو آپ اس کے لیے کوئی راہ نہ پائیں گے۔ (النساء : ۱۴۳)

منافق کا مذبذب ہونا

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافق کو مذبذب فرمایا ہے' مذبذب اس شخص کو کہتے ہیں جو دو چیزوں یا دو کاموں کے درمیان متردد ہو' تذبذب کا اصل معنی تحیر اور اضطراب ہے' کیونکہ منافق اپنے دین میں متحیر ہوتا ہے' اور وہ کسی صحیح اعتقاد کی طرف رجوع نہیں کرتا' منافقین نہ مشرکین کی طرح صراحتہً شرک کرتے تھے اور نہ مومنوں کی طرح مخلص تھے' وہ اس کے درمیان مذبذب تھے اس کا معنی ہے وہ اسلام اور کفر کے درمیان مذبذب ہیں۔

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو بکریوں کے دو ریوڑوں کے درمیان حیران ہو کبھی اس ریوڑ کی طرف جاتی ہو اور کبھی اس ریوڑ کی طرف۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۷۸۴' سنن نسائی' رقم الحدیث : ۵۰۵۲' مسند احمد ج ۲' رقم الحدیث : ۵۰۷۹' ۵۷۹۴)

ہدایت کے دو معنی اور ان کے محمل

"جس کو اللہ گمراہ کردے' اس کا معنی یہ ہے کہ جس کے کفر اور خباثت کی وجہ سے اللہ اس سے ہدایت کی استعداد اور صلاحیت کو سلب کرلے آپ اس کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے' یہاں آپ سے ہدایت کے جس معنی کی نفی کی ہے اس کا معنی ہے کسی شخص کو ہدایت یافتہ اور مومن بنانا اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے' اور ہدایت کا دوسرا معنی ہے سیدھا راستہ دکھانا' سو اس معنی میں نبی ﷺ ان کو بھی ہدایت دیتے تھے اور دیگر کافروں' منافقوں کو بھی بلکہ تمام مخلوق کو ہدایت دیتے تھے اور اس معنی میں ہدایت دینا آپ کا منصب ہے' اور قرآن مجید میں جہاں بھی آپ سے ہدایت کی نفی کی گئی ہے وہاں ہدایت کا معنی ہدایت یافتہ اور مومن بنانا ہے یعنی سیدھے راستہ پر چلانا اور جہاں آپ کی طرف ہدایت کی نسبت کی گئی ہے وہاں ہدایت سے مراد ہے سیدھا راستہ دکھانا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے ایمان والو! مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم اپنے خلاف اللہ کے لیے واضح حجت قائم کرنا چاہتے ہو۔ (النساء : ۱۴۴)

کافروں کے نابالغ بچوں پر عذاب نہیں ہوگا

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک تفسیر یہ ہے کہ "اے ایمان والو!" اس سے مراد مخلصین مومنین ہیں' اور کافروں سے مراد یہودی یا منافق ہیں اور معنی یہ ہے کہ اے اخلاص کے ساتھ ایمان لانے والو! یہودیوں یا منافقوں کو دوست نہ بناؤ'

جیسا کہ منافق کافروں کو دوست بناتے ہیں ورنہ تم بھی منافقوں کی مثل ہو جاؤ گے' اور اس کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ "اے ایمان والو!" سے مراد منافق ہیں اور معنی یہ ہے کہ اے بہ ظاہر ایمان لانے والو! کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ' بلکہ مخلص مومنین کو اپنا دوست بناؤ' تاکہ تمہیں بھی اخلاص نصیب ہو لیکن پہلی تفسیر راجح ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم اپنے خلاف واضح حجت قائم کرنا چاہتے ہو؟ یعنی تم ایسی حجت اور دلیل قائم کرنا چاہتے ہو جس کی بناء پر تم عذاب کے مستحق ہو جاؤ' اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کسی شخص کو بغیر دلیل کے عذاب نہیں دے گا' حالانکہ اگر وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق کو عذاب دے تو یہ اس کا عین عدل ہو گا کیونکہ وہ سب مخلوق کا مالک ہے اور مالک اپنے ملک میں جو چاہے کر سکتا ہے' لیکن اس نے اپنی حکمت سے اور اپنے فضل سے یہ وعدہ کر لیا کہ وہ اپنے مخلص اور صالح بندوں کو عذاب نہیں دے گا اور خلف وعد محال ہے اس لیے مخلصین اور صالحین کو عذاب ہونا بھی محال ہے' نیز اس آیت سے جب یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ وہ بغیر دلیل کے عذاب نہیں دیتا تو اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مشرکوں اور کافروں کے نابالغ بچوں کو عذاب نہیں ہو گا کیونکہ نابالغ بچوں کے حق میں بعثت متحقق نہیں ہوئی اور نہ ہی نابالغ بچے مکلف ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک منافق دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور (اے مخاطب) تو ان کے لیے کوئی مددگار نہیں پائے گا۔ (النساء : ۱۴۵)

درک کا معنی اور دوزخ کے طبقات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا منافق آگ کے سب سے نچلے درک میں ہوں گے' ابو عبیدہ نے کہا ہے کہ درک کا معنی منزل ہے اور جہنم میں کئی منازل ہیں اور منافق سب سے نچلی منزل میں ہوا ، گے' ابن الانباری نے کہا ہے کہ درک سیڑھی کے ڈنڈے کو کہتے ہیں' ضحاک نے کہا جب منازل میں یہ لحاظ کیا جائے کہ بعض' بعض سے اوپر ہیں تو ان کو درج (درجہ) کہتے ہیں اور جب یہ لحاظ کیا جائے کہ بعض بعض سے نیچے ہیں تو ان کو درک کہتے ہیں۔ ابن فارس نے کہا جنت میں درجات ہیں اور دوزخ میں درکات ہیں' حضرت ابن مسعود نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا منافق لوہے کے ایک ایسے تابوت میں ہوں گے جس کا کوئی دروازہ نہیں ہو گا۔ (جامع البیان جز ۵ ص ۴۵۴)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

دوزخ کے سات طبقات ہیں' پہلا طبقہ جہنم ہے دوسرا لظی ہے' تیسرا الحطمہ ہے چوتھا السعیر ہے' پانچواں سقر ہے چھٹا جحیم ہے اور ساتواں ھاویہ ہے' اور کبھی ان تمام طبقات پر جہنم کا اطلاق بھی کر دیا جاتا ہے' ان طبقات کو درکات اس لیے کہتے ہیں کہ یہ تہ در تہ ہیں' اور منافقوں کا آخری طبقہ میں ہونا ان کے شدت عذاب پر دلالت کرتا ہے۔

(روح المعانی ج ۵ ص ۱۷۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نفاق کی علامتوں پر اشکال کے جوابات

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے جب وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف کرتا ہے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو اس میں خیانت کرتا ہے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۲۶۸۲، ۳۳، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۵۹، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۳۶، مسند احمد : ج ۳، رقم الحدیث : ۹۱۶۹، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۶ ص ۲۸۸)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : جس شخص میں چار خصلتیں ہوں وہ خالص منافق ہو گا، اور جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک خصلت ہو تو اس میں نفاق کی خصلت ہو گی حتیٰ کہ وہ اس خصلت کو چھوڑ دے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب عہد کرے تو اس کے خلاف کرے اور جب جھگڑا کرے تو بدکلامی کرے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۲۴۵۹، ۳۴، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۵۸، سنن ترمذی، رقم الحدیث : ۲۶۴۱، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۴۶۸۸، سنن نسائی، رقم الحدیث : ۵۰۳، مسند احمد : ج ۲ رقم الحدیث : ۶۷۸۲، سنن کبریٰ : ج ۹ ص ۲۳۰)

بہ ظاہر اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس مسلمان میں یہ چاروں خصلتیں پائی جائیں وہ خالص منافق ہو گا اور جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک خصلت پائی جائے اس میں نفاق کی خصلت ہو گی، محدثین کرام نے اس حدیث کے متعدد جوابات ذکر کیے ہیں بعض ازاں یہ ہیں :

(۱) یہ علامتیں نبی ﷺ کے عہد مبارک کے ساتھ مخصوص تھیں کیونکہ نبی ﷺ تو وحی کے نور سے لوگوں کے دلوں کے حال پر مطلع تھے، اور آپ جانتے تھے کہ کون منافق ہے اور کون منافق نہیں ہے اور چونکہ یہ غیب نبی ﷺ کے ساتھ مخصوص تھا اس لیے آپ نے اپنے اصحاب کو یہ نشانیاں بتائیں تاکہ وہ ان علامتوں سے منافقوں کو پہچان لیں اور ان سے احتراز کریں اور آپ نے معین کر کے نہیں بتایا کہ فلاں فلاں منافق ہے تاکہ فتنہ پیدا نہ ہو اور یہ لوگ مرتد ہو کر مشرکین کے ساتھ نہ مل جائیں۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا محمل یہ ہے کہ جو شخص حلال اور جائز سمجھ کر یہ چار کام کرے وہ منافق کے حکم میں ہو گا۔

(۳) جو شخص ان اوصاف کے ساتھ متصف ہو وہ منافقین کے مشابہ ہو گا، اور نبی ﷺ نے اس پر "تغلیظا" اور "تہدیدا" منافق کا اطلاق فرمایا ہے اور یہ اس شخص کے متعلق فرمایا ہے جو عادۃً" یہ چار کام کرتا ہو اور اس کے متعلق نہیں فرمایا جس سے نادرا" یہ کام سرزد ہوں۔

(۴) عرف میں منافق اس شخص کو کہتے ہیں جس کا ظاہر باطن کے خلاف ہو سو ایسا شخص عرفا" منافق ہے شرعا" منافق نہیں ہے لہٰذا ایسے شخص کو کافر نہیں قرار دیا جائے گا نہ وہ اس آیت کی وعید کا مصداق ہو گا۔

(۵) دینی معاملات میں ایسے شخص کا حکم منافق کا ہو گا اور اس کی خبر معتبر نہیں ہو گی۔

ایک حدیث میں تین کاموں کو منافق کی علامت فرمایا ہے اور دوسری میں چار کاموں کو منافق کی علامت قرار دیا ہے، یہ اختلاف مقتضیٰ حال اور مقام کے اعتبار سے ہے۔ کبھی آپ کے سامنے ایسے منافق تھے جن میں چار خصلتیں تھیں اور کبھی ایسے تھے جن میں تین خصلتیں تھی اس وجہ سے کبھی آپ نے تین علامتیں بیان فرمائیں اور کبھی چار۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور (اے مخاطب) تو ان کے لیے کوئی مددگار نہیں پائے گا، اس آیت میں منافقین کی نصرت کی نفی کی تخصیص کی ہے اور یہ تخصیص اس وقت صحیح ہو گی جب مخلص مسلمانوں کی نصرت اور ان کی شفاعت

کی جا سکے' اور تب ہی منافقین کی مدد کا نہ کیا جانا ان کے لیے باعث حسرت اور افسوس ہو گا اور اگر مخلص مسلمانوں کی بھی مدد نہ کی جائے تو منافقین کو کیوں ندامت اور حسرت ہو گی!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مگر ان (منافقوں) میں سے جن لوگوں نے توبہ کی اور وہ نیک ہو گئے اور انہوں نے اللہ کا دامن پکڑ لیا اور اپنے دین کو خالص اللہ کے لیے کر لیا سو وہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے اور عنقریب اللہ مومنوں کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ (النساء: ۱۴۶)

نفاق کے عذاب سے نجات کی چار شرطیں

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں منافقین سے عذاب کو دور کرنے کے لیے چار شرائط بیان فرمائی ہیں' پہلی شرط یہ ہے کہ وہ توبہ کریں اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ نیک عمل کریں کیونکہ نفاق سے توبہ کے بعد کیے ہوئے نیک اعمال لائق اعتبار ہوتے ہیں اور تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اللہ کا دامن پکڑ لیں' کیونکہ توبہ اور نیک اعمال سے غرض یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور اخروی فلاح اور سعادت حاصل ہو اور اللہ تعالیٰ کے دین کو اپنے اوپر لازم کر لینے سے ہی یہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے' اور چوتھی شرط ہے اخلاص' یعنی ان کا ہر کام کو کرنا اور چھوڑنا محض اللہ کی خاطر ہو' یعنی نیک کاموں کو کرنا اور برائیوں کو چھوڑنا دونوں اللہ کی وجہ سے ہوں' اور ان کے کسی کام سے غیر اللہ کی نیت اس کی خوشنودی اور اس کی داد و تحسین کا دخل نہ ہو۔ اور جب یہ چار شرائط حاصل ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی یہ جزاء بیان کی ہے کہ وہ آخرت میں مخلص مومنوں کے ساتھ ہوں گے' اور اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر ادا کرو اور (خالص) ایمان لے آؤ' اور اللہ شکر کی جزاء دینے والا' بہت جاننے والا ہے۔ (النساء: ۱۴۷)

اس آیت میں بھی منافقین سے خطاب ہے' ایک ضعیف قول یہ ہے کہ مومنین سے خطاب ہے' اور اس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ منافقین کو عذاب دینے یا نہ دینے کا مدار صرف ان کے کفر پر ہے اور کسی اور چیز پر نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا' کیا اس سے اس کا غیظ و غضب ٹھنڈا ہو گا' یا اس کو اسے کوئی نفع حاصل ہو گا یا اس سے کوئی ضرر دور ہو گا؟ جیسے بادشاہوں کو عموماً" کسی مجرم کو سزا دینے سے تسکین ہوتی ہے' ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ غنی مطلق ہے' اور ان تمام چیزوں سے بلند اور منزہ ہے' منافقوں کو عذاب دینے کی وجہ صرف ان کا نفاق ہے جب وہ نفاق سے توبہ کر لیں اور ایمان لا کر اللہ کا شکر ادا کریں تو پھر اللہ تعالیٰ ان کو عذاب کیوں دے گا!

شکر کو ایمان پر مقدم کرنے کے اسرار

اس آیت میں فرمایا ہے۔ "اگر تم شکر ادا کرو اور ایمان لے آؤ" اور شکر کو ایمان پر مقدم فرمایا ہے' بہ ظاہر ایمان کو شکر پر مقدم ہونا چاہیے تھا کیونکہ ایمان تمام اعمال پر مقدم ہے' امام رازی نے اس کے دو جواب دیئے ہیں ایک جواب یہ ہے کہ اصل عبارت میں تقدیم اور تاخیر ہے یعنی اصل عبارت یہ ہے کہ اگر تم ایمان لے آؤ اور شکر ادا کرو' اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ واو ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۳۶) لیکن بلیغ کے کلام میں جب کوئی عبارت ظاہری ترتیب کے خلاف ہو تو وہ کسی رمز اور نکتہ پر مبنی ہوتی ہے' اس لیے اس پر غور کرنا چاہیے کہ یہاں کس حکمت یا کس رمز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے شکر کو ایمان پر مقدم کیا ہے۔

شکر کا ایک معنی ہے کسی نعمت کی بنا پر منعم کی تعظیم کرنا' اور یہ تین امور پر موقوف ہے پہلے اس شخص کو نعمت کی معرفت ہو اور جب نعمت کی معرفت حاصل ہو جائے تو اس کا ذہن کسی نہ کسی منعم کو تلاش کرے تاکہ وہ اس کی تعظیم کرے اور اس تلاش کے بعد جب وہ منعم حقیقی تک پہنچ جائے تو بے اختیار تعظیم کرتا ہوا اس کے آگے جھک جائے اور یہی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے' اور اس طرح شکر ادا کرنا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا موجب ہوتا ہے اور اسی نکتہ کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے شکر کو ایمان پر مقدم فرمایا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ شکر میں منعم کی تعظیم دل سے بھی ہوتی ہے' زبان سے بھی اور باقی ظاہری اعضاء سے بھی تعظیم ہوتی ہے۔ منافق کلمہ پڑھ کر زبان سے منعم کی تعظیم کرتے تھے' اور نماز پڑھ کر باقی اعضاء سے بھی تعظیم کرتے تھے لیکن دل سے اللہ کی تعظیم نہیں کرتے تھے کیونکہ ان کے باطن میں کفر تھا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس پر متنبہ کیا کہ وہ صحیح اور کامل شکر ادا نہیں کرتے اگر وہ صحیح اور کامل شکر ادا کریں اور اخلاص سے ایمان لے آئیں تو اللہ انہیں عذاب دے کر کیا کرے گا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ شکر کا دوسرا معنی اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس مقصد کی تکمیل کے لیے خرچ کرنا جس مقصد کے لیے وہ نعمتیں دی گئی ہیں' جس زمانہ میں سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث کیا گیا تھا' اس زمانہ میں سب سے بڑی نعمت نبی ﷺ کی ذات مقدسہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تورات اور انجیل میں بھی آپ کا ذکر فرمایا ہے یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل (الاعراف : ۱۵۷) "وہ آپ کا ذکر تورات اور انجیل میں بھی لکھا ہوا پاتے ہیں۔" اور اس نعمت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ آپ پر دل و جان سے ایمان لاتے اور تن من' دھن کی بازی لگا کر آپ کی اطاعت اور اتباع کرتے۔

جس نبی کے وسیلہ سے حضرت آدم کی توبہ قبول ہوئی' حضرت ابراہیم پر آگ گلزار ہوئی' حضرت اسماعیل کا گلا جس کے نور کی برکت سے کٹنے سے بچا' حضرت ابراہیم نے جس کی بعثت کی دعا کی' حضرت موسیٰ نے جس کے امتی ہونے کی تمنا کی' حضرت عیسیٰ نے جس کے آنے کی بشارت دی' عالم میثاق میں تمام نبیوں نے جس پر ایمان لانے اور جس کی نصرت کرنے کا قول و اقرار اور عہد کیا اور اللہ اس عہد پر خود گواہ ہوا ایسا عظیم الشان نبی اللہ نے ان کے عہد میں پیدا کیا' ان کو چاہیے تھا کہ وہ اس جلیل القدر اور رفیع المرتبت نعمت پر اللہ کا احسان اور امتنان مانتے اور اس کا بے پایاں شکر ادا کرتے اور اس عظیم الشان نبی پر اخلاص سے ایمان لاتے اور دل و جان سے اس کی تصدیق کرتے' اس لیے فرمایا : اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر ادا کرو اور ایمان لے آؤ' ہماری اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ اس آیت میں شکر کو ایمان پر مقدم کرنے میں کیا رمز ہے' کیا لطافت ہے اور کیا بلاغت ہے!

شاکر' علیم میں ربط اور مناسبت

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور "اللہ تعالیٰ شاکر علیم ہے۔" اللہ تعالیٰ نے بہ طور استعارہ شکر کی جزاء کو بھی شکر فرمایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تم کو شکر ادا کرنے کی جزا دے گا اور ثواب عطا فرمائے گا' اللہ تعالیٰ کی غیر متناہی نعمتیں ہیں ان کا شکر کیسے ادا ہو سکتا ہے' بلکہ اس کی کسی ایک نعمت کا بھی شکر ادا نہیں ہو سکتا اس لیے فرمایا وہ علیم ہے وہ جاننے والا ہے کہ محدود انسان لامحدود نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتا وہ اپنے بندہ کے عجز کو جاننے والا ہے اور وہ جاننے والا ہے کہ کون اس کی نعمتوں کے مقابلہ میں اپنی بے مائیگی' کم ہمتی اور قصور عبادت کا اعتراف اور اقرار کرتا ہے اور وہ جاننے والا ہے کہ کون اس کی نعمتوں اور

اس کے احسانوں کا اعتراف کر کے اس کے سامنے نیاز مندی اور اطاعت سے سر جھکا کر اس کی تعظیم بجالاتا ہے اور وہ جاننے والا ہے کہ کون اس کی نعمتوں کی قدر کرتا ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے سو وہ اس کو اس کے اس عمل کی اور اس کے شکر ادا کرنے کی جزا عطا فرمائے گا' یہاں بھی بہ ظاہر' پہلے علیم اور پھر شاکر کا ذکر ہونا چاہیے تھا' لیکن اس کے عکس ترتیب میں رمز یہ ہے کہ جس صفت کا بندوں پر اثر مرتب ہونا تھا یعنی شکر کی جزا دینا اس کا پہلے ذکر کیا اور جس صفت میں صرف اس کی شان کبریائی تھی جس کا صرف اس کے ساتھ تعلق تھا اس کا بعد میں ذکر فرمایا- اس نے بندوں کا حق مقدم رکھا ہم بندے ہیں اور ہم اس کے زیادہ لائق ہیں کہ ہم اپنے مولیٰ کے حق کو پہچانیں اور اس کے ذکر کو اپنے ذکر پر اور اس کے حق کو اپنے حق پر مقدم رکھیں-

---

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ

اللہ تعالیٰ بہ آوازِ بلند بری بات کہنے کو ناپسند فرماتا ہے سوائے مظلوم (کی بات) کے،

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ

اور اللہ بہت سننے والا، نہایت علم والا ہے ○ اگر تم کسی نیکی کو ظاہر کرو یا چھپا کر کرو،

اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ

یا کسی برائی کو معاف کر دو تو بیشک اللہ بہت معاف کرنے والا نہایت قدرت والا ہے ○ بیشک جو

الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا

لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان

بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ

فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا

بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ ﴿۱۵۰﴾

انکار کرتے ہیں، اور وہ چاہتے ہیں کہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی راستہ بنا لیں ○

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا

یہ وہ لوگ ہیں جو یقیناً کافر ہیں، اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت آمیز عذاب

مُّهِينًا ﴿١٥١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ

تیار کر رکھا ہے ○ اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور انھوں نے ان رسولوں میں سے

أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ

کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کیا، یہ وہ لوگ ہیں کہ (اللہ) عنقریب ان کو ان کے اجر عطا فرمائے گا اور اللہ بہت بخشنے

غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٥٢﴾

والا نہایت رحم فرمانے والا ہے ○

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے : اللہ تعالیٰ بہ آواز بلند بری بات کہنے کو ناپسند فرماتا ہے سوائے مظلوم (کی بات) کے۔ (النساء : ۱۴۸)

شان نزول

اس آیت کے شان نزول میں محدثین نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے :

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے حضرت ابوبکر کو برا کہا اور ان کو اذیت دی، حضرت ابوبکر خاموش رہے، پھر ان کو دوسری دفعہ اذیت دی پھر حضرت ابوبکر خاموش رہے، پھر ان کو تیسری بار اذیت دی تو حضرت ابوبکر نے اس سے بدلہ لیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بدلہ لیا تو رسول اللہ ﷺ وہاں سے اٹھ کر تشریف لے جانے لگے، حضرت ابوبکر نے عرض کیا : یا رسول اللہ! کیا آپ مجھ سے ناراض ہو گئے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب وہ شخص تم کو برا کہتا تھا تو آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہو کر اس کی تکذیب کرتا تھا، اور جب تم نے اس سے بدلہ لیا تو شیطان آ گیا اور جس جگہ شیطان آ جائے تو میں وہاں بیٹھنے والا نہیں ہوں۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۴۸۹۶)

حضرت ابوہریرہ نے بھی اس حدیث کو اسی کی مثل روایت کیا ہے۔ (سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۴۸۹۷)

کسی شخص کو برا کہنا، گالی دینا، خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ، اور کسی شخص کی غیبت کرنا یا کسی شخص کی چغلی کرنا یہ تمام امور اس آیت سے ممنوع اور ناجائز ہیں۔

کسی کی برائی، غیبت اور چغلی کی ممانعت کے متعلق احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : ایک دوسرے کو برا کہنے والے جو کچھ کہتے ہیں اس کا وبال ابتداء کرنے والے پر ہوتا ہے جب تک کہ مظلوم تجاوز نہ کرے۔

(صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۵۸۷، سنن ابوداؤد، رقم الحدیث : ۴۸۹۴)

امام ابوداؤد بجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص فوت ہو جائے تو اس کو چھوڑ دو' اور اس کو برا نہ کہو۔ (سنن ابوداؤد : ۴۸۹۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اپنے فوت شدہ لوگوں کی نیکیاں بیان کرو اور ان کی برائیوں کے ذکر سے باز رہو۔ (سنن ابوداؤد : ۴۹۰۰)

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا چیز ہے' صحابہ نے عرض کیا : اللہ اور اس کے رسول زیادہ جاننے والے ہیں' آپ نے فرمایا تم اپنے بھائی کے اس وصف کا ذکر کرو جس کو وہ ناپسند کرتا ہو' آپ سے عرض کیا گیا یہ بتایئے اگر میرے بھائی میں وہ عیب ہو جس کو میں بیان کرتا ہوں' آپ نے فرمایا اگر تمہارے بھائی میں وہ عیب ہو جس کو تم بیان کرتے ہو تب ہی تو تم اس کی غیبت کرو گے' اور اگر اس میں وہ عیب نہ ہو تو پھر تم اس پر بہتان باندھو گے۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۵۸۹' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۸۷۴)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ان کا لحاف چوری ہو گیا۔ وہ چرانے والے پر بددعا کر رہی تھیں آپ نے فرمایا : اپنی دعا میں اس کی تخفیف نہ کرو۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۱۴۹۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا آپ کے لیے صفیہ سے اتنا اتنا (قد) کافی ہے! ان کا ارادہ تھا کہ ان کا قد چھوٹا ہے' آپ نے فرمایا تم نے ایسا کلمہ کہا ہے کہ اگر اس کو سمندر میں ڈال دیا جائے تو اس سے سارا پانی آلودہ ہو جائے گا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ آپ کے سامنے کسی انسان کی نقل اتاری آپ نے فرمایا میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ میں کسی کی نقل اتاروں اور مجھے اس کے بدلہ فلاں فلاں چیز مل جائے۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۸۷۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب مجھے معراج کرائی گئی تو میرا ایک قوم کے پاس سے گزر ہوا جس کے پیتل کے ناخن تھے جس سے وہ اپنے چہروں اور سینوں کو کھرچ رہے تھے' میں نے کہا اے جبرئیل یہ کون ہیں' انہوں نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی بے عزتی کرتے تھے (یعنی غیبت کرتے تھے)

حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان کی اس جگہ بے عزتی کرتا ہے جہاں اس کی عزت نہ کی جا رہی ہو اور اس کی توقیر میں کمی کی جا رہی ہو تو اللہ اس کو ایسی جگہ بے عزت کرے گا جہاں وہ اپنی نصرت چاہتا ہو' اور جو شخص کسی مسلمان کی ایسی جگہ نصرت کرے گا جہاں اس کی توقیر میں کمی کی جا رہی ہو اور اس کی بے حرمتی کی جا رہی ہو تو اللہ اس کی ایسی جگہ مدد فرمائے گا جہاں وہ اپنی مدد پسند کرتا ہو۔
(سنن ابوداؤد : ۴۸۸۴)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت میں چغل خور داخل نہیں ہو گا۔

(سنن ابو داؤد' رقم الحدیث : ۴۸۷۲)

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! نجات کیسے ہو گی؟ آپ نے فرمایا اپنی زبان بند رکھو' اور اپنا گھر فراخ رکھو اور اپنے گناہوں پر روؤ۔ (مسند احمد : ج ۸ رقم الحدیث : ۲۲۲۹۸)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جب ابن آدم صبح کرتا ہے تو اس کے تمام اعضاء زبان کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں تو ہمارے متعلق اللہ سے ڈر کیونکہ ہم تیرے ساتھ ہیں' اگر تو سیدھی رہی تو ہم سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہو گئی تو ہم ٹیڑھے ہو جائیں گے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۴۱۵' حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۳۰۹)

حضرت نعمان بن بشیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ انسان کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست رہتا ہے اور اگر وہ فاسد ہو تو سارا جسم فاسد ہو جاتا ہے سنو وہ دل ہے۔ (صحیح بخاری : ۵۲)

سنن ترمذی کی روایت میں ہے تمام اعضاء کی صحت اور فساد کا مدار زبان پر ہے اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے اس کا مدار دل پر ہے اور یہ تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ زبان دل کی ترجمان ہے' اور اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کون ہے جو میرے لیے اس کا ضامن ہو جو دو جبڑوں کے درمیان اور جو دو ٹانگوں کے درمیان ہے۔ میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں گا۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۴۱۶' صحیح بخاری' رقم الحدیث : ۶۴۷۴' مسند احمد ج ۸' رقم الحدیث : ۲۲۸۸۶' سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۱۶۶)

مظلوم کے لیے ظالم کے ظلم کو بیان کرنے کا جواز

پہلے اللہ تعالیٰ نے بہ آواز بلند بری بات کہنے کو ناپسند فرمایا پھر اس حکم سے مظلوم کا استثناء فرمایا اس کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں :

(۱) اللہ تعالیٰ مظلوم کے سوا کسی کے بری بات ظاہر کرنے کو ناپسند کرتا ہے لیکن مظلوم اپنے اوپر کیے ہوئے ظلم کو بیان کر سکتا ہے یہ زجاج کا قول ہے۔

(۲) مظلوم ظالم کے خلاف بددعا کر سکتا ہے' یہ حضرت ابن عباس اور قتادہ کا قول ہے۔

(۳) اصم نے کہا کہ کسی کے پوشیدہ احوال کی لوگوں کو خبر دینا جائز نہیں ہے' تاکہ لوگ کسی کی غیبت نہ کریں' لیکن مظلوم شخص یہ بتا سکتا ہے کہ فلاں شخص نے اس کے ہاں چوری کی یا غصب کیا۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا گیا ہے کہ مظلوم شخص ظالم کی غیبت کر سکتا ہے پس پشت اس کے ظلم کو بیان کر سکتا ہے' اس مناسبت سے ہم یہاں پر وہ صورتیں بیان کر رہے ہیں جن میں غیبت کرنا جائز ہے۔

غیبت کرنے کی مباح صورتیں

جس غرض صحیح اور مقصد شرعی کو بغیر غیبت کے پورا نہ کیا جا سکے اس غرض کو پورا کرنے کے لیے غیبت کرنا مباح ہے اور اس کے چھ اسباب ہیں۔

پہلا سبب یہ ہے کہ مظلوم اپنی دادرسی کے لیے سلطان' قاضی یا اس کے قائم مقام شخص کے سامنے ظالم کا ظلم بیان

کرے کہ فلاں شخص نے مجھ پر یہ ظلم کیا ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ کسی برائی کو ختم کرنے اور بدکار کو نیکی کی طرف راجع کرنے کے لیے کسی صاحب اقتدار کے سامنے اس کی غیبت کی جائے کہ فلاں شخص یہ برا کام کرتا ہے اس کو اس برائی سے روکو! اور اس سے مقصود صرف برائی کا ازالہ ہو اگر یہ مقصد نہ ہو تو غیبت حرام ہے۔ تیسرا سبب ہے استفسار۔ کوئی شخص مفتی سے پوچھے فلاں شخص نے میرے ساتھ یہ ظلم یا یہ برائی کی ہے کیا یہ جائز ہے؟ میں اس ظلم سے کیسے نجات پاؤں؟ یا اپنا حق کس طرح حاصل کروں' اس میں بھی افضل یہ ہے کہ اس شخص کی تعیین کیے بغیر سوال کرے کہ ایسے شخص کا کیا شرعی حکم ہے؟ تاہم تعیین بھی جائز ہے۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کی خیر خواہی کرنا اور ان کو کسی شخص کے ضرر سے بچانا اور اس کی متعدد صورتیں ہیں۔

(ا) مجروح راویوں پر جرح کرنا اور فاسق گواہوں کے عیوب نکالنا یہ اجماع مسلمین سے جائز ہے بلکہ ضرورت کی وجہ سے واجب ہے۔

(ب) کوئی شخص کسی جگہ شادی کرنے کے لیے مشورہ کرے' یا کسی شخص سے شراکت کے لیے مشورہ کرے یا کسی شخص کے پاس امانت رکھنے کے لیے مشورہ کرے یا کسی شخص کے پڑوس میں رہنے کے لیے مشورہ کرے یا کسی شخص سے کسی بھی قسم کا معاملہ کرنے کے لیے مشورہ کرے اور اس شخص میں کوئی عیب ہو تو مشورہ دینے والے پر واجب ہے کہ وہ اس عیب کو ظاہر کر دے۔

(ج) جب انسان یہ دیکھے کہ ایک طالب علم کسی بدعتی یا فاسق سے علم حاصل کر رہا ہے اور اس سے علم حاصل کرنے میں اس کے ضرر کا اندیشہ ہے تو وہ اس کی خیر خواہی کے لیے اس بدعتی یا فاسق کی بدعت اور فسق پر اسے متنبہ کرے۔

(د) کسی ایسے شخص کو علاقہ کا حاکم بنایا ہوا ہو جو اس منصب کا اہل نہ ہو' اس کو صحیح طریقہ پر انجام نہ دے سکتا ہو یا غافل ہو یا اور کوئی عیب ہو تو ضروری ہے کہ حاکم اعلیٰ کے سامنے اس کے عیوب بیان کیے جائیں تاکہ اہل اور کار آمد شخص کو حاکم بنایا جا سکے۔ پانچواں سبب یہ ہے کہ کوئی شخص علی الاعلان فسق و فجور اور بدعات کا ارتکاب کرتا ہو مثلاً شراب نوشی' جوا کھیلنا' لوگوں کے اموال لوٹنا وغیرہ تو ایسے شخص کے ان عیوب کو پس پشت بیان کرنا جائز ہے جن کو وہ علی الاعلان کرتا ہو' اس کے علاوہ اس کے دوسرے عیوب کو بیان کرنا جائز نہیں ہے اور چھٹا سبب یہ ہے تعریف اور تعیین مثلاً کوئی شخص اعرج (لنگڑے) اصم (بہرے) اعمی (اندھے) احول (بھینگے) کے لقب سے مشہور ہو تو اس کی تعریف اور تعیین کے لیے اس کا ذکر ان اوصاف کے ساتھ کرنا جائز ہے اور اس کی تنقیص کے ارادے سے ان اوصاف کے ساتھ اس کا ذکر جائز نہیں ہے اور اگر اس کی تعریف اور تعیین کسی اور طریقہ سے ہو سکے تو وہ بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اگر تم کسی نیکی کو ظاہراً کرو یا چھپا کر کرو' یا کسی برائی کو معاف کر دو' تو بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا نہایت قدرت والا ہے۔ (النساء : ۱۴۹)

تمام احکام کا مدار دو چیزوں پر ہے خالق کی عظمت اور مخلوق پر شفقت' ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم وامنتم وکان اللہ شاکرا علیما میں خالق کی عظمت کو بیان فرمایا' اور مخلوق پر شفقت بھی دو طرح سے ہے' مخلوق سے ضرر کو دور کرنا اور ان کو نفع پہنچانا' مخلوق سے ضرر کو دور کرنے کے متعلق فرمایا لا یحب اللہ الجھر بالسوء۔ الا یہ اور ان کو نفع پہنچانے کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا : اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ "تم کسی نیکی کو ظاہر کرو یا چھپا کر کرو۔" نماز' روزہ' صدقہ اور خیرات تمام اقسام کے نیک کاموں کو شامل ہے۔ فرائض علی الاعلان ادا کرنے چاہئیں تاکہ انسان پر ترک فرائض کی تہمت نہ لگے اور نوافل چھپا کر ادا کرنے چاہئیں تاکہ انسان کے اعمال میں زیادہ سے زیادہ اخلاص آسکے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : قیامت کے دن سات آدمیوں پر اللہ اپنا سایہ کرے گا جس دن اس کے سایہ کے سوا اور کسی کا سایہ نہیں ہو گا' آپ نے ان سات میں سے ایک اس شخص کا ذکر کیا جو چھپا کر صدقہ دے حتی کہ بائیں ہاتھ کو پتہ نہ چلے کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔ (صحیح بخاری' رقم الحدیث : ١٤٢٣)

اس آیت میں دوسری نیکی یہ بیان فرمائی ہے کہ کسی برائی کو معاف کردو اور اس پر دلیل یہ قائم فرمائی ہے کہ اللہ بہت معاف کرنے والا نہایت قدرت والا ہے یعنی اللہ تعالیٰ عذاب پر قادر ہونے کے باوجود بندوں کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے سو تم بھی اللہ کے اخلاق سے متخلق ہو جاؤ اور اس کی صفات سے متصف ہو جاؤ اور انتقام لینے پر قدرت کے باوجود لوگوں کی غلطیوں اور خطاؤں کو معاف کر دو اور اگر تم نے لوگوں کی خطاؤں کو معاف نہ کیا تو تم اللہ سے اپنی خطاؤں کی معافی کی کیسے توقع رکھو گے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں' اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کرنا چاہتے ہیں' اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں' اور وہ چاہتے ہیں کہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی راستہ بنالیں۔ (النساء : ١٥٠)

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کا رد فرمایا تھا' اس آیت میں یہود و نصاریٰ کا رد فرما رہا ہے' یہود حضرت موسیٰ پر اور تورات پر ایمان لائے تھے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے تھے اور قرآن مجید کے کلام اللہ اور آسمانی کتاب ہونے کا انکار کرتے تھے' اسی طرح عیسائی حضرت عیسیٰ اور انجیل پر ایمان لائے اور آپ کی نبوت اور قرآن مجید کا انکار کیا' اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کا رد فرمایا کیونکہ کسی بھی نبی کو نبی ماننے کی دلیل معجزہ ہے اور جب معجزہ کی دلالت کی وجہ سے یہودیوں نے حضرت موسیٰ کو نبی مان لیا' اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کو نبی مان لیا تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تو معجزات پیش کیے اگر معجزہ کی دلالت مقبول نہیں ہے تو پھر ہر نبی کا انکار کرو اور اگر معجزہ کی دلالت مسلم ہے تو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مانو' غرض یہ کہ بعض نبیوں اور ان کی کتابوں کو ماننا اور بعض کا انکار کرنا اس کی کوئی معقول وجہ اور صحیح دلیل نہیں ہے' یہود و نصاریٰ کی ہٹ دھرمی کا رد کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا کا بیان فرمایا :

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : یہ وہ لوگ ہیں جو یقیناً کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (النساء : ١٥١)

اس آیت میں فرمایا کہ یہ یہود اور نصاریٰ جو آپ کی نبوت کے منکر ہیں یہ یقیناً کافر ہیں' خواہ یہ اپنے آپ کو مومن کہتے رہیں ان کے خود کو مومن کہنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے' یہ عذاب میں سب سے پہلے داخل ہوں گے' اور وہ عذاب ان کو ذلیل کرنے والا ہو گا' اس میں یہ ظاہر فرمایا ہے کہ بعض گنہ گار مسلمانوں کو پاک کرنے کے لیے عذاب میں داخل کیا جائے گا لیکن ان میں اور کافروں کے عذاب میں یہ فرق ہو گا کہ اول تو وہ مسلمان کافروں کے بعد عذاب میں داخل ہوں گے۔ ثانیاً" یہ کہ وہ عذاب ان بعض مسلمانوں کی تطہیر کے لیے ہو گا اور صورۃ" ہو گا۔ اس کے برخلاف کافروں کو جو عذاب

ہو گا وہ حقیقۃً "عذاب ہو گا اور ان کو ذلیل کرنے کے لیے ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور انہوں نے ان رسولوں میں سے کسی ایک کے درمیان فرق نہیں کیا یہ وہ لوگ ہیں کہ (اللہ) عنقریب ان کو اجر عطا فرمائے گا' اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ (النساء : ۱۵۲)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ اسلوب ہے کہ مومنوں کے ذکر کے بعد کافروں کا اور کافروں کے ذکر کے بعد مومنوں کا ذکر فرماتا ہے کیونکہ ایک ضد دوسری ضد سے پہچانی جاتی ہے' سو پہلے ان لوگوں کا ذکر فرمایا تھا جو بعض نبیوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا کفر کرتے ہیں اور جو رسولوں میں فرق کرتے ہیں اور ان کے متعلق فرمایا یہ یقیناً کافر ہیں اور ان کو ذلت والا عذاب دیا جائے گا' اس کے بعد مسلمانوں کا ذکر فرمایا جو رسولوں کے درمیان ایمان لانے کا فرق نہیں کرتے اور سب رسولوں پر ایمان لاتے ہیں پھر آخرت میں ان کے اجر و ثواب کا ذکر فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان سے اجر کا وعدہ بھی فرمایا اور مغفرت کا بھی' یعنی ان مسلمانوں میں سے جو کامل اطاعت گزار اور فرماں بردار ہیں ان کو اپنے فضل سے ثواب عطا فرمائے گا' اور جن سے کچھ کوتاہیاں اور گناہ ہو گئے ان کو بخش دے گا' یا ان کی توبہ سے ان کو بخش دے گا' یا نبی ﷺ یا کسی فرشتے یا کسی اور نبی' یا کسی اور مقبول بندہ کی شفاعت سے معاف کر دے گا' یا محض اپنے فضل سے بخش دے گا' یا پھر ان کو کچھ عرصے کے لیے دوزخ میں داخل کرے گا اور پھر نکال لے گا اور جنت میں داخل کر دے گا!

اے بار اللہ! اس کتاب کے مصنف کو اور اس کے خیر خواہ قاری کو بلا عذاب و حساب و کتاب اپنے محبوب نبی ﷺ کی شفاعت سے بخش دینا۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ

اہلِ کتاب آپ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پہ آسمان سے کوئی کتاب نازل کر دیں،

فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً

سو بے شک وہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کر چکے ہیں، انہوں نے کہا ہمیں اللہ کی ذات کھلم کھلا

فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ

دکھاؤ تو ان کے (اس) ظلم کی وجہ سے ان کو آسمانی بجلی نے پکڑ لیا پھر انھوں نے واضح دلائل آنے کے باوجود

مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى

بچھڑے کو (معبود) بنا لیا، سو ہم نے اس کو معاف کر دیا اور ہم نے موسیٰ کو کھلا

سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا

ہوا غلبہ دیا ○ اور ہم نے ان سے عہد لینے کے لیے طور کو ان کے اوپر اٹھا لیا، اور ہم

لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ

نے ان سے کہا سجدہ (شکر) کرتے ہوئے اس دروازہ میں داخل ہو جاؤ، اور ہم نے ان سے کہا ہفتہ کے

وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ

دن حد سے آگے نہ بڑھنا اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا ○ پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے

وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ

اور اللہ کی آیتوں کا کفر کرنے کی وجہ سے اور نبیوں کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے اور ان کے اس قول کی وجہ سے

قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ

کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں (ہم نے ان پر لعنت کی) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگائی ہے تو

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا

وہ بہت ہی کم ایمان لائیں گے ○ اور ان کے کفر اور اس قول کی وجہ سے (بھی جس میں) انھوں نے مریم پر بہت بڑا

عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ

بہتان باندھا ○ اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو

رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ

قتل کر دیا حالانکہ انھوں نے اس کو قتل نہیں کیا اور نہ انھوں نے اس کو سولی دی لیکن ان کے لیے (کسی شخص کو عیسیٰ کا)

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ

مشابہ بنا دیا گیا تھا اور بے شک جنھوں نے اس کے معاملہ میں اختلاف کیا وہ ضرور اس کے متعلق شک میں ہیں، انھیں اس کا بالکل

مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ

یقین نہیں ہے ہاں وہ اپنے گمان کے مطابق کہتے ہیں اور انھوں نے اس کو یقیناً قتل نہیں کیا ○ بلکہ اللہ نے ان کو اپنی

اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ

طرف اٹھا لیا اور اللہ بہت غالب نہایت حکمت والا ہے ○ اور (نزول مسیح کے وقت) اہل کتاب میں سے

الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ

ہر شخص اس کی موت سے پہلے ضرور اس پر ایمان لے آئے گا اور قیامت کے دن عیسیٰ ان پر

عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾ ۚ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ

گواہ ہوں گے ○ تو یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر کئی پاک چیزیں

طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّ

حرام کر دیں جو پہلے ان پر حلال تھیں اور اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے بہت روکتے تھے ○ اور

اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ

ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ ان کو اس سے منع کیا گیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کا مال ناحق

بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾

کھاتے تھے، اور ان میں سے کافروں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے ○

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ

لیکن ان میں سے جو پختہ علم والے ہیں اور ایمان والے ہیں، وہ اس (وحی) پر ایمان لاتے

بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ

ہیں جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور اس پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہے اور نماز قائم کرنے والے

وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ

اور زکوٰۃ ادا کرنے والے اور اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لانے والے ہیں

اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ ع

یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم عنقریب اجر عظیم عطا فرمائیں گے ○

۲۲ ع ۱۰ ۲

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اہل کتاب آپ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی کتاب نازل کر دیں' سو بے شک وہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کر چکے ہیں' انہوں نے کہا ہمیں اللہ کی ذات کھلم کھلا دکھاؤ' تو ان کے (اس) ظلم کی وجہ سے ان کو آسمانی بجلی نے پکڑ لیا' پھر انہوں نے واضح دلائل آنے کے باوجود بچھڑے کو (معبود) بنا لیا سو ہم نے اس کو معاف کر دیا اور ہم نے موسیٰ کو کھلا ہوا غلبہ دیا۔ (النساء : ۱۵۳)

نبی ﷺ کے ساتھ یہود کی سرکشی اور عناد

امام ابن جریر متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگے' موسیٰ اللہ کے پاس سے الواح لائے تھے تو جب آپ بھی اللہ کے پاس سے (لکھی ہوئی) الواح لے آئیں گے تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے' اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریج نے کہا کہ یہود اور نصاریٰ نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا ہم آپ کی دعوت کی اس وقت تک پیروی نہیں کریں گے حتی کہ ہماری جانب اللہ کے پاس سے یہ مکتوب آئے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور فلاں شخص کے پاس بھی یہ مکتوب آئے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (جامع البیان ج ۴ ص ۱۱۔ ۱۰' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

جب یہودیوں نے از راہ عناد نبی ﷺ سے یہ سوال کیا کہ ان کے پاس آسمان سے لکھی ہوئی کتاب آئے تو اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا : کہ یہ یہودی تو اس سے بڑے بڑے سوال حضرت موسیٰ سے کر چکے ہیں' ہرچند کہ یہ سوال ان کے آباؤ اجداد نے کیے تھے لیکن چونکہ یہ ان سوالات پر راضی تھے اور ان ہی کی طرح سرکشی کر رہے تھے اور کئی معجزات دیکھنے کے باوجود نبوت پر ایمان نہیں لا رہے تھے اور ان ہی کی طرح معاند تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان سوالات کی نسبت آپ کے زمانہ کے یہودیوں کی طرف کر دی' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ یہ اب کہہ رہے ہیں کہ تورات کی طرح آسمان سے لکھی ہوئی کتاب نازل ہو تو پھر ایمان لائیں گے' حالانکہ جب ان کے آباؤ اجداد پر آسمان سے لکھی ہوئی کتاب نازل ہوئی تو وہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے بلکہ انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں اللہ کی ذات کھلم کھلا دکھاؤ اس سے واضح ہو گیا کہ ان کا یہ مطالبہ شرح صدر اور اطمینان قلب کے لیے نہیں تھا بلکہ محض عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہود کی سرکشی اور عناد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر انہوں نے واضح دلائل آنے کے باوجود بچھڑے کو معبود بنا لیا' ان واضح دلائل سے مراد آسمانی بجلی ہے جو اللہ کو دیکھنے کا مطالبہ کرنے والوں پر گری اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پھر زندہ کر دیا' اس سے اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کے تام اور کامل ہونے پر دلالت ہوتی ہے اور اسی پر مدار الوہیت ہے اور اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر دلیل ہے کہ ان کی دعا سے وہ دوبارہ زندہ کر دیئے گئے' بہ ظاہر آسمانی بجلی ایک دلیل ہے لیکن یہ کئی دلائل کو متضمن ہے' اس کے علاوہ انہوں نے حضرت موسیٰ کا عصا دیکھا' ید بیضا دیکھا' سمندر کو چیر کر اس میں بارہ رستوں کو بنانا دیکھا' ان کے تعاقب میں آنے والے فرعون اور ان کے لشکر کا ان ہی راستوں میں ڈوبنا دیکھا' ان تمام معجزات کو دیکھنے کے بعد انہوں نے گوسالہ کو اپنا معبود بنا لیا اور اس کی پرستش کی' تو اے رسول مکرم! آپ سے ان کا یہ

مطالبہ کرنا کہ ان کے پاس آسمان سے لکھی ہوئی کتاب آجائے انشراح صدر کے لیے نہیں ہے یہ ان کی وہ سرکشی اور ہٹ دھرمی ہے جو ان میں نسل در نسل چلی آرہی ہے‘ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کی گوسالہ پرستی کی سزا میں ہم نے ان کو بالکل صفحہ ہستی سے نہیں مٹا دیا بلکہ ان کی سرکشی اور عناد کے باوجود ان کو معاف کر دیا اور ہم نے حضرت موسیٰ کو کھلا غلبہ عطا فرمایا یعنی ان کی قوم کو ان کے مخالفین پر غلبہ عطا فرمایا اس میں نبی ﷺ کے لیے یہ رمز اور بشارت ہے کہ اگرچہ کفار آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہیں اور آپ کے خلاف معاندانہ کارروائیوں میں مصروف ہیں لیکن انجام کار اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ اور فتح عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ہم نے ان سے عہد لینے کے لیے طور کو ان کے اوپر اٹھالیا‘ اور ہم نے ان سے کہا سجدہ (شکر) کرتے ہوئے اس دروازہ میں داخل ہو جاؤ‘ اور ہم نے ان سے کہا ہفتہ کے دن حد سے آگے نہ بڑھنا اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا۔ (النساء : ۱۵۴)

شریعت تورات کے ساتھ یہود کی سرکشی اور عناد

اس آیت سے آیت : ۱۶۱ تک اللہ نے یہود کی باقی سرکشیوں اور جہالتوں کو بیان فرمایا ہے‘ ان میں سے ایک جہالت اور سرکشی اس موقع پر ہوئی جب ان کے سروں کے اوپر پہاڑ طور اٹھالیا گیا‘ اور اس میں دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ ان سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ وہ دین سے نہ پھریں لیکن وہ دین سے پھر گئے پھر ان پر پہاڑ طور اٹھا کر ان سے عہد لیا گیا کہ وہ عہد شکنی نہیں کریں گے اور انہوں نے اپنے اوپر پہاڑ کے گرنے کے خوف سے یہ عہد کرلیا‘ دوسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے تورات کی شریعت کے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں کے اوپر طور مسلط کر دیا اور انہوں نے اس پہاڑ کے خوف سے تورات کی شریعت کو قبول کرلیا۔

دوسری جہالت اور سرکشی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اور ہم نے ان سے کہا سجدہ (شکر) کرتے ہوئے اس دروازہ میں داخل ہو جاؤ‘ اس کی پوری تفصیل سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے اور تیسری سرکشی یہ تھی کہ ان سے اللہ نے فرمایا تھا کہ ہفتہ کے دن حد سے نہ بڑھنا‘ اس کی تفسیر میں بھی دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ ہفتہ کے دن شکار نہ کرنا‘ دوسرا قول یہ ہے کہ تلاش روزگار اور حصول معاش کے لیے ہفتہ کے دن کوئی کام نہ کرنا اس کی تفصیل اور تحقیق بھی سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے‘ اور اللہ کی آیتوں کا کفر کرنے کی وجہ سے اور نبیوں کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں (ہم نے ان پر لعنت کی) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگائی ہے تو وہ بہت ہی کم ایمان لائیں گے۔ (النساء : ۱۵۵)

چار وجوہ سے یہود کا کفر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے کفر کی چار وجوہ بیان فرمائی ہیں‘ ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بار بار عہد شکنی کی‘ دوسری وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کا کفر کیا۔ آیتوں سے مراد معجزات ہیں اور معجزہ کا انکار کرنا نبوت کا انکار ہے اور ایک نبی کا انکار تمام نبیوں کا انکار ہے کیونکہ تمام نبیوں کی نبوت معجزہ سے ثابت ہوتی ہے اور ایک نبی کا انکار بھی کفر ہوتا ہے چہ جائیکہ تمام نبیوں کا انکار کیا جائے‘ اور تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کا ناحق قتل کرتے تھے

یہاں ناحق کے لفظ کو بہ طور تاکید ذکر فرمایا ہے، کیونکہ نبی کو قتل کرنا ہوتا ہی ناحق ہے، اور چوتھی وجہ ان کا یہ قول ہے کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں، یعنی ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا اس کی نظیر کافروں کا یہ قول ہے :

وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِن بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ۔ (حٰمٓ السجدة : ۵)

اور انہوں نے کہا جس چیز کی آپ دعوت دے رہے ہیں اس پر ہمارے دلوں میں پردے پڑے ہوئے ہیں، اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان پردہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے، یعنی یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں اور آپ کی بات ہم تک نہیں پہنچتی، یہ بات نہیں ہے بلکہ تمہارے دل اس قابل نہیں ہیں کہ ہم اپنے معظم رسول کی بات تم تک پہنچنے دیں کیونکہ تم مسلسل کفر اور گستاخیاں کر کے اپنے دلوں کو ارشادات رسول سننے کا نااہل بنا چکے ہو، اس لیے یہ نہ کہو کہ تم نہیں سنتے بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ تم سننے کے اہل نہیں رہے، اس کے بعد فرمایا تو وہ بہت ہی کم ایمان لائیں گے، اس آیت کے تین محمل ہیں، ایک محمل یہ ہے کہ وہ بہت ہی کم چیزوں پر ایمان لائیں گے، یعنی صرف حضرت موسیٰ اور تورات پر ایمان لائیں گے اور باقی نبیوں اور آسمانی کتابوں پر ایمان نہیں لائیں گے لیکن یہ ایمان بھی صرف ان کے زعم میں ہے حقیقت میں ایمان نہیں ہے، کیونکہ ایک نبی کا انکار تمام نبیوں کا انکار ہے، دوسرا محمل یہ ہے کہ وہ بہت ہی کم وقت کے لیے ایمان لائیں گے اور تیسرا محمل یہ ہے کہ ان میں سے بہت ہی کم لوگ ایمان لائیں گے جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کی امثال۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان کے کفر اور اس قول کی وجہ سے (بھی جس میں) انہوں نے مریم پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ (النساء : ۱۵۶)

یہود کا کفر کہ انہوں نے حضرت مریم پر بہتان باندھا

اس آیت میں یہود کی دو خرابیاں اور دو بد عقیدگیاں بیان کی ہیں، ایک ان کا کفر ہے اور دوسرا حضرت مریم پر بہتان ہے، کفر کی تفصیل یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ سے پیدا ہونے کا انکار کیا، اور یہ انکار دراصل اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار ہے، اور اللہ کی قدرت کا انکار کفر ہے، دوسری وجہ کفر یہ ہے کہ اگر یہ ضروری ہو کہ ہر شخص کسی باپ سے پیدا ہو تو یہ سلسلہ غیر متناہی ہو گا اور عالم قدیم ہو جائے گا اور عالم کا قدم ماننا کفر ہے اور ان کی دوسری بد عقیدگی اور سرکشی یہ تھی کہ انہوں نے حضرت مریم پر بہتان لگایا اور انہوں نے ایک پاک دامن پر زنا کی تہمت لگائی، جب کہ ان کی پاک دامنی پر اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مہد (پالنے) میں کلام کر کے دلیل قائم کی، اسی طرح منافقین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی اور قرآن مجید نے حضرت عائشہ کی برأت بیان کی اور یہودیوں کی طرح روافض اب بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں تبرا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا، حالانکہ انہوں نے اس کو قتل نہیں کیا اور نہ انہوں نے اس کو سولی دی لیکن ان کے لیے (کسی شخص کو عیسیٰ کا) مشابہ بنا دیا گیا تھا، اور بے شک جنہوں نے اس کے معاملہ میں اختلاف کیا وہ ضرور اس کے متعلق شک میں ہیں۔ انہیں اس کا بالکل یقین

سیں ہے' ہاں وہ اپنے گمان کے مطابق کہتے ہیں اور انہوں نے اس کو یقیناً" قتل نہیں کیا۔ (النساء : ۱۵۷)

یہود کا کفر کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کے قتل کا دعویٰ کیا

اس آیت میں یہود کے ایک اور کفریہ قول کا ذکر فرمایا ہے اور وہ ان کا یہ کہنا ہے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا' اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ان کا بہت بڑا کفر ہے' کیونکہ اس قول سے یہ معلوم ہوا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے میں دلچسپی رکھتے تھے اور اس میں بہت کوشش کرتے تھے' ہرچند کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاتل نہیں تھے لیکن چونکہ وہ فخریہ طور پر یہ کہتے تھے کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے' اس لیے ان کا یہ قول کفریہ قرار پایا۔

یہود کا حضرت عیسیٰ کے مشابہ کو قتل کرنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا انہوں نے (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل نہیں کیا نہ انہوں نے ان کو سولی دی لیکن ان کے لیے کسی شخص کو (عیسیٰ کا) مشابہ بنا دیا گیا تھا۔

امام ابو جعفر ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

وہب بن منبہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ سترہ حواریوں کے ساتھ ایک گھر میں اس وقت داخل ہوئے جب یہودیوں نے ان کو گھیر لیا تھا' جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کی صورت حضرت عیسیٰ کی صورت کی طرح بنا دی' یہودیوں نے ان سے کہا تم نے ہم پر جادو کر دیا ہے' تم یہ بتلاؤ کہ تم میں سے عیسیٰ کون ہے ورنہ ہم سب کو قتل کر دیں گے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے کہا تم میں سے کون آج اپنی جان کو جنت کے بدلہ میں فروخت کرتا ہے؟ ان میں سے ایک حواری نے کہا میں! وہ یہودیوں کے پاس گیا اور کہا میں عیسیٰ ہوں' اس وقت اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت حضرت عیسیٰ کی طرح بنائی ہوئی تھی' انہوں نے اس کو پکڑ کر قتل کر دیا اور سولی پر لٹکا دیا' اس وجہ سے وہ شخص ان کے لیے حضرت عیسیٰ کے مشابہ کر دیا گیا تھا' یہودیوں نے گمان کیا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے اور عیسائیوں نے بھی یہی گمان کر لیا' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اسی دن اٹھا لیا تھا۔

(جامع البیان جز ۶ ص ۱۷' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں اور بھی کئی روایات ذکر کی ہیں لیکن ان کا اعتماد صرف مذکور الصدر روایت پر ہے' ہم اس سلسلہ میں بعض دیگر روایات کا بھی ذکر کر رہے ہیں :

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ نے اپنے اصحاب سے فرمایا : تم میں سے کس شخص پر میری شبہ ڈالی جائے تاکہ وہ قتل کر دیا جائے؟ ان کے اصحاب میں سے ایک شخص نے کہا اے اللہ کے نبی میں حاضر ہوں! سو اس شخص کو قتل کر دیا گیا اور اللہ نے اپنے نبی کو بچا لیا اور ان کو آسمان پر اٹھا لیا۔

سدی بیان کرتے ہیں کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ اور ان کے انیس حواریوں کو ایک مکان میں بند کر دیا' حضرت عیسیٰ نے اپنے اصحاب سے کہا کون شخص میری صورت کو قبول کرے گا؟ تاکہ وہ قتل کر دیا جائے! اور اس کو جنت مل جائے گی! تو ان میں سے ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت لے لی' اور حضرت عیسیٰ آسمان کی طرف چڑھ گئے' جب حواریوں کو اس مکان سے نکالا گیا تو وہ کل انیس تھے' اور انہوں نے بتایا کہ حضرت عیسیٰ آسمان کی طرف چڑھ کر چلے

گئے ہیں' یہودیوں نے ان کو گنا تو ان میں سے ایک شخص کو کم پایا' اور وہ ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل کا ایک آدمی دیکھتے تھے' سو وہ شک میں پڑ گئے' اس کے باوجود انہوں نے ان میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا جو ان کے خیال میں حضرت عیسیٰ تھے انہوں نے اس کو سولی پر چڑھا دیا اور یہ اس آیت کی تفسیر ہے۔

(جامع البیان ج ۶ ص ۱۹' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی لکھتے ہیں :

ابو علی جبائی نے کہا ہے کہ یہودی سرداروں نے ایک انسان کو پکڑ کر قتل کر دیا اور اس کو ایک اونچی جگہ پر سولی دے دی' اور کسی شخص کو اس کے قریب جانے نہیں دیا حتی کہ اس کا حلیہ متغیر ہو گیا اور ان یہودیوں نے کہا ہم نے عیسیٰ کو قتل کر دیا تاکہ ان کے عوام اس وہم میں رہیں' کیونکہ یہودیوں نے جس مکان میں حضرت عیسیٰ کو بند کر رکھا تھا جب وہ اس میں داخل ہوئے تو وہ مکان خالی تھا اور ان کو یہ خدشہ ہوا کہ کہیں یہ واقعہ یہودیوں کے ایمان لانے کا سبب نہ بن جائے اس لیے انہوں نے ایک شخص کو قتل کر کے یہ مشہور کر دیا کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کر دیا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے ایک حواری منافق تھا اس نے یہودیوں سے تیس درہم لے کر یہ کہا کہ میں تم کو بتا دوں گا کہ عیسیٰ کہاں چھپے ہیں' وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گھر میں داخل ہوا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھا لیا گیا اور اس منافق کے اوپر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈال دی گئی' یہودیوں نے اس کو اس گمان میں قتل کر دیا کہ وہ حضرت عیسیٰ ہے۔

(امام ابن جریر نے جامع البیان ج ۶ ص ۱۸ اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر کی ج ۲ ص ۴۳۱۔ ۴۳۰ پر اس روایت کو وہب بن منبہ سے بہت تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔) (روح المعانی ج ۶ ص ۱۰' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہود کا کفر حضرت عیسیٰ کے قتل کے متعلق شک میں مبتلا ہونا اور آپس میں اختلاف کرنا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اور بے شک جنہوں نے اس کے معاملہ میں اختلاف کیا وہ ضرور اس کے متعلق شک میں ہیں' انہیں اس کا بالکل یقین نہیں ہے' ہاں وہ اپنے گمان کے مطابق کہتے ہیں اور انہوں نے اس کو یقیناً قتل نہیں کیا۔

(النساء : ۱۵۷)

علامہ ابو الحسن علی بن احمد واحدی متوفی ۴۶۸ھ لکھتے ہیں :

یہودیوں نے جس شخص کو قتل کیا تھا اس کے متعلق یہودیوں کا اختلاف تھا کہ یہ عیسیٰ ہے یا نہیں' کیونکہ حضرت عیسیٰ کے جس مشابہ شخص کو انہوں نے قتل کیا تھا اس کے صرف چہرے پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈالی گئی تھی اور اس کے باقی جسم پر حضرت عیسیٰ کی شبہ نہیں ڈالی گئی تھی' اس لیے جب انہوں نے اس کو قتل کر کے دیکھا تو کہا اس کا چہرہ تو عیسیٰ کی طرح ہے اور بدن کسی اور کا ہے۔ (الوسیط ج ۲ ص ۱۳۷' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ)

امام ابو الفرج عبد الرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں :

جو شخص حضرت عیسیٰ کو ڈھونڈنے گیا تھا اس پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈال دی گئی تھی یہودی کہتے تھے کہ اگر یہ عیسیٰ ہے تو ہمارا آدمی کہاں گیا اور اگر یہ ہمارا آدمی ہے تو عیسیٰ کہاں گئے؟ (زاد المسیر ج ۲ ص ۲۴۵' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں :

حسن بصری نے کہا ہے کہ ان کا اختلاف یہ تھا کہ بعض نے کہا عیسیٰ الٰہ ہیں اور بعض نے کہا عیسیٰ ابن اللہ ہیں' ایک

قول یہ ہے کہ ان کے عوام نے کہا ہم نے عیسیٰ کو قتل کر دیا اور جنہوں نے ان کا آسمان کی طرف اٹھنا دیکھا تھا انہوں نے کہا ہم نے ان کو نہیں قتل کیا۔ ایک قول یہ ہے کہ نصاریٰ میں سے نسطوریہ نے کہا عیسیٰ کو بہ حیثیت ناسوت (جسم) کے سولی دی گئی اور بہ حیثیت لاہوت کے سولی نہیں دی گئی' اور فرقہ ملکانیہ نے کہا کہ عیسیٰ کو ناسوت اور لاہوت دونوں اعتبار سے قتل بھی کیا گیا اور سولی بھی دی گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا اختلاف یہ تھا کہ انہوں نے کہا اگر یہ ہمارا صاحب ہے تو عیسیٰ کہاں ہیں اور اگر یہ عیسیٰ ہے تو ہمارا صاحب کہاں ہے' ایک قول یہ ہے کہ یہود نے کہا کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کیا ہے کیونکہ یہودیوں کے سردار یہوذا نے ان کو قتل کرنے کی سعی کی تھی اور عیسائیوں کے ایک گروہ نے کہا بلکہ ہم نے ان کو قتل کیا ہے اور اس میں سے ایک گروہ نے کہا بلکہ ان کو اللہ نے آسمان کی طرف اٹھا لیا اور ہم ان کو دیکھ رہے تھے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۶ ص ۹' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران' ۱۳۸۷ھ)

امام رازی کے اعتراض کا جواب

جس شخص پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ ڈال دی گئی تھی اس پر امام رازی نے دو اعتراض کیے ہیں ایک اعتراض یہ ہے کہ اگر یہ ممکن ہو کہ ایک شخص پر دوسرے شخص کی شبہ ڈال دی جائے تو ہو سکتا ہے کہ مثلاً جس شخص کو ہم زید سمجھ رہے ہیں وہ زید نہ ہو بلکہ اس پر زید کی شبہ ڈال دی گئی ہو اس صورت میں اس کا نکاح اور اس کی ملکیت باقی نہیں رہے گی اور اس کی طلاق نافذ نہیں ہو گی' دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس سے خبر تواتر میں نقص لازم آئے گا کیونکہ خبر متواتر کی انتہا کسی امر محسوس کے علم پر ہوتی ہے اور امر محسوس اب مشتبہ ہو جائے گا کیونکہ جس شخص کو مثلاً زید سمجھا جا رہا ہے ہو سکتا ہے وہ زید نہ ہو بلکہ ممکن ہے اس پر زید کی شبہ ڈال دی گئی ہو۔

امام رازی نے ان اعتراضوں کا جواب یہ دیا ہے کہ ولکن شبہ لھم کا یہ معنی نہیں ہے کہ کسی انسان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ ڈال دی گئی تھی اور یہودیوں نے اس کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر قتل کر دیا حتیٰ کہ یہ دو اعتراض لازم آئیں بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ جب یہود نے حضرت عیسیٰ کو قتل کرنے کا قصد کیا تو اللہ نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا۔ اب یہود کے سرداروں نے سوچا کہ اگر یہودی عوام کو یہ معلوم ہو گیا کہ ان کو آسمانوں پر اٹھا لیا گیا تو وہ فتنہ میں پڑ جائیں گے تو انہوں نے ایک انسان کو پکڑ کر قتل کر دیا اور اس کو سولی پر لٹکا دیا اور لوگوں کو اس مغالطہ میں رکھا کہ وہ مسیح ہیں اور لوگ مسیح کو صرف نام سے جانتے تھے شکل سے نہیں پہچانتے تھے کیونکہ حضرت مسیح لوگوں میں بہت کم مل جل کر رہتے تھے اور اس طریقہ سے یہ دونوں سوال اٹھ جاتے ہیں۔

یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ عیسائی اپنے اسلاف سے یہ نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت مسیح کو قتل کیا ہوا مشاہدہ کیا تھا' کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ عیسائیوں کا تواتر چند لوگوں پر منتہی ہوتا ہے جو اس قدر کم ہیں کہ ان کا کذب پر متفق ہونا بعید نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۴۱۔ ۳۴۰' مطبوعہ دارالفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

میں کہتا ہوں کہ اگر ولکن شبہ لھم کا یہ معنی کیا جائے کہ ایک شخص پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈال دی گئی تھی تب بھی امام رازی کے اعتراض لازم نہیں آتے کیونکہ کسی شخص پر حضرت عیسیٰ کی شکل کا ڈال دینا خرق عادت اور حضرت عیسیٰ کا معجزہ ہے اور یہ عادۃ" محال ہے اور ہر معجزہ عادۃ" محال ہوتا ہے' اس لیے یہ اعتراض لازم نہیں آئے گا کہ پھر مثلاً زید میں یہ احتمال ہو گا کہ وہ زید نہ ہو بلکہ کسی اور شخص پر زید کی شبہ ڈال دی ہو۔ دیکھئے قرآن میں ہے کہ حضرت ابراہیم پر آگ

ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی' اب کوئی شخص کسی آگ کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ آگ بھی گرم اور جلانے والی نہ ہو کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کی آگ ٹھنڈک اور سلامتی والی بن گئی تھی' اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ تھا' اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ بن گئی تھی اور یہ حضرت موسیٰ کا معجزہ تھا' اب کوئی شخص کسی لاٹھی کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہو سکتا ہے یہ لاٹھی سانپ بھی ہو' حضرت داؤد کے ہاتھ پر لوہا نرم ہو گیا تھا اس لیے اب کوئی شخص کسی لوہے کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ بھی نرم ہو۔ اسی طرح مثلاً" زید کو دیکھ کر کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہو سکتا ہے کہ یہ زید نہ ہو اس پر زید کی شبہ ڈال دی گئی ہو جیسا کہ کسی شخص پر حضرت عیسیٰ کی شبہ ڈال دی گئی تھی اس لیے کہ وہ خرق عادت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا' اور جو کام بہ طور اعجاز کیا جائے اس کا ہر شخص میں جاری ہونے کا احتمال نہیں ہوتا' میں نے اس مقام پر بہت سی تفسیروں کو دیکھا بعض مفسرین نے امام کے اعتراض کا ذکر تو کیا ہے لیکن اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ یہ محض اللہ کا کرم ہے کہ اس نے اس گنہ گار کے سینہ پر اس جواب کو القا فرمایا ہے جیسے وہ گندی جگہ پر پاکیزہ سبزہ اگا دیتا ہے' ایسے ہی وہ ایک کم علم بے مایہ عمل' اور پر از معاصی قلب پر لطیف اور پاکیزہ نکات وارد کر دیتا ہے!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ بہت غالب نہایت حکمت والا ہے۔ (النساء : ۱۵۸)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کا بیان

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کی کیفیت کا علم اس روایت سے ہوتا ہے :

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں :

امام ابن ابی حاتم اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھانے کا ارادہ کیا تو حضرت عیسیٰ اپنے اصحاب کے پاس آئے اور اس وقت گھر میں بارہ حواری تھے' حضرت عیسیٰ جس وقت گھر میں داخل ہوئے تو ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے' آپ نے فرمایا تم میں سے ایک شخص ایسا ہے جو مجھ پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ میرا کفر کرے گا پھر فرمایا تم میں سے کون شخص ایسا ہے جس پر میری شبہ ڈال دی جائے اور اس کو میری جگہ قتل کر دیا جائے اور وہ میرے ساتھ جنت میں ہو' تو ان میں سے ایک کم عمر نوجوان اٹھا' آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ' پھر دوبارہ سوال دہرایا پھر وہ جوان اٹھا' اور کہا میں حاضر ہوں' آپ نے فرمایا ہاں تم ہی اس کے اہل ہو' پھر اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شبہ ڈال دی گئی' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مکان کے روشن دان سے آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا' پھر یہود حضرت عیسیٰ کی تلاش میں آئے انہوں نے حضرت عیسیٰ کے مشابہ کو پکڑ لیا اور اس کو قتل کر دیا پھر اس کو سولی پر لٹکا دیا' پھر ان میں سے بعض نے حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ ان کا انکار کیا اور ان کے تین فرقے ہو گئے ایک فرقہ نے کہا ہمارے درمیان خود اللہ تھا' جب تک اس نے چاہا ہم میں رہا پھر وہ آسمان کی طرف چڑھ گیا اس فرقہ کا نام یعقوبیہ ہے' دوسرے فرقے نے کہا وہ ابن اللہ تھا جب تک چاہا ہم میں رہا اور جب چاہا آسمان پر چڑھ گیا اس فرقہ کا نام نسطوریہ ہے' اور ایک فرقہ نے کہا ہمارے درمیان اللہ کا بندہ اور اس کا رسول تھا جب تک اللہ نے چاہا وہ ہم میں رہا پھر اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا اور یہ فرقہ مسلمان تھا' پھر دونوں کافر فرقے اس پر غالب آ گئے اور اس کو قتل کر دیا پھر اس وقت سے دین اسلام کا چراغ بجھا رہا حتیٰ کہ اللہ نے سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا

اس حدیث کی حضرت ابن عباس تک سند صحیح ہے امام نسائی نے اس حدیث کو از ابو کریب از ابو معاویہ اسی کی مثل روایت کیا ہے۔

اسی طرح اس کو متعدد اسلاف نے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے حواریوں سے فرمایا تھا کہ تم میں سے کس شخص پر میری شبہ ڈالی جائے اور اس کو میری جگہ قتل کر دیا جائے اور وہ جنت میں میرا رفیق ہو۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۳۰۔ ۴۲۹ مطبوعہ دار الاندلس بیروت)

علامہ ابو الحیان محمد بن یوسف غرناطی اندلسی متوفی ۷۵۴ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہودیوں کے اس دعویٰ کا انکار ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے اور اس بات کو ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب بھی دوسرے آسمان میں زندہ ہیں جیسا کہ حدیث معراج میں ہے' اور وہ وہیں پر مقیم ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ دجال کو قتل کرنے کے لیے انہیں زمین پر نازل فرمائے گا اور وہ زمین کو اسی طرح عدل سے بھر دیں گے جس طرح پہلے ظلم سے بھری ہوئی تھی اور زمین پر چالیس سال زندہ رہیں گے جس طرح انسان زندہ رہتے ہیں پھر اس طرح وفات پا جائیں گے جس طرح انسانوں کو موت آتی ہے' قتادہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو اپنی طرف اٹھالیا ان کو نور کا لباس پہنایا اور ان کے پر لگا دیئے اور ان کو کھانے پینے سے منقطع کر دیا اور وہ ملائکہ کے ساتھ عرش کا طواف کرنے لگے اور وہ ایسے انسان بن گئے جو ملکی سماوی اور ارضی تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عزیز اور حکیم ہے اور حکمت کا معنی کمال علم اور عزت کا معنی کمال غلبہ ہے' اس صفت کے لانے میں یہ تنبیہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا سے آسمانوں کی طرف اٹھانا اگرچہ بشر پر متعذر اور دشوار ہے لیکن میری حکمت اور میرے غلبہ کے سامنے اس میں کوئی دشواری نہیں ہے' حکمت اور غلبہ کی یہ تفسیر بھی ہے کہ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا' اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ان کو ناکام کیا اور اپنی قوت اور غلبہ سے حضرت عیسیٰ کو آسمان کی طرف اٹھالیا' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں سے بچایا جائے اور اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے انہیں آسمان پر لے جائے۔ وہب بن منبہ نے کہا کہ تیس سال کی عمر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی کی گئی اور تینتیس (۳۳) سال کی عمر میں آپ کو اوپر اٹھالیا گیا' لہٰذا آپ کی نبوت کی مدت تین سال ہے' ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چھت کے ایک سوراخ میں داخل کیا' اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سوراخ سے آسمان کی طرف اٹھالیا۔

(البحر المحیط ج ۴ ص ۱۲۹۔ ۱۲۸' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۲ھ)

علامہ سید محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ علامہ ابو الحیان اندلسی کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ لوقا کی انجیل میں بھی اس عبارت کی تائید ہے' اور بعض حواریوں نے سولی کے واقعہ کے بعد حضرت عیسیٰ کو دیکھا تو وہ ان کی روح کے متشکل ہونے کے باب میں ہے کیونکہ قدسیوں کی روح کو اس عالم میں تشکل اور تطور (یعنی روح کا مختلف شکلوں میں متشکل ہو کر آنا) کی قوت حاصل ہوتی ہے خواہ ان کی ارواح کسی بلند مقام پر ہوں' اور اس امت کے بہ کثرت اولیاء مختلف شکلوں میں آتے ہیں اور ان کی حکایات اس قدر زیادہ ہیں کہ حصر اور بیان سے باہر ہیں۔

(روح المعانی جز ۶ ص ۱۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ابن تیمیہ کے افکار اور ان پر علماء امت کے تبصرے

شیخ احمد بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ اللہ تعالیٰ کے لیے جہت کی آیات کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں سورہ النساء کی زیر تفسیر آیت بل رفعہ اللہ الیہ (۱۵۸) سے بھی انہوں نے اپنے موقف پر استدلال کیا ہے۔

(شرح العقیدہ الواسطیہ ص ۶۵ مطبوعہ دار السلام ریاض)

نیز لکھا ہے کہ قرآن کی متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ' (مرتفع ' مستقر یا صاعد) ہونے کا ذکر ہے اور یہ آیات ان کے نزدیک اپنے ظاہری معنی پر محمول ہیں اور ان میں سلطنت کا غلبہ کا معنی کرنا باطل ہے۔

(شرح العقیدۃ الواسطیۃ ص ۶۳)

علامہ تقی الدین ابوبکر حصنی دمشقی متوفی ۸۲۹ھ لکھتے ہیں :

ابوالحسن دمشقی نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ ہم ابن تیمیہ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اس نے وعظ کیا اور استواء کی آیات کو بیان کیا' اس نے کہا اللہ عرش پر اس طرح بیٹھا ہے جس طرح میں یہاں بیٹھا ہوں یہ سن کر لوگ اس پر پل پڑے اور اس کی جوتیوں سے مرمت شروع کر دی' اور اس کو بعض حکام تک پہنچایا' انہوں نے اس کا علماء سے مناظرہ کرایا' اس نے یہ آیت پیش کی الرحمٰن علی العرش استوی علماء اس پر ہنسے اور انہوں نے جان لیا کہ یہ قواعد علم کو جاری کرنے سے جاہل ہے' پھر علماء نے اس پر یہ آیت پیش کی' اینما تولوا فثم وجہ اللہ (البقرہ : ۱۱۵) "تم جہاں کہیں (قبلہ کی طرف) منہ پھیرو' اللہ اسی طرف متوجہ ہے۔" اس نے اس آیت کی باطل تاویلات کیں۔ اس نے کہا اللہ حقیقتہ "ہمارے ساتھ ہے' اور اللہ عرش پر بھی حقیقتہ "مستوی ہے' اور یہ شخص نبی ﷺ سے بھی عداوت رکھتا تھا' علماء نے اس کو مارنے اور اس کو کوڑے لگانے کا حکم دیا' قاضی مالکی کے حکم سے ان کو اور اس کے بھائیوں کو قید کر دیا گیا' اس کو قید کرنے کا سبب یہ بیان کیا گیا کہ اس نے کہا انبیاء علیہم السلام مثلاً نبی ﷺ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی قبروں کی زیارت کے لیے رخت سفر نہ باندھا جائے' امام برہان الدین فزاری نے اس کے خلاف چالیس سطروں کا فتویٰ لکھا جس میں اس کو کافر قرار دیا' اور شیخ شہاب الدین بن جہبل شافعی نے اور مالکی علماء نے بھی اس کی موافقت کی اور اس کے گمراہ' بدعتی اور زندیق ہونے پر اتفاق کیا' سلطان نے تمام قاضیوں کو جمع کیا اور قاضی القضاۃ بدر الدین بن جماعہ نے اس فتویٰ کو پڑھ کر اس پر مہر لگائی اور لکھا کہ اس قول کا قائل بدعتی اور گمراہ ہے اور حنفی اور حنبلی علماء نے اس فتویٰ کی موافقت کی لہٰذا اس کے کفر پر اجماع ہو گیا۔ (کتاب دفع شبہ من شبہ وتمرد ص ۴۵-۴۱' ملخصاً' مطبعہ دار الکتاب العربیہ حلب' ۱۳۵۰ھ)

علامہ تاج الدین عبدالوہاب بن علی بن عبدالکافی السبکی المتوفی ۷۷۱ھ نے قصیدہ نونیہ میں ان مسائل کو جمع کیا ہے۔ جس میں اشاعرہ کا اختلاف ہے اور بعض عقائد کی سنت کے مطابق تصحیح کی ہے اس میں یہ شعر بھی ہے۔

کذب ابن فاعلہ یقول لجھلہ   اللہ جسم لیس کالجسمان

زانیہ کے بیٹے نے اپنے جہل کی وجہ سے یہ کہا کہ اللہ جسم ہے' حالانکہ اللہ جسموں کی مثل نہیں ہے۔

(طبقات الشافعیہ الکبریٰ ج ۳ ص ۳۷۹' دار احیاء الکتب العربیہ)

مشہور سیاح ابن بطوطہ لکھتے ہیں :

ابن تیمیہ دمشق کا بہت بڑا عالم تھا' لیکن اس کی عقل میں کمی تھی' دمشق کے علماء کے اس پر اعتراض تھے اس کو

قاضی القضاۃ کے سامنے پیش کیا گیا اور اس سے کہا ان اعتراضات کے جواب دو' اس نے کہا لا الہ الا اللہ اور کوئی جواب نہیں دیا' دوبارہ کہا دوبارہ اس نے یہی جواب دیا اس کو قاضی القضاۃ نے قید کر دیا' میں نے دمشق کے قیام کے دوران ایک دن اس کے پیچھے جمعہ پڑھا' یہ مسجد کے منبر پر وعظ کر رہا تھا' دوران وعظ اس نے کہا اللہ آسمان دنیا سے اس طرح اترتا ہے یہ کہہ کر اس نے منبر سے اتر کر دکھایا' پھر اس سے ابن الزہراء مالکی نے معارضہ کیا اور لوگوں نے ہاتھوں اور جوتوں سے اس کو اس قدر مارا کہ اس کی پگڑی گر گئی اور اس کا لباس پھٹ گیا- اس کو ایک حنبلی قاضی کے پاس لے گئے انہوں نے اس کو قید کرنے اور تعزیر لگانے کا حکم دیا- اس کے مردود اقوال میں سے یہ ہیں : اس نے کلمہ واحدہ سے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا' قبر انور کی زیارت کرنے والے کے لیے نماز قصر کرنے کو ناجائز کہا' ملک ناصر نے اس کو قلعہ میں قید کرنے کا حکم دیا اور یہ وہیں مر گیا- (رحلہ ابن بطوطہ ج ۱ ص ۱۱۲-۱۱۱' مطبوعہ دار احیاء العلوم بیروت)

امام ابو عبد اللہ شمس الدین محمد الذہبی المتوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں :

حافظ ابو العباس احمد بن تیمیہ حرانی بہت بڑا عالم تھا' اس کی تصانیف تین سو مجلدات کو پہنچتی ہیں' یہ دمشق اور مصر میں کئی مرتبہ فتنہ میں پڑا' اور مصر' قاہرہ' اسکندریہ اور قلعہ دمشق میں دو مرتبہ قید ہوا اور قلعہ دمشق میں ۷۲۸ھ ہجری میں فوت ہوا' اس کے بہت سے متفردات ہیں اور ائمہ میں سے ہر ایک کے قول کو اخذ بھی کیا جاتا ہے اور ترک بھی کیا جاتا ہے-

(تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۴۹۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں :

ابن تیمیہ نے اللہ تعالیٰ کے (آسمان سے) نازل ہونے کی حدیث بیان کی' پھر منبر کی دو سیڑھیوں سے اتر کر کہا جس طرح میں اترا ہوں اللہ اس طرح اترتا ہے' اس وجہ سے یہ کہا گیا کہ ابن تیمیہ اللہ تعالیٰ کے لیے جسمیت کا قائل ہے-

(الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۱۵۴' مطبوعہ دار الجیل بیروت)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں :

احمد بن تیمیہ نے عقیدہ حمویہ اور واسطیہ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہاتھ' پیر' چہرہ اور پنڈلی کا جو ذکر آیا ہے وہ اس کی صفات حقیقیہ ہیں اور اللہ تعالیٰ عرش پر بذاتہ مستوی ہے اس سے کہا گیا کہ اس سے تحیز اور انقسام لازم آئے گا' تو اس نے کہا میں یہ نہیں مانتا کہ تحیز اور انقسام اجسام کے خواص میں سے ہے' اس وجہ سے ابن تیمیہ کے متعلق کہا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے تحیز اور انقسام کا قائل ہے' بعض علماء نے ابن تیمیہ کو زندیق قرار دیا کیونکہ وہ کہتا تھا کہ نبی ﷺ سے مدد نہیں مانگنی چاہیے' اس کے قول میں نبی ﷺ کی تنقیص ہے اور آپ کی تعظیم کا انکار ہے' بعض علماء نے اس کو منافق قرار دیا' کیونکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتا تھا کہ آپ نے سترہ مقامات میں خطاء کی' اور کتاب اللہ کی مخالفت کی وہ جہاں بھی گئے انہوں نے شکست کھائی' انہوں نے بار بار خلافت حاصل کرنے کی کوشش کی اور ناکام رہے' اور ان کی جنگ حکومت کے لیے تھی دین کے لیے نہیں تھی' نیز ابن تیمیہ نے کہا کہ حضرت عثمان مال سے محبت کرتے تھے' حضرت ابوبکر کے متعلق کہا کہ وہ بوڑھے تھے وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا کر رہے ہیں' حضرت علی کے بارے میں کہا کہ وہ بچپن میں اسلام لائے تھے اور بچپن کا اسلام لانا ایک قول کے مطابق صحیح نہیں ہوتا- (الدرر الکامنہ ج ۱ ص ۱۵۵' مطبوعہ دار الجیل بیروت)

علامہ احمد شہاب الدین بن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۴ھ اس کے متعلق لکھتے ہیں :

احمد بن تیمیہ وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے رسوا کیا' اور گمراہ کیا اور اندھا اور بہرہ کیا اور ذلیل کیا' اس کی بڑے بڑے ائمہ نے تصریح کی ہے مثلاً امام مجتہد سبکی' اور ان کے بیٹے تاج سبکی اور امام عز بن جماعہ اور ان کے معاصرین اور دیگر شافعی' مالکی' اور حنفی علماء' اس شخص نے اکثر اکابر صوفیاء کو بدعتی کہا مثلاً عارف ابو الحسن شاذلی کو اور ابن عربی' ابن الفارض' ابن سبعین' الحلاج حسین بن منصور کو' اس کے معاصر تمام علماء نے اس کو فاسق اور بدعتی کہا بلکہ بہت علماء نے اس کو کافر کہا' اس کے زمانے کے ایک بہت بڑے عالم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا میں نے خود اس سے جامع الجبل کے منبر پر تقریر کرتے ہوئے سنا ہے اس نے حضرت عمر بن الخطاب کے متعلق کہا انہوں نے بہت سی غلطیاں کیں' اور حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا کہ حضرت علی نے تین سو سے زیادہ غلطیاں کیں اور اس نے اللہ تعالیٰ کے متعلق جسمیت اور جہت اور منتقل ہونے کا قول کیا' اور اس نے کہا اللہ عرش کے برابر ہے نہ اس سے چھوٹا ہے نہ بڑا ہے اور اس نے کہا کہ دوزخ فنا ہو جائے گی اور انبیاء غیر معصوم ہیں' اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی وجاہت نہیں اور نہ آپ کے ساتھ توسل کیا جائے' اور اس نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر کرنا معصیت ہے اور اس سفر میں نماز کو قصر کرنا جائز نہیں ہے اور یہ عنقریب آپ کی شفاعت سے قیامت کے دن محروم ہو گا' اور اس نے کہا کہ تورات اور انجیل کے الفاظ تبدیل نہیں ہوئے صرف معانی تبدیل ہوئے ہیں۔ ملخصاً" (فتاویٰ حدیثیہ ص ۱۰۰۔۹۹' ملخصاً مطبوعہ مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر)

علامہ ابن حجر مکی ایک اور مقام پر لکھتے ہیں :

تم اپنے آپ کو ابن تیمیہ اور اس کے شاگرد ابن قیم جوزیہ کی کتابوں سے بچائے رکھنا جس نے اپنی خواہش کی پیروی کی' اور اللہ نے اس کو علم کے باوجود گمراہ کر دیا' اور اس کے دل اور اس کے کانوں پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ (فتاویٰ حدیثیہ ص ۱۷۳' مطبوعہ مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر' ۱۳۵۶ھ)

ملا علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں :

ابن تیمیہ حنبلی نے اس مسئلہ میں بہت تفریط کی ہے کیونکہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر کو حرام قرار دیا ہے جیسا کہ اس مسئلہ میں بعض لوگوں نے افراط کیا ہے کیونکہ انہوں نے کہا کہ زیارت (قبر کریم) کا عبادت ہونا ضروریات دینیہ سے ہے اور اس کا منکر کافر ہے' اور ابن تیمیہ کی تکفیر کا قول صحت اور صواب کے زیادہ قریب ہے کیونکہ جس چیز کی اباحت پر اتفاق ہو اس کا انکار کفر ہے تو جس چیز کے استحباب پر علماء کا اتفاق ہو اس کو حرام قرار دینا بہ طریق اولیٰ کفر ہو گا۔

(شرح الشفاء علی ہامش نسیم الریاض ج ۳ ص ۵۱۴' مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں : اللہ کی جناب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کرنا مستحسن ہے' اور سلف اور خلف میں سے ابن تیمیہ کے سوا کسی نے اس کا انکار نہیں کیا' اس نے یہ بدعت کی اور وہ بات کہی جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کی۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۵۴' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

مشہور دیوبندی عالم شیخ محمد سرفراز گکھڑوی لکھتے ہیں :

امام ابن تیمیہ کے علمی اختیارات و تفردات ہیں جو ان کے فتاویٰ کی چوتھی جلد کے ساتھ کتابی شکل میں منسلک ہیں اور فتاویٰ میں بھی موجود ہیں' مثلاً یہ کہ سجدہ تلاوت کے لیے وضو ضروری نہیں۔ (فتاویٰ ج ۳ ص ۹۵) اور یہ کہ ایک مجلس یا ایک کلمہ کے ساتھ دی گئی تین طلاقیں صرف ایک ہی ہوتی ہے' اور یہ کہ حیض کی حالت میں طلاق نہیں ہوتی' اور یہ کہ ہر

بڑے اور چھوٹے سفر میں قصر اور دوگانہ ضروری ہے۔ (فتاوی ج ۳ ص ۹۵) اور یہ کہ اگر کوئی شخص عمداً" نماز چھوڑ دے تو اس کی قضا نہیں اور یہ کہ توسل درست نہیں اور استشفاء عند القبر جائز نہیں وغیرہ وغیرہ اور اسی قسم کے اختلافی مسائل کی وجہ سے ان کو حکومت وقت اور عوام اور علماء کی طرف سے خاصی دقت پیش آئی اور کئی مرتبہ قید و بند سے دوچار ہوئے مگر اپنے نظریات سے انہوں نے رجوع نہیں کیا اور تادم مرگ ان پر سختی سے کاربند اور مصر رہے۔

(سماع الموتیٰ ص ۱۳۴۔ ۱۳۳، مطبوعہ لاہور ' ۱۹۸۴ء)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور (نزول مسیح کے وقت) اہل کتاب میں سے ہر شخص اس کی موت سے پہلے ضرور اس پر ایمان لے آئے گا' اور قیامت کے دن عیسیٰ ان پر گواہ ہوں گے۔ (النساء : ۱۵۹)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا بیان

اس آیت کی دو تفسیریں ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ "قبل موتہ" کی ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں' ایک احتمال یہ ہے کہ یہ ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ ضمیر حضرت عیسیٰ کی طرف راجع ہے۔

پہلی صورت میں اس آیت کا معنی ہو گا : اہل کتاب میں سے ہر شخص اپنی موت سے پہلے ضرور حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی مختار ہے' امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

علی بن ابی طلحہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کوئی یہودی اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک حضرت عیسیٰ پر ایمان نہ لے آئے۔ (جامع البیان جز ۶ ص ۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی یہودی محل کے اوپر سے گرے تو وہ زمین پر پہنچنے سے پہلے حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا۔

سدی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا : ہر یہودی اور نصرانی اپنے مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰ بن مریم پر ایمان لے آئے گا' ان پر ان کے ایک شاگرد نے اعتراض کیا جو شخص ڈوب رہا ہو' یا آگ میں جل رہا ہو' یا اس پر اچانک دیوار گر جائے' یا اس کو درندہ کھا جائے وہ مرنے سے پہلے کیسے ایمان لائے گا' حضرت ابن عباس نے فرمایا اس کے جسم سے اس کی روح اس وقت تک نہیں نکلے گی جب تک کہ وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان نہ لائے۔ (جامع البیان جز ۶ ص ۲۸۔ ۲۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہ تفسیر مرجوح ہے کیونکہ جو یہودی یا نصرانی لڑائی میں اچانک دشمن کے حملہ سے مرجاتا ہے یا خودکشی کر لیتا ہے یا وہ کسی بھی حادثہ میں اچانک مرجاتا ہے اس کو کب حضرت عیسیٰ پر ایمان لانے کا موقع ملے گا' اور راجح دوسری تفسیر ہے جس میں یہ ضمیر حضرت عیسیٰ کی طرف راجع ہے' امام ابن جریر نے بھی اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے اور اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ قیامت سے پہلے آسمان سے زمین پر نازل ہوں گے' واضح رہے کہ مرزائی پہلی تفسیر کو راجح قرار دیتے ہیں تاکہ نزول مسیح نہ ثابت ہو' بہر نوع اس صورت میں معنی یہ ہے : اور (نزول مسیح کے وقت) اہل کتاب میں سے ہر شخص عیسیٰ کی موت سے پہلے ضرور ان پر ایمان لے آئے گا۔

امام ابن جریر اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں :

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کی موت سے پہلے۔

ابومالک نے اس کی تفسیر میں کہا جب حضرت عیسیٰ بن مریم کا زمین پر نزول ہو گا تو اہل کتاب میں سے ہر شخص ان پر ایمان لے آئے گا۔

حسن نے اس کی تفسیر میں کہا حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے' بہ خدا وہ اب بھی زندہ ہیں لیکن جب وہ زمین پر نازل ہوں گے تو ان پر سب ایمان لے آئیں گے۔

ابن زید نے کہا جب عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے تو دجال کو قتل کر دیں گے اور روئے زمین کا ہر یہودی حضرت عیسیٰ پر ایمان لے آئے گا۔ (جامع البیان جز ۶ ص ۲۶۔ ۲۵' مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی حکمتیں

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے نازل کرنے کی حسب ذیل حکمتیں ہیں :

(۱) یہود کے اس زعم اور دعویٰ کا رد کرنا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا ہے' اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل کر کے ان کے جھوٹ کو ظاہر فرما دے گا۔

(۲) جب ان کی مدت حیات پوری ہونے کے قریب ہو گی تو زمین پر ان کو نازل کیا جائے گا تاکہ ان کو زمین میں دفن کیا جائے کیونکہ جو مٹی سے بنایا گیا ہو اس میں یہی اصل ہے کہ اس کو مٹی میں دفن کیا جائے۔

(۳) جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سیدنا محمد ﷺ کی صفات اور آپ کی امت کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ آپ کو ان میں سے کر دے' اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو باقی رکھا حتی کہ آپ آخر زمانہ میں نازل ہوں گے' احکام اسلام کی تجدید کریں گے اور آپ کا نزول دجال کے خروج کے زمانہ کے موافق ہو گا سو آپ اس کو قتل کریں گے۔

(۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے نصاریٰ کے جھوٹے دعووں کا رد ہو گا جو وہ حضرت عیسیٰ کے متعلق کرتے رہے' وہ ان کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور یہ کہ یہودیوں نے ان کو سولی دی اور وہ مرنے کے تین دن بعد زندہ ہو گئے۔

(۵) نیز حضرت عیسیٰ نے نبی ﷺ کے آنے کی بشارت دی تھی اور مخلوق کو آپ کی تصدیق اور اتباع کی دعوت دی تھی اس لیے خصوصیت کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نازل فرمایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے متعلق احادیث

(۱) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے عنقریب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے' احکام نافذ کرنے والے' عدل کرنے والے' وہ صلیب کو توڑ ڈالیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ موقوف کر دیں گے اور اس قدر مال لٹائیں گے کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہیں ہو گا' حتی کہ ایک سجدہ کرنا دنیا اور مافیہا سے بہتر ہو گا' اور تم چاہو تو (اس کی تصدیق میں) یہ آیت پڑھو : وان من اهل الكتب الا ليؤمنن به قبل موته" "اہل کتاب میں سے ہر شخص حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا۔"

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۳۴۴۸' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۴۲' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۲۴۰' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۴۰۷۸' مسند احمد ج ۳ رقم الحدیث : ۱۰۹۴۴' صحیح ابن حبان ج ۱۵' رقم الحدیث : ۶۸۱۸' مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۳۹۹ رقم الحدیث ۲۰۸۴۰' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ ص ۱۴۴' رقم الحدیث : ۱۹۳۴۱' شرح السنہ ج ۷' رقم الحدیث ۴۱۷۰)

(۲) نیز امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تمہاری کیا شان ہو گی جب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہو گا۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث : ۳۴۴۹، صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۲۴۴، مسند احمد ج ۲ ص ۳۳۶، مصنف عبدالرزاق، رقم الحدیث : ۲۰۸۴۱، شرح السنہ ج ۷، رقم الحدیث : ۴۱۷۲)

(۳) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہ کر جنگ کرتی رہے گی اور وہ قیامت تک غالب رہے گی حتی کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے، ان (مسلمانوں) کا امیر کہے گا آئیے آپ ہم کو نماز پڑھایئے۔ حضرت عیسیٰ اس امت کی عزت افزائی کے لیے فرمائیں گے نہیں تمہارے بعض، بعض پر امیر ہیں۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۳۸۴، ۳۴۵، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

(۴) امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں میری جان ہے، عیسیٰ بن مریم فج روحاء (مدینہ سے چھ میل دور ایک جگہ) میں ضرور بلند آواز سے تلبیہ (لبیک اللھم لبیک' لبیک لا شریک لک لبیک) کہیں گے در آں حالیکہ وہ حج کرنے والے ہوں گے، یا عمرہ کرنے والے ہوں گے یا (دونوں کو ملا کر) حج قران کرنے والے ہوں گے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث : ۱۲۵۲)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب کو مٹا دیں گے، اور ان کے لیے نماز جماعت سے پڑھائی جائے گی، وہ مال عطا کریں گے، حتی کہ اس کو، کوئی قبول نہیں کرے گا، وہ خراج کو موقوف کر دیں گے، وہ مقام روحاء پر نازل ہوں گے، وہاں حج یا عمرہ کریں گے یا قران کریں گے، پھر حضرت ابو ہریرہ نے یہ آیت تلاوت کی وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ حنظلہ کا خیال ہے حضرت ابو ہریرہ نے "قبل موت عیسیٰ" پڑھا تھا، پتا نہیں یہ بھی حدیث کا جز ہے یا حضرت ابو ہریرہ نے خود تفسیر کی تھی۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۰، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

(۶) امام محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے، احکام نافذ کرنے والے، انصاف کرنے والے امام عادل ہوں گے، وہ ضرور راستوں پر حج یا عمرہ کرنے جائیں گے وہ ضرور میری قبر پر آئیں گے اور مجھ کو سلام کریں گے اور میں ان کے سلام کا جواب دوں گا، حضرت ابو ہریرہ نے (راوی سے) کہا اے میرے بھتیجے اگر تمہاری ان سے ملاقات ہو تو ان کو میرا سلام کہنا۔ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا، امام ذہبی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۵۹۵، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ، المطالب العالیہ ج ۴ ص ۲۳)

(۷) امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت نواس بن سمعان کلابی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر فرمایا اور اس کے ذکر میں آپ نے آواز پست بھی کی اور بلند بھی' (یا اس کو بہت معمولی بھی قرار دیا اور بہت ہولناک بھی) حتی کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ وہ کھجوروں کے جھنڈ میں (یہیں کہیں) ہے' ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے واپس ہوئے اور پھر حاضر ہوئے' آپ نے ہمارے چہروں کو وحشت زدہ دیکھ کر پوچھا : تمہیں کیا ہو گیا؟ ہم نے کہا : یا رسول اللہ! آپ نے دجال کا ذکر کیا اور اس کی حقارت اور ہولناکی کو بیان کیا حتی کہ ہم نے یہ گمان کیا کہ وہ کھجوروں کے جھنڈ میں ہے' آپ نے فرمایا دجال سے زیادہ مجھے ایک اور چیز کا تم پر خدشہ ہے اگر (بالفرض) دجال کا ظہور میرے سامنے ہوا تو تمہارے بجائے میں اس کے خلاف حجت پیش کروں گا' اور اگر دجال کا ظہور اس وقت ہوا جب میں تم میں نہیں ہوں گا تو ہر شخص خود اس کے مقابلہ میں حجت پیش کرے گا' اور میری طرف سے ہر مسلمان کا اللہ محافظ ہے' دجال گھنگھریالے بالوں والا جوان ہو گا' اس کی ایک آنکھ مٹی ہوئی ہو گی (کانا ہو گا) گویا کہ میں اس کو (زمانہ جاہلیت کے ایک شخص) عزی بن قطن کے غلام کے مشابہ پاتا ہوں' تم میں سے جو شخص اس کو دیکھے وہ سورہ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے' آپ نے فرمایا وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور دائیں بائیں فساد پھیلائے گا' اے اللہ کے بندو! ثابت قدم رہنا' ہم نے عرض کیا : یا رسول اللہ! اس کا زمین میں قیام کتنی مدت کے لیے ہو گا؟ آپ نے فرمایا چالیس دن تک' ایک دن ایک سال کی طرح ہو گا' اور ایک دن ایک مہینہ کی طرح ہو گا' اور ایک دن ایک جمعہ (سات دنوں) کی طرح ہو گا' اور باقی دن تمہارے دنوں کی طرح ہوں گے' ہم نے عرض کیا : یا رسول اللہ! یہ بتلائیے جو دن ایک سال کی طرح ہو گا اس میں ہمیں ایک دن کی نمازیں کافی ہوں گی؟ آپ نے فرمایا نہیں' لیکن تم اندازہ سے نماز کے اوقات مقرر کر لینا' ہم نے عرض کیا : یا رسول اللہ! وہ زمین میں کس قدر تیز رفتاری سے چلے گا؟ آپ نے فرمایا : جس تیز رفتاری سے ہوا بادلوں کو چلاتی ہے' پھر وہ لوگوں کے پاس جا کر ان کو اپنی دعوت دے گا وہ اس کی تکذیب کریں گے' اور اس پر رد کریں گے' جب وہ وہاں سے واپس ہو گا تو ان لوگوں کے اموال اس کے ساتھ چل پڑیں گے اور صبح کو وہ لوگ خالی ہاتھ رہ جائیں گے' پھر وہ دوسرے لوگوں کے پاس جائے گا اور ان کو دعوت دے گا وہ اس کی دعوت قبول کر لیں گے' اور اس کی تصدیق کریں گے' وہ آسمان کو بارش برسانے کا حکم دے گا تو بارش ہونے لگے گی' زمین کو درخت اگانے کا حکم دے گا تو وہ درخت اگائے گی' شام کو ان کے مویشی اپنی چراگاہوں سے اس طرح لوٹیں گے کہ ان کے کوہان لمبے' کوکھے چوڑے اور پھیلے ہوئے اور تھن دودھ سے بھرے ہوں گے' پھر وہ ایک ویران زمین سے کہے گا کہ اپنے خزانے نکالو' اور جب وہ لوٹے گا تو زمین کے خزانے اس کے پیچھے شہد کی مکھیوں کے سرداروں کی طرح (بہ کثرت) چل رہے ہوں گے' پھر وہ ایک جوان شخص کو بلائے گا جو بھرپور جوان ہو گا' اور تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دے گا پھر اس کو بلائے گا تو وہ خوشی سے ہنستا ہوا اس کے پاس آئے گا' وہ اسی حال میں ہو گا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم جامع مسجد دمشق کے سفید مشرقی منارہ پر اس حال میں اتریں گے کہ انہوں نے ہلکے زرد رنگ کے دو حلے پہنے ہوئے ہوں گے اور انہوں نے دو فرشتوں کے بازوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہوں گے جب آپ سر نیچا کریں گے تو پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے اور جب آپ سر اوپر اٹھائیں گے تو موتیوں کی طرح سفید چاندی کے دانے جھڑ رہے ہوں گے' جس کافر تک آپ کے سانس کی بو پہنچے گی وہ مر جائے گا اور آپ کے سانس کی بو حد نگاہ تک پہنچے گی' پھر حضرت عیسیٰ دجال کو تلاش کریں گے حتی کہ اس کو لد کے دروازے پر پا کر قتل کر دیں گے' پھر جب تک اللہ چاہے گا وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام رہیں گے' پھر اللہ تعالیٰ آپ کی

طرف وحی کرے گا کہ میرے بندوں کو پہاڑ طور کی طرف جمع کرو' کیونکہ میں وہاں اپنی ایک ایسی مخلوق اتاروں گا جس سے لڑنے کی کسی میں طاقت نہیں ہے' آپ نے فرمایا : اللہ یاجوج ماجوج کو بھیجے گا اور وہ اللہ کے ارشاد کے مطابق ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے' آپ نے فرمایا : یہ لوگ پہلے بحیرہ طبریہ سے گزریں گے اور اس کا سارا پانی پی جائیں گے' پھر یہاں سے ان کے آخری لوگ گزریں گے اور کہیں گے کہ شاید کبھی یہاں پانی تھا' پھر وہ چلتے چلتے بیت المقدس کے پہاڑ تک پہنچیں گے' اور کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو تو اب قتل کر لیا چلو اب آسمان والوں کو قتل کریں' وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے' اللہ ان کے خون آلودہ تیر واپس بھیج دے گا' اور حضرت عیسیٰ بن مریم اور ان کے اصحاب کا محاصرہ کیا جائے گا' حتیٰ کہ (بھوک کی وجہ سے) ان کے نزدیک بیل کا سر تمہارے سو دیناروں سے زیادہ قیمتی ہو گا' پھر حضرت عیسیٰ بن مریم اور ان کے اصحاب اللہ سے دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان (یاجوج ماجوج) کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کرے گا حتیٰ کہ وہ سب یک لخت مر جائیں گے' پھر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے اصحاب کے ساتھ اتریں گے تو ان کی بدبو' اور ان کی چربی اور ان کے خون سے ایک بالشت جگہ بھی خالی نہیں پائیں گے' پھر حضرت عیسیٰ اور ان کے اصحاب دعا کریں گے تو اللہ لمبی گردن والے اونٹوں کو مثل پرندے بھیجے گا' جو انہیں اٹھا کر پہاڑ کے غار میں پہنچا دیں گے' مسلمان ان کے تیر و ترکش سات سال تک جلائیں گے' پھر اللہ ایک بارش بھیجے گا جو ہر گھر اور ہر خیمہ تک پہنچے گی' اور تمام زمین کو دھو کر شیشہ کی طرح صاف شفاف کر دے گی' پھر زمین سے کہا جائے گا اپنے پھل باہر نکال اور اپنی برکتیں لوٹا' سو اس دن ایک جماعت ایک انار کھائے گی اور اس کے چھلکے کے سائے میں بیٹھے گی' دودھ میں اتنی برکت ہو گی کہ ایک اونٹنی کا دودھ پوری جماعت کے لیے کافی ہو گا' ایک گائے کے دودھ سے ایک قبیلہ سیر ہو جائے گا اور ایک بکری کا دودھ ایک چھوٹے قبیلہ کے لیے کافی ہو گا' وہ اس حال میں ہوں گے کہ اللہ ایک ہوا بھیجے گا جو ہر مومن کی روح کو قبض کر لے گی پھر (برے) لوگ باقی رہ جائیں گے وہ عورتوں سے اس طرح کھلم کھلا جماع کریں گے جس طرح گدھے کرتے ہیں' ان ہی لوگوں پر قیامت قائم ہو گی' یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۲۴۷' صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۹۳۷' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۳۲۱' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۴۰۷۵' مسند احمد ۴ رقم الحدیث : ۱۸' المستدرک ج ۴ ص ۹۲)

(۸) امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں دجال نکلے گا وہ چالیس ...... تک ٹھیرے گا' پتا نہیں آپ نے چالیس دن فرمایا تھا' یا چالیس ماہ یا چالیس سال فرمایا تھا' پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم کو بھیجے گا' گویا کہ وہ عروہ بن مسعود کی مثل ہوں گے' وہ دجال کو ڈھونڈ کر اس کو ہلاک کر دیں گے' پھر لوگ سات سال تک ٹھیرے رہیں گے' پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا بھیجے گا' اور روئے زمین میں جس شخص کے دل میں ایک ذرہ کے برابر بھی خیر یا ایمان ہو گا وہ ہوا اس کی روح کو قبض کرے گی اور زمین میں برے لوگ باقی رہ جائیں گے نہ وہ کسی نیکی کو پہچانیں گے نہ کسی برائی کا انکار کریں گے۔

(صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۹۴۰' مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۶' المستدرک ج ۴ ص ۵۴۳)

(۹) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک کہ رومی اعماق یا دابق (شام کے دو مقامات جو حلب کے قریب ہیں) نہ پہنچ جائیں' پھر ان (سے لڑنے) کے لیے مدینہ سے ایک

لشکر روانہ ہوگا' وہ اس وقت روئے زمین پر سب سے نیک لوگ ہوں گے' جب دونوں لشکر صف آراء ہوں گے تو رومی (مسلمانوں سے) کہیں گے تم ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان نہ آؤ جنہوں نے ہمارے کچھ لوگوں کو قیدی بنا لیا ہے' مسلمان کہیں گے نہیں بہ خدا ہم تم کو اپنے بھائیوں سے لڑنے کے لیے نہیں چھوڑیں گے' پھر وہ ان سے لڑیں گے تو ان میں سے ایک تہائی مسلمان بھاگ جائیں گے' اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کبھی قبول نہیں کرے گا' اور ایک تہائی مسلمان قتل کر دیئے جائیں گے' وہ اللہ کے نزدیک افضل الشہداء ہوں گے' بقیہ تہائی فتح حاصل کریں گے وہ کبھی آزمائش میں مبتلا نہیں ہوں گے' وہ قسطنطنیہ کو فتح کرلیں گے' جس وقت وہ مال غنیمت کو تقسیم کریں گے اور اپنی تلواریں زیتون کے درختوں پر لٹکا دیں گے' تو اچانک شیطان چیخ مار کر کہے گا' تمہارے بال بچوں کے پاس مسیح دجال پہنچ گیا ہے' مسلمان وہاں سے نکل پڑیں گے' حالانکہ یہ خبر غلط ہوگی' جب یہ ملک شام پہنچیں گے تب دجال نکلے گا' جس وقت وہ لڑائی کے لیے صفیں درست کریں گے' اور نماز قائم کی جائے گی تو حضرت عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے اور وہ مسلمانوں کو نماز پڑھائیں گے' اور جب اللہ کا دشمن (دجال) ان کو دیکھے گا تو وہ اس طرح پگھل جائے گا جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے' اگر حضرت عیسیٰ اس کو چھوڑ دیتے تب بھی وہ پگھل کر ہلاک ہو جاتا' لیکن اللہ ان کو حضرت عیسیٰ کے ہاتھ سے قتل کرے گا اور ان کے نیزے پر اس کا خون (لوگوں کو) دکھائے گا۔ (صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۲۸۹۷)

(۱۰) حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے ہم اس وقت مذاکرہ کر رہے تھے' آپ نے پوچھا تم کس چیز کا ذکر کر رہے ہو' صحابہ نے کہا ہم قیامت کا ذکر کر رہے ہیں' آپ نے فرمایا : قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک تم دس علامتیں نہ دیکھ لو پھر آپ نے دخان (دھوئیں) دجال' دابۃ الارض' سورج کا مغرب سے طلوع' عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول' یاجوج ماجوج' تین بار زمین کا دھنسنا' مشرق میں دھنسنا' مغرب میں دھنسنا' جزیرۃ العرب کا دھنسنا' اس کی آخری علامت آگ ہوگی جو یمن سے نکلے گی اور لوگوں کو محشر کی طرف لے جائے گی۔

(صحیح مسلم : ۲۹۰۱' سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۳۱۱' سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۱۹۰' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۴۰۴۱' مسند احمد ج ۵' رقم الحدیث : ۱۶۱۴۴' مسند الطیالسی' رقم الحدیث : ۱۰۶۷' مسند الحمیدی' رقم الحدیث : ۸۲۷' شرح السنہ' رقم الحدیث : ۴۲۵۰)

(۱۱) امام ابو عبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری امت کی دو جماعتوں کو اللہ آگ سے محفوظ رکھے گا' ایک وہ جماعت جو ہند میں جہاد کرے گی' دوسری وہ جماعت جو عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے ساتھ ہوگی۔ (سنن نسائی' رقم الحدیث : ۳۱۷۵' مسند احمد ۵ ص ۲۷۸' المعجم الاوسط' رقم الحدیث : ٦۷۴۷' اس کے تمام راوی ثقہ ہیں (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۲۸۲)

(۱۲) امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے' اور وہ (آسمان سے) نازل ہوں گے' جب تم ان کو دیکھو گے تو پہچان لو گے' ان کا رنگ سرخی آمیز سفید ہوگا' قد متوسط ہوگا دو ہلکے زرد حلے پہنے ہوئے ہوں گے' ان پر تری نہیں ہوگی لیکن گویا ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہوں گے' وہ لوگوں سے اسلام پر قتال کریں گے' صلیب کو توڑ دیں گے جزیہ موقوف کر دیں گے' اللہ ان کے زمانہ میں اسلام کے سوا باقی تمام

مذاہب کو مٹا دے گا' وہ مسیح دجال کو ہلاک کریں گے' چالیس سال زمین میں قیام کرنے کے بعد وفات پائیں گے اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ (سنن ابوداؤد' رقم الحدیث : ۴۳۲۴' مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۷' جامع البیان جز ۶ ص ۲۱' طبع دار المعرفہ)

(۱۳) امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت مجمع بن جاریہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابن مریم' دجال کو لد (بیت المقدس کے قریب فلسطین کی ایک بستی ہے) کے دروازے کے قریب قتل کریں گے۔

(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۲۲۵۱' مسند احمد ج ۵ رقم الحدیث : ۱۵۴۶۶' المعجم الکبیر ج ۱۹' رقم الحدیث ۱۰۷۷' مسند الطیالسی' رقم الحدیث : ۱۲۲۷' مصنف عبدالرزاق' رقم الحدیث : ۲۰۸۳۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵' رقم الحدیث : ۱۹۳۳۹)

(۱۴) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی جب تک تم میں عیسیٰ بن مریم نازل نہ ہو جائیں احکام نافذ کرنے والے' عدل کرنے والے' وہ صلیب کو توڑیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ کو موقوف کر دیں گے' اور اس قدر مال عطا کریں گے کہ اس کو لینے والا کوئی نہیں ہو گا۔

(صحیح البخاری' رقم الحدیث : ۲۴۷۶' نحوہ صحیح مسلم' رقم الحدیث : ۱۵۵' سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث : ۴۰۷۸' مسند احمد ج ۲ ص ۴۹۴' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵' رقم الحدیث : ۱۹۳۴۱)

(۱۵) امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گا' پس میں شفاعت کروں گا' اور میری امت کے لوگ عنقریب عیسیٰ بن مریم کو پائیں گے اور دجال سے قتال کا مشاہدہ کریں گے۔

(المعجم الاوسط ج ۵' رقم الحدیث : ۴۱۷۲' حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے المستدرک ج ۴ ص ۵۴۴' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۴۹)

(۱۶) امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص عیسیٰ بن مریم کو پائے ان کو میری طرف سے سلام کہے۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (المستدرک ج ۴ ص ۵۴۵)

(۱۷) امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جب تک دس علامتیں (ظاہر) نہ ہوں قیامت قائم نہیں ہو گی' مشرق میں زمین دھنس جائے گی' اور مغرب میں اور جزیرہ عرب میں' اور دجال کا خروج ہو گا اور دھوئیں کا ظہور ہو گا' اور عیسیٰ کا نزول ہو گا' اور یاجوج ماجوج اور دابۃ الارض' اور سورج کا مغرب سے طلوع' اور عدن کے وسط سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو محشر کی طرف لے جائے گی۔

(المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۸۰۔۷۹' المستدرک ج ۴ ص ۴۲۸' مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۲۸)

(۱۸) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے امید ہے کہ اگر میری عمر طویل ہوئی تو میں عیسیٰ بن مریم کو پا لوں گا' اور اگر مجھے جلدی موت آ گئی تو جو ان کو پائے وہ ان کو میرا سلام کہہ دے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۳۹۹' ۳۹۸' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت)

حضرت عبداللہ بن سلام اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ تورات میں (سیدنا) محمد (ﷺ) کی صفت لکھی ہوئی ہے اور عیسیٰ بن مریم آپ کے ساتھ دفن کیے جائیں گے' ابو مودود نے کہا آپ کے روضہ میں ایک قبر کی جگہ رکھی ہوئی ہے۔ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔(سنن ترمذی' رقم الحدیث : ۳۶۱۷' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۰۶)

(۱۹) امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت اوس بن اوس بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا : عیسیٰ بن مریم علیہ السلام جامع دمشق کے سفید مشرقی کنارہ کے پاس نازل ہوں گے۔ (المعجم الکبیر ج ۱ رقم الحدیث : ۵۹۰' مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۰۵' الجامع الصغیر ج ۲' رقم الحدیث : ۱۰۰۲۳' الجامع الکبیر ج ۹' رقم الحدیث : ۲۸۹۰۴' تہذیب تاریخ دمشق ج ۵ ص ۳۰۴)

(۲۰) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : میری امت میں سے بعض لوگ ہمیشہ حق پر قائم رہیں گے' جو ان سے عداوت رکھے گا ان پر غالب رہیں گے' حتی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا حکم آجائے گا' اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۴۲۹' یہ حدیث صحیح ہے' اقامۃ البرہان ص ۵۸)

(۲۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے درآں حالیکہ میں رو رہی تھی' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : تم کس وجہ سے رو رہی ہو؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں دجال کو یاد کرکے رو رہی ہوں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر (بالفرض) وہ میری زندگی میں نکلا تو میں اس کے لیے کافی ہوں' اور اگر میرے بعد دجال نکلا تو تمہارا رب عزوجل کانا نہیں ہے' وہ اصفہان (ایران کا ایک شہر) کے یہودیوں میں سے نکلے گا' حتی کہ مدینہ پہنچے گا اور اس کی ایک جانب میں ٹھیرے گا' اس دن مدینہ کے سات دروازے ہوں گے اور ہر دو پہاڑوں کے درمیانی راستہ میں دو فرشتے ہوں گے' اور سب برے لوگ دجال کے ساتھ آملیں گے' حتی کہ وہ شام میں پہنچے گا' اور فلسطین کی بستی لد کے دروازہ میں آئے گا' پھر عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور اس کو قتل کر دیں گے' پھر عیسیٰ علیہ السلام زمین پر چالیس سال ٹھہریں گے' درآں حالیکہ وہ امام عادل' اور انصاف کرنے والے حاکم ہوں گے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵' رقم الحدیث : ۱۹۳۲۰' مسند احمد ج ۶ ص ۷۵' اس حدیث کے راوی صحیح اور ثقہ ہیں مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۳۸)

(۲۲) امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب سے اللہ نے آدم کو پیدا کیا ہے اس وقت سے قیامت تک دجال سے بڑا فتنہ روئے زمین پر نازل نہیں کیا' اور میں تم کو اس کے متعلق ایسی بات بتاتا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نبی نے نہیں بتائی' وہ گندمی رنگ کا ہو گا' اس کے بال گھنگریالے ہوں گے اور اس کی بائیں آنکھ رگڑی ہوئی ہو گی۔ اس کی دونوں آنکھوں پر دبیز گوشت چڑھا ہوا ہو گا' وہ کہے گا میں تمہارا رب ہوں' سو جس نے کہہ دیا کہ میرا رب اللہ ہے وہ کسی آزمائش میں نہیں پڑے گا' اور جس نے کہہ دیا تو میرا رب ہے وہ آزمائش میں پڑ جائے گا' جب تک اللہ چاہے گا وہ تم میں سے ٹھیرے گا' پھر عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے' درآں حالیکہ وہ (سیدنا) محمد ﷺ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے' اور آپ کی ملت پر ہوں گے' امام' مہدی' حاکم اور عادل ہوں گے سو وہ دجال کو قتل کر دیں گے۔

(المعجم الاوسط ج ۵' رقم الحدیث : ۴۵۷۷' اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۳۶)

(۴۳) امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے متعلق ہمیں بہت طویل خطبہ دیا' اور ہمیں دجال سے ڈرایا' اور فرمایا جب سے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو زمین میں پھیلایا ہے دجال سے بڑا کوئی فتنہ نہیں ہے' اور اللہ عزوجل نے جس نبی کو بھی بھیجا اس نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا اور میں نبیوں میں سب سے آخر ہوں اور تم امتوں میں سب سے آخر ہو' اور وہ لامحالہ نکلنے والا ہے اگر وہ (بالفرض) تمہارے درمیان میری موجودگی میں نکلا' تو میں ہر مسلمان کی طرف سے اس سے مقابلہ کروں گا' اور اگر وہ میرے بعد نکلا تو ہر شخص خود اس سے مقابلہ کرے گا اور ہر مسلمان میری طرف سے نگہبان ہے' اور وہ شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا' وہ اپنے دائیں اور بائیں فساد برپا کرے گا' اے اللہ کے بندو! ثابت قدم رہنا' میں عنقریب تمہارے لیے اس کی صفات بیان کروں گا جو مجھ سے پہلے کسی نبی نے بیان نہیں کیں وہ ابتداء" یہ کہے گا کہ میں نبی ہوں' حالانکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے' پھر دوبارہ یہ کہے گا' میں تمہارا رب ہوں' حالانکہ تم موت سے پہلے اپنے رب کو نہیں دیکھو گے' اور وہ کانا ہو گا اور تمہارا رب کانا نہیں ہے اور اس کی آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہو گا' جس کو ہر مومن پڑھے گا خواہ وہ لکھنے والا ہو یا نہ ہو۔ اور دجال کے فتنوں میں سے یہ ہے کہ اس کے ساتھ جنت اور دوزخ ہو گی' حالانکہ اس کی دوزخ جنت ہو گی اور اس کی جنت دوزخ ہو گی' جو شخص اس کی دوزخ میں مبتلا ہو وہ اللہ سے مدد طلب کرے' اور سورہ کہف کی ابتدائی آیات پڑھے' تو اس پر وہ دوزخ ٹھنڈک اور سلامتی والی ہو جائے گی جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی ہو گئی تھی' اور اس کے فتنوں میں سے یہ ہے کہ وہ ایک اعرابی سے کہے گا یہ بتا کہ اگر میں تیرے لیے تیرے ماں باپ کو زندہ کر دوں تو کیا تو یہ گواہی دے گا کہ میں تیرا رب ہوں؟ وہ کہے گا ہاں! پھر وہ دو شیطانوں کو اس کے ماں باپ کی صورتوں میں متمثل کر دے گا اور وہ کہیں گے اے میرے بیٹے اس کی اطاعت کرو یہ تمہارا رب ہے' اور اس کے فتنوں میں سے یہ ہے کہ وہ ایک شخص پر مسلط ہو کر اس کو قتل کر دے گا اس کے آری سے دو ٹکڑے کر دے گا' پھر کہے گا اب میرے اس بندے کی طرف دیکھو میں اس کو زندہ کرتا ہوں پھر کیا یہ گمان کرے گا کہ میرے سوا اس کا کوئی رب ہے؟ اللہ اس شخص کو زندہ کر دے گا' اور وہ خبیث اس شخص سے کہے گا' تیرا رب کون ہے' وہ کہے گا میرا رب اللہ ہے! اور تو اللہ کا دشمن ہے اور تو دجال ہے بہ خدا مجھے آج سے پہلے تیرے متعلق اتنی بصیرت نہ تھی!

ابو الحسن طنافسی (امام ابن ماجہ کے شیخ) نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : وہ شخص میری امت میں سے جنت کے سب سے بلند درجہ میں ہو گا' ابو سعید نے کہا بہ خدا ہمیں یہ یقین تھا کہ وہ شخص حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں' حتیٰ کہ وہ شہید ہو گئے' محاربی نے کہا اب ہم پھر ابو رافع (حضرت ابو امامہ باہلی) کی روایت کی طرف رجوع کرتے ہیں!

آپ نے فرمایا : اور دجال کے فتنوں میں سے یہ ہے کہ وہ آسمان کو بارش برسانے کا حکم دے گا تو بارش ہو گی' اور زمین کو درخت اگانے کا حکم دے گا تو زمین درخت اگائے گی' اور اس کے فتنوں میں سے یہ ہے کہ وہ ایک قبیلہ کے پاس سے گزرے گا تو وہ اس کی تکذیب کریں گے سو ان کے تمام مویشی ہلاک ہو جائیں گے' اور اس کے فتنوں میں سے یہ ہے کہ وہ ایک قبیلہ کے پاس سے گزرے گا وہ اس کی تصدیق کریں گے تو وہ آسمان کو بارش کا حکم دے گا تو بارش ہو جائے گی

اور زمین کو سبزہ اگانے کا حکم دے گا تو زمین سبزہ اگائے گی حتی کہ ان کے مویشی چریں گے' اور وہ پہلے سے بہت موٹے اور فربہ ہو جائیں گے ان کی کوکھیں بھری ہوئی ہوں گی اور ان کے تھن دودھ سے پر ہوں گے' وہ تمام روئے زمین کا سفر کر کے اس پر غلبہ حاصل کرے گا ماسوا مکہ اور مدینہ کے' ان کے درمیان پہاڑی راستوں پر وہ نہیں جا سکے گا اور ہر راستہ پر فرشتے تلواریں سونتے کھڑے ہوں گے' حتی کہ وہ بنجر زمین میں ایک چھوٹی پہاڑی پر اترے گا' پھر مدینہ میں تین زلزلے آئیں گے' اور ہر منافق مرد اور ہر منافق عورت نکل کر اس کی طرف آ جائیں گے۔ سو مدینہ اپنے میل کچیل کو اس طرح نکال دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے زنگ کو نکال دیتی ہے' اور وہ دن یوم نجات کہلائے گا' پھر ام شریک بنت ابی العکر نے کہا یا رسول اللہ! اس دن عرب کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا عرب اس دن کم ہوں گے' اور وہ سب بیت المقدس میں ہوں گے' اور ان کا امام ایک نیک شخص ہو گا' جس وقت ان کا امام ان کو صبح کی نماز پڑھا رہا ہو گا' اس وقت صبح کو عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے' وہ امام الٹے پیر پیچھے ہٹ جائے گا' تاکہ حضرت عیسیٰ آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام اپنا ہاتھ اس کے دو کندھوں پر رکھ کر فرمائیں گے' آگے بڑھو' نماز پڑھاؤ اقامت تمہارے لیے کہی گئی ہے' پھر ان کا امام ان کو نماز پڑھائے گا' جب وہ نماز پڑھ لے گا تو عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے (مسجد کا) دروازہ کھول دو' دروازہ کھولا جائے گا تو اس کے پیچھے ستر ہزار یہودیوں کے ساتھ دجال ہو گا' وہ سب موٹی چادریں اوڑھے تلواروں سے مسلح ہوں گے' جب دجال حضرت عیسیٰ کو دیکھے گا تو اس طرح پگھل جائے گا جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے اور وہ وہاں سے بھاگے گا' عیسیٰ فرمائیں گے میں تجھے ایک ایسی ضرب لگاؤں گا جس سے تو زندہ نہ رہ سکے گا پھر اس کو لد (فلسطین کی ایک بستی) کے مشرقی دروازہ کے پاس قتل کر دیں گے' پھر یہودی شکست کھا جائیں گے وہ جس چیز کے پیچھے جا کر چھپیں گے وہ چیز بتا دے گی یہاں یہودی چھپا ہوا ہے خواہ وہ پتھر ہو' درخت ہو' دیوار ہو یا کوئی جانور ہو۔ اس سے آواز آئے گی اے اللہ کے مسلمان بندے یہ یہودی ہے؟ اس کو قتل کر دے۔ الحدیث بطولہ۔ (سنن ابن ماجہ' رقم الحدیث: ٤٠٧٧' المستدرک ج ٤ ص ٥٣٦' شرح المواہب اللدنیہ ج ٦ ص ٥٣' ٦١)

(٢٤) امام جعفر صادق اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خوش ہو جاؤ اور لوگوں کو خوش خبری دو' میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے پتا نہیں اس کے اول میں خیر ہے یا آخر میں' یا اس باغ کی طرح ہے جس سے ایک سال تک ایک فوج کھاتی رہی' پھر دوسرے سال ایک اور فوج کھاتی رہی اور شاید دوسری فوج زیادہ وسیع' عریض اور حسین تھی اور وہ امت کیسے ہلاک ہو گی جبکہ اول میں ہوں وسط میں مہدی ہے اور آخر میں مسیح ہے لیکن ان کے درمیان ایسے ٹیڑھے لوگ بھی ہوں گے جو نہ مجھ سے ہیں اور نہ میں ان سے ہوں۔ (مشکوۃ ص ٥٨٣ مطبوعہ دہلی)

(٢٥) امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ٢١١ھ روایت کرتے ہیں:

طاؤس روایت کرتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے در آں حالیکہ وہ امام اور ہادی ہوں گے اور عدل و انصاف کرنے والے' جب وہ نازل ہوں گے تو صلیب کو توڑ دیں گے' اور خنزیر کو قتل کریں گے اور جزیہ موقوف کر دیں گے' اور سب لوگ ایک ہی ملت پر ہوں گے' ان کے احکام زمین پر نافذ ہوں گے حتی کہ شیر گائے کے ساتھ بیل کی طرح چلے گا' اور بھیڑیا بکریوں کے ساتھ کتے کی طرح۔ الحدیث (مصنف عبدالرزاق ج ١١' رقم الحدیث: ٢٠٨٤٣' مطبوعہ بیروت' ١٣٩٠ھ)

(٢٦) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نازل نہ ہو جائیں' وہ امام عادل ہوں گے ۔۔۔ خنزیر کو قتل کریں گے۔ صلیب کو توڑ دیں گے۔ جزیہ کو موقوف کریں گے۔

رب العلمین کے لیے ایک (طرح کا) سجدہ ہو گا' جنگ اپنے بوجھ اتار دے گی اور زمین اسلام سے اس طرح بھر جائے گی جس طرح کنواں پانی سے بھر جاتا ہے اور زمین کو دسترخوان بنا دیا جائے گا اور عداوت اور بغض کو اٹھا لیا جائے گا بھیڑیا بکریوں میں کتے کی طرح ہو گا' اور شیر اونٹنیوں میں ان کے نر کی طرح ہو گا۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۸' رقم الحدیث : ۲۰۸۴۴)

(۲۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تمام انبیاء باپ شریک بھائی ہیں۔ ان کا دین واحد ہے اور ان کی مائیں (شریعتیں) مختلف ہیں۔ ان میں میرے سب سے قریب عیسیٰ بن مریم ہیں کیونکہ میرے اور ان کے درمیان کوئی رسول نہیں ہے' وہ ضرور تم میں نازل ہوں گے ان کو پہچان لینا وہ متوسط القامت اور سرخی مائل سفید ہوں گے' خنزیر کو قتل کر دیں گے' صلیب کو توڑ دیں گے' جزیہ کو موقوف کر دیں گے' اسلام کے سوا اور کسی دین کو قبول نہیں کریں گے' ان کی دعوت صرف ایک ہو گی رب العلمین کے لیے۔ ان کے زمانہ میں عدل ہو گا' حتی کہ شیر گایوں کے ساتھ اور بھیڑیا بکریوں اور بچے سانپوں کے ساتھ کھیلیں گے اور کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۱۱ رقم الحدیث : ۲۰۸۴۵' مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵ رقم الحدیث : ۱۹۳۴۲)

(۲۸) یزید بن اصم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ تم دیکھتے ہو کہ میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں' اور بڑھاپے کی وجہ سے میں جاں بلب ہو رہا ہوں اور بہ خدا مجھے امید ہے کہ میں عیسیٰ کو پالوں گا اور ان کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بیان کروں گا اور وہ میری تصدیق کریں گے۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۱۱' رقم الحدیث : ۲۰۸۴۶)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں :

(۲۹) حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے جب دجال ان کو دیکھے گا تو اس طرح پگھل جائے گا جس طرح چربی پگھل جاتی ہے' پھر دجال قتل کر دیا جائے گا اور یہود اس سے منتشر ہو جائیں گے' پس ان کو قتل کیا جائے گا حتی کہ پتھر کہے گا اے اللہ کے مسلمان بندے یہ یہودی ہے اس کو قتل کر دے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵' رقم الحدیث : ۱۹۳۴۰)

(۳۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے۔ فج روحاء میں ضرور حضرت عیسیٰ حج یا عمرہ یا قران کا تلبیہ پڑھیں گے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵' رقم الحدیث : ۱۹۳۴۲' شرح السنہ ج ۷' رقم الحدیث : ۳۱۷۲)

(۳۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا مسیح کے خروج کے لیے مساجد کی تجدید کی جائے گی وہ عنقریب نکلیں گے' صلیب کو توڑ دیں گے' اور خنزیر کو قتل کریں گے' جو شخص ان کو پائے گا وہ ان پر ایمان لے آئے گا' تم میں سے جو شخص ان کو پائے وہ ان کو میرا اسلام پہنچائے' پھر انہوں نے میری طرف (یعنی ابن المغیرہ کی طرف) توجہ کی اور کہا میرے خیال میں تم سب سے کم عمر ہو پس اگر تم ان کو پاؤ تو میرا اسلام کہنا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۵' رقم الحدیث : ۱۹۳۴۳)

(۳۲) امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : سنو عیسیٰ بن مریم اور میرے درمیان کوئی نبی ہے نہ کوئی رسول ہے۔ سنو وہ میری امت میں میرے بعد خلیفہ ہوں گے' سنو وہ دجال کو قتل کریں گے' اور صلیب کو توڑ دیں گے' اور جزیہ کو موقوف کریں گے اور جنگ اپنے بوجھ اتار دے گی' سنو تم میں سے جو شخص ان کو پائے وہ انہیں میرا

سلام پہنچادے۔ (المعجم الصغیر، رقم الحدیث : ۷۲۵، المعجم الاوسط ج ۵، رقم الحدیث : ۴۸۹۵)

(۳۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے اور لوگوں میں چالیس سال ٹھیریں گے۔ (المعجم الاوسط ج ۶، رقم الحدیث ۵۴۶۰)

(۳۴) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : دجال نکلنے والا ہے، وہ کانا ہو گا اس کی بائیں آنکھ پر ناخن کے برابر دبیز گوشت ہو گا، وہ مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست کرے گا اور مردوں کو زندہ کرے گا اور لوگوں سے کہے گا میں تمہارا رب ہوں، پس جس نے کہا تو میرا رب ہے، وہ فتنہ میں پڑ گیا اور جس نے کہا میرا رب اللہ ہے حتیٰ کہ مر گیا، وہ دجال کے فتنہ سے بچ گیا اور اس پر کوئی فتنہ نہیں ہو گا، جب تک اللہ چاہے گا وہ زمین پر ٹھیرے گا، پھر مغرب کی طرف سے عیسیٰ بن مریم نکلیں گے، وہ (سیدنا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کریں گے، اور دجال کو قتل کریں گے، اور یہی قیامت کا قائم ہونا ہے۔

(المعجم الکبیر ج ۷، رقم الحدیث : ۶۹۱۸، مسند احمد ج ۵ ص ۱۳، کشف الاستار عن زوائد البزار، رقم الحدیث : ۳۳۹۸)

(۳۵) امام احمد بن عمرو بن عبد الخالق بزار متوفی ۲۹۲ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابو القاسم صادق مصدوق (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا جس زمانہ میں لوگوں کا اختلاف اور فرقے ہوں گے اس زمانہ میں کانا دجال مسیح الضلالہ مشرق کی طرف سے نکلے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس کو چالیس دن میں جہاں تک چاہے گا زمین پر پہنچائے گا، اس کی مسافت کی مقدار کا اللہ ہی کو علم ہے، اور مسلمان بہت سختی اٹھائیں گے، پھر عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے، پس وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے، جب وہ رکوع سے سر اٹھائیں گے، تو کہیں گے سمع اللہ لمن حمدہ اللہ تعالیٰ مسیح دجال کو قتل کر دے گا اور مسلمانوں کو غالب کر دے گا، اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار، رقم الحدیث : ۳۳۸۷)

(۳۶) امام ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : دجال مدینہ میں داخل نہیں ہو گا، کیونکہ خندق اور مدینہ کے ہر راستہ میں فرشتے اس کی حفاظت کر رہے ہیں، سب سے پہلے عورتیں اور باندیاں اس کی اتباع کریں گی، پھر وہ چلا جائے گا پھر لوگ اس کی اتباع کریں گے پھر وہ غصہ میں بھر کر واپس جائے گا حتیٰ کہ خندق میں گر جائے گا اس وقت عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے۔ (المعجم الاوسط ج ۶، رقم الحدیث : ۵۴۶۱)

(۳۷) حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں :

امام محمد بن سعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت سے پہلے عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے، وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے، اور لوگوں کو ایک دین پر جمع کریں گے، اور جزیہ کو موقوف کریں گے۔

(جامع الاحادیث الکبیر ج ۹، رقم الحدیث : ۲۸۹۰۵)

(۳۸) امام دیلمی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : روئے زمین کے آٹھ سو بہترین مرد اور چار سو بہترین عورتوں پر عیسیٰ بن مریم کا نزول ہو گا۔ (جامع الاحادیث الکبیر ج ۹، رقم الحدیث : ۲۸۹۰۶)

(۳۹) امام ابو داؤد الطیالسی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ دجال پر حضرت عیسیٰ بن مریم کے سوا اور کسی کو

مسلط نہیں کیا جائے گا۔ (الجامع الصغیر ج ۲ ' رقم الحدیث : ۷۲۶۳)

(۴۰) امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ کی قسم! ابن مریم ضرور نازل ہوں گے' احکام نافذ کرنے والے' عدل کرنے والے' وہ صلیب کو ضرور توڑیں گے' خنزیر کو ضرور قتل کریں گے' اور جزیہ ضرور موقوف کریں گے اور ضرور اونٹنیوں کو چھوڑ دیا جائے گا اور کوئی ان پر ڈاکہ نہیں ڈالے گا' اور کینہ' بغض اور حسد ضرور نکل جائے گا اور وہ مال کی طرف بلائیں گے سو اس کو کوئی قبول نہیں کرے گا۔

(شرح السنہ ج ۷ ' رقم الحدیث : ۴۱۷۱ ' مسند احمد ج ۲ ص ۷ ۴۳ ' ۴۰۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے متعلق یہ چالیس احادیث میں نے کتب صحاح ستہ' مسانید اور معاجم سے منتخب کی ہیں اور ان تمام احادیث کی اسانید صحیح اور ثقہ راویوں پر مشتمل ہیں' اکثر احادیث صحیح ہیں اور بعض حسن ہیں اور کوئی سند بھی درجہ اعتبار سے ساقط نہیں ہے' کتب احادیث میں ان احادیث کے علاوہ اور بھی صحیح اور معتبر احادیث ہیں لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور بشارت کے حصول کے لیے چالیس احادیث پر اکتفاء کی نیز یہ خیال بھی تھا کہ کہیں قارئین اکتاہٹ اور ملال کا شکار نہ ہو جائیں اور ان احادیث کو جمع کرنے کا محرک اور باعث یہ تھا کہ مرزائی بڑے شد و مد سے نزول مسیح کا انکار کرتے ہیں۔ سو میں نے پہلے قرآن مجید کی زیر تفسیر آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کو واضح کیا۔ بعد ازاں یہ احادیث بیان کی ہیں جو اپنی کثرت کے اعتبار سے معنیً "متواتر ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : تو یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر کئی پاک چیزیں حرام کر دیں جو پہلے ان پر حلال تھیں' اور اس وجہ سے کہ وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے بہت روکتے تھے۔ (النساء : ۱۶۰)

اس آیت کا معنی ہے چونکہ یہود نے اللہ سے کیے ہوئے میثاق کو توڑ دیا' اور اللہ کی آیات کا انکار کیا' اور انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا' حضرت مریم پر بہتان باندھا اور اللہ کے بندوں کو اللہ کے دین اور اس کے راستہ سے روکنے کے لیے' اللہ کی کتاب میں ترمیم اور تحریف کی' اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صدق کے واضح ہونے کے باوجود اس کا انکار کیا تو اللہ نے بہ طور سزا کئی پاک چیزیں ان پر حرام کر دیں ان چیزوں کا بیان انشاء اللہ سورۃ الانعام کی تفسیر میں وضاحت کے ساتھ آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ان کے سود لینے کی وجہ سے' حالانکہ ان کو اس سے منع کیا گیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے' اور ان میں سے کافروں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔ (النساء : ۱۶۱)

سود کی دو قسمیں ہیں ربا النسیئہ اور ربا الفضل' ربا النسیئہ کی تعریف یہ ہے کہ مدت میں تاخیر کی بنا پر مقروض سے اصل رقم سے ایک معین رقم معین شرح کے ساتھ زائد وصول کی جائے' اور ربا الفضل کی جامع تعریف یہ ہے کہ جن دو چیزوں کی جنس ایک ہو ان میں سے ایک چیز کو دوسری چیز کے بدلہ میں زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا خواہ یہ زیادتی وزن میں ہو یا پیمانہ سے ماپ میں ہو یا عدد میں ہو' یہود مقروض سے سود بھی لیتے تھے اور لوگوں کا مال ناحق بھی کھاتے تھے' اور لوگوں کا مال ناحق کھانے کی ایک صورت یہ تھی کہ وہ لوگوں سے رشوت لے کر کتاب میں تحریف کر دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : لیکن ان میں سے جو پختہ علم والے ہیں اور ایمان والے ہیں' وہ اس (وحی) پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور اس پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی ہے اور نماز قائم کرنے والے اور زکوۃ ادا کرنے والے' اور

اللہ اور قیامت پر ایمان لانے والے' یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم عنقریب اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔ (النساء : ۱۶۲)

اس آیت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے جن یہودیوں کا ذکر فرمایا تھا کہ وہ آپ سے کہتے ہیں کہ آسمان سے کتاب نازل کی جائے اور ان کی دیگر مذموم صفات بیان فرمائی تھیں' ان یہودیوں سے اللہ تعالیٰ نے ان علماء یہود کا استثناء فرمایا جو علم میں راسخ ہیں اور جو آپ پر نازل کی ہوئی وحی پر ایمان لاتے ہیں اور آپ سے پہلے نازل کی ہوئی کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہیں' انہوں نے سابقہ آسمانی کتابوں میں آپ کے متعلق جو بشارات پڑھی ہیں ان کے اطمینان کے لیے وہ کافی ہیں اور وہ آپ کی تصدیق کے لیے آپ سے کوئی اور معجزہ طلب نہیں کرتے' اور یہ لوگ اسلام کے تمام احکام پر عمل کرتے ہیں۔ نماز اور زکوۃ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا کیونکہ جسمانی عبادت میں پانچ وقت کی نماز میں مشقت ہوتی ہے اور مالی عبادت میں زکوۃ کا ادا کرنا دشوار ہوتا ہے اور نماز اور زکوۃ ایسی بدنی اور مالی عبادتیں ہیں کہ ان کے ادا کرنے سے انسان باقی بدنی اور مالی عبادات بھی کرنے لگتا ہے نیز تمام عبادتوں کا خلاصہ خالق کی تعظیم اور مخلوق پر شفقت ہے اور نماز سے خالق کی تعظیم ہوتی ہے اور زکوۃ ادا کرنے سے مخلوق خدا پر شفقت ہوتی ہے' اس کے بعد قیامت پر ایمان کا تذکرہ فرمایا کیونکہ تمام نیک اعمال کی تحریک اور گناہوں سے اجتناب کی توفیق قیامت پر ایمان رکھنے کی وجہ سے ہوتی ہے' نیز قرآن مجید کا اسلوب ہے کہ برے لوگوں کے بعد اچھے لوگوں کا اور عذاب کے بعد ثواب کا ذکر فرماتا ہے کیونکہ ہر شے کی معرفت اس کی ضد سے ہوتی ہے۔ اس لیے پہلی آیتوں میں یہودی کافروں اور ان کے عذاب کا ذکر فرمایا تھا اور اس آیت میں یہودی مومنوں اور ان کے ثواب کا ذکر فرمایا ہے۔

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ

(اے رسول معظم!) بیشک ہم نے آپ کی طرف وحی (نازل) فرمائی جیسے ہم نے نوح اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف وحی (نازل)

وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَ

فرمائی، اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں کی طرف

ٱلْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيْمَٰنَ ۚ

اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی (نازل) فرمائی،

وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَٰهُمْ عَلَيْكَ مِن

اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی ○ اور ہم نے ایسے رسول (بھیجے) جن کا قصہ ہم نے اس سے پہلے

قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ

آپ کو بیان فرمایا اور ہم نے ایسے رسول (بھی) بھیجے جن کا قصہ ہم نے آپ سے (ابھی تک) بیان نہیں کیا۔ اور اللہ نے موسیٰ سے (بلاواسطہ)

تَكْلِيمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ

بہ کثرت کلام فرمایا ○ (اور ہم نے) خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے

عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۱۶۵﴾

اللہ پر کوئی حجت نہ رہے ، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے ○

لَّٰكِنِ اللَّهُ يَشْهَدُ بِمَا أَنزَلَ إِلَيْكَ ۖ أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ

لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے جو کچھ آپ کی طرف نازل فرمایا وہ اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور فرشتے (بھی)

يَشْهَدُونَ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿۱۶۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا

گواہی دیتے ہیں ، اور اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے ○ بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو)

عَن سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿۱۶۷﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا

اللہ کے راستے سے روکا وہ گمراہ ہو گئے وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑے ○ بیشک جن لوگوں نے کفر کیا

وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿۱۶۸﴾

اور ظلم کیا اللہ ان کو نہیں بخشے گا اور نہ انہیں (آخرت میں) کوئی راہ دکھائے گا ○

إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى

ماسوا دوزخ کے راستہ کے جس میں وہ ہمیشہ ابد تک رہیں گے ، اور یہ کام اللہ پر

اللَّهِ يَسِيرًا ﴿۱۶۹﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ

آسان ہے ○ اے لوگو ! بے شک تمہارے پاس رسول (معظم) تمہارے رب کے پاس سے

مِن رَّبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَإِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي

حق لے کر آ گیا سو تم اپنی بہتری کے لیے ایمان لے آؤ ، اور اگر تم کفر کرو تو اللہ ہی کی ملک میں ہے جو کچھ

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۷۰﴾ يَا أَهْلَ

آسمانوں میں اور زمینوں میں ہے ، اور اللہ بہت علم والا بڑی حکمت والا ہے ○ اے اہل کتاب

الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ

تم اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اللہ کے متعلق حق کے سوا اور کچھ نہ کہو،

اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ اَلْقٰىهَاۤ

مسیح عیسیٰ ابن مریم تو صرف اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جس کو اس نے مریم کی

اِلٰى مَرْیَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَا تَقُوْلُوْا

طرف القا کیا اور اس کی روح ہے، سو تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور یہ نہ کہو کہ

ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَیْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ

تین (معبود) ہیں، (اس قول سے) باز رہو یہ تمہارے لیے بہتر ہے، صرف اللہ ہی واحد مستحق عبادت ہے، وہ اس سے پاک

یَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ كَفٰى

ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو، اسی کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور اللہ کافی

بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۱۷۱﴾

کارساز ہے ○

وقف لازم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (اے رسول معظم!) ہم نے آپ کی طرف وحی (نازل) فرمائی جیسے ہم نے نوح اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کی طرف وحی (نازل) فرمائی، اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں کی طرف اور عیسیٰ، ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی (نازل) فرمائی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔ (النساء: ۱۶۳)

سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر یہود کے اعتراض کا جواب

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا (بنو قینقاع کے یہودیوں میں سے) مسکین اور عدی بن زید نے کہا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کے بعد کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اور نبیوں کی طرف وحی نازل فرمائی ہے اسی طرح آپ پر بھی وحی نازل فرمائی ہے۔

(جامع البیان ج ۶ ص ۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ایک قول یہ ہے کہ جب یہودیوں نے آپ سے یہ کہا کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ پر بھی اس طرح کتاب نازل کی جائے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل کی گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی کہ تم

نوح' ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب' ایوب' یونس' ہارون اور سلیمان کو نبی مانتے ہو حالانکہ ان پر بھی آسمان سے کوئی کتاب نازل نہیں کی گئی تھی' سو تمہارا آسمان سے کتاب نازل کیے جانے کا مطالبہ کٹ حجتی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ نبوت کا ثبوت صرف اظہار معجزہ پر موقوف ہے آپ سے پہلے نبیوں کی نبوت بھی معجزہ سے ثابت ہوئی اور آپ نے اپنی نبوت پر متعدد معجزات پیش کیے اور سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جس کی نظیر پیش کرنا یا جس میں کمی بیشی اور تحریف ثابت کرنا آج بھی پوری دنیا کے لیے چیلنج ہے اور قیامت تک رہے گا جب کہ باقی انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں سے کسی نبی کا معجزہ ان کے جانے کے بعد باقی نہیں رہا تو یہ کس قدر انصاف سے بعید ہے کہ جن نبیوں کے معجزات فانی تھے ان کو نبی مانا جائے اور جس عظیم الشان نبی کا معجزہ زندہ جاوید ہے اس کی نبوت کا انکار کر دیا جائے۔

انبیاء کے ذکر میں اس آیت میں سب سے پہلے حضرت نوح کا ذکر فرمایا کیونکہ وہ سب سے پہلے نبی ہیں جنہوں نے اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا' یا اس لیے کہ وہ سب سے پہلے نبی ہیں جنہوں نے احکام شرعیہ بیان کیے یا اس لیے کہ جس طرح نبی ﷺ کی دعوت اسلام تمام روئے زمین کے انسانوں کے لیے ہے اس طرح حضرت نوح کی دعوت بھی تمام روئے زمین کے انسانوں کے لیے تھی۔

حضرت نوح کے بعد دوسرے نبیوں کا بالعموم ذکر فرمایا پھر خصوصیت کے ساتھ حضرت ابراہیم کا نام لیا' یہ ان کے شرف کی وجہ سے ہے کیونکہ وہ تمام نبیوں کے سلسلہ آباء میں تیسرے اہم باپ ہیں' حضرت آدم' حضرت نوح اور پھر حضرت ابراہیم' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر یہود کا رد کرنے کے لیے فرمایا کیونکہ یہود ان کی نبوت کے منکر تھے' اور حضرت داؤد کو زبور عطا فرمانے کا ذکر فرمایا کیونکہ زبور بھی اسی طرح قسط وار نازل کی گئی تھی جس طرح قرآن مجید قسط وار نازل ہو رہا تھا۔

قرآن مجید کو یک بارگی نازل نہ کرنے کی حکمتیں

قرآن مجید کے قسط وار نازل ہونے کو یہود نے اپنی کم عقلی سے نقص گردانا حالانکہ اس میں ہمارے نبی ﷺ کی بڑی فضیلت ہے کیونکہ کتاب نازل کرنے کا جو رابطہ حضرت موسیٰ سے زندگی میں صرف ایک بار قائم ہوا وہ رابطہ نبی ﷺ کے ساتھ تاحیات قائم رہا' حضرت موسیٰ تورات لینے پہاڑ طور پر گئے تھے' نبی ﷺ کو قرآن مجید کے لیے کہیں جانا نہیں پڑتا تھا' بلکہ آپ جہاں تشریف فرما ہوتے تھے' قرآن مجید وہیں نازل ہو جاتا تھا' خواہ آپ بدر کے میدان میں ہوں' احد کی گھاٹیوں میں ہوں' غار ثور میں ہوں' کسی سواری پر ہوں' حضرت عائشہ کے بستر پر ہوں' جہاں آپ ہوتے تھے قرآن کریم وہیں نازل ہو جاتا تھا' لوگ آپ سے سوالات کرتے تھے ان کے جواب میں آیتیں نازل ہوتیں' یہود اور نصاریٰ کے اعتراضات کے جوابات میں' اور مختلف پیش گوئیوں کے سلسلہ میں آیات نازل ہوتی تھیں' یہ سہولت یک بارگی نزول میں کہاں ہے پھر اگر یکبارگی کتاب نازل ہوتی تو تمام احکام یک بارگی فرض ہو جاتے اور لوگوں کے لیے ایک دم ان پر عمل کرنا اور پرانی عادتوں اور رسموں کا چھوڑنا مشکل ہوتا' بہ تدریج کتاب کے نزول سے لوگوں پر اسلام کا قبول کرنا آسان ہو گیا' قرآن مجید کو یک بارگی نازل نہ کرنے میں یہ فضیلت' باریکیاں اور فوائد ہیں جو یہود کی سمجھ میں نہیں آئے اور ان کو سمجھایا گیا تو انہوں نے اپنی ہٹ دھرمی سے مانا نہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور ہم نے ایسے رسول (بھی) بھیجے جن کا قصہ ہم نے آپ سے (ابھی تک) بیان نہیں کیا' اور

اللہ نے موسیٰ سے (بلاواسطہ) بہ کثرت کلام فرمایا (النساء : ۱۶۴)

نبیوں اور رسولوں کی تعداد کے متعلق احادیث

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ بیان کرتے ہیں :

امام عبد بن حمید، حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں، امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں، حاکم نے اور امام ابن عساکر نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ! نبی کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں، میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا تین سو اور تیرہ جم غفیر ہیں۔ پھر فرمایا اے ابوذر! چار سریانی ہیں : آدم، شیث، نوح اور خنوخ اور وہ ادریس ہیں اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قلم کے ساتھ لکھا، اور چار عرب ہیں : ہود، صالح، شعیب اور تمہارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور بنو اسرائیل کے انبیاء میں سب سے پہلے موسیٰ ہیں اور سب سے آخری عیسیٰ ہیں، اور سب سے پہلے نبی آدم ہیں اور سب سے آخری نبی تمہارے نبی ہیں۔

امام ابن حبان نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں درج کیا ہے اور امام ابن الجوزی نے موضوعات میں، اور یہ دونوں حکم متضاد ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے نہ صحیح ہے نہ موضوع ہے جیسا کہ میں (سیوطی) نے مختصر الموضوعات میں بیان کیا ہے۔

امام ابن ابی حاتم حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا : یا نبی اللہ! انبیاء کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں، ان میں سے تین سو پندرہ جم غفیر رسل ہیں۔

امام ابو یعلیٰ نے اور امام ابو نعیم نے حلیہ میں سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مجھ سے پہلے میرے بھائی انبیاء میں سے آٹھ ہزار نبی ہیں، پھر عیسیٰ بن مریم ہیں پھر ان کے بعد میں ہوں۔

امام حاکم نے سند ضعیف کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آٹھ ہزار انبیاء کے بعد مبعوث کیا گیا، ان میں سے چار ہزار انبیاء بنی اسرائیل تھے۔

امام ابن عساکر نے کعب احبار سے روایت کیا ہے اللہ نے حضرت آدم پر انبیاء اور مرسلین کی تعداد کے برابر لاٹھیاں نازل فرمائیں، پھر انہوں نے اپنے بیٹے شیث کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا : اے بیٹے تم میرے بعد میرے خلیفہ ہو گے، تم اس لاٹھی کو مضبوطی اور تقویٰ کے ساتھ پکڑ لو، اور جب تم اللہ کا نام لو تو اس کے ساتھ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام لینا، کیونکہ میں نے ان کا نام عرش کے پائے پر اس وقت لکھا دیکھا جب میں ہنوز روح اور مٹی (کے پتلے) کے درمیان تھا، پھر میں نے آسمان کا طواف کیا تو میں نے آسمانوں میں ہر جگہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام لکھا ہوا دیکھا، پھر اللہ نے مجھے جنت میں ٹھیرایا تو میں نے جنت کے ہر محل اور ہر بالاخانہ میں (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام لکھا ہوا دیکھا، اور میں نے بڑی آنکھ والی حوروں پر سرکنڈوں پر شجرہ طوبیٰ کے پتوں پر اور سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر اور ملائکہ کی آنکھوں کے درمیان بھنوؤں پر (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام لکھا ہوا دیکھا۔

امام ابن ابی حاتم نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ آدم اور نوح کے درمیان ایک ہزار سال ہیں، اور نوح اور ابراہیم کے درمیان ایک ہزار سال ہیں، اور ابراہیم اور موسیٰ کے درمیان ایک ہزار سال ہیں، اور موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان چار سو سال ہیں، اور عیسیٰ اور (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے درمیان چھ سو سال ہیں۔

امام ابن ابی حاتم نے اعمش سے روایت کیا ہے کہ موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان ایک ہزار سال ہیں۔

امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آدم اور نوح کے درمیان ایک ہزار سال ہیں اور نوح اور ابراہیم کے درمیان ایک ہزار سال ہیں' اور ابراہیم اور موسیٰ کے درمیان سات سو سال ہیں' اور موسیٰ اور عیسیٰ کے درمیان ایک ہزار پانچ سو سال ہیں اور عیسیٰ اور ہمارے نبی علیہ السلام کے درمیان چھ سو سال ہیں۔

(الدر المنثور ج ۲ ص ۲۴۸۔ ۲۴۷' مطبوعہ ایران)

علم نبوت پر ایک اعتراض کا جواب

بعض لوگ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کلی علم (تمام مخلوق کا علم) نہیں عطا فرمایا' کیونکہ اس آیت میں فرمایا ہے کہ ہم نے بعض انبیاء کا قصہ آپ کو بیان فرمایا ہے اور بعض کا قصہ بیان نہیں فرمایا' اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں زمانہ ماضی میں بعض انبیاء کا قصہ بیان کرنے کی نفی ہے' اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ آپ کی آخر عمر شریف تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان بعض انبیاء کے احوال کی خبر سے مطلع نہیں فرمایا نیز اس بحث میں اس آیت کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے :

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ (ھود : ۱۲۰)

اور رسولوں کی خبروں میں سے ہم سب باتیں آپ پر بیان فرماتے ہیں جن سے ہم آپ کے دل کو ثابت رکھتے ہیں۔

ہر چند کہ سورہ نساء مدنی ہے اور سورہ ہود مکی ہے' لیکن اہل علم پر روشن ہے کہ ان سورتوں کا مکی یا مدنی ہونا اکثر آیات کے اعتبار سے ہوتا ہے' ہر ہر آیت کے اعتبار سے نہیں ہوتا۔

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ لکھتے ہیں :

احادیث میں مذکور ہے نبی ﷺ نے بتایا کہ نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں' اور رسول تین سو تیرہ ہیں' اور اس آیت میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کا قصہ آپ سے بیان نہیں فرمایا' اس کا جواب یہ ہے کہ بعض انبیاء کا قصہ بیان نہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان انبیاء کا عدد بھی نہ بیان فرمایا ہو' اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کی خبروں سے مطلع نہ فرمایا ہو لیکن یہ اطلاع دی ہو کہ کل نبی اتنے ہیں' اس تقریر سے بعض معاصرین کا یہ اعتراض دور ہو گیا کہ اس آیت میں نبی ﷺ کے عدم علم کی تصریح ہے اور نبی ﷺ اس سے منزہ ہیں کہ آپ کو انبیاء کی تعداد کا علم نہ ہو۔ (روح المعانی ج ۶ ص ۱۸۔ ۱۷' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت موسیٰ کے اللہ سے ہم کلام ہونے میں یہود کا رد

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سے (بلاواسطہ) بہ کثرت کلام فرمایا۔

جزء بن جابر الخثعمی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے یہودی علماء سے سنا' جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی زبان کے سوا ہر زبان میں حضرت موسیٰ سے کلام کیا تو حضرت موسیٰ کہنے لگے' اے میرے رب میں اس کلام کو نہیں سمجھ رہا' حتیٰ کہ اللہ نے ان کی زبان میں ان کی آواز کے مشابہ آواز میں کلام فرمایا' حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب کیا تیرا کلام اسی طرح ہے؟ فرمایا اگر میں اپنے کلام کے ساتھ تم سے کلام کروں تو تم فنا ہو جاؤ گے' حضرت موسیٰ نے کہا اے میرے رب! کیا مخلوق میں کوئی چیز تیرے کلام کے مشابہ ہے؟ فرمایا آسمانی بجلی کی گرج دار کڑک میری آواز کے مشابہ ہے۔

(جامع البیان جز ۶ ص ۴۱-۴۰- مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۴۱۵ھ)

لیکن تحقیق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بغیر آواز کے ہر جہت اور ہر طرف سے سنا' جس طرح اللہ تعالیٰ بغیر رنگ کے دکھائی دے گا اسی طرح اس کا کلام بغیر آواز کے سنائی دیتا ہے۔

اس آیت سے بھی یہود کا رد کرنا مقصود ہے انہوں نے کہا تھا کہ جس طرح حضرت موسیٰ پر آسمان سے کتاب نازل ہوئی تھی اسی طرح آپ پر بھی آسمان سے کتاب نازل کی جائے تو ہم آپ کو نبی مان لیں گے' اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو شرف کلام سے نوازا اور باقی نبیوں سے ہم کلام نہیں ہوا حالانکہ تم ان سب کو نبی مانتے ہو جس طرح حضرت موسیٰ کی خصوصیت کلام کی وجہ سے تم باقی انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا انکار نہیں کرتے تو اگر حضرت موسیٰ پر خصوصیت کے ساتھ آسمان سے کتاب نازل کی گئی ہے تو تم اس وجہ سے (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کا انکار کیوں کرتے ہو!

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ سے ہم کلام ہونا اور تمام معجزات کا بہ درجہ اتم جامع ہونا

واضح رہے کہ حضرت موسیٰ کی خصوصیت ہم کلامی ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے انبیاء کے اعتبار سے ہے اور یہ خصوصیت اضافی ہے حقیقی نہیں ہے' اللہ تعالیٰ شب معراج' ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہم کلام ہوا' اور آپ کو زیادہ شرف اور فضیلت سے نوازا' بلکہ ہر وہ معجزہ جو دوسرے نبیوں کو دیا گیا وہ زیادہ کمال اور حسن کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے' دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی مار کر زمین سے پانی نکالا' لیکن زمین میں پانی ہوتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلیوں سے پانی جاری کر دیا جہاں پانی ہوتا ہی نہیں' حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم کر دیا گیا وہ اس سے زرہ بن لیتے تھے' لیکن لوہے کی طبیعت میں نرمی ہے وہ آگ سے نرم ہو جاتا ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑ میں سر داخل کر دیا تو وہ موم کی طرح نرم ہوتا چلا گیا جب کہ پتھر کی طبیعت میں نرمی نہیں وہ ٹوٹ جاتا ہے نرم نہیں ہوتا۔ یہ حسی نرمی تھی اور معنوی نرمی یہ تھی کہ آپ نے فرمایا احد پہاڑ ہے یہ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں' پتھر میں محبت نہیں ہوتی جو محبت نہ کرے اس کو سنگ دل کہتے ہیں لیکن یہ تو ان کا کمال ہے کہ جس کی طبیعت میں محبت نہیں ہوتی اس میں بھی اپنی محبت پیدا کر دی' حضرت سلیمان کے لیے دور کی مسافت سے پلک جھپکنے سے پہلے تخت لایا گیا' لیکن تخت ایسی چیز ہے جس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے' معراج کے بعد آپ مشرکوں کے سامنے یہ واقعہ بیان کر رہے تھے کسی نے آپ سے مسجد اقصیٰ کی نشانیاں پوچھیں ایک لمحہ کے لیے آپ کو تردد ہوا تو جبرائیل نے مسجد اقصیٰ آپ کے سامنے لا کر رکھ دی اور آپ مسجد کو دیکھ کر نشانیاں بتاتے رہے' حالانکہ مسجد ایسی چیز ہے جس کو صحیح و سالم ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جا سکتا سو تخت لانے سے یہ زیادہ بعید ہے' حضرت عیسیٰ نے چار مردے زندہ کیے لیکن ان کے بدن موجود تھے جس بدن میں ایک بار حیات آ چکی ہو اس میں دوبارہ حیات جاری کرنا' اتنا بعید نہیں ہے' آپ کی توجہ سے پتھروں نے کلام کیا' درخت چل کر آئے' کھجور کا ستون آپ کے فراق میں چلا چلا کر رونے لگا' گوشت کا ایک ٹکڑا آپ کے دہن میں بول اٹھا' پتھروں' درختوں اور ستونوں میں آپ کی توجہ سے حیات آئی جن میں عادۃً" حیات نہیں ہوتی! سو واضح ہو گیا کہ ہر نبی کو جو معجزہ دیا گیا اس نوع کا معجزہ آپ کو زیادہ کمال اور زیادہ شرف کے ساتھ دیا گیا' بلکہ اس کائنات میں جس صاحب کمال کو کوئی کمال ملا ہے وہ آپ ہی کا تصدق ہے' جس کو جو روشنی ملتی ہے وہ آپ کے نور نبوت سے ملتی ہے اور حقیقت میں کمال وہی ہے جس کی

اصل آپ میں ہو اور جس چیز کی اصل میں آپ نہ ہوں جس کی آپ سے نسبت نہ ہو وہ کمال نہیں وہ سراسر نقص اور سرتاپا زوال ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اور ہم نے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے رسول بھیجے' تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے لیے اللہ پر کوئی حجت نہ رہے اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔ (النساء : ۱۶۵)

یک بارگی کتاب نازل نہ کرنے کے اعتراض کا ایک اور جواب

اس آیت میں بھی یہود کے اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ پر یک بارگی پوری کتاب کیوں نہیں نازل کی گئی' جواب کی تقریر یہ ہے کہ نبیوں اور رسولوں کو بھیجنے سے اصل مقصود یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیں اور عبادت کرنے والوں اور اس کے احکام کی اطاعت کرنے والوں کو ثواب کی بشارت دیں اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت سے روگردانی کرنے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں اور یہ مقصد صرف نبی پر کتاب نازل کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے خواہ وہ کتاب الواح (تختیوں) کی صورت میں یکبارگی نازل کی جائے یا متفرق طور پر تھوڑے تھوڑے کرکے اللہ تعالیٰ کے احکام نازل کیے جائیں' بلکہ تھوڑے تھوڑے احکام وقتاً "فوقتاً" نازل کرنا مصلحت اور حکمت کے زیادہ قریب ہیں کیونکہ اگر تمام احکام ایک دم نازل کردیئے جائیں تو ان سب پر فوراً عمل کرنا دشوار ہو گا' اور بنو اسرائیل کی سرکشی اور بغاوت کی وجہ بھی یہی تھی کہ ان پر یکبارگی تمام احکام کا بوجھ ڈال دیا گیا تھا' اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے ہمارے پیارے نبی ﷺ پر اور آپ کے وسیلہ سے ہم پر یہ رحمت فرمائی کہ تھوڑے تھوڑے کرکے احکام نازل کیے' شراب کی حرمت تدریجاً" نازل کی' کتوں سے اجتناب کا حکم بھی بہت بعد میں دیا' جوئے کو بھی بعد میں حرام کیا کیونکہ جو لوگ برسوں سے ان کاموں کے عادی تھے ان کے لیے ان کاموں کو یک لخت چھوڑنا آسان نہ تھا' مکہ کی زندگی میں پہلے ان کو نماز کا پابند کیا' پھر مدینہ منورہ میں جہاد' زکوۃ اور روزے کے احکام نازل کیے اس کے بعد حج فرض کیا' پھر بتدریج مسلمانوں کو تمام برے کاموں کو چھوڑنے کا حکم دیا۔ سو واضح ہوا کہ قرآن مجید میں جو تھوڑے تھوڑے کرکے احکام نازل کیے گئے ہیں۔ مصلحت اور اللہ کی رحمت کے بہت زیادہ قریب ہیں اور اس پر یہود کا اعتراض بالکل بے جا اور ان کی کم عقلی پر مبنی ہے۔

رسول کے بغیر محض عقل سے ایمان لانے کے وجوب میں مذاہب

علامہ عبدالحق خیر آبادی متوفی ۱۳۱۸ھ لکھتے ہیں :

بعض احناف نے یہ کہا ہے کہ بعض احکام کا ادراک کرنے میں عقل مستقل ہے' اس لیے انہوں نے کہا کہ ایمان واجب ہے اور کفر حرام ہے' اسی طرح ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہ ہو مثلاً کذب اور جہل وغیرہ' یہ بھی حرام ہے' حتی کہ عقل مند بچہ جو ایمان اور کفر میں تمیز کر سکتا ہو اس پر ایمان لانا واجب ہے' اور اس مسئلہ میں ان کے اور معتزلہ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے' اور وہ (احناف) اس کے قائل ہیں کہ بعض اشیاء کا حکم عقل سے معلوم ہو جاتا ہے اور شرع پر موقوف نہیں ہوتا' اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ جو شخص اپنے خالق سے جاہل ہو اس کا عذر مقبول نہیں ہے' کیونکہ وہ اللہ کے وجود اور اس کی ذات پر دلائل کا مشاہدہ کر رہا ہے' اور حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات پر ایمان لانا تمام عقلاء کے نزدیک صفت کمال ہے اور اللہ تعالیٰ کا کفر کرنا سب کے نزدیک صفت نقصان ہے' نیز

ایمان کا معنی ہے نعمت کا شکر ادا کرنا اور یہ صفت کمال ہے اور کفر کرنا نعمت کا کفر ہے اور یہ صفت نقصان ہے' پس عقل کے نزدیک ایمان حسن ہے اور کفر قبیح ہے لہٰذا اگر انسان اس کام کو ترک کردے جو عقل کے نزدیک حسن ہے تو وہ عذاب کا مستحق ہوگا' خواہ اس تک اللہ کا حکم نہ پہنچے اور وہ معذور نہیں ہوگا' البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا کیونکہ اس کے پاس بالفعل اللہ کا حکم نہیں پہنچا' اور عقل پر اعتماد کلی نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ کے مذہب پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ اگر رسول کے بھیجنے اور اس کی دعوت کے بغیر ایمان لانا واجب ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ اگر کوئی شخص عقل کے حکم پر اللہ اور اس کی صفات پر ایمان لائے بغیر مرجائے تو لازم آئے گا کہ رسولوں کے بھیجے بغیر بھی اس کو عذاب دیا جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ ہم اس وقت تک عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔ (الاسراء : ۱۵)

اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی انسان پر غور و فکر کی مدت گزر جائے تو پھر اس کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہتا' کیونکہ غور و فکر کی مدت عقل کو متنبہ کرنے کے لیے رسولوں کی بعثت کے قائم مقام ہے' اور یہ مدت مختلف ہوتی ہے' کیونکہ لوگوں کی عقلیں مختلف ہوتی ہیں۔ امام فخر الاسلام نے اصول بزدوی میں یہ کہا ہے کہ ہم جو کہتے ہیں کہ انسان عقل سے مکلف ہوتا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ جب اللہ اس کی تجربہ سے مدد فرماتا ہے اور اس کو انجام کا ادراک کرنے کی مہلت مل جاتی ہے تو پھر وہ معذور نہیں رہے گا۔ خواہ اس کو رسول کی دعوت نہ پہنچی ہو' جیسا کہ امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ کم عقل شخص جب پچیس سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اس سے اس کے مال کو روکا نہیں جائے گا لیکن اللہ پر ایمان لانے کے باب میں عمر کی کوئی حد نہیں مقرر کی گئی۔ بہرحال جب انسان پر غور و فکر کی مدت گزر جائے جس مدت میں اس کا دل متنبہ ہو سکے تو یہ مدت اس کے حق میں رسول کی دعوت کے قائم مقام ہے۔

ہم نے بیان مذاہب کی جو تقریر کی ہے اس پر یہ مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ جو انسان دور دراز کے پہاڑوں میں بالغ ہو اور اس تک رسول کی دعوت نہ پہنچی ہو' اور نہ اس نے ضروریات دین کا عقیدہ رکھا ہو اور نہ احکام شرعیہ پر عمل کیا ہو' تو معتزلہ اور احناف کی ایک جماعت کے نزدیک اس کو آخرت میں عذاب ہوگا' کیونکہ اس کی عقل جن احکام کا ادراک کرنے میں مستقل تھی اس نے اس کے تقاضے پر عمل نہیں کیا' صحیح یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ معتزلہ اور بعض احناف کے نزدیک اس کو مطلقاً" کفر کے اختیار کرنے پر عذاب ہوگا' خواہ وہ بلوغت کی ابتداء میں کفر کو اختیار کرے خواہ غور و فکر کی مدت گزرنے کے بعد کفر کو اختیار کرے' اسی طرح اگر وہ ایمان نہیں لایا پھر بھی اس کو عذاب ہوگا خواہ وہ بلوغت کی ابتداء میں اللہ پر ایمان نہ لایا ہو یا غور و فکر کی مدت گزرنے کے بعد ایمان نہ لایا ہو' اور اشاعرہ اور جمہور حنفیہ کے نزدیک اس کو عذاب نہیں ہوگا' کیونکہ حکم شرع سے ثابت ہوتا ہے اور مفروض یہ ہے کہ اس شخص کے پاس شریعت کی دعوت نہیں پہنچی' اس لیے اشاعرہ اور جمہور حنفیہ کے نزدیک اس شخص کے ایمان نہ لانے یا کفر کرنے کی وجہ سے اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا کیونکہ ان کے نزدیک شرط یہ ہے کہ انسان تک تمام احکام کی دعوت پہنچ جانی لازم ہے۔

(شرح مسلم الثبوت ص ۶۲ - ۶۰' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ :

(۱) جمہور معتزلہ اور بعض احناف کے نزدیک رسول کی بعثت نہ ہو پھر بھی انسان پر واجب ہے کہ وہ اللہ کی ذات اور صفات پر ایمان لائے اور اس کے ساتھ کفر نہ کرے' اگر وہ ایمان نہیں لایا اور اس نے کفر کیا تو اس کو عذاب ہو گا۔

(۲) امام ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر ایسے شخص نے اللہ کی معرفت حاصل نہ کی تو وہ مستحق عذاب ہو گا خواہ اس کو عذاب نہ ہو۔

(۳) اشاعرہ اور جمہور احناف کا مذہب یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کے پاس رسول کی دعوت اور شریعت کا پیغام نہ پہنچے وہ ایمان لانے یا کسی اور حکم کو بجا لانے کا مکلف نہیں ہے۔ جمہور کا استدلال النساء : ۱۶۵' الاسراء : ۱۵ اور حسب ذیل آیت سے ہے :

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى (طٰہٰ : ۱۳۴)

اور اگر ہم انہیں رسول کے آنے سے پہلے کسی عذاب میں ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کی اتباع کرتے' اس سے پہلے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہو جاتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے آپ کی طرف جو کچھ نازل فرمایا وہ اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور فرشتے (بھی) گواہی دیتے ہیں اور اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے۔ (النساء : ۱۶۶)

رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر اللہ تعالیٰ کی شہادت

اس آیت میں بھی یہود کے اعتراض کا جواب ہے' یہود نے کہا تھا کہ وہ اس قرآن کو منزل من اللہ نہیں مانتے' جو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا ہے' سو آیت کا معنی یہ ہے کہ ہرچند کہ یہود آپ کی کتاب اور آپ کی نبوت کو نہیں مانتے لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے آپ کی طرف جو کچھ نازل فرمایا وہ اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معجزات عطا فرمائے اور ان معجزات کی وجہ سے آپ کی تصدیق کرنا واجب ہے' اور اگر یہود آپ کی نبوت کی تصدیق نہیں کرتے تو اس سے آپ کو کیا کمی ہوتی ہے جب کہ اس کائنات کا رب اور آپ کا معبود آپ کی تصدیق کرتا ہے اور عرش' کرسی اور آسمانوں اور زمینوں کے فرشتے آپ کی تصدیق کرتے ہیں اور یہود تو لوگوں میں سب سے خسیس درجہ کے ہیں اس لیے یہ اگر آپ کی تصدیق نہیں کرتے تو آپ اس کی پرواہ نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا اللہ ان لوگوں کو نہیں بخشے گا' اور نہ انہیں (آخرت میں) کوئی راہ دکھائے گا○ ماسوا دوزخ کے راستہ کے جس میں وہ ہمیشہ ابد تک رہیں گے اور یہ کام اللہ پر آسان ہے۔

(النساء : ۱۶۹۔ ۱۶۸)

اس آیت میں یہود پر عذاب کی وعید ہے' اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہود نے (سیدنا) محمد (ﷺ) کی نبوت کا کفر کیا' اور دوسرے لوگوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف شبہات ڈال کر ان کو اسلام لانے سے روکا مثلاً ان سے کہا اگر یہ واقعی رسول ہوتے تو آسمان سے یک بارگی کتاب لے کر آتے جیسے حضرت موسیٰ تورات لائے تھے' اور یہ کہا کہ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ کی شریعت قیامت تک تبدیل نہیں ہو گی نہ اس میں کوئی نسخ ہو گا' اور انہوں نے کہا کہ حضرت ہارون اور حضرت داؤد کے سوا اور کسی کی نسل سے نبی مبعوث نہیں ہو سکتا' ان اقوال کی وجہ سے یہ لوگ بہت دور کی

گمراہی میں جا پڑے اور وہ اپنی اس گمراہی کو حق باور کرتے تھے' اور اسی گمراہی کی وجہ سے دنیا کا مال اور دنیاوی مناصب حاصل کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے ان کو وعید سنائی کہ ان کی ان گمراہیوں کی وجہ سے اور ان پر قائم رہنے اور ان کو حق سمجھنے کی وجہ سے اللہ ان کو نہیں بخشے گا اور ان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ کے عذاب میں مبتلا رکھے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے لوگو! بے شک تمہارے پاس رسول (معظم) تمہارے رب کے پاس سے حق لے کر آ گیا سو تم اپنی بہتری کے لیے ایمان لے آؤ اور اگر تم کفر کرو تو اللہ ہی کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور اللہ بہت علم والا بڑی حکمت والا ہے۔ (النساء : ۱۷۰)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر دلیل

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے دلائل کثیرہ کے ساتھ یہود کے قول باطل کا رد کیا' اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صادق اور برحق ہونے کو ظاہر کیا' اور اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ماننے کی عام دعوت دی ہے۔ خواہ یہود ہوں یا غیر یہود ہوں سب کو سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ماننے کی دعوت دی ہے' نیز فرمایا وہ اللہ کے پاس سے حق لے کر آئے ہیں اس سے مراد یا تو قرآن عظیم ہے کیونکہ قرآن عظیم کلام معجز ہے اور یہ معجزہ آج تک قائم ہے اور قیامت تک قائم رہے گا' سو قرآن عظیم کے اعجاز کو دیکھ کر تم آپ کو نبی مان لو اور آپ کی نبوت پر ایمان لے آؤ' اور یا حق سے مراد دین اسلام ہے آپ نے یہ دعوت دی ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور باطل خداؤں کی پرستش نہ کرو اور یہی عقل سلیم کا تقاضا ہے' سو تم اس دعوت کو قبول کر لو اور آپ کو نبی مان کر اسلام میں داخل ہو جاؤ اور اگر تم نے اس دعوت کو قبول نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نہ صرف تمہارے اسلام لانے سے بلکہ سارے جہانوں سے مستغنی ہے تمام آسمان اور زمینیں اس کی ملک میں ہیں اور وہ بہت علم والا اور بڑی حکمت والا ہے' اور اس کے علم اور حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ کافر اور مومن اور نیکوکار اور بدکار کو ایک درجہ میں نہیں رکھے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے اہل کتاب تم اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو' اور اللہ کے متعلق حق کے سوا اور کچھ نہ کہو' مسیح عیسیٰ ابن مریم تو صرف اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جس کو اس نے مریم کی طرف القا کیا اور اس کی روح ہے۔ (النساء : ۱۷۱)

حضرت عیسیٰ کی شان میں افراط اور تفریط سے ممانعت

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود کا رد کیا تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں تفریط (کمی) کرتے تھے' حضرت مریم پر بہت بڑا بہتان باندھتے تھے' اور یہ کہتے تھے کہ انہوں نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کیا ہے' اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نزاہت اور وجاہت بیان فرمائی' اور اہل کتاب میں سے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں بہت افراط (حد سے بڑھانا) کرتے تھے ان کو خدا اور خدا کا بیٹا کہتے تھے' سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کا رد کیا ہے' اور فرمایا ہے کہ تم اپنے دین میں حد سے تجاوز نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کے متعلق حق کے سوا اور کچھ نہ کہو' یعنی یہ نہ کہو کہ اللہ عیسیٰ کے بدن میں حلول کر گیا ہے' یا ان کے بدن کے ساتھ متحد ہو گیا ہے' یا وہ عیسیٰ کی روح کے ساتھ متحد ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو صحیح عقیدہ بیان کیا کہ مسیح عیسیٰ بن مریم تو صرف اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہے جس کو اس نے مریم کی طرف القا کیا اور اس کی روح ہے۔

حضرت عیسیٰ کے کلمۃ اللہ ہونے کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے عیسیٰ اللہ کا کلمہ ہے جس کو اس نے مریم کی طرف القا کیا' کلمہ کا معنی بات اور کلام ہے' اور اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے :

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ. (آل عمران : ۴۵)

جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تمہیں ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہے۔

اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بغیر کسی واسطہ اور نطفہ کے محض اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن اور اس کے امر سے پیدا ہوئے ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے :

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (آل عمران : ۵۹)

بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے' اس کو مٹی سے بنایا' پھر اسے فرمایا "ہو جا" تو وہ ہو گیا۔

اس آیت سے واضح ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ محض اللہ کے کلمہ کن سے پیدا ہوئے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو کلمۃ اللہ فرمایا ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہر انسان اللہ کے کن فرمانے سے پیدا ہوتا ہے تو پھر ہر انسان کو کلمۃ اللہ ہونا چاہیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ امام غزالی نے کہا ہے کہ ہر انسان کی پیدائش کا ایک سبب قریب ہے اور ایک سبب بعید ہے۔ سبب قریب نطفہ ہے اور سبب بعید اللہ کا کن فرمانا ہے اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا کوئی سبب قریب نہیں تھا اس لیے ان کی خصوصیت کے ساتھ کلمہ کن کی طرف نسبت کی' ورنہ ہر انسان بلکہ دنیا کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن سے ہی پیدا ہوئی ہے کلمہ اللہ کی وہ بشارت ہے جو حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے سلسلہ میں دی گئی تھی۔

حضرت عیسیٰ کے روح من اللہ ہونے کا معنی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : عیسیٰ اس کی طرف سے روح ہے' حضرت عیسیٰ کو اللہ کی طرف سے روح کہنے کی متعدد وجوہ بیان کی گئی ہیں :

(۱) جب کوئی چیز بہت زیادہ طاہر اور نظیف ہو تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ روح ہے' حضرت عیسیٰ چونکہ نطفہ کی آمیزش کے بغیر محض نفخ جبرائیل سے پیدا ہوئے تھے' اس لیے وہ عام انسانوں کی بہ نسبت بہت طاہر اور طیب تھے اس لیے ان کو روح فرمایا۔

(۲) حضرت عیسیٰ اپنی نبوت اور تبلیغ کی وجہ سے لوگوں کے دین میں حیات پیدا کرنے کا سبب تھے اور ان میں روحانیت پیدا کرنے کا باعث تھے اس لیے ان کو روح فرمایا جس طرح قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے روح فرمایا۔ وکذالک اوحینا الیک روحا من امرنا (الشوریٰ : ۵۲)

(۳) حضرت عیسیٰ لوگوں سے برائیوں کو دور کرتے ان کو نیکیوں سے آراستہ کرتے اور لوگوں کے حق میں یہی رحمت ہے کہ ان کو شر سے نکال کر خیر کی طرف لایا جائے تو وہ اللہ کی طرف سے رحمت ہیں اس لیے فرمایا "و روح منہ" جیسا کہ فرمایا وایدھم بروح منہ (المجادلہ : ۲۲) "اور ان کی اپنی طرف سے رحمت سے تائید فرمائی۔"

(۴) کلام عرب میں روح پھونک کو کہتے ہیں' حضرت جبرائیل نے حضرت مریم کے گریبان میں پھونک ماری تھی جس سے

حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے اس لیے ان کو روح فرمایا اور چونکہ یہ پھونک اللہ کے اذن اور اس کے امر سے تھی اس لیے فرمایا وروح منه وہ اللہ کی طرف سے روح ہیں' قرآن مجید کی اس آیت میں بھی پھونک پر روح کا اطلاق ہے: فنفخنا فيه من روحنا (التحریم: ۱۲) "تو ہم نے (مریم کے) چاک گریبان میں اپنی طرف سے روح (پھونک) پھونک دی۔" یعنی حضرت جبرائیل کی وساطت سے۔

(۵) روح پر تنوین تعظیم کے لیے ہے' اس کا معنی ہے ارواح شریفہ قدسیہ عالیہ میں سے آپ ایک عظیم' مقدس اور عالی قدر روح ہیں اور اس روح کی اللہ کی طرف اضافت تعظیم اور تشریف کے لیے ہے' یعنی آپ اللہ کی طرف سے پسندیدہ' معظم اور عالی قدر روح ہیں' جس طرح بیت اللہ اور ناقۃ اللہ کہا گیا ہے۔

تثلیث کا بطلان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور یہ نہ کہو کہ تین معبود ہیں' (اس قول سے) باز رہو یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔

قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی تین خدا مانتے ہیں۔ اللہ' عیسیٰ اور مریم اور ان کو وہ اقانیم ثلاثہ کہتے ہیں اور ہر اقنیم کا دوسری اقنیم میں حلول مانتے ہیں' قرآن مجید میں ہے:

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ (المائدہ: ۱۱۶)

اور جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنالو؟

عیسائیوں کا ایک اور فرقہ اللہ' عیسیٰ اور روح القدس کو تین خدا مانتا ہے' عیسائی ان تینوں کو الگ الگ خدا بھی مانتے ہیں اور ان تینوں کو ایک خدا بھی کہتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ نہ کہو کہ تین خدا ہیں' یا تین اقانیم ہیں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کی عین ہے' اور ان میں سے ہر ایک کامل خدا ہے اور ان کا مجموع بھی ایک خدا ہے' کیونکہ اس نظریہ سے اس توحید خالص کا انکار ہوتا ہے جس کی دعوت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی' اور تثلیث کو جمع کرنا غیر معقول ہے اور اجتماع الاضداد ہے' اللہ تعالیٰ نے تثلیث کے قائلین کو کافر قرار دیا ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ (المائدہ: ۷۳)

بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے' جنہوں نے کہا یقیناً اللہ تین میں سے تیسرا ہے' حالانکہ سوا ایک مستحق عبادت کے اور کوئی مستحق عبادت نہیں۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (المائدہ: ۷۲)

بے شک وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔

ابنیت مسیح کا بطلان

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: صرف اللہ ہی واحد مستحق عبادت ہے' وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو' اسی کی ملک میں ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے اور اللہ کافی کارساز ہے۔ (النساء: ۱۷۱)

اس آیت کا معنی ہے: اللہ واحد ہے مستحق عبادت ہے' وہ تعدد' اجزاء اور اقانیم سے منزہ ہے' اور نہ ہی وہ اجزاء

سے مرکب ہے کیونکہ مرکب اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہے اور جو کسی کی طرف محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا' وہ سبحان ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو یا اس کا کوئی شریک ہو' عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے' اگر وہ حقیقی بیٹا کہتے ہیں تو یہ اللہ پر محال ہے کہ اس کی کوئی زوجہ ہو اور وہ کسی کا باپ ہو' کیونکہ باپ اولاد کے حصول میں زوجہ کا محتاج ہے اور جو محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا' نیز حقیقی باپ ہونا جسمیت کا متقاضی ہے اور جسم مرکب اور محتاج ہوتا ہے اور محتاج خدا نہیں ہو سکتا' نیز اس میں مسیح کی الوہیت کا بھی بطلان ہے کیونکہ بیٹا باپ کے بعد ہوتا ہے اور جو کسی کے بعد ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا' اور اگر وہ مجازاً" مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں تو اس میں مسیح کی تخصیص نہیں ہے' نیز خدا پر باپ کا اطلاق اس لیے جائز نہیں کہ یہ لفظ مخلوق کی صفت ہے خالق کی صفت نہیں ہے' اللہ کی شان خالق ہے۔ باپ اس کی شان نہیں ہے۔

تمام آسمان اور تمام زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے وہ سب اللہ کی مملوک ہیں اور مسیح بھی اللہ کا مملوک ہے اور بیٹا مملوک نہیں ہوتا اور کائنات کی ہر چیز اس کے احکام کے تحت اور مسخر ہے' سب اس کے مقدور ہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنْ كُلُّ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِى الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (مریم : ٩٣) — آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز بندگی کے ساتھ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والی ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ (الانعام : ١٠١) — آسمانوں اور زمینوں کو ابتداء" پیدا کرنے والا ہے' اس کا بیٹا کیونکر ہو گا اس کی تو بیوی ہی نہیں۔

جب آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اور سب لوگ اس کے بندے' مملوک اور مخلوق ہیں تو اس کا بیٹا کیسے ہو گا!

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ

مسیح اللہ کا بندہ ہونے میں ہرگز عار نہیں سمجھیں گے ، اور نہ مقرب

الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ

فرشتے ، اور جو لوگ اللہ کی عبادت کرنے میں عار سمجھیں اور تکبر کریں تو اللہ ان سب کو اپنے

اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿١٧٢﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ

سامنے جمع کرے گا ○ سو جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے تو اللہ ان کو ان کا پورا پورا

اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ

اجر عطا فرمائے گا اور انھیں اپنے فضل سے زیادہ اجر دے گا ، اور جن لوگوں نے (عبادت کو) عار سمجھا اور

اسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ

تکبر کیا تو اللہ ان کو دردناک عذاب دے گا ، اور وہ لوگ اللہ کے سوا اپنا کوئی

دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ

کارساز اور مددگار نہیں پائیں گے ○ اے لوگو! بیشک تمہارے پاس تمہارے رب

بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

کی طرف سے قوی دلیل آ گئی اور ہم نے تمہاری طرف واضح نور نازل کیا ہے ○ سو جو لوگ اللہ پر ایمان

اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ

لے آئے اور انہوں نے اس (کے دامن رحمت) کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو اللہ ان کو عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں داخل

فَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ

کرے گا اور انہیں اپنی طرف پہنچانے والا سیدھا راستہ دکھائے گا ○ آپ سے حکم معلوم کرتے ہیں،

قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ

آپ کہیے کہ اللہ تمہیں کلالہ (کی میراث) میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے جس کی نہ اولاد

وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ

ہو (نہ ماں باپ) اور اس کی ایک (حقیقی یا علاتی) بہن ہو تو اس (بہن) کو اس کے ترکہ کا نصف ملے گا اور وہ اپنی اس بہن کا وارث ہوگا اگر

يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا

اس (بہن) کی کوئی اولاد نہ ہو، پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان کا حصہ اس (بھائی) کے ترکہ سے دو تہائی ہے اور اگر

تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ

بہن بھائی وارث ہوں مرد اور عورتیں تو ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے

الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ

برابر ہے۔ اللہ تمہارے لیے (اپنے احکام وضاحت سے) بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو

شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ ع

خوب جاننے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : مسیح اللہ کا بندہ ہونے میں ہرگز عار نہیں سمجھیں گے' اور نہ مقرب فرشتے۔ (الآیہ : ۱۷۲)

شان نزول

امام عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں :

اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس نجران کا وفد آیا اور انہوں نے کہا : اے محمد! (ﷺ) آپ ہمارے صاحب کو برا کیوں کہتے ہیں' آپ نے پوچھا تمہارا صاحب کون ہے؟ انہوں نے کہا عیسیٰ (علیہ السلام) آپ نے فرمایا میں ان کے متعلق کیا کہوں وہ اللہ کے بندے ہیں! انہوں نے کہا نہیں وہ اللہ ہے' آپ نے فرمایا ان کے لیے اللہ کا بندہ ہونا عار نہیں ہے' انہوں نے کہا نہیں بلکہ عار ہے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی مسیح اللہ کا بندہ ہونے میں عار نہیں سمجھیں گے اور نہ مقرب فرشتے۔ (زاد المسیر ج ۲ ص ۲۶۲' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۴۰۷ھ)

اس کے بعد اللہ نے فرمایا اور نہ مقرب فرشتے (اللہ کا بندہ ہونے میں ہرگز عار سمجھیں گے) امام رازی متوفی ۶۰۶ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ کے خدا ہونے یا خدا کا بیٹا ہونے کا شبہ اس وجہ سے ہوتا تھا کہ حضرت عیسیٰ غیب کی خبریں دیتے تھے' اور ان سے کئی امور خارقہ للعادت ظاہر ہوئے۔ انہوں نے مردوں کو زندہ کیا اور بیماروں کو تندرست کیا' اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ صرف اتنی قدر سے کسی کو اللہ کی عبادت سے عار نہیں آتی۔ دیکھو ملائکہ مقربین کو اس سے زیادہ غیب کا علم ہے کیونکہ وہ لوح محفوظ کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں' اور ان کی قوت بھی بہت زیادہ ہے' کیونکہ ان میں آٹھ فرشتے اللہ کے عظیم عرش کو اٹھائے رہتے ہیں' پھر جب مقرب فرشتے اس قدر عظیم علم اور قدرت کے حامل ہونے کے باوجود اللہ کی عبادت کرنے میں عار نہیں سمجھتے تو حضرت عیسیٰ اس سے کم علم اور کم قدرت کے ساتھ متصف ہونے پر کیسے اللہ کی عبادت کرنے کو باعث عار قرار دیں گے؟

نبیوں کے فرشتوں سے افضل ہونے کی بحث

معتزلہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ مقرب فرشتوں کا علم اور ان کی قدرت حضرت عیسیٰ سے زیادہ ہے تو ثابت ہو گیا کہ فرشتوں کو نبیوں پر فضیلت حاصل ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ ہم جو کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو فرشتوں سے زیادہ اجر و ثواب حاصل ہو گا' اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقرب فرشتوں کا علم اور ان کی قدرت حضرت عیسیٰ سے زیادہ ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا اجر و ثواب حضرت عیسیٰ سے زائد ہے۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۴۶' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۸ھ)

علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ نے معتزلہ کے جواب کی زیادہ عمدہ تقریر کی ہے' وہ لکھتے ہیں :

معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر مقرب فرشتہ نبی سے افضل ہے اور اس آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام مقرب فرشتے مل کر بہ حیثیت مجموع مسیح سے افضل ہیں۔ اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ ہر نبی ہر مقرب فرشتہ سے افضل ہو اور مقرب فرشتوں کا مجموعہ کسی ایک نبی سے افضل ہو' دوسرا جواب سب سے عمدہ ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا یا خدا کا بیٹا اس لیے کہتے تھے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد فرمایا کہ بغیر باپ کے پیدا ہونے سے زیادہ عجیب و غریب وہ فرشتے ہیں جو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے اور ملائکہ مقربین

ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تو جب وہ اللہ کی عبادت کرنے میں عار نہیں سمجھتے تو مسیح علیہ السلام جو صرف باپ کے بغیر پیدا ہوئے وہ عبادت کرنے کو کیسے باعث عار قرار دیں گے!

(روح المعانی ج ۶ص ۴۰۔۳۸، ملخصا، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

لیکن اس دوسرے جواب پر یہ اعتراض ہے کہ ہر فرشتہ ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوا ہے پھر فرشتوں کے ساتھ مقربین کی قید لگانے کا کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے تو اللہ ان کو ان کا پورا پورا اجر عطا فرمائے گا اور انہیں اپنے فضل سے زیادہ اجر دے گا اور جن لوگوں نے (عبادت کو) عار سمجھا اور تکبر کیا تو اللہ ان کو دردناک عذاب دے گا' اور وہ لوگ اللہ کے سوا اپنا کوئی کارساز اور مددگار نہیں پائیں گے۔ (النساء : ۱۷۳)

اس آیت میں نیکوکار مومنوں کو جو زیادہ اجر کی بشارت دی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جس شخص نے دنیا میں ان کے ساتھ نیکی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں اس کی شفاعت کرنے کی اجازت دے گا۔

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ان کا اجر یہ ہے کہ اللہ انہیں جنت میں داخل کر دے گا اور اپنے فضل سے جو ان کو زیادہ اجر دے گا' وہ ان لوگوں کے لیے شفاعت کرنا ہے جنہوں نے ان کے ساتھ دنیا میں کوئی نیکی کی تھی۔ (المعجم الکبیر ج ۱۰' رقم الحدیث : ۱۰۴۶۲' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے لکھا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی اسماعیل بن عبداللہ الکندی ہے اس کی امام ذہبی نے تضعیف کی ہے' اور اس حدیث کے بقیہ تمام راوی ثقہ ہیں۔ (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۱۳)

واضح رہے کہ فضائل میں اس قسم کا ضعف استدلال میں مضر نہیں ہے' البتہ حلال اور حرام سے متعلق روایات میں بہت احتیاط کی جاتی ہے۔

جو مسلمان اللہ کی عبادت کرنے میں عار نہیں سمجھتے اور نیک عمل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کا اجر و ثواب بیان کیا' پھر ان لوگوں کا اخروی عذاب بیان کیا جو اللہ کی عبادت کرنے کو عار سمجھتے ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا اسلوب ہے وہ ترغیب اور ترہیب کا ساتھ ساتھ ذکر فرماتا ہے' کیونکہ ہر چیز اپنی ضد کے ساتھ زیادہ بہتر طور پر پہچانی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے قوی دلیل آگئی اور ہم نے تمہاری طرف ہدایت دینے والا نور نازل کیا ہے۔ (النساء : ۱۷۴)

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا برہان اور قرآن مجید کا نور ہونا

اس سے پہلی آیتوں میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کے متعلق کفار' منافقین اور یہود و نصاریٰ کے تمام شبہات کا ازالہ کیا اور اب اس آیت میں اس وقت کے تمام فرقوں کو عمومی طور پر آپ کی دعوت قبول کرنے کا حکم دیا' اس آیت میں فرمایا ہے کہ تمہارے پاس برہان یعنی قوی دلیل آگئی اس سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور یہ جو فرمایا ہے تمہاری طرف نور مبین نازل کیا گیا ہے۔ اس سے مراد قرآن کریم ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برہان فرمانے میں یہ اشارہ ہے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت اور رسالت کو منوانے کے لیے کسی

الگ اور خارجی دلیل کی ضرورت نہیں ہے بلکہ آپ کا وجود مسعود اور آپ کی ذات گرامی بجائے خود آپ کی نبوت اور رسالت پر دلیل ہے' یہی وجہ ہے کہ دوسرے نبیوں اور رسولوں نے اپنی نبوت اور رسالت پر خارجی معجزات پیش کیے اور سیدنا محمد ﷺ نے اپنی نبوت اور رسالت پر اپنی زندگی پیش کی۔ قرآن مجید میں ہے :

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ‎ میں تم میں اس (نزول قرآن) سے پہلے اپنی عمر کا ایک حصہ گزار چکا ہوں تو کیا تم نہیں سمجھتے۔ (یونس : ۱۶)

حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا' حضرت ابوبکر ﷺ' حضرت علی ﷺ اور حضرت زید بن حارثہ ﷺ یہ سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں اور یہ سب بغیر کسی معجزہ کے ایمان لائے تھے' ان کے لیے یہی دلیل کافی تھی کہ انہوں نے آپ کی زندگی کو دیکھا تھا اور آپ کی زندگی ہی آپ کے دعویٰ نبوت پر بہت قوی دلیل تھی۔

اس آیت میں قرآن مجید کو نور مبین فرمایا ہے' نور اس چیز کو کہتے ہیں جو خود ظاہر ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر کردے' قرآن مجید اپنی فصاحت و بلاغت میں حد اعجاز کی وجہ سے خود ظاہر ہے اور احکام شرعیہ' ماضی اور مستقبل کی خبروں' اور عقائد صحیحہ اور اسرار کونیہ کو بیان کرنے والا اور ظاہر کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اس (کے دامن رحمت) کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو اللہ ان کو عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور انہیں اپنی طرف پہنچانے والا سیدھا راستہ دکھائے گا۔ (النساء : ۱۷۵)

جب اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا والوں پر سیدنا محمد ﷺ کا رسول ہونا اور قرآن مجید کا کتاب الٰہی ہونا ثابت کر دیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کو سیدنا محمد ﷺ کی شریعت پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ آپ کی شریعت کو مضبوطی سے پکڑ لیں' اور ان سے آخرت میں اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا' اللہ پر ایمان لانے کا معنی ہے کہ اللہ کی ذات' صفات' اس کے اسماء' اس کے احکام اور اس کے افعال پر ایمان لایا جائے' اور اللہ کے دامن رحمت کو مضبوطی سے پکڑنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ ان کو ایمان پر ثابت قدم رکھے اور ان کو لغزش دینے سے بچائے رکھے اور وہ ان کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور ان کو اپنی طرف پہنچانے والا سیدھا راستہ بتائے گا' اس آیت میں ان سے تین وعدے کیے ہیں رحمت' فضل اور ہدایت کے' حضرت ابن عباس نے فرمایا رحمت سے مراد جنت ہے' اور فضل سے مراد جنت کی وہ نعمتیں ہیں جن کو کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا' اور صراط مستقیم کی ہدایت سے مراد ہے دین مستقیم کی ہدایت' اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صراط مستقیم کی ہدایت سے مراد ہو اللہ عزوجل کی ذات کا دیدار اور عالم قدس کے انوار' یعنی پہلی دو نعمتیں جسمانی لذتوں پر مشتمل ہیں اور آخری نعمت روحانی لذت کے حصول کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : آپ سے حکم معلوم کرتے ہیں' آپ کہیے کہ اللہ تمہیں کلالہ (کی میراث) میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص فوت ہو جائے جس کی نہ اولاد ہو (نہ ماں باپ) اور اس کی (ایک حقیقی یا علاتی) بہن ہو تو اسے اس کے ترکہ کا نصف ملے گا' اور وہ اپنی اس بہن کا وارث ہو گا' پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان کا حصہ (اس بھائی کے) ترکہ سے دو تہائی ہے' اور اگر بہن بھائی وارث ہوں مرد اور عورتیں تو ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے' اللہ تمہارے لیے (اپنے احکام وضاحت سے) بیان فرماتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ (النساء : ۱۷۶)

آخری سورت اور آخری آیت کی تحقیق

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو سورت سب سے آخر میں نازل ہوئی وہ سورہ توبہ ہے اور جو آیت سب سے آخر میں نازل ہوئی وہ یستفتونک (النساء : ۱۷۶) ہے۔ (صحیح البخاری ج ۵ رقم الحدیث : ۴۶۰۵، صحیح مسلم ج ۳، رقم الحدیث : ۱۶۱۸، سنن ابوداؤد ج ۲، رقم الحدیث : ۲۸۸۸، سنن ترمذی ج ۴، رقم الحدیث ۳۰۵۲)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ لکھتے ہیں :

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ ایک قول یہ ہے کہ آخری سورت النصر ہے، اس کے نزول کے وقت میں کئی اقوال ہیں حق کے زیادہ قریب حضرت ابن عمر کا قول ہے کہ یہ حجۃ الوداع میں نازل ہوئی اس کو سورہ التودیع بھی کہتے ہیں، اس کے بعد الیوم اکملت لکم دینکم (المائدہ : ۳) نازل ہوئی، اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسی (۸۰) دن زندہ رہے، اس کے بعد یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ (النساء : ۱۷۶) نازل ہوئی۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پچاس دن زندہ رہے، پھر اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی : لقد جاءکم رسول من انفسکم (التوبہ : ۱۲۸) اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پینتیس (۳۵) دن زندہ رہے، پھر اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی : واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ (البقرہ : ۱۲۸) اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکیس دن زندہ رہے اور مقاتل نے کہا سات دن زندہ رہے، یہ ترتیب ابو الفضل محمد بن یزید نے ذکر کی ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۵ ص ۵۶۷، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس تحقیق کے اعتبار سے سورۃ النساء کی اس آیت کو جو آخری آیت کہا گیا ہے اس سے مراد آخری اضافی ہے۔

کلالہ کا لغوی معنی

علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں :

کلالہ اس مورث کو کہتے ہیں جس کا نہ والد (ماں باپ) زندہ ہو نہ اولاد ہو، یا کلالہ اس وارث کو کہتے ہیں جو نہ والد (ماں باپ) ہو نہ اولاد ہو، جیسے عم زاد بھائی، یا اخیافی بھائی بہن، ازہری نے کہا کہ سورہ نساء میں دو جگہ کلالہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ آیت : ۱۲، اور آیت : ۱۷۶ میں، آیت : ۱۲ میں فرمایا اگر ایسے مرد یا عورت کا ترکہ تقسیم کیا جائے جو کلالہ ہو، اور اس کا (ماں کی طرف سے) بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے پس اگر وہ (اخیافی بہن یا بھائی) ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہیں اور آیت : ۱۷۶ میں فرمایا : آپ کہئے اللہ تمہیں کلالہ میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر ایسا مرد فوت ہو جائے جس کی کوئی اولاد نہ ہو، اور اس کی ایک (حقیقی یا علاتی) بہن ہو تو اس (بہن) کو اس کے ترکہ سے نصف ملے گا، اور وہ اس (بہن) کا وارث ہو گا اگر اس کی اولاد نہ ہو۔ الآیہ

ابن الاعرابی سے منقول ہے کہ دور کے عم زاد کو کلالہ کہتے ہیں اور اخفش نے فراء سے نقل کیا ہے کہ والد (ماں باپ) اور اولاد کے سوا قرابت داروں کو کلالہ کہتے ہیں، اور ان کو کلالہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ میت کے نسب کے گرد قرابت کی جہت سے گھومتے رہتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کے والد (ماں باپ) اور ولد ساقط ہو جائیں وہ کلالہ ہے، نیز کل کا معنی تھکنا ہے اور ضعیف کو تھکنا لازم ہے، یہاں لازم بول کر ملزوم مراد لیا ہے کیونکہ جو وارث اصول اور فروع نہ ہوں وہ ضعیف ہوتے ہیں۔ اس لیے کلالہ کا معنی ہے ضعیف وارث (تاج العروس، ج ۸ ص ۱۰۱، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

کلالہ کا شرعی معنی

علامہ ابو سلیمان خطابی متوفی ٣٨٨ھ لکھتے ہیں :

اکثر صحابہ کا یہ قول ہے کہ جس کا نہ والد (ماں باپ) ہو نہ اولاد ہو وہ کلالہ ہے' حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے اس میں دو قول ہیں ایک قول جمہور صحابہ کی مثل ہے' اور دوسرا قول یہ ہے کہ کلالہ وہ شخص ہے جس کی اولاد نہ ہو اور یہ ان کا آخری قول ہے۔ امام عبدالرزاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے ان کو موت کے وقت یہ وصیت کی کہ کلالہ تمہارے قول کے مطابق ہے' حضرت ابن عباس نے کہا میرا کیا قول ہے تو انہوں نے کہا جس شخص کی اولاد نہ ہو' حسن کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے سوال کیا کہ کلالہ کون ہے؟ انہوں نے کہا والد اور ولد کے ماسوا کلالہ ہے' میں نے کہا اللہ عزوجل تو فرماتا ہے ان امرؤ ھلک لیس لہ ولد (النساء : ١٧٦) "اگر کوئی شخص مرجائے اور اس کی اولاد نہ ہو۔" (یعنی اس آیت میں کلالہ کی تعریف میں والد کی نفی کا ذکر نہیں ہے) تو حضرت ابن عباس ناراض ہوئے اور مجھے جھڑک دیا' میں کہتا ہوں کہ اشکال کی وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں کلالہ کی تعریف کی گئی ہے کہ اس کی اولاد نہ ہو اور اس میں والد کی نفی کا ذکر نہیں ہے' اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ کلالہ کی تعریف میں والد کی نفی حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث سے ماخوذ ہے کیونکہ یہ آیت ان ہی کے متعلق نازل ہوئی ہے اور جب یہ آیت نازل ہوئی اس وقت حضرت جابر کی اولاد تھی نہ والد زندہ تھے۔ (حضرت جابر کی اس وقت والدہ بھی زندہ نہیں تھیں۔ اس لیے کلالہ اس کو کہتے ہیں جس کے نہ ماں باپ زندہ ہوں نہ اولاد ہو) (معالم السنن علی مختصر سنن ابوداؤد ج ٤ ص ١٦٤۔ ١٦٣' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

کلالہ کے متعلق حضرت جابر کی حدیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ٢٥٦ھ روایت کرتے ہیں :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کرنے کے لیے تشریف لائے اس وقت میں بیمار تھا ہوش میں نہیں تھا' آپ نے اپنے وضو کا بچا ہوا پانی مجھ پر ڈالا تو مجھے ہوش آگیا' میں نے عرض کیا : یا رسول اللہ میری میراث کس کے لیے ہوگی؟ میرا وارث تو کلالہ ہوگا تو فرائض کی آیت نازل ہوگئی۔ صحیح مسلم میں ہے یہ آیت نازل ہوئی : یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ (النساء : ١٧٦) (صحیح البخاری ج ١' رقم الحدیث : ١٩٤' صحیح مسلم ج ٣' رقم الحدیث : ١٦١٦' سنن ابوداؤد ج ٢' رقم الحدیث : ٢٨٨٦' سنن ترمذی ج ٣' رقم الحدیث : ٢١٠٤' سنن ابن ماجہ ج ٢' رقم الحدیث : ٢٧٢٨' مسند احمد ج ٥' رقم الحدیث : ١٤١٩' مسند حمیدی ج ٢' رقم الحدیث : ١٢٢٩)

اس حدیث میں صالحین کی استعمال شدہ اشیاء اور آثار سے تبرک حاصل کرنے کا ثبوت ہے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کے آثار کا ظہور ہے' اور یہ کہ اکابر کو اصاغر کی عیادت کرنی چاہئے' اور اہل علم سے مسائل معلوم کرنا چاہئے اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کلالہ وہ ہوتا ہے جس کا نہ والد (ماں باپ) ہو نہ اولاد' کیونکہ اس وقت حضرت جابر کی صرف بہنیں تھیں' نہ والدین تھے نہ اولاد۔ کلالہ کی تعریف میں جہاں یہ کہا ہے کہ اس کا والد نہ ہو اس سے ماں اور باپ دونوں مراد ہیں اور جہاں یہ کہا ہے کہ اس کی اولاد نہ ہو اس سے مراد یہ ہے کہ نہ اس کا بیٹا ہو نہ بیٹی۔ (التفسیر المنیر ج ٦ ص ٥٧)

مناسبت

اس سورت کے شروع میں بھی اللہ تعالیٰ نے اموال اور میراث کے احکام بیان کئے تھے اور اس کے آخر میں بھی

میراث کے احکام بیان کیے ہیں' تاکہ سورت کے اول اور آخر میں مناسبت ہو' اور اس سورت کے وسط میں یہود' نصاریٰ اور منافقین کا رد فرمایا ہے اور ان کے شبہات کو زائل فرمایا ہے۔

کلالہ کی وراثت کے چار احوال

جو شخص کلالہ ہونے کی حالت میں فوت ہو اس آیت میں اس کے بھائیوں اور بہنوں کی وراثت کے چار احوال بیان فرمائے ہیں :

(۱) ایک شخص فوت ہو اور اس کی صرف ایک بہن ہو' تو اس کو اس کے ترکہ میں سے نصف ملے گا پھر اگر اس کے عصبات ہیں تو باقی ترکہ ان کو ملے گا ورنہ وہ باقی نصف بھی اسی بہن کو مل جائے گا۔

(۲) ایک عورت فوت ہو جائے اور اس کا صرف ایک بھائی وارث ہو تو اس عورت کا تمام مال اس بھائی کو مل جائے گا' اسی طرح اگر ایک شخص فوت ہو جائے اور اس کا صرف ایک بھائی وارث ہو تو وہ بھی اس کے تمام ترکہ کا وارث ہو گا۔

(۳) کوئی مرد یا عورت فوت ہو اور اس کی صرف دو یا دو سے زائد حقیقی یا علاتی بہنیں ہوں تو ان بہنوں کو دو تہائی ملے گا۔

(۴) کوئی مرد یا عورت فوت ہو اور اس کے وارث صرف بھائی اور بہن ہوں تو ان بہن بھائیوں میں اس کا ترکہ تقسیم کر دیا جائے گا بایں طور کہ مرد کو دو حصہ اور عورت کو ایک حصہ دیا جائے گا۔

ایک اشکال کا جواب

اس کے بعد ارشاد ہے : اللہ تمہارے لیے (اپنے احکام) بیان فرماتا ہے کہ تم گمراہ ہو جاؤ۔ بہ ظاہر اس پر اشکال ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ کراہیت مضاف محذوف ہے اور معنی یہ ہے اللہ تمہارے لیے (احکام) بیان فرماتا ہے تمہاری گمراہی کو ناپسند کرتے ہوئے' جیسے قرآن مجید میں ہے وسئل القریۃ (یوسف : ۸۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں حرف نفی محذوف ہے اور معنی ہے اللہ (احکام) بیان فرماتا ہے کہیں تم گمراہ نہ ہو جاؤ جیسے ان اللہ یمسک السموت والارض ان تزولا ای لئلا تزولا (فاطر : ۴۱) میں ہے اور تیسرا جواب یہ ہے کہ اس کا معنی ہے اللہ تمہارے لیے گمراہی کو بیان فرماتا ہے تاکہ تم جان لو کہ یہ گمراہی ہے اور اس سے اجتناب کرو۔

سورت نساء کے اول اور آخر میں مناسبت

اس سورت کے شروع میں فرمایا تھا اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور یہ آیت اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر دلالت کرتی ہے اور اس سورت کے آخر میں فرمایا اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے اور یہ آیت اللہ کے کمال علم پر دلالت کرتی ہے اور علم اور قدرت ہی دو ایسے وصف ہیں جن پر بناء الوہیت ہے' کیونکہ جس کو علم نہ ہو کہ اس کی مخلوق اس کی اطاعت کر رہی ہے یا نہیں وہ خدا نہیں ہو سکتا اور جس کو علم تو ہو لیکن وہ اطاعت کرنے والوں کو جزا دینے پر اور نافرمانی کرنے والوں کو سزا دینے پر قادر نہ ہو وہ بھی خدا نہیں ہو سکتا' اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے خصوصیت کے ساتھ ان کے ذاتی علم اور ذاتی قدرت کی نفی کی ہے' حالانکہ ان کا کوئی وصف بھی ذاتی نہیں ہے۔

اختتامی کلمات اور دعا

آج ۶ رجب ۱۴۱۷ھ / ۱۸ نومبر ۱۹۹۶ء بروز پیر کو سحر کے مبارک وقت میں اس سورت کی تفسیر ختم ہو گئی فالحمد

اللہ رب العالمین - الہ العلمین! جس طرح سورۃ النساء تک آپ نے اس تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق دی اسی طرح اپنے فضل اور کرم سے پورے قرآن کی تفسیر مکمل کرا دینا' مجھے اس تفسیر میں خطاء اور زلل سے محفوظ رکھنا اور ہدایت پر ثابت قدم رکھنا اور اس تفسیر کو اپنی بارگاہ میں مقبول کرنا اور اس کو تاقیام قیامت باقی اور فیض آفریں رکھنا اور اس کو میرے لیے ذریعہ نجات اور صدقہ جاریہ بنا دینا' مجھے' اس تفسیر کے ناشر' اس کے مصحح اور اس کے معاونین' قارئین اور محبین کو دنیا اور آخرت کے ہر شر اور ہر بلا سے محفوظ رکھنا اور دنیا اور آخرت میں ہر قسم کی نعمتوں اور سعادتوں سے بہرہ مند کرنا - اٰمِیۡنَ یَا رَبَّ الۡعَالَمِیۡنَ بِجَاہِ حَبِیۡبِکَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِیِّیۡنَ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَاَزۡوَاجِہٖ وَعُلَمَآءِ مِلَّتِہٖ وَاَوۡلِیَآءِ اُمَّتِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ -

---

ماخذ و مراجع

کتب الہیہ

۱۔ قرآن مجید

۲۔ تورات

۳۔ انجیل

کتب احادیث

۴۔ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ' مسند امام اعظم' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

۵۔ امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ' موطا امام مالک' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۰۹ھ

۶۔ امام عبداللہ بن مبارک متوفی ۱۸۱ھ کتاب الزھد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۷۔ امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۲ھ' کتاب الآثار' مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل

۸۔ امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ' موطا امام محمد' مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۹۔ امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ' کتاب الآثار' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۷ھ

۱۰۔ امام سلیمان بن داؤد بن جارود طیالسی حنفی متوفی ۲۰۴ھ' مسند طیالسی' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۳۹۱ھ

۱۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ' المسند' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۰ھ

۱۲۔ امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ' کتاب المغازی مطبوعہ عالم الکتب بیروت' ۱۴۰۴ھ

۱۳۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ' المصنف مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۳۹۰ھ

۱۴۔ امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی متوفی ۲۱۹ھ' المسند' مطبوعہ عالم الکتب بیروت

۱۵۔ امام سعید بن منصور خراسانی مکی متوفی ۲۲۷ھ' سنن سعید بن منصور' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۶۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ' المصنف' مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی' ۱۴۰۶ھ

۱۷۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ' المسند' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت' ۱۳۹۸ھ' دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ

۱۸۔ امام ابو عبداللہ بن عبدالرحمان دارمی متوفی ۲۵۵ھ' سنن دارمی' مطبوعہ دار الکتاب العربی' ۱۴۰۷ھ

۱۹۔ امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ صحیح بخاری مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۲ھ

۲۰۔ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ' الادب المفرد' مطبوعہ دار المعرفہ بیروت' ۱۴۱۲ھ

۲۱۔ امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ' صحیح مسلم' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۲۔ امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ' سنن ابن ماجہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۴۱۵ھ

۲۳۔ امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ' سنن ابوداؤد' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۵ھ

٢٤- امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث بجستانی متوفی ٢٧٥ھ، مراسیل ابوداؤد، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

٢٥- امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ، سنن ترمذی، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ١٤١٤ھ

٢٦- امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ٢٧٩ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، ١٤١٥ھ

٢٧- امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ٢٨٥ھ، سنن دار قطنی، مطبوعہ نشر السنہ ملتان

٢٨- امام احمد عمرو بن عبدالخالق بزار متوفی ٢٩٢ھ، البحر الزخار المعروف بمسند البزار مطبوعہ مؤسسۃ القرآن بیروت، ١٤٠٩ھ

٢٩- امام ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ٣٠٣ھ، سنن نسائی، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت، ١٤١٢ھ

٣٠- ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ٣٠٣ھ، عمل الیوم واللیلۃ مطبوعہ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت، ١٤٠٨ھ

٣١- امام ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب نسائی متوفی ٣٠٣ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ١٤١١ھ

٣٢- امام احمد بن علی المثنی التمیمی المتوفی ٣٠٧ھ، مسند ابو یعلیٰ موصلی مطبوعہ دارالمامون تراث، بیروت، ١٤٠٤ھ

٣٣- امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ متوفی ٣١١ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ١٣٩٥ھ

٣٤- امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق متوفی ٣١٦ھ، مسند ابوعوانہ، مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ

٣٥- امام ابوعبداللہ محمد الحکیم الترمذی المتوفی ٣٢٠ھ، نوادر الاصول، مطبوعہ دارالریان التراث القاہرہ، ١٤٠٨ھ

٣٦- امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ٣٢١ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ١٤١٥ھ

٣٧- امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی متوفی ٣٢١ھ، شرح معانی الآثار مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ١٤٠٤ھ

٣٨- امام محمد بن جعفر بن حسین خرائطی متوفی ٣٢٧ھ، مکارم الاخلاق، مطبوعہ مطبعۃ المدنی مصر، ١٤١١ھ

٣٩- امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی متوفی ٣٥٤ھ، الاحسان بہ ترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ١٤٠٧ھ

٤٠- امام ابوبکر احمد بن حسین آجری متوفی ٣٦٠ھ الشریعہ مطبوعہ مکتبہ دارالسلام ریاض، ١٤١٣ھ

٤١- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ٣٦٠ھ، معجم صغیر، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ مدینہ منورہ، ١٣٨٨ھ، مکتب اسلامی بیروت، ١٤٠٥ھ

٤٢- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ٣٦٠ھ معجم اوسط، مطبوعہ مکتبۃ المعارف ریاض، ١٤٠٥ھ

٤٣- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ٣٦٠ھ، معجم کبیر، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

٤٤- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ٣٦٠ھ، مسند الشامیین مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ١٤٠٩ھ

٤٥- امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ٣٦٠ھ، کتاب الدعاء مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ١٤١٣ھ

٤٦- امام ابوبکر احمد بن اسحاق دینوری المعروف بابن السنی متوفی ٣٦٤ھ، عمل الیوم واللیلۃ، مطبوعہ مجلس الدائرۃ المعارف، حیدر آباد دکن

٤٧- امام عبداللہ بن عدی الجرجانی المتوفی ٣٦٥ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ دارالفکر، بیروت

٤٨- امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ متوفی ٣٩٦ھ کتاب العظمۃ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت

٤٩- امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ٤٠٥ھ، المستدرک، مطبوعہ دارالباز مکہ مکرمہ

٥٠- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ٤٣٠ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت، ١٤٠٧ھ

٥١- امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی متوفی ٤٣٠ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ دارالنفائس، بیروت

٥٢- امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ٤٥٨ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان

۵۳۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۵۴۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت
۵۵۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔
۵۶۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، کتاب الآداب، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۶ھ
۵۷۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ، شعب الایمان، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۱ھ
۵۸۔ امام ابو عمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی متوفی ۴۶۳ھ، جامع بیان العلم و فضلہ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۵۹۔ امام حسین بن مسعود بغوی متوفی ۵۱۶ھ، شرح السنۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ
۶۰۔ امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ، مختصر تاریخ دمشق، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۰۴ھ
۶۱۔ امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ
۶۲۔ امام ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد مقدسی حنبلی متوفی ۶۴۳ھ، الاحادیث المختارۃ، مطبوعہ مکتبہ النہضۃ الحدیثیہ، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۰ھ
۶۳۔ امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری المتوفی ۶۵۶ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۰۷ھ
۶۴۔ امام ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ التذکرہ فی امور الآخرۃ، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۷ھ
۶۵۔ امام ولی الدین تبریزی متوفی ۷۴۲ھ، مشکوۃ، مطبوعہ اصح المطابع دہلی
۶۶۔ حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی متوفی ۷۶۲ھ، نصب الرایہ، مطبوعہ مجلس علمی سورت ہند، ۱۳۵۷ھ
۶۷۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ
۶۸۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، کشف الاستار، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۴ھ
۶۹۔ حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی، المتوفی ۸۰۷ھ، موارد الظمآن، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۷۰۔ امام محمد بن محمد جزری متوفی ۸۳۳ھ، حصن حصین، مطبوعہ مصطفیٰ البابی واولادہ مصر، ۱۳۵۰ھ
۷۱۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی متوفی ۸۴۰ھ زوائد ابن ماجہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۴ھ
۷۲۔ حافظ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمانی متوفی ۸۴۵ھ، الجوہر النقی مطبوعہ نشر السنۃ ملتان
۷۳۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۸۴۸ھ، تلخیص المستدرک مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ
۷۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ
۷۵۔ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، الجامع الصغیر مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱۳۹۱ھ
۷۶۔ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، جامع الاحادیث الکبیر مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ
۷۷۔ حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ، الخصائص الکبریٰ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر
۷۸۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ، کشف الغمہ مطبوعہ مطبعہ عامرہ عثمانیہ مصر، ۱۳۰۳ھ
۷۹۔ علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری متوفی ۹۷۵ھ، کنز العمال مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴۰۵ھ

کتب تفسیر

۸۰۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ 'تنویر المقباس' مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ ایران
۸۱۔ امام حسن بن عبداللہ البصری المتوفی ۱۱۰ھ 'تفسیر الحسن البصری' مطبوعہ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ '۱۴۱۳ھ
۸۲۔ امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء متوفی ۲۰۷ھ 'معانی القرآن' مطبوعہ بیروت
۸۳۔ شیخ ابوالحسن علی بن ابراہیم قمی متوفی ۳۰۷ھ 'تفسیر قمی مطبوعہ دار الکتاب ایران '۱۴۰۶ھ
۸۴۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ 'جامع البیان مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت '۱۴۰۹ھ 'دار الفکر بیروت '۱۴۱۵ھ
۸۵۔ امام ابواسحاق ابراہیم بن محمد الزجاج متوفی ۳۱۱ھ 'اعراب القرآن' مطبوعہ مطبعہ سلمان فارسی ایران '۱۴۰۶ھ
۸۶۔ امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ 'احکام القرآن' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور '۱۴۰۰ھ
۸۷۔ علامہ ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی ۳۷۵ھ 'تفسیر سمرقندی' مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکہ مکرمہ '۱۴۱۳ھ
۸۸۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی متوفی ۳۸۵ھ 'التبیان فی تفسیر القرآن مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۸۹۔ علامہ مکی بن ابی طالب متوفی ۴۳۷ھ 'مشکل اعراب القرآن' مطبوعہ انتشارات نور ایران '۱۳۶۲ھ
۹۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ 'النکت والعیون' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت
۹۱۔ علامہ ابوالحسن علی بن احمد' واحدی نیشاپوری متوفی ۴۵۸ھ 'الوسیط' مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت '۱۴۱۵ھ
۹۲۔ علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۴۶۷ھ 'کشاف' مطبوعہ نشر البلاغہ قم ایران '۱۴۱۳ھ
۹۳۔ علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ 'احکام القرآن' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت '۱۴۰۸ھ
۹۴۔ علامہ ابوبکر قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ اندلسی متوفی ۵۴۶ھ 'المحرر الوجیز' مطبوعہ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ
۹۵۔ شیخ ابوعلی فضل بن حسن طبرسی متوفی ۵۴۸ھ 'مجمع البیان' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران '۱۴۰۶ھ
۹۶۔ علامہ ابوالفرج عبدالرحمان بن علی بن محمد جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ 'زاد المسیر' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت '۱۴۰۷ھ
۹۷۔ خواجہ عبداللہ انصاری من علماء القرن السادس 'کشف الاسرار وعدۃ الابرار' مطبوعہ انتشارات امیر کبیر تہران '۱۳۷۱ھ
۹۸۔ امام فخرالدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ 'تفسیر کبیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۳۹۸ھ
۹۹۔ علامہ محی الدین ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ 'تفسیر القرآن الکریم' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو ایران '۱۹۷۸ء
۱۰۰۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ 'الجامع لاحکام القرآن' مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو 'ایران '۱۳۸۷ھ
۱۰۱۔ قاضی ابوالخیر عبداللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی متوفی ۶۸۵ھ 'انوار التنزیل مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع مصر
۱۰۲۔ علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی متوفی ۷۱۰ھ 'مدارک التنزیل مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور
۱۰۳۔ علامہ علی بن محمد خازن شافعی متوفی ۷۲۵ھ 'لباب التاویل' مطبوعہ دار الکتب العربیہ پشاور
۱۰۴۔ علامہ نظام الدین حسین بن محمد قمی متوفی ۷۲۸ھ' تفسیر نیشاپوری' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت '۱۴۰۹ھ
۱۰۵۔ علامہ تقی الدین ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ 'التفسیر الکبیر' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت '۱۴۰۹ھ
۱۰۶۔ علامہ شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ متوفی ۷۵۱ھ 'بدائع التفسیر' مطبوعہ دار ابن الجوزیہ 'مکہ مکرمہ '۱۴۱۴ھ

١٠٧- علامہ ابوالحیان محمد بن یوسف اندلسی متوفی ٧٥٤ھ 'البحر المحیط' مطبوعہ دار الفکر بیروت '١٤١٢ھ

١٠٨- علامہ ابوالعباس بن یوسف السمین الشافعی متوفی ٧٥٦ھ 'الدر المصون' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت '١٤١٤ھ

١٠٩- حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ٧٧٤ھ 'تفسیر القرآن' مطبوعہ ادارہ اندلس بیروت '١٣٨٥ھ

١١٠- علامہ عبدالرحمان بن محمد بن مخلوف ثعالبی متوفی ٨٧٥ھ 'تفسیر الثعالبی' مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت

١١١- علامہ ابوالحسن ابراہیم بن عمر البقاعی المتوفی ٨٨٥ھ 'نظم الدرر' مطبوعہ دار الکتاب الاسلامی قاہرہ '١٤١٣ھ

١١٢- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ٩١١ھ 'الدر المنثور' مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمیٰ ایران

١١٣- حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ٩١١ھ 'جلالین' مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی

١١٤- علامہ محی الدین محمد بن مصطفیٰ قوجوی متوفی ٩٥١ھ 'حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی مطبوعہ مکتبہ یوسفی دیوبند

١١٥- شیخ فتح اللہ کاشانی متوفی ٩٧٧ھ منہج الصادقین 'مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران

١١٦- علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی حنفی متوفی ٩٨٢ھ 'تفسیر ابوالسعود' مطبوعہ دار الفکر بیروت '١٣٩٨ھ

١١٧- علامہ احمد شہاب الدین خفاجی مصری حنفی 'متوفی ١٠٦٩ھ 'عنایۃ القاضی' مطبوعہ دار صادر بیروت '١٢٨٣ھ

١١٨- علامہ احمد جیون جونپوری متوفی ١١٣٠ھ 'التفسیرات الاحمدیہ' مطبع کریمی بمبئی

١١٩- علامہ اسماعیل حقی حنفی متوفی ١١٣٧ھ 'روح البیان' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

١٢٠- شیخ سلیمان بن عمر المعروف بالجمل متوفی ١٢٠٤ھ 'الفتوحات الالٰہیہ' مطبوعہ المطبعۃ البہیۃ مصر '١٣٠٣ھ

١٢١- علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی ١٢٢٣ھ 'تفسیر صاوی' مطبوعہ دار احیاء الکتب العربیہ مصر

١٢١- قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی ١٢٢٥ھ 'تفسیر مظہری' مطبوعہ بلوچستان بک ڈپو کوئٹہ

١٢٢- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ١٢٣٩ھ 'تفسیر عزیزی' مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی

١٢٣- شیخ محمد بن علی شوکانی متوفی ١٢٥٠ھ 'فتح القدیر' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت

١٢٤- علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی حنفی متوفی ١٢٧٠ھ 'روح المعانی' مطبوعہ ار احیاء التراث العربی بیروت

١٢٥- نواب صدیق حسن خان بھوپالی متوفی ١٣٠٧ھ 'فتح البیان' مطبوعہ مطبع امیریہ کبریٰ بولاق مصر '١٣٠١ھ

١٢٦- علامہ محمد جمال الدین قاسمی متوفی ١٣٣٢ھ 'تفسیر القاسمی' مطبوعہ دار الفکر بیروت '١٣٩٨ھ

١٢٧- علامہ محمد رشید رضا متوفی ١٣٥٤ھ 'تفسیر المنار' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت

١٢٨- علامہ حکیم شیخ طنطاوی جوہری مصری متوفی ١٣٥٩ھ 'الجواہر فی تفسیر القرآن' المکتبۃ الاسلامیہ ریاض

١٢٩- شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ١٣٦٤ھ 'بیان القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لاہور

١٣٠- سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ١٣٦٧ھ 'خزائن العرفان' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور

١٣١- شیخ محمود الحسن دیوبندی متوفی ١٣٣٩ھ 'و شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ١٣٦٩ھ 'حاشیۃ القرآن' مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ 'لاہور

١٣٢- علامہ محمد طاہر بن عاشور متوفی ١٣٨٠ھ 'التحریر والتنویر مطبوعہ تونس

١٣٣- سید محمد قطب شہید متوفی ١٣٨٥ھ 'فی ظلال القرآن' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت '١٣٨٦ھ

١٣٤- مفتی احمد یار خاں نعیمی متوفی ١٣٩١ھ 'نور العرفان' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ گجرات

۱۳۵۔ مفتی محمد شفیع دیوبندی متوفی ۱۳۹۶ھ 'معارف القرآن' مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی '۱۳۹۷ھ
۱۳۶۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی متوفی ۱۳۹۹ھ 'تفہیم القرآن' مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن لاہور
۱۳۷۔ علامہ سید احمد سعید کاظمی متوفی ۱۴۰۶ھ 'التبیان مطبوعہ کاظمی پبلیکیشنز ملتان
۱۳۸۔ علامہ محمد امین بن محمد مختار جکنی شنقیطی 'اضواء البیان' مطبوعہ عالم الکتب بیروت
۱۳۹۔ استاذ احمد مصطفیٰ المراغی 'تفسیر المراغی' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت
۱۴۰۔ آیت اللہ مکارم شیرازی 'تفسیر نمونہ' مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ ایران '۱۳۶۹ھ
۱۴۱۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری 'ضیاء القرآن' مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز' لاہور
۱۴۲۔ شیخ امین احسن اصلاحی 'تدبر قرآن' مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن لاہور
۱۴۳۔ علامہ محمود صافی 'اعراب القرآن و صرفہ و بیانہ' مطبوعہ انتشارات زرین ایران
۱۴۴۔ استاذ محی الدین درویش 'اعراب القرآن و بیانہ' مطبوعہ دار ابن کثیر' بیروت
۱۴۵۔ ڈاکٹر وھبہ زحیلی 'تفسیر منیر' مطبوعہ دار الفکر بیروت '۱۴۱۲ھ
۱۴۶۔ سعید حوی 'الاساس فی التفسیر' مطبوعہ دار السلام

کتب علوم قرآن

۱۴۷۔ علامہ بدر الدین محمد بن عبداللہ زرکشی متوفی ۷۹۴ھ 'البرھان فی علوم القرآن' مطبوعہ دار الفکر بیروت
۱۴۸۔ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ 'الاتقان فی علوم القرآن' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور
۱۴۹۔ علامہ محمد عبدالعظیم زرقانی 'مناہل العرفان' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

کتب شروح حدیث

۱۵۰۔ حافظ ابو عمرو ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ 'الاستذکار' مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ 'بیروت '۱۴۱۳ھ
۱۵۱۔ حافظ ابو عمرو ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ 'تمہید' مطبوعہ مکتبہ القدوسیہ لاہور '۱۴۰۴ھ
۱۵۲۔ علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف باجی مالکی اندلسی متوفی ۴۷۴ھ 'المنتقی مطبوعہ مطبع السعادۃ مصر '۱۳۳۲ھ
۱۵۳۔ علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ھ 'عارضۃ الاحوذی مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۵ھ
۱۵۴۔ امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری متوفی ۶۵۶ھ مختصر سنن ابوداؤد' مطبوعہ دار المعرفہ' بیروت
۱۵۵۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ 'شرح مسلم مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی '۱۳۷۵ھ
۱۵۶۔ علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی متوفی ۷۴۳ھ 'شرح الطیبی' مطبوعہ ادارۃ القرآن '۱۴۱۳ھ
۱۵۷۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی متوفی ۸۲۸ھ 'اکمال اکمال المعلم' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت '۱۴۱۵ھ
۱۵۸۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ 'فتح الباری' مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور '۱۴۰۱ھ

۱۵۹۔ حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر، ۱۳۴۸ھ
۱۶۰۔ علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی متوفی ۸۹۵ھ، مکمل اکمال المعلم، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت
۱۶۱۔ علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر ۱۳۰۶ھ
۱۶۲۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ، فیض القدیر، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، ۱۳۹۱ھ
۱۶۳۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی متوفی ۱۰۰۳ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۱۶۴۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، جمع الوسائل، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی
۱۶۵۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۰۵ھ
۱۶۶۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، مرقات، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۳۹۰ھ
۱۶۷۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ، الحرز الثمین، مطبوعہ مطبعہ امیریہ مکہ مکرمہ ۱۳۰۴ھ
۱۶۸۔ شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ مطبع مصطفی البابی و اولادہ مصر، ۱۳۵۰ھ
۱۶۹۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ مطبع تیج کمار لکھنؤ
۱۷۰۔ شیخ عبدالرحمن مبارک پوری متوفی ۱۳۲۵ھ، تحفۃ الاحوذی مطبوعہ نشر السنۃ ملتان
۱۷۱۔ شیخ انور شاہ کشمیری متوفی ۱۳۵۲ھ، فیض الباری، مطبوعہ مطبع حجازی مصر، ۱۳۵۷ھ
۱۷۲۔ شیخ شبیر احمد عثمانی متوفی ۱۳۶۹ھ، فتح الملہم، مطبوعہ مکتبۃ الحجاز کراچی
۱۷۳۔ شیخ محمد ادریس کاندھلوی متوفی ۱۳۹۴ھ، التعلیق الصبیح، مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ لاہور

کتب اسماء رجال

۱۷۴۔ علامہ ابوالفرج عبدالرحمن بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ، العلل المتناهیہ، مطبوعہ مکتبہ اثریہ فیصل آباد، ۱۴۰۱ھ
۱۷۵۔ حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی متوفی ۷۴۲ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ
۱۷۶۔ علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ، میزان الاعتدال مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۱۶ھ
۱۷۷۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، تہذیب التہذیب، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ
۱۷۸۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ، تقریب التہذیب، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۳ھ
۱۷۹۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی

کتب لغت

۱۸۰۔ علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری متوفی ۳۹۸ھ، الصحاح، مطبوعہ دارالعلم بیروت، ۱۴۰۴ھ
۱۸۱۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ، المفردات، مطبوعہ المکتبۃ المرتضویہ ایران، ۱۳۴۲ھ

۱۸۲۔ علامہ محمد بن اثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ 'نہایہ' مطبوعہ مؤسسہ مطبوعات ایران' ۱۳۶۴ھ

۱۸۳۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ 'تہذیب الاسماء واللغات' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۱۸۴۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی متوفی ۷۱۱ھ 'لسان العرب' مطبوعہ نشر ادب الحوزۃ' قم' ایران' ۱۴۰۵ھ

۱۸۵۔ علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی متوفی ۸۱۷ھ 'القاموس المحیط' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۱۸۶۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ 'تاج العروس' مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر

۱۸۷۔ لوئیس معلوف الیسوعی' المنجد' مطبوعہ المطبعۃ الکاثو لیکہ بیروت' ۱۹۲۷ء

۱۸۸۔ شیخ غلام احمد پرویز متوفی ۱۴۰۵ھ 'لغات القرآن' مطبوعہ ادارہ طلوع اسلام لاہور

۱۸۹۔ ابو نعیم عبد الحکیم خان نشتر جالندھری' قائد اللغات' مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی لاہور

کتب تاریخ' سیرت و فضائل

۱۹۰۔ امام عبد الملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ 'السیرۃ النبویہ' مکتبہ فاروقیہ ملتان

۱۹۱۔ امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ 'الطبقات الکبریٰ' مطبوعہ دار صادر بیروت' ۱۳۸۸ھ

۱۹۲۔ امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ 'تاریخ الامم والملوک' مطبوعہ دار القلم بیروت

۱۹۳۔ حافظ ابو عمرو یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر متوفی ۴۶۳ھ 'الاستیعاب' مطبوعہ دار الفکر بیروت

۱۹۴۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ 'الشفاء' مطبوعہ عبد التواب اکیڈمی ملتان

۱۹۵۔ علامہ ابو القاسم عبد الرحمان بن عبد اللہ سہیلی متوفی ۵۷۱ھ 'الروض الانف' مکتبہ فاروقیہ' ملتان

۱۹۶۔ علامہ عبد الرحمان بن علی جوزی متوفی ۵۹۷ھ 'الوفا' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۱۹۷۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ 'اسد الغابہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت

۱۹۸۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ 'الکامل فی التاریخ' مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت

۱۹۹۔ علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان متوفی ۶۸۱ھ 'وفیات الاعیان' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران

۲۰۰۔ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی متوفی ۷۷۴ھ 'البدایہ والنہایہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت' ۱۳۹۳ھ

۲۰۱۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی' متوفی ۸۵۲ھ 'الاصابہ' مطبوعہ دار الفکر بیروت

۲۰۲۔ علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی متوفی ۹۱۱ھ 'وفاء الوفاء' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت' ۱۴۰۱ھ

۲۰۳۔ علامہ احمد قسطلانی متوفی ۹۱۱ھ 'المواہب اللدنیہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

۲۰۴۔ علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی متوفی ۹۴۲ھ' سبل الھدیٰ والرشاد مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ

۲۰۵۔ علامہ احمد بن حجر مکی شافعی متوفی ۹۷۴ھ 'الصواعق المحرقہ' مطبوعہ مکتبۃ القاہرہ' ۱۳۸۵ھ

۲۰۶۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ' شرح الشفاء' مطبوعہ دار الفکر بیروت

۲۰۷۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ' مدارج النبوت مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ' سکھر

۲۰۸۔ علامہ احمد شہاب الدین خفاجی حنفی متوفی ۱۰۶۹ھ، نسیم الریاض، مطبوعہ دارالفکر بیروت

۲۰۹۔ علامہ محمد عبدالباقی زرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۳۹۳ھ

۲۱۰۔ شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ، نشر الطیب مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی

کتب فقہ حنفی

۲۱۱۔ علامہ حسین بن منصور اوزجندی متوفی ۲۹۵ھ، فتاویٰ قاضی خاں، مطبوعہ مطبعہ کبریٰ امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

۲۱۲۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، المبسوط، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ

۲۱۳۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ المکتبۃ الشورۃ الاسلامیہ، افغانستان، ۱۴۰۵ھ

۲۱۴۔ علامہ طاہر بن عبدالرشید بخاری متوفی ۵۴۲ھ، خلاصۃ الفتاویٰ، مطبوعہ امجد اکیڈمی لاہور، ۱۳۹۷ھ

۲۱۵۔ علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی، ۱۴۰۰ھ

۲۱۶۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، ھدایہ اولین و اخرین، مطبوعہ شرکت علمیہ ملتان

۲۱۷۔ علامہ محمد بن محمود بابرتی متوفی ۷۸۶ھ، عنایہ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۲۱۸۔ علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی متوفی ۷۸۶ھ، فتاویٰ تاتارخانیہ، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۱۱ھ

۲۱۹۔ علامہ ابوبکر بن علی حداد متوفی ۸۰۰ھ، الجوہرۃ النیرہ، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان

۲۲۰۔ علامہ محمد شہاب الدین بن بزاز کردی متوفی ۸۲۷ھ، فتاویٰ بزازیہ مطبوعہ مطبع کبری امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

۲۲۱۔ علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ، بنایہ، مطبوعہ ملک سنز فیصل آباد

۲۲۲۔ علامہ کمال الدین بن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتح القدیر، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ

۲۲۳۔ علامہ جلال الدین خوارزمی، کفایہ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر

۲۲۴۔ علامہ معین الدین الہروی المعروف بہ محمد ملا مسکین متوفی ۹۵۴ھ، شرح الکنز، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر، ۱۲۸۷ھ

۲۲۵۔ علامہ ابراہیم بن محمد حلبی متوفی ۹۵۶ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۱۲ھ

۲۲۶۔ علامہ محمد خراسانی متوفی ۹۶۲ھ، جامع الرموز، مطبوعہ مطبع منشی نوا لکشور، ۱۲۹۱ھ

۲۲۷۔ علامہ زین الدین بن نجیم متوفی ۹۷۰ھ، البحر الرائق، مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر، ۱۳۱۱ھ

۲۲۸۔ علامہ حامد بن علی قونوی رومی متوفی ۹۸۵ھ، فتاویٰ حامدیہ، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۰ھ

۲۲۹۔ علامہ ابوالسعود محمد بن محمد عمادی، متوفی ۹۸۲ھ، حاشیہ ابوسعود علی ملا مسکین، مطبوعہ جمعیۃ المعارف المصریہ مصر ۱۲۸۷ھ

۲۳۰۔ علامہ خیرالدین رملی متوفی ۱۰۸۱ھ، فتاویٰ خیریہ، مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر، ۱۳۱۰ھ

۲۳۱۔ علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ، الدر المختار، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ

۲۳۲۔ علامہ سید احمد بن محمد حموی متوفی ۱۰۹۸ھ، غمز عیون البصائر، مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت، ۱۴۰۷ھ

۲۳۳۔ ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، فتاویٰ عالم گیری، مطبوعہ مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

۲۳۴۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ ' منحۃ الخالق مطبوعہ مطبعہ علمیہ مصر ۱۳۱۱ھ

۲۳۵۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ ' تنقیح الفتاوی الحامدیہ ' مطبوعہ دار الاشاعۃ العربی کوئٹہ

۲۳۶۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ ' رسائل ابن عابدین ' مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ' ۱۳۹۶ھ

۲۳۷۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ ' رد المحتار ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی ' بیروت ' ۱۴۰۷ھ

۲۳۸۔ امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ ' فتاوی رضویہ ' مطبوعہ مکتبہ رضویہ کراچی

۲۳۹۔ امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ ' فتاوی افریقہ ' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

۲۴۰۔ علامہ امجد علی متوفی ۱۳۷۶ھ ' بہار شریعت ' مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کراچی

۲۴۱۔ علامہ نور اللہ نعیمی متوفی ۱۴۰۳ھ ' فتاوی نوریہ ' مطبوعہ کمبائنڈ پرنٹرز لاہور ' ۱۹۸۳ھ

کتب فقہ شافعی

۲۴۲۔ علامہ ابو الحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ ' الحاوی الکبیر ' مطبوعہ دار الفکر بیروت ' ۱۴۱۴ھ

۲۴۳۔ علامہ ابو اسحاق شیرازی متوفی ۴۵۵ھ ' المہذب ' مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ' ۱۳۹۳ھ

۲۴۴۔ امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ ' احیاء علوم الدین ' مطبوعہ دار الخیر بیروت ' ۱۴۱۳ھ

۲۴۵۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ ' شرح المہذب ' مطبوعہ دار الفکر بیروت

۲۴۶۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ ' روضۃ الطالبین ' مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ' ۱۴۰۵ھ

۲۴۷۔ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ ' الحاوی للفتاوی ' مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد

۲۴۸۔ علامہ شمس الدین محمد بن ابی العباس رملی متوفی ۱۰۰۴ھ نہایۃ المحتاج ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ' ۱۴۱۴ھ

۲۴۹۔ علامہ ابو الضیاء علی بن علی شبراملسی متوفی ۱۰۸۷ھ ' حاشیہ ابو الضیاء علی نہایۃ المحتاج ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

کتب فقہ مالکی

۲۵۰۔ امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی متوفی ۲۵۶ھ ' المدونۃ الکبریٰ ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت

۲۵۱۔ قاضی ابو الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی متوفی ۵۹۵ھ ' بدایۃ المجتہد ' مطبوعہ دار الفکر بیروت

۲۵۲۔ علامہ خلیل بن اسحاق مالکی متوفی ۷۶۷ھ ' مختصر خلیل ' مطبوعہ دار صادر بیروت

۲۵۳۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن محمد الحطاب المغربی المتوفی ۹۵۴ھ ' مواہب الجلیل ' مطبوعہ مکتبۃ النجاح لیبیا

۲۵۴۔ علامہ علی بن عبد اللہ علی الخرشی المتوفی ۱۱۰۱ھ ' الخرشی علی مختصر خلیل ' مطبوعہ دار صادر بیروت

۲۵۵۔ علامہ ابو البرکات احمد دردیر مالکی متوفی ۱۱۹۷ھ ' الشرح الکبیر ' مطبوعہ دار الفکر بیروت

۲۵۶۔ علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی متوفی ۱۲۱۹ھ ' حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ' مطبوعہ دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۲۵۷۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ ' المغنی ' مطبوعہ دارالفکر بیروت ' ۱۴۰۵ھ

۲۵۸۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ متوفی ۶۲۰ھ ' الکافی ' مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ' ۱۴۱۴ھ

۲۵۹۔ شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ ' مجموعۃ الفتاوی ' مطبوعہ ریاض

۲۶۰۔ علامہ ابوالحسین علی بن سلیمان مرداوی متوفی ۸۸۵ھ ' الانصاف ' مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ' ۱۴۰۶ھ

کتب شیعہ

۲۶۱۔ شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ ' الاصول من الکافی ' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ تہران

۲۶۲۔ شیخ ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی متوفی ۳۲۹ھ ' الفروع من الکافی ' مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ تہران

۲۶۳۔ شیخ کمال الدین میثم بن علی بن میثم البحرانی المتوفی ۶۷۹ھ ' شرح نہج البلاغہ ' مطبوعہ مؤسسۃ النصر ایران ' ۱۳۸۷ھ

۲۶۴۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ ' حق الیقین ' مطبوعہ خیابان ناصر خسرو ایران ' ۱۳۴۷ھ

۲۶۵۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی متوفی ۱۱۱۰ھ ' حیات القلوب ' مطبوعہ کتاب فروشے اسلامیہ تہران

کتب عقائد و کلام

۲۶۶۔ امام محمد بن محمد غزالی متوفی ۵۰۵ھ ' المنقذ من الضلال ' مطبوعہ لاہور ' ۱۴۰۵ھ

۲۶۷۔ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ ' شرح عقائد نسفی ' مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی

۲۶۸۔ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ ' شرح المقاصد ' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران ' ۱۴۰۹ھ

۲۶۹۔ علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ ' شرح المواقف ' مطبوعہ منشورات الشریف الرضی ایران ' ۱۳۲۵ھ

۲۷۰۔ علامہ کمال الدین بن ہمام متوفی ۸۶۱ھ ' مسائرہ ' مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ ' مصر

۲۷۱۔ علامہ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن ابی الشریف الشافعی المتوفی ۹۰۶ھ ' مسامرہ ' مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر

۲۷۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ ' شرح فقہ اکبر ' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر ' ۱۳۷۵ھ

۲۷۳۔ علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ ' کتاب العقائد ' مطبوعہ تاجدار حرم پبلشنگ کمپنی کراچی

کتب اصول فقہ

۲۷۴۔ علامہ علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری المتوفی ۷۳۰ھ ' کشف الاسرار ' مطبوعہ دارالکتاب العربی ' ۱۴۱۱ھ

۲۷۵۔ علامہ محب اللہ بہاری متوفی ۱۱۱۹ھ 'مسلم الثبوت' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

۲۷۶۔ علامہ احمد جونپوری متوفی ۱۱۳۰ھ 'نور الانوار' مطبوعہ ایچ۔ ایم۔ سعید اینڈ کمپنی کراچی

۲۷۷۔ علامہ عبدالحق خیر آبادی متوفی ۱۳۱۸ھ 'شرح مسلم الثبوت' مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

کتب متفرقہ

۲۷۸۔ شیخ ابو طالب محمد بن الحسن المکی المتوفی ۳۸۶ھ 'قوت القلوب' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۰۶ھ

۲۷۹۔ علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ 'التذکرہ' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۰۷ھ

۲۸۰۔ شیخ تقی الدین احمد بن تیمیہ حنبلی متوفی ۷۲۸ھ ' قاعدہ جلیلہ' مطبوعہ مکتبہ قاہرہ مصر' ۱۳۷۳ھ

۲۸۱۔ علامہ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ 'الکبائر' مطبوعہ دار الغد العربی' قاہرہ' مصر

۲۸۲۔ علامہ عبداللہ بن اسد یافعی متوفی ۷۶۸ھ ' روض الریاحین' مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی و اولادہ مصر' ۱۳۷۴ھ

۲۸۳۔ علامہ میر سید شریف علی بن محمد جرجانی متوفی ۸۱۶ھ 'کتاب التعریفات' مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ مصر' ۱۳۰۶ھ

۲۸۴۔ علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی' متوفی ۹۷۴ھ ' الصواعق المحرقہ' مطبوعہ مکتبہ القاہرہ' ۱۳۸۵ھ

۲۸۵۔ علامہ احمد بن حجر ہیتمی مکی متوفی ۹۷۴ھ 'الزواجر' مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت' ۱۴۱۴ھ

۲۸۶۔ امام احمد سرہندی مجدد الف ثانی متوفی ۱۰۳۴ھ 'مکتوبات امام ربانی' مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی' ۱۳۷۰ھ

۲۸۷۔ علامہ سید محمد بن محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی متوفی ۱۲۰۵ھ 'اتحاف سادۃ المتقین' مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر' ۱۳۱۱ھ

۲۸۸۔ شیخ رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ 'فتاوی رشیدیہ کامل' مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی

۲۸۹۔ علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ الشہیر بحاجی خلیفہ 'کشف الظنون' مطبوعہ مطبعہ اسلامیہ طہران' ۱۳۷۸ھ

۲۹۰۔ امام احمد رضا قادری متوفی ۱۳۴۰ھ 'الملفوظ' مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور

۲۹۱۔ شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۴۸ھ ' ہدیۃ المہدی' مطبوعہ میور پریس دہلی' ۱۳۲۵ھ

۲۹۲۔ شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ 'بہشتی زیور' مطبوعہ ناشران قرآن لمیٹڈ لاہور

۲۹۳۔ شیخ اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ 'حفظ الایمان' مطبوعہ مکتبہ تھانوی کراچی

۲۹۴۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی 'نداء یا رسول اللہ' مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور' ۱۴۰۵ھ

سرٹیفکیٹ

میں نے تبیان القرآن جلد دوئم تصنیف شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی مطبوعہ فرید بک سٹال اردو بازار لاہور کے پروف بغور پڑھے ہیں۔ میری دانست کے مطابق اس تفسیر کے متن اور تفسیر میں درج آیات قرآنی کے الفاظ اور اعراب میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ میں نے اطمینان کے بعد یہ سرٹیفکیٹ تحریر کیا ہے۔

محمد ابراہیم فیضی

ظہور احمد فیضی